۳-۴ (اگست ۱۹۱۵ء — جولائی ۱۹۱۶ء)

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ



36

اسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ۔ حسن سیرت و معاشرت کا روحانی خطیب
اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج۔ مسلمان مردوں کا رہبر۔ عورتوں کا معلم۔ بچوں کا اتالیق
مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ۔ ہر شمسی مہینے کے آخری ہفتہ میں شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہ صفا + تواں رفت جز در پے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید + کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک
قسم اول ۲؎ + قسم دوم ۱؎
قیمت فی پرچہ ۳؍

[illegible]

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان واقعی سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں قرآن پاک اور اسلام کی صحیح تعلیم کو اپنا کر اس پر عمل کریں خوف خدا اور عظمت رسول کو معاشرت و تمدن میں اپنا رہنما بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کریں تعصب اور کورانہ تقلید سے اپنے تئیں پاک و صاف رکھیں غیر مسلم اقوام کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی بعض۔ اور جاہلانہ رسوم کے چھوڑنے کو معیوب نہ سمجھیں ہر ایک کام میں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کے مسلک پر آجائیں دولت۔ وقت اور قوت جیسی بیش بہا نعمتوں کو بیہودگی سے نہ لٹائیں تکفیر کے فتووں سے اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل نہ کریں خانہ جنگیوں۔ نااتفاقیوں۔ اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں۔ اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتفاق و اتحاد اور ہمدردی و خلوص کے آہنی حصار سے مستحکم و محفوظ کریں عیش پسندی سہل انگاری۔ اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں محنتی۔ جفاکش اور اولو العزم۔ مآل اندیش مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالیں اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی۔ صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف پوری توجہ کریں شیخیت و غرور اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اپنے تئیں تمام دنیا سے زیادہ نالائق اور سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری۔ عیاشی۔ نمود و نمائش۔ فیشن پرستی۔ مقدمہ بازی۔ بے محل خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کو راہبانہ رویہ کو خلاف سنت تصور کریں۔ اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی نذریں بند کر کے اُن سے مفت خوری کی عادت چھڑوائیں۔ ایسے مولویوں۔ ایسے صوفیوں۔ سیاسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض ملت فروش۔ اور نام نہاد خیر خواہ لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو اُن تمام اوصاف حمیدہ سے متصف کریں جو ایک اصلح انسان میں ہونے چاہئیں۔ تاکہ زمین کی وراثت کے وہ مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ

خریداروں اور مضمون نگاروں کے لیے ضروری ہدایتیں

(۱) اسوۂ حسنہ دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے قسم اول کا چندہ سالانہ [illegible] اور قسم دوم کا [illegible] جو بہر حال پیشگی آنا چاہیے۔ (۲) جن حضرات کے پاس رسالہ نمونۃً پہنچے براہ کرم اپنا ارادہ خریداری و عدم خریداری سے بواپسی ڈاک دفتر کو مطلع کر دینا چاہیے (۳) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو ضرور شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیے۔ ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے ایک پرچہ کی قیمت ۲/ ہے۔ (۴) چندہ کی میعاد ختم ہو جانے پر اگر خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع موصول نہ ہوگی تو ہم وی۔ پی بھیج کر آئندہ سال کے لیے چندہ وصول کر لینے کے مجاز ہونگے (۵) خط و کتابت میں نام و پتہ نہایت صاف مفصل اور واضح لکھنا چاہیے۔ اور نمبر خریداری کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہیے **قلمی معاونین** کو مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں (۳) آیات کے لیے سورت اور رکوع اور احادیث کے لیے مستند کتب حدیث کا حوالہ ضرور دیں (۴) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری۔ بے نتیجہ۔ یا غیر محققانہ ہوں۔ یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحۃً یا کنایۃً منافی ہوں یا جن میں لفاظی اور تخیل زیادہ اور مفید اصلاحی مطالب کم ہوں یا جن میں مناظرہ اور تردید کا رنگ غالب ہو (۵) جو مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کے لیے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی چاہیے۔ ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری اخلاقاً و قانوناً ان پر عاید ہوگی (۶) مضمون لکھنے سے پہلے رسالہ کے مقاصد معلوم کر لیں +

(منیجر)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

مفلس مسلمانوں کے اندھیرے گھر کا صرف ایک چراغ تھا۔ ہائے افسوس کہ وہ بھی گل ہو گیا بعد ازیں۔ اور اپاہج قوم کی امیدوں کا صرف ایک سہارا تھا حیف کہ اب وہ بھی نہ رہا یعنی فخر قوم محسن قوم فدائے قوم شہید قوم عالیجناب آنریبل مولوی خواجہ **غلام الثقلین** صاحب بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی نے بیزار ہو کر اس بے مہر دنیا اور احسان فراموش قوم سے اپنے تعلقات کو ہمیشہ کے لیے منقطع کر لیا۔ اور تقریباً ایک سال کی مسلسل علالت کے بعد ۲۸ ستمبر کی شب میں [illegible] دار فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ اس شہید قوم و ملت۔ اس قدسی نفس اور فرشتہ خصلت بزرگ کی قبر پر رحمت کا مینہ برسائے اور اسکو اپنے جوار فضل و کرم میں ممتاز جگہ عطا فرمائے آمین۔ خواجہ صاحب مرحوم و مغفور کی المناک اور جانسوز وفات کا صدمہ ایسا نہیں ہے جسے ان کے ایک دیرینہ ارادتمند کا گریاں قلم چند سطروں میں ظاہر کر سکے۔ اور نہ انکی [illegible] وسنت ،، اور ادبی یا قومی اور مذہبی خدمات کا دفتر اتنا مختصر ہے کہ اسوۂ حسنہ کی ایک سالانہ جلد بھی ان کے ختم کرنے کے لیے کافی ہو سکے۔ ذرا آنسوؤں کا حجاب سامنے سے ہٹ جائے۔ ذرا دل کا اضطراب کم ہو جائے۔ تو ہم مختصر طور پر اپنے مخدوم خواجہ کے کارناموں اور انکی قوم کی بے مہریوں۔ اور احسان فراموشیوں سے ناظرین کو آگاہ کرینگے۔ فی الحال اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ خواجہ صاحب کی بوقت وفات سے قوم و ملک کو ایسا سخت نقصان پہنچا ہے جس کی نظیر فخر قوم سرسید مرحوم کی وفات کے بعد ملنا مشکل ہے۔ اور جسکی تلافی کم از کم آئندہ ربع صدی تک نہیں ہو سکتی۔ ہمیں اس جانکاہ حادثہ میں خواجہ صاحب مرحوم کے برادران حقیقی مخدومنا جناب مولانا خواجہ غلام [illegible] صاحب پانی پتی۔ اور جناب خواجہ غلام السبطین صاحب بی۔ اے۔ اور خواجہ صاحب کے صاحبزادگان خواجہ غلام [illegible] اور خواجہ غلام عباس سلمہما اور جمیع پسماندگان و متعلقین کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ خدا تعالیٰ سب صاحبوں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مفصل آئندہ)

ایڈیٹر

(ضمیمہ رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ)

مضامین اسوۂ حسنہ کے ابواب

اسوۂ حسنہ کے مضامین کے لیے جو ابواب تجویز کئے گئے ہیں اون کے عنوانات حسب ذیل ہیں امید ہے کہ محترم قلمی معاونین تحریر مضامین میں ابواب کی مناسبت کو ملحوظ رکھیں گے۔ (ایڈیٹر)

(۱) معارف القرآن (۲) لطائف الحدیث (۳) السیرۃ المحمدیہ والمدائح النبویۃ (۴) تعلیم الاسلام (۵) عقاید الاسلام (۶) عبادات الاسلام (۷) اصلاح الاخلاق والاعمال (۸) تذکرۃ السلف (۹) التصوف (۱۰) حکمت و موعظت (۱۱) علم و ادب (۱۲) تلبیس ابلیس (۱۳) القصص (۱۴) تنقید و تقریظ (۱۵) بصارت و بصیرت (۱۶) شذرات +

غریب فنڈ

جو علم دوست حضرات اسوۂ حسنہ کی سالانہ قیمت دو روپیے نہیں ادا کرسکتے۔ اون کے لیئے بعض ارباب کرم کی تحریک سے یہ فنڈ قایم کیا گیا ہے۔ جن صاحبوں کے نام اسوۂ حسنہ رعایتی قیمت پر جاری کیا جائے گا۔ اون کے لیئے رسالہ کی سالانہ قیمت میں جو تخفیف کیجائے گی۔ اسمیں سے نصف کا بار ہمارے ذمہ ہوگا اور نصف کا غریب فنڈ کے ذمہ۔ اِس فنڈ کا حساب ہر مہینہ شائع ہوتا رہے گا۔ جولائی اور اگست میں آمدنی حسب ذیل ہوئی ہے :-

تقریبًا پچیس درخواستیں تخفیف قیمت کے متعلق آئی ہوئی رکھی ہیں ابھی تک انکی تعمیل نہیں ہوئی۔ بعد تعمیل خرچ کی تفصیل پیش کیجائے گی امید ہے ذی استطاعت ناظرین اس فنڈ کی اعانت فرماتے رہیں گے +

آمدنی غریب فنڈ لغایتہ ۲۷۔ اگست ۱۵ ۱۹۳۵ء

عطیہ مولوی عبدالقادر صاحب ولد مولوی عبدالکریم صاحب ہلیال ۸/
عطیہ بابو محمد اشرف صاحب نظامی کشفی شاہ۔ رنگون ۶/
میزان ۱۴/

(مینجر)

سینہ کا نشان

جن کے دل میں حضرت مصور فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی صورت دیکھنے کا ارمان ہے۔ جو اس صورت کو دیکھنے کے بعد بھی پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ انکو اطلاع دیجاتی ہے کہ ہم نے حضرت خواجہ صاحب کی لاکٹ نما عکسی تصویریں تیار کرائی ہیں جو سینہ پر بطور تحفہ یا نشان کے آویزاں ہو سکتی ہیں قیمت علاوہ محصولڈاک صرف آٹھ آنہ (۸/) +

المشتہر نظامیہ کمرشل ایجنسی۔ پانچ پٹی احمد آباد گجرات

بہادر قمر

اپنی روشنی کی کرنیں لیے ہوئے ظلمت کے کیمپ پر چھاپا مارچکا۔ کفر والحاد کی منحیں الٹیں گری نہیں تو ڈھیلی ضرور ہوگئی ہیں بوستان علم کے گل و بوٹے قمر کی ضیائے تمہیں حاصل کر رہے ہیں۔ مبارک ہیں وہ اسلامی قوم جس کے بطن سے ایسا بہادر اور جری لڑکا پیدا ہوا۔ احترام شریعت نبوی اسکا داہنا بازو ہے تو انصرام امور طریقت اسکا بایاں بازو ہے۔ ملک کے تمام برگزیدہ بزرگوں کی رائے ہے مکرر۔

صحیفۃ القمر

ہندوستان بھر میں اپنی طرز کا یکتا و شاندار پرچہ ہے سالانہ چندہ مع محصولڈاک صرف عہ ششماہی ۱۲/ نمونہ ۳/ ایک مرتبہ ضرور ملاحظہ فرمایئے +

پتہ مینیجر صحیفۃ القمر دار السلطنت دھلی

معین حسن

حسن کو دو بالا کرنیوالا خوبصورتی چہرہ کے لیئے اکسیر ہے کیل مہاسے۔ جھائیوں کو دور کرنے میں لاثانی ہے چیچک کے داغ کو بھی فائدہ مند ہے اگر کالے رنگ کا آدمی تین چار ہفتہ استعمال کرے تو چہرہ نہایت ہی خوبصورت ہو جاتا ہے اعلیٰ درجہ کا خوشبودار ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ آٹھ آنے عہ۔ پتہ خوشخط تحریر کریں +

ملنے کا پتہ

مینیجر ملک اینڈ کو بھیرہ پنجاب

شکریہ

جولائی اور اگست میں جن معاونین کرام نے اپنے اسوۂ حسنہ کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائی۔ اون کے اسمار گرامی حسب ذیل ہیں۔ ہم ان سب حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اونکی مساعی کو مشکور فرمائے۔ اُمید ہے کہ دوسرے ارباب ہم بھی اسطرف توجہ فرماکر داخل حسنات ہونگے۔

جناب محمد نصیر الدین صاحب عرف سلطان صاحب ۱۲۔ جناب بابو زمان علی صاحب گارڈ ۲۔ جناب محمد اسمٰعیل صاحب اکسائیز انسپکٹر ۱۔ جناب چودہری غلام محی الدین صاحب ۲۔ جناب ڈاکٹر محمد یوسف صاحب ننگون ۸۔ جناب ڈاکٹر محمد عبد المجید صاحب صدیقی ۲۔ جناب سید محمد حسین صاحب ناظر گورنز ۵۔ جناب مولوی سراج احمد صاحب لنگسور ۲۔ جناب مولانا نجندی صاحب مانڈلے ۵۔ جناب مولوی ارشاد احمد صاحب صدیقی ۲۔ جناب عبد الکریم حاجی آدم صاحب بلگامی ۴۔ جناب مولوی محمد امین صاحب ۲۔ جناب حکیم عبد الحلیم صاحب چھپرہ ۴۔ جناب محمد اسمٰعیل صاحب آسنسول ۲۔ جناب محمد عبد المجید صاحب انسپکٹر کوتوالی مانوت ۴۔ جناب خیر اللہ خان صاحب جزائر الہ ۴۔ جناب فیض الحق صاحب مدرسہ اسلامیہ چوطلہ ۴۔ جناب علی حسین صاحب محرر وکیل ۲۔ جناب سید عبد العزیز صاحب گیاوی ۴۔ جناب عبد الوہاب صاحب کنز الکٹر ۴۔ جناب منشی عبد الرزاق صاحب مختار باران ۴۔ جناب حسین علی صاحب محرر سائیر ۲۔ جناب عبد الجبار صاحب قادری ۴۔ جناب سید ولایت احمد صاحب محسنوی ۲۔ جناب خیر الدین صاحب سب انسپکٹر کرہ ۴۔ جناب سید احمد صاحب سررشتہ دار طبی ۲۔ جناب شاہ عبد السبحان صاحب ۴۔ جناب ماسٹر حمزہ خان صاحب ۳۔ جناب مولوی احمد الدین صاحب جیالوی ۳۔ جناب محمد حنیف اللہ صاحب انسپکٹر گورکھپور ۳۔ جناب منشی عبد القادر صاحب خلیفہ واحمیکر ۲۔ جناب خلیل الدین صاحب وکیل پروم ۳۔ جناب حافظ محمد الدین صاحب ونیاآباد ۳۔ جناب سید یوسف صاحب ۳۔ جناب مرزا محمد ناصر بیگ صاحب جناب مولانا محمد عظیم صاحب مظلہ ۳۔ جناب مولوی محمد حسین صاحب تاجر طبی پریس ۳۔ جناب سید شاہ محمد حسین صاحب ۳۔ جناب محمد عیسیٰ صاحب مجگاؤں ۲۔ جناب محمد یعقوب صاحب محرر پنچایت ۲۔ جناب محمد عمر صاحب نندگاؤں الجدیث ۲۔ جناب شیخ محمد بن حسن عمودی عرب ۲۔ جناب حاجی حنیف اللہ خان صاحب ۲۔ جناب سید محمد خان صاحب ۲۔ جناب محمد اشرف صاحب نظامی گشتی شاہ ۲۔ جناب محمد جلال الدین صاحب مختار عام ۲۔ جناب محمد حسین بن غوث محمد صاحب ۲۔ جناب منشی غیاث الدین صاحب ۲۔ جناب سید غلام محی الدین صاحب ۲۔ جناب شمشیر سلیمان صاحب گیانی ۲۔ جناب خواجہ ابو محمد صاحب حنفی ۲۔ جناب نظام الدین صاحب گجرات ۲ جناب محمد عبد الکریم صاحب بھاگلپور ۲۔ جناب منشی عاشق حسین صاحب عیسیٰ نگر ۲۔ جناب منشی عزیز الدین صاحب جالندھر ۱۔ جناب اکبر علی صاحب ہیڈ کلرک گوپالپور ۱۔ جناب محمد عبد الحمید خان صاحب پٹیالہ ۱۔ جناب حاجی رسول بخش صاحب ۱۔ جناب غلام علی شاہ صاحب پٹواری ۱۔ جناب محمد عبد الرحیم صاحب کمپونڈر ۱۔ جناب شیخ فتح محمد صاحب اہلحدیث ۱۔ جناب اللہ بخش صاحب قریشی ۱۔ جناب علی بابا صاحب دیوکر ۱۔ جناب کریم بخش صاحب اوڈیسہ ۱۔ جناب فضل کریم صاحب ۱۔ جناب مخدوم محمد ابراہیم صاحب ہاشمی ۱۔ جناب محمد سعد اللہ بادشاہ صاحب مدراس ۱۔ جناب سید خیرات حسین صاحب ندی ۱۔ جناب منشی رحمت اللہ خان صاحب ۱۔ جناب محمد قمر الدین صاحب رئیس ۱۔ جناب سید نذیر حسین صاحب پرتاب گڈھ ۱۔ جناب محمد اکبر علی صاحب ہیڈ کلرک شملہ ۱۔ جناب ابو الخیر محمد نذیر صاحب ۱۔ جناب عبد الستار ابن اسمٰعیل صاحب ۱۔ جناب سید عبد الجبار صاحب کسٹم اکسائیز کلرک ۱۔ جناب محمد شفیع صاحب محرر جنگل ۱۔ جناب حکیم غلام غوث صاحب ۱۔ جناب منشی امان اللہ صاحب ۱۔ جناب محمد عنایت الرحمٰن صاحب ۱۔ جناب محمد اسمٰعیل صاحب مئو ۱۔ جناب محمد عمر صاحب نکسر ۱۔ جناب سید غلام جیلانی صاحب ۱۔ جناب عبد الواحد صاحب ایس۔ اے۔ ایس ۱۔ حافظ ابو صالح عبد الصمد صاحب آنند صدیقی ۱۔ جناب محمد کفایت اللہ صاحب قریشی ۱۔ جناب محمد علی صاحب کلکتہ ۱۔ جناب رحمت اللہ صاحب گونڈل ۱۔ جناب ڈاکٹر میر احمد سعید صاحب ہاشمی ۱۔ جناب محمد اسد صاحب اسکول ماسٹر محبت پور ۱۔ جناب شمس الدین صاحب انسپکٹر پولیس ۱۔ جناب محمد ابراہیم خان صاحب ہیڈ ماسٹر جناب مرزا سلطان بیگ انسپکٹر پنشنز مرادآباد ۱۔ جناب سید زاہد حسین صاحب پروپرائٹر ۱۔ جناب محمد حفیظ صاحب ۱۔ جناب محمد واجد علی صاحب ۱۔ جناب منشی قادر بخش صاحب کلکتہ ۱۔ جناب ماجد حسین صاحب مالگذار ۱۔ جناب پیرزادہ میاں عبد القادر صاحب ۱۔ جناب سید خیرات حسین صاحب سب پوسٹماسٹر ۱۔ جناب محمد یوسف علی صاحب قدوائی ۱۔ جناب سید کریم صاحب ۱۔ جناب مولوی محمد صالح صاحب ۱۔ جناب قدرت اللہ صاحب جمالنی ۱۔

فہرست مضامین اسوۂ حسنہ جلد ۳ نمبر ۱

نہایت ضروری اعلان

جن حضرات کا سال خریداری اس پرچہ کے پہنچنے پر ختم ہو جائیگا - اگر وہ آئندہ سال کیلئے خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں تو براہ کرم مبلغ ۲ عہ بذریعہ منی آرڈر اور ارسال فرمائیں ۔ اگر اخیر اگست ۱۹۲۵ء تک سال آئندہ کی قیمت موصول نہ ہوئی اور کوئی انکاری اطلاع بھی دفتر میں نہ پہنچی تو ضابطہ دفتر کے بموجب ستمبر ۱۹۲۵ء کا رسالہ وی پی بھیجکر سالانہ قیمت مبلغ ۲ عہ قسم دوم کے خریداروں سے اور مبلغ ۲ عہ قسم اول کے خریداروں سے موصول کر لیجائیگی اگر آپ کسی مجبوری سے آئندہ سال کے لئے رسالہ نہیں خرید سکتے تو براہ کرم ایک کارڈ لکھکر ہم کو مطلع کر دیجئے کہ آئندہ ... آپکے نام اسوۂ حسنہ وی پی نہ بھیجا جائے ایک پیسہ کا کارڈ لکھدینے میں آپکا اتنا نقصان نہیں ہوگا - جتنا کہ وی پی واپس آنے سے ہمکو تکلیف اور نقصان برداشت کرنا ہوگا -

ولقد اهلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاءتهم رسلهم بالبینٰت وما کانوا لیؤمنوا کذٰلک نجزی القوم المجرمین ثم جعلنٰکم خلٰئف فی الارض من بعدهم لننظر کیف تعملون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گذر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کیا ... پھر ہم نے تمکو جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو ... ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں پھر انکو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے

اُسوۂ حسنہ

جلد ۳ | بابت ماہ اگست ۱۹۱۵ء مطابق ۲۰ رمضان ۱۳۳۳ الغایۃ ۱۹ شوال ۱۳۳۳ ہجری | نمبر ۱

افتتاحیہ جلد سوم

دخلتم ولا نعیمہ وختم اللہ بالخیر

الحمد للہ علی احسانہ کہ اسوۂ حسنہ کی عمر کا پہلا سال بخیر و خوبی ختم ہو کر یکم اگست ۱۹۱۴ء سے دوسرا سال شروع ہو گیا۔ چنانچہ یہ اگلی تیسری ششماہی جلد کا پہلا پرچہ محترم ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس نئے سال کو ہمارے اور اسوۂ حسنہ کے معزز پڑھنے والوں کے لیے مبارک و مسعود فرمائے آمین +

ہم اپنی سالانہ کارگزاری کی مجمل کیفیت پہلی اور دوسری جلد کے خاتموں میں عرض کر چکے ہیں اسلیے اب انکے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اور آیندہ کے لیے جو منصوبے ہمنے پیش نظر رکھکر اس تیسری جلد کا آغاز کیا ہے ہم ان کی نسبت بھی اسوقت کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ پچھلے ڈیڑھ مہینہ میں جو تلخ تجربے بعض کارکنان پریس کی بے عنوانیاں اور چند قدرتی حوادث کیوجہ سے ہم کو اُٹھانے پڑے ہیں ان سے جہاں اور بہت سے سبق ہمکو حاصل ہوئے ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ ہم آیندہ کے لیے لمبے چوڑے دعوے کرنے کی بجائے۔ خاموشی مستعدی ہمت۔ استقلال اور نیک نیتی کیساتھ رسالہ کی صوری و معنوی ترقی میں مصروف رہیں اور اپنی کوششوں کے نتائج کو حضرت رب العزت کے

بفضل کرم پرچہ ڈاک سے عرصہ کیے سے سپرد ہو تو مایۂ خویش ... اور توانائی حساب کرو بیش ... جن مخلص کرمفرماؤں کو اس امر کی شکایت ہو کہ ہم نے اسوۂ حسنہ کی سالانہ قیمت میں کیوں اضافہ کیا امید ہے کہ وہ اس پرچہ کی ظاہری و معنوی حیثیت شان دیکھکر مطمئن ہو جائینگے اور رسالہ کی سرپرستی و اعانت بدستور جاری رکھینگے لیکن اگر خدانخواستہ ابھی بھی اسوۂ حسنہ کو ویسے سال گراں سمجھتے ہیں تو ہمیں ان کی اجزا اللہ الاعلیٰ اور رب العالمین ناظرین کرام کو اس پرچہ میں کئی خصوصیتیں ایسی ملینگی جو اس سے قبل کے پرچوں میں نہیں ہیں اور امید ہے کہ وہ انکو بہ نظر پسندیدگی دیکھینگے تیسری جلد میں تین تبدیلیاں اہم اور قابل ذکر ہیں ایک یہ کہ رسالہ کی تقطیع بڑی کر دی گئی ہے اور دو کالم چھپتے ہیں جسکی وجہ سے حجم گذشتہ پرچوں کے مقابلہ میں تقریباً سوایا مضمون چھپتا ہے دوسرے یہ کہ اسوۂ حسنہ کے مقاصد کا دائرہ کسی قدر وسیع کر دیا گیا ہے اب اس میں مفید علمی ادبی مضامین کے لیے بھی گنجایش نکل سکتی ہے علاوہ ازیں جدید علم کلام کے لیے بھی ایک مستقل باب عقائد اسلام قائم کر دیا گیا ہے تیسرے یہ کہ حالات میں مزید تنوع اور دلچسپی پیدا کرنے کے لیے چند مستقل عنوان تجویز کر دیے گئے ہیں تاکہ محترم قلمی معاونین کو مضامین کے لیے موضوع عنوان کے انتخاب میں سہولت اور آسانی ہو اور ایک ہی نوعیت کے موضوعوں پر بار بار خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے امید ہے کہ اسوۂ حسنہ کے محترم معاونین تحریر مضامین کے وقت فہرست اوراق پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیا کرینگے اور اسکی کوشش کرینگے کہ سال بھر میں کم از کم ایک مضمون ہر ایک باب کے لیے مرحمت فرمایا کریں۔ آخر میں تمام ہی خواہان و معاونین اسوۂ حسنہ سے ہماری درخواست ہے کہ جس طرح وہ سال گذشتہ کے اسال بھی اپنے رسالہ کی قلمی و مالی امداد فرماتے رہینگے اسکے خریداروں کا دائرہ وسیع

كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ

(ترجمہ) یہ بڑی بابرکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور عقل سمجھ رکھنے والے اس کے مطالب سے نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

زکوٰۃ یا اسلامی خیرات و صدقات

(سلسلہ کے لیئے دیکھیں اسوۂ حسنہ جلد ۲ نمبر ۶)

زکوٰۃ کا دوسرا مصرف

مساکین کے بعد زکوٰۃ کا دوسرا مصرف قرآن پاک نے یہ فرمایا ہے "وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا" یعنی اُن لوگوں کے لیئے جو عام مستطیع مسلمانوں سے زکوٰۃ جمع کرتے اور بیت المال میں پہنچاتے ہیں زکوٰۃ کا یہ مصرف بھی بالکل عقل و حکمت پر مبنی ہے۔ شہر کے انتظام کے لیئے ایسے مال کا ہونا ضروری ہے۔ جس پر محافظین و مدبرین اور حکام کی معاش کا مدار ہو۔ اور چونکہ اثنائے تحصیل زکوٰۃ میں محصلین زکوٰۃ اپنے کسب معاش سے معذور ہو جاتے تھے۔ اور اسی کام میں مشغول رہنے کی وجہ سے وہ کچھ روزگار نہیں کر سکتے تھے۔ اور مسکینوں کے زمرہ میں آجاتے تھے۔ اس لیئے ضروری ہوا کہ ان کی معاش اُسی شہر سے حاصل کی جائے۔ اور خاص خاص لوگ اُن کے خرچ کے بسہولت متکفل نہیں ہو سکتے تھے۔ اسلیئے بھی ضرور رہا کہ اسی مال زکوٰۃ سے انکو بھی حصہ دیا جائے۔ چونکہ اس سے زیادہ سہل تر مصلحت کے موافق کوئی طریقہ نہ تھا۔ کہ ایک مصلحت کو دوسری مصلحت کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ اسی لیئے شارع علیہ السلام نے ایک کو دوسری میں داخل کر دیا۔

قوم پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے۔ کہ جبکہ وہ قوم کتاب اللہ کی تحریف کرتی اور تغیر و تبدیل احکام الٰہی سے اپنے آپ کو خارج کرتی ہے۔ ایسی حالت میں اُس قوم کے لوگ جو نہ کتاب کا علم رکھتے ہیں۔ اور نہ احکام شریعت سے آگاہی اور سوائے دور از قیاس امیدوں اور تمناؤں کے اُن کے پاس کچھ نہیں ہوتا عقل و بر ہان سے انہیں سروکار نہیں رہتا۔ اور اپنے من گھڑت مسائل کو وہ تمام جہان کے اعلیٰ اصولوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس قسم کی خود خیالی اور خود پسندی ضعف و انحطاط کے وقت ہر قوم میں آجاتی ہے اور جو مسخ شدہ شریعت اُن کے ہاتھ میں اسوقت ہوتی ہے وہ اُسی پر فخر کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنے اسلاف پر اِترایا کرتے ہیں۔

یہی حال آج کل کے مسلمانوں کا ہے۔ شریعت کی اصلی صورت کو بگاڑ کر اور اس کے اعلیٰ اصولوں میں ردوبدل اور ترمیم و تنسیخ کو روا رکھ کر اتراتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا مقابلہ کون کرنے والا ہے۔ مگر یہ دعویٰ اسی حالت میں قابل تسلیم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر وہ اعلیٰ اصول موجود ہوں کہ جن پر عمل پیرا ہونے سے کوئی قوم دنیا میں زندہ اور مہذب اور ترقی یافتہ کہلا سکتی ہے۔ بیشک یہ اصول گو قرآن پاک میں موجود ہیں مگر مسلمانوں کی قسمت کہ وہ ان سے کچھ سروکار ہی نہیں رکھتے۔

قرآن کریم کے مقرر کردہ اس دوسرے مصرف "وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا" سے وہ پاک اور زرین اصول صاف معلوم ہو رہا ہے۔ جسکے لیئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں کسی زیادہ غور و فکر کرنے کی حاجت نہیں بحکم ہوتا ہے۔ کہ زکوٰۃ ایک جگہ جمع کی جائے۔ اور اسکے جمع کرنے والے بھی مقرر ہوں اور پھر فقراء و مساکین میں تقسیم ہو۔ اور دیگر کاموں میں لگائی جائے مسلمان خدا کے لیئے غور کریں۔ اور بتائیں۔ کہ کیا وہ آج طریقہ خیرات میں اس اصول کا پابند نہیں ہے؟ اور کیا وہ خود اسکے خلاف نہیں کر رہے ہیں؟

خیرات تو ہر ایک مذہب میں مستحسن ہے اور کم و بیش ہر ایک مذہب اسکی ترغیب دیتا ہے مگر یہ شرف اسلام ہی کے حصہ میں آیا کہ فطرت انسان کو زیر نظر رکھتے ہوئے خیرات کو زکوٰۃ کی صورت میں لازم قرار دیا۔ تاکہ محتاجوں اور مسکینوں کی علی الدوام دستگیری ہو سکے۔ اور خیرات ایک بہترین صورت اختیار کر کے قوم کے لیئے مفید ہو سکے۔ اور اسکے لیئے لازمی قرار دیا کہ وہ سب مال ایک جگہ جمع ہو اور اسکے جمع کرنے والے مقرر ہوں اور وہاں سے تمام مساکین و فقراء کی حاجت براری اور قومی کاموں کی اعانت کی جائے۔

اسلامی نقطۂ خیال سے کل ہندوستان۔ ورنہ صوبہ کے لیئے امینوں کی ایک متدین جماعت مقرر ہونی چاہیئے۔ جو زکوٰۃ کا صحیح استعمال کرے اور اس جماعت کی زیر نگرانی ایک سنٹرل فنڈ ہونی چاہیئے۔ تاکہ زکوٰۃ کی آمدنی سے مسلمانوں کی زیر نگرانی مستحق فقراء و مساکین اور طلباء علماء کی امداد باقاعدہ اور برمحل امداد ہو سکے۔ تاوقتیکہ اسلامی بیت المال نہ ہونے کی وجہ سے یہ التزام یہاں کل ملک کے لیئے نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا کرنا وقت سے خالی نہیں لیکن کیا شہر بشہر اور قصبہ بقصبہ معتمد لوگوں کی زیر نگرانی مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا بیت المال نہیں کھولا جا سکتا ہے اور اگر مسلمان ان کاموں کو نہیں کر سکتے کہ جن کے کرنے کا انکو دنیا کے خالق و مالک نے حکم دیا ہے

تو وہ دنیا میں زندہ رہنے کے قابل نہیں۔ اور اگر رہیں گے تو زندوں کی طرح نہیں بلکہ مردوں کی طرح۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔

مندرجہ بالا مضمون سے ایک اور عمدہ نکتہ بھی استنباط ہوتا ہے۔ کہ زکوٰۃ فرض ہے۔ اور دیگر صدقات وخیرات جن سے غربا، ومساکین کی امانت منصور ہو تفضل ہیں۔ جب خدا تعالیٰ خیرات فرض کے خرچ میں یہ اہتمام لازم فرماتا ہے کہ پہلے یکجا جمع کی جائے۔ تو باقی صدقات وخیرات میں بھی اس طریقہ کا التزام اگر واجب نہیں تو بہتر ضرور ہے۔ کیونکہ جیسے صرف زکوٰۃ میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے کہ غیر مستحقوں کو دیدی جائے۔ اسی طرح سے صدقات وخیرات میں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ مشٹنڈوں نے گداگری کو اپنا شیوہ بنالیا ہے۔

زکوٰۃ کا تیسرا مصرف

زکوٰۃ کے مصارف میں عاملین علیہا کے بعد تیسرا مصرف "والمؤلفۃ قلوبھم" تالیف قلوب میں مال خرچ کرنا ہے۔ یعنی جو لوگ صداقت اسلام کے قائل ہوں۔ اور نور ایمان اُن کے دلوں پر اپنی روشن شعاعیں ڈال رہا ہو۔ مسلمان ان کی بھی مدد کریں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص اپنی قوم میں سے قومی کیش وملت کو چھوڑ کر دوسرا دین ومذہب اختیار کرتا ہے تو اکراہ ونفرت کے باعث اسکے اقارب وہم قوم اُس سے سابقہ تعلقات قائم نہیں رکھتے۔ بلکہ قطع کر دیتے ہیں۔ اگر ماں باپ زندہ ہیں تو وہ ارث سے محروم ہو جاتا ہے اور جہاں تک ہو سکتا ہے عزیز واقارب اُسکو واپس اپنے میں ملانے کیلئے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے خاص اس کی چیزوں پر بھی قابض ہو جاتے ہیں ہر طرح سے اُسے ڈراتے دھمکاتے اور ارتداد پر آمادہ کرتے ہیں۔ اُسکے تمام دوست وآشنا اُس سے متنفر ہی نہیں بلکہ اسکے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر تالیف قلوب نہ کیجائے تو ایسے شخص پر مضبوط اور ثابت قدم رہنا مشکل ہو جاتا ہے اسی لیئے اسلام نے ایسے لوگوں کی امداد فرض کی۔ اس مد کو بعض علماء نے غلطی سے اڑا دیا ہے۔ حالانکہ یہ بہت ضروری ہے۔

تالیف قلوب کے اصول سے اسلام کا یہی منشاء ہے کہ قبل اسکے کہ نومسلم ایمان لا کر مسلمانوں میں شامل ہوں۔ مسلمان مال زکوٰۃ سے ان کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ اُن کو یہ محسوس ہو کر ہم تعلقات ناصحہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں میں آتے ہیں کہ جن سے نہ رشتہ ہے اور نہ پہلے سے کوئی تعلق ہے۔ بلکہ انہیں یہ معلوم ہو۔ کہ اگر اسلام لانے سے ہمارے سابقہ تعلقات پہلی قوم سے ٹوٹتے ہیں۔ تو دوسری قوم میں ان کا نعم البدل موجود ہے نسبی بھائیوں کی امداد سے محروم ہوتے ہیں تو دینی بھائی ضرورت واحتیاج کے وقت مدد کرنے کو تیار ہیں۔ ایک سوسائٹی چھوٹتی ہے۔ تو دوسری بنی بنائی ملتی ہے۔ چند دشمن ہوتے ہیں۔ تو ان کے عوض صدہا سچے دوست بنتے ہیں۔

تالیف قلوب کتنا اعلیٰ اور مفید اصول ہے۔ جسکو ہم نے آجکل ترک کر رکھا ہے۔ مگر جس موتی کو ہم نے پتھر جانکر ہاتھ سے پھینک دیا ہے۔ اور دوں نے اُسے بیجا نکر اٹھالیا ہے اور اُس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس تالیف قلوب کے نتائج دیکھنے ہوں تو مشنریوں کے کارناموں پر نظر کرنی چاہیئے۔ کہ وہ اس سے کس قدر کام لے رہے ہیں۔ اور ان کے مذہب کی کیونکر روز بروز اشاعت وسیع ہوتی جاتی ہے۔

عیسائی دنیا کی طرف سے بے شمار مشن قائم ہیں۔ اور ہر ایک مشن تالیف قلوب کی مد میں کروڑوں روپیہ صرف کر رہا ہے۔ جہاں وعظ وپند یا عیسائی تعلیم وتلقین کا کسی دل میں ذرا سا اثر ہوا۔ اور مشن سے اسکو وظیفہ ملنے لگا۔ یہ احسان وامداد دیکھ کر مائل بہ عیسائیت کے دل میں جو اندیشے اپنی قوم سوسائٹی کے چھوڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے۔ وہ بھی رفتہ رفتہ کمزور ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اصطباغ کی نوبت آگئی۔ اور وہ کھلم کھلا عیسائی ہوگیا۔ پھر بھی مشن اور مشنریوں کی توجہ اسکے حال پر مبذول رہتی ہے۔ اور نئی سوسائٹی میں مناسب عزت سے اُسکی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ ہر متنفس اسکی امداد واعانت کے لیئے تیار رہتا ہے۔ اور نئی صحبت کا اس پر رنگ چڑھتے چڑھتے چند ہی دنوں میں اُس کی حالت بدل جاتی ہے اور وہ دل سے عیسائیت کو حق سمجھنے لگتا ہے۔

یہی عیسائی مشن کی کامیابی کا راز ہے۔ اگرچہ بعض پادری اخلاقی کمزوری سے بھی کام لیتے ہیں۔ اور چوری چھپے نادان عورتوں کو نکال لے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے واقعات مقابلۃً کم پیش آتے ہیں۔ گو تالیف قلوب توسیع دین کا ایک بہت بڑا اصول ہے اور جس قدر زیادہ اس اصول کی عیسائی کرتے ہیں۔ وہ کسی اور سے مشکل ہے۔ تاہم ان کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ عیسائی مذہب خود کوئی خاص خوبی نہیں رکھتا۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ ایک عالمگیر مذہب ہے جسے ہر قوم وملت کا آدمی بلا تکلف قبول کر سکتا ہے۔ نیچر کا یہی منشاء ہے۔ کہ انسان اسلام ہی کے لیئے پیدا ہوا ہے۔ اور اسلام انسان کی بہتری کیلئے آیا ہے۔ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلکہ ابتدائے تخلیق عالم سے یہ مذہب جاری ہے۔ اور جاری رہے گا۔ مذہب اسلام کے فطری مذہب ہونے پر انسانی عقل ہمیشہ ساتھ دیتی رہی ہے۔ اسلام کا ہر ایک مسئلہ سائنس کی کسوٹی پر کس لیا گیا ہے۔ اسی لیئے کہا جاتا ہے۔ کہ اسلام ایک فطری مذہب ہے۔ اور دنیا کے تمام مذہبوں سے زیادہ اس قابل ہے کہ اسکو عام آدمی قبول کر سکیں۔ قرآن مجید دوسری قوموں کو مذہب اسلام میں داخل کرنے اور انکو یکساں پولیٹیکل اور سوشیل حقوق دینے پر نہایت فیاضی سے آمادہ ہے۔ اسلام کی برادری میں داخل ہونا۔ لوگوں کے لیئے بلند سے بلند درجے تک پہنچنے کے لیئے ایک پاسپورٹ ہے۔ ہندوؤں میں برہمن

چھتریوں، ویشوں اور شودروں کے یکساں حقوق نہیں ہیں۔ ان میں کوئی شخص عبادت نہیں کرسکتا جب تک کہ ایک پنڈت موجود نہ ہو۔ یعنی خدا تک پہنچنے کے لیے بھی ان میں سے ہر ایک کو اپنے سے اعلیٰ شخص کی مدد کی ضرورت ہے۔ شودر کے کانوں میں اگر ویدوں کی آواز پہنچے تو شاستروں کا حکم ہے کہ اُسکے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔ مگر اسلام میں یہ پابندی مطلق نہیں ہے۔ ہر ایک شخص آزاد ہے۔ جس قدر وہ ترقی کرسکتا ہے کرے کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔

عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب تک کوئی شخص پادری کے سامنے توبہ نہ کرے اور پادری اسکی مغفرت کا وعدہ نہ کرلے۔ اسکی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ مردوں اور عورتوں کے حقوق میں مساوات بھی ان مذہبوں میں نہیں ہے۔ اس بات کو بہت عرصہ نہیں گزرا کہ عیسائی بھی ہندوؤں کی طرح عورتوں کو ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان میں ایک دفعہ اس مسئلہ پر بحث ہوئی تھی۔ کہ عورتوں میں روح ہے یا نہیں۔ فیصلہ یہ ہوا۔ کہ روح تو ہے۔ مگر وہ مردوں کی غلامی کے لیے بنائی گئی ہیں۔ یورپ میں چند روز سے پہلے یہ دستور بھی تھا۔ کہ شادی ہوتے ہی بیوی کی جائداد خاوند کے قبضے میں چلی جاتی تھی۔

برخلاف اسکے اسلام میں سب کے حقوق سب کے اختیارات یکساں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر کوئی برتری بجز نیکی اور پرہیزگاری کے نہیں ہے۔ یہاں ایک کی توبہ دوسرے کے ذریعہ قبول نہیں ہوتی۔ اسلام نے صاف اعلان کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں ہیں۔ اور باوجود میاں بیوی ہونے کے بھی جو مرد کمائیں وہ مردوں کا جو عورتیں کمائیں وہ ان کا مال ہے۔ اسلام حکم دیتا ہے کہ جو خود کھاؤ وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ۔ غلاموں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ ادنیٰ حالت سے نکلکر امارت و حکومت کے رتبے پر پہنچگئے۔

جب کوئی شخص مذہب اسلام قبول کرتا ہے۔ خواہ وہ کسی قوم اور ملک کا ہو اسکو فوراً ہی حقوق ملجاتے ہیں۔ جو سب مسلمانوں کو ملے ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام ایک سچائی ہے۔ ایک صداقت ہے۔ ایک دین حق ہے۔ اسکو اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے کسی کی تائید یا مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ثبوت ہے۔ وہ خود دلیل ہے اور اسکے مطالعہ کے بعد طالب حق کے لیے کوئی گنجائش اعتراض کی نہیں رہتی۔ تاہم فاتحین اسلام خصوصاً عرب تالیفِ قلوب کی خاص خصوصیت میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے امرا و اہل دول حتیٰ غریب و ادنےٰ طبقہ تک کے لوگوں کی تالیف قلوب کا حد سے زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ گو اُن کے ہاتھ زبردست تھے۔ اور وہ تمام خصوصیتیں رکھتے تھے۔ کہ جو ایک فاتح اور کشورکشا قوم کے لیے ضروری ہوتی ہیں لیکن محض تلوار کے بھروسہ پر کوئی شخص خواہ کسی قدر بہادر ہو۔ تسخیر عالم کا بیڑا نہیں اٹھا سکتا۔

اور نہ تلوار سے ہر ایک مشکل کو حل کرسکتا ہے۔ فاتحان اسلام نے ضرور تلوار سے بھی کام لیا مگر اُس موقع پر جہاں تلوار کی ضرورت تھی۔ مدعیان ملک و سلطنت کا فیصلہ بغیر تلوار نہیں ہوسکتا لیکن اور جگہ عموماً سرداران قوم اور ایسے لوگوں کی کہ جن کے دلوں میں اسلام کی طرف رغبت دیکھی۔ خاطرداری اور الفت و محبت۔ احسان و مروت سے کام لیا۔ اور تالیف قلوب اور رعایا پروری کے اصول کی نگہداشت جس طرح مسلمانوں خصوصاً عربوں نے کی کسی قوم نے نہیں کی۔ اور اُن عالمگیر فتوحات کا باعث جو چند سال میں ایشیا یورپ اور افریقہ میں حاصل ہوئیں۔ یہی محبت، شفقت اور تالیف قلوب کی برکت تھی۔ عربوں نے جس ملک کو فتح کیا سوا مقررہ خراج کے اور کسی قسم کا بوجھ رعایا پر نہیں رکھا مذہبی آزادی کے علاوہ رعایا کے وسائل آمدنی۔ زراعت و تجارت۔ حرفت و صنعت کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ جملہ اسباب تمول رعایا کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ جو عہد کیا جاتا۔ یا اعلان دیا جاتا تھا۔ اسمیں سر مو انحراف نہ ہوتا۔ اس قسم کی عام شاہانہ رعایتوں کی وجہ سے لوگ اسلام کی طرف مائل ہو جاتے۔ یا اسلام قبول کرلیتے۔ تو ان کی تالیف قلوب مال زکوٰۃ سے بھی کی جاتی۔

جب تک مسلمانوں میں یہ اصول قائم رہا۔ لوگ جوق جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ مگر اب مسلمان اسکی طرف سے بالکل غافل ہیں۔ یہاں تک کہ جو زکوٰۃ دیتے ہیں وہ بھی زکوٰۃ کو فقرا و مساکین میں ہی خرچ کر دیتے ہیں۔ اور صرف انہیں کو مستحق زکوٰۃ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اگر فرداً فرداً بھی زکوٰۃ دی جائے۔ تب بھی مصارف پنجگانہ اُسکے مصرف ہیں۔ اسلامی بیت المال اگر ہوتا تو اس بیت المال کا فرض تھا۔ کہ حصہ رسدی اور بقدر ضرورت و احتیاج ہر مصرف میں زکوٰۃ کی تھوڑی تھوڑی رقم صرف کرتا۔ آجکل مسلمان فرداً فرداً زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وہ خود ہی اس بیت المال کا حکم رکھتے ہیں۔ اسلیے ان کا فرض ہے کہ پانچوں مصارف میں زکوٰۃ کو صرف کریں۔ جہاں مسکینوں کو دیتے ہیں۔ تالیف قلوب میں بھی خرچ کریں۔ اور دیگر مستحقین جہات کے حق میں بھی چونکہ ایسا نہیں کیا جاتا۔ اسلیے بہت سے اسلامی مصالح خراب ہوتے ہیں۔ اسی تالیفِ قلوب کو لو۔ چونکہ مسلمانوں کی طرف سے اس مد میں کچھ خرچ نہیں کیا جاتا۔ اسلیے بہت سے اسلام کو حق ماننے والے داخل اسلام نہیں ہوتے اور جو ہوتے ہیں۔ وہ ایک طرف اپنی قوم اور سابقہ تعلق والوں کی بدسلوکی سے ایذا اٹھاتے ہیں۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کا عدم سلوک ان کے دل پر اثر ڈالتا ہے۔ اور بجائے اسکے کہ وہ مسلمانوں میں نیک نمونہ بنیں۔ ایک بدترین مثال قائم کرتے ہیں بھیک مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ نہایت ذلت اور خواری سے گزر اوقات کرنے لگتے ہیں۔ اور دوسرے مایل بہ اسلام لوگ ان اسلام لانے والوں کی یہ حالت دیکھکر اپنی ضمیر کے خلاف کاربند ہونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور یوں اسلام کی توسیع رک جاتی ہے

صدیوں سے متواتر مسیحی مشنریوں کے اعتراضات اسلام اور بانی اسلام پر چلے آتے ہیں علمائے اسلام نے بھی ان کے ہر ایک اعتراض کا پورا پورا قلع قمع کیا ہے۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ آئے دن کچھ نہ کچھ زہر اگلتے ہی رہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو تحقیق حق سے غرض نہیں۔ کیونکہ اسلام کی خوبیوں پر غور نہ کرنا۔ اور ضد پر اڑے رہنا کسی صداقت پسند طبیعت کا کام نہیں ہوتا۔ وہ اگر اسی اصول تالیف قلوب پر غور کریں۔ جو انہوں نے اسلام سے لیا ہے اور جس کی بدولت تبلیغی کوششوں میں انکو کسی قدر کامیابی ہوئی ہے تو انہیں معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اسلام کس قدر سچا مذہب ہے۔

عیسائیوں کو جس قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ وہ صرف اسی تالیف قلوب اور روپیہ کے بے دریغ صرف کرنے سے ہوئی ہے مسلمان اس بات کو خوب جانتے ہیں چنانچہ ہم جب کسی کے عیسائی ہونے کی خبر سنتے ہیں۔ تو بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اجی صاحب یہ شخص تو روپیہ کے لئے عیسائی ہوا ہے۔ پادریوں نے کوئی ہتھیلی سرکا دی ہوگی یہ نہیں جانتے۔ کہ تالیف قلوب کا عمل کام کر رہا ہے۔ مسلمانوں کو بھی خدا نے یہ عمل بتا دیا ہے۔ مگر وہ کریں بھی۔ بلکہ انکو خبر بھی نہیں۔ جو اسے جانتے اور اس سے کام لیتے ہیں۔ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ان کا مذہب اشاعت پاتا ہے۔ عیسائی ہونے سے پہلے جن لوگوں کی تالیف قلوب کی جاتی ہے۔ وہ عیسائی ہو جاتے ہیں۔ اور اصطباغ کے بعد جو ان کی مدد کی جاتی ہے۔ اسکا نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ وہ بہت جلد اپنی حالت بدل لیتے ہیں۔ اسکے ثبوت کے لئے دور کیوں جاؤ۔ ہندوستان میں ہی دیکھ لو کہ عیسائیت نے زیادہ تر ادنے طبقات میں اپنا اثر ڈالا ہے۔ جو ہندوستانی آبادی کا بالکل کوڑا تھے۔ نہ جن میں علم تھا۔ اور نہ کوئی عمدہ بات لیکن عیسائیت قبول کرتے ہی ان کی حالت نے پلٹا کھایا۔ اور وہ آج اگر اعلیٰ سوسائٹی میں نہیں شمار کئے جاتے۔ تو ادنے سوسائٹی سے سینکڑوں میل آگے ضرور پائے جاتے ہیں۔ اور ترقی کا میدان ان کے آگے کھلا ہوا ہے چونکہ متمدن قوم کا مذہب اختیار کیا ہے اسلئے ان کا تمدن بھی روز بروز بہتر ہوتا جاتا ہے۔ جہالت علم سے۔ بے ہنری ہنر سے بدلتی جاتی ہے۔ اور یورپ کے تمدن کو خاطر خواہ رونق ہوتی جاتی ہے۔ دیکھ لو۔ تالیف قلوب بھی متمدن قومیں کرتی ہیں اور اس سے انکے تمدن کو وسعت ہوتی ہے۔ مسلمان تہذیب و تمدن سے بیگانہ ہوئے۔ تالیف قلوب کا زریں اصول بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اور اس اصول کے چھوڑنے سے ان کے تمدن کو بھی ایک ناقابل تلافی دھکا لگا۔

اگرچہ دنیا میں مسلمانوں کا شمار بہت ہے لیکن اسلام کے اوصاف کو مسلمانی کا معیار بنا کر دیکھا جائے تو یقیناً مسلمان کم نکلیں گے۔ اور مدعیان اسلام عموماً انہیں امراض میں مبتلا ملیں گے۔ جن کے ازالہ کے لئے اسلام آیا تھا حضرت رسول کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) موجود نہیں کہ کتاب اللہ کی صحیح تعلیم دیکر مسلمانوں کو راہ راست دکھائیں۔ اور اپنی توجہ باطنی اور افاضۂ برکات سے تزکیہ فرمائیں۔ مگر جانشین رسول علمائے امت موجود ہیں۔ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" روحانی مریضوں کے چارہ گر طبیب ہیں۔ جن کا فرض ہے کہ کتاب اللہ کی تعلیم و تلقین فرمائیں اسکے اسرار و حقائق سے لوگوں کو باخبر بنائیں۔ امت کو روحانی اور مادی رذائل سے پاک و صاف کریں۔ اور اسلام کے نورانی چہرہ کو بدعات کے گرد و غبار سے پاک و صاف کرکے اسلام کی حقیقت کا ڈنکا بجائیں۔ مگر علماء اسلام اپنے فرض سے بہت غافل ہیں (الا ماشاء اللہ) جس کی وجہ سے مسلمان حقیقت سے بہت دور جا رہے ہیں اور دن بدن قعر مذلت میں گرتے جاتے ہیں۔

نام کو صوفی و عالم کہلانے والوں کا تو ذکر کیا ہے۔ واقعی عالم اور صوفی بھی جو اپنے ذاتی علم و عمل کے لحاظ سے عالم کہے جانے کے مستحق ہیں۔ ان میں بھی ایسے بافیض بزرگ کم ہیں۔ جو رسول کی جانشینی کا مذکورہ بالا فرض جیسا کہ چاہئیے ادا کرتے ہوں وہ نہ علی العموم عزلت پسند ہیں۔ ان کی بلا سے اسلام رہے یا جائے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر کسی کو دین کی کوئی بات پوچھنی یا تزکیۂ باطن کرانا منظور ہوگا۔ وہ آپ ہمارے قدموں میں حاضر ہو کر پوچھ جائے گا۔ مانا کہ شرعاً نہ جاننے والے کا فرض ہے کہ وہ دین کی بات جاننے والے سے پوچھے۔ مگر جب جہالت و نادانی کا یہ حال ہو۔ کہ نادانوں کو اتنی بھی خبر نہ ہو کہ جاننے والوں سے پوچھنا ان کا فرض ہے۔ اور اسپر بہکانے والے مخالفین اسلام کی جان توڑ کوششیں انہیں گمراہ کرنے میں لگ رہی ہوں تو کیا علماء اور صوفیاء کا فرض نہیں ہے کہ پہلے وہ افراد امت کو اتنا باخبر کر دیں کہ وہ اپنے اس فرض کو جان لیں کہ انہیں پوچھنا چاہئیے۔

یہ فرض علماء اور صلحاء کا محض عالم و صالح کی بنا پر ہے۔ ورنہ جانشین رسول ہونے کی حیثیت سے ان کا فرض ہونا چاہئیے کہ وہ خود پکاریں ۔۔۔۔۔۔ اور قوم کو متنبہ کئے جائیں۔ اسلام کے ابتدائی عہد میں سچے مسلمانوں کا یہی حال تھا۔ کہ ادھر مسلم لائے۔ ادھر وعظ و تلقین شروع کر دی۔ نادانوں کے حال پر ترس آنے لگا۔ اور رحم کرنے لگا۔ اور اپنے ساتھ دوسروں کی بھی فکر دامنگیر ہوئی۔ اسلئے اسلام کی اشاعت روز بروز وسیع ہوتی گئی۔

اگرچہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی جہالت اور فرض ناشناسی اور عام افسردگی کے باعث اشاعت اسلام اور تالیف قلوب کا باب بالکل مسدود ہو رہا ہے نہ تو مسلمانوں ہی کو اسطرف توجہ ہے۔ اور نہ اسلامی سلطنتیں ہی اس فرض اہم پر توجہ کرتی ہیں اور نہ علماء ہی اشاعت تعلیم اسلام پر آمادہ و مستعد پائے جاتے ہیں۔ تاہم دنیا میں اسلام جس سرعت کے ساتھ بغیر داعیان اسلام کے پھیل رہا ہے

وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اور یہ خدائے تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ یورپ کے مشنری بارہا پکار چکے ہیں کہ اسلام خطرناک سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اور جہاں عیسائیت کو ذرا بھی واسطہ پڑا ہے۔ وہیں عیسائیت کی اشاعت میں وہ سدِّ سدید ثابت ہوا ہے۔ ہم ہر چند زور لگاتے ہیں۔ مگر ہماری کوشش رائیگاں جاتی ہے۔ اور اسلام بغیر کسی وعظ و تعلیم کے خود بخود لوگوں کے دلوں میں جگہ کرتا چلا جاتا ہے۔ ان واقعات و شواہد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام میں لوگوں کو جاہل سے جاہل ہوں یا فلسفی سے فلسفی اپنی طرف کھینچنے کی زبردست طاقت ہے۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تبدیل مذہب کا خیال آنے پر لوگوں کے دلوں میں دنیاوی تعلقات کے منقطع ہونے کے اندیشوں کا جو ہجوم ہوتا ہے وہ کم از کم ۹۵ فیصدی کو اختیار حق سے باز رکھتا ہے اور کمزور انسان کو اپنی طبیعت کا مغلوب ہونا پڑتا ہے۔ اسلئے موجودہ حالت میں جو لوگ مسلمان ہوتے ہیں۔ اور جنکو ہم اور اغیار حیرت و استعجاب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ پانچ فی صدی سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اب خیال تو کرو۔ اسلام کی طرف میلان رکھنے والے ۹۵ فیصدی بھی مسلمان ہو جائیں تو پھر اشاعت اسلام کی رفتار کتنی سریع ہو سکتی ہے۔ اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کتنے قومی و تمدنی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ جو موجودہ حالت میں تالیف قلوب پر عمل نہ کرنے سے ضائع ہو رہے ہیں۔ یہی نہیں ہماری غفلت سے صدہا پرانے نو مسلم بھی ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔

حق یہ ہے کہ جب سے سچے علماء اور سچے صوفیا نے وعظ و تلقین سے کنارہ کیا ہے۔ اور عام مسلمانوں نے تالیف قلوب کو فضول سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ اُسی وقت سے مسلمانوں کی حالت بگڑی اور اشاعت اسلام کی رفتار سست ہو گئی ہے۔ بلکہ وہ دین و دنیا سے بھی کھوئے گئے ہیں۔ اسوقت چاروں طرف سے ہمارے پیارے اسلام اور جان سے پیارے اسلام اور حضور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک پر نہایت ناپاک اور قابل شرم حملے کئے جا رہے ہیں۔ مخالفین اسلام ہاتھ دھو دھو کر اسلام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور ہر وقت یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ حضرات علماء و صلحاء نے جو دولت سینکڑوں برس کی محنت سے اسلام کے خزانہ میں جمع کی ہے۔ اسکو لوٹ کر لے جائیں چنانچہ یہ کوشش اب ہر طرف سے شب و روز جاری ہے کہ جسطرح ہو مسلمانوں کو صراط مستقیم سے بہکا کر گمراہ کیا جائے۔ جسکے لئے مخالفین اسلام کے رسالے اور آرگن۔ اُن کی سوسائٹیاں اور سماجیں بڑی ان تھک کوشش سے کام کر رہی ہیں۔ اور مسلمان خواب خرگوش میں پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ ان کی بلا سے اسلام رہے یا جائے وہ ایسے مدہوش اور بدمستی میں غرق ہیں کہ انہیں خبر تک نہیں۔ کہ ہمارے بزرگوں نے جو دولت سینکڑوں برس کی ان تھک کوشش اور محنت سے اسلام کے خزانے میں جمع کی تھی۔ آج غیر اسکو لوٹ رہے ہیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اسلام کے میدان کا مرد ہو۔ اور اس گولہ باری میں جو اسلام پر ہو رہی ہے سینہ سپر ہو کر اسکی حفاظت کیلئے میدان میں نکلے۔ هل من مبارز کہہ کر مخالفوں کو اسلام کی حقیقت اور حقانیت کے علمی اور عملی ثبوت کا چیلنج دے۔ کیسی قدر شرم کا مقام ہے اور مسلمانوں کیلئے ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔ کہ آج یہ دلخراش آواز سننے میں آتی ہے کہ فلاں جگہ اتنے مسلمان عیسائی ہو گئے۔ اور اتنے نو مسلم راجپوتوں کی شدھی ہوئی۔ اور اتنے نو مسلموں کی شدھی ہوگی۔ ایک سچے دل کا مسلمان جب ان وحشت انگیز خبروں کو سنتا ہے تو اُسکا کلیجہ منہ کو آتا ہے اُسکے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُسکے درد بھرے دل سے یہ صدا نکلتی ہے ؎

ذرا دیکھ اے کشتیٔ امت کے نگہباں   بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

پس اندریں حالات مسلمانوں کا سب سے پہلا اور ضروری اور لازمی فرض یہ ہے کہ وہ اشاعت اسلام کا بندوبست کریں۔ اسکے لئے رسالہ اسوۂ حسنہ نمبر ۳ جلد دوم میں ایک مضمون "اشاعت اسلام"، کے عنوان سے خاکسار لکھ چکا ہے۔ اسکو دیکھ لینا کافی ہے۔ یہاں پر صرف اسقدر عرض کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ جس قدر کہ دولت مند زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ اگر اس کا ایک واجبی حصہ مقامی طور پر ہی مگر کسی خاص انتظام سے تالیف قلوب کی مد میں صرف کیا جائے۔ تو اس کا بھی دنیا کی غیر مسلم قوموں پر عملی اثر ہو سکتا ہے اگرچہ اتنا وسیع نہ ہوگا۔ جو اشاعت اسلام کے دیگر وسائل پر ساتھ ساتھ عملدرآمد کرنے سے ہو سکتا ہے۔ ابھی ہندوستان میں لاکھوں غیر مسلم ایسے موجود ہیں کہ اسلام کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ سابقہ تعلقات قطع کرنے پر مسلمان اُن کے سنبھالنے کو تیار نہیں ہیں ضمیر کشی کر رہے ہیں اگرچہ وہ خود بھی خدا کے نزدیک اس کمزوری کے جوابدہ ہیں لیکن ہم مسلمان بھی اپنی طرف سے فروگذاشت کرنے پر مواخذہ سے نہیں چھوٹ سکتے۔

کیا اچھا ہو۔ کہ مسلمانان ہندوستان اگر ممالک غیر میں نہیں۔ تو ہندوستان ہی میں اشاعت اسلام کا خاص اہتمام سے انتظام کریں اور وعظ و پند جن لوگوں کو مائل باسلام پائیں۔ زکوٰۃ کی رقم والمؤلفة قلوبهم سے ان کی مدد کریں لیکن ساتھ ہی اسکے جب تک کہ اس رقم کو ایک یا چند جگہ باقاعدہ جمع ہو کر محتاط ہاتھوں سے صرف کئے جانے کا معقول انتظام نہ ہو۔ کوشش منفردہ کوئی اچھا نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی۔ خدا کرے کہ مسلمان اس ضرورت کا احساس کر کے اس کا بندوبست کرنے میں ساعی و کوشاں ہوں ۔ ع

بانگ زدکردیم اگر در دہ کس است

خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ۔ از گکھڑ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے

السیرۃ المحمدیۃ والخصائص النبویۃ

انسانی نبوت

(۴)

تطابق فی العمل

جب رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کے لیئے نمونہ عمل بنکر آئے۔ آپنے متاہلانہ زندگی بسر کی۔ آپ کھانا کھاتے رہے۔ کپڑا پہنتے رہے۔ اور ایک انسان کو دنیا میں رہ کر جو کچھ کرنا چاہیئے۔ آپ نے سب کیا۔ تو آپ کی اُمت کا یہ فرض ہے کہ اسپنے اعمال کو رسول اللہ کے اعمال کے ساتھ منطبق کردے۔

پس ہمارا لڑکپن بھی ویسا ہی ہو۔ جیسا رسول اللہ کا لڑکپن تہا۔ ہماری جوانی بھی اسی طرح ہو۔ جیسی رسول اللہ کی جوانی تھی۔ اور ہماری پیری بھی ویسی ہی ہو جیسی رسول اللہ کی پیری تھی۔ یہاں تک کہ آخر میں ہم دنیا سے بھی اسیطرح رحلت کریں جسطرح ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے رحلت کی تھی۔

اگر اسطرح ہمارا خاتمہ ہوا۔ تو یہ خاتمہ بالخیر ہے اور ہم صحیح معنوں میں مسلمان حضور کے مقتدی اور پیرو، اور رضائے واحد کے حقیقی پرستاروں میں ہونگے!

ہم کیوں نہ ویسے ہوں۔ ہمارے اعمال کیوں نہ آپکے اعمال کی طرح ہوں۔ ہم کیوں نہ آپکے نقش قدم پر چلیں۔ جبکہ آپ بھی ہمارے ہی طرح ایک انسان تھے۔ آپکے پاس نفس امارہ تھا۔ آپکو بھی جوش شباب اور خروش جوانی سے سابقہ پڑا تھا۔ آپ کا گردو پیش بھی ناموزوں اور ناخوشگوار تہا۔ پھر ان مواقعات کے ساتھ آپنے جو کچھ کیا۔ اگر ہم انسان ہیں تو ہم بھی اسکو کرسکتے ہیں۔ اور اگر ہم حقیقی آپکے پیرو ہیں تو ہم کو بھی وہ کرنا چاہیئے!

ہمارے ایام طفولیت ہمارے والدین کے ہاتھوں میں ہیں پس اگر ہمارے والدین نے ہمارے لڑکپن کو رسول اللہ کے لڑکپن کے موافق نہیں کیا۔ تو اسکے ذمہ دار ہمارے ملازمین ہیں۔ اسکا وبال ان پر ہے۔ اور اسکا مواخذہ ان سے کیا جائیگا

لیکن جب ہم نے ہوش سنبھالا۔ آنکھ کھولی۔ دنیا دیکھی۔ اپنا نیک و بد سمجھنے لگے تو اگر ہم نے اپنا عنفوان شباب رسول اللہ کے عنفوان شباب کیطرح اور اپنی جوانی رسول اللہ کی جوانی کی طرح نہ گذاری تو ہم نااہل ہیں۔ ناعاقبت اندیش ہیں۔ جاہل ہیں۔ اپنے اور اپنی حیات و کامرانی کے دشمن ہیں! اور خدا گواہ ہے کہ اِس میں مبالغہ نہیں، تصنع نہیں، خلاف نہیں، کذب نہیں۔ اگر دو اور دو چار اور چار چار آٹھ صحیح ہے تو یہ بھی صحیح ہے کہ اگر ہم رسول اللہ کی پیروی نہیں کرینگے۔ تو دین و دنیا دونوں کے خسارہ میں پڑ جائیں گے۔ اور اپنے ساتھ وہ دشمنی کرینگے۔ جو ابو حارث ابلیس نے ابو البشر آدم (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ بھی نہ کی ہوگی! اگر رسول اللہ نے زبان اور ہاتھ کو محفوظ رکھا کسی کو ہاتھوں سے تکلیف نہیں پہنچائی کسی کو زبان سے برا..... نہیں کہا۔ تو مسلمانو وہ کس درجہ بدبخت ہے جو باوجود اسکے کہ اپنی زبان اور ہاتھوں کو محفوظ رکھ سکتا تہا لیکن اُس نے نہیں رکھا!

اگر رسول اللہ نے بری نظر سے کسی کو نہیں دیکھا تو کس قدر بدبخت وہ آنکھیں ہیں جو کسی کو بری نظر سے دیکھتی ہیں!

اگر رسول اللہ بے جھوٹ بولے۔ بے خوشامد کیے بے دغا دیے اور مکر و فریب کیے اپنی زندگی امن و اطمینان کے ساتھ گذار گئے تو کتنا بڑا بدنصیب وہ شخص ہے جو باوجود اسکے کہ بے جھوٹ بولے۔ بے خوشامد کیے۔ بے دغا دیے۔ بے مکر و فریب کیے اپنی زندگی کو امن و عافیت کے ساتھ گذار سکتا تھا لیکن اس نے نہیں گذارا جھوٹ بولا۔ مکر و فریب کیا اور ملت فروشی میں رشک یہود ہوگیا!

اگر رسول اللہ نے اپنے خانگی اور ملکی انتظامات کیساتھ کم سے کم پانچوں وقت کی نماز پڑھی ہے۔ تو کتنا بڑا بداقبال وہ شخص ہے جو باوجود اسکے کہ وہ بھی بلا دقت بلا زحمت بلا نقصان پانچوں وقت کی نماز پڑھ سکتا تہا۔ لیکن اُس نے نہیں پڑھی!

اسی طرح روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور تمام اعمال حسنہ ہیں۔ جبکو اگر رسول اللہ نے کیا ہے تو اُس شخص کی بدبختی میں کیا کلام ہے جو باوجود طاقت اور قدرت کے نہ کرے! غرض انسانی نبوت کی غرض و غایت یہی ہے کہ جو کچھ نبی نے کیا وہی

اور اسی طرح اسکی امت کو کرنا چاہئیے۔ اور جب تک ایسا نہ ہوگا انسانی نبوت اور رسالت کی غرض پوری نہ ہوگی۔ اور خود انسان اصلی معنوں میں اس نبی کا پیرو اور امتی نہ کہا جائے گا۔ فتامل وتدبر!

فلسفۂ عمل

مثلے ہست کہ الجنس الی الجنس میل!

یہ ایک مشہور مقولہ ہے لیکن کیا یہ کوئی بے معنی تخیل ہے؟ نہیں بلکہ حیوانی فطرت اور اسکے فطری جذبات کا فلسفہ ہے۔ اور اس کا عمل حیوان ناطق اور غیر ناطق دونو میں یکساں ہے۔

مذہب کوئی جبری چیز نہیں۔ یہ طبعی ہے۔ اسکو انسان کی خواہش اور رغبت سے تعلق ہے۔ اس میں صاحبانِ مذہب کے اعضا پر نہیں بلکہ ضمیروں اور دلوں پر حکومت ہوتی ہے۔ اسی لیئے اس میں سب سے پہلے جس چیز کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت تھی وہ طرفین کا "انس" ہے اور یہ انسان کے لیئے نہیں ممکن تھا مگر انسانی نبوت میں۔ انسان کا جب انسان ہی نبی بنا کر بھیجا گیا تو انسیت اور میل کے باعث انسان نے اس سے وحشت نہیں کی۔ اور اُسنے جو کچھ کہا اُسکو سُنا۔ جسکا اثر ہوا۔ یہاں تک کہ تمام عرب جہاں کا ایک ذرہ بھی "لا الہ الا اللہ" سے واقف نہ تھا نصف صدی کے اندر وہاں کا ذرہ ذرہ واقف اسرار ہو گیا!

"تحریک تطابق فی العمل" کا یہ ابتدائی زینہ ہے۔ لیکن جو چیز آگے بڑھا کر معراج کمال تک پہنچا دیتی ہے۔ وہ در اصل "عشق و محبت" ہے جو متاثر کو مؤثر، منفعل کو فاعل طالب کو مطلوب، عابد کو معبود، مقتدی کو امام اور رہرو کو رہبر کیساتھ ہوتی ہے!

یہ بھی ایک انسانی فطرت ہے کہ انسان اُسی کی نقل کرتا ہے جو اسے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی کی پیروی کرتا ہے جس کی محبت اُسکے دلنشین ہوتی ہے۔ یہ عمل در اصل عشق و محبت کا معلول ہے۔ عشق و محبت کے بعد وہ خود ہی ظہور پذیر ہو جاتا ہے!

حضرت اُویس قرنی جب خبر پاتے ہیں کہ جنگ احد میں ان کے محبوب و مطلوب کا ایک دانت شہید ہو گیا ہے۔ وہ اتحاد اور تطابق فی العمل کے لیئے پتھر اٹھا کر اپنا ایک دانت توڑ ڈالتے ہیں۔ لیکن انکو خیال ہوتا ہے کہ معلوم نہیں میرے محبوب کا کونسا دانت شہید ہوا ہے۔ ممکن ہے یہ نہ ہوا ہو۔ اور پھر تطابق اور اتحاد میں کسر رہ جائے۔ اسلیئے یکے بعد دیگرے وہ اپنے تمام دانت توڑ ڈالتے ہیں۔ اور اسطرح وہ اپنے محبوب و مطلوب کے ساتھ متحد ہوتے ہیں!

میں کدو کی ترکاری اسلیئے چاہ سے کھاتا ہوں کہ وہ میرے محبوب کی پسندیدہ تھی، میں کمل اسلیئے اوڑھتا ہوں کہ وہ میرے کملی والے پیا کا اوڑھنا تھا۔ میں چٹائی اسلیئے بچھاتا ہوں کہ وہ میرے چٹائی والے داتا کا بچھونا تھا!

یہ تو خیر اگلی باتیں ہیں، آج بھی دیوہ کے حلقہ بگوش ایک ندوساڑھی میں عمر بسر کرتے ہیں۔ اسلیئے کہ یہ اُن کے ستیاں کا لباس تھا۔ اور چوپاکوٹ کے مریدین ایک چندری دار سیاہ رومال رکھا کرتے ہیں۔ اسلیئے کہ یہ انکے کنہیا کا رنگ ہے! اور فدا نیچے ہٹ کر یورپ کے پرستاروں کو لو۔ کہ یہ ہمہ دم ہیٹ کیٹ میں آراستہ نظر آتے ہیں۔ اسلیئے کہ ان کے رسیا کا ریکسٹ ہے!

لیکن در اصل یہ سارا کرشمہ عشق و محبت کا ہے جو اُنکے دل میں پیوست ہے اور جو انہیں رہ رہ کر ابھارتا رہتا ہے!

اسلیئے کسی کے نقش قدم پر چلنے اور کسی کی نقل فی العمل کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ اسکا عشق و محبت بھی اپنے دل میں موجود ہو۔ یہی حقیقت ہے جس کی طرف حضور سرور کائنات ؐ نے اشارہ کیا ہے (حدیث) مومن اسوقت تک پورا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اللہ اور اسکے رسول کی محبت اسکے دل میں اُس کے والدین اور اولاد سے زیادہ نہ ہو!

اور ہمیں یہی بڑا ہے کہ جب تک محبت نہ ہوگی اسوقت تک اسکو رسول کے عمل کی نقل اور رسول کے نقش قدم پر چلنے کی تحریک نہ ہوگی۔ اور جب تک رسول اللہ کے عمل کی نقل اور حضور کے نقش قدم پر کوئی نہ چلے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ مسلمان کیا خاک ہوگا! کیوں نہیں یا رسول اللہ؎

ہم تری راہ میں مٹ جائینگے سوچا ہے یہی   دردمندانِ محبت کا طریقہ ہے یہی

رسول اللہ کا فلسفۂ محبت

ایک شخص نہایت مضطرب اور پریشان نظر آتا ہے۔ آنکھوں سے سیل اشک جاری ہے۔ لب پر نالہ و فریاد ہے۔ اور ایک کیف بے خودی ہے۔ جس میں وہ دنماۃ ڈوبا رہتا ہے۔ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا۔ کہ وہ کسی کا اسیر گیسو اور قتیل نگاہ ہے۔ اور غمزدہ ہے۔ ستم رسیدہ ہے۔ آزردہ و پریشان حال ہے۔ بے چین و شکستہ دل ہے۔ لیکن اُس کے ارمان کیا ہیں! اُس کا جوش و ولولہ کیا چاہتا ہے۔ اُس کے جذبات کس قسم کے ہیں؟ شاید وہ اس سرور کا متمنی ہے۔ جو کسی رسیلی اور نشیلی آنکھ نے ایک نظر ڈالکر اُسے بخشا ہے۔ درحقیقت وہی سرور اور لذت ہے۔ جس کا وہ آرزومند ہے۔ اور جس کے لیئے وہ ہمہ دم نالہ و فریاد کرتا رہتا ہے۔ لیکن کیا اُسے معلوم ہے کہ محبوب خدا کی مستانہ آنکھیں ایک نظر ڈالکر کیا لطف و سرور بخشتی ہیں؟ اگر معلوم ہو تو خدا کی قسم وہ عشوہ سازان زمانہ کی لاکھوں سحر ساز آنکھوں کو محبوب خدا کی مست اور پرکیف آنکھوں پر نثار کردے اور فرط بیخودی سے

چلاتا پھرے ع

قربان نگاہ تو شوم باز نگاہے !

ایک نوعمر نزار و قطار روتا نظر آتا ہے۔ اُس کی جبین خاک آلود ہے گریبان تارتار ہے۔ چہرہ پژمردہ ہے۔ دل افسردہ ہے۔ سرشک غم آنکھوں سے جاری ہیں اضطراب۔ بے چینی۔ حزن۔ ملال ہمہ دم شریک حال ہیں اور وہ بیخودانہ انداز میں رہ رہ کر وا ابتاہ ! چلا اٹھتا ہے

آہ۔ یہ کوئی یتیم ہے۔ جس کے سر سے اسکے مہربان باپ کا سایہ اٹھ گیا ہے وہ اُس لطف و سرور کو یاد کرکے جو اسکا مہربان باپ اسپر کیا کرتا تھا مضطرب ہو جاتا ہے۔ اور فرط بیخودی میں آہ و نالہ کرکے اپنے ستم رسیدہ دل کا حزن و ملال دور کرنا چاہتا ہے ! یہ حزن و ملال کیوں ہے ؟ صرف اسلیئے کہ وہ اپنے باپ کی مہربانی اور شفقت کو کھو بیٹھا ہے۔ اور جو لطف و سرور اُس کے باپ کی مہر و عنایت سے اسکو ملتا تھا۔ اس سے وہ اپنے کو محروم پاتا ہے لیکن کیا اسکو خبر نہیں۔ ہے کہ رسول اللہ کی مہر و عنایت کا لطف و سرور اسکے باپ کی مہر و عنایت کے سرور سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور جو لوگ اُس کے لذت آشنا ہوئے وہ دین و دنیا۔ ماں باپ۔ عزیز و اقارب دوست احباب سب سے بے نیاز ہو جاتے ہیں ! اور کیوں نہ ہو۔ ماں باپ کی مہر و عنایت ان کے دم کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اور رسول اللہ کی شفقت آج حضور کی رحلت کے بعد بھی ہمارے حال پر ہے۔ اور اُسوقت جب کوئی کسی کا نہ ہوگا۔ باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا۔ اپنے اعضا تک ساتھ نہ دینگے نفسی نفسی پڑ جائیگی اسوقت تنہا رسول اللہ کی شفقت ہوگی جو ہماری شریک حال رہے گی اور اُن آفات اور مصائب سے ہمیں بچائے گی۔ اور حضور کا دامن رحمت ہوگا جو ہمیں آفتاب کی جھلسا دینے والی دھوپ سے بچائے گا۔ اور بالآخر حضور اپنے ساتھ ہمیں جنت میں لیکر داخل ہو جائینگے ! تو کیا ہمارے دل میں رسول اللہ کی محبت ماں باپ کی محبت سے زیادہ نہ ہوگی ! اور جسکو اس حقیقت کا علم ہوگا وہ جان و دل سے آپ پر قربان نہ ہو جائے گا ؟ روحی فداک یا رسول اللہ

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد !!

غرض اسی طرح دنیا کا کون سا لطف ہے جو رسول اللہ میں نہیں اور کونسی لذت ہے جو حضور کی توجہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ وہ بھی دنیاوی لذت کی طرح فانی نہیں۔ دائمی ! اس حالت میں کیا ہر چیز کی محبت کرنے والے سب کو چھوڑ کر تنہا رسول اللہ ہی کا دم نہ بھرینگے ؟

اگر تمہیں تماشا دیکھنا ہو تو حضرت اویس قرنی اور حضرت بلال کا دل اور حضرت سلمان فارسی کی آنکھیں لاؤ۔ اور پھر دیکھو کہ ماہ چاردہم زیادہ روشن ہے۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک۔ جام مئے زیادہ مخمور کرتا ہے یا رسول اللہ کی چشم نشاط افزا، آسمان کی تڑپتی بجلی نیم بسمل بناتی ہے۔ یا رسول اللہ کی برق تبسم ؟

واللہ یا رسول اللہ ؎

انچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری !

بس دل کی وابستگی کے لیئے جس سامان کی ضرورت ہے وہ رسول اللہ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اسلیئے دنیا میں جو شے سب سے زیادہ سزاوار محبت ہے وہ ذات رسالت ہے !

رکن الدین دانا

رسولِ عرب صلے اللہ علیہ وسلم اور قومی ہمدردی

"بنی کنانہ۔ ہوازن" کی جنگ جاہلیت　　جو کی ملاحظہ حضرت نے چشم عبرت سے
تو ایک درد اُٹھا دل میں حب قومی کا　　کہ جس نے کر دیا بیزار لطف راحت سے
یہ خانہ جنگی کا دھبہ تہا ملک و ملت پر　　بہا تہا خون جو طرفین کی جہالت سے
یہ فکر رہنے لگی دلکو رات دن .... یعنی　　مٹے نفاق کسیطرح ملک و ملت سے
اسی خیال سے غار حرا میں دو دو دن　　گزار دیتے تھے فاقوں کی رنج و کربت سے
سمجھ میں آ نہیں سکتا کہ ایسی ملت کو　　جو بھول کر بھی نہ چونکی ہو خواب غفلت سے
جگا سکے کوئی انساں بے سروسامان　　" اور اسطرح " کہ اٹھے اک جہان غفلت سے
وہ غمگسار حقیقی تھا نوع انساں کا　　بچایا قوموں کو جس نے بڑی ہلاکت سے
کیا جہاں کو مسخر یہ کیا صفائی تھی　　نہ آشنا تھی زباں اسکی گر صداقت سے
نہ قوم پاس تھی اسکے نہ اسلحہ خونریز　　تھی آب " تیغ زبان " پر مگر نبوت سے
کہ جس کی کاٹ سے دل پارہ پارہ ہوتے تھے　　فصیح پھرتے تھے یوں دعوی فصاحت سے
کہ جیسے منہ میں زباں ہی نہیں رہی گویا　　کلام پاک کی معجز نما بلاغت سے
سہلیں ہزار زمانہ کی ترکتازی بھی　　عیاں ہوا نہ تذبذب مگر ارادت سے

غرض کیا تھا ارادہ جو آپ نے دل میں
وہ پورا ہو گیا اللہ کی عنایت سے

انوار حسین رسوا ڈبیائیوی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

سائنس اور اسلام

(شیخ فیروز الدین مراد صاحب ایم۔ ایس سی۔ بی۔ اے پرنسپل مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ)

سائنس اور اسلام گو دو جداگانہ چیزیں ہیں لیکن وہ ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں۔ دونوں کے اثر کے دائرے اور تحقیقات کے طریقے بالکل مختلف ہیں لیکن کسی صورت میں متنازع فیہ نہیں ہیں۔ ابتدائے زمانۂ اسلام کے مسلمان سائنس کے گرویدہ تھے۔ اور انہیں سے جدید فنون اور علوم یورپ کی ابتدا ہوئی۔ یہ امر محض ہماری کم علمی اور سطحی معلومات پر مبنی ہے کہ ہم تعلیمات اسلام اور قوانین سائنس کو ایک دوسرے سے منافی سمجھتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ دونوں میں مصالحت نہیں ہو سکتی

تعریف اسلام اسلام ایک عقلی اور جمہور پسند مذہب ہے لیکن اس میں ایک جاہل کا گذارا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ علم حاصل کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آج کل کے مسلمان تعلیم کے بہت شایق نہیں ہیں۔ لیکن یہ خاصکر ان کی عام مذہبی بے توجہی اور بے پروائی کا ثمرہ ہے۔ یہ ان کی کمزوری اور غلطی کی بات ہے یا تو انہوں نے اپنے مذہب کے اصل منشا میں غلط فہمی کی ہے۔ یا وہ قصداً اچاہتے ہی نہیں۔ اسلام تو وہ مذہب ہے جس میں علوم اور سائنس کی تعلیم اس قدر ہے کہ غیر مسلم بھی اس کے مداح اور ثنا خوان ہیں۔ پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنالڈ نے اپنی کتاب "اشاعت اسلام" میں ایک فرانسیسی مصنف کے قول کا حوالہ دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "اسلام عملی اور تاریخی ہر دو اعتبار سے ایک معقول پسند مذہب ہے۔ اور عقل کی اصلاح جس کی بنا مذہبی اصولوں کو دلائل اور براہین پر قایم کرنا ہے اسلام پر عین صادق ہے۔

تعلیم اسلام کی سادگی اور صفائی یقیناً تعلیمات اسلام کی سادگی اور صفائی اس مذہب کی اشاعت میں نمایاں ذرایع کامیابی میں سے ہے۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت سے اصول و بہتان اور نیز بہت سے توہمات جس میں پیرو مرشدوں کی پرستش سے لے کر تسبیح مالا اور تعویذ گنڈوں کے استعمال تک شامل ہیں۔ ایسے ہیں جو مذہب اسلامی میں داخل ہو گئے ہیں لیکن اسکے اصلی جز نہیں ہیں۔ جس مذہب کے اصول اس قدر بدیہی اور پیچیدگیوں سے پاک ہوں۔ کہ معمولی فہم کی بھی رسائی ہو سکے۔ تو اس کی بابت ضرور یہ گمان کیا جا سکتا ہے اور درحقیقت یہ درست بھی ہے کہ اسکے اندر انسان کے دلوں کو مسخر کرنے کی تعجب انگیز طاقت ہے۔

علماء کی تعریف قرآن پاک سے قرآن مجید کلام اللہ ہے۔ علماء اور ان لوگوں کی تعریف سے پر ہے جو اسکی مخلوق اور خلقت ارض و سما پر غور و خوض کرتے ہیں۔ وہ جو عالم ہیں۔ والراسخون فی العلم خدائے حی و قیوم کی قدر بہ نسبت ان لوگوں کے جو جہالت کی تاریکی سے گھرے ہوئے ہیں۔ کہیں زیادہ حسن طریقہ سے کر سکتے ہیں۔ کلام پاک میں ایک آیت ہے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنے "درحقیقت عالم لوگ خدا سے خوف کہاتے ہیں۔ یہاں پر بھی فرمایا ہے کہ راس الحکمۃ مخافۃ اللہ یعنے اللہ کا خوف فلسفہ کی ابتدا ہے" یہ بات بالکل صاف ہے کہ جس قدر انسان معجزات آفرینش کی کنہ کو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی قدر زیادہ وہ نظام الٰہی کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے خالق اکبر کا تصور جس قدر زیادہ بلندی پر پہنچتا ہے اسی قدر زیادہ اسکا دل صاف ہوتا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ "نیم حکیم خطرۂ جان نیم ملا خطرۂ ایمان" کی مثل کا مصداق بنکر اس کا سر نہ پھر گیا ہو۔

خدا کی عظمت کا اعتراف عظیم الشان منظروں میں ایک عام مثال دینے کے لیئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دماغ انسانی ہموار میدانوں اور روزمرہ کے نظارہ والی عبادت گاہوں کی بہ نسبت بڑے عظیم الشان پہاڑوں اور جنگل اور ان کے اندر رعب و داب والے قدرتی منظروں میں عبادت کرنا زیادہ پسند کرتا ہے محض اس وجہ سے کہ قدرت باری تعالیٰ کی عظمت کا خیال ہماری ہستی کو اسکی مخلوق کے بڑے سمندر کے ایک ادنےٰ قطرہ کی صورت میں دکھلا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک سائنس دان جو ہر لمحہ اس جاہ و جلال والے

کی صنعتوں کے اندر رہتا ہے۔ اور ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز میں اُسکا مشاہدہ کرتا ہے حتیٰ کہ خوردبین سے دیکھے جانے والے چھوٹے سے چھوٹے جانور اور دقیقات البرق سے لیکر بے تعداد نجمی دنیاؤں تک میں۔ اسی کا ظہور پاتا ہے۔ بغیر ایک خدا پرست اور خدا ترس انسان بنے نہیں رہ سکتا۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ یہی وہ راز ہے جو رسول مقبولؐ کے ہر حکم میں جو آپنے مسلمین کی رہبری کیلئے دیا پنہاں ہے۔

تحصیل علم کی ہدایت ہم کو علم سیکھنے کی نہ صرف علم ہی کے واسطے ترغیب دی گئی ہے بلکہ ہم سے یہ بھی وعدہ کیا گیا ہے کہ تحصیل علم خود ایک تقویٰ اور زہد کا کام ہے۔ اور تعلیم دینا ایک بڑی سخاوت ہے۔ مسلمانوں کو بار بار اسرار الٰہی کے علم کے وسیلہ سے تحقیق کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لفظ علم مجموعی طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل ایک مسلمان کی تعلیم کے ابتدائی مراحل، علوم اسلامی، اگر از کم قرآن پاک اور احادیث شریف، پر کامل دسترس حاصل کرنا ہیں۔ لیکن اسکا علم بحیثیت ایک دنیاوی آدمی ہونے کے اسوقت تک تکمیل کو نہ پہونچے گا جب تک کہ وہ سائنس نہ سیکھے۔ قدرت سے شناسائی نہ پیدا کرے۔

مسلم عقیدہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے تمام کاموں کا نتیجہ خیر و شر ان کی نیک نیت پر مبنی ہے۔ الاعمال بالنیات۔ اسلیئے اگر ایک مسلمان سائنس اس غرض سے سیکھتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت سے زیادہ واقفیت پیدا کرے تو اسکو اس کی نیت ہی کے مطابق انعام ملے گا۔ اور یہی باعث ہے کہ ہم کو خدا اور رسولؐ علم کے حقیقی طالب بننے کا حکم دیتے ہیں۔

حوالۂ احادیث ہم یہاں پر چند احادیث نقل کرتے ہیں جو سائنس کی عظمت پر دال ہیں اور طلب علم کو مسلمانوں کیلئے لازمی قرار دیتی ہیں:-

لا حسد الا فی اثنین رجل اتاہ اللہ مالاً فا سرفہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا و یعلمھا۔ یعنی دو شخص دراصل قابل رشک ہیں ایک تو وہ جو دولت مند ہے اور اپنی دولت کو نیک راستوں میں صرف کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ جسکو خدا نے فلسفہ کی نعمت عطا کی ہے۔ اور وہ اس کے مطابق اپنے کام کرتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی اسکی تعلیم دیتا ہے"۔ علم کی قلت اور قحط قرب قیامت کے آثاروں میں بیان کئے گئے ہیں۔

عالم کی برتری ایک زاہد پر فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب وان العلماء ورثۃ الانبیاء یعنی "ایک عالم کی زاہد پر برتری کی ایسی مثال ہے۔ جیسے پورے چاند کی ستاروں پر اور عالم لوگ انبیاء کے وارث ہیں"۔

تمام مسلمانوں پر تحصیل علم لازمی ہے۔

ابوہریرہؓ سے روایت عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح ید عولہ۔ یعنے ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اسکو تین چیزوں کے علاوہ اور ہر چیز کا صلہ ملنا بند ہوجاتا ہے۔ اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ ایک تو کوئی ایسی سخاوت جو قائم رہنے والی ہو۔ مثلاً مسجد کنواں۔ مدرسہ وغیرہ۔ دوئم وہ علم اور تجربات جو بنی انسان کے واسطے مفید ہوں مثلاً کوئی تصنیف یا کوئی ایجاد یا تحقیق۔ اور تیسری چیز اولاد صالح ہے"۔ ماسوا اسکے علم کے مفاد اور ضرورت پر زور دینے کے لیئے یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک طالب علم کی روشنائی ایک شہید کے خون سے زیادہ متبرک ہے۔ اور نیز یہ کہ من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع۔ جو شخص اپنے وطن کو علم کی تلاش کے لیئے چھوڑتا ہے۔ وہ تادم واپسیں راہ خدا میں سفر کرتا ہے"۔ خالق کے انتظام اور قدرت پر ایک گھنٹہ کا مراقبہ ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے"۔ مسلمانوں کو ان علوم کی تحصیل کی طرف بے حد متوجہ ہونا چاہیے۔ جن سے تعلیمات اسلام کا کچھ بھی تعلق ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "کہ جو شخص اسلام کی طرفداری کرنے کی غرض سے حصول علم میں فنا ہوجاتا ہے۔ اسکے اور پیغمبروں کے درمیان بہشت میں صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا"۔ من جاءہ الموت وھو یطلب العلم لیحیی بہ الاسلام فبینہ وبین النبیین درجۃ واحدۃ فی الجنۃ۔

علم کے ناجائز استعمال سے پرہیز اور آخر میں ناجائز استعمال سے پرہیز اور بچاؤ کرنے کے لیئے رسول کریمؐ فرماتے ہیں۔ الا ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء کہ "علما کا بد ہونا ان کو بدترین سے بدتر کر دیتا ہے اور انکا باعمل اور نیک ہونا افضل ترین سے افضل کر دیتا ہے۔

اصل منشاء اسلام اوپر بیان شدہ حوالۂ قرآن مجید و حدیث سے بات بالکل عیاں ہے کہ اسلام کا خاص منشا ہرگز حصول علم کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ سائنس کا مطالعہ مسلمانوں کے واسطے خاص طور پر مفید تبلایا گیا ہے۔

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا علمی شوق ہم اپنے ایک دوسرے مضمون "سیرت اسلامی" میں کسی قدر طوالت کے ساتھ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں علم کے صادق طالبوں کے چند مثالوں کا تذکرہ کرچکے ہیں۔ آپ کوئی اسلامی تاریخ لے لیجئے۔ اُس میں آپ کو بہت سے ایسے لوگ نظر آئینگے جنہوں نے تمام عمر سائنس کی تکمیل میں صرف کردی۔ انہوں نے پیدل ہی ہزاروں میل کا سفر محض اُن جڑی بوٹیوں کے خواص جاننے کی غرض سے کیا جو اُن کے ملک میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ فی الحقیقت انہیں لوگوں میں علمی جوش تھا۔

ہماری جہالت کی وجہ ہمارے موجودہ تنفر علمی کی وجہ محض ہماری قابل افسوس مذہبی بے توجہی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمان اپنے مذہبی علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتے تھے اور اسی وجہ سے تحصیل علم میں کوشاں تھے۔

خلیفہ منصور اور حقیقت میں چند اور مسلمان حکمران بھی سائنس کے بڑے شائق تھے ان کے یہاں اُن کی ذاتی رصدگاہیں تھیں۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ بادشاہ شارلمین شاہ فرانس نے مسلمانوں سے ایک نادر تحفہ حاصل کیا تھا۔

یہ تحفہ بارہ دروازوں کی ایک گھڑی تھی۔ جس میں ہر گھنٹہ کے گذرنے پر ایک سوار دروازہ سے نکل آتا تھا جس سے دن کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ فرانس کے درباری اس تعجب خیز گھڑی کی ساخت کے سمجھنے سے قاصر تھے۔

علم ہیئت علم ہیئت کا مسلمانوں نے خاص طور پر مطالعہ کیا تھا۔ اور زمین کے قطر کی پیمائش منصور کے عہد میں ایک نہایت آسان طریقہ سے کی گئی تھی جیسے ایک مقرر فاصلہ میں مسافت طے کرنے کے بعد قطب ستارہ کے جائے قیام میں جو فرق ہو جاتا تھا۔ اسکے فاصلہ کو ناپ لیا جاتا تھا۔

عربی اعداد وہ اعداد جنکو عربی اعداد سے موسوم کرتے ہیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی علمی عروج کے قایم رہنے والی یادگار ہیں۔ ڈاکٹر الیفرڈ ایسل ولیس کا خیال ہے کہ انسان نے تمام قرنوں میں صرف بیس معلومات اور اختراعات اول درجہ کی کی ہیں۔ اپنی کتاب عجیب وغریب صدی " میں وہ ان میں سے تیرہ کا شمار نیسویں صدی عیسوی میں کرتا ہے۔ اور صرف سات کی بابت لکھتا ہے کہ یہ وہ ہیں جن کی تحصیل انسان نے تمام پچھلے زمانوں میں کی ہے۔ ان سات میں اس نے عربی اعداد کو ایک نہایت معقول جگہ دی ہے۔ اگر ہم ایک لمحہ کے واسطے اس اعدادی پیمانہ کے فوائد پر غور کریں اور سیجئے "رومن" کے تکلیف دہ طریقہ شمار کے مقابلہ میں اس کی سادگی اور سہولت کا اندازہ لگائیں اور نیز اس واقعہ پر خیال کریں کہ عربی طریقہ کی ان ایام تبدیلی و ترقی تک میں بھی کوئی اصلاح نہیں ہوئی تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے علمی شوق کا دنیا پر ایک گرانبار احسان ہے۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ ڈاکٹر ولیس نے جو اسکو تاریخ تہذیب میں انسان کی عظیم الشان کامیابیوں شمار کیا ہے تو بالکل حق بجانب ہے۔ اگر عربوں کے ایجاد کردہ حروف تہجی واعداد شمار نہ ہوتے تو دنیا کی ترقی میں بہت بڑی بھاری رکاوٹ پیدا ہو جاتی۔

علم جبر مقابلہ و کیمیا نیز جیسا کہ خود لفظ الجبرا سے ظاہر ہوتا ہے۔ جبر مقابلہ مسلم ذہانت ہی کا نتیجہ ہے۔ موسیٰ ابن جابر کا کمال علم کیمیا میں کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اس زمانہ میں چھاپہ خانے کی قسم سے کوئی چیز نہ تھی۔ اسوجہ سے بہت افسوس ہے کہ مسلمان اُن خزانوں کو کھو بیٹھے۔ جنکو اُن کے آباواجداد نے بڑی محنت و جانفشانی سے حاصل کیا تھا۔ ان کی طلب علم اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ان لوگوں کو جو علم ہیئت اور علم تشریح الابدان میں کامل دسترس نہ رکھتے تھے۔ ذات باری تعالیٰ کو اچھی طرح پہچاننے کے لائق نہ سمجھتے تھے من لم یعرف الھیئة والتشریح فھو عنین فی معرفة الله۔

یورپ کا اخلاقی تنزل جب یورپ کی مسیحی سلطنتیں اخلاقی طور پر تنزل پذیر ہو رہی تھیں۔ اور بدیہیات سائنس کا معیار انجیل تھی۔ تب یہ مسلمانوں ہی کا کام تھا کہ انہوں نے سائنس کا مطالعہ جاری رکھا اور اُسکو یورپ کے قرون مظلمہ کی حالت موت سے بچایا۔ ایک مشہور فلسفی کا نہایت محققانہ قول ہے کہ یونانی فلسفہ اور جدید سائنس کے درمیان ایک ناقابل گذر دریا حائل ہے۔ اور دونوں کے درمیان اگر کوئی ذریعہ اتصال ہے تو وہ فلسفہ اسلام ہے۔

ڈاکٹر وہویل کے قول کے مطابق قرون وسطیٰ میں یورپ کے اوپر ایک جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ خیالات فاسد ہو گئے تھے۔ اور جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ (اجتہادات مذہبی و مسائل سائنس) بلادلیل قبول کرانے سے علمی روح بالکل مردہ ہو گئی تھی۔ قدرتی واقعات بجائے اسکے کہ طبیعی اسباب سے منسوب کئے جاتے اخلاقی وجوہ سے ہم رشتہ کیے جاتے تھے۔ اور قوت متخیلہ نے علمی غور و خوض کی جگہ لی تھی۔ چونکہ پاتال کے رہنے والوں کا انجیل میں کہیں تذکرہ نہ تھا اسلئے اُن کے وجود سے انکار کیا جاتا تھا۔ جب اس طرح سے رکاوٹیں پیدا کی گئی تھیں۔ تو سائنس کے ابھرنے کی کیا امید کی جا سکتی تھی۔ بالآخر یورپ میں ایک مدت دراز تک علمی تحقیق کا مذاق قطعی بند رہا جسکا نتیجہ دماغی سستی اور بیکاری نکلا۔

اسلامی علم ادب اور تہذیب کا شباب ایسے نازک موقع پر جبکہ تمام یورپ ناشائستگی و جہالت میں غرق تھا یہ مسلمان ہی تھے جو علم و فنون کا بیج بو رہے تھے اور مشعل علم سے دنیا کی رہنمائی کر رہے تھے۔ اسلامی تہذیب اس وقت جبکہ یورپ کی تہذیب محض ابتدائی مدارج طے کر رہی تھی۔ اپنے شباب پر تھی۔ یہ اسلام ہی کے اثرات کا ظہور تھا۔ جو یورپ پر اسلامی سپاہ سے صلیبی جنگوں میں ملنے اور اسپین کے مسلمانوں کے وسیلہ سے پڑا تھا کہ یورپ کی آنکھوں میں روشنی کی جھلک پڑی یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہم باوجود اس قدر شاندار ترقی حاصل کر چکنے کے اب اپنے آپ کو ایسا بنالیں کہ ہمارا شاگرد (یورپ) اسلام کو وہ تہذیب بتلائے جو ترقی اور سائنس کے خلاف ہے۔

یونان و اٹلی کا علمی تنزل جب یونان اور اٹلی جہالت میں ڈوبے تو قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے علم کی شمع روشن کی۔ اور یہاں تک عروج کیا کہ ایک نئی سائنس کے موجد بن گئے۔

مصر سے یہاں وہ ارسطو کی فلسفہ و علم کیمیا سے واقف ہوئے تھے۔ شمالی افریقہ میں ہوتے ہوئے اسپین میں داخل ہوئے۔ اور یہاں پر ادب اور علوم ان کی زیر حکومت سلطنتوں میں سرسبز و شاداب ہوئے۔

اسپین کے مدارس علوم اسپین کے مدارس علوم تھوڑے سے ہی عرصہ میں تمام اطراف و جوانب کی مسیحی سلطنتوں کے طلبہ سے بھر گئے۔ کیمیا کی تعلیم یورپ کے تمام مشہور ملکوں میں جاری ہو گئی۔ اور تیرہویں صدی عیسوی میں عربی طرز کے تعلیم یافتہ منتہی کیمیا دان استاد مقرر کئے گئے۔ اسطرح یہ ثابت ہو گیا کہ مسیحی قرون وسطیٰ کی علمی خشک سالی میں عربی ذہانت اعلیٰ پیمانہ پر کام کر رہی تھی۔ اسپین میں مسلمانوں کے داخل ہوتے ہی ترتیب و نسق و نظم علم اور حسن مذاق نے اپنا سکہ جمایا۔ جب ایک مسیحی کسان کسی مرض سے لاچار ہو کر گرجا کی طرف رخ کرتا تھا تو ایک مسلمان ایک طبیب حاذق سے رجوع کرتا تھا۔

عربی عنصر جدید سائنس میں عربی عنصر جدید سائنس کی اصطلاحات میں بھی پایا جاتا ہے۔

یہ الحسن ایک عربی سائنس دان ہی تھا جس نے فلاطون کے اس بیہودہ خیال کو کہ روشنی کی شعاعیں آنکھ سے نکلتی ہیں۔ جڑ و بنیاد سے کھود کر پھینک دیا۔ الحسن نے انحراف کو بھی معلوم کیا اور بطور ایک نتیجہ کے ثابت کیا کہ ہم سورج اور چاند کو اُسکے غروب ہونے کے بعد دیکھتے رہتے ہیں۔ اُس نے سورج اور چاند میں جو افق کے نزدیک (ظاہرہ) فراخی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکی بھی تشریح کی۔ الحسن نے ذرثقل کے اصول کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ اور اسکی امداد سے میزانوں اور دباتی پیمانوں کی تحقیقات میں کام لیا۔ اس نے ثقل کو محض ایک کشش قرار دیا اور اُسکی قوت کا انحصار (اگرچہ یہ بھی غلط فہمی ہے) فاصلہ کی کمی و بیشی پر مبنی رکھا اور اُس کا تعلق محض زمینی تبلایا۔ الحسن نے مقیاس المار کی اصلاح کی۔ اجسام کے نسبتی اوزان جنکو الحسن نے معلوم کیا تھا تقریباً موجودہ زمانے کے اوزان سے ملتے جلتے ہیں۔ اس امر کو دیکھتے ہوئے اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ ڈاکٹر ڈریپر اُس طریق عمل اور ان تجویزوں پر اظہار افسوس کرتے ہیں۔ جنکے ذریعہ سے یورپ کے علم ادب سے اُن احسانات کو جو مسلمانوں نے یورپ پر کئے ہیں نظر انداز کرنے اور مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں سائنس کی قلت اس زمانہ کے مسلمان سائنس میں اس قدر پیچھے ہیں کہ یہ تصور کرنا بہت دشوار ہے کہ وہ کبھی اس علم میں دنیا کے رہنما تھے۔

ڈاکٹر ڈریپر کا قول امر مابعد کے ثبوت میں ہم ڈاکٹر ڈریپر کے قول کا ایک اور حوالہ دیتے ہیں۔

"وہ عربوں کی سائنس ان کے علم ادب کے ساتھ ہی ساتھ چل رہی تھی جو نصرانی سلطنتوں میں جنوبی فرانس اور سسلی کے راستوں سے داخل ہوئی تھی۔

پوپس کا ارگنان کو جلا وطن کیا جانا۔ اور مذہبی اختلافات پھیل جانا۔ اس کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ پھر اس نے اٹلی کے شمالی حصص میں اپنا قدم بڑے استقلال سے جما لیا۔ جب اویرو (ابن رشد کا بگڑا ہوا انگریزی لقب) نے ارسطو کی استقرائی فلسفہ کو عربی جامہ پہنا کر پیش کیا تو اس کے نہ صرف ظاہری بلکہ بہت سے خفیہ دوست پیدا ہو گئے۔ اور بہت سے آدمیوں میں اس سے دلچسپی اور اسکے حصول کی قابلیت پائی گئی۔ منجملہ ان کے   تھا جس نے ایک اصول بنیادی کا اس طرز پر اظہار کیا کہ صرف تجربہ اور مشاہدہ دلائل سائنس کے لئے قابل اعتماد بنیادیں ہیں۔ اور یہ کہ صرف تجربہ ہی قانون فطرت کا قابل اعتبار ترجمان ہے اور وہی فطرتی قوانین کی تحقیقات میں لازم و ملزوم شے ہے۔

ہم دوسرے نمبر میں ان قوانین سائنس کی ماہیت پر بحث کریں گے۔ جن سے اصلیت کی تحقیقات ہوتی ہے۔ اصل تعلیمات اسلام سے ان کا مقابلہ کریں گے اور ان مسائل کو بتائیں گے کہ جہاں سائنس اور مذہب میں عام طور پر تناقض پیدا ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے ہم کو امید ہے کہ اس امر کو ثابت کر دکھائیں گے کہ حقیقتاً اسلام اور سائنس دو متضاد چیزیں نہیں ہیں۔ اور نیز یہ کہ اس مسئلہ پر بحث صرف اسوقت ممکن ہے جب اصول اسلام کو بگاڑ کر اور خراب کر کے پھینک دیا جائے۔

(باقی آئندہ)

سید علی اختر
طالب علم بی۔ ایس۔ سی کلاس۔ مدرستہ العلوم علیگڈھ

کلام اکبر

(از خان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی)

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں — مگر انکو گناہوں سے تھا ڈر اور مجھ کو مرنے سے
نشان اللہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ — بجا ہے ہمت مسلم جو رکتی ہے ابھرنے سے
سعادت کا جو طالب ہے کھلا رکھ چشم عبرت کو — اثر دکھلائیگا یہ نقش ہستی آہ بھرنے سے
سرائے دہر کو جسنے محل خوف سمجھا ہے — اُسے کیا لطف آئیگا یہاں دل کے ٹھہرنے سے
خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہل غفلت نے — تعجب کیا ہے کیا دل مر گیا دنیا پہ مرنے سے

خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دل میں اے اکبر
بتوں کی کافری بڑھتی ہے تیری آہ کرنے سے

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق والاعمال

تہذیب النفس　　تدبیر منزل　　سیاست مدن

قوانین شریعت و رسوم

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ؁

(پ ۲ - س البقرہ - ع ۲۱/۵)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم خدا نے اتارا ہے اس پہ چلو تو جواب دیتے ہیں نہیں جی ہم تو اسی طریقہ پہ چلیں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو چلتے ہوئے پایا۔ بھلا اگر ان کے بڑے کچھ بھی نہ سمجھتے اور نہ راہ راست پہ چلتے رہے ہوں تو بھی وہ انہیں کی پیروی کئے چلے جائیں گے ؟

دوسرے مقام پر ہے :-

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ؁ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ	کیا ہم نے انکو اسکے پہلے سے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ اسکی دلیل پکڑتے ہیں ؟ نہیں بلکہ یہ تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا اور ان ہی کے قدم بقدم ہم بھی ٹھیک رستہ پر چلے جا رہے ہیں۔

(پ ۲۵ - س الزخرف - ع ۲/۹)

مشرکین عرب کسی شریعت کے پابند نہ تھے۔ بلکہ اندھوں کی طرح اپنے بڑوں کے ڈھرے چلے جاتے تھے۔ جہالت سے ان میں عبادت اوثان رائج تھی شراب نوشی تمدن کا جزو غیر منفک سمجھی جاتی تھی۔ قمار بازی دن رات کا مشغلہ تھا۔ ہار جانا۔ فخر و مباہات کا باعث تھا۔ الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے مصاہرت کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے تھے۔ اسی بنا پر لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے سے باک نہیں رکھتے تھے۔ ان کی زبان بلاشبہ فصیح و بلیغ تھی۔ مگر سارا زور فصاحت خودستائی یا دیگر اقوام کی تحقیر و تذلیل میں صرف کرتے تھے۔ اپنے مخش کارناموں کو مشتہر کرنے اور اپنی معشوقہ کی آوارگی کا حال طشت از بام کرنے میں بھی فصاحت و بلاغت کا استعمال کرتے تھے۔ حلال و حرام میں کوئی تمیز نہ تھی۔ رسم و رواج کی پابندی میں حلال و طیب چیزیں حرام اور حرام چیزیں حلال سمجھی جاتی تھیں۔ عورتوں کو میراث دینا تو درکنار خود انکو جائداد کا ایک جزو سمجھتے تھے۔ اور اپنے باپ کی جوروں پر قابض و متصرف ہوکر ان کو حبالۂ ازدواج میں لے آتے تھے۔ پرستش اصنام سے متوہم بن گئے تھے۔ شمس و قمر، شجر و حجر، جبل و بحر غرض فطرت کی ہر ایک چیز کو اپنا معبود سمجھ کر خدا کی عظمت و جلال کو بھول گئے تھے اور اس حقیقت سے بھی آگاہ نہ تھے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور تمام کائنات اس کے خدام و زیر نگیں ہیں۔ اور قدرت نے تمام اشیا اسلئے پیدا کی ہیں کہ انسان خلیفۃ اللہ بنکر ان سے کام لے۔ حقوق انسانی کے لئے کوئی ضابطہ یا قانون نہ تھا۔ قتل انسان۔ رہزنی۔ حبس بے جا۔ تصرف ناجائز۔ مداخلت بے جا۔ عورتوں کو اغوا کرنا۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا یہ سب رسوم ان میں جاری و ساری تھے۔ اور اسپر طرہ یہ کہ اپنے زعم میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کی حالت سے بہتر کوئی حالت اور ان کے تمدن سے بہتر کوئی تمدن اور ان کے تدین سے بہتر کوئی تدین ہو ہی نہیں سکتا۔ جب ان کو احکام الٰہی اور قوانین شریعت حقہ کے اتباع کے لئے کہا جاتا تھا تو یہی جواب دیتے تھے کہ ہم تو اپنے آباد اجداد کی رسوم و رواجات کے پابند ہیں۔ یہی ہماری شریعت ہے اور یہی بہترین تمدن و تدین۔

اگر کوئی عامی مسلمان زبان سے کہہ بیٹھے کہ میں قوانین شریعت کا نہیں بلکہ رسم و رواج کا پابند ہوں تو علمائے کرام اسکے ایسا کہنے پر کفر و ارتداد اور زندقہ و الحاد کا اطلاق کرتے ہیں۔ مگر حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ عملی طور پر ہر فرقہ و طبقہ کے مسلمان قوانین شریعت کو رسوم و رواجات پر قربان کرتے ہیں۔ اور کسی کو اس امر کا احساس نہیں ہوتا۔ جو حرام چیز رسم و رواج کی پابندی سے ناجائز سمجھی گئی ہے۔ اسکو تو مسلمانوں نے کفر و اسلام کے مابین حد فاصل قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ ویسی ہی کئی اور چیزیں شرعاً ممنوع و حرام ہوتی ہیں۔ اور لوگ علانیہ ان کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ پر ان سے کوئی

تعرض نہیں کرتا۔ غور کرو لحم الخنزیر حرام ہے۔ تو کو بہ رسم و رواج اسکے استعمال سے اس حد تک احتراز کیا جاتا ہے کہ مسلمان یہودیوں کی طرح سود کا نام لینے سے بھی .... جھجکتے ہیں۔ شراب بھی حرام ہے۔ جو رواجاً معیوب نہیں۔ بعض مسلمان جو تفریح کی کوتاہ تقلید کے نشہ میں چور ہیں۔ اسکو شیر مادر کی طرح حلال سمجھ کر علانیہ پیتے ہیں۔ کیا کبھی کسی نے ان کی سوسائٹی سے اجتناب کیا ہے ؟

قوانین شریعت سے اعراض اور رسوم و رواجات کی پابندی مسلمانوں کے دلوں میں یہاں تک سمائی ہوئی ہے کہ جہاں اڑھائی روپیہ سیکڑہ زکوٰۃ دینا دو بھر معلوم ہوتا ہے۔ اور اس سے بچنے کے واسطے سینکڑوں حیلے حوالے تراشے جاتے ہیں وہاں شادی مرگ کی ممنوع و غیر مشروع تقاریب پر ہزاروں روپے قرض دام لے کر بھی خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا جاتا غور کرو زکوٰۃ دینا خدا کا حکم ہے اور اگر اس حکم کی کما حقہ تعمیل کی جائے تو محاصل زکوٰۃ تمام قومی کاموں کی کفالت کر سکتے ہیں۔ شادی مرگ کی بعض رسوم ایسی ہیں جن کی بنا توہمات پر ہے۔ ان غیر مشروع و بیہودہ رسوم کی پابندی میں مسلمان بربادی خان و مان بلکہ تضیع دین و ایمان کی پرواہ نہیں کرتے۔ لڑکیوں کو جایداد سے حصہ نہیں دیا جاتا کیوں؟ خاندانی رسم و رواج مانع و مزاحم ہے۔ ان ہی لڑکیوں کی شادی پر براتیوں کی آؤبھگت۔ مدارات اور مہمان نوازی میں بے حد روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ بلکہ شرعی حصہ سے کئی گنا بڑھ چڑھ کر نمود و نمائش کے لیے جہیز کی شکل میں پارچات وغیرہ فضول اشیا لڑکیوں کو دئے جاتے ہیں۔ الغرض اس قسم کی بیسیوں مثالیں ایسی ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسم و رواج کی پابندی کو قوانین شریعت کے اتباع پر ترجیح دیجاتی ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔

یہ بات عام ہے کہ لوگ احکام شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ رسم و رواج یا اہل دنیا اور برادری کا بڑا پاس کرتے ہیں۔ حکیم سنائی نے اس واقعہ سے نصیحت کا کیا عمدہ پہلو پیدا کیا ہے ؎

تمام زدان ہمی گوید کہ در دنیا مخور بادہ　　تمام ترسا ہمی گوید کہ در صفرا مخور حلوا
ز بہر دین تو نگزاری حرام از خدمت یزداں　　ولیک از بہر تن مانی حلال از گفتہ ترسا

یعنی خدا نے حکم دیا ہے کہ شراب نہ پیو۔ اور عیسائی ڈاکٹر کہتا ہے کہ حلوا نہ کھاؤ۔ حلوا حلال چیز تھی۔ اسکو تو تم نے ایک ڈاکٹر کے کہنے سے چھوڑ دیا۔ اور شراب جس کو تم خود بھی حرام سمجھتے ہو۔ خدا کے کہنے سے نہیں چھوڑتے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تم خدا کے حکم کو ایک ڈاکٹر کی بات کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔

مشرکین عرب کسی شریعت کے پابند نہ تھے۔ عقاید باطلہ۔ رسوم و رواجات فاسدہ اور توہمات شتی میں مبتلا تھے اور کورانہ تقلید کی وجہ سے ان ہی امور کو بہترین تمدن و تدین سمجھتے تھے اور زبان سے یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ ہم ملت ابراہیمی کے پیرو ہیں۔ بعینہ یہی حالت اس زمانہ میں مسلمانوں کی ہے۔ مسلمانوں میں بھی کئی رسوم و بدعات اس قسم کی جاری و ساری ہیں۔ جو شرک و کفر تک منجر ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی جب ان رسوم سے اجتناب اور مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے اتباع کے لیے کہا جاتا ہے تو یہی عذر کرتے ہیں۔ کہ خاندانی رواج اور برادری کی رسوم سے دستبردار ہونا مشکل ہے۔ آیہ مجیدہ مرقومہ بالا میں خوب تدبر و تفکر کرو۔ ان حالات میں ہمارا دعویٰ اسلام کہاں تک صحیح اور درست ہے۔ اس آیہ شریفہ سے مندرجہ ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں :-

(۱) کورانہ تقلید چھوڑ دو ✦

(۲) غیر مشروع رسوم و رواجات سے اجتناب کرو ✦

(۳) کوئی شخص لا یعقل و لا یہتد کا کام کرتا ہو اسکی پیروی نہ کرو ✦

(نور الدین تاجر چرم)

عشق

(از شمس العلماء مولانا حالی مرحوم)

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا　　جس گھر سے سر اٹھایا اسکو بٹھا کے چھوڑا
ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں　　جو زد پہ تیری آیا اسکو گرا کے چھوڑا
راجوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے　　گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ　　جو گنج تو نے تاکا اسکو لٹا کے چھوڑا
جس رہگذر میں بیٹھا تو غول راہ بنکر　　صنعاں سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا
فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیریں　　اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا
یعقوبؑ سے بشر کو دی تو نے ناصبوری　　یوسفؑ سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا
آگ اور لگاؤ دونو ہیں دلگداز تیرے　　پتھر کے دل تھے جن کے انکو رلا کے چھوڑا
عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جہاں کی　　عقل و خرد کا تو نے خاکہ اڑا کے چھوڑا
علم و ادب رہے ہیں قبضے تیرے ہمیشہ　　ہر معرکہ میں تو نے انکو دلا کے چھوڑا
افسانہ تیرا رنگیں روداد تیری دلکش　　شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالیؔ بچا ہوا تھا
اس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

گداگری

کوئی قوم ایسی نہیں گزری کہ جسپر اقبال اور ادبار کے زمانے نہ آئے ہوں۔ اور ایسے لوگوں سے بھی زمانہ خالی نہیں رہا کہ جو اپنے اپنے وقت میں اقبال اور ادبار کے اسباب ظاہر نہ کر گئے ہوں۔ جہاں تک ہمکو تواریخ سے مدد ملتی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کی علامت ہمت۔ محنت۔ اولوالعزمی ہے۔ اور ادبار کی علامت سستی۔ کاہلی۔ پست ہمتی۔

اسلام نے ادبار سے بچنے کے لیے حرفت۔ تجارت۔ زراعت کی ترغیب دی۔ اور مفت خوری سے بچنے۔ اور پرہیز کرنے۔ مجتنب رہنے کی ہدایت کی۔ لیکن اپاہج لنگڑے۔ بوڑھے۔ اندھے یتیم۔ بیمار۔ وغیرہ جو کسب مال سے معذور ہیں ان کے لیے زکوٰۃ۔ صدقہ۔ فطرہ خیرات وغیرہ فنڈ بھی قایم کیے۔ اور دونوں امور کے ثواب بیان فرماکر کسب مال کا ارشاد اور خیرات کا حکم دیا۔ علت غائی اور سبب اصلی اسکا یہی ہے کہ قوم میں دست سوال دراز کرنے کی عادت نہ پھیلے۔ کیونکہ یہ عادت پھیلی اور زوال کا زمانہ آیا۔

ہم نے مانا کہ بخل ممنوع ہے۔ اور قرآن پاک کا حکم ہے کہ "وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ" یعنے گداگو مت ڈانٹو" مگر یہ بھی کوئی بتا سکتا ہے کہ سوال ثواب ہے اور ترک سوال گناہ؟

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن گداگر کے دونوں رخسار گوشت سے خالی ہوں گے۔ اور یہ "اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ" مشہور حدیث ہے۔ حضرت امیرالمومنین عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ "مکسبة فیها دناة خیر من مسالة الناس" یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کی بہ نسبت اچھا ہے۔

اور تلاش معاش کے لیے سکھایا گیا ہے۔ اور تاکید کی گئی ہے "اطلبوا الرزق فی خبایا الارض" یعنی روزی زمین کے گوشوں میں تلاش کرو۔ اور یہ "اول من یدخل الجنة التاجر الصدوق" یعنی جنت میں سب سے پہلے سچا تاجر داخل ہوگا۔ اور "ان اللہ یحب العبد المؤمن المحترف" یعنی اللہ پیشہ ور مسلمان بندہ کو محبوب رکھتا ہے۔

اور "احرثوا فان الحرث مبارك" یعنی کاشتکاری کرو اسلیئے کہ کاشتکاری میں برکت ہے۔

ایک دراز زمانہ تک ان ارشادات پر عملدرآمد رہا۔ افسوس کہ یہ سررشتہ ہمارے ہاتھ سے چھوٹا اور کاسۂ گدائی بکف پھرتے ہیں۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ سوال کرنا بہت برا سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر سوار سے ہنٹر گر پڑتا تھا تو خود اوترکر اٹھالیتا۔ اور پیادے کو اٹھا دینے کے لیے کہنا گوارا نہیں کرتا تھا کہ یہ بھی گونہ سوال ہے۔ اور ایک یہ زمانہ ہے کہ باوجود سلامتی توی کے سوال اور گداگری کو پیشہ بنا رکھا ہے۔

ابتدا وہ تھی انتہا ہے یہ

عجب یہ ہے اس رذالت اور کمینہ پن میں وہ فرقہ زیادہ حصہ لیتا ہے کہ جو اپنے آپکو شریف کہتا ہے یعنی جاہل سید۔ نیم ملا۔ بے علم پیرزادے۔ اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گداگری کا فن ورثہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور مستحق کا امتیاز اٹھ جاتا ہے اور لطف یہ کہ باقاعدہ تعلیم دیجاتی ہے۔ حالانکہ ان ہی لوگوں کو حضرۃ امیرالمومنین عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علانیہ مخاطب کرکے کہا تھا "لا تکونوا عیالا علی المسلمین" یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۔

اخبار اور آثار سلف سے روشن ہوتا ہے کہ شب و روز عبادات میں رہنے اور اپنے بھائی کی کمائی سے قوت لایموت حاصل کرنے سے یہ بہت بہتر ہے کہ اپنے دست و بازو سے کماکر کھائے۔ اور صرف احکام خدائی بجالائے تا گدائی چہ رسد۔

میں ابھی بچہ تھا کہ حضرت والد مغفور چل بسے اور یہ واقعہ مجھ کو نہیں بھولتا کہ آپ وصیت سے فارغ ہوئے تو عزیزوں نے یہاں کی رسم و رواج کے موافق کہا کہ یہ سب کچھ ہوا۔ مگر بچہ کو کس کے سپرد کیا ہے۔ مسکرا کے نہایت متانت سے فرمایا کہ "یہ اپنے مکان میں عزیزوں میں وطن میں ہے۔ میں ایک نادیدہ ملک کو اکیلا جارہا ہوں۔ سفارش کا مستحق میں ہوں نہ یہ" اور تھوڑی دیر کے بعد کہا "میں اپنے آپ کو اور بچہ کو خدا کے حوالہ کرتا ہوں"

یہ گفتگو کچھ ایسے لب و لہجہ سے ادا ہوئی کہ جس میں ہمت۔ استقلال محنت کی ہدایت پائی جاتی تھی۔ اور ساتھ ہی اسکے اون کلمات سے توکلت علی اللہ کی بو بھی آتی تھی۔ بخدا یہ ہدایت مجھ کو نہیں بھولتی اسکو بہت عزیز رکھتا ہوں۔ کیونکہ ورثہ میں ملی ہے۔ اور امید کہ ورثہ میں چھوڑ جاؤں گا انشاءاللہ تعالیٰ۔

بہرحال دست و بازو سے کام لینا چاہیئے۔ تاریخ فاروقی میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آیا حضرت عمرؓ نے دیکھا تو اوسکی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ چھین کر اونٹوں کے آگے ڈالدی اور فرمایا کہ "اب جو مانگنا ہو مانگ" حضرت عمرؓ کا فرمان تھا کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں اور باوجود اسکے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہہ و تادیب کرے۔

حضرت ممدوح سلاطین اور امرائے عجم کی فیاضیوں سے بے خبر نہ تھے لیکن وہ اس

بات کی کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادّہ پیدا ہونے نہ پائے ورنہ جب عرب میں قحط پڑا تو عجیب غریب سرگرمی ظاہر کی۔ اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ اور ہر شخص کو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ اسکے علاوہ ہر روز بیس اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے۔ اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے جب تک قحط رہا آپنے مچھلی اور گوشت نہیں کھایا۔ نہ پیٹ بھر کے کھانا گوارا کرتے تھے۔ با ایںہمہ رحمدلی مفت خوری کے سخت مخالف تھی اور رہی۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ کاہلی کا نتیجہ مفت خوری اور مفت خوری کا نتیجہ گداگری اور گداگری ادبار کا سبب اور ادبار زوال قوم کا موجب ہے۔

میں یہ سُن کر بہت خوش ہوا تھا کہ انسداد گداگری کے متعلق ریزولیوشن پاس ہو کر گورنمنٹ میں گیا ہے۔ الحمد للہ کہ اس قدر احساس تو ہو چلا ہے ؎

اُسکو بھولا نہ چاہیئے کہنا
جو صبح جائے اور آئے شام

کیا اچھا ہو اگر احکام اسلام کی پابندی کرکے گداگر لوگ اس ناپاک پیشہ سے توبہ کریں اور اپنی سستی اور کاہلی کو ہمت سے بدلکر کسب حلال کریں۔ اور صاحبان دولت و جاہ عیش پرستی کو چھوڑ کے اپنے کام خود ہی سنبھالیں۔ اور مستحقان یعنی یتیموں اسیروں۔ اپاہجوں۔ لنگڑوں۔ اندھوں۔ محتاجوں۔ بیواؤں کے فنڈ (زکوٰۃ صدقہ۔ فطر۔ نذر۔ خیرات) کو باقاعدہ جاری کریں۔ اگر قوت مجتمعہ کے ساتھ ایسا کیا جائے تو واللہ باللہ کہ اصلی حالت عروج اسلام کی ابھی عود کر آتی ہے۔ مگر رونا تو اسبات کا ہے کہ کسی بات پر اتفاق نہیں ہوتا۔ طبع آزمائیوں اور سپیکانیوں تک بات رہ جاتی ہے۔ حالانکہ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(العبد المذنب ابو عزیز غلام غوث۔ بہاولپوری)

وعظ گوئی

اِس عنوان سے میں اپنے خیالات گزشتہ نمبروں میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں چونکہ اِس مسئلہ کی اصلاح از بس ضروری ہے۔ اسلئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کی توضیح کیلئے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی چند نصیحتانہ باتیں بھی بیان کر دیجائیں امید ہے کہ قارئین کرام اس سے بہت مستفید ہوں گے۔ یہ مضمون حضرت امام ممدوح نے اپنے ایک شاگرد کے نام لکھا ہے۔ جسکا بلفظہ ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے

آپ فرماتے ہیں۔ کہ:-

"پہلی بات یہ کہ تم وعظ گوئی سے بچنا۔ مگر اسوقت جبکہ تم خود پورے پورے عامل بن جاؤ۔ اور اس خطاب سے ڈرتے رہو۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوا تھا کہ اے ابن مریم تم اپنے نفس کو نصیحت کرو۔ جب وہ یابن مریم عظ نفسک فان نصیحت پذیر ہو جائے۔ تو لوگوں کو نصیحت اتعظت فعظ الناس والّا فاستحی منی کرو۔ ورنہ مجھ سے شرم کرو۔

اور اگر ایسا اتفاق پڑ جائے کہ تمہیں وعظ کہنا ہی پڑے۔ تو دو باتوں سے ضرور بچنا ایک تکلف مقفیٰ و مسجع عبارات بولنے اور خوشنما اشارات و دلخوش کن اشعار و ابیات پڑھنے سے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تکلف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جب رفتہ رفتہ تکلف حد سے بڑھ جاتا ہے تو یہ علامت ہوتی ہے خرابی باطن اور غفلت دل کی۔ وعظ اسکو کہتے ہیں کہ آخرت کے مصائب کو اور اس تقصیر کو جو خدا تعالیٰ کی طاعت و خدمت میں لوگوں سے واقع ہوتی ہے۔ یاد دلاؤ۔ عمر گزشتہ کی خرابی اور آخرت کی دشوار گزاری سے ڈراؤ۔ تاکہ ایمان محفوظ رہے۔ ملک الموت کے قبض روح سے۔ منکر نکیر کے سوال۔ قیامت اور اسکے ہولناک واقعات سے محاسبہ و وزنِ اعمال سے۔ پلصراط پر گزرنے۔ دوزخ اور اُسکی مصائب و تکلیف سے ڈراؤ۔ اور سامعین کے عیوب سے انکو مطلع کرو۔ تاکہ متاثر ہوں اور برباد شدہ عمر پر حسرت کرکے تلافی مافات کریں بس یہ اصلی وعظ۔

دوسری بات قابل احتراز یہ ہے۔ کہ وعظ کہتے وقت اسکا خیال نہ رکھنا چاہیئے کہ تمہاری مجلس وعظ میں کتنے چیختے چلاتے ہیں۔ کتنے روتے اور ہائے واویلا مچاتے ہیں کتنے بے خود ہو کر کپڑے پھاڑتے ہیں۔ تاکہ لوگ تمہاری تعریف کریں کہ فلاں مولوی صاحب نہایت دلگداز وعظ کہتے ہیں۔ یہ خوشامد غفلت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور غفلت ہی وہ چیز ہے۔ جو آیندہ کو خدا تعالیٰ سے دور پھینک دیتی ہے۔ بلکہ تم کو وعظ کے وقت یہ خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ لوگوں کو دنیا سے آخرت کی طرف معصیت سے طاعت کی طرف۔ غفلت سے بیداری کی طرف۔ غرور سے تقویٰ کی طرف بلاؤ۔ وہ باتیں کرو جس سے سننے والوں کو تقویٰ اور عبادت کی طرف رغبت پیدا ہو۔

اسکو خوب غور سے دیکھو کہ حاضرین و سامعین میں کون کونسی باتیں شریعت اور رضائے حق تعالیٰ کے خلاف ہیں۔ اور کیا کیا اعمال و اخلاق بد ہیں جو ان میں کثیر الوجود ہیں۔ ان باتوں کو خوب سمجھ کر ان کی اصلاح کرو۔ اور ان سے نفرت دلاؤ۔ جنپر خوف غالب ہے انکو سنت کی طرف بلاؤ۔ جن کے معاملات از قسم بیع و شرا وغیرہ خراب ہیں انکو صحیح طریقے بتلاؤ۔ جو قید مذہب سے آزاد رہنا پسند کرتے ہیں

انکو پابندئ مذہب کی رغبت دلاؤ۔ اسطرح کہ سامعین تمہاری مجلس وعظ سے صفاتِ حمیدہ کے معتقد وگرویدہ ہوکر اور اوصاف ذمیمہ سے ظاہراً و باطناً متنفر و پاک ہوکر۔ عبادت و طاعت میں راغب ہوکر معصیت و نافرمانی سے ہراساں ہوکر اٹھیں۔ اور جو وعظ ایسا نہیں وہ کہنے والے پر بھی وبال ہے اور سننے والے پر بھی۔ بلکہ ایسا واعظ جو امورِ مذکورۂ بالا کا لحاظ نہیں رکھتا۔ وہ ایک شیطان ہے۔ جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور ان کا خونِ ناحق اپنی گردن پر لے کر ان کو ہمیشہ کے لیئے مردہ بناتا ہے بلکہ اسکا فساد شیطان کے فساد سے بھی زیادہ ہے۔ مخلوق پر واجب ہے کہ ایسے واعظ سے کوسوں بھاگیں۔ اور جسکو خدائے تعالیٰ قدرت و توفیق دے اسپر واجب ہے کہ ایسے واعظ کو منبر سے اُتار دے۔ اسلیئے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جو ہر مسلمان پر بقدر استطاعت واجب ہے ◆

محمد عظیم عفا اللہ عنہ

غصّہ

لاحول ولا قوۃ غصہ بھی روحانی مرضوں کا ایک سخت مہلک مرض ہے۔ جس سے دین و دنیا کے کام خراب ہوجاتے ہیں۔ ہم جہاں تک غور کرتے ہیں مسلمانوں میں یہ مرض بہت بکثرت پایا جاتا ہے۔ اسکا ادنیٰ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی زبان سے برے الفاظ نکلنے لگتے ہیں۔ اور بعضوں کی زبان سے تو ایسے الفاظ نکلتے ہیں کہ جنکو کوئی شریف آدمی سن بھی نہیں سکتا۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ چھوٹے بچوں کو تعلیم دیتے ہیں ان کی زبان پر غصے کی حالت میں یہ الفاظ ہوتے ہیں۔ سؤر۔ گدھے کا بچہ۔ خنزیر۔ کنجر۔ بدذات۔ اور اس سے بڑھ کر الفاظ جنکو میں اپنے قلم سے لکھنا پسند نہیں کرتا اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بچے بھی غصہ کی حالت میں وہی الفاظ اوروں کو کہنے لگتے ہیں جسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ خود بھی اپنا دل خراب کرتے ہیں۔ اور اوروں کے دل میں بھی اپنا خراب اثر ڈالتے ہیں۔ غرض اگر یہ غصہ نہ آتا۔ اور اسکی یہاں تک زیادتی نہوتی تو کیوں اپنے آپ خراب ہوتے۔ اور کیوں اوروں کو خراب کرتے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ بے جا بات پر تنبیہ نہ کی جائے۔ ضرور کیجائے۔ مگر اسکے بہت سے طریقے ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ ماریں بھی اور گالیاں بھی دیں۔ یہ کہتے ہیں تا کہ درستی اخلاق کے لیئے اور تحصیل علم کیلیئے ایسا کیا جاتا ہے۔ مگر اس طریقے سے نہ درستی اخلاق کی امید اور نہ تحصیل علم کا کچھ نتیجہ۔ یہ تو پڑھے لکھوں کی حالت ہے جن کی حالت کو مولوی الطاف حسین حالی مرحوم نے خوب ظاہر کیا ہے ؎

کوئی مسئلہ پوچھے ان سے جائے … تو بارِ گراں سر پہ وہ لے کے آئے
کبھی میں سنگھاڑگیں وہ پھوڑتے … کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ میں آتے

یہ سب نتیجہ اس غصے کا ہے جسکو غیر محل پر صرف کیا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان میں یہ قوت قدرت نے ودیعت رکھی ہے۔ مگر اس کی روک تھام اور بیجا استعمال سے بچنے کے لیئے ارشاد ہوتا ہے والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس۔ یعنے غصہ کو ضبط کرنے والے۔ اور لوگوں کے قصور معاف کرنے والے۔ یہ ان لوگوں کی تعریف ہے جو خدا کے برگزیدہ بندے ہیں خدایا ہم نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہیں کہ ہم مسلمان اس صفت سے متصف ہوجائیں اور ہم باہم الفت کرنے لگیں۔ اور ہماری شان یہ ہوجائے کہ کفار کے مقابلے کے وقت ہم خوب جوانمردی سے کام کریں اور باہم۔۔۔ ہیں نرمی اور محبت کا برتاؤ کریں مگر اب تو ہماری یہ حالت ہے۔ نہ گالی سے دشنام سے جی چرائیں۔۔ نہ جوتی سے پیزار سے ہچکچا ئیں۔ جو میلوں میں جائیں تو کچین دکھائیں۔ جو محفل میں بیٹھیں تو فتنے اٹھائیں۔ ہم جہاں تک خیال کرتے ہیں یہ ساری باتیں جو ہم میں زور پکڑتی جاتی ہیں یہ نفس پرستی کا نتیجہ ہے۔ جس قدر اپنے نفس کو خوش رکھتے ہیں۔ اور اسکو بڑا سمجھتے ہیں اسیقدر اوروں کی تنقیص کرتے ہیں۔ ہم اسمیں مبتلا ہوتے ہیں۔ زیادہ تر اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم علمی مشاغل میں نہیں رہتے۔ نہ خود اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہونچاتے ہیں اور نہ خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بس یہ بہیمی صفات ہم میں بڑھتی جاتی ہیں پھر ہمارے اخلاق کی درستی کا کونسا طریقہ ہے۔ کم از کم اخلاقی رسالے ہی دیکھیں۔ اسوۂ حسنہ اسی لیئے جاری ہوا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف جیسی چاہیئے توجہ نہیں۔ ان صفات بہیمی کی اصلاح کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بزرگان دین کے حالات انسان دیکھتا رہے اگر اتنی استعداد نہو تو اوروں سے سنے۔ مگر ضرورت ہے کہ اپنے اخلاق کو درست کرے۔ کیونکہ بغیر درستی اخلاق کوئی کام درست نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً یہ غصہ کیونکہ اسکی حالت تو ایسی بری ہے کہ اسکی بدولت انسان کو بہت سی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں خصوصاً روحانی کمزوریت تو ایسی ہوجاتی ہے کہ مہینوں کے مجاہدے کے بعد وہ صاف ہوتی ہے۔ جو لوگ ظاہری و باطنی علم سے مستفید ہوئے ہیں۔ وہ ان صفات بہیمیہ کو منہ نہیں لگاتے بلکہ ان کی یہ صفات صاف ہی ہوجاتی ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ جاتی رہتی ہیں۔ نہیں موجود رہتی ہیں مگر انکو وہ خدا کے راستہ میں صرف کرتے ہیں۔ جیسے حضرت فاروق اعظم کی شان تھی کہ پہلے آپ کا غصہ خلاف امور میں صرف ہوتا تھا۔ اور جب سے آپ دولت اسلام سے مشرف ہوگئے پھر وہ آپ کا جلال حقانی امور میں اپنا کام کرتا تھا۔ الحب للہ والبغض للہ۔ حدیث صحیح ہے۔ یعنے خدا ہی کیلیئے محبت ہوجاتی ہے۔ اور خدا ہی کیلیئے دشمنی ◆ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین ◆

(فرید احمد عباسی)

اصل ترقی

نہ مدح خواں ہیں۔ نہ مرثیہ گو۔ ہمارا حصہ ہے حق بیانی
خدا نے ہم کو بنایا مسلم۔ یہی ہے خاص اس کی مہربانی
یہ کش مکش اور غرور و نخوت۔ تباہ کاری کی ہے نشانی
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

ہمارا اقرار ہے یہ ہر دم۔ کہ حکم اسلام ہے مسلّم
خدا نے جو کچھ بتا دیا ہے۔ وہی ہے ہر امر پر مقدّم
بس اب ذرا کھول کان کھولیں۔ سنیں بصد غور حکم محکم
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

نماز پڑھنے کو جا رہے ہیں۔ تو ہے جماعت سے پڑھنا بہتر
ارادۂ حج اگر کیا ہے تو اُس کا اک وقت ہے مقرر
عبادت حق کے یہ طریقے۔ بتا رہے ہیں یہ رمز مضمر
یہی ہے بہتر۔ ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

امیر ہو یا غریب کوئی۔ سبھی برابر۔ کھڑے ہوئے ہیں
جبین طاعت حضور حق میں۔ زمیں پہ رکھے پڑے ہوئے ہیں
اسی سے نکلی یہ اصل ندیں۔ کہ جس میں موتی جڑے ہوئے ہیں
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

خدا کے پیارے۔ رسول اکرم۔ ہوئے جو رونق فزائے طیبہ
تھے جتنے انصار اور مہاجر۔ سکھایا اون سب کو بھائی چارہ
سنایا حکم علیم مطلق۔ بتایا ملت کا صاف رستہ
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

کوئی ہے مفلس کوئی تونگر۔ کوئی ہے محکوم کوئی حاکم
کوئی خریدار۔ کوئی تاجر۔ کوئی ہے آقا کوئی ملازم
جو ایک سے ایک بے غرض ہو۔ تو کسطرح ہو نظام قائم
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں گزاریں مل جل کے زندگانی

وہی ہیں افراد قوم بہتر۔ جو قوم کی ناؤ کھے رہے ہیں
ضرورتوں کو سمجھ سمجھ کر۔ ہر ایک سے کام لے رہے ہیں
ہمارے سوشل طریق ہم کو ملاپ کا درس دے رہے ہیں
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں گزاریں مل جل کے زندگانی

ہمارا اخلاص اور مروّت۔ یہی ہے شہرت پذیر کب تک
ہمارے حسن عمل کا چرچا۔ زمانہ بھر میں ہوا ہے اب تک
ہمیں تھے دنیا میں سب سے افضل۔ نظر میں تھا یہ اصول جب تک
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

ہمیں مٹا دیا ہمیں مٹایا۔ ہمارے بغض و عناد ہی نے
ہمیں یہ ذلت کا دن دکھایا۔ ہماری جنگ و فساد ہی نے
یہ قول فیصل ہمیں بھلایا ہماری بیہودہ یاد ہی نے
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

جو قوم کا کام کرنے بیٹھے۔ دیا نے پہلے ہی آ دبوچا
طلب تو نام و نمود کی ہے۔ نہ زخم دل کا کھرنڈ نوچا
نئے خودی سے ہیں ست و بیخود۔ خلوص دل سے کبھی نہ سوچا
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

ترقی قوم کی غرض سے۔ جو انجمن کوئی ہم بنائیں
تو سب سے پہلے یہی ہے لازم کہ داغ نفسانیت مٹائیں
امیر ہو یا غریب ہو اپنے ساتھ ہر ایک کو نبھائیں
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

ہو انڈین کوئی۔ کوئی انگلش۔ کوئی ہو بوڑھا کوئی ہو کم سن
ترقی قوم کی ضرورت ہو سب کو محسوس رات اور دن
دماغ میں یہ بسا ہوا ہو خیال گو مختلف ہیں..... لیکن
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں گزاریں مل جل کے زندگانی

جو تفرقہ ڈالتا ہے کوئی۔ پڑے گا پالا اُسے قلق سے
یہ ربط و ضبط اور دلی محبت۔ ملی ہے طبعًا جناب حق سے
وہ برگزیدہ ہے۔ اُس کا بندہ اٹھائے جو نفع اس سبق سے
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

خدائے دانا کا کوئی بندہ۔ جو دل میں بغض و عناد رکھے
کسی جماعت میں ہو کے شامل بنائے جنگ و فساد رکھے
یہ اُس کی بیہودہ پالسی ہے اُسے یہ لازم ہے یاد رکھے
یہی ہے بہتر ہمارے حق میں۔ گزاریں مل جل کے زندگانی

نہ ہمتیں ہیں نہ کچھ ارادہ۔ فقط ہے اک صبر پر بھروسا
جو یہ بھی ہاتھوں سے اپنے چھوٹا۔ کلیجہ اقبال نے مسوسا
یہ پند ابن الحکیم سن لیں۔ کسی کو کیوں کہا تا اور کوسا

فیشن

یورپ کے نظر فریب فیشن اور دلربا تمدن نے آجکل کے نوجوانوں پر ایسے جادو کے ڈورے ڈال رکھے ہیں کہ وہ ہر وقت فیشن کے دیوانے اور روش مغربی کے متوالے نظر آتے ہیں۔

فیشن اگرچہ انگریزی لفظ ہے۔ جسکے معنی وضع قطع۔ طرز انداز وغیرہ کے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہم ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں میں اس درجہ مقبول اور ہر دلعزیز ہوگیا ہے کہ شاید اُس قوم میں بھی جس کی زبان کا یہ لفظ ہے نہیں ہوگا۔ ہمارا مقصد بیجا نکتہ چینی اور فضول اعتراضات نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ فیشن کی اس کورانہ تقلید اور اغیار کے راہ و رسم کی اس غیر ضروری تتبع سے بیجا اسراف اور فضول اخراجات قوم کی گردن پر پڑ رہے ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ کئی اچھے اچھے گھرانے اور مشہور خاندان اسی کی بدولت تباہ و برباد ہوگئے ؎

صاحب دولت تھے پہلے اب ہیں مقروض ذلیل
ابتدا کچھ اور تھی اور یہ انتہا فیشن کی ہے

انگریزی تعلیم یافتہ حضرات تو فیشن کا اس درجہ تتبع کرتے ہیں کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ کھانا۔ پینا۔ پہننا۔ اوڑھنا۔ غرض ہر ایک بات فیشن کے مطابق و موافق ہوتی ہے۔ اور ان کے خیال میں جو شخص فیشن ایبل نہیں۔ وہ شریف نہیں۔ اور جب وہ شریف نہیں تو سوسائٹی میں اسکا درجہ کچھ نہیں۔ گویا تمام شرافت و انسانیت اور جملہ تہذیب و شائستگی کا دار و مدار اسی فیشن پر ہی ہے۔۔۔ انگریزی کی تعلیم حاصل کرکے اِس خیال کا ہونا کہ " رہنے کو بنگلہ" پہننے کو سوٹ بوٹ اور سیر تفریح کو پارک کھیلنے اور خوش گپیوں کے لیئے کلب گھر ہونا ضروری ہے۔ اب ایسا عام ہوگیا ہے کہ ۹۹ فیصدی جدید تعلیم یافتہ اس میں مبتلا ہیں۔ بنگلے کے قریب کی مسجد میں جمعہ پڑھنا تو نصیب نہیں ہوتا مگر کوٹھی سے چار میل کے فاصلے پر جاکر لکچر روم میں فال آف اسلام (تنزل اسلام) پر لکچر دے آتے ہیں۔ اپنی مادری زبان کے ساتھ ان کا یہ سلوک ہے کہ اردو بولنا۔ اردو پڑھنا تو درکنار۔ اردو اخبارات کا چھونا تک گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔۔۔ اسلامی کاموں کی رپورٹ سب سے پہلے آئی۔ ڈی۔ ٹی اور پاینیر میں چھپوائی جاتی ہے۔ سب سے بڑی قومی اور اسلامی کانفرنس میں تقریر صدارت انگریزی میں ہوتی ہے۔ العجب ثم العجب۔

کیا یہ باتیں کسیطرح بھی قوم کے مفید اور کارآمد ہوسکتی ہیں ؟ کیا اس فیشن اور اس طرز عمل سے ہمارے روزمرہ کے برتاؤ میں ایک قسم کی فضول نمایش بیہودہ "تکلفات اور صفت کی دقتیں نہیں پیدا ہوگئی ہیں ؟ کیا یہ باتیں قابل تحسین ہیں۔ کہ ایک مسلمان کا فرزند اپنے اسلامی طرز عمل کو چھوڑکر محض فیشن کی تقلید میں وہ باتیں اختیار کرتا ہے جس سے کسی فرد کا فائدہ متصور نہیں ✦

اللہ! اللہ! ایک زمانہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان غیر اسلامی امور سے دور اور نمود و نمایش اور تصنع و بناوٹ کی زندگی سے سخت نفور تھے۔ یا ایکدن یہ ہے کہ نہیں معلوم یورپ کی وہ کونسی بانکی ادا ہے۔ جس پر وہ لٹو ہوکر دین و ایمان صدقے کر رہے ہیں۔ اور نہیں معلوم کیوں اسلامی طریق سے انہیں اسقدر نفرت و تغافل ہے۔

ہمارے شہر (لاہور) کے تعلیم یافتہ اور فیشن ایبل مسلمانوں نے یوروپین تقلید میں ایک کلب گھر قایم کیا۔ اسوقت ہمارا خیال ہوا تھا کہ یہ مسلمان اپنے اصلی اسلامی فیشن کو تو چھوڑ چکے ہیں۔ اور اس کلب گھر کو جس کی ضرورت کو یورپ نے آج محسوس کیا ہے۔ اسلام نے سوا تیرہ سو سال سے قایم کر رکھا ہے۔ یعنی مسجدیں۔ جہاں مسلمان علاوہ عبادت کے باہم تبادلہ خیالات بھی کرسکتے ہیں۔ اب چونکہ تعلیم یافتہ پارٹی نے مسجدوں میں جانا چھوڑ دیا ہے۔ کلب گھر میں ہی جمع ہوکر مسلمانان پنجاب کے چوٹی کے لوگ اور اعلیٰ قابلیت کے اچھے خیال اور عمدہ دل و دماغ کے اصحاب جمع ہوکر غریب مسلمانوں کی بہتری کی تجاویز اور قومی ترقی و بہبودی کے وسائل سوچیں گے۔ اور اسلامی معاملات پر خوب بحثیں ہوا کرینگی۔ جیسا کہ اہل یورپ کا طریقہ اور فیشن ہے۔ کہ جہاں چار انگریز اکٹھے ہوتے ہیں۔ ملکی و قومی بہتری کے وسائل سوچتے ہیں۔ اور بڑے بڑے اہم اور ضروری مسائل وہاں حل کرلیتے ہیں۔ مگر افسوس ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ ہاں صرف اس قدر ہے کہ دو چار مسلمان شام کو اچھے خاصے صاحب بہادر بنکر منہ میں سگار دبا کر۔ ہاتھ میں ٹینس کا بلا لے کر ذرا اچھل کود لیتے ہیں۔ اور بس اس سے زیادہ کوئی بات نہیں۔

بعض دلدادگان فیشن جن کے اندر انگریزیت اسقدر سرایت کرگئی ہے کہ اب وہ نام کے مسلمان رہنا بھی نہیں پسند کرتے۔ فیشن کی تقلید میں اسلامی ناموں کی بجائے فیشن ایبل نام رکھتے ہیں۔ مثلاً حسن علی سے "ہنرلی" پیر حسن سے "پیرسن" اور عبدالرزاق سے "مسٹر راجک" وغیرہ وغیرہ۔ یہی نہیں بلکہ عورتیں بھی اب فیشن کی طرف مائل ہوتی جاتی ہیں۔ اور وہ بھی مردوں کی طرح انگریزی نام رکھنا باعث فخر و عزت سمجھتی ہیں۔ چنانچہ بہت سی ایسی تعلیم یافتہ خواتین ہیں۔ جنھوں نے اپنے اسلامی ناموں پر ایسا انگریزی کا ملمع چڑھایا ہے کہ ہرگز تمیز نہیں ہوسکتی کہ وہ مسلمان ہیں یا عیسائی۔ جیسے صفیہ سے سوفیا۔ اور رضیہ سے روزا وغیرہ۔

اور ابھی کیا ہے مسلمان گھبرائیں نہیں۔ اگر یہی لیل و نہار رہے تو ہندوستان کی
عورتیں انگلستان کی عورتوں سے کچھ کم نہ رہیں گی ؂

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوشمند　　غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہیگی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض　　کونسل کی ممبری کے لیئے ووٹ چاہیگی

اس لکھنے سے ہمارا مقصد تعلیم نسواں کی مخالفت ہرگز نہیں بلکہ عورتوں کے لیئے تعلیم اُسی قدر ضروری ہے جس قدر مردوں کے لیئے مگر وہ طریقہ ہرگز قابل پسند و تحسین نہیں جو بجائے مفید کے مضر ہو۔ اور وہ مضر اور غیر مفید طریق یہی کورانہ تقلید اور مذہب سے بے اعتنائی ہے۔ اور اسی کورانہ تقلید کی وجہ سے مسلمانوں کو ایسا سخت نقصان پہونچ رہا ہے کہ جس کی تلافی سالہا سال میں بھی ناممکن ہے۔

سچ بات تو یہ ہے کہ مسلمان تا وقتیکہ اسی تیرہ سو سال کے پرانے فیشن کو نہ اختیار کرینگے جس سے ان کے اسلاف قرون اولیٰ میں مزین تھے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ وہ قوم مٹ جائے گی جس نے اپنے اسلاف کے نقش قدم کو چھوڑ دیا ہو۔ ترجمان حقیقت ڈاکٹر اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے ؂

اِس دور میں سب مٹ جائیں گے پر زندہ رہے گا باقی وہ
جو قایم اپنی راہ پہ ہے جو پورا اپنی ہٹ کا ہے

مسلمانوں خدارا اس فضول نمود و نمایش اور بیہودہ فیشن اور بناوٹ کو چھوڑو ورنہ یہ کہیں کا نہ رکھے گا۔ اسی فضول خرچی اور فیشن نے ٹرکی کا کیا حال کیا اسی فیشن کی بدولت سولائی عبدالعزیز (جو فیشن کا اسقدر متوالا تھا کہ اہل مراکو اُسے عبدالفرانسیس کہتے تھے) نے مراکو کا ستیاناس کر ڈالا۔ ایران کا فیشن ایبل بادشاہ (محمد علی میرزا) ملک و قوم دونوں کے لیئے باعث تباہی بربادی ہوا

(محمد اسمٰعیل خان نظامی)

چھُوت چھَات

اسلام نے اپنے حلقہ بگوشوں کو چھوت چھات کی دلدل میں پھنسنے سے باز رکھا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دیگر اقوام کے مقابل ہم خود کو ذلیل بنالیں۔ نہ اسلام ایسے امور کی اجازت دیتا ہے۔ جو باعث ننگ و عار ہوں۔ کیا افسوس و حیرت کا مقام ہے کہ ہم مسلمان ہوکر اپنے افعال و اقوال سے اسلام کو بدنام کر رہے ہیں اور اسکے نورانی چہرہ کو گرد و غبار سے آلودہ کرتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نوّے فیصدی مسلمان سفر میں دیگر ضروری اشیاء کیساتھ لوٹا۔ ڈور نہیں رکھتے۔ ریل کے سفر میں تو اکثر اسٹیشنوں پر پانی سقہ سے بھی ملجاتا ہے۔ مگر دیگر سواریوں پر جانے والے خوب واقف ہیں کہ ان کو پانی کے واسطے عموماً اہل ہنود سے جنکے ادنےٰ طبقے کا آدمی بھی بغیر لوٹے ڈور کے سفر نہیں کرتا۔ استدعا کرنی پڑتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کو اہل ہنود کس حقارت کے ساتھ پانی دیتے ہیں۔ دو گز بلندی سے پانی چلّو میں ڈالتے ہیں۔ طرّہ یہ کہ لوٹا بھی ناپاک ہوجاتا ہے۔ بغیر مٹّی سے صاف کئے پاک نہیں ہو سکتا گویا ان کے نزدیک مسلمان ایسے نجس ہیں کہ ان کی ہوا سے بھی برتن ناپاک ہوجاتا ہے۔ ذیل کے واقعہ سے مسلمان عبرت پکڑیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب کسی شہر کو رہلو پر جا رہے تھے۔ موسم گرما تھا۔ پیاس کی شدت سے بیتاب۔ راستہ کے ہر ایک کنوئیں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے مگر لوٹا رسی نہونے کے باعث مجبور رہتے۔ اتفاقاً ایک گاؤں میں کسی شخص کو پانی بھرتے دیکھا۔ ہشاش بشاش رہلو سے اُتر کر دوڑے اور کہا "مہاراج تھوڑا سا پانی پلا دو" بدقسمتی سے وہ کنواں چماروں کا تھا۔ وہ بولا کہ مسلمانوں کو اس سے غرض نہیں کہ کون چمار ہے۔ کون بھنگی۔ پانی مانگنے سے کام۔ شرمندہ ہوکر واپس آئے اور عہد کیا کہ آیندہ کبھی کسی ہندو سے پانی طلب نہ کریں گے۔

یہ واقعہ فرضی نہیں بلکہ ایک مسلمان کی سچی سرگذشت ہے جو بغرض عبرت ہدیہ ناظرین کی گئی۔ مسلمانو گریبان میں منہ ڈالو۔ اور اس مذموم و ذلیل فعل سے باز رہو۔ کیسے افسوس کا مقام ہے کہ خداوند کریم کلام پاک میں جس قوم کو "انما المشرکون نجس" کہہ کر پکارے۔ آج وہ ہمکو اُلٹا نجس ہی نہیں بلکہ ہماری مس شدہ ہوا تک نجس تصور کرے۔ اور ہم انکی یہاں کی ہر شے بلاکراہت استعمال کریں۔ افسوس!

(عرفان علی رضوی)

غیبَتُ

اِس بُری خصلت (غیبت) کی مذمت کرنے والی چند حدیثیں لکھدی جاتی ہیں۔ سمجھدار با ایمان شخص کے لیئے صرف حضرت رسالتمآب کے معنی خیز ارشادات کافی ہیں۔

(۱) نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایکدن صحابہ سے پوچھا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اُسکا رسول بہتر جاننے والے ہیں۔ فرمایا اپنے بھائی کی وہ بات ذکر کرنی جو اسکو بری معلوم ہو۔ صحابہ میں سے کسی نے عرض کیا کہ اگر وہ اصل اس میں

وہ بات ہو تو پھر کیا ہے؟ فرمایا یہی تو غیبت ہے۔ اور اگر اس میں وہ بات نہیں ہے تو پھر تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔

آجکل شاید ہی ہزاروں میں سے ایک مسلمان نکل آوے گا جو ایسی باتوں کا مرتکب نہ ہوگا۔ اسکا سبب کیا ہے؟ یہی کہ ہم نے خدا رسول کا کہا ماننا چھوڑ دیا۔ اور اسکو ایک معمولی چیز سمجھا ہے۔ اگر جان جائیں اور عمل کرنے لگیں تو ہمارے دین و دنیا دونوں درست ہو جائیں۔

(۲) آپنے فرمایا تہا غیبت سے دور رہا کرو۔ کیونکہ غیبت زنا سے بدتر ہے زنا سے تو بہ قبول ہو جاتی ہے غیبت سے نہیں ہوتی۔ تاوقتیکہ جس کی غیبت کی ہے وہ معاف نہ کردے۔

(۳) جابرؓ سے روایت ہے کہ میں ایکدن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تہا۔ رستہ میں دو قبریں ملیں۔ فرمایا یہ دونوں عذاب میں ہیں۔ میں نے عرض کیا کس وجہ سے؟ فرمایا ان میں کا ایک غیبت کرتا تہا دوسرا پیشاب سے اپنے کپڑے نہیں بچاتا تہا۔ پھر آپنے ایک ہری کھجور کی شاخ لی اور اسکے دو ٹکڑے کرکے دونوں قبروں پر نصب کر دئے اور فرمایا جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہو جائیں گی اُسوقت تک عذاب میں بہت تخفیف رہے گی

(۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات ایک ایسی قوم دیکھی جنکے ناخن تانبے کے تھے۔ اور وہ اپنے منہ کو اپنے ناخنوں سے کھوستی تھی۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی آبرو عزت کے درپے ہوتے تھے یعنی غیبت کرتے تھے۔

(۵) سلمان ابن جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایکدن آنحضرت سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کوئی چیز ایسی بتائیے جو میری دستگیری کرے۔ فرمایا کار خیر کو حقیر سمجھ اگرچہ وہ اس قدر ہو کہ تو اپنے ڈول سے کسی کے برتن میں پانی ڈالدے۔ اور مسلمان بھائیوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ میل جول رکھے اور جب وہ تیرے سامنے سے اٹھ جائیں تو تو ان کی غیبت نہ کرے۔

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں غیبت کے چند اسباب بیان کئے ہیں۔ جنکو میں درج ذیل کرتا ہوں میرے خیال میں اگر کوئی شخص ان پر غور کرے تو یقین ہے کہ وہ آسانی سے غیبت جیسے مذموم فعل سے خود کو بچا سکتا ہے۔

(۱) انسان کو جب غصہ آتا ہے تو وہ اسکو ضبط نہیں کر سکتا۔ اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اپنے مدمقابل سے فوراً انتقام لے لیتا ہے دوسری یہ کہ اگر بدلہ لینے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو اوس کے عیوب ٹٹول ٹٹول کر بیان کرنے لگتا ہے گویا اسطرح اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرتا ہے۔ اور ہمیشہ اوس شخص کی بدگوئی میں خود کو تیار رکھتا ہے۔

امام صاحب کے اس اصول سے یہ بات نکلی کہ غصہ سے غیبت ہوتی ہے۔ پس ہم کو چاہیئے کہ غصہ نکریں۔ اگر غصہ آبھی جائے تو اسکے فرو کرنے کی جلد کوشش کریں

(۲) اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص تمہاری نسبت برے خیالات رکھتا ہے تو وہ حفظ ماتقدم کیلئے نئے نئے عیوب اوسکے لیئے تجویز کرتا ہے اور اسطرح باور کراتا رہتا ہے کہ وہ میری نسبت جھوٹے الزامات لگاتا ہے۔

اس اصول سے بھی ہم یہ سبق لے سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمارے سامنے آکر یہ بیان کرے کہ فلاں شخص تمہاری نسبت برا خیال رکھتا ہے تو ہم کو اوسکا جواب اوس کی بدگوئی سے نہ دینا چاہیئے۔ بلکہ اوس کے حق میں دعائے خیر کریں کہ یہ بری عادت اوس سے ترک ہو جائے۔ اگر مجھ میں عیب ہے تو وہ سچ کہتا ہے خدا مجھ سے وہ عیب چھڑا دے۔ اور اسکو غیبت سے بچا وے اور اگر وہ عیب مجھ میں نہیں ہے تو خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے معاملہ میں صاف ہوں مگر خدا اُسے بہتان سے باز رکھے۔

(۳) مذاق اور دل بہلانے کیلئے مجالس میں بعض اوقات دوسروں کے عیوب کا خاکہ اڑایا جاتا ہے جس سے حاضرین مجلس کو مزہ آتا ہے۔ اور وہ ایسے تذکرں کو مجلس کا ایک جزو اعظم تصور کرتے ہیں۔

امام صاحب کے اس تیسرے اصول سے ہم یہ بات نکال سکتے ہیں کہ مجالس میں مخرب اخلاق گفتگو سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور جہاں کہیں ایسے مجالس منعقد ہوں وہاں جانے سے حتی الامکان بچیں۔ اگر اتفاق سے ایسی مجالس میں جانے کا اتفاق ہو بھی جائے اور وہاں کسی کی ہجو یا غیبت ہوتی ہو تو ہمکو چاہیئے کہ اوس شخص کی طرفداری کریں جس کی غیبت بیان کی جاتی ہو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عام لوگوں کی حالت تھی۔ اب ذرا خاص حضرات کی کیفیت سُنیں۔

(۱) جب کسی دیندار کے متعلق برے کام کرتے رہنے کی خبر سنی تو بااختیار یہ کہنے کو اٹھ کھڑے ہوئے کہ مجکو تو سخت افسوس ہے کہ باوجود علم و فضل اور دینداری کے اونہوں نے ناچ کی محفل میں کیوں شرکت کی یا فلاں برا کام کیوں کیا۔ مقصد یہ کہ کسی طرح لوگوں میں بدنام کردیا جائے اگرچہ واقعہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔

امام صاحب کی اس تحریر سے بھی یہ مطلب نکلا کہ اگر کہیں ایسا موقع آجاوے تو ہم کو صاف طور پر باآواز بلند کہنا چاہیئے کہ اوس کی بھلائیاں برائیوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ ان الحسنات یذھبن السیئات یعنی بھلائیاں برائیوں

کو دور کر دیتی ہیں۔ اور نیز اس بات پر بھی توجہ دلانا چاہیئے کہ انبیا علیہ السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔ عیب ہر شخص میں ہوا کرتا ہے۔ ہمدردی یہ ہے کہ اسکو کسی اچھے طریقے سے معلوم کرا دیں۔ اور اُس کے لیئے دعا مانگیں کہ وہ عادت چھوٹ جائے۔

(۲) بعض دفعہ امر بالمعروف نہی عن المنکر کے جوش میں آکر (ہمارے زمانہ کے واعظین) مرتکب گناہ کا علانیہ نام لے کر اوسکی ہجو کرتے ہیں۔ اور واقعات کو کچھ ایسی ملمع سازی کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ سننے والا واہ واہ کرے اور اسکو ایک حق بات سمجھتے ہیں۔ ایسی صورت میں بھی دھوکہ ہے۔ اور واعظ یہ کہتا ہے کہ میں غیبت کا ارتکاب نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ ایک مذہبی فرض ادا کر رہا ہوں حالانکہ اس فرض کے ادا کرنے میں نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس سے بھی یہ بات واضح ہوئی کہ واعظ کو چاہیئے کہ وہ خلوص کو ساتھ رکھے۔ نفسانی خواہش کے ماتحت ہو کر کسی کا نام لے کر ہجو نہ کرے اگر کوئی بات بولنی ہو تو وہ عام پیرایہ میں کہی جا سکتی ہے۔

غرضیکہ غیبت کو معمولی چیز سمجھنا ایسا ہے گویا آپس میں دلی کا دشمن کا دروازہ کھولنا ہے۔ جبکا اثر مدتوں زائل نہیں ہوتا۔ اور رفتہ رفتہ ایسی کچھ ایسی ہیبت پیدا ہو جاتی ہے کہ مار کٹائی کا توی اندیشہ لگا رہتا ہے۔ جیسا کہ تجربہ اس کا مؤید ہے۔ فقط +

(محمد عبد الغفور عابدی نقشبندی)

دکن میں اصلاح کی ضرورت

تبلیغ اسلام غیر ممالک میں ہو۔ اور ہندوستان چراغ تلے اندھیرا۔ کا مصداق رہے۔ اول گھر کی خبر لینی چاہیئے۔ جہاں لاکھوں بندگان خدا محض اپنے آبا و اجداد کی پیروی کرتے چلے آتے ہیں۔ بمشکل چھ سات کروڑ کلمہ گویوں میں چند ملکو ایسے ملیں گے جو ضروری ارکان اسلام سے واقف ہوں گے۔ مگر وہ بھی تقلیدی اُن کے لیئے پیروی اجداد سند اسلام ہے گویا یہ آیت شریفہ بالکل مطابق حال ہے۔ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (البقرہ ع ۲۱) اُن کے بڑے نہ سمجھتے ہوں اور راہ راست نہ چلتے ہوں تو وہ بھی ان کی پیروی کرتے چلے جائیں گے۔

ایسی ایسی فضول رسمیں اور لا یعنی معتقدات جزو ایمان بن گئے ہیں۔ کہ العیاذ باللہ۔ شرک و کفر میں گرفتار۔ مسکرات کے خوگر۔ بت پرست۔ بد لحاظ۔ فضول خرچ۔ غرض جس قدر رذائل ہو سکتے ہیں سب ان میں موجود۔ جسکو دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ہنود کی ہمسائگی کا حق جہاں معاشرت میں کامل طور سے ادا کیا جاتا ہے وہ خطہ خوش سواد دکن ہے۔ کھنڈوبا مری ماتا وغیرہ کے پجاری ہیں۔ ہولی دیوالی میں شریک ہیں۔ دیگر تہواروں کے موقع پر خاص اہتمام سے ہنود کی تقلید کی جاتی ہے۔ خوش اعتقاد ایسے کہ پیر صاحب کو جو نذر لینے کے لیئے ہر سال نزول اجلال فرماتے ہیں ضرور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ اور خواہ گھر میں فاقہ ہی کیوں نہ ہو قرض وام کرکے ان کی خدمت کرنا فرض عین سمجھتے ہیں۔ پیر صاحب کو سجدہ کرتے ہیں جو خود کبھی کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ ملا لوگ ہر قریہ میں شاہی زمانہ سے مساجد کی خدمت پر متعین ہیں اور جائدادیں خرچ مساجد کے لیئے وقف ہیں جائداد پر قابض و متصرف خود دین و اسلام سے بیگانہ ہیں۔ تو مسجد کی خبر کون لے۔ ہاں پیر صاحب سے چھری ضرور پڑھوا لیتے ہیں جس سے سال بھر ذبح بلا نیت حلال سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک محض گوشت خوری مسلمانی ہے اور عید البقر کا نام لینا موجب پریشانی ہے۔ سوائے عید بقر عید کے کیا جانیں کہ نماز کیا ہے۔ بدیگر فرائض چہ رسد۔ ایک نو وارد ہرگز ہندو مسلمان کی تمیز نہیں کر سکتا۔ تا وقتیکہ قشقہ و زنار پر نظر نہ پڑے یہ ہے افسوسناک حالت اہل اسلام کی جنمیں بیشتر مصداق کہے أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ

منزل معاشرت میں ایک باب لباس کا بھی ہے۔ اسلامی احکام و ارکان کو مد نظر رکھتے ہوئے کامل ستر پوشی لازمی ہے۔ نیز لباس بھی ایسا چاہیئے کہ جو بجا آوری فرائض میں تکلیف دہ نہ ہو۔ لیکن دکن کے لوگ زیادہ تر ایسے ہیں جو ستر پوشی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔ زنانہ لباس جو خلاف شرع ہے۔ یہاں رائج ہے۔ ساڑھی چولی لازم و ملزوم ہیں۔ بیس پچیس ہاتھ کی ساڑھی اور بالشت ڈیڑھ بالشت کی چولی جسم کا وہ حصہ جو کسی حال میں کھلا نہ رہنا چاہیئے۔ بالکل بے ستر رہتا ہے۔ یعنی پیٹھ اور پیٹ۔ ہاتھ کہنی سے اوپر تک شرمندہ جامہ نہیں ہوتا چلنے میں ساڑھی ہی کی بدولت گھٹنے تک کھل جاتے ہیں۔ یہ لباس ایسا عام ہے کہ دیہاتی تو بیچارے ایک طرف شہروں میں اچھے اچھے شائستہ تعلیم یافتہ اصحاب بھی (الا ماشاء اللہ) اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ذکور تو سیدھے سادے ہندوستانی لباس کو باکاٹ کرکے کرتے پتلون کے شائق ہو ہی گئے تھے لیکن غضب یہ ہے کہ لباس میں جدت طرازی کی وبا اب عورتوں تک بھی پہنچ گئی ہے۔

الغرض خطہ خوش سواد دکن پورا پورا "مسلمانان در گور مسلمانی در کتاب" کا مصداق ہے لہذا میں بہت زور سے اس امر کی درخواست کرتا ہوں کہ"

ہمدردی

الٰہی قوم کا غم ہو فزوں دل کے نگینے میں — کہ ہمدردی کی لہریں موجزن ہوں سب کے سینے میں
وہ ہمدردی کہ خوشبو جس کی پیدا ہو پسینے میں — وہ ہمدردی جو کی انصار نے ظاہر مدینے میں
یہ ہے جلوہ فگن اسلام کے ہر ایک قرینے میں — جو ہمدردی نہ ہو تو لطف کیا انساں کے جینے میں
صحابہ کا جو سینہ تھا تو ہمدردی کا مخزن تھا — ائمہ کا جو دل تھا نورِ ہمدردی کا مسکن تھا
چراغ قلب اہل اللہ ہمدردی سے روشن تھا — کہ جن کے سر پہ دائم ابر رحمت سایہ افگن تھا
اذیت پا کے بھی اعدا سے انعام دیتے ہیں — دعا دیتے ہیں انکو جو انہیں دشنام دیتے ہیں
جو ہمدردی نہ ہو مٹ جائے فوراً امن کی صورت — ستم پیشہ کے ہاتھوں بیکسوں کی ہو بری حالت
خبرگیری کرے کون اونکی جو ہیں مورد آفت — یہی مٹنے سے رہ ہوتی ہے بنکر سایۂ رحمت
جو ہمدردی نہ ہو نوع بشر تو مصیبت ہے — کسی کو کیا پڑی جو مرہم سوز جراحت ہے
جو ہمدردی نہ ہو ماں باپ میں اولاد ہو برباد — ہو کیا شاگرد کی حالت نہ ہو ہمدرد گر استاد
مریدوں پر نہ ہو گر لطف پیر دستگیر ہو کیا ارشاد — محبوں میں جو ہمدردی نہ ہو میں سب کے ناشاد
چراغ دل انہیں کے گھر کا گویا یہ اجالا ہے — خدا شاہد ہے ہمدردی کا دایم بول بالا ہے
وہ دیکھیں غور سے حال ہو جنکو نور بینائی — رسول محترم نے کیسی ہمدردی ہے جتلائی
کہ جس سے جلوہ گر ہوتی ہے ہر دم شان یکتائی — عدو بھی آستاں پر اونکے کرتے ہیں جبیں سائی
نوازش سے پیمبر کی جو مالا مال ہوتے تھے — کوئی اقطاب بنتے تھے کوئی ابدال ہوتے تھے
ذرا دیکھے کوئی جنگ احد کا خونفشاں منظر — ستم کیا کیا ہوئے کفار سے ذات مقدس پر
سعادت ہو رہا ہے خوں زخمی ہوا جب چہرۂ انور — یہ شان رحمۃ للعالمین تھی جو ہوئی اظہر
عوض لیتے ہیں کیا اور کیا شکایت کرتے ہیں — ہدایت کی دعا اونکے لئے ہر بار کرتے ہیں
بنو ہمدرد ایسے تاکہ ہو کچھ قوم کی خدمت — نبی کے اسوۂ حسنہ پہ قائم کیوں نہ ہو امت
دکھاؤ پھر ملا ہمدردی اسلام کی شوکت — شکستہ حال اپنی قوم کو پہنچاؤ کچھ راحت
پھر اسکے بعد حق ہے ہماری خلق احمد کا کیا — کہ ہمدردی کا جو ہو مستحق اوسپہ کرو احساں
ہزار افسوس کیسا انقلاب آیا ہے دوران میں — ترقی ہو رہی ہے آہ ہر دم سوز پنہاں میں
کہ ہمدردی نہ کچھ باقی رہی ارباب ایماں میں — فزوں ہوتی ہے ہر دم ہے نیاز بھی ثنا خواں میں
کسی کے درد کا پیدا نہ کچھ درماں کرتے ہیں — جو کرتے ہیں تو بس اپنی نمایاں شان کرتے ہیں
الٰہی اپنے کرم کا اب دکھا جلوا — الٰہی نور ہمدردی سے کر معمور دل سب کا
عطا کر وہ دل اور درد بھی ہو طپش پیدا — طپش میں بھی اثر ہو اے مرے مولا ملاوٹ کا
فراواں جوش رحمت ہو فزوں کی تمنا ہو — دعائے بندۂ مغموم مقرون اجابت ہو

(خاکسار محمد اسمعیل مغموم)

تضمین بر قطعہ حالی

گلزار دہر میں بھی ہے کیا شگوفہ کاری — خنداں ہر ایک جانب شوق شاخساری
دل خون کن اک طرف ہے شبنم کی اشکباری — کل خاک اللہ میں بھی حالت ہے یہی طاری
جو تھا سو چشم پر نم اپنا عتبا پایا
نشان معرفت تھے نطق الم سے ناطق — اسقے تھے جو دلائل دعووں تھے مطابق
تھا ابر باراں ہمکا ہر اپنے قول واثق — دنیا سے اٹھ گئے سب جو عمر ہیں لائق
یہ کہکے شیخ کا دل بے ساختہ بھر آیا
ہم خود بھی صاف گو تھے عادت تھی نکتہ گیری — ہم دیکھتے تھے ہر سو غوغائے لاضمیری
افتادگی معطل مفقود دستگیری — ہم نے کہا مر رہیگا ؟ باقی رہی نہ پیری
یہ کہکے ہم بھی روئے اور اسکو بھی رلایا

(عزیز مخدوم امرتسری)

رباعیات نامی

دل اُسپہ فدا ہے جو کہ مکی مدنی ہے — شاہوں میں ہیں شہنشاہ فقیروں میں غنی ہے
محبوب دو عالم ہے وہ لولاک لما ہے — خورشید سما البی ہے شمع ایمنی ہے

مرہون ضلالت ہے طلبگار ضیا کا — یہ آپکا بیمار ہے مطلوب ہے شفا کا
میں دوڑتے آیا ہوں دم باز پسیں ہے — ساقی مجھے پیمانہ ہو لبریز ... ا

کیا عرض کروں عمر رواں بیکس و رواں ہے — اوراق کا طوفاں ہے ... شب ... ہے
جاتا ہے دل زار! مدینے کی طرف کو — حائل ہے رہ گر جو کہ گرداب گراں ہے

ہمراہ چلا لیکے مجھے قافلے والو — ایسا نہ کرو مجھ کو کہیں ؟ ... زار
مر جاؤں گا سر پیٹ کے طیبہ کی ہوس میں — ... میرے ہمدمو اب مجھ کو سنبھالو

بیتاب ہوں کیا تاب ترا صبر کے الہام — کیا نامہ حضور شوق لکھوں ... جاں بجا در
پیغام زبانی ہی جو ہوتا تو سناتا ؟ — ملتا نہیں افسوس گریبانک صبا کا

(از نامی کوہ سوار ... نظامی)

تہذیب الاطفال

محنتی سلیمہ

آگرہ سے ایک چھوٹا سا خوبصورت ماہوار رسالہ "عزیز" نامی بچوں کی دماغی تربیت اور اخلاقی اصلاح کے لیئے غالباً چار سال سے جاری ہے جو اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیرہا ہے یعنی اسکے مضامین نظم و نثر بچوں کیلیئے عموماً مفید و دلچسپ ہوتے ہیں۔ مندرجہ ذیل نظم اسی عزیز رسالہ کے تازہ نمبر میں سے نقل کی گئی ہے جو یقین ہے کہ ناظرین اسوۂ حسنہ کے طبقہ میں بھی دلچسپی سے پڑھی جائیگی۔ رسالہ عزیز کا سالانہ چندہ صرف عہ ہے بچوں کی تعلیم و تربیت سے دلچسپی لینے والوں کو ضرور منگانا چاہیئے +

ایڈیٹر

اندھیرے گھروں کا اُجالا سلیمہ
تجھے خوش رکھے حق تعالیٰ سلیمہ
تو بچپن سے ہے محنتی اور دانا
کٹے گا نہ کیوں سکھ سے تیرا زمانا
تو ماں کی لاڈو تو ابا کی پیاری
کسی کا کلیجہ کسی کی دلاری
سب آنکھوں پہ اپنی بٹھاتے ہیں تجھ کو
کلیجے سے اپنے لگاتے ہیں تجھ کو
جمالیتی ہے رنگ جب شام اپنا
تو کرتی ہے اُس وقت بھی کام اپنا
تجھے دن ہو یا رات اک دُھن ہی ہے
کہ تو اے سلیمہ بڑی محنتی ہے
وہ پچھلا پہر اور وہ گُپ اندھیرا
چراغ اُٹھ کے تنہا جلانا وہ تیرا
سوئی لیکے پھر کاڑھنا وہ کشیدہ
سلیمہ نہیں کوئی تجھ سی سعیدہ
نہ سونے سے مطلب نہ آرام سے ہے
غرض رات دن اک نہ اک کام سے ہے
یہ محنت مبارک صلہ تجھ کو دے گی
کہ آرام سے عمر تیری کٹے گی
ملے گی تجھے رنج اٹھا کر خوشی بھی
تو اب جاگتی ہے تو کل سوئیگی بھی
زمانہ لازم تری پیروی ہے
کہ تو اے سلیمہ بڑی محنتی ہے
بلا سے جو ہیں بال تیرے پریشان
نہیں سر پہ چادر تو کیا اسکا ارمان
یہ محنت تری جگمگا دے گی تجھ کو
کسی روز دلہن بنا دے گی تجھ کو
نہ گھبرا تو اپنی غریبی سے پیاری
کہ دولت تو ہے تیرے گھر کی بھکاری
پہنے گی تو سر تاج دنیا میں اک دن
کرے گی تو ہی راج دنیا میں اک دن
خریدار لاکھوں ترے آئے ہونگے
میسّر تجھے عیش دنیا کے ہونگے
تری محنتوں کا نتیجہ یہی ہے
کہ تو اے سلیمہ بڑی محنتی ہے

(منقول از رسالہ عزیز آگرہ)

اُستاد کی فرمانبرداری

سعادت مند بچو! استاد کی تعظیم و تکریم کرو۔ دل و جان سے قدر و منزلت کرو۔ کیونکہ وہ تم کو وہ چیز سکھاتا ہے جسکا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت کو بحکم حدیث شریف طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ فرض ہے۔

وہ شے علم ہے۔ جس کی طلب میں چین جیسے دور دراز ملک کے سفر کی ترغیب دیجاتی ہے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جو اپنی امت پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں فرماتے ہیں :- اُطلبوا العلم ولو کان بالصّین۔

تمہارا اُستاد تم کو انسان بناتا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ امام ابن المبارک نے اُسے آدمی نہ گنا جو علم سے بے بہرہ ہو اسلیئے کہ انسان اور چوپائے میں علم ہی کا فرق ہے بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ تمہارا استاد تم کو خداشناسی کا راستہ بتاتا ہے فرماتے ہیں کہ

بے علم نتواں خدا را شناخت

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے کبھی کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بنایا۔ پس خوب سمجھ لو کہ دروازۂ علم کی کنجی استاد کی فرمانبرداری ہے۔ مدرسہ میں پہنچتے ہی کمال ادب سے اُستاد کو سلام کرو اور بعدہٗ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ بلاحکم کہیں نہ جاؤ۔ نہ کسی سے فضول بات کرو۔ جس کام کو استاد حکم دیں اسکو بلا چون و چرا دل لگا کر کرو۔ ہر بات کا جواب آہستگی سے دو۔ پیشاب پاخانہ جانے کے واسطے عاجزی سے اجازت مانگو۔

مدرسہ بند ہونے پر استاد کو سلام کرکے خاموش گھر کو جاؤ۔ بموجب ہدایات اپنے اسباق کا مطالعہ کرو۔ علاوہ اوقات مدرسہ جہاں کہیں تمہارے استاد ملیں جھک کر سلام کرو۔ ہونہار بچو! تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بھی استاد کی تعظیم و تکریم کرنا تمہارا فرض ہے کیونکہ استاد تمہارا روحانی باپ ہے۔ اسی نے تمکو انسان کہلانے اور اشرف المخلوقات کے زمرہ میں داخل ہونے کے قابل بنایا۔

وہ بچے نہایت بدبخت ہیں جو استاد کے حکم کو نہیں مانتے ان کی تعظیم سے گریز کرتے ہیں راستہ میں آتا ہوا دیکھ کر کترا کر نکل جاتے ہیں کہ سلام نہ کرنا پڑے ایسے بچے عمر بھر ذلیل و خوار رہتے ہیں۔ بعد حصول عقل و شعور کف افسوس ملتے اور بدقسمتی پر آنسو بہاتے ہیں مگر بے سود کہ ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں +

استاد کے حق کو بھول جانا پرلے درجہ کی کمینہ حرکت ہے۔ سعادت مند ہیں وہ بچے جو مرتے وقت تک اُستاد کے احسانات کو فراموش نہیں کرتے فقط

(عرفان علی رضوی بیسلپوری عفی عنہ)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

جسکو حکمت دی گئی بے شک اُس نے بڑی دولت پائی +

حکمت و موعظت

عَرَفْتُ رَبِّيْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ

مندرجہ عنوان قول اسلامی دنیا میں ایک مشہور مقولہ ہے۔ اگرچہ اس مقولہ کا قایل بھی بہ اعتبار اپنی عدیم النظیر وجاہت اور عظمت کے بندگان خاص کی فہرست میں حضرت علی (کرم اللہ وجہہٗ) کے محترم نام سے موسوم ہو کر ایک خاص درجہ اور رتبہ رکھتا ہے۔ اور اوس کا نام ہی مقولہ کی عظمت و وقعت کی ایک قیمتی ضمانت ہے لیکن اگر قایل کا نام نہ بھی لیا جائے تب بھی یہ مقولہ بہ اعتبار اپنی وسعت اور جامعیت کے ایک ایسا مقولہ ہے جسپر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ اور بہت کچھ استدلال ہو سکتا ہے۔ یہ مقولہ ان تمام دلایل و براہین کا گویا نچوڑ ہے جو اتعاقی اور جذباتی پہلو سے زیر بحث آتے ہیں۔ اس کی تہ میں ایک دلچسپ اور باریک تعبیر کی جھلک اور شان پائی جاتی ہے۔ اور دو طاقتوں کے موازنہ سے جو باعتبار عمل کے قریبًا ایک ہی قسم کی نوعیت رکھتی ہوں۔ ایک تیسری طاقت پر خوبصورتی کے ساتھ استدلال کیا جا سکتا ہے اور وہ ایک ایسا لطیف استدلال ہے جو اپنے ساتھ ایک موثر کیفیت رکھتا ہے۔ ہم کسی بیرونی دلیل سے نہیں بلکہ خود اپنے ذاتی تجربہ سے بھی یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انسان ایک صاحب ارادہ خلقت ہے اگرچہ اوس کے مقابلہ میں حیوانی مخلوقات بھی ایک حد تک صاحب ارادہ ہے لیکن جس قسم کا ارادہ انسان رکھتا ہے اور جو اسمیں امتیاز اور تصرف ہے دوسری مخلوقات کے ارادوں میں نہیں ہے۔ اگرچہ ہمارا ارادہ بھی ایک سخت موثر طاقت رکھتا ہے لیکن ہم اپنے ارادہ کی خوبیوں اور نقائص سے ایک بڑی حد تک واقفیت بھی رکھتے ہیں اور ہماری تیزی طاقت اُس میں بہت کچھ دخل دے سکتی ہے لیکن دوسرے حیوانات کے ارادہ میں ایسی تمیزی طاقت انسان کے برابر نہیں ہوتی جیسے ہم ارادہ کی نسبت یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اچھا بھی ہو سکتا ہے۔ اور برا بھی۔ ایسے ہی ہم اس بات کے بھی قایل ہیں کہ ارادہ کبھی ہم بدل بھی دیتے ہیں یا بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں اگرچہ بسا اوقات ہمیں ارادہ کی غلامی سے آزادی نہیں ملتی اور ہم ایک مجبوری سے اس کی جانب کھنچے جا کر اسکے مطابق کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ہم اُسکی زد سے نکل بھی جاتے ہیں۔ انسان صبح و شام اپنے جذبات کا جائزہ لینے سے یہ قیاس کر سکتا ہے کہ وہ اپنے ارادوں میں کس طرح اور کہاں تک قطع و برید کرنے کا عادی ہے۔ ہم ان حالات سے یہ قیاس کرنے کے مجاز ہیں کہ ہر ارادی طاقت ایسا ہی کر سکتی ہے یا کرتی ہوگی۔ جہاں ہم ایسا قیاس کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ہمیں اس بات کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ارادہ کی پختگی اور اسکا غیر متغیر ہونا صاحب ارادہ کی حالت پر بھی بہت کچھ موقوف ہے۔ جو شخص یا شخصیت ہم سے مقابلۃً زیادہ مستقیم المزاج ہوگی۔ اسکا ارادہ بھی زیادہ تر ممتاز اور پختہ ہوگا۔ ایسی نظیریں ہم انسانی جماعتوں میں بکثرت دیکھ سکتے ہیں کہ اکثر لوگ بمقابلہ اکثر لوگوں کے ایک قوی اور مستقل ارادہ رکھتے ہیں۔ جوں جوں ہم مقابلۃً دیکھتے جائیں گے۔ ہمیں ارادوں کی فہرست میں مختلف قسم کے اصحاب ارادہ ملیں گے۔

بعض وقت یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ ہم "تبدیل ارادہ" اور "فسخ ارادہ" میں فرق نہیں کرتے۔ اس مغالطہ کی وجہ سے بہت سی باتیں غلطی میں جا پڑتی ہیں اور انسان ان صداقتوں کے قبول کرنے سے رکا رہتا ہے جو محض ایک غلطی کی وجہ سے پیش نہیں ہوتیں۔ ایک روک کا خود بخود بدل دینا یا اٹھا دینا ہر ایک صورت میں اپنے ہی ارادہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ لیکن دوسری جانب سے مزاحمت ہونا کسی دوسرے ارادہ کی وجہ سے ہوگا۔ اگر محض اپنی ہی مرضی کے ماتحت ہم کوئی کام ترک کرتے یا چھوڑتے ہیں تو اس کی وجہ سے بھی ہم ایک بڑی حد تک واقف ہوتے ہیں لیکن جب ہمیں کوئی اور طاقت بزور روکتی ہے تو ہم مجبور رہتے ہیں اور ہمارے ہاتھ میں اسکا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ ایسی حالت کے پیش آنے سے یہ پتہ لگتا ہے کہ جیسے ہم صاحب ارادہ ہیں اور بعض اوقات اپنے ارادوں کو بدل اور روک دیتے ہیں۔ ایسے ہی کوئی اور طاقت بھی ایسی طاقت رکھتی ہے ہم یہاں

تقدیر اور تدبیر کا قصہ چھیڑنا نہیں چاہتے ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ باوجود چند چند تدابیر اور اسباب جمع کرنے کے بھی بعض وقت ہم ارادہ کی کامیابی میں ایسی منہ کی کھاتے ہیں۔ کہ ہمیں اسکی کوئی اصلی وجہ معلوم نہیں ہوتی ہم کد سر کد جاکر پہلے اسباب سے بھی زیادہ تر کوشش اسکوپی اور مضبوطی کے ساتھ سلسلۂ تدابیر جوڑتے ہیں لیکن پہلے سے بھی زیادہ فاش طور پر شکست نصیب ہوتی ہے۔ اگرچہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ کہا گیا ہے کہ ع

مشکلے نیست کہ آسان نشود

لیکن ہمارا بار بار کا تجربہ اسکے مقابلہ میں یہ شہادت دیتا ہے کہ باوجود چند در چند کوششوں کے بھی اُلٹی تدبیر سیدھی نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ تو احتیاط اور حزم و دور اندیشی خواہ مخواہ ہی سوئے تدبیر کا جامہ پہن لیتی ہے۔ دور مار نے پر بھی ہم منہ کی کھاتے ہیں۔ ایسی ہزیمتوں اور شکستوں کی وجہ سے ہمیں یہ سوچنے کا موقعہ ملتا ہے کہ کیوں ہماری بعض تدبیریں سرسبز نہیں ہوتیں۔ اور کیوں ہم باوجود پورے طور سے حزم و احتیاط اور حسن تدبیر کے بھی رہ جاتے ہیں یہ بات کچھ عوام الناس ہی سے مخصوص نہیں بڑے بڑے دور اندیش لوگوں میں سے بھی بہت سے لوگ اسکے شاکی پائے جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ یہ دیکھا گیا ہے کہ جو بہت سوچتے اور حزم و احتیاط کرتے ہیں۔ زیادہ تر انہیں کے حصہ میں ناکامیابیاں بھی آتی ہیں۔ ایک فہرست اُن لوگوں کی ہاتھ میں لے کر دیکھیں جو اپنے ارادوں اور تدابیر میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں۔ تمہیں ماننا پڑے گا کہ ان میں سے اکثر حصہ سمجھدار لوگوں ہی کا تھا۔ جب ایک تدبیر ہمہ وجوہ مکمل ہو کر بیٹ نہیں پڑتی تو اب ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کیونکہ اگر ایک طرف ہم سوچ بچار کے بعد کوئی تدبیر کرتے ہیں تو دوسری جانب ضرور کوئی ایسی طاقت ہے جو اُس کو روک دیتی ہے جب ہم ایک ارادہ کے ماتحت کوئی تدبیر کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ دوسری جانب بھی کوئی ویسا ہی ارادہ ہے۔ کیونکہ جب ہم ایک ارادہ سے کام کرتے ہیں تو دوسری طرف کسی ارادہ کا ہونا لازمی ہے۔ جب ہمارا فعل کسی ارادہ کے ماتحت ہے تو اس فعل کا عمل میں آنے دینا بھی اور کسی ارادہ کے ماتحت ہوگا۔ دیکھو جب ہم ایک چیز کسی جگہ پر رکھتے ہیں اور بعض وقت ہوا اور آندھی سے وہ شے اِدھر اُدھر سرک جاتی ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہوا نے اُسے سرکا دیا۔ یا آندھی اڑا لے گئی۔ ہوا اگرچہ ہماری طرح جان نہیں رکھتی۔ لیکن اُسے بھی ایک زندگی حاصل ہے اور وہ بھی کسی طاقت کی وجہ سے ایک ارادہ رکھتی ہے۔ گو یہ ارادہ ہماری نگاہوں میں بالکل اندھا اور غیر مدرک ہوتا ہے۔ اس ارادہ کے ماتحت جب ہوا کے سامنے کوئی چیز آتی ہے بشرطیکہ وہ اُسکی طاقت اور زور سے زیادہ نہ ہو تو ہوا اسکو اپنی جگہ سے ہلا دیتی اور اُکھاڑ دیتی ہے۔ اس صورت میں ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ہمارے ارادہ کے خلاف ہوا مزاحم ہوئی۔ اور اُسنے ہماری تدبیر الٹ دی۔

اسیطرح جب زلزلے آتے ہیں تو بڑے بڑے پختہ مکانات ہل جاتے بلکہ مسمار ہو جاتے ہیں۔ مکانات اونکا تعلق انسانی ارادہ اور انسانی تدابیر کے ماتحت کھڑی تھیں اب انہیں کس نے ہلا دیا۔ زلزلہ نے گویا زلزلہ کا ارادہ ہمارے ارادہ پر غالب آگیا۔ ان دونوں تمثیلوں سے پتہ لگ گیا کہ ہمارے ارادہ کے مقابلہ میں اور بھی چند ارادے ہیں۔ گو وہ ہماری نظروں میں کیسے ہی مجہول الکیفیت ہوں اور انکی حقیقت کچھ ہی ہو۔ جب ہماری بعض تدابیر ان اشیاء اور ان طاقتوں کی وجہ سے ملیامیٹ نہیں ہوتیں جنہیں ہم کسی نہ کسی حد تک دیکھتے یا محسوس کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ایسی طاقتوں کے سوائے کوئی اور ایسی طاقت بھی ہے جو ان سب ارادوں پر غالب ہے اور جسکا احساس ہمیں ظاہری آنکھوں سے تو نہیں ہو سکتا لیکن روحانی آنکھوں سے بقدر اُن مختلف ہوتا اور ہو سکتا ہے۔ اِس بات سے تو ہم انکاری نہیں ہو سکتے کہ ہمارے ارادوں کا استیصال جو طاقت کرتی ہے وہ کسی نہ کسی ارادہ کے ماتحت رکھی گئی ہے کیونکہ ہماری تدبیریں اور افعال جب ہمارے ارادوں کے ماتحت ہیں تو جو طاقت ہمارا مقابلہ کرتی ہے اُسکی تجویزیں بھی کسی نہ کسی ارادہ کے ماتحت ہونگی

بعض لوگ یہ کہیں گے کہ ہماری تدبیریں جو بعض وقت سرسبز نہیں ہوتیں وہ اس وجہ سے نہیں کہ انہیں کوئی زندہ طاقت اپنے ارادوں کے ماتحت روکتی اور شکست دیتی ہے بلکہ یہ کہ ان کا سرسبز نہ ہونا بعض اتفاقی اسباب کے ماتحت ہوتا ہے۔ یہ ایک کمزور دلیل ہے۔ اتفاقی اسباب کے ماتحت جب ہمیں شکست ہوتی ہے۔ تو ہم اسباب ہی کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ اور آخر ہم انہیں پا لیتے ہیں۔ لیکن جب ہم باوجود تلاش مزید کے بھی ایسے اسباب نہیں پا سکتے تو ہمیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ جو طاقت ہماری تدبیروں کا مقابلہ کرتی ہے وہ ورا الوراء ہے اور وہ تمیز و فہیم اور زندہ طاقت ہے۔ ایک طرف ہم اپنی جدوجہد اور حسن تدبیر کو دیکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف اِن مزاحمتوں کو جو ایک ترتیب سے ہمیں شکست پر شکست دیتی ہیں۔ دونوں جانب ایک ترتیب اور قاعدہ مرعی ہوتا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ بعض وقت وہ تدبیریں بھی کامیاب ثابت ہوتی ہیں جو صحیح پہلو سے تدبیر کہی بھی نہیں جا سکتیں۔ حالانکہ جہاں کوئی بے تدبیری ہے وہیں ہزیمت اور ناکامیابی ہے۔ اگرچہ بعض دفعہ یہ بھی ادا کیا جاتا ہے کہ ناکامل اور ناقص تدبیر ہمیشہ ناکامل اور ناقص ہی ہوگی۔ اگر کبھی کسی ایسی صورت میں ناکامیابی ہو جاتی ہے تو وہ اُن اسباب کے ماتحت ہوتی ہے جو خود قدرت کی جانب سے مہیّا کئے جاتے ہیں۔

فقرہ مندرجہ عنوان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ منجملہ اور دلایل کے

مجھے اسوجہ سے بھی ثابت ہوا یہ استدلال کا موقع ملا کہ جو کچھ میں نے قصد و عزم یا تدبیر کی وہ سر سبز نہ ہوئی۔ اور اسکے سوائے کوئی اور ہی صورت بصورت پذیر ہوئی۔ اسکی تطبیق علمی اصول سے یوں ہوئی کہ زید ایک ارادہ کرتا ہے۔ ہر قسم کی احتیاط کر لیتا ہے۔ باعتبار اسباب بظاہر ارادہ مکمل ہوتا ہے۔ باعتبار حسن تدبیر اسمیں نقص نہیں ہوتا۔ گویا مکمل تدبیر ہوتی ہے مگر وہ باوجود بار بار کی کوششوں کے بار آور پیدا نہیں ہوتا جوں جوں اسمیں ترمیم اور کتر بیونت کی جاتی ہے۔ وہ ناکامیت ہوتی ہے۔ اور شرم اٹھانی پڑتی ہے یہاں تک کہ آخیر پر زید اُسے چھوڑ دیتا ہے اور پھر اوسکی طرف منہ نہیں کرتا معلوم ہوا کہ زید جسطرح ایک تدبیر کی صورت میں تدبیر کرتا ہے اور ایک ارادہ کی حقیقت سمجھ کر اسپر زور دیتا ہے۔ اسیطرح کوئی دوسری طاقت اسکی مزاحمت اور مقابلہ کرتی ہے۔ اسی طاقت کا ارادہ کچھ بننے نہیں دیتا یہاں تک تو عموماً ہم کوئی اختلاف نہیں دیکھتے۔ لیکن آگے چلکر اس بحث میں پڑ جاتے ہیں کہ جو ارادہ ہماری مزاحمت کرتا ہے کیا ہے۔ جس طاقت کے تحت ایسا ارادہ ہے وہ کیسی ہے۔ آیا وہ طاقت کوئی اتفاقی طاقت ہے یا وہ کوئی امتیاز رکھتی ہے۔ اور ایسی طاقت زندہ اور قادر ہے۔

جس ترتیب سے ہماری مزاحمتیں اور مقابلے ہوتے ہیں وہ ہمیں رفتہ رفتہ اس نقطۂ اعتقاد پر لے جاتے ہیں کہ وہ طاقت جس کے ماتحت ایسا ارادہ ہوتا ہے ایک ممتاز۔ ذی حیات۔ ذی تمیز اور صاحب ارادہ طاقت ہے۔ اتفاقی نہیں ہے کیونکہ اسکے کاموں اور اسکی مزاحمتوں میں ایک قسم کی بے نقص ترتیب پائی جاتی ہے۔ اتفاقی صورتوں میں ترتیب اور یکسوئی نہیں ہوتی۔ اور دوسرے یہ کہ انسانی ارادے ایک باعقل اور باشعور ہستی کے ارادے ہیں۔ سوائے اُن تصادمات کے جو خود انسانوں یا دوسرے اجسام کی جانب سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور کوئی ارادہ اسطرح پر ان کے ارادوں کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ یہ ایک دلچسپ اور مزیدار بحث ہے۔ ہم ہمیشہ چیختے اور شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے بعض ارادوں اور خواہشات کی تکمیل کیوں نہیں ہوتی۔ اور کیوں کسی دست غیب نے اُسے ملیامیٹ کر دیا لیکن جب ہم ان واقعات کو جو بعد میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ دیکھتے ہیں تو انصاف سے ہمیں یہی کہنا پڑتا ہے کہ اسمیں یہ حکمت تھی۔ اگرچہ یا تقاضائے بشریت یا بشریت کی عجلت کے ہم اخیر تک اُسکے قایل اور معترف نہوں لیکن انصاف ہمیں ایسا کہنے پر ضرور مجبور کرتا ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسی فہرست نہیں ہے کہ ہم ناظرین کے سامنے وہ پیش کر سکیں لیکن ہر ایک شخص اپنے گزشتہ واقعات خوشی وغم پر ریویو کرنے سے باسانی یہ پتہ لگا سکتا ہے کہ ناکامیابی شکست۔ دل شکنی اور مایوسی کے وقت ان کی کیا کچھ کیفیت تھی اور بعد ازاں جب اور وجوہ اور واقعات کا ظہور ہوا تو ان کے دل و دماغ کی کیسی حالت تھی۔

ایک شخص بڑے زور سے ارادہ کرتا ہے کہ مجھے فلاں جلسہ میں ضرور جانا چاہیے۔ لیکن ٹرین مِس ہو جاتی ہے اور وہ نہیں جا سکتا اسوقت اس کی دلی حالت نہایت مایوسانہ ہوتی ہے۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ ضرور ٹرین کو سزا دیتا۔ لیکن جب بعد میں وہ یہ سن پاتا ہے کہ اگر وہ جاتا تو یہ صورت پیش آتی۔ تو وہ شکر کرتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص ایک کام نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اسباب کچھ ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ لزوماً اُسے اپنے ارادہ کے خلاف وہ کام کرنا ہی پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ کاش یہ کام نہ ہوتا۔ ان دونوں صورتوں میں کسی نہ کسی دوسری طاقت کی طرف سے اسکے ارادوں کا مقابلہ کیا گیا۔ حالانکہ ان دونوں قسم کے ارادوں کے پورا ہونے یا نہونے سے کسی دوسرے کا ہرج نہ تھا اور کوئی دوسرا اُن کا مزاحم بھی نہیں ہوا۔

اس قسم کے مختلف مثالوں سے تمہیں یہ پتہ لگ جائے گا کہ ہمارے ارادوں اور تدابیر میں کس طرح روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ نہ تو ہوا ہماری مزاحم ہوتی ہے اور نہ آسمان و زمین یہ کوئی دوسرا ہاتھ ہی ہمیں رکاوٹ میں ڈالتا ہے۔ یہ دوسرا ہاتھ کیا ہے؟ وہی ہاتھ اور وہی طاقت ہے جسے دوسرے الفاظ میں ہم رب کہتے ہیں۔

اگر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں۔ تو بتاؤ وہ کون ہے۔ طاقت کے وجود سے ہم کسی طرح انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہمارے مشاہدہ میں بذریعہ اپنے پر زور افعال کے آرہی ہے۔ جو لوگ ایسی طاقت کو نہیں مانتے دراصل ان کا ضمیر اس کی تائید اور تصدیق کرتا ہے اگرچہ ان کی زبان ان کے ضمیر کا ساتھ نہ دے۔

تم اپنی ایک ہی کامیابی اپنے سامنے لاکر غور کرو۔ کہ کس قدر کوششوں اور تدابیر کے بعد تمہیں شکست ہوئی ہے۔ کس قدر مختلف وسائل بھی تم سرسبزی نہیں حاصل کر سکے۔ کس قدر جد و جہد کے بعد بھی تمہیں اپنی خامی کا یقین کرنا پڑا۔ نہ تو تم کسی ابنائے جنس کی شکایت کرتے ہو کہ وہ مزاحم ہوا۔ اور نہ تمہارا کوئی ظاہری روکنے والا ہے۔ جہاں تم ایک ارادہ کر جاتے ہو وہاں تمہاری اپنی بہت کچھ رسائی اور پہنچ ہے۔ پھر جو تمہیں وہاں سے خشک جواب ملتا ہے اور تمہاری ساری امیدیں ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ تو اسکا سوائے اسکے اور کیا باعث ہو سکتا ہے کہ کوئی زبردست ہاتھ جو تمہیں ان ظاہری آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا تمہاری مخالفت کر رہا ہے۔ اور ایک ہی وار سے تمہارے

ے منصوبے تہ وبالا کر دیتا ہے۔ تم اپنے ارد گرد نظر دوڑا کر دیکھ سکتے
ں قدر دانا و بینا لوگ باوجود مختلف اور رنگارنگ کی کوششوں اور
یر کے منہ کی کھاتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں عام سمجھ کے لوگ کس
سلوبی اور آسانی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ کیا تم ان دونوں حالتوں
بز نہیں کر سکتے۔ اور کیا تمہارا ضمیر یہ گواہی نہیں دیتا کہ کوئی اور ہاتھ
ی سرپرستی کر رہا ہے۔ اور اسی کے قبضہ میں تمہاری باگ ہے وہ جدھر
ہے موڑ دیتا ہے۔ اور تمہارے دست ارادہ کی اسکے سامنے کچھ نہیں
جب تم کامیاب ہوتے جاتے ہو تو اپنی خوش تدبیری پر گھمنڈ کرکے
ایک طاقت قرار دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے لیکن جب تمہاری
یں اور تمہارے گوناگوں ارادوں پر پانی پھر جاتا ہے تو پھر تم یہ کہتے
استے ہو کہ یہ اتفاقی بات ہے۔ کیا یہ لازم نہیں کہ تم اس حالت میں
ن لطیف طاقت کا اعتراف کرو۔ جو ایک قادر اور زندہ طاقت ہے۔
ہاتھ۔ جسکا ارادہ۔ جسکا عزم۔ سب ہاتھوں سب ارادوں اور سب
سے بالاتر۔ اور جامع تر ہے۔ فتدبر +

(سلطان احمدؐ۔ از سونی پت)

شذرات

ن و تقویٰ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے
کے جو احکام لائے ہیں۔ ان کے دلی یقین اور زبانی اقرار کو ایمان کہتے ہیں۔
کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے۔ اور شریعت میں جن کاموں کے کرنے کا
ہے ان کے کرنے کو اور جن باتوں کی ممانعت ہے ان سے بچنے کو تقویٰ کہتے
مگر خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ سب کچھ اللہ کے خوف سے ہونا چاہیئے
دنیا کے دکھاوے کی کوئی بات بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی۔ ایمان کے
تقویٰ بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا ... لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا ... (پ ۲۳ س الزمر ع ۱۴/۲)	اے پیغمبر ہماری طرف سے مسلمانوں کو سمجھا دو کہ اے ہمارے بندو جو ایمان لا چکے ہو اپنے پروردگار سے یعنی ہم سے ڈرتے رہو جو لوگ دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیئے بھلائی ہے۔

یح مسلم میں سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے جس میں سفیان کہتے
ہیں نے حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت!
اسلام میں مجھ کو کوئی ایسی بات بتلا دیجئے کہ پھر مجھ کو کسی بات کے پوچھنے کی ضرورت
نہ رہے۔ آپ نے فرمایا جن باتوں کے ماننے کا شریعت میں حکم ہے ان کے ماننے
کا زبان سے اقرار کر اور پھر اپنے اس اقرار پر قائم رہ۔ اقرار پر قائم رہنے کا
یہی مطلب ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے انکو کرنا۔ اور مناہی سے بچنا
چاہیئے۔

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم
تہجد کی نماز اس قدر دیر تک پڑھتے تھے کہ آپکے پاؤں سوج جاتے تھے۔ لوگوں
نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپکے اگلے پچھلے سب گناہ معاف
کر دئیے ہیں۔ پھر آپ عبادت میں اس قدر جدوجہد کیوں فرماتے ہیں؟ آپ نے
جواب دیا کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کی شکرگزاری میں کوتاہی کروں؟

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ (پ ۲۴ س الزمر ع ۲/۴)	بلکہ اللہ ہی کی عبادت کر اور اس کے شکرگزار بندوں کے زمرہ میں رہ۔

اختلاف و مباحثہ کسی حق بات کے معلوم کرنے کی نیت سے یا صحیح
مسائل کے دریافت کرنے کی غرض سے مباحثہ کیا جائے اور اختلاف رائے
کا اظہار ہو تو شریعت میں اس کی اجازت ہے۔ لیکن اگر لوگوں کو شک و شبہ اور
فتنہ میں ڈالنے کے لیئے یا ترویج بدعات کی غرض سے ایک دوسرے سے
اختلاف کیا جائے تو حرام ہے۔ اور اسی طرح کے اختلاف سے امم سابقہ ہلاک
ہوگئیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ۔ (پ ۲۴ س۔ المومن۔ ع ۱/۱)	اور ہر امت نے اپنے رسول کے گرفتار کرنیکا ارادہ کیا اور جھوٹی جھوٹی باتوں سے سند پکڑ کر لگے پیغمبروں سے جھگڑنے تاکہ اپنی کٹ حجتی سے حق کو جگہ سے اکھاڑ دیں تو آخر کار ہم نے انکو دھر پکڑا تو دیکھا ہم نے انکو کیسی سزا دی۔

صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایکدن
دو صحابیوں کو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے قرآن کریم کی ایک آیت کے
مطلب میں اختلاف کرتے اور جھگڑتے دیکھا۔ اور نہایت غصہ سے فرمایا کہ امم سابقہ
اسی طرح کے اختلاف اور جھگڑے سے ہلاک ہوئی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار +

کھنڈرات موجب عبرت و نصیحت ہیں! جب تبوک کے سفر کے وقت جناب رسالتمآب
صلے اللہ علیہ وسلم کا گزر قوم ثمود کی اجڑی ہوئی
بستی پر سے ہوا۔ تو آپ خوف زدہ ہوگئے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا
کہ جب تک بستی آنکھوں کے سامنے رہے عذاب الٰہی کو یاد کرکے ڈرنا اور رونا چاہیئے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ (پ ۲۴ سورۃ حٰم السجدہ۔ ع ۲/۱۶)

اور رہا ثمود تو ہم نے انکو سیدھا رستہ دکھایا تھا مگر انہوں نے سیدھا راستہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی انجام یہ ہوا ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے ان کو ذلت کے عذاب کی کڑک نے آلیا۔

اجڑی ہوئی بستیوں اور کھنڈرات کو دیکھ کر اور پچھلی قوموں کے عذاب کا حال یاد کرکے ارباب بصارت و بصیرت کو عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے ؎

مجلس وعظ رفتنت ہوس است ۔ مرگ ہمسایہ واعظ تو بس است

انسان کے قول و فعل میں عدم تطابق موجب بیزاری خدا ہے خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز اپنی خلافت کے زمانہ میں منبر پر چڑھ کر اہل بغداد کو یہ نصیحت کی کہ جو لوگ قیامت کے بالکل منکر ہیں ان کا تو کچھ ذکر ہی نہیں کیونکہ وہ تو صریح کافر ہیں۔ ہاں بلاشبہ ان لوگوں کی کم عقلی پر سخت افسوس وارد ہوتا ہے۔ کہ زبان سے تو قیامت کا اقرار کرتے ہیں اور پھر عقبیٰ کے بندوبست سے غافل ہیں۔ اپنے اعمال و افعال سے اقرار باللسان کی تصدیق و تائید نہیں کرتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے قول و فعل میں عدم تطابق سے سخت بیزار ہے چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (پ ۲۸ س الصّافات ع ۱/۹)

مسلمانو! ایسی بات کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کرکے نہیں دکھاتے یہ بات اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو سب کچھ اور کرو کچھ بھی نہیں۔

(نور الدین تاجرم)

پند بر دیوار

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ۔ ور نبشت است پند بر دیوار

اپنی مدد آپ آپ اپنی مدد کرنے کا جوش شخصی ترقی کی جڑ ہے اور جب یہ جوش قوم کے بہت سے آدمیوں میں موجود ہوتا ہے تو وہ قوم کی قوم مضبوط۔ زور آور اور شائستہ ہو جاتی ہے بیرونی مدد کا کام کمزور کرنا ہے اور اندرونی مدد کا کام طاقتور بنانا۔ جب کسی آدمی یا کسی قوم کے لئے دوسرا کچھ کرتا ہے تو وہ ضرورت جو اُسے آپ اپنی مدد کرنے کی تھی رفع ہو جاتی ہے اور اسلئے کمزوری اسکا لازمی نتیجہ ہے۔ یہ بات ہمیشہ دیکھی گئی ہے کہ جب آدمیوں کی نگرانی حد سے زیادہ ہو جاتی ہے اور بات بات پر ان کی روک ٹوک کیجاتی ہے۔ جب ان کے ہاتھ پاؤں کو یا ہو سرو کی چلائے چلتے ہیں۔ تو وہ یقینی کمزور اور لاچار ہو جاتے ہیں۔ (سموئیل سمائلس)

محنت و کوشش میں انسان کو ایک ایسا مسافر سمجھتا ہوں جو سرد ملکوں کی سیر کر رہا ہو۔ وہ جتنا آگے بڑھے گا اُسے تیز چلنا ہوگا۔ ورنہ سردی کی شدت سے پریشان ہو جائے گا۔ روح کی بہت بڑی بیماری اسکا افسردہ ہو جانا ہے۔ اس بیماری سے نجات پانے کے لئے اُسے ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رہنا چاہیئے۔

(ٹامک ول)

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں جب بے پروائی اور کاہلی کی عادت پختہ ہو جاتی ہے اور جب ہم اپنے ہاتھوں کی باندھی ہوئی زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں تو پھر اُس وقت اُن زنجیروں کا توڑنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ محنت سے ہم کھوئی ہوئی دولت پا سکتے ہیں۔ بھولا ہوا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ دوا اور پرہیز سے زائل شدہ تندرستی ہم پھر واپس لا سکتے ہیں۔ لیکن گم شدہ وقت ہمیشہ کے لئے گم ہے سچ ہے "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں"

(نلسن)

فضول خرچی یاد رکھو کہ اس جہان میں جتنی سڑکیں۔ ریل۔ جہاز اور کل وہ چیزیں جن سے ہم لوگوں کو آرام ملتا ہے بنی ہیں وہ کل کفایت شعار آدمیوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ فضول خرچ اور بے پرواہ ہمیشہ ان کے غلام بنے رہے ہیں۔ اور بنے رہیں گے۔ بے شک فطرت کا قانون یہی ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ فضول خرچ اور لاابالی آدمی ترقی کر سکتا ہے۔ تو مجھ سا جھوٹا اور منافق کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

(رکوبڈن)

نفس کشی وہ تعلیم خواہ کیسی ہی خراب کیوں نہ ہو لیکن اگر اس سے نفس کشی کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ تعلیم اُس تعلیم سے کہیں اعلےٰ اور افضل ہے جس میں سب کچھ ہے مگر نفس کشی کی تعلیم نہیں۔

(جان سٹرلنگ)

نیک چلنی میں نے جو ترقی حاصل کی تھی وہ لیاقت سے نہیں۔ بلکہ نیکی اور صداقت سے۔ ہر چند میں بولنے میں رُکتا تھا۔ اور خاطر خواہ اپنا مافی الضمیر نہیں ادا کر سکتا تھا۔ پھر بھی میرے ہم وطنوں کے دلوں میں میری اتنی جگہ تھی کہ میری بات چل جاتی تھی۔ اور میرا مقصد پورا ہو جاتا تھا۔

(فرانک لن)

ورزش ڈیوک آف ولنگٹن جس نے نپولین جیسے بہادر بادشاہ کو شکست دی تھی ایک مرتبہ کسی کالج میں لڑکوں کو کھیلتے دیکھ کر کہنے لگا کہ نپولین سے واٹرلو کی لڑائی میں نے یہیں جیتی تھی۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

بیشک عقل والوں کے لیے ان لوگوں کے حالات میں (بڑی) عبرت ہے

تذکرۃ السلف

ہمارے اسلاف کی دُنیاوی جدوجہد

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝ الخ

اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اسکے اندر پہاڑ قائم کر دئے اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں تاکہ خدا کی طرف رجوع کرنیوالے بندے دیکھیں اور عبرت حاصل کریں +

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اُتارا۔ پھر اس سے ہم نے باغ اُگائے۔ اور کھیتی کا اناج اور بلند کھجوریں اُگائیں۔ جن کے گابھے گتھے ہوئے ہیں۔ (یہ تمام چیزیں) بندوں کے روزی دینے کے لیے (ہم نے پیدا کی ہیں) (ق ع ۱ پ ۲۶)

(حضرت آدم علیہ السلام کی جدوجہد)

دنیائے اسلام کو اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور بی بی حوا علیہما السلام کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرما کر ان کے رہنے سہنے اور ان کی سکونت کے لیے جنت جیسے عالی مقام کو مسکن ٹھیرایا تھا۔

يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ[1] (بقرہ ع ۴ پ ۱)

بہشت میں مطاعم لذیذہ۔ باغوں اور میووں کی کثرت نیز ہر قسم کی راحت و آسائش کے اسباب مہیا تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو نہ بھوک ہی ستا سکتی تھی نہ برہنگی بدن کا کچھ کھٹکا تھا نہ دھوپ کی تیزی و تپش ہی کچھ تکلیف دہ تھی۔ نہ پیاس کی شدت۔ الغرض بہشت میں حضرت آدمؑ کے لیے ہر قسم کا آرام حاصل تھا ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا

اے آدم بہشت میں نہ تم بھوکے رہتے ہو اور نہ ننگے اور نہ پیاس ہی تم کو ستاتی ہو

وَلَا تَضْحَىٰ (طٰہٰ ع ۷ پ ۱۶)

اور نہ دھوپ ہی میں رہتے ہو +

لیکن اسکے ساتھ ہی خدائے قادر مطلق رب الارض والسمٰوٰت نے بتقاضائے جلال و جبروت نیز بحیثیت آقا و مالک کے اپنے محکوم آدمؑ کو تنبیہ و ہدایت فرما دی تھی۔ اور کہہ دیا تھا کہ اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی جہاں بھی چاہے وہاں رہو۔ جو بھی چاہے وہ کھاؤ پیو۔ اور ہمارے حکم کی تعمیل بجا لاتے رہو۔ صرف ایک خاص درخت کو ہاتھ نہ لگانا۔

وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ[2] ۝ (بقرہ ع ۴ پ ۱)

(نائب الارض)

جسوقت اشرف المخلوقات انسان کے جد امجد حضرۃ آدم علیہ السلام کو خلیفۃ الارض زمین کے نائب مقرر کرنے کی بابت فرشتوں سے ان الفاظ میں تذکرہ آیا کہ

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرہ ع ۴ پ ۱)

(میں زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں)

تو فرشتوں نے اس سے یہ سمجھا کہ جب انسان نائب الارض زمین کا خلیفہ مقرر ہو جائے گا۔ تو لامحالہ زمین کے مختلف عناصر سے بہرہ ور ہوگا۔ دنیاوی لذات اسکی سرشت اور اسکی جبلت میں مرکوز ہو جائیں گی۔ بدیں وجہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ جوش میں آئے گی۔ اور خلافت دنیا بت سے جو فوائد مد نظر ہیں وہ سب مفقود ہو جائیں گے۔ اس بنا پر یا اور کسی وجہ سے تمام فرشتوں نے یکزبان ہو کر انسان کی تعظیم و تکریم اور اسکی تشریف و خلافت کے خلاف باری تعالیٰ عز اسمہ سے ان الفاظ میں درخواست کی:۔

قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقرہ ع ۴ پ ۱)

فرشتوں نے کہا کہ زمین میں تو ایسے شخص کو نائب مقرر کرتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم ہر وقت تیری تسبیح و تحمید (تیری پاکی اور تیری تعریف بیان) کرتے ہیں

---

[1] اے آدم تم اور تمہاری بیوی دونو جنت میں رہو سہو ۱۲

[2] مگر اس (درخت) کے پاس نہ جانا۔ ورنہ تم ظالموں میں شمار ہوگے ۱۲

چونکہ اللہ تعالیٰ انسان کی صلاحیت۔ خلافت و نیابت کی اہلیت نیز اسکی خوبیوں اور بعض ان خصلتوں سے بخوبی واقف تھا۔ جو کہ اس میں بالقوہ فرشتوں سے بھی بڑھکر ہیں نیز فرشتوں کی تسبیح و تقدیس۔ اور ان کے خلافت کے لائق نہ ہونے کو بھی اللہ تعالےٰ جانتا تھا کیونکہ خلیفہ میں جب تک ہر طرح کی صلاحیت نہ ہو۔ وہ امور خلافت کو انجام ہی نہیں دے سکتا۔ اسلیے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی خلافت عطا فرماکر خلعت وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ[1] سے جملہ انسانوں کو مشرف فرمایا اور فرشتوں کو صاف لفظوں میں جواب دے دیا کہ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝[2]

(بقرہ ع ۴۔ پ ۱)

پس مندرجہ بالاآیات سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا۔ کہ آدم علیہ السلام کو خلیفۃ الارض بنانے سے اللہ تعالیٰ کی غرض و غایت کیا تھی۔ اگر آدم علیہ السلام کو زمین کا نائب مقرر کرنے سے محض اللہ تعالیٰ کو اپنی تسبیح و تقدیس کرانی منظور تھی۔ تو اس سے خدائے خالق کون و مکان کی شان کہیں اعلیٰ و ارفع ہے ؎

بری ز آتش از ہمت صد و جنس — غنی ملکش از طاعت جن و انس

اور اس عبادت کی خدمت کو فرشتے بخوبی انجام دے رہے تھے۔ اور یہی انکی غذا اور یہی عبادت۔ ان کیلیے مایۂ ناز اور باعث آرام و راحت ہے چنانچہ اشرف المخلوقات انسان کی خلافت کے خلاف سب سے قوی تر دلیل جو فرشتوں نے پیش کی تھی۔ وہ یہی تھی کہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ پھر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے انسان کو اشرف المخلوقات کا خلعت عطا فرمایا گیا ہے۔ وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے آدم کو خلیفۃ الارض بنا کر فرشتوں کو اسکے خلاف دلائل و حجج پیش کرنے کی ضرورت پڑی تھی۔ وہ چیز امانت خداوندی ہے۔ جس کا امین انسان ہے ہے ؎

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (الاحزاب ع ۹ پ ۲۲)	ہم نے (اپنی) امانت کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اسکے لینے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے (ہمارے حکم کی تعمیل بجالاتے ہوئے) اس امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا ہمیں شک نہیں کہ وہ بڑا ہی ظالم و جاہل ہے

امانت کی جو ذمہ داریاں تمام مخلوقات پر پیش کی گئی تھیں وہی انسان پر پیش کی گئیں۔ چونکہ انسان خداداد قوت ادراکیہ کی وجہ سے اتنی سمجھ رکھتا تھا کہ جو کچھ مجھ پر پیش کیا جارہا ہے۔ اگر چہ مجھ کو ان ذمہ داریوں کی انجام دہی میں بہت دقتوں

[1] ہم نے اولاد آدم کو بزرگی دی ۱۲ [2] بے شک میں ہی ان مصلحتوں کو بخوبی جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے ۱۲ تراب غفرلہٗ۔

تکلیفات و مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔ ظالم و جاہل بھی کہلاؤں گا۔ مگر چونکہ یہ چیز آقا کی طرف سے خدمت سپرد ہورہی ہے۔ اور مراتب عالیہ بجز آقا کی اطاعت کے حاصل نہیں ہوسکتے۔ نیز یہ کہ آقا اور اپنے حاکم کی حکم عدولی بھی گناہ عظیم ہے۔ اس لیے انسان نے اس امانت خداوندی کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اور تکلیفات و مصائب کی کچھ پرواہ نہ کی۔ کیونکہ ع جو کے رہتے سوا ہیں انکی سوا مشکل ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

پس امانت اور ذمہ داری کی جو چیزیں انسان کو سپرد ہوئیں اور خلافت کے متعلق جو قواعد و انتظامات بتلانے ضروری تھے۔ وہ اور ان کے نام سب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سکھا دئے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا[1]

پھر ان چیزوں کی اور ان کے اسماء کے متعلق فرشتوں سے سوال کیا۔ کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور اپنی دلائل کو قوی جانتے ہو تو ان چیزوں کے نام تو بتاؤ۔ اَنْۢبِــُٔوْنِيْ بِاَسْمَاۤءِ هٰٓؤُلَاۤءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝[2] (بقرہ ع ۴ پ ۱)

اسوقت تمام فرشتوں نے اپنے عجز کا اقرار کیا۔ اور سب نے یکزبان ہوکر عرض کیا۔ کہ اے رب ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا ہم کو بتلا دیا گیا ہے۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝[3]

(بقرہ ع ۴۔ پ ۱)

(شیطان کی سازش حضرت آدمؑ کے خلاف)

فرشتوں پر حجت قائم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بس اسی پر اکتفا فرمایا۔ اور اپنے نائب خلیفۃ الارض کے مراتب عالیہ بڑھانے کیلیے نیز نحن نسبح بحمدک و نقدس لک کی دلیل پیش کرنے کی پاداش میں فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب فرشتوں نے اپنے آقا اپنے رب العلیٰ کے فرمان کے موافق سر نیاز کو آدم جیسے مٹی کے پتلے کے سامنے رکھدیا۔ مگر شیطان نے فرمان خداوندی سے سرتابی کی۔ اور حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا فَسَجَدَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ[4] (ص۔ ع ۵۔ پ ۲۳)

اسوقت عتاب الٰہی کی کچھ انتہا نہ تھی۔ خوف خداوندی سے مخلوقات بارگاہ کانپ اٹھی تھی۔ ابلیس ملعون سے جواب طلب کیا گیا۔ کہ اے شریر النفس شیطان تجھ کو کس چیز نے ہمارے حکم کی نافرمانی پر برانگیختہ کیا۔ اور تجھ کو کس چیز نے اس امر سے منع کیا۔

[1] اور آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دئے ۱۲ [2] ان چیزوں کے نام تو بتاؤ اگر سچے ہو ۱۲ [3] فرشتوں نے کہا تیری پاک ذات ہے۔ اسکے سوا ہم کو کچھ علم نہیں۔ جتنا کہ تو نے ہم کو بتا دیا ہے۔ تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے ۱۲ [4] تمام فرشتوں نے سوا شیطان کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ۱۲ تراب غفرلہٗ۔

کہ میرے دست قدرت سے پیدا کئے ہوئے اشرف المخلوقات آدمؑ کو سجدہ نہ کیا۔ کیا تو خود کو ہمارے فرمان یا ہمارے برگزیدہ بندہ کے مقابلہ میں بڑا سمجھتا ہے۔

یَا اِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۝ (ص۔ ع ۵ پ ۲۳)	اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اسکو سجدہ کرنے سے تجھے کونسی چیز مانع ہوئی کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو دراصل بڑے لوگوں میں سے ہے

چونکہ شیطنت دل میں سمائی ہوئی تھی حسد کی آگ نے (بمقتضائے حدیث[1] اَلْحَسَدُ یَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ) شیطان کی تمام نیکیوں کو برباد کر ڈالا تھا بغض و عناد کی وجہ سے نیکی و نیک بختی کی صلاحیت ہی سلب ہو گئی تھی۔ اسلئے جواب بھی دیا۔ تو اسی شیخی اور تکبر و غرور سے بھرے ہوئے پر زور الفاظ میں یہ دیا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ[2] خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝

(ص۔ ع ۵۔ پ ۲۳)

اس جواب سننے کے بعد جلال و جبروت کے مالک و حاکم نے شیطان لعین کو قطعی و آخری فیصلہ سنایا۔ کہ اے ملعون و سرکش شیطان! تو ہمارے پاس سے دور ہو جا۔ تو ہماری درگاہ سے راندہ گیا۔ اور اسطرح قیامت تک ہماری طرف سے تجھ پر پھٹکار برستی رہے گی +

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ[3] وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

(ص۔ ع ۵۔ پ ۲۳)

اس عتاب ریز فیصلہ سننے کے بعد مردود شیطان سے یہ نہ ہوا۔ کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر لیتا۔ اپنے آقا و مالک الرقاب سے نافرمانی و عدول حکمی کی وجہ کیسے معافی چاہتا۔ اپنے گناہ سے توبہ کرتا بلکہ حسد و بغض کی وجہ سے آدمؑ کے خلاف باری تعالیٰ عز اسمہٗ سے یہ درخواست کی کہ اے پروردگار! قیامت تک مجھ کو مہلت عطا فرما۔

رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔	اے رب اس دن تک کی مجھکو مہلت دے جبدن سب اٹھائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اسکی درخواست کے جواب میں فرمایا۔ جا ہم تجھ کو قیامت تک کی مہلت دیتے ہیں +

---

[1] حدیث حسد نیکیوں کو اسطرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے ۱۲

[2] میں اس سے کہیں بہتر ہوں کیونکہ مجھ کو تو نے آگ سے بنایا۔ اور اسکو تو نے مٹی سے بنایا ۱۲

[3] تو یہاں سے نکل جا۔ تو راندہ گیا۔ اور قیامت تک تجھ پر ہماری پھٹکار برستی رہے گی ۱۲

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۔	اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے اس دن تک مہلت ہے

اسوقت پھر کم بخت بنی نوع انسان مسلمانوں کے دشمن شیطان نے اپنے غضب و غصہ حسد و بغض کا ان الفاظ میں اظہار کیا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (ص۔ ع ۵ پ ۲۳)	مجھے بھی تیری عزت کی قسم ہے کہ میں تیرے خاص بندوں کے سوا باقی (بنی آدمؑ) کو گمراہ ہی کر کے رہوں گا۔

پس سب سے پہلی سازش شیطان لعین نے حضرت آدمؑ اور حضرت بی بی حوا علیہا السلام کے مراتب عالیہ چھین نے اور ان کے اغوا کی یہ کی۔ کہ ان کے پاس ناصح اور خیر خواہ کی صورت میں آیا۔ اور کہا۔ کہ جناب! اس تعظیم و تکریم پر آپ فریفتہ نہ ہونا جنت میں رہنے کی وجہ سے دھوکے میں نہ آنا یہ تمہیں معلوم نہیں کہ انجام کار تمہارا موت ہے۔

حضرت آدم نے پوچھا موت کیا شے ہے۔ شیطان نے مردہ جانور کی صورت بنا کر خود کو ان کے سامنے ڈال دیا۔ اور وہ حرکات جو قریب المرگ کو پیش آتی ہیں مثلاً نزع کی حالت میں سانس لینا غرغر کرنا ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیا۔ اس حالت سے حضرت آدمؑ اور بی بی حواؑ پر بے حد خوف و ہراس طاری ہوا۔ اور پوچھا کہ سکرات الموت سے بچنے کی کوئی تدبیر ہے؟ کہ جس سے ہم اس تکلیف و مصیبت سے نجات پا جائیں +

اسوقت شیطان نے کہا۔ کہ ہاں صرف ایک تدبیر ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ میں تمہیں ایک ایسا درخت بتلاتا ہوں۔ کہ اگر تم نے اسکا ذرا سا بھی پھل کھا لیا۔ تو پھر تم کبھی نہیں مرو گے اور تم کو ہمیشہ کی زندگی۔ اور لازوال بادشاہت حاصل ہو جائے گی۔

قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى (طٰہٰ ع ۷۔ پ ۱۶)	شیطان نے کہا کہ اے آدم! کیا میں تم کو ہمیشگی کا درخت بتلا دوں اور ایسی سلطنت جو کبھی پرانی (یعنی زوال پذیر) نہ ہو۔ (بتلا دوں)

آدمؑ نے کہا۔ کہ وہ کونسا ایسا درخت ہے۔ شیطان نے ممنوع درخت کے پاس حضرت آدمؑ اور بی بی حوا کو لے جا کر کھڑا کیا۔ اور کہا یہ ہے۔

دیکھتے کے ساتھ ہی حضرت آدمؑ اور بی بی حوا نے کہا کہ نہیں! یہ تو وہی پیڑ ہے اسکو اگر ہم کھا لیں گے۔ تو ہمارے انعامات اکرامات اور ہمارا ملک سب کچھ ہم سے چھین جائیگا خدا کے حکم کی نافرمانی ہوگی۔ خدا کی رحمت اور اسکی جناب سے دور ہو جائیں گے ہمیں ذلت و رسوائی نصیب ہوگی یہ تو وہی درخت ہے جسکے پاس تک جانے سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو روک دیا ہے کیا اس کا پھل کھانا؟

اگر اس درخت میں منافع ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ ہم کو ہرگز منع نہ فرماتا۔ اور منع کرنے کے

کھاتا تو ورکنار، ہم تو اسکو ہاتھ تک نہ لگائیں گے۔

جب شیطان نے دیکھا کہ یہ چال تو بار آور ہوتی نظر نہیں آتی، تو پھر حضرت آدمؑ اور بیوی حواؑ کو دوسری طرح سے فریب میں لانا چاہا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اِس درخت کے پھل کھانے سے اسوجہ سے نہیں روکا۔ کہ مبادا تم کو کچھ ضرر پہونچے یا اس کے کھانے سے تم کو ذلت و رسوائی نصیب ہو۔ بلکہ خدا کا مقصود اِس ممانعت سے بس اتنا ہی ہے کہ کہیں تم اس درخت کے پھل کھانے سے فرشتے نہ بن جاؤ، اور تم کو ہمیشگی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔ کیونکہ جب تم فرشتے بن جاؤ گے۔ اور تم کو ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جائے گی۔ تو پھر خدا تعالیٰ تم کو نائب بنا کر زمین پر نہیں بھیجیگا اور اسطرح زمین کی خلافت اور اسکے باشقت امور کی انجام دہی سے تم بچ جاؤگے اور جنت میں بیٹھے ہوئے آرام سے خدا کی عبادت کرتے رہوگے، جو عین رضا جوئی مولا ہے۔

وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ اعراف ع ۳ پ ۸	اور شیطان نے ان دونوں سے کہا۔ کہ تمہارے پروردگار نے جو اس درخت کے پھل کھانے سے تمکو منع کیا ہے۔ تو اسکا سبب یہی ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ۔ یا تمکو ہمیشہ کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔

حضرت آدم اور بی بی حوا شیطان کی اِس تقریر سے تردد و شک میں پڑ گئے اسوقت شیطان لعین نے قسمیں کھائیں۔ اور کہا واللہ یہ سب کچھ محض تمہاری خیر خواہی کی وجہ سے تمہیں بتلا رہا ہوں۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ | اور دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ بیشک میں تمہارا خیر خواہ ہوں

تم جانتے ہو کہ میرا اس میں ذاتی فائدہ تو ہے ہی نہیں۔ میں تو صرف اسوجہ سے تم سے مشفقانہ طور پر یہ بات عرض کئے دیتا ہوں کہ چونکہ میں نے تم کو سجدہ نہیں کیا۔ اور یہ مجھ سے تمہاری بے ادبی ہوئی ہے۔ اب میں تمہارے ساتھ خیر خواہی کر کے تمکو فائدہ پہونچانا چاہتا ہوں اور اسطرح اپنی بے ادبی کے دھبے کو دھونا چاہتا ہوں۔ لو اب تم جانو اور تمہارا کام میں تو پھر تم سے یہی کہوں گا کہ اگر تم نے اس درخت کے پھل کو چکھ بھی لیا۔ تو تم میرے مدت العمر شکر گزار رہو گے۔

چونکہ حضرت آدم سیدھے سادے سچے مسلمان تھے۔ جنتی بندے تھے وَاَكْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ بُلْهٌ۔

حضرت آدم علیہ السلام نے شریر النفس ملعون و سرکش شیطان کی قسم کو اسوجہ سے سچا سمجھا کہ مخلوقاتِ باریتعالیٰ میں سے کسی کو یہ یارا اور یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق کی جھوٹی قسم کھا سکے۔ اور اسطرح شیطان لعین نے حضرت آدمؑ اور بی بی حواؑ کو فریب دے دیا کا دیگر گیہوں کے ممنوع درخت کو کھلا دیا۔ کھانے کے ساتھ ہی انسانی لوازمات پیدا ہو گئے۔

اِسوقت حضرت آدم اور بی بی حوا کا جو بے کسی کا عالم تھا۔ وہ حد تحریر سے باہر ہے مطاعم لذیذہ جنت کے میووں سے محروم ہونے کے علاوہ جنت کا لباس بھی چھن گیا تھا۔ ستر پوشی کے لیے بھی کپڑا نہ ملتا تھا۔ درختوں کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو چھپاتے تھے۔

فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ (اعراف۔ ع ۲۔ پ ۸)	دھوکے سے انکو (ممنوع درخت کی طرف) مائل لیا جونہی ان دونوں نے درخت کے پھل کو چکھا تو انکے عیب (یعنی پردے کی چیزیں) ان پر ظاہر ہو گئیں تو وہ بہشت کے پتوں سے انکو چھپانے لگے۔

اِسوقت عالم ملکوت خوف خداوندی سے بید کی طرح تھر تھر لرزرہا تھا۔ ہر طرف بیخودی کا عالم تھا ایک سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ پروردگار عالم کی جانب سے عتاب آمیز ندا آئی۔ کہ اے نافرمان آدم! کیا ہم نے تجھے پہلے نہیں جتلا دیا تھا۔ اور کیا ہم نے تم کو منع نہیں کر دیا تھا۔ کہ اس درخت کے پاس نہ جانا۔ اور کیا ہم نے تم سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا بہت بڑا دشمن ہے۔ آدم! تو نے یہ ہماری بہت بڑی نافرمانی کی ہے۔

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (اعراف ع ۲ پ ۸)	اور ان کے رب نے انکو للکارا۔ کہ کیا ہم نے تم کو اِس درخت کے پاس جانے کی ممانعت نہیں کی تھی اور کیا تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے

اسوقت آدمؑ نافرمانی کے گناہ عظیم کی کثافت کو اپنی آنکھوں کے چشمے سے دھو رہے تھے۔ بیحد زاری اور نہایت الحاح کے ساتھ اپنے خالق اکبر سے التجا کر رہے تھے۔ کہ اے میرے مولیٰ!۔ اے میرے آقا! بیشک ہم سے بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے۔ اور ہم نے خود اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیا ہے لیکن اگر اب تو اپنے عاجز و ناتواں بندے کی نافرمانی اور اسکے عصیاں اور اسکی لغزشوں سے در گزر نہ فرمائے گا۔ تو تیری جناب کے سوا۔ اسکا ٹھکانا کہاں ہے؟

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ [1]

کہ بیگفت با حق بزاری بسے | سیفگن کہ دستم بگیرد کسے
ببلغم بخواں یا براں از درم | ندارد بجز آستانت سرم
تو دانی کہ مسکین و بیچارہ ایم | فرو ماندہ بالنفس امّارہ ایم

[1] ان دونوں نے کہا۔ کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے تئیں آپ تباہ کیا۔ اگر تو ہم کو نہیں بخشیگا۔ اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا۔ تو ہم نامراد ہو جائیں گے ۱۲ نواب عفرلہٗ

(آدم علیہ السلام کا دنیا میں آنا)

آدم علیہ السلام کی الحاح وزاری اور گڑگڑاہٹ اور سچی واقعی توبہ کی وجہ سے رحمت باری جوش میں آئی۔ اور اپنے ید قدرت سے پیدا کئے ہوئے بندے پر رحم آیا۔ حکم ہوا کہ اے آدمؑ تم اور حواؑ اور شیطان تینوں کے تینوں بہشت سے زمین پر چلے جاؤ۔ اور پھر یاد رکھو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس سے غافل نہ رہنا۔ ایک بار تم کو عداوت و دشمنی کا ثمرہ چکھا چکا ہے۔ تم اسکو اور اسکی ذریات و اولاد کو ہمیشہ دشمن سمجھتے رہو۔ مبادا اب پھر کبھی دنیا میں بھی تم کو یا تمہاری اولاد کو یہ شیطان یا شیطان کے بچے یا اخوان الشیاطین فریب و دھوکا نہ دیں۔

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۚ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف ع ۲ پ ۸)	اے بنی آدم! تم کو شیطان نہ بہکائے جیسا (کہ بہکا کر) تمہارے والدین (آدمؑ و حواؑ) کو بہشت سے نکال چکا ہے اور انکے کپڑے اتروا چکا ہے۔ تاکہ ان کے عیب انکو دکھائے وہ اور اسکی قوم تمکو اسطرح دیکھ رہی ہے کہ تم انکو نہیں دیکھ سکتے۔ بیشک ہمنے تو شیطانوں کو ان لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے۔ جو ایمان نہیں لاتے ۔

اور اب تمہاری زندگی کے جملہ لوازمات۔ کسب معاش کے تمام سامان و ذرائع ہمارے حکم سے زمین ہی سے پیدا ہو جایا کرینگے۔ اور زمین ہی تمہارے کھانے پینے رہنے سہنے کی جگہ ہے

وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝	اور وقت معین تک تم کو زمین میں رہنا اور زندگی کے ساز و سامان پیدا کرنا ہے

(باقی آئندہ)

عبد التواب (مولوی فاضل) اندہتک

عیدِ فاروقی

حضرت عمرؓ خلیفۂ ثانیٔ مصطفےٰ ۔۔۔ مقبول بارگاہ خداوند ذی الاکرام
نہرے تھے جنکے قیصر و کسریٰ کے آب ۔۔۔ تھراتے جن کے رعب سے روم تا بہ شام
عالم یہ تھا انہیں کے خضوع و خشوع کا ۔۔۔ خوف خدا سے آنکھیں تھیں گوہر فشاں مدام
در بند کر کے روتے رہے گھر میں صبح تک ۔۔۔ سن لی خبر جو عید کے رویت کی وقت شام
حضرت ابوہریرہؓ نے در پر یہ دی صدا ۔۔۔ خلوت سے اب نکلئے کہ حاضر ہیں خاص و عام
روتے ہیں آپ کیوں کہ مسرت کا دن ہے آج ۔۔۔ ہے فرحت و سرور کا یا غم کا یہ مقام
فرمایا خوش اگر ہیں رہیں خوش وہ روز دار ۔۔۔ روزے کے فیض سے جو ہوئے فائز المرام
مجکو خبر نہیں کہ یہ روزے ہوئے قبول ۔۔۔ یا فاقے ہی میں سارا مہینہ ہوا تمام
مقبول جو ہیں فرح و سرور انکا ہے بجا ۔۔۔ محروم فضل جو ہیں اُنہیں کیا خوشی سے کام

صدقے میں ان بزرگوں کے ہو مغفرت شفق
ہیں سب نماز روزے ہمارے برائے نام

(نظم مسطور ذیل کی روایت کا گویا ترجمہ ہے)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَوْمَ الْعِيْدِ وَقَدْ اَغْلَقَ الْبَابَ عَلٰى نَفْسِهٖ وَهُوَ يَبْكِىْ فَقُلْتُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتَبْكِىْ وَالنَّاسُ فِىْ فَرَحٍ فَقَالَ لَوْ عَلِمَ الْفَرِحُوْنَ مَا فَرِحُوْا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِىْ وَيَقُوْلُ اِنْ كَانُوْا مِنَ الْمَقْبُوْلِيْنَ فَلْيَفْرَحُوْا وَاِنْ كَانُوْا مِنَ الْمَطْرُوْدِيْنَ فَلْيَبْكُوْا فَاِنِّىْ لَا اَدْرِىْ اَنَا مِنَ الْمَقْبُوْلِيْنَ اَمْ مِنَ الْمَطْرُوْدِيْنَ ۝

شفق (عمادپوری)

بزرگانِ دین کے اقوال مفیدہ

حضرت امیر المومنین ابابکر صدیق رضؓ جب کسی جنازہ کی نماز پڑھا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی اپنے اس بندہ کو جسے اسکے اہل و عیال نے تیرے سپرد کیا ہے بخشدے اور اسکے بار گناہ کو کم کردے۔ کیا اچھی دعا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے بھائیوں کے واسطے مغفرت چاہے۔

حضرت ابابکر صدیق رضؓ کی خدمت میں چند یمنی حاضر ہوئے اور قرآن پاک سُن کر بہت روئے۔ حضرت نے فرمایا پہلے ہمارا بھی یہی حال تھا۔ مگر بعد میں دل سخت ہو گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابابکر رضؓ کو دیکھا کہ اپنی زبان پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اسی نے مجھے مصیبت میں پھنسایا ہے۔ واقعی زبان بھی ایسی چیز ہے جو ہر مصیبت میں مبتلا کرتی ہے۔ ہر شخص کو سوچ سمجھ کر گفتگو کرنی چاہیئے۔ ورنہ جب ایسے جلیل القدر بزرگ اِس سے نالاں تھے تو ہم کس شمار میں ہیں ۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں

علم و ادب

کرشمۂ قدرت

میں اُن چند ضروری باتوں کی بابت لکھنا چاہتا ہوں جن کو ہم روزمرہ دیکھتے ہیں۔ مگر اُن کے اسباب یا تو سرے سے ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ یا بعض حالتوں میں سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ یا وہی اسباب دل میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو غیر تعلیم یافتہ ماؤں۔ اور جاہل مطلق دایاؤں نے بچپن میں کان میں ڈال دئے تھے اسلئے گھروں میں بیٹھنے والی خاتونیں اور چھوٹے بچے ہی ان اسباب سے ناواقف نہیں ہوتے بلکہ خاصے پڑھے لکھے باہر کے پھرنے والے مرد بھی بے بہرہ ہوتے ہیں کسی تعلیم یافتہ قوم کا ایک ایک بچہ ہمارے ہاں کے سن رسیدہ بزرگوں کو حیرت میں ڈال سکتا ہے۔ اور اصل میں دیکھئے تو وہ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک پانچ چھ برس کا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے ✦

سائنس و مذہب اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معلوم نہیں کن بزرگوں کی مہربانی سے مسلمانوں میں یہ خیال عام طور سے پھیل گیا تھا کہ سائنس (علم طبیعی) مذہب کے خلاف ہے اور اِس سے آدمی کافر اور بے ایمان ہوجاتا ہے۔ اسلئے اسکی طرف متوجہ ہونا بھی سخت گناہ ہے اور جس سے بغیر عذاب دوزخ کے چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ خدا جانے ان لوگوں نے سائنس کے کیا معنی لیئے ہیں۔ اور اسکو ہوّا کیوں سمجھ رکھا ہے۔ سائنس کے تو اصلی معنی علم کے ہیں۔ خصوصًا اِس علم کے جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی کچھ واقفیت ہوجائے۔ اِس واقفیت سے خدا کی عظمت وشان کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا ایک عجیب حکمت والا ہے۔ دنیا کی چیزوں پر غور کرنے کا ذکر خود قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے دنیا کی چیزوں کو تمہارے قبضے میں کر دیا ہے ✦

علم خدا کے جاننے کا ذریعہ ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں ہمارے قبضہ میں نہیں ہیں تو پھر کیا معنی ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے قانون مقرر کردیے ہیں جن کے موافق تمام چیزیں ہمیشہ عمل کرتی ہیں۔ اور وہ قانون انسانی زندگی کے لیئے ضروری ہیں کہ ان کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ تو گویا یہ تمام چیزیں انسان ہی کے لیئے ہوئیں۔ اور جب خاص انسانی زندگی کے لیئے پیدا کی گئی ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان کے تابع فرمان ہیں۔ اب اگر ان قانونوں پر غور نہ کیا جائے اور یہ نہ معلوم کیا جائے کہ کس حکمت سے وہ قانون ہماری زندگی کے لیئے بنائے گئے ہیں تو خدا کے ایک بہت بڑے احسان اور اپنی زندگی کے ایک بہت بڑے جزو سے ہم بیخبر رہجائیں گے۔ سچ ہے کہ بے علم نتوان خدا را شناخت۔ یعنی بے علم آدمی خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ اب میں ان میں سے چند چیزوں کو لیتا ہوں۔ اور سب سے پہلے ہوا کو لیتا ہوں جو انسان اور حیوان کے لیئے ایسی ضروری ہے کہ اگر چند لمحے نہ ملے تو جاندار زندہ نہیں رہ سکتا ✦

ہوا کی نسبت بچپن کا گمان ہوا کی عام خاصیتیں تو اکثر لوگوں کو معلوم ہیں۔ مگر یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ کہ ہوا چلتی کیونکر ہے۔ بچپن میں جب پتنگ اڑانے کا شوق تھا۔ اور ہوا کی تیزی کے سبب اڑانے کا موقع نہ ملتا تو یہ سوچا کرتا تھا کہ ہوا درختوں کے سبب چلا کرتی ہے اگر آس پاس کے تمام درخت کٹوا دیے جائیں تو کیسا اچھا ہو۔ پھر تو ہوا چلے گی نہیں۔ اور ہر وقت پتنگ اڑانے کا موقع ملجایا کریگا بعض پرانے خیالات کے لوگوں کا یہ خیال تھا۔ کہ ہوا پہاڑ کے ایک کھوہ میں بند رہتی ہے جب وقت اللہ میاں کو ہوا چلانی منظور ہوتی ہے تو ایک فرشتے کو حکم دیتا ہے وہ جاکر اِس کھوہ کا منہ کھولدیتا ہے۔ تو دنیا میں آندھی چلنے لگتی ہے۔ اور جب وقت بند کرنے کا حکم ہوتا ہے فورًا بند کردیتا ہے۔ اور ہوا رک جاتی ہے۔ غرض اسی طرح کے بہت سے خیالات لوگوں میں مروج تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن کا اثر اب بھی کچھ نہ کچھ پایا جاتا ہے ✦

ہوا کا چلنا ہوا کے چلنے کا سبب ایک نہایت آسان طریقے سے سمجھ میں آ جائیگا ایک دیگچی میں تھوڑا سا پانی بھر کر چولہے پر رکھ دو۔ کچھ دیر رکھا رہنے کے بعد پانی دیگچی میں بالکل ٹھہر جائے گا۔ اب اسکے نیچے آگ جلا دو۔ پانی میں حرکت شروع ہوگی اور یہ حرکت اور زیادہ ہوتی جائے گی۔ نیچے کا پانی اوپر اور اوپر کا پانی نیچے ہوتا ہوا نظر آئے گا۔ اور پانی اُبلکر یعنی پھیلکر تمام دیگچی میں بھر جائے گا۔ یہ بھی دیکھنے میں آئے گا کہ پہلے نیچے کا پانی گرم ہوکر اوپر چڑھتا ہوا معلوم ہوگا اور اوپر کا پانی نیچے کی طرف آجائیگا۔ اور وہ بھی گرم ہوکر اوپر کی طرف جائیگا۔ معلوم ہوا کہ گرم ہوکر پانی اوپر کو چڑھتا ہے اور اوپر کا پانی جو کم گرم ہے نیچے آجاتا ہے۔ اور یہ ہم جانتے ہیں کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز کے اوپر نہیں جا سکتی اور نہ وہاں ٹھہر سکتی ہے۔ جب تک کہ پہلی چیز دوسری چیز سے ہلکی نہ ہو جیسے ایک لکڑی کا ٹکڑا پانی پر تیرتا رہتا ہے۔ اور اگر اسکو پانی کی سطح سے نیچے بھی چھوڑا جائے تب بھی وہ اوپر ہی آ جائے گا۔ بخلاف اسکے پتھر کا ٹکڑا ہمیشہ ڈوب جائیگا وجہ یہ ہے کہ لکڑی پانی سے ہلکی ہے اور پتھر بھاری ہے۔ اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ گرمی سے پانی پھیلتا ہے دوسرے پھیل جانے کے باعث ہلکا ہو جاتا ہے تیسرے ہلکا ہونے کے سبب اوپر چڑھتا ہے۔ پانی میں جو دیگچی کے اندر آگ پر رکھا ہوا ہے۔ یہ تلاطم کیوں ہوا۔ اور یہ حرکت کیوں پیدا ہوئی۔ صرف آگ کی وجہ سے بعینہ یہی حال ہوا کا ہے۔

بعض جگہ سورج کی گرمی زیادہ ہوتی ہے اور بعض جگہ کم۔ جہاں کہیں زیادہ ہوتی ہے وہاں کی زمین گرم ہو جاتی ہے۔ اور اسکے آس پاس کی ہوا بھی اسکے ساتھ گرم ہوتی ہے جب ہوا گرم ہوگی تو پھیلے گی۔ اور جب پھیلے گی تو ہلکی ہو جائے گی اور جب ہلکی ہوگی تو اوپر کی طرف چڑھے گی۔ جس وقت نیچے کی ہوا اوپر جائے گی تو اوپر کی ہوا جو کم گرم ہے اور نیچے کی ہوا کی نسبت زیادہ بھاری ہے۔ نیچے آجائے گی یہی اُلٹ پھیر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس حصہ ملک کی ہوا تمام گرم ہو جاتی ہے۔ وہ ہوا اوپر پہونچتی ہے تو آس پاس کے حصوں سے ہوا اس پہلے حصہ میں آنی شروع ہوتی ہے۔ اور پہلے حصہ کی ہوا اور حصوں میں چلی جاتی ہے۔ اس طرح سے ہوا میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکو ہوا کا چلنا کہتے ہیں۔

آندھی جب گرمی بہت زیادہ پڑتی ہے تو ہوا کی حرکت بھی بہت تیز ہوتی ہے اسکو آندھی کہتے ہیں گرمیوں میں آندھی کے ساتھ ریت بھی ہوتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہوا کسی ایسے حصے سے آئی ہے جو بہت ریتیلا ہے۔ ہندوستان میں ریتیلا حصہ کونسا ہے وہ راجپوتانہ جیسا بیکانیر۔ اور مارواڑ ہے وہاں پانی کم ہونے کی وجہ سے گرمی زیادہ پڑتی ہے اسلئے پہلے ہوا کا چلنا وہیں سے شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ وہیں کی ہوا بہت گرم ہوگی۔ اور وہ اوپر چڑھے گی اور پھر اور حصوں میں پھیل جائے گی۔ اسی سے ہماری طرف آندھی آتی ہے

آندھی کا فائدہ آندھی سے اگرچہ تکلیف تو ہوتی ہے مگر یہ بھی خالی از فائدہ نہیں چیزوں کے گلنے سڑنے سے جو خراب ہو جاتی ہے۔ اسکو آندھی اڑا کر لیجاتی ہے اور غلیظ ہوا کے بجائے صاف ہوا پھیل جاتی ہے۔ آندھی کے بعد ہوا نہایت ہلکی اور خوشگوار ہو جاتی ہے

باقی　　(سید صغیر علی۔ بی۔ اے۔)　　آئندہ

سنگم کی سیر

کشتی عمر رواں سوئے جمنا ہو رواں — نگہ شوق دکھا پھر مجھے سنگم کا سمان

وہ شفیق[1] آتے ہیں مانند نسیم سحری — زاہد[2] خستہ ہے بلبل کی طرح نغمہ خوان

یاد آتا ہے بہت نغمۂ جاں بخش ممتید[3] — وہ نشانہ ترا احسن کہ قضا کا فرمان

لو وہ سنگم نظر آتا ہے عجب رنگ سے واہ — چاک گنگا کا گریباں ہے جمن کا دامان

نیلگوں رنگ جمن۔ اگری رنگ گنگا — دو بیاں حسن کی شاید ہیں تہ آب نہان

ملتے جلتے بھی ہیں اور ملنے سے انکار بھی ہے — وصل میں فصل کی اک صورت دلکش ہے عیان

گرچہ ہیں دست و بغل پھر بھی کنارا ہے مگر — دل میں بیٹھے ہیں نکلتے نہیں پر ارمان

واہ کیا عالم برزخ کا کھنچا ہے نقشہ — آیہ یلتقیان[4] کیوں نہ ہویاں ورد زبان

اپنی ہستی کو مٹا دیتے ہیں سچے عاشق — ملکے گنگا سے جمن ہو گئے بے نام و نشان

دل مضطر تری بیتابیاں اب سے بڑھی ہیں — سیکھ اس راہ میں جمنا سے ذرا ضبط فغان

نابرو جمن و نواب و شفیق آؤ ادھر — تاکہ منجدھار میں ہے ہمت مردان یاران

ڈگمگاتی ہے بہت کشتی ایام شباب — ناخدا سست ہے فتنوں کا ہے اٹھا طوفان

گھنیٹے لڑتا ہے حسینوں سے تو لڑوا لو اچھا — ہاں مگر تر کسی صورت نہ ہوا اپنا دامان

شوق سے جلوۂ قدرت کا تماشا دیکھو — لیکن اس راہ میں ہونا نہ کہیں سرگردان

مثل آئینہ رہے صاف دل اپنا ہردم — گرچہ ہوں جلوہ فگن سینکڑوں تمثال بتان

پارسائی کا تجھے شیخ جو دعوےٰ ہو تو ہو — ہم تو انسان ہیں ہر دم ہے خطا وار انسان

سر کے بل چلتے ہیں ہم گنگ و جمن کی مانند — سیل کی طرح رواں خاک بسر نالہ کنان

زندگی جسم کا اور جان کا ہے سنگم نواب

دیکھ لے دیدۂ باطن سے یہ پرلطف سمان

(نواب علی۔ ایم۔ اے)

[1] اور [2] اور [3] دوم نام احباب [4] مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

سچ کو جھوٹ کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو اور جان بوجھکر حق بات کو نہ چھپاؤ

تنقید و تقریظ

اَخْبَارَات وَرَسَائِل

الحاذق عقل روح اور جسم ان تینوں کا آپس میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک کے انحطاط و تنزل سے باقی دو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور خصوصاً جسمانی انحطاط کا اثر عقل و روح پر نہایت ہی مضر پڑتا ہے پس ہی خواہان قوم کا فرض ہے کہ وہ قوم کی جسمانی ترقی و اصلاح میں بھی ویسے ہی سرگرمی سے کوشش کریں۔ جیسی کہ وہ اسکی ذہنی اور اخلاقی ترقی میں کرتے ہیں بلکہ افراد قوم کی تندرستی قایم رکھنے کی ضرورت کو ضروریات پر مقدم سمجھیں۔

اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے شہر بریلی سے ایک ماہوار رسالہ "الحاذق" جناب مولوی حکیم سید فرید احمد صاحب عباسی کی ایڈیٹری میں جاری ہوا ہے جو مفید اور دلچسپ طبی معلومات کا مخزن ہے۔ اور جسکے بعض مقاصد نہایت مفید اور ضروری ہیں۔ اسوقت تک الحاذق کے دو نمبر ہماری نظر سے گزرے ہیں جن کے مطالعہ سے ہم بہت محظوظ ہوئے ہیں۔ مضامین اور لکھائی چھپائی کے اعتبار سے دوسرا نمبر پہلے نمبر سے بہتر ہے۔ اور چونکہ یہ رسالہ ایسے قابل اصحاب کے ہاتھوں میں ہے جو طبی خدمات کے اہل اور اس کام کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسلیئے امید ہے کہ یہ رسالہ بہت جلد ترقی کر جائے گا۔ اور قوم کو کچھ نفع پہنچا سکیگا۔ فن طب کے متعلق جو علمی اور عملی مضامین الحاذق کے دو نمبروں میں نکلے ہیں ان کے حسن و قبح پر ہم کوئی رائے زنی نہیں کرسکتے کیونکہ اس کوچہ سے نابلد ہیں۔ البتہ جو عام فہم مضامین حفظان صحت وغیرہ کے متعلق شائع ہوئے ہیں۔ ان کی نسبت ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دلچسپ بھی ہیں اور مفید بھی۔ خوش قسمتی سے الحاذق کو شروع ہی سے ایسے لکھنے والے مل گئے ہیں۔ جو اپنے زور قلم اور تبحر علمی سے مفید مضامین کو دلچسپ اور دلچسپ کو مفید بنانا جانتے ہیں۔ اللّٰھمّ زد فزد۔

اگر ہماری رائے کی طبی دنیا میں کوئی وقعت ہوسکتی ہے تو ہم یہ مشورہ دیں گے کہ جہاں "الحاذق" میں امراض کے مجرب علاج، طبی مسائل کی تحقیق و تنقیح، علمی مباحث اور اصول حفظان صحت پر مضامین پسندیدہ درج کئے جاتے ہیں وہاں اگر ایک مضمون ایسا بھی ہو جایا کرے کہ جسکا مطالعہ بے پروا اور بے احتیاط اشخاص کے یہ ذہن نشین کر دے کہ صحت کا قایم رکھنا نہ صرف صحت کی غرض سے بلکہ اخلاقی، تمدنی، اور سیاسی لحاظ سے بھی نہایت ضروری ہے۔ تو غالباً الحاذق قوم کے حق میں اور زیادہ مفید ثابت ہوسکے گا۔ اور اُس سے براہ راست بھی قوم متنفع ہوسکے گی۔ ہم الحاذق کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور دل سے اسکی ترقی کے خواہاں ہیں۔ الحاذق کے جائنٹ ایڈیٹر جناب حکیم سید مقصود احمد صاحب عباسی ہیں۔ اور غالباً رسالہ کی ترتیب و تالیف کا حسن آپ ہی کی قابلیت اور طبی ذوق کا نتیجہ ہے۔ الحاذق کے سالانہ قیمت معہ محصول عام شائقین سے ۲ اور روسا۔ سے صہ روپے مقرر ہے جو بہت مناسب ہے نمونہ کیلئے "مینیجر صاحب رسالہ الحاذق گلی نوابان بریلی" کو لکھیے ✦

القمر یہ علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی اور ادبی رسالہ جناب مولوی عبدالعزیز صاحب جنید ی کی ایڈیٹری میں غالباً چھ یا سات مہینے سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس مقتدر رسالہ کے ابتک جس قدر نمبر شائع ہوئے ہیں۔ افسوس کہ بوجہ عدیم الفرصتی کے ہمیں بالاستیعاب ان کے مطالعہ کا موقعہ نہیں ملا ورنہ ہم اپنی رائے شاید زیادہ مفصل پیش کرسکتے۔ شائع شدہ پرچوں کو سرسری طور پر دیکھنے کے بعد ہمنے یہ رائے قایم کی ہے کہ بحیثیت مجموعی "القمر" اچھا رسالہ ہے اور مسلمانوں کے لیئے مفید ہے۔ اگرچہ اسکی رفتار سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کس معین مقصد کی طرف جا رہا ہے۔ حالانکہ اسکے معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔ القمر کو بعض مقتدر علما کی سرپرستی کے علاوہ اردو کے مشہور انشا پردازوں سے قلمی اعانت حاصل کرنے میں بھی کامیابی ہوئی ہے اور اسکے قلمی معاونین کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے۔ القمر کی لکھائی چھپائی اسوۂ حسنہ سے بھی اچھی ہوتی ہے

اور جس قسم کا پرچہ ہمارے پاس سبا ولیں آتا ہے۔ اسمیں کاغذ بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا لگا ہوا ہے۔ الغرض رسالہ القمر معنوی لحاظ سے دلچسپ و مفید۔ ظاہری حیثیت سے نہایت خوشنما اور تاجرانہ اعتبار سے بے حد ارزاں ہے۔ کیونکہ خطی قلم اور زیادہ حجم ہونے کے باوجود اسکی سالانہ قیمت محصول ڈاک صرف عہ ہے۔ گویا اس قیمت میں بالکل مفت ہے۔

ایک بات ہمارے دل کو کھٹکتی ہے۔ اسلیئے اسکا ظاہر کردینا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ القمر میں بھی دوسرے رسالوں کی طرح بعض اوقات افادہ و اصلاح کو دلچسپی پر قربان کردیا جاتا ہے۔ اور اسکے صفحات میں ایسے مضامین بھی درج ہوجاتے ہیں۔ جو در اصل القمر کے قابل نہیں ہوتے۔ مگر انپر مذہب و تصوف کا رنگ چڑھا کر زبردستی اس قابل بنایا جاتا ہے۔ اسوۂ حسنہ کے ایڈیٹر سے بھی بعض اوقات اخلاقی جرات کی کمی کی وجہ سے ایسی لغزشیں ہوگئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ آیندہ ہم کو اُن سے محفوظ رکھے۔ اور اپنے فرائض کو ایمانداری سے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین +

ہم ناظرینِ اسوۂ حسنہ سے **القمر** کی خریداری کی سفارش اور محترم ایڈیٹر رسالہ القمر سے چندہ بڑھانے کی درخواست کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ عہ میں القمر اپنی موجودہ حیثیت کو [illegible]ان کسیطرح قایم نہیں رکھ سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُسکے پاس نقصان اُٹھانے کے لیئے سرمایہ کافی ہو۔ القمر کا نمونہ منیجر صاحب رسالہ "**القمر دہلی**" سے طلب کیجئے +

شمس العلوم ماہوار رسالہ ہے۔ مولوی محلہ بدایوں سے شائع ہوتا ہے مولوی عبد الماجد صاحب قادری۔ ایڈیٹر اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب قادری۔ نائب ایڈیٹر ہیں۔ غالباً یہ رسالہ حضرت مولانا شاہ محمد عبد المقتدر صاحب بدایونی مدظلہم کے ایماء سے جاری ہوا ہے۔ اور انہیں کے زیر اثر ہے۔ اس لیئے ہمیں خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ ہمارے مقدس علمائے کرام کو بھی اخبارات و رسائل کی اہمیت و ضرورت کا احساس ہوتا جاتا ہے۔ یہ جواب نہیں تو انشاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد قوم کے لیئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ بشرطیکہ اس نیک خیال کا محرک و موید کوئی مناظرانہ جذبہ نہ ہو۔ شمس العلوم کے ابتک جتنے پرچے شائع ہوئے ہیں ان سے کوئی خاص مقصد اس رسالہ کا ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ ممکن ہے۔ کہ یہ ہمارے فہم کا قصور ہو۔ مضامین کے متعلق ہماری یہ رائے ہے کہ انکا اکثر حصہ دلچسپی اور فائدہ سے خالی نہیں ہوتا۔ اگرچہ شمس العلوم جیسے رسالہ میں جسے مستند اور مقتدر علما کی نگرانی کا شرف حاصل ہے۔ ہمیں مذہب آمیز ادبیت اور خیالی تصوف کا رنگ غالب دیکھ کر تعجب بھی ہوتا ہے۔ اور افسوس بھی۔ علماء اس قسم کے مضامین کے مفاسد کو ہم سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی کا مضمون "تصوف" جو شمس العلوم کے ابتدائی پرچوں میں نکلا ہے بہت اچھا ہے۔ اور اچھا ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ مولانا نااہل نہیں ہیں لیکن اس قسم کے مضامین میں ایک قباحت کا پہلو یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ جو تصوف کے کوچہ سے بالکل نابلد ہیں۔ ان مضمونوں کے دقیق مطالب سلوک کو طوطے کی طرح رٹ کر اور دس بیس اصطلاحیں زبان پر چڑھا کر صوفی بنجاتے ہیں۔ پھر نہ انکو تعلیم کی ضرورت رہتی ہے اور نہ مجاہدہ و ریاضت کی چنانچہ آجکل ایسے ہزاروں صوفی پیدا ہوگئے ہیں جو تصوف کی کتابوں کے اردو ترجمے دیکھکر اپنی واہی تباہی باتوں اور بکواسوں کے ذریعہ سے خلق خدا کو دام تزویر میں پھنسا رہے ہیں۔ اسلیئے ہماری رائے میں اگر یہ مضمون عربی یا فارسی میں لکھا جاتا۔ یا کم از کم عام طور پر شائع نہ کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔

شمس العلوم میں فقہ اور تفسیر کا بھی ایک حصہ ہوتا ہے۔ مگر بہت مختصر۔ ہمارے خیال میں جب رسالہ کو مستند علماء کے استفادہ کا شرف حاصل ہے اسمیں اس حصہ کیلیئے اور زیادہ اوراق ہونے چاہئیں۔ اور ادبی۔ علمی۔ اخلاقی اور روحانی شعبے الگ الگ کردینے چاہئیں۔ ایک ہی مضمون میں سب کو گڈمڈ کرکے معجون مرکب بنادینا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

شمس العلوم کی لکھائی چھپائی کی اصلاح کی جانب بھی مہتمم صاحبان کو زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس رسالہ کا سالانہ چندہ صرف ؎ روپیہ ہے جو ہرگز زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ آجکل ایسے علمی رسالوں کو کون خریدتا ہے۔ نمونہ ملنے کا پتہ بہ منیجر صاحب رسالہ "شمس العلوم" مولوی محلہ۔ بدایون +

ٹمپرنس میگزین یہ رسالہ ماسٹر سنت سنگھ صاحب کی ایڈیٹری میں گشتہ جلو والیان امرتسر سے ماہوار شائع ہوتا ہے۔ اور ہندوستانیوں سے نشہ بازی کی بدعادت چھڑانا چاہتا ہے۔ شراب۔ افیون۔ کوکین۔ چرس بھنگ اور تمباکو وغیرہ کے استعمال سے جو برا اثر مفلس ہندوستانیوں کی دماغی جسمانی۔ اقتصادی اور اخلاقی حالت پر پڑ رہا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ ان خبیث چیزوں کی بدولت ہزاروں خاندان برباد اور لاکھوں جانیں ضائع ہوگئیں اور ہو رہی ہیں۔ اسلیئے بڑی ضرورت تھی کہ نشہ بازی کے انسداد اور اسکے تباہ کن نقصانات سے لوگوں کو مطلع کرنے کیلیئے خاص اسی غرض سے اردو میں بھی ایک رسالہ جاری کیا جاتا۔ ماسٹر سنت سنگھ صاحب نے اپنے مفید رسالہ سے اسی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اسلیئے ملک کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اور تمام ممکن وسائل سے ان کی مدد کرنی چاہیئے۔ ٹمپرنس میگزین کے

مضامین عموماً نہایت مفید اور قابل مطالعہ ہوتے ہیں لیکن جو نمبر اور اثر ایک مجھے اصلاحی رسالہ میں ہونا چاہیئے۔ اُس کی ٹمپرنس میگزین میں کمی ہے۔ ماسٹر صاحب کو کوشش کرکے اردو کے قابل انشا پردازوں سے مضامین حاصل کرنے چاہئیں۔ کیونکہ سست طبیعتوں کا نشہ اتارنے کے لیئے مضامین میں ترشی کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ عملاً رسالہ مفید ثابت نہیں ہوگا ٹمپرنس میگزین کا سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ ہے۔ اور مندرجہ بالا پتہ پر خط لکھنے سے مل سکتا ہے ✦

کتابیں

معارج الدین۔ تقطیع ۲۰×۲۶ صفحات ۱۳۴ علوم جدیدہ کے ہتھیاروں سے جو شکوک اور اعتراضات کے گولے دشمنان دین برسا رہے ہیں ان کے شر سے حرم اسلام کو محفوظ رکھنے "کے لیئے "تذکرۃ المصطفیٰ" کے فاضل مصنف اور اسوۂ حسنہ کے محترم معاون جناب مولانا مولوی سید نجابت علی صاحب ایم اے۔ پروفیسر بڑودہ کالج نے ایک نہایت مفید اور قابلقدر کتاب جدید علم کلام میں "معارج الدین" کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔ جو اوسط درجہ کے کاغذ پر عمدہ چھپی ہوئی اسوقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ معارج الدین چار ابواب پر منقسم ہے۔ پہلے باب میں زیر عنوان "سائنس کی کائنات" ضروری مسائل سائنس کا ایک اجمالی خاکہ کھینچا گیا ہے۔ تاکہ کتاب پڑھنے والے کو اصول سائنس سے فی الجملہ واقفیت ہو جائے اور آئندہ ابواب کے مضامین سمجھنے میں الجھن نہ ہو یہ حصہ ۲۶ صفحوں پر ختم ہوا ہے۔ دوسرے باب میں سائنس کو مذہب کی روشنی میں دکھایا گیا ہے۔ اور دونوں کا آپس میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے تیسرے باب میں "زندگی کے معنے" کو حل کیا گیا ہے روح کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور انسانی حیات کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ چوتھے باب کا موضوع بحث "حیات بعد الموت" کا معرکۃ الآراء اور مشکل مسئلہ ہے جس پر فاضل مصنف نے ۸۰ صفحوں پر قابلیت اور تحقیق سے بحث کی ہے۔ اسی باب پر "معارج الدین" کی پہلی جلد ختم ہوتی ہے۔ باقی جلدیں جن میں وجود باری۔ نبوت بقیہ عقاید اور اعمال سے بحث کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ غالباً زیر تصنیف یا زیر طبع ہونگی ✦

"معارج الدین" ہمارے مذہبی لٹریچر میں ایک ایسا بیش بہا اور مفید اضافہ ہے جس کی عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ انگریزی تعلیم یافتہ اور عربی مدارس کے طلبا کے لیئے اس مفید کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے خصوصاً اُن عربی تعلیم یافتوں کو اس کتاب سے زیادہ نفع ہوگا جو مغربی علوم و فنون سے بالکل کورے اور ملحد فلسفیوں کے جدید اعتراضات سے محض بے خبر ہیں کاش تمام مدارس اسلامیہ "معارج الدین" کو بھی نصاب میں داخل کرلیں اور اپنے یہاں کے طلبا کو اس قابل بنائیں کہ وہ اس سیلاب الحاد و دہریت کو روک سکیں جو مسلمانوں کے خرمن مذہب کو بہائے لیئے جا رہا ہے "معارج الدین" میں اگر اجمال و اختصار کو مدنظر نہ رکھا جاتا تو زیادہ اچھا ہوتا کیونکہ کم قابلیت رکھنے والے بھی اُس سے پورے طور پر مستفید ہو سکتے۔ اور کتاب کی دلچسپی بڑھ جاتی۔

معارج الدین کی قیمت عہ ہے جو اس لحاظ سے کچھ زیادہ نہیں ہے کہ اس قسم کی علمی کتابیں مسلمانوں کی بدمذاقی کی وجہ سے دیر میں نکلتی ہیں۔ یہ کتاب مصنف ممدوح کو مندرجہ بالا پتہ پر خط لکھنے سے مل سکتی ہے ✦

خطوط از جہنم۔ تقطیع ۲۲×۱۸ حجم ہر چہار حصہ ۱۸ صفحے اس کتاب کا نام اتنا خوفناک نہیں ہے۔ جتنا کہ اسکا مضمون خوفناک ہے۔ کسی خدا پرست اور دیندار یورپین نے جو غالباً جرمنی کا باشندہ تھا اپنی قوم کی طبائع میں لامذہبی اور الحاد کے جراثیم نشو و نما پاتے دیکھ کر اور خدا فراموشی و مادہ پرستی کے خطرناک نتائج سے متاثر ہوکر یہ کتاب لکھی تھی۔ جو یورپ میں بہت مقبول ہوئی۔ اور کئی زبانوں میں اسکا ترجمہ کیا گیا۔ اس مفید اور دلچسپ کتاب میں "عذاب جہنم" کی خوفناک سرگزشت کا خاکہ ایسے عجیب و غریب انداز اور موثر پیرایہ میں کھینچا گیا ہے کہ اسکو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور خدا یاد آنے لگتا ہے "عذاب جہنم" کی جو واقعی اور سچی تصویر قرآن پاک میں کھینچی ہے اگرچہ کوئی فرضی اور مصنوعی تصویر عبرتناک ہونے میں اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تاہم یہ کتاب بھی کچھ کم عبرت خیز نہیں ہے۔ جو لوگ تھوڑی سی انگریزی پڑھ کر فرعون بے سامان ہو جاتے ہیں۔ مذہب کی ضرورت سے انکار کرنے لگتے ہیں۔ اور جنت اور دوزخ اور حیات بعد الموت کو ڈھکوسلا بتلاتے ہیں۔ ان کے لیئے اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ مولوی شرف الدین احمد خان صاحب نے ...... اردو دان اصحاب پر احسان کیا ہے کہ ایسی مفید کتاب کا انگریزی سے سلیس اور بامحاورہ اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ ابھی تک صرف چار خطوط چھپے ہیں۔ باقی زیر طبع ہیں ہر ایک حصہ کی قیمت ۲ر ہے۔ مسلمانوں کو ایسی کتابوں کی قدر کرکے مترجموں اور مصنفوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ ملنے کا پتہ:۔

مولوی شرف الدین احمد خان صاحب۔ محلہ کمہاری کنواں۔

(ریاست رام پور)

... حصات ۔ صفحات ۵۰ قیمت ۱ر
... حصہ دوم صفحات ۶۰ ۲ر
... حصہ سوم صفحات ۸۴ ۵ر
... حصہ چہارم ۶۸ ۴ر

یہ چار رسالے منشی خواجہ فیاض حسن صاحب نے لڑکیوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے اردو میں تصنیف فرمائے ہیں۔ رسالے مفید اور دلچسپ ہیں۔ اخلاقی مسائل کو آسان عبارت اور دلکش پیرایہ میں خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ دلچسپ حکایتیں۔ اور سبق آموز نظمیں بھی ہیں۔ امید ہے کہ یہ رسالے لڑکیوں کی تعلیم میں مفید ثابت ہونگے۔ بلکہ ان کے اخلاق و عادات پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ ہماری رائے میں بہت مناسب ہو تا اگر ان رسالوں میں حفظان صحت اور ورزش وغیرہ کے متعلق بھی چند مضامین نظم و نثر شامل کر دئے جاتے۔ کیونکہ فی زمانہ اسکی بڑی ضرورت ہے شاید آئندہ اڈیشن میں اس ضرورت کو پورا کر دیا جائے۔ آجکل کے مصنفوں کو اپنی تصانیف میں موجودہ زمانہ کے مقتضیات و ضروریات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کاغذ اور لکھائی چھپائی چاروں رسالوں کی عمدہ اور دل کی معمولی ہے۔ تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ ہے قیمتیں بھی کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ امید ہے کہ مسلمان رسالے خرید کر قابل مصنف کی ہمت افزائی کرینگے۔ ملنے کا پتہ:۔

(منشی خواجہ فیاض حسن صاحب۔ مدرسہ شاہی۔ آگرہ)

... حصہ اول و حصہ دوم۔ تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۵۶ قیمت ۵ر مولوی منشی محمد زین العابدین صاحب فرجام کو تانوی مجسٹریٹ درجہ دوم پنجاب کا نام علمی اور ادبی دنیا میں غیر معروف نہیں ہے جناب ممدوح نے وقتاً فوقتاً جو مسائل و اخلاقی نظمیں اردو میں تصنیف فرمائی تھیں وہ سب ایک مجموعہ میں جمع کر دی گئی ہیں جسکا نام "تذکیر" ہے نظموں میں خیالات نہایت پاکیزہ اور مفید ظاہر کئے گئے ہیں جن کی اشاعت کی فی زمانہ سخت ضرورت ہے۔ زبان میں اگرچہ وہ سادگی اور زور نہیں ہے جو مولانا حالی مرحوم اور مولانا محمد اسمعیل صاحب میرٹھی کی نظموں میں پایا جاتا ہے۔ تاہم بحیثیت مجموعی زبان کے اعتبار سے بھی فرجاد صاحب کی نظمیں اس زمانہ میں بہت غنیمت ہیں۔ کاش ہماری قوم کے دوسرے شعراء کو بھی مشاعرہ بازی اور گلدستہ نویسی میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اصلاحی اور تعلیمی نظمیں لکھنے کا شوق پیدا ہو۔ فرجاد صاحب کا مجموعۂ نظم بچوں کے لیے بہت مفید ہے۔ اور اردو کی ابتدائی تعلیم کے نصاب میں اس کا داخل ہونا مناسب ہے۔ مجموعہ کی قیمت ۵ر کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اگر مسلمان اپنی قومی زبان اردو کو ترقی دینا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ اس قسم کی کتابوں کو کثرت سے

خریداریں۔ تاکہ دوسرے مصنفین کو بھی اصلاحی میدان میں آنے کا شوق ہو۔ ملنے کا پتہ:۔

(منیجر اسٹوڈنٹ سٹوریک سیلر تحصیل تحصیل میرٹھ شہر)

خوش خبری

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

دیندار مسلمان یہ سنکر خوش ہوں گے کہ تیرہ سو برس سے اسلامی دنیا میں جس اہم ضرورت کو محسوس کیا جا رہا تھا وہ بفضلہ تعالےٰ پوری ہونیوالی ہے اور وہ ضرورت رسالہ اسوۂ حسنہ ایک نہایت ہی بیش بہا اور بالقدر قرآن مجید بہت بڑے اہتمام و انصرام کیساتھ ماہوار رسالہ کی صورت میں شائع ہونے والا ہے جو انشاءاللہ موجودہ اور آئندہ زمانہ کی تمام ضرورتیاں کو بہ احسن وجوہ پورا کریگا اور مصنفوں اور مؤلفوں کیلیے بیحد مفید و نافع ثابت ہوگا انشاءاللہ تعالےٰ ترجمہ وغیرہ کا کام علما کی ایک مستند و متدین جماعت کے سپرد کیا گیا ہے اور امید ہے کہ ملحقا بندہ تک ہم اس بیبہا اور لاجواب قرآن مجید کی بے مثل خوبیوں سے ناظرین کرام کو مطلع کر سکیں گے۔ اسوقت مجملاً صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ یہ قرآن مجید اپنی خصوصیات کے لحاظ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ کل دنیا ...

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کیلئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے یہی سبب ہے کہ ترکی۔ ایران۔ ترکستان۔ افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں ہے جو ذی علم ہو اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتے حتیٰ کہ چین کے مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں صرف آجکل ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں اور اسی ضرورت پر لحاظ کرکے **علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی** نے جن کی جملہ تصنیفات کی فہرست ذیل صفحہ پر درج ہے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ اردو ترجمہ عبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شائع کر دی ہے اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جسکی سرخیاں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ترجمہ کرنیکا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا (۲) ترجمہ قرآن کی صورت زمانہ وسطی اور زمانہ اخیر میں (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت اور آنحضرت محمدؐ (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) متضاد احکام قرآن میں نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) تکرار باتیں قرآن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہیے (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن جن پر صرف یورپ کے مہذب لوگوں کا عملدرآمد ہے (۲۸) برکات اسلام کیلئے الاسلام بھی دیکھنا چاہیے (۲۹) معجزات (۳۰) مؤلف کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے۔

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی گئی ہے اور جتنے مسائل شرعی قرآن سے نکلتے ہیں انکا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف قرآت سے علماء حنفی المذہب اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہو گئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا علماء حنفی المذہب نے جو باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ زیریں میں سب کا بیان ہے تاکہ ترجمہ سب مذاہب کیلئے یکساں مفید ہو لیکن متن میں جو ترجمہ اختیار کیا گیا ہے وہ سنی حنفی المذہب کے موافق ہے کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کرکے نہایت صحت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ سمجھنا بجا ہے یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول ۱۳۰۲ھ میں ڈھائی پارہ کا ترجمہ شائع کیا تھا اور اس سے چار برس کے بعد ۱۸۹۶ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا تھا پھر اسکے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے ناظرین بالکمال ترجمہ کو دیکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ یہی کہینگے کہ ویراہ ودست آمد۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بذریعہ وی۔ پی طلب فرمائیں۔ اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ ترجمہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کے ہاتھوں میں پہنچکر اشتہار کا باعث ہو۔ یہ واضح رہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر ہے جسکے لئے علامہ کی تحریرات خاص شہرت ملکی میں رکھتی ہے۔

ہدیہ قیمت فی مجلد مذہب تین روپیہ (نوٹ) یہاں سینکڑوں ہزاروں روپیہ اور اموں میں خرچ ہوتے ہیں اگر ان میں سے قرآن کے سمجھنے میں خرچ ہو تو کیا عجب ہے۔

تالیفات و تصنیفات علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اول	قیمت رعایتی	کیفیت	نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت	نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید بلا متن اردو مع مکمل فہرست	اردو	مذہب اسلام	۶۲۰	۳	۳	مجلد	۶	محشتہ الاحوال	اردو	[illegible]	۲۰	۱	۱	۔	۱۱	[illegible]	اردو	تاریخ	۲۸۴	عہ	عہ	مجلد
۲	تاریخ الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	۳	۳	مجلد طبع ثانی	۷	نشتر سخن	[illegible]	[illegible]	۸۰۰	صہ	عہ	۔		مالگذاری						
۳	الاسلام	اردو	[illegible]	۸۰۰	۳	عہ	مجلد طبع ثالث	۸	زبان اردو	اردو	[illegible]	۳۲۲	۲	۲	۔	۱۲	عباسیہ ترانہ مع ترجمہ انگریزی	″	″	۵۴	عہ	عہ	″
۴	مناجات	اردو	مذہب اسلام	۲۷۸	۱۲	۱	طبع ثانی	۹	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۸	۲	۲	۔	۱۳	[illegible]	″	″	۱۸۴	۳	۳	″
۵	الجواب	اردو	[illegible]	۱۸۰	صہ	صہ	۔	۱۰	[illegible]	″	″	۳۴۴	۲	۲	۔	۱۴	[illegible]	″	″	۹۵۱	عہ	عہ	″

المشتہر عبدالوحید خان منیجر قاضی اینڈ کمپنی گورکھپور

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ



روضۂ اطہر جناب رسول اللہ صلعم

اُسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت معاشرت کا روحانی خطیب
اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج مسلمان مردوں کا رہبر عورتوں کا معلم بچوں کا اتالیق
مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ ہر شمسی مہینہ کے آخری ہفتہ میں شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہ صفا + تواں رفت جز در پے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید + کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالانہ چندہ مع محصولڈاک
قسم اول عہ + قسم دوم عمہ
قیمت فی پرچہ ۲ر

محمد انوار ہاشمی پرنٹر و پبلشر نے عصر جدید پریس میرٹھ میں چھپا کر شائع کیا

تابشر فون نمبر ۱۷۰

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان واقعی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں قرآن پاک اور اسلام کی صحیح تعلیم کو سمجھیں اس پر عمل کریں۔ خوف خدا اور عظمت رسول ﷺ کو معاشرت و تمدن میں اپنا رہنما بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کریں تعصب اور کورانہ تقلید سے اپنے تئیں پاک و صاف رکھیں غیر مسلم اقوام کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کے چھوڑنے کو معیوب نہ سمجھیں ہر ایک کام میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کے مسلک پر آجائیں۔ دولت۔ وقت اور قوت جیسی بیش بہا نعمتوں کو بیدردی سے نہ لٹائیں تکفیر کے فتووں سے اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل کریں خانہ جنگیوں۔ نا اتفاقیوں۔ اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں۔ اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتفاق و اتحاد اور ہمدردی و خلوص کے آہنی حصار سے محکم و مضبوط کرلیں عیش پسندی۔ کاہلی۔ اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں محنتی۔ جفاکش۔ اولوالعزم۔ مآل اندیش مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالیں اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں بہ تن مشغول ہو جائیں۔ خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف پوری توجہ کریں معیشت کی خود راہ اپنے اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اپنے تئیں تمام دنیا سے زیادہ نالائق اور سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری۔ عیاشی۔ نمود و نمائش فیشن پرستی۔ مقدمہ بازی۔ بے محل خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینیوں اور بطالت گزینوں کے راہبانہ رویہ کو خلاف سنت تصور کریں۔ اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں پیرزادوں کی نذریں بند کرکے ان سے مفت خوری کی عادت چھڑا دیں۔ ایسے مولویوں۔ ایسے صوفیوں۔ ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو ناحق و ناجائز طور پر ضائع کرتے ہیں خود غرض ملت فروش۔ بے سمجھ اور نام نہاد خیر خواہ لیڈروں سے پیچھا چھڑائیں۔ پیشہ ور سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو ان تمام اوصاف و محامد سے متصف کریں جو ایک **اصلح** انسان میں ہونے چاہئیں۔ تا زمین کی وراثت کے مستحق بن جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ

خریداروں اور مضمون نگاروں کے لیے ضروری ہدایتیں

(۱) اسوۂ حسنہ دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے قسم اول کا چندہ سالانہ ۵ روپے اور قسم دوم کا ۴ روپے بہر حال پیشگی آنا چاہیے (۲) جن حضرات کے پاس رسالہ نمونۃً پہنچے انہیں براہ کرم اپنے ارادۂ خریداری یا عدم خریداری سے بواپسی ڈاک دفتر کو مطلع کر دینا چاہیے (۳) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو ضرور شائع ہو جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیے۔ ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے ایک پرچہ کی قیمت ۳ آنے ہے۔ (۴) چندہ کی میعاد ختم ہو جانے پر اگر خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع موصول نہ ہوگی تو ہم وی۔پی بھیج کر آئندہ سال کے لیے چندہ وصول کر لینے کے مجاز ہوں گے (۵) خط و کتابت میں نام و پتہ نہایت صاف مفصل اور واضح لکھنا چاہیے۔ اور نمبر خریداری کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہیے **قلمی معاونین** کو مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔ (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں (۳) آیات کے لیے سورت اور رکوع اور احادیث کے لیے مستند کتب حدیث کا حوالہ ضرور دیں (۴) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری۔ بے نتیجہ۔ یا غیر محققانہ ہوں۔ یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحتاً یا کنایۃً منافی ہوں یا جن میں لفاظی اور تخیل زیادہ اور مفید اصلاحی مطالب کم ہوں یا جن میں مناظرانہ اور تردید کا رنگ غالب ہو (۵) جو مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کے لیے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی چاہیے۔ ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری اخلاقاً و قانوناً ان پر عاید ہوگی (۶) مضمون لکھنے سے پہلے رسالہ کے مقاصد ضرور معلوم کر لیں +

(منیجر)

اسوۂ حسنہ کی مدد آپ کن طریقوں سے کرسکتے ہیں؟

جو حضرات اسوۂ حسنہ کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اسکی ترقی کے خواہاں ہیں ہم ان کے سامنے وہ وسایل و ذرایع پیش کرتے ہیں جن سے زندہ اور متمدن قومیں اپنے قومی اخبارات ورسایل کی امداد واعانت کرتی ہیں۔ انہی وسایل و ذرایع سے ہندوستان میں بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ رضا کاروں کی ایک معقول تعداد اسطرف متوجہ ہوجاے ٭

(۱) رسالہ خود خریدکر۔

(۲) اعزا و احباب اور متوسلین کو خریدار بناکر۔

(۳) مریدوں۔ شاگردوں۔ معتقدوں۔ اور دوستوں کے نام ایک کھلا خط لکھ کر کہ اسوۂ حسنہ ایسا رسالہ ہے۔ اور مسلمانوں کی ایسی خدمت کر رہا ہے۔ لہٰذا اسکو خریدنا چاہیئے۔ (یہ خط قلمی ہمارے پاس بھیج دیجئے ہم اسکی نقلیں نمونوں کے ساتھ روانہ کردیا کرینگے)

(۴) علمی مجالس اور خطبوں و اعظوں میں اسوۂ حسنہ کی قومی خدمات کا تذکرہ کرکے۔

(۵) غیر مستطیع اصحاب کے نام رسالہ رعایتی قیمت میں جاری کراکر۔

(۶) اپنے شہر کے کتب فروشوں یا دیگر متلاشیان ملازمت و روزگار کو اس بات پر آمادہ کرکے کہ وہ ہر مہینہ اسوۂ حسنہ کی دس بیس کاپیاں منگاکر متفرق طور پر کمیشن پر فروخت کریں۔ اور نفع اٹھائیں۔

(۷) ہر قسم کے تاجروں کو اس امر کی ترغیب دیکر کہ وہ اپنے اشتہارات اسوۂ حسنہ میں بھی چھپوائیں۔ کیونکہ یہ رسالہ کثیر الاشاعت اور مقبول ہر دلعزیز ہے۔ اور اشتہارات کی اجرت طبع و اشاعت بھی بہت کم لیتا ہے ٭

(۸) جن چیزوں کا اشتہار اسوۂ حسنہ میں شائع ہو ان کی فرمایشوں میں اسوۂ حسنہ کا حوالہ دیکر تاکہ تاجروں کو اسوۂ حسنہ میں اشتہار دینے کا نفع بین طور پر معلوم ہو۔

(۹) ملک کے مشہور و معروف اور ذی علم مضمون نگاروں کو اسوۂ حسنہ کے لیئے مضامین لکھنے پر آمادہ کرکے۔

(۱۰) اس امر کا اعلان کرکے کہ فلاں موضوع یا فلاں عنوان پر اسوۂ حسنہ کی فلاں ایک جلد میں جس قدر مضامین چھپیں گے ان میں جو مضمون سب سے بہتر ہوگا۔ اسکے لکھنے والے کو اتنا انعام دیا جائے گا۔ (یہ طریقہ نہایت مفید ہے اور متمدن ممالک نے اس سے بہت فایدہ اٹھایا ہے) موضوع و عنوان کے انتخاب میں رسالہ کے مقاصد کو مد نظر رکھنا چاہیئے۔

(۱۱) انگریزی۔ عربی اور فارسی کی ایسی کتابیں رسالہ کے لیئے مہیا کرکے جنکے تراجم کی اشاعت فی زماننا مسلمانوں کے لیئے دینی یا دنیاوی نقطۂ نظر سے کچھ مفید ہو۔

(۱۲) رسالہ کے صوری و معنوی نقائص کی اصلاح کے متعلق قیمتی مشورہ دیکر۔

بہت جلد ضرورت ہے

سند ذیل کتب کی بہت جلد ضرورت ہے اگر ناظرین اسوۂ حسنہ میں سے کسی صاحب کے پاس موجود ہوں تو قیمتاً یا استعارۃً عنایت فرمائیں۔ (۱) اقتباس الانوار من کلام الغفار مصنفہ مولوی عبید اللہ صاحب نومسلم مطبوعہ صدیقی لاہور (۲) تبویب القرآن مصنفہ مولوی وحید الزمان خان صاحب حیدرآبادی (۳) انڈکس قرآن مجید مصنفہ ڈاکٹر احمد شاہ عیسائی ٭ (مینیجر اسوۂ حسنہ میرٹھ)

بلاوجہ وی پی واپس کرنیوالوں کو تنبیہ

جن شرائط پر ہم اسوۂ حسنہ اپنے معزز خریداروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں وہ ہر مہینہ ٹائیٹل کے دوسرے صفحہ پر ضوابط و ہدایات کے تحت میں چھاپی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ جو صاحب اسوۂ حسنہ کو ایک مرتبہ خرید لیں گے وہ ہمارے نزدیک اس کے دوامی اور مستقل خریدار متصور ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ درمیان میں خریداری جاری نہ رکھنے کی باضابطہ اطلاع دفتر کو نہ دیدیں یعنی اگر سال خریداری یا میعاد چندہ ختم ہونے پر کوئی صاحب پرچہ بند کرنا اور خریداری سے دستکش ہونا چاہیں تو ضوابط رسالہ کی رو سے انکا فرض ہے کہ وہ ہم کو مطلع کر دیں کہ آئندہ ان کو پرچہ نہ بھیجا جائے۔ اور ان کا نام رجسٹر خریداران سے خارج کر دیا جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ہم سال آئندہ کی قیمت پیشگی وصول کرنے کی غرض سے رسالہ وی پی بھیجنے کو ناجائز قانوناً مجاز متصور ہوں گے۔ اور اگر بلا کسی معقول وجہ کے یہ وی۔پی واپس آئے گا۔ تو ہمارے نقصان و حرج کی ذمہ داری قانوناً شرعاً اخلاقاً و عرفاً واپس کرنے والے خریدار پر عاید ہوگی۔

پس ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کی نسبت کیا کہیں جو مروجہ بالا شرط کے پابند ہوکر اسوۂ حسنہ خریدتے ہیں۔ میعاد چندہ ختم ہونے پر ترک خریداری کے ارادہ سے دفتر کو مطلع نہیں کرتے۔ اور جب مطبوعہ جوابی کارڈ بھیجکر ان سے درخواست کیجاتی ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ آئندہ رسالہ کی خریداری جاری نہیں رکھ سکتے تو براہ کرم ہمکو اطلاع دیدیں۔ تو جواب تک نہیں دیتے۔ مگر باینہمہ مسبوقت رسالہ وی۔پی بھیجا جاتا ہے تو بلا کسی معقول وجہ اور بلا کسی عذر و معذرت کے نہایت بے پروائی سے اسے واپس کر دیتے ہیں۔ اور ایک قومی رسالہ کو جو پہلے ہی شدید مالی نقصان کے بوجھ میں دبا ہوا ہے اور زیادہ زیر بار کرنا معیوب نہیں سمجھتے۔ ایک وی پی کے تیاری اور روانگی میں علاوہ اس محنت اور وقت کے جو فارم لیبل منی آرڈر اور رجسٹر کی خانہ پری میں صرف ہوتا ہے۔ سوا آنہ (۱/۲) کے ٹکٹ بھی لگتے ہیں گویا وی پی واپس کرنے والے اصحاب اپنے ایک پیسہ کی وجہ سے ہمیں پانچ پیسہ کا نقصان اور ڈاکخانہ کو فائدہ پہنچانا گوارا کر لیتے ہیں۔ جو کم از کم اسوۂ حسنہ جیسے رسالہ کے خریداروں کے شایان شان نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم میں کاہلی۔ لاپروائی اور بدمعاملگی کا مرض روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اور اب حالت اس قدر خطرناک ہوگئی ہے کہ مریضوں کو اپنے مرض کا احساس بھی نہیں رہا۔ وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ ہم بھی کسی مہلک روحانی مرض میں مبتلا ہیں۔ جسکا علاج اگر جلد نہ کیا گیا۔ تو ہماری شخصی و قومی زندگی کا خاتمہ یقینی ہے۔ مولنا حالی نے ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرمایا ہے۔ ؎

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جسکو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اسکو ہذیان سمجھیں
سبب یا علامت گر ان کو سمجھائیں تو تشخیص میں سَو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں یونہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

پس ہم نہ صرف اپنے مالی نقصان کے خیال سے بلکہ قوم سے کاہلی لاپروائی اور بدمعاملگی کی قبیح عادات چھڑانے کے لیئے بھی بادل ناخواستہ اس امر کا اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اگر آئندہ کوئی صاحب بلا وجہ وی پی واپس کر دینگے اور مبلغ دو آنہ بابت اس نقصان و حرج کے جو وی۔پی کی واپسی سے ہم کو پہنچیگا نہیں ادا کرینگے تو ہم نہایت افسوس کے ساتھ اُن کا نام مع بدقاصرین رسالہ میں شائع کر دینگے۔ اور اگر اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو شاید ہمیں چند حضرات کے خلاف دوسروں کی تنبیہ و عبرت کے لیئے عدالتی کاروائی بھی کرنی پڑے گی امید ہے کہ ہمارے نہایت معزز و محترم ناظرین میں سے کوئی صاحب ہم سے یہ ناگوار خدمت لینا پسند نہیں کرینگے ہم اس کے لیئے مجبور نہیں کرتے کہ آپ خواہ مخواہ **اسوۂ حسنہ** خریدیں ہی۔ البتہ اسکے لیئے مجبور کرتے ہیں کہ اگر آئندہ آپ نہ خریدنا چاہیں تو ہم کو مطلع کر دیں۔ ورنہ ہمارا بھیجا ہوا وی پی وصول کرلیں یہ کچھ سخت مطالبہ نہیں ہے ✦

نیازمند منیجر اسوۂ حسنہ

تصحیح

گزشتہ پرچہ کی حسب ذیل غلطیاں صحیح کر لیجئے۔ ماتمی ضمیمہ کی سطر ۱۹ میں "خواجہ اظہر عباس" کی بجائے "خواجہ غلام عباس" چھپ گیا ہے "غلام" کا لفظ کاٹکر "اظہر" بنا لیجئے ✦

امرتسر کے ماہوار رسالہ ٹمپرنس میگزین کے اردو ایڈیشن کی سالانہ قیمت ۱۲/ ہے۔ صفحہ ۲۹۔ کالم ۱۔ سطر ۲۔ میں اس رسالہ کی قیمت ۸/ لکھی گئی ہے جو غلط ہے ✦

معاونین اسوۂ حسنہ کا شکریہ

اس خود غرضی اور نفسا نفسی کے زمانہ میں ایسے مقدس نفوس بہت کم ہیں جو دوسروں کے نفع کے لیے خود نقصان اٹھاتے اور دوسروں کی راحت کے لیے خود تکالیف برداشت کرتے ہیں۔ مگر ہم مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ وعز اسمہٗ کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اسوۂ حسنہ کے لیے بے ریا اور مخلص معاونوں کی ایک ایسی واجب الاحترام جماعت مہیا فرما دی ہے کہ جو اسوۂ حسنہ کو فائدہ پہنچانے اور اسکا دائرۂ اشاعت وسیع کرنے میں بہت بڑے ایثار سے کام لے رہی ہے۔ اور نہایت مستعدی اور جانفشانی کیساتھ رسالہ کی ترقی میں کوشاں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان باہمت نفوس کی نیک ساعی کو مشکور فرمائے۔ آمین بحرمتہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔ جن محترم معاونین کی کوششوں کے نتائج اخیر اگست اور شروع ستمبر میں ظاہر ہوئے ہیں ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔ ہم ان تمام حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور ناظرین سے ان کے لیے دعائے خیر کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ امید ہے کہ دوسرے حضرات بھی اس نیک کوشش میں حصہ لیکر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں گے۔

جناب علی گوہر صاحب کوہاٹ ۱۔ جناب منشی امام صاحب بڈگام ۱۔ جناب شیخ امین الدین صاحب شاہ گنج ۱۔ جناب مولوی چودہری غلام محی الدین صاحب ۱۰۔ جناب حاجی محمد خان صاحب ۱۔ جناب سجن لنا نامی کوہ سوار صاحب نظامی ۲۔ جناب حکیم محمد غوث محی الدین صاحب ۱۔ جناب منشی اوصاف علی صاحب شاذلی ۱۔ جناب منشی عبدالرحمٰن صاحب ۱۔ جناب محمد عبدالغنی صاحب بدایونی ۱۔ جناب محمد عبدالکریم صاحب کلرک انجنی جنگلات ۱۔ جناب منشی اصغر علی صاحب سب انسپکٹر ۱۔ جناب مولوی نذیر احمد صاحب نعمانی ۱۔ جناب منشی صالح محمد صاحب دہلباتی نویس ۲۔ جناب منشی عبدالعزیز صاحب ۲۔ جناب قاضی محمد سعید صاحب ۱۔ جناب محمد عبدالحمید صاحب سب انسپکٹر کوتوالی ۵۔ جناب حسن علی صاحب ۱۔ جناب سید محمد حسین صاحب ناظر کرز صاحب ۵۔ جناب منشی نصیر الدین صاحب محرر عدالت ۱۔ جناب منشی محمد رحمت اللہ صاحب شاکر قادری نظامی ۱۔ جناب عبدالغفار ابن عبدالکریم صاحب ۴۔ جناب منشی صلاح الدین صاحب فیروز آبادی ۳۔ جناب منشی محمد نہال احمد صاحب ضلعدار ۱۔ جناب منشی وحی الدین احمد صاحب ۳۔ جناب مرزا محمد ناصر بیگ صاحب ۲۔ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب چشتی وارثی ۱۔ جناب عبدالمجید صاحب کمانڈر ۱۔ جناب ڈاکٹر کریم الٰہی صاحب ۱۔ جناب محمد عبدالرحمٰن صاحب شاکر پریم ۱۔ جناب مولوی حکیم غلام غوث صاحب ۱۔ جناب محمد ادریس صاحب تحصیلدار ۱۔ جناب سجن لنا اوج صاحب ۱۔ جناب مولوی خیر الدین احمد صاحب کرد ۱۔ جناب سید اصغر حسین صاحب ۴۔ جناب ابوالخیر صاحب ۱۔ جناب عبداللطیف صاحب ۱۔ جناب منشی رحمت علی صاحب ۱۔ جناب یوسف صاحب ۱۔

مولود شریف

مولود شریف کے متعلق لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ ضرورت تھی کہ اسکے متعلق کچھ لکھا جائے۔ سو بحمد اللہ یہ ضرورت پوری ہو گئی۔

اور قرآن شریف احادیث رسول کریم۔ اور سیر و تواریخ کی معتبر و مستند کتابوں سے نہایت محنت و جانفشانی تحقیق و تدقیق کے ساتھ رسول پاک کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ اس مبارک سلسلہ کا پہلا حصہ سیرۃ الحبیب کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جسکو علماء و فضلاء نیز اسلامی رسائل و اخبارات کے ممتاز اہل قلم ایڈیٹروں نے پسندیدگی نظر سے دیکھا ہے۔ اسپر تقریظیں لکھی ہیں۔ آپ بن دیکھے اس کی خوبیوں کا اندازہ نہیں کرسکتے۔

وی۔ پی طلب فرما کر شوق دید پورا فرمائیے علاوہ محصولڈاک قیمت آٹھ آنہ ۸؍

ملنے کا پتہ:- فضل احمد عبدالوہاب محلہ قلعہ سیالکوٹ (پنجاب)

انعامی اعلان

شیخ زین العابدین صاحب رئیس میرٹھ نے علمی دلچسپی، قومی ہمدردی اور اس محبت کے تقاضے سے جو انکو اسوۂ حسنہ کے ساتھ ہے۔ ہمیں یہ اعلان کرنے کی اجازت دی ہے کہ اسوۂ حسنہ کی جلد رواں میں "معیار تقدس" کے موضوع پر جس قدر مضامین شائع ہوں گے ان میں جو مضمون مجموعی حیثیت سے بہترین سمجھا جائے گا اوس کے قابل مصنف کو وہ اپنی طرف سے مبلغ ۲۵ روپے نذر کریں گے مضمون میں حسب ذیل امور کے متعلق خصوصیت کیساتھ تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) قرآن اور حدیث نے تقدس کا معیار کیا قرار دیا ہے (۲) قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں تقدس کا معیار کیا تھا (۳) اس زمانہ کے مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور طبقوں میں تقدس کا معیار کیا ہے۔ اور اس کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔

بہترین مضمون کا انتخاب ایڈیٹر اسوۂ حسنہ کے مشورہ سے خود شیخ صاحب موصوف کرینگے۔ امید ہے کہ اسوۂ حسنہ کے محترم قلمی معاونین شیخ صاحب کے مقرر کردہ اہم انعامی موضوع پر طبع آزمائی اور قلم فرسائی شروع کر دینگے۔

رسالہ اُسوۂ حسنہ بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء مطابق ۲۰ شوال المکرم لغایت ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

جلد ۳ — نمبر ۲

فہرست مضامین

معارف القرآن

تعلیم الاسلام

اصلاح الاخلاق والاعمال

تذکرۃ السلف

حکمت و موعظت

القصص

علم و ادب

بصارت و بصیرت

فہرست کتب مکتبۂ قادریہ

نہایت ضروری اعلان

جن حضرات کا سال خریداری اس پرچے کے پہنچنے پر ختم ہو جائے گا اگر وہ آیندہ سال کے لیئے خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں تو براہ کرم مبلغ عہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں اگر اخیر اگست ۱۹۱۵ء تک سال آیندہ کی قیمت موصول ہوئی اور کوئی انکاری اطلاع بھی دفتر میں نہ پہنچی تو ضابطہ دفتر کے بموجب اکتوبر کا رسالہ وی - پی بھیجا جائے گا قیمت مع محصول وغیرہ کے خریداروں سے اور مبلغ عہ قسم اول کمتر یا عہ وصول کرلی جائے گی - اگر آپ کسی مجبوری سے آیندہ سال کے لیئے رسالہ نہیں خرید سکتے تو براہِ مہربانی ڈاک کا ایک کارڈ لکھکر ہم کو مطلع کر دیجئے کہ آیندہ آپکے نام اُسوۂ حسنہ وی - پی نہ بھیجا جائے - ایک پیسے کا کارڈ لکھ دینے میں آپکا اتنا نقصان نہیں ہوگا جتنا کہ وی - پی کے واپس آنے سے ہم کو تکلیف اور زیر باری ہوگی - ہمارا اور آپکا ایک سال سے تعلق ہے - اُمید ہے کہ آپ اس تعلق کا خیال رکھیں گے - اور وی - پی واپس کر کے خواہ مخواہ ہم کو نقصان نہیں پہنچائیں گے - (مینیجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم و معاصی کئے اور ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لیکر آئے مگر وہ ایمان نہ لائے ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں مجرموں کو پھر ان کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے زمین میں تم کو جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو۔

اُسوۂ حسنہ

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(قرآن بڑی) برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے (اس کے مطالب) نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

زکوٰۃ یا اسلامی خیرات و صدقات

زکوٰۃ کا چوتھا مصرف

گردنوں کا آزاد کرنا اسلام نے زکوٰۃ کے مصارف میں رکھا ہے وفی الرقاب۔ یعنی قیدیوں کو دشمنوں کی قید سے۔ اور مسلمان غلاموں کو غیر مسلم مالکوں کی غلامی سے فدیہ دیکر چھڑانا۔ کوئی مذہب سوائے اسلام کے ایسا نہیں جس نے غلاموں کی آزادی کے لیے باضابطہ طور پر ایک حصہ رکھا ہو جس طرح مساکین کا لفظ عام ہے اسی طرح رقاب کا لفظ بھی عام ہی ہونا چاہیئے۔ یعنی مسلمان غلاموں کو آزاد کرنا کرانا۔ اور اُن لوگوں کو تکالیف سے چھڑانا جو غلام کے حکم میں ہوں۔ مثلاً مسلمان قیدی جن کو دشمنوں نے قید کر لیا ہو۔ اور وہ مقروض جو قرض خواہوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوں۔ اور ان کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا ہو۔ اور غیر مسلم غلاموں کو بھی سا کرانا اگر اسمیں داخل کر لیا جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ ناانصاف مالکوں کے ہاتھ میں ایذائیں اٹھا رہے ہوں۔ اور ان کے آزاد ہو جانے کی صورت میں مسلمانوں کو کسی قسم کے ضرر کا بھی احتمال نہ ہو یا خود حصولِ ثواب مقصود ہو تو کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس حکم میں ہر وہ غلام کہ جو دشمنوں کی قید میں ہے۔ فدیہ دیکر اسکا رہا کرانا داخل ہے۔ بلکہ حکم ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنکو جہالت و تاریکی نے اپنا غلام بنا لیا ہے انکو بھی تعلیم کے ذریعے سے آزاد کراؤ۔ اور یہ پوری آزادی انہیں حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ان کی تعلیم کا انتظام خود مسلمان نہ کریں جب تک اسلامی یونیورسٹی قائم نہ ہو۔ یہ سب آزادیاں داخل فی الرقاب ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام غلامی کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو حقیقتِ حال سے آگہی نہیں۔ وہ سچے اسلام سے بے خبر ہیں اسلیئے ایسا کہتے ہیں ورنہ اسلام جیسی آزادی و ہمدردی کسی دین میں نہیں۔ اور یہ خالی دعوےٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت الامر میں ایسا ہی ہے۔

اسلام نے غلامی کو شلسنگی راہیں نکالی ہیں۔ اور اسکا منشاء غلامی کو موقوف کرنے کا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ان غلاموں کو جو مدتوں سے رسن غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ قرآن کریم نے فوراً ہی آزادی دیدینا مناسب نہیں سمجھا۔ ان لوگوں کے نہ گھر بار تھے۔ نہ جائدادیں تھیں۔ نہ تجارتیں تھیں اور نہ عموماً کوئی ہنر ہی انکو آتا تھا پس ان سب کے یکدفعہ آزاد کرنے میں نہ صرف مالکوں کو ہی ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑتا۔ بلکہ ان کی اپنی حالت بھی اور پستی کی طرف چلی جاتی۔ اور انکو ذلیل پیشے اختیار کرنے پڑتے۔ اور سوسائٹی پر اسکا بہت برا اثر پڑتا۔ نہ ان کے رہنے کے لیئے مکان ہوتے۔ اور نہ روزی کمانے کا کوئی عمدہ ذریعہ ان کے ہاتھ میں ہوتا۔ ان کی اس گری ہوئی حالت کی اصلاح ان کو فوری آزادی دینے سے نہیں ہوسکتی تھی پس ان کے لیئے اسلام نے حکیمانہ دور اندیشی سے ایسا طریق سوچا جس سے ان کی حالت بھی سنورنے لگی۔ اور تدریجی طور پر ان کو آزادی بھی ملنی شروع ہوگئی۔ وہ ذلت جو غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی۔ اور جو سب برائیوں کی جڑ تھی وہ اخوت کو قائم کر کے نابود کر دیگئی۔ اور پھر انکو تعلیم دینے اور ہنر سکھانے کا اہتمام اور ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام بھی کیا گیا۔ اسیواسطے صدقات کے روپے کا مصرف ایک یہ بھی رکھا گیا کہ اس سے غلاموں کو آزاد کرایا جائے۔ تواریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ لڑائیاں انسان کی ابتدائی ترقی میں اس کی موجودہ حالت سے بڑھ کر ضروری رہی ہیں اور انہی جنگوں کے لوازمات میں سے ایک غلامی بھی تھی۔ بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی کا ایک بہت بڑا سبب تھا۔ کیونکہ اس رواج کے جاری ہونے سے وہ بے رحمی جاتی رہی۔ جو اسیران جنگ کو قتل کر دینے کی محرک ہوا کرتی تھی۔ اسیران جنگ سے قتل کی بجائے ان کے غلام بنا لینے کے رواج کی تدریجی ترقی اسرائیلی شریعت میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اگرچہ اسرائیلی شریعت میں بہت کچھ ترقی غلاموں کے ساتھ کیگئی تھی۔ مگر علم اشتغلامی کا یہ تھا۔ کہ مالک کے ساتھ سخت دلی اور مملوک کے ساتھ ذلت لگی ہوئی تھی۔ عیسائی مذہب نے باوجود ان بڑے بڑے دعووں کے جو آج پادری صاحبان منبروں پر چڑھ کر کر رہے ہیں۔ ان مضرات۔ کے روکنے یا ان کی اصلاح کی کوئی تدبیر نہ بتائی۔ یہ اسلام ہی کا حصہ تھا کہ اسنے پہلے تو غلاموں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کیا کہ جس سے آقا اور غلام میں کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ اور بعدہٗ ان کی آزادی کے لیئے ایسے طریقے تجویز کیئے کہ یہ رسم ہی جہان سے اٹھ جائے اور کسی کی گردن میں غلامی کا طوق باقی نہ رہے۔

یہ ایک طبعی امر ہے کہ قوموں میں اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور متخاصمین اثنائے جنگ میں مخالف قوم کے افراد کو اگر موقع ملتا ہے تو پکڑے جاتے ہیں ایسی حالت میں یہی کیا جاتا ہے کہ زبردست فریق سے کچھ قیدی تو قیدیوں کے عوض میں۔ اور باقی نقد جنس دے دلا کر رہا کرا لیئے جاتے ہیں۔ اور یہی مصلحت بھی ہوتی ہے کہ جس طرح ہو سکے اپنے آدمیوں کو رہا کرا لیا جائے۔

چونکہ اس قدر یہ مصلحت قومی ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اسکا حکم دیا ہے کہ جو مسلمان دشمنوں کے ہاتھ پڑ جائیں۔ اور وہ انہیں آزاد نہ کریں تو زکوٰۃ کے روپیہ سے زر فدیہ ادا کر کے انکو چھڑایا جائے۔ اسلیئے کہ جو لوگ حمایت قوم کے لیئے سر بکف ہو کر نکلیں اور مصالح قومی کی حفاظت میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کریں۔ اور پھر کسی اتفاق سے دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائیں تو کیا ان کا اتنا بھی حق نہیں ہے۔ کہ قوم کے متمول روپیہ جیسی آنے جانے والی چیز سے ان کی مدد کریں قوم کا فرض ہے کہ اپنے آپ کو جوکھوں میں ڈالے اور انکو چھڑائے۔ اس کے علاوہ ان کے چھڑانے میں خود قوم ہی کا فائدہ ہے۔ اور نہ چھڑانے میں اسی کا نقصان یہ نقصان تو ظاہر ہے کہ فدائیوں کی ایک جماعت ہاتھ سے جاتی رہی جس کی تلافی کوئی آسان بات نہیں ہے مگر اخلاقی و معنوی نقصان اس سے بڑھ کر ہے کہ قوم کے دل چلوں اور شجاعوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ جب قوم کا یہ حوصلہ اور دم ہے تو پھر ایسی بے مروت کے لیئے جان جوکھوں میں ڈالنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ یہی خیال غیر جنگی افراد کے قید ہو جانے اور قوم کے ان کی طرف سے بے پرواہ رہنے اور انکو آزاد نہ کرنے سے ہوگا۔ اور جب قوم پر مردنی چھا گئی۔ اور نفسا نفسی کی وبا پھیل گئی تو پھر وہ قوم کیا قوم ہے۔ اور کیا اسکا تمدن ہے برخلاف اسکے اگر قوم اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے درپے رہے۔ اور ان کی آزادی کی خاطر مال کے خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے۔ تو پھر افراد قوم میں حوصلہ ہوگا۔ اور وہ اپنے ابنائے قوم کے مصالح و حقوق کی نگہداشت میں ہرگز کسی پیش آیند وسوسہ کے باعث آگے بڑھنے سے باز نہ آئیں گے۔ اور یوں قوم میں دلیری و جرأت اور جوش حمیت و ولولۂ مروت جیسے اوصاف نہ صرف باقی رہیں گے بلکہ بڑھتے جائیں گے۔

قومی انحطاط و ترقی کا ایک کھلا تجربہ ہے۔ کہ جو قوم اٹھتی ہے تو کل افراد قوم میں یکبارگی دلیری و جرأت اور جوش حمیت اور ولولۂ مروت پیدا ہو جاتا ہے اور جب زوال آتا ہے تو کل قوم میں سستی اور کاہلی۔ بے مروتی اور پست ہمتی چھا جاتی ہے پس ان اوصاف کو زندہ رکھنے کے لیئے اسلام نے حکم دیا۔ کہ غلاموں کو

آزاد کرانا تمہارا فرض ہے۔ اور اُن پر اپنے مال کو تصدق کرنا تمہارا ایمانی کام ہے بلکہ غلاموں کے ساتھ برادرانہ مساوات رکھنا اور ان سے حسن سلوک کرنا مومن کی نشانی ہے۔

جو لوگ صاحبِ مرتبہ یا صاحب ثروت ہیں۔ وہ غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ حقارت سے دیکھنے کی عادت ان مغربی اقوام میں سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ جنکو اس بات پر فخر ہے کہ ہم نے غلامی کے رواج کو دنیا سے نابود کر دیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ غلامی کا نام تو انہوں نے دور کر دیا ہے۔ مگر اس کی حقیقت اب بھی نوکر اور آقا کے تعلقات میں ویسے ہی پائی جاتی ہے اور نام کی تبدیلی سے حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ ایک مہذب یورپین جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے۔ تو وہ اُسکے ساتھ ایک وحشی سے بھی بدتر سلوک کرتا ہے۔ خصوصاً اس حالت میں جب ملازم کا پیشہ ادنےٰ درجہ کا ہو۔ اگر غلامی کے موقوف کرنے سے بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے میں کر سکتا ہے اُسکو روکا جائے۔ اور ان لوگوں کو جو غلام کہلاتے ہیں ان کی ذلیل حالت سے نکالکر دوسرے انسانوں کی طرح سمجھا جائے۔ تو میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ یورپ میں سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہیں ہوا۔ اور ابھی تک یورپ نے وہ مقصد حاصل نہیں کیا۔ جو اسلام اس سے تیرہ سو سال پہلے حاصل کر چکا ہے۔ اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کاموں میں اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت میں شریک ہو گیا۔ اور اس طرح اسلام نے انکو غلامی کے پھندے سے قطعاً آزاد کر دیا۔ اور نہ صرف برائے نام بلکہ عملی اور حقیقی طور پر اسکو جڑ و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینکدیا۔

اسلام کی عام اصول مساوات کو چھوڑ کر اب ذرا آقا اور غلام کے عملی تعلقات پر بھی غور کرنا چاہئیے۔ حضور رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام مسلمانوں کے آقا اور سردار تھے۔ تاہم آپ نے عام مسلمانوں حتیٰ کہ غلاموں سے اپنے لیئے کبھی کوئی زیادہ امتیاز نہیں چاہا۔ ایک سفر میں کھانا پکانے کے لیئے صحابہ نے کام تقسیم کر لیئے۔ باوجودیکہ آپ کے غلام بھی ہمراہ تھے۔ مگر جنگل سے لکڑیاں لانے کی خدمت مرشد کائنات نے خود اپنے ذمہ لی۔

حضرت انس جو آپکے خادم تھے دس برس خدمت نبوی میں رہے لیکن ان کا بیان ہے کہ اس مدت طویل میں جتنی خدمت آپ کی کی اُس سے زیادہ آپ نے میری کی۔ مساوات کا یہ عالم تھا کہ وہی حضرت انسؓ فرماتے ہیں "ما قال لی فی شیئ لما فعلت" یعنے تحکمانہ کام لینا یا جھڑکی دینا تو بڑی بات ہے کبھی حضور انورؐ نے اتنا بھی نہیں کہا۔ کہ فلاں کام یوں سے یوں کیوں کیا؟

ایک صحابی نے اپنے غلام کو مارا تو آپ نے فرمایا "یہ تمہارے بھائی ہیں جنکو خدا نے تمہارے ہاتھ میں دیا ہے جو خود کھاؤ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہ انکو پہناؤ۔"

اسلام نے نہایت شدت کے ساتھ اس سے روکا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو خواہ وہ کیسا ہی ادنےٰ درجہ کا کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔ غلام اور باندی کہے کیونکہ سب خدا ہی کے غلام ہیں۔ اسی طرح غلاموں کو فرمایا کہ اپنے مربیوں کو آقا نہ کہیں کہ مساوات اسلامی میں اُس سے فرق آتا ہے۔ چنانچہ یہ ایک صحیح حدیث کا مضمون ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے یہ نہ کہے اطعم ربك وضئ ربك واسق ربك بلکہ یوں کہے سیدی و مولائی۔ اور نہ کوئی شخص تم میں سے یہ کہے کہ عبدی امتی بلکہ وہ یوں کہے فتائی او فتاتی (بخاری شریف کتاب اللقطہ)

ایک بار ایک صحابی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے خطاب کیا۔ کہ "انت آقائے من" آپ نے فرمایا "مجکو آقا نہ کہو۔ آقا تو ایک ہی ہے یعنی خدا۔"

بتاؤ کونسا ایسا اور انسانوں کا ہمدرد پیدا ہوا ہے۔ یا کونسا مصلح ہے جسنے ایسی کامل اخوت آقا اور غلام میں پیدا کی۔ جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی زندگی میں ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک سا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو یہی نہیں بلکہ غلاموں کی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے جب ہم آپ کے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہیں کہ:۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْلَا الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْحَجُّ وَبِرُّ اُمِّیْ لَاَحْبَبْتُ اَنْ اَمُوْتَ وَاَنَا مَمْلُوْكٌ

قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد اور حج اور ماں کے ساتھ نیکی نہ ہوتی تو میں پیار کرتا کہ غلامی کی حالت میں مروں۔ (بخاری شریف)

پھر غلام محض حیوان کی طرح ایک گونگا کارکن نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کا سچا شیر قرار دیا گیا ہے۔ غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہیں رکھا گیا۔ کہ ان سے کام لیا جائے۔ اور ان کے ساتھ نیکی کیجائے بلکہ ان کی عمدہ پرورش کے لیئے بھی جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا کہ:۔

اَیُّمَا رَجُلٍ کَانَتْ لَہٗ جَارِیَۃٌ اَدَّبَہَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَہَا وَاَعْتَقَہَا

جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اُس کی تادیب کرے یعنی اسے اچھی طرح نیک اخلاق

وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ ۝
(بخاری شریف)

تربیت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اسکے بعد اسکو آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے تو اسکے لئے دوہرا اجر ہے

اس حدیث کی طرف میں خصوصیت سے اُن کوتاہ نظروں کو توجہ دلاتا ہوں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے وہ غور کریں کہ آزاد عورتیں تو ایک طرف ہیں اسلام تو لونڈیوں کے متعلق یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دیجائے۔ اس حدیث سے نہایت صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا منشا غلاموں اور لونڈیوں کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔ اور ان تمام دلائل سے یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام میں غلام کو غلام سمجھا ہی نہیں گیا۔ بلکہ اسکے کام کو الگ چھوڑ کر جو اسکے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے۔

خلفائے راشدین جو تعلیم اسلامی کے زندہ پیکر تھے۔ ان کا بھی ہمیشہ یہی طرز عمل رہا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اور ان کا غلام سفر بیت المقدس میں باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ بیت المقدس کے جب قریب پہونچے تو غلام کی باری تھی۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ سوار ہوں کہ شہر نزدیک آگیا آپنے نہ مانا۔ اور آخر خلیفہ اسلام بیت المقدس میں اسطرح داخل ہوئے کہ اُن کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی۔ اور اونٹ پر اسکا غلام سوار تھا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جبکہ تمام شہر خلیفہ اسلام کی شان وعظمت کا تماشا دیکھنے کے لیے امنڈ آیا تھا یہ واقعہ مشہور ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

واقعہ جنادین میں رومی سپہ سالار نے ایک جاسوس مسلمانوں کے دریافت حال کے لیئے معسکر اسلام میں بھیجا۔ جاسوس اسلام کے ان سچے نمونوں کو دیکھکر جب واپس گیا۔ تو رومی سپہ سالار سے ایک تحیر کے عالم میں بول اٹھا کہ :-

هُمْ بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ لَوْ سَرَقَ ابْنُ مَلِكِهِمْ قَطَعُوهُ وَإِذَا زَنَى رَجَمُوهُ

یہ لوگ راتوں کو استغراق عبادت میں راہب ہوتے ہیں۔ مگر دن کو شہسوار اگر ان کا شہزادہ بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں اور اگر زنا کرے تو اسے بھی رجم کریں (آقا اور غلام کی کوئی تمیز نہیں)

خصائص مسلم کی یہ اصلی تصویر تھی۔

ایک دفعہ حضرت رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسیران جنگ میں سے ایک اسیر کو صحابی ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کو بطور غلام کے دیا اور اسے نصیحت کی۔ کہ اس سے نیک سلوک کرے۔ یہ صحابی اس غلام کو لے کر گھر گیا۔ اور اپنی بی بی سے کہا کہ حضورؐ نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا۔ میاں اس نصیحت پر تم پورا عمل کیونکر کرسکتے ہو۔ سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کر دو۔ چنانچہ انہوں نے وہ غلام اسیوقت آزاد کر دیا۔

ابومسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ ناگہاں اپنے پیچھے سے یہ آواز سُنی "ابومسعود یاد رکھو۔ کہ جس قدر طاقتور حاکم تم اسپر ہو اس سے زیادہ حاکم خدا تم پر ہے" ابومسعودؓ کہتے ہیں جب میں نے پھر کر دیکھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اسی وقت اسکو خدا کے لیئے آزاد کر دیا آپ نے فرمایا۔ اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو تم آگ میں گرتے"

حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اسکا غلام اسکے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے آپنے فرمایا۔ اسے اپنے پیچھے بٹھا لو۔ کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ اور اسکی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے"

حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا یہ پیارا قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ میں شرمندہ ہوتا ہوں جب میں ایسے آدمی کو غلام بناکر رکھتا ہوں کہ جو کہتا ہے کہ "اللہ میرا رب ہے"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپنے ایک غلام کی نافرمانی کی وجہ سے اسکا کان مروڑا۔ پھر اپنے فعل سے توبہ کی۔ اور اسی غلام کو کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اس نے انکار کیا۔ آپنے اصرار کیا تو اس نے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا۔ آپنے کہا زور سے مروڑ۔ کیونکہ میں قیامت کے دن کی سزا برداشت نہیں کرسکتا۔ غلام نے جواب دیا کہ اے میرے آقا! جس دن سے تو ڈرتا ہے اُسی دن سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

غرض اسلام نے غلامی کو اڑانے کی حد سے زیادہ سعی کی ہے۔ اور عملی زندگی میں اسکو دنیا سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ تیرہ سو سال گزر چکے ہیں جب کہ ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتیں جاری کیں۔ اور نہ صرف جاری کیں بلکہ ان پر خود بھی عمل کیا اور اپنے متبعین سے بھی کرایا جن کی چند مثالیں اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ مگر آج باوجود تیرہ سو سال گزر جانے کے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعوؤں کے کسی شخص میں اسقدر جرات بھی نہیں جو ان ہدایتوں پر عمل کرنا تو درکنار۔ نوکروں کے متعلق اسی قسم کی ہدایتیں دینے کی جرات کرے۔

غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دئے جاتے تھے۔ اُسامہؓ جو زید کے بیٹے تھے حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا اسی طرح کی کئی مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ حضرت محمود رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جو سلوک اپنے غلاموں سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے۔

کہ غلاموں کی ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح پر اپنے پیارے نبی کے لفظوں پر عمل کرتے تھے۔ آج بھی دنیا میں کوئی ایسا فاتح موجود ہے۔ یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہوا ایسا ہے کہ وہ ایسی اخلاقی جرأت دکھلا سکے جو حضرت عمرؓ نے دکھائی یا نیک سلوک کا ایسا نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے شہنشاہ نے دکھایا۔

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات یقینی کو پیش نظر کرنے کے بعد میں اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ غلامی جسکے رواج کو ایک حد تک اسلام نے یک لخت روک نہیں دیا۔ کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کے رو سے جو دنیا میں سمجھا جاتا ہے اسکو غلامی کہہ سکیں نہیں بلکہ جہاں تک آجکل کے نوکروں کے ساتھ سلوک دیکھا جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اسوقت دنیا میں جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہیں وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کرینگے۔ اور اس خادم کی حالت سے اُس غلامی کی حالت کو بدرجہا بہتر سمجھیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک میں اسطرح موجود ہے عنقریب دنیا دیکھ لے گی کہ جب تک خادموں کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائے گا جس کی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسان کے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدوں میں سے سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی۔ تب تک غلاموں کی موقوفی لفظی موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہیں ہوئی۔ جو دنیا کی اخلاقی ترقی کے لیئے ضروری ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے۔ اور جس پر انسان انسانوں کے لیئے مفید اور خدا تعالیٰ کا سچا بندہ بن سکتا ہے۔

قرآن کریم نے غلاموں کے آزاد کرنے کو کس قدر ضروری قرار دیا ہے۔ وہ قرآن پاک پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن سے جا بجا مختلف مثالوں اور پیرایوں سے غلاموں کو آزاد کرنے اور کرانے کا حکم دیا ہے۔ اسی واسطے تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے بہت سے غلام آزاد کئے نہ صرف اپنی ملکیت کے بلکہ خرید خرید کر بھی بہتوں کو آزاد کیا۔ چنانچہ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک ہزار غلام اسلام لانے کے بعد آزاد کیئے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے مکہ میں چالیس ہزار درہم غلاموں کے خرید کر آزاد کرنے میں خرچ کیئے۔ نہ صرف افراد ہی کو یہ حکم تھا کہ وہ حسب طاقت اور بمقتضائے وقت غلام آزاد کریں۔ بلکہ زکوٰۃ کے روپے کا جو بیت المال میں جمع ہوتا تھا۔ ایک ضروری مصرف غلاموں کا آزاد کرنا بھی تھا۔ گویا حکومت کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی ایک حصہ روپے کا غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کرے۔ یہ حکم انسانی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

علاوہ ان عام احکام کے بعض حالتوں میں صاحب مقدور مسلمانوں کے لیئے غلام کا آزاد کرنا جہاں غلام مل سکے لازمی قرار دیا گیا ہے اور یہ تمام موقعے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہیں۔ پہلا موقع وہ ہے جو ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے اُسوقت بردہ آزاد کرنیکا حکم ہے (دیکھو سورہ نساء ۹۲)

دوسرا موقع ہے جہاں کوئی اپنی بیوی سے اظہار کر بیٹھے یعنی اپنی بیوی کو ماں کہدے اور ظہار کے بعد اگر رجوع کرے تو اسکا کفارہ غلام کا آزاد کرنا رکھا ہے (دیکھو سورہ المجادلہ ۴)

ان دونوں صورتوں میں غلام کا آزاد کرنا لازمی ہے لیکن اگر غلام نہ ملے تو پھر اور صورتیں کفارہ کی بتائی گئی ہیں۔ تیسرا موقع وہ ہے۔ جب کوئی قسم کھا بیٹھے اور پھر اسکو پورا نہ کرے اسکا کفارہ یہ فرمایا کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے اور یا بردہ آزاد کرے۔ حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو شخص روزہ رکھکر اسکو توڑ دے اسکا کفارہ بھی غلام کا آزاد کرنا ہے۔ یہ سب ایسے حکم ہیں جن میں غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے۔ بعض اور حالتیں بھی ہیں جن میں غلاموں کا آزاد کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پس افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس پاک مذہب اسلام اور اس پاک مزکی کامل انسان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے غلامی کو مذہب کا جزو بنا دیا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ غلامی کو نہیں بلکہ غلاموں کے آزاد کرنے کو جزو مذہب بنایا گیا ہے۔ وہ راستہ جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ اور جس میں مہاجرین اور انصار چلتے رہے وہ ایک صاف اور واضح راستہ ہے پس اس راہ پر نکتہ چینی کرو اور دکھاؤ کہ کس مذہب نے اور کس مذہب کے بانی نے ایسے روشن اصول قائم کئے۔ اور انسانوں کے ساتھ ایسی پاکیزہ ہمدردی سکھلائی۔ دنیا جب تک اس پاک رسولؐ کے آگے تسلیم خم نہیں کرے گی اُسے کبھی بھی حقیقی فلاح و ترقی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا مگر مسلمان ہیں کہ وہ بالکل غافل اور بے پرواہ ہیں۔ اور ان باتوں کی طرف خیال تک نہیں کرتے۔ یورپ کو دیکھو کہ وہ اپنے قیدیوں کے چھڑانے میں کیسی سرگرمی دکھاتا ہے بلکہ وہ ایک ایک فرد کی حمایت میں کیا کیا کر گزرتا ہے اور کیونکر اپنی ضائع شدہ جانوں کا تاوان لیتا ہے کیوں؟ وہ جانتا ہے کہ افراد قوم سے کیا تعلق ہے۔ اور افراد کی طرف سے قوم کی بے اعتنائی کرنیکا نتیجہ کیا تباہ کن ہے اور ملک ہو یا اپنی مصالح قومیت کی حفاظت کی خواست کی غرض سے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر تم میں سے کچھ مسلمان دشمن کے ہاتھ قید ہو جائیں۔ اور فدیہ دینے سے آزاد ہو سکتے ہوں تو تم زکوٰۃ میں سے زر فدیہ دیکر انکو آزاد کرالو اور انکو قید میں چھوڑ کر اپنی قوم کی تباہی کا اور ان کی ہلاکت کا خود باعث نہ بنو۔ خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہٗ

اسوۂ حسنہ یوسف علیہ السلام
واقعاتِ قدیمہ کی تطبیق زمانہ مابعد سے

ذیل کا گرانقدر اور مفید مضمون مولنا عبدالحی صاحب فاروقی پروفیسر میرٹھ کالج نے بعد تصحیح و نظر ثانی اسوۂ حسنہ میں مکرر شائع کرنے کے لیے ہم کو مرحمت فرمایا ہے جسکے لیے ہم مولنا ممدوح کے ممنون و شکر گزار ہیں تھوڑا عرصہ ہوا کہ یہی مضمون بہ ادنے تغیر محترم و مقتدر معاصر رسالہ زمیندار لاہور کے تین نمبروں میں مسلسل شائع ہوچکا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایک روزنامہ خبار میں چھپنے سے اس قسم کے علمی اور مذہبی مضامین کی وہ اہمیت باقی نہیں رہتی جسکے وہ مستحق ہیں۔ علاوہ ازیں ان سے قوم کو بھی وہ پائدار نفع نہیں پہونچتا جسکا تصور اس علمی کس مپرسی اور علمی ناقدری کے زمانہ میں قابل اور ہمدرد قوم مضمون نگار کے تھکے ہوئے دل و دماغ کے لیے صرف ایک ذریعہ راحت اور تالیف مضمون میں محنت و کوشش کرنے اور دماغ کھپانیکا محرک ہوا کرتا ہے۔ اسلیے اگرچہ "جگہ کم اور مضمون زیادہ" ہونے کی شکایت آج بھی اتنی ہی ہے جتنی کہ آج سے تیرہ مہینہ قبل تھی لیکن ہم دوسرے ضروری مضامین کی اشاعت کو ملتوی کرکے اِس مفید اور قابل مطالعہ مضمون کے لیئے جگہ نکالنا اپنا فرض سمجھتے ہیں چنانچہ اسکا ایک حصہ اس پرچہ میں شائع کرتے ہیں۔ اور باقی انشاء اللہ آیندہ نمبروں میں درج کریں گے۔ قرآن پاک کے اسرار و معارف کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ لگاکر ان قیمتی موتیوں کا نکالنا جن کی اس زمانہ میں ہر طرف ضرورت اور مانگ ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی نہیں بلکہ کل نوع انسان کی ایک ایسی خدمت ہے کہ جس سے بہتر علمی اور نظری دنیا میں کوئی دوسری خدمت نہیں ہوسکتی۔ ہم مولنا عبدالحی صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انکا دل و دماغ اور قلم اسی خدمت میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے نیک مقاصد میں کامیاب فرمائے آمین۔ امید ہے کہ ہم مولنا کے خرمن علم و تحقیق کے تازہ خوشے بھی عنقریب ناظرین اسوۂ حسنہ کے سامنے پیش کرسکیں گے۔ جیسا کہ ہم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ ۔ ایڈیٹر

(۱)

باری تعالیٰ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر انبیائے سابقین کے واقعات حیات بیان فرماتا ہے ان کے حالات زندگی کا ذکر کرتا ہے۔

غور کرو۔ کیا وہ واقعات اپنے اندر کوئی کشش و جاذبہ نہیں رکھتے۔

کیا ہمارے لیئے ان میں کوئی درس عبرت موجود نہیں۔

کیا تم ان کو محض افسانہائے پیشین ہی کہوگے۔ اور کیا تمہارے نزدیک ان کی عزت و توقیر اساطیر الاولین سے زیادہ نہ ہوگی۔

آؤ تھوڑی دیر کے واسطے اس رشد و ہدایت کی کتاب مبین میں عمیق فکر سے کام لیں قرآن کوئی تاریخی کتاب نہیں جو تم کو اقوام سابقہ کے حالات بتلانے کی حقیقت میں نظر اور نکتہ رس فہم سے کام لو نظم و ترتیب اور ربط آیات کو ملحوظ رکھو۔

یہی قصص و حکایات ہیں جن میں تم کو گزشتہ قوموں کے عروج و زوال اور ترقی و تنزل کے علل و اسباب معلوم ہوں گے۔

انھیں میں تم کو تہذیب و اخلاق اور تدبیر منزل کے اصول و ضوابط نظر آئیں گے۔

یہی واقعات و حوادث صلاح و فلاح جہانداری و خلافت کبریٰ کی تنظیم و تفصیل کے آئین و قواعد سکھائیں گے یرید اللہ لیبین لکم و یھدیکم سنن الذین من قبلکم۔ خدائے علیم و خبیر کا یہ مقصد ہے کہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کے طریقے تم سے صاف صاف اور کھول کر بیان کردے اور تم کو ان کے طریقے پر چلائے فاقصص القصص لعلھم یتفکرون۔ ان سے واقعات و حالات بیان کرو تاکہ یہ لوگ غور و فکر سے کام لیں۔

سلسلہ قائنات کی ہستی کے تمام شعبوں کے لیئے اگر کسی الہام مبین ہادی و مرشد اور داعی الی اللہ کی ضرورت و احتیاج ہے تو اسکے لیئے قرآن حکیم کفیل و ذمہ دار ہے۔

ہم نے ایک زمانہ سے جو درجہ قرآن کریم کو دیا ہے وہ ہماری عملی زندگی سے بالکل خارج ہے ہم نے اپنی تمام سعی و کوشش اور جہاد فی سبیل اللہ کو چند نوافل و عبادات زوائد میں محصور کر رکھا ہے۔

انہیں نوافل و عبادات زوائد پر دین و ایمان کا انحصار رہ گیا ہے اور وہی عمود مذہب و ملت شمار کیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اور بھی فرائض تھے جن پر ملت قدیمۂ اسلامیہ کی اساس و بنیاد تھی اور بعض امور تو ایسے ہیں کہ منافقین و ملحدین ان کا نام زبان پر لانا بھی کفر خیال کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ ایک نہایت ہی طویل ترین سورۂ قرآنی ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عموماً یہ قاعدہ تھا کہ آپ اس صحابی کو حاکم شہر یا امیر شئون اسلامی مقرر فرماتے جسکو سورۂ بقر یاد ہوتی۔

آثار سے ثابت ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سورۂ مبارکہ کے مطالعہ میں دس یا بارہ سال صرف کئے اور آخر کار اپنی مسرت و شادکامی کا اظہار اس طرح فرمایا

کہ ایک اونٹ ذبح کر کے مسلمانوں کی دعوت کی۔

ان باتوں کو گوشۂ دل میں جگہ دو پھر خلافت فاروقی پر ایک غائر اور دوربین نظر ڈالو۔ تم کو خود بخود حال معلوم ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے مختلف مدارج کے واسطے قرآن ایک فطری قانون ہے۔ جو تہذیب اخلاق سے شروع ہوتا ہے تاکہ تمام اعمال حسنہ اور افعال فاضلہ کی بنیاد مضبوط اور ٹھوس چٹان (اخلاق) پر ہو۔

تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کے مباحث اصولی طور پر ذکر کرنے کے بعد قرآن خلافت کبریٰ کے آئین و قوانین پر مقنن اعظم کے نقطۂ نظر سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ بحث کرتا ہے۔

یہی وہ خلافت و نیابت الٰہی ہے جو ہر مسلم ہستی کا دنیا میں منتہائے کمال ہے جبکہ وہ دجاجلۂ کفر و شیطنت کی غلامی کا جوا گردن سے اتار چکا ہو اور اپنی جبین نیاز صرف حضرت ربوبیت کے آستان جلال و کبریائی پر رکھتا ہو۔

قرآن حکیم میں جس قدر قصص و حکایات ہیں ان میں سے ایک ایک واقعہ حقیقت و دانائی اور بصیرت الی اللہ کا ایک ایک مستقل درس ہے۔

محض تنبیہ و ایقاظ کی غرض سے ہم اس سلسلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ زندگی کو لیتے ہیں۔ اور ان کی حیات طیبہ کے صرف اسی قدر حصہ پر اپنی بحث کو محدود رکھنا چاہتے ہیں جس قدر قرآن میں مذکور ہے۔

اسرائیلی روایات سے نہ ہمیں کوئی سروکار۔ اور نہ وہ مسلمانوں کے مفید مطلب ہمارا خیال ہے کہ ایسا کوئی تعلیم یافتہ مسلمان نہیں جسکو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات زندگی معلوم نہ ہوں۔ اس لیئے ان کے ذکر کو ہم نظر انداز کرتے ہوئے صرف چند تلمیحات و اشارات اور ضروری و اہم نتائج ذکر کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ضروری اور صحیح حالات ایک ہی سورہ میں بیان ہوئے ہیں اور خدائے عالم الخفایا اس تمام قصہ و حکایت کو احسن القصص سے موسوم فرماتا ہے نحن نقص علیک احسن القصص ضرورت ہے غور و فکر کرنے کی کہ اسکو بہترین قصہ جناب باری عز اسمہ نے کیوں فرمایا۔

دیکھو اس سورۂ مبارکہ کا نزول اس زمانہ میں ہوا ہے جبکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں رونق افروز تھے۔

مسلمانوں کا کوئی ہم خیال نہ تھا۔ اسلیئے وہ غریب تھے انکی جمعیت کم تھی۔

دشمنان ملت بیضا کا سواد اعظم تھا۔

حق و صداقت کے دبانے کے لیئے دولت۔ اجتماع۔ سازش اور رئیسانہ و امیرانہ اقتدار تمام قوتیں مصروف کار تھیں۔

صحابہ کبار رضی اللہ عنہم تکلیف و مصیبت کی زندگی بسر کرتے تھے تبلیغ اسلام و نشر حق کے لیئے قربانیاں کرنی پڑتی تھیں۔

غور کرو ان مسلمانوں کے قلوب میں کس قسم کے خیالات گزرتے ہونگے۔

وہ کامیابی و کامرانی کے آرزومند تھے۔

وہ جہاد فی سبیل اللہ کے شیدائی و فدائی تھے۔

وہ حق کو بلند و برتر دیکھنا چاہتے تھے۔

اسلیئے وہ اکثر دربار رسالت میں حاضر رہتے، اسلام اور مسلمانوں کی آیندہ ترقی و حکومت کے متعلق دریافت کرتے کیونکہ اسلام اور حکومت درحقیقت ایک ہی چیز ہے۔

جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور اسمیں ایک قطرہ کی بھی گنجایش باقی نہ رہی تو خدائے علیم و خبیر نے سورۂ یوسف نازل فرمائی اور اسمیں یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ لقد کان فی یوسف واخوتہ ایت للسائلین یعنی یوسف اور اسکے بھائیوں کے واقعے میں مستفسرین کے لیئے نشانیاں ہیں۔

دوربین نظروں نے فوراً دیکھ لیا کہ کامیابی ممکن نہیں۔ جب تک حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح وطن کو خیرباد نہ کہیں گے۔ اہل و عیال عزیز و اقربا اور متاع زندگی پر مہاجرت الی اللہ کو ترجیح نہ دینگے حامیان حق و صداقت کے لیئے ابتدائے آفرنیش سے یہی سنت اللہ جاری ہے۔ داعیان الٰہی کو جب دکھائی دیا۔ کہ تمام قوم۔ ملک اور حکومت ان کے مقصد وحید کے مخالف ہے۔ انہوں نے ہجرت کو پسند کیا۔ انجام کار نیرنگ ساز ازل نے ان مہاجرین کو اپنی کمال رافت و رحمت میں ڈھانپ لیا۔ اور انکو اعدائے دین اور دشمنان ملت کے سامنے مظفر و منصور کر کے بامراد و شاد کام فرمایا۔

انہوں نے وہ دیکھا جو خدا نے انکو دکھایا۔

انہوں نے ہجرت وطن و مفارقت احباب کو اختیار کیا۔

وہ سمجھ گئے کہ یوسف و برادران یوسف کا قصہ حقیقت میں ہمارے سوال کا مکمل و مفصل جواب ہے ✦

(عبد الحی)

ہمت

جس درجہ ہو مشکلات کی طغیانی — ہو اہل ہمم کو اور بھی آسانی
تیراک اپنا ہنر دکھاتا ہے خوب — ہوتا ہے حباب اٹھکے سر سے اونچا پانی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

دین و دنیا کا تعلق

جو لوگ کسی دین و مذہب کے پابند نہیں جن کا دین و مذہب اگر کچھ ہے تو صرف یہی کہ جو کچھ ہے یہ دنیا ہے۔ اور اسکے بعد کچھ نہیں۔ انسان کسی دوسری دنیا میں اپنے افعال کا جوابدہ نہیں۔ وہ کسی قانون یا کسی ضابطہ کا پابند نہیں جسپر عمل کرکے فلاح اور بہبودی حاصل کرسکے۔ وہ مثل گھاس کے پیدا ہوتا اور فنا ہوجاتا ہے جزا و سزا کوئی چیز نہیں۔ ایسے لوگوں کا میلان بجز اسکے اور کسی طرف نہیں ہوسکتا کہ دنیا میں خوب عیش کریں اور گلچھرے اڑائیں گویا یہ شعر انکے دلی خیالات کا آئینہ ہے ؎

نوروز و نو بہار و مے و دلبر خوش است　　بابر عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

میرے مخاطب وہی لوگ ہیں جو کسی دین و مذہب کے پابند ہیں اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم کو ایکدن احکم الحاکمین کے سامنے اپنے افعال و اقوال اور حرکات و سکنات کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔

اس مسئلہ میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں۔ ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ دنیا دغابازی اور مکاری ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اسلیئے دنیا طلبی میں مکر و فریب کے بغیر چارہ نہیں۔ رہی آخرت اسکے سنوارنے کے لیئے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ پوجا پاٹ برت۔ جاترا۔ دان پن وغیرہ عبادات کافی ہیں اور اسطرح دنیا اور آخرت دونوں حاصل ہوسکتی ہیں۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ دین اور دنیا نقیض یکدگر ہیں۔ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ دنیا کے کام آخرت کے لیئے اور آخرت کے کام دنیا کے لیئے نہ صرف غیر مفید بلکہ مضر ہیں۔ اسکا خیال یہ ہے کہ دنیاوی تعلقات کی وجہ سے انسان بالضرور خدا سے غافل ہوکر بیدینی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اسلیئے طالبان آخرت کو لازم ہے کہ دنیا کو ترک کریں۔ زن و فرزند کا خیال چھوڑکر عزیز و اقارب سے منہ موڑکر رشتہ تعلقات کو توڑکر جنگلوں اور پہاڑوں میں بیٹھ کر خدا کو یاد کریں۔ درختوں کے پتے کھائیں۔ جڑی بوٹی اور ساگ پات پر گزارہ کریں سخت سے سخت ریاضتیں برداشت کریں تب جاکر عاقبت بخیر ہونے کی امید ہوسکتی ہے ورنہ دنیا میں پھنسکر نجات اخروی کی کوئی سبیل نہیں ہے +

حقیقت میں ان دونوں فریقوں نے جن کی رائیں اوپر بیان کی گئی ہیں۔ دین و دنیا کا صحیح تعلق سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اسلام کی تعلیم اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ اور اس مضمون کا مقصد یہی ہے کہ قرآن و حدیث سے دین و دنیا کا اصلی تعلق بتایا جائے +

مگر میں نفس مضمون شروع کرنے سے پہلے ایک عقلی دلیل پیش کرنی چاہتا ہوں۔ اس امر میں کسیکو کلام نہیں ہوسکتا کہ بے نیازی صرف خدائے واحد کی ذات کے لیئے سزاوار ہے باقی موجودات (حیوانات نباتات۔ جمادات وغیرہ) سب کے سب احتیاج کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اللّٰہ غنی وانتم الفقراء (اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو) انسان کے ساتھ کھانے پینے اور لباس مکان وغیرہ کی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں۔ وہ مدنی الطبع ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کے بغیر اسکا کام نہیں چل سکتا اگر آفرینش انسان کی علت غائی یہ ہوتی کہ وہ اپنے اور اپنے متعلقین کے حوائج ضروریہ بہم پہنچانے سے یا یوں کہو کہ طلب دنیا سے باز رہے تو دنیا کبھی کی فنا ہوجاتی۔ قطع نظر اسکے ایسا حکم دینا جس کی تعمیل محال ہو ایک تکلیف مالایطاق ہے۔ اور حکیم مطلق کا یہ فعل نہیں ہوسکتا ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ　　باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اس عقلی دلیل کی تائید قرآن شریف سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ آیت ۱۸۱) "خدا تمہارے لیئے آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا"۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ آیت ۲۸۶) "خدا کسی کو اسکی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا"

اِس تمہید کے بعد میں اصل مطلب کیطرف رجوع کرتا ہوں۔ اور قرآن و حدیث سے یہ بات بتانی چاہتا ہوں کہ شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا اور آخرت یعنی معاش اور معاد کو کس طرح حاصل کرنے کی ہدایت کی ہے اور دونوں میں کس قسم کا تعلق بتایا ہے +

اللہ تعالیٰ **قرآن مجید** میں فرماتا ہے کہ :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا	اے ایمان والو! جو اچھی چیزیں تمہارے لیئے
طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا	اللہ نے حلال کی ہیں انکو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَكُلُوا	حد سے نہ بڑھو کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَ	کو دوست نہیں رکھتا اور خدا نے جو حلال و پاک
اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ.	روزی تمکو دی ہے اسکو کھاؤ اور جس خدا پر تمہارا ایمان
(المائدہ آیت ۸۹ و ۹۰)	ہے اس سے ڈرو"

اِس آیت کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک روز بہت سے اصحاب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ اور آپ روز قیامت اور اسکی شدائد کا حال بیان فرما رہے تھے۔ جس سے حاضرین کے دل پر بڑا اثر ہوا اور انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بعض اصحاب نے عثمان بن مظعون کے مکان پر جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آخر سب نے اِس بات پر اتفاق کیا کہ دن کو ہمیشہ روزہ رکھیں۔ رات کو عبادت کریں۔ بستر پر نہ سوئیں گوشت چربی وغیرہ لذیذ چیزیں نہ کھائیں۔ عورتوں سے معاشرت ترک کریں خوشبو نہ لگائیں۔ موٹا جھوٹا لباس پہن کر زندگی کے دن کاٹ دیں۔ دنیا کے کاروبار سے قطع تعلق کر لیں کسی کام میں سعی و کوشش نہ کریں۔ اور سفر اختیار کریں مختصر بالکل راہبانہ زندگی بسر کریں +

یہ خبر آنحضرت صلعم کے کان تک بھی پہنچ گئی جب عثمان بن مظعون مع اپنے رفقا کے جناب سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے کہا میں نے سنا ہے تم نے اِس قسم کا عہد کر لیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ یہ خبر صحیح ہے مگر ہماری نیت بخیر ہے۔ اس عہد سے ہماری غرض یہ ہے کہ خوشنودی الٰہی حاصل کریں اور قیامت کے مواخذہ سے بچیں۔ آنحضرت نے فرمایا "میں اِس کام کے لیئے مامور نہیں ہوا۔ جیسا خدا کا حق تم پر ہے ایسا ہی تمہارے نفس کا حق بھی ہے۔ اسلیئے تم کو چاہیئے کہ کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو۔ کبھی سو جاؤ اور کبھی عبادت کے لیئے اٹھ کھڑے ہو۔ دیکھو میں کبھی روزہ رکھتا ہوں۔ اور کبھی نہیں رکھتا کبھی عبادت کے لیئے اٹھتا ہوں۔ اور کبھی سو جاتا ہوں۔ گوشت اور چربی کھاتا ہوں۔ عورتوں کے ساتھ معاشرت رکھتا ہوں جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے "

اسکے بعد آپنے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ فصیح و بلیغ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

"اُن لوگوں کو کیا ہو گیا جنہوں نے دنیاوی خواہشوں اور نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے میں نے کبھی تم کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم عیسائیوں کے عابدوں اور راہبوں کی مانند بن جاؤ۔ میری شریعت میں یہ بات نہیں ہے۔ کہ گوشت کھانا ترک کریں۔ معاشرت نسواں سے اجتناب کریں۔ راہبوں کی طرح گوشہ نشین بن جائیں۔ میری امت کی شناخت یہی ہے۔ کہ گاہے گاہے روزہ رکھیں۔ انکی رہبانیت یہی ہے کہ راہ خدا میں جان و مال سے کوشش کریں۔ اے لوگو خدا کی بندگی کرو کسی کو اس کا شریک نہ سمجھو حج اور عمرہ بجا لاؤ۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی کو ہاتھ سے نہ دو۔ اپنے نفس پر سختی نہ کرو کہ خدا تم پر سختی نہ کرے جو لوگ پہلے تم سے گزرے ہیں ان کو انہیں باتوں نے تباہ اور ہلاک کیا۔ انہوں نے اپنے نفس پر سختی کی۔ اس لیئے خدا نے بھی اُن پر سختی کی "

بعد ازاں آیت مذکورۂ بالا نازل ہوئی۔ جس میں خدا تعالےٰ نے ان لوگوں کے خیال کی غلطی صاف طور پر ظاہر کی ہے +

اسی مضمون کو دوسری جگہ قرآن شریف میں اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ :۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي	(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دو کہ زینت کے
أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ	سامان جو خدا نے اپنے بندوں کے لیئے پیدا کیئے
مِنَ الرِّزْقِ (اعراف آیت ۳۰)	ہیں اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں کس نے حرام کی ہیں"

یعنی وجہ حلال سے روزی حاصل کرنے اور زینت و آسائش کے سامان مہیا کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے +

اِس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں سینکڑوں جگہ اپنی طرح طرح کی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور انسان کو اُن سے فائدہ اٹھانے اور شکر الٰہی بجا لانے کی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ سورۂ الرحمٰن میں فرمایا ہے کہ :۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ	اس خدا نے خلقت کیلئے زمین بنائی جس میں
فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ	میوے اور کھجور کے درخت ہیں جنپر غلاف پڑے ہوئے
الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ	ہوتے ہیں اور طرح طرح کا اناج جسپر غلاف ہوتا ہے
وَالرَّيْحَانُ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا	اور خوشبو دار پھول ہیں پس اے جن و انس تم
تُكَذِّبٰنِ (سورۃ الرحمٰن آیت ۹-۱۲)	اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے +
يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ فَبِاَيِّ	دونوں سمندر کے (یعنی کھاری اور میٹھے) سمندروں
اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن آیت ۲۲-۲۳)	میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں پس اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیتوں میں شامل اور بہت سی آیتوں کے خدا کی نعمتوں کا ذکر ہے مثلاً میوہ کھجور اور غلہ جنکو کھا کر لوگ لذت پاتے ہیں اور **موتی** اور **مونگے** جو زینت و آرائش کا باعث ہیں +

شکرگزاری اور اظہار نعمت کی تاکید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وہ اپنے پروردگار کی نعمت کا **وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** (الضحٰے آیت ۱۱) ذکر کرو اور اسکو لوگوں پر ظاہر کرو"

اظہار نعمت دو طرح ہوتا ہے **ایک** اظہار قولی یعنے احسانات الٰہی کا زبانی تذکرہ کرنا **دوسرے** اظہار فعلی مثلاً اچھا کھانا۔ اچھا پہننا اور ہر طرح کی جائز نعمتوں سے خود فائدہ اٹھانا اور دوسروں کو فائدہ پہونچانا شکرگزاری کا یہ دوسرا طریقہ زیادہ عمدہ اور خدا کو زیادہ پسندیدہ ہے +

احادیث اور بزرگانِ دین کے آثار بھی اس بات کی مزید تائید کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے :۔

اَلْعِبَادَةُ سَبْعُوْنَ جُزْءً	کہ عبادت کے ستر حصے ہیں اُن
اَفْضَلُهَا طَلَبُ الْحَلَالِ +	میں سب سے بڑھکر حلال روزی کا تلاش کرنا ہے

ایک حدیث میں جناب رسالت مآب صلعم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

اللّٰهم بارك لنا في الخبز ولا تفرق	خدا ہمارے مال میں برکت دے اور ہم میں اور ہمارے
ما بيننا و بينه فلولا الخبز	مال میں جدائی نہ ڈال اگر مال نہ ہوتا تو ہم نہ روزہ رکھ سکتے
ما صمنا ولا صلينا ولا ادينا فرائض ربنا	اور نہ نماز پڑھ سکتے اور نہ اپنے پروردگار کے فرائض ادا کر سکتے

ایک اور حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ "جو شخص وجہ حلال سے مال جمع کرنا پسند

لا خير في من لا يحب جمع المال	نہ کرے ایسا مال جس سے اپنی آبرو کو محفوظ
من حلال فيكف به وجهه و يقضي	رکھ سکے اپنا قرض ادا کر سکے اور رشتہ داروں
به دينه و يصل به رحمه	کے حقوق ادا کر سکے۔ ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے"

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ "جو شخص آخرت کے لیئے دنیا کو اور دین کے

ليس منا من ترك الدنيا للاخرة	لیئے آخرت کو چھوڑ دے وہ ہم میں سے
ولا الاخرة للدنيا +	نہیں ہے"

ایک شخص نے امام **جعفر صادقؑ** کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم دنیا کے طالب ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ دنیا ہم کو حاصل ہو۔ آپنے دریافت کیا کہ تم دولت حاصل کر کے کیا کروگے؟ اس نے کہا میں چاہتا ہوں اپنے نفس کو اور اپنے عیال کو آرام دوں۔ عزیزوں کے ساتھ سلوک کروں۔ خیرات کروں۔ حج اور عمرہ ادا کروں۔ اسکے جواب میں امام **جعفر صادقؑ** نے ارشاد فرمایا کہ "یہ طلب

ليس هذا طلب الدنيا	دنیا نہیں ہے یہ تو طلب آخرت
هذا طلب الاخرة	ہے"

محمد بن منکدر ایک فقیہ تھا۔ اسکا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نواح **مدینہ** میں جا رہا تھا۔ گرمی کا وقت تھا۔ اور لُو چل رہی تھی ایسے وقت میں امام **محمد باقرؑ** سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ آپ بدن کے بھاری تھے اور دو شخصوں کے کندھوں پر سہارا لیئے چلے آرہے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ بزرگان قریش میں سے ایک شخص ایسی گرمی میں اور اس حال سے دنیا طلبی کے لیئے نکلا ہے میں انکو نصیحت کرونگا۔ میں نے پاس آکر سلام کیا اور کہا **اصلحك الله شيخي** اسوقت اور اس حال سے آپ طلب دنیا میں مصروف ہیں اگر اس حالت میں آپ کی موت آجائے تو آپ کیا کریں۔ امام **محمد باقرؑ** نے جواب دیا اگر اس حالت میں میری موت آجائے تو وہ موت ایسے وقت میں ہوگی جبکہ میں خدا کی عبادتوں میں سے ایک عبادت میں مشغول ہونگا۔ یہ عبادت مجھے اور میرے عیال کو تجھ جیسے لوگوں کے پاس اپنی حاجت لے جانے سے مستغنی کرتی ہے۔ یعنی طلب دنیا اس غرض سے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا اُنکا احسان مند ہونا نہ پڑے۔ یہ بھی ایک عبادت ہے۔ ؏

"کہ بارِ محنت خود بہ نہ بارِ منت خلق"

امام **جعفر صادقؑ** سے روایت ہے کہ جناب سرور کائناتؐ

ارشاد فرماتے ہیں کہ "

ملعون من القی کلہ علی الناس جو شخص اپنا بوجھ دوسروں پر ڈال دے یعنے محنت کر کے اپنی روزی پیدا نہ کرے اپر خدا کی لعنت ہے "

نیز امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دنیا آخرت کے لیئے عمدہ مددگار

نعم العون الدنیا علی الاخرۃ ہے "

آیات واحادیث وروایات مندرجہ بالا سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ وجہ حلال سے اپنی روزی کی فراخی اور اپنے عیال اور متعلقین کی آسائش کے لیئے سعی کرنا ہر ایک مسلمان کا مذہبی فرض ہے اب **سوال** یہ ہے کہ بہت سی آیتوں اور حدیثوں میں دنیا طلبی کی مذمت وارد ہوئی ہے اور طالبان دنیا کو نہایت زجر و ملامت کی گئی ہے یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے

حب الدنیا رأس کل خطیئۃ کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ خدا دنیا کی مذمت بھی کرے اور ساتھ ہی دنیا طلبی کی اجازت بھی دے۔ یہ تو اجتماع ضدین ہے ایسے احکام صادر کرنا حکیم مطلق کی شان سے بالکل بعید ہے۔

یہ مغالطہ طلب دنیا کا مفہوم نہ سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے اسلیئے اول اسکا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ اسکے بعد یہ سوال خود بخود حل ہو جائے گا طلب دنیا باعتبار حصر عقلی کے تین حال سے خالی نہیں ہے۔

اول وجہ حلال سے دولت پیدا کرنا اور حلال کاموں میں اسکو صرف کرنا مثلاً اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کریں۔ اہل و عیال کی خبر گیری کریں عزیزوں اور رشتہ داروں سے سلوک کریں نوع انسان بالخصوص مسلمانوں کی مدد کریں +

دوم وجہ حلال سے دولت پیدا کرنا۔ مگر صرف میں حلال و حرام کا کچھ لحاظ نہ رکھنا یا دولت جمع کر کے صرف نہ کرنا اور بیکار پڑا رہنے دینا

سوم دولت پیدا کرنے میں حرام و حلال کا مطلق خیال نہ کرنا۔ ہر وقت دولت ہی کی دھن میں لگے رہنا۔ اور خدا کو بھول جانا +

پہلی قسم نہایت عمدہ ہے۔ اور جس دنیا کی تعریف میں آیتیں اور حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ یہی دنیا ہے ایسی دنیا کے حاصل کرنے کی شریعت نے تاکید کی ہے مگر دنیا کو ترک کر کے رہبانیت کا طریقہ اختیار کرنا اور اپنی معاش آپ پیدا کرنا نہایت مذموم اور قابل ملامت ہے یہانتک کہ حدیث میں آیا ہے جو لوگ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالدیتے ہیں وہ ملعون ہیں +

دنیا طلبی کی دوسری قسم اگرچہ فی نفسہ حلال اور مباح ہے مگر چونکہ اسکا انجام خراب ہے۔ اسلیئے شریعت نے اسکو بھی منع کیا ہے وجہ یہ ہے کہ اپنی نیک کمائی کو جو لیسینا ایک کر کے پیدا کی گئی ہے حرام و ناجائز مصارف میں صرف کرنا احکام الٰہی کی نافرمانی ہے۔

اللھم انی اعوذبك من فقر ینسینی ومن غنی یطغینی۔

(اے خدا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس فقر سے جس کی وجہ سے لوگ مجھے بھول جائیں۔ اور اس دولت و ثروت سے جو مجھے تیرا نافرمان بنا دے)

علی ہذا القیاس دولت کو جمع کر کے صرف نہ کرنا اور حقداروں کے حقوق ادا نہ کرنا یہ بھی منشائے الٰہی کے خلاف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ آیۃ ۳۴)

جو لوگ چاندی سونا جمع کرتے ہیں اور اسکو راہ خدا میں صرف نہیں کرتے ان کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو "

ایسی دنیا طلبی کی مذمت یہی کافی ہے کہ وہ انسان کو خدا سے غافل کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (علق آیت ۷)

کہ انسان اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ کر خدا سے سرکشی کرتا ہے "

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے کہ :۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (المنٰفقون آیت ۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو یاد خدا سے غافل نہ کریں اور جو ایسا کرینگے وہی گھاٹے میں رہیں گے "

اب رہی تیسری قسم یعنی حلال و حرام کا کچھ خیال نہ کر کے ہمہ تن مال و دولت جمع کرنے میں مصروف ہو جانا۔ اور خدا کی بندگی چھوڑ کر دنیا کا بندہ اور حرص و ہوس کا غلام بن جانا ایسی دنیا طلبی کی مذمت سے تمام قرآن بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

(۱) **وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ** (الحدید آیت ۲۰)

(۱) دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا اور کچھ نہیں ہے "

(۲) **اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا**

(۲) کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی

مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (التوبہ آیت ۳۸)
(۳) اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الْقَرَارِ (المومن آیت ۳۹)
(۴) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (البقرہ آیت ۸۶)
(۵) اَلْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (جاثیہ ۴۵ آیت ۳۳)

زندگی پیدا نہی ہوگئے ہو دنیا کی زندگی کے فوائد تو آخرت کے مقابلہ میں تھوڑے ہیں" (۳) اس دنیا کی زندگی میں تو محض چند روزہ فائدہ ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے" (۴) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی خریدلی ہے پس تو ان کے عذاب ہی میں تخفیف کی جائیگی اور نہ انکو مدد دیجائے گی" (۵) جسطرح تم نے اپنے اسدن کے آنے کو بھلا رکھا تھا آج ہم بھی تمکو بھلا دینگے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے یہ اسوجہ سے کہ تم نے خدا کی نشانیوں کو ہنسی کھیل سمجھ رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمکو دھوکے میں ڈال رکھا تھا"

ایسی دنیا طلبی کی مذمت میں حدیثیں بھی کثرت سے وارد ہوئی ہیں چند حدیثیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔ جناب رسالت مآب ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے" حب الدنیا راس کل خطیئۃ

حضرت عیسیٰ کا قول ہے کہ

لا یستقیم حب الدنیا والاخرۃ فی قلب مومن کما لا یستقیم الماء والنار فی اناء واحد

دنیا اور آخرت دونوں کی محبت مومن کے دل میں قایم نہیں رہ سکتی جسطرح پانی اور آگ ایک برتن میں نہیں رہ سکتے"

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:۔

من اصبح والدنیا اکبر همه فلیس من الله فی شیئ والزم الله قلبه اربع خصال ۔ همًّا لا ینقطع عنه ابدًا وشغلا لا یتفرغ منه ابدًا وفقرا لا یبلغ غناه ابدا واملا لا تبلغ منتهاه ابدا

جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اوس کو زیادہ تر دنیا ہی کی دھن لگی ہوئی ہو اسکا خدا سے کچھ حصہ نہیں۔ اور اسکے دل میں چار خصلتیں پیدا کر دیتا ہے رنج اور الم جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا مصروفیت جس سے کبھی فراغت نہیں ملتی۔ فقیری جو کبھی تونگری تک نہیں پہونچتی۔ آرزو جو کبھی اپنی انتہا کو نہیں پہونچتی"

حصول دنیا کی ان تینوں صورتوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ شریعت اسلام میں دین اور دنیا کا کیا تعلق ہے اور شارع نے کون سی دنیا طلبی کی مذمت کی ہے۔ اور کون سی دنیا طلبی کی مدح کی ہے کن شرائط سے مال و دولت حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اور کن وجوہ سے اس کی ممانعت کی ہے ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ اگر وجہ حلال سے دولت پیدا کی جائے۔ اور حلال اور جایز مصارف میں صرف کی جائے تو ایسی دنیا طلبی عین دین طلبی بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جو مال سعادت اخروی کا وسیلہ ہو۔ اور بندہ کو خدا سے ملا سکتا ہو۔ وہ مال مبارک ہے جس مال کی تعریف قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ وہ یہی مال ہے برعکس اسکے جو مال شقاوت اخروی کا باعث ہو اور انسان کو خدا پرستی کے درجہ سے گرا کر نفس پرستی کے درجہ پر پہنچا دے وہ صاحب مال کے لیئے ایک آفت ہے۔ جس مال کی مذمت **قرآن و حدیث** میں آئی ہے وہ یہی مال ہے۔ شریعت اسلام نے اچھا کھانے۔ اچھا پہننے اور سامان آرایش جمع کرنے کی بھی ممانعت نہیں کی بلکہ ان سے متمتع ہونا بغرض اظہار شکر گزاری ضروری ہے۔ بشرطیکہ بے اعتدالی اور فضول خرچی کی حد تک نہ پہونچے۔ کیونکہ "قرآن شریف میں صاف صاف لکھا ہے کہ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف آیت ۲۹)

کھاؤ۔ پیو۔ اور حد سے نہ بڑھو بیشک خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل آیت ۲۹)

دولت کو بیجا مت اڑاؤ۔ کیونکہ بیجا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے"

جس طرح دنیا کے لیئے آخرت کو ترک کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اسی طرح آخرت کے لیئے دنیا کو چھوڑنے کی بھی اجازت نہیں دیگئی۔ دنیاوی تعلقات کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کرنا یا جنگلوں اور پہاڑوں میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنا فطرت انسانی کے خلاف اور تکلیف مالا یطاق ہے جو لوگ محنت و مشقت سے دست بردار ہو کر اپنا بوجھ دوسروں پر ڈال دیتے ہیں۔ انکو ملعون کہا گیا ہے۔ جو لوگ دین کے لیئے دنیا کو حاصل کر کے دولت کو نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں ان کے لیئے دنیا مبارک ہے اس دنیا کے لیئے کہا گیا ہے کہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)، مگر جو لوگ حلال و حرام کا خیال نہ کر کے دولت جمع کرتے ہیں۔ اسکو ہوا و ہوس میں اڑا دیتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غافل رہتے ہیں۔ ان کی شان میں یہ حدیث ہے کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ

(دنیا کی محبت تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے)

قصہ کوتاہ دین و دنیا کا ساتھ دامن چولی کا ساتھ ہے۔ معاملات دنیا کا انجام دینا اور اسکے ساتھ فکر عقبیٰ اعلےٰ درجہ کی دینداری ہے محض فکر آخرت یا محض فکر دنیا سے دین حاصل نہیں ہو سکتا۔ مولانا رُوم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

امیرالمومنین علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول آب زر سے لکھنے اور دل پر نقش کر لینے کے لائق ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام دنیا کی دولت جمع کر لے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس دولت سے تقرب الٰہی حاصل کرے تو وہ شخص زاہدوں میں سے ہے۔ اور اگر وہ تمام مال و دولت سے دست بردار ہو جائے اور اسکا یہ فعل خدا کے لیے نہ ہو تو وہ زاہد نہیں ہے۔"

مبارک ہیں وہ لوگ جو دولت کو اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لیئے بقدر ضرورت صرف کریں اور باقی ماندہ سے اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچائیں ایسے لوگوں کو مال و دولت کی فراوانی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مگر یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ یہ بڑے دل و گردہ کے آدمیوں کا کام ہے ؎

بادہ پیمودن و ہوشیار نشستن سہل است چوں بدولت برسی مست نہ گردی مردی

شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے اسی مطلب کو عمدہ طور پر ادا کیا ہے ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
ورت مال و جاہ است و زرع و تجارت چو دل با خدا الیست خلوت نشینی

اب میں اس مضمون کو قرآن مجید کی چند آیات پر ختم کرتا ہوں جن سے شیخ سعدی شیرازی نے مضمون مذکور کا اقتباس کیا ہے۔

یسبح لہ فیہا بالغدو والاٰصال رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار لیجزیہم اللہ احسن ما عملوا ویزیدہم من فضلہ واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب ۵ (النور ۲۴ - آیت ۳۷ - ۳۸) ان عبادتگاہوں میں صبح و شام ایسے لوگ خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جنکو سوداگری اور خرید و فروخت خدا کے ذکر نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اُس دن سے ڈرتے ہیں جبکہ خوف کی وجہ سے دل اور آنکھیں الٹ جائینگی۔ یہ عبادت اس خیال سے ہے کہ اللہ انکو انکے عملوں کا بہتر سے بہتر بدلہ دے اور انکو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے اور اللہ جسکو چاہتا ہے بیحساب رزق دیتا ہے +

(عصر جدید) (غلام الحسنین پانی پتی)

تدبیر اور توکل

یہ خیال کہ انسان کی تدبیر سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اسکو ایک مذہبی عقیدہ جاننا تدبیر اور توکل کے غلط معنی سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔ تقدیر کے ایسے معنی سمجھے گئے ہیں جن سے انسان کا مجبور رہنا۔ اور اسباب کا معطل و بیکار رہنا لازم آتا ہے۔ مگر شارع نے تقدیر کے ایسے معنی نہیں بتائے بلکہ ایسے معنی بتائے ہیں جنسے نہ انسان کا مجبور رہنا لازم نہ اسباب کا معطل ہونا لازم آتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔ کہ تقدیر اور اسباب کی سببیت میں کچھ منافات نہیں ہے۔ کیونکہ جب آنحضرت صلعم سے پوچھا گیا کہ کیا دوا اور رقیہ تقدیر الٰہی کو ہٹا دیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ خود تقدیر الٰہی سے باہر نہیں ہیں (یعنی دوا وغیرہ میں جو تاثیر ہے وہ بھی خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہے) پھر شاہ صاحب نے اسی مطلب پر حضرت عمرؓ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو سرغ کے قصہ میں اُن سے منقول ہے۔ سرغ وادیٔ تبوک میں ایک بستی کا نام تھا۔ وبائے شام کے قصہ میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب عمر فاروق سرغ میں پہنچے اور وبائے شام کا حال سُنا تو وہاں سے اُلٹے پھر جانے کا حکم دیا۔ عبیدہ بن الجراح نے کہا کیا تقدیر الٰہی سے بھاگنے کا ارادہ ہے۔ عمر فاروق نے کہا۔ نعم نفر من قدر اللہ الیٰ قدر اللہ۔ یعنی ہاں ہم تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتے ہیں۔ اور پھر یہ تمثیل بیان کی کہ "دیکھو اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں۔ اور تم ایک ایسی وادی میں پہنچو جس کی ایک جانب سرسبز ہو اور دوسری جانب چٹ پڑ ہو۔ تو چاہو تم سرسبز زمین میں اپنے اونٹ چراؤ اور چاہو چٹ پڑ زمین میں دونوں صورتوں میں تقدیر الٰہی سے باہر نہیں ہو سکتے" اس سے معلوم ہوا کہ مسبب الاسباب نے جو مختلف اسباب میں مختلف تاثیریں رکھی ہیں اُسی کا نام تقدیر الٰہی ہے۔ مرض کی حالت میں پرہیز۔ اور دوا نہ کرنے سے مرض کا طول پکڑنا بھی تقدیر الٰہی ہے۔ اور پرہیز اور دوا کرنے سے اُن کا زائل ہو جانا یہ بھی تقدیر الٰہی ہے۔ وبا کے مقامات سے بھاگ کر موت سے بچنا بھی تقدیر الٰہی ہے۔ اور وبا کے مقامات میں جا کر مرنا یہ بھی تقدیر الٰہی ہے۔ گلہ کو سرسبز زمین میں چھوڑ کر اُسکو چارہ سے سیر کرنا بھی تقدیر الٰہی ہے۔ اور چٹ پڑ زمین میں چھوڑ کر اسکو بھوکا مارنا یہ بھی تقدیر الٰہی ہے +

اسی مضمون کی بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں جنسے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے کام جنکا نتیجہ اچھا ہے اور ایسے کام جنکا نتیجہ برا ہے۔ دونوں طرح کے کام کرنے کا اختیار انسان کو دیا گیا ہے اور جو تکلیف یا راحت یا اقبال یا ادبار اسکو پہنچتا ہے وہ سب اُسی کے کام کے نتیجے ہوتے ہیں +

(مولانا حالی مرحوم)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ
ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق و الاعمال

تہذیب النفس — تدبیر منزل — سیاست مدن

رونا رُلانا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔
(بخاری شریف صفحہ ۱۷۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رخساروں پر تمانچے مارے۔ گریبان پھاڑے اور (جو میت پر جاہلیت کا سا) چلانا چلائے وہ ہم میں سے نہیں ہے

زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر کفار عرب کا دستور تھا۔ کہ میت کے رنج و غم میں عزیز و اقربا خصوصًا قریبی رشتہ والیاں عورتیں بجد روتی پیٹتی تھیں۔ ماتم پرسی عزاداری کے لئے نہایت شاندار اہتمام کیا جاتا تھا آس پاس سے محلے کی عورتیں بھی مصنوعی طور سے پیٹنے چلانے میں شریک ہو جاتی تھیں یہ رسم ہفتوں مہینوں۔ نیز بعض قوموں میں سال بھر تک جاری رہتی تھی۔

عورتیں حلقہ باندھکر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ انہیں سے ایک عورت مُردے کے مفاخر و اوصاف بیان کرتی جاتی تھی اور باقی تمام عورتیں اپنے سینے سر اور رخساروں پر تمانچے مارتی تھیں۔ چلاتی تھیں۔ ہائے ہائے کرتی تھیں۔ جہلائے عرب میں یہ بات قابل فخر اور باعث عزت تھی۔ کہ جس قدر مردے کا نوحہ زیادہ کیا جائے وہ مردے کی خوبی و بڑائی کا باعث ہے۔ اسی بنا پر عرب کے لوگ اسلام سے پہلے اپنے عزیزوں کو نوحہ و فریاد کرنے کی وصیت کر جاتے تھے۔ چنانچہ طرفہ بن العبد جو عرب کے ممتاز شاعروں میں سے تھا۔ اور خانہ کعبہ زاد اللہ شرفًا و تعظیمًا پر جو سات قصائد آویزاں کئے گئے تھے ان میں سے دوسرا قصیدہ اسی قابل انشا پرداز شاعر کا ہے۔ اپنے مرنے کے بعد مفاخر و اوصاف بیان کرکے نوحہ و بکا کی اپنی چچازاد بہن کو ان اشعار میں وصیت کرتا ہے ؎

فَإِنْ مُتُّ فَانْعِيْنِيْ بِمَا أَنَا أَهْلُهُ ۝ وَشُقِّيْ عَلَيَّ الْجَيْبَ يَا ابْنَةَ مَعْبَدِ [1]
وَلَا تَجْعَلِيْنِيْ كَامْرِئٍ لَيْسَ هَمُّهُ ۝ كَهَمِّيْ وَلَا يُغْنِيْ غَنَائِيْ وَمَشْهَدِيْ [2]
بَطِيْءٍ عَنِ الْجُلَّى سَرِيْعٍ إِلَى الْخَنَا ۝ ذَلُوْلٍ بِأَجْمَاعِ الرِّجَالِ مُلَهَّدِ [3]

زمانہ جاہلیت۔ اور مشرکین کفار کی رسمیات کو اسلام کی مقدس تعلیم نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ اور شادی غمی کے متعلق شریعت غرا نے صاف صاف احکام بیان فرما دئے ہیں۔ جن کی اتباع و پیروی ہمارے لئے نہایت ضروری ہے

بعض عورتیں کم علمی اور ناواقفیت یا لاعلمی کے باعث خلاف شرع رسمیات میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے اکثر اقوال و افعال رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی اسوۂ حسنہ سے نہایت ہی دور ہو جاتے ہیں +

منجملہ ان کے بعض عورتیں میت کے گھر میں بغرض تعزیت و تسلی پس ماندگان جاتی ہیں۔ بجائے اسکے کہ میت کے متعلقین کو صبر و تسلی دلائیں۔ خود گھر والوں کے لیے وبال جان بن جاتی ہیں۔ پان چھالیہ کھانے میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی وجہ سے ان کی مدارات خورد و نوش میں کمی واقع ہو جائے۔ یا کم سے کم ایک وقت پان چھالیہ ہی میسر نہ آسکے تو عمر بھر طعنہ دینے کے لئے موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ کہ فلاں کے گھر میں تو پان کا ٹکڑا تک نصیب نہ ہوا +

---

[1] (اے بہن) معبد کی بیٹی! جب میں مر جاؤں تو میرے رنج میں) گریبان پھاڑنا اور جن باتوں کا میں مستحق ہوں اون کی تشہیر کرنا +

[2] اور اس آدمی کی طرح میری ورگت نہ کرنا جس کے ارادے میرے ارادوں کی طرح نہیں جو لوگوں کو نفع نہیں پہونچا سکتا۔ (قومی) لڑائیوں میں شریک نہیں ہوتا +

[3] بڑے بڑے قومی کاموں میں سستی و کاہلی کرتا ہے۔ لغو و فحش باتوں کو جلدی سے کرلیتا ہے۔ ذلیل ہے۔ + + + + + + + + + + آدمیوں کے تھپیڑ کھونی کا عادی ہے۔ دھتکارا ہوا ہے + + + + + + + + + + + + + + + +

میت کے گھر والوں پر میت ہی کی کچھ کم مصیبت نہ تھی۔ اِس سے بڑھ کر غریبؓ مہمانوں کی مدارات کی مصیبت آپڑی۔ مہمانوں کی خبرگیری۔ ان کے بچوں کے کھانے پینے کی دیکھ بھال۔ گاڑی اور بہلیوں کا کرایہ۔ بیلوں اور گھوڑوں کا گھاس دانہ۔ آنے والوں کی آؤ بھگت یہ تمام باتیں اس مصیبت زدہ دکھیا کو انجام دینی پڑتی ہیں۔ چاہے تو اسکے گھر میں کھانے کو بھی نہ ہو۔ مگر برادری کے خوف سے قرض لیکر ضرور پورا کیا جائے۔ بعض بیبیاں بینے بھر تک جانے کا نام نہیں لیتیں۔ گھر والوں کے لیے میت کی مصیبت اور رنج و ملال سے کہیں زیادہ بڑھ کر یہ تکلیف و پریشانی ہوتی ہے سہ

مَصَائِبُ شَتّٰی جُمِّعَتْ فِیْ مُصِیْبَۃٍ ۞ وَلَمْ یَکْفِھَا حَتّٰی قَفَتْھَا مَصَائِبُ[1]

قریبی رشتہ والیاں جو واقعی خون کی شریک درد دکھ کی ساتھی ہوتی ہیں جو صبر و تسلی دلاسکتی ہیں محزون و مغموم دلوں کی ڈھارس بندھا سکتی ہیں۔ وہ بجائے صبر و تسلی دلانے کے گلے مل مل کر رونا شروع کر دیتی ہیں۔ بعض تو ایسی ہوتی ہیں خواہ مخواہ دکھلانے کے لیے منہ بناتی ہیں۔ آنکھ سے آنسو نہ آئے تو تھوک لگا لیتی ہیں پس ان مکاروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ جو عورتیں واقعی طور پر متاثر ہو کر گلے مل ملکر روتی رلاتی ہیں مردوں کے مفاخر بیان کر کے خواہ مخواہ گھر والوں کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتی ہیں۔ اور تھوڑا بہت صبر جو آچلا تھا۔ وہ ان عورتوں کی آہ و بکا سے مفقود ہو جاتا ہے۔ ایسی عورتوں پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّائِحَۃَ وَالْمُسْتَمِعَۃَ۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے روایت ہے، کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مردے پر چلانیوالی عورت اور نوحہ سننے والی عورت دونوں پر لعنت کی ہے

حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر رضؓ بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ رضؓ کی شہادت کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہونچی۔ تو آپؐ نہایت ہی غمگین ہو کر مسجد میں بیٹھ گئے۔ آپکے چہرۂ مبارک سے رنج و ملال کے آثار ظاہر تھے۔ یعرف فیہ الحزن۔ میں کنواڑے کی جھری میں سے دیکھ رہی تھی۔ اسوقت ایک آدمی آپکے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ جعفر رضؓ کی عورتیں انکو روتی ہیں۔ آپنے فرمایا ان کو رونے چلانے سے منع کرو۔ اس شخص نے حسب الارشاد آنحبیب صلے اللہ علیہ وسلم عورتوں کو رونے سے منع کر دیا۔ جب وہ نہ مانیں تو تیسری بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اُن کے مونہوں میں خاک ڈالدو۔ فَاحْثُ فِیْ اَفْوَاھِھِنَّ مِنَ التُّرَابِ (بخاری شریف جلد اول صفحہ ۱۷۴)

دل میں غم کا ہونا۔ اور آنکھ سے بیساختہ آنسوؤں کا جاری ہونا۔ یہ انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ اسپر کوئی مواخذہ نہیں۔ ہاں جاہلیت کی رسم کے موافق مردے کے اوصاف بیان کر کے چلا چلا کر رونا۔ ہائے ہائے کرنا۔ منہ پیٹنا۔ نوحہ کرنا۔ سیاہ کپڑے پہننا۔ کپڑے پھاڑ ڈالنا۔ ہاتھ مونہ کالا کرنا۔ گریبان چاک کرنا بالوں کا بکھیرنا۔ سر پر مٹی ڈالنا۔ سینے اور زانو کو پیٹنا۔ قبر پر آگ جلانا۔ یہ رسمیات مقدس اسلام کی تعلیم کے خلاف اور زمانہ جاہلیت کی رسمیں ہیں۔

پیٹنے چلانے والیاں! اور ان کی بدولت مردہ بھی عذاب میں گرفتار ہوتا ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا تسمعون ان اللہ لا یعذب بدمع العین ولا بحزن القلب ولکن یعذب بھذا واشار الی لسانہ او یرحم۔ وان المیت یعذب ببکاء اھلہ (صحیحین)

عبد اللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں سنتے ہو کہ آنکھ کے آنسو نکلنے نیز دلی غم پر اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں کرتا اور زبان کیطرف اشارہ کر کے فرمایا مگر اسکے باعث اللہ تعالیٰ عذاب کرتا ہے یا رحم کرتا ہے"۔ "اور میت کو اسکے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منہ کے بال نوچنے والیوں۔ آواز سے چیخ کر رونے والیوں نیز کپڑے پھاڑنے والیوں سے بیزاری ظاہر کی ہے۔

عن ابی بردہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انا بری ممن حلق وصلق وخرق (مسلم شریف)

حضرت ابو بردہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت سر کے بال منڈوائے (مردہ کیلیے) آواز سے روئے گریبان پھاڑے میں اس سے بیزار ہوں

جو عورتیں مردوں پر نوحہ و بکا کرتی ہیں۔ اگر انکو توبہ نصیب نہ ہوئی۔ تو قیامت کے دن انکو سخت عذاب ہوگا۔ چیڑھ کے تیل کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اور انکا بدن بھی خارشی ہوجائے گا۔ جسکے باعث یہ سخت عذاب و تکلیف محسوس کرینگی۔

عن ابی مالک الاشعری قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اربع فی امتی من امر الجاھلیۃ لا یترکونھن فذکر منھا النیاحۃ وقال النائحۃ

ابو مالک اشعری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں میری امت میں کفر کی ہیں جنکو لوگ نہیں چھوڑتے ان میں سے

[1] مطلب یہ کہ مردہ کی وفات ہی ایک ایسی مصیبت تھی کہ جس میں متعدد مصیبتیں جمع تھیں ابھی یہ رنج و غم دور نہ ہوا تھا کہ پے در پے اور مصیبتیں آنے لگیں ۱۲

إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ (مسلم شریف)

چلا کر رونے کی بابت فرمایا کہ چلا کر رونے والی عورت نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن جہنم کے تیل کا لباس پہنا کر اٹھائی جائے گی اور اسکی اوڑھنی خارشی کی ہوگی۔

جو خوبیاں اور مفاخر ذکر کرکے عورتیں مردوں کے لیئے روتی پیٹتی ہیں۔ قیامت کے روز فرشتے وہی الفاظ کہہ کر مردے کو عذاب دیں گے کہ کیا تو واقعی ایسا ہی تھا۔

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ بَاكِيهِمْ فَيَقُولُ وَاجَبَلَاهُ وَاسَيِّدَاهُ وَنَحْوَ ذَالِكَ إِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهِ مَلَكَيْنِ يَلْهَزَانِهِ وَيَقُولَانِ أَهٰكَذَا كُنْتَ + (ترمذی شریف)

حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مردے پر جو لوگ کھڑے ہوکر یہ کہتے ہیں کہ ہائے میرے پہاڑ۔ ہائے میرے سردار یا اور اسی قسم کی باتیں کہتے ہیں تو اللہ اس مردے کے لیے دو فرشتے مقرر کرتا ہے۔ جو مردے کی چھاتی پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا تو ایسا ہی تھا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بی بی زینب کا انتقال ہوا۔ تو عورتیں چلا چلا کر رونے پیٹنے لگیں امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کی اس حرکت پر انکو کوڑے مارنے شروع کئے۔ فَجَعَلَ عُمَرُ يَضْرِبُهُنَّ بِسَوْطِهِ +

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہٹا کر فرمایا اے عمر ٹھہر جاؤ۔ پھر عورتوں سے خطاب فرمایا۔ کہ تم شیطانی آواز سے بچو۔ آنکھ سے آنسوؤں کا جاری ہونا اور دل سے غم ہونا یہ اضطراری حالت ہے اور اللہ عزوجل کی طرف سے رحمت ہے مگر ہاتھ سے پیٹنا زبان سے چلانا رونا یہ سب شیطان کی طرف سے ہے (مشکوٰۃ شریف)

طبرانی نے بیان کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رونے پیٹنے والی عورتوں کی دوزخ میں دو قطاریں بنائی جائینگی۔ ایک قطار داہنی طرف ہوگی۔ اور ایک بائیں طرف۔ اور نوحہ کرنے والی عورتیں کتوں کی طرح دوزخیوں پر نوحہ بکا کرینگی انکو روئیں گی بھونکیں گی +

عَنْ زَيْنَبَ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٍ أَوْ غَيْرِهِ فَدَهَنَتْ بِهِ

بی بی زینب فرماتی ہیں۔ کہ جب ام المؤمنین پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی ام حبیبہ کے والد ابوسفیان کا انتقال ہوا تو میں ان کے پاس گئی تھی۔ بی بی ام حبیبہ نے خوشبو منگائی۔ جس میں زعفران کی زردی اور کوئی اور چیز ملی ہوئی تھی۔ وہ خوشبو

جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (صحاح ستہ)

اپنی باندی کے ملی۔ اور پھر اپنے رخساروں پر ملی۔ اور فرمایا کہ خدا کی قسم مجھ کو خوشبو کی کچھ حاجت نہیں تھی۔ مگر میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو عورت خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھے (یعنی مسلمان ہو) اسکو کسی مردے کے سوگ میں تین دن سے زیادہ اور شوہر کے سوگ میں چار مہینے دس دن سے زیادہ بیٹھنا حلال نہیں ہے +

اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے۔ کہ زیادہ سوگ میں رہنا کسی عزیز یا دوں چچا بھائی بھتیجے کے لیئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا درست نہیں۔ صرف شوہر کے مرنے کے بعد چار مہینے دس دن تک عورت کو سوگ کرنا اور عدت کے ایام پورے کرنا درست ہے اگر عورت حاملہ ہے تو وضع حمل عدت ساقط ہو جاتی ہے۔

مردوں کے لیئے سوگ کرنا کہیں سے ثابت نہیں۔ بعض عورتیں مدتوں سوگ کرتی ہیں۔ سرخ کپڑے نہیں پہنتی۔ سرمہ نہیں لگاتیں۔ پان نہیں کھاتیں۔ خوشبو نہیں لگاتیں۔ چوڑیاں نہیں پہنتی۔ سال بھر تک میت کے عزیزوں میں شادی نہیں ہوتی۔ چوڑیاں نہیں پہنتیں۔ نئے کپڑے نہیں پہنتیں۔

میت کے گھر میں کڑاہی نہیں چڑھتی۔ چالیس روز تک گوشت نہیں پکتا تیل یا گھی کی کوئی چیز نہیں تلی جاتی۔ سرکہ کا آچار۔ بڑیاں۔ سویاں وغیرہ نہیں بنائی جاتیں۔ یہ باتیں خلاف شرع ہیں۔ اسلام میں ان کی کچھ اصل نہیں ہے۔ نیک بیبیوں کو کلام الٰہی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق چلنا چاہیئے۔

تین روز کے بعد اور جس عورت کا شوہر مر گیا ہو اسکو چار مہینے دس دن کے بعد سوگ موقوف کر دینا چاہیئے۔ اور فضول رسمیات کو مٹانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

والسلام علی من اتبع الہدےٰ +

محمد عبدالتواب (عالم فاضل)

کلامِ اکبر

کیا وجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی
ہر چند کہ ہے شور ترقی کی صدا میں
یہ مسئلہ مشکل ہے وہی سمجھیں گے جن کو
ہے نشو و نما پولٹیکل آب ہوا میں
اک بات تعجب سے مگر میں نے سُنی تھی
کل رات کو اک انجمن ذکر خدا میں
آپس میں ترقی میں تو آندھی ہے یہ فرقہ
لگتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں

اِنفاق

(بمعنی خرچ کردن)

اِس مصدر کے مشتقات کا بہت زیادہ استعمال قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ جابجا اللہ فرماتا ہے کہ خرچ کرو۔ ظاہر ہے کہ مال و دولت خرچ کرنے کے لیئے ہے۔ خود کھانا پہننا دوستوں رشتہ داروں اور محتاجوں کو دینا یہ سب خرچ کرنا ہے۔ بیج دھرتی میں ڈالنا بھی خرچ کرنا ہے۔ بہرحال بے کسی خاص ضرورت کے۔ دولت کے جمع رکھنے سے اُسکا خرچ کرنا بہتر ہے۔ خدا نے دنیا کا کارخانہ یوں ہی رکھا ہے کہ وہ ایک کو دیتا ہے اور اُسکے ذریعہ سے سو پرورش پاتے ہیں۔ خرچ کرنا گویا فطرتِ انسانی ہے اور اسی فطرتی قانون کے نفاذ کے لیئے قرآن مجید کی آیتیں بار بار کہتی ہیں کہ خرچ کرو۔ خرچ کرنے کے متعلق زیادہ تر آیتیں بغیر کسی شرط یا قید کے ہیں۔ اور اسلیئے شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے گویا ان کا ترجمہ یوں کیا ہے ع

خدا بر تو پاشد تو بر خلق پاش

اِس مصرع کی بلاغت توصیف سے بے نیاز ہے۔ اِس سے بہتر طریقہ بیان نہ فارسی یا اردو میں ہو نہیں سکتا۔ اسکے ساتھ دوسرا مصرع

برائے نہادن چہ سنگ و چہ زر۔

صداقت میں آپ اپنی نظیر ہے۔ ان دو مصرعوں نے شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کی عظمت کیساتھ گویا سخاوت کو مسلمانوں کے خمیر میں داخل کر دیا ہے۔ مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن بخیل نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں میں سے جو بخیل سمجھے جاتے ہیں وہ دوسری قوموں کے اہل سخا سے بہتر ہیں۔

مفصلہ بالا مصرعوں کے ساتھ شیخ صاحب کا یہ شعر ؎

سخیان ز اموال بر مے خورند بخیلان غم سیم و زر می خورند

گویا ستواے کے ہاتھ میں تلوار دیدیتا ہے۔ مسلمانوں کو کوئی کتنا ہی سمجھائے لیکن اُن کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ "روپیہ ہاتھ میں آئے اور فوراً اسے خرچ نہ کیا جائے یہ بھی ممکن ہے"۔

اِس خرچ کرنے کی بدولت بھوکے مسلمان دولت کے بازار میں اپنا کوئی مال نہیں رکھتے صرف ظاہری رونق ان میں باقی ہے۔ اور وہ بھی چند دنوں کی مہمان ہے۔ کچے رنگ کی جھلک ہے۔ یا شبنم کے قطرے ہیں جو دھوپ میں ٹھیر نہیں سکتے۔ ان کے رزق کا دروازہ روز بروز تنگ ہوتا جاتا ہے اور خرچ کے دروازے بدستور کشادہ ہیں اور تعلیم مغربی کے اثر سے کشادہ تر ہوتے جاتے ہیں۔ جس تالاب میں پانی کی آمد نہ ہو اور پانی اُسکا نکلتا رہے۔ اُسے ایکدن بیابان ہونا ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ زر کا پیدا کرنا مشکل ہے خرچ کرنا آسان ہے لیکن حق یہ ہے کہ پیدا کرنا آسان ہے اور خرچ کرنا مشکل ہے۔ خرچ کرنے سے مطلب ہے خرچ کے موقع اور محل کا جاننا۔ اگر کھیت میں پیداوار فراوان ہے تو کسان کو سالیوں کی فراوانی سے کوئی ہراس نہیں ہوتا۔ جو سامنے سے گذرا کچھ نہ کچھ لے گیا۔ اسی موقع پر "خدا بر تو پاشد تو بر خلق پاش" پر عمل کرنا چاہیئے لیکن جب پیداوار کم ہوئی سال بھر کے خرچ کا حساب لگاتا ہے۔ سال آیندہ کے لیئے بیج کو محفوظ رکھتا ہے سال کے اندر جو اخراجات اتفاقیہ پیش آجاتے ہیں اُن کا خیال رکھتا ہے۔ کوئی تجارت نہیں ہے نہ کوئی ملازمت ہے۔ گھر میں پیری مریدی کا سلسلہ بھی نہیں ہے۔ کہ دست غیب کی اُمید ہو تو پھر اگر کسان آیندہ وقتوں کا خیال نہیں کرتا اور کھلیان ہی میں غلہ تقسیم کر رہا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ اسکے دماغ میں فتور ہے۔

اسی تمثیل پر تمام کاروبار دنیاوی کو قیاس کر لیجئے۔ جب وقت مسلمانوں پر فضل کردگار تھا۔ تمام عالم میں جو کچھ تھے وہی تھے۔ دولت اُن کے قدموں سے لگی ہوئی تھی اقبال گویا اُن کا غلام تھا۔ اُسوقت اُنکو یہی شایان تھا کہ ایک ہاتھ سے لیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اڑا دیا۔ لیکن اب کہ زمانہ دگرگوں ہے۔ بساط اُلٹ گئی کھیل بگڑ گیا۔ اقبال نے منہ موڑا۔ ادبار سر پہ سوار ہے اور ہر ایک کے حسب حال سعدی کا یہ شعر ہے

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

تو ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی حالت پر غور کرے۔ چادر جتنی لمبی ہو اُتنا ہی پاؤں پھیلائے۔ فکر فردا کو گناہ نہ سمجھے۔ ورنہ خودکشی کا مرتکب سمجھا جائیگا۔ نبیوں اور رسولوں کی تقلید اس بارہ میں ضروری نہیں ہے۔ لاکھوں۔ کروڑوں۔ اربوں میں ایک نبی ہوتا تھا۔ اُسے فکر کار نبوت و رسالت ہوتی تھی۔ دوسرے کاموں کے لیئے وہ مبعوث نہیں ہوتا تھا۔ ہم کہ بھیجے گئے ہیں ہل جوتنے کے لیئے اگر ہل کا جوتنا بند کر کے کسی کوٹھڑی میں بیٹھ جائیں۔ اور فکر فردا کا بار اپنے سر پہ نہ لیں تو خلل دماغ سمجھا جائے گا۔ مسلمانوں کے اچھے دنوں میں بہت سے اکابر اسلام اور اولیائے کرام توکل پر بسر کرتے تھے۔ ان کے افعال بھی حق بجانب تھے کیونکہ اس وقت قوم میں اتنی دولت اور ثروت تھی۔ کہ چند افراد قوم کا بے فکر معاش رہنا قوم پر کوئی اثر بد نہیں ڈالتا تھا۔ بچھڑا کھونٹوں کے بل کودتا ہے۔ اگر ہمارے دینی بھائی خوشحال ہوں۔ تو ہم بغیر کوئی کاروبار کئے ہوئے بھی خوشحال رہ سکتے ہیں لیکن مسلمانوں پر تو اب نفسی نفسی کا وقت ہے۔ ہر فرد بشر کو کچھ پیدا کرنا اور اپنے پیدا کئے ہوئے میں سے کل کے لیئے کچھ رکھ چھوڑنا یا فضول خرچیوں میں اپنی دولت کا ضائع کرنا فرض ہے۔ "برائے نہادن سنگ و چہ زر" پہ پہنچنے کا وقت نہیں رہا

اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ "نچہ باشی باش الاالدکے زردار باش" ہر ایک جب تک بجائے خود خیال فرداً ہوگا۔ مسلمانوں کا ہندوستان میں حالت افلاس میں کیا ہے وقری کی حالت میں بھی بہاد شوار ہو جائے گا۔ میرے خیال میں علوم پڑھنے کی اتنی ضرورت مسلمانوں کو نہیں ہے۔ جتنا کہ یہ سیکھنے کی ضرورت ہے کہ زر کیونکر پیدا ہو اور جو پیدا ہو وہ حصول معاش میں لگا کر کیونکر محفوظ رکھا جائے۔ مانا کہ ہم نے علوم مغربی سیکھے لیکن ہمارے پاس زر نہیں ہے۔ کہ ان علوم سے ہم کاروبار میں مدد لیں تو ایسے عالموں سے طوطی قفس بہتر ہے کہ اس سے دل تو بہلتا ہے۔

اِس قدر سننے کے بعد ناظرین کے دل میں خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ سخاوت کی تعریف قرآن میں۔ حدیث کی کتابوں میں اور تمام بزرگان دین کے تذکروں میں ہے۔ ہم سخاوت کریں۔ شعار اسلام کے پابند رہیں اور پھر بُرے رہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ صرف احکام قرآنی سے ناواقفیت یہ وسوسے پیدا کرتی ہے۔ اِس وسوسہ کے رفع کرنے کے لیئے اُن آیات قرآنی کا نقل کرنا کافی ہے۔ جن میں خرچ کرنے کے محل اور مواقع بیان کئے گئے ہیں۔ جو آیتیں کہ محض خرچ کرنے کے احکام بتاتی ہیں۔ اُنہیں اِن آیتوں کے ساتھ پڑھنا لازم ہے۔ جن میں خرچ کرنے کے لیئے قیدیں لگائی گئی ہیں۔ اِن آیتوں کا مفہوم واضح ہے۔ اور سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہے ہر شخص ان آیتوں کے پڑھنے کے بعد خود سمجھ سکتا ہے کہ خرچ کرنے کے متعلق احکام الٰہی کیا ہیں +

(۱) يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ○
(سورہ بقرہ رکوع ۲۶)

نمبر (۱) اے محمد! تجھ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ "ہم کیا خرچ کریں"؟ تو بتا۔ خیر کے لیئے خرچ کرتے ہو تو ماں باپ کو نزدیک کے رشتہ داروں کو یتیم بچوں کو۔ محتاجوں کو۔ اور مسافروں کو دو کوئی بھلائی تم کروگے تو اللہ کو ضرور علم ہوگا ٭

(۲) وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (سورہ بقرہ رکوع ۲۷)

نمبر (۲) تجھ سے پوچھتے ہیں "ہم کتنا خرچ کریں" تو کہہ جو بچ رہے اسے خرچ کرو۔

(۳) مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ قَوْلٌ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ○ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلٰى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ○ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○

نمبر (۳) اسکی راہ میں مال خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک دانہ بوئے اور اُس سے سات بالیاں نکلیں۔ اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اللہ جسے چاہتا ہے برکت دیتا ہے۔ اللہ گنجائش والا ہے اور سب کچھ جانتا ہو۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرکے احسان نہیں جتاتے اور نہ ایذا دیتے ہیں۔ اُنہیں ثواب اُسکا اپنے رب سے ملیگا۔ نہ اونکو ڈر ہوگا اور نہ غم ہوگا۔ نرم بات کہنا اور درگزر کرنا اُس صدقہ سے بہتر ہے جسکے بعد ایذا دیجائے۔ اللہ بے نیاز اور بردبار ہے۔ مومنو! احسان جتا کر اور ایذا دیکر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو۔ ایسا کرنے والا گویا لوگوں کے دکھانے کے لیئے دیتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے پتھر پر مٹی جم جائے پھر اس پر مینہ برسے اور اُسے صاف کر دے ایسے لوگوں کو اپنے صدقات سے کچھ ہاتھ نہیں لگے گا۔ اللہ کافروں کو راہ نہیں دکھاتا۔ اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا جوئی کے لیئے دلی اعتقاد سے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے بلندی پر ایک باغ ہو مینہ برسے تو دونے پھل آئیں اور مینہ نہ برسا تو شبنم کافی ہوئی۔ اللہ تمہارے کام کو دیکھتا ہے۔
(سورہ بقرہ رکوع ۳۶)

(۴) يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ○ الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○
(سورہ بقرہ۔ رکوع ۳۷)

نمبر (۴) مومنو! اپنی کمائی میں سے اور جو ہم نے تمہارے لیئے زمین سے نکالا ہے اُسمیں سے عمدہ چیزیں دیا کرو۔ اور ایسی گندی چیز دینے کی نیت بھی نکرنا جو تمہیں دیجاتی تو تم نہ لیتے مگر یہ کہ اُسکے لینے میں چشم پوشی کرتے۔ جان رکھو کہ اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔ شیطان تم سے کہتا ہے کہ خرچ کروگے تو تنگدست ہو جاؤ گے اور وہ تمہیں شرم دخجل کی باتیں سکھاتا ہے اور اللہ تمہیں بخشش اور فضل کا تم سے وعدہ کرتا ہو۔ اللہ گنجائش والا ہو اور سب کچھ جانتا ہے۔

(نمبر ۵)

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (سورۂ بقرہ رکوع ۳۷)

ان محتاجوں کو دینا چاہیئے جو اسکی راہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ بیخبر لوگ اُنکو سوال نہ کرنے سے تونگر سمجھتے ہیں۔ اے محمد! تو ان کی صورتوں سے انکو پہچانتا ہے۔ لوگوں سے یہ گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔ جو کچھ مال تم خرچ کروگے اللہ کو معلوم ہے +

(نمبر ۶)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (سورۂ آل عمران رکوع ۱۰)

لوگو! تم جب تک چیزیں کچھ خرچ نہ کروگے جنہیں تم عزیز رکھتے ہو نیکی تک نہ پہنچوگے اور جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ کو معلوم ہے۔

(نمبر ۷)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ سورۂ آل عمران رکوع ۱۸

اللہ نے جن لوگوں کو اپنے فضل سے کچھ دیا ہے اور وہ اُسکے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ بخل اُن کے حق میں اچھا ہے۔ بلکہ ان کے حق میں برا ہے قیامت کے دن بہت جلد خرچ کرنے میں انہوں نے بخل کیا ہے ان کے گلے کی طوق ہوگی۔ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ کے لیئے ہے۔ اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

(نمبر ۸)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

اسی اللہ نے گھنے اور چھتر سے باغ پیدا کئے ہیں اور مختلف مزوں کے کھجور اور کھیت پیدا کئے ہیں۔ اور زیتون اور انار پیدا کئے ہیں جو بظاہر یکساں اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں یہ پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور کاٹنے اور توڑنے کے دن اللہ کا حق ادا کرو اور اسراف نہ کرو کہ اللہ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔

(نمبر ۹)

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ (سورۂ ابراہیم رکوع ۵)

اے محمد! تو ہمارے مومن بندوں سے کہدے کہ وہ نماز پڑھا کریں اور ہمیں نے جو دیا ہے اسے چھپا کر یا ظاہر کر کے روز قیامت کے آنے کے پہلے خرچ کرتے رہیں اُس دن اعمال کی خرید و فروخت ہوگی۔ اور نہ کسی کی دوستی کام آئے گی۔

(نمبر ۱۰)

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝

نہ تو اپنا ہاتھ کھینچ کر گردن میں باندھ لے اور نہ بالکل پھیلا دے کہ تجھے ملامت نہ ہو اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

(نمبر ۱۱)

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

اے محمد! تو کہہ۔ اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے پاس ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے انہیں بند رکھتے انسان بڑا ہی تنگدل ہے۔ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۱۱)

(نمبر ۱۲)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (سورۂ فرقان رکوع ۶)

وہ بھی بندگان خاص میں ہیں جو اپنے خرچ میں اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں۔ اعتدال سے کام لیتے ہیں۔

مقصد بالا آیتوں سے بخوبی واضح ہے کہ (۸) میں اسراف یعنی فضول خرچی کی مذمت کی گئی ہے اور (۱۰) و (۱۲) میں اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم ہے۔

سب لوگ اکثر علما اور فقہا نے یہ لکھا ہے کہ مسرف سب سے برا ہے جسطرح شراب خواری کے لیئے نشہ اور نشہ کے ساتھ افعال قبیحہ کا سرزد ہونا یقینی ہے۔ اسی طرح مسرف کے لیئے چور دغا باز اور جھوٹا ہونا لازم ہے۔ بعد مسرف کے لئیم کا درجہ ہے۔ لئیم اُسے کہتے ہیں۔ جو نہ خود کھائے۔ اور نہ دوسروں کو کھلائے بعد اسکے درجہ بخیل کا ہے جو خود تو کھاتا ہے۔ لیکن دوسروں کو نہیں دیتا۔ یہ تین درجے معیوب ہیں۔ چوتھا درجہ سخاوت ہے۔ سخی ہر حالت میں اچھا ہے مگر سخاوت کے دو قسمیں ہیں ایک صادق اور دوسری کاذب ہم نے آج اپنا سب مال لٹا دیا۔ اور کل بھوک کی تکلیف ہوئی تو افسوس کرنے لگے۔ ایسے سخی۔ سخی کاذب ہیں۔ اور سخی صادق وہ ہیں جو آج اپنی کل دولت اڑا دیں اور

ہم اور ہماری مدارس

(نمبر ۱)

بعض افراد قوم پرائیویٹ سکولوں اور کالجوں کے قطعی مخالف ہیں لیکن انکو ایسی رائے قائم کرنے کا اسی لیئے موقع ملا ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے بعض نہیں بلکہ اکثر قومی مدارس نے وہ توقعات پوری نہیں کیں جو مسلمانوں کو ان سے یقینی تھیں۔ یا اغلبا ہو سکتی تھیں۔ اسمیں شک نہیں کہ مسلمانوں کے عالمگیر افلاس کو مدنظر رکھتے ہوئے فی زمانہ یہی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کے لیئے جو سرمایہ مستقل یا غیر مستقل طور پر فراہم ہو سکے وہ وظائف کی صورت میں طلبائے قوم کو دیا جایا کرے اور سرکاری یا غیر سرکاری سکولوں اور کالجوں سے بہترین نہج وسیع فائدہ اٹھایا جائے۔ کہ مسلمان تعداد وظائف کا سلسلہ غیر معمولی طریق سے بڑھاتے رہیں۔ لیکن جہاں تک بزرگان و ہمدردان قوم نے ان امور پر غور کیا اور ایک عرصہ دراز کے بعد یہ احقر بھی اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ایام موجودہ میں اہل اسلام کے اطفال کے لیئے جداگانہ سکولوں اور کالجوں کی واقعی ضرورت ہے۔ اور اگر مسلمان اتفاق و محبت اور کوشش و ہمت سے ہر ضلع اور ہر قصبہ میں وہاں کی مسلم آبادی کے لیئے قومی دار العلوم کھولدیں تو ان کی نجات دنیا و آخرت اسی میں ہے۔ آج کسی شخص کو خواہ وہ کسی قوم و مذہب کا ہو تقریر یا تحریر سے تعلیم کی طرف متوجہ کرنا تحصیل حاصل ہے۔ آئے دن سکولوں اور کالجوں کا اجرا اور اُن میں کثیر التعداد طلبا کا داخلہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ تمام اقوام ہند علم و ہنر کی برکات سے باخبر ہو چکی ہیں۔ اور انہوں نے زمانہ کی اس منادی کو بخوبی سن لیا اور دل نشین کر لیا ہے ؎

زمانہ نام ہے میرا تو میں تم کو بتا دونگا
کہ جو تعلیم سے بھاگینگے میں نام انکو مٹا دونگا

کون نہیں جانتا کہ دوسرے سکولز کے علاوہ ملک میں روز بروز نائٹ سکولز کو ترقی دیجا رہی ہے۔ وہ لوگ جو دن بھر محنت مزدوری کرتے ہیں۔ رات کو نوشت و خواند سے واقفیت پیدا کرنیکے لئے ان مدرسوں میں جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے جمود کو خدا جلد نابود کرے معلوم نہیں ان کے دلوں میں اس قسم کا جوش کب پیدا ہوگا۔ البتہ ہم اپنے برادران وطن کی غیر معمولی اور اُن تھک کوششوں کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ جہاں اپنے لڑکے اور لڑکیوں کے لیئے الگ الگ ابتدائی تعلیمگاہیں۔ ہر قصبہ ہر شہر اور ہر محلہ میں کھولنے کے درپے ہیں۔ سب سے زیادہ قابل قدر خدمت قوم و ملک کی یہ کر رہے ہیں۔ کہ آجکل ان طبقات قوم کو بھی عملی طور پر تحصیل علم کی طرف کھینچ رہے ہیں جن سے انکو مذہبا دلی نفرت تھی اور جن کے حق میں انکا فتویٰ تھا کہ وہ ہمیشہ ذلت میں رہ کر گمنامی کی زندگی بسر کریں اور نہ کبھی خوشحال ہو سکیں اور نہ عزت و اقبال کا خواب دیکھ سکیں۔ وہ کون ؟ شودر لوگ یعنے پنچ قوم کے افراد۔ جنکے لیئے قرار دیا گیا تھا۔ کہ ہمیشہ نامراد جئیں اور ناشاد مریں۔ فتفکروا یا اولی الالباب۔ خدا کی شان ہے۔ ہم کو ارشاد ہوا تھا ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ۔ طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔ لیکن لڑکیوں کی تعلیم و تربیت تو درکنار ہم لڑکوں ہی کی تعلیم و ہدایت کی طرف سے ابتک اس قدر بے فکر ہیں کہ جس کی حد نہیں۔ اوّل تو ہمارے سکول۔ کالج اور دیگر مدارس ہی کم ہیں۔ اگر کچھ ہیں بھی تو انمیں تعداد طلبا کم ہے۔ لائق استادوں کی کمی ہے۔ ان تعلیمگاہوں کی نگرانی کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ مسلمانوں کی جیبوں سے روپیہ مانگ مانگ کر بے دریغ صرف کیا جا رہا ہے لیکن اگر نتائج امتحانات سالانہ کا...... برادران وطن کی تعلیمگاہوں سے مقابلہ کروگے تو حیرت انگیز اور عبرت خیز فرق پاؤ گے۔ ہمارے طلبا ان کے مقابلہ میں دس فیصدی بھی کامیاب نہیں نکلتے ع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہاں جب ایسی افسوسناک حالت ہے تو کیا ہر ایک ممبر اسلام کا یہ فرض نہیں ہے کہ اسکے وجوہات پر غور کرے ؟ کیا ہر ایک تعلیم یافتہ بزرگ و نوجوان قوم خواہ وہ پرانی روشنی کا ہو یا نئی روشنی کا ہو۔ مذہبا اور اخلاقاً ذمہ وار نہیں ہے۔ کہ قومی تعلیم کے موجودہ نقائص کیطرف متوجہ ہو اور نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ ان کے انسداد میں ساعی ہو ؟ اسمیں شک نہیں کہ پنجاب اور ہندوستان میں چند اسلامی تعلیمگاہیں ایسی بھی ہیں جن کی تعلیم و تربیت جنکے حسن انتظام جن کی مالی حالت قوم کے لیئے بقابلہ اطمینان بخش اور لائق تعریف ہے لیکن اسلامی مدارس اور کوالج کی عام ناگفتہ بہ حالت کی اصلاح بسا ضروری ہے اور اگر اہل اسلام اپنی اُس خصوصیت پر اب بھی نازاں ہیں کہ وہ نصیحت کو برا نہیں مانتے۔ اور اگر انکو اپنے بزرگوں کا طرز عمل اور انکا مقدس زمانہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتا تو یقیناً بلا تامل انکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ ؎

سعادت بڑی اُس زمانہ کی یہ...... تھی
کہ جھلتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی
نہ کرتے تھے خود قول حق سے خموشی
نہ لگتی تھی حق کی انہیں بات کڑوی
غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا
خلیفہ سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اُن باہمت اور نیک نیت اسلاف کے اخلاف بھی کسی نصیحت یا نکتہ چینی کو ٹھنڈے دل سے سننے کے لیۓ تیار ہیں یا نہیں ؟

چونکہ میں چاہتا ہوں کہ موجودہ سکولوں اور کالجوں کی تعلیم اور ان کے انتظام کی طرف برادران قوم کو توجہ دلاؤں۔ نیز اسی سلسلہ میں مروجہ عربی نصاب تعلیم کے نقائص بوضاحت بیان کروں۔ اسلیۓ مجھے امید ہے کہ اسوۂ حسنہ کے قارئین کرام اُنظُرْ مَا قَالَ وَلَا تَنظُرْ مَنْ قَالَ کو مدنظر رکھ کر میرے اس سلسلۂ مضمون کو پڑھیں گے اور ایسی تجاویز اور تدابیر سوچیں گے جن سے قوم کے طلبہ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ سچی اسلامی روح پیدا ہو۔ اور اسکی لیاقت میں بیش از بیش اضافہ ہو۔ وہ آدھے تیتر اور آدھے بٹیر نہ بنے رہیں۔ بلکہ ان کی گفتار و رفتار اور اوضاع و اطوار میں ایسی تبدیلی پیدا ہو جو اسلام اور مسلمانوں کے شایاں ہو۔ جو ملک اور اہل ملک کے لیۓ مفید ہو جس سے تمام فرقہائے اسلام میں وہ یگانگت اور یکرنگی پیدا ہو جو آیت پاک صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً میں پوشیدہ ہے۔

ہاں! کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنکو تحصیل علم کے سہل سے سہل وسائل حاصل ہیں۔ اور کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ اشخاص جنکے پاس تحصیل علم و ہنر کے لیۓ روپیہ ہے۔ اور سب سے آخر لیکن سب سے اول کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ اقوام جن کی تعلیم و تربیت کا نصاب صحیح، مفید، سہل، قلیل المدت اور خاصکر اُن کی اپنی مادری زبان میں ہے۔ مگر ایسے لوگ کہاں ہیں؟ ہندوستان میں تو انکا نام و نشان نہیں شاید دیگر حصص عالم میں ہوں۔ اور یقیناً ہیں لیکن اسمیں کس کا قصور ہے؟ کیا ہماری سرکار عالیہ کا؟ نہیں ہرگز نہیں ع

آنچہ برماست از ماست

کا قصہ ہے۔ ہم نے اپنی ضروریات کو خود نہیں سمجھا۔ ہم اپنی مشکلات کو خود آپ آسان نہیں کرتے۔ اور آسان اسلیۓ نہیں کرتے کہ ہم میں سچا احساس نہیں ہم محض دفع الوقتی کر رہے ہیں ورنہ قوم و ملت اور حاکم و حکومت کی سچی خدمت تو یہی تھی کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہا جاتا۔ اپنی گتھیوں کو خود ہی سلجھانے کی کوشش کی جاتی اپنی تعلیمی ترقی کے طریقے خود ہی تجویز کیۓ جاتے۔ ہم نے بارہا آزما لیا ہے کہ جب کبھی علی الاعلان اور مؤثر و متفقہ کوشش کے ساتھ پبلک یا کسی خاص فرقۂ قوم و مذہب کی طرف سے نصاب تعلیم کی یا کسی قسم کی غلطی کو رفع کرنے کی احتجاج ہوئی ہے اُس غلطی کی درستی کی گئی ہے حال ہی میں ایک فارسی کی کتاب سے کچھ نخش اندراجات خارج کیۓ جا چکے ہیں کتب عربیہ میں جو سکولوں اور کالجوں میں بطور نصاب مقرر کی گئی ہیں۔ گو ایسے سقم کم ہوں۔ لیکن وہ نصاب ہی سرے سے ایسا علی الحساب مقرر ہوا ہے جسمیں بے حساب نقائص ہیں اور جس کی تعلیم پر نہ صرف وقت برباد کیا جاتا ہے بلکہ بہت سی دولت رائگاں جا رہی ہے۔ لیکن ع

گوش حق شنو کجا و دیدۂ اعتبار کو؟

سرکاری یونیورسٹیوں نے اہل ہند کی ضروریات علمی کو مدنظر رکھکر بزعم خود جو مفید ترین نصاب تجویز کیۓ ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ سالہا سال کے تجربات اور مشاہدہ نے انکو سراسر غیر مفید اور باعث تضیع اوقات ثابت کر دیا ہے۔ لیکن یونیورسٹیوں میں جو تعلیمیافتہ حضرات پبلک کی طرف سے بحیثیت نمایندگان ان کے ممبر ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اپنا حق نیابت کہاں تک ادا کرتے ہیں؟ کاش وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائگی میں اخلاقی جرأت سے کام لیتے تو آج یہ نوبت نہ آتی کہ باشندگان ہندوستان کی ایک کثیر التعداد جماعت تلاش ملازمت کے لیۓ در بدر اور دفتر بدفتر اسطرح دھکے کھاتی اور... بعینہ اس شعر کی مصداق ہوتی ہے

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر وہ کھوئے گئے اور تعلیم... پا کر

لیکن کاش ہم نے بچوں کو علم علم کے لیۓ پڑھایا ہوتا اور طالب العلموں نے علم کو علم ہی کے لیۓ حاصل کیا ہوتا۔ غیر اقوام سے تو ہمیں کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ افسوس یہ ہے کہ اہل اسلام نے احکام اسلام کو نہ سمجھا۔ بچہ ابھی مدرسہ میں ہوتا ہے باپ اور مائیں دعائیں کرتی ہیں کہ الٰہی میرے بیٹے کو نوکر کر دے۔ اور کسی نیک بخت کی زبان سے یہ نہیں نکلتا کہ الٰہی میرے بچہ کو سوداگر و تاجر کیجیو۔ عالم فاضل کیجیو یا کسی اور علم و ہنر میں صاحب کمال کیجیو۔ ایسی باتیں سُنکر بچوں کے کان میں نوکری کی توقیر بیٹھ جاتی ہے۔ اور وہ فارغ التحصیل ہونے سے پیشتر ہی نوکری کی تلاش و فکر میں لگ جاتے ہیں۔ علم طور تعلیم کا نتیجہ ملازمت سمجھ لیا گیا ہے۔ اور اسی ملازمت کی بدولت ہماری علو ہمتی، بلند خیالی اور آزادی نیست و نابود ہو گئی ہے۔ اسلام نے بتلایا تھا۔ یہ دنیا و مافیہا سب تمہارے لیۓ ہے لیکن ہم نے اس چیز کو اختیار کیا جو اُن نعمتوں میں نہیں تھی۔ اور اگر تھی تو ادنےٰ ترین قرار دی گئی تھی۔ خدا اور اسکے نبی برحق صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے بلحاظ معاشرت صرف تجارت ہی ایک ایسی چیز بتلائی تھی جسمیں بمقابلہ دیگر معاشرت اللہ تعالیٰ نے نو حصے زیادہ رکھے تھے لیکن ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ علی ہذا القیاس زراعت اور صنعت و حرفت۔ تعلیم و تعلم۔ حکمت و طبابت۔ وغیرہ وغیرہ ایسے شعبہ ہائے کسب و ہنر ہمارے لیۓ تجویز کیے تھے جن سے اکل حلال میں کبھی زوال نہ آتا۔ اور جن کی بدولت ہمارا خوشحال رہنا یقینی امر تھا لیکن ہم نے غلامی اور ملازمت ہی کو ترجیح دی۔ اور اسی وجہ سے آج جس کس مپرسی کی حالت میں مسلمانوں کے بے شمار بچے اور نوجوان پریشان و سرگردان ہیں اس کی کوئی انتہا نہیں۔

ملک اور انٹرنس فیل کی تعداد معلوم کرنا چاہو تو سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں ان کی عرضیوں کا نمبر شمار دریافت کرو۔ ان میں جو انٹرنس پاس یا گریجویٹ ہیں ان کی بھی لیاقت علمی کا امتحان کرو۔ انگریزی تو امید ہے وہ ضرور لکھ اور کچھ بول بھی سکیں گے لیکن انکو اپنی مادری زبان میں ایک مختصر سا خط بھی اپنے پدر بزرگوار یا مادر مہربان کے نام صحیح اور خوشخط لکھنا دشوار ہوگا۔ نہ اردو میں خود اپنی درخواست باقاعدہ قلم بند نہیں کر سکیں گے۔ اگر کسی مجمع میں کھڑے ہونگے تو ان کی اردو تقریر انگریزی الفاظ اور جملوں سے بھری ہوئی ہوگی۔ اور اُن کے اُردو الفاظ بھی ان کی ہندوستانی زبان سے انگریزی لہجہ میں نکلیں گے۔ الّا ماشاء اللہ۔ ایسے تعلیم یافتہ حضرات کی نسبت مولانا حالی مرحوم فرماتے ہیں ؎

جو پوچھو کہ حضرت نے جو کچھ پڑھا ہے ۔۔۔ مزا تم کو اسکے پڑھنے سے کیا ہے
مفاد اس میں دنیا کا اور دین کا کیا ہے ۔۔۔ نتیجہ کوئی یا کہ اسکے سوا ہے
تو مجذوب کی طرح سب کچھ بکیں گے
جواب اسکا لیکن نہ کچھ دے سکیں گے

مگر میں یہ کہوں گا کہ ان بیچاروں کا کیا قصور ہے۔ قصور ہے ان کے والدین کا اور نصاب تعلیم تجویز کرنے والوں کا۔ پس اگر مسلمان یا تمام اہل ہند اس امر کے خواہشمند ہیں کہ مسلمانوں میں اور اہل ملک میں صحیح علمی مذاق پیدا ہو تو ان کے لیئے یہ بات ضروری ہی نہیں بلکہ ان کا قومی مذہبی اور ملکی فرض ہے کہ وہ موجودہ نصاب تعلیم کے تلخ تجربہ کی بار بار آزمائش کر کے من جرب المجرب حلت به الندامة کے مصداق نہ بنتے رہیں بلکہ فوراً سے بیشتر متفقہ کوششوں کے ساتھ یہ اہتمام کریں کہ ہر ایک بڑے شہر میں ایک مدرسۃ العلوم و فنون ایسا جاری ہو جائے جس میں تمام و کمال تعلیم محض اُن کی مادری زبان۔ زبان اردو میں دیجائے۔ بالخصوص برادران اسلام کی اخلاقی مذہبی۔ اور مالی حالت اسی امر کی مقتضی ہے کہ بلا تاخیر مزید و بغیر تضیع اوقات ہمت و استقلال کے ساتھ اس کام کو شروع کیا جائے ؏

ہمت مرداں مدد خدا

پر بھروسہ رکھکر جس تحریک کا آغاز عمدگی سے کیا جائے گا۔ انشاء اللہ اسکا انجام بھی عمدہ ہوگا۔ پس اگر ہم مسلمان ہیں اور فی الواقعہ اپنی بہبودی و ترقی چاہتے ہیں لیکن اُن وسائل کو اختیار نہیں کرتے جو ہماری حقیقی ترقی کے لیئے ضروری ہیں تو یہ سمجھو کہ ہمارے حق میں یہ صادق آئیگا ؎ راہ کے طالب ہیں پر بے راہ اٹھتے ہیں قدم + دیکھیے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم + میں اسوۂ حسنہ کے آئندہ نمبر میں اس مضمون سے زیادہ تفصیل کیساتھ بحث کرونگا۔ وما توفیقی الّا باللہ +

(خادم قوم قاضی فتح محمد انبالوی)

سعی

بعض حضرات کا خیال ہے اور محض غلط خیال ہے کہ سعی و محنت بیکار ہے۔ توکل بجا گھر میں بیٹھا رہنا چاہیئے جو کچھ قسمت کا ہے خود بخود بغیر ہاتھ پیر ہلائے پہنچ جائیگا حالانکہ آیۂ شریفہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ صاف بتا رہی ہے کہ انسان کو کوشش کرنا چاہیئے بغیر سعی و محنت کچھ نہیں ملتا ایسے لوگوں نے توکل ہی کو نہیں سمجھا فی الحقیقت انسان کا کام محنت و مشقت کرنا ہے خواہ وہ طلب علم کے واسطے ہو خواہ طلب رزق کے واسطے اسکا ثمرہ دینا اور برکت عطا کرنا ہماری محنت کو ٹھکانے لگانا اللہ تبارک و تعالیٰ کے اختیار میں ہے پس ہم کو اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے بعد یعنے حتی الامکان سعی کے بعد اپنے ہر ایک کام کو سپرد بخدا کر دینا چاہیئے خوب جان لینا چاہیئے کہ خداوند کریم کسی کی محنت کو بیکار نہیں کھوتا۔ ہاں اسکی رحمت کا ہر وقت خواستگار رہے۔ اپنی سعی پر نہ اترائے کہ یہ نادانی ہے۔ محنت کرنا اور مولیٰ تبارک و تعالیٰ سے برکت چاہنا حقیقی توکل ہے نہ کہ ہاتھ پیر توڑ کر گھر کی چار دیواری میں بیٹھ جانا۔ اگر یہی توکل ہوتا تو بڑے بڑے اکابر دین طلب علم اور طلب معاش میں کیوں دور دراز ملکوں کا سفر اختیار کرتے امام بخاری علیہ الرحمۃ کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے بخارا سے لیکر مصر تک سفر کیا امام دارمی نے شام عراق خراسان۔ مصر۔ حرمین کا سفر کیا۔ اسیطرح ہزاروں اکابر دین نے طلب علم میں سفر کی صعوبتیں اٹھائی ہیں حتیٰ کہ بعض حضرات نے بلا مبالغہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میل سفر کی مسافت طے کر کے علم حاصل کیا ہے۔ امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں۔ کہ انہوں نے تین ہزار فرسخ یعنی ۹ ہزار میل کی مسافت پیادہ پا طے کی۔ یہ انکی سعی کا نتیجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں ان کے اسمائے گرامی سنہرے حروف میں لکھے ہوئے نظر پڑتے ہیں۔ ان کے تصانیف سے ہزاروں تشنہ لب سیراب ہو گئے ہو رہے ہیں۔ اور ہوتے رہیں گے۔ یونہیں بہت سے اکابر دین نے صنعت و تجارت دیگر ممالک کے حالات دریافت کرنے میں سعی و محنت کی ہے کوشش ہی وہ چیز ہے۔ جو انسان کو معراج ترقی پر پہنچاتی ہے۔ غریب سے امیر۔ جاہل سے عالم۔ اور نہ جانے کیا بناتی ہے۔ سعی ہی کی بدولت آج ہم اسلام کو دنیا کے ہر کنج و گوشہ میں دیکھ رہے ہیں اسی کا فیض ہے کہ کوئی ملک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گونج سے خالی نہیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلکہ خود حضور پرنور سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین اسلام کی اشاعت میں کمال سعی سے کام لیا اگر وہ بھی توکل کے وہی معنے لیتے جو بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے سمجھ رکھے ہیں تو کیوں محنت شاقہ برداشت کرتے۔ ان حضرات کا اسوۂ حسنہ ہمارے پیش نظر ہے

اور وہ ہم کو کوشش کرنے کی ترغیب ہی نہیں دیتا بلکہ محنت و مشقت کرنا ہمارا فرض منصبی قرار دیتا ہے۔ پھر کیا معنی کہ کوشش کرنے سے جی چرائیں۔ اور خوئے بد را بہانۂ بسیار۔ اسلام کے سر الزام رکھیں کہ وہ ہم کو ہاتھ پیر ہلانے کی تعلیم و تلقین نہیں کرتا۔ حالانکہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھرنا۔ رزق کمانا۔ اہل و عیال کی پرورش کرنا اگر جائز طریقے سے ہو سب عبادت ہے مولانا روم صاحب نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے طلا و نقرہ و فرزند و زن

اسلام نے جیسی آزادی اپنے حلقہ بگوشوں کو عطا فرمائی ہے اسکی مثال کسی مذہب و ملت میں مل ہی نہیں سکتی قرآن عظیم کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا وہ ہم کو نہ تو رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے نہ کسب معیشت و پرورش اہل و عیال میں خالق کو فراموش کرنے کی۔ بلکہ میانہ روی سکھاتا ہے۔ خیر الامور اوسطھا اسکا حکم ہے کھاؤ۔ پیو۔ چلو۔ پھرو۔ علم سیکھو۔ معاش پیدا کرو متعلقین کی پرورش کرو مگر ہر آن و ہر لحظہ خالق کا دھیان رکھو اُسے نہ بھولو جس نے تمکو ہزاروں نہیں بلکہ کروڑوں نعمتیں عطا فرمائیں۔ اور ہر آن عطا کر رہا ہے اسپر بھی اگر ہم اسلام کو بدنام کریں تو یہ ہماری پرلے سرے کی ناشکری و کمزوریٔ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر نیک کام میں سعی و محنت کی توفیق عطا کرے آمین ثم آمین +

تعلیم صرف کتابی تعلیم کا نام نہیں ہے

ایک غلطی جو اکثر نہیں بلکہ قریب قریب سب تعلیم یافتہ کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ وہ تعلیم پھیلانے کے معنی ٹھیک نہیں سمجھتے یعنی بس ایک تعلیم کو تعلیم سمجھتے ہیں اور دوسرے طریقے جو تعلیم کے یعنی لوگوں کے دل و دماغ پر اثر ڈالنے کے ہیں اُن سے بے خبر اور لاپروا ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ نئے اور پرانے سب قسم کے علماء اور بزرگان اس صاف غلطی میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ جو شخص تعلیم کی غرض سے چندہ دیتا ہے۔ وہ لڑکوں کی کتابی ہی تعلیم کے واسطے ہوتا ہے۔ لکچرار ہیں تو اور واعظ ہیں تو سب اسی کا نام تعلیم رکھتے ہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کتابی تعلیم ضروری یا عمدہ نہیں۔ بلکہ اکثر یہی تعلیم زیادہ ضروری ہے اور خاص کر بعض میں اسکا اثر بہت گہرا اور مستقل ہوتا ہے علم اور تعلیم کو صرف کتابی تعلیم اور دینیات میں محدود کر دینا ایسا ہی ہے جیسا پرانے زمانہ میں سمجھا جاتا تھا کہ پنڈتوں یا پادریوں کے سوا کسی کے پاس علم نہیں ہوتا۔

یا جیسے کوئی شخص گھوڑے سے صرف عربی گھوڑا مراد لے۔ اور سوائے پکے مکانوں کے کسی قسم کے مکان کو مکان نہ بتلائے۔ یہ نہیں جانتا کہ غریب یا مجبور آدمی اگر سواری چاہتا ہے یا رہنے کو گھر تو اسکو عربی گھوڑا کیسے حاصل ہو سکتا ہے اور یہ کیا ضرور ہے کہ پکا گھر نہ ملے تو بے گھر رہے۔ اگر تعلیم کا مقصد آدمی کو باکار۔ ہوشیار۔ نیک چلن۔ مفید بنانا ہے تو یہ بات کئی طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ وعظ سے نصیحت سے۔ ایک دوسرے کے سمجھانے سے اچھی صحبت سے۔ اچھی مثال سے۔ عمدہ کتاب پڑھنے سے۔ مفید اخبار کے مطالعہ کرنے سے یہ کیا ضرور ہے کہ ساری دنیا لکھنا پڑھنا سیکھ سکے۔ اور اتنی فرصت رکھے کہ مدارس میں مڈل سے لیکر ایم۔ اے تک امتحان پاس کر لیوے۔ یا میزان الصرف سے نفیسی اور شرح چغمینی تک سب کتابیں ختم کرے پس جب تم تعلیم پھیلانے کے خواہشمند ہو تو جس طریقے سے لوگوں تک اچھی بات پہنچا سکتے ہو۔ اُن کے خیالات وسیع اور ذریعہ معاش بہتر کر سکتے ہو وہ سب تعلیم ہے۔ اصلاح کی طرف آمادہ کرنا تعلیم ہے تعصب کو کم کرنا تعلیم ہے اچھے اخباروں کا شوق دلانا تعلیم ہے۔ فضول خرچی۔ نمود۔ ریاکاری چھڑانا تعلیم ہے خود پر بھروسا سکھانا خوشامد ترک کرانا۔ جھوٹے اور فضول اشغال سے متنفر کرانا تعلیم ہے اور یہ ایسی تعلیم ہے جو کچے اور پکے سند یافتہ و غیر سند یافتہ سب کو دیجاتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ سب کو اسکی ضرورت ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تعلیم کے لمبے چوڑے معنی جو ہم نے لیئے ہیں۔ نہ صرف لفاظی اور ایک خیالی تاویل ہے۔ بلکہ ایک قسم کی بدعت ہے پرانے لوگوں نے یہ معنی نہیں لیئے مگر ہم یہ نہیں سمجھتے کہ پہلے زمانہ میں جب لکھنا پڑھنا نہیں تھا بلکہ سقراط کے زمانہ تک اور کس طرح تعلیم دیجاتی تھی۔ صرف زبان اور مثال کے ذریعہ سے تمام انبیا کی تعلیم بھی اسی طرح کی تھی۔ یہ مانا کہ یہ زمانہ کتب کا ہے۔ تو اس تعلیم کو کتابوں اور رسالوں کے سہارے سے بڑھا دیجئے۔ مگر اس سیدھی اور سچی تعلیم سے بے خبر کیوں رہتے ہو۔

ہمارے نئے تعلیم یافتہ اور ہمارے پرانے تعلیم یافتہ دونوں اس بڑی تعلیم سے غافل ہیں۔ اور تعلیم کو ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ کئی کروڑ آدمیوں میں سے صرف چند لاکھ میں محدود رہے۔ اور اس سے عام خلایق فائدہ نہ اُٹھا سکے اسلیئے ہمکو اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ اصلی تعلیم ملک میں پھیلے +

آنریبل خواجہ **غلام الثقلین مرحوم**

سُن او جہاز ران!

یا رب! ہوا ہوں ہند سے میں عازم حجاز
خوف و رجا میں آن پڑا ہے مرا جہاز
لاؤ ہو ندہ کو، اگر ہو کوئی ندرسہ نواز
ہوں گردش سفر سے بہت آج سرگران

سُن او جہاز ران!

رہیں اگرچہ میں متلاطم ادھر اُدھر
لیکن کچھ اپنے دل میں نہ لا خوف اور خطر
لنگر اٹھا دے یار بھروسہ خدا پہ کر
ہو قافلے کو لیکے عرب کی طرف رواں

سُن او جہاز ران!

سنتا ہوں راہ بحر ہے مخدوش آجکل
ہر اک طرف مچے ہوئے سلسلۂ فتنۂ کل
یورپ میں چھڑ رہی ہے لڑائی کوئی اٹل
مجھ کو مگر ذرا بھی نہیں خوف این و آن

سُن او جہاز ران!

رستہ میں ہو جہاز اگر تیرا پاش پاش
تختہ ملا ہو جس پہ لیے دوش موج کاش!
بہتی ہوئی مدینہ پہنچ جائے میری لاش
اُڑ جائیں مجھ کو لیکے سمندر کی مچھلیاں

سُن او جہاز ران!

برپا سمندروں میں جو طوفان ہو۔ تو ہو
گولوں سے سطح بحر پریشان ہے۔ تو ہو
ماہ سفر میں حشر کا سامان ہے۔ تو ہو
کیسا خطر! خیال بھی اسکا نہیں یہاں

سُن او جہاز ران!

لاشہ مرا مدینہ کے جنگل میں ہو پڑا
آئے نسیم روضہ سے لبیک کی صدا
تشریف لائیں خود مری میت پہ مصطفےٰؐ
چہرے سے ہوں عیاں مری حسن نصیبیاں

سُن او جہاز ران!

مجھ کو سوائے شوق مرے کچھ بھی نہیں ہے شاق
مکہ کی آرزو ہے مدینہ کا اشتیاق
ہے انتظار جلوۂ صبح شب فراق
حسرت یہ ہے کہ خود ہوں حسرت کی بدلیاں

سُن او جہاز ران!

ٹھوکر لگا کے پھر مجھے زندہ کریں حضورؐ
آجائے جان پھر تن بیجان میں بن کے نور
قربان جاؤں دیکھ کے دیدار پر سرور
قدموں پہ پھر نبیؐ کے نکل جائے میری جان

سُن او جہاز ران!

آنکھوں سے پہلے کعبہ کی چوکھٹ لگاؤں میں
کرکے ادا فریضۂ حج چین پاؤں میں
پھر روضۂ رسولِ مکرمؐ پہ جاؤں میں
رو رو کے اپنا قصۂ فرقت کروں بیان

سُن او جہاز ران!

حاصل جو ایسی موت ہو اور ایسی زندگی
ارمان میرے دل میں نہ باقی رہے کوئی
آباد ہوں مدینہ میں بسا دیا ہیں میری
مطلب یہ ہے کہ مجھ کو ملے عمر جاوداں

سُن او جہاز ران!

لنگر اٹھا، قریب ہے ہنگامۂ سحر
پیک خیال نے مجھے دی ہے ابھی خبر
اب دل ہے ناشکیب، نہ بس دیر کر
وہ دیکھ مسجدِ نبویؐ میں ہوئی اذان

سُن او جہاز ران!

سیماب

(صدیقی الوارثی اکبرآبادی)

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

بیشک عقل والوں کے لیے ان لوگوں کے حالات میں (بڑی) عبرت ہے

تذکرۃ السلف

ہمارے اسلاف کی دنیاوی جدوجہد

(نمبر۲)

(الدنیا مزرعۃ الآخرہ)

جس روز سے حضرت آدمؑ زمین پر اتارے گئے ہیں۔ اسروز سے آجتک دنیا برابر مزرعۃ الآخرہ رہی ہے۔ اور جب تک قیامت نہ آئے گی دنیا مزرعۃ الآخرہ رہیگی۔ حضرت آدمؑ کے ساتھ جنت سے تیس قسم کے میوے نازل کئے گئے تھے۔ ان میں سے عجوہ (کھجور) ترنج اور کیلا انار وغیرہ وغیرہ ہیں +

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُهْبِطَ اٰدَمُ بِالْهِنْدِ وَمَعَهُ السَّنْدَانُ[1] وَالْكُلْبَتَانُ وَالْمِطْرَقَةُ[2] (ابن جریرؒ)	حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ سرزمین ہند پر معہ سندان (اہرن نہائی) اور سنڈاسی (زنبور) اور ہتوڑے کے اتارے گئے تھے۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو بہشت سے نکالکر زمین پر بھیجا گیا تو ان کے ساتھ مختلف قسم کے میووں کے تخم بیج تھے۔ جو انکو جنت سے عطا کئے گئے تھے۔ مگر رنج والم اور گناہ سے توبہ کی فکر کی وجہ سے انکو کچھ خبر ہی نہ رہی تھی۔ شیطان تاک میں لگا ہوا تھا۔ جن بیجوں پر شیطان کا دست تصرف پھر گیا۔ وہ مسموم اور بے منفعت ہوگئے۔ اور جن تخموں کو شیطان کا ہاتھ نہیں لگا۔ وہ بدستور محفوظ رہے اور ان کی منفعت قائم رہی +

(از تفسیر فتح العزیز فارسی)

[1] سندان اہرن۔ نہائی جسپر لوہا۔ چاندی وغیرہ کوٹ کر بڑھاتے ہیں۔ (لغات عربی) تواب غفرلہٗ۔

[2] مطرقہ۔ ہتوڑا المارطل کا گھن۔ تواب غفرلہٗ۔

(سونا چاندی)

آفرینش دنیا کے وقت اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کی کانیں پیدا نہیں کی تھیں حضرت آدمؑ کے زمین پر آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انکو پیدا کیا ہے۔

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا خَلَقَ الدُّنْيَا لَمْ يَخْلُقْ فِيْهَا ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً فَلَمَّا اُهْبِطَ اٰدَمُ وَحَوَّاءُ اَنْزَلَ مَعَهُمَا ذَهَبًا وَفِضَّةً فَسَلَكَهُ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ مَنْفَعَةً لِاَوْلَادِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا + (رواہ ابن ابی دنیاؒ)	حضرت جعفر بن محمدؒ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کو پیدا کیا تو اسوقت سونے چاندی کی کانوں کو دنیا کی زمین میں پیدا نہیں کیا تھا جس وقت حضرت آدمؑ اور بی بی حوا بہشت سے دنیا میں لائے گئے اسوقت اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ سونے چاندی کو بھی نازل فرمایا اور ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے نفع کیلئے سونے چاندی کے چشمے زمین پر بہادیئے

چنانچہ حضرت کعب احبار رضی سے روایت ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے روپیہ و اشرفی بنایا۔ وہ حضرت آدمؑ ہیں۔ اور حضرت آدمؑ ہی نے دوسری چیزوں کے مقابلہ میں قیمتًا روپیہ و اشرفی کو رواج دیا ہے۔ (ابن ابی شیبہؒ)

حضرت انس رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کپڑا بننا شروع کیا وہ حضرت آدمؑ ہیں۔ اَوَّلُ مَنْ حَاكَ هُوَ اٰدَمُ (مسند الفردوس) +

(لباس اور اس کی ایجاد)

اور اسکی بناوٹ اور اسکے پہننے کا طریقہ حضرت آدمؑ ہی سے ہم کو وراثۃ میں پہونچا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يَا بَنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (الاعراف ع ۳ پ)	اے بنی آدم! ہمنے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہارے عیبوں کو چھپاتا ہے اور تمہاری زینت کا باعث ہے۔ اور پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ دھیان کریں +

(کھیتی کرنا)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے ہاتھ سے ہل چلاتے اور کھیتی کرتے تھے۔ کَانَ اٰدَمُ حَرَّاثًا +

قصہ مختصر

جب حضرت آدمؑ زمین پر اتارے گئے۔ بتقضاء بشریت جن جن چیزوں کی انکو ضرورت تھی جو ہر شخص خود ہی قیاس کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی انہی کی اولاد میں ہے اَبُوْهُمْ اٰدَمُ وَ اُمُّهُمْ حَوَّاءُ۔ ان اسباب کی تفصیل طوالت کا باعث ہے کتب تفاسیر و سیر میں تفصیل موجود ہے۔ جسکا جی چاہے دیکھ لے۔ الغرض تقریباً تین سو ساٹھ اسباب کو حضرت آدم اپنے ہاتھ سے پورا کر کے منہ تک روٹی کا نوالہ لیجاتے تھے۔

تالاب اور دریاؤں سے پانی بھرتے۔ درختوں کی لکڑیاں چن کر لاتے۔ کھدیا کا ہتے۔ اپنے ہاتھ سے جانوروں کو چارہ ڈالتے۔ سانی سانتے۔ دودھ نکالتے الغرض تمام کام اپنے ہاتھوں خود کرتے۔ بی بی حواؑ گھر کا کام کرتیں چکی پیستیں جھاڑو دیتیں۔ روٹیاں پکاتیں۔

(سرزمین ہند کا سب سے پہلا بادشاہ)

پچھلی ایک روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آدم علیہ السلام سرزمین ہند پر اتارے گئے تھے۔ لہذا یہیں سے ان کی حکومت و امارت کا آغاز ہوتا ہے۔ جب انکی اولاد شرقاً غرباً شمالاً جنوباً پھیلنی شروع ہوئی۔ اسوقت سب سے پہلے سرزمین ہند کیا بلکہ تمام دنیا کے حاکم و بادشاہ ہمارے جد امجد آدمؑ اور انکی ملکہ ہماری دادی بی بی حواؑ تھیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ[1]۔ ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا　　مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
اے آب رود گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو　　اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا　　اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

(نبوت و خلافت)

آدم علیہ السلام سے نبوت و خلافت نیابت و رسالت۔ سیادت و قیادت وراثۃً منتقل ہوتے ہوئے ختم الرسل حضرۃ احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کے بعد بہت سے نبی و رسول دنیا میں تشریف لائے۔ سب نے نیابت و خلافت کے امور کو حضرت آدمؑ کی طرح انجام کو پہنچایا۔

اور ہمارے آقا و مولا حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حسبقدر خلفاؓ و علماؒ و اولیاءؒ و فضلاء فقراء کرام صوفیاء عظام ہو گزرے ہیں سب نے بموجب آیت کریمہ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ مجاہدہ نفس اور دنیاوی جدوجہد کی ہے یعنی خدا کی رضا جوئی۔ اور خلق خدا کو فائدہ پہونچانے کی غرض سے بمقتضاء سید القوم خادمہم اپنے نفس کو بے حد تکلیفات مجاہدات و ریاضات میں مبتلا کیا ہے۔

بخوف طوالت مضمون چند اولوالعزم رسول اور انبیاء علیہم اور ان کے تذکرہ کے بعد رسول عربی روحی فداہ کے چند جانثار خادموں کا تذکرہ کرکے فقیر اس مضمون کو ختم کئے دیتا ہے۔

(نوح علیہ السلام)

حضرت نوح جلیل القدر پیغمبر ہونے کے باوجود نجاری بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے جبار و سرکش۔ اور ظالم و جاہل لوگوں کے غرق کرنے کے واسطے جب اللہ تعالیٰ نے پانی کا طوفان نازل فرمایا۔ تو جس کشتی میں بیٹھ کر حضرۃ نوح اور آپکے متبعین نے نجات پائی تھی۔ وہ حضرت نوح ہی کے ہاتھوں کی بنی ہوئی تھی چنانچہ قرآن شریف میں یہ واقعہ اسطرح مذکور ہے:۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ (ہود ع ۴ پ ۱۲)

اور ہمارے روبرو ہمارے حکم کے موافق ایک کشتی بناؤ اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہو کیونکہ یہ لوگ ضرور غرق ہونگے چنانچہ نوح کشتی بنانے لگے اور جب کبھی انکی قوم کے سردار ان کے پاس ہو کر گزرتے تو وہ (ظالم) کشتی ان سے تمسخر کرتے +

جب یہ متکبر و سرکش اپنی امارت و ریاست کے غرور اور حکومت کے زور کی وجہ سے نوح علیہ السلام کے مطیع و فرمانبردار۔ توم ہر طرح طرح کے ظلم کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے تو وہ لوگ اور نیز حضرت نوح علیہ السلام ان کو یہ جواب دیتے کہ آج تم ہم پر ناجائز طور سے طرح طرح کی قیودات عائد کر رہے ہو اور بیجا ہم پر ظلم کرتے ہو۔ مگر عنقریب انشاء اللہ جب بمقتضاء نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ حق کی فتح ہوگی۔ اور تم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹا دئے جاؤ گے۔ اور قہر خداوندی کا طوفان تم کو دنیا سے ناپید کرنیکے لئے چاروں طرف سے محاصرہ کرے گا۔ اور بالآخر تم غرق کر دئے جاؤ گے اسوقت ہم بھی جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ پر عمل کریں گے۔

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ

نوح یہ جواب دیتے کہ اگر آج تم ہم پر ہنستے ہو تو جسطرح تم (ہم پر) ہنستے ہو

[1] انتخبت ہذہ الاشعار من قصیدۃ قومیۃ للفاضل الجلیل اعنی حضرت اقبال نادا اقبالہم وکثر اللہ امثالہم ۱۲ نواب غفرلہٗ

تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ٥
(ہود ع ۴ پ ۱۲)

اسی طرح ہم بھی ایک دن تم پر ہنسیں گے اور تھوڑے دن بعد ابھی عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب نازل ہوتا ہے جو دنیا میں اس کی ذلت رسوائی کا باعث ہو اور ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب تکلیف اسکے سر پر قائم رہے

چنانچہ خدائی گورنمنٹ کے باغیوں کو سزا ملی اور سب کے سب اس واقعہ کے چند ہی دن بعد طوفانِ خداوندی میں بغاوت سرکشی کے جرم اور باغی اور سرکشوں کی اعانت کے الزام میں غرق کر دئے گئے۔ اور خدا کے فرمانبردار بندے اور حضرت نوح علیہ السلام ان کے پیشوا اس طوفان سے صحیح سالم بچ رہے۔[1]

تَرَى الْمَرْءَ يَسْعٰى وَالْمُرَادُ بِسَعْيِهِ مَنُوْطٌ وَبِاَيْدِي الْقَضَاءِ الْعَجَائِبُ

حضرت ادریسؑ اور حضرت ہودؑ و حضرت صالحؑ

حضرت ادریس علیہ السلام خیاط تھے کپڑے سیا کرتے تھے۔ حضرت ہودؑ اور حضرت صالح علیہما السلام دونوں کے دونوں تجارت کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام زراعت و سنگتراشی کرتے تھے کیونکہ ان کے والد آزر پتھروں کے بت تراشا کرتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سن بلوغ کو پہنچے۔ تو اپنے بت تراش و بت پرست والد سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا
(مریم ع ۳ پ ۱۶)

ابا! آپ کیوں ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ کچھ دیکھتے اور نہ آپکو کچھ فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔

جب آزر اور ان کے ہم خیال لوگ بتوں کی پرستش سے باز نہ آئے تو ایک روز حضرت ابراہیم نے بعض بتوں کے ناک کان کاٹ کر انکو لنڈا لولا کر دیا اور بعض کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈالدیا۔ اور سب سے بڑے بت کو صحیح سالم رہنے دیا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ
(انبیاء ع ۵ پ ۱۷)

پس ابراہیم نے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر ان کے بڑے بت کو اس غرض سے نہیں توڑا کہ وہ اسکی سمت رجوع کریں۔

لوگوں نے پوچھا کہ! ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ بے ادبی کس ظالم نے کی ہے

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ٥

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور الزام کے جواب میں فرمایا۔ کہ تم بتوں کو خدا مانتے ہو ان کی پرستش کرتے ہو۔ تم انہیں سے نہ پوچھ لو۔ سب کے بڑے میاں یہی تمہارا سب سے بڑا معبود تو موجود ہے۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ
(انبیاء ع ۵ پ ۱۷)

ابراہیم نے کہہ کہ ان سب سے جو بڑا ہے اسی نے یہ حرکت کی ہوگی۔ اگر یہ بت بول سکتے ہوں تو انہیں سے پوچھ لو۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے معماری بھی کی ہے۔ اپنے ہاتھ سے خانہ کعبہ کی دیوار اٹھائی ہے۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اسمیں شریک تھے۔

حضرت شیث علیہ السلام

حضرت شیث علیہ السلام گڈریے تھے۔ ان کے ہاں بہت سی بکریاں اور بہت سے مویشی تھے۔ ان کے اون اور ان کے دودھ سے اپنی معاش حاصل کرتے تھے۔

چنانچہ سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ اور حضرت شیث اور حضرت شعیبؑ اور ان کی صاحبزادیوں کا مواشی چرانے کا تذکرہ مرقوم ہے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ٥
(قصص ع ۳ پ ۲۰)

اور جب شہر مدین کے پانی پر پہونچے تو دیکھا کہ کنوئیں پر لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اور دیکھا کہ ان لوگوں کے علاوہ دو عورتیں اپنے ریوڑ کو روکے کھڑی ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تمہارا مطلب کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر ہٹا نہ لیجائیں۔ ہم اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلا سکیں گے۔ اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے پینا ان کے لیے پانی کھینچا۔ اور ان کی بکریوں کو پانی پلایا پھر وہاں سے علیحدہ ہو کر ایک درخت کے سایہ میں جا بیٹھے۔

جب حضرت شعیب کی صاحبزادیاں گھر میں آئیں تو اپنے باپ سے موسیٰ علیہ السلام کا پانی پلانا۔ اور ان کی طاقت و قوت کا تذکرہ کیا۔ اور انکو اجرت پر اپنے ہاں رکھ لینے کی اپنے والد سے درخواست کی۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ٥
(قصص پ ۲۰)

ان لڑکیوں میں سے ایک نے کہا کہ اے ابا! ان کو اجرت پر نوکر رکھ لیجئے کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جسکو آپ نوکر رکھنا چاہیں مضبوط اور امانت دار ہونا چاہیئے۔

[1] تو انسان کو دیکھتا ہے کہ وہ اپنے حصول مقصود کیلئے کوشش کرتا ہے اور ہلاکت اسکی کوشش کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہے اور قضا اسکو عجیب عجیب باتیں دکھاتی ہے ۱۲

الغرض موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب کی اس شرط پر کہ آٹھ سال تک تم میری خدمت نوکری کرو، حضرت شعیب کی ایک صاحبزادی سے نکاح کر لیا اور اس شرط کے موافق برابر بکریاں چراتے رہے اور شبانی کرکے زندگی بسر کرتے رہے۔

حضرت داؤد ؑ

حضرت داؤد علیہ السلام زرّادؔ[1] (زرہ باف) تھے۔ جیسا کہ سورہ سبا کی آیات سے ظاہر ہے

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ۝ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (السبا پ ۲۲)

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری دی تھی۔ اے پہاڑ و تسبیح و تلاوت میں ان کے ساتھ رجوع ہو اور ایسا ہی حکم پرندوں کو بھی دیا اور داؤد علیہ السلام کے لئے ہم نے لوہے کو بھی نرم کر دیا تھا کہ (پوری اور) کشادہ زرہیں بناؤ۔ اور کڑیاں انداز سے جوڑو اور اچھی طرح کام کرو۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو میں دیکھ رہا ہوں۔"

حضرت سلیمان ؑ

حضرت سلیمان ؑ خواص[2] تھے اپنے ہاتھ سے زنبیلیں، بورئے، پنکھے وغیرہ بنا کر کسب معاش کرتے تھے باوجودیکہ تمام روئے زمین کے مالک تھے تمام عزو شوکت پر قبضہ و اقتدار حاصل تھا۔ مگر آپ اپنے ہاتھ سے کام کرکے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ تفسیر فتح العزیز۔

حضرت عیسےٰ ؑ

حضرت عیسےٰ علیہ السلام سیاحی کرتے تھے صنعت و حرفت سے کبھی معاش حاصل نہیں کی۔ کبھی انھوں نے اپنے لئے کچھ ذخیرہ نہیں کیا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ جس خدا نے مجھکو صبح کو کھانا کھلایا ہے۔ وہی خدا مجھے شام کو بھی شکم سیر کھلائیگا ان کی تعلیم و ہدایت میں سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی تمہارے داہنے گلے پر طمانچہ مارے تو بایاں گال بھی سامنے کر دو۔

مسلمانو! کیسے تعجب کی بات ہے کہ جس قوم کے ہادی اور امن کے پیغمبر کی یہ حالت ہو کہ وہ کبھی اپنے ہاتھ سے روزی نہ کمائے، آج وہ قوم ہر طرح کے علوم و فنون اور حصول معاش کے ذرائع میں فائق اور پیش پیش نظر آئے۔ اور مسلمان جنکے پیغمبر نے خود تجارت کی اور طرح طرح کی صنعت و حرفت کی تعلیم دی۔ وہ آج ذلت و مسکنت کے بادیہ میں گمنام پڑی ہے۔

ہمارے آقائے نامدار

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعثت سے پیشتر تجارت کرتے تھے بعثت کے بعد اعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے حقوق کی حفاظت نیز اسلام پر جو آئے دن حملے کئے جاتے تھے۔ انکے روکنے کے لیئے جہاد کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے آپکے رزق کو اور آپکے صحابہ کے رزق کو تلواروں اور نیزوں کے سایہ تلے اتارا تھا۔ (فتح العزیز)

خلاصۃ الکلام

مندرجہ بالا آیات۔ احادیث و تفاسیر و اقوال سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی ہے کہ دنیا آج سے مزرعۃ الآخرہ نہیں ہے۔ بلکہ ابتدائے آفرینش دنیا سے لیکر آج تک برابر یہ دنیا آخرۃ کی کھیتی اسی طرح بدستور قائم رہی ہے۔ اور تا قیام قیامت قائم رہےگی۔

تمام نبیوں نے حضرت آدم ؑ کی تقلید کی ہے۔ اسی طرح بمقتضاء أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔ رسول اور انبیاء علیہم السلام کی تقلید شاہانِ اسلام نے کی۔ صوفیاء کرام و اولیاء عظام نے سرزمین دنیا کو مزرعۃ الآخرہ تسلیم کرکے اسی دنیا میں خدا کی یاد میں مشغول رہے۔ اور اپنے ہاتھ سے حلال روزی کما کر قوت لایموت حاصل کی۔

کیا حضرت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رح و حضرت قطب الدین بختیار رح کاکی و حضرت نظام الدین اولیاء رح وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی معاشی زندگی ہمارے لیئے قابل تتبع اور واجب التقلید نہیں ہے۔ ذرا ان حضرات کی سوانحات عمری ملاحظہ فرمایئے۔

ان سب بزرگوں نے اپنی زندگی میں اپنی روزی کا بوجھ کسی غیر پر نہیں ڈالا۔ اور خود اپنے ہاتھ سے حلال روزی کماتے تھے۔ مگر یادِ خدا اور اسلام کی ترویج و اشاعت سے ایکدم بھی غافل نہیں رہتے تھے۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر بزرگان دین میں سے کسی نے خدا کی عبادت نہیں کی اللہ تعالیٰ خود صاف لفظوں میں فرماتا ہے۔ کہ تم اپنے دنیا کے حصے کو نہ بھولجاؤ۔ دنیا میں ترقی و عروج حاصل کرو نکمے اور بیکار رہ کر ملک میں دغا بازی چوری ڈکیتی اور طرح طرح کے فساد نکرتے پھرو۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ

اور جو تجھ کو خدا نے دے رکھا ہے اس میں منزل آخرۃ کا بھی فکر کرتا رہ اور دنیا سے جو تیرا حصہ ہے اسکو بھول نہ جا۔ اور

---

[1] زراد کشاد۔ زرہ گر۔ منتہی الارب

[2] خواص کشادہ خوص فروش یعنی کھجور کے پتے بن کر یا بنے بیچنے والے۔ ہکذا فی المنتہی الارب

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ۖ جسطرح کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ۔ کیا ہے تو بھی اوروں کے ساتھ احسان
(قصص ع ۸ پ ۲۰) اور ملک میں فساد (و بدامنی) کا خواہاں نہ ہو

کیونکہ اللہ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا۔

پس اگر ہم عنداللہ و عندالناس خود کو معزز و محترم بنانا چاہتے ہیں اور اپنے کھوئے ہوئے جنت کے باغ اور اپنا کھویا ہوا ہمیشگی کا ملک وملک لا یبلیٰ اور اپنی سلطنت اور ہمیشہ کی جاہ و حکومت یعنی جنت اور اپنا ذہنی رعب داب وہی گوری گوری چمڑی والے غلمان۔ اور وہی خوبصورت لونڈیاں یعنی حورین اور وہی اقتدار و اختیار قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں کو از سر نو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس دنیا میں آدم علیہ السلام و دیگر انبیاء خصوصاً حضرت خاتم النبیین اور آپ کے صحابہ کی مقدس زندگی کی پیروی کرتے ہوئے ان کے قدم بقدم چلیں اور دنیا کے ہر شعبہ میں ترقی کرتے ہوئے عبادت مولیٰ اور اسکی رضا جوئی کا ہر وقت ہمکو خیال رہے۔ انشاء اللہ اگر ہماری یہی جد و جہد رہی تو ہم اپنا آبائی ملک پھر حاصل کرسکیں گے یعنی جنت کے پانے کے حقدار و مستحق بن جائیں گے اور اگر ہم اسی طرح کاہل الوجود رہے تو نہ دنیا ہی میں ہماری کوئی عزت ہوگی۔ اور نہ عقبیٰ ہی میں ہم کامیاب ہوسکیں گے۔

پس آج سے ہمکو دنیا کے ہر شعبہ میں یہ خیال کرکے یہ خدا نے ہمارے ہی لیئے بنایا ہے۔ اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں۔ یہ بھی عین عبادت ہے) ترقی کرنی چاہیئے اور اپنے ملک کو جسکو کہ ہمارے باپ سے شیطان نے فریب دے کر چھینوا دیا پھر یعنی جنت کے حصول کے لیئے جان تک لڑا دینی چاہیئے۔ اور کسی وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یاد الٰہی سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ اور کسی شیطان یا شیطان کے بچے یا اسکے بھائی بند اخوان الشیاطین کے دھوکے اور فریب میں نہ پھنسنا چاہیئے۔ ورنہ ہم بھی حضرت آدم کی طرح جنت کے باغ اور اسکی زرخیز سنہری و پر فضا زمین کے حاصل کرنے سے محروم کر دئے جائیں گے۔ حضرت آدم کی دعا تو خلیفۃ الارض اور ابوالبشر اور خدا کے برگزیدہ پیغمبر ہونے کی وجہ سے مقبول ہوگئی ہے۔ مگر ہم بجز اطاعت اللہ و پیروی رسول کے ہرگز ہرگز جنت کو حاصل نہیں کرسکتے کیسے تعجب کی بات ہے کہ ہم ایک وقت میں مسجود الملائک تھے۔ اور آج ہم اس طرح ذلیل و رسوا ہیں۔ معصوم ذہکیس ہیں۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

ہم زمین پر محض کھانے پینے سونے اور بیکار رہنے کے لیئے نہیں پیدا کئے گئے۔ ہمارے پیدا کرنے سے بڑی غرض خدا کی یہ تھی۔ اور فرشتوں کو دکھانا منظور تھا کہ ہمارا بندہ دنیاوی کاروبار میں معروف رہکر اور طرح طرح کے مصائب و مشکلات میں مبتلا ہو کر بھی ہم کو نہیں بھولتا۔ اور ہر وقت اسکے پیش نظر بس ہماری ہی ذات رہتی ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ میری نمازیں اور میری تمام عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے
(انعام ع ۲۰ پ ۸) لیئے ہے۔ جو سارے جہان کا پروردگار ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

حکایات

خلیفہ یعقوب ابن لیث ابتداء میں مثیل کا کام کیا کرتا تھا اسلیئے اسکو صفار کہتے ہیں آخر پھر اس نے اپنا کام چھوڑ کر یہ خیال کیا کہ عمر گرانمایہ مثیل میں صرف کرنی نہایت کمینہ خیال ہے بلکہ عالی ہمتی کے وسیلہ سے کوئی ایسا کام کرنا چاہیئے کہ اگر اُس میں کامیابی ہو فبہا اور اگر نہ ہوئی تو راہ طلب میں جان دینی خود بلند نامی کا باعث ہوگی۔ چنانچہ اسی عالی ہمتی کے باعث بادشاہ ہوگیا۔

امام ابو نصر قشیری کے روبرو حضرت بایزید بسطامی کا ذکر ہوا کہ آپ ایک روز فرماتے تھے۔ کہ میں خدا کی رحمت سے اسکا سائل بننا چاہتا تھا۔ کہ تمام مخلوق کے گناہوں کو دامن مغفرت سے ڈھانک لے۔ مگر مجھے شرم آئی کہ یہ خدا کی چیز ایسی بڑی سرکار سے کیا طلب کروں۔ ابو نصر نے فرمایا کہ اسی عالی ہمتی کے باعث بایزید نے دین و دنیا میں بلند نامی حاصل کی ہے ؎

باہمتِ باز باش و باکبر پلنگ کانجا ہمہ اوست و اینجا ہمہ رنگ

خلیفہ مالک کے روبرو ایک روز ان کا بیٹا کھیل رہا تھا۔ اور ایک عقلمند غلام کا زیرک لڑکا دست بستہ سامنے کھڑا تھا۔ مالک نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ دنیا میں تجھے کیا چیز پسند ہے۔ اُس نے کہا خزانے۔ گھوڑے۔ آلات حرب۔ لونڈی غلام اور سامانِ سلطنت۔ پھر اُس غلام کے لڑکے سے پوچھا۔ اُس نے جواب دیا (حسبی اَنْ اُعْتِقَ رَقِیْقًا اَوْ اَسْتَرِقَّ بِالْاِحْسَانِ حُرًّا) یعنی میری آرزو یہ ہے کہ کسی غلام کو آزاد کروں۔ یا آزاد کو اپنے احسانات کا بندہ بناؤں۔ مالک نے کہا تو میرے بیٹے کی نسبت مجھے زیادہ محبوب ہے کیونکہ تیرے کلام سے عالی ہمتی کی بو آتی ہے۔ اسکے بعد یہ لڑکا بادشاہ ہوکر مالک کا بیٹا مشہور ہوا اور بڑی عالی ہمتی سے بادشاہت کی۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

جسکو حکمت دی گئی بے شک اُس نے بڑی دولت پائی +

حکمت و موعظت

شذرات الحکم

اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے ایک بزرگ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو بعد از وفات کشف میں دیکھا۔ نجات کی وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ ایکروز میرے قلم کے سر پر مکھی بیٹھی تھی۔ میں اس کی سیرابی کے خیال سے اسوقت تک لکھنے سے باز رہا جب تک کہ وہ خود نہ اُڑ گئی۔ یہ عمل میرا مقبول ہوا۔ غور کرو اللہ تعالیٰ کیسا نکتہ نواز ہے۔ کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (پ ۷۔ س الانعام۔ ع ۶/۱۲) تمہارے پروردگار نے مہربانی کرنا از خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے +

اسراف و امساک خداوند تعالیٰ نے جو حدود مقرر فرمائے ہیں۔ ان سے تجاوز کرنے کا نام اسراف ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق حلال و طیب اشیا کا استعمال اسراف نہیں ہے۔ بلکہ تہیہ اسباب معیشت و سامان معاش میں اپنی حیثیت و استطاعت کو ملحوظ خاطر نہ رکھنا اور تفریط سے کام لینا امساک ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک صحابی سے اس کا حال پوچھا جب انہوں نے آسودگی و فراخی اور مال و دولت کا حال بیان کیا تو فرمایا۔ جب حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آسایش دی ہے تو پھر خوراک پوشاک اس کے مطابق ہونا چاہیئے فلیری علیک اثرہٗ +

روحانی تربیت کا انتظام کارخانہ عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اتنا بڑا انتظام صرف جسمانی تربیت کے لیئے ہے تو پھر تو یہ ایک کھیل اور تماشا ہے مگر فی الواقع ایسا ہرگز نہیں بلکہ روحانی تربیت کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اسی واسطے اولی الالباب کہتے ہیں ربنا ما خلقت ھذا باطلا (پ ۴۔ س آل عمران۔ ع ۲۰/۱۱) اے ہمارے پروردگار! تو نے اس کارخانہ عالم کو بے فائدہ تو نہیں بنایا۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ زمین و آسمان و ما بینہما انسان کی روحانی تربیت کے لیئے ایک فعلی کتاب ہے اور قرآن مجید فرقان حمید ایک قولی کتاب ہے +

درگزر کا اپنا شیوہ بناؤ یہ امر انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جب کبھی کو اپنے عقائد کے برخلاف کوئی کام کرتا دیکھتا ہے یا اپنے معتقدات کی تحقیر و توہین دیکھتا ہے تو اسکو غصہ آتا ہے۔ اسی بنا پر اسلام نے اپنے متبعین کو ہدایت فرمائی ہے کہ نرمی و ملایمت سے سمجھائیں۔ اور درگزر اپنا شیوہ بنائیں چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبون (پ ۲۵۔ س الجاثیہ ع ۲/۱۴) اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہو کہ جو لوگ خدا کے کارناموں سے نہیں ڈرتے ان سے درگزر کریں۔ اور خدا پر چھوڑے رہیں۔ تاکہ اللہ ان لوگوں کو ان کے کیئے کا بدلہ دے +

اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنا امتیاز قائم رکھو جب کفار و مشرکین مکہ نے دیکھا کہ وہ مخالفت میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو انہوں نے مداہنت اختیار کی۔ اور چاپلوسی کرنے لگے۔ اسپر خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ثم جعلنٰک علی شریعۃ من الامر فاتبعہا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون (ایضاً) پھر اے پیغمبر ہم نے تم کو دین کی ایک شریعت یعنی اسلام سے لگا دیا ہے۔ تو تم اسی راستہ پر چلے جاؤ اور ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلو جن کو ان باتوں کا علم نہیں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آپ کے صحابہ کرام جن کی شان میں اشداء علی الکفار وارد ہے۔ کفار کی چاپلوسیوں سے کبھی متاثر نہیں ہوئے اور نہ انھوں نے اظہار حق میں مداہنت کی جسطرح چھوٹا نالہ بڑے نالہ میں ملجانے سے اسی میں جذب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چھوٹی قوم بڑی قوم میں ملجائے تو فنا ہو جاتی ہے۔ پس اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنا امتیاز قائم رکھو +

من اعبد منی؟ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ آپ آستین و دامن چڑھائے

ادھر اُدھر دوڑ رہے ہیں؟ اس شخص نے پوچھا یا امیر المومنین! کیا باعث ہے کہ آپ اس قدر متردد ہیں؟ فرمایا بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا اس کو ابھی جنگل سے پکڑ لایا اور اسکے باندھنے میں مصروف تھا۔ اس نے عرض کی اس کام کے لیے آپ کو بنفس نفیس زحمت اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ کسی غلام سے فرمایا ہوتا وہ اسکو پکڑ لاتا۔ آپنے فرمایا من اعبد منی؟ مجھ سے بڑھکر اور کون غلام ہے؟

تعذیب نفس ممنوع ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ اپنے دونوں بیٹوں پر ٹیک لگائے چل رہا ہے۔ آپ نے پوچھا اسکو کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اسنے منت مانی ہے کہ مکہ معظمہ کو پیدل جائے۔ آپ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ عَنْ تعذیب ھذا نفسہ لغنی۔ اللہ کو اسکی حاجت نہیں کہ یہ اپنے تئیں تکلیف دے۔ اور حکم دیا کہ وہ سوار ہو جائے۔ غور کرو تعذیب نفس ممنوع ہے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا (پ۳ س البقرہ۔ ع۸) اللہ تعالیٰ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جسکے اٹھانے کی اوسمیں طاقت ہو +

گداگری مبتذل شیوہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں اگر کوئی لکڑیوں کا گٹھا جنگل سے کاٹ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے۔ اور اس کو بیچکر کھائے تو اس سے بہتر ہے کہ کسی سے سوال کرے۔ وہ دے یا نہ دے۔ غور کرو گداگری کیسا مبتذل شیوہ ہے۔ پھر آہ! نہایت افسوس و رنج کا مقام ہے کہ مسلمان ہی زیادہ تعداد میں گداگر نظر آتے ہیں +

ایثار و اولوالعزمی کی مثال حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مہاجرین و انصار کو مواخاۃ کے سلسلہ میں منسلک فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر اور حضرت سعد بن ربیع انصاری کو بھائی بھائی بنا دیا۔ سعد نے کہا میں تمام انصار میں زیادہ مالدار ہوں۔ میں اپنا آدھا مال تجھ کو دے دیتا ہوں۔ اور میری دونوں بی بیوں کو دیکھ لے جسکو تو پسند کرے اُسکو میں چھوڑ دیتا ہوں جب اسکی عدت گذر جائے تو اس سے نکاح کر لینا۔ عبدالرحمٰن نے کہا مجھے اسکی کیا احتیاج ہے۔ خدا تیرے مال اور بی بیوں میں برکت دے بتاؤ تو سہی یہاں کوئی بازار بھی ہے جہاں بیوپار ہوتا ہو سعد نے کہا قینقاع کے بازار میں بیوپار ہوتا ہے۔ یہ سنکر عبدالرحمٰن دوسرے دن علی الصباح اس بازار میں گئے اور پنیر اور گھی خرید لائے۔ پھر ہر روز جانے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جو آئے تو ان پر زرد خوشبو کا نشان تھا آپنے پوچھا کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپنے پوچھا کس سے؟ کہا ایک انصاری عورت سے۔ آپنے پوچھا مہر کیا دیا؟ کہا کہ ایک گٹھلی برابر سونا فرمایا کہ ولیمہ کر خواہ ایک بکری کا ہی۔ غور کرو سعد بن ربیع انصاری کا ایثار قابل تحسین و آفرین ہے کہ حق مواخاۃ ادا کرنے کے لیے اپنے بھائی مہاجر کو اپنا نصف مال بلکہ اپنی ایک بی بی بھی دینے کو تیار ہوگئے۔ عبدالرحمٰن کی غیرت مندی اور اولوالعزمی اس سے بھی زیادہ سزاوار ستائش ہے کہ اپنے بھائی کو کسی قسم کی تکلیف دینی گوارا نہ کی بلکہ اپنے قوت بازو سے اپنی روٹی پیدا کی۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ عقلمند آدمی کو روٹی کمانے کے لیے کسی بضاعت یا پونجی کی ضرورت نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے واقعہ کی طرف غور کرو۔ بازار میں جاکر محنت و مشقت کرکے اپنی روٹی پیدا کرلی۔ بالآخر اتنا مال کمایا کہ نکاح بھی کیا۔ حالانکہ ان کے پاس ایک حبہ بھی نہ تھا۔ فی زمانناً برادران وطن تجارت اور مختلف صنائع و حرفت سے روپیہ کما رہے ہیں۔ ہیٹے ہیں تو مسلمان۔ جنکو حلال پیشہ اور محنت و مشقت اور بیچ بیوپار دکانداری کرنے میں شرم دامنگیر ہوتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے تو بکریاں چرائی ہیں۔ نجاری و حدادی ہر قسم کی دستکاری سے باک نہیں کیا اس میں شرم نہیں گداگری جیسا مبتذل پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اور نہایت بے غیرتی۔ کمال بے شرمی اور سخت بے حیائی سے در بدر رات دن ہر کس و ناکس کے آگے دست سوال دراز کرتے ہیں؟ +

خرید و فروخت میں قسم کھانا مکروہ ہے ایک شخص نے بازار میں اپنا اسباب رکھا۔ اور لگا خدا کی قسم کھانے کہ مجھے اس کی قیمت اتنی ملتی تھی پر میں نے نہیں دیا۔ اس سے اسکی غرض یہ تھی کہ ایک مسلمان کو دھوکا دے اسوقت آیہ مجیدہ نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (پ۳ س آل عمران ع ۱۶) جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے بے حقیقت دنیاوی معاوضہ لے لیتے ہیں۔ اور قول و قسم کا پاس نہیں کرتے۔ یہی لوگ ہیں جن کو آخرت میں کچھ بہرہ نہیں اور قیامت کے دن خدا ان سے بات بھی نہیں کرے گا۔ اور نہ ان کی طرف نظر بھر کر دیکھے گا اور نہ انکو گناہوں کی گندگی سے پاک کرے گا اور ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔ بعض بیوپاریوں کی عادت ہوتی ہے کہ خریداروں کو ٹھگنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ یہ مال ہمارا اتنے کی خرید ہے ہم آپ کو اتنے کو دیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے گو چند روز تک مال تو کچھ نہ کچھ نکل ہی جاتا ہے۔ لیکن اخیر میں نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ بالآخر ایسے لوگوں کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ اور ان کا جھوٹ طشت از بام ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے ہاں کوئی پھٹکتا بھی نہیں نہ ان کے قول و قسم کا اعتبار رہتا ہے۔ خوش معاملہ اور راستباز آدمی کی تجارت میں دن دونی رات

ترقی ہوتی جاتی ہے۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر بائع و مشتری سچ بولیں گے۔ اور جو کچھ عیب ہو بیان کر دیں گے تو ان کو اس بیع میں برکت ہوگی۔ اور اگر چھپائیں گے۔ اور جھوٹ بولیں گے تو بیع کی برکت مٹ جائیگی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بائع و مشتری دونوں کو سچ بولنا چاہیئے۔ اگر قیمت میں کوئی عیب ہو تو مشتری صاف صاف بیان کر دے اور اگر جنس میں کوئی عیب ہو تو بائع ظاہر کر دے۔ ایسا کرینگے تو حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کی تجارت میں برکت دے گا۔ ورنہ تباہ و برباد ہونگے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اپنی خوش معاملگی اور راستبازی کے اظہار کے لیئے قسم کھانا غیر ضروری ہے۔ ایک حلیم کا قول ہے کہ قسم کھانا ہی عمدہ نہیں۔ آدمی کو کوشش کرنا چاہیئے کہ ہمیشہ سچ بولے۔ پھر اس کی بات کا ایسا اعتبار ہو جائے گا کہ اس کو قسم کھانے کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوگی۔ غور کرو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو کہاں تک ہمارے باہمی فسادات کی روک تمام منظور ہے۔ کاش ہم خدا کی مرضی کو سمجھیں اور اسکے احکام بجا لائیں۔ کہ خدا کی خوشنودی اور ہمارا فائدہ اسی میں ہے +

(**نور الدین** تاجر چرم)

پند بر دیوار

مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　ور نوشت است پند بر دیوار

قوم کی سچی محبت قوم کے ہر ہر شخص کی محنت دلیری اور ایمانداری کے مجموعہ کو اُس قوم کی ترقی اور اسیطرح اُس کے ہر ہر فرد کی کاہلی۔ خود غرضی اور بدچلنی کے مجموعہ کو اُس قوم کا تنزل کہتے ہیں۔ وہ تمدنی خرابیاں جنپر ہم لوگ واویلا مچاتے ہیں اگر بغور دیکھی جائیں تو ہم ہی لوگوں میں سے ایک ایک کی بداخلاقیوں کا نتیجہ ہیں اگر ہم انہیں قانون کے زور سے زائل بھی کر دیں تو کیا ہوگا؟ وہی برائیاں دوسری صورتوں میں نمایاں ہونگی۔ اور دوسرے قالب میں جنم لیں گی۔ مگر ہاں جب سوسائٹی کا ہر ایک فرد اپنی حالت اور اپنا چال چلن خود درست کرلے تو اسوقت وہ قوم کی قوم ترقی اور فلاح یافتہ ہو جاتی ہے۔ پس ہر شخص کے دل میں یہ خواہش پیدا کرنی چاہیئے کہ وہ خود بلا کسی خارجی مدد یا دباؤ کے اپنی حالت درست کرے۔ اپنی اصلاح کسی گورنمنٹ کسی لیڈر یا کسی انجمن کے سہارے پر نہ چھوڑ بیٹھے۔ بیشک سب سے بڑی اور اصلی حب قومی یہی ہے +

(سیموئیل سمائلس)

اندھی تقلید ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی قوم وہ کیسی ہی عمدہ اور مہذب ہو مگر جو برائیاں اسمیں ہیں۔ وہ اسکے وصف نہیں ہیں بلکہ اُن کے کمال کی کمی ہے جس کی پیروی ہم کو نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر ایک خوبصورت آدمی کے منہ پر ایک مسّہ ہو تو ہم کو خوبصورت بننے کیلیئے ویسا ہی مسّہ اپنے منہ پر نہ بنانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ مسّہ اوسکی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ اسکی خوبصورتی کا نقصان ہے۔ ایسی حالت میں ہم کو یہ خیال کرنا مناسب ہے کہ اگر یہ مسّہ بھی اسکے منہ پر نہ ہوتا تو وہ کتنا اور خوبصورت ہو جاتا +

(سر سید احمد خان مرحوم)

لائق اور محنتی آدمی بیکار نہیں رہتے لائق شخص اور کامیاب نہ ہو۔ یہ جھوٹ ہے بلکہ کاہلوں اور سست آدمیوں کا ایسا کہنا انکی مکاری ہے اچھی لیاقت والا اور عمدہ تعلیم یافتہ آدمی دنیا کے بازار میں ہرگز بے خریدار بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ مگر یا کوشش شرط ہے۔ اور یوں بے ہاتھ پاؤں ہلائے گھر میں پڑے رہنے اور چھت کی کڑیاں گننے سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا +

(واشنگٹن ارونگ)

خیالی پلاؤ پکانے کا مرض نری خواہش اور آرزو نوجوانوں کے دل میں ایک قسم کی بیماری پیدا کرتی ہے جس سے وہ اپنے اوقات عزیز کو خیالی پلاؤ پکانے اور لایعنی منصوبے باندھنے میں ضائع کرتے ہیں۔ جبوقت کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہو۔ فوراً اسکے حاصل کرنے کیلیئے مستعد ہو جاؤ اور اوسیوقت اسکی تیاری شروع کر دو۔ پھر کبھی اوسمیں سستی نہ کرو +

(ہگ ملر)

شراب خواری شراب خواری اور کمال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یعنی شراب کا عادی اور کامل ہو یہ ممکن نہیں۔ شراب کفایت شعاری۔ تندرستی ایمانداری سب کو خاک میں ملا دیتی ہے +

(والٹر سکاٹ)

اپنی تعلیم آپ دنیا میں دو طرح تعلیم ہوتی ہے ایک تو دوسرے کے ذریعہ سے۔ جس کو سب کوئی جانتے ہیں۔ اور دوسری جو بہت ہی اعلےٰ اور بغایت مفید ہے وہ تعلیم ہے جو انسان اپنی آپ کرتا ہے +

(گبن)

نیک چلنی اور ایمانداری جوانی میں میرا دستور تھا کہ جب کسی کام کو شروع کرنا چاہتا تو پہلے نور ایمان سے پوچھ لیتا پھر اسکے کہنے کے مطابق فوراً اُس کام کو شروع کر دیتا۔ اس اصول پر میں بڑھاپے تک عامل رہا اور مجھے اسکی وجہ سے کبھی کسی طرح کا افسوس نہیں ہوا بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ یہی میری ترقی اور حصول دولت کا باعث ہوا اور اب میں اپنے لڑکوں کو بھی اسپر عمل کرنے کی ہدایت کرتا ہوں +

(لارڈ ارسکائن)

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

لوگوں کو قصے سنایا کرو تاکہ وہ غور و فکر کرنے لگیں

القصص

دستِ شیطان کا طوطا

یہ بندہ ناری ہے، آگ کے شعلے سے پیدا ہوا، مخلوقات نور تک ہو پہنچا معلم الملکوت کہلایا، مگر ایک پیکر خاک کی بدولت افلاک سے فرش خاک پر پھینکا گیا، نام ابلیس تھا، اور کام خدا کی عبادت، ساری عمر غیر خدا کے آگے سر نہ جھکایا جب خدا نے حکم دیا کہ آدم کے خاکی پتلے کو سجدہ کرو۔ تمام فرشتے جو میرے شاگرد تھے۔ اس مٹی کی صورت کے آگے جھک گئے مگر میں نے انکار کیا، کیونکہ آدم کا یہ رتبہ نہ تھا کہ میری پیشانی اس کے آگے جھکتی۔ خدا نے اس قصور پر مجھ کو ملعون کر دیا۔ ساری عمر کی عبادت پر پانی پھیر دیا۔ وہ دن ہے اور آجکا دن نسل آدم کی عداوت کا جو بیج میرے دل میں بویا گیا تھا، وہ پھل پھول رہا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ میں آدمی کا دشمن ہوں مگر خدا نے اسکو عقل کا ہتھیار دیا ہے۔ اور قرآن شریف میں جگہ جگہ موٹے موٹے حرفوں کے اشتہار لگا دیے ہیں کہ شیطان سے بچتے رہنا وہ تمہارے ایمان کا دشمن ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ آدم کی اولاد میرے قابو میں بہت کم آتی تھی۔ اور مجھ کو بڑی محنت انسانوں کے بہکانے میں کرنی پڑتی تھی لیکن اب وقت کی ہوا نئی قسم کی تعلیم کی بدولت خود انسانوں میں شیطانی مادہ پیدا ہو گیا ہے، مجھکو بہکانے کی تکلیف نہیں کرنی پڑتی۔ ذیل کے قصہ سے معلوم ہوگا کہ آج کل آدمیوں میں کس قسم کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں۔

محمد مسلم کا سفر ولایت

یہ ایک جوان کا تذکرہ ہے جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا، اور ہوش سنبھالتے ہی عجب غریب پرانا حال کی پوچھا پاچھ کرنے لگا۔ اسکے باپ خوشحال آدمی تھے انہوں نے بہت لاڈ اور پیار سے اسکو پالا۔ اور شروع سے انگریزی اسکول میں تعلیم دلوائی محمد مسلم کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تمام دولت میاں مسلم کے اختیار میں آئی۔ والدہ ان کی زندہ تھیں اور محمد مسلم کے سوا کوئی اولاد ان کی نہ تھی۔ اس واسطے جتنا لاڈ پیار کرتیں زیبا تھا۔ خاوند کے مرنے کے بعد بیوہ ماں نے اپنی برادری کے اندر میاں مسلم کی شادی رچائی اور سہرا باندھ کر دل کے ارمان نکالے چار برس نہایت خوشی اور خرمی سے اپنے گھر میں رہے۔ پڑھنا چھوٹ گیا تھا باپ کی جائیداد سے سات سو روپیہ ماہوار کی آمدنی تھی۔ انہیں پر گزر اوقات ہوتی تھی۔ اس چار سال کے عرصہ میں میاں مسلم کے دو بچے بھی ہوئے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔

ایک دن دوستوں میں ذکر ہو رہا تھا کہ ہندوستان میں اخبار نویسی کوئی نہیں جانتا۔ یورپ والوں کی نقل کرتے ہیں۔ اور مثل کا مصداق بنتے ہیں کہ کوا چلا ہنس کی چال۔ اپنی بھی بھول گیا۔ کوئی نہیں جانتا کہ اخبار نویسی کے اصول اور مقاصد کیا ہیں۔ جسکے پاس سو دو سو روپیہ ہوئے اور کوئی علم و ہنر نہ آتا ہوا فوراً ایک اخبار یا رسالہ جاری کر دیتا ہے۔ اور اس میں اپنے دوستوں کی تعریفیں چھاپتا ہے۔ اور دشمنوں کی برائی۔ اسکو مخلوق کے نفع نقصان سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ صرف اپنے حلوہ مانڈہ پر نظر رکھتا ہے۔

الغرض محمد مسلم کے دل پر اپنے ملک کے اخبار نویسوں کی بُری حالت کا اتنا اثر ہوا۔ کہ اس نے یورپ جا کر فن اخبار نویسی سیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ کہ ہندوستان کے ماتھے پر سے یہ کلنک کا ٹیکا صاف کرے۔

چنانچہ وہ اپنے گھر میں آیا۔ اور والدہ اور بیوی سے ذکر کیا کہ میں اخبار نویسی کی تعلیم کے لیے ولایت جانا چاہتا ہوں۔ ولایت کا نام سنکر بڑھیا ماں نے رونا شروع کیا۔ اور کہا بیٹا میں تجھ کو نہیں جانے دونگی۔ میرے برباد گھر کی روشنی تیرے دم سے ہے۔ ذرا گھڑی آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے تو بے قرار ہو جاتی ہوں۔ تین چار برس جدا رہے گا تو بس مجھ ماں بندی کا تو خاتمہ ہے۔

محمد مسلم نے ماں کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئیں۔ آخر تخلیہ میں اپنی بیوی کو سمجھا بجھا کر آمادہ کیا کہ وہ اِس کی ماں کو راضی کر دے۔ اور خود سفر کے خرچ کے واسطے قرضہ کا انتظام کرنے لگا۔ روپیہ فوراً مہیا ہونا دشوار تھا اسواسطے

اس نے جائداد پندرہ ہزار میں فروخت کر ڈالی جس کی آمدنی چھ سو روپیہ ماہوار کی تھی اور صرف سو روپیہ مہینے کا کرایا والدہ اور بیوی کے واسطے چھوڑا۔

اب میاں مسلم پندرہ ہزار نقدی لے کر ولایت کو سدھارے۔ اور سب سے پہلے فرانس پہونچے۔ جہاں کی آزاد اور بااصول اخبار نویسی مشہور تھی۔ ایک شاندار ہوٹل میں چند روز رہنا ہوا اور پھر واقفیت بڑھنے کے بعد اخبار نویسوں کے ایک خاندان میں جاکر رہنے لگے۔ سال بھر محمد مسلم کی حالت بہت اچھی رہی۔ اور سارا دن پڑھنے اور اخبار نویسی سیکھنے سے کام تھا۔ لیکن سال بھر کے بعد ایک مشہور اخبار کے ایڈیٹر کی لڑکی سے انکو محبت ہو گئی۔ اور اسکے پڑھنے لکھنے میں فرق آنے لگا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ تین سال کو جو روپیہ بنک میں جمع کیا تھا وہ معشوقہ کی فضول خرچیوں کی بدولت ڈیڑھ سال میں ختم ہو گیا۔ اور میاں مسلم پردیس میں مفلسی کے ہاتھوں تکلیف اٹھانے لگے۔ اس چھ مہینے کے عرصہ میں اخبار نویس کی لڑکی سے اتنی محبت بڑھی کہ گرجا میں جاکر میاں محمد مسلم نے اس سے شادی کر لی۔ مسلم تو مسلمان تھے۔ اگرچہ نام کے۔ لیکن ان کی بیوی نہایت پکی عیسائی تھی۔ آٹھویں دن بڑی پابندی سے گرجا جاتی تھی۔

جب مسلم کو خرچ کی تنگی ہونے لگی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اب تعلیم کو چھوڑ کر ہندوستان چلنا چاہیئے۔ تاکہ وہاں جاکر معاش کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔

جب انہوں نے اپنی عیسائی بیوی سے یہ ذکر کیا اور کہا کہ تمکو بھی میرے ساتھ ہندوستان چلنا ہوگا۔ تو اس نے انکار کیا۔ اور کہا کہ وہاں تمہاری ایک بیوی موجود ہے جبتک اسکو طلاق نہ دو میں وہاں نہیں چل سکتی۔ محمد مسلم نے کہا کہ میں اسکا جواب کل سوچکر دوں گا۔

رات کو محمد مسلم نے بہت غور کیا۔ اور دل میں کہا کہ ہندوستانی بیوی نہایت بیوقوف اور جاہل ہے۔ ولایت میں آنے کے بعد اب میرے خیالات بہت ترقی کر گئے ہیں۔ اور ان میں روشنی پیدا ہو گئی ہے۔ اب بھی جاہل اور پرانی وضع کی بیوی رکھوں گا تو سارا زمانہ احمق بنائے گا۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اسکو طلاق دیدوں۔ اسکا حق ادا کر چکا۔ اس نے میرے گھر میں کھانا پینا۔ ہر طرح کے عیش اڑائے۔ خدا نے اسکو دو بچے بھی دئے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ساری عمر وہ میرے گلے کا ہار رہے۔ اب مجھ پر اسکا کوئی حق نہیں ہے۔ اسکو اپنی روزی خود پیدا کرنی چاہیئے۔ ہر انسان اپنی معاش کمانے کا خود ذمہ دار ہے۔

مگر ہاں میں یہاں سے اسکو طلاق نامہ بھیجوں گا تو پھر میں ہندوستان جانے کا خرچ کس سے لوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہندوستان جاکر اسکو طلاق نامہ بھیجوں ابھی نہیں بالفعل تو اس سے روپیہ منگاؤں۔

دوسرے دن اپنی والدہ صاحبہ کے نام خط لکھا کہ میں وقت سے پہلے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ گھر آتا ہوں۔ روپیہ ختم ہو گیا۔ خرچ بھیجئے۔ تو آؤں جو ملازمات باقی ہیں انکو فروخت کر دیجئے۔ یا رہن رکھدیجئے۔

سفر ہندوستان

محمد مسلم نے چوتھے روز اپنی فرانسیسی بیوی سے کہا۔ میں ہندوستانی بیوی کو چھوڑنے پر آمادہ ہوں۔ اب تمکو تیاری کرنی چاہیئے۔ کہ میرے ہمراہ چلو۔ اس نے جواب دیا جبتک اسی ملک سے باضابطہ طلاق نامہ نہ بھیجو گے میں فرانس سے قدم باہر نہ رکھونگی۔ مسلم نے فوراً ایک طلاق نامہ لکھا۔ مجسٹریٹ پیرس کی تصدیق کرائی۔ اور اپنے حاکم ضلع کی معرفت اسکو روانہ کر دیا۔

دوسرے ہفتہ میں محمد مسلم اپنی فرنچ بیوی سمیت ہندوستان کو روانہ ہوئے۔ خرچ اپنے خسر سے قرض لیا۔ اور انکو لکھ کر دیدیا کہ جب گھر سے خرچ آئے تو وہ وصول کر لیں۔

یہاں گھر میں محمد مسلم کی والدہ نے کہا۔ لڑکا تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ جو جائداد باقی ہے اسپر دو دلی کا سہارا ہے۔ یہ بھی گئی تو کھائیں گے کیا۔ ڈیڑھ سال میں پندرہ ہزار برباد کر دئے

ولایت میں روپیہ کے بھی پر لگ جاتے ہیں۔

محمد مسلم کی بیوی نے کہا۔ خبر نہیں کیا واقعہ پیش آیا پردیس کا معاملہ ہے انکو ضرور خرچ بھیجنا چاہیئے۔ دنیا ان کے دم سے ہے۔ جائداد جائے جوتی کی نوک سے وہ سلامت ہیں تو پھر سب کچھ ہو جائے گا۔

آخر ہفتہ بھر کی جستجو میں رہی سہی جائداد بھی رہن ہوئی اور ڈیڑھ ہزار روپیہ محمد مسلم کو بھیجا گیا۔

روپیہ روانہ کرنے کے دس دن بعد حاکم ضلع کی معرفت اہلیہ محمد مسلم کو طلاق نامہ وصول ہوا۔ جسکو دیکھ کر اسنے سر پیٹ لیا۔ اور بچوں کو چھاتی سے لگا کر خوب روئی۔ ساس نے کہا۔ بیٹا تو گھبرا مت۔ تو میری جان کی برابر ہے۔ جہاں میں وہاں تو۔ مسلم نے طلاق دیدی تو اس کی ماں تو موجود ہے۔ کسی بات کا فکر نہ کر میں تجھ کو اور تیرے بچوں کو پہلے کھلاؤں گی پیچھے آپ کھاؤں گی۔

اسی اثنا میں محمد مسلم گھر پر پہونچا۔ اور پہلے شہر کے ایک مشہور ہوٹل میں قیام کیا جب ماں کے پاس آیا تو وہ حیران رہ گئی اور اپنے مسلم کو پہچان نہ سکی۔ کیونکہ وہ سر سے پیر تک انگریزی لباس میں تھا۔

ماں نے کہا بیٹا یہ تم نے اپنی بے گناہ بیوی کو طلاق کیوں دی۔ بیچاری نے کیا قصور کیا تھا۔ مسلم بولا۔ میں نے ولایت میں شادی کر لی ہے۔ اور وہاں قانون ہے کہ ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھ سکتے۔

ماں بولی۔ سلام ہے ایسے قانون کو۔ ہمارے دین نے چار بیویوں کی اجازت

دی ہے پھر ہم ولایت کے قانون پر کیوں چلیں۔ مسلم نے جواب دیا۔ نہیں بی بی مجھ کو اس قانون کی پابندی منظور ہے۔ اور اسکے علاوہ اب میرا جی اس دیسی عورت سے بیزار بھی ہو گیا ہے۔

مسلم کی ماں نے کہا خیر تم کو اختیار ہے۔ مگر وہ گورے منہ کی بلا میرے گھر میں نہ آنے پائے۔ ورنہ میں اسکا منہ نوچ لوں گی۔ جہاں چاہو رکھو۔ میرے سامنے نہ لانا

مسلم اس فقرہ سے بہت بگڑا اور پھر کئی ماہ تک ماں کے پاس نہ آیا۔

اس عرصہ میں اس نے جائیداد پر پھر کچھ روپیہ لینا چاہا۔ مگر جب نہ ملا تو اس نے باس رہی سہی جائداد کو بھی فروخت کر کے ایک انگریزی کا اخبار نئی معلومات کے موافق جاری کیا مگر چونکہ اسمیں ہندوستانی خیالات کی کچھ بات نہ تھی فقط انگریزی مذاق کے مضامین درج ہوتے تھے کسی نے اس کی قدر نہ کی۔ اور چند روز میں مسلم کو یہ اخبار بند کرنا پڑا۔

ادہر مسلم کی ماں اور بیوی کا برا حال تھا۔ جائداد کے فروخت ہونے سے ان کو کسی قسم کی آمدنی باقی نہ رہی تھی۔ اور گھر کا اثاثہ فروخت کر کے یہ لوگ اپنا پیٹ پالتے تھے۔

ان سے بدتر محمد مسلم کی حالت تھی۔ جب اسکا کاروبار خراب ہوا۔ اور آمد کی کوئی صورت نہ رہی تو اسکی ولایتی بیوی نے اس سے علیحدگی اختیار کی اور وہ شہر کے ایک فرانسیسی سوداگر کے پاس چلی گئی۔ جو بہت روپیہ والا تھا۔ اور مسلم کو اکیلا چھوڑ دیا۔

اب مسلم پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ اس نے کئی بار کتابیں لکھیں اور مطبع والوں کے پاس گیا کہ کوئی اسکو خرید لے۔ مگر کسی نے ان کتابوں کو پسند نہ کیا۔ آخر لاچار ہو کر مسلم نے ایکدن خودکشی کی ٹھیرائی۔ استرا لیکر گلا کاٹنے پر آمادہ ہوا۔ مسلم کو اتنا تیار دیکھ کر رحمت خدا نے خدا سے عرض کیا کہ اپنے اس بندہ پر رحم کر۔

حکم ہوا یہ بندہ اسیر نفس ہے۔ اسپر رحمت نازل کرنا جائز نہیں۔ اسکو شیطان کے حوالہ کرنا چاہیئے وہ اس کی مدد کرے گا۔

چنانچہ شیطان کو بھیجا گیا کہ وہ مسلم کی اس پر آشوب وقت میں دستگیری کرے شیطان نے عرض کی۔ الٰہی اس بندہ کو موقع دے کہ یہ اپنی حالت درست کرے۔ اور آئندہ گناہوں سے محفوظ رہے۔

ارشاد ہوا اچھا ہم نے اسکو ایک موقع دیا۔ تاکہ ہم اسکو آزمائیں۔ اسے ابلیس تو دیکھ۔ اور میں بھی دیکھوں۔ کہ یہ بندہ اس موقع سے کیا فائدہ اٹھاتا ہے

مسلم کا عروج

جس روز مسلم خودکشی پر آمادہ تھا عین وقت کے وقت دو خطاس کے پاس آئے۔ ایک میں لکھا تھا کہ نواب صاحب بشارت پور تم کو یاد کرتے ہیں۔ یا تم انسے ملنے آؤ یا وہ تمہارے پاس آئینگے۔ دوسرے میں تحریر تھا۔ کہ تم نے جو فلاں لاٹری میں ٹکٹ خریدا تھا۔ اسمیں تم کو پانچ لاکھ روپے ارسال کئے جاتے ہیں،

پانچ لاکھ کا ذکر دیکھ کر مسلم کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ خوب اُچھلا کودا۔ اور دیوانوں کی سی حرکتیں کیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اسکے دل میں نیکی کے فرشتے نے ایک چٹکی لی۔ اور وہ سوچنے لگا۔ گذشتہ تکلیف میرے اعمال کے سبب تھی۔ میں نے ماں کو اور بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔ اور یہ سزا ملی تھی۔ اب میں ان کی خدمت کروں گا۔ اور اس زر پرست ولایتی بیوی کو طلاق دیدوں گا۔ اس نے برے وقت میں میرا ساتھ نہ دیا۔

یہ خیال کر رہا تھا۔ کہ باہر سے کسی نے آواز دی۔ اس نے اندر بلایا۔ دیکھا دو برقع پوش عورتیں ہیں۔ سامنے آکر انہوں نے برقع اُلٹے تو دیکھا ایک اس کی بیوی ہے اور ایک اس کی ماں۔ ان دونوں نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا۔ ہم نے تمہاری تکلیف کا حال سنا۔ اسواسطے اپنا اور بچوں کا پیٹ کاٹ کر یہ چالیس روپے تمہارے واسطے لائے ہیں۔ کہ تم محتاجی کی زندگی سے نجات پاؤ۔

مسلم کے دل پر اس محبت کا بڑا اثر ہوا۔ اور اس نے ان کا بہت احسان مانا اور اپنے مکان میں ٹھیرا لیا۔

دوسرے دن جب بنک سے روپے وصول ہوئے تو اس گھر میں بڑی چہل پہل تھی

پھر وہی آغوش ابلیس

پانچ چھ روز کے بعد جبکہ اخباروں میں مسلم کو روپیہ ملنے کا چرچا ہو رہا تھا اسکی ولایتی بیوی ملنے آئی۔ اور ایسی چاپلوسی کی باتیں کیں کہ مسلم نے اسکو پھر اپنے پاس رکھ لیا۔ مگر اس شرط پر کہ سابقہ بیوی اور والدہ بھی یہیں رہیں گی۔

پندرہ سولہ روز تو ولایتی بیگم خاموش رہی اسکے بعد اسنے مسلم کا دل ایسا پھیرا کہ اسنے اپنی بیوی کو کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیا۔ وہ ہاتھ جوڑتی تھی اور کہتی تھی میں تمہارے گھر میں ماما بن کر رہوں گی مجھ کو گھر سے نہ نکالو۔ اور اپنے ان چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو دربدر رسوا نہ کرو۔ مگر مسلم نہ مانا اور ان تینوں کو گھر سے نکالدیا۔ اس کی ماں نے سمجھایا تو مسلم نے ایک ایسی حرکت کی جس کی کوئی شخص توقع نہ کر سکتا تھا یعنی مسلم نے اپنی ماں کے سفید بال پکڑ کر دھکا دیا۔ اور گھر سے باہر کر دیا۔ اور کہا ایسی ماں کی مجکو ضرورت نہیں ہے جو اپنے بیٹے کے عیش و آرام کی مخالف ہو۔ خدا نے مجھ کو روپیہ دیا ہے جوانی دی ہے اسوقت میں عیش نہ کروں

تو کب کروں گا،

اِن دونوں کا نوں کے نکلنے کے بعد مسلم اور ولایتی بیگم بڑے امیرانہ ٹھاٹھ سے رہنے لگے ✦

ہوٹل کی باورچن

محمد مسلم سے اس کی میم نے کہا۔ گرمی کا موسم ہے۔ کسی پہاڑ پر یہ زمانہ بسر کرنا چاہیئے۔ مسلم راضی ہوگیا۔ اور نینی تال جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اور چند روز بعد وہاں پہنچ گیا۔ نینی تال گئے ہوئے چند روز ہوئے تھے کہ ایکدن رات کو برابر کے کمرہ میں کچھ غل شور کی آواز بلند ہوئی۔ مسلم نے خانساماں کو بلا کر حال دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ کہ بڑے باورچی نے اپنی نئی ملازمہ کو مارا ہے۔ کیونکہ اس نے کچھ کام خراب کر دیا تہا۔ یہ باتیں ہو رہی تہیں کہ پھر کسیقدر غل کی آواز آئی۔ اور اب کے مسلم نے عورت کی آواز کو اپنی ماں کی آواز کے مشابہ پایا۔ اسلیئے وہ گھبرا کر کمرہ سے نکلا۔ اسکی میم منع کرتی ہوئی ساتھ نکلی۔ کہ اسوقت تمہارا باہر نکلنا ٹھیک نہیں نوکروں کے جھگڑے میں تم کو دخل دینے سے کیا سروکار۔ مگر مسلم نہ مانا۔ اور باورچی خانہ میں چلا گیا۔

وہاں دیکھا کہ بڑا باورچی اسکی ماں کی چوٹی پکڑے کھڑا ہے۔ اور جوتیاں مار رہا ہے۔ مسلم سے یہ دیکھا نہ گیا۔ اور اس نے باورچی کو ڈانٹا۔ باورچی نے چوٹی چھوڑ دی۔ اور کہا جناب عالی اس نے پچاس روپے کا لیمپ توڑ ڈالا۔ ابھی مسلم کچھ جواب دینے نہ پایا تھا کہ مسلم کی ماں بیٹا بیٹا کہہ کر دوڑی۔

مسلم کے دل میں اسوقت نفس نے یہ خیال ڈالا کہ اسکے بیٹا کہنے سے میری بڑی بےعزتی ہو گی۔ اسواسطے مسلم نے ماں کو دہکا دیدیا۔ اور کہا ہوش سے بات کر کسکو بیٹا کہتی ہے۔ میں تجھ کو ایک مظلوم سمجھ کر حمایت کرنے آیا ہوں نہ یہ کہ تیرا بیٹا بنوں۔

ماں۔ بولی۔ کیا تم میرے گود کے پلے مسلم نہیں ہو۔ مسلم یہ سُنکر ذرا سراسیمہ ہوا۔ مگر فوراً سنبھل کر بولا۔ میرا نام مسلم ہے میں تجھ کنگال کا بیٹا نہیں ہوں مجھکو خدا نے دولت دی ہے۔ امیر بنایا ہے۔

بڑھیا تو اسی قابل ہے کہ تیرے جوتے مارے جائیں۔ ذرا اپنی اوقات دیکھ اور مجھکو دیکھ۔ یہ کہہ کر مسلم میم کے تقاضے سے اپنے کمرہ میں چلا آیا۔ اور غریب ماں کو اسکے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر معلوم نہوا کہ اسپر کیا گزری۔

جوئے خانہ کا گانا

ایکدن مسلم اور اسکی میم نینی تال کے ہوٹل جوئے خانہ میں گئے ہوئے تھے۔ کہ وہاں انہوں نے دروازہ پر ایک عورت اور دو بچوں کو کچھ گاتے ہوئے سُنا مسلم کو یہ آواز ایسی پسند آئی کہ نوکر کو بھیجکر ان گانے والوں کو اندر بلایا اور کمرہ کے برآمدہ میں بٹھا کر ان سے کہا کچھ گاؤ۔ عورت اور بچے گاتے رہے۔ مسلم کا دل کچھ اس قدر متاثر ہوا کہ اسکی آنکھوں سے آنسو آگئے۔ اسکی میم نے یہ حالت دیکھی تو کہا۔

گانا تفریح کے لیئے ہوتا ہے نہ کہ رونے کے واسطے۔ خانساماں ان گانیوالوں کو باہر نکال دے۔ صاحب کا مزاج خراب ہوتا ہے۔ خانساماں ان کو نکالنے چلا تو مسلم بھی کمرہ سے باہر چلا گیا۔ وہاں دیکھا کہ گانے والے اسکی بیوی اور دونوں بچے ہیں۔ جنکے جسم پر پیوند لگی ہوئی گدڑیاں ہیں۔ کندھے پر جھولیاں ہیں آنکھوں میں بھوک پیاس سے حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ چہرے زرد ہیں۔

جونہی مسلم نے اپنی بیوی کو دیکھا۔ اور بیوی کی نگاہ مسلم پر پڑی ایک سکنڈ دونوں ایکدوسرے کو حیرت و غم سے دیکھتے رہے۔ اسکے بعد عورت نے منہ پھیر لیا اور بچوں کا ہاتھ پکڑ کر الٹی پھری۔ مسلم نے کہا۔ ٹھہر او نیک بخت تو کون ہے اپنا حال بتا کر جا۔

عورت بولی۔ شریف کی جائی ہوں۔ دنیا کی ستائی ہوں۔ پیٹ کی خاطر بھیک مانگنے آئی ہوں۔

یہ میرے دو لال ہیں۔ انکا باپ جیتے جی مر گیا۔ اب ہم تینوں گا بجا کر دن کاٹتے ہیں۔ جہاں موقع پاتے ہیں رات گزار دیتے ہیں۔ مسلم نے آہ کی۔ قریب تہا کہ بیہوش ہو کر گرے کہ میم نے سنبھالا اور کان میں کہا

پوزیشن کا خیال

کرو۔ تم ایک امیر کبیر آدمی ہو۔ اس بھوکی فقیرنی کی باتوں میں نہ آؤ۔ جی کو ٹھیرا ؤ۔ دنیا میں ہر شخص کی قسمت اسکے ساتھ ہے۔ اس عورت اور بچوں کی تقدیر میں یہی تہا جو اسکو پیش آیا۔

مسلم میم کی باتوں سے ذرا سنبھلا۔ اور اسنے خانساماں کو حکم دیا۔ ان بچوں اور عورت کو پچاس روپے دیدو۔

میم نے کہا نہیں۔ یہ اپنی حالت میں خوش ہیں پچاس کی کچھ ضرورت نہیں چار آنے انکو دے دو۔ بس بہت ہیں۔

مسلم پر میم کا اتنا بڑا زبردست اثر تہا کہ وہ خاموش ہو گیا۔ اور خانساماں نے چار آنے ان بچوں کے آگے ڈال دیئے۔

بچوں نے یہ چار آنے اٹھا کر پھینک دیئے اور کہا۔ لو اپنے پیسے۔ ہم نے سنا ہے کہ ہمارا باپ شریف تھا۔ ہم خیرات لینے نہیں آئے ہم نے بہت دیر گانا گایا ہے۔ ہم کو اسکی برابر معاوضہ ملنا چاہیئے۔

یہ کہہ کر جوئے خانہ سے چلدیئے اور مسلم انکو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

اِس دن مسلم جوا بہت ہارا۔ اور گھر آیا۔ تو اسکو اس قدر صدمہ تھا کہ رات کو کھانا نہ کھایا گیا۔ سیم نے اسکی پروانہ کی۔ اور وہ کھانا کھا کر سو گئی۔ آدھی رات کو مسلم نے سیم کی خوابگاہ میں جاکر چاہا کہ اسکو ذبح کر ڈالے۔

اِس نے دل میں خیال کیا۔ میں دستِ شیطان کا ایک طوطا ہوں۔ شیطان اپنے کارندے نفس کے ہاتھوں مجکو بہکاتا ہے۔ یہ سیم میرا شیطانی پنجرا ہے اگر میں اسکو مار ڈالوں گا تو شیطان کا طوطا نہ رہوں گا۔ اور سیدھا رحمانی قصر میں پہنچ جاؤں گا یہ خیال کرتے کرتے اسکو چکر آیا۔ وہ گر پڑا۔ گرنے کی آواز سے سیم کی آنکھ کھلی۔ اِس نے مسلم کے ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو دیکھ کر غل مچادیا۔ پولس آئی۔ اور اِس نے مسلم کو گرفتار کر لیا۔ دوسرے دن مقدمہ دائر ہوا اور میاں مسلم اقدام قتل عمد کے جرم میں پانچ سال کو جیل خانہ بھیجے گئے اور ان کی تمام دولت سیم صاحبہ کو دی گئی۔ جسکو لے کر سیم صاحبہ فرانس کو سدہاریں اور مسلم جیلخانہ میں رہنے لگے۔

نفس کا مرشد

مسلم جیل میں تھا کہ اِس نے ایک قیدی کو دیکھا کہ جو اکثر اوقات نماز و وظائف میں مصروف رہتا تھا۔ مسلم نے اپنے سب حالات اسکو سُنائے۔

اِس نے ہنس کر جواب دیا۔ انسان کا شیطان انسان ہے۔ ہر آدمی کے اندر شیطانی اور رحمانی قوتیں موجود ہیں۔ وہ جسطرف چلتا ہے خدا اسی قوت کو جس کی جانب چلا ہے اسکا رہنما بنا دیتا ہے۔

تو نے شیطانی قوتوں کا امتحان کر لیا۔ اب رحمانی طاقتوں کو بھی دیکھ۔

الغرض پانچ سالہ صحبت کے طفیل مسلم بڑا نیک آدمی بن گیا۔ اور جب قید سے بری ہوا تو محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے لگا۔ اسی زمانہ میں اِس کو ماں مل گئی۔ اور بیوی بچوں سے بھی ملاقات ہو گئی۔ جن کی اِس نے ساری عمر ایسی خدمت کی کہ پچھلے تمام شکوے خواب و خیال ہو گئے۔

جسروز یہ کنبہ خدا کی عبادت میں مصروف تھا۔ شیطان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑے ہوئے تھے۔ اِس نے کہا۔ اے خدا تیری کائنات میں سب سے زیادہ گمراہی انسان کی بدولت ہے ہر انسان کا اسکا بھائی آدم زاد ہی شیطان ہے مگر نام میرا بدنام ہوتا ہے۔

الٰہی ذرا انصاف کر یہ آدم کی اولاد اپنی اغراض کی خاطر دوسروں کو کس قدر تکلیف پہنچاتی ہے مگر انکو کوئی ملزم نہیں کہتا سب مجھ غریب کا نام بدنام کرتے ہیں۔

شیطان یہ کہہ رہا تھا کہ ایک فرشتہ نے یہ آیت پڑھی:-

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ — جو آدمیوں کے دلوں میں برے خیالات پیدا کرتے ہیں آدمی بھی اور جنات بھی

یہ آیت سُنکر شیطان سمجھ گیا کہ الزام انسان پر بھی ہے۔ اور اسکو صبر آگیا۔

حسن نظامی

قوتِ فیصلہ

ایک جوان مالدار نے دو تین برس کے عرصہ میں اپنی کل جائداد عیاشی اور فضولخرچی میں برباد کر دی۔ اور بالکل محتاج ہو گیا۔ جھوٹے دوست بھلا ایسے وقت میں کب کام آتے ہیں۔ غمخواری کے بدلے اُس سے نفرت کرنے لگے جب وہ نہایت ہی محتاج ہو گیا تو اپنی آیندہ کی ذلت اور مصیبت کو خیال کر کے باوجود جان کیسی پیاری ہوتی ہے۔ اُسنے جان دینے کا ارادہ کیا۔ اور دل میں ٹھان لیا۔ کہ چلو پہاڑ پر سے اپنے کو نیچے گرا دو۔ غرض خودکشی کا مصمم ارادہ کر کے وہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ وہاں سے وہ کل بستیاں جو ایک دن خاص اسی کی تھیں نظر آنے لگیں۔ اُنکو دیکھ کر وہ دریائے تحیر میں ڈوب گیا۔ اور خیال کی بڑی بڑی لہروں میں پڑ گیا۔ گھنٹوں کے بعد قوت فیصلہ نے سہارا دیا۔ ہمت اور استقلال نے جو بازو پکڑے تو ساحل مقصود نظر آنے لگا۔ خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ اور کہنے لگا کہ میں پھر اپنی کل جائداد کا مالک ہوں گا۔ یہ کہہ کر نیچے اتر آیا اور چند مزدوروں کو کوئلہ اٹھاتے دیکھکر فوراً خود بھی اُن کا شریک ہو گیا۔ جو کچھ مزدوری ملی۔ اُس میں سے تھوڑا تو خرچ کیا اور باقی رکھ چھوڑا۔ اسی طور سے برابر محنت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں اتنی حیثیت ہو گئی کہ اُسنے ایک چھوٹی سی تجارت شروع کر دی۔ اور بڑی کفایت شعاری اور محنت سے برابر سوداگری کرتا رہا۔ تھوڑے عرصہ میں بہت بڑا مالدار ہو گیا **جان فاسٹر** صاحب کہتے ہیں۔ کہ میں برابر اُس شخص کی حالت کو دیکھتا رہا۔ اُس نے اپنی کل جائداد پھر خرید لی۔ اور چھ لاکھ روپے نقد چھوڑ کر مر گیا۔ بے شک اِس شخص میں فیصلہ کرنے والی قوت تھی۔ انہی باتوں کو وہ پہاڑ پر سوچ رہا تھا۔ اور بے فیصلہ کئے وہاں سے نہ ہلا۔ اور اُترا تو ہمت اور استقلال دو رفیقوں کو ساتھ لیکر نیچے اُترا۔ اور جو کچھ وہاں سوچا وہی کر گزرا۔ اسکی بخل سے قطع نظر کرو تو بے شک یہ شخص تعریف کے قابل ہے +

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں

علم و ادب

کرشمۂ قدرت

(سلسلہ کیلئے دیکھو جلد ۳ نمبر ۱)

ابر اور بادل پہلے کی طرح پھر ایک دیگچی میں پانی بھر کر چولہے پر رکھو اور نیچے آگ جلاؤ۔ جب پانی خوب گرم ہو جائے تو چینی ڈھک دو۔ تھوڑی دیر میں چینی پلٹ کر دیکھو تو اسپر پانی کی بوندیں نظر آئیں گی۔ دیگچی کا پانی تو چینی تک آیا نہیں ہے صرف بھاپ اٹھ اٹھ کر چینی تک آتی رہی ہے۔ اور یہی بھاپ چینی سے چھو کر اسپر بوندیں بنگئی ہیں۔ اسکا سبب یہ ہے کہ وہ بھاپ اصل میں پانی ہی ہوتی ہے۔ آگ کی گرمی کے سبب اسکی صورت بدل جاتی ہے اور جب وہ بھاپ اپنے سے کم گرم چیز سے ٹکراتی ہے تو پھر پانی کی صورت میں آجاتی ہے۔

سورج کی گرمی سے زمین اور سمندر دونوں جگہوں کی ہوا گرم ہو جاتی ہے۔ سمندر کا پانی بھی گرمی کی وجہ سے بھاپ بنکر ہوا میں ملتا رہتا ہے۔ مگر مٹی پانی کی نسبت زیادہ جلد گرم ہوجاتی ہے۔ اسلئے پہلے زمین کی ہوا گرم ہوکر اوپر چڑھتی ہے۔ اس کی جگہ لینے کو سمندر کے بخارات سے بھری ہوئی ہوا آجاتی ہے۔ جب سمندر کی ہوا کی جگہ خالی ہوئی تو زمین کی ہوا جو اوپر چڑھ چکی ہے۔ وہاں چلی جاتی ہے زمین کی ہوا گرم ہوکر اوپر چڑھتی رہتی ہے۔ اور سمندر سے ہوا اس کی جگہ آتی رہتی ہے زمین کی ہوا اوپر جاکر سمندر کی طرف چلی جاتی ہے +

مون سُون غرض یہی ہوتا رہتا ہے کہ زمین کی خشک ہوا سمندر کی طرف جاتی ہے اور سمندر کے بخارات سے لبریز ہوا زمین کی طرف آجاتی ہے۔ اسی ہوا کا نام مون سُون یعنی بارش کی ہوا ہے۔ یہ ہوا بھی گرمی کی وجہ سے اوپر چڑھتی رہتی ہے جب اوپر چڑھتے چڑھتے ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں ذرا زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے تو اس ہوا کے بخارات پھر پانی کی صورت میں آجاتے ہیں اول اول نہایت چھوٹے چھوٹے قطرے ہوتے ہیں۔ اور آسمان پر دھوئیں کی سی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی کا نام بادل ہے۔ بچپن میں سنا کرتے تھے کہ بادل سمندر سے پانی پیکر آیا کرتے ہیں۔ اور بعض بزرگ جو حج کر آتے تھے۔ اور سمندر اُس کے عجائبات کا حال فخریہ بیان کرتے تھے۔ وہ اور عجائبات کے علاوہ یہ بھی بیان کیا کرتے تھے کہ ہم نے بادلوں کو سمندر میں پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہمیں بھی بڑا شوق ہوتا تھا۔ کہ کسی طرح بادلوں کو پانی پیتے ہوئے دیکھیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ اُن کو دیکھنے کے لئے اگر یہ سفر اختیار کرتے تو نہایت ہی مایوسی ہوتی۔

بادلوں کا سمندر سے پانی نکالنا غالباً ان بزرگوں نے سمندر کی سطح سے اوپر تک بخارات کا سلسلہ دیکھا ہوگا۔ اور سمجھے ہوں گے کہ بادل بمبئی تک اُن کے ساتھ آئے ہیں۔ اور سمندر میں سے پانی پیکر واپس چلے جائیں گے۔ اگر کسی تعلیم یافتہ قوم کا کوئی شخص یہ سُنے تو ہنسی کے مارے پھڑک جائے۔ مگر خیر اب تو نہ وہ حج کے لئے مہینوں کا سفر ہے اور نہ بادلوں کو صرف بمبئی کے راستے سمندر میں سے پانی پینے کے لئے آنے کی ضرورت۔ کبھی بادل سمندر سے بمبئی اور کراچی کے راستے اور کبھی مدراس و کلکتہ کے راستے ہندوستان میں آکر خود پانی پینے کے بجائے اور جانداروں کی پیاس بجھاتے ہیں۔ دھوئیں کی صورت میں جو ننھے ننھے پانی کے قطرے ہوتے ہیں۔ اور جنکو ہم بادل کہتے ہیں۔ وہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ہوا انکو سہارے رہتی ہے۔ اور اِدھر اُدھر لئے پھرتی ہے۔ مگر جب ہوا کے سبب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بڑے بڑے اور بھاری ہو جاتے ہیں۔ اسوقت ہوا انکو نہیں سہار سکتی اور وہ نیچے گرنے لگتے ہیں۔ اس کا نام مینہ ہے۔ جس وقت بادلوں کا پانی زمین کی طرف گرنے لگتا ہے تو بہت بڑے بڑے ٹکڑوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ مگر وہاں سے زمین تک آتے آتے ہوا سے ٹکرانے کی وجہ سے اُن ٹکڑوں کے کئی الگ ہوتے رہتے ہیں۔ اور زمین پر چھوٹے اور گول صورت کے ہوکر گرتے ہیں۔ بارش بھی آندھی کی طرح ہوا کی غلاظت کو صاف کرتی ہے اسکا پانی صاف اور ہلکا ہونے کی وجہ سے صحت کے لئے مفید ہے۔

یہ سبب جو اوپر بیان ہوا۔ اُس بارش کا ہے جو گرمی کے بعد ہوتی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سردی کے موسم میں تو گرمی ہوتی نہیں جس سے بخارات بنیں تو پھر سردی میں بارش کیونکر ہوتی ہے اس کی وجہ بھی بیان کرتا ہوں۔

ہوا میں ہر وقت بخارات موجود رہتے ہیں شیشے کے گلاس میں برف بھر کر رکھو۔ تھوڑی دیر گلاس کے باہر کی طرف پانی کے قطرے نظر آئیں گے۔ گلاس میں سوراخ تو ہیں ہی نہیں۔ اسلیئے اندر کی طرف سے تو باہر پانی آ نہیں سکتا۔ کہیں اور سے ہی آیا ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہوا میں ہر وقت کچھ نہ کچھ پانی کے بخارات موجود رہتے ہیں۔ وہ ہوا جب ٹھنڈے گلاس سے چھو جاتی ہے تو اس میں جو بخارات ہیں وہ سردی پاکر پھیر پانی کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اِس اصول کے موافق سردی کے موسم میں بھی بارش ہوتی ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ زمین سمندر کی نسبت جلد اور زیادہ گرم ہو جاتی ہے۔ مگر قاعدہ ہے کہ جو چیز جلد گرم ہوتی ہے وہ جلد سرد بھی ہو جاتی ہے۔ اسلیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سمندر میں زمین کی نسبت گرمی دیر تک رہتی ہے۔ سردی کے موسم میں بھی آفتاب کی گرمی سے زمین و سمندر دونوں جگہ کچھ نہ کچھ گرم ہو جاتی ہیں۔ مگر رات کے وقت وہ گرمی زمین سے جلد نکلجاتی ہے۔ اور سمندر میں قائم رہتی ہے۔ اسلیئے پہلے سمندر کی ہوا گرم ہوکر اوپر چڑھے گی۔ اور زمین کی ہوا سمندر کی طرف جائیگی اسکی جگہ سمندر کی اوپر چڑھی ہوئی

مہاوٹ ہوا جس میں پانی کے بخارات شامل ہیں زمین کی طرف آئے گی۔ اور پھر پہلے کی طرح اوپر جاکر بخارات پانی کی صورت میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اسی طرح ابر و بادل بنیں گے اور اسی اصول کے موافق بارش ہوگی۔ مگر چونکہ سردی کے موسم میں حرارت کم ہوتی ہے اسلیئے بخارات کم بنتے ہیں۔ اور برسات بھی بارش کی نسبت کم ہوتی ہے ٭

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سردی کے موسم میں گرج چمک زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا سبب آیندہ پرچے میں لکھوں گا۔

بادل کی بلندی بادل زمین سے کچھ بہت زیادہ بلندی پر نہیں بنتے ہیں ڈیڑھ سے دو ڈیڑھ میل اونچے ہوتے ہیں۔ بعض وقت تو آدھ میل کے قریب ہی ہوتے ہیں۔ شملے اور اور پہاڑوں پر اکثر مکانوں کی بلندی سے بھی کم اونچے ہوتے ہیں بعض وقت ہوا کے ساتھ مکان کے اندر آجاتے ہیں۔ اسوقت مکان میں ایک دھواں سا بھر جاتا ہے۔ جس چیز سے وہ چھو جاتے ہیں۔ اسپر پانی کے قطرے نظر آنے لگتے ہیں ٭

شبنم آفتاب کی گرمی سے دن کے وقت دریاؤں۔ ندی نالوں۔ کا پانی بخارات بن کر اڑتا رہتا ہے۔ اسمیں سے کچھ بخارات تو ادھر اُدھر پھیل جاتے ہیں۔ اور کچھ زمین کے قریب کی ہوا میں ملے ہوئے رہ جاتے ہیں۔ یہ بخارات ہوا کے ساتھ رات کے وقت جب کسی سرد چیز سے ملتے ہیں تو پھر پانی کی صورت میں آجاتے ہیں۔ جسطرح کہ گلاس کے باہر کی طرف پانی کے قطرے نمودار ہو جاتے ہیں۔ دن کو چیزوں پر پانی کے قطرے پڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اسیکا نام شبنم ہے

تیز ہوا میں شبنم نہیں پڑتی جب کبھی تیز ہوا چلتی ہوئی ہوتی ہے تو اس رات کو شبنم نہیں پڑتی۔ اسکا سبب یہ ہے کہ وہ تیز ہوا زمین کے قریب کے بخارات کو اِدھر اُدھر اڑا کر لیجاتی ہے۔ جب بخارات ہی نہیں رہے تو شبنم کیسے پڑ سکتی ہے جس رات کو ابر ہو جب بھی شبنم نہیں پڑے گی۔

ابر کی موجودگی میں شبنم نہیں پڑتی اس کی وجہ یہ ہے کہ ابر بخارات کو زیادہ اوپر نہیں جانے دیتا تمام بخارات زمین کے قریب ہی رہتے ہیں۔ ان کے سبب سے گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ اور آس پاس کی چیزیں زیادہ سرد نہیں ہونے پاتی ہیں اُن چیزوں میں اتنی ہی حرارت باقی رہتی ہے جتنی بخارات میں ہے۔ اس صورت میں بخارات نہ اپنے سے زیادہ سرد چیزیں پائیں گے نہ پانی کی صورت میں تبدیل ہونگے ٭

درختوں کے نیچے شبنم نہیں پڑتی اگر کوئی چیز درخت کے نیچے ہو تو اُسپر شبنم ظاہر نہیں ہوتی۔ ناواقف اسکا سبب یہ بتلائیں گے کہ شبنم اوپر کی طرف سے گرتی ہے اور درخت اسکو روک دیتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ شبنم مینہ کیطرح تو اوپر سے گرتی ہی نہیں ہے بلکہ ہمارے ہر طرف ہوا میں جو بخارات ملے ہوتے ہیں۔ وہی اپنے سے زیادہ سرد چیزوں کو چھو کر اُن کے اوپر پانی کے قطروں میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

درخت کے نیچے شبنم نہ پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ درخت ان چیزوں کی گرمی کو جانکے نیچے ہیں۔ نکلنے نہیں دیتا۔ اسلیئے وہ چیزیں بخارات کی نسبت زیادہ سرد نہیں ہونے پاتی ہیں۔ اور جب وہ چیزیں زیادہ سرد نہیں ہوتی ہیں تو بخارات بھی اُن سے چھو کر پانی نہیں بنتے اور شبنم ظاہر نہیں ہوتی۔

شبنم بھی خالی از فائدہ نہیں ہے۔ یہ زراعت کے لیئے ویسی ہی مفید ہے جیسی ایک ہلکی بارش۔ اولے۔ برف۔ سخ۔ بجلی۔ گرج۔ کہر وغیرہ کی بابت آیندہ پرچے میں لکھوں گا ٭

(سیّد صغیر علی۔ بی۔ اے)

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں بھی دکھائینگے اور انکے اپنے درمیان بھی یہانتک کہ انپر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے

بصارت و بصیرت

سیر حوادث

ایک یورپین کو سزا مسٹر جانسن سابق سکریٹری میونسپل کمیٹی گوجرانوالہ کو کمیٹی کا روپیہ غبن کرنے کی پاداش میں چیف کورٹ پنجاب کے جج مسٹر شکین نے نو یورپین جیوری کی مدد سے مقدمہ سماعت کرکے ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا دی - من یعمل سوءً یجزبه ولا یجد له من دون الله ولیا ولا نصیرا (پ۵ س النساء - ع ۱۶) جو شخص برا کام کرتا ہے اسکی سزا پائیگا اور اسکو خدا کے سوا کوئی حامی ہی ملے گا اور نہ مددگار - خود کردہ قانون کے آگے ہر کہ ومہ کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے - ایک یورپین مجرم کا اسکے ہم قوم جج اور جیوری کسی قسم کی حمایت نہیں کر سکتے - اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچتا ہے سلطنت برطانیہ کی معدلت گستری اور نصفت پژوہی بھی سزاوار تحسین وآفرین ہے - کہ مجرموں کو سزا دینے میں مذہب وملت اور قومیت اور رنگت کا امتیاز روا نہیں رکھتی ◆

غرقابی جہاز شکاگو واقع امریکہ کے قریب اڑھائی ہزار آدمی ایک جہاز پر سوار ہوکر سیر کو نکلے - نہایت افسوس واندوہ کی بات ہے کہ جہاز ڈوب گیا اور دو ہزار آدمی رہگزائے عالم جاودانی ہوئے ! وآية لهم انا حملنا ذريتهم في الفلك المشحون ۝ وخلقنا لهم من مثله ما يركبون وان نشأ نغرقهم فلا صريخ لهم ولا هم ينقذون (پ۲۳ - س یٰسین ع ۳) اور ان لوگوں کے سمجھنے کیلئے ہماری قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ ہم ان آدمیوں کی نسل کو بھری ہوئی کشتیوں میں اٹھائے پھرتے ہیں - اور کشتی کی طرح ہم نے ان کیلئے اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں جنپر یہ سوار ہوتے ہیں - اور اگر ہم چاہیں تو انکو ڈبو دیں - پھر نہ تو کوئی ان کا فریادرس ہو اور نہ یہ کسیطرح ڈوبنے کی مصیبت سے چھڑائے جا سکیں ◆

جنگلات کا رقبہ ہندوستان میں جنگلات کا کل رقبہ اڑھائی لاکھ مربع میل ہے اور گورنمنٹ کو جنگلات کی پیداوار سے گزشتہ پانچ سال سے بحساب اوسط ایک کروڑ بتیس لاکھ روپیہ خالص سالانہ منافع ہوتا ہے - اولم يروا انا نسوق الماء الى الارض الجرز فنخرج به زرعا تاكل منه انعامهم وانفسهم افلا يبصرون (پ۲۱ - س - السجدہ ع ۱۵) کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم افتادہ زمین کی طرف پانی کے بادلوں کو ہانک دیتے ہیں - پھر پانی کے ذریعہ سے کھیتی کو نکالتے ہیں جس میں سے انکے چوپائے بھی کھاتے ہیں - اور آپ بھی تو کیا لوگ اس نمونۂ قدرت کو نہیں دیکھتے!

تعلیمی اغراض کے لیئے ایک لاکھ روپے کا عطیہ بمبئی میں ایک شخص وتھل داس گوپال داس کا انتقال ہوا ہے جنکی وصیت کے ذریعہ سے ایک لاکھ روپیہ کا عطیہ تعلیمی اغراض کے لیئے دے گیا ہے - اس رقم کے سود سے کپول بنیوں کے لڑکوں کو جو تعلیم حاصل کرنا چاہیں وظائف دئے جائیں گے - متوفی نے چار ہزار روپیہ اپنے چھوٹے بھائی کی یادگار میں بھی دیا ہے - کپول بنیوں کی قوم اپنی تجارتی حوصلہ مندیوں کی بدولت مشہور ہے - اور مغربی ہندوستان کی ہندو اقوام میں تجارت وتعلیم کی یکساں علم ہوار سمجھی جاتی ہے طلب العلم اور ابتغائے فضل اللہ اسلامی خصائص ہیں - حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جن کا علم سب سے زیادہ تھا - ارشاد باری تعالیٰ عز اسمہ ہوتا ہے - وقل رب زدني علما (پ۱۶ - س طٰہٰ - ع ۱۵) اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم نصیب کر - جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة - تحصیل علم ہر مسلمان پر فرض ہے مرد ہو یا عورت - اسلام نے اپنے پیروؤں کو تجارت کرنے کا حکم آیہ مجیدہ میں دیا ہے - يا ايها الذين آمنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منكم (پ۵ - س النساء - ع ۵) آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو اور اس میں کچھ ہاتھ لگ جائے تو وہ ناروا نہیں - صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بلا استثناء

قرآن کریم میں تجارت بیان کیا گیا ہے وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ (پ۲۹۔ س المزمل س ع ۱/۱۴) اور بعض خدا کے فضل یعنی تلاش معاش (تجارت) میں ادہر ادہر ملک میں سفر کر رہے ہوں گے۔ احادیث صحیحہ میں تجارت کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بیان فرمایا ہے کہ سچا سوداگر قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اٹھے گا۔ اور فرمایا ہے کہ تجارت کرو کیونکہ روزی کے دس ٹکڑے ہیں نو ٹکڑے فقط تجارت میں ہیں۔ پھر آہ! کیا یہ افسوس اندوہ کی بات نہیں کہ مسلمان اسلامی خصائص کو خیرباد کہہ رہے ہیں۔ اور دیگر اقوام ان کے علم بردار سمجھے جاتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مدرسۃ الصنائع کلکتہ سر ابندر ناتھ ٹھگور نے کلکتہ میں ایک مدرسۃ الصنائع قائم کیا ہے جس میں طلبا کو صنعت و حرفت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کام کے لیئے انہوں نے اپنے مکان کا ایک بڑا حصہ وقف کر دیا ہے۔ مدرسہ میں درس تدریس کا کام شروع بھی ہو گیا ہے۔ اور اسوقت مدرسہ میں معلمین و متعلمین کی ایک خاصی تعداد موجود ہے۔ اخوان ملت کو اس نیک مثال کی تقلید کرنی چاہیئے۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ صرف مدارس ثانوی کا اجرا کافی نہیں۔ جن میں طلبا تعلیم پا کر اور یونیورسٹی کے امتحان پاس کرنے کے بعد تلاش معاش میں در بدر ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ کسب معاش کے لیئے تجارت کے بعد صنعت و حرفت بہترین ذریعہ معاش ہے۔ اور احادیث میں صنعت اور دستکاری کے بھی فضائل وارد ہیں۔ چنانچہ مقدام بن معدیکرب نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ انسان کوئی کمائی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں پیدا کر سکتا۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ بہتر کمائی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور انسان کے ہاتھ کا کام۔ اور ہر سچائی کی تجارت۔ اسلامی مجالس کو مدارس صناعیہ کے اجرا کی طرف اپنی فوری توجہ مبذول کرنا چاہیئے۔ یہ امر تمام قومی کاموں سے اہم اقدام ہے۔ وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون۔

ایک قمار خانہ پر پولیس کا چھاپہ بمبئی میں ۹۔ اگست کی شب کو پولیس نے ایک قمار خانہ پر چھاپہ مارا۔ قمار بازوں نے پولیس کی صورت دیکھتے ہی بدحواس ہو کر راہ فرار اختیار کی۔ اور متصلہ مکانات کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ علی الصباح قمار خانہ کے باہر ایک لاش پڑی ہوئی ملی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ متوفی قمار باز پچیس سالہ نوجوان شخص ہے۔ اور ایک دیوار پر سے پرنالے کے نل کو پکڑ کر نیچے اترتے ہوئے گر کر ملک عدم کو سدھارا ہے۔ جوری نے اسپر اتفاقیہ موت کا فتویٰ صادر کیا۔ غور کرو یہ ہیں عواقب و نتائج قمار بازی جس کے مضار منافع سے زیادہ ہیں تاکہ اسلام نے اسکو رجس من عمل الشیطان قرار دیا ہے اور اپنے متبعین کو اس سے نہایت شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے فھل من مدکر

ایک یورپین لیڈی کی غرقابی کلکتہ سے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ ایک معمر یورپین لیڈی سمندر کے کنارے پر کھڑی نہا رہی تھی کہ یکایک ایک خوفناک لہر کی زبردست تھپیڑ اسکو اپنے ساتھ بہا لے گئی۔ آج کل خلیج بنگال میں خوب طوفان بپا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لیڈی کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ اور اسکو مچھلی کے شکار کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ اسی غرض کے لیئے اسنے بہت سے ماہی گیروں کو اپنے ہاں نوکر رکھ چھوڑا تھا جو تمام دن مچھلیاں پکڑ کر شام کو اپنی مالکہ کے حوالے کر دیتے تھے۔ جس وقت یہ لیڈی نہانے کے لیئے سمندر کے کنارے پر گئی اسی وقت اس کے نوکروں نے اسکو نہانے سے منع کیا تھا۔ اور بیان کیا تھا۔ کہ اسوقت سخت طوفان بپا ہے سمندر میں نہانا خالی از خطرہ نہیں۔ مگر اس نے ایک کی بات بھی نہ مانی۔ غور کرو اس لیڈی نے قوانین فطرت کی ایک مقدس دفعہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کی خلاف ورزی کی۔ جس کی پاداش میں اس نے اپنی جان گنوائی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

چلتی گاڑی میں چوری نارتھ ویسٹرن ریلوے کے سندھ والے حصہ پر چلتی ریل میں چوری کے اکثر واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے تھے۔ ان کے انسداد کے لیئے مسلح پولیس مقرر کر دی گئی ہے جسے اختیار دیا گیا ہے کہ چوروں کو دیکھتے ہی نشانہ بندوق بنائیں۔ معلوم ہوا ہے کہ چوروں کے پاس بھی آتشیں اسلحہ ہیں جنہیں وہ مسلح پولیس کے خلاف استعمال کرنے لگے ہیں۔ پولیس نہایت سرگرمی کے ساتھ ان مفسدین فی الارض کو مختلف اقطاع و اضلاع سے گرفتار کر رہی ہے۔ چنانچہ روہڑی کے قریب دو مسلح سپاہیوں نے ایک چھکڑے کا دروازہ کھلا ہوا پایا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ میں سے گندم کی بوریاں نیچے پھینکی گئیں۔ سپاہی ان بوریوں کے پاس دبک رہے۔ جب چور بوریاں اٹھانے آئے تو ان پر فائر کئے گئے ایک چور تو مجروح ہو کر گر پڑا باقی بھاگ گئے۔ مجروح چور کو مجسٹریٹ علاقہ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ مگر اس نے اپنے رفقا کے نام بتانے سے انکار کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور موقع پر فایر کرنے کے بغیر ایک چور گرفتار ہوا۔ لاڑکانہ کی قریب چلتی گاڑی میں سے ایک چور گندم کی بوریاں گرا رہا تھا کہ اسپر فایر کیا گیا۔ ایک اور چور شکارپور کے نواح میں ماخوذ ہوا۔ بارہ سے زائد چوروں نے کراچی کے ضلع میں چلتی ٹرین پر حملہ کیا۔ ان کے پاس بندوقیں بھی تھیں۔ انہوں نے گاڑی میں سے کئی بوریاں نیچے گرائیں لیکن بوریاں اٹھانے سے پہلے مسلح پولیس کا ایک دستہ گشت لگاتا ہوا پہنچ گیا۔ چوروں نے سپاہیوں پر فائر کئے۔ اور دو سپاہی مجروح ہوئے پھر چور بھاگ گئے۔ لیکن کوٹری کی پولیس نے ان کا تعاقب کیا۔ اور دونوں چوروں کو گھیر لیا۔

چوروں کے پاس سے مال بند دقیں برآمد ہوئیں۔ اس قسم کے مفسدین فی الارض کے انسداد کی خاطر وسیع پولیس کی تعیناتی۔ اور اسے چوروں پر فائر کرنے کے اختیارات دینا بلاشبہ قرین مصلحت ہے۔ چنانچہ قوانین فطرت کی ایک مقدس دفعہ میں بھی ایسے مجرموں کے لیئے سخت سزا مقرر ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے انما جزاؤ الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض (پ ۶- س المائدہ- ع ۵) جو لوگ اللہ اور اسکے رسول سے لڑتے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔ ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کر دیئے جائیں۔ یا انکو سولی دیجائے۔ یا ان کے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں۔ یا انکو دیس نکالا دیا جائے۔ اگر اسی طرح حوصلہ مندی کے ساتھ چوروں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں اور مجرموں کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ تو یقین واثق ہے کہ چلتی گاڑی میں چوری کی وارداتوں کا سدباب ہوجائے گا جو باعث تشکر و امتنان رعایا و برایا ہوگا ❖

(نورالدین تاجر چرم)

یورپ کی ایک جدید ایجاد

یورپ اپنی صنعتی ترقی اور تجارت پر جسقدر ناز کرے بجا ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو چھوٹی سی بڑی ضرورتیں نہایت کم صرف سے نکالتے ہیں۔ اور حیرت انگیز سائنس کی ترقی کی بدولت اپنی ایجادوں سے کثیر نفع اٹھاتے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں ایک سوئی کے لیئے بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور دوسرے ممالک کے محتاج ہیں۔ چنانچہ صناعان یورپ نے ربڑ کی جگہ سمندر کی کائی سے ایک ایسی شے طیار کی ہے کہ جو گاڑی کے پہیوں کے گرد ہال چڑھانے کے کام آسکتی ہے۔ اور بالکل ربڑ کی طرح نرم اور پائدار ہوتی ہے۔ غرضیکہ اسطرح ربڑ اور چمڑہ کا نعم البدل مہیا ہو گیا ہے۔ اب یہی صناع اس کائی سے بوٹ طیار کرنے کی بھی کوشش کر رہے ہیں۔ اسکا بھی تجربہ کیا گیا ہے کہ کائی سے بنی ہوئی چیزیں بڑا اور چمڑے سے زیادہ سستی بھی ہوتی ہیں اور پائیدار بھی ہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ بھی خوبی ہے کہ تندرستی کیلئے کسی طرح مضر بھی نہیں ہیں۔ اب یہی چیزیں جو صناعان یورپ نے اپنا اعلیٰ دماغ صرف کرکے کوڑیوں کے مول طیار کی ہیں ہندوستان پہونچکر قیمتی فروخت ہونگی اور لوگ نہایت خوشی سے ایک نئی چیز سمجھکر خریدینگے اور ملک کی دولت کھنچکر یورپ پہونچیگی ❖ (المیزان)

ہمارا طرز حکومت

یہ البشیر اٹاوہ کے مشہور نامہ نگار مولوی سید محمد صاحب کا ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے جس میں مسلمانوں کے طرز حکومت کا ہندوؤں کی حکومت سے موازنہ کیا گیا ہے۔ اور نہایت لطف سے آریوں کو دندان شکن الزامی اور محققانہ جوابات دئے گئے ہیں۔ قابل دید رسالہ ہے۔ ہر ایک مسلمان کو پڑھنا چاہیئے بلکہ متعدد جلدیں خرید کر نادار مسلمانوں کو مفت تقسیم کرنی چاہئیں۔ قیمت صرف ۲ر

تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی

مولوی محمد اسمعیل صاحب دہلوی کے پیر مرشد

ہندوستان کے مشہور مجدد و یادگار حضرت شاہ سید احمد صاحب بریلوی تیرہویں صدی میں ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ جنہوں نے مشرکانہ رسوم کی اصلاح کے لیے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ان کے حالات نہایت دلچسپ ہیں اور ان کی عجیب و غریب کرامتیں تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ تواریخ عجیبہ انہی بزرگ کی سوانح عمری ہے اور اسلئے نہایت دلچسپ ہے حجم ۲۵۰ صفحے قیمت صرف عہ؎ تقطیع ۲۲×۲۶ قلم نہایت گنجان اور باریک ہے کئی سو صفحوں کا مضمون کھپا دیا گیا ہے

ابجب العقاب علی الناہق الکذاب

مصنفہ جناب مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی۔ اس رسالہ میں حضور پرنور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور وہابیہ اور آریوں کا دندان شکن رد ہے۔ رسالہ دیکھنے کے قابل ہے حجم ۲۴ صفحے تقطیع ۲۲×۲۶ قیمت ۱ر

مسٹر محمد علی کا مقدمہ

مسٹر محمد علی ایڈیٹر کامریڈ نے رسالہ موسومہ "مقدونیہ میں آگ اور ہماری مدد کرو" کی ضبطی کے خلاف ہائیکورٹ کلکتہ میں اپیل دائر کیا تھا جس کی سماعت تین ججوں کے بنچ کے سامنے ہوئی تھی۔ اس مقدمہ کی اہم نوعیت اور فاضل ججوں کی منصفانہ اور بے لاگ اظہار رائے نے اخباری دنیا میں سنسنی ڈالدی تھی۔ رسالہ بعنوان بالا میں اسی سنسنی خیز اہم اور دلچسپ مقدمہ کی پوری روئداد معہ فیصلہ ججان ہائیکورٹ و ایڈیٹران کی رایوں کے درج کیگئی ہے جو نہایت دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے پریس ایکٹ مجریہ سنہ ۱۹۱۰ع کی متعلق اور مبہم دفعات کی توضیح و تشریح۔ اہل ملک کی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ اور عجیب و غریب رمزوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ گویا یہ رسالہ پریس ایکٹ کی شرح ہے۔ جسے اخبارات رسالوں سے تعلق رکھنے والوں مصنفوں۔ مولفوں۔ اخبارات کے ایڈیٹروں۔ چھاپہ خانہ کے مالکوں۔ وکیل۔ مختار۔ بیرسٹروں۔ کونسل

کے ممبروں کو اس رسالہ کا ایک نسخہ اپنے پاس ضرور رکھنا چاہیے [illegible] کے ٹکٹ ڈاک وصول ہونے پر معہ محصول روانہ کر دیا جائے گا جو صاحبان خرید کیجئے انہیں ایک روپیہ کے بارہ رسالے دئے جائینگے حجم رسالہ [illegible] ہے۔ اور تقطیع ۲۲×۱۸ ہے۔ قیمت ۲ر

العاملہ

اس نہایت مفید کتاب میں عورتوں اور بچوں کی مخصوص بیماریوں کا مفصل حال اور تمام امراض کے لیے مجرب و بیتیر بہدف نسخے درج کئے گئے ہیں طبی کتابیں عموماً خشک اور غیر دلچسپ ہوتی ہیں لیکن العاملہ میں یہ خصوصیت ہے کہ اسکا اکثر حصہ نہایت دلچسپ ہے۔ اور عورتیں شوق کیساتھ اسکو پڑھکر وہ فوائد حاصل کر سکتی ہیں۔ جو دوسری طبی کتابوں کے پڑھنے سے ہرگز نہیں حاصل ہو سکتے۔ اس مفید و دلچسپ کتاب کے مصنف جناب مولوی ابو عزیز حکیم غلام غوث خان صاحب بہاولپوری طبیب خاص ریاست خیرپور سندھ ہیں۔ نہایت عمدہ چھپی ہے۔ تقطیع ۲۰×۲۶ صفحات ۷۵۔ قیمت ۵ر

جواہرات ترجمہ منبہات

بچوں کی اتالیق جوانوں کی مصلح۔ بڈھوں کی پیرانہ سالی کی جان یہی کتاب ہے جسکا نام ہے "جواہرات" یعنی منبہات ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا روزمرہ کی سلیس اردو زبان میں ترجمہ۔ اگر آپ کو اسلام سے محبت ہے اور اولیاء اسلام علیہم السلام کی بیش بہا نصیحتوں کی آپکے دل میں کوئی وقعت ہے تو صرف ساڑھے چار آنے لیکر جواہرات منگا لیجئے۔ خود ملاحظہ فرمائیے۔ احباب کو دکھائیے۔ اپنی بہو بیٹیوں۔ بچوں اور بچیوں کو پڑھائیے۔ اور دین و دنیا کا فائدہ اٹھائیے

تذکرہ غوثیہ

اس کتاب میں پانی پت کے مشہور بزرگ حضرت مولانا غوث علی شاہ صاحب قلندری کی قلندرانہ اور درویشانہ زندگی کے نہایت دلچسپ اور سبق آموز حالات و صوفیانہ رموز سے بھرے ہوئے ملفوظات درج کئے گئے ہیں۔ خدا والوں کی باتوں میں جیسی کچھ کشش ہوتی ہے سب کو معلوم ہے۔ پھر مولانا غوث علی شاہ صاحب کا عارفانہ چٹکلوں اور ظریفانہ پیرایہ میں حقایق کی تشریح ناممکن ہے کہ پڑھنے والوں پر وجد کی سی کیفیت نہ طاری کر دے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ ایکدفعہ شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور پڑھنے والا گویا ایک خدا رسیدہ بزرگ کی صحبت میں بیٹھکر وہ لذت حاصل کرتا ہے جسکا بیان نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایسی پاکیزہ صحبت آ کر سمجھ سکتا ہے۔ الغرض یہ کتاب ہر حیثیت سے نہایت دلکش اور پر معنا ہے۔ اہل ظاہر پست کچھ اور مطلب نکالتے ہیں۔ اور اہل باطن کچھ اور۔ ضخامت [illegible] تقطیع ۲۰×۲۶ چھپائی لکھائی اور کاغذ دیدہ زیب مگر قیمت صرف [illegible]

ملنے کا پتہ: مدیر مکتبہ قادریہ سعید منزل شہر میرٹھ

مذہبی علمی اور ادبی کتابیں

دو ترجموں اور دو تفسیروں والا عظیم الشان قرآن مجید

نمونہ دیکھنے سے اس بیش بہا قرآن مجید کی خوبیاں معلوم ہونگی + ہدیہ مجلد صرف بیس روپے (عت)

تنقیدِ لطیف بر خیالاتِ ظریف

اس کتاب میں علیگڈھ کالج کے ایک سابق پروفیسر مسٹر محمد ظریف ایم۔ اے (دہریہ) کی کتاب "اسلام اور عقلیت" کا نہایت ہی مدلل اور دلچسپ جواب ہے اور اسلامی عقیدہ کا عقلی نقلی اور سائنٹفک دلایل سے زبردست ثبوت دیا گیا ہے۔ قابل دید اور نہایت ہی مفید و عجیب کتاب ہے قیمت صرف چھ آنے (۶ر) +

شریعت و طریقت

شریعت و طریقت کے متعلق جو غلط فہمیاں آجکل پھیلی ہوئی ہیں انکو اس رسالہ میں نہایت خوش اسلوبی سے رفع کیا گیا ہے اور عقلی و نقلی دلایل سے ثابت کیا گیا ہے کہ شریعت و طریقت کے درمیان کوئی تناقض نہیں ہے اس کتاب کے مطالعہ سے مصنوعی صوفیوں کی قلعی کھل جاتی ہے قیمت صرف ۴ر +

شفاء الاسقام فی الصلوٰۃ علیٰ خیر الانام

یہ لاجواب کتاب کچھ ہزار عربی درود شریفوں کا مجموعہ ہے جسکے فاضل مؤلف نے تمام مستند حدیث کی کتابوں کی چھان بین کرکے بڑی محنت و جانفشانی سے اسکو ترتیب دیا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تمام معلومہ خصوصیات یعنی اخلاق و عادات خوارق و معجزات اور سوانح و غزوات وغیرہ کا درود شریف ہی کے پیرایہ میں ذکر کردیا ہے۔ ہر مسلمان کو خریدنی چاہیئے۔ قیمت صرف ۱۲ر +

انتخاب توحید

میرٹھ کے مشہور و معروف اخبار توحید کی ادبی اور علمی کارگزاریوں کی یادگار یعنی اسکے منتخب مضامین کا نہایت ہی دلکش و دلنواز مجموعہ جسمیں حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب اور دوسرے مستند انشا پردازوں کے قابل دید مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ قیمت صرف ۱۲ر +

جنگِ طرابلس عرف خونِ ناحق

جنگ طرابلس کے زمانہ میں اردو کے جادو نگار انشا پردازوں کے جو مضامین اخبار و رسائل میں شائع ہوئے تھے انکا بے مثل مجموعہ جس کی ایک ایک سطر نہایت ہی موثر و عبرت خیز ہے۔ یہ کتاب اسلامی دنیا کے جذبات کی گویا ترجمان ہے جسکے مطالعہ سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی عمدہ چھپی ہے کہ اردو مطبوعات میں اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ قیمت صرف ۱۲ر +

آئینۂ قیامت

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے واقعۂ شہادت کو نہایت دلکش اور جدید اردو میں قلمبند کیا گیا ہے۔ روایتیں نہایت مستند اور نظمیں بہت ہی موثر ہیں قیمت ۴ر

نورِ ایمان معہ مثنوی جوہرِ لطیف

یہ حضرت مولانا عبد السمیع صاحب بیدلؒ خلیفۂ خاص حضرت مولانا حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا مشہور و معروف نعتیہ دیوان ہے جسکے اشعار نہایت دلپسند اور مقبول ہیں۔ مولانا مرحوم کی نعتیہ غزلوں سے سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے قیمت ۶ر چھ آنہ +

شمایم امدادیہ

حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی سوانح و ملفوظات کا متبرک مجموعہ جسمیں تصوف کے ادق مسایل کو حل کیا گیا ہے قابل دید ہے۔ قیمت ۱۲ر +

فرائضِ والدین

اپنی طرز کا اردو میں پہلا رسالہ ہے جسمیں والدین کو اولاد کی تربیت و تعلیم کے نہایت بیش بہا اور حکیمانہ اصول بتائے گئے ہیں۔ ہر صاحب اولاد کے لیئے اس مفید رسالہ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کیلئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے سیکڑوں برس سے ترکی۔ ایران۔ ترکستان۔ افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں ہے کہ ذی علم ہو اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتے ہیں چین کے مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں صرف آجکل کا ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں اور اسی ضرورت پر لحاظ کرکے **علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی نے جن کی جملہ تصنیفات کی فہرست ایک صفحہ پر درج ہے** پورے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ اردو ترجمہ عبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شائع کردی ہے اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جسکی سرخیاں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ترجمہ کرنیکا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا؟ (۲) ترجمہ قرآن کی صورت زمانہ وسطی اور زمانہ اخیر میں (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت اور آنحضرت محمدؐ (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) متضاد احکام قرآن میں نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) مکرر باتیں قرآن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہئیے (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن جن پر صرف یورپ کے مہذب لوگوں کا عمل آمد ہے (۲۸) برکات اسلام کیلئے الاسلام بھی دیکھنا چاہئیے (۲۹) معجزات (۳۰) مؤلف کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے۔

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی گئی ہے اور جتنے مسائل شرعی قرآن سے نکلتے ہیں انکا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف قرأت سے علماء حنفی المذہب اور اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہو گئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے اور ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا علماء حنفی المذہب نے جو باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ زیریں میں سب کا بیان ہے تاکہ ترجمہ کل مذاہب کے لئے یکساں مفید ہو لیکن متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہو کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کرکے نہایت صحت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ ہے کہنا بجا ہے یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول ۱۸۹۲ء میں دو پارہ کا ترجمہ شائع کیا تھا اور اس سے چار برس کے بعد ۱۸۹۶ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا تھا پھر اسکے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ ناظرین بالمال ترجمہ کو دیکھ کر انشاءاللہ تعالیٰ یہی کہینگے کہ دیر آید درست آید۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بذریعہ وی۔ پی طلب فرمائیں۔ اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ تحریر ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کے ہاتھوں میں پہنچکر اشتہار کا باعث ہو۔ یہ واضح رہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر چھپنے کیلئے علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے۔

ہدیہ قیمت فی جلد مذہب تین روپیہ (نوٹ) جہاں سینکڑوں ہزاروں روپیہ لغو کاموں میں خرچ ہوتے ہیں اگر تین روپئے قرآن کے سمجھنے میں خرچ ہوں تو کیا عجب ہے۔

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	رعایتی قیمت	کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو مکمل ۳۰ پارہ	اردو	مذہب اسلام	۱۰۲۰	سے	سے	مجلد
۲	تاریخ الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	سے	للعہ	مجلد طبع ثانی
۳	الاسلام	اردو	فلسفہ اسلام	۸۰۰	سے	عاسے	مجلد طبع اول
۴	زاہدہ	اردو	مذہب اسلام	۲۷۸	سہم ر	ا ر	طبع ثانی
۵	المجاہد	اردو	تمدن حقوق نسواں	۱۸۰	صر	عہ ر	۰

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	رعایتی قیمت	کیفیت
۶	مختصر الارسال	اردو	متفرق مضامین	۲۰	ار	ار	۰
۷	نشتر سخن	اردو فارسی	شاعری	۵۰۸	صر	عاگر	۰
۸	زبان اردو	اردو	پبلک	۳۴۲	۲ر	۲ر	۰
۹	انڈیا اینڈ برٹش گورنمنٹ	انگریزی	٭	۱۸	۴ر	۲ر	۰
۱۰	دی لیجسلیچر آف انڈیا	٭	٭	۳۴	۴ر	۲ر	۰

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	رعایتی قیمت	کیفیت
۱۱	شرح ایکٹ مالگذاری	اردو	قانون	۱۸۴	عا ر	عا ۸ر	مجلد
۱۲	معیار آفیشیل انگریزی	انگریزی	٭	۵۴۴	عہ	عا	٭
۱۳	[illegible]	٭	٭	۱۸۴	سے	۸ر	٭
۱۴	[illegible]	٭	٭	۹۵۴	عہ	صہ	٭

المشتہر عبد الوحید خان منیجر قاضی اینڈ کمپنی گورکھپور

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ



اُسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت معاشرت کا روحانی خطیب اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج مسلمان مردوں کا رہبر عورتوں کا معلم بچوں کا اتالیق مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ ہر شمسی مہینے کے آخری ہفتہ میں شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہِ صفا + تواں رفت جز در پے مصطفٰے
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید + کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک
قسم اول ۱؎ + قسم دوم ۱۲؎
قیمت فی پرچہ ۲؍

محمد انوار ہاشمی پرنٹر و پبلشر نے جاوید پریس میرٹھ میں چھپوا کر شائع کیا

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ مسلمان واقعی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں قرآن پاک اور اسلام کی صحیح تعلیم کو جس پر عمل کریں بخوف خدا اور عظمت رسولؐ کو معاشرت و تمدن میں اپنا رہنما بنائیں۔ اسلام کی روح کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں اہل مغرب سے پیچھے نہ رہیں تعصب اور کورانہ تقلید سے اپنے تئیں پاک و صاف رکھیں غیر مسلم اقوام کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر۔ اور جاہلانہ رسوم کے چھوڑنے کو معیوب نہ سمجھیں ہر ایک کام میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کے مسلک پر آجائیں۔ دولت۔ وقت اور قوت جیسی بیش بہا نعمتوں کو بیہودہ روی سے نہ لٹائیں۔ تکفیر کے فتووں سے اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل کریں خانہ جنگیوں۔ نااتفاقیوں۔ اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں۔ اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتفاق و اتحاد اور ہمدردی و خلوص کے آہنی حصار سے مستحکم و محفوظ کریں عیش پسندی۔ سہل کاہلی۔ اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں محنتی۔ جفاکش۔ اولوالعزم۔ مآل اندیش۔ مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالیں اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی۔ صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف پوری توجہ کریں مشیخت و غرور اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اپنے تئیں تمام دنیا سے زیادہ نالائق اور سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری۔ عیاشی۔ نمود و نمائش۔ فیشن پرستی۔ مقدمہ بازی۔ بے محل خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینوں اور عزلت گزینوں کے راہبانہ رویہ کو خلاف سنت تصور کریں۔ اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی نذریں بند کر کے اُن سے مفت خوری کی عادت چھڑوائیں۔ ایسے مولویوں۔ ایسے صوفیوں۔ ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض ملت فروش۔ اور نام نہاد خیر خواہ لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو اُن تمام اوصاف و محامد سے متصف کریں جو ایک **اصلح** انسان میں ہونے چاہئیں۔ تاکہ زمین کی وراثت کے وہ مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ

خریداروں اور مضمون نگاروں کے لئے ضروری ہدایتیں

(۱) اسوۂ حسنہ دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے قسم اول کا چندہ سالانہ عہ اور قسم دوم کا عہ ہر حال پیشگی آنا چاہیئے۔ (۲) جن حضرات کے پاس رسالہ نمونۃً پہنچے انہیں براہ کرم اپنے ارادہ خریداری و عدم خریداری سے بواپسی ڈاک دفتر کو مطلع کر دینا چاہیئے (۳) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو ضرور شائع ہو جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیئے۔ ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے ایک پرچہ کی قیمت ۳ ہے۔ (۴) چندہ کی میعاد ختم ہو جانے پر اگر خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع موصول ہوئی تو ہم وی۔ پی بھیجکر آئندہ سال کے لئے چندہ وصول کر لینے کے مجاز ہونگے (۵) خط و کتابت میں نام و پتہ نہایت صاف مفصل اور واضح لکھنا چاہیئے۔ اور نمبر خریداری کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہیئے **قلمی معاونین** کو مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے۔ (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں (۳) آیات کے لئے سورت اور رکوع اور احادیث کے لئے مستند کتب حدیث کا حوالہ ضرور دیں (۴) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لئے نہ بھیجیں جو غیر ضروری۔ بے نتیجہ۔ یا غیر محققانہ ہوں۔ یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحتاً یا کنایتاً منافی ہوں یا جن میں لفاظی اور تخیل زیادہ اور مفید اصلاحی مطالب کم ہوں یا جن میں مناظرہ اور تردید کا رنگ غالب ہو (۵) جو مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کے لئے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اسکی تصریح کر دینی چاہیئے۔ ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری اخلاقاً و قانوناً ان پر عاید ہوگی (۶) مضمون لکھنے سے پہلے رسالہ کے مقاصد معلوم کر لیں +

(منیجر)

اسوۂ حسنہ کی مدد آپ کن طریقوں سے کر سکتے ہیں؟

جو حضرات اسوۂ حسنہ کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اسکی ترقی کے خواہاں ہیں ہم ان کے سامنے وہ وسایل و ذرایع پیش کرتے ہیں جن سے زندہ اور متمدن قومیں اپنے قومی اخبارات و رسایل کی امداد و اعانت کرتی ہیں۔ انہی وسایل و ذرایع سے ہندوستان میں بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ رضاکاروں کی ایک معقول تعداد اسطرف متوجہ ہو جائے +

(۱) رسالہ خود خرید کر۔

(۲) اعزا و احباب اور متوسلین کو خریدار بنا کر۔

(۳) مریدوں۔ شاگردوں۔ معتقدوں۔ اور دوستوں کے نام ایک کھلا خط لکھ کر کہ اسوۂ حسنہ ایسا رسالہ ہے۔ اور مسلمانوں کی ایسی خدمت کر رہا ہے۔ لہذا اسکو خریدنا چاہیئے۔ (یہ خط قلمی ہمارے پاس بھیج دیجئے ہم اسکی نقلیں نمونوں کے ساتھ روانہ کر دیا کرینگے)

(۴) ملکی مجالس اور خطبوں و مواعظ میں اسوۂ حسنہ کی قومی خدمات کا تذکرہ کرکے۔

(۵) غیر مستطیع اصحاب کے نام رسالہ رعایتی قیمت میں جاری کرا کر۔

(۶) اپنے شہر کے کتب فروشوں یا دیگر متلاشیان ملازمت و روزگار کو اس بات پر آمادہ کرکے کہ وہ ہر مہینہ اسوۂ حسنہ کی دس بیس کاپیاں منگا کر متفرق طور پر کمیشن پر فروخت کریں۔ اور نفع اٹھائیں۔

(۷) ہر قسم کے تاجروں کو اس امر کی ترغیب دیکر کہ وہ اپنے اشتہارات اسوۂ حسنہ میں بھی چھپوائیں۔ کیونکہ یہ رسالہ کثیر الاشاعت اور مقبول و ہر دلعزیز ہے۔ اور اشتہارات کی اجرت طبع و اشاعت بھی بہت کم لیتا ہے +

(۸) جن چیزوں کا اشتہار اسوۂ حسنہ میں شائع ہو ان کی فرمایشوں میں اسوۂ حسنہ کا حوالہ دیکر تاکہ تاجروں کو اسوۂ حسنہ میں اشتہار دینے کا نفع بین طور پر معلوم ہو۔

(۹) ملک کے مشہور و معروف اور نوعمر مضمون نگاروں کو اسوۂ حسنہ کے لیئے مضامین لکھنے پر آمادہ کرکے۔

(۱۰) اس امر کا اعلان کرکے کہ فلاں موضوع یا فلاں عنوان پر اسوۂ حسنہ کی فلاں ایک جلد میں جس قدر مضامین چھپیں گے ان میں جو مضمون سب سے بہتر ہوگا۔ اسکے لکھنے والے کو اتنا انعام دیا جائے گا۔ (یہ طریقہ نہایت مفید ہے اور متمدن ممالک نے اس سے بہت فایدہ اٹھایا ہے) موضوع و عنوان کے انتخاب میں رسالہ کے مقصد کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

(۱۱) انگریزی عربی اور فارسی کی ایسی کتابیں رسالہ کیلئے مہیا کرکے جنکے تراجم کی اشاعت فی زماننا مسلمانوں کے لیئے دینی یا دنیاوی نقطۂ نظر سے نہایت مفید ہو۔

(۱۲) رسالہ کے صوری و معنوی نقائص کی اصلاح کے متعلق قیمتی مشورہ دیکر۔

بہت جلد ضرورت ہے

مندرجۂ ذیل کتب کی بہت جلد ضرورت ہے اگر ناظرین اسوۂ حسنہ میں سے کسی صاحب کے پاس موجود ہوں تو قیمتاً یا مستعار عنایت فرمائیں۔ (۱) اقتباس الانوار من کلام الغفار مصنفہ مولوی حبیب احمد صاحب نومسلم مطبوعہ صدیقی لاہور (۲) تبویب القرآن مصنفہ مولوی وحید الزمان خان صاحب حیدرآبادی (۳) انڈکس قرآن مجید مصنفہ ڈاکٹر احمد شاہ عیسائی +

(مینیجر اسوۂ حسنہ میرٹھ)

بلاوجہ وی۔پی واپس کرنیوالوں کو تنبیہ

جن شرائط پر ہم اسوۂ حسنہ اپنے معزز خریداروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں وہ ہر مہینہ ٹائٹیل کے دوسرے صفحہ پر ضوابط و ہدایات کے تحت میں چھاپی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ جو صاحب اسوۂ حسنہ کو ایک مرتبہ خرید لیتے وہ ہمارے نزدیک اس کے دائمی اور مستقل خریدار متصور ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ درمیان میں خریداری جاری نہ رکھنے کی باضابطہ اطلاع دفتر کو نہ دیدیں یعنی اگر سال خریداری یا میعاد چندہ ختم ہونے پر کوئی صاحب پرچہ بند کرنا اور خریداری سے مستعفی ہونا چاہیں تو ضابطہ رسالہ کی رو سے ان کا فرض ہے کہ وہ ہم کو مطلع کر دیں کہ آئندہ ان کو پرچہ نہ بھیجا جائے۔ اور ان کا نام رجسٹر خریداران سے خارج کر دیا جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرینگے تو ہم سال آیندہ کی قیمت پیشگی وصول کرنے کی غرض سے رسالہ وی پی بھیجنے کے بالکل جائز و قانوناً مجاز متصور ہوں گے۔ اور اگر بلا کسی معقول وجہ کے یہ وی۔پی واپس آئے گا۔ تو ہمارے نقصان و حرج کی ذمہ داری قانوناً شرعاً اخلاقاً و عرفاً واپس کرنے والے خریدار پر عاید ہوگی۔

پس ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کی نسبت کیا کہیں جو مروجہ بالا شرط کے پابند ہوکر اسوۂ حسنہ خریدتے ہیں۔ میعاد چندہ ختم ہونے پر ترک خریداری کے ارادہ سے دفتر کو مطلع نہیں کرتے۔ اور جب مطبوعہ جوابی کارڈ بھیجکر ان سے درخواست کیجاتی ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ آیندہ رسالہ کی خریداری جاری نہیں رکھ سکتے تو براہ کرم ہمکو اطلاع دیدیں۔ تو جواب تک نہیں دیتے۔ مگر باینہمہ جس وقت رسالہ وی۔پی بھیجا جاتا ہے تو بلا کسی معقول وجہ اور بلا کسی عذر و معذرت کے نہایت بے پروائی سے اسے واپس کر دیتے ہیں۔ اور ایک قومی رسالہ کو جو پہلے ہی شدید مالی نقصان کے بوجھ میں دبا ہوا ہے اور زیادہ زیر بار کرنا معیوب نہیں سمجھتے۔ ایک وی پی کے تیاری اور روانگی میں علاوہ اس محنت اور وقت کے جو فارم لکھنے، ٹکٹ لگانے اور رجسٹر کی خانہ پری میں صرف ہوتا ہے۔ سوا آنہ ڈاک کے ٹکٹ بھی لگتے ہیں گویا وی پی واپس کرنے والے اصحاب اپنے ایک پیسہ کی وجہ سے ہمیں پانچ پیسے کا نقصان اور ڈاکخانہ کو فائدہ پہنچانا گوارا کر لیتے ہیں۔ جو کم از کم اسوۂ حسنہ جیسے رسالہ کے خریداروں کے شایان شان نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم میں کاہلی۔ لاپروائی اور بدمعاملگی کا مرض روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اور اب حالت اس قدر خطرناک ہوگئی ہے کہ مریضوں کو اپنے مرض کا احساس بھی نہیں رہا۔ وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ ہم بھی کسی مہلک روحانی مرض میں مبتلا ہیں۔ جسکا علاج اگر جلد نہ کیا گیا۔ تو ہماری شخصی و قومی زندگی کا خاتمہ یقینی ہے۔ مولنا حالی نے ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرمایا ہے۔ ؎

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا | مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا | کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

مگر وہ مرض جسکو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اسکو ہذیان سمجھیں

سبب یا علامت گر ان کو سمجھائیں | تو تشخیص میں نقص نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں | یونہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں

طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

پس ہم نہ صرف اپنے مالی نقصان کے خیال سے بلکہ قوم سے کاہلی لاپروائی اور بدمعاملگی کی قبیح عادات چھڑانے کے لیئے بھی بادل ناخواستہ اس امر کا اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اگر آیندہ کوئی صاحب بلاوجہ وی پی واپس کر دینگے اور مبلغ دو آنہ بابت اس نقصان و حرج کے جو وی۔پی کی واپسی سے ہم کو پہنچیگا نہیں ادا کرینگے تو ہم نہایت افسوس کے ساتھ ان کا نام مع پتہ ناظرین رسالہ میں شائع کر دینگے۔ اور اگر اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو شاید ہمیں چند حضرات کے خلاف دوسروں کی تنبیہ و عبرت کے لیئے عدالتی کارروائی بھی کرنی پڑے گی

امید ہے کہ ہمارے نہایت معزز و محترم ناظرین میں سے کوئی صاحب ہم سے یہ ناگوار خدمت لینا پسند نہیں کرینگے ہم اس کے لیئے مجبور نہیں کرتے کہ آپ خواہ مخواہ **اسوۂ حسنہ** خریدیں ہی۔ البتہ اسکے لیئے مجبور کرتے ہیں کہ اگر آیندہ آپ نہ خریدنا چاہیں تو ہم کو مطلع کر دیں۔ ورنہ ہمارا بھیجا ہوا وی پی وصول کر لیں یہ کچھ سخت مطالبہ نہیں ہے + نیازمند منیجر اسوہ حسنہ

تصحیح

گزشتہ پرچہ کی حسب ذیل غلطیاں تصحیح کر لیجئے۔ ماہی ضمیمہ کی سطر ۱۹ میں "خواجہ اظہر عباس" کی بجائے "خواجہ غلام عباس" چھپ گیا ہے "غلام" کا لفظ کاٹ کر "اظہر" بنا لیجئے +

امرتسر کے ماہوار رسالہ شریف میگزین کے اردو ایڈیشن کی سالانہ قیمت ع۸ ہے۔ صفحہ ۳۹۔ کالم ۱۔ سطر ۲۔ میں اس رسالہ کی قیمت ع۱۲ لکھی گئی ہے جو غلط ہے +

معاونین اسوۂ حسنہ کا شکریہ

اس خود غرضی اور نفسا نفسی کے زمانہ میں ایسے مقدس نفوس بہت کم ہیں جو دوسروں کے نفع کے لیئے خود نقصان اٹھاتے اور دوسروں کی راحت کے لیئے خود تکالیف برداشت کرتے ہیں۔ مگر ہم مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ وعزاسمہٗ کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اسوۂ حسنہ کے لیئے بے ریا اور مخلص رضا کاروں کی ایک ایسی واجب الاحترام جماعت مہیا فرمادی ہے کہ جو اسوۂ حسنہ کو فائدہ پہنچانے اور اسکا دائرۂ اشاعت وسیع کرنے میں بہت بڑے ایثار سے کام لے رہی ہے۔ اور نہایت مستعدی اور جانفشانی کیساتھ رسالہ کی ترقی میں کوشاں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان باہمت نفوس کی مساعی کو مشکور فرمائے۔ آمین بحرمتہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ جن محترم معاونین کی کوششوں کے نتائج اخیر اگست اور شروع ستمبر میں ظاہر ہوئے ہیں ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔ ہم ان تمام حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور ناظرین سے ان کے لیئے دعائے خیر کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ امید ہے کہ دوسرے حضرات بھی اس نیک کوشش میں حصہ لیکر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں گے۔

جناب علی گوہر صاحب کوہاٹ ۱۔ جناب منشی امام صاحب بڈگام ۱۔ جناب شیخ امین الدین صاحب شاہگنج ۱۔ جناب مولوی چودہری غلام محی الدین صاحب ۱۰۔ جناب حاجی منیر خان صاحب ۱۔ جناب لنا نامی کوہ سوار صاحب نظامی ۲۔ جناب حکیم محمد غوث محی الدین صاحب ۱۔ جناب منشی اوصاف علی صاحب شاذلی ۱۔ جناب منشی عبدالرحمن صاحب ۱۔ جناب محمد عبدالغنی صاحب بدایونی ۱۔ جناب محمد عبدالکریم صاحب کلرک انچی جنگلات ۱۔ جناب منشی اصغر علی صاحب سب انسپکٹر ۱۔ جناب مولوی نذیر احمد صاحب نعمانی ۱۔ جناب منشی صالح محمد صاحب ڈاکخانہ ملتان فورٹ ۲۔ جناب منشی عبدالعزیز صاحب ۲۔ جناب قاضی محمد سعید صاحب ۱۔ جناب محمد عبدالحمید صاحب سب انسپکٹر کوتوالی ۵۔ جناب حسن علی صاحب ۱۔ جناب سید محمد حسین صاحب ناظر گرز صاحب ۵۔ جناب منشی نصیر الدین صاحب محرر عدالت ۱۔ جناب منشی محمد رحمت اللہ صاحب شاکر قادری نظامی ۱۔ جناب عبدالغفار ابن عبدالکریم صاحب ۴۔ جناب منشی صلاح الدین صاحب فیروز آبادی ۳۔ جناب منشی محمد نہال احمد صاحب ضلعدار ۱۔ جناب منشی وحی الدین احمد صاحب ۲۔ جناب مرزا محمد نامر بیگ صاحب ۲۔ جناب مولوی محمد حبیب صاحب چشتی دورانی ۱۔ جناب عبداللہ صاحب سب کمانڈر ۱۔ جناب فضل الرحیم علی صاحب بالکنڈا۔ جناب محمد عبدالرحمن صاحب سوداگر چرم ۱۔ جناب مولوی حکیم غلام غوث صاحب ۱۔ جناب محمد ادریس صاحب تحصیلدار جناب لنا اوتی صاحب گیلانی ۱۔ جناب مولوی خیر الدین احمد صاحب کرد ۱۔ جناب سید اصغر حسین صاحب ۴۔ جناب بابو الٰہی بخش صاحب بمبئی ۱۔ جناب عبدالغفار صاحب خان ۱۔ جناب منشی رحمت علی صاحب ۱۔ جناب یوسف صاحب حاجی ۱۔

انعامی اعلان

شیخ زین العابدین صاحب رئیس میرٹھ نے علمی دلچسپی۔ قومی ہمدردی اور اُس محبت کے تقاضے سے جو انکو اسوۂ حسنہ کے ساتھ ہے۔ ہمیں یہ اعلان کرنے کی اجازت دی ہے کہ اسوۂ حسنہ کی جلد رواں میں "معیار تقدس" کے موضوع پر جس قدر مضامین شائع ہوں گے ان میں جو مضمون مجموعی حیثیت سے بہترین سمجھا جائے گا اوس کے قابل مصنف کو وہ اپنی طرف سے مبلغ ۲۵ روپے نذر کریں گے مضمون میں حسب ذیل امور کے متعلق خصوصیت کیساتھ تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) قرآن اور حدیث نے تقدس کا معیار کیا قرار دیا ہے (۲) قرون اولےٰ اور قرون وسطےٰ میں تقدس کا معیار کیا تھا (۳) اس زمانہ کے مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور طبقوں میں تقدس کا معیار کیا ہے۔ اور اِس کی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے۔

بہترین مضمون کا انتخاب ایڈیٹر اسوۂ حسنہ کے مشورہ سے خود شیخ صاحب موصوف کرینگے۔ امید ہے کہ اسوۂ حسنہ کے محترم قلمی معاونین شیخ صاحب کے مقرر کردہ اہم انعامی موضوع پر طبع آزمائی اور قلم فرسائی شروع کردینگے۔

رسالہ اُسوۂ حسنہ ٹھٹھہ بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء مطابق ۲۰ شوال المکرم ۱۳۳۳ھ لغایۃ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

جلد ۳　　فہرست مضامین　　نمبر ۲

فہرست مضامین

نہایت ضروری اعلان

جن حضرات کا سال خریداری اس پرچہ کے پہنچنے پر ختم ہو جائے گا اگر وہ آیندہ سال کے لیے خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں تو براہ کرم مبلغ ۲ بذریعہ منی آرڈر سالانہ ارسال فرمائیں اگر آخیر اگست ۱۹۱۵ء تک سال آیندہ کی قیمت موصول نہ ہوئی اور کوئی انکاری اطلاع بھی دفتر میں نہ پہنچی تو ضابطہ دفتر کے بموجب اکتوبر ۱۹۱۵ء کا رسالہ وی-پی بھیجکر سالانہ قیمت معہ قیمت وعدہ کے خریداروں سے اور مبلغ ۲ قسم اول کے خریداروں سے وصول کر لی جائے گی - اگر آپ کسی مجبوری سے آیندہ سال کے لیے رسالہ نہیں خرید سکتے تو براہ کرم ڈاک ایک کارڈ لکھ کر ہمکو مطلع کر دیجئے کہ آیندہ آپکے نام اُسوۂ حسنہ وی-پی نہ بھیجا جائے - ایک پیسے کا کارڈ لکھدینے میں آپکا اتنا نقصان نہیں ہوگا جتنا کہ وی-پی کے واپس آنیسے ہم کو تکلیف اور زیر باری ہوگی - ہمارا اور آپکا ایک سال سے تعلق ہے - اُمید ہے کہ آپ اس تعلق کا خیال رکھیں گے - اور وی-پی واپس کر کے خواہ مخواہ ہم کو نقصان نہیں پہنچائیں گے ✦ (مینیجر)

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۞ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم و معاصی کیے اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں پھر ان کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے زمین میں تم کو جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو

اُسوۂ حسنہ

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(قرآن بڑی) برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے (اس کے مطالب) نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

زکوٰۃ یا اسلامی خیرات و صدقات

زکوٰۃ کا چوتھا مصرف

گردنوں کا آزاد کرنا اسلام نے زکوٰۃ کے مصارف میں رکھا ہے وفی الرقاب۔ یعنی قیدیوں کو دشمنوں کی قید سے۔ اور مسلمان غلاموں کو غیر مسلم مالکوں کی غلامی سے فدیہ دیکر چھڑانا۔ کوئی مذہب سوائے اسلام کے ایسا نہیں جس نے غلاموں کی آزادی کے لیے باضابطہ طور پر ایک حصہ رکھا ہو جس طرح مساکین کا لفظ عام ہے اسی طرح رقاب کا لفظ بھی عام ہی ہونا چاہیئے۔ یعنی مسلمان غلاموں کو آزاد کرانا۔ اور اُن لوگوں کو تکالیف سے چھڑانا جو غلام کے حکم میں ہوں۔ مثلاً مسلمان قیدی جن کو دشمنوں نے قید کر لیا ہو۔ اور وہ مقروض جو قرض خواہوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوں۔ اور ان کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا ہو۔ اور غیر مسلم غلاموں کو بھی رہا کرانا اگر اسمیں داخل کر لیا جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ ناانصاف مالکوں کے ہاتھ میں ایذائیں اٹھا رہے ہوں۔ اور ان کے آزاد ہو جانے کی صورت میں مسلمانوں کو کسی قسم کے ضرر کا بھی احتمال نہ ہو یا خود حصولِ ثواب مقصود ہو تو کچھ ہرج نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس حکم میں ہر وہ غلام کہ جو دشمنوں کی قید میں ہو۔ فدیہ دیکر اسکا رہا کرانا داخل ہے۔ بلکہ حکم ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنکو جہالت و تاریکی نے اپنا غلام بنا لیا ہے انکو بھی تعلیم کے ذریعے سے آزاد کراؤ۔ اور یہ پوری آزادی انہیں حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ان کی تعلیم کا انتظام خود مسلمان نہ کریں جب تک اسلامی یونیورسٹی قایم نہ ہو۔ یہ سب آزادیاں داخل فی الرقاب ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام غلامی کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو حقیقت حال سے آگہی نہیں۔ وہ پکے اسلام سے بے خبر ہیں اسلیئے ایسا کہتے ہیں ورنہ اسلام جیسی آزادی و ہمدردی کسی دین میں نہیں۔ اور یہ خالی دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت الامر میں ایسا ہی ہے۔

اسلام نے غلامی کو مٹانے کی راہیں نکالی ہیں۔ اور اُسکا منشاء غلامی کو موقوف کرنے کا ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ان غلاموں کو جو مدتوں سے رسن غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ قرآن کریم نے فوراً ہی آزادی دیدینا مناسب نہیں سمجھا۔ ان لوگوں کے نہ گھر بار تھے۔ نہ جائدادیں تھیں۔ نہ تجارتیں تھیں اور نہ عموماً کوئی ہنر ہی اُنکو آتا تھا پس ان سب کے یک دفعہ آزاد کرنے میں نہ صرف مالکوں کو ہی ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑتا۔ بلکہ ان کی اپنی حالت بھی اور پستی کی طرف چلی جاتی۔ اور اُنکو ذلیل پیشے اختیار کرنے پڑتے۔ اور سوسائٹی پر اسکا بہت بُرا اثر پڑتا۔ نہ ان کے رہنے کے لیئے مکان ہوتے۔ اور نہ روزی کمانے کا کوئی عمدہ ذریعہ ان کے ہاتھ میں ہوتا۔ ان کی اس گری ہوئی حالت کی اصلاح ان کو فوری آزادی دینے سے نہیں ہوسکتی تھی پس ان کے لیئے اسلام نے حکیمانہ دور اندیشی سے ایسا طریق سوچا جس سے ان کی حالت بھی سنورنے لگی۔ اور تدریجی طور پر ان کو آزادی بھی ملنی شروع ہوگئی۔ وہ ذلت جو غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی۔ اور جو سب بدیوں کی جڑ تھی وہ اخوت کو قایم کرکے نابود کردی گئی۔ اور پھر انکو تعلیم دینے اور ہنر سکھانے کا اہتمام اور ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام بھی کیا گیا۔ اسی واسطے صدقات کے روپے کا مصرف ایک یہ بھی رکھا گیا کہ اس سے غلاموں کو آزاد کرایا جائے۔ تواریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ لڑائیاں انسان کی ابتدائی ترقی میں اس کی موجودہ حالت سے بڑھ کر ضروری ہی ہیں اور انہی جنگوں کے لوازمات میں سے ایک غلامی بھی تھی۔ بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی کا ایک بہت بڑا سبب تھا۔ کیونکہ اس رواج کے جاری ہونے سے وہ بے رحمی جاتی رہی۔ جو اسیران جنگ کو قتل کردینے کی محرک ہوا کرتی تھی۔ اسیران جنگ کے قتل کی بجائے ان کے غلام بنالینے کے رواج کی تدریجی ترقی اسرائیلی شریعت میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اگرچہ اسرائیلی شریعت میں بہت کچھ ترقی غلاموں کے ساتھ نیکی کی تھی۔ مگر عام اشتعال کا یہ تھا۔ کہ مالک کے ساتھ سخت دلی اور مملوک کے ساتھ ذلت لگی ہوئی تھی۔ عیسائی مذہب نے باوجود ان بڑے بڑے دعوؤں کے جو آج پادری صاحبان منبروں پر چڑھ کر کر رہے ہیں۔ ان مضرات کے روکنے یا ان کی اصلاح کی کوئی تدبیر نہ بتائی۔ یہ اسلام ہی کا حصہ تھا کہ اُسنے پہلے تو غلاموں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کیا کہ جس سے آقا اور غلام میں کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ اور بعدہٗ ان کی آزادی کے لیئے ایسے طریقے تجویز کئے کہ یہ رسم ہی جہان سے اُٹھ جائے اور کسی کی گردن میں غلامی کا طوق باقی نہ رہے۔

یہ ایک طبعی امر ہے کہ قوموں میں اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور متخاصمین اثنائے جنگ میں مخالف قوم کے افراد کو اگر موقع ملتا ہے تو پکڑ لے جاتی ہیں ایسی حالت میں یہی کیا جاتا ہے کہ زبردست فریق سے کچھ قیدی تو قیدیوں کے عوض میں۔ اور باقی نقد جنس دے دلاکر رہا کرا لیئے جاتے ہیں۔ اور یہی مصلحت بھی ہوتی ہے کہ جس طرح ہوسکے اپنے آدمیوں کو رہا کرالیا جائے۔

چونکہ اس فدیہ میں مصلحت قومی ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اسکا حکم دیا ہے کہ جو مسلمان دشمنوں کے ہاتھ پڑجائیں۔ اور وہ اُنہیں آزاد نہ کریں تو زکوٰۃ کے روپیہ سے فدیہ ادا کرکے اُنکو چھڑایا جائے۔ اسلیئے کہ جو لوگ حمایت قوم کے لیئے سر بکف ہوکر نکلیں اور مصالح قومی کی حفاظت میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کریں۔ اور پھر کسی اتفاق سے دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہوجائیں تو کیا ان کا اتنا بھی حق نہیں ہے۔ کہ قوم کے متمول روپیہ جیسی آنے جانے والی چیز سے ان کی مدد کریں قوم کا فرض ہے کہ اپنے آپ کو جوکھوں میں ڈالے اور انکو چھڑائے۔ اس کے علاوہ اُن کے چھڑانے میں خود قوم ہی کا فائدہ ہے۔ اور نہ چھڑانے میں اسی کا نقصان یہ نقصان تو ظاہر ہے کہ فدائیوں کی ایک جماعت ہاتھ سے جاتی رہی جس کی تلافی کوئی آسان بات نہیں ہے۔ مگر اخلاقی و معنوی نقصان اس سے بڑھکر ہے کہ قوم کے دل چلوں اور شجاعوں کے حوصلے پست ہوجائیں گے اور وہ کہیں گے کہ جب قوم کا یہ حوصلہ اور دم ہے تو پھر ایسی بے مروت کے لیئے جان جوکھوں میں ڈالنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ یہی خیال غیر جنگی افراد کے قید ہوجانے اور قوم کے ان کی طرف سے بے پرواہ رہنے اور اُنکو آزاد نہ کرنے سے ہوگا۔ اور جب قوم پر مردنی چھا گئی۔ اور نفسا نفسی کی وبا پھیل گئی تو پھر وہ قوم کیا قوم ہے۔ اور کیا اسکا تمدن ہے برخلاف اسکے اگر قوم اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے درپے رہے۔ اور ان کی آزادی کی خاطر مال کے خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے۔ تو پھر افراد قوم میں حوصلہ ہوگا۔ اور وہ اپنے اپنے ابنائے قوم کے مصالح و حقوق کی نگہداشت میں ہرگز کسی پیش آیند وسوسہ کے باعث آگے بڑھنے سے باز نہ آئیں گے۔ اور یوں قوم میں دلیری و جرأت اور جوش حمیت و ولولۂ مروت جیسے اوصاف نہ صرف باقی رہیں گے بلکہ بڑھتے جائیں گے۔

قومی انحطاط و ترقی کا ایک کھلا تجربہ یہ ہے۔ کہ جو قوم اٹھتی ہے تو کل افراد قوم میں یکبارگی دلیری و جرأت اور جوش حمیت اور ولولۂ مروت پیدا ہوجاتا ہے اور جب زوال آتا ہے تو کل قوم میں سستی اور کاہلی۔ بےمروتی اور پست ہمتی چھا جاتی ہے پس ان اوصاف کو زندہ رکھنے کے لیئے اسلام نے حکم دیا۔ کہ غلاموں کو

آزاد کرانا تمہارا فرض ہے۔ اور اُن پر اپنا مال کو تصدق کرنا تمہارا ایمانی کام ہے بلکہ غلاموں کے ساتھ برادرانہ مساوات رکھنا اور ان سے حسن سلوک کرنا مومن کی نشانی ہے۔

جو لوگ صاحبِ مرتبہ یا صاحب ثروت ہیں۔ وہ غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ حقارت سے دیکھنے کی عادت ان مغربی اقوام میں سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ جنکو اس بات پر فخر ہے کہ ہم نے غلامی کے رواج کو دنیا سے نابود کر دیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ غلامی کا نام تو انہوں نے دور کر دیا ہے۔ مگر اُسکی حقیقت اب بھی نوکر اور آقا کے تعلقات میں ویسے ہی پائی جاتی ہے اور نام کی تبدیلی سے حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ ایک مہذب یورپین جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے۔ تو وہ اُسکے ساتھ ایک وحشی سے بھی بدتر سلوک کرتا ہے۔ خصوصاً اس حالت میں جب ملازم کا پیشہ ادنےٰ درجہ کا ہو۔ اگر غلامی کے موقوف کرنے سے بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے میں کر سکتا ہے اُسکو روکا جائے۔ اور ان لوگوں کو جو غلام کہلاتے ہیں ان کی ذلیل حالت سے نکالکر دوسرے انسانوں کی طرح سمجھا جائے۔ تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یورپ میں سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہیں ہوا۔ اور ابھی تک یورپ نے وہ مقصد حاصل نہیں کیا۔ جو اسلام اس سے تیرہ سو سال پہلے حاصل کر چکا ہے۔ اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کاموں میں اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت میں شریک ہو گیا۔ اور اس طرح اسلام نے انکو غلامی کے پھندے سے قطعاً آزاد کر دیا۔ اور نہ صرف برائے نام بلکہ عملی اور حقیقی طور پر اُسکو جڑ و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینکدیا۔

اسلام کی عام اصول مساوات کو چھوڑ کر اب ذرا آقا اور غلام کے عملی تعلقات پر بھی غور کرنا چاہیئے حضور رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ و السلام تمام مسلمانوں کے آقا اور سردار تھے۔ تاہم آپ نے عام مسلمانوں حتیٰ کہ غلاموں سے اپنے لیئے کبھی کوئی زیادہ امتیاز نہیں چاہا۔ ایک سفر میں کھانا پکانے کے لیئے صحابہ نے کام تقسیم کر لیئے۔ باوجودیکہ آپ کے غلام بھی ہمراہ تھے۔ مگر جنگل سے لکڑیاں لانے کی خدمت سرورِ کائنات نے خود اپنے ذمہ لی۔

حضرت انس جو آپکے خادم تھے دس برس خدمت نبوی میں رہے لیکن ان کا بیان ہے کہ اس مدت طویل میں جتنی خدمت آپ کی کی اُس سے زیادہ آپ نے میری کی۔ مساوات کا یہ عالم تھا کہ وہی حضرت انس فرماتے ہیں "ما قال لی فی شیئ لما فعلت" یعنے جھکانا نہ کام لینا یا جھڑکی دینا تو بڑی بات ہے کبھی حضور انور نے اتنا بھی نہیں کہا۔ کہ فلاں کام یوں سے یوں کیوں کیا؟

ایک صحابی نے اپنے غلام کو مارا تو آپ نے فرمایا "یہ تمہارے بھائی ہیں جنکو خدا نے تمہارے ہاتھ میں دیا ہے جو خود کھاؤ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہ انکو پہناؤ۔"

اسلام نے نہایت شدت کے ساتھ اس سے روکا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو خواہ وہ کیسا ہی ادنےٰ درجہ کا کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔ غلام اور باندی کہے کیونکہ سب خدا ہی کے غلام ہیں۔ اسی طرح غلاموں کو فرمایا کہ اپنے مربیوں کو آقا نہ کہیں کہ مساوات اسلامی میں اُس سے فرق آتا ہے۔ چنانچہ یہ ایک صحیح حدیث کا مضمون ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے یہ نہ کہے اطعم ربک وضئ ربک واسق ربک بلکہ یوں کہے سیدی و مولائی۔ اور نہ کوئی شخص تم میں سے یہ کہے کہ عبدی او امتی بلکہ وہ یوں کہے فتای او فتاتی (بخاری شریف کتاب اللقطہ)

ایک بار ایک صحابی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے خطاب کیا۔ کہ "اے آقائے من"! آپ نے فرمایا "مجکو آقا نہ کہو۔ آقا تو ایک ہی ہے یعنی خدا۔"

بتاؤ کونسا ایسا اور انسانوں کا ہمدرد پیدا ہوا ہے۔ یا کونسا مصلح ہے جسنے ایسی کامل اخوت آقا اور غلام میں پیدا کی۔ جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی رنگ میں ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک سا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو یہی نہیں بلکہ غلاموں کی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے جب ہم آپ کے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہیں کہ:۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْلَا الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْحَجُّ وَبِرُّ اُمِّیْ لَاَحْبَبْتُ اَنْ اَمُوْتَ وَاَنَا مَمْلُوْكٌ

قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد اور حج اور ماں کے ساتھ نیکی نہ ہوتی تو میں پیار کرتا کہ غلامی کی حالت میں مروں۔ (بخاری شریف)

پھر غلام محض حیوان کی طرح ایک گونگا کارکن نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کا سچا مشیر قرار دیا گیا ہے۔ غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہیں رکھا گیا۔ کہ ان سے کام لیا جائے۔ اور ان کے ساتھ نیکی کیجائے بلکہ ان کی عمدہ پرورش کے لیئے بھی جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ و السلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا کہ:۔

اَیُّمَا رَجُلٍ کَانَتْ لَهٗ جَارِیَةٌ فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَهَا وَاَعْتَقَهَا

جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اُس کی تادیب کرے یعنی اسے اعلیٰ درجہ کے نیک اخلاق

وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ ۝ (بخاری شریف)	تربیت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اسکے بعد اسکو آزاد کر دے اور اس سے نکاح کر لے تو ایسے شخص کیلئے دو اجر ہیں

اس حدیث کی طرف میں خصوصیت سے اُن کوتاہ نظروں کو توجہ دلاتا ہوں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے وہ غور کریں کہ آزاد عورتیں تو ایک طرف ہیں اسلام تو لونڈیوں کے متعلق یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دیجائے۔ اس حدیث سے نہایت صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا منشاء غلاموں اور لونڈیوں کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔ اور ان تمام دلائل سے یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام میں غلام کو غلام سمجھا ہی نہیں گیا۔ بلکہ اسکے کام کو الگ چھوڑ کر جو اسکے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے۔

خلفائے راشدین جو تعلیم اسلامی کے زندہ پیکر تھے۔ ان کا بھی ہمیشہ یہی طرز عمل رہا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اور ان کا غلام سفر بیت المقدس میں باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ بیت المقدس کے جب قریب پہنچے تو غلام کی باری تھی۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ سوار ہوں کہ شہر نزدیک آ گیا آپنے نہ مانا۔ اور آخر خلیفہ اسلام بیت المقدس میں اسطرح داخل ہوئے کہ اُس کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی۔ اور اونٹ پر اسکا غلام سوار تھا۔ حالانکہ یہ وقت تھا جبکہ تمام شہر خلیفہ اسلام کی شان و عظمت کا تماشا دیکھنے کے لیے امنڈ آیا تھا یہ واقعہ مشہور ہے تفصیل کی ضرورت نہیں۔

واقعہ جنادین میں رومی سپہ سالار نے ایک جاسوس مسلمانوں کے دریافت حال کے لیئے معسکر اسلام میں بھیجا۔ جاسوس اسلام کے ان سچے نمونوں کو دیکھکر جب واپس گیا۔ تو رومی سپہ سالار سے ایک تحیر کے عالم میں بول اٹھا :۔

هُمْ بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ لَوْ سَرَقَ ابْنُ مَلِكِهِمْ قَطَعُوهُ وَإِذَا زَنَى رَجَمُوهُ	یہ لوگ راتوں کو استغراق عبادت میں راہب ہوتے ہیں۔ مگر دن کو شہسوار اگر ان کا شہزادہ بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں اور اگر زنا کرے تو اُسے بھی رجم کریں (ان میں آقا اور غلام کی کوئی تمیز نہیں)

خصائص مسلم کی یہ اصلی تصویر تھی۔

ایک دفعہ حضرت رسالتماب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسیران جنگ میں سے ایک اسیر کو صحابی ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کو بطور غلام کے دیا اور اُسے نصیحت کی۔ کہ اس سے نیک سلوک کرے۔ یہ صحابی اس غلام کو لے کر گھر گیا۔ اور اپنی بی بی سے کہا کہ حضورؐ نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ یہ نصیحت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا۔ میاں اس نصیحت پر تم پورا عمل کیونکر کر سکتے ہو۔ سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کر دو۔ چنانچہ انہوں نے وہ غلام اسیوقت آزاد کر دیا۔

ابو مسعود انصاری رضؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ ناگہاں اپنے پیچھے سے یہ آواز سُنی کہ "ابو مسعود یاد رکھو۔ کہ جس قدر طاقتور حاکم تم اسپر ہو اس سے زیادہ حاکم خدا تمپر ہے" ابو مسعودؓ کہتے ہیں جب میں نے پھر کر دیکھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے اسی وقت اسکو خدا کے لیئے آزاد کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو تم آگ میں گرتے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپؓ نے ایکدفعہ دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اسکا غلام اسکے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے آپنے فرمایا۔ اسے اپنے پیچھے بٹھا لو۔ کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ اور اسکی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے"

حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا یہ پیارا قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ میں شرمندہ ہوتا ہوں جب میں ایسے آدمی کو غلام بنا کر رکھتا ہوں کہ جو کہتا ہے کہ "اللہ میرا رب ہے"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپنے ایک غلام کی نافرمانی کی وجہ سے اسکا کان مروڑا۔ پھر اپنے فعل سے توبہ کی۔ اور اسی غلام کو کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اُس نے انکار کیا۔ آپنے اصرار کیا تو اُس نے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا۔ آپنے کہا زور سے مروڑ۔ کیونکہ میں قیامت کے دن کی سزا برداشت نہیں کر سکتا۔ غلام نے جواب دیا "اے میرے آقا! جس دن سے تو ڈرتا ہے اُسی دن سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

غرضاً اسلام نے غلامی کو اڑانے کی حد سے زیادہ سعی کی ہے۔ اور عملی زندگی میں اسکو دنیا سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ تیرہ سو سال گزر چکے ہیں جب پہلے ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتیں جاری کیں۔ اور نہ صرف جاری کیں بلکہ اُن پر خود بھی عمل کیا اور اپنے متبعین سے بھی کرایا۔ جن کی چند مثالیں اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ مگر آج باوجود تیرہ سو سال کے گزر جانے کے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعوؤں کے کسی شخص میں اس قدر جرأت بھی نہیں جو ان ہدایتوں پر عمل کرنا تو درکنار۔ نوکروں کے متعلق اس قسم کی ہدایتیں دینے کی جرأت کرے۔

غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دئے جاتے تھے۔ اُسامہؓ جو زید کے بیٹے تھے حضرت رسالتماب صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا اسی طرح کی کئی مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جو سلوک اپنے غلاموں سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے۔

کہ غلاموں کی ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح اپنے پیارے نبی کے لفظوں پر عمل کرتے تھے۔ آج بھی دنیا میں کوئی ایسا فاتح موجود ہے۔ یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہوا ایسا ہے کہ وہ ایسی اخلاقی جرأت دکھلا سکے جو حضرت عمرؓ نے دکھائی یا نیک سلوک کا ایسا نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے شہنشاہ نے دکھایا۔

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات یقینی کو پیش نظر کرنے کے بعد میں اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ غلامی جسکے رواج کو ایک حد تک اسلام نے یک لخت روک نہیں دیا۔ کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کے رو سے جو دنیا میں سمجھا جاتا ہے اسکو غلامی کہہ سکیں نہیں بلکہ جہانتک آجکل کے نوکروں کے ساتھ سلوک دیکھا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسوقت دنیا میں جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہیں وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کرینگے۔ اور اس خادم کی حالت سے اُس غلامی کی حالت کو بدرجہا بہتر سمجھیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک میں اسطرح موجود ہے۔ عنقریب دنیا دیکھ لے گی کہ جب تک خادموں کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائے گا جس کی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسان کے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدوں میں سے سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی۔ تب تک غلاموں کی موقوفی لفظی موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہیں ہوئی۔ جو دنیا کی اخلاقی ترقی کے لیئے ضروری ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی وہ عملی تعلیم ہے جسپر دنیا چل سکتی ہے۔ اور جسپر انسان انسانوں کے لیئے مفید اور خدا تعالیٰ کا سچا بندہ بن سکتا ہے۔

قرآن کریم نے غلاموں کے آزاد کرنے کو کس قدر ضروری قرار دیا ہے۔ وہ قرآن پاک پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن سے جابجا مختلف مثالوں اور پیرایوں سے غلاموں کو آزاد کرنے اور کرانے کا حکم دیا ہے۔ اسی واسطے تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے بہت سے غلام آزاد کئے نہ صرف اپنی ملکیت کے بلکہ خرید خرید کر بھی بہتوں کو آزاد کیا۔ چنانچہ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ اسنے ایک ہزار غلام اسلام لانے کے بعد آزاد کیئے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے مکہ میں چالیس ہزار درہم غلاموں کے خرید کر آزاد کرنے میں خرچ کیئے۔ نہ صرف افراد ہی کو یہ حکم تھا کہ وہ حسب طاقت اور بمقتضائے وقت غلام آزاد کریں۔ بلکہ زکوٰۃ کے روپیہ کا جو بیت المال میں جمع ہوتا تھا۔ ایک ضروری مصرف غلاموں کا آزاد کرنا بھی تھا۔ گویا حکومت کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی ایک حصہ روپیہ کا غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کرے۔ یہ حکم انسانی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

علاوہ ان عام احکام کے بعض حالتوں میں صاحب مقدور مسلمان کے لیئے غلام کا آزاد کرنا جبکہ غلام مل سکے لازمی قرار دیا گیا ہے اور یہ تمام موقعے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہیں۔ پہلا موقع وہ ہے جو ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے اُسوقت بردہ آزاد کرنیکا حکم ہے (دیکھو سورۂ نساء ۹۲)

دوسرا موقع ہے جہاں کوئی اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے یعنی اپنی بیوی کو ماں کہہ دے ظہار کے بعد اگر رجوع کرے تو اسکا کفارہ غلام کا آزاد کرنا رکھا ہے (دیکھو سورۃ المجادلہ ۳و۴)

ان دونوں صورتوں میں غلام کا آزاد کرنا لازمی ہے لیکن اگر غلام نہ ملے تو پھر اور صورتیں کفارہ کی بتائی گئی ہیں۔ تیسرا موقع وہ ہے۔ جب کوئی قسم کھا بیٹھے اور پھر اسکو پورا نہ کرے اسکا کفارہ یہ فرمایا کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے اور یا بردہ آزاد کرے۔ حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو شخص روزہ رکھکر اسکو توڑ دے اسکا کفارہ بھی غلام کا آزاد کرنا ہے۔ یہ سب ایسے حکم ہیں جن میں غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے۔ بعض اور حالتیں بھی ہیں جن میں غلاموں کا آزاد کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پس افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس پاک مذہب اسلام اور اُس پاک مزکی کامل انسان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے غلامی کو مذہب کا جزو بنا دیا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ غلامی کو نہیں بلکہ غلاموں کے آزاد کرنے کو جزو مذہب بنایا گیا ہے۔ وہ راستہ جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ اور جس میں مہاجرین اور انصار چلتے رہے وہ ایک صاف اور واضح راستہ ہے پس اس راہ پر نکتہ چینی کرو اور دکھاؤ کہ کس مذہب نے اور کس مذہب کے بانی نے ایسے روشن اصول قائم کئے۔ اور انسانوں کے ساتھ ایسی پاکیزہ ہمدردی سکھلائی۔ دنیا جب تک اس پاک رسول کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرے گی اُسے کبھی بھی حقیقی فلاح و ترقی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا مگر مسلمان ہیں کہ وہ بالکل غافل اور بے پرواہ ہیں۔ اور ان باتوں کی طرف خیال تک نہیں کرتے۔ یورپ کو دیکھو کہ وہ اپنے قیدیوں کے چھڑانے میں کیسی سرگرمی دکھاتا ہے بلکہ وہ ایک ایک فرد کی حمایت میں کیا کیا کر گزرتا ہے اور کیونکر اپنی ضائع شدہ جانوں کا تاوان لیتا ہے۔ کیوں؟ وہ جانتا ہے کہ افراد و قوم سے کیا تعلق ہے۔ اور افراد کی طرف سے قوم کی بے اعتنائی کرنیکا نتیجہ کیسا تباہ کن قوم و ملک ہوا۔ اپنی مصالح قومی و ملی کی حفاظت و حراست کی غرض سے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر تم میں سے کچھ مسلمان دشمن کے ہاتھ قید ہو جائیں۔ اور فدیہ دینے سے آزاد ہو سکتے ہوں تو تم زکوٰۃ میں سے زر فدیہ دیکر انکو آزاد کرا لو اور انکو قید میں چھوڑ کر اپنی قوم کی تباہی کا اور ان کی ہلاکت کا خود باعث نہ بنو + خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ

اسوۂ حسنہ یوسف علیہ السلام
واقعاتِ قدیمہ کی تطبیق زمانہ مابعد سے

ذیل کا گرانقدر اور مفید مضمون مولٰنا عبدالحی صاحب فاروقی پروفیسر میر ٹھ کالج نے بعد تصحیح و نظر ثانی اسوۂ حسنہ میں مکرر شائع کرنے کے لیئے ہم کو مرحمت فرمایا ہے جسکے لیئے ہم مولٰنا ممدوح کے ممنون و شکر گزار ہیں تھوڑا عرصہ ہوا کہ یہی مضمون بہاولنگر محترم و متقدر ہمعصر روزنامہ **زمیندار لاہور** کے تین نمبروں میں مسلسل شائع ہو چکا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک روزنامہ اخبار میں چھپنے سے اس قسم کے علمی اور مذہبی مضامین کی وہ اہمیت باقی نہیں رہتی جسکے وہ مستحق ہیں۔ علاوہ ازیں ان سے قوم کو بھی وہ پائدار نفع نہیں پہونچتا جسکا تصور اس علمی کس مپرسی اور علمی ناقدری کے زمانہ میں قابل اور ہمدرد قوم مضمون نگار کے تھکے ہوئے دل و دماغ کے لیئے صرف ایک ذریعہ راحت اور تالیف مضمون میں محنت و کوشش کرنے اور دماغ کھپانے کا محرک ہوا کرتا ہے اسیلئے اگرچہ "جگہ کم اور مضمون زیادہ" ہونے کی شکایات آج بھی اتنی ہی ہے جتنی کہ آج سے تیرہ مہینہ قبل بھی لیکن ہم دوسرے ضروری مضامین کی اشاعت کو ملتوی کر کے اِس مفید اور قابل مطالعہ مضمون کے لیئے جگہ نکالنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اسکا ایک حصہ اس پرچہ میں شائع کرتے ہیں۔ اور باقی انشاء اللہ آیندہ نمبروں میں درج کریں گے۔ قرآن پاک کے اسرار و معارف کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ لگا کر اُن قیمتی موتیوں کا نکالنا جن کی اس زمانہ میں ہر طرف ضرورت اور مانگ ہے۔ اسلام اور مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ کل نوع انسان کی ایک ایسی خدمت ہے کہ جس سے بہتر علمی اور نظری دنیا میں کوئی دوسری خدمت نہیں ہو سکتی۔ ہم مولٰنا عبدالحی صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انکا دل و دماغ اور قلم اسی خدمت میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نیک مقاصد میں کامیاب فرمائے آمین۔ امید ہے کہ ہم مولٰنا کے خرمن علم و تحقیق کے تازہ خوشے بھی عنقریب ناظرین اسوۂ حسنہ کے سامنے پیش کر سکیں گے۔ جیسا کہ ہم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ +　　ایڈیٹر

(۱)

باری تعالیٰ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر انبیائے سابقین کے واقعات حیات بیان فرماتا ہے۔ ان کے حوادث زندگی کا ذکر کرتا ہے۔

غور کرو۔ کیا وہ واقعات اپنے اندر کوئی کشش و جاذبہ نہیں رکھتے۔

کیا ہمارے لیئے ان میں کوئی درس عبرت موجود نہیں۔

کیا تم ان کو محض افسانہائے پیشین ہی کہو گے۔ اور کیا تمہارے نزدیک ان کی عزت و توقیر اساطیر الاولین سے زیادہ نہ ہوگی۔

آؤ تھوڑی دیر کے واسطے اس رشد و ہدایت کی کتاب مبین میں عمیق فکر سے کام لیں۔

قرآن کوئی تاریخی کتاب نہیں جو تم کو اقوام سابقہ کے حالات بتائے کی حقیقت میں نظر اور نکتہ رس فہم سے کام لو نظم و ترتیب اور ربط آیات کو ملحوظ رکھو۔

یہی قصص و حکایات ہیں جن میں تم کو گزشتہ قوموں کے عروج و زوال اور ترقی و تنزل کے علل و اسباب معلوم ہوں گے۔

انھیں میں تم کو تہذیب و اخلاق اور تدبیر منزل کے اصول و ضوابط نظر آئیں گے۔

یہی واقعات و حوادث صلاح و فلاح جانداری و خلافت کبریٰ کی تنظیم و تشکیل کے آئین و قواعد سکھائیں گے یرید اللہ لیبین لکم و یھدیکم سنن الذین من قبلکم۔ خدائے علیم و خبیر کا یہ مقصد ہے کہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کے طریقے تم سے صاف صاف اور کھول کر بیان کر دے اور تم کو ان کے طریقے پر چلائے فاقصص القصص لعلھم یتفکرون۔ ان سے واقعات و حالات بیان کرو تاکہ یہ لوگ غور و فکر سے کام لیں۔

مسلم قانت کی ہستی کے تمام شعبوں کے لیئے اگر کسی امام مبین ہادی و مرشد اور داعی الی اللہ کی ضرورت و احتیاج ہے تو اسکے لیئے قرآن حکیم کفیل و ذمہ دار ہے۔

ہم نے ایک زمانہ سے جو درجہ قرآن کریم کو دیا ہے وہ ہماری عملی زندگی سے بالکل ظاہر ہے ہم نے اپنی تمام سعی و کوشش اور جہاد فی سبیل اللہ کو چند نوافل و عبادات زوائد میں محصور کر رکھا ہے۔

انہیں نوافل و عبادات زوائد پر دین و ایمان کا انحصار رہ گیا ہے اور وہی عمود مذہب و ملت شمار کیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اور بھی فرائض تھے جن پر ملت قدیمۂ اسلامیہ کی اساس و بنیاد تھی اور بعض امور تو ایسے ہیں کہ منافقین و ملحدین ان کا نام زبان پر لانا بھی کفر خیال کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ ایک نہایت ہی طویل ترین سورۂ قرآنی ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عموماً یہ قاعدہ تھا کہ آپ اس صحابی کو حاکم شہر یا امیر فوج اسلامی مقرر فرماتے جسکو سورۂ بقرہ یاد ہوتی۔

آثار سے ثابت ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سورۂ مبارکہ کے مطالعہ میں دس یا بارہ سال صرف کئے اور آخر کار اپنی مسرت و شادکامی کا اظہار اس طرح فرمایا

کہ ایک اونٹ ذبح کر کے مسلمانوں کی دعوت کی۔

ان باتوں کو مشعل میں جگہ دو پھر خلافت فاروقی پر ایک غائر اور دوربین نظر ڈالو۔ تم کو خود بخود حال معلوم ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے مختلف مدارج کے واسطے قرآن ایک فطری قانون ہے۔ جو تہذیب اخلاق سے شروع ہوتا ہے تاکہ تمام اعمال حسنہ اور افعال فاضلہ کی بنیاد مضبوط اور ٹھوس چٹان (اخلاق) پر ہو۔

تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کے مباحث اصولی طور پر ذکر کرنے کے بعد قرآن خلافت کبریٰ کے آئین و قوانین پر متعین اعظم کے نقطۂ نظر سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ بحث کرتا ہے۔

یہی وہ خلافت و نیابت الٰہی ہے جو ہر مسلم ہستی کا دنیا میں منتہائے کمال ہے۔ جبکہ وہ دجاجلۂ کفر و شیطنت کی غلامی کا جوا گردن سے اتار چکا ہو اور اپنی جبین نیاز صرف حضرت ربوبیت کے آستانِ جلال و کبریائی پر رکھتا ہو۔

قرآن حکیم میں جس قدر قصص و حکایات بیان ہیں ان میں سے ایک ایک واقعہ حقیقت بات الی اللہ کا ایک ایک مستقل درس ہے۔

محض تنبیہ و ایقاظ کی غرض سے ہم اس سلسلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ زندگی کو لیتے ہیں۔ اور ان کی حیات طیبہ کے صرف اسی قدر حصہ پر اپنی بحث کو محدود رکھنا چاہتے ہیں جس قدر قرآن میں مذکور ہے۔

اسرائیلی روایات سے نہ ہمیں کوئی سروکار۔ اور نہ وہ مسلمانوں کے مفید مطلب ہمارا خیال ہے کہ ایسا کوئی تعلیم یافتہ مسلمان نہیں جسکو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات زندگی معلوم نہ ہوں۔ اس لیئے ان کے ذکر کو ہم نظر انداز کرتے ہوئے صرف چند تلمیحات و اشارات اور ضروری و اہم نتائج ذکر کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ضروری اور صحیح حالات ایک ہی سورہ میں بیان ہوئے ہیں اور خدائے عالم الخفایا اس تمام قصہ و حکایت کو احسن القصص سے موسوم فرماتا ہے نحن نقص علیک احسن القصص ضرورت ہے غور و فکر کرنے کی کہ اسکو بہترین قصہ جناب باری عز اسمہ نے کیوں فرمایا۔

دیکھو اس سورۂ مبارکہ کا نزول اس زمانہ میں ہوا ہے جبکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں رونق افروز تھے۔

مسلمانوں کا کوئی ہم خیال نہ تھا۔ اسلیئے وہ غریب تھے انکی جمعیت کم تھی۔

دشمنان ملت بیضا کا سواد اعظم تھا۔

حق و صداقت کے دبانے کیلیئے دولت۔ اجتماع۔ سازش اور رئیسانہ و امیرانہ اقتدار تمام قوتیں مصروف کار تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تکلیف و مصیبت کی زندگی بسر کرتے تھے تبلیغ اسلام و نشر حق کے لیئے قربانیاں کرنی پڑتی تھیں۔

غور کرو ان مسلمانوں کے قلوب میں کس قسم کے خیالات گزرتے ہونگے۔

وہ کامیابی و کامرانی کے آرزومند تھے۔

وہ جہاد فی سبیل اللہ کے شیدائی و فدائی تھے۔

وہ حق کو بلند و برتر دیکھنا چاہتے تھے۔

اسلیئے وہ اکثر دربار رسالت میں حاضر ہوتے، اسلام اور مسلمانوں کی آئندہ ترقی و حکومت کے متعلق دریافت کرتے کیونکہ اسلام اور حکومت درحقیقت ایک ہی چیز ہے۔

جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور اسمیں ایک قطرہ کی بھی گنجائش باقی نہ رہی تو خدائے علیم و خبیر نے سورۂ یوسف نازل فرمائی اور اسمیں یہ بھی ارشاد فرما دیا: لقد کان فی یوسف واخوتہ ایٰت للسائلین یعنی یوسف اور اسکے بھائیوں کے واقعہ میں مستفسرین کے لیئے نشانیاں ہیں۔

دوربین نظروں نے فوراً دیکھ لیا کہ کامیابی ممکن نہیں جب تک حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح وطن کو خیرباد نہ کہیں گے۔ اہل و عیال عزیز و اقربا اور متاع زندگی پر مہاجرت الی اللہ کو ترجیح نہ دینگے حامیان حق و صداقت کے لیئے ابتدائے آفرینش سے یہی سنت اللہ جاری ہے۔ داعیان الٰہی کو جب دکھائی دیا۔ کہ تمام قوم۔ ملک اور حکومت ان کے مقصد وحید کے مخالف ہے۔ انہوں نے ہجرت کو پسند کیا۔ انجام کار نیرنگ ساز ازل نے ان مہاجرین کو اپنی کمال رافت و رحمت میں ڈھانپ لیا۔ اور انکو اعدائے دین اور دشمنان ملت کے سامنے مظفر و منصور کر کے بامراد و شاد کام فرمایا۔

انہوں نے وہ دیکھا جو خدا نے انکو دکھایا۔

انہوں نے ہجرت وطن و مفارقت احباب کو اختیار کیا۔

وہ سمجھ گئے کہ یوسف و برادران یوسف کا قصہ حقیقت میں ہمارے سوال کا مکمل و مفصل جواب ہے۔

(عبدالحی)

ہمت

جس درجہ ہو مشکلات کی طغیانی — ہو اہلِ ہمم کو اور بھی آسانی
تیراک اپنا ہنر دکھاتا ہے خوب — ہوتا ہے جب اُسکے سر سے اونچا پانی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

دین و دنیا کا تعلق

جو لوگ کسی دین و مذہب کے پابند نہیں جن کا دین و مذہب اگر کچھ ہے تو صرف یہی کہ جو کچھ ہے یہ دنیا ہے۔ اور اسکے بعد کچھ نہیں۔ انسان کسی دوسری دنیا میں اپنے افعال کا جوابدہ نہیں۔ وہ کسی قانون یا کسی ضابطہ کا پابند نہیں جس پر عمل کر کے فلاح اور بہبودی حاصل کر سکے۔ وہ مثل گھاس کے پیدا ہوتا اور فنا ہو جاتا ہے جزا و سزا کوئی چیز نہیں۔ ایسے لوگوں کا میلان بجز اسکے اور کسی طرف نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں خوب عیش کریں اور گلچھرے اڑائیں گویا یہ شعر انکے دلی خیالات کا آئینہ ہے ؎

نوروز و نوبہار و مے و دلبر خوش ست　　بابر عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

میرے مخاطب وہی لوگ ہیں جو کسی دین و مذہب کے پابند ہیں اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم کو ایکدن احکم الحاکمین کے سامنے اپنے افعال و اقوال اور حرکات و سکنات کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔

اس مسئلہ میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں۔ ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ دنیا دغابازی اور مکاری ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلیئے دنیا طلبی میں مکر و فریب کے بغیر چارہ نہیں۔ رہی آخرت اسکے سنوارنے کیلئے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ پوجا پاٹ برت۔ جاترا۔ دان پن وغیرہ عبادات کافی ہیں اور اسطرح دنیا اور آخرت دونوں حاصل ہو سکتی ہیں۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ دین اور دنیا نقیض یکدگر ہیں۔ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ دنیا کے کام آخرت کے لیئے اور آخرت کے کام دنیا کے لیئے نہ صرف غیر مفید بلکہ مضر ہیں۔ اسکا خیال یہ ہے کہ دنیاوی تعلقات کی وجہ سے انسان بالضرور خدا سے غافل ہو کر بیدینی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسلیئے طالبان آخرت کو لازم ہے کہ دنیا کو ترک کریں۔ زن و فرزند کا خیال چھوڑ کر عزیز و اقارب سے منہ موڑ کر رشتہ تعلقات کو توڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بیٹھ کر خدا کو یاد کریں۔ درختوں کے پتے کھائیں۔ جڑی بوٹی اور ساگ پات پر گزارہ کریں سخت سے سخت ریاضتیں برداشت کریں تب جا کر عاقبت بخیر ہونے کی امید ہو سکتی ہے ورنہ دنیا میں پھنسکر نجات اخروی کی کوئی سبیل نہیں ہے +

حقیقت میں ان دونوں فریقوں نے جن کی رائیں اوپر بیان کی گئی ہیں۔ دین و دنیا کا صحیح تعلق سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اسلام کی تعلیم اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ اور اس مضمون کا مقصد یہی ہے کہ قرآن و حدیث سے دین و دنیا کا اصلی تعلق بتایا جائے +

مگر میں نفس مضمون شروع کرنے سے پہلے ایک عقلی دلیل پیش کرنی چاہتا ہوں۔ اس امر میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ بے نیازی صرف خدائے واحد کی ذات کے لیئے سزاوار ہے باقی موجودات (حیوانات نباتات۔ جمادات وغیرہ) سب کے سب احتیاج کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اللّٰہ غنی وانتم الفقراء (اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو) انسان کے ساتھ کھانے پینے اور لباس مکان وغیرہ کی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں۔ وہ مدنی الطبع ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کے بغیر اسکا کام نہیں چل سکتا اگر آفرینش انسان کی علت غائی یہ ہوتی کہ وہ اپنے اور اپنے متعلقین کے حوائج ضروریہ بہم پہنچانے سے یا یوں کہو کہ طلب دنیا سے باز رہے تو دنیا کبھی کی فنا ہو جاتی۔ قطع نظر اسکے ایسا حکم دینا جس کی تعمیل محال ہو ایک تکلیف مالا یطاق ہے۔ اور حکیم مطلق کا یہ فعل نہیں ہو سکتا ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ　　باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اس عقلی دلیل کی تائید قرآن شریف سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ آیت ۱۸۱) "خدا تمہارے لیئے آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا"۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ آیت ۲۸۶) "خدا کسی کو اسکی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا"

اس تمہید کے بعد میں اصل مطلب کیطرف رجوع کرتا ہوں۔ اور قرآن و حدیث سے یہ بات بتانی چاہتا ہوں کہ شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا اور آخرت یعنی معاش اور معاد کو کس طرح حاصل کرنے کی ہدایت کی ہے اور دونوں میں کس قسم کا تعلق بتایا ہے +

اللہ تعالیٰ **قرآن مجید** میں فرماتا ہے کہ:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ. (المائدہ آیت ۸۹ و ۹۰)	اے ایمان والو! جو اچھی چیزیں تمہارے لیئے اللہ نے حلال کی ہیں انکو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور خدا نے جو حلال و پاک روزی تم کو دی ہے اسکو کھاؤ اور جس خدا پر تم ایمان لائے ہو اوس سے ڈرو۔"

اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک روز بہت سے اصحاب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ اور آپ روز قیامت اور اسکی شدائد کا حال بیان فرما رہے تھے۔ جس سے حاضرین کے دل پر بڑا اثر پڑا۔ اور انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بعض اصحاب نے عثمان بن مظعون کے مکان پر جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آخر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دن کو ہمیشہ روزہ رکھیں۔ رات کو عبادت کریں۔ بستر پر نہ سوئیں گوشت چربی وغیرہ لذیذ چیزیں نہ کھائیں۔ عورتوں سے معاشرت ترک کریں خوشبو نہ لگائیں۔ موٹا جھوٹا لباس پہن کر زندگی کے دن کاٹ دیں۔ دنیا کے کاروبار سے قطع تعلق کر لیں کسی کام میں سعی و کوشش نہ کریں۔ اور سفر اختیار کریں غرضکہ مختصر بالکل راہبانہ زندگی بسر کریں +

یہ خبر آنحضرت صلعم کے کانوں تک بھی پہنچ گئی جب عثمان بن مظعون مع اپنے رفقا کے جناب سرورکائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے کہا میں نے سنا ہے تم نے اس قسم کا عہد کر لیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ یہ خبر صحیح ہے مگر ہماری نیت بخیر ہے۔ اس عہد سے ہماری غرض یہ ہے کہ خوشنودی الٰہی حاصل کریں اور قیامت کے مواخذہ سے بچیں۔ آنحضرت نے فرمایا میں اس کام کے لیئے مامور نہیں ہوا۔ جیسا خدا کا حق تم پر ہے ایسا ہی تمہارے نفس کا حق بھی ہے۔ اسلیئے تم کو چاہیئے کہ کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو۔ کبھی سو جاؤ اور کبھی عبادت کے لیئے اٹھ کھڑے ہو۔ دیکھو میں کبھی روزہ رکھتا ہوں۔ اور کبھی نہیں رکھتا۔ کبھی عبادت کے لیئے اٹھتا ہوں۔ اور کبھی سو جاتا ہوں۔ گوشت اور چربی کھاتا ہوں۔ عورتوں کے ساتھ معاشرت رکھتا ہوں جو شخص میرے طریقے سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

اسکے بعد آپنے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ فصیح و بلیغ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"ان لوگوں کو کیا ہو گیا جنہوں نے دنیاوی خواہشوں اور نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے میں نے کبھی تم کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم عیسائیوں کے عابدوں اور راہبوں کی مانند بن جاؤ۔ میری شریعت میں یہ بات نہیں ہے۔ کہ گوشت کھانا ترک کریں۔ معاشرت نسواں سے اجتناب کریں راہبوں کی طرح گوشہ نشین بن جائیں۔ میری امت کی شناخت یہی ہے۔ کہ گاہے گاہے روزہ رکھیں۔ انکی رہبانیت یہی ہے کہ راہ خدا میں جان و مال سے کوشش کریں۔ اے لوگو خدا کی بندگی کرو کسی کو اس کا شریک نہ سمجھو۔ حج اور عمرہ بجالاؤ۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی کو ہاتھ سے نہ دو۔ اپنے نفس پر سختی نہ کرو کہ خدا تم پر سختی نہ کرے جو لوگ پہلے تم سے گزرے ہیں ان کو انہیں باتوں نے تباہ اور ہلاک کیا۔ انہوں نے اپنے نفس پر سختی کی۔ اس لیئے خدا نے بھی اُن پر سختی کی۔"

بعد ازاں آیت مذکورۂ بالا نازل ہوئی جس میں خدا تعالےٰ نے ان لوگوں کے خیال کی غلطی صاف طور پر ظاہر کی ہے +

اسی مضمون کو دوسری جگہ قرآن شریف میں اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (اعراف آیت ۳۰)	(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دو کہ زینت کے سامان جو خدا نے اپنے بندوں کے لیئے پیدا کئے ہیں اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں کس نے حرام کی ہیں۔"

یعنی وجہ حلال سے روزی حاصل کرنے اور زینت و آسائش کے سامان مہیا کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے +

اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں سینکڑوں جگہ اپنی طرح طرح کی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور انسان کو اُن سے فائدہ اٹھانے اور شکر الٰہی بجالانے کی ہدایت کی ہے چنانچہ سورۂ الرحمٰن میں فرمایا ہے کہ:۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ○ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ○ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن آیت ۹-۱۲)

اس خدا نے خلقت کیلئے زمین بنائی جس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جنپر غلاف پڑے ہوتے ہیں اور طرح طرح کے اناج جنپر خول ہوتا ہے اور خوشبودار پھول ہیں پس اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن آیت ۲۲-۲۳)

دونوں قسم کے دریعنی کھاری اور میٹھے سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں پس اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیتوں میں شامل اور بہت سی آیتوں کے خدا کی نعمتوں کا ذکر ہے مثلاً میوہ کھجور اور غلہ جنکو کھا کر لوگ لذت پاتے ہیں اور **موتی** اور **مونگے** جو زینت و آرائش کا باعث ہیں +

شکر گزاری اور اظہار نعمت کی تاکید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اپنے پروردگار کی نعمت کا وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ آیت ۱۱) ذکر کرو اور اسکو لوگوں پر ظاہر کرو"

اظہار نعمت دو طرح ہوتا ہے **ایک** اظہار قولی یعنے احسانات الٰہی کا زبانی تذکرہ کرنا **دوسرے** اظہار فعلی مثلاً اچھا کھانا۔ اچھا پہننا اور ہر طرح کی جائز نعمتوں سے خود فائدہ اٹھانا اور دوسروں کو فائدہ پہونچانا شکر گزاری کا یہ دوسرا طریقہ زیادہ عمدہ اور خدا کو زیادہ پسندیدہ ہے +

احادیث اور بزرگانِ دین کے آثار بھی اس بات کی مزید تائید کرتے ہیں حدیث میں آیا ہے :-

اَلْعِبَادَةُ سَبْعُوْنَ جُزْءً اَفْضَلُهَا طَلَبُ الْحَلَالِ + | کہ عبادت کے ستر حصے ہیں اُن میں سب سے بڑھکر حلال روزی کا تلاش کرنا ہے

ایک حدیث میں جناب رسالت مآب صلعم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ :-

اللّٰهم بارك لنا في الخبز ولا تفرق ما بيننا و بينه فلو لا الخبز ما صمنا ولا صلينا ولا ادينا فرائض ربنا | خدا ہمارے مال میں برکت دے اور ہم میں اور ہمارے مال میں جدائی نہ ڈال اگر مال نہ ہوتا تو ہم نہ روزہ رکھ سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے اور نہ اپنے پروردگار کے فرائض ادا کر سکتے

ایک اور حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ "جو شخص حلال سے مال جمع کرنا پسند نہ کرے ایسا مال جس سے اپنی آبرو کو محفوظ رکھ سکے اپنا قرض ادا کر سکے اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کر سکے۔ ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے"

لا خير في من لا يحب جمع المال من حلال فيكف به وجهه و يقضي به دينه و يصل به رحمه

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ "جو شخص آخرت کے لیے دنیا کو اور دنیا کے لیے آخرت کو چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے"

ليس منا من ترك الدنيا للآخرة و لا الآخرة للدنيا +

ایک شخص نے امام **جعفر صادق** کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم دنیا کے طالب ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ دنیا ہم کو حاصل ہو۔ آپنے دریافت کیا کہ تم دولت حاصل کرکے کیا کروگے؟ اس نے کہا میں چاہتا ہوں اپنے نفس کو اور اپنے عیال کو آرام دوں۔ عزیزوں کے ساتھ سلوک کروں۔ خیرات کروں۔ حج اور عمرہ ادا کروں۔ اسکے جواب میں امام **جعفر صادق** نے ارشاد فرمایا کہ "یہ طلب دنیا نہیں ہے یہ تو طلب آخرت ہے"

ليس هذا طلب الدنيا هذا طلب الآخرة

محمد بن منکدر ایک فقیہ تھا اسکا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نواح **مدینہ** میں جا رہا تھا۔ گرمی کا وقت تھا۔ اور لو چل رہی تھی ایسے وقت میں امام **محمد باقر** سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ آپ بدن کے بھاری تھے اور دو شخصوں کے کندھوں پر سہارا لیئے چلے آ رہے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ بزرگان قریش میں سے ایک شخص ایسی گرمی میں اور اس حال سے دنیا طلبی کے لیئے نکلا ہے میں انکو نصیحت کرونگا۔ میں نے پاس آکر سلام کیا اور کہا اصلحک اللہ شیخی اسوقت اور اس حال سے آپ طلب دنیا میں مصروف ہیں اگر اس حالت میں آپ کی موت آجائے تو آپ کیا کریں۔ امام **محمد باقر** نے جواب دیا اگر اس حالت میں میری موت آجائے تو وہ موت ایسے وقت میں ہوگی جبکہ میں خدا کی عبادتوں میں سے ایک عبادت میں مشغول ہونگا۔ یہ عبادت مجھے اور میرے عیال کو تجھ جیسے لوگوں کے پاس اپنی حاجت لے جانے سے مستغنی کرتی ہے یعنی طلب دنیا اس غرض سے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور انکا احسان مند ہونا نہ پڑے۔ یہی ایک عبادت ہے۔ ع

"کہ بارِ منت خود بہ کہ بارِ منت خلق"

امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام

ارشاد فرماتے ہیں کہ "

ملعون من القی کله علی الناس

جو شخص اپنا بوجھ دوسروں پر ڈال دے محنت کرکے اپنی روزی پیدا نہ کرے اس پر خدا کی لعنت ہے "

نیز امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دنیا آخرت کے لیئے عمدہ مددگار **نعم العون الدنیا علی الاخرۃ** ہے "

آیات واحادیث وروایات مندرجہ بالا سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ وجہ حلال سے اپنی روزی کی فراخی اور اپنے عیال اور متعلقین کی آسائش کے لیئے سعی کرنا ہر ایک مسلمان کا مذہبی فرض ہے۔ اب **سوال** یہ ہے کہ بہت سی آیتوں اور حدیثوں میں دنیا طلبی کی مذمت وارد ہوئی ہے اور طالبان دنیا کو نہایت زجر وملامت کی گئی ہے یہاں تک حدیث میں آیا ہے **حب الدنیا راس کل خطیئۃ** کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں سے بڑھکر ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ خدا دنیا کی مذمت بھی کرے اور ساتھ ہی دنیا طلبی کی اجازت بھی دے۔ یہ تو اجتماع ضدین ہے ایسے احکام صادر کرنا حکیم مطلق کی شان سے بالکل بعید ہے۔

یہ مغالطہ طلب دنیا کا مفہوم نہ سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے اسلیئے اول اسکا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیئے۔ اسکے بعد یہ سوال خود بخود حل ہوجائیگا طلب دنیا باعتبار حصر عقلی کے تین حال سے خالی نہیں ہے۔

اول وجہ حلال سے دولت پیدا کرنا اور حلال کاموں میں اسکو صرف کرنا۔ مثلاً اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کریں۔ اہل وعیال کی خبرگیری کریں عزیزوں اور رشتہ داروں سے سلوک کریں نوع انسان بالخصوص مسلمانوں کی مدد کریں +

دوم وجہ حلال سے دولت پیدا کرنا۔ مگر صرف میں حلال وحرام کا کچھ لحاظ نہ رکھنا یا دولت جمع کرکے صرف نہ کرنا اور بیکار پڑا رہنے دینا

سوم دولت پیدا کرنے میں حرام وحلال کا مطلق خیال نہ کرنا۔ ہر وقت دولت ہی کی دہن میں لگے رہنا۔ اور خدا کو بھول جانا +

پہلی قسم نہایت عمدہ ہے۔ اور جس دنیا کی تعریف میں آیتیں اور حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ یہی دنیا ہے ایسی دنیا کے حاصل کرنے کی شریعت نے تاکید کی ہے مگر دنیا کو ترک کرکے رہبانیت کا طریقہ اختیار کرنا اور اپنی معاش آپ پیدا کرنا نہایت مذموم اور قابل ملامت ہے یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے جو لوگ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالدیتے ہیں وہ ملعون ہیں +

دنیا طلبی کی دوسری قسم اگرچہ فی نفسہ حلال اور مباح ہے مگر چونکہ اسکا انجام خراب ہے۔ اسلیئے شریعت نے اسکو بھی منع کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اپنی نیک کمائی کو جو لہو پسینا ایک کرکے پیدا کی گئی ہے حرام وناجائز مصارف میں صرف کرنا احکام الٰہی کی نافرمانی ہے۔

اللھم انی اعوذبك من فقر ینسینی ومن غنی یطغینی۔

(اے خدا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس فقر سے جس کی وجہ سے لوگ مجھے بھول جائیں۔ اور اس دولت وثروت سے جو مجھے تیرا نافرمان بنادے)

علی ہذالقیاس دولت کو جمع کرکے صرف نہ کرنا اور حقداروں کے حقوق ادا نہ کرنا یہ بھی منشائے الٰہی کے خلاف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (التوبہ آیہ ۳۴)

جو لوگ چاندی سونا جمع کرتے ہیں اور اسکو راہ خدا میں صرف نہیں کرتے ان کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنادو "

ایسی دنیا طلبی کی مذمت یہی کافی ہے کہ وہ انسان کو خدا سے غافل کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی (علق آیت ۶)

کہ انسان اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ کر خدا سے سرکشی کرتا ہے "

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (المنٰفقون آیت ۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو یاد خدا سے غافل نہ کریں۔ اور جو ایسا کرینگے وہی گھاٹے میں رہینگے "

اب رہی تیسری قسم یعنی حلال وحرام کا کچھ خیال نہ کرکے ہمہ تن مال ودولت جمع کرنے میں مصروف ہوجانا۔ اور خدا کی بندگی چھوڑکر دنیا کا بندہ اور ہوا وہوس کا غلام بن جانا ایسی دنیا طلبی کی مذمت سے تمام قرآن بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

(۱) **وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ** (الحدید آیت ۲۰)

(۱) دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا اور کچھ نہیں ہے "

(۲) **اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا**

(۲) کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی

مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (التوبہ آیت ۳۸)

زندگی پر راضی ہو گئے ہو دنیا کی زندگی کے فوائد تو آخرت کے مقابلہ میں تھوڑے ہیں" (۳) اس

(۳) اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (المومن آیت ۴۲)

دنیا کی زندگی میں تو محض چند روزہ فائدہ ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے"

(۴) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (البقرہ آیت ۸۶)

(۴) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی خرید لی ہے پس نہ ان کے عذاب ہی میں تخفیف کی جائیگی اور نہ انکو مدد دیجائے گی"

(۵) اَلْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

(جاثیہ ۵ ع ۴ آیت ۳۳)

(۵) جسطرح تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا آج ہم بھی تمکو بھلا دینگے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے یہ اسوجہ سے کہ تم نے خدا کی نشانیوں کو ہنسی کھیل سمجھ رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمکو دھوکے میں ڈال رکھا تھا"

ایسی دنیا طلبی کی مذمت میں حدیثیں بھی کثرت سے وارد ہوئی ہیں چند حدیثیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔ جناب رسالت مآب ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں

حب الدنیا راس کل خطیئۃ | سے بڑھ کر ہے"

حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے کہ

لا یستقیم حب الدنیا والاخرۃ فی قلب مؤمن کما لا یستقیم الماء والنار فی اناء واحد

دنیا اور آخرت دونوں کی محبت مومن کے دل میں قائم نہیں رہ سکتی جسطرح پانی اور آگ ایک برتن میں نہیں رہ سکتے"

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:-

من اصبح والدنیا اکبر همه فلیس من الله فی شیئ والزم الله قلبه اربع خصال - هما لا ینقطع عنه ابداً وشغلا لا یتفرغ منه ابداً وفقرا لا یبلغ غناه ابدا واملا لا تبلغ منتهاه ابدا

جو شخص ایسی حالت میں صبح کرے کہ اوس کو زیادہ تر دنیا ہی کی دھن لگی ہوئی ہو اسکا اسمیں کچھ حصہ نہیں۔ اور اسکے دل میں چار خصلتیں پیدا کر دیتا ہے رنج اور الم جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا مصروفیت جس سے کبھی فراغت نہیں ملتی فقیری جو کبھی تونگری تک نہیں پہنچتی - آرزو جو کبھی اپنی انتہا کو نہیں پہونچتی"

حصول دنیا کی ان تینوں صورتوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ شریعت اسلام میں دین اور دنیا کا کیا تعلق ہے اور شارع نے کونسی دنیا طلبی کی مذمت کی ہے۔ اور کونسی دنیا طلبی کی مدح کی ہے لیکن شریعت نے مال ودولت حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اور کن وجوہ سے اس کی ممانعت کی ہے ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ اگر وہ حلال سے دولت پیدا کی جائے - اور حلال اور جائز مصارف میں صرف کی جائے تو ایسی دنیا طلبی عین دین طلبی بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جو مال سعادت اخروی کا وسیلہ ہو۔ اور بندہ کو خدا سے ملا سکتا ہو۔ وہ مال مبارک ہے جس مال کی تعریف قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہے۔ وہ یہی مال ہے برعکس اسکے جو مال شقاوت اخروی کا باعث ہو اور انسان کو خدا پرستی کے درجہ سے گرا کر نفس پرستی کے درجہ پر پہنچا دے وہ صاحب مال کے لیئے ایک آفت ہے۔ جس مال کی مذمت **قرآن وحدیث** میں آئی ہے وہ یہی مال ہے۔ شریعت اسلام نے اچھا کھانے۔ اچھا پہننے اور سامان آرایش جمع کرنے کی بھی ممانعت نہیں کی بلکہ ان سے متمتع ہونا بغرض اظہار شکر گزاری ضروری ہے۔ بشرطیکہ بے اعتدالی اور فضول خرچی کی حد تک نہ پہونچے۔ کیونکہ "قرآن شریف میں صاف صاف لکھا ہے کہ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف آیت ۲۹)

کھاؤ۔ پیو۔ اور حد سے نہ بڑھو بیشک خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا - اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل آیت ۲۹)

دولت کو بیجا مت اڑاؤ۔ کیونکہ بیجا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے"

جسطرح دنیا کے لیئے آخرت کو ترک کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اسی طرح آخرت کے لیئے دنیا کو چھوڑنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ دنیاوی تعلقات کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کرنا یا جنگلوں اور پہاڑوں میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنا فطرت انسانی کے خلاف اور تکلیف مالا یطاق ہے جو لوگ محنت ومشقت سے دست بردار ہو کر اپنا بوجھ دوسروں پر ڈال دیتے ہیں۔ انکو ملعون کہا گیا ہے۔ جو لوگ دین کے لیئے دنیا کو حاصل کر کے دولت کو نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں اُن کے لیئے دنیا مبارک ہے اس دنیا کے لیئے کہا گیا ہے کہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) مگر جو لوگ حلال وحرام کا خیال نہ کر کے دولت جمع کرتے ہیں۔ اسکو ہوا وہوس میں اُڑا دیتے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غافل رہتے ہیں۔ ان کی شان میں یہ حدیث ہے کہ "حب الدنیا راس کل خطیئۃ

(دنیا کی محبت تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے)

قصہ کوتاہ دین و دنیا کا ساتھ دامن چولی کا ساتھ ہے۔ معاملات دنیا کا انجام دینا اور اسکے ساتھ فکر عقبیٰ اعلیٰ درجہ کی دینداری ہے محض فکر آخرت یا محض فکر دنیا سے دین حاصل نہیں ہو سکتا۔ مولانا **رُوم** نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

امیر المومنین **علی مرتضےٰ** رض کا یہ قول آب زر سے لکھنے اور دل پر نقش کر لینے کے لائق ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام دنیا کی دولت جمع کر لے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس دولت سے تقرب الٰہی حاصل کرے تو وہ شخص زاہدوں میں سے ہے۔ اور اگر وہ تمام مال و دولت سے دست بردار ہو جائے اور اسکا یہ فعل خدا کیلئے نہ ہو تو وہ زاہد نہیں ہے"۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو دولت کو اپنے لئے اور اپنے متعلقین کیلئے بقدر ضرورت صرف کریں اور باقی ماندہ سے اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچائیں ایسے لوگوں کو مال و دولت کی فراوانی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مگر یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ یہ بڑے دل و گردہ کے آدمیوں کا کام ہے ؎

با وجود ہوشیار نشستن سہل است
چوں بدولت برسی مست نہ گردی مردی

شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے اسی مطلب کو عمدہ طور پر ادا کیا ہے ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل
بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
ورت مال و جاہ است و زرع و تجارت
چو دل با خدا ایست خلوت نشینی

اب میں اس مضمون کو قرآن مجید کی چند آیات پر ختم کرتا ہوں جن سے شیخ سعدی شیرازی نے مضمون مذکور کا اقتباس کیا ہے۔

يسبح له فيها بالغدو والآصال رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله وإقام الصلوة وإيتاء الزكوة يخافون يوما تتقلب فيه القلوب والأبصار ليجزيهم الله أحسن ما عملوا ويزيدهم من فضله والله يرزق من يشاء بغير حساب ○ (النور ۲۴ - آیت ۳۶-۳۸) ان عبادتگاہوں میں صبح و شام ایسے لوگ خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جنکو سوداگری اور خرید و فروخت خدا کے ذکر نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اُس دن سے ڈرتے ہیں جبکہ خوف کی وجہ سے دل اور آنکھیں الٹ جائینگی۔ یہ عبادت اس خیال سے ہے کہ اللہ انکو انکے عملوں کا بہتر سے بہتر بدلہ دے اور انکو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے اور اللہ جسکو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے +

(عصر جدید) (**غلام الحسنین** پانی پتی)

تدبیر اور توکل

یہ خیال کہ انسان کی تدبیر سے کچھ نہیں ہو سکتا اور اسکو ایک مذہبی عقیدہ جاننا تدبیر اور توکل کے غلط معنی سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔ تقدیر کے ایسے معنی سمجھے گئے ہیں جن سے انسان کا مجبور ہونا۔ اور اسباب کا معطل و بیکار ہونا لازم آتا ہے۔ مگر شارع نے تقدیر کے ایسے معنی نہیں بتلائے بلکہ ایسے معنی بتائے ہیں جن سے نہ انسان کا مجبور ہونا اور نہ اسباب کا معطل ہونا لازم آتا ہے۔ حضرت شاہ **ولی اللہ** حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔ کہ تقدیر اور اسباب کی سببیت میں کچھ منافات نہیں ہے۔ کیونکہ جب آنحضرت صلعم سے پوچھا گیا کہ کیا دوا اور رقیہ تقدیر الٰہی کو ہٹا دیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ خود تقدیر الٰہی سے باہر نہیں ہیں (یعنی دوا وغیرہ میں جو تاثیر ہے وہ بھی خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہے) پھر شاہ صاحب نے اسی مطلب پر حضرت عمر کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو سرغ کے قصہ میں اُن سے منقول ہے۔ سرغ وادی تبوک میں ایک بستی کا نام تھا۔ وبائے شام کے قصہ میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب عمر فاروق سرغ میں پہنچے اور وبائے شام کا حال سُنا تو وہاں سے اُلٹے پھر جانے کا حکم دیا۔ عبیدہ بن الجراح نے کہا کیا تقدیر الٰہی سے بھاگنے کا ارادہ ہے۔ عمر فاروق نے کہا۔ نعم نفر من قدر اللہ الیٰ قدر اللہ۔ یعنی ہاں ہم تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتے ہیں۔ اور پھر یہ تمثیل بیان کی کہ "دیکھو اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں۔ اور تم ایک ایسی وادی میں پہنچو جس کی ایک جانب سرسبز ہو اور دوسری جانب چٹ پڑ ہو۔ تو چاہو تم سرسبز زمین میں اپنے اونٹ چراؤ اور چاہو چٹ پڑ زمین میں دونوں صورتوں میں تقدیر الٰہی سے باہر نہیں ہو سکتے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسبب الاسباب نے جو مختلف اسباب میں مختلف تاثیریں رکھی ہیں اُسی کا نام تقدیر الٰہی ہے۔ مرض کی حالت میں پرہیز۔ اور دوا نہ کرنے سے مرض کا طول پکڑنا بھی تقدیر الٰہی ہے۔ اور پرہیز اور دوا کرنے سے اُن کا زائل ہو جانا یہ بھی تقدیر الٰہی ہے۔ وبا کے مقامات سے بھاگ کر موت سے بچنا بھی تقدیر الٰہی ہے۔ اور وبا کے مقامات میں جا کر مرنا یہ بھی تقدیر الٰہی ہے۔ گلہ کو سرسبز زمین میں چھوڑ کر اسکو چارہ سے سیر کرنا بھی تقدیر الٰہی ہے۔ اور چٹ پڑ زمین میں چھوڑ کر اسکو بھوکا مارنا یہ بھی تقدیر الٰہی ہے +

اسی مضمون کی بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں جنسے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے کام جنکا نتیجہ اچھا ہو اور ایسے کام جنکا نتیجہ برا ہے۔ دونوں طرح کے کام کرنے کا اختیار انسان کو دیا گیا ہو اور جو تکلیف یا راحت یا اقبال یا ادبار اسکو پہنچتا ہے وہ سب اُسی کے کام کے نتیجے ہوتے ہیں +

(مولانا **حالی** مرحوم)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق والاعمال

تہذیب النفس　تدبیر منزل　سیاست مدن

روناُرلانا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔

(بخاری شریف صفحہ ۱۷۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رخساروں پر تمانچے مارے۔ گریبان پھاڑے اور (جو میت پر جاہلیت کا سا) چلانا چلائے وہ ہم میں سے نہیں ہے

زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر کفار عرب کا دستور تھا۔ کہ میت کے رنج وغم میں عزیز و اقربا خصوصًا قریبی رشتہ والیاں عورتیں بحد روتی پیٹتی تھیں۔ ماتم پرسی۔ عزاداری کے لیئے نہایت شاندار اہتمام کیا جاتا تھا آس پاس سے محلے کی عورتیں بھی مصنوعی طور سے پیٹنے چلانے میں شریک ہو جاتی تھیں یہ رسم ہفتوں مہینوں۔ نیز بعض قوموں میں سال بھر تک جاری رہتی تھی۔

عورتیں حلقہ باندھکر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ انہیں سے ایک عورت مُردے کے مفاخر و اوصاف بیان کرتی جاتی تھی اور باقی تمام عورتیں اپنے سینے سر اور رخساروں پر تمانچے مارتی تھیں۔ چلاتی تھیں۔ ہائے ہائے کرتی تھیں۔ جہلائے عرب میں یہ بات قابل فخر اور باعث عزت تھی۔ کہ جس قدر مردے کا نوحہ زیادہ کیا جائے وہ مردے کی خوبی و بڑائی کا باعث ہے۔ اسی بنا پر عرب کے لوگ اسلام سے پہلے اپنے عزیزوں کو نوحہ وغیرہ کرنے کی وصیت کر جاتے تھے۔ چنانچہ طرفہ بن العبد جو عرب کے ممتاز شاعروں میں سے تھا۔ اور خانہ کعبہ نادار شرفا و عظما پر جو سات قصائد آویزاں کئے گئے تھے ان میں سے دوسرا قصیدہ اسی قابل النشا پرواز شاعر کا ہے۔ اپنے مرنے کے بعد مفاخر و اوصاف بیان کر کے نوحہ و بکا کی اپنی چچازاد بہن کو ان اشعار میں وصیت کرتا ہے سه

فَاِنْ مُتُّ فَانْعِيْنِيْ بِمَا اَنَا اَهْلُهٗ ۔ وَشُقِّيْ عَلَيَّ الْجَيْبَ يَا ابْنَةَ مَعْبَدِ [۱]

وَلَا تَجْعَلِيْنِيْ كَامْرِئٍ لَيْسَ هَمُّهٗ ۔ كَهَمِّيْ وَلَا يُغْنِيْ غَنَائِيْ وَمَشْهَدِيْ [۲]

بَطِيْءٍ عَنِ الْجُلّٰى سَرِيْعٍ اِلَى الْخَنَا ۔ ذَلُوْلٍ بِاَجْمَاعِ الرِّجَالِ مُلَهَّدِ [۳]

زمانہ جاہلیت۔ اور مشرکین کفار کی رسمیات کو اسلام کی مقدس تعلیم نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ اور شادی غمی کے متعلق شریعت غرا نے صاف صاف احکام بیان فرمادئے ہیں۔ جن کی اتباع و پیروی ہمارے لیئے نہایت ضروری ہے بعض عورتیں کم علمی اور ناواقفیت یا لاعلمی کے باعث خلاف شرع رسمیات میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے اکثر اقوال و افعال رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی اسوۂ حسنہ سے نہایت ہی دور ہو جاتے ہیں ٭

منجملہ ان کے بعض عورتیں میت کے گھر میں بغرض تعزیت و تسلی پسماندگان جاتی ہیں۔ بجائے اسکے کہ میت کے متعلقین کو صبر و تسلی دلائیں۔ خود گھروالوں کے لیئے وبال جان بن جاتی ہیں۔ پان چھالیہ کھانے میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی وجہ سے ان کی مدارات خورد و نوش میں کمی واقع ہو جائے۔ یا کم سے کم ایک وقت پان چھالیہ ہی میسر نہ آسکے تو عمر بھر طعنہ دینے کے لیئے موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ کہ فلاں کے گھر میں تو پان کا ٹکڑا تک نصیب نہ ہوا ٭

[۱] (اے بہن) معبد کی بیٹی! جب میں مرجاؤں تو میرے رنج میں) گریبان پھاڑنا اور جن باتوں کا میں مستحق ہوں اون کی تشہیر کرنا ٭

[۲] اور اس آدمی کی طرح میری وقعت نہ کرنا جس کے ارادے میرے ارادوں کی طرح نہیں جو لوگوں کو نفع نہیں پہونچا سکتا۔ (قومی) لڑائیوں میں شریک نہیں ہوتا ٭

[۳] بڑے بڑے قومی کاموں میں سستی و کاہلی کرتا ہے۔ لغو و فحش باتوں کو جلدی سے کرلیتا ہے۔ ذلیل ہے۔ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ آدمیوں کے تھپیڑ کھانے کا عادی ہے۔ دھتکارا ہوا ہے ٭

میت کے گھر والوں پر میت ہی کی کچھ کم مصیبت نہ تھی۔ اس سے بڑھ کر غریب مہمانوں کی مدارات کی مصیبت آ پڑی۔ مہمانوں کی خبرگیری۔ ان کے بچوں کے کھانے پینے کی دیکھ بھال۔ گاڑی اور بہلیوں کا کرایہ۔ بیلوں اور گھوڑوں کا گھاس دانہ۔ آنے والوں کی آؤ بھگت یہ تمام باتیں اس مصیبت زدہ دکھیا کو انجام دینی پڑتی ہیں۔ چاہے تو اسکے گھر میں کھانے کو بھی نہ ہو۔ مگر برادری کے خوف سے قرض لیکر ضرور پورا کیا جائے۔ بعض بیبیاں مہینے بھر تک جانے کا نام نہیں لیتیں۔ گھر والوں کے لیئے میت کی مصیبت اور رنج و ملال سے کہیں زیادہ بڑھ کر یہ تکلیف و پریشانی ہوتی ہے۔

مَصَائِبُ شَتّٰی جُمِّعَتْ فِیْ مُصِیْبَةٍ ۔۔۔ وَلَمْ یَکْفِهَا حَتّٰی قَفَتْهَا مَصَائِبُ [1]

قریبی رشتہ والیاں جو واقعی خون کی شریک درد دکھ کی ساتھی ہوتی ہیں جو صبر و تسلی دلا سکتی ہیں محزون و مغموم دلوں کی ڈھارس بندھا سکتی ہیں۔ وہ بجائے صبر و تسلی دلانے کے گلے مل مل کر رونا شروع کر دیتی ہیں۔ بعض تو ایسی ہوتی ہیں خواہ مخواہ دکھانے کے لیئے منہ بناتی ہیں۔ آنکھ سے آنسو نہ آئے تو تھوک لگا لیتی ہیں پس ان مکاروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ جو عورتیں واقعی طور پر متاثر ہو کر گلے مل ملکر روتی رلاتی ہیں مردوں کے مفاخر بین کر کے خواہ مخواہ گھر والوں کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتی ہیں۔ اور تھوڑا بہت صبر جو آ چلا تھا۔ وہ ان عورتوں کی آہ و بکا سے مفقود ہو جاتا ہے۔ ایسی عورتوں پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے، کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مردے پر چلانے والی عورت اور نوحہ سننے والی عورت دونوں پر لعنت کی ہے۔

حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضہ سے روایت ہے کہ جب حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر رضہ بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ رضہ کی شہادت کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہونچی۔ تو آپ نہایت ہی غمگین ہو کر مسجد میں بیٹھ گئے۔ آپکے چہرہ مبارک سے رنج و ملال کے آثار ظاہر تھے۔ یعرف فیہ الحزن۔

میں کنواڑے کی جھری میں سے دیکھ رہی تھی۔ اسوقت ایک آدمی آپکے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ جعفر رضہ کی عورتیں انکو روتی ہیں۔ آپنے فرمایا ان کو رونے چلانے سے منع کرو۔ اس شخص نے حسب الارشاد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عورتوں کو رونے سے منع کر دیا۔ جب وہ نہ مانیں تو تیسری بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان کے مونہوں میں خاک ڈالدو۔ فَاحْثُ فِیْ اَفْوَاهِهِنَّ مِنَ التُّرَابِ (بخاری شریف جلد اول صفحہ ۱۷۴)

دل میں غم کا ہونا۔ اور آنکھ سے بیساختہ آنسوؤں کا جاری ہونا۔ یہ انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ اسپر کوئی مواخذہ نہیں۔ ہاں جاہلیت کی رسم کے موافق مردے کے اوصاف بیان کر کے چلا چلا کر رونا۔ ہائے ہائے کرنا۔ منہ پیٹنا۔ نوحہ کرنا۔ سیاہ کپڑے پہننا۔ کپڑے پھاڑ ڈالنا۔ ہاتھ مونہ کالا کرنا۔ گریبان چاک کرنا بالوں کا بکھیرنا۔ سر پر مٹی ڈالنا۔ سینے اور زانو کو پیٹنا۔ قبر پر آگ جلانا۔ یہ تمام رسمیات مقدس اسلام کی تعلیم کے خلاف اور زمانہ جاہلیت کی رسمیں ہیں۔

پیٹنے چلانے والیاں! اور ان کی بدولت مردہ بھی عذاب میں گرفتار ہوتا ہے

عن عبد اللّٰہ ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا تسمعون ان اللّٰہ لا یعذب بدمع العین ولا بحزن القلب ولکن یعذب بھذا واشار الی لسانہ او یرحم۔ وان المیت یعذب ببکاء اھلہ (صحیحین)

عبد اللہ بن عمر رضہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں سنتے ہو کہ آنکھ کے آنسو نکلنے نیز دلی غم پر اللہ تعالیٰ کسیکو عذاب نہیں کرتا اور زبان کیطرف اشارہ کر کے فرمایا مگر اسکے باعث اللہ تعالیٰ عذاب کرتا ہے یا رحم کرتا ہے!" "اور میت کو اسکے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منہ کے بال نوچنے والیوں۔ آواز سے چیخ کر رونے والیوں نیز کپڑے پھاڑنے والیوں سے بیزاری ظاہر کی ہے۔

عن ابی بردۃ قال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال انا بری ممن حلق وصلق وخرق (مسلم شریف)

حضرت ابو بردہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت سر کے بال منڈوائے (مردے کیلیے) آواز سے روئے گریبان پھاڑے میں ایسی سے بیزار ہوں

جو عورتیں مردوں پر نوحہ و بکا کرتی ہیں۔ اگر انکو توبہ نصیب نہ ہوئی۔ تو قیامت کے دن انکو سخت عذاب ہوگا۔ چمڑہ کے تیل کے کپڑے پہنائے جائیں گے اور انکا بدن بھی خارشی ہو جائے گا۔ جسکے باعث یہ سخت عذاب و تکلیف محسوس کرینگی۔

عن ابی مالک الاشعری قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم اربع فی امتی من امر الجاھلیۃ لا یترکونھن فذکر منھا النیاحۃ وقال النائحۃ

ابو مالک اشعری رضہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں میری امت میں کفر کی ہیں جنکو لوگ نہیں چھوڑتے ان میں سے

[1] مطلب یہ کہ مردہ کی وفات ہی ایک ایسی مصیبت تھی کہ جس میں متعدد مصیبتیں جمع تھیں ابھی یہ رنج و غم دور نہ ہوا تھا کہ پے در پے اور مصیبتیں آنے لگیں ۱۲

إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ

(مسلم شریف)

چلا کر رونے کی بابت فرمایا کہ چلا کر رونیوالی عورت نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن چیڑھ کے تیل کا لباس پہنا کر اٹھائی جائے گی اور اسکی اوڑھنی خارشی کی ہوگی۔

جو خوبیاں اور مفاخر ذکر کر کے عورتیں مردوں کے لیئے روتی پیٹتی ہیں۔ قیامت کے روز فرشتے وہی الفاظ کہہ کر مردے کو عذاب دیں گے کہ کیا تو واقعی ایسا ہی تھا۔

عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ بَاكِيهِمْ فَيَقُولُ وَاجَبَلَاهُ وَاسَيِّدَاهُ وَنَحْوَ ذَالِكَ إِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهِ مَلَكَيْنِ يَلْهَزَانِهِ وَيَقُولَانِ أَهٰكَذَا كُنْتَ +

(ترمذی شریف)

حضرت ابو موسیٰ رض فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مردے پر جو لوگ کھڑے ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہائے میرے پہاڑ۔ اور اے میرے سردار یا اور اسیطرح کی بڑائی کی باتیں رکھتے ہیں تو اللہ اس مردے کے لیئے دو فرشتے مقرر کرتا ہے۔ جو مردے کی چھاتی پر گھونسے مارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا تو ایسا ہی تھا۔

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی بی بی زینب کا انتقال ہوا۔ تو عورتیں چلا چلا کر رونے پیٹنے لگیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کی اس حرکت پر انکو کوڑے مارنے شروع کیئے۔ فَجَعَلَ عُمَرُ يَضْرِبُهُنَّ بِسَوْطِهِ +

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رض کو ہٹا کر فرمایا۔ کہ عمر رض گھر جاؤ۔ پھر عورتوں سے خطاب فرمایا۔ کہ تم شیطانی آواز سے بچو۔ آنکھ سے آنسوؤں کا جاری ہونا اور دل سے غم ہونا یہ اضطراری حالت ہے اور اللہ عزوجل کی طرف سے رحمت ہے مگر ہاتھ سے پیٹنا زبان سے چلانا رونا یہ سب شیطان کی طرف سے ہے (مشکوٰۃ شریف)

طبرانی رض نے بیان کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رونے پیٹنے والی عورتوں کی دوزخ میں دو قطاریں بنائی جائینگی۔ ایک قطار داہنی طرف ہوگی۔ اور ایک بائیں طرف۔ اور نوحہ کرنے والی عورتیں کتوں کی طرح دوزخیوں پر نوحہ بکا کریگی انکو روئیں گی بھونکیں گی +

عَنْ زَيْنَبَ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ فَدَعَتْ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةُ خَلُوقٍ أَوْ غَيْرِهِ فَدَهَنَتْ بِهِ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

(صحاح ستہ)

بی بی زینب رض فرماتی ہیں۔ کہ جب ام المومنین پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی ام حبیبہ رض کے والد ابو سفیان کا انتقال ہوا تو میں ان کے پاس گئی تھی۔ بی بی ام حبیبہ رض نے خوشبو منگائی۔ جسمیں زعفران کی زردی اور کوئی اور چیز ملی ہوئی تھی۔ وہ خوشبو اپنی باندی کے ملی۔ اور پھر اپنے رخساروں پر ملی۔ اور فرمایا کہ خدا کی قسم مجھ کو خوشبو کی کچھ حاجت نہیں تھی۔ مگر میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو عورت خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھے (یعنی مسلمان ہو) اسکو کسی مردے کا سوگ میں تین دن سے زیادہ اور شوہر کے سوگ میں چار مہینے دس دن سے زیادہ بیٹھنا حلال نہیں ہے +

اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے۔ کہ زیادہ سوگ میں رہنا کسی عزیز ماموں چچا بھائی۔ بھتیجے کے لیئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا درست نہیں۔ صرف شوہر کے مرنے کے بعد چار مہینے دس دن تک عورت کو سوگ کرنا اور عدت کے ایام پورے کرنا درست ہے اگر عورت حاملہ ہے تو بعد وضع حمل عدت ساقط ہو جاتی ہے۔

مردوں کے لیئے سوگ کرنا کہیں سے ثابت نہیں۔ بعض عورتیں مدتوں سوگ کرتی ہیں۔ سرخ کپڑے نہیں پہنتی۔ سرمہ نہیں لگاتیں۔ پان نہیں کھاتیں۔ خوشبو نہیں لگاتیں۔ چوڑیاں نہیں پہنتی۔ سال بھر تک میت کے عزیزوں میں شادی نہیں ہوتی۔ چوڑیاں نہیں پہنتیں۔ نئے کپڑے نہیں پہنتیں۔

میت کے گھر میں کڑھائی نہیں چڑھتی۔ چالیس روز تک گوشت نہیں پکتا تیل یا گھی کی کوئی چیز نہیں تلی جاتی۔ سرکہ کا آچار۔ بڑیاں۔ سوئیاں وغیرہ نہیں بنائی جاتیں۔ یہ باتیں خلاف شرع ہیں۔ اسلام میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ نیک بیبیوں کو کلام الٰہی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق چلنا چاہیئے۔

تین روز کے بعد اور جس عورت کا شوہر مرگیا ہو اسکو چار مہینے دس دن کے بعد سوگ موقوف کر دینا چاہیئے۔ اور فضول رسمیات کو مٹانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدےٰ +

محمد عبد التواب (عالم فاضل)

کلامِ اکبر

کیا وجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی — ہر چند کہ ہے شور ترقی کی صدا میں
یہ مسئلہ مشکل ہے وہی سمجھیں گے جن کو — ہے نشو و نما پولٹیکل آب ہوا میں
اک بات تعجب سے مگر میں نے سنی تھی — کل رات کو اک انجمن ذکر خدا میں
اسپیچ ترقی میں تو آندھی ہے یہ فرقہ — لگتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں

اِنفاق

(بمعنی خرچ کردن)

اِس مصدر کے مشتقات کا بہت زیادہ استعمال قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ جابجا اللہ فرماتا ہے کہ خرچ کرو۔ ظاہر ہے کہ مال و دولت خرچ کرنے کے لیئے ہے۔ خود کھانا پہنتا دوستوں رشتہ داروں اور محتاجوں کو دینا یہ سب خرچ کرنا ہے۔ بیج و شری میں دینا بھی خرچ کرنا ہے۔ بہرحال بے کسی خاص ضرورت کے۔ دولت کے جمع رکھنے سے اُسکا خرچ کرنا بہتر ہے۔ خدا نے دنیا کا کارخانہ یوں ہی رکھا ہے کہ وہ ایک کو دیتا ہے اور اُسکے ذریعہ سے سو پرورش پاتے ہیں۔ خرچ کرنا گویا فطرتِ انسانی ہے اور اسی فطرتی قانون کے نفاذ کے لیئے قرآن مجید کی آیتیں بار بار کہتی ہیں کہ خرچ کرو۔

خرچ کرنے کے متعلق زیادہ تر آیتیں بغیر کسی شرط یا قید کے ہیں۔ اور اسیلیئے شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے گویا ان کا ترجمہ یوں کیا ہے ع

خدا بر تو پاشد تو بر خلق پاش

اِس مصرع کی بلاغت توصیف سے بے نیاز ہے۔ اِس سے بہتر طریقہ بیان نہ فارسی یا اردو میں ہو نہیں سکتا۔ اسکے ساتھ دوسرا مصرع

برائے نہادن چہ سنگ و چہ زر۔

صداقت میں آپ اپنی نظیر ہے۔ ان دو مصرعوں نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی عظمت کیساتھ گویا سخاوت کو مسلمانوں کے خمیر میں داخل کر دیا ہے۔ مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن بخیل نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں میں سے جو بخیل سمجھے جاتے ہیں وہ دوسری قوموں کے اہل سخا سے بہتر ہیں۔

مفصلہ بالا مصرعوں کے ساتھ شیخ صاحب کا یہ شعر ؎

سخیان ز اموال بر سے خورند بخیلان غم سیم و زر می خورند

گویا متوالے کے ہاتھ میں تلوار دیدیتا ہے۔ مسلمانوں کو کوئی کتنا ہی سمجھائے لیکن اُن کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ "روپیہ ہاتھ میں آئے اور فوراً اسے خرچ نہ کیا جائے یہ بھی ممکن ہے"۔

اِس خرچ کرنے کی بدولت بھی کے مسلمان دولت کے بازار میں اپنا کوئی مال نہیں رکھتے صرف ظاہری رونق ان میں باقی ہے۔ اور وہ بھی چند دنوں کی مہمان ہے۔ کچے رنگ کی جھلک ہے۔ یا شبنم کے قطرے ہیں جو دھوپ میں ٹھیر نہیں سکتے۔ ان کے رزق کا دروازہ روز بروز تنگ ہوتا جاتا ہے اور خرچ کے دروازے بدستور کشادہ ہیں اور تعلیم مغربی کے اثر سے کشادہ تر ہوتے جاتے ہیں۔ جس تالاب میں پانی کی آمد نہ ہو۔

اور پانی اُسکا نکلتا رہے۔ اُسے ایکدن بیابان ہونا ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ زرکا پیدا کرنا مشکل ہے۔ خرچ کرنا آسان ہے لیکن حق یہ ہے کہ پیدا کرنا آسان ہے اور خرچ کرنا مشکل ہے۔ خرچ کرنے سے مطلب ہے خرچ کے موقع اور محل کا جاننا۔ اگر کھیت میں پیداوار فراواں ہے تو کسان کو سائلوں کی فراوانی سے کوئی ہراس نہیں ہوتا۔ جو سامنے سے گذرا کچھ نہ کچھ لے گیا۔ اسی موقع پر "خدا بر تو پاشد تو بر خلق پاش" پر عمل کرنا چاہیئے لیکن جب پیداوار کم ہوتی سال بھر کے خرچ کا حساب لگاتا ہے۔ سال آئندہ کے لیئے بیج کو محفوظ رکھتا ہے سال کے اندر جو اخراجات اتفاقیہ پیش آجاتے ہیں اُن کا خیال رکھتا ہے۔ کوئی تجارت نہیں ہے نہ کوئی ملازمت ہے۔ گھر میں پیری مریدی کا سلسلہ بھی نہیں ہے۔ کہ دستِ غیب کی اُمید ہو تو پھر اگر کسان آئندہ دقتوں کا خیال نہیں کرتا اور کھلیان ہی میں غلہ تقسیم کر رہا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ اسکے دماغ میں فتور ہے۔

اسی تمثیل پر تمام کاروبار دنیاوی کو قیاس کر لیجئے۔ جس وقت مسلمانوں پر فضل کردگار تھا۔ تمام عالم میں جو کچھ تھے وہی تھے۔ دولت اُن کے قدموں سے لگی ہوئی تھی اقبال گویا اُن کا غلام تھا۔ اُسوقت اُنکو یہی شایان تھا کہ ایک ہاتھ سے لیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اڑا دیا۔ لیکن اب کہ زمانہ برگشتہ ہے۔ بساط الٹ گئی کھیل بگڑ گیا۔ اقبال نے منہ موڑا۔ ادبار سر پر سوار ہے اور ہر ایک کے حسب حال سعدی کا یہ شعر ہے

شب چو عقد نماز بربندم چہ خورد بامداد فرزندم

تو ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی حالت پر غور کرے۔ چادر جتنی لمبی ہو اتنا ہی پاؤں پھیلائے۔ فکر فردا کو گناہ نہ سمجھے۔ ورنہ خودکشی کا مرتکب سمجھا جائیگا۔ نبیوں اور رسولوں کی تقلید اس بارہ میں ضروری نہیں ہے۔ لاکھوں۔ کروڑوں۔ اربوں میں ایک نبی ہوتا تھا۔ اُسے فکر کار نبوت و رسالت ہوتی تھی۔ دوسرے کاموں کے لیئے وہ مبعوث نہیں ہوتا تھا۔ ہم کو بھیجے گئے ہیں ہل جوتنے کے لیئے اگر ہل کا جوتنا بند کر کے کسی کوٹھڑی میں بیٹھ جائیں۔ اور فکر فردا کا بار اپنے سر پہ نہ لیں تو خلل دماغ سمجھا جائے گا۔ مسلمانوں کے اچھے دنوں میں بہت سے اکابر اسلام اور اولیائے کرام توکل پر بسر کرتے تھے۔ ان کے افعال بھی حق بجانب تھے کیونکہ اس وقت قوم میں اتنی دولت اور ثروت تھی۔ کہ چند افراد قوم کا بے فکر معاش رہنا قوم پر کوئی اثر بد نہیں ڈالتا تھا۔ بچھڑا کھونٹوں کے بل کودتا ہے۔ اگر ہمارے دس بھائی خوشحال ہوں۔ تو ہم بغیر کوئی کاروبار کئے ہوئے بھی خوشحال رہ سکتے ہیں لیکن مسلمانوں پر تو اب نفسی نفسی کا وقت ہے۔ ہر فرد بشر کو کچھ پیدا کرنا اور اپنے پیدا کئے ہوئے میں سے کل کے لیئے کچھ رکھ چھوڑنا یا فضول خرچیوں میں اپنی دولت کا ضائع نہ کرنا فرض ہے۔ "برائے نہادن سنگ و چہ زر" پڑھنے کا وقت نہیں رہا

اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ "آنچہ باشی باش الا اندکے زردار باش" ہرا کعب تک بجائے خود خیال فرداثہ ہوگا مسلمانوں کا ہندوستان میں حالت مقاریس کیا ہے وقری کی حالت میں بھی رہنا دشوار ہو جائے گا۔ میرے خیال میں علوم پڑھنے کی اتنی ضرورت مسلمانوں کو نہیں ہے۔ جتنا کہ یہ سیکھنے کی ضرورت ہے کہ زر کیونکر پیدا ہو اور جو پیدا ہوا وہ حصول معاش میں لگا کر کیونکر محفوظ رکھا جائے۔ مانا کہ ہم نے علوم مغربی سیکھے لیکن ہمارے پاس زر نہیں ہے کہ ان علوم سے ہم کاروبار میں مدد لیں تو ایسے عالموں سے طوطی قفس بہتر ہے کہ اس سے دل تو بہلتا ہے۔

اِس قدر سننے کے بعد ناظرین کے دل میں خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ سخاوت کی تعریف قرآن میں۔ حدیث کی کتابوں میں اور تمام بزرگان دین کے تذکروں میں ہے۔ ہم سخاوت کریں۔ شعار اسلام کے پابند رہیں اور پھر بُرے رہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ صرف احکام قرآنی سے ناواقفیت یہ وسوسے پیدا کرتی ہے۔ اِس وسوسہ کے رفع کرنے کے لیے اُن آیات قرآنی کا نقل کرنا کافی ہے۔ جن میں خرچ کرنے کے محل اور مواقع بیان کئے گئے ہیں۔ جو آیتیں کہ محض خرچ کرنے کے احکام بتاتی ہیں۔ اُنھیں اُن آیتوں کے ساتھ پڑھنا لازم ہے۔ جن میں خرچ کرنے کے لیئے قیدیں لگائی گئی ہیں۔ اِن آیتوں کا مفہوم واضح ہے۔ اور سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہے ہر شخص ان آیتوں کے پڑھنے کے بعد خود سمجھ سکتا ہے کہ خرچ کرنے کے متعلق احکام الٰہی کیا ہیں +

نمبر (۱) يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

(سورۂ بقرہ رکوع ۲۶)

اے محمد! تجھ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ "ہم کیا خرچ کریں" تو بتا۔ خیر کے لیئے خرچ کرتے ہو تو ماں باپ کو نزدیک کے رشتہ داروں کو یتیم بچوں کو۔ محتاجوں کو۔ اور مسافروں کو دو کوئی بھلائی تم کروگے تو اللہ کو ضرور علم ہوگا"

نمبر (۲) وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۷)

تجھ سے پوچھتے ہیں "ہم کتنا خرچ کریں" تو کہہ جو بچ رہے اسے خرچ کرو"

نمبر (۳) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۗ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اسکی راہ میں مال خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک دانہ بوئے اور اُس سے سات بالیاں نکلیں۔ اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اللہ جسے چاہتا ہے برکت دیتا ہے۔ اللہ گنجائش والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرکے احسان نہیں جتاتے اور نہ ایذا دیتے ہیں۔ اُنھیں ثواب اُسکا اپنے رب سے ملے گا۔ نہ اُنکو ڈر ہوگا اور نہ غم ہوگا۔ نرم بات کہنا اور درگزر کرنا اُس صدقہ سے بہتر ہے جسکے بعد ایذا دیجائے۔ اللہ بے نیاز اور بردبار ہے۔ مومنو! احسان جتاکر اور ایذا دیکر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو۔ ایسا کرنے والا گویا لوگوں کے دکھانے کے لیئے دیتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے پتھر پر مٹی جم جائے پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور اُسے صاف کر دے ایسے لوگوں کو اپنے صدقات سے کچھ ہاتھ نہیں لگے گا۔ اللہ کافروں کو راہ نہیں دکھاتا۔ اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا جوئی کے لیئے دلی اعتقاد سے خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے بلندی پر ایک باغ ہو مینہ برسے تو دونے پھل آئیں اور مینہ نہ برسا تو شبنم کافی ہوئی۔ اللہ تمہارے کام کو دیکھتا ہے۔

(سورۂ بقرہ رکوع ۳۶)

نمبر (۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

(سورۂ بقرہ۔ رکوع ۳۷)

مومنو! اپنی کمائی میں سے اور جو ہم نے تمہارے لیئے زمین سے نکالا ہے اُسمیں سے عمدہ چیزیں دیا کرو۔ اور ایسی گندی چیز دینے کی نیت بھی نہ کرنا جو تمہیں دیجاتی تو تم نہ لیتے مگر یہ کہ اسکے لینے میں چشم پوشی کرتے۔ جان رکھو کہ اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔ شیطان تمہیں ڈراتا ہے کہتا ہے کہ خرچ کروگے تو تنگدست ہو جاؤ گے اور وہ تمہیں شرم (بخل) کی باتیں سکھاتا ہے اور اللہ اپنی بخشش اور فضل کا تم سے وعدہ کرتا ہے اللہ گنجائش والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

(نمبر ۵)

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (سورۂ بقرہ ۲۔ رکوع ۳۷)

ان محتاجوں کو دینا چاہیئے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ بیخبر لوگ انکو سوال نکرنے سے تونگر سمجھتے ہیں۔ اے محمد! تو ان کی صورتوں سے انکو پہچانتا ہے۔ لوگوں سے یہ گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔ جو کچھ مال تم خرچ کروگے اللہ کو معلوم ہے۔

(نمبر ۶)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (سورۂ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۰)

لوگو! تم جب تک وہ چیزیں کچھ خرچ نکروگے جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔ نیکی تک نہ پہونچوگے اور جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ کو معلوم ہے۔

(نمبر ۷)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

سورۂ آل عمران ۳
رکوع ۱۸

اللہ نے جن لوگوں کو اپنے فضل سے کچھ دیا ہے اور وہ اسکے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ بخل ان کے حق میں اچھا ہے۔ بلکہ ان کے حق میں یہ برا ہے قیامت کے دن وہ شے جسکے خرچ کرنے میں انہوں نے بخل کیا ہے اون کے گلے کی طوق ہوگی۔ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ کے لیئے ہے۔ اور تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

(نمبر ۸)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

اسی اللہ نے ٹھٹے اور چھتر کے باغ پیدا کئے ہیں اور مختلف مزوں کے کھجور اور کھیت پیدا کئے ہیں۔ اور زیتون اور انار پیدا کئے ہیں جو بظاہر یکساں اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں یہ پکیں تو ان کے پھل کھاؤ اور کاٹنے اور توڑنے کے دن اللہ کا حق ادا کرو۔ اور اسراف نکرو کہ اللہ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔

(نمبر ۹)

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ (سورۂ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۵)

اے محمد! تو ہمارے مومن بندوں سے کہدے کہ وہ نماز پڑھا کریں اور ہمیں نے جو دیا ہے اسے چھپا کر یا ظاہر کرکے روز قیامت کے آنے کے پہلے خرچ کرتے رہیں اُس دن اعمال کی خرید فروخت ہوگی۔ اور نہ کسی کی دوستی کام آئے گی۔

(نمبر ۱۰)

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝

نہ تو اپنا ہاتھ کھینچکر گردن میں باندھ لے اور نہ بالکل پھیلا دے کہ تجھے ملامت زدہ اور تہی دست ہوکر بیٹھنا پڑے۔ (سورۂ بنی اسرائیل ۱۷)

(نمبر ۱۱)

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

اے محمد! تو کہہ اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے پاس ہوتے تو تم خرچ ہوجانے کے ڈر سے اہنیں بند رکھتے انسان بڑا ہی تنگدل ہے (بنی اسرائیل۔ رکوع ۱۱)

(نمبر ۱۲)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (سورۂ فرقان ۲۵۔ رکوع ۶)

وہ بھی بندگان خاص میں ہیں جو اپنے خرچ میں اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں۔ اعتدال سے کام لیتے ہیں۔

مفصلہ بالا آیتوں سے بخوبی واضح ہے کہ (۸) میں اسراف یعنی فضول خرچی کی مذمت کی گئی ہے اور (۱۰) و (۱۲) میں اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم ہے۔

سب کو ملا کر علما اور فقہا نے یہ لکھا ہے کہ مسرف سب سے برا ہے جسطرح شراب خواری کے لیئے نشہ اور نشہ کے ساتھ افعال قبیحہ کا سرزد ہونا یقینی ہے۔ اسی طرح مسرف کے لیئے چور دغا باز اور جھوٹا ہونا لازم ہے۔ بعد مسرف کے لئیم کا درجہ ہے لئیم اُسے کہتے ہیں۔ جو نہ خود کھائے۔ اور نہ دوسروں کو کھلائے بعد اسکے درجہ بخیل کا ہے جو خود تو کھاتا ہے۔ لیکن دوسروں کو نہیں دیتا۔ یہ تین درجے معیوب ہیں۔ چوتھا درجہ سخاوت ہے۔ سخی ہر حالت میں اچھا ہے مگر سخاوت کے دو قسمیں ہیں ایک صادق اور دوسری کاذب۔ ہم نے آج اپنا سب مال لٹا دیا۔ اور کل بھوک کی تکلیف ہوئی تو افسوس کرنے لگے۔ ایسے سخی۔ سخی کاذب ہیں۔ اور سخی صادق وہ ہیں جو آج اپنی کل دولت اوڑا دیں اور

ہم اور ہمارے مدارس

(غ۔ عبد ا)

بعض افراد قوم پرائیویٹ سکولوں اور کالجوں کے قطعی مخالف ہیں لیکن انکو ایسے مدارس قایم کرنے کا اسی لیے موقع ملا ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے بعض نہیں بلکہ اکثر قومی مدارس نے وہ توقعات پوری نہیں کیں جو مسلمانوں کو ان سے یقینی تھیں۔ یا اغلباً ہو سکتی تھیں۔ اسمیں شک نہیں کہ مسلمانوں کے عالمگیر افلاس کو مدنظر رکھتے ہوئے فی زمانہ یہی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کے لیئے جو سرمایہ مستقل یا غیر مستقل طور پر فراہم ہو سکے وہ وظائف کی صورت میں طلبائے قوم کو دیا جایا کرے اور سرکاری یا غیر سرکاری سکولوں اور کالجوں سے بر بین نہج وسیع فائدہ اٹھایا جائے۔ کہ مسلمان تعداد وظائف کا سلسلہ غیر معمولی طریق سے بڑھاتے رہیں۔ لیکن جہاں تک بزرگان و ہمدردان قوم نے ان امور پر غور کیا ہے اور ایک عرصہ دراز کے بعد یہ حقیر بھی اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ایام موجودہ میں اہل اسلام کے اطفال کے لیئے جداگانہ سکولوں اور کالجوں کی واقعی ضرورت ہے۔ اور اگر مسلمان اتفاق و محبت اور کوشش و ہمت سے ہر ضلع اور ہر قصبہ میں وہاں کی مسلم آبادی کے لیئے قومی دار العلوم کھولدیں تو ان کی نجات دنیا و آخرت اسی میں ہے۔ آج کسی شخص کو خواہ وہ کسی قوم و مذہب کا ہو تقریر یا تحریر سے تعلیم کی طرف متوجہ کرنا تحصیل حاصل ہے۔ آئے دن سکولوں اور کالجوں کا اجرا اور اُن میں کثیر التعداد طلبا کا داخلہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ تمام اقوام ہند علم و ہنر کی برکات سے باخبر ہو چکی ہیں۔ اور انہوں نے زمانہ کی اس منادی کو بخوبی سُن لیا اور دل نشین کر لیا ہے ؎

زمانہ نام ہے میرا تو میں تم کو بتا دونگا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے میں نام انکا مٹا دونگا

کون نہیں جانتا کہ ڈے سکولز کے علاوہ ملک میں روز بروز نائٹ سکولز کو ترقی دیجا رہی ہے۔ وہ لوگ جو دن بھر محنت مزدوری کرتے ہیں۔ رات کو نوشت و خواند سے واقفیت پیدا کرنیکے لئے ان مدرسوں میں جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے جمود کو خدا جلد نابود کرے معلوم نہیں ان کے دلوں میں اس قسم کا جوش کب پیدا ہوگا۔ البتہ ہم اپنے برادران وطن کی غیر معمولی اور اَنتھک کوششوں کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ جہاں اپنے لڑکے اور لڑکیوں کے لیئے الگ الگ ابتدائی تعلیمگاہیں۔ ہر قصبہ۔ ہر شہر اور ہر محلہ میں کھولنے کے درپے ہیں۔ سب سے زیادہ قابل قدر خدمت قوم و ملک کی یہ کر رہے ہیں۔ کہ آجکل ان طبقات قوم کو بھی عملی طور پر تحصیل علم کی طرف کھینچ رہے ہیں جن سے انکو مذہباً دلی نفرت تھی اور جن کے حق میں انکا فتویٰ تھا کہ وہ ہمیشہ ذلت میں رہ کر گمنامی کی زندگی بسر کریں اور کبھی خوشحال ہو سکیں اور نہ عزت و اقبال کا خواب دیکھ سکیں۔ وہ کون ؟ شودر لوگ یعنے نیچ قوم کے افراد۔ جنکے لیئے قرار دیا گیا تھا۔ کہ ہمیشہ نامراد جئیں اور ناشاد مریں۔ فتفکروا یا اولی الالباب۔ خدا کی شان ہے۔ ہم کو ارشاد ہوا تھا ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ :۔ طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم ومسلمة۔ لیکن لڑکیوں کی تعلیم و تربیت تو درکنار ہم لڑکوں ہی کی تعلیم و ہدایت کی طرف سے ابتک اس قدر بے فکر ہیں کہ جس کی حد نہیں۔ اوّل تو ہمارے سکول، کالج اور دیگر مدارس ہی کم ہیں۔ اگر کچھ ہیں بھی تو انمیں تعداد طلبا بکم ہے۔ لائق استادوں کی کمی ہے۔ ان تعلیمگاہوں کی نگرانی کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے مسلمانوں کی جیبوں سے روپیہ مانگ مانگ کر بے دریغ صرف کیا جا رہا ہے لیکن اگر نتائج امتحانات سالانہ کا ..... برادران وطن کی تعلیمگاہوں سے مقابلہ کروگے تو حیرت انگیز اور عبرت خیز فرق پاؤ گے۔ ہمارے طلبا اُن کے مقابلہ میں دس فیصدی بھی کامیاب نہیں نکلتے ؏

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہاں جب ایسی افسوسناک حالت ہے تو کیا ہر ایک ممبر اسلام کا یہ فرض نہیں ہے کہ اسکے وجوہات پر غور کرے ؟ کیا ہر ایک تعلیم یافتہ بزرگ نوجوان قوم خواہ وہ پرانی روشنی کا ہو یا نئی روشنی کا ہو۔ مذہباً اور اخلاقاً ذمہ دار نہیں ہے۔ کہ قومی تعلیم کے موجودہ نقائص کیطرف متوجہ ہو اور نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ ان کے ازالہ میں ساعی ہو ؟ اسمیں شک نہیں کہ پنجاب اور ہندوستان میں چند اسلامی تعلیمگاہیں ایسی بھی ہیں جن کی تعلیم و تربیت جنکے حسن انتظام جن کی مالی حالت قوم کے لیئے بمقابلہ طمانیت بخش اور لائق تعریف ہے۔ لیکن اسلامی مدارس اور کوالج کی عام ناگفتہ بہ حالت کی اصلاح بہت ضروری ہے اور اگر اہل اسلام اپنی اُس خصوصیت پر اب بھی نازاں ہیں کہ وہ نصیحت کو برا نہیں مانتے۔ اور اگر انکو اپنے بزرگوں کا طرز عمل اور انکا مقدس زمانہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتا تو یقیناً بلا تامل انکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ ؎

سعادت بڑی اُس زمانہ کی یہ ..... تھی — کہ جھکتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی
نہ کرتے تھے خود قول حق سے خموشی — نہ لگتی تھی حق کی اُنہیں بات کڑوی
غلاموں سے ہوجاتے تھے بند آقا
خلیفہ سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اُن باہمت اور نیک نیت اسلاف کے اخلاف بھی کسی نصیحت یا نکتہ چینی کو ٹھنڈے دل سے سننے کے لیئے تیار ہیں یا نہیں؟

چونکہ میں چاہتا ہوں کہ موجودہ سکولوں اور کالجوں کی تعلیم اور ان کے انتظام کی طرف برادران قوم کو توجہ دلاؤں۔ نیز اسی سلسلہ میں مروجہ عربی نصاب تعلیم کے نقائص بوضاحت بیان کروں۔ اسلیئے مجھے امید ہے کہ **اسوۂ حسنہ** کے قارئین کرام اُنْظُرْ مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرْ مَنْ قَالَ کو مدنظر رکھ کر میرے اس سلسلۂ مضمون کو پڑھیں گے اور ایسی تجاویز اور تدابیر سوچیں گے جن سے قوم کے طلبہ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ سچی اسلامی روح پیدا ہو۔ اور اسکی لیاقت میں بیش از بیش اضافہ ہو۔ وہ آدھے تیتر اور آدھے بٹیر نہ بنے رہیں۔ بلکہ ان کی گفتار و رفتار اوضاع و اطوار میں ایسی تبدیلی پیدا ہو جو اسلام اور مسلمانوں کے شایاں ہو۔ جو ملک اور اہل ملک کے لیئے مفید ہو۔ جس سے تمام فرقہائے اسلام میں وہ یگانگت اور یکرنگی پیدا ہو جو آیت پاک صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً میں پوشیدہ ہے۔

ہاں! کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنکو تحصیل علم کے سہل سے سہل وسائل حاصل ہیں۔ اور کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ اشخاص جنکے پاس تحصیل علم و ہنر کے لیئے روپیہ ہے۔ اور سب سے آخر لیکن سب سے اول کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ اقوام جن کی تعلیم و تربیت کا نصاب صحیح، مفید، سہل، قلیل المدت اور خاصکر اُن کی اپنی مادری زبان میں ہے۔ مگر ایسے لوگ کہاں ہیں؟ ہندوستان میں تو انکا نام و نشان نہیں شاید دیگر حصص عالم میں ہوں۔ اور یقیناً ہیں لیکن اسمیں کس کا قصور ہے؟ کیا ہماری سرکار عالیہ کا؟ نہیں ہرگز نہیں ع

آنچہ بر ماست از ماست

کا قصہ ہے۔ ہم نے اپنی ضروریات کو خود نہیں سمجھا۔ ہم اپنی مشکلات کو خود ہی آسان نہیں کرتے۔ اور آسان اسلیئے نہیں کرتے کہ ہم میں سچا احساس نہیں۔ ہم محض دفع الوقتی کر رہے ہیں۔ ورنہ قوم و ملت اور حاکم و حکومت کی سچی خدمت تو یہی تھی۔ کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہا جاتا۔ اپنی گتھیوں کو خود ہی سلجھانے کی کوشش کی ہوتی اپنی تعلیمی ترقی کے طریقے خود ہی تجویز کئے جاتے۔ ہم نے بارہا آزما لیا ہے کہ جب کبھی علی الاعلان اور موثر و متفقہ کوشش کے ساتھ پبلک یا کسی خاص فرقہ و مذہب کی طرف سے نصاب تعلیم کی یا کسی قسم کی غلطی کو رفع کرنے کی احتجاج ہوئی ہے اُس غلطی کی درستی کی گئی ہے۔ حال ہی میں ایک فارسی کی کتاب سے کچھ فحش اندراجات خارج کیے جا چکے ہیں۔ کتب عربیہ میں جو سکولوں اور کالجوں میں بطور نصاب مقرر کی گئی ہیں۔ گو ایسے سقم کم ہوں۔ لیکن وہ نصاب ہی سرے سے ایسا علی الحساب مقرر ہوا ہے جسمیں بے حساب نقائص ہیں اور جس کی تعلیم پر نہ صرف وقت برباد کیا جاتا ہے بلکہ بہت سی دولت رائگاں جا رہی ہے۔ لیکن ع

گوش حق شنو کجا و دیدۂ اعتبار کو؟

سرکاری یونیورسٹیوں نے اہل ہند کی ضروریات ملکی کو مدنظر رکھ کر بزعم خود جو مفید ترین نصاب تجویز کئے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ سالہاسال کے تجربات اور مشاہدے نے انکو سراسر غیر مفید اور باعث تضیع اوقات ثابت کر دیا ہے۔ لیکن یونیورسٹیوں میں جو تعلیمیافتہ حضرات پبلک کی طرف سے بحیثیت نمائندگان ان کے ممبر ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اپنا حق نیابت کہاں تک ادا کرتے ہیں؟ کاش وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائگی میں اخلاقی جرأت سے کام لیتے تو آج یہ نوبت نہ آتی کہ باشندگان ہندوستان کی ایک کثیر التعداد جماعت تلاش ملازمت کے لیئے در بدر اور دفتر بدفتر اسطرح دھکے کھاتی اور ... بعینہ اس شعر کی مصداق ہوتی ہے

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر　　وہ کھوئے گئے اور تعلیم ۔۔۔ پا کر

لیکن کاش ہمنے بچوں کو علم علم کے لیئے پڑھایا ہوتا اور طالب العلموں نے علم کو علم ہی کے لیئے حاصل کیا ہوتا۔ غیر اقوام سے تو ہمیں کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ افسوس یہ ہے کہ اہل اسلام نے احکام اسلام کو نہ سمجھا۔ بچہ ابھی مدرسہ میں ہوتا ہے باپ اور مائیں دعائیں کرتی ہیں کہ الٰہی میرے بیٹے کو نوکر کر دے۔ اور کسی نیک بخت کی زبان سے یہ نہیں نکلتا کہ الٰہی میرے بچہ کو سوداگر و تاجر کیجیو۔ عالم فاضل کیجیو یا کسی اور علم و ہنر میں صاحب کمال کیجیو۔ ایسی باتیں سُن کر بچوں کے کان میں نوکری کی توقیر رہتی ہے۔ اور وہ فارغ التحصیل ہونے سے پیشتر ہی نوکری کی تلاش و فکر میں لگ جاتے ہیں۔ عام طور پر تعلیم کا نتیجہ ملازمت سمجھ لیا گیا ہے۔ اور اسی ملازمت کی بدولت ہماری علو ہمتی بلند خیالی اور آزادی نیست و نابود ہو گئی ہے۔ اسلام نے بتلایا تھا۔ یہ دنیا و مافیہا سب تمہارے لیئے ہے لیکن ہم نے اس چیز کو اختیار کیا جو ان نعمتوں میں نہیں تھی۔ اور اگر تھی تو ادنےٰ ترین قرار دی گئی تھی۔ خدا اور اسکے نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہنے بلحاظ معاشرت صرف تجارت ہی ایک ایسی چیز بتلائی تھی جسمیں بمقابلہ دیگر معاشرت اللہ تعالیٰ نے نو حصے زیادہ رکھے تھے لیکن ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ علیٰ ہذا القیاس زراعت اور صنعت و حرفت۔ تعلیم و تعلم۔ حکمت و طبابت وغیرہ وغیرہ ایسے شعبہ ہائے کسب و ہنر ہمارے لیئے تجویز کئے تھے جن سے اکل حلال میں کبھی زوال نہ آتا۔ اور جن کی بدولت ہمارا خوشحال رہنا یقینی امر تھا لیکن ہم نے غلامی اور ملازمت ہی کو ترجیح دی۔ اور اسی وجہ سے آج جس کسمپرسی کی حالت میں مسلمانوں کے بے شمار بچے اور نوجوان پریشان و سرگردان ہیں اس کی کوئی انتہا نہیں۔

مڈل اور انٹرنس فیل کی تعداد معلوم کرنا چاہو تو سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں میں ان کی عرضیوں کا نمبر شمار دریافت کرو۔ ان میں جو انٹرنس پاس یا گریجویٹ ہیں ان کی بھی لیاقت علمی کا امتحان کرو۔ انگریزی تو امید ہے وہ خود لکھ اور کچھ بول بھی سکینگے لیکن انکو اپنی مادری زبان میں ایک مختصر سا خط بھی اپنے پدر بزرگوار یا مادر مہربان کے نام صحیح اور خوشخط لکھنا دشوار ہوگا۔ وہ اردو میں خود اپنی درخواست باقاعدہ قلم بند نہیں کر سکیں گے۔ اگر کسی مجمع میں کھڑے ہونگے تو ان کی اردو تقریر انگریزی الفاظ اور جملوں سے بھری ہوئی ہوگی۔ اور ان کے اردو الفاظ بھی ان کی ہندوستانی زبان سے انگریزی لہجہ میں نکلیں گے۔ الا ماشاء اللہ۔ ایسے تعلیم یافتہ حضرات کی نسبت مولانا حالی مرحوم فرماتے ہیں ؎

جو پوچھو کہ حضرت نے جو کچھ پڑھا ہے مراد اس کی اسکے پڑھنے سے کیا ہے
معاد اس میں دنیا کا اور دین کا کیا ہے نتیجہ کوئی یا کہ اسکے سوا ہے
تو مجذوب کی طرح سب کچھ بکیں گے
جواب اسکا لیکن نہ کچھ دے سکیں گے

مگر میں یہ کہوں گا کہ ان بیچاروں کا کیا قصور ہے۔ قصور ہے ان کے والدین کا اور نصاب تعلیم تجویز کرنے والوں کا۔ پس اگر مسلمان یا تمام اہل ہند اس امر کے خواہشمند ہیں کہ مسلمانوں میں اور اہل ملک میں صحیح علمی مذاق پیدا ہو تو ان کے لئے یہ فقط خواہش ہی نہیں بلکہ ان کا قومی مذہبی اور ملکی فرض ہے کہ وہ موجودہ نصاب تعلیم کے تلخ تجربہ کی بار بار آزمائش کر کے من جرب المجرب حلت به الندامة کے مصداق نہ بنتے رہیں بلکہ فوراً سے بیشتر متفقہ کوششوں کے ساتھ یہ اہتمام کریں کہ ہر ایک بڑے شہر میں ایک مدرسۃ العلوم و فنون ایسا جاری ہو جائے جس میں تمام و کمال تعلیم محض ان کی مادری زبان۔ زبان اردو میں دیجائے۔ بالخصوص برادران اسلام کی اخلاقی مذہبی۔ اور مالی حالت بھی امر کی مقتضی ہے کہ بلا تاخیر مزید و بغیر تضیع اوقات ہمت و استقلال کیساتھ اس کام کو شروع کیا جائے ؏

ہمت مردان مدد خدا

پر بھروسہ رکھ کر جس تحریک کا آغاز عمدگی سے کیا جائے گا۔ انشاء اللہ اسکا انجام بھی عمدہ ہوگا پس اگر ہم مسلمان ہیں اور فی الواقعہ اپنی بہبودی و ترقی چاہتے ہیں لیکن ان وسائل کو اختیار نہیں کرتے جو ہماری حقیقی ترقی کے لئے ضروری ہیں تو یہ سمجھو کہ ہمارے حق میں یہ صادق آئے گا ؎ راہ کے طالب ہیں پر بے راہ اٹھتے ہیں قدم + دیکھئے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم + میں اسوۂ حسنہ کے آئندہ نمبر میں اس مضمون سے زیادہ تفصیل کیساتھ بحث کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ +

(خادم قوم قاضی فتح محمد انبالوی)

سعیؔ

بعض حضرات کا خیال ہے اور محض غلط خیال ہے کہ سعی و محنت بیکار ہے۔ توکل بجا گھر میں بیٹھا رہنا چاہیئے جو کچھ قسمت کا ہے خود بخود بغیر ہاتھ پیر ہلائے پہنچ جائیگا حالانکہ آیۂ شریفہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى صاف بتا رہی ہے کہ انسان کو کوشش کرنا چاہیئے بغیر سعی محنت کچھ نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں نے توکل ہی کو نہیں سمجھا فی الحقیقت انسان کا کام محنت و مشقت کرنا ہے خواہ وہ طلب علم کے واسطے ہو خواہ طلب رزق کے واسطے اسکا ثمرہ دینا اور برکت عطا کرنا ہماری محنت کو ٹھکانے لگانا اللہ تبارک و تعالیٰ کے اختیار میں ہے پس ہم کو اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے بعد یعنے حتی الامکان سعی کے بعد اپنے ہر ایک کام کو سپرد بخدا کر دینا چاہیئے۔ خوب جان لینا چاہیئے کہ خداوند کریم کسی کی محنت کو بیکار نہیں کھوتا۔ ہاں اسکی رحمت کا ہر وقت خواستگار رہے۔ اپنی سعی پر نہ اترائے کہ یہ نادانی ہے۔ محنت کرنا اور مولیٰ تبارک و تعالیٰ سے برکت چاہنا حقیقی توکل ہے نہ کہ ہاتھ پیر توڑ کر گھر کی چار دیواری میں بیٹھ جانا۔ اگر یہی توکل ہوتا تو بڑے بڑے اکابر دین طلب علم اور طلب معاش میں کیوں دور و دراز ملکوں کا سفر اختیار کرتے امام بخاری علیہ الرحمۃ کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے بخارا سے لیکر مصر تک سفر کیا امام دارمی نے شام عراق خراسان۔ مصر۔ حرمین کا سفر کیا۔ اسیطرح ہزاروں اکابر دین نے طلب علم میں سفر کی صعوبتیں اٹھائی ہیں حتیٰ کہ بعض حضرات نے بلا مبالغہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میل سفر کی مسافت طے کر کے علم حاصل کیا ہے۔ امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں۔ کہ انہوں نے تین ہزار فرسخ یعنی ۹ ہزار میل کی مسافت پیادہ پا طے کی۔ یہ انکی سعی کا نتیجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں ان کے اسمائے گرامی سنہرے حروف میں لکھے ہوئے نظر پڑتے ہیں۔ ان کے تصانیف سے ہزاروں تشنہ لب سیراب ہوگئے ہو رہے ہیں۔ اور ہوتے رہیں گے۔ یونہیں بہت سے اکابر دین نے صنعت و تجارت دیگر ممالک کے حالات دریافت کرنے میں سعی و محنت کی ہے کوشش ہی وہ چیز ہے۔ جو انسان کو معراج ترقی پر پہنچاتی ہے۔ غریب سے امیر۔ جاہل سے عالم۔ اور ادنیٰ سے اعلیٰ بناتی ہے۔ سعی ہی کی بدولت آج ہم اسلام کو دنیا کے ہر گنج و گوشہ میں دیکھ رہے ہیں اسی کا فیض ہے کہ کوئی ملک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گونج سے خالی نہیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلکہ خود حضور پرنور سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین اسلام کی اشاعت میں کمال سعی سے کام لیا اگر وہ بھی توکل کے وہی معنے لیتے جو بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے سمجھ رکھے ہیں تو کیوں محنت شاقہ برداشت کرتے۔ ان حضرات کا اسوۂ حسنہ ہمارے پیش نظر ہے

اور وہ ہم کو کوشش کرنے کی ترغیب ہی نہیں دیتا بلکہ محنت و مشقت کرنا ہمارا فرض منصبی قرار دیتا ہے۔ پھر کیا معنی کہ کوشش کرنے سے جی چرائیں۔ اور خوئے بد را بہانۂ بسیار۔ اسلام کے سر الزام رکھیں کہ وہ ہم کو ہاتھ پیر ہلانے کی تعلیم و تلقین نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ بتاتا ہے کہ تمہارا کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھرنا۔ رزق کمانا۔ اہل و عیال کی پرورش کرنا اگر جائز طریقہ سے ہو سب عبادت ہے مولانا روم صاحب نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے طلا و نقرہ فرزند و زن

اسلام نے جیسی آزادی اپنے حلقہ بگوشوں کو عطا فرمائی ہے اسکی مثال کسی مذہب و ملت میں مل ہی نہیں سکتی۔ قرآن عظیم کا ارشاد ملاحظہ ہو لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعہا وہ ہم کو نہ تو رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے نہ کسب معیشت و پرورش اہل و عیال میں خالق کو فراموش کرنے کی۔ بلکہ میانہ روی سکھاتا ہے۔ خیر الامور اوسطہا اسکا حکم ہے کھاؤ۔ پیو۔ چلو۔ پھرو۔ علم سیکھو۔ معاش پیدا کرو متعلقین کی پرورش کرو مگر ہر آن و ہر لحظہ خالق کا دھیان رکھو اُسے نہ بھولو جس نے تمکو ہزاروں نہیں بلکہ کروڑوں نعمتیں عطا فرمائیں۔ اور ہر آن عطا کر رہا ہے اسپر بھی اگر ہم اسلام کو بدنام کریں تو یہ ہماری پرلے سرے کی ناشکری و کمزوریٔ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر نیک کام میں سعی و محنت کی توفیق عطا کرے آمین ثم آمین +

تعلیم صرف کتابی تعلیم کا نام نہیں ہے

ایک غلطی جو اکثر نہیں بلکہ قریب قریب سب تعلیم یافتہ کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ وہ تعلیم پھیلانے کے معنی ٹھیک نہیں سمجھتے یعنی بس ایک تعلیم کو تعلیم سمجھتے ہیں اور دوسرے طریقے جو تعلیم کے یعنی لوگوں کے دل و دماغ پر اثر ڈالنے کے ہیں اُن سے بے خبر اور لاپروا ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ نئے اور پرانے سب قسم کے علماء اور بزرگان اس صاف غلطی میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ جو شخص تعلیم کی غرض سے چندہ دیتا ہے۔ وہ لڑکوں کی کتابی ہی تعلیم کے واسطے ہوتا ہے۔ گھر اور ہیں تو اور داخلہ میں تو سب اسی کا نام تعلیم رکھتے ہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کتابی تعلیم ضروری یا عمدہ نہیں۔ بلکہ اکثر یہی تعلیم زیادہ ضروری ہے اور خاص کر ہمیں میں اسکا اثر بہت گہرا اور مستقل ہوتا ہے علم اور تعلیم کو صرف کتابی تعلیم اور درسیات میں محدود کر دینا ایسا ہی ہے جیسا پرانے زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ پنڈتوں یا پادریوں کے سوا کسی کے پاس علم نہیں ہوتا۔

یا جیسے کوئی شخص گھوڑے سے صرف عربی گھوڑا مراد لے۔ اور سوائے پکے مکانوں کے کسی قسم کے مکان کو مکان نہ بتائے۔ یہ نہیں جانتا کہ غریب یا مجبور آدمی اگر سواری چاہتا ہے یا رہنے کو گھر تو اسکو عربی گھوڑا کیسے حاصل ہو سکتا ہے اور کیا ضرور ہے کہ پکا گھر ملے تو بے گھر رہے۔ اگر تعلیم کا مقصد آدمی کو باکار۔ ہوشیار۔ نیک چلن۔ مفید بناتا ہے تو یہ بات کئی طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ وعظ سے نصیحت سے۔ ایکدوسرے کے سمجھانے سے اچھی صحبت سے۔ اچھی مثال سے۔ عمدہ کتاب پڑھنے سے۔ مفید اخبار کے مطالعہ کرنے سے یہ کیا ضرور ہے کہ ساری دنیا لکھنا پڑھنا سیکھ سکے۔ اور اتنی فرصت رکھے کہ مدارس میں مڈل سے لیکر ایم۔ اے تک امتحان پاس کر لیوے۔ یا میزان الصرف سے نفحتی اور شرح چغمنی تک سب کتابیں ختم کرے پس جب تم تعلیم پھیلانے کے خواہشمند ہو تو جس جس طریقہ سے لوگوں تک اچھی بات پہنچا سکتے ہو۔ اُن کے خیالات وسیع اور ذریعہ معاش بہتر کر سکتے ہو وہ سب تعلیم ہے۔ اصلاح کی طرف آمادہ کرنا تعلیم ہے تعصب کو کم کرنا تعلیم ہے اچھے اخباروں کا شوق دلانا تعلیم ہے۔ فضول خرچی۔ نمود۔ ریاکاری چھڑانا تعلیم ہے خود پر بھروسا سکھانا۔ خوشامد ترک کرانا جوئے اور فضول اشغال سے متنفر کرانا تعلیم ہے اور یہی تعلیم ہے جو کچے اور پکے سند یافتہ و غیر سند یافتہ سب کو دیجاتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ سبکو اسکی ضرورت ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تعلیم کے لمبے چوڑے معنی جو ہم نے لیے ہیں۔ نہ صرف لفاظی اور ایک خیالی تاویل ہے۔ بلکہ ایک قسم کی بدعت ہے پرانے لوگوں نے یہ معنی نہیں لیے مگر ہم یہ نہیں سمجھے کہ پچھلے زمانہ میں جب لکھنا پڑھنا نہیں تھا۔ بلکہ سقراط کے زمانہ تک اور کس طرح تعلیم دیجاتی تھی۔ صرف زبان اور مثال کے ذریعہ سے تمام دنیا کی تعلیم بھی اسی طرح کی تھی۔ یہ مانا کہ یہ زمانہ کتب کا ہے۔ تو اس تعلیم کو کتابوں اور رسالوں کے سہارے سے بڑھا دیجئے۔ مگر اس سیدھی اور سچی تعلیم سے بے خبر کیوں رہتے ہو۔

ہمارے نئے تعلیم یافتہ اور ہمارے پرانے تعلیم یافتہ دونوں اس بڑی تعلیم سے غافل ہیں۔ اور تعلیم کو ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ کئی کروڑ آدمیوں میں سے صرف چند لاکھ میں محدود رہے۔ اور اس سے عام خلایق فائدہ نہ اٹھا سکے اسلیئے ہمکو اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ اصلی تعلیم ملک میں پھیلے +

آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم

سُن او جہازران!

بابا! ہوا ہوں ہند سے میں عازمِ حجاز — خوف و رجا میں آن پڑا ہے مرا جہاز
لاؤ ڈھونڈھ کر اگر ہو کوئی زمزمہ نواز — ہوں گردشِ سفر سے بہت آج سرگران

سُن او جہازران!

موجیں اگرچہ ہیں متلاطم اِدھر اُدھر — لیکن کچھ اپنے دل میں نہ لا خوف اور خطر
لنگر اٹھا دے یار بھروسہ خدا پہ کر — ہو قافلے کو لیکے عرب کی طرف رواں

سُن او جہازران!

سنتا ہوں ماہ بحر ہے مخدوش آجکل — ہر اک طرف مچے ہوئے [illegible]
یورپ میں چھڑ رہی ہے لڑائی کوئی اٹل — مجھ کو مگر ذرا بھی نہیں خوفِ این و آن

سُن او جہازران!

رستہ میں ہو جہاز اگر تیرا پاش پاش — تختے ملیں ہو تیرے لیے دوشِ موج کاش
بہتی ہوئی مدینہ پہنچ جائے میری لاش — اُڑ جائیں مجھ کو لیکے سمندر کی مچھلیاں

سُن او جہازران!

برپا سمندروں میں جو طوفان ہو - تو ہو — گولوں سے سطحِ بحر پریشان ہے - تو ہو
ماہِ سفر میں حشر کا سامان ہے - تو ہو — کیسا خطر! خیال بھی اسکا نہیں یہاں

سُن او جہازران!

لاشہ مرا مدینہ کے جنگل میں ہو پڑا — آئے نسیم روضے سے لبیک کی صدا
تشریف لائیں خود مری میت پہ مصطفٰے — چہرے سے ہوں عیاں مری حسرت نصیبیاں

سُن او جہازران!

مجھ کو ہوائے شوق میں کچھ بھی نہیں ہے شاق — مکہ کی آرزو ہے مدینہ کا اشتیاق
ہے انتظارِ جلوۂ صبحِ شبِ فراق — حسرت یہ ہے کہ دور ہوں حسرت کی بدلیاں

سُن او جہازران!

ٹھوکر لگا کے پھر مجھے زندہ کریں حضور — آجائے جان پھر تنِ بے جاں میں بن کے نور
قربان جاؤں دیکھ کے دیدارِ پُر سرور — قدموں پہ پھر نبی کے نکل جائے میری جان

سُن او جہازران!

آنکھوں سے پہلے کعبہ کی چوکھٹ لگاؤں میں — لے کے آوازِ فصیح چین پاؤں میں
پھر روضۂ رسولِ مکرم پہ جاؤں میں — رو رو کے اپنا قصۂ فرقت کروں بیان

سُن او جہازران!

حاصل جو ایسی موت ہو اور ایسی زندگی — ارمان میرے دل میں نہ باقی رہے کوئی
آباد ہوں مدینہ میں بربادیاں میری — مطلب یہ ہے کہ مجھ کو ملے عمرِ جاوداں

سُن او جہازران!

لنگر اٹھا، قریب ہے ہنگامۂ سحر — پیکِ خیال نے مجھے دی ہے ابھی خبر

سُن او جہازران!

اب دل ہے ناشکیب نہ بس دیر کر — وہ دیکھ مسجدِ نبوی میں ہوئی اذان

سُن او جہازران!

سیماب
(صدیقی الوارثی اکبرآبادی)

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

بیشک عقل والوں کے لیے ان لوگوں کے حالات میں (بڑی) عبرت ہے

تذکرۃ السلف

ہمارے اسلاف کی دنیاوی جدوجہد

(نمبر ۲)

(الدنیا مزرعۃ الآخرہ)

جس روز سے حضرت آدمؑ زمین پر اتارے گئے ہیں۔ اسی روز سے آج تک دنیا برابر مزرعۃ الآخرہ رہی ہے۔ اور جب تک قیامت نہ آئے گی دنیا مزرعۃ الآخرہ رہیگی۔

حضرت آدمؑ کے ساتھ جنت سے تیس قسم کے میوے نازل کئے گئے تھے۔ ان میں سے عجوہ (کھجور)، ترنج اور کیلا انار وغیرہ وغیرہ ہیں +

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُهْبِطَ اٰدَمُ بِالْهِنْدِ وَمَعَهُ السِّنْدَانُ وَالْكَلْبَتَانُ وَالْمِطْرَقَةُ (ابن جریر رح)	حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ سرزمین ہند پر معہ سندان (اہرن نہائی) اور سنڈاسی (زنبور) اور ہتوڑے کے اتارے گئے تھے۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو بہشت سے نکالکر زمین پر بھیجا گیا ہے تو ان کے ساتھ مختلف قسم کے میوؤں کے تخم بیج کتھے۔ جو انکو جنت سے عطا کئے گئے تھے۔ مگر رنج والم اور گناہ سے توبہ کی فکر کی وجہ سے انکو کچھ خبر ہی نہ رہی تھی۔ شیطان تاک میں لگا ہوا تھا۔ جن بیجوں پر شیطان کا دست تصرف پھر گیا۔ وہ مسموم اور بے منفعت ہوگئے۔ اور جن تخموں کو شیطان کا ہاتھ نہیں لگا۔ وہ بدستور محفوظ رہے اور ان کی منفعت قائم رہی +

(از تفسیر فتح العزیز فارسی)

(سونا چاندی)

آفرینش دنیا کے وقت اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کی کانیں پیدا نہیں کی تھیں حضرت آدمؑ کے زمین پر آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انکو پیدا کیا ہے۔

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا خَلَقَ الدُّنْيَا لَمْ يَخْلُقْ فِيهَا ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً فَلَمَّا أُهْبِطَ اٰدَمُ وَحَوَّاءُ أَنْزَلَ مَعَهُمَا ذَهَبًا وَفِضَّةً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ مَنْفَعَةً لِأَوْلَادِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا + (رواہ ابن ابی دنیا رح)	حضرت جعفر بن محمدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کو پیدا کیا تو اسوقت سونے چاندی کی کانوں کو دنیا کی زمین میں پیدا نہیں کیا تھا جسوقت حضرت آدمؑ اور بی بی حوا بہشت سے دنیا میں آئے گئے اسوقت اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ سونے چاندی کو بھی نازل فرمایا اور ان کے بعد اللہ نے اولاد آدم کے لیے نفع کیلئے چشمے زمین پر بہادیئے

چنانچہ حضرت کعب احبار رض سے روایت ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے روپیہ و اشرفی بنایا۔ وہ حضرت آدمؑ ہیں۔ اور حضرت آدمؑ ہی نے دوسری چیزوں کے مقابلہ میں قیمتاً روپیہ و اشرفی کو رواج دیا ہے۔ (ابن ابی شیبہ رح)

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کپڑا بننا شروع کیا وہ حضرت آدمؑ ہیں۔ أَوَّلُ مَنْ حَاكَ هُوَ اٰدَمُ (مسند الفردوس) +

(لباس اور اس کی ایجاد)

اور اسکی بناوٹ اور اسکے پہننے کا طریقہ حضرت آدمؑ ہی سے ہم کو وراثۃ میں پہونچا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يَا بَنِيْ اٰدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (الاعراف ۸ پ)	اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے اور تمہاری زینت کا باعث ہے۔ اور پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے اور یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ دھیان کریں +

سلہ سندان اہرن۔ نہائی جس پر لوہا۔ چاندی وغیرہ کو رکھکر بڑھاتے ہیں۔ (لغات عربی) نواب غفرلہٗ۔

سلہ مطرقۃ ہتوڑا لوہاروں کا گھن۔ نواب غفرلہٗ۔

(کھیتی کرنا)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے ہاتھ سے ہل چلاتے اور کھیتی کرتے تھے۔ کَانَ اٰدَمُ حَرَّاثًا +

قصہ مختصر

جب حضرت آدمؑ زمین پر اُتارے گئے۔ بتقضاء بشریت جن جن چیزوں کی انکو ضرورت تھی جو ہر شخص خود ہی قیاس کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی انہی کی اولاد میں ہے اَبُوْهُمْ اٰدَمُ وَ اُمُّهُمْ حَوَّاءُ۔ ان اسباب کی تفصیل طوالت کا باعث ہے کتب تفاسیر و سیر میں تفصیل موجود ہے۔ جسکا جی چاہے دیکھ لے۔ الغرض تقریباً تین سو ساٹھ اسباب کو حضرت آدم اپنے ہاتھ سے پورا کر کے منہ تک روٹی کا نوالہ لیجاتے تھے۔

تالاب اور دریاؤں سے پانی بھرتے۔ درختوں کی لکڑیاں چن کر لاتے۔ کھلیاں گاہتے۔ اپنے ہاتھ سے جانوروں کو چارہ ڈالتے۔ سانی سانتے۔ دودھ نکالتے الغرض تمام کام اپنے ہاتھوں خود کرتے۔ بی بی حوا ؑ گھر کا کام کرتیں چکی پیستی جھاڑو دیتیں۔ روٹیاں پکاتیں۔

(سرزمین ہند کا سب سے پہلا بادشاہ)

پچھلی ایک روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آدم علیہ السلام سرزمین ہند پر اُتارے گئے تھے۔ لہذا یہیں سے ان کی حکومت و امارت کا آغاز ہوتا ہے۔ جب انکی اولاد شرقاً غرباً شمالاً جنوباً پھیلنی شروع ہوئی۔ اسوقت سب سے پہلے سرزمین ہند کیا بلکہ تمام دنیا کے حاکم و بادشاہ ہمارے جد امجد آدمؑ اور انکی ملکہ ہماری دادی بی بی حواؑ تھیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے۔ وَلِلّٰهِ دَرُّ مَنْ قَالَ[۱]۔ ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا | مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو | اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا | اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

(نبوت و خلافت)

آدم علیہ السلام سے نبوت و خلافت نیابت و رسالت۔ سیادت و قیادت وراثۃً منتقل ہوتے ہوئے ختم الرسل حضرۃ احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کے بعد جس قدر نبی و رسول دنیا میں تشریف لائے۔ سب نے نیابت و خلافت کے امور کو حضرت آدمؑ کی طرح انجام کو پہنچایا۔

[۱] انتخبت ہذہ الاشعار من قصیدۃ قومیۃ للفاضل الجلیل اعنی حضرت اقبال نادالقبابہم وکثر اللہ امثالہم ۱۲ تراب غفرلہ

اور ہمارے آقا و مولا حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جسقدر خلفاء و علماء اولیاء و فضلاء و فقراء کرام و صوفیاء عظام ہو گزرے ہیں سب نے بموجب آیت وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ مجاہدہ نفس اور دنیاوی جد و جہد کی ہے یعنی خدا کی رضا جوئی۔ اور خلق خدا کو فائدہ پہونچانے کی غرض سے بمقتضاء سید القوم خادمہم اپنے نفس کو بے حد تکلیفات مجاہدات و ریاضات میں مبتلا کیا ہے۔

بخوف طوالت مضمون چند، اولوالعزم رسول اور انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ کے بعد رسول عربی روحی فداہ کے چند جانثار خادموں کا تذکرہ کر کے فقیر اس مضمون کو ختم کئے دیتا ہے۔

(نوح علیہ السلام)

حضرت نوح جلیل القدر پیغمبر ہونے کے باوجود نجاری بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے جبار و سرکش اور ظالم و جاہل لوگوں کے غرق کرنے کے واسطے جب اللہ تعالیٰ نے پانی کا طوفان نازل فرمایا۔ تو جس کشتی میں بیٹھ کر حضرۃ نوح اور آپ کے متبعین نے نجات پائی تھی۔ وہ حضرت نوح ہی کے ہاتھوں کی بنی ہوئی تھی چنانچہ قرآن شریف میں یہ واقعہ اسطرح مذکور ہے:-

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ (ہود ع ۴ پ ۱۲)	اور ہمارے روبرو ہمارے حکم کے موافق تم کشتی بناؤ اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہو کیونکہ یہ لوگ ضرور غرق ہونگے چنانچہ نوح کشتی بنانے لگے اور جب کبھی انکی قوم کے سردار ان کے پاس سے ہو کر گزرتے تو وہ (ظالم) ہو کر ان سے تمسخر کرتے +

جب یہ متکبر و سرکش اپنی امارت و ریاست کے غرور اور حکومت کے نشہ کی وجہ سے نوح علیہ السلام کے مطیع و فرمانبردار۔ تو یہ ہر طرح طرح کے ظلم کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے تو وہ لوگ اور نیز حضرت نوح علیہ السلام ان کو یہ جواب دیتے کہ آج تم ہم پر ناجائز طور سے طرح طرح کی قیودات عائد کر رہے ہو اور بیجا ہم پر ظلم کرتے ہو۔ مگر عنقریب انشاء اللہ جب بمقتضاء نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ حق کی فتح ہوگی۔ اور تم اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹا دئے جاؤ گے۔ اور قہر خداوندی کا طوفان تم کو دنیا سے ناپید کرنیکے لئے چاروں طرف سے محاصرہ کرے گا۔ اور بالآخر تم غرق کر دئے جاؤ گے اسوقت ہم بھی جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ پر عمل کریں گے۔

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ	نوح یہ جواب دیتے کہ اگر آج تم ہم پر ہنستے ہو تو جسطرح تم (ہم پر) ہنستے ہو

تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝
(ہود ع ۴ پ ۱۲)

اسی طرح ہم بھی ایک دن تم پر ہنسیں گے اور تھوڑے دن بعد ابھی عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب نازل ہوتا ہے جو دنیا میں اسکی ذلت رسوائی کا باعث ہو اور ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب تکلیف اسکے سر پر قائم رہے۔

چنانچہ خدائی گورنمنٹ کے باغیوں کو سزا ملی اور سب کے سب اس واقعہ کے چند ہی دن بعد طوفانِ خداوندی میں بغاوت سرکشی کے جرم اور باغی اور سرکشوں کی اعانت کے الزام میں غرق کر دیے گئے۔ اور خدا کے فرمانبردار بندے اور حضرت نوح علیہ السلام ان کے پیشوا اس طوفان سے صحیح سالم بچ رہے ؎

تَرَى الْمَرْءَ يَسْعٰى وَالْبَوَارُ بِسَعْيِهٖ مَنُوْطٌ وَيَاْتِيْهِ الْقَضَاءُ بِالْعَجَائِبِ

حضرت ادریس اور حضرت ہود حضرت صالح

حضرت ادریس علیہ السلام خیاط تھے کپڑے سیا کرتے تھے۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام دونوں کے دونوں تجارت کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام زراعت و سنگتراشی کرتے تھے کیونکہ ان کے والد آزر پتھروں کے بت تراشا کرتے تھے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سن بلوغ کو پہنچے تو اپنے بت تراش و بت پرست والد سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا
(مریم ع ۳ پ ۱۶)

ابا! آپ کیوں ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ کچھ دیکھتے اور نہ آپکو کچھ فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔

جب آزر اور ان کے ہم خیال لوگ بتوں کی پرستش سے باز نہ آئے تو ایک روز حضرت ابراہیم نے بعض بتوں کے ناک کان کاٹ کر انکو نکما اور بیکار کر دیا اور بعض کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور سب سے بڑے بت کو صحیح سالم رہنے دیا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ
(انبیاء ع ۵ پ ۱۷)

پھر ابراہیم نے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر ان کے بڑے بت کو اس غرض سے نہیں توڑا کہ وہ اسکی سمت رجوع کریں۔

لوگوں نے پوچھا کہ! ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ بے ادبی کس ظالم نے کی ہے

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور الزام کے جواب یہ فرمایا۔ کہ تم بتوں کو خدا مانتے ہو ان کی پرستش کرتے ہو۔ تم انہیں سے نہ پوچھ لو۔ سب سے بڑے میاں تمہارا سب سے بڑا معبود تو موجود ہے۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ
(انبیاء ع ۵ پ ۱۷)

ابراہیم نے کہا بلکہ ان سب کے بڑے بت نے یہ حرکت کی ہوگی۔ اگر یہ بت بول سکتے ہوں تو انہیں سے پوچھ لو۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے معماری بھی کی ہے۔ اپنے ہاتھ سے خانہ کعبہ کی دیوار اٹھائی ہے۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اسمیں شریک تھے۔

حضرت شیث علیہ السلام

حضرت شیث علیہ السلام گذرے ہیں۔ ان کے ہاں بہت سی بکریاں اور بہت سے مویشی تھے۔ ان کے اون اور ان کے دودھ سے اپنی معاش حاصل کرتے تھے۔

چنانچہ سورہ قصص میں حضرت موسٰی اور حضرت شیث اور حضرت شعیب اور ان کی صاحبزادیوں کا مواشی چرانے کا تذکرہ مرقوم ہے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝
(قصص ع ۳ پ ۲۰)

اور جب شہر مدین کے پانی پر پہونچے تو دیکھا کہ کنوئیں پر لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اور دیکھا کہ ان لوگوں سے الگ دو عورتیں اپنے ریوڑ کو روکے کھڑی ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تمہارا مطلب کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر ہٹا نہ لیجائیں۔ ہم اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلا سکیں گے۔ اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔

موسٰی علیہ السلام نے فوراً ان کے لیے پانی کھینچا۔ اور ان کی بکریوں کو پانی پلایا پھر وہاں سے علیحدہ ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آ بیٹھے۔

جب حضرت شعیب کی صاحبزادیاں گھر میں آئیں تو اپنے باپ سے موسٰی علیہ السلام کا پانی پلانا۔ اور ان کی طاقت و قوت کا تذکرہ کیا۔ اور انکو اجرت پر اپنے ہاں رکھ لینے کی اپنے والد سے درخواست کی۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝
(قصص پ ۲۰)

ان لڑکیوں میں سے ایک نے کہا کہ اے ابا! ان کو اجرت پر نوکر رکھ لیجیے کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جسکو آپ نوکر رکھنا چاہیں مضبوط اور امانت دار ہونا چاہیے۔

؎ تو انسان کو دیکھتا ہے کہ وہ اپنے حصول مقصود کے لیے کوشش کرتا ہے اور ہلاکت اسکی کوشش کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہے اور قضا اسکو عجیب عجیب باتیں دکھاتی ہے ۱۲

الغرض موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیبؑ کی اس شرط پر کہ آٹھ سال تک تم میری خدمت نوکری کرو۔ حضرت شعیب کی ایک صاحبزادی سے نکاح کر لیا اور اس شرط کے موافق برابر بکریاں چراتے رہے اور شبانی کر کے زندگی بسر کرتے رہے۔

حضرت داؤدؑ

حضرت داؤد علیہ السلام نداد[1] (زرہ باف) تھے۔ جیسا کہ سورہ سبا کی آیات سے ظاہر ہے

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ — اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری دی
يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ — تھی اے پہاڑ و تسبیح و تلاوت میں ان کے
وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ﴿١٠﴾ أَنِ اعْمَلْ — ساتھ رجوع ہو۔ اور ایسا ہی حکم پرندوں
سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ — کو بھی دیا اور داؤد علیہ السلام کے لیے ہم نے
وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ — لوہے کو بھی نرم کر دیا تھا کہ درپوری اور
بَصِيرٌ (السبا ع ۲ پ ۲۲) — کشادہ زرہیں بناؤ۔ اور کڑیاں اندازے

سے جوڑو۔ اور اچھی طرح کام کرو۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو میں دیکھ رہا ہوں"

حضرت سلیمانؑ

حضرت سلیمانؑ خواص[2] تھے اپنے ہاتھ سے زنبیلیں، بورئے، پنکھے وغیرہ بنا کر کسب معاش کرتے تھے باوجودیکہ تمام روئے زمین کے مالک تھے تمام جنّ و بشر پر قبضہ و اقتدار حاصل تھا۔ مگر آپ اپنے ہاتھ سے کام کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ تفسیر فتح العزیز۔

حضرت عیسےٰؑ

حضرت عیسےٰ علیہ السلام سیاحی کرتے تھے صنعت و حرفت سے کبھی معاش حاصل نہیں کی۔ کبھی انھوں نے اپنے لیے کچھ ذخیرہ نہیں کیا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ جس خدا نے مجھ کو صبح کو کھانا کھلایا ہے۔ وہی خدا مجھے شام کو بھی شکم سیر کرائیگا ان کی تعلیم و ہدایت میں سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی تمہارے داہنے گلے پر طمانچہ مارے تو بایاں گلہ بھی سامنے کر دو۔

مسلمانو! کیسے تعجب کی بات ہے کہ جس قوم کے ہادی اور امن کے پیغمبر کی یہ حالت ہو کہ وہ کبھی اپنے ہاتھ سے روزی نہ کمائے۔ آج وہ قوم ہر طرح کے علوم و فنون اور حصول معاش کے ذرایع میں فائق اور پیش پیش نظر آئے۔ اور مسلمان جنکے پیغمبر نے خود تجارت کی اور طرح طرح کی صنعت و حرفت کی تعلیم دی۔ وہ آج ذلت و مسکنت کے بادیہ میں گمنام پڑی ہے۔

ہمارے آقا نامدار

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعثت سے پیشتر تجارت کرتے تھے بعثت کے بعد اعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے حقوق کی حفاظت نیز اسلام پر جو آئے دن حملے کئے جاتے تھے۔ اسکے روکنے کے لیئے جہاد کرتے تھے۔ اور حق تعالیٰ نے آپکے رزق کو اور آپکے صحابہ کے رزق کو تلواروں اور نیزوں کے سایہ تلے اتارا تھا۔ (فتح العزیز)

خلاصۃ الکلام

مندرجہ بالا آیات۔ احادیث و تفاسیر و اقوال سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی ہے کہ دنیا آج سے مزرعۃ الآخرہ نہیں ہے۔ بلکہ ابتداء آفرینش دنیا سے لیکر آج تک برابر یہ دنیا آخرۃ کی کھیتی اسی طرح بدستور قایم رہی ہے۔ اور تا قیام قیامت قایم رہےگی۔

تمام نبیوں نے حضرت آدمؑ کی تقلید کی ہے۔ اسی طرح بمقتضاء أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔ رسول اور انبیاء علیہم السلام کی تقلید شاہان اسلام نے کی۔ صوفیا کرام و اولیاء عظام نے سرزمین دنیا کو مزرعۃ الآخرہ تسلیم کر کے اسی دنیا میں خدا کی یاد میں مشغول رہے۔ اور اپنے ہاتھ سے حلال روزی کما کر قوت لایموت حاصل کی۔

کیا حضرت خواجۂ خواجگان معین الدین چشتی رح و حضرت قطب الدین بختیار کاکی و حضرت نظام الدین اولیا رح وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس زندگی ہمارے لیئے قابل تتبع اور واجب التقلید نہیں ہے۔ ذرا ان حضرات کی سوانحات عمری ملاحظہ فرمایئے۔

ان سب بزرگوں نے اپنی زندگی میں اپنی روزی کا بوجھ کسی غیر پر نہیں ڈالا۔ اور خود اپنے ہاتھ سے حلال روزی کماتے تھے۔ مگر یاد خدا اور اسلام کی ترویج و اشاعت سے ایکدم بھی غافل نہیں رہتے تھے۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر بزرگان دین میں سے کسی نے خدا کی عبادت نہیں کی اللہ تعالیٰ خود صاف لفظوں میں فرماتا ہے۔ کہ تم اپنے دنیا کے حصّے کو نہ بھولجاؤ۔ دنیا میں ترقی و عروج حاصل کرو نکمے اور بیکار رہ کر ملک میں دغا بازی چوری ڈکیتی اور طرح طرح کے فسادات نکرتے پھرو۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ — اور جو تجھ کو خدا نے دے رکھا ہے اس میں
وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ — منزل آخرۃ کا بھی فکر کرتا رہ اور دنیا سے
وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ — جو تیرا حصہ ہے اسکو بھول نہ جا اور

[1] نداد کشادو۔ زرہ گر۔ منتہی الارب
[2] خوص کشادو خوص فروش یعنی کھجور کے پتے بن کر پاپے بنے بیچنے والے۔ بکذا فی المنتہی الارب

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (قصص ع ۸ پ ۲۰) جسطرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔ تو بھی اوروں کے ساتھ احسان کر۔ اور ملک میں فساد (و بدامنی) کا خواہاں نہ ہو کیونکہ اللہ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا ؎

پس اگر ہم عنداللہ وعندالناس خود کو معزز و محترم بنانا چاہتے ہیں اور اپنے کھوئے ہوئے جنت کے باغ اور اپنا کھویا ہوا ہمیشگی کا ملک وملک لا یبلیٰ اور اپنی سلطنت اور ہمیشہ کی جاہ و حکومت یعنی جنت اور اپنا ذہنی رعب داب وہی گوری گوری چمڑی والے غلمان۔ اور وہی خوبصورت لونڈیاں یعنی حورین اور وہی اقتدار و اختیار قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں کو از سر نو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس دنیا میں آدم علیہ السلام و دیگر انبیاء خصوصاً حضرت ختم المرسلین اور آپ کے صحابہ کی مقدس زندگی کی پیروی کرتے ہوئے ان کے قدم بقدم چلیں اور دنیا کے ہر شعبہ میں ترقی کرتے ہوئے عبادت مولیٰ اور اسکی رضاجوئی کا ہر وقت ہمکو خیال رہے۔ انشاء اللہ اگر ہماری یہی جدوجہد رہی تو ہم اپنا آبائی ملک پھر حاصل کر سکیں گے یعنی جنت کے پانے کے حقدار و مستحق بن جائیں گے اور اگر ہم اسی طرح کاہل الوجود رہے تو نہ دنیا ہی میں ہماری کوئی عزت ہوگی۔ اور نہ عقبیٰ ہی میں ہم کامیاب ہو سکیں گے

پس آج سے ہمکو دنیا کے ہر شعبہ میں (یہ خیال کر کے یہ خدا نے ہمارے ہی لیئے بنایا ہے۔ اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں۔ یہ بھی عین عبادت ہے) ترقی کرنی چاہیئے اور اپنے ملک کو جسکو کہ ہمارے ماں باپ سے شیطان نے فریب دے کر چھنوا دیا پھر یعنی جنت کے حصول کے لیئے جان تک لڑا دینی چاہیئے۔ اور کسی وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یاد الٰہی سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ اور کسی شیطان یا شیطان کے بچے یا اسکے بھائی بند اخوان الشیاطین کے دھوکے اور فریب میں نہ پھنسنا چاہیئے۔ ورنہ ہم بھی حضرت آدم کی طرح جنت کے باغ اور اسکی زرخیز سنہری و پر فضا زمین کے حاصل کرنے سے محروم کر دئے جائیں گے۔ حضرت آدم کی خطا تو خلیفۃ للارض اور ابو البشر اور اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہونے کی وجہ سے مقبول ہو گئی ہے۔ مگر ہم بجز اطاعت اللہ و پیروی رسول کے ہرگز ہرگز جنت کو حاصل نہیں کر سکتے کیسے تعجب کی بات ہے کہ ہم ایک وقت میں مسجود الملائک تھے۔ اور آج ہم اس طرح ذلیل و رسوا ہیں۔ معصوم دیکھیں ہیں سے

ہیں آج کیوں ذلیل کل تک نہ تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

ہم زمین پر محض کھانے پینے سونے اور بیکار رہنے کے لیئے نہیں پیدا کیئے گئے ہمارے پیدا کرنے سے بڑی غرض خدا کی یہ تھی۔ اور فرشتوں کو دکھانا منظور تھا کہ ہمارا بندہ دنیاوی کاروبار میں مصروف رہکر اور طرح طرح کے مصائب و مشکلات میں مبتلا ہو کر بھی ہم کو نہیں بھولتا۔ اور ہر وقت اسکے پیش نظر بس ہماری ہی ذات رہتی ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (انعام ع ۲۰ پ ۸) میری نمازیں اور میری تمام عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لیئے ہے۔ جو سارے جہان کا پروردگار ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

حکایات

خلیفہ یعقوب ابن لیث ابتداء میں مٹی کا کام کیا کرتا تھا اسلیئے اسکو صفار کہتے ہیں آخر میں اس نے اپنا کام چھوڑ کر یہ خیال کیا کہ عمر گرانمایہ مٹی میں صرف کرنی نہایت کمینہ خیال ہے بلکہ عالی ہمتی کے وسیلہ سے کوئی ایسا کام کرنا چاہیئے کہ اگر اس میں کامیابی ہو فہو المراد اور اگر نہ ہوئی تو راہ طلب میں جان دینی خود بلند نامی کا باعث ہوگی چنانچہ اسی عالی حوصلگی کے باعث بادشاہ ہو گیا۔

امام ابو نصر قشیری کے روبرو حضرت بایزید بسطامی کا ذکر ہوا کہ آپ ایک روز فرماتے تھے۔ کہ میں خدا کی رحمت سے اسکا سائل بننا چاہتا تھا۔ کہ تمام مخلوق کے گناہوں کو دامن مغفرت سے ڈھانک دے۔ مگر مجھے شرم آئی کہ یہ ذرا سی چیز ایسی بڑی سرکار سے کیا طلب کروں۔ ابو نصر نے فرمایا کہ اسی عالی ہمتی کے باعث بایزید نے دین و دنیا کی بلند نامی حاصل کی ہے سے

باہمت باز باش و باکبر پلنگ کانجا ہمہ اوست و اینجا ہمہ رنگ

خلیفہ مالک کے روبرو ایک روز اُن کا بیٹا کھیل رہا تھا۔ اور ایک عقلمند غلام کا نیک لڑکا دست بستہ سامنے کھڑا تھا۔ مالک نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ دنیا میں تجھے کیا چیز پسند ہے۔ اُس نے کہا خزانے۔ گھوڑے۔ آلات حرب۔ لونڈی غلام اور سامان سلطنت۔ پھر اُس غلام کے لڑکے سے پوچھا۔ اُس نے جواب دیا (ھمتی اَنْ اُعْتِقَ رَقِیْقًا اَوْ اَسْتَرِقَّ بِالْاِحْسَانِ حُرًّا) یعنی میری ہمت تو یہ ہے کہ کسی غلام کو آزاد کر دوں۔ یا آزاد کو اپنے احسانات کا بندہ بنا لوں۔ مالک نے کہا تو میرے بیٹے کی نسبت مجھے زیادہ محبوب ہے کیونکہ تیرے کلام سے عالی ہمتی کی بو آتی ہے۔ اسکے بعد یہ لڑکا بادشاہ ہو کر مالک کا بیٹا مشہور ہوا۔ اور بڑی عالی ہمتی سے بادشاہت کی۔

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

جسکو حکمت دی گئی بے شک اُس نے بڑی دولت پائی +

حکمت و موعظت

شذرات الحکم

اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے ایک بزرگ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو بعد از وفات کشف میں دیکھا۔ نجات کی وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ ایک روز میرے قلم کے سر پر مکھی بیٹھی تھی۔ میں اس کی سیرابی کے خیال سے اسوقت تک لکھنے سے باز رہا جب تک کہ وہ خود نہ اڑ گئی۔ یہ عمل میرا مقبول ہوا۔ غور کرو اللہ تعالیٰ کیسا نکتہ نواز ہے۔ کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (پ ۷۔ س الانعام ع $\frac{۷}{۱۲}$) تمہارے پروردگار نے مہربانی کرنا از خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے +

اسراف و امساک خداوند تعالیٰ نے جو حدود مقرر فرمائے ہیں۔ ان سے تجاوز کرنے کا نام اسراف ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق حلال و طیب اشیا کا استعمال اسراف نہیں ہے۔ بلکہ تہیہ اسباب معیشت۔ سامان معاش میں اپنی حیثیت و استطاعت کو ملحوظ خاطر نہ رکھنا اور تفریط سے کام لینا امساک ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک صحابی سے اس کا حال پوچھا جب اس نے آسودگی و فراخی اور مال و دولت کا حال بیان کیا تو فرمایا جب حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آسایش دی ہے تو پھر خوراک پوشاک اس کے مطابق ہونا چاہیئے فلیریٰ علیک اثرہٗ +

روحانی تربیت کا انتظام کارخانہ عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اتنا بڑا انتظام صرف جسمانی تربیت کے لیئے ہے تو پھر تو یہ ایک کھیل اور تماشا ہے مگر فی الواقع ایسا ہرگز نہیں بلکہ روحانی تربیت کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اسی واسطے اولی الالباب کہتے ہیں ربنا ما خلقت ھذا باطلاً (پ ۴۔ س آل عمران۔ ع $\frac{۲۰}{۱۱}$) اے ہمارے پروردگار! تو نے اس کارخانہ عالم کو بے فائدہ تو نہیں بنایا۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ زمین و آسمان و ما بینہما انسان کی روحانی تربیت کے لیئے ایک فعلی کتاب ہے اور قرآن مجید فرقان حمید ایک قولی کتاب ہے +

درگزر اپنا شیوہ بناؤ یہ امر انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جب کبھی کو اپنے عقائد کے برخلاف کوئی کام کرتا دیکھتا ہے۔ یا اپنے معتقدات کی تحقیر و توہین دیکھتا ہے تو اسکو غصہ آتا ہے۔ اسی بنا پر اسلام نے اپنے متبعین کو ہدایت فرمائی ہے کہ نرمی و ملایمت سے سمجھائیں۔ اور درگزر اپنا شیوہ بنائیں چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبون (پ ۲۵۔ س الجاثیہ ع $\frac{۲}{۱۴}$) اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہو کہ جو لوگ خدا کے کارناموں سے نہیں ڈرتے ان سے درگزر کریں۔ اور خدا پر چھوڑے رہیں۔ تاکہ اللہ ان لوگوں کو ان کے کیئے کا بدلہ دے +

اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنا امتیاز قایم رکھو جب کفار و مشرکین مکہ نے دیکھا کہ وہ مخالفت میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو انہوں نے مداہنت اختیار کی۔ اور چاپلوسی کرنے لگے۔ اسپر خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ثم جعلنٰک علی شریعۃ من الامر فاتبعہا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون (ایضًا) پھر اے پیغمبر! ہم نے تم کو دین کی ایک شریعت یعنی اسلام سے لگا دیا ہے۔ تو تم اسی راستہ پر چلے جاؤ اور ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلو جن کو ان باتوں کا علم نہیں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آپکے صحابہ کرام جن کی شان میں اشداء علی الکفار وارد ہے۔ کفار کی چاپلوسیوں سے کبھی متاثر نہیں ہوئے اور نہ انہوں نے اظہار حق میں مداہنت کی جسطرح چھوٹا نالہ بڑے نالہ میں ملجانے سے اسی میں جذب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چھوٹی قوم بڑی قوم میں ملجائے تو فنا ہو جاتی ہے۔ پس اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنا امتیاز قایم رکھو +

من اعبد منی؟ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ آپ آستین و دامن جیب میں

اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں؟ اس شخص نے پوچھا یا امیرالمومنین! کیا باعث ہے کہ آپ اس قدر متردد ہیں؟ فرمایا بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا۔ اس کو ابھی جنگل سے پکڑ لایا اور اسکے باندھنے میں مصروف تھا۔ اس نے عرض کی اس کام کے لیئے آپ کو بنفس نفیس زحمت اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ کسی غلام سے کہ دیا ہوتا وہ اسکو پکڑ لاتا۔ آپنے فرمایا من اعبد منی؟ مجھ سے بڑھکر اور کون غلام ہے؟

تعذیب نفس ممنوع ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ اپنے دونوں بیٹوں پر ٹیک لگائے چل رہا ہے۔ آپ نے پوچھا اسکو کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اسنے منت مانی ہے کہ مکہ معظمہ کو پیدل جائے۔ آپ نے فرمایا اِنَّ اللہَ عَنْ تعذیب ھذا لنفسہ لغنی۔ اللہ کو اسکی حاجت نہیں کہ یہ اپنے تئیں تکلیف دے۔ اور حکم دیا کہ وہ سوار ہو جائے۔ غور کرو تعذیب نفس ممنوع ہے لَا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا (پ ۳، البقرہ۔ ع ۸) اللہ تعالیٰ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جیسکے اٹھانے کی اسمیں طاقت ہو +

گداگری مبتذل شیوہ ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں اگر کوئی لکڑیوں کا گٹھا جنگل سے کاٹ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے۔ اور اس کو بیچکر کھائے تو اس سے بہتر ہے کہ کسی سے سوال کرے۔ وہ دے یا نہ دے۔ غور کرو گداگری کیسا مبتذل شیوہ ہے۔ پھر آہ! نہایت افسوس و رنج کا مقام ہے کہ مسلمان ہی زیادہ تعداد میں گداگر نظر آتے ہیں +

ایثار و اولوالعزمی کی مثال حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مہاجرین وانصار کو مواخاۃ کے سلسلہ میں منسلک فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر اور حضرت سعد بن ربیع انصاری کو بھائی بھائی بنادیا۔ سعد نے کہا میں تمام انصار میں زیادہ مالدار ہوں۔ میں اپنا آدھا مال تجھ کو دے دیتا ہوں۔ اور میری دونوں بی بیوں کو دیکھ لے جسکو تو پسند کرے اُسکو میں چھوڑ دیتا ہوں جب اسکی عدت گزر جائے تو اس سے نکاح کرلینا۔ عبدالرحمٰن نے کہا اسکی کیا احتیاج ہے۔ خدا تیرے مال اور بی بیوں میں برکت دے بتاؤ تو سہی یہاں کوئی بازار بھی ہے جہاں بیوپار ہوتا ہو۔ سعد نے کہا قینقاع کے بازار میں بیچ بیوپار ہوتا ہے۔ یہ سنکر عبدالرحمٰن دوسرے دن علی الصباح اس بازار میں گئے اور پنیر اور گھی کما کر لائے۔ پھر ہر روز جانے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جو آئے تو ان پر زرد خوشبو کا نشان تھا آپنے پوچھا کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپنے پوچھا کس سے؟ کہا ایک انصاری عورت سے۔ آپنے پوچھا مہر کیا دیا؟ کہا کہ ایک گٹھلی برابر سونا فرمایا کہ ولیمہ کر خواہ ایک بکری کا ہی۔ غور کرو سعد بن ربیع انصاری کا ایثار قابل تحسین و آفرین ہے کہ حق مواخاۃ ادا کرنے کے لیئے اپنے بھائی مہاجر کو اپنا نصف مال بلکہ اپنی ایک بی بی بھی دینے کو تیار ہوگئے۔ عبدالرحمٰن کی غیرت سیرچشمی اور اولوالعزمی اس سے بھی زیادہ سزاوار ستائیش ہے کہ اپنے بھائی کو کسی قسم کی تکلیف دینی گوارا نہ کی بلکہ اپنے قوت بازو سے اپنی روٹی پیدا کری۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ عقلمند آدمی کو روٹی کمانے کے لیئے کسی بضاعت یا پونجی کی ضرورت نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے واقعہ کی طرف غور کرو۔ بازار میں جاکر محنت و مشقت کرکے اپنی روٹی پیدا کرلی۔ بالآخر اتنا مال کمایا کہ نکاح بھی کیا۔ حالانکہ ان کے پاس ایک حبہ بھی نہ تھا۔ فی زمانہ تا بلاد ؟ وطن تجارت اور مختلف صنائع و حرفت سے روپیہ کما رہے ہیں۔ پہلے ہی تو مسلمان جنکو حلال پیشہ اور محنت و مشقت اور بیچ بیوپار دکانداری کرنے میں شرم دامنگیر ہوتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے تو بکریاں چرائی ہیں۔ نجاری و حدادی ہر قسم کی دستکاری سے باک نہیں کیا کیا اس میں شرم نہیں لیکن گداگری جیسا مبتذل پیشہ اختیار کرلیتے ہیں اور نہایت بے غیرتی۔ کمال بے شرمی اور سخت بے حیائی سے دربدر رات دن ہر کس و ناکس کے آگے دست سوال دراز کرتے ہیں؟ +

خرید و فروخت میں قسم کھانا مکروہ ہے ایک شخص نے بازار میں اپنا اسباب رکھا۔ اور لگا خدا کی قسم کھانے کہ مجھے اس کی قیمت اتنی ملتی تھی پر میں نے نہیں دیا۔ اس سے اسکی غرض یہ تھی کہ ایک مسلمان کو دھوکا دے اسوقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (پ ۳۔ س آل عمران ع ۱۴/۸) جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے بے حقیقت دنیاوی معاوضہ لے لیتے ہیں۔ اور قول و قسم کا پاس نہیں کرتے۔ یہی لوگ ہیں جن کو آخرت میں کچھ بہرہ نہیں اور قیامت کے دن خدا ان سے بات بھی نہیں کرے گا۔ اور نہ ان کی طرف نظر بھر کر دیکھے گا اور نہ انکو گناہوں کی گندگی سے پاک کرے گا اور ان کے لیئے عذاب دردناک ہے۔ بعض بیوپاریوں کی عادت ہوتی ہے کہ خریداروں کو ٹھگنے کے لیئے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ یہ مال ہمارا اتنے کی خرید ہے ہم آپ کو اتنے کو دیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے گو چند روز تک مال تو کچھ نہ کچھ نکل ہی جاتا ہے۔ لیکن اخیر میں نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ بالآخر ایسے لوگوں کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ اور ان کا جھوٹ طشت از بام ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے ہاں کوئی پھٹکتا بھی نہیں نہ ان کے قول و قسم کا اعتبار رہتا ہے۔ خوش معاملہ اور راستباز آدمی کی تجارت میں دن دونی

ترقی ہوتی جاتی ہے۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر بائع و مشتری سچ بولیں گے۔ اور جو کچھ عیب ہو بیان کر دیں گے تو ان کو اس بیع میں برکت ہوگی۔ اور اگر چھپائیں گے۔ اور جھوٹ بولیں گے تو بیع کی برکت مٹ جائیگی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بائع و مشتری دونوں کو سچ بولنا چاہیئے۔ اگر قیمت میں کوئی عیب ہو تو مشتری صاف صاف بیان کر دے اور اگر جنس میں کوئی عیب ہو تو بائع ظاہر کر دے۔ ایسا کرنیکے تو حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کی تجارت میں برکت دے گا۔ ورنہ تباہ و برباد ہونگے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اپنی خوش معاملگی اور راستبازی کے اظہار کے لیئے قسم کھانا غیر ضروری ہے۔ ایک علیم کا قول ہے کہ قسم کھانا ہی عمدہ نہیں۔ آدمی کو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ ہمیشہ سچ بولے۔ پھر اس کی بات کا ایسا اعتبار ہو جائے گا کہ اس کو قسم کھانے کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوگی۔ غور کرو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو کہاں تک ہمارے باہمی فسادات کی روک تمام منظور ہے۔ کاش ہم خدا کی مرضی کو سمجھیں اور اسکے احکام بجا لائیں۔ کہ خدا کی خوشنودی اور ہمارا فائدہ اسی میں ہے +

(**نور الدین** تاجر چرم)

پند بر دیوار

مرد باید کہ گیرد اندر گوش — ور نوشت است پند بر دیوار

قوم کی سچی محبت قوم کے ہر ہر شخص کی محنت دلیری اور ایمانداری کے مجموعہ کو اس قوم کی ترقی اور اسیطرح اس کے ہر ہر فرد کی کاہلی۔ خودغرضی اور بدچلنی کے مجموعہ کو اس قوم کا تنزل کہتے ہیں۔ وہ تمدنی خرابیاں جنپر ہم لوگ واویلا مچاتے ہیں اگر بغور دیکھی جائیں تو ہم ہی لوگوں میں سے ایک ایک کی بد اخلاقیوں کا نتیجہ ہیں اگر ہم انہیں قانون کے زور سے زائل بھی کر دیں تو کیا ہو گا؟ وہی برائیاں دوسری صورتوں میں نمایاں ہونگی۔ اور دوسرے قالب میں جنم لیں گی۔ مگر ہاں جب سوسائٹی کا ہر ایک فرد اپنی حالت اور اپنا چال چلن خود درست کرلے تو اسوقت وہ قوم کی قوم ترقی اور فلاح یافتہ ہو جاتی ہے۔ پس ہر شخص کے دل میں یہ خواہش پیدا کرنی چاہیئے کہ وہ خود (بلا کسی خارجی مدد یا دباؤ کے) اپنی حالت درست کرے۔ اپنی اصلاح کسی گورنمنٹ کسی لیڈر یا کسی انجمن کے سہارے پر نہ چھوڑ بیٹھے۔ بیشک سب سے بڑی اور اصلی حب قومی یہی ہے +

(سیموئیل سمائلس)

اندھی تقلید ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی قوم وہ کیسی ہی عمدہ اور مہذب ہو مگر جو برائیاں اسمیں ہیں۔ وہ اسکے وصف نہیں ہیں بلکہ اُن کے کمال کی کمی ہے جس کی پیروی ہم کو نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر ایک خوبصورت آدمی کے منہ پر ایک مسّہ ہو تو ہم کو خوبصورت بننے کیلئے ویسا ہی مسّہ اپنے منہ پر نہ بنانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ مسّہ اسکی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ اسکی خوبصورتی کا نقصان ہے۔ ایسی حالت میں ہم کو یہ خیال کرنا مناسب ہے کہ اگر یہ مسّہ بھی اسکے منہ پر نہ ہوتا تو وہ کتنا اور خوبصورت ہو جاتا +

(سر سید احمد خان مرحوم)

لائق اور محنتی آدمی بیکار نہیں رہتے لائق شخص اور کامیاب نہ ہو یہ جھوٹ ہے اور کاہلوں اور سست آدمیوں کا ایسا کہنا انکی مکاری ہے۔ اچھی لیاقت والا اور عمدہ تعلیم یافتہ آدمی دنیا کے بازار میں ہرگز بے خریدار بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ مگر کوشش شرط ہے۔ اور یوں بے ہاتھ پاؤں ہلائے گھر میں پڑے رہنے اور چھت کی کڑیاں گننے سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا +

(واشنگٹن ارونگ)

خیالی پلاؤ پکانے کا مرض نری خواہش اور آرزو نوجوانوں کے دل میں ایک قسم کی بیماری پیدا کرتی ہے جس سے وہ اپنے اوقات عزیز کو خیالی پلاؤ پکانے اور لایعنی منصوبے باندھنے میں ضائع کرتے ہیں۔ جبوقت کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہو۔ فوراً اسکے حاصل کرنے کیلئے مستعد ہو جاؤ اور اوسیوقت اسکی تیاری شروع کر دو۔ پھر کبھی اوسمیں سستی نہ کرو +

(ہگ ملر)

شراب خواری شراب خواری اور کمال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے یعنی شراب کا عادی اور کامل ہو یہ ممکن نہیں۔ شراب کفایت شعاری۔ تندرستی ایمانداری سب کو خاک میں ملا دیتی ہے +

(والٹر سکاٹ)

اپنی تعلیم آپ دنیا میں دو طرح تعلیم ہوتی ہے ایک تو دوسرے کے ذریعہ سے۔ جس کو سب کوئی جانتے ہیں۔ اور دوسری جو بہت ہی اعلیٰ اور بغایت مفید ہے وہ تعلیم ہے جو انسان اپنی آپ کرتا ہے +

(گبن)

نیک چلنی اور ایمانداری جوانی میں میرا دستور تھا کہ جب کسی کام کو شروع کرنا چاہتا تو پہلے نور ایمان سے پوچھ لیتا پھر اسکے کہنے کے مطابق فوراً اُس کام کو شروع کر دیتا۔ اس اصول پر میں بڑھاپے تک عامل رہا اور مجھے اسکی وجہ سے کبھی کسی طرح کا افسوس نہیں ہوا بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ یہی میری ترقی اور حصول دولت کا باعث ہوا اور اب میں اپنے لڑکوں کو بھی اسپر عمل کرنے کی ہدایت کرتا ہوں + (لارڈ ارسکائن)

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

لوگوں کو قصے سنایا کرو تاکہ وہ غور و فکر کرنے لگیں

القصص

دستِ شیطان کا طوطا

یہ بندہ ناری ہے، آگ کے شعلے سے پیدا ہوا، مخلوقات نور تک پہونچا، معلم الملکوت کہلایا، مگر ایک پیکر خاک کی بدولت افلاک سے فرش خاک پر پھینکا گیا، نام ابلیس تھا، اور کام خدا کی عبادت، ساری عمر غیر خدا کے آگے سر نہ جھکایا جب خدا نے حکم دیا کہ آدم کے خاکی پتلے کو سجدہ کرو، تمام فرشتے جو میرے شاگرد تھے۔ اُس مٹی کی مورت کے آگے جھک گئے مگر میں نے انکار کیا، کیونکہ آدم کا یہ رتبہ نہ تھا کہ میری پیشانی اس کے آگے جھکتی۔ خدا نے اتنے سے قصور پر مجھ کو ملعون کر دیا۔ ساری عمر کی عبادت پر پانی پھیر دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن نسل آدم کی عداوت کا جو بیج میرے دل میں بویا گیا تھا، وہ پھل پھول لا رہا ہے،

یہ ظاہر ہے کہ میں آدمی کا دشمن ہوں مگر خدا نے اسکو عقل کا ہتھیار دیا ہے۔ اور قرآن شریف میں جگہ جگہ موٹے موٹے حرفوں کے اشتہار لگا دیے ہیں کہ شیطان سے بچتے رہنا وہ تمہارے ایمان کا دشمن ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ آدم کی اولاد میرے قابو میں بہت کم آتی تھی۔ اور مجھ کو بڑی محنت انسانوں کے بہکانے میں کرنی پڑتی تھی لیکن اب وقت کی ہوا نئی قسم کی تعلیم کی بدولت خود انسانوں میں شیطانی مادہ پیدا ہو گیا ہے، مجھکو بہکانے کی تکلیف نہیں کرنی پڑتی۔ ذیل کے قصہ سے معلوم ہوگا کہ آج کل آدمیوں میں کس قسم کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں +

محمد مسلم کا سفر ولایت

یہ ایک جوان کا تذکرہ ہے جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا، اور ہوش سنبھالتے ہی مجھ غریب پر لاحول کی بوچھاڑ کرنے لگا۔ اسکے باپ خوشحال آدمی تھے انہوں نے بہت لاڈ اور پیار سے اسکو پالا۔ اور شروع سے انگریزی اسکولوں میں تعلیم دلائی محمد مسلم کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور تمام دولت میاں مسلم کے اختیار میں آئی۔ والدہ ان کی زندہ تھیں اور محمد مسلم کے سوا کوئی اولاد ان کی نہ تھی۔ اسواسطے جتنا لاڈ پیار کرتیں زیبا تھا۔ خاوند کے مرنے کے بعد بیوہ ماں نے اپنی برادری کے اندر میاں مسلم کی شادی رچائی اور سہرا باندھ کر دل کے ارمان نکالے چار برس نہایت خوشی اور خرمی سے اپنے گھر میں رہے۔ پڑھنا چھوٹ گیا تھا باپ کی جائیداد سے سات سو روپیہ ماہوار کی آمدنی تھی۔ اسی میں بسر اوقات ہوتی تھی۔ اس چار سال کے عرصہ میں میاں مسلم کے دو بچے بھی ہوئے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔

ایک دن دوستوں میں ذکر ہو رہا تھا کہ ہندوستان میں اخبار نویسی کوئی نہیں جانتا۔ یورپ والوں کی نقل کرتے ہیں۔ اور مثل کا مصداق بنتے ہیں کہ کوا چلا ہنس کی چال۔ اپنی بھی بھول گیا۔ کوئی نہیں جانتا کہ اخبار نویسی کے اصول اور مقاصد کیا ہیں۔ جسکے پاس سو دو سو روپیہ ہوئے۔ اور کوئی علم و ہنر نہ آتا ہوا فوراً ایک اخبار یا رسالہ جاری کر دیتا ہے۔ اور اوس میں اپنے دوستوں کی تعریفیں چھاپتا ہے۔ اور دشمنوں کی برائی۔ اوسکو مخلوق کے نفع نقصان سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ صرف اپنے حلوہ مانڈہ پر نظر رکھتا ہے۔

الغرض محمد مسلم کے دل پر اپنے ملک کے اخبار نویسوں کی بُری حالت کا اتنا اثر ہوا۔ کہ اوس نے یورپ جا کر فن اخبار نویسی سیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ کہ ہندوستان کے ماتھے پر سے یہ کلنک کا ٹیکا صاف کرے۔

چنانچہ وہ اپنے گھر میں آیا۔ اور والدہ اور بیوی سے ذکر کیا کہ میں اخبار نویسی کی تعلیم کے لیئے ولایت جانا چاہتا ہوں۔ ولایت کا نام سُنکر بڑھیا ماں نے رونا شروع کیا۔ اور کہا بیٹا میں تجھ کو نہیں جانے دونگی۔ میرے برباد گھر کی روشنی تیرے دم سے ہے۔ دو گھڑی آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے تو بے قرار ہو جاتی ہوں۔ تین چار برس جدا رہے گا تو بس مجھ ماں بندی کا تو خاتمہ ہے۔

محمد مسلم نے ماں کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئیں۔ آخر تخلیہ میں اپنی بیوی کو سمجھا بجھا کر آمادہ کیا کہ وہ اِس کی ماں کو راضی کر دے۔ اور خود سفر کے خرچ کے واسطے قرضہ کا انتظام کرنے لگا۔ روپیہ فوراً مہیا ہونا دشوار تھا اسواسطے

اس نے چار مکان پندرہ ہزار میں فروخت کر ڈالے جن کی آمدنی چھ سو روپیہ ماہوار کی تھی اور صرف سو روپیہ مہینے کا کرایہ والدہ اور بیوی کے واسطے چھوڑا۔

اب میاں مسلم پندرہ ہزار نقدے کر ولایت کو سدھارے۔ اور سب سے پہلے فرانس پہونچے۔ جہاں کی آزاد اور با اصول اخبار نویسی مشہور تھی۔ ایک شاندار ہوٹل میں چند روز رہنا ہوا اور پھر واقفیت بڑھانے کے بعد اخبار نویسوں کے ایک خاندان میں جاکر رہنے لگے۔ سال بھر محمد مسلم کی حالت بہت اچھی رہی۔ اور سات رات دن پڑھنے اور اخبار نویسی سیکھنے سے کام تھا۔ لیکن سال بھر کے بعد ایک مشہور اخبار کے ایڈیٹر کی لڑکی سے انکو محبت ہو گئی۔ اور اسکے پڑھنے لکھنے میں فرق آنے لگا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ تین سال کا جو روپیہ بنک میں جمع کیا تھا وہ معشوقہ کی فضول خرچیوں کی بدولت ڈیڑھ سال میں ختم ہو گیا۔ اور میاں مسلم پردیس میں مفلسی کے ہاتھوں تکلیف اٹھانے لگے۔ اس چھ مہینے کے عرصہ میں اخبار نویس کی لڑکی سے اتنی محبت بڑھی کہ گرجا میں جاکر میاں محمد مسلم نے اوس سے شادی کر لی۔ مسلم تو مسلمان تھے۔ اگرچہ نام کے۔ لیکن ان کی بیوی نہایت پکی عیسائی تھی۔ آٹھویں دن بڑی پابندی سے گرجا جاتی تھی۔

جب مسلم کو خرچ کی تنگی ہونے لگی تو انھوں نے ارادہ کیا کہ اب تعلیم کو چھوڑ کر ہندوستان چلنا چاہیے۔ تاکہ وہاں جاکر معاش کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔

جب انہوں نے اپنی عیسائی بیوی سے یہ ذکر کیا اور کہا کہ تمکو بھی میرے ساتھ ہندوستان چلنا ہوگا۔ تو اُس نے انکار کیا۔ اور کہا کہ وہاں تمہاری ایک بیوی موجود ہے جبتک اُسکو طلاق نہ دو میں وہاں نہیں چل سکتی۔ محمد مسلم نے کہا کہ میں اسکا جواب کل سوچکر دوں گا۔

رات کو محمد مسلم نے بہت غور کیا۔ اور دل میں کہا کہ ہندوستانی بیوی نہایت بیوقوف اور جاہل ہے۔ ولایت میں آنے کے بعد اب میرے خیالات بہت ترقی کر گئے ہیں۔ اور ان میں روشنی پیدا ہو گئی ہے۔ اب بھی جاہل اور پرانی وضع کی بیوی رکھوں گا تو سارا زمانہ احمق بنائے گا۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اسکو طلاق دیدوں۔ اسکا حق ادا کر چکا۔ اس نے میرے گھر میں کھانا پینا۔ ہر طرح کے عیش اڑائے۔ خدا نے اسکو دو بچے بھی دئے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ساری عمر وہ میرے گلے کا ہار رہے اب مجھ پر اسکا کوئی حق نہیں ہے۔ اسکو اپنی روزی خود پیدا کرنی چاہیئے۔ ہر انسان اپنی معاش کمانے کا خود ذمہ دار ہے۔

مگر ہاں میں یہاں سے اسکو طلاق نامہ بھیجوں گا تو پھر میں ہندوستان جانے کا خرچ کس سے لوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہندوستان جاکر اسکو طلاق نامہ بھیجوں ابھی نہیں بالفعل تو اس سے روپیہ منگاؤں۔

دوسرے دن اپنی والدہ صاحبہ کے نام خط لکھا کہ میں وقت سے پہلے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ گھر آتا ہوں۔ روپیہ ختم ہو گیا۔ خرچ بھیجئے۔ تو آؤں جو مکانات باقی ہیں انکو فروخت کر دیجئے۔ یا رہن رکھدیجئے۔

سفر ہندوستان

محمد مسلم نے چوتھے روز اپنی فرانسیسی بیوی سے کہا۔ میں ہندوستانی بیوی کو چھوڑنے پر آمادہ ہوں۔ اب تمکو تیاری کرنی چاہیئے۔ کہ میرے ہمراہ چلو۔ اس نے جواب دیا جب تک اسی ملک سے باضابطہ طلاق نامہ نہ بھیج دوگے میں فرانس سے قدم باہر نہ رکھونگی۔ مسلم نے فوراً ایک طلاق نامہ لکھا۔ مجسٹریٹ پیرس کی تصدیق کرائی۔ اور اپنے حاکم ضلع کی معرفت اسکو روانہ کر دیا۔

دوسرے ہفتہ میں محمد مسلم اپنی فرنچ بیوی سمیت ہندوستان کو روانہ ہوئے۔ خرچ اپنے خسر سے قرض لیا۔ اور انکو لکھ کر دیدیا کہ جب گھر سے خرچ آئے تو وہ وصول کر لیں۔

یہاں گھر میں محمد مسلم کی والدہ نے کہا۔ لڑکا تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ جو جائداد باقی ہے اسپر دو دن کا سہارا ہے۔ یہ بھی گئی تو کھائیں گے کیا۔ ڈیڑھ سال میں پندرہ ہزار برباد کر دئے ولایت میں روپیہ کے بھی پر لگ جاتے ہیں۔

محمد مسلم کی بیوی نے کہا۔ خبر نہیں کیا واقعہ پیش آیا پردیس کا معاملہ ہے انکو ضرور خرچ بھیجنا چاہیئے۔ دنیا ان کے دم سے ہے۔ جائداد جائے جوتی کی نوک سے وہ سلامت ہیں تو پھر سب کچھ ہو جائے گا۔

آخر ہفتہ بھر کی جستجو میں رہی سہی جائداد بھی رہن ہوئی اور ڈیڑھ ہزار روپیہ محمد مسلم کو بھیجا گیا۔

روپیہ روانہ کرنے کے دس دن بعد حاکم ضلع کی معرفت اہلیہ محمد مسلم کو طلاق نامہ وصول ہوا۔ جسکو دیکھکر اسنے سر پیٹ لیا۔ اور بچوں کو چھاتی سے لگا کر خوب روئی۔

ساس نے کہا۔ بیٹا تو گھبرا مت۔ تو میری جان کی برابر ہے۔ جہاں میں وہاں تو۔ مسلم نے طلاق دیدی تو اس کی ماں تو موجود ہے۔ کسی بات کا فکر نہ کر میں تجھ کو اور تیرے بچوں کو پہلے کھلاؤں گی پیچھے آپ کھاؤں گی۔

اسی اثنا میں محمد مسلم گھر پر پہونچا۔ اور پہلے شہر کے ایک مشہور ہوٹل میں قیام کیا جب ماں کے پاس آیا تو وہ حیران رہ گئی اور اپنے مسلم کو پہچان نہ سکی۔ کیونکہ وہ سر سے پیر انگریزی لباس میں تھا۔

ماں نے کہا بیٹا یہ تم نے اپنی بے گناہ بیوی کو طلاق کیوں دی۔ اس بیچاری نے کیا قصور کیا تھا۔ مسلم بولا۔ میں نے ولایت میں شادی کر لی ہے۔ اور وہاں کا قانون ہے کہ ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھ سکتے۔

ماں بولی۔ سلام ہے ایسے قانون کو۔ ہمارے دین نے چار بیویوں کی اجازت

دی ہے پھر ہم ولایت کے قانون پر کیوں چلیں۔ مسلم نے جواب دیا۔ نہیں بی مجھ کو اس قانون کی پابندی منظور ہے۔ اور اسکے علاوہ اب میرا جی اس دیسی عورت سے بیزار بھی ہو گیا ہے۔

مسلم کی ماں نے کہا خیر تم کو اختیار ہے۔ مگر وہ گورے منہ کی بلا میرے گھر میں نہ آنے پائے۔ ورنہ میں اسکا منہ نوچ لوں گی۔ جہاں چاہو رکھو۔ میرے سامنے نہ لانا

مسلم اس فقرہ سے بہت بگڑا اور پھر کئی ماہ تک ماں کے پاس نہ آیا۔

اس عرصہ میں اس نے جائداد پر پھر کچھ روپیہ لینا چاہا۔ مگر جب نہ ملا تو اس نے اس رہی سہی جائداد کو بھی فروخت کر کے ایک انگریزی کا اخبار نئی معلومات کے موافق جاری کیا مگر چونکہ اسمیں ہندوستانی خیالات کی کچھ بات نہ تھی فقط انگریزی مذاق کے مضامین درج ہوتے تھے۔ کسی نے اس کی قدر نہ کی۔ اور چند روز میں مسلم کو یہ اخبار بند کرنا پڑا۔

ادھر مسلم کی ماں اور بیوی کا برا حال تھا۔ جائداد کے فروخت ہونے سے ان کو کسی قسم کی آمدنی باقی نہ رہی تھی۔ اور گھر کا اثاثہ فروخت کر کے یہ لوگ اپنا پیٹ پالتے تھے۔

ان سے بدتر محمد مسلم کی حالت تھی۔ جب اسکا کاروبار خراب ہوا۔ اور آمد کی کوئی صورت نہ رہی تو اسکی ولایتی بیوی نے اس سے علیحدگی اختیار کی اور وہ شہر کے ایک فرانسیسی سوداگر کے پاس چلی گئی۔ جو بہت روپیہ والا تھا۔ اور مسلم کو اکیلا چھوڑ دیا۔

اب مسلم پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ اس نے کئی بار کتابیں لکھیں اور مطبع والوں کے پاس گیا کہ کوئی اسکو خرید لے۔ مگر کسی نے ان کتابوں کو پسند نہ کیا۔ آخر لاچار ہو کر مسلم نے ایکدن خودکشی کی ٹھیرائی۔ استرا لیکر گلا کاٹنے پر آمادہ ہوا۔ مسلم کو اتنا تیار دیکھ کر رحمت خدا نے خدا سے عرض کیا کہ اپنے اس بندہ پر رحم کر۔

حکم ہوا یہ بندہ اسیرِ نفس ہے۔ اس پر رحمت نازل کرنا جائز نہیں۔ اسکو شیطان کے حوالہ کرنا چاہیئے وہ اس کی مدد کرے گا۔

چنانچہ شیطان کو بھیجا گیا کہ وہ مسلم کی اس پر آشوب وقت میں دستگیری کرے شیطان نے عرض کی۔ الٰہی اس بندہ کو موقع دے کہ یہ اپنی حالت درست کرے۔ اور آیندہ گناہوں سے محفوظ رہے۔

ارشاد ہوا اچھا ہم نے اسکو ایک موقع دیا۔ تاکہ ہم اسکو آزمائیں۔ اسے ابلیس تو دیکھ۔ اور میں بھی دیکھوں۔ کہ یہ بندہ اس موقع سے کیا فائدہ اٹھاتا ہے

مسلم کا عروج

جس روز مسلم خودکشی پر آمادہ تھا۔ عین وقت کے وقت دو خط اس کے پاس آئے۔ ایک میں لکھا تھا کہ نواب صاحب بشارت پور تم کو یاد کرتے ہیں۔ یا تم انسے ملنے آؤ یا وہ تمہارے پاس آئینگے۔ دوسرے میں تحریر تھا۔ کہ تم نے جو فلاں لاٹری میں ٹکٹ خریدا تھا۔ اسمیں تم کو پانچ لاکھ روپے ارسال کئے جاتے ہیں،

پانچ لاکھ کا ذکر دیکھ کر مسلم کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ خوب اُچھلا کودا۔ اور دیوانوں کی سی حرکتیں کیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اسکے دل میں نیکی کے فرشتے نے ایک چٹکی لی۔ اور وہ سوچنے لگا۔ گذشتہ تکلیف میرے اعمال کے سبب تھی۔ میں نے ماں کو اور بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔ اور یہ سزا بھگتی۔ اب میں ان کی خدمت کروں گا۔ اور اس زر پرست ولایتی بیوی کو طلاق دیدوں گا۔ اس نے برے وقت میں میرا ساتھ نہ دیا۔

یہ خیال کر رہا تھا۔ کہ باہر سے کسی نے آواز دی۔ اس نے اندر بلایا۔ دیکھا دو برقع پوش عورتیں ہیں۔ سامنے آکر انہوں نے برقع اُلٹے تو دیکھا ایک اس کی بیوی ہے اور ایک اس کی ماں۔ ان دونوں نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا۔ ہم نے تمہاری تکلیف کا حال سُنا۔ اسواسطے اپنا اور بچوں کا پیٹ کاٹ کر یہ چالیس روپے تمہارے واسطے لائے ہیں۔ کہ تم محتاجی کی زندگی سے نجات پاؤ۔

مسلم کے دل پر اس محبت کا بڑا اثر ہوا۔ اور اس نے ان کا بہت احسان مانا اور اپنے مکان میں ٹھیرایا۔

دوسرے دن جب بنک سے روپے وصول ہوئے تو اس گھر میں بڑی چہل پہل تھی

پھر وہی آغوش ابلیس

پانچ چھ روز کے بعد جبکہ اخباروں میں مسلم کو روپیہ ملنے کا چرچا ہو رہا تھا اسکی ولایتی بیوی ملنے آئی۔ اور ایسی چاپلوسی کی باتیں کیں کہ مسلم نے اسکو پھر اپنے پاس رکھ لیا۔ مگر اس شرط پر کہ سابقہ بیوی اور والدہ بھی یہیں رہیں گی۔

پندرہ سولہ روز تو ولایتی بیگم خاموش رہی اسکے بعد اسنے مسلم کا دل ایسا بدلا کہ اسنے اپنی بیوی کو کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیا۔ وہ ہاتھ جوڑتی تھی اور کہتی تھی میں تمہارے گھر میں ماما بن کر رہوں گی مجھ کو گھر سے نہ نکالو۔ اور اپنے ان چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو دربدر رسوا نہ کرو۔ مگر مسلم نہ مانا اور ان تینوں کو گھر سے نکال دیا۔ اس کی ماں نے سمجھایا تو مسلم نے ایک ایسی حرکت کی جس کی کوئی شخص توقع نہ کر سکتا تھا یعنی مسلم نے اپنی ماں کے سفید بال پکڑ کر دھکا دیا۔ اور گھر سے باہر کر دیا۔ اور کہا ایسی ماں کی مجکو ضرورت نہیں ہے جو اپنے بیٹے کے عیش و آرام کی مخالف ہو۔ خدا نے مجھ کو روپیہ دیا ہے جوانی دی ہے اسوقت میں عیش نہ کروں

ترکیب کروں گا،

اِن دونوں کانٹوں کے نکلنے کے بعد مسلم اور ولایتی بیگم بڑے امیرانہ ٹھاٹھ سے رہنے لگے ✦

ہوٹل کی باورچن

محو مسلم سے اس کی میم نے کہا۔ گرمی کا موسم ہے۔ کسی پہاڑ پر یہ زمانہ بسر کرنا چاہیئے۔ مسلم راضی ہوگیا۔ اور نینی تال جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اور چند روز بعد وہاں پہنچ گیا۔ نینی تال گئے ہوئے چند روز ہوئے تھے کہ ایکدن رات کو برابر کے کمرہ میں کچھ غل شور کی آواز بلند ہوئی۔ مسلم نے خانساماں کو بلا کر حال دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ کہ بڑے باورچی نے اپنی نئی ملازمہ کو مارا ہے۔ کیونکہ اس نے کچھ کام خراب کر دیا تھا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پھر کچھ غل کی آواز آئی۔ اور اسلئے مسلم نے عورت کی آواز کو اپنی ماں کی آواز کے مشابہ پایا۔ اسلیئے وہ گھبرا کر کمرہ سے نکلا۔ اسکی میم منع کرتی ہوئی ساتھ نکلی۔ کہ اسوقت تمہارا باہر نکلنا ٹھیک نہیں نوکروں کے جھگڑہ میں تم کو دخل دینے سے کیا سروکار۔ مگر مسلم نہ مانا۔ اور باورچی خانہ میں چلا گیا۔

وہاں دیکھا کہ بڑا باورچی اسکی ماں کی چوٹی پکڑے کھڑا ہے۔ اور جوتیاں مار رہا ہے۔ مسلم سے یہ دیکھا نہ گیا اور اس نے باورچی کو ڈانٹا۔ باورچی نے چوٹی چھوڑ دی۔ اور کہا جناب عالی اِس نے پچاس روپے کا لمپ توڑ ڈالا۔ ابھی مسلم کچھ جواب دینے نہ پایا تھا کہ مسلم کی ماں بیٹا بیٹا کہہ کر دوڑی۔

مسلم کے دل میں اسوقت نفس نے یہ خیال ڈالا کہ اسکے بیٹا کہنے سے میری بڑی بے عزتی ہوگی۔ اسواسطے مسلم نے ماں کو دھکا دیدیا۔ اور کہا ہوش سے بات کر کسکو بیٹا کہتی ہے۔ میں تجھ کو ایک مظلوم سمجھ کر حمایت کرنے آیا ہوں۔ نہ یہ کہ تیرا بیٹا بنوں۔

ماں۔ بولی۔ کیا تم میرے گود کے پلے مسلم نہیں ہو۔ مسلم یہ سُنکر ذرا سراسیمہ ہوا۔ مگر فوراً سنبھل کر بولا۔ میرا نام مسلم ہے میں تجھ کنگال کا بیٹا نہیں ہوں مجھکو خدا نے دولت دی ہے امیر بنایا ہے۔

بڑھیا تو اسی قابل ہے کہ تیرے جوتے مارے جائیں۔ خدا اپنی اوقات دیکھ اور مجھکو دیکھ یہ کہہ کر مسلم میم کے تقاضے سے اپنے کمرہ میں چلا آیا۔ اور غریب ماں کو اسکے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر معلوم نہوا کہ اسپر کیا گزر گئی۔

جوئے خانہ کا گانا

ایکدن مسلم اور اسکی میم نینی تال کے مہذب جوئے خانہ میں گئے ہوئے تھے۔ کہ وہاں انہوں نے دروازہ پر ایک عورت اور دو بچوں کو کچھ گاتے ہوئے سُنا مسلم کو یہ آواز ایسی پسند آئی کہ نوکر کو بھیجکر ان گانے والوں کو اندر بلایا اور کمرہ کے برآمدہ میں بٹھا کر ان سے کہا کچھ گاؤ۔ عورت اور بچے گاتے رہے مسلم کا دل کچھ اس قدر متاثر ہوا کہ اسکی آنکھوں سے آنسو آگئے۔ اسکی میم نے یہ حالت دیکھی تو کہا۔

گانا تفریح کے لیئے ہوتا ہے نہ کہ رونے کے واسطے۔ خانساماں ان گانیوالوں کو باہر نکال دے۔ صاحب کا مزاج خراب ہوتا ہے۔ خانساماں ان کو نکالنے چلا تو مسلم بھی کمرہ سے باہر چلا گیا۔ وہاں دیکھا کہ گانے والے اسکی بیوی اور دونوں بچے ہیں جنکے جسم پر پیوند لگی ہوئی گدڑیاں ہیں۔ کندھے پر جھولیاں ہیں آنکھوں میں بھوک پیاس سے حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ چہرے زرد ہیں۔

جونہی مسلم نے اپنی بیوی کو دیکھا۔ اور بیوی کی نگاہ مسلم پر پڑی ایک سکنڈ دونوں ایکدوسرے کو حیرت و غم سے دیکھتے رہے۔ اسکے بعد عورت نے منہ پھیر لیا اور بچوں کا ہاتھ پکڑ کر الٹی پھری۔ مسلم نے کہا۔ ٹھہر او نیک بخت تو کون ہے اپنا حال بتا کر جا۔

عورت بولی۔ شریف کی جائی ہوں۔ دنیا کی ستائی ہوں۔ پیٹ کی خاطر بھیک مانگنے آئی ہوں۔

یہ میرے دو لال ہیں۔ انکا باپ جیتے جی مر گیا۔ اب ہم تینوں گا بجا کر دن کاٹتے ہیں۔ جہاں موقع پاتے ہیں رات گزار دیتے ہیں۔ مسلم نے آہ کی۔ قریب تھا کہ بیہوش ہو کر گرے کہ میم نے سنبھالا اور کان میں کہا

پوزیشن کا خیال

کرو۔ تم ایک امیر کبیر آدمی ہو۔ اس بھوکی فقیرنی کی باتوں میں نہ آؤ۔ جی کو ٹھیراؤ۔ دنیا میں ہر شخص کی قسمت اسکے ساتھ ہے۔ اس عورت اور بچوں کی تقدیر میں ہی یہ تھا جو اسکو پیش آیا۔

مسلم میم کی باتوں سے ذرا سنبھلا۔ اور اسنے خانساماں کو حکم دیا۔ ان بچوں اور عورت کو پچاس روپے دیدو۔

میم نے کہا نہیں۔ یہ اپنی حالت میں نہیں ہیں پچاس کی کچھ ضرورت نہیں چار آنے انکو دے دو۔ بس بہت ہیں۔

مسلم پر میم کا اتنا بڑا زبردست اثر تھا کہ وہ خاموش ہوگیا۔ اور خانساماں نے چار آنے اِن بچوں کے آگے ڈال دیئے۔

بچوں نے یہ چار آنے اٹھا کر پھینک دیئے اور کہا لو اپنے پیسے۔ ہم نے سنا ہے کہ ہمارا باپ شریف تھا۔ ہم خیرات لینے نہیں آئے ہم نے بہت دیر گانا گایا ہے۔ ہم کو اسکی برابر معاوضہ ملنا چاہیئے۔

یہ کہہ کر جوئے خانہ سے چلدیئے اور مسلم انکو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

اِس دن مسلم جواہبت ہارا۔ اور گھر آیا۔ تو اسکو اس قدر صدمہ تھا کہ رات کو کھانا نہ کھایا گیا۔ میم نے اسکی پروا نہ کی۔ اور وہ کھانا کھا کر سوگئی۔ آدہی رات کو مسلم نے میم کی خوابگاہ میں جاکر چاہا کہ اسکو ذبح کر ڈالے۔

اِس نے دل میں خیال کیا۔ میں دستِ شیطان کا ایک طوطا ہوں۔ شیطان اپنے کارندے نفس کے ہاتھوں مجکو بہکاتا ہے۔ یہ میم میرا شیطانی پنجرا ہے اگر میں اسکو مار ڈالونگا تو شیطان کا طوطا نہ رہونگا۔ اور سیدھا رحمانی قفس میں پہنچ جاؤنگا یہ خیال کرتے کرتے اسکو چکر آیا۔ وہ گر پڑا۔ گرنے کی آواز سے میم کی آنکھ کھلی۔ اِس نے مسلم کے ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو دیکھ کر غل مچادیا۔ پولس آئی۔ اور اِس نے مسلم کو گرفتار کر لیا۔ دوسرے دن مقدمہ دائر ہوا اور میاں مسلم اقدام قتل عمد کے جرم میں پانچ سال کو جیل خانہ بھیجے گئے اور ان کی تمام دولت میم صاحبہ کو دیگئی۔ جسکو لے کر میم صاحبہ فرانس کو سدہاریں اور مسلم جیلخانہ میں رہنے لگے۔

قفس کا مرشد

مسلم جیل میں تھا کہ اس نے ایک قیدی کو دیکھا کہ جو اکثر اوقات نماز و وظائف میں مصروف رہتا تھا۔ مسلم نے اپنے سب حالات اسکو سُنائے۔

اِس نے ہنس کر جواب دیا۔ انسان کا شیطان انسان ہے۔ ہر آدمی کے اندر شیطانی اور رحمانی قوتیں موجود ہیں۔ وہ جسطرف چلتا ہے خدا اسی قوت کو جس کی جانب چلا ہے اسکا رہنما بنا دیتا ہے۔

تو نے شیطانی قوتوں کا امتحان کر لیا۔ اب رحمانی طاقتوں کو بھی دیکھ۔

الغرض پانچ سالہ صحبت کے طفیل مسلم بڑا نیک آدمی بن گیا۔ اور جب قید سے بری ہوا تو محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے لگا۔ اسی زمانہ میں اِس کو ماں ملگئی۔ اور بیوی بچوں سے بھی ملاقات ہوگئی۔ جن کی اِس نے ساری عمر ایسی خدمت کی کہ پچھلے تمام شکوے خواب و خیال ہوگئے۔

جبرئیل یہ کہنے خدا کی عبادت میں مصروف تھا۔ شیطان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑے ہوئے تھے۔ اِس نے کہا۔ اے خدا تیری کائنات میں سب سے زیادہ گمراہی انسان کی بدولت ہے۔ ہر انسان کا اسکا بھائی آدم زاد ہی شیطان ہے مگر نام میرا بدنام ہوتا ہے۔

الٰہی ذرا انصاف کر یہ آدم کی اولاد اپنی اغراض کی خاطر دوسروں کو کس قدر تکلیف پہنچاتی ہے۔ مگر انکو کوئی ملزم نہیں کہتا سب مجھ غریب کا نام بدنام کرتے ہیں۔

شیطان یہ کہہ رہا تھا کہ ایک فرشتہ نے یہ آیت پڑھی:۔

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ — جو آدمیوں کے دلوں میں بُرے خیالات پیدا کرتے ہیں آدمی بھی ہیں اور جنات بھی

یہ آیت سُنکر شیطان سمجھ گیا کہ الزام انسان پر بھی ہے۔ اور اسکو صبر آگیا۔

حسن نظامی

قوّتِ فیصلہ

ایک جوان مالدار نے دو تین برس کے عرصہ میں اپنی کل جائداد عیاشی اور فضول خرچی میں برباد کردی۔ اور بالکل محتاج ہوگیا۔ جھوٹے دوست بھلا ایسے وقت میں کب کام آتے ہیں۔ غمخواری کے بدلے اُس سے نفرت کرنے لگے جب وہ نہایت ہی محتاج ہو گیا تو اپنی آیندہ کی ذلت اور مصیبت کو خیال کر کے باوجودیکہ جان کیسی پیاری ہوتی ہے۔ اُسنے جان دینے کا ارادہ کیا۔ اور دل میں ٹھان لیا۔ کہ چلو پہاڑ پر سے اپنے کو نیچے گرادو۔ غرض خودکشی کا مصمم ارادہ کر کے وہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ وہاں سے وہ کل بستیاں جو ایک دن خاص اسی کی تھیں نظر آنے لگیں۔ اُنکو دیکھ کر وہ دریائے تحیر میں ڈوب گیا۔ اور خیال کی بڑی بڑی لہروں میں پڑگیا۔ گھنٹوں کے بعد قوت فیصلہ نے سہارا دیا۔ ہمت اور استقلال نے جو بازو پکڑے تو ساحل مقصود نظر آنے لگا۔ خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ اور کہنے لگا کہ میں پھر اپنی کل جائداد کا مالک ہونگا۔ یہ کہہ کر نیچے اتر آیا اور چند مزدوروں کو کوئلہ اٹھاتے دیکھ کر فوراً خود بھی اُن کا شریک ہوگیا جو کچھ مزدوری ملی۔ اُس میں سے تھوڑا تو خرچ کیا اور باقی رکھ چھوڑا۔ اسی طور سے برابر محنت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں اتنی حیثیت ہوگئی کہ اُسنے ایک چھوٹی سی تجارت شروع کردی۔ اور بڑی کفایت شعاری اور محنت سے برابر سوداگری کرتا رہا۔ تھوڑے عرصہ میں بہت بڑا مالدار ہوگیا **جان فاسٹر** صاحب کہتے ہیں۔ کہ میں برابر اُس شخص کی حالت کو دیکھتا رہا۔ اُس نے اپنی کل جائداد پھر خرید کی۔ اور چھ لاکھ روپیے نقد چھوڑ کر مر گیا۔ بے شک اِس شخص میں فیصلہ کرنے والی قوت تھی۔ انہی باتوں کو وہ پہاڑ پر سوچ رہا تھا۔ اور بے فیصلہ کئے وہاں سے نہ ٹلا۔ اور اُترا تو ہمت اور استقلال دو رفیقوں کو ساتھ لیکر نیچے اُترا۔ اور جو کچھ وہاں سوچا تھا کر گزرا۔ اسکی بخل سے قطع نظر کرو تو بے شک یہ شخص تعریف کے قابل ہے +

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں

علم و ادب

کرشمۂ قدرت

(سلسلہ کیلئے دیکھو جلد ۳ نمبر ...)

ابر اور بادل پہلے کی طرح پھر ایک دیگچی میں پانی بھر کر چولہے پر رکھو۔ اور نیچے آگ جلاؤ۔ جب پانی خوب گرم ہو جائے تو چینی ڈھک دو۔ تھوڑی دیر میں چینی پلٹ کر دیکھو تو اسپر پانی کی بوندیں نظر آئیں گی۔ دیگچی کا پانی تو چینی تک آیا نہیں ہے صرف بھاپ اٹھ اٹھ کر چینی تک آتی رہی ہے۔ اور یہی بھاپ چینی سے چھو کر اسپر بوندیں بنگئی ہیں۔ اسکا سبب یہ ہے کہ وہ بھاپ اصل میں پانی ہی ہوتی ہے۔ آگ کی گرمی کے سبب اسکی صورت بدل جاتی ہے اور جب وہ بھاپ اپنے سے کم گرم چیز سے ٹکراتی ہے تو پھر پانی کی صورت میں آجاتی ہے۔

سورج کی گرمی سے زمین اور سمندر دونوں جگہوں کی ہوا گرم ہو جاتی ہے۔ سمندر کا پانی بھی گرمی کی وجہ سے بھاپ بنکر ہوا میں ملتا رہتا ہے۔ مگر مٹی پانی کی نسبت زیادہ اور جلد گرم ہو جاتی ہے۔ اسلیئے پہلے زمین کی ہوا گرم ہو کر اوپر چڑھتی ہے۔ اس کی جگہ لینے کو سمندر کے بخارات سے بھری ہوئی ہوا آجاتی ہے۔ جب سمندر کی ہوا کی جگہ خالی ہوئی تو زمین کی ہوا جو اوپر چڑھ چکی ہے۔ وہاں چلی جاتی ہے زمین کی ہوا گرم ہو ہو کر اوپر چڑھتی رہتی ہے۔ اور سمندر سے ہوا اس کی جگہ آتی رہتی ہے زمین کی ہوا اوپر چڑھ کر سمندر کی طرف چلی جاتی ہے +

مون سون غرض یہی ہوتا رہتا ہے کہ زمین کی خشک ہوا سمندر کی طرف جاتی ہے اور سمندر کے بخارات سے لبریز ہوا زمین کی طرف آجاتی ہے۔ اسی ہوا کا نام مون سون یعنی بارش کی ہوا ہے۔ یہ ہوا بھی گرمی کی وجہ سے اوپر چڑھتی رہتی ہے جب اوپر چڑھتے چڑھتے ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں ذرا زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے تو اس ہوا کے بخارات پھر پانی کی صورت میں آجاتے ہیں اور اول نہایت چھوٹے چھوٹے قطرے ہوتے ہیں۔ اور آسمان پر دھوئیں کی سی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی کا نام بادل ہے۔ بچپن میں سنا کرتے تھے کہ بادل سمندر سے پانی پیکر آیا کرتے ہیں۔ اور بعض بزرگ جو حج کر آتے تھے۔ اور سمندر اُس کے عجائبات کا حال فخریہ بیان کرتے تھے۔ وہ اور عجائبات کے علاوہ یہ بھی بیان کیا کرتے تھے کہ ہم نے بادلوں کو سمندر میں پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہمیں بھی بڑا شوق ہوتا تھا۔ کہ کسی طرح بادلوں کو پانی پیتے ہوئے دیکھیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ اُن کو دیکھنے کے لیئے اگر یہ سفر اختیار کرتے تو نہایت ہی مایوسی ہوتی۔

بادلوں کا سمندر سے پانی نکالنا غالباً ان بزرگوں نے سمندر کی سطح سے اوپر تک بخارات کا سلسلہ دیکھا ہوگا۔ اور سمجھے ہوں گے کہ بادل بمبئی تک اُن کے ساتھ آئے ہیں۔ اور سمندر میں سے پانی پیکر واپس چلے جائیں گے۔ اگر کسی تعلیم یافتہ قوم کا کوئی شخص یہ سُنے تو ہنسی کے مارے پھڑک جائے۔ مگر خیر اب تو نہ وہ حج کے لیئے مہینوں کا سفر ہے اور نہ بادلوں کو صرف بمبئی کے راستے سمندر میں سے پانی پینے کے لیئے آنے کی ضرورت۔ کبھی بادل سمندر سے بمبئی اور کراچی کے راستے اور کبھی مدراس و کلکتہ کے راستے ہندوستان میں آکر خود پانی پینے کے بجائے اور جانداروں کی پیاس بجھا دیتے ہیں۔ دھوئیں کی صورت میں جو ننھے ننھے پانی کے قطرے ہوتے ہیں۔ اور جنکو ہم بادل کہتے ہیں۔ وہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ہوا انکو سہارے رہتی ہے۔ اور ادھر اُدھر لیئے پھرتی ہے۔ مگر جب ہوا کے سبب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں تو بڑے بڑے اور بھاری ہو جاتے ہیں۔ اسوقت ہوا اُنکو نہیں سہار سکتی اور وہ نیچے گرنے لگتے ہیں۔ اس کا نام مینہ ہے۔ جسوقت بادلوں کا پانی زمین کی طرف گرنے لگتا ہے تو بہت بڑے بڑے ٹکڑوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ مگر وہاں سے زمین تک آتے آتے ہوا سے ٹکر کھانے کی وجہ سے اُن ٹکڑوں کے کئی الگ ہوتے رہتے ہیں۔ اور زمین پر چھوٹے اور گول صورت کے ہو کر گرتے ہیں۔ بارش بھی آندھی کی طرح ہوا کی غلاظت کو صاف کرتی ہے اسکا پانی صاف اور ہلکا ہونے کی وجہ سے صحت کے لیئے مفید ہے۔

یہ سبب جو اوپر بیان ہوا۔ اُس بارش کا ہے جو گرمی کے بعد ہوتی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سردی کے موسم میں تو گرمی ہوتی نہیں جس سے بخارات بنیں تو پھر سردی میں بارش کیونکر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بھی بیان کرتا ہوں۔

ہوا میں ہر وقت بخارات موجود رہتے ہیں

شیشے کے گلاس میں برف بھر کر رکھو۔ تھوڑی دیر گلاس کے باہر کی طرف پانی کے قطرے نظر آئیں گے۔ گلاس میں سوراخ تو ہیں ہی نہیں۔ اسلیئے اندر کی طرف سے تو باہر پانی آ نہیں سکتا۔ کہیں اوپر سے ہی آیا ہوگا۔ اصلی وجہ یہ ہے کہ ہوا میں ہر وقت کچھ نہ کچھ پانی کے بخارات موجود رہتے ہیں۔ وہ ہوا جب ٹھنڈے گلاس سے چھو جاتی ہے تو اس میں جو بخارات ہیں وہ سردی پاکر پھر پانی کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اِس اصول کے موافق سردی کے موسم میں بھی بارش ہوتی ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ زمین سمندر کی نسبت جلد اور زیادہ گرم ہو جاتی ہے۔ مگر قاعدہ ہے کہ جو چیز جلد گرم ہوتی ہے وہ جلد سرد بھی ہو جاتی ہے۔ اسلیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سمندر میں زمین کی نسبت گرمی دیر تک رہتی ہے۔ سردی کے موسم میں بھی آفتاب کی گرمی سے زمین و سمندر دونوں جگہ کچھ نہ کچھ گرم ہو جاتی ہیں۔ مگر رات کے وقت وہ گرمی زمین سے جلد نکلجاتی ہے۔ اور سمندر میں قائم رہتی ہے۔ اسلیئے پہلے سمندر کی ہوا گرم ہوکر اوپر چڑھے گی۔ اور زمین کی ہوا سمندر کی طرف جائیگی اسکی جگہ سمندر کی اوپر چڑھی ہوئی

مہاوٹ

ہوا جس میں پانی کے بخارات شامل ہیں زمین کی طرف آئے گی۔ اور پھر پہلے کی طرح اوپر جاکر بخارات پانی کی صورت میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اسی طرح ابر و بادل بنیں گے اور اسی اصول کے موافق بارش ہوگی۔ مگر چونکہ سردی کے موسم میں حرارت کم ہوتی ہے اسلیئے بخارات کم بنتے ہیں۔ اور برسات بھی بارش کی نسبت کم ہوتی ہے +

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سردی کے موسم میں گرج چمک زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا سبب آیندہ پرچے میں لکھوں گا۔

بادل کی بلندی

بادل زمین سے کچھ بہت زیادہ بلندی پر نہیں بنتے ہیں۔ یہ سے دو ڈیڑھ میل اونچے ہوتے ہیں۔ بعض وقت تو آدھ میل کے قریب ہی ہوتے ہیں۔ شملے اور دوسرے پہاڑوں پر اکثر مکانوں کی بلندی سے بھی کم اونچے ہوتے ہیں بعض وقت ہوا کے ساتھ مکان کے اندر آجاتے ہیں۔ اُس وقت کمرہ مکان میں ایک دھواں سا بھر جاتا ہے۔ جس چیز سے وہ چھو جاتے ہیں۔ اسپر پانی کے قطرے نظر آنے لگتے ہیں +

شبنم

آفتاب کی گرمی سے دن کے وقت دریاؤں۔ ندی نالوں۔ کا پانی بخارات بن کر اڑتا رہتا ہے۔ اسمیں سے کچھ بخارات تو اِدھر اُدھر پھیل جاتے ہیں۔ اور کچھ زمین کے قریب کی ہوا میں ملے ہوئے رہ جاتے ہیں۔ یہ بخارات ہوا کے ساتھ رات کے وقت جب کسی سرد چیز سے ملتے ہیں تو پھر پانی کی صورت میں آجاتے ہیں۔ جسطرح کہ گلاس کے باہر کی طرف پانی کے قطرے نمودار ہو جاتے ہیں یہاں بھی ان کو چیزوں پر پانی کے قطرے پڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسیکا نام شبنم ہے

تیز ہوا میں شبنم نہیں پڑتی

جب کبھی تیز ہوا چلتی ہوئی ہوتی ہے تو اُس رات کو شبنم نہیں پڑتی۔ اسکا سبب یہ ہے کہ وہ تیز ہوا زمین کے قریب کے بخارات کو ادھر اُدھر اڑا کر لیجاتی ہے۔ جب بخارات ہی نہیں رہے تو شبنم کیسے پڑ سکتی ہے جس رات کو ابر ہو جب بھی شبنم نہیں پڑے گی۔

ابر کی موجودگی میں شبنم نہیں پڑتی

اس کی وجہ یہ ہے کہ ابر بخارات کو زیادہ اوپر نہیں جانے دیتا تمام بخارات زمین کے قریب ہی رہتے ہیں۔ ان کے سبب سے گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ اور آس پاس کی چیزیں زیادہ سرد نہیں ہونے پاتی ہیں ان چیزوں میں اُتنی ہی حرارت باقی رہتی ہے جتنی بخارات میں ہے۔ اس صورت میں بخارات نہ اپنے سے زیادہ سرد چیزیں پائیں گے نہ پانی کی صورت میں تبدیل ہونگے +

درختوں کے نیچے شبنم نہیں پڑتی

اگر کوئی چیز درخت کے نیچے ہو تو اُسپر شبنم ظاہر نہیں ہوتی۔ ناواقف اسکا سبب یہ بتلائیں گے کہ شبنم اوپر کی طرف سے گرتی ہے اور درخت اسکو روک دیتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ شبنم مینہ کی طرح تو اوپر سے گرتی ہی نہیں ہے بلکہ ہمارے ہر طرف ہوا میں جو بخارات ملے ہوئے ہیں۔ وہی اپنے سے زیادہ سرد چیزوں کو چھو کر اُن کے اوپر پانی کے قطروں میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

درخت کے نیچے شبنم نہ پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ درخت ان چیزوں کی گرمی کو جو اسکے نیچے ہیں۔ نکلنے نہیں دیتا۔ اسلیئے وہ چیزیں بخارات کی نسبت زیادہ سرد نہیں ہونے پاتی ہیں۔ اور جب وہ چیزیں زیادہ سرد نہیں ہوتی ہیں تو بخارات بھی اُن سے چھو کر پانی نہیں بنتے اور شبنم ظاہر نہیں ہوتی۔

شبنم بھی خالی از فائدہ نہیں ہے۔ یہ زراعت کے لیئے ایسی ہی مفید ہے جیسی ایک ہلکی بارش۔ اولے۔ برف۔ سنج۔ بجلی۔ گرج۔ کہر وغیرہ کی بابت آیندہ پرچے میں لکھوں گا +

(سیّد صغیر علی۔ بی۔ اے)

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھائینگے اور انکے اپنے درمیان بھی یہانتک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے

بصارت و بصیرت

سیرِ حوادث

ایک یورپین کو سزا مسٹر جانسن سابق سکرٹری میونسپل کمیٹی گوجرانوالہ کو کمیٹی کا روپیہ غبن کرنے کی پاداش میں چیف کورٹ پنجاب کے جج مسٹر ریشلیمن نے نو یورپین جیوری کی مدد سے مقدمہ سماعت کرکے ڈیڑھ سال قید با مشقت کی سزا دی۔ من یعمل سوءً یجز به ولا یجد له من دون الله ولیا ولا نصیرا (پ ۵ س النساء۔ ع ۱۷) جو شخص برا کام کریگا اس کو سزا ملیگی اور اس کو خدا کے سوا نہ حامی ہی ملے گا اور نہ مددگار۔ غور کرو قانون کے آگے ہر کہ ومہ کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ ایک یورپین مجرم کی ہم قوم بھی کسی قسم کی حمایت نہیں کرسکتے۔ اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچتا ہے سلطنت برطانیہ کی معدلت گستری اور نصفت پروری بھی سزاوار تحسین و آفرین ہے۔ کہ مجرموں کو سزا دینے میں مذہب و ملت اور قومیت اور رنگت کا امتیاز روا نہیں رکھتی ٭

غرقابی جہاز چکاگو واقع امریکہ کے قریب اڑھائی ہزار آدمی ایک جہاز پر سوار ہوکر سیر کو نکلے۔ نہایت افسوس و اندوہ کی بات ہے کہ جہاز ڈوب گیا اور دو ہزار آدمی رہگزائے عالم جاودانی ہوئے! وآية لهم انا حملنا ذريتهم في الفلك المشحون وخلقنا لهم من مثله ما يركبون وان نشأ نغرقهم فلا صريخ لهم ولا هم ينقذون (پ ۲۳۔ س یٰسین۔ ع ۳) اور ان لوگوں کے سمجھنے کیلئے ہماری قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ ہم ہی آدمیوں کی نسل کو بھری ہوئی کشتیوں میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ اور کشتی کی طرح ہم نے ان کیلئے اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں جنپر یہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو انکو ڈبو دیں۔ پھر نہ تو کوئی ان کا فریادرس ہو اور نہ یہ کسیطرح ڈوبنے کی مصیبت سے چھڑائے جاسکیں ٭

جنگلات کا رقبہ ہندوستان میں جنگلات کا کل رقبہ اڑھائی لاکھ مربع میل ہے اور گورنمنٹ کو جنگلات کی پیداوار سے گزشتہ پانچ سال سے حساب اوسط ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ خالص سالانہ منافع ہوتا ہے۔ اولم یروا انا نسوق الماء الی الارض الجرز فنخرج به زرعا تاکل منه انعامهم وانفسهم افلا یبصرون (پ ۲۱۔ س السجدہ ع ۱۵) کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم افتادہ زمین کی طرف پانی کے بادلوں کو ہانک دیتے ہیں۔ پھر پانی کے ذریعہ سے کھیتی کو نکالتے ہیں جس میں سے انکے چوپائے بھی کھاتے ہیں۔ اور آپ بھی تو کیا لوگ اس نمونہ قدرت کو نہیں دیکھتے

تعلیمی اغراض کے لیئے ایک لاکھ روپے کا عطیہ بمبئی میں ایک شخص وٹھل داس گوپال داس کا انتقال ہوا ہے جو وصیت کے ذریعہ سے ایک لاکھ روپیہ کا عطیہ تعلیمی اغراض کے لیئے دے گیا ہے۔ اس رقم کے سود سے کپول بنیوں کے لڑکوں کو جو تعلیم حاصل کرنا چاہیں وظائف دیئے جائیں گے۔ متوفی نے چار ہزار روپیہ اپنے چھوٹے بھائی کی یادگار میں بھی دیا ہے۔ کپول بنیوں کی قوم اپنی تجارتی حوصلہ مندیوں کی بدولت مشہور ہے۔ اور مغربی ہندوستان کی ہندو اقوام میں تجارت و تعلیم کی یکساں علم بردار سمجھی جاتی ہے طلب علم اور ابتغائے فضل امر اسلامی خصائص ہیں۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جن کا علم سب سے زیادہ تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ عز اسمہ ہوتا ہے۔ وقل رب زدنی علما (پ ۱۶۔ س طٰہٰ۔ ع ۱۵) اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم نصیب کر۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔ تحصیل علم ہر مسلمان پر فرض ہے مرد ہو یا عورت۔ اسلام نے اپنے پیرؤں کو تجارت کرنے کا حکم آیہ مجیدہ میں دیا ہے۔ یاایها الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم (پ ۵۔ س النساء ع ۵) آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو اور اس میں کچھ ہاتھ لگ جائے تو وہ ناروا نہیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بلا امتیاز

یم میں تجارت بیان کیا گیا ہے وآخرون یضربون فی الارض
ین من فضل اللہ (پ ۲۹. س المزمل ع ۲/۱۳) اور بعض خدا کے فضل
ش معاش (تجارت) میں ادھر ادھر ملک میں سفر کر رہے ہوں گے۔
یحہ میں تجارت کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بیان فرمایا ہے کہ سچا سوداگر قیامت کے دن
ں اور شہیدوں کے ساتھ اٹھے گا۔ اور فرمایا ہے کہ تجارت کرو کیونکہ
کے دس حصوں میں نو حصے فقط تجارت میں ہیں۔ پھر آہ! کیا یہ
اندوہ کی بات نہیں کہ مسلمان اسلامی خصائص کو خیر باد کہہ رہے
ہیں اور دیگر اقوام ان کے علم بردار سمجھے جاتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مدرسۃ الصنائع کلکتہ سر راجندر ناتھ مکرجی نے کلکتہ میں ایک مدرسۃ الصنائع قائم
کیا ہے جس میں طلباء کو صنعت و حرفت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کام کے لیے انہوں نے
اپنی جائداد کا ایک بڑا حصہ وقف کر دیا ہے۔ مدرسہ میں درس و تدریس کا کام شروع ہو چکا
ہے اور اس وقت مدرسہ میں معلمین و متعلمین کی ایک خاصی تعداد موجود ہے۔ اخوان
... اس نیک مثال کی تقلید کرنی چاہیئے۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ صرف مدارس
... کا اجرا کافی نہیں، جن میں طلبا تعلیم پا کر اور یونیورسٹی کے امتحان پاس کرنے
کے بعد تلاش معاش میں در بدر ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ کسب معاش کے لیے
... کے بعد صنعت و حرفت بہترین ذریعہ معاش ہے۔ اور احادیث میں
... اور دستکاری کے بھی فضائل وارد ہیں۔ چنانچہ مقدام بن معدیکرب سے
مروی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ
... کوئی کمائی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں پیدا کر سکتا۔ ایک شخص نے
پوچھا یا رسول اللہ! بہتر کمائی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا عمل الرجل بیدہ کل
... انسان کے ہاتھ کا کام۔ اور ہر سچائی کی تجارت۔ اسلامی مجالس کو
... صناعیہ کے اجرا کی طرف اپنی فوری توجہ مبذول کرنا چاہیئے۔ یہ امر تمام
... وں سے اہم واقدام ہے۔ وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون۔

قمار خانہ پر پولیس کا چھاپہ بمبئی میں ۹۔ اگست کی شب کو پولیس نے ایک
... پر چھاپہ مارا۔ قمار بازوں نے پولیس کی صورت دیکھتے ہی بدحواس ہو کر
... اختیار کی۔ اور متصلہ مکانات کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ علی الصباح قمار
... باہر ایک لاش پڑی ہوئی ملی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ متوفی قمار باز
... سالہ نوجوان شخص ہے۔ اور ایک دیوار پر سے پرنالے کے نل کو پکڑ کر نیچے
... ہوئے گر کر ملک عدم کو سدھار گیا ہے۔ جوئے نے اسپر اتفاقیہ موت کا
... صادر کیا۔ غور کرو یہ ہیں عواقب و نتائج قمار بازی جس کے مضار منافع
سے زیادہ ہیں تا کہ اسلام نے اسکو رجس من عمل الشیطان قرار دیا ہے اور اپنے
متبعین کو اس سے نہایت شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے فہل من مدکر

ایک یورپین لیڈی کی غرقابی کلکتہ سے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ ایک معمر یورپین
لیڈی سمندر کے کنارے پر کھڑی نہا رہی تھی کہ یکایک ایک خوفناک لہر کی زبردست
تھپیڑ اسکو اپنے ساتھ بہا لے گئی۔ آج کل خلیج بنگال میں خوب طوفان بپا ہے۔
بیان کیا جاتا ہے کہ لیڈی کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ اور اسکو مچھلی کے شکار کا بے حد شوق
تھا۔ چنانچہ اسی غرض کے لیے اسنے بہت سے ماہی گیروں کو اپنے ہاں نوکر رکھ
چھوڑا تھا جو تمام دن مچھلیاں پکڑ کر شام کو اپنی مالکہ کے حوالے کر دیتے تھے۔ جس
وقت یہ لیڈی نہانے کے لیے سمندر کے کنارے پر گئی اسی وقت اس کے نوکروں
نے اسکو نہانے سے منع کیا تھا۔ اور بیان کیا تھا۔ کہ اسوقت سخت طوفان بپا ہے
سمندر میں نہانا خالی از خطرہ نہیں۔ مگر اس نے ایک کی بات بھی نہ مانی۔ غور کرو اس
لیڈی نے قوانین فطرت کی ایک مقدس دفعہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ
کی خلاف ورزی کی۔ جس کی پاداش میں اس نے اپنی جان گنوائی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

چلتی گاڑی میں چوری نارتھ ویسٹرن ریلوے کے سندھ والے حصہ پر چلتی ریل میں چوری
کے اکثر واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے تھے۔ ان کے انسداد کے لیے مسلح پولیس
مقرر کر دی گئی ہے جسے اختیار دیا گیا ہے کہ چوروں کو دیکھتے ہی نشانہ بندوق بنا دیا جائے
معلوم ہوا ہے کہ چوروں کے پاس بھی آتشین اسلحہ ہیں جنہیں وہ مسلح پولیس کے خلاف
استعمال کرنے لگے ہیں۔ پولیس نہایت سرگرمی کے ساتھ ان مفسدین فی الارض کو
مختلف اقطاع واضلاع سے گرفتار کر رہی ہے۔ چنانچہ روہڑی کے قریب
دو مسلح سپاہیوں نے ایک چھکڑے کا دروازہ کھلا ہوا پایا۔ تھوڑی دیر کے
بعد دروازہ میں سے گندم کی بوریاں نیچے پھینکی گئیں۔ سپاہی ان بوریوں کے پاس
دبک رہے۔ جب چور بوریاں اٹھانے آئے تو انپر فائر کئے گئے ایک چور تو مجروح
ہو کر گر پڑا باقی ماندہ بھاگ گئے۔ مجروح چور کو مجسٹریٹ علاقہ کی عدالت میں پیش
کیا گیا۔ مگر اس نے اپنے رفقا کے نام بتانے سے انکار کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور
موقع پر فائر کرنے کے بغیر ایک چور گرفتار ہوا۔ لاڑکانہ کی قریب چلتی گاڑی
میں سے ایک چور گندم کی بوریاں گرا رہا تھا کہ اسپر فائر کیا گیا۔ ایک اور چور سکھر
کے نواح میں ماخوذ ہوا۔ بارہ سے زاید چوروں نے کراچی کے ضلع میں چلتی ٹرین
پر حملہ کیا۔ ان کے پاس بندوقیں بھی تھیں۔ انہوں نے گاڑی میں سے کئی بوریاں نیچے
گرائیں لیکن بوریاں اٹھانے سے پہلے مسلح پولیس کا ایک دستہ گشت لگاتا ہوا
پہنچ گیا۔ چوروں نے سپاہیوں پر فائر کئے۔ اور دو سپاہی مجروح ہوئے پھر
چور بھاگ گئے۔ لیکن کوٹڑی کی پولیس نے ان کا تعاقب کیا۔ اور دس چوروں کو گھیر لیا

جبکہ پاس سے دو بند وقیں برآمد ہوئیں۔ اس قسم کے مفسدین فی الارض کے انسداد کی خاطر سیع پولیس کی تعیناتی سلاوہ اسکے چوروں پر فائر کرنے کے اختیارات دینا بلا شبہ قرین مصلحت ہے۔ چنانچہ قوانین فطرت کی ایک مقدس دفعہ میں بھی ایسے مجرموں کیلئے سخت سزا مقرر ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے انما جزاؤ الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض (پ ۶۔ س المائدہ۔ ع ۵) جو لوگ اللہ اور اسکے رسول سے لڑتے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔ ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کر دئے جائیں۔ یا انکو سولی دیجائے۔ یا ان کے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے کاٹ دئے جائیں۔ یا انکو دیس نکالا دیا جائے۔ اگر اسی طرح حوصلہ مندی کے ساتھ چوروں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں اور مجرموں کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ تو یقین واثق ہے کہ چلتی گاڑی میں چوری کی وارداتوں کا سدباب ہوجائے گا جو باعث تشکر و امتنان رعایا و برایا ہوگا ◆

(نورالدین تاجر چرم)

یورپ کی ایک جدید ایجاد

یورپ اپنی صنعتی ترقی اور تجارت پر جسقدر ناز کرے بجا ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو چھوٹی سی بڑی ضرورتیں نہایت کم صرف سے نکال لیتے ہیں۔ اور حیرت انگیز سائنس کی ترقی کی بدولت اپنی ایجادوں سے کثیر نفع اٹھاتے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں ایک سوئی کے لیئے بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور دوسرے ممالک کے محتاج ہیں۔ چنانچہ صناعان یورپ نے ربڑ کی جگہ پر سمندر کی کائی سے ایک ایسی شے طیار کی ہے کہ جو گاڑی کے پہیوں کے گرد ہال چڑھانے کے کام آسکتی ہے۔ اور بالکل ربڑ کی طرح نرم اور پائدار ہوتی ہے۔ غرض اسطرح ربڑ اور چمڑہ کا نعم البدل مہیا ہو گیا ہے۔ اب یہی صناع اسی کائی سے بورٹ طیار کرنے کی بھی کوشش کر رہے ہیں اسکا بھی تجربہ کیا گیا ہے کہ کائی سے بنی ہوئی چیزیں ربڑ اور چمڑے سے زیادہ سستی بھی ہوتی ہیں اور پائیدار بھی ہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ بھی خوبی ہے کہ تندرستی کیلئے کسیطرح مضر بھی نہیں ہیں۔ اب یہی چیزیں جو صناعان یورپ نے اپنا اعلیٰ دماغ صرف کرکے کوڑیوں کے مول طیار کی ہیں ہندوستان پہونچکر قیمتی فروخت ہونگی اور لوگ نہایت خوشی سے ایک نئی چیز سمجھکر خریدینگے اور ملک کی دولت کھنچکر یورپ پہونچیگی ◆ (المیزان)

ہمارا طرزِ حکومت

یہ اخبار البشیر اٹاوہ کے مشہور نامہ نگار جناب مولوی سید محمد صاحب کا ایک نہایت دلچسپ

تاریخی مضمون ہے جس میں مسلمانوں کے طرزِ حکومت کا ہندوؤں کی حکومت سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور نہایت لطف سے آریوں کو دندان شکن الزامی اور محققانہ جوابات دئے گئے ہیں۔ قابل دید رسالہ ہے۔ ہر ایک مسلمان کو پڑھنا چاہیئے بلکہ متعدد جلدیں خرید کر نادار مسلمانوں کو مفت تقسیم کرنی چاہئیں + قیمت صرف ۲ ر

تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کے پیر و مرشد

اور ہندوستان کے مشہور مجدد و ریفارمر حضرت شاہ سید احمد صاحب بریلوی تیرھویں صدی میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ جنہوں نے مشرکانہ رسوم کی اصلاح کے لیے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ان کے حالات نہایت دلچسپ ہیں اور ان کی عجیب و غریب کرامتیں تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ تواریخ عجیبہ انہی بزرگ کی سوانح عمری ہے اور اسلئے نہایت دلچسپ ہے حجم ۲۰۰ صفحے قیمت صرف عہ ر + تقطیع ۲۰×۲۶ قلم نہایت گنجان اور باریک ہے کئی سو صفحوں کا مضمون کھپا دیا گیا ہے

اعجب العقاب علی الناھق الکذاب

مصنفہ جناب مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی۔ اس رسالہ میں حضور پرنور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور وہابیہ اور آریوں کا دندان شکن رد ہے۔ رسالہ دیکھنے کے قابل ہے حجم ۳۴ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت ۱۰ر +

مسٹر محمد علی کا مقدمہ

مسٹر محمد علی ایڈیٹر کامریڈ نے رسالہ موسومہ "مقدونیہ" میں

اور اصحاب کی ضبطی کے خلاف ہائیکورٹ کلکتہ میں اپیل دائر کیا تھا جس کی سماعت تین ججوں کے بنچ کے سامنے ہوئی تھی۔ اس مقدمہ کی اہم نوعیت اور فاضل ججوں کی منصفانہ اور بے لاگ اظہار رائے نے اخباری دنیا میں سنسنی ڈالدی تھی۔ رسالہ بعنوان بالا میں اسی سنسنی خیز اہم اور دلچسپ مقدمہ کی پوری کیفیت معہ فیصلہ ججان ہائیکورٹ و ایڈیٹران کی رایوں کے درج کیگئی ہے نہایت دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے پریس ایکٹ مجریہ ۱۹۱۰ء کی متعلق اور مبہم دفعات کی توضیح و تشریح۔ اہل ملک کی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ اور عجیب و غریب رمزوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ گویا یہ رسالہ پریس ایکٹ کی شرح ہے جسکا مطالعہ پریس سے تعلق رکھنے والوں مصنفوں۔ مؤلفوں۔ اخبارات کے ایڈیٹروں۔ چھاپہ خانہ کے مالکوں۔ وکیل۔ مختار۔ بیرسٹروں۔ کونسل

کے ممبروں کو اس رسالہ کا ایک نسخہ اپنے پاس ضرور رکھنا چاہیئے۔ ایک نسخہ کے ٹکٹ ڈاک وصول ہونے پر معہ محصول روانہ کر دیا جائے گا۔ جو صاحب خرید لیں گے انہیں ایک روپیہ کے بارہ رسالے دئے جائیں گے حجم رسالہ کا ۳۲ صفحہ ہے۔ اور تقطیع ۲۰×۲۶/۸ ہے۔ قیمت ۲ ر +

العائلہ

اس نہایت مفید کتاب میں عورتوں اور بچوں کی مخصوص بیماریوں کا مفصل حال اور تمام امراض کے لیے مجرب تیر بہدف نسخے درج کئے گئے ہیں۔ طبی کتابیں عموماً خشک اور غیر دلچسپ ہوتی ہیں۔ لیکن العائلہ میں یہ خصوصیت ہے کہ اسکا اکثر حصہ نہایت دلچسپ ہے۔ اور عورتیں شوق کیساتھ اسکو پڑھکر وہ فوائد حاصل کر سکتی ہیں۔ جو دوسری طبی کتابوں کے پڑھنے سے ہرگز نہیں حاصل ہو سکتے۔ اس مفید و دلچسپ کتاب کے مصنف جناب مولوی ابو عزیز حکیم غلام غوث خان صاحب بہاولپوری طبیب خاص ریاست خیرپور سندھ ہیں۔ نہایت عمدہ چھپی ہے۔ تقطیع ۲۰×۲۶ صفحات ۷۵ قیمت ۵ ر +

جواہرات ترجمہ منبہات

بچوں کی اتالیق جوانوں کی مصلح۔ بوڑھوں کی پیر طریقت

کی جان یہی کتاب ہے جسکا نام ہے "جواہرات" یعنی منبہات ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا روزمرہ کی سلیس اردو زبان میں ترجمہ۔ اگر آپ کو اسلام سے محبت ہے اور دنیائے اسلام علیہما السلام کی بیش بہا نصیحتوں کی آپکے دل میں کوئی وقعت ہے تو صرف سالانے چار آنے میں جواہرات منگائیے۔ خود ملاحظہ فرمایئے۔ احباب کو دکھایئے۔ مائیں بہو بیٹیوں۔ بچوں اور بچیوں کو پڑھایئے۔ اور دین و دنیا کا فائدہ اٹھایئے +

تذکرہ غوثیہ

اس کتاب میں پانی پت کے مشہور بزرگ حضرت مولانا غوث علی شاہ صاحب قلندری کی قلندرانہ

اور درویشانہ زندگی کے نہایت دلچسپ اور سبق آموز حالات و صوفیانہ رموز و نکات سے بھرے ہوئے ملفوظات درج کئے گئے ہیں۔ خدا والوں کی باتوں میں جیسی کچھ کشش ہوتی ہے سب کو معلوم ہے۔ پھر مولانا غوث علی شاہ صاحب کے عارفانہ چٹکلے اور ظریفانہ پیرایہ میں حقایق کی تشریح ناممکن ہے کہ پڑھنے والوں پر بے خودی کی سی کیفیتیں طاری کر دے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ ایکدفعہ شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور پڑھنے والا گویا ایک خدا رسیدہ بزرگ کی صحبت میں پہنچکر وہ لذت حاصل کرتا ہے جسکا بیان نہیں ہو سکتا۔ زبان ایسی پاکیزہ اور سہل ہے کہ سمجھانا امر۔ الغرض یہ کتاب ہر حیثیت سے نہایت دلکش اور پر معنی ہے ظاہر پرست کچھ اور مطلب نکالتے ہیں۔ اور اہل باطن کچھ اور۔ ضخامت ... تقطیع ۲۰×۲۶ چھپائی لکھائی اور کاغذ دیدہ زیب مگر قیمت صرف ...

ملنے کا پتہ: طاہر، مکتبۂ قادریہ، سعید منزل، شہر میرٹھ

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کیلئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے سوائے ہی ترکی۔ ایران۔ ترکستان۔ افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اس کی وجہ ظاہری کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں ہے کہ ذی علم ہو اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتا ہے کہ چین کے مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں صرف آجکل کا ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں اور اسی ضرورت پر لحاظ کرکے **علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی** نے جن کی **جملہ تصنیفات کی فہرست** اسی **صفحہ** پر درج ہے پورے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ اردو ترجمہ عبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شائع کردی ہے اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جسکی سرخیاں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ترجمہ کرنیکا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا (۲) ترجمہ قرآن کی صورت زمانہ وسطی اور زمانہ اخیر میں (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمے کے متعلق مترجم کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت اور آنحضرت محمدؐ (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) متضاد احکام قرآن میں نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) مکرر باتیں قرآن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہیے۔ (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن جن پر صرف یورپ کے مہذب لوگوں کا عملدرآمد ہے (۲۸) برکات اسلام کیلئے الاسلام بھی دیکھنا چاہیے (۲۹) معجزات (۳۰) مؤلف کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے ✦

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی گئی ہے اور جتنے مسائل شرعی قرآن سے نکلے ہیں انکا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف قرأت سے علماء حنفی المذہب اور اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہو گئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے اور ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا علماء حنفی المذہب نے جو باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ زیریں میں سب کا بیان ہے تاکہ ترجمہ کے ہر مذہب کے لیے یکساں مفید ہو لیکن متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہے کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے ✦

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کرکے نہایت صحت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ اسے کہنا بجا ہے یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول ۱۸۹۲ء میں ڈھائی پارہ کا ترجمہ شائع کیا تھا اور اس سے چار برس کے بعد ۱۸۹۶ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا تھا۔ پھر اسکے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ ناظرین بالکمال ترجمہ کو دیکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ یہی کہینگے کہ دیر آید درست آید۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بذریعہ وی۔ پی طلب فرمائیں۔ اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ تحریر ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کے ہاتھوں میں پہنچکر اشتہار کا باعث ہو۔ یہ واضح رہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر جسکے لیے علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے۔

ہدیہ قیمت فی جلد مذہب مع تین روپیہ (نوٹ) جہاں سینکڑوں ہزاروں روپیہ اور لاکھوں میں خرچ ہوتے ہیں ان ترائب قرآن کے سمجھنے میں خرچ ہوں تو کیا بیجا ہے ✦

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	رعایتی قیمت	کیفیت	نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	رعایتی قیمت	کیفیت	نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	رعایتی قیمت	کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو مکمل مع دیباچہ	اردو	مذہب اسلام	۱۲۰۰	ہے	ہے	مجلد	۶	محنۃ الاہل	اردو	عقیدہ	۲۰	۱ر	۱ر	·	۱۱	شرح اصطلاحات مالگذاری	اردو	قانون	۴۸	عاصہ ۸ر	عاصہ ۸ر	مجلد
۲	تاریخ الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	ہے	للعہ	مجلد طبع ثانی	۷	نشتر سخن	اردو	شاعری	۵۰۸	عصہ	عاصہ	·								
۳	الاسلام	اردو	فلسفہ اسلام	۸۰۰	ہے	عاصہ	مجلد طبع اول	۸	زبان اردو	اردو	پالیٹکس	۳۲	۲ر	۲ر	·	۱۲	عباسیز لا آف ...	انگریزی	"	۵۴	عصہ	عاصہ	"
۴	نماز	اردو	مذہب اسلام	۲۷۸	عہ	۱ر	طبع ثانی	۹	انڈیا اینڈ برٹش ...	انگریزی	"	۱۸	۴ر	۲ر	·	۱۳	[illegible]	"	"	۲۸۴	ہے	عصہ ۸ر	"
۵	المجاہد	اردو	مذہبی ناول	۱۸۰	عصہ	عہ	·	۱۰	دی لیجنڈ ...	"	"	۳۴	۴ر	۲ر	·	۱۴	[illegible]	"	"	۹۵۲	عصہ	۱۵ر	"

المشتہر عبد الواحد خان مینیجر قاضی اینڈ کمپنی گورکھپور

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ



اسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت و معاشرت کا روحانی خطیب
اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج مسلمان مردوں کا رہبر عورتوں کا معلم بچوں کا اتالیق
مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ ہر شمسی مہینے کے آخری ہفتہ میں شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہ صفا + تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید + کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالانہ چندہ مع محصولڈاک
قسم اول ۲ + قسم دوم ۱
قیمت فی پرچہ ۳/

محمد انوار ہاشمی پرنٹر و پبلشر نے جدید پریس میرٹھ میں چھپوا کر شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ۱۲۰۷ — کاپی رائٹ محفوظ ہے

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان واقعی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں قرآن پاک اور اسلام کی صحیح تعلیم کو جانیں اس پر عمل کریں خوف خدا اور عظمت رسول کو معاشرت و تمدن میں اپنا رہنما بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کریں تعصب اور کورانہ تقلید سے اپنے تئیں پاک و صاف رکھیں غیر مسلم اقوام کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کے چھوڑنے کو معیوب نہ سمجھیں ہر ایک کام میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کے مسلک پر آ جائیں۔ دولت، وقت اور قوت جیسی بیش بہا نعمتوں کو بے راہ روی سے نہ لٹائیں تکفیر کے فتووں سے اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل کریں خانہ جنگیوں۔ نااتفاقیوں۔ اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں۔ اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتفاق و اتحاد اور ہمدردی و خلوص کے آہنی حصار سے مستحکم و محفوظ کریں عیش پسندی، کاہلی۔ اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں محنتی، جفاکش اور اولو العزم۔ مآل اندیش مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالنے کی بجائے اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف پوری توجہ کریں مشیخت، غرور اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اپنے تئیں تمام دنیا سے زیادہ نالائق اور سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری۔ عیاشی۔ نمود و نمائش۔ فیشن پرستی۔ مقدمہ بازی۔ بے محل خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینوں اور عزلت گزینوں کے راہبانہ رویہ کو خلاف سنت تصور کریں۔ اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی نذریں بند کر کے ان سے مفت خوری کی عادت چھڑوائیں۔ ایسے مولویوں۔ ایسے صوفیوں۔ ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض ملت فروش۔ اور نام نہاد خیر خواہ لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو ان تمام اوصاف و محامد سے متصف کریں جو ایک **اصلح** انسان میں ہونے چاہییں۔ تاکہ زمین کی وراثت کے وہ مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ

خریداروں اور مضمون نگاروں کے لیے ضروری ہدایتیں

(۱) اسوۂ حسنہ دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے قسم اول کا چندہ سالانہ ۲ اور قسم دوم کا ۱؎ جو بہر حال پیشگی آنا چاہیئے۔ (۲) جن حضرات کے پاس رسالہ نمونۃً پہنچے انہیں براہ کرم اپنے ارادۂ خریداری و عدم خریداری سے بواپسی ڈاک دفتر کو مطلع کر دینا چاہیئے (۳) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو ضرور شائع ہو جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیئے۔ ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے ایک پرچہ کی قیمت ۳ ہے۔ (۴) چندہ کی میعاد ختم ہو جانے پر اگر خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع موصول نہ ہوئی تو ہم وی۔ پی بھیجکر آئندہ سال کے لیے چندہ وصول کر لینے کے مجاز ہونگے (۵) خط و کتابت میں نام و پتہ نہایت صاف مفصل اور واضح لکھنا چاہیئے۔ اور نمبر خریداری کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہیئے **قلمی معاونین** کو مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے۔ (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں (۳) آیات کے لیے سورت اور رکوع اور احادیث کے لیے مستند کتب حدیث کا حوالہ ضرور دیں (۴) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری۔ بے نتیجہ یا غیر محققانہ ہوں۔ یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحتً یا کنایتً منافی ہوں یا جن میں لفاظی اور تخیل زیادہ اور مفید اصلاحی مطالب کم ہوں یا جن میں مناظرہ اور تردید کا رنگ غالب ہو (۵) جو مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کے لیے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی چاہیئے۔ ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری اخلاقاً و قانوناً ان پر عاید ہو گی (۶) مضمون لکھنے سے پہلے رسالہ کے مقاصد معلوم کر لیں +

(منیجر)

بلا وجہ وی پی واپس کرنے والوں کو تنبیہ

جن شرائط پر ہم اسوۂ حسنہ اپنے معزز خریداروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ وہ ہر مہینے ٹائیٹل کے دوسرے صفحہ پر ضوابط و ہدایات کے تحت میں چھاپی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ جو صاحب اسوۂ حسنہ کو ایک مرتبہ خرید لیں گے وہ ہمارے نزدیک اسکے دوامی اور مستقل خریدار متصور رہوں گے۔ بشرطیکہ وہ درمیان میں خریداری جاری رکھنے کی باضابطہ اطلاع دفتر کو نہ دیدیں یعنی اگر سال خریداری یا میعاد چندہ ختم ہونے پر کوئی صاحب پرچہ بند کرنا اور خریداری سے دستکش ہونا چاہیں تو ضوابط رسالہ کی رو سے انکا فرض ہے کہ وہ ہم کو مطلع کر دیں کہ آئندہ انکو پرچہ نہ بھیجا جائے اور ان کا نام رجسٹر خریداران سے خارج کر دیا جائے اگر وہ ایسا نہیں کرینگے تو ہم سال آئندہ کی قیمت وصول کرنے کیلئے بذریعہ رسالہ وی۔ پی بھیجنے کے بوناً فوقتاً (قانوناً) مجاز متصور ہونگے۔ اور اگر بلا کسی معقول وجہ کے یہ وی۔ پی واپس کیا گیا تو ہمارے نقصان و حرج کی ذمہ داری کا قانوناً تمام و اخلاقاً وہ وی۔ پی واپس کرنے والے خریدار پر عاید ہوگی۔

پس ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کی نسبت کیا کہیں جو مندرجہ بالا شرائط کے پابند ہو کر اسوۂ حسنہ خریدتے ہیں۔ میعاد چندہ ختم ہونے پر ترک خریداری کے ارادہ سے دفتر کو مطلع نہیں کرتے۔ اور جب مطبوعہ جوابی کارڈ بھیجکر ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ آئندہ رسالہ کی خریداری جاری نہیں رکھ سکتے تو براہ کرم ہم کو اطلاع دیدیں تو جواب تک نہیں دیتے۔ مگر باینہمہ جب وقت رسالہ وی۔ پی بھیجا جاتا ہے تو وہ بلا کسی عذر و معذرت کے نہایت بے پروائی سے اُسے واپس کر دیتے ہیں۔ اور ایک قومی رسالہ کو جو پہلے ہی شدید مالی نقصان کے بوجھ میں دبا ہوا ہے۔ اور زیادہ زیر بار کرنا معیوب نہیں سمجھتے۔ ایک وی۔ پی کے تیاری اور روانگی میں علاوہ اس محنت اور وقت کے جو فارم منی آرڈر اور رجسٹری کی خانہ پری میں صرف ہوتا ہے سوا آنہ کے ٹکٹ بھی لگتے ہیں گویا وی پی واپس کرنے والے حضرات اپنے ایک پیسہ کی وجہ سے ہمیں پانچ پیسہ کا نقصان۔ اور ڈاکخانہ کو فائدہ پہنچانا گوارا کر لیتے ہیں۔ جو کم از کم اسوۂ حسنہ جیسے۔ سالہ کے خریداروں کے شایانِ شان نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم میں کاہلی لاپروائی اور بدمعاملگی کا مرض روز بروز ترقی کر رہا ہے اور اب حالت اس قدر خطرناک ہوگئی ہے کہ مریضوں کو اپنے مرض کا احساس بھی نہیں رہا۔ وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ ہم بھی کسی مہلک روحانی مرض میں مبتلا ہیں جس کا علاج اگر جلد نہ کیا گیا تو ہماری شخصی و قومی زندگی کا خاتمہ یقینی ہے مولانا حالی نے ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرمایا ہے ؎

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا | مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا | کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

مگر وہ مرض جسکو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اُسکو ہذیان سمجھیں

سبب یا علامت گر اُنکو سمجھائیں | تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں | یونہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں

طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

پس ہم نہ صرف اپنے مالی نقصان کے خیال سے بلکہ قوم سے کاہلی۔ لاپروائی اور بدمعاملگی کی قبیح عادات چھڑانے کے لیے بھی بادلِ ناخواستہ اس امر کا اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر آیندہ کوئی صاحب بلا وجہ وی پی واپس کر دینگے اور مبلغ دو آنہ بابت اُس نقصان و حرج کے۔ جو وی۔ پی کی واپسی سے ہم کو پہنچے گا نہیں ادا کرینگے تو ہم نہایت افسوس کیساتھ ان کا نام بمد نادہندگان رسالہ میں شائع کر دینگے۔ اور اگر اسکی ضرورت محسوس ہوئی تو شاید بعض چند حضرات کے خلاف دوسروں کی تنبیہ و عبرت کے لیے عدالتی کارروائی بھی کرنی پڑے گی۔

امید ہے کہ ہمارے نہایت معزز و محترم ناظرین میں سے کوئی صاحب ہمیں یہ ناگوار خدمت لینا پسند نہیں کرینگے۔ ہم اسکے لیے مجبور نہیں کرتے کہ آپ خواہ مخواہ اُسوۂ حسنہ خریدیں ہی۔ البتہ اسکے لیے مجبور کرتے ہیں کہ اگر آیندہ آپ خریدنا نہ چاہیں تو ہم کو مطلع کر دیں۔ ورنہ ہمارا بھیجا ہوا وی۔ پی وصول کر لیں یہ کچھ سخت مطالبہ نہیں ہے۔

نیاز مند مینیجر اسوۂ حسنہ

انعامی اعلان

شیخ زین العابدین صاحب رئیس میرٹھ نے علمی دلچسپی۔ قومی ہمدردی اور اس محبت کے تقاضے سے جو انکو اسوۂ حسنہ کے ساتھ ہے یہ اعلان کرنے کی اجازت دی ہے کہ اسوۂ حسنہ کی جلد رواں میں معیار تقدس کے موضوع پر چند مضامین شائع ہونگے۔ اور ان میں جو مضمون مجموعی حیثیت سے بہترین سمجھا جائیگا اسکے قابل مصنف کو وہ اپنی طرف سے مبلغ معہ روپیہ نذر کرینگے مضمون حسب ذیل امور کے متعلق خصوصیت کے ساتھ تفصیلی بحث کرنیکی ضرورت ہے (۱) قرآن اور حدیث نے تقدس کا معیار کیا قرار دیا ہے (۲) قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں تقدس کا معیار کیا تھا (۳) اس زمانہ کے مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور طبقوں میں تقدس کا معیار کیا ہے

رسالہ اسوہ حسنہ میرٹھ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۵ء مطابق ۲۱ ذیقعدہ ولغایۃ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

جلد ۳

فہرست مضامین

نمبر ۳

معارف القرآن

تعلیم الاسلام

السیرۃ المحمدیہ والخصائص النبویہ

عقاید الاسلام

عبادات الاسلام

اصلاح الاخلاق والاعمال

تذکرۃ السلف

حکمت و مواعظت

تنقید و تقریظ

شکایتی خطوط کی تعمیل نہیں ہوگی تاوقتیکہ خریدار اپنے نمبر خریداری سے جو پتہ کی چٹ بائیں طرف چھپا ہوا ہے مطلع نہیں کرینگے

ابو الشفا حکیم محمد شمس الحسن کا بنایا اور تجربہ کیا ہوا مشہور

سفوف برق

انسانی زندگی کا دارومدار ہضم غذا پر ہے ہضم غذا کا دارومدار معدہ وجگر کی درستی پر ہے یہی دو اعضا ایسے ہیں جن کا فعل صحیح رہنے پر غذا جزو بدن ہو سکتی ہے اور خون صالح رگوں کی غذا بن سکتا ہے۔ **سفوف برق**:- ایسے نازک موقعہ پر جبکہ معدہ ہاضم صحیح پر قادر نہو۔ جگر کا فعل کمزور ہو گیا ہو فائدہ پہونچانے میں بجلی کا اثر رکھتا ہے *

سفوف برق:- معدے یا جگر کی ابتدائی تمام بیماریوں اور ہر قسم کے مرض کو دفع کرنے میں اکسیر کا خاصہ رکھتا ہے۔ **سفوف برق**:- ورم معدہ [illegible] معدہ [illegible] تخمہ قولنج بواسیر بادی استسقا طحال۔ سنگ مثانہ۔ ریگ مثانہ۔ ریگ گردہ و درد گنٹھیا وغیرہ تمام امراض میں کردہ نفع پہونچاتا ہے۔ **سفوف برق**:- تمام قسموں کے جوارش [illegible] سلیمانی۔ کمونی عثمانی وغیرہ سے بدرجہا بہتر اور ہر طرح کے ضرر سے پاک صرف فائدہ ہی فائدہ پہونچاتا ہے *

بڑے بڑے تجربہ کاروں اور اکثر امرا و روسا نے جو اس سفوف کے سریع الاثر دیکھ کر مفید ہونیکے بیش بہا سارٹیفکٹ عطا فرمائے ہیں جنکی تفصیل کی گنجائش یہاں نہیں *

اکثر حضرات نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہر گھر میں ایک شیشی اس سفوف کی موجود رہنی چاہئیے تاکہ بوقت آسانی کے ساتھ مذکورہ بالا تمام عوارض کو دو چٹکی میں دفع کر سکے۔ قیمت ایک شیشی [illegible]

ملنے کا پتہ منیجر کارخانہ معدن الشفا [illegible] (گیا)

تبرکات سیادت اسلامی مفت

تحفہ محمدیہ رسالہ ماہوار محض تائید دین الٰہی ودرستی اخلاق اہل اسلام کیلئے اسلامی کتب خانہ کی سالانہ قیمت ہوکر اخلاق محمدیہ کا پہلو لئے ہوئے [illegible] شائع ہوتا ہے جس میں توحید وسنت کے متعلق بہترین مضامین علاوہ دینی اخلاق مذہبی باتیں قرآن شریف کی عظمت مانند خوبیاں تصوف کی معرکۃ الآرا [illegible] سلام کا [illegible] اسلام کی [illegible] عشاق کے دلسوز آہ وضلے ممالک اسلامیہ کے مسرت خیز واقعات منطقی تجربات وغیرہ وغیرہ درج ہوتے ہیں جسکی نظیر باخبار وحی مضامین آج تک نہیں ہوئی جسکا نظارہ موجب حسنات دارین ہے جسکی خوبیوں نے دنیا کو محو حیرت بنا دیا ہے جو کہ درحقیقت اخلاق محمدیہ کا آئینہ اور اسلامی جذبات وتہذیب کا مرقع ہے۔ الغرض اسلامی روحیں جس آب حیات کی پیاسی ہیں وہ تحفہ کے مطالعہ سے سیراب [illegible] ہیں جسکا چندہ سالانہ [illegible] ہے جو صاحب زرچندہ سالانہ پیشگی بذریعہ وی پی وصول کرنے کی اجازت دینگے انکو اعلیٰ ورجکی خوشخط یاقوت رقم تمنا خانشدہ مترجم حمائل شریف ہفت مہری جسکا منظر نہایت دلفریب [illegible] کا رڈ کے برابر ہے [illegible] مکہ معظمہ مدینہ منورہ شہنشاہ میں ۲۳ نقشے [illegible] جسکو شل کربلائے معلے نجف اشرف بیت المقدس بغداد شریف وغیرہ شامل ہیں بذریعہ ریلوے ہمراہ پارسل مفت روانہ ہونگے خرچہ پارسل ۴ آنہ مطلوبہ ہے کل [illegible] کا ویلو روانہ ہوگا وہ کونسا مسلمان ہے جو مقدس اسلامی تبرکات کا شایق نہو جسکی دید سے چشم ناظرین کو مسرت ہوتی ہے چونکہ ہم کو توحید وسنت کا پھیلانا اور اسکی اشاعت منظور ہے اسوجہ سے تبرکات مفت دیتے ہیں سال بھر تک یہ بلا [illegible] تبرکات مفت

پتہ [illegible] منیجر تحفہ محمدیہ شہر میرٹھ

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ

کتاب سیرت مصطفےٰ منگانے والے لکھتے ہیں کہ ہم نے کتاب کو اشتہار سے کہیں بڑہ چڑہ کر پایا۔ اسکے پڑہنے سے اسلامی جوش پیدا ہوکر انسان پر ایک حالت وجد طاری ہو جاتی ہے۔ کیا یہ رسول خدا کا معجزہ نہیں ہے؟ کہ آپکے حالات با برکات اور پاک تعلیمات میں اب بھی وہی اثر وقوت باقی ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تہی اگر آپ رسول کریم کی جامع اور صحیح سوانحعمری چاہتے ہیں تو کتاب سیرت مصطفےٰ منگا لیجئے۔ بزرگان دین اور مقتدر اسلامی اخبارات نے اسپر نہایت عمدہ ریویو کئے ہیں حضور کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو چھوڑ دیا ہو۔ تمام واقعات کو نہایت عمدہ طور پر محققانہ طرز سے لکھا ہے۔ مضمون اسقدر دلچسپ ہے کہ بار بار پڑہنے سے دل سیر نہیں ہوتا۔ غرض کتاب قابل دید ہے۔ نظم ونثر دونوں لاجواب ہیں لفظ لفظ شوق رسول کے لیے نشتر ہے۔ حجم کتاب ۵۰۰ صفحہ کاغذ اعلیٰ ولایتی۔ سرورق رنگین پر سرخ وسبز رنگوں سے خوشنما بیل بوٹوں سے مزین چھپا ہے۔ کاغذ کا نقشہ ایک عجیب بہار دکھا رہا ہے۔ ہدیہ باوجود ان خوبیوں کے صرف آٹھ آنہ۔ مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ۔ جلد نہایت خوشنما ولایتی طرز کی سنہری چھپوا رکھی گئی ہے *

ملنے کا پتہ مہتمم نظامیہ بکڈپو مزنگ لاہور

نہایت ضروری اعلان

جن حضرات کا سال خریداری اس پرچے پہنچنے پر ختم ہو جائیگا۔ اگر وہ آئندہ سال کیلئے خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں تو براہ کرم مطلع کریں۔ یعنی آئندہ سال فرمائیں اگر اخیر نومبر ۱۹۱۵ء تک سال آئندہ کی قیمت وصول نہ ہوئی اور کوئی انکاری اطلاع بھی دفتر میں نہ پہنچی تو ضابطہ و قاعدے کے موجب نومبر ۱۹۱۵ء کا رسالہ وی پی بھیجکر سالانہ قیمت [illegible] قسم دوم سے اور [illegible] قسم اول کے خریداروں سے وصول کر لی جائے گی۔ اگر آپ کسی مجبوری سے آئندہ سال کے لئے رسالہ نہیں خرید سکتے تو براہ مہربانی ایک کارڈ لکھکر ہم کو مطلع کر دیجئے کہ آئندہ آپکے نام سوء حسنہ وی پی نہ بھیجا جائے ایک پیسے کا کارڈ لکھدینے میں آپکا اتنا نقصان نہیں ہوگا جتنا کہ وی پی کے واپس آنے سے ہم کو تکلیف اور زیر باری ہوگی ہمارا اور آپکا ایکسال سے تعلق ہے۔ امید ہے کہ آپ اس تعلق کا خیال رکھینگے۔ اور وی پی واپس کرکے خواہ مخواہ ہم کو نقصان نہیں پہونچائیں گے *

(منیجر)

ضروری اطلاع [illegible] اگر آپ [illegible] اجازت عطا فرمائیں *

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم و معاصی ... پھر ان کو ہلاک کر دیئے بعد ہم نے ... زمین میں تم کو ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو

اُسوۂ حسنہ

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(قرآن بڑی با برکت والی کتاب ہے، جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے اس کے مطالب سے نصیحت حاصل کریں)

معارف القرآن

خصائص قرآن حکیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (پ ۲۳ س الزمر ع)

اللہ نے بہت ہی اچھا کلام یعنی یہ کتاب اتاری جس کی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور ایک ہی بات سمجھانے کے لیئے بار بار دہرائی گئی ہے اس کتاب کی تاثیر یہ ہے کہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اسکے سننے سے ان کے بدن کانپ اٹھتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور دل نرم ہو کر یاد الٰہی کی طرف راغب ہوتے ہیں یہ قرآن ہدایت الٰہی ہے جسکو چاہتا ہے اسکے ذریعے دین کا سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے اور جسکو خدا گمراہ کرے پھر کوئی بھی اسکو ہدایت نہیں دے سکتا

ہر ایک شے کے واسطے چار علتیں ہوتی ہیں (۱) علت فاعلی (۲) علت مادی۔ (۳) علت صوری (۴) علت غائی۔ اس آیہ شریفہ میں قرآن حکیم کے متعلق چاروں علتیں مذکور ہیں۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ۔ یہ اس کتاب کی علت فاعلی ہے یعنی کتاب کا نازل فرمانے والا اللہ ہے احسن الحدیث کتبا متشابھا مثانی یہ علت مادی ہے، یہ کتاب بہترین کلام ہے اس کی باتیں ایک دوسری سے ملتی جلتی ہیں، اور ایک ہی بات سمجھانے کے لیئے بار بار دہرائی گئی ہے۔ تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ۔ یہ اسکی علت صوری ہے۔ اس کی تاثیر یہ ہے کہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اسکے سننے سے ان کے بدن کانپ اٹھتے ہیں۔ پھر انکے جسم اور دل نرم ہو کر یاد الٰہی کی طرف راغب ہوتے ہیں، ذلک ھدی اللہ یھدی به من یشآء۔ یہ اسکی علت غائی ہے۔ یہ قرآن شریف ایک ہدایت نامہ ہے جو شخص اسکی ہدایت پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ وہ دنیا و عقبیٰ میں فائز المرام ہوتا ہے

غور کرو آیہ مجیدہ مرقومہ بالا میں قرآن حکیم کے مندرجہ ذیل فضائل و خصائص مذکور ہیں :۔

(۱) منزل من اللہ ہے،

(۲) احسن الحدیث ہے،

(۳) کتاب ہے،

(۴) اس کی آیات ایک دوسری کی نقیض نہیں۔ بلکہ مصدق، موید اور متشابہ ہیں +

(۵) اسکے مضامین مفصل و مشرح ہیں اور مختلف پیرایوں میں ان کا اعادہ کیا گیا ہے کہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں +

(۶) ایسی موثر کلام ہے کہ اس کے پڑھنے اور سننے سے جن قارئین اور سامعین کے دلوں میں خوف خدا ہے ان کے جسم تھرا جاتے ہیں اور ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں،

(۷) متقین کے جسم و روح اس کلام سے ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ تن بدل جان اس کی ہدایات پر کاربند ہونے کے لیئے آمادہ و مستعد ہوتے ہیں،

(۸) قرآن کریم معاش و معاد کی تمام ضروریات کے واسطے جس کی انسان کو حاجت پڑتی ہے ایک ہدایت تامہ ہے +

(۹) عاملین و متبعین قرآن۔ دنیا و عقبیٰ میں فائز المرام ہوتے ہیں +

(۱۰) مخالفین و معاندین بضلالت کا فرد قرار داد جرم لگتا ہے اور وہ خائب و خاسر ہوتے ہیں +

وَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

جو حقایق و معارف اس آیہ شریفہ میں بیان ہوئے ہیں وہ مسلم الثبوت ہیں، محتاج تشریح و توضیح نہیں مگر قارئین کرام کے تفنن طبع کے لیئے ہر ایک صداقت کے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ اس مضمون میں بحث کی جائے گی۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰہِ +

(۱) قرآن کریم نے اپنے منزل من اللہ ہونے کا یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ یہ کلام اللہ کلام انسانی سے لگا نہیں کھاتا اور منکرین کو تحدی کے ساتھ کہا ہے کہ اگر اس کے کلام الٰہی ہونے میں تم کو کچھ شک و شبہ ہے تو اس کی مثل لاؤ۔ غور کرو کیسا آسان فیصلہ ہے۔ کیونکہ جیسے دوسری مخلوقات میں خدا کی بنائی ہوئی چیزیں انسان کی بنائی ہوئی چیزوں سے مختلف نظر آتی ہیں اسی طرح قرآن مجید کلام انسانی سے ممتاز ہے بلاشبہ قرآن حکیم فصاحت و بلاغت میں بھی بے نظیر ہے حتی کہ مخالفین و منکرین کو بھی اس امر کے تسلیم کرنے سے مفر نہیں کہ عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کا منتہا ہی قرآن کریم ہے۔ لیکن اہم و اقدم مسئلہ غور طلب یہ ہے کہ باعتبار مضامین مقاصد و غرض کے یہ کتاب کیا خصوصیت رکھتی ہے یہی کہ جاہل و عالم وحشی و متمدن ہر فرقہ و طبقہ کے لیئے ہدایت نامہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی غرض یہی بیان کی ہے کہ وہ ھُدًى لِّلنَّاسِ اور ھُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ہے۔ یہ ایسا معیار ہے جس پر پرکھنے سے قرآن شریف کی دنیا کی تمام کتابوں پر فوقیت و فضیلت ثابت ہوتی ہے کیا آجتک کسی کتاب نے دنیا میں ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا اور اقوام عالم کو ضلالت و جہالت سے نکال کر راہ راست پر لائی؟ جس طرح قرآن مجید نے کیا؟ حاشا و کلا قرآن شریف [illegible] ایک بین ثبوت ہے جو سالہا سال تیرہ سو برس سے [illegible] اور یہی امر اس کے منزل من اللہ ہونے پر دال ہے۔

(۲) قرآن کریم [illegible] باعتبار [illegible] احسن الحدیث ہے جن دنوں قرآن کریم نازل ہوا عرب میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا۔ انہی دنوں [illegible] رسول اللہ صلعم نے اعلان فرمایا کہ اس قرآن جیسی ایک سورت بنا لاؤ [illegible] تو ایک آیت ہی بھی مگر کسی کو ایسی جرأت نہ ہوئی۔ قرآن مجید کے باعتبار [illegible] سورت کے احسن الحدیث ہونے کا ایک ایسا وقیع اور بین ثبوت ہے جو ابد الآباد تک مسلم رہے گا باعتبار حسن معنوی [illegible] قرآن [illegible] احسن الحدیث ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں عبادات و معاملات، [illegible] و منجیات، سیاسیات و اخلاق، تہذیب و تمدن، تجارت و زراعت، صنعت و حرفت غرض انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ احکام و ہدایات موجود ہیں ان پر عمل پیرا ہونے سے انسان حالت توحش سے نکلکر تہذیب و تمدن کا معراج حاصل کر سکتا ہے، اور پھر اسی پر نہیں بلکہ درجہ اتفاق پر ترقی کر کے مسجود ملائکہ بن سکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ اس بات کی شہادت دینے کے لیئے موجود ہے۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ آج دنیا کی تمدن جس حد تک یورپ میں پہنچا ہے، اس حد تک کبھی نہیں پہنچا تھا، مگر خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف تہذیب و تمدن کو ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہنچانے والا ہے جو تہذیب و تمدن کا انتہائی درجہ ہے۔ ترقی تمدن کے مہمات اصول جن پر یورپ نے ترقی کی ہے۔ اور جن کے بغیر آیندہ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور نہ امم سابقہ نے کبھی ترقی کی حسب ذیل ہیں :۔

(الف) انسان تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ ہے اور تمام کائنات اسی لیئے ہے کہ انسان اس سے متمتع ہو +

(ب) انسان کی ترقی وتنزل اور عروج وزوال اسکی سعی وکوشش پر منحصر ہے
(ج) تمام انسانوں کے حقوق برابر ومساوی ہیں،
(د) مذہبی آزادی،
(ھ) مردوں اور عورتوں کے حقوق کی تحدید،
(و) احساس عزت نفس،
(ز) اکتساب علوم وفنون،
(ح) نظام حکومت جمہوریت کی بنا پر قائم کرنا،
(ط) تقسیم عمل،
(ی) افراد انسانی میں اختلاف مراتب حکمت پر مبنی ہے۔ قرآن مجید اصول مندرجہ بالا کے متعلق احکام وہدایات سے اسی قدر مملو ہے جس قدر دیگر کتب ان سے خالی ہیں، ان سب آیات کا استقصاء جن میں یہ ہدایات انسانیت شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں، اس مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتا، صرف اسی اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے[1]

(۳) کتاب لکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں، قرآن مجید کو لکھی ہوئی چیز فرمانے کی یہ توجیہ ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے سامنے لکھوا لیتے، پس یہ لکھی ہوئی چیز ہے، جس کی حفاظت کا وعدہ خود خدا تعالیٰ نے کیا ہے [illegible] اسی طرح موجود رہے گی [illegible] مضمون ہے اور ہمیشہ رہے گی بے شمار حفاظ وقراء اور ناظرہ پڑھنے والے اسکی تلاوت کرتے ہیں، دنیا کے کسی حصہ میں ہر وقت کوئی نہ کوئی وقت موجود رہتا ہے، اور نمازیں ہوتی ہیں، قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، اس بنا پر یہ ایسی چیز ہے جس کی اطراف واکناف عالم میں ہر وقت تلاوت ہو رہی ہے، یہ وہ شرف وفضیلت ہے جو سوائے قرآن حکیم کے اور کسی کتاب کو حاصل نہیں، دوسری توجیہ قرآن مجید کو کتاب کہنے کی یہ ہے کہ کتاب کتبت (الشیء) اذا جمعتہ سے مشتق ہے لشکر کو کتیبہ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ اس میں لوگ جمع ہوتے ہیں، چونکہ قرآن حکیم میں بھی تمام علوم جمع ہیں، اس سے اسے کتاب کہا گیا [illegible] جس طرح لشکروں سے اعداء فرار اختیار کرتے ہیں، اسی طرح قرآن مجید کی صداقت کے لشکروں سے انسانی شکوک شبہات بھاگ جاتے ہیں،

(۴) انسان مختلف اوقات میں مختلف جذبات سے متاثر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ رحم وغضب، غنا وافلاس، اختیار وجبر، حکومت وانقیاد صلح وجنگ وغیرہ مختلف ومتضاد جذبات میں اسپر مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں اور اس کے اقوال وخیالات ان مختلف حالتوں کے یکساں نہیں ہو سکتے بلکہ ایک حالت کی باتیں دوسری حالت کے نقیض ہوتی ہیں، ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ طفولیت سے لے کر شیخوخیت تک اسکے خیالات میں بے حد تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے مگر آیات قرآنی ایک دوسری کی مخالف نہیں بلکہ مصدق ومؤید ہیں۔ قرآن حکیم جملۃً واحدۃً نازل نہیں ہوا۔ بلکہ نجماً نجماً تیئیس[23] سال میں اسکا نزول ہوتا رہا ہے۔ اور بنظر غور وتعمق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف شروع سے لیکر آخر تک ایک ہی نسق پر چلا جاتا ہے، اور جو تعلیم مدنظر ہے وہ قرآن حکیم کی ہر ہر جگہ بلکہ ہر ہر لفظ سے مترشح ہوتی ہے، اور یہی معنی ہیں اس کی آیات کے متشابہ ہونیکے کہ وہ ایک دوسری سے ملتی جلتی اور ایک دوسری کی مصدق ومؤید ہیں،

(۵) قرآن حکیم نے اپنے مضامین کو اچھی طرح سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کے لیے بار بار دہرایا ہے، قرآن کریم جمیع حوائج انسانی کا کفیل ہے، اور اسکے اہم اور اقدم مضامین جن امور پر مشتمل ہیں وہ یہ ہیں، توحید ورسالت، حشر ونشر، جزا وسزا، عقائد، عبادات، معاملات، سیاسیات، اکتساب علوم وفنون، مکارم اخلاق تہذیب نفس، قوانین تمدن، حسن معاشرت، حقوق عباد، اطاعت امراء، شفقت علی خلق اللہ، اسوۂ حسنہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ودیگر انبیائے کرام علیہم السلام وصحابہ کبار رضی اللہ عنہم کا تدین اور اخلاقی نمونہ، متبعین ملت کی کامیابی اور مخالفین ومعاندین کی ناکامی کی پیشین گوئیاں، مذمت شرک وکفر ورذائل وذمائم، سوانح وحالات اسلاف سے عبرت ونصیحت، مناجات ودعا وغیرہ وغیرہ دیکھو یہی مضامین قرآن شریف کے مختلف مقامات پر مختلف اور موثر ودلپذیر ودلکش پیرایوں میں کیسے حسن بیان سے دہرائے گئے ہیں کہ پڑھنے اور سننے سے بے اختیار وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا،

(۶) نزول قرآنی کے وقت عرب جہالت وضلالت، توحش وتمرد، طغیان وعصیان شرک وکفر، توہم وباطل پرستی کے تعر دریا میں مستغرق تھے، قرآن حکیم کا یہ ایک عجیب تصرف وتاثیر ہے کہ انہی عربوں کے ذمائم ورذائل، محامد ومحاسن سے مبدل ہوئے، اور تعلیم قرآنی سے وہ ایسے عالم وعامل مہذب ومتمدن متقی وپرہیزگار، موحد وحق پرست ہو گئے، کہ ان سے سارے جہان نے تہذیب وشائستگی، ترقی وتمدن علم وہنر، تجارت وصناعت کا سبق لیا، تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ قرآن کریم کو سن کر اجڈ اور سرکش انسانوں کے دل پسیج گئے، غیر مسلم بادشاہوں کے درباروں میں ایک غریب وبیکس مسلمان نے قرآن مجید پڑھ کر سنایا تو اہل دربار

[1] علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث پر اپنی کتاب علم الکلام میں نہایت تحقیق وتدقیق کیساتھ ایک مقالہ لکھا ہے تفصیل کیواسطے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

بادشاہ وقت امرا ارکان دولت اور اعیان حضرت ایسے متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور ان کے بدن کانپ اٹھے ان کے جسم و دل نرم ہوگئے اور یاد الٰہی کی طرف راغب ہوئے، چنانچہ نجاشی شاہ حبش اور اسکے درباریوں نے جب حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چچازاد بھائی جعفر طیار بن ابی طالب سے قرآن سنا تو ان پر ایسی ہی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ سب کے سب اسلام کی صداقت کے معتقد ہوگئے اور نجاشی بالآخر حلقہ بگوش اسلام ہوگیا، ہر زمانہ میں اس قسم کے واقعات وقوع پذیر ہوتے رہے، اور ہوتے رہیں گے۔ اس زمانہ میں بھی یورپ میں قرآن مجید اور فرقان حمید کے تصرف و تاثیر ہی سے اشاعت اسلام ہو رہی ہے، فالحمد للہ علیٰ ذالك

(۷) حضرت خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ سلف صالح جانتے تھے کہ قرآن شریف حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہدایت نامہ آیا ہے وہ رات کو اس کی تلاوت کرتے اور اسمیں تدبر و تفکر کرتے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے، بلاشبہ تعلیم قرآنی عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اسمیں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں قرآن کریم اپنا کوئی حکم بجبر نہیں منواتا بلکہ وہ دلایل و براہین سے اپنی صداقتوں کو مستحکم کرتا ہے۔ قرآن مجید نوع انسان کی فلاح و نجاح کا کفیل ہے اس کے اوامر و نواہی قوانین قدرت کے بالکل موافق ہیں، اسی بناپر قرآن حکیم میں یہ تاثیر ہے کہ جب کوئی سلیم القلب انسان اسکو پڑھتا ہے اسمیں غور و تامل کرتا ہے تو اسکے احکام مدلل و مبرہن اور فطرت انسانی کے موافق اور قوانین قدرت کے مطابق پاتا ہے تو خود بخود اسکے دل میں امتثال اوامر اور اجتناب نواہی کی ترغیب و تحریص ہوتی ہے، یاد رہے کہ انسان باعتبار اقبال حقایق کے تین قسموں پر منقسم ہیں:۔

(۱) صداقتوں کو فوراً قبول کرنے والے سلیم الفطرت،

(۲) صداقتوں کا بلکہ ہر مفید و بابرکت بات کا انکار کرنے والے مخالفین و معاندین حق و حکمت،

(۳) بظاہر سر تسلیم خم کرنے والے مگر بباطن منکر اور غیبت میں استہزا کرنے والے، یعنی منافقین،

ظاہر ہے کہ مخالفین و معاندین حق و حکمت اور منافقین کسی قسم کی مفید و بابرکت تعلیم سے مستفید و مستفیض ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں پر قرآنی تعلیم اثر نہ کرے اور وہ اس پر عمل نہ کریں تو یہ ان کا اپنا قصور ہے۔ قرآن مجید سے بلا شائبہ شبہ قلب سلیم متاثر ہوتا ہے، دیکھو زمین کی تین قسمیں ہیں، ایک کھیتی اور باغات کی زمین جسکو مینہ سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ اسمیں غلات گوناگوں اور فواکہ بوقلموں پیدا ہوتے ہیں، جن سے انسان و حیوان متمتع ہوتے ہیں، دوسرے وہ نشیب کی زمین جس میں پانی جمع ہوکر چشمے اور تالاب معمور ہو جاتے ہیں، ان سے آدمیوں اور جانوروں کو فائدہ پہنچتا ہے تیسرے وہ سخت زمین جس میں نہ کوئی چیز اگ سکتی ہے اور نہ وہ پانی کو جمع کر سکتی ہے جو اسمیں جو مینہ برستا ہے بے شک وہ رایگاں جاتا ہے قرآنی تعلیم روحانی بارش ہے، اور قلوب انسانی بمنزلہ زمین کے ہیں۔ قلوب قابلہ اس سے بالضرور متاثر ہوتے ہیں، اور قلوب قاسیہ کو اس سے کچھ نفع نہیں پہنچتا ہے بلکہ انکو سپاٹ کرکے روحانی پانی بہ جایا کرتا ہے +

(۸) جمہور مفسرین اور ائمہ لغت کا اسپر اتفاق ہے کہ قرآن قرء سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اس بناپر قرآن بروزن فعلان مصدر بمعنی وصف یا بہ صیغہ وصف ہے اور اس کے معنے جامع کے ہیں۔ قرآن کو قرآن اسلئے کہتے ہیں کہ وہ تمام کتب سابقہ منزلہ من اللہ کے نتائج کا جامع ہے مذہب اسلام دنیا کا کامل مذہب ہے اسلئے اس کی کتاب بھی جامع ہونی چاہئے، تورات صرف مجموعہ قوانین ہے۔ اور انجیل فقط اخلاق پر مشتمل ہے اور زبور مجموعہ ثنا اور مناجات ہے، لیکن قرآن مجید میں قوانین اخلاق اور ادعیہ و مناجات سب کچھ موجود ہے قرآن شریف میں تمام دنیا جہان کی صداقتیں مع دلایل و براہین کے مذکور ہیں۔ قرآن دنیا کی تمام صحیح مذہبی کتابوں کا خلاصہ ہے، قرآن تمام صحف آسمانی کی روح ہے، قرآن انسان کی ہر قسم کی ضرورتوں اور حاجتوں کا کفیل ہے۔ قرآن دین و دنیا کی ہر راہ کا مشعل ہے۔ قرآن عقائد عبادات، معاملات، روحانیات، سیاسیات اخلاق قانون تمدن معاشرت غرض ہر نوع اور ہر جنس کی تعلیمات اور ان کے اصول و فروع کا جامع ہے، پس یہ بالکل صحیح ہے کہ قرآن حکیم ایک مکمل ہدایت نامہ ہے، قرآن کریم ہدیٰ للمتقین ہے، قرآن مجید ہدی للناس و بینات من الہدیٰ ہے،

(۹) قرآن حکیم نے اپنے متبعین کی کامیابی اور فلاح و نجاح کی بے حد و لاتعد پیشین گوئیاں بیان فرمائی ہیں، اور تاریخ اس بات کی شہادت دینے کو موجود ہے کہ اسی کی پیروی سے عرب بدوینی سے ترقی کرکے ایک حکمران قوم بنگئی تھی، اور ان کی فتوحات کا تانتا بندھ گیا تھا، علوم و فنون میں انھوں نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ غیر اقوام ان کی خوشہ چین بنیں، تجارت میں ان کی ہمسری کی کسی کو مجال نہ تھی، صنعت و حرفت میں ان کے نمونے ابتک قابل تقلید سمجھے جاتے ہیں، قرآن شریف کی پیروی نے مسلمانوں کو نامور مقتدر اور تاریخی قوم بنادیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد مکہ کے

منادیدہ ما عمائد میں سے نہ تھے، مگر قرآن حکیم کی پیروی سے وہ حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین بنے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فاروق اعظم عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج سے واپس آتے ہوئے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے کئی آدمی ساتھ تھے۔ مگر رعب کے سبب کسی کو جرأت نہ پڑتی تھی کہ وجہ دریافت کرے آخر حذیفہ نے جن کی آپ سے نہایت بے تکلفی تھی، ٹھہرنے کی وجہ پوچھی، فرمایا خطاب کا بیٹا یہاں اونٹ چرایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے باپ نے اسکو بیاں جھڑکی بھی دی تھی۔ آج قرآن کریم کی پیروی نے اسکو اس مرتبہ پر پہنچا دیا ہے کہ لاکھوں آدمی اسکے اشارہ پر خون بہانے کو آمادہ و مستعد ہیں، اب بھی مسلمان قرآن کریم کی پیروی کریں تو ہر طرح کی ترقی حاصل کرسکتے ہیں، خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے تنزل و ادبار کی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن شریف کو پس پشت پھینک رکھا ہے، چنانچہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مسلمانوں کے زوال کی یہی وجہ بیان فرمائیں گے کہ

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (پ ۱۹ سورۃ الفرقان ع ۱۳)	اور اسوقت پیغمبر یعنی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا کی جناب میں عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار! میری اُمت نے اِس قرآن کو لغو اسس بکواس سمجھا ٭

(۱۰) قرآن کریم نے اپنے مخالفین و معاندین کی ہلاکت و بربادی اور ذلت وتباہی کی بے شمار پیشین گوئیاں کی ہیں جو حرف بحرف پوری ہوچکی ہیں۔ چنانچہ جنگ بدر میں مکہ کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اور ستر قید ہوئے، ان کا سرغنہ ابوجہل دعا مانگا کرتا تھا کہ اگر قرآن شریف برحق کلام الٰہی ہے تو ہم پر کوئی عذاب نازل ہو۔ چنانچہ ان کی ذلت و نامرادی کی موت نے قرآن مجید کی صداقت پر مہر لگادی، بعض قبائل یہود خود مدینہ چھوڑ کر چلے گئے، بعض کو انکی شرارتوں کی پاداش میں جلاوطنی کی سزا دی گئی، اور بعض اپنے ہی مقبول حکم سعد بن معاذ کے فیصلہ کے مطابق قتل کئے گئے عامر لاٹ پادری نے لوگوں کو خواب سنایا تھا کہ میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا ہے کہ وہ پراگندہ اور ملک ملک اکیلا پھرتا ہوا مر جائے گا حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا خواب تو سچا دیکھا ہے مگر میری نسبت نہیں بلکہ اپنی نسبت۔ اسکا اپنا انجام اسی طرح ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ مکہ میں گیا اس خیال سے کہ مسلمانوں کے خلاف کچھ منصوبہ بازی کرے۔ وہاں شراب پی کر بدمستی کی تو لوگوں نے اسکو وہاں سے نکالدیا۔ بالآخر وہ اپنا روم چلا گیا وہاں جاکر مسلمانوں کی مخالفت میں بادشاہ کو سکھایا پڑھایا۔ مگر بادشاہ کسی بات پر ناراض ہوگیا، اور عامر کو راتوں رات نکلکر بھاگنا پڑا۔ اور آخر اسی طرح مارا گیا ٭

قرآن کریم کی علت صوری کیا ہے؟ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ اِس قسم کی اور اس خوبی کی کتاب ہے کہ اسمیں کوئی شک شبہ والی بات نہیں۔ اس کی تمام باتیں صاف و پاک ہیں۔ یہ اس کی علت صوری ہے۔ رَیب کے معنے ایک تو شک کے ہیں اور دوسرے ہلاکت کے بھی ہیں اور لاریب فیہ کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی ہلاکت نہیں، قرآن مجید اپنی نسبت فرماتا ہے کہ میری تعلیم میں کوئی ہلاکت کی راہ نہیں۔ جو شخص تعلیم قرآنی پر عمل پیرا ہوتا ہے اسکو سلامتی و حفاظت ملتی ہے اور وہ ہلاکت و مصیبت سے محفوظ و مصئون رہتا ہے متبعین قرآن کو دنیا و عقبیٰ کے مصائب و آلام سے حفاظت عطا ہوتی ہے۔ یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی شخص پابند قرآن ہوکر موذی یا گندی امراض میں مبتلا ہو جائے۔ کسی بڑے شفاخانہ میں جاکر دیکھو وہاں ایسے بیمار بھی نظر آئینگے جو اِس قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہوں گے جن کا نام لینے کی بھی تہذیب و متانت اجازت نہیں دیتی، اگر کوئی ان سے پوچھے کہ وہ کیونکر ایسی گندی اور خطرناک بیماریوں میں پھنسے تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ شاعت اعمال سے یعنی تعلیم قرآنی کی خلاف ورزی سے۔ پیروی قرآن حکیم ان بیماریوں سے محفوظ و مصئون رکھتی ہے کوئی شخص قرآن کی پابندی سے حکام سے قانونی سزا نہیں پاسکتا اِسکا نظارہ جیلخانوں میں نظر آتا ہے، تمام قیدیوں سے ان کی سزایابی کی وجہ فرداً فرداً دریافت کرو تو تم اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ ہر شخص قرآن کی خلاف ورزی سے مستوجب سزا ہوا مسلمانوں پر جو ادبار کی گھٹا چھا رہی ہے تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کی پیروی جس میں ان کی فلاح و نجاح تھی چھوڑ دی۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے سلطنتیں نکلیں تو اسی وجہ سے، دولت گئی تو اسکا بھی یہی باعث ہے مسلمانوں نے ریاستیں کیونکر کھوئیں محض اس وجہ سے کہ والیان ریاست ہدایات قرآنی کے برخلاف عیش و عشرت میں لگ گئے اور ریاست کے نظم و نسق سے غفلت کی مسلمانوں کی جائدادیں کیوں تلف ہورہی ہیں، اور وہ روز بروز کیوں مفلس و قلاش بن رہے ہیں اسراف سے خلاف شرع اور بیہودہ رسم و رواج کی پابندی سے آج مسلمان قرآن کریم کی پابندی کا التزام کریں تو تلافی مافات ہوسکتی ہے اور آئندہ کے واسطے تمام دکھوں، دردوں، ہلاکتوں اور مصیبتوں سے نجات مل سکتی ہے ٭ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٭

(نورالدین۔ تاجر حرم)

اُسوۂ حَسَنہ یُوسُف عَلیہ السَّلام

(واقعات و سیر کی تطبیق زمانہ مابعد سے)

(۲)

آنکس است اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہا ہست بسے محرم اسرار کجاست

قرآن کریم نے سورۂ یوسف کے پیرایہ میں ایک طرف نہایت ہی لطیف و اقرب طریقہ سے صحابہ کو ان کا شاندار و زرین مستقبل دکھا دیا اور معاندین اسلام کی ہزیمت اور تنزل و انحطاط اور زوال اقتدار کا یقین دلا دیا۔ اور دوسری جانب یہ ظاہر کر دیا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مثیل یوسف ہوں گے۔ ان کو بھی اسی قسم کے واقعات پیش آئیں گے جس طرح حضرت یوسفؑ کو پیش آئے، ان کے لئے بھی مہاجرت ہی میں کامیابی ہے اور حقیقت میں یہی وہ نکتہ ہے جس کے باعث قصہ یوسف کو احسن القصص فرمایا گیا گویا حضرت یوسفؑ کے واقعات زندگی کی صورت میں خود حضور پر نور علیہ السلام کے آیندہ حالات پیشین گوئی کے طور پر بیان فرما دیئے ہیں۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

ضرورت ہے کہ قارئین کرام کی مزید دلچسپی اور مزیت لطف کے لحاظ دونوں حضرات علیہما السلام کے واقعات زندگی بیان کئے جائیں تاکہ انہیں تطابق و توافق کرنے میں آسانی ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے موٹے موٹے واقعات زندگی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) آپنے خواب دیکھا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ وعدہ خداوندی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کو حکومت ملے گی وہ انکے ذریعے سے معرض ظہور میں آنے والا ہے اور آپ بنی اسرائیل میں ایک انقلاب پیدا کریں گے، تاکہ یہ لوگ حکومت میں دخیل ہو کر بعد میں حاکم بن جائیں، بھائیوں کو انکی ترقی سے غصہ پیدا ہوا۔ اور از راہ حسد و عداوت انکو گھر سے نکال دیا۔

(۲) کنوئیں میں تین دن تک رہے،

(۳) کئی سال زندان میں رہے،

(۴) جب مصر میں قحط نمودار ہوا تو ان کے بھائی غلہ لینے کے لئے کنعان سے مصر گئے۔

(۵) اشتداد قحط کے باعث برادران یوسف غلہ لینے کے واسطے دوبارہ مصری دربار میں حاضر ہوئے،

(۶) بھائیوں نے انجام کار پہچان کر آپ سے معافی کی درخواست کی آپنے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ یعنی تم پر کوئی مواخذہ نہیں، خدا تمہیں بخشدے وہ ارحم الراحمین ہے۔

(۷) والدین نے آپ کی عظمت و جلال کا اقرار کیا،

(۸) آپنے کنعان کو چھوڑا اور مصر میں تشریف فرما ہوئے۔ جہاں آپ کا خواب درست ثابت ہوا۔ حکومت میں حصہ ملگیا۔ اور بنی اسرائیل بھی دخیل ہوگئے۔

اب اسکے بالمقابل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حوادث حیات طیبہ ملاحظہ ہوں، جن کے عنوانات حسب ذیل نظر آئیں گے:۔

(۱) جب آپکو خدا نے مبعوث کیا۔ بانگ دہل خدائے واحد کی غلامی کیطرف آپ دعوت دینے لگے۔ اور اصنام و طواغیت کی تذلیل و تحقیر کرنے لگے جو اہل مکہ کے معبودان باطل تھے تو آپ کی اس ترقی کو قریش نہ دیکھ سکے اور اہل مکہ نے متفقہ طور پر آپ کو ہجرت پر مجبور کیا ورنہ مکہ سے زیادہ عزیز آپ کے نزدیک کوئی مقام نہ تھا۔

(۲) آپ غار ثور میں تین دن تک مقیم رہے جب آپ مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔

(۳) جب آپنے شرک و بت پرستی کی بے حد مذمت کی تو مشرکین مکہ کا پیمانہ صبر چھلک گیا، بیت اللہ میں جمع ہو کر سب نے آپ سے تقاطع کا (یعنی آپ کو بائیکاٹ کر دینے کا) فیصلہ کیا عہدنامہ پر دستخط ہوئے اور مزید توثیق و اطمینان کے لئے بیت اللہ میں اسکو آویزاں کیا گیا، ہر قسم کے تعلقات آپ سے ممنوع قرار دیئے گئے۔ اور آپ کئی سال تک ابن ابی شعب کی گھاٹی میں اسی قید بے زنجیر میں رہے،

(۴) مدینہ میں آپ کی تشریف آوری کے بعد مکہ میں امساک باراں کی باعث قحط نمودار ہوا۔ ابوسفیان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی "یا محمد انک تامرنا بصلۃ الرحم فادع اللہ لنا" یعنی اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تم ہمیں صلۂ رحم کا حکم دیا کرتے ہو۔ اب جناب الٰہی میں ہمارے لیئے دعا کرو۔ آپنے دعا فرمائی۔ نزول باراں سے اہل مکہ کا قحط دور ہو گیا،

(۵) نجد کا شہر جو مکہ میں غلہ بہم پہنچایا کرتا تھا۔ اور اس لحاظ سے وہ مکہ کی منڈی تھی اسکے ناظم حضرت ثمامہ بن اثال مسلمان ہو گئے۔ کفار کے ہاتھ

غلہ بھیجنا بند کر دیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ میں قحط ہو گیا۔ اہل مکہ کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب امداد ہوا۔ آپ نے ثمامہ کو خط ارسال فرمایا اور اونہوں نے غلہ بھیجنا شروع کر دیا،

(۶) فتح مکہ کے دن لوگوں نے آپ سے معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں، جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں کو کہا تھا۔ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ یعنی آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ نہیں خدا تم کو بخشدے وہ بڑا مہربان بہت رحم کرنے والا ہے ◆

(۷) آپکے والد تو فوت ہو چکے تھے۔ آپکے چچا حضرت عباس فتح مکہ کیدن مسلمان ہو گئے۔ اور آپ کی رفعت شان کے اقراری ہوئے۔ آپ نے فرمایا ہے العم صنو ابیہ۔

(۸) آپ نے مکہ سے ہجرت اختیار کی اور مدینہ منورہ کو نشیمن نبوت قرار دیا۔ وہاں کی زندگی روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہے جو کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلے بایدا زوے رخ متاب

اسقدر ضروری تفصیل کے بعد اب ہم دوبارہ قصہ یوسف پر دوسری حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں، اور اسکے بعد نتائج مہمہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں، لعلکم تعقلون۔ شاید ان مقدس ترین اشارات قرآنی کی بدولت تم لوگ عقل سے کام لینا سیکھو،

یوسف علیہ السلام کا داخلہ مصر میں غلامانہ حیثیت سے ہوتا ہے۔ عزیز مصر کے گھر میں کچھ مدت اسی زندگی میں بسر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ عزیز مصر کی بیوی کا مشہور آفاق واقعہ منصۂ شہود و منظر ظہور پر دکھائی دیتا ہے، خاتون عزیز کے عشوہ و ناز جب ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ تو ہیبت و سطوت سے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو رام کرنا چاہتی ہے۔

حبس زندان کی خوفناک زندگی سے ڈراتی ہے،

ضیاع عزت و بربادی ناموس حیات کا خوف دلاتی ہے۔

آلام و مصائب کا ہیبت ناک نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے کہ کسی طریق سے وہ اسکے دام تزویر میں پھنس جائیں،

بااینہمہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے خوبصورت خاتون کہتی ہے کہ لئن لم یفعل ما اٰمرہ لیسجنن و لیکونن من الصاغرین۔ یعنی یوسف نے اگر میری بات نہ مانی تو قید بھی ہو گا۔ اور ذلیل بھی ◆

یوسف علیہ السلام اسکے جواب میں فرماتے ہیں "رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ" جس فعل شنیع اور امر منکر کی جانب یہ مجھے دعوت دے رہی ہے۔ اس سے تو قید کی ذلت و رسوائی مجھے زیادہ محبوب ہے،

یہ ایک درس عبرت و بصیرت کا ان لوگوں کے لیئے ہے جو اپنی زندگی کے مقصد حقیقی کا تصفیہ کر چکے ہیں،

جو صرف خدا کی غلامی کو اصلی عزت خیال کرتے ہیں ؎

اے شرف جان گرامی بہ تو
خواجگی ماست غلامی بہ تو

وہ جانتے ہیں کہ فرزندان اسلام صرف خدا کے غلام ہیں اور خدا ہی کی رضا جوئی اُن کا کام ہے۔ دنیاوی ترغیبات میں انکو خدا سے برگشتہ بنانے کی طاقت نہیں ہے۔ ومالی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون ہم کیوں نہ فقط اُسکی پرستش کریں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہماری طرح آخر تم بھی تو اسی کی جانب لوٹ کر واپس جانے والے ہو، أأتخذ من دونہ اٰلھۃ ان یردن الرحمٰن بضر لا تغن عنی شفاعتھم شیئا ولا ینقذون۔ کیا ہم خدا کو چھوڑ کر ایسوں کو اپنا دیوتا بنالیں۔ کہ اگر خدا ہم کو تکلیف دینا چاہے تو نہ اُن کی سفارش ہمارے کام آئے اور نہ خود انکو مدد مل سکے ◆

وہ لوگ جن کے لیئے حرص و ہوا کے تمام اسباب موجود ہوں از دیاد عزت و حرمت کا وعدہ عطائے اقطاع کا عہد واثق ہو۔ اگر وہ ان کے ارشاد سے گریز کریں، اور امتثال امر سے اجتناب کرنے پر آمادہ ہوں۔ تو آہنی زنجیروں سے اور ہر قسم کے خوفناک عواقب سے اور دہشت المناک نتائج سے ڈرایا جائے۔ ان لوگوں کا فرض اولین ہے کہ وہ ان باتوں کی پرواہ نہ کریں، اپنے جذبات نفسانی پر قابو رکھیں، اور وہ امانت جو ہر مسلم ہستی کے سپرد کی گئی ہے اسمیں خیانت کرنے سے قطعی پرہیز کریں،

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل خانہ کو پسند کیا مگر باوجود ان تکالیف کے وہ اپنے مقصد حیات کو نہ بھول گئے،

بلکہ اس تیرہ و تاریک زندان میں تبلیغ و نشر صداقت و حق کا جو فرض مانتے تھے کہ یہی ان کا نصب العین تھا، اور اسی بنا پر اُن دونوں قیدیوں کو جو آپ سے تعبیر خواب دریافت کر رہے تھے یوں فرمایا۔

"ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیء - یا صاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار؟ ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم"

ترجمہ یعنی ہمیں شایان و مناسب نہیں کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں - اے یاران زندان ذرا غور تو کرو - جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یگانہ و قہار - تمام جہان میں بس ایک خدا کی حکومت ہے،

اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی غلامی و پرستش کریں کہ یہی دین کا سیدھا راستہ ہے،

ہذا بصائر للناس - وہ لوگ جن کا مقصد حیات محض صداقت و حق ہے، جو اعلائے کلمۃ اللہ ہی کو اپنی زندگی کی غایت قصوے خیال کرتے ہیں اُن کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ زندگی ایک اسوۂ حسنہ بن کر پیش ہوتا ہے، اور بلند آہنگی سے کہتا ہے کہ خواہ آب و ہوا مخالف ہو، موسم خراب ہو قابلیت مفقود ہو، مگر تم تبلیغ حق کے متعلق اپنا فرض اہم انجام دیئے جاؤ کہ نتائج و عواقب کی مضبوط و مستحکم رسی ایک بالاتر قوت کے ہاتھ میں ہے، جو قلوب کے پوشیدہ حالات سے واقف اور نیتوں کا عالم ہے، علیہ فلیتوکل المومنون، اکیلی وہی ایک قوت کاملہ ایسی ہے جس پر مسلمان کا بھروسا ہونا چاہیئے دوسرا کوئی بھی بھروسے کے لایق نہیں ۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر میں جاتے ہیں تو غلام کی حیثیت ہوتی ہے مگر جب وہ ان تمام دشوار اور کٹھن وادیوں کو صبر و تحمل سے طے کر جاتے ہیں، تو پھر اُن کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ یہ حیثیت ہوتی ہے،

(۱) جذبات پر قابو رکھتے ہیں،

(۲) اعلے درجہ کے امین ثابت ہوتے ہیں،

(۳) صحیح اصول کی پابندی میں دقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے ہیں،

(۴) خواہ حالت کیسی ہی خطرناک ہو اپنا فرض منصبی پورا کرتے رہتے ہیں،

(۵) پریشانیوں سے خوف زدہ ہو کر اور دار و رسن سے ڈر کر اپنا کام نہیں چھوڑتے،

اِن اخلاق فاضلہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسی غلام کا خواب درست ثابت ہوتا ہے - وہی غلام اپنے باپ سے عرض کرتا ہے،

"یا ابت ہذا تاویل رویای من قبل قد جعلہا ربی حقا"

اے میرے باپ میں نے پہلے جو خواب دیکھا تھا میری حالت و حیثیت اسی خواب کی تعبیر ہے میرے پروردگار نے اُس خواب کو ٹھیک ٹھیک انداز میں پورا کیا،

اِن ہی یوسف اب کہتا ہے "رب قد آتیتنی من الملک" اے میرے پروردگار! یہ صرف تیرا ہی فضل و کرم ہے کہ تو نے اپنی عنایت سے مجھے ملک و حکومت و سلطنت نوازش کی ہے

بے طلب جو ملا ملا مجھکو　　بے سبب جو دیا دیا تو نے
دل کو کون دینے والا تھا　　جو دیا اے خدا دیا تو نے

اِس قصہ میں کس قدر عبرتیں اور بصیرتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اس بات کو گم شدہ متاع مسلم سمجھے،

جن پر خدا کا خاص طور پر انعام ہو،

جو "انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین" کی مقدس و بابرکت جماعت میں شامل ہوں،

اِس حسن خاتمہ کے قربان جایئے جس میں صاف طور پر بتا دیا کہ اگر ایک مطیع و منقاد مسلمان بے بسی کی حالت میں پریشان ہو - وہ عظمت و جلال کو کس طرح حاصل کر سکتا ہے،

یہ بشارت صرف انہیں غلامان حق کے لیئے ہے جن میں مذکورہ بالا اوصاف موجود ہوں،

جو شیاطین و طواغیت کی بندگی سے آزاد ہوں،

جو صرف خدائے عزیز و حکیم کی چوکھٹ پر سر دھرتے ہوں،

جن کے قلب خارجی اثرات ضلالت سے بالکل محفوظ ہوں،

خدا کا سب سے بڑا انعام جو کسی برگزیدہ بندہ پر ہوتا ہے - وہ نیابت و خلافت الٰہی میں سے اسکو حصہ عطا کرنا ہے،

یہ ایک شاہد معنی ہے جسکے روئے روشن کو وہی غلام بے نقاب کر سکتا ہے جو حقیقی طور پر مسلمان ہو گیا، اور جسکا یہ فیصلہ ہوا - "ان صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین" میری نماز میری عبادت میرا جینا، میرا مرنا، یہ سب اللہ تعالے کے لیئے ہے - جو پروردگار عالم ہے "یا قومنا اجیبوا داعی اللہ" - اے بزرگان قوم! خدا کا داعی تمہیں خدا کی جانب حاضر ہونے کو بلا رہا ہے - تم اُس کی بات مانو - اور اُس کے کہنے کے مطابق چلو ۔

(عبدالحی)

توکل اور قرآن

(۱)

انسان کی دینی اور دنیوی ترقی کا مدار اعمال پر ہے، اور اعمال نتیجہ ہیں اُسکے خیالات یا اُسکی طبعی تحریکوں کا۔ ترقی خواہ کیسی ہی عمدہ اور اعلیٰ کیوں نہ ہو اُسکے حصول کے لیے خواہ کتنی ہی سعی کی جائے ایک دفعہ ہی حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ جسطرح کسان بیج بو کر فصل کا انتظار کرتا ہے اسی طرح ہر کوشش کے نتیجہ کے لیے صبر و استقلال سے انتظار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا میں کوئی بڑا کام کرنے یا کسی بڑی کامیابی حاصل کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ طبیعت میں استقلال کے ملکہ کو راسخ کیا جائے، استقلال اور ارادے کے استحکام کے بغیر کوئی انسان کی اُمید پوری نہیں ہو سکتی ہے اور یہی کامیابی کا راز ہے۔ اسلیئے قرآن حکیم نے توکل کی تعلیم دی ہے لیکن جب کسی قوم میں تنزل شروع ہوتا ہے تو پہلے اِس کے خیالات میں فساد و رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اور حقیقت کا میلان جاتا رہتا ہے، اور اُسکی عمدہ عمدہ قوتیں بے محل صرف ہونے لگتی ہیں۔ جو یقیناً برا نتیجہ پیدا کرتی ہیں مثلاً دولت فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کی بجائے عیاشی اور غیر مستحقین کی پرورش میں خرچ ہوتی ہے، علم سے معارف یقینی کے اکتساب کی بجائے مذہبی نزاع اور اعتقادات باطل کی ترویج کا کام لیا جاتا ہے، افسوس کہ مسلمانوں کی قوم بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں رہی کیونکہ وہ بھی عمدہ عمدہ قوتوں کو بے محل صرف کرنے اور ہر ایک حقیقت کو اُلٹے معنوں میں سمجھنے اور اُن کے برے نتائج برداشت کرنیکی عادی ہو گئی ہے، چنانچہ آجکل ہمارے ہاں توکل کے معنی ہیں، ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنا۔ اور کچھ کام نہ کرنا اسکو توکل کہتے ہیں۔ اور بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ توکل کا بڑا مرتبہ ہے۔ متوکل کو خدا اپنے غیب کے خزانہ سے بھیجتا ہے۔ ایسے قصے بھی مشہور ہیں کہ ایک صاحب نے اسطرح توکل کیا کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے اور خدا سے کہا کہ میں خود کھانا نہ کھاؤں گا، جب تک خود بخود لقمہ میرے منہ میں نہ آجائے گا، یہ اسطرح وہ کچھ عرصہ تک بیٹھے رہے۔ اسکے بعد کھانے کا ایک خوان اُن کے سامنے موجود دیکھا سمجھے کہ بس کام ہو چکا۔ وہ اپنے ہاتھ سے کھانے لگے۔ اتنے میں آواز آئی کہ تو جلدی کر گیا اگر کچھ دیر اور منتظر رہتا تو خود بخود تیرے منہ میں کھانا پہنچ جاتا۔

توکل کا بے شک بڑا مرتبہ ہے اور قرآن حکیم نے بلاریب اسکی تعلیم دی ہے لیکن افسوس ہے کہ توکل کے اصل معانی کو سمجھنے والے کم اور نہایت کم ملتے ہیں، اور اسکے بدنام کرنے والے بہت ہیں، توکل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی اپنے ہاتھ پاؤں کو توڑ کر سعی و عمل کے سب سلسلے کو چھوڑ کر ایک طرف ہو بیٹھے اور کہے کہ ہم خدا پر توکل رکھتے ہیں، اسی نے ہمیں پیدا کیا۔ اُسی نے توکل کا حکم دیا وہی ہمیں کھانے کو دیگا۔ ہماری ضروریات پوری کریگا، ہم ہاتھ پاؤں ہلا کر کیوں اُسکے نافرمان بنیں۔ کیوں کہیں کہ ہم بھی اپنے لئے کچھ کر سکتے ہیں؟ حالانکہ قرآن کریم میں توکل کا مفہوم کچھ اور ہے۔ یعنی نہایت مشکلات کی حالت میں پوری ہمت سے کام کرنا۔ نتیجہ کی طرف سے خائف ہو کر کام نہ چھوڑنا اور نتیجہ کے بارے میں خدا تعالیٰ سے کامیابی کا بھروسہ رکھنا اور ظاہر ہے کہ اس طریق سے آدمی میں استقلال کا جوہر پیدا ہوتا ہے۔ جو تمام کامیابیوں کا گر ہے۔ آدمی کا اپنی سعی پر نہ پھولنا اور خدائے پاک کو نہ بھلا بیٹھنا سعی خود کرنا۔ ثمرہ دینے والا خدائے واحد کو سمجھنا۔ اسلیئے کہ جب تک خدائے کریم کا فضل و کرم شامل حال نہ ہو۔ کوئی سعی کارگر نہیں ہو سکتی۔ یہی توکل اصل توکل ہے اور یہی قرآن حکیم کی پاک تعلیم ہے،

چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک ضعیف اور درماندہ قوم (بنی اسرائیل) کے پستی اور ذلت سے نکالنے کے اسباب کو بیان فرماتا ہے:۔

قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۞ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ (پ ۶ سورۃ المائدۃ ع ۴)	وہ کہنے لگے اے موسیٰ اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ بستے ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل جائیں ہم تو اس ملک میں قدم نہ رکھیں گے، ہاں وہ لوگ اسمیں سے نکل جائیں تو ہم ضرور جا داخل ہونگے۔ خدا کا ڈر ماننے والوں میں سے دو آدمی تھے کہ اُنپر خدا نے اپنی خاص مہربانی کی تھی وہ بول اُٹھے کہ اِنپر چڑھائی کر کے دروازے

میں گھس جاؤ۔ اور جب تم دروازے میں گھس گئے تو بلاشبہ تمہاری فتح ہے۔ اور تم ایمان رکھتے ہو۔ تو اللہ پر توکل کرو۔

ایک دوسرے مقام میں توکل کی تعلیم اِن پاک الفاظ میں دیجاتی ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۞	اور (اے پیغمبر) ان لوگوں کو نوح کا حال پڑھکر سناؤ کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔ کہ بھائیو اگر میرا رہنا اور اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سمجھانا تم پر گراں گزرتا ہے تو میں اللہ پر توکل کرتا ہوں پس تم اور تمہارے شریک سب ملکر ایک بات ٹھیرالو

پھر وہ بات تم میں کسی پر مخفی نہ رہے پھر جو کچھ تم نے کرنا ہے میرے ساتھ کر چکو اور مجھے مہلت نہ دو۔ یہ ہے توکل کہ حضرت نوح نے کام نہیں چھوڑا۔ اگر نکمے ہو کر بیٹھ جاتے تو اس تبلیغ و دعوت (مقابلہ) کی ضرورت نہ تھی۔ تو معرف یہی چاہتی تھی کہ کام نہ کرو۔ مگر آپ نے پتھروں کی بارش

میں بھی اپنے کام میں کسالت اور غفلت نہیں کی اسی کا نام توکل ہے۔

یہی تعلیم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دیجاتی ہے، مگر اس سے بھی بلند انداز سے۔ کہ جسکی حقیقت کا سمجھ لینا ہی انسان کے اندر وہ توکل پیدا کر دیتا ہے جو تمام کامیابیوں کا اصل الاصول ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۔ (پ ۴۔ س آل عمران ع ۸)

"اے پیغمبر! جب تو عزم بالجزم کرلے تو اللہ پر توکل کر۔ اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں"

کس قدر اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔ عزیمت تامہ اسکو کہتے ہیں کہ انسان کی طبیعت میں ایسا استقلال پیدا ہو جائے، کہ وہ ایک بار جو دل میں ٹھان لے پھر کسی طرح اُس سے نہ ہٹے۔ اور جو ارادہ کیا ہے اُس مقصد کو حاصل کرکے چھوڑے اسکا نام عزیمت تامہ ہے اسکو عزم بالجزم کہتے ہیں۔ اسی کی تعلیم خدائے پاک فرماتا ہے اسکے بعد حکم ہوتا ہے کہ توکل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ عزیمت تامہ کے بغیر انسان امر حق کو اُس مرتبہ پر قائم نہیں رکھ سکتا جو اُسکے شایان شان ہے۔ انسان کے اخلاق ایسے پختہ ہو سکتے ہیں۔ نہ کبھی ذوق نہ آنے دینا کے ہر کام میں نتیجہ کے لئے خواہ وہ دنیوی ترقی اور بہبودی کی غرض سے ہو یا اخروی نجات اور سعادت دارین حاصل کرنے کے لئے ہو، طلب صادق اور عزم بالجزم اور استقلال کو بہت بڑا دخل ہے کسی کام کے کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا جائے تو کامیابی کا نصف درجہ حاصل ہو جاتا ہے تمام مشکلیں اور دقتیں جو تذبذب اور بودلی کی حالت میں پہاڑ کی طرح سد راہ ہوتی ہیں، جوانمردوں کے استقلال اور دل کے سامنے ہوا ہو جاتی ہیں کسی کام میں ہمت نہ ہارنا اور برابر پوری سعی اور کوشش کئے جانا کامیابی کا یقینی طریقہ ہے۔ اسی لئے اسکی اگلی آیت میں مومنین کو قرآن حکیم تعلیم دیتا ہے:۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔

"اے مسلمانو! اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنیوالا نہیں اور اگر تم کو رسوا کرے پھر کون ہے جو اسکے بعد تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیئے کہ وہ عزم بالجزم کر لینے کے بعد) اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں"

لاریب قرآن حکیم میں کوئی ایسی بات نہیں جو بیکاری اور کسالت پیدا کرنیوالی یا اسکو مدد کرنیوالی ہو یا استقلال اور عزم بالجزم سعی اور ہمت سے روکنے والی ہو، بلکہ وہ اِن نقایص کو دور کرنیوالی پاک کتاب ہے جو باتیں اس قسم کی اسکی طرف منسوب کی جاتی ہیں، وہ کاہلوں کی خود تراشیدہ یا گھڑی بنائی ہوئی یا مکاروں کی مکاریاں ہیں جنکے ذریعہ وہ اپنا پیٹ پالتے ہیں اور دوسروں کو ترک تدبیر کا سبق پڑھا کر اپنی چھپی تدبیر سے اپنا کام نکالتے ہیں مسلمان جبتک اِن باتوں کو نہیں چھوڑیں گے اور خود ایسے خیالات کے پابند رہیں گے۔ وہ ہرگز ترقی نہیں کرسکیں گے اور دنیا کی دوڑ دھوپ میں دوسری قوموں کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ صدیاں گزرگئیں کہ وہ بے معنی زہد و توکل اور ناجائز قناعت کرتے چلے آتے ہیں مسلمانوں کو دل میں سوچنا چاہیئے کہ انہوں نے ان کمزور باتوں سے کیا حاصل کیا۔

مال و اولاد میں شیطان کی شرکت

میرے ایک دوست نے مجھ سے ایک مسئلہ دریافت کیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اسکا جواب بذریعہ سودیشی حسنہ شائع کردوں کہ عام حضرات کے گوش گزار کر دوں۔ وہ یہ ہے:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۔ (پ ۱۵۔ س بنی اسرائیل ع ۷)

"(ان میں سے) جسے اپنی رکیکی چیخ پکار سے (بہکاتے) بن پڑے بہکا اور ان پر اپنے (شیطانوں کا لشکر) سوار اور پیادے کھینچ لا اور انکے مال اور اولاد میں اپنا ساجھا لگا۔ اور ان سے وعدے جھوٹے وعدے کر اور شیطان تو ان لوگوں سے جتنے وعدے کرتا ہے سب دھوکے ہی کی ٹٹی ہوتے ہیں"

اس آیت سے بصراحت مستفاد ہوتا ہے کہ لوگوں کے مال اور اولاد میں شیطان بھی شریک ہوتا ہے کہ نطفہ شیطان کا بعید از قیاس مفہوم ہوتا ہے۔ اور بعض مفسرین نے بھی نطفہ شیطان کی گالی کو بالکل حقیقت کا لباس پہنا دیا ہے۔ لیکن اگر ذرا بھی بنظر امعان دیکھا جائے تو آیۂ مذکورہ سے کوئی بات خلاف واقع نہیں نکلتی۔ اور ایسے دوراز کار بیان کی بھی ضرورت نہیں رہتی کہ صاحب تفسیر خازن کیطرح کہدیا جائے کہ شیطان بھی ہم بستر ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو دولت ناجائز اور شیطانی طریقوں سے حاصل کیجاتی ہے اُس میں شیطان بھی آدمی کا شریک ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آدمی دولت کا بھوکا ہے بہت ہی کم اللہ کے بندے ایسے ہوں گے جو حلال و حرام مال میں امتیاز کرتے ہوں پس جو مال حرام اور ایسے طریقوں سے حاصل کیا گیا ہے جو از روئے قانون شریعت حرام ہیں یا حرام ہی کاموں میں صرف کیا جاتا ہے اس میں شیطان بے شک اللہ کا شریک اور سہیم ہے اور ایسی اولاد کا تعرف کرنا یہی اولاد ہے جو اولاد زنا سے ہو اسکو زانی اور شیطان کی مشترک اولاد کہتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ کم بخت اولاد کی تمنا لوگوں سے کیا کیا نہ کرائی ہے اور کیسے کیسے شرک و کفر میں مبتلا کرتی ہے پس چونکہ یہ تمام معصیتیں اولاد کے لئے کیجاتی ہیں اور معصیت کا سرچشمہ شیطانی ہے اسلئے شرک کفر میں مبتلا ہوکر جو اولاد حاصل کرتے ہیں بے شک انکی اولاد شیطان کی شرکت کی اولاد ہے۔

مختصر یہ کہ مال اور اولاد میں شیطان کی شرکت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں مال اور اولاد وہی دو چیزیں ہیں کہ انہی کی وجہ سے اکثر گناہ واقع ہوتے ہیں کہ ان کے فکر میں آدمی خدا سے غفلت کرتا ہے اور انہی کی وجہ سے دنیا میں بہت سا فساد برپا ہوتا ہے مال اور اولاد کو خلاف شرع حد سے زیادہ عزیز رکھنا انوا نہ شیطانی ہے جسکو شیطان کی شرکت سے تعبیر کیا گیا ہے اور مال اور اولاد میں شیطان کی شرکت کے منجملہ مذکورہ بالا پیرایوں کے بہت سے پیرائے ہیں انہا منجملہ یہ کہ

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

آج ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

مسلمان کیوں سرِ تنزل ہیں

(نمبر ۲)

اسلام اور رہبانیت

اگر کوئی شخص آگ کے انگارے کو جواہر ریزہ سمجھ کر ہاتھ میں لے لے۔ یا زہر کو امرت سمجھ کر کھا جائے تو قدرت اُسکی ناواقفی اور غلط فہمی کو معاف نہیں کرتی۔ اور آگ سے ضرور ہاتھ جلتا ہے اور زہر سے جان پر ضرور بنتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بیمار ہو کسی صحت بخش دوا یا مفید تدبیر کو استعمال میں لائے۔ اگرچہ اُسے معلوم نہ ہو کہ اس سے کچھ فائدہ پہنچے گا تو قدرت کی جانب سے اُسکی جہالت کے سبب تاثیر پیدا کرنے میں تحمل نہیں ہوتا۔ اور وہ تدبیر ضرور نیک نتیجہ پیدا کرتی ہے۔

اگر یہ مذکورہ بالا بیان صحیح ہے۔ اور یقیناً صحیح ہے تو مسلمانوں کی اس نزاع کا بھی خاتمہ ہی کر دینا کیا ہے اور دین کیا ہے۔ اور مسلمانوں کے تنزل کا اصلی باعث کیا ہے؟ آج بھی وہی مذہب اور وہی کتاب اور وہی راستہ ہمارے پاس ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے پاس تھا۔ اسی پاک دین اور اسی مقدس کتاب نے پہلے مسلمانوں میں ایسے کامل ترین اخلاق پیدا کر دئے تھے، کہ ایک طرف تو چند سال کے عرصہ میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنتوں نے متفقہ طور سے اُن کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دیا تھا۔ اور دوسری طرف وہ سب سے زیادہ خدا پرست اور بنی نوع انسان کے سچے ہمدرد بن گئے۔ دنیا میں وہی حکومت کرتے ہیں کہ جنکے اخلاق اچھے ہوتے ہیں، قرآن پاک سے بڑھکر اعلیٰ اخلاق حسنہ اور اوصاف کاملہ کی تعلیم دینے والی کوئی کتاب دنیا میں موجود نہیں۔ عقلمند لوگ جنکو خدائے تعالیٰ نے اس نعمت (عقل) سے حصہ وافر عطا فرمایا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ تعلیم یقیناً ایسے کامل ترین اخلاق پیدا کرنے والی ہے کہ جن لوگوں پر اسکا اثر ہوگا۔ خواہ وہ کیسے ہی غیر مہذب اور جاہل کیوں نہ ہوں لیکن نہایت جلد وہ دنیا میں بہترین اور قوی ترین بن جائینگے

ایسا ہوا۔ اور کئی دفعہ تجربہ میں آچکا ہے۔

برخلاف اسکے یہ تعلیم تو آج مسلمانوں میں موجود ہے، مگر ان کی حالت نہایت خراب ہے۔ تمام دنیا میں مسلمان نہایت پست اور کمزور ہیں، اور ان کی اخلاقی و روحانی حالت نہایت تیزی سے تنزل کر رہی ہے اور مسلمانوں کی اس پست حالت کو دیکھکر اکثر لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے۔ کہ ان کی مذہبی تعلیم کی بدولت ان کی یہ حالت ہے لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ مسلمانوں کے تنزل کا باعث اس تعلیم سے بیگانگی اور علیحدگی ہے۔ کیونکہ مذہب اسلام کی ہدایت اور ہماری مذہبی کتاب کی تعلیم تو ایسی ہے کہ جو قوم اس سے متاثر ہوگی وہ دنیا میں سب سے زیادہ مہذب سب سے زیادہ متمدن کامیاب اور قوی ہوگی، اور یہ شرف صرف اسی پاک تعلیم کو حاصل ہے کہ وہ خود بھی ایسا ہی دعوے کرتی ہے، اور واقعات نے اس پیشگوئی کو بھی قایم کر دی ہے اس پاک تعلیم کے نتائج کا تجربہ ہو چکا ہے۔ باوجود اسکے یہ تعلیم بھی موجود ہے۔ اور ہم مریض ہیں۔ ہم پست ہمت ہیں اور نہایت ہی کمزور ہیں، ایک مسلمان بھی جب اس حالت کو دیکھتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے، اور وہ خیال کرتا ہے کہ مریض موجود ہو، اور اکسیر موجود ہو، سموم موجود ہو، اور تریاق موجود ہو اور مرض نہ جاتا ہو۔ سو یہ نہ جاتا ہو۔ اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ یا تو اکسیر تریاق کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ یا اگر استعمال کیا جاتا ہے تو غلط طریقہ سے کیا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے

کہ دوا جب ہی نفع پہنچاتی ہے۔ جب وہ صحیح طریقہ سے استعمال کیجائے۔ اگر غلط اور غیر مناسب طریقہ سے استعمال کی جائے تو وہی زہر بن جاتی ہے۔ باوجود اس اعلیٰ اور کامل تعلیم موجود ہونے کے مسلمانوں کا خراب حالت میں ہونا اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ یا تو مسلمان اس پاک تعلیم پر عمل ہی نہیں کرتے یا اگر کرتے ہیں تو غلط اور غیر مناسب طریقہ سے کرتے ہیں۔ جہاں تک اس مسئلہ پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اصول کی پیروی اس زمانہ کے مسلمانوں نے ترک کر دی ہے اور غیر ولنی اسے اختیار کر لیا ہے۔ ریکسنے آگ کے انگارے کو جواہر ریزہ سمجھ کر ہاتھ میں لے لیا ہے

زہر کو امرت سمجھ کر کھا لیا ہے۔ اور دوسرے نے ایک صحت بخش اور نافع دوا کو بے ارادہ استعمال میں لانا شروع کر دیا ہے۔ قدرت اپنا کام کر رہی ہے۔ ہر ایک کو اس کے اپنے اعمال کا بدلہ دے رہی ہے۔ کسی کی جہالت کے سبب قدرت کو تاثیر پیدا کرنے میں بخل نہیں ہوتا۔ اور وہ تدبیر ضرور اپنا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ پس

یہی باعث ہے

ایک کے تنزل اور دوسرے کی ترقی کا۔ جس زمانہ میں قرآن اُترا عیسائی قومیں بھی یہود اور کفار عرب کی طرح تمام اخلاقی برائیوں کی سرچشمہ تھیں۔ اسلام اپنے "الحق یعلو ولا یعلی" کے اعتبار سے غالب تھا حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کوئی نیا دین یا انوکھا مذہب جاری نہیں کیا عیسائیت میں جو نقصانات پیدا ہو گئے تھے مزید تر انکی اصلاح کی۔ صدیوں کے بعد جب عیسائیوں کو مسلمانوں کی صحبت سے اپنی حالت کا امتیاز ہوا تو ان کو تلافی مافات کی فکر ہوئی۔ اور اس غرض سے انہوں نے مسلمانوں کی تمام عمدہ باتیں جو قرآن پاک نے تعلیم کی تھیں اختیار کیں۔ وہ علانیہ طور پر معترف نہیں ہوئے (اور خدا نے چاہا تو وہ وقت اب بالکل قریب آ رہا ہے کہ وہ اقرار بھی کرنے لگیں گے) ورنہ وہ مسلمان کہلاتے۔ بلکہ جیسا انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی پیروی کئے بغیر زندگی بسر کرنا مشکل ہے تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے تقلید شروع کی۔ عیسائی تقلید میں وہ بڑھتے بڑھتے مسلمانوں کے برابر پہنچے۔ اور پھر ان سے بھی بڑھنا شروع ہوئے۔ مسلمانوں کو خواب غفلت نے ایسا گھیرا کہ کہیں کے نہ رہے۔ وہ خواب سے چونکے بھی تو کب۔ جب عیسائی بہت دور نکل گئے تھے۔ اب اس دور میں جب تک کہ عیسائیوں پر خواب غفلت طاری نہ ہوگا یعنی وہ اخلاق حسنہ (احکام قرآنی) کی پیروی ترک نہ کریں گے مسلمان ان کے برابر نہ ہو سکیں گے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا صحیح الدماغ انسان اس امر کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ خراب سے خراب اور نہایت مکروہ زمانے میں بھی کبھی اسلام نے یعنی مسلمانوں کے اعمال نے دنیا کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا کہ عیسائیت نے ایک زمانہ دراز تک جس کی مدت ہزار برس سے کم نہیں بنی انسان کو مصیبت اور وبال اور ادبار اور ہر قسم کی مصیبت میں مبتلا رکھا ہے۔ یہ سب قرآن پاک اور مسلمانوں ہی کی تقلید کا نتیجہ ہے کہ عیسائی دنیا آج اپنے مہذب اور متمدن ہونے کا چاروں عالم میں ڈنکا بجا رہی ہے۔ مگر مسلمان ہیں کہ وہ اسراف و ہیجان کو باعث کفر سمجھتے ہیں (العیاذ باللہ) یہ دھیان کم کرنا ہی

مسلمانوں کی ترقی کا مانع ہے

بالصرف اس سے اب کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ مذہبی غلط خیالات مسلمانوں کی ترقی کے مانع ہے اور مانع سمجھے جاتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہئیے کہ یہ خیالات اصلی مذہب کے سچے خیالات ہیں۔ اور اسلام نے ہم کو سکھائے ہیں۔ یا اسلام ان سے پاک اور منزہ ہے میں کہتا ہوں اور پکار کر کہتا ہوں۔ بلکہ جو انکار کرے اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں۔ کہ اسلام ان خیالات سے پاک۔ اسلام ان لغویات سے منزہ۔ اسلام ان باتوں سے بیزار ہے۔ انہی غلط خیالات نے مسلمانوں کو ترقی سے باز نہیں رکھا بلکہ خدا کے سچے اور پاک اور بے داغ مذہب کو جو دنیاوی ترقیوں کا بھی ایسا ہی ترغیب دینے والا ہے جیسا کہ روحانی خوشیوں کا تعلیم کرنے والا ہے بدنام کر دیا ہے۔ اور مذہب اسلام کے مخالفوں کو اعتراض کرنے اور اس پر ہنسنے کا موقع دیا ہے۔ میرے نزدیک ہزار کیا لاکھ دانہ کی تسبیح پر کوئی مادرِن لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا کرے۔ لیکن بھولے سے احکام الٰہی کا دھیان نہ کرے اور اقوال و افعال حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیروی معیوب سمجھے تو وہ ہرگز برابری نہیں کر سکتا اس غیر مذہب والے کی جو نہ خدا کو ایک مانتا اور نہ پیغمبر خدا کو برحق جانتا لیکن عملاً شاید تردید ہی کرتا ہے جو قرآن پاک میں مکلوم ہے۔ اور جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے مجھ سے یہ کہنا کافی نہیں کہ نفاق کے پیدا ہونے اور بہادری کے چلے جانے سے مسلمان تباہ ہوئے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جب یہ احکام خدا اور رسول کے پیرو نہ رہے تو ان کے اخلاقی صفات جاتے رہے۔ اور اخلاقی صفات کے جانے سے عادات میں کمینہ پن خیالات میں غلامی پیدا ہوئی جسکا دوسرا نام بے ذوقی اور کم ہمتی۔ جو موجودہ مسلمانوں کا مایۂ ناز ہے قرآن پاک اور اسلام پاک انسانی ضروریات زندگی کے بارہ میں بہترین تعلیم دیتا ہے اور تعلیم بھی ایسے پسندیدہ اور ستودہ بڑھانے والے اصول طریقہ پر ہے جسکو انسانی فطرت سے خاص نسبت ہے۔ دین اسلام اور قرآنی تعلیم کی یہی تو بڑی خوبی اور عمدگی اور یہی اسکی حقانیت کی بڑی قوی دلیل ہے کہ فطرت انسانی کی اسمیں پوری پوری رعایت ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ

(خدا کی بنائی ہوئی) سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (خدا کی بنائی ہوئی) بناوٹ میں ردوبدل نہیں ہو سکتا یہی دین کا سیدھا راستہ ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے

(پ ۲۱۔ س روم۔ ع ۴)

اس فطرت کے برخلاف اپنی خانہ ساز تاویلات باطلہ کو دین حق سمجھ بیٹھے ہیں۔ پس

اسلام پاک کا اصل موضوع

یہ ہے کہ انسان کو اسکی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے اس پر ایسے سخت احکام کا بوجھ نہ لادا جائے جسکو وہ اٹھا نہ سکے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد الٰہی ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا "اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جس (کے اٹھانے) کی اسکو طاقت ہو" مگر مسلمان ہیں کہ وہ رہبانیت اور خود تراشیدہ ظلم کو باعث سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ اور کچھ ذکر کرنے اور تارک دنیا بننے کو انسانی کمال

معراجِ حقیقی جانتے ہوں۔ جیسا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے تنزل کی بھی یہی باعث ہوں۔ اور لوگوں کا یہ خیال بھی درست ہو۔ کہ مسلمان محض جسمانی لذتوں اور دنیوی عیش پرستیوں میں پڑ کر بگڑے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ اُس سے زیادہ روحانی لذتیں ابتدائی بگاڑ کا باعث ہوئی ہیں ؎

این ہمہ مستی و بیہوشی نہ حد بادہ بود با حریفان ہرچہ کرد آن نرگسِ مستانہ کرد

اسمیں کوئی کلام نہیں کہ مسلمانوں نے عیش پرستی اور تن پروری کی وجہ سے اپنی تمام طاقتوں کو برباد کیا۔ مگر اسمیں بھی کوئی شبہ نہیں کہ روحانی لذات بھی ایک شے تھی جو ہمکو ہمارے مولیٰ نے بالامتیاز بخشی تھیں۔ مگر اس سے منشاء قدرت یہ نہ تھا۔ کہ ہم ہمہ تن اُس سے وابستہ کی گئی۔ دنیا کو ترک کرکے ہمہ تن روحانی لذات میں مشغول ہو جائیں۔ ایسا ہوا اور کھوئے گئے۔ اور ہماری حالت پر یہ شعر بالکل صادق آیا ؎

دوست ہی دشمنِ جان ہوگیا اپنا آتش نوش دارو نے کیا ہائے اثرِ سم پیدا

مگر یہ لذتیں بھی اسی وقت تک تھیں جب تک دنوں میں جگر کی روشنی تھی جب اندھیری ہوئی تو ان لذتوں کو حاصل نہ کر سکے۔ اور ناچار سب کے سب جسمانی لذتوں میں غرق ہوگئے اور آج مسلمانوں کی حالت بالکل ویسی ہوگئی ہے۔ کہ گویا اُن کے مذہب میں نہ دنیا کی تعلیم ہے اور نہ دین کا کوئی عمدہ اصول ہے ؎

خندہ زن ہے اس مسلمانی پہ کفر جیسی ہے حالی مسلمانی میری

کس قدر حیرت اور شرم کا مقام ہے کہ مسلمانوں نے ایسے کامل اور مکمل مذہب دین اسلام کی سب خوبیوں اور تمام برکتوں کو ایسے رنگ میں بدل دیا ہے کہ دیکھنے والا تمیز نہیں کر سکتا کہ ان خوبیوں اور برکتوں کو اسلام کی پاک تعلیم میں کوئی دخل ہے اور یہی وجہ ہے کہ غیر قومیں ہم پر ہنستی ہیں۔ اور اسلام کو بھی بالکل عقل سے نابلد جانتی ہیں ؎

دیکھا جو زبونیِ حالِ اہلِ اسلام اسلام پہ خندہ زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے اپنی خود ہی بگڑے بیمار اور مفت میں ہو گیا مسیحا بدنام

اگر غور کیا جائے۔ تو تارکین دنیا کے ذیل میں ہم کو دو قسم کے آدمی ملیں گے۔ ایک وہ جو دنیا کو اس حالت میں بے حقیقت جانتے ہیں۔ اور اس میں ابتلا کو ایسے طور پر بالقصد کرتے ہیں۔ کہ اگر وہ چاہتے تو بڑے دنیا دار۔ صاحب جلال و اموال بن جاتے۔ مگر نہیں۔ یا تو خدا کی خالصانہ و مخلصانہ عبادت کے واسطے یا خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے۔ یا دونوں اغراض کے لیئے وہ دنیا کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور تارک الدنیا ہوگئے ہیں۔ پس یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی جس قدر تعریف کیجائے کم ہے۔ اور یہ سچے تارک الدنیا ہیں۔ گو اسلام کے صحیح مفہوم کو انہوں نے بھی نہیں سمجھا ہے۔ اور ایک وہ ہیں کہ ہیں تو پکے دنیادار اور دنیا ہی انکا مقصود ہے جو

"گڑ کھاؤں گلگلوں سے پرہیز"

کا مصداق ہیں۔ اگر ان کے بس کی بات ہوتی۔ تو دنیا میں کھڑے پانی پیتے۔ اور خودکشی کرتے۔ مگر بادل ناخواستہ مارے باندھے گو یا خدا سے روٹھے ہوئے دنیا میں ہیں۔ نہ اچھا کھاتے۔ نہ اچھا پہنتے۔ نہ سکھ کی نیند سوتے اور نہ کچھ کماتے دھرتے ہیں۔ غرض زندگی کو وبال دوش بنائے رہتے ہیں۔ یا تو دنیا کمانے کی قابلیت نہیں ہے۔ یا کاہلی اُن کو کچھ کرنے نہیں دیتی۔ پس یہ لوگ تارک الدنیا کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ بلکہ متروک الدنیا انکو کہنا چاہیئے۔ یعنی دنیا نے انکو پسند نہیں کیا۔ اور چھوڑ دیا ہے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی پست ہمتی یا بدنصیبی کی جتنی بھی مذمت کیجائے کم ہے

میرا تجربہ جہاں تک میرا ساتھ دے سکتا ہے اسکی بنا پر میں صاف کہتا ہوں کہ آجکل کے اکثر صوفی اور درویش کہلانے والے (الا ماشاء اللہ) صفِ آخر میں ہیں۔ یہ تارک الدنیا نہیں ہیں بلکہ متروک الدنیا ہیں۔ مگر نفس نے انکو دھوکا دیکر اپنے کو تارک الدنیا کا لقب اختیار کرنے کی طرف مائل کر دیا ہے :۔ ؏

گر در خانہ کس است یک حرف بس است

مذہب اسلام تو مسلمان سے اتنی ہی بات چاہتا ہے کہ دنیا میں رہو سہو۔ خود کماؤ۔ اور کھاؤ۔ پیؤ۔ پہنو۔ جہاں تک ہوسکے لوگوں کی مدد کرو۔ خدا کی مخلوق کی حاجت براری کرو۔ تمتعاتِ دنیوی سے کسی چیز کی ممانعت نہیں۔ مگر ہاں جس طرح آپ امن و عافیت کیساتھ رہنا پسند کرتے ہو۔ دوسروں کے امن و عافیت میں بھی مخل نہ ڈالو بلکہ دوسروں کی تکالیف اٹھانے کی کوشش کرو ؏

"آنچہ بر خود میپسندی بر دیگران ہم میپسند"

کے اصول پر کاربند رہ کر خلق کی امن و اصلاح کا موجب بن جاؤ۔ یہی اسلام کی پاک تعلیم کا خلاصہ ہے۔ اور اسیکو شریعت اور طریقت کہتے ہیں اور اسی کا نام تصوف اور درویشی ہے۔ اور کچھ نہ کرنے کا نام قناعت نہیں :۔

قناعت

بلا شبہ اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے اور مایوس دل کے واسطے آپ رحمت ہے مگر قناعت کے معنی کچھ نہ کرنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک ممکن تدبیر کرنے کے بعد نتیجہ حسب دلخواہ نہ ہونے پر خاموشی اور راضی برضائے الٰہی ہونے کا نام قناعت ہے اور کچھ نہ کرنے کا نام کاہلی ہے۔ اور یہی آجکل کے مسلمانوں کو محبوب ہے۔ اسکا نام درویشی اور تصوف رکھا جاتا ہے۔ جو کسی حالت میں بھی صحیح نہیں۔ بلکہ یہ انپر رہبانیت کی پھٹکار پڑ رہی برس رہی ہے۔ تصوف اور درویشی کا پایہ اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہ دونوں فریق منہمک فی الدنیا اور زاہد فی الدنیا از روئے شریعتِ اسلام اور طریقت اسلام افراط و تفریط کے درجے میں ہیں اور دونوں جادۂ اعتدال سے منحرف

(باقی آئندہ)		(محمد عظیم عفا اللہ عنہ)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیئے پیروی کرنے کو رسول اللہ ص کا عمدہ نمونہ موجود ہے

السیرۃ المحمدیہ والخصائص النبویہ

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

(میں اور تم کی حقیقت)

قال اللہ تعالیٰ

قل انما انا بشر مثلکم | کہدو اے محمد کہ میں بشر ہوں تم جیسا ء

میں کون ہے؟ تم کیا ہے؟ میں ایک بہت بڑی شخصیت ہے۔ (صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ) تم ایک مجموعہ ہے ذرات بے مقدار کا، میں گل رعنا ہے بہارستان قدرت کا، تم اوسی باغ کے بلبل و برگ و بار و خس و خاشاک ہیں، میں دستگیر افتادگان ہے، تم مجمع ہے ان درماندگان کا جو اسکی شفقت کے محتاج و امیدوار ہیں۔ میں نوح ہے جان بچانے والی کشتی کا تم وہ نفوس ہیں جو اوسکی کشتی میں طوفان سے بچنے کے آرزومند ہیں۔ میں آیہ رحمت ہے تم طالبان رحمت ہیں، میں حسن ازلی ہے، تم حیرتیان جمال ہیں۔ میں مطلوب ہے تم طالب میں جاذب تم مجذوب ہے، میں تم کا ہے تم میں کا۔ میں کی ہستی جمالی ہر قلب مومن میں موجود ہے تم کی ہستی درماندہ میں کی دل میں ہی۔ حتی کہ رنج وراحت میں صحت و مرض میں دعا میں معراج میں کبھی وقت میں نے تم کو فراموش نہ فرمایا میں تم میں ہے اور تم میں میں +

سہے پریم گھٹا چھائے ری میں ما دہو میں سو تم ما دہو

بشر ہوں، صدقہ اس ادا کے، اس انکسار کے، اس کہنے کے۔ الحمد للّٰہ علی احسانہ، لقد منّ اللہ علی المومنین، قربان اس عنایت واحسان ومنت نبی کے، اس سے زیادہ اور کیا لوگے، سلالۂ کائنات کو لباس بشریت پہنا کر کافۃ الناس پر بھیجدیا کہ جاؤ، بشر کو اپنی ہم جنسی کا فخر بخشو، نوع انسان سے بات کرو۔ وہ تمہاری سنیں۔ تم اون کی سنو، ہمارا مطلب انکو سمجھاؤ، اوس مطلب کی زندہ مثال خود بنو۔ اور ان کو دکھاؤ

اس سے تمہاری صورت زیبا اور بھی دلکش ہوجائے گی۔ اور دلربائی کی پوری شان اون کو نظر آئے گی، وہ اپنا دل تمہاری نذر کرینگے۔ اور تم پر جان دینگے تم اون کا دل اپنے ہاتھ میں لینا۔ اور اون پر شفقت کرنا۔ اور ہمارا پیغام موعظت حکمت اور نرمی سے پہونچانا۔ اے محمدؐ ہم تم کو خلق عظیم عطا کرچکے ہیں، تم نوع انسان پر مہربانی کرنا۔ اخلاق سے پیش آنا جو تمہاری ذیل میں داخل نہوں اون پر ملاطفت رکھنا۔ یہی اون کی تسخیر قلب کے واسطے کافی ہوگی لیکن جو تمہارا دامن پکڑلیں۔ اون پر خاص شفقت کرنا جسطرح ماں اپنے دودھ پیتے بچہ پر کرتی ہے، جسطرح پرندہ اپنے بے پروبال بچہ پر کرتا ہے۔ امت تمہاری نظر عنایت کی محتاج ہوگی، تم اونکو جناح عاطفت میں لینا۔ دنیا میں دست دپا سے۔ دعا سے نصیحت وارشاد سے، اونکی خبرگیری کرنا، آخرت میں اونکی شفاعت کرنا۔ تاج شفاعت تمہارے واسطے محفوظ رکھا ہوا ہے وہ سوائے تمہارے کسی کے سرپر ٹھیک نہیں آنے گا۔ اے محمدؐ۔ تم سے محبت کرنے والوں کو ہم دوست رکھیں گے، تمہاری محبت کے صدقہ میں اپنے نافرمانوں کو ہم بخشدینگے، یہ نہیں سکتا کہ وہ تم کو دیکھیں اور ہم انکو نہ دیکھیں،

اے فخر بنی آدم۔ تم پر اون کے ہاتھوں جو شقی ازلی ہیں مصائب نازل ہونگی۔ تکالیف پہونچینگی، اُن سے تو ہم خود سمجھ لیں گے لیکن تم صبر کرنا۔ صبر کا اجر ہم خود ہیں۔ تم انکو ہرگز بددعا نہ کرنا کیونکہ تم آیہ رحمت ہو۔ بددعا تمہاری شان کے لایق نہیں ہے۔ نہ انسان ضعیف البیان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ تمہاری بددعا کا بوجھ اٹھاسکے۔ ہاں تمہاری دعا ممکن ہے کہ اون کے کام آئے اور بعض اون میں سے راہ راست پر آجائیں اور تمہارا خلق عظیم اون کو مسخر کرے +

اے گلہ بان بنی سعد، ہم اپنے گنہگاروں نافرمانوں کا گلہ تمہارے حوالہ کرتے ہیں، اونکو گناہ سے بچانا۔ اور اون کے لیئے دن کو تطوع سے رات کو تہجد سے مغفرت کا سرمایہ جمع کرنا۔ راتوں کو ان کے لیئے ہم کو پکارنا، کھڑے کھڑے پاؤں سوجھالینا، اور دعا کرنا جب ہم خود فرماتے ہیں کہ

دعا کرنا تو نتیجہ کو سامنے حاضر کرکے فرما سکتے ہیں۔ کوئی رعایت منظور رہے جو تم سے دعا منگواتے ہیں۔ مگر یہ راز ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ انکو حساب کتاب سے بے خطر نہونے دینا۔ تاکہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔ ان کے سامنے رہے۔ یہ وقت کی قدر کریں۔ اور اصلی ترقی کے معنے سمجھیں۔ "فاتبعونی یحببکم اللہ" کے فائدے سے آگاہ ہوں، اور حیات وممات کے راز کو "لیبلوکم ایکم احسن عملا" پڑھکر سوچیں اور عمل کریں +

اے نبی۔ اے رسول۔ ہمارے بندے، ہماری شان جلال سے غافل نہونے پائیں۔ ہماری جباری وصمدیت ان کی دل پر نقش کردینا جسکا ادنے کرشمہ جہنم ہے لیکن جب یہ دو پاؤں کا جانور۔ یہ ذرا سا خاک کا پتلا یہ کرۂ زمین کا کیڑا۔ یہ حیوانی قطرہ ہمارے رعب جلال سے مبہوت ہوجائے، اور خوف سے اسکا چھوٹا سا دل پھٹنے لگے اور عذاب الیم کے خیال سے اسکی خرمن امید سوختہ ہونے لگے۔ اس وقت ہماری لطف وکرم کی گھٹا کو جو افق رجا پر نظر آتی ہے انکو دکھانا اور "لا تقنطوا من رحمۃ اللہ" پڑھکر ان کے دل پر دم کرنا۔ تاکہ انکو تسکین ہو اور تسکین کا مزا پاکر پھر ہماری طرف جھکیں اور جھکنے کا انعام ہم سے لیں جو خاص ہمارے خزانہ سے ملیگا جسکا نام ہدایت ہے (ویہدی الیہ من اناب) +

اے ابراہیم کے فرزند۔ یہ کام تمہارے کرنے کے ہیں۔ تم رسول ہو جب ہم تم کو ان کی طرف متوجہ ہونے کی رخصت دیں۔ تم انکو سمجھاؤ بتاؤ، روشنی دکھاؤگے تو یہ رستہ پائیں گے، اور وہ کچھ دیکھیں گے جو ان کی آنکھ سے بالاتر ہے۔ "لہم ما یشاءون فیہا ولدینا مزید" تمہارے باپ ابراہیم نے بھی یہی کیا۔ تم بھی یہی کروگے۔ اور کامیاب ہوگے۔

اے ہمارے بندوں کے مرجع امید۔ ہم نے انسان کے دل میں ایک تشنگی خالص مسرت کی پیدا کردی ہے۔ وہ تشنگی کسی اور طرح نہیں بجھتی۔ نہ عیش وراحت سے نہ کسی اور مادی تنعم سے۔ جب وہ تشنگی کسی طرح زائل نہیں ہوتی تو انسان اسکو بجھانے کے واسطے دنیاوی مسرتوں میں ڈوبا رہتا ہے۔ تمہارا کام ہے کہ نہ اسکو ڈوبنے دو نہ اوس تشنگی کو بجھنے دو۔ یہی تشنگی ہے جو اوس کی روحانی حقیقت او جسمانی کیفیت میں پیمان تعلق ہے۔ یہ پیاس تمہارے ہی پاس بجھے گی۔ اور پھر اور زیادہ ہوگی، بجھتی جائے گی۔ لگتی جائے گی۔ یہاں تک کہ اسکا ظرف بھر جائیگا اور وہ اپنی مراد کو پہنچیگا +

اے بہترین مخلوقات۔ ہم نے تم کو اپنے بندوں کے واسطے نمونہ بناکر بھیجا ہے۔ تم اسوۂ حسنہ ہو۔ جو تمہارے اور تبعین کے نقش قدم پر چلا اوس نے فلاح پائی اور جو اوس سے کترا کر چلا، بھٹکا۔ اور مارا گیا، لباس بشریت میں جلنے کی تکلیف تم کو فقط اسی وجہ سے دی ہے کہ بشر ایک نمونہ اپنی شکل کا دیکھے۔ اور اوس نمونہ کی تقلید کرے ؎

جتنا ہے ظرف جس کا اتنی وہ پی رہا ہے

رندونپہ ورنہ ساقی ہے فیض عام تیرا

تم جیسا انصاف شرط ہے۔ **ہم جیسا** ذرا اپنے گریبان میں مونہ ڈالکر دیکھنا :۔

انا ارسلناک شاہدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا ۰ اس شان کا بشر اور ہم جیسا۔ نبوت کا نور بغیر واو رسالت کا نور مرکب۔ ایک نور دوسرے نور میں مدغم۔ المصباح فی زجاجۃ وہ اور ہم جیسا! وانک لعلی خلق عظیم۔ وبالمؤمنین رؤف رحیم ہم جیسا؟ ادبنی ربی فاحسن تادیبی وعلمنی علم السموات والارض وہ نفس کامل ومکمل۔ وہ جان پاک۔ وہ علی الصفات وہ صدر و بدر کائنات۔ اور ہم جیسا؟

اے خاک۔ ادب تیرا مونہ ہے کہ تو **مثلکم** کا لفظ زبان پر لائے، **تو اور جان پاک** کے ساتھ دعوئے ہم جنسی؟ ہوش کی دوا کر جس مخلوق کے لیئے خالق یہ فرمائے کہ "وتریہم ینظرون الیک وہم لا یبصرون۔" تو سرے سے اسکی شان تو سمجھ نہیں سکتی۔ اور ہم جنسی کا دعا کرتی ہے جس کی شان دیکھنے والوں کو نظر نہ آئے۔ وہ بے بصیرتوں کو کیا نظر آئے گی، اگر تو نے بھی اسکو مثل اور مخصوص نے ایک شخص سمجھا تو ہذا ہو الخسران المبین، تو اوسکی شخصیت بشریت سے واسطہ ہی نہ رکھ۔ بلکہ یہ سمجھ کہ :۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین، اے آدم خاکی۔ اب بتا کہ کیا وہ تیرا ہم جنس ہے اے انصاف کا دعوے کرنے والی خاک۔ انصاف کر کہ وہ کون ہے۔ اور تو کیا ہے **مثلکم** اسلیئے نہیں فرمایا کہ تو اوس کی شان گرا کر اسکو اپنا جیسا سمجھے یہ تو کج فہمی ہے۔ گستاخی ہے۔ بے ادبی ہے۔ کفر ہے۔ عین کفر۔ بلکہ اس لیئے فرمایا ہے کہ بشری صورت میں بھی یہ شان ممکن ہے،

سروحدت کا بشر کی زبان سے ظاہر ہونا ممکن ہے،
جبرئیل کا ایک بشر کی بارگاہ میں باریاب ہوکر فخر کرنا ممکن ہے،
اخلاق ربانی کا بشر کی ذات سے ظہور میں آنا ممکن ہے،
تعلقات دنیاوی میں داخل بحق رہنا ممکن ہے،
ایک لمحہ کے واسطے لغزش نکرنا اور لغزش کا خطرہ تک تمام عمر دل میں نہ آنا ممکن ہے
بایں جسد خاکی زمین و آسمان کی سیر کرنا ممکن ہے،
اولاد آدم ہوکر معصوم رہنا ممکن ہے،
نور الٰہی کا لفافہ خاکی اختیار کرنا اور حقیقت محمدیہ کا لباس بشریت کو فخر بخشنا ممکن ہے،
دلوں پر حیات میں اور بعد وفات تصرف رہنا ممکن ہے،
ہر دعا و بددعا کا ایک بشر کی زبان سے نکلکر باب اجابت تک فوراً پہنچنا ممکن ہے،
علم السموات والارض ممکن ہے،
ایک بشر کا اپنی ساری امت سے محبت کرنا من المہد الی اللحد اون کا خیال رکھنا خدا سے جو کچھ مانگنا اون کے واسطے مانگنا۔ ممکن ہے،
تاج شفاعت اولاد آدم میں سے ایک فرد کو ملنا۔ اور اوس کی شفاعت پر آتش قہر الٰہی کا فرو ہونا ممکن ہے،
ایک بشر کا حبیب خدا بننا اور اسکے تبیع سے دوسروں کا محبوب الٰہی بننا ممکن ہے،
وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔ ممکن ہے۔ اور خدا جانے کیا کیا ممکن ہے۔ خدا سے پوچھئے شان محمدؐ ٭
ان ممکنات کے دکھانے کے واسطے **مثلکم** فرمایا۔ نہ اسواسطے کہ اتر اسکو کہیں اور وہم ہم جنس اپنے سمجھیں۔ استغفراللہ۔ اوس سلالۂ اولاد آدم کی بڑی شان ہے

نوجوان پاکی سر سبزے آب خاک اے نازنین
واسر نجان ہم پاک تر روحی فداک ای نازنین

اسلیئے اے تودۂ خاک انسان۔ تو فخر کر کہ نعمائے الٰہی کا مجموعہ تجھ میں ظاہر ہوا۔ اسکو اپنے دل میں جگہ دینی۔ اسپر ایمان لانا۔ اسکو اپنا ہادی و رہنما و اسوۂ حسنہ سمجھنا تیرا فرض ہے۔
اے ذرات خاک نجد۔ تم سے زیادہ کون مبارک ہوگا کہ تم میں اوس جسد پاک نے پرورش پائی اور جب تک وہ تم میں رہا تم اوسکا نقش قدم بنتے رہے۔ اور اوس مہر تاباں کی روشنی تم پر پڑتی رہی ٭
اے کرۂ زمین ناز کر کہ فخر کون و مکان کا ظہور تجھ میں ہوا۔ اور تیرا رتبہ آسمان کے ستاروں سے بڑھ گیا۔ اِس محمد کائنات پر ہر وقت قربان ہوتی رہ۔ جب تک کہ قیامت آئے اور تیرے اجزا منتشر ہوں،
اے امتی۔ تجھکو آفتاب کے دیکھنے کی تاب طاقت نہ تھی۔ اسلیئے تجھے چاند کو دکھایا گیا۔ اِس چاند پر سے جان قربان کر۔ اسکی چاندنی سے ہمیشہ دل کو روشن رکھ۔ اِس چاند پر چکور بن جا۔
اے ملائکہ کروبین۔ اے حور و غلمان۔ اے روح اولیا و عاشقان خدا و حبیب خدا ذرا تکلیف فرماؤ۔ خواجہ حافظ شیرازی کی یہ غزل سنتے جاؤ اور درود پڑہتے جاؤ سے

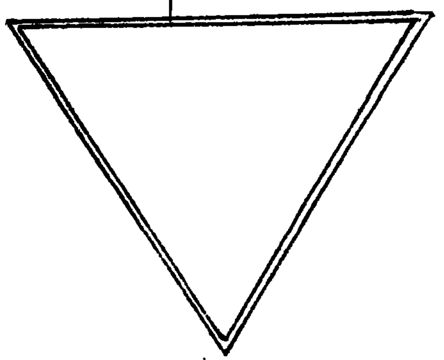
اے روی ماہ منظر تو نو بہار حسن	خال و خط تو مرکز لطف و مدار حسن
در چشم پر خمار تو پنہان فسون سحر	در زلف بیقرار تو پیدا قرار حسن
ماہی نتافت چون رخت از برج خسروی	سروی نخاست چون قدت از جویبار حسن
خرم شد از ملاحت تو عہد دلبری	فرخ شد از لطافت تو روزگار حسن
از دام زلف و دانۂ خال تو در جہان	یک مرغ دل نماند نگشته شکار حسن

حافظ طمع بریدکہ بیند نظیر دوست
دیار نیست غیر تو اندر دیار حسن

والصلوٰۃ والسلام علی من لا دیّار فی دیار الحسن الا ھو۔ یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما والحمد للہ رب العالمین واحسن الخالقین

راقم

من کیستم کہ جان و ہم از آرزوئے تو
این بس کہ میکنم بہ زبان گفتگوئے تو



وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش میں ہو تو ہرگز اسکا وہ دین قبول نہ ہوگا۔ اور وہ انجام کار زیاں کاروں میں ہوگا

عقائد الاسلام

دورِ مشرکانہ اور دورِ موحدانہ

تاریخِ مذہب دو حصوں پر تقسیم کی جا سکتی ہے "دورِ مشرکانہ" اور "دورِ موحدانہ" دورِ مشرکانہ میں "شرک" کا تسلط تھا۔ دورِ موحدانہ کا نقطۂ مرکز "توحید" ہے۔ دورِ مشرکانہ میں انسان کا کوئی "نصب العین" نہ تھا اسلیے وہ ہر طرح پست ہمت، بزدل اور مذبذب تھا۔ دورِ موحدانہ میں اُس کا "نصب العین" معین ہوا۔ اسلیے وہ حنیف۔ بلند ہمت، شجاع اور راسخ الاقدام بن گیا،

معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی ابتدائی حالت میں "شرک" نے غیر اللہ سے "امید و بیم" کی شکل اختیار کی جس کی وجہ سے انسان اشیاء پرست، نیچر پرست، مخلوق پرست، وہم پرست اور بت پرست ہو گیا،

جب انسان "خوف و رجا" کی ابتدائی منزل سے کچھ آگے بڑھا تو "شرک" نے "تکبر و غرور" کی صورت اختیار کی۔ اور وہ انسان جس نے دوسرے بنی نوع کی کسی قدر حفاظت کی معاذ اللہ خدا کی طرح پرستش کیا جانے لگا، نمرود بابلی۔ شداد۔ اسوری۔ فراعنہ مصر جمشید پیشداری وغیرہ اس کلیہ کی نظائر ہیں۔ جب سوسائٹی نسبتاً زیادہ مہذب ہو گئی تو اس قسم کے لوگ "اوتار" اور "دیوتاؤں کی اولاد" کہلانے لگے۔

چندر بنسی اور سورج بنسی چاند و سورج کی اولاد کرشن جی مہاراج اوتار اور سکندر اعظم دیوتا امن کی اولاد سے شمار کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں مصریوں یونانیوں۔ رومانیوں۔ اور کلدانیوں کے علم الاساطیر (مائی تھالوجی) میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

ان بادشاہوں کے مصاحب یا بعض اوقات وہ بادشاہ گر، "پوجاری" ہوا کرتے تھے یہ جماعت بھی تکبر ہی نے پیدا کی تھی، چنانچہ ہندوؤں کے برہمن۔ زرتشتیوں کے موبد۔ تورانیوں کے ماگی، یہودیوں کے احبار اور عیسائیوں کے پادری اور پوپ، سیاہ و سفید کے مالک اور بہشت و دوزخ کے ٹھیکیدار تھے۔

ان کے سامنے داسوں۔ شودروں۔ غلاموں اور دیگر ادنیٰ ذاتوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ رومانیوں اور منوجی کے نظام معاشرت سے ہر ایک واقف ہے،

میں صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا۔ جسکو نوشیرواں عادل کی نسبت فردوسی نے شاہنامہ میں درج کیا ہے۔ ایک موچی نے درخواست کی کہ اُسکے بیٹے کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دیجائے۔ کیونکہ حکومت کی طرف سے ادنیٰ اقوام کو تعلیم حاصل کرنے کی ممانعت تھی۔ نوشیرواں نے درخواست نامنظور کرتے ہوئے خیالات رائج الوقت کا یوں اظہار کیا ہے ؎

هنر یابد ار مرد موزه فروش سپارد بدو چشم بینا و گوش
بدست خردمند مرد نژاد چه ماند بجز حسرت سرد باد

یہ دورِ مشرکانہ کے عادل کی رائے ہے "تا بظالم چہ رسد"۔

دختر کشی بھی تکبر کی وجہ ہی سے تھی۔ کیونکہ مغرور و متکبر انسان اولادِ دختری کو کسرِ شان تصور کرتے تھے ہر ایک ملک میں کم و بیش یہ رسم دختر کشی جاری تھی۔ فردوسی و دقیقی کی سند جو اُس سے پہلے گذرا ہے یوں رقمطراز ہے ؎

نکو گفت دانا که دختر مباد چو باشد بجز خاک اش افسر مباد

جب ظہورِ اسلام سے "دورِ موحدانہ" کا آغاز ہوا۔ اور سورۂ فاتحہ نے ربوبیت عامہ، رحمانیت اور رحیمیت تامہ اور مالکیت خدائے ذوالجلال والاکرام کا سکہ چار دانگ عالم میں بٹھا دیا، تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ موحد ڈرتا ہے۔ خدا سے صرف خدا سے۔ اور ڈراتا ہے ساری دنیا کو جھکتا ہے خدا کے آگے۔ جھکاتا ہے ساری دنیا کو اپنے آگے۔ محکوم ہے خدا کا حاکم ہے سارے جہان کا ؎

موحد چہ بر پائش ریزی زرش چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد ز کس — برین ست بنیاد توحید و بس

امید و بیم ۔ خوف و رجا غرضکہ اُس کی ہر ایک ادا خاصۃً اللہ ہو جاتی ہے۔

نہ غیر اللہ سے ڈرنا خدا کی راہ میں مرنا — یہی ایمان کامل ہے نشانِ مومنانِ حق

اب تکبر و غرور کی بجائے تذلل و انکسار ہے ۔ مگر کہاں جنابِ احدیت میں اور کہاں سے

فرقِ نیاز فرشِ زمیں پہ دھرا ہوا — ہمت کا پاؤں عرشِ بریں پہ گڑا ہوا

اِس تذلل و انکسار نے "مساوات" پیدا کی جس سے روحانیت اخلاق اور معاشرت کے سب عقدے حل ہو گئے "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

ایہا الناس اکرم و اشرف ہے تم میں متقی — ہے عبث یہ امتیازِ ابنِ فلاں ابنِ فلاں

نہ پوجاری رہے نہ احبار نہ موبدنہ اگی اور نہ پادری نہ پوپ "عبدہٗ و رسولہٗ" "انما انا بشر مثلکم" نے اوتار پرستی اور بادشاہ پرستی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ توحید کے سرچشمہ پر "عبدیت" اور "بشریت" کا مضبوط بند لگا کر اُس پاک اور اطہر سرچشمہ کو شرک و کفر کی آمیزش سے ہمیشہ کے لیے صاف کر دیا۔ حضرت علیؓ اِس تعلیم سے متاثر ہو کر یوں فرماتے ہیں۔ سے

انا ابن نفسی کنیتی ادبی — او کنت من عجم او من العربی
ان الفتیٰ من یقول ہا انا ذا — لیس الفتیٰ من یقول کان ابی

غرور نسبی کی جڑ کاٹ دی گئی، دختر کشی عرب میں اس آیہ کریمہ کے نزول کے بعد "واذا الموءدۃ سئلت ۔ بای ذنب قتلت" کبھی نہیں کی گئی۔ جب حکومتیں زیادہ منظم شکل میں نمایاں ہو گئیں، سوسائٹی نے دنیاوارانہ تہذیب میں ترقی کی، تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ "شرک" "ریا" کی صورت میں جو رہے، اسکے مقابل روحانی دنیا میں ہم یہ روح افزا منظر دیکھتے ہیں کہ "توحید" "اخلاص" کی شکل میں حکمرانی کر رہی ہے۔ ریا میں دو دلی ہے تو اخلاص میں یکدلی،

مختصر یہ کہ "شرک" "منبع سیئات" ہے اور "توحید" "سرچشمہ حسنات" "شرک" "ظلم" ہے۔ اور "توحید" "عدل"۔

رذائل و فضائل کی لمبی فہرستوں پر جو علم اخلاق نے مرتب کی ہیں جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کے اچھا یا برا ہونے کا یہ معیار ہے کہ کہاں تک وہ شے قریبِ وحدت یا بعید از وحدت ہے۔ جسقدر وہ شے قریبِ وحدت یا منجر بوحدت ہوگی اسی قدر وہ شے فضائل میں شمار کی جائے گی اگر اس شے میں وحدت نہیں یا اگر وہ منافی وحدت ہے۔ رذائل میں جگہ لیگی، دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے۔ کہ شرک از قدرِ تفرقہ ہے اور توحید عدالت۔ ریا۔ نفاق، بغض، عداوت حسد، کینہ وغیرہ رذائل ہیں کہ ان میں وحدت نہیں وہ ثنائی ہے،

اخلاص، اتفاق۔ مساوات، اخوت، محبت وغیرہ فضائل ہیں کہ ان میں وحدت ہے یا یہ منجر بوحدت ہیں،

حسن اچھی چیز ہے۔ اسمیں تناسبِ اعضا کی وجہ سے وحدت ہے نغمہ دلکش کہ اسمیں عدالت ہے۔ عدالت بھی وحدت کی ایک نوع ہے نظم میں بھی وحدت ہے اور یہی وجہ ہے کہ شاعری و موسیقی فنونِ لطیفہ میں شامل ہیں۔

معاشرت اور تمدن کی بنا معاہدات اور معاملات پر ہے۔ اسمیں بھی فریقین ایک امر متفقہ اور متحدہ پر متفق ہیں غرضکہ زندگی کے ہر ایک شعبہ میں خوش اسلوبی کے ساتھ بسر کرنے کیلئے وحدت کی شان پائی جاتی ہے،

مختصر یہ کہ "شرک" تمام برائیوں کی جڑ ہے اور "توحید" تمام نیکیوں کی اصل،

"دورِ مشرکانہ" کی یہ خصوصیت تھی کہ انسان "بیرونی طاقتوں" کی پیروی اور اطاعت کیا کرتا تھا۔ اور بیرونی طاقتوں کا اتباع سے شرک کے تاریک غار میں لے گیا تھا،

"دورِ موحدانہ" میں "اندرونی طاقت" کی پیروی کرنے لگا اور یہ اندرونی طاقت کی اطاعت یا یوں کہو کہ قوتِ ضمیر کی متابعت اسی توحید کے پُرفضا میدان میں لے گئی،

ہم واقعات کی روشنی میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ دورِ مشرکانہ کا خاتمہ اُس وقت میں ہوا جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بابرکت تعلیم سے دورِ موحدانہ کا آغاز ہوا

تھی صدائے دعوتِ حق قُل ہو اللہ احد — ہے وہی معبود و واحد خالقِ کون و مکان
حریتِ نفس و مساوات و اخوت عدل و رحم — چشمۂ توحید سے پنج دریا ہیں رواں
بن گئے جنگل گلستاں ہو گئے صحرا چمن — ہو گئیں سرسبز یکسر جسم و جاں کی کھیتیاں
ہاتھ میں قرآں لب پر نعرۂ تکبیر تھا — جو سپاہی تھی فتح و نصرت پاؤں ان کے چومتی تھی
فاتحِ اقلیمِ دل یعنے وہ قرآنِ مبین — باعثِ تخلیق جوش فاتحانِ جسم و جان
ہاتھ میں تھا جب تلک تھی گرج اپنی تا فلک — گاڑتے تھے قصرِ قیصر طاق کسریٰ پر نشان
رکھ دیا جب ہاتھ سے سب کچھ گنوایا ہاتھ سے — رہ گئے ہم عظمت و اقبال کے افسانہ خوان

غور کرو اُس اعلےٰ تمدن پر جو توحید نے پیدا کیا تھا۔ جو دنیا کے سب تمدنوں پر غالب آیا اب بھی ضرورت ہے کہ ہم اُس تمدن کی پیروی کریں اور ہم مسلم کے صحیح مفہوم میں مسلم ہو جائیں، پھر وہی دنیا ہوگی، اور وہی ہم اور وہی میدان اور وہی چوگان سے

مومنیں گر معنی مومن میں مومن ہوں تو پھر
"انتم الاعلون" کا پھر جائے آنکھوں میں سماں

(الف ۔ دین)
وکیل کیمبل پور

(وکیل)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

اور ہم نے جن وانس کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں

عبادات الاسلام

قربانی

کائنات میں قربانی کا سلسلہ جاری و ساری ہے اعلیٰ ہستی کے لیے ادنیٰ ہستی قربان ہوتی رہتی ہے، نباتات حیوانات، وحوش وطیور پر قربان ہوتے ہیں۔ شکاری جانوروں پر ان سے ادنیٰ قسم کے جانور قربان ہوتے ہیں۔ انکی زندگی کا دار انکی جانوروں کی قربانیوں پر ہے، بلی کی زندگی کا انحصار چوہوں کی قربانی پر ہے۔ شیر کی زندگی بے حد ولاتعد قربانیوں پر موقوف ہے اژدہے کی بقا کئی جانوروں کے قربان ہونے پر منحصر ہے۔ ویل مچھلی پر ہزاروں مچھلیوں کو قربان ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح بے شمار جانوررات ون انسان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ کوئی ہل چلاتا ہے کوئی باربرداری کی خدمت بجا لاتا ہے، کوئی سواری کے کام آتا ہے۔ کوئی بیل یا مچھلی اور جزو بدن بننے کے لیے نفیس ولذیذ غذا کی شکل میں حاضر ہوتا ہے مگر قربانی کا سلسلہ یہیں تک ختم نہیں ہوتا بلکہ اس سے اوپر بھی جاری ہے، خود اشرف المخلوقات بھی نوع کے لیے اپنا وقت اپنا آرام اپنا مال بلکہ اپنی جان تک قربان کرتا ہے۔ چنانچہ اس وقت جو عالمگیر نار الحرب مشتعل ہو رہی ہے۔ اس میں لاکھ دو لاکھ نفوس اعلیٰ پر یعنی سپاہی افسروں پر افسر اپنے بادشاہوں پر قربان ہو رہے ہیں، اگر کوئی رحمدل آدمی ذبح یا قربانی پر معترض ہو تو ہم اسکی خدمت میں باادب عرض کرینگے کہ اگر کسی شخص کی ٹانگ میں کیڑے پڑ جائیں تو کیا اسکی بقاء صحت کے لیے کیڑوں کا مارنا نظر استحسان نہیں دیکھا جائے گا؟ بلاشبہ ایسی حالت میں کیڑوں کی قربانی پر نہ صرف جواز کا فتویٰ صادر کیا جائے گا بلکہ کیڑے مارنے والے کی خدمت پر اظہار تشکر وامتنان کے علاوہ اس کی ملی خدمت سمجھی جائے گی۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ قربانی ایک اصل الاصول ہے تمام ترقیات کا کوئی مذہب کوئی سلطنت کوئی تمدن کوئی قوم قربانیوں سے خالی نہیں،

اسی بنا پر قرآن کریم فرماتا ہے،

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا
لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا
رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَ
نْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ
فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ

(پ۱۷ - س حج - ع ۵/۱۲)

اور ہر امت کیلئے ہم نے قربانی قرار دی تھی تاکہ خدا نے جو انکو مویشی چارپائے دے رکھے ہیں قربانی کرتے وقت ان پر خدا کا نام لیں۔ سو لوگو! تم سب کا خدا وہی خدائے واحد ہے تو اسی کے فرمانبردار بنو اور اے پیغمبر! عاجزی کرنے والے بندوں کو جنت کی خوشخبری سنا دو ◆

غور کرو کائنات میں قربانی کا سلسلہ جاری و ساری ہے ہر قوم میں قربانی موجود ہے۔ قربانی کا سلسلہ بڑا ابتلا ہے۔ اس کا اسلام کے لئے قربان کیا جاتا ہے مسلمانوں کے لئے مابہ الامتیاز یہ فرمایا کہ وہ قربانی کے موقع پر اللہ کو یاد کیا کریں، اور اس بات پر غور کریں کہ کیونکر ایک جانور جس کی تم نے چند روز پرورش کی ہے یا اسکو چند روپوں سے خریدا ہے چپ چاپ اپنی گردن تمہارے آگے رکھ دیتا ہے۔ پس اسی طرح تم کو اپنی جانیں آستانۂ الوہیت پر قربان کرنے کے لئے آمادہ و مستعد رہنا چاہیئے۔

زید بن ارقم سے مروی ہے:-

قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ! ما ھذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام قالوا فما لنا فیھا یا رسول اللہ! قال بکل شعرۃ حسنۃ قالوا فالصوف؟ یا رسول اللہ! قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ رواہ احمد وابن ماجہ

اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یا رسول اللہ یہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس میں ہمارے واسطے کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے نیکی ہے صحابہ نے عرض کیا پس صوف؟ یا رسول اللہ فرمایا پشم کے ہر بال کے بدلے بھی نیکی ہے، روایت کی یہ حدیث احمد اور ابن ماجہ نے۔

قربانی ایک واقعہ کی یادگار ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح پر ہے:-

فلما بلغ معه السعی قال یٰبنیّ
انی اری فی المنام انی اذبحک
فانظر ماذا تری قال یٰابت
افعل ما تؤمر ستجدنی ان
شاء الله من الصٰبرین۔
فلما اسلما وتله للجبین
ونادینٰه ان یٰابراھیم
قد صدقت الرءیا انا کذلک
نجزی المحسنین ان ھٰذا
لھو البلٰؤا المبین وفدینٰه
بذبح عظیم وترکنا علیه
فی الاٰخرین سلٰم علٰی ابراھیم
کذٰلک نجزی المحسنین انه
من عبادنا المؤمنین
(دیکھو س الصّٰفّٰت ، ع ۷)

پھر جب لڑکا جوان ہوا۔ اور ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیمؑ نے کہا کہ بیٹا! میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے میں تم کو ذبح کر رہا ہوں پس تم بھی اپنی جگہ سوچ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا کہ ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے بے تامل اسکی تعمیل کیجیے۔ انشاء اللہ آپ مجھ کو بھی صابر ہی پائیں گے۔ پھر جب دونوں باپ بیٹے تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور باپ نے حلال کرنے کے لیے بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑا تو ہم کو ان کی فرمانبرداری نہایت ہی پسند آئی اور ہم نے ابراہیم سے پکار کر کہا کہ ابراہیم! تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ اب ہم تم کو بڑے بڑے مراتب دینگے اور نیک بندوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ دیا اور ابراہیم کے بعد آنے والی اُمتوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا کہ سارے جہان میں یہی آواز ہو رہی ہے کہ ابراہیم پر سلام ہم نیک بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بے شک کہ ابراہیم بھی ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

جب یہ واقعہ وقوع میں آیا تو اسوقت جناب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے سال کی تھی، آپ کے پاس بہت سے مویشی تھے۔ بہت سے غلام تھے۔ اور بڑھاپے کا صرف ایک ہی بیٹا تھا غور کرو ایک پیر نود و نہ سالہ کا ایک ہی بیٹا ہے اور اس کی تمام عزت و ناموری، دولت و مال جاہ و جلال بلکہ تمام امیدیں اور آرزوئیں اسی کے ساتھ وابستہ ہیں، اس سن و سال میں بلکہ طاقت طاری ہو چکی ہے۔ اور آئندہ اولاد کے ہونے کی توقع نہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ بیٹے کو قربانی میں دیدو۔ آپ نے اپنی ساری امیدیں، اور آرزوئیں قربان کر دیں۔ معاً امتثال امر باری تعالیٰ عز اسمہٗ پر آمادہ و مستعد ہو گئے، بیٹے کی سعادتمندی بھی سزاوار صد ہزار تحسین و آفرین ہے کہ جب باپ نے فرمایا بیٹا! میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے میں تم کو ذبح کر رہا ہوں پس تم بھی تو اپنی جگہ سوچ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ تو بلا تامل اور بے چون و چرا عرض کی ابا جان! اسمیں سوچنے کی کونسی بات ہے۔ جلدی کیجئے۔ اور خداوند تعالیٰ کا ارشاد بجا لائیے۔ میں بفضلہ تعالیٰ صبر کے ساتھ برداشت کروں گا۔

یہ ہے قربانی کی حقیقت۔ قربانی ہو کیسی قربانی کہ اس ایک ہی قربانی میں تمام تمیں امیدوں اور خواہشات و جذبات کی قربانی آگئی۔ اس قربانی کے بدلے میں آپکو کیا انعام ملا؟ یہ انعام ملا کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے اتنی اولاد و احفاد عطا فرمائی کہ آسمان کے تارے گنتا آسان۔ ریت کے ذرات شمار کیے جا سکتے ہیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کوئی گن نہیں سکتا، وہ صحیح تعداد کی دریافت سے مستثنیٰ ہے۔ آقائے نامدار ہماری سرکار سید المرسلین خاتم النبیین مفخر موجودات سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہوئے۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید +

ملک شام میں انسانی قربانی کا رواج تھا چنانچہ مسیحی تعلیم کی جڑ بھی یہی ہے اسی بنا پر وہ "خدا کے اکلوتے بیٹے" کی قربانی پر ایمان لاتے ہیں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک رؤیا دکھلائی کہ وہ اپنا بیٹا ذبح کر رہے ہیں۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ آپ نے بیٹے سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس امر کا اعلان کیا۔ بالآخر دونوں باپ بیٹے اسپر تیار ہو گئے پھر حسب تفہیم الٰہی بیٹے کی جگہ دنبہ ذبح کیا۔ اسطرح پر ایک راستباز کے طریق عمل سے انسانی قربانی کی بد رسم کا استیصال ہو گیا۔

عید الضحٰے کی قربانی اس واقعہ عظیم کی یاد کو تازہ کرتی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اس قربانی کی نسبت علماء کا اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت۔ لیکن جمہور علماء کا سنت موکدہ ہونے پر اتفاق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کو قربانی کرنے کا مقدور ہے تو اسے قربانی کرنی واجب ہے ورنہ نہیں۔ قرض و الیکر قربانی کی جائے تو سنت ادا ہو جائے گی، اور ثواب بھی ملے گا لیکن اگر کوئی شخص سودی قرض لے کر یا فخر و نمود کے طور پر قربانی کرے گا تو اوسکی قربانی بھی نامقبول ہوگی، اور اسکے علاوہ مستوجب عقوبت بھی ہوگا فھل من مدکر؟

قربانی کے معنی اللہ کے قرب کے حصول اور اس ہی کوشش کرنے کے ہیں اس بنا پر اگر صاحب قدرت و استطاعت گھر کے ہر فرد کی طرف سے بہ نیت ثواب و تقرب خداوندی جدا جدا قربانی کریں تو بہت اچھا ہے۔ ورنہ تمام عیال و اطفال کی طرف سے ایک قربانی بھی جائز ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی طرف سے بھی قربانی کرتے تھے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی قربانی اپنے دست مبارک

سے ذبح فرماتے تھے۔ اور ذبح سے پیشتر علاوہ دعا کے یہ بھی فرماتے کہ خداوندا اس قربانی کو میرے اور میری اس امت کی طرف سے قبول فرما جو قربانی نہیں کرسکتے۔ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی طرف سے قربانی کی۔

بہتر ہے کہ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کیا جائے۔ قربانی کا گوشت تھوڑا سا خود بھی کھائیں۔ اپنے عیال و اطفال کو بھی کھلائیں۔ دوستوں رشتہ داروں ہمسایوں محتاجوں اور مسکینوں کو بھی تقسیم کریں۔ قصاب کی اجرت میں قربانی کا گوشت یا چمڑا نہ دیں۔ لیکن اگر قصاب محتاج ہو تو علاوہ اجرت کے تھوڑا سا گوشت بہ نیت صدقہ دے سکتے ہیں۔ قربانی کا چمڑا بیچکر اس کی قیمت اپنے صرف میں لانا جائز نہیں۔ مگر خود چمڑے کو کام میں لانے کی ممانعت نہیں۔ اگر اس مد کی آمدنی قومی کاموں مساجد و مدارس کے مصارف میں صرف کیجائے تو اس میں بے حد و لاتعد فوائد عوائد ہیں۔

قربانی کا جانور ذبح کرنے کے وقت یہ ادعیہ پڑھیں:-

انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین	میں نے تو اپنا منہ یکسو ہو کر اسی ذات پاک کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں بے شک میری نماز اور میری عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے اس کا تابعدار ہوں۔

پھر بسم اللہ واللہ اکبر کہتے ہوئے گلے کے پاس سے ذبح کریں اپنی طرف سے قربانی کریں تو اللھم تقبل منی کہیں اور اگر دوسرے کی طرف سے کریں تو اللھم تقبل من فلان کہیں اور فلاں کی جگہ اسکا نام زبان سے لیں یا صرف دل ہی میں نیت کرلیں۔ اگر ادعیہ مذکورہ بالا عربی میں یاد نہ ہوں تو ان کا مطلب اپنی زبان میں ادا کرلیں۔ احادیث سے میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

دسویں ذی الحجہ نماز عید کے بعد سے لے کر بارھویں اور بعض کی رائے میں تیرھویں تاریخ کی نماز عصر تک قربانیاں کرسکتے ہیں۔ جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کرے گا وہ قربانی نہ ہوگی۔ بلکہ معمولی گوشت ہوگا جو اس نے اپنے لئے ذبح کیا۔ بکرا یا بکری۔ گائے یا بیل دو برس کے پورے ہوکر تیسرے میں لگیں تو انہیں مسنّی یعنی دو دانت کہتے ہیں۔ ان جانوروں میں اتنی عمر کا جانور قربانی کے قابل ہوتا ہے۔ مینڈھا بھیڑ اور دنبہ یہ جب ایک سال کے ہوکر دوسرے سال میں لگیں تو قربانی کے قابل ہوں گے۔ اونٹ اور اونٹنی اس وقت قربانی کے لائق ہوتے ہیں جب چھٹے برس میں لگیں۔ ایک اونٹ، ایک گائے یا ایک بھینس میں سات آدمی تک شریک ہوکر قربانی کرسکتے ہیں بشرطیکہ سب کی نیت قربانی اور ثواب کی ہو۔

لنگڑا یا کانا یا ایسا کمزور دبلا جانور جس کی ہڈی میں گودا نہ رہا ہو۔ یا بیمار یا سینگ ٹوٹا یا کان کٹا یا اندھا ہو یا اوپر نیچے سے کان چرے ہوئے ہوں یا کوئی اور عیب نظر آتا ہو۔ اور یہ عیب بخوبی ظاہر ہوں تو ان جانوروں کی قربانی نہیں ہوسکتی۔ قربانی کا جانور فربہ اور موٹا تازہ ہونا چاہیئے۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو! قربانی کے جانوروں کو خوب موٹا تازہ کرو۔ کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہونگی۔ بلاشبہ جب خدا کے نام پر قربانی کرنی ہے تو ردی اور نکمی کیوں کی جائے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ان لوگوں پر عتاب فرمایا ہے۔ جو نکمی اور ناکارہ چیز فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید	ایمان والو! جو اچھی عمدہ چیزیں تم کماؤ ان میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیں اور خراب چیز دینے کا قصد بھی نہ کرو کہ تم اسکو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو اگر تم کو کوئی ایسی چیز دے تو تم نہ لو مگر ہاں آنکھ بند کرکے اور یہ جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا (پ ۳ س البقرہ ع ۳۷)

دوسرے مقام پر ہے:-

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شیٔ فان اللہ بہ علیم (پ ۴ س آل عمران ع ۱/۱۰)	لوگو! جب تک ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جن سے تم کو محبت ہے نیکی کا درجہ ہرگز نہ پاسکو گے اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اسلامی عبادات نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کی غرض و غایت تقویٰ ہے۔ چنانچہ نماز کی نسبت ارشاد باری تعالیٰ جل جلالہٗ ہے:-

ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر	بے شک نماز بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی رہتی ہے (پ ۲۱ س العنکبوت ع ۵)

بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے محترز و مجتنب رہنا تقویٰ

کا ہی ایک شعبہ ہے۔ روزہ کی نسبت صاف حکم ہے:۔

یاایہاالذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ✦	مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا، تاکہ تم پرہیزگاری کرو ✦ (پ۲ س البقرہ ع ۲۳)

حج کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

وتزودوا فان خیر الزاد التقوی ✦	اور حج کو جانے سے پہلے زاد راہ بہم پہنچا لیا کرو بہترین زاد راہ پرہیزگاری ہے (پ۲ س البقرہ ع ۲۵)

زکوٰۃ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا	اے پیغمبر ان لوگوں کے مال سے زکوٰۃ لو کہ زکوٰۃ کے قبول کرنے سے تم انکو گناہوں سے پاک و صاف کرتے ہو اور ان کا تزکیہ نفس کرتے ہو ✦ (پ۱۱ س التوبہ ع ۱۳)

قربانی کی حقیقت اور اسکا اصلی مقصد بھی تقویٰ ہے چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:۔

لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقوی منکم ✦	اللہ تعالیٰ کو نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ خون لیکن اللہ تعالیٰ کو تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ (پ۱۷ س الحج ع ۵)

غور کرو قربانی کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اسکا گوشت و خون اللہ تعالیٰ کو پہنچتا ہے، بلکہ اس سے ان باپ بیٹوں کی فرمانبرداری کا نظارہ مقصود ہے کہ ایک نے اپنا بیٹا جس کے ساتھ اس کی تمام امیدیں اور آرزوئیں وابستہ تھیں آستانہ الوہیت پر قربان کرنے کے واسطے حاضر کر دیا اور دوسرے نے اپنی جان حاضر کی۔ قربانی کرنے کے وقت اس بات کو مدنظر رکھو کہ تمہیں بھی اپنی خواہشوں امیدوں آرزوؤں اعزازوں ناموریوں کو خدا کی فرمانبرداری پر قربان کرنا چاہیئے۔ تم ایک جانور پر جو تمہاری ملک و قبضہ میں ہے اپنی جزوی مالکیت کے حق سے چھری چلاتے ہو۔ اسی طرح تمہیں اپنے مولیٰ کے حضور جو تمہارا اسکا خالق ہے۔ اور تم پر پوری اور حقیقی مالکیت رکھتا ہے۔ اپنی تمام نفسانی خواہشوں کو اسکے احکام کے نیچے ذبح کر دینا چاہیئے۔ پس اگر قربانی کرتے ہو تو ابراہیمی قربانی کرو۔ زبان سے انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین کہتے ہو۔ تو روح بھی اسکے ساتھ متفق ہو۔ منہ سے ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین کہتے ہو تو اپنی عملی حالت سے بھی اسکا ثبوت دو جو کہتے ہو وہ کرکے بھی دکھاؤ۔ غرض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اور اسکی فرمانبرداری و اطاعت اور تعمیل حکم کیلئے ہر دم اور ہر آن ساعی و سرگرم رہنا ہی منشاء قربانی ہے۔ اور یہی اسلام کا مفہوم ہے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب ✦

(نورالدین تاجر چرم)

نماز

جلوہ ہے خاص رحمت حق کا نماز میں
انوار قدس کا ہے نظارا نماز میں

مولیٰ سے اپنے ملتا ہے بندہ نماز میں
اٹھ جاتا ہے جدائی کا پردا نماز میں

آ پہونچا خاص اپنے شہنشاہ کے حضور
جب بندہ ہاتھ باندھ کے آیا نماز میں

مولیٰ میں اور بندہ میں ہٹتا نہیں حجاب
بے پردہ ہے تجلی مولیٰ نماز میں

جب ہاتھ اور ٹھانے باندھ کے نیت تو یوں سمجھ
دونوں جہان سے ہاتھ اٹھایا نماز میں

کیا جانے تو رکوع و سجود و قعود کو
ہے کن حقیقتوں کا اشارا نماز میں

الحمد کی شروع تو ہر کلمہ کا جواب
معبود ذو الجلال سے پایا نماز میں

حمد و ثنا درود و قرأت دعا سلام
ہے جمع ہر طرح کا وظیفہ نماز میں

تن کی صفائی حق کی رضا دل کی روشنی
اے بندے خوبیاں ہیں کیا کیا نماز میں

قبلہ کر اپنے قلب کا رب کریم کو
جس طرح مونھ کا قبلہ ہے کعبہ نماز میں

کیوں دربدر پھرے وہ مدد مانگتا کہ جو
ایاک نستعین ہے پڑھتا نماز میں

پڑھ پڑھ کے تو نماز دعا صدق دل سے مانگ
مقصد وہ کیا ہے جو نہیں ملتا نماز میں

مدہوش و مست و خواب سحر میں ہے بے نماز
اور اٹھ کے آیا عاشق مولیٰ نماز میں

مت کر قضا نماز گھڑی سر پہ ہے قضا
سن مالک قضا کا تقاضا نماز میں

گر قبر کی اندھیری سے ڈرتا ہے پڑھ نماز
ہے ظلمت لحد کا اجالا نماز میں

نرمی سے کرتا ہے ملک الموت قبض جان
تلخی موت کا ہے مداوا نماز میں

یہ قبر میں انیس یہ محشر میں ہو شفیع
عقبیٰ کی راحتیں ہیں سراپا نماز میں

رکھے گا سر بلند وہ نہیں پاک بے نیاز
ہے جنکا سر نیاز سے جھکتا نماز میں

بسمل نماز کیوں نہ ہو معراج مومنین
پاتا عروج و قرب ہے بندہ نماز میں

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق و الاعمال

تہذیب النفس . تدبیر منزل . سیاست مدن

کیا میں پاگل تو نہیں ہو گیا

مندرجہ ذیل مضمون میں آجکل کے اُن تعلیم یافتہ مسلمانوں کے مایوسانہ جذبات وخیالات کا خاکہ کھینچا گیا ہے جو اپنے چاروں طرف مصائب و آلام کا ہجوم اور ذلت و رسوائی کا مدہش منظر دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں اور اضطراب و مایوسی کے عالم میں خدا تعالیٰ کو اپنی نکبت و مسکنت کا باعث قرار دیکر اُس سے گلہ و شکوہ کرنے لگتے ہیں، لیکن یہ انکی غلطی ہے۔ اور اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ ہم لوگوں نے عقاید کو من حیث العقاید اعمال پر مرجح اور اصل الاصول دین سمجھ رکھا ہے۔ اور اسلاف کے کارناموں کے گھمنڈ پر ہم اپنے تئیں مستحق مراعات قرار دینے کی عادی ہو گئے ہیں، اگر یہ غلط فہمی دلوں سے نکل جائے تو پھر اس قسم کا گلہ و شکوہ کرنے کی ضرورت نہ رہے بلکہ وجہ شکوہ ہی نابود ہو جائے ۔

(ایڈیٹر)

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

مایوسی، بے چینی، افسردگی، اور پژمردگی کا ستیاناس، مصیبت اور ادبار پر لعنت، محرومیت اور بد اقبالی خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ میں کیا بڑے بڑے دل گردے والے بھی اپنے آپ میں نہیں رہ سکتے جب چاروں طرف سے ذلت و خواری ہو رہی ہو، اور مصیبت و غم خیر مقدم کرنے والے ہوں۔ تو کون بشر ہے جو ہمت نہ ہارے۔ آخر انسان ہے۔ حوصلہ اور ہمت بھی کہاں تک کرے اسکی کوئی حد بھی تو ہونی چاہیئے۔ جب مصائب کا خاتمہ ہی نہ ہو تو حوصلہ کیا کرے اور ہمت کیا بنائے۔ خودکشی بر اصل ہے عقل اور مذہب دونوں

اسکے مخالف ہیں، مگر کبھی کسی نے خودکشی کرنے والے اور جان ایسی عزیز شے برباد دینے والے سے بھی پوچھا کہ میاں ایسا کیوں کرتے ہو۔ کیا مصیبت تھی جو جان پر کھیلنے کی ٹھانی ہے،

اگر کوئی راست گو مرنے والا راستی سے جواب دے تو سننے والوں کو یقین ہی نہ ہو۔ بلکہ ساتھ ہی افسوس بھی ہو۔ کہ دنیا میں ابنائے جنس پر اس قسم کی مصیبتیں بھی نازل ہوتی ہیں، جن میں انسان مرنے ہی کو ترجیح دیتا ہے عقل بھی، مذہب بھی، ایمان بھی، دہریہ بھی، قانون بھی، اخلاق بھی، خودکشی سے روکتے ہیں، کیونکہ اُس سے جان ہی نہیں جاتی بلکہ سوسائٹی بھی گھاٹے میں رہتی ہے لیکن جو مصیبت جو مایوسی جان دینے والے پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اوس کا دکھ کوئی دوسرا اُٹھائے تو بات ہے۔ جان ایسی عزیز محبوب شے کا یوں گنوا دینا۔ کوئی چھوٹی بات نہیں مجسٹریٹ خودکشی کے مرتکب کو بشرطیکہ وہ بد قسمتی سے بچ رہے سزا تو دیدیتا ہے لیکن کبھی اوس نے سوچا بھی کہ کن مصیبتوں اور مایوسیوں کے نرغہ میں آ کر وہ مرتا ہے یا مرنے پر تیار ہوا تھا۔

ایک مجسٹریٹ کے سامنے بجرم خودکشی ایک عورت کا چالان کیا گیا کہ وہ کوئیں میں مرنے کی نیت سے کود پڑی تھی اور فوراً ہی خبر پہنچنے پر اُسے باہر نکالا گیا۔ اب اسکی کہانی سنیئے وہ کیا کہتی ہے،

میں ضرور مرنے کے واسطے کوئیں میں کودی، بات یہ تھی کہ ایک عسرت کے سبب ۲ر کا آٹا فروخت کیا۔ ساس نے خبر پالے پہلے تو ڈانٹا اور میرے ہاتھ میں جو چاندی کے کنگن قیمتی پانچ روپیہ کے تھے وہ اتر والیئے۔ برسوں کی عمر کا اثاثہ لے دے کے یہی تھا۔ دل سے نہ رہا گیا۔ کوئی اور راہ نہ سوجھی دماغ میں فتور سا آگیا۔ ضمیر نے فتوے دیدیا کہ اس زندگی سے تو مرنا بہتر، نقصان ایسے جو نہیں آتے پھر گر خراب سو گز زمین کے بدلے بیاباں گراں نہیں دل ہی تو تھا اچھلا اور کود پڑا، مر جاتی تو جان چھٹتی۔ بچانے والوں کو اب کیا کہوں۔ آزادی کے دروازہ سے واپس بلا کر پھر دام دنیا میں پھنسا دیا

(اچھا یوں ہی سہی)
سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ ۲ روپے ۱۲ آنے اور پانچ روپیہ کے کنگن کیا قیمت اور کیا حیثیت رکھتے ہیں، لیکن مایوسی نے دل مرتکبہ پر جو کچھ نقش کر دیا تھا اوسکا اثر یہ تھا کہ لاکھوں کی جان بھی کوئی قیمت نہ رکھتی تھی۔ اگر میں بھی مایوسیوں اور ہجوم غموم و افکار کی وجہ سے اِس مرتکبہ کیطرح تھوڑی دیر کے واسطے پاگل ہو جاؤں تو تعجب ہی کیا ہے۔ آخر میں بھی تو دل اور دماغ رکھتا ہوں۔ کیا میرے دل و دماغ کا بیمہ ہو چکا ہے کہ اون پر صدمات زمانہ کا اثر نہ ہو۔ جب قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی اور بات بات پہ زمانہ تھپیڑیں لگاتا ہے تو دل و دماغ کیوں ماؤف نہ ہوں

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

آخر مصیبتوں کی کوئی حد و پایاں بھی ہو۔ کوئی تھاہ بھی ہو، مانا کہ ہم ساری دنیا سے بڑھ کر روسیاہ اور گنہ گار ہیں۔ ہم معاہدہ شکن ہیں لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ ہمارا جام گناہ کہاں تک لبریز ہوا ہے۔ اور ہمارے دیگر ابنائے جنس کی نیکیوں اور خوبیوں کا پیمانہ کیا ہے۔ باوجود ان مصیبتوں اور تکلیفوں کے اب تک ہمارے دلوں میں وہ نور یا وہ شمع جلوہ افروز ہے جسکا نام نورِ توحید یا شمع توحید ہے ہم کافر نعمت نہیں کہ اس نعمت سے منکر ہوں، لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ اِس نور کا لانے والا اور شمع توحید کا افروزندہ کون تھا۔ اگر وہ بھی ہم ہی میں سے ایک عظیم الشان اور عدیم المثیل انسان تھا۔ تو گویا ہم ہی تھے۔ کیا اوس محترم عظیم المقدرت انسان نے پتھریلے بیابان اور سنسان ملک کے حصوں میں جان جوکھوں میں ڈالکر اِس نورِ توحید کی شعاعیں اپنے دنیا پر نہیں ڈالیں۔ اور کیا اس خدمت کے بدلے اُسے ۶۳ سال کی عمر تک ہزاروں قسم کی مصائب اور آلام کا سامنا نہیں کرنا پڑا، تو ہی کہہ کیا تیرے نام کی عظمت اور شہرت پر وہ لہو سے لت پت نہیں ہو گئی تھی۔ اور کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوششیں اور جانبازیاں ایک بڑی حد تک معرض زوال میں نہیں آ چکی تھیں۔ کیا موسیٰ کے مجاہدات اور الہامات کو زندہ کرنے والا عرب کا ایک پیغمبر محترم نہیں تھا اور کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی قوم کے ہاتھوں سے وہ خدا پرست تکلیف نہیں دیا گیا۔ کیا اوس توحید پھیلانے والے نے یہودیوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات مطہر کو بیہودہ الزامات سے پاک صاف کر کے نہیں دکھایا۔ کیا عرب میں صدہا بت تیری توحید کے مقابلہ میں شدومد سے کھڑے نہیں کئے گئے تھے۔ اور کیا تیرا کعبہ عرب اور قبلہ یروشلم انبار اصنام سے پاک صاف تھا۔ کیا تیرہ سو سال تک ہم نے اسی موحد کی صف میں کھڑے ہو کر تیری ذات کا بول بالا نہیں کیا۔ کیا اب بھی ہم میں باوجود ان مصیبتوں اور غموم و ہموم کے ستر فیصدی صبح ہی صبح تیری توحید کا اعلان نہیں کرتے۔ کیا تیرے اعلان کے واسطے ہر شہر ہر قصبہ اور ہر دیہہ میں ہم نے صدہا کیا ہزاروں توحید خانے نہیں بنائے ہیں، تو دلوں کا جاننے والا ہے۔ کیا ہم تیری ذات کے پرستار اور تیری توحید کے معترف نہیں ہیں۔ بہت اچھا ہم روسیاہ ہم گنہ گار ہیں۔ بہت اچھا ہم تیری توحید بھول چکے ہیں، ہم میں بھی شرک و بدعت کی رسمیں اور خیالات آ گئے ہیں، لیکن کیا ہم اون شرک کی وادیوں اور اون دہریت کے سیڑھیوں سے بھی اوپر گزر گئے ہیں۔ جہاں تیرے نام کی عظمت تو کیا ذکر تک بھی نہیں ہوتا۔ جہاں تیرے نام لینے پر سینکڑوں پھبتیاں اڑائی جاتی ہیں، شرک و بدعت کیا تیری کبریائی اور تیری جبروت کا بھی جنازہ ہی کارخانوں میں اُتارا جاتا ہے جہاں تیری قدرتوں ہی کا خاتمہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ تیرے قادر ہونے پر بھی شک کیا جاتا ہے، اور جو لوگ تیری قدرت پر یقین رکھتے ہیں اون کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی ذلت و ادبار کا موجب یہی ہے کہ یہ ایک قادر پر یقین رکھتے ہیں۔ تو نے اپنے قرآن میں جتنے گناہ ہمیں گنوائے ہیں انکی اباحت پر اب بہت سے نمایشی فلاسفر دلایل لا رہے ہیں،

بے شک ہم میں سے بھی بہت لوگ اس حصہ میں شامل ہیں لیکن پھر بھی اوس مرد موحد کی بدولت ہم میں سے بہت سے لوگ ابھی تیرے نام لیوا اور تیرے حبیب کے چاہنے والے ہیں لیکن تو بھی تو ذرا دیکھ کہ ہمیں اس وحدت پرستی کا صلہ تیرے دربار سے کیا مل رہا ہے۔

ہم ساری دنیا میں ذلیل و خوار ہیں۔
ہماری اپنی ہی کوششیں ہمارے حق میں موجب رسوائی ہیں،
ہم خود اپنے ہی واسطے وبال جان ہیں،
ہم کچھ بھی نہیں رہے لیکن دنیا کی سنگلی نگاہوں میں اب تک ہم محسود ہیں،
جس زمین پر ہم قدم رکھتے ہیں وہی ہمیں ہضم کر جاتی ہے،
آسمان سے بجلیاں جب گرتی ہیں تو ہم پر ہی گرتی ہیں،
آسمان ہمیں ہی تند نگاہوں سے گھورتا ہے،
زمانہ ہمارے ہی ساتھ چشمک رکھتا ہے،

زمانہ کے دفتر میں ہماری نیکیاں اور ہماری خوبیاں بھی برائیاں شمار ہوتی ہیں۔

نہ ہم مرتے ہیں اور نہ جیتے۔

مسرتیں ہمارے واسطے حرام ہوگئی ہیں، اور تلخ کامیاں مباح،

ہماری خود غرضیاں اور خود کامیاں ہمیں کھائے جاتی ہیں،

ہم میں سے اخوت اڑ گئی، ساوات کا نام نہ رہا۔ ہم ایک بھائی کی ذلت پر خوش ہوتے اور عظمت و نعمت پر کڑھتے ہیں،

ہم پر اور لوگ ہی نہیں ہنستے ہم خود بھی ہنستے ہیں،

ہم ہر طرح سے آماجگاہِ لعنت ہیں،

اچھا ہم گنہگار ہی سہی لیکن تجھے ہم قادر اور غفار بھی تو مانتے ہیں ہماری خدمات کی قدر نہیں سہی اوس مرد محترم کی عظمت اور شان کے طفیل ہم تجھ سے معافی مانگتے ہیں، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا اوس کے طفیل بھی ہم پر عنایت اور شفقت نہیں ہوگی۔ جو تیرے نام کی قدر و منزلت سے بہت کچھ دور ہیں ہم میں سے جو بہترین کبریائی کے حصہ دار خدا کو کہتے ہیں اون پر تو اس قدر تیری عنایتیں ہیں کہ جس کا کوئی حد و شمار نہیں، وہ خاک پر ہاتھ ڈالیں تو سونا ہو جاوے،

اور ہم سونے پر ہاتھ رکھیں تو مٹی کا ڈھیلا بن جاوے۔ تیرا ایک خادم اقبال سچ کہتا ہے ؎

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر   برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

شکوہ اقبال کے جواب میں میں نے جوابِ شکوہ بھی دیکھا ہے تیرے سامنے جھوٹ کیوں کہوں، میری تو تسلی نہیں ہوئی۔ شاید اقبال کی ہوگئی ہو، کیا ہمارا یہ خبط برا ہے کہ ہم تیرے ہی پاس تیری شکایت اور گلہ کرتے ہیں اب تیرے سوا ہم کسی اور سے التجا لے جانے سے تو رہے کیونکہ تیری توحید کا چسکا ہمیں ایسا پڑا ہے کہ اب کسی اور در پر سر جھکاتے شرم آتی ہے۔ آخر بے اعتنائی کی کوئی حد بھی تو جانتا ہے ہم کس کے نام لیوا ہیں، تجھے معلوم ہے ہم نے کس کا دامن پکڑا ہے۔ تو جانتا ہے تو خود قرآن میں فرماتا ہے کہ:-

"جو محمد سے محبت نہیں کرتا وہ مجھ سے بھی نہیں کرتا"

تو جانتا ہے کہ ہم محمد کے نام پر کس طرح فدا ہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ ہم محمد کے خلاف کچھ بھی نہیں سن سکتے،

کیا محبانِ محمدیہ کی حالت تجھ سے پوشیدہ ہے اور کیا تو نہیں جانتا کہ ہم پر کیا کچھ گزر رہی ہے کیا تجھ سے ہماری ذلالت مخفی ہے کیا تجھے دامن محمد کی لاج نہیں۔ تو جانتا ہے ہم باوجود اس ذلت و ادبار کے بھی معتوب و محسود ہیں۔ کیا ہمارے واسطے ذلت بھی باعث حسد ہے، اور کیا ہمارا افلاس بھی ثروت اور برکت ہے، ؎

ہاں بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک   بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کیلئے

اگر تجھے محمد کے نام کی لاج نہیں تو ہم اسے تو چھوڑ نہیں سکتے۔ کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ محمد نے تیرا دامن کس مضبوطی سے پکڑا ہے۔ اور تجھ پر اوس کا کیسا بھروسہ رہا ہے۔ دیکھ تو وہ تیری خاطر عرب کی جھلتی زمینوں میں تکلیف دیا جاتا رہا اور ہر دم اوس نے تجھے ہی یاد کیا۔ کیا ہم تجھے چھوڑ کر دہریہ ہو جائیں۔ آہ تیری ذات میں اوروں کو شریک کریں، اگر صاحب آسائش اور مقاصد تمدن کا یہی گر ہے تو یوں ہی سہی۔ اگر تیری رضامندی کا اصول یہی ہے تو ہم بھی ایسا ہی کر دکھائیں گے لیکن ہم تجھ سے تو شرمندہ نہ ہوں گے کیونکہ تو غفار و ستار ہے۔ ہاں احمد کو منہ نہیں دکھا سکیں گے۔ اس شرم سے ہم تجھے چھوڑتے نہیں ورنہ جو ہماری گت بن رہی ہے، سارے دنیا میں جو ذلت ہمیں نصیب ہے وہ تو یہی چاہتی ہے کہ تیری قاہرانہ آسمانی حکومت سے باہر ہو جائیں اور تجھے دکھاویں کہ توحید کے پھیلانے والے کس حسرت واندوہ سے دربار توحید سے نکلتے ہیں، اگرچہ ہمارے ضمیر پھر بھی روگرداں نہیں ہو سکتے کیونکہ تیری وحدت کا نقش ہمارے دلوں پر قلم محمد سے لکھا جا چکا ہے۔ محمد کے قلم کا مٹنا اور مٹانا ناممکن ہے۔ اور تو بھی نہیں چاہتا کہ محمد کا لکھا ہوا مٹ جاوے، اگرچہ ہماری اپنی ہی کرتوت ہماری مصیبتوں کا موجب ہیں لیکن جب تو قادر ہے تو کیوں ہمارے دلوں اور دماغوں میں صلاحیت کا مواد پیدا نہیں کرتا،

میرا قلم یہاں تک لکھ چکا تھا کہ:-

میرے گنہگار دل سے ایک لرزتی ہوئی آواز نکلی۔ وہ کیا تھی یہ "از ماست کہ بر ماست"

ہم نے قرآن اور محمد کو چھوڑا تو یہ برے دن دیکھے لاکھ جتن کرو جب تک ہم مسلمان قرآن اور محمد کا دامن محکم نہیں پکڑیں گے تب تک امید ہو نہیں اسلام ان دونوں لفظوں میں بتا دیا ہے **قرآن میں، محمد میں** ؎

آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر اون سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

(راقم **آشفتہ**)

تعلیمِ اطفال

مولوی حکیم سید فرید احمد صاحب عباسی نے موجودہ طریقۂ تعلیم کے جن نقائص کی جانب ذیل کے مضمون میں سرسری طور پر اور مجملاً اشارہ کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کے متعلق مفصل، مدلل اور موقعتاً فوقتاً مسلسل لکھے جائیں، جن میں نہ صرف علمائے کرام کو نقائص تدریس ونصاب اور ان کے مضر نتائج سے متنبہ اور باخبر کیا جائے، بلکہ ایسی کتابوں کی تصنیف تالیف یا ترجمہ کی جانب بھی قابل اور زمانہ شناس اصحاب کو توجہ دلائی جائے، جن سے موجودہ خرابیوں کی اصلاح زمانہ حال کی ضرورتوں کے مطابق باحسن وجوہ ہوسکے ہمارے خیال میں جب تک صرف ونحو، ادب ومنطق اور فلسفہ کی کتابیں مغربی اصول پر تیار نہیں ہونگی، اور جب تک متعلق متون اور مطول شروح نصاب سے خارج نہیں ہوجائینگی، اور کتابیں معرشے نہیں چھپیں گی، عربی تعلیم یافتوں سے یہ امید رکھنی کہ وہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ چلکر اپنے قوم ومذہب کو کچھ فائدہ پہنچا سکیں گے بالکل فضول ہے۔ پنج گنج کی بجائے صرف میر۔ ایسا غوجی کی جگہ مرقات یا میر سنبدی کی بجائے ہدیہ سعدیہ رکھدینے سے کام نہیں چلیگا۔ سوال اصول اور مقصد کا ہے۔ پہلے متقدمین علم کو علم کے لیے سکھاتے تھے، اور اب متمدن اقوام میں علم عمل کے لیے سیکھا جاتا ہے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک کی غایت میں نمایش کا عنصر غالب ہے۔ اور دوسرے کی غایت میں شخصی وقومی ترقی کا۔ پس تاوقتیکہ یہ دوسرا مقصد عربی کی درسی کتب کے مصنفین اور عربی مدارس کے معلمین کے واضح طور پر پیش نظر نہ ہوگا اور اُسکے حصول کے لیئے انہی وسایل وطرق سے کام نہیں لیا جائیگا جو یورپ کے دانشمندوں نے سالہا سال کے عملی تجربہ کے بعد مقرر وتجویز کئے ہیں، محض مروجہ کتابوں میں ترمیم وتغیر کرنے سے کوئی نفع نہیں ہوسکتا۔ مولوی فرید احمد صاحب کو تعجب ہے کہ اب امام رازیؒ اور امام غزالیؒ کیوں نہیں پیدا ہوتے لیکن اسکی وجہ بالکل صاف ہے۔ متقدمین کی تعلیم وتربیت میں خارجی اثرات اور بیرونی امداد کو بہت کم دخل ہوتا تھا، ان کی ذہنی آزادی سلب نہیں کیجاتی تھی، ان کے دماغوں کو اپاہجوں کی طرح لکڑی کے سہارے پر چلا کر ان کے ذہنی قوتوں کو کمزور ومعطل نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ حواشی وشروح کے غلام نہیں تھے، اور اسلیئے ان کے دماغ وہ وہ باتیں نکالتے تھے جنکو آج بڑے بڑے شراح سمجھ بھی نہیں سکتے۔ وہ لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ انکو اپنی علمی تحقیق وتدقیق پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اس لیئے ان میں ایجادی اور اختراعی قابلیتیں موجود تھیں۔ برخلاف اسکے آج کل کے طلبائے مدارس عربیہ کی جو کیفیت ہے اس کے اظہار کے لیئے یہ شعر لکھدینا کافی ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہمان مے گویم

متقدمین علم کو علم کے لیئے پڑھتے تھے۔ مگر آجکل کے طلباء اس سے بڑھ گئے کہ وہ علم کو محض چند کتابیں پڑھانے کے لیئے پڑھتے ہیں۔ انکو شروح وحواشی کی بھول بھلیاں میں پڑکر دوسروں کی رائے کا اتباع کرنا ناگزیر ہوجاتا ہے، اور خود کبھی غور وخوض کرکے جدید نتائج مستنبط کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ان کے ذہن کی نقل وحرکت مصنف یا استاد کے قبضہ اقتدار میں ہوتی ہے کہ ایک اشارہ سے جسطرف چاہا اُسے پھیر دیا، ایسی حالت میں وہ بجز اس کے فارغ التحصیل ہوکر کسی اسلامیہ مدرسہ میں نوکری کرلیں اور اپنی طرح دس بیس نفوس اور پیدا کرلیں۔ نہ دنیا کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ دین کو۔ الغرض عربی طریقۂ تدریس اور نصاب تعلیم میں بے شمار نقائص ہیں، جن کی اصلاح کے لیئے ایک مستقل ومنضبط تبلیغی اور عملی کوشش کی ضرورت ہے۔ تبلیغی کوشش میں اُسوۂ حسنہ کے بعض قلمی معاونین بھی حصہ لے سکتے ہیں، اور انکو لینا چاہیئے، کہ اسمیں ان کی قوم کا نفع ہے۔

(ایڈیٹر)

تعلیم اطفال کا مسئلہ نہایت مہتم بالشان ہے، جو بے ترتیبی اور غفلت اور بے توجہی ہم مسلمان تعلیم اطفال میں کرتے ہیں، اسکا نتیجہ ہم خود دیکھ رہے ہیں، آخر کیا وجہ ہے کہ اب ہم میں امام فخر الدین رازیؒ امام غزالیؒ شیخ بوعلی سینا جیسے لوگ نہیں پیدا ہوتے، ہمارا جہانتک خیال ہے اس کی وجہ ابتدائی تعلیم کی خرابی ہے۔ اگر ابتدائی تعلیم ٹھیک طریقہ سے ہوتی تو اب بھی ہماری قوم میں ایسے لوگ پیدا ہوسکتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ نہیں ہوتے عربی کا نصاب تعلیم جس پر تمام علما مثل فرض کی کاربند نظر آتے ہیں،

اکی یہ حالت ہے جو میں عرض کرتا ہوں، جب بچہ چار سال چار مہینہ کی عمر کا ہوتا ہے تو بسم اللہ ہوتی ہے جسکی بڑی دھوم دھام ہوتی ہے بچے کو خوب لباس فاخرہ پہنایا جاتا ہے تمام کنبہ جمع ہوتا ہے کھانا بافراط پکتا ہے دعوت ہوتی ہے۔ اسکے بعد قاعدہ پڑھایا جاتا ہے، جو کم از کم چھ مہینہ ورنہ سال بھر میں ختم ہوتا ہے، پھر قرآن شریف شروع کیا جاتا ہے۔ اور مکتب کے ملا نذرانے اور مٹھائی کے منتظر ہو کر خوب جھگڑتے ہیں، پھر یکے بعد دیگرے سیپارے پڑھائے جاتے ہیں، غرض دو سال بلکہ اس سے زیادہ دنوں میں وہ ختم ہوتا ہے۔ اب تشریح الحروف پڑھائی جاتی ہے جسکا ایک فقرہ مجھے بھی یاد ہے کہ "چھوڑی زبان دولت کا زیان کرتی ہے" اسکے بعد اردو معمولی پڑھا کر فارسی پڑھائی جاتی ہے۔ جب فارسی کی کتابیں قریب ختم کے ہوتی ہیں۔ یا تو تعلیم کی انتہا ہو جاتی ہے ورنہ عربی پڑھائی جاتی ہے۔ اور میزان الصرف منشعب پنج گنج صرف میر، فصول اکبری پڑھا کر نحو میر۔ شرح مائتہ عامل ہدایت النحو کافیہ شافیہ شرح ملا پڑھائی جاتی ہے۔ پھر کچھ دینیات میں منیتہ المصلی قدوری ہدایہ پڑھا کر حدیث پڑھاتے ہیں آخر میں تفسیر بیضاوی کے ڈھائی پارہ پڑھا کر اور کچھ معقول کتابیں پڑھا کر فضیلت کی پگڑی باندھ دیتے ہیں، علم کلام۔ علم ادب۔ علم معانی و لغت بھی تھوڑا تھوڑا پڑھاتے ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر عربی بولنے دیکھنے اور تالیف و تصنیف اور عربی میں لکچر دینے کی خاک لیاقت نہیں ہوتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مروجہ طریقہ تعلیم بالکل مفید نہیں ہے۔ ضرور مفید ہے، مگر عملی صورت اختیار نہ کرنے سے یہ خیابان ہیں جسطرح انگریزی کے طالب علم لکھتے پڑھتے بولتے ہیں عربی کے نہیں۔ انگریزی تعلیم کی حالت یہ ہے کہ آپ تھوڑے ہی دنوں میں لڑکا خوب انگریزی بولتا، اور لکھنے لگتا ہے اور لکچر دینے لگتا ہے ہمارے یہاں فضیلت کی پگڑی بندھنے کے بعد عربی میں نہ گفتگو کر سکتا ہے نہ اچھی طرح لکھ سکتا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالاول صاحب لکھتے ہیں کہ ایک انگریز لکھنؤ میں آیا، جو عربی زبان کا ماہر تھا۔ اس نے ایک مولوی صاحب کو پڑھاتے ہوئے دیکھا اسنے عربی میں کچھ سوالات کیے۔ مولوی صاحب گھبرا کر کہنے لگے انما قرات علم الادب ولا اعلم لسان العرب۔ یعنی میں نے علم ادب نہیں پڑھا اور عربی زبان نہیں جانتا ہوں، اس نے نہایت تعجب سے دریافت کیا کہ تم دینیات کی کتابیں پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ اور جیسا تمہارا خیال ہے کہ قرآن شریف آسمانی کتاب ہے اور تم اسکی فصاحت و بلاغت کے قائل ہو پھر بغیر علم ادب کے تم کسطرح اسکی خوبیوں سے واقف ہو سکتے ہو۔ کیا قرآن شریف میں یہ نہیں ہے۔

انا انزلناہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون،	یعنے ہم نے قرآن عربی زبان میں اُتارا ہے تاکہ تم اسکو سمجھو،

افسوس ہے کہ تم قرآن شریف کو جو عربی زبان کی کتاب ہے نہیں سمجھتے جسکے سمجھنے کا حکم ہے۔ میں تم سے بات چیت کرنا اچھا نہیں سمجھتا اور نہایت افسردگی کیساتھ وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔ یہی حالت ہمارے اکثر علما کی ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے ہاں قابل لوگ نہیں پیدا ہوتے۔ خاندان رسالت کے بچے دس دس گیارہ گیارہ سال کی عمر میں عالم ہو جاتے تھے جیسے حضرت ابن عباسؓ جناب امام حسنؓ امام حسینؓ وغیرہم، اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ اہل زبان تھے، تمام لغات پر عبور ہوتا تھا۔ ہم لوگ صرف و نحو کی کتابیں رٹنے کے بعد بھی عربی زبان پر قدرت حاصل نہیں رکھتے۔ اسلیئے بڑی ضرورت ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ بچوں کو پڑھایا جائے۔ ناظرہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ایک ایک لفظ کا ترجمہ بھی پڑھیں گے تو بہت جلد عربی زبان پر حاوی ہو جائینگے۔ دوسرے وقت قواعد عربی کے پڑھائیں اس حساب سے سات برس کی عمر میں بہت سی عربی زبان کی مہارت حاصل ہو جائے گی۔ آٹھ سو لغات قرآن شریف میں ہیں باقی مکررات ہیں یہ آٹھ سو لغات یاد ہو جائیں تو سارے قرآن شریف کے ترجمہ پر عبور ہو جائے گا، پھر گرامر کے طریقہ سے مرفوعات منصوبات، مجرورات، تذکیر تانیث، حال تمیز اقسام سبعہ ابواب مطردہ وغیرہ بتلاتے ہیں عربی لکھوانے عربی بولنے کی مہارت پیدا کرائیں اور اس حساب سے بہت جلد قدرت حاصل ہو جائے گی۔ علم حدیث جو عربی زبان کی اعلےٰ درجہ کی کتابیں ہیں پڑھائیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دس سال کی عمر میں یہ سب مرحلے طے ہو سکتے ہیں۔ اور لڑکا خاصا عالم ہو سکتا ہے۔ اسکے بعد انگریزی تعلیم بہت جلد حاصل کر سکتا ہے، اگر اہل اسلام میری اس عرض پر توجہ کریں تو اب بھی ہم میں بڑے بڑے قابل لوگ پیدا ہو سکتے ہیں، ورنہ موجودہ صورت میں تو ہمارے بچے نہ خود ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ قوم کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہماری قوم میں افلاس بڑھتا جاتا ہے۔ کمانے کے طریقے ہم نہیں جانتے۔ ہمارے یہاں کے علما روپیہ کو ناپاک چیز سمجھتے ہیں، اور جب ملجاتا ہے تو نہایت احتیاط سے صندوقچے میں بحفاظت رکھا جاتا ہے۔ ہر وقت روپیہ کی مذمت کرنا

ان کا کام ہے مجبور و پیہ کمانے کا ڈھنگ نہیں جانتے اور جو لوگ اس کی
کوشش کرتے ہیں، انکو دنیا کا کتا بنایا جاتا ہے۔ اور یہ شعر پڑھ دیتے ہیں کہ

اہل دنیا چہ کہین دچہ ہسین لعنت اللہ علیہم اجمعین

ان حضرات کو اسطرف توجہ نہیں ہوتی کہ جو کچھ انہوں نے سیکھا ہے اس
سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچائیں، تالیف تصنیف کے سلسلے جاری کریں جو
تجارت کا عمدہ سلسلہ ہے۔ اسمیں دینی و دنیوی دونوں فائدے ہیں۔ ان
سے تو بس یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی اپنے تجربہ سے تعلیم اطفال
کے متعلق کوئی بات کہتا ہے تو سو حجتیں نکالتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ واہ
بچے کیا قرآن شریف کو سمجھ سکیں گے۔ یہ بغیر پورے علم صرف و علم نحو علم
معانی و علم ادب پڑھے ہوئے سمجھ ہی نہیں سکتے۔ حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے
قرآن شریف ایسا برکت کا کلام ہے کہ بچے سے لیکر بوڑھے تک اور عالم
سے لیکر علامہ تک سب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور جو لوگ نہیں
سمجھتے انکو بھی فائدہ ہوتا ہے، بچوں کو اسکا ترجمہ پڑھانے سے ان کے
دلوں میں روشنی پیدا ہوگی، اسلام کی عظمت پیدا ہوگی خدا اور رسول و
فرشتے جنت و دوزخ کے وجود پر یقین کامل ہوجائے گا جس کی ہمارے
بچوں کے لیے سخت ضرورت ہے۔ بڑی خرابی اب یہ ہوگئی ہے کہ
علما نے تو یہ کہدیا ہے کہ جب تک بہت سے علوم سے واقف نہیں
ہوگا، قرآن شریف نہیں سمجھ سکتا، اور جاہلوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ
فوراً بچوں کو اسکول میں داخل کر دیا جاتا ہے، جہاں مذہبی تعلیم کی توجہ
ہی نہیں ہوتی۔ اردو مڈل پاس کر لیا یا انگریزی میں بی۔ اے ہوگئے
مگر قرآن شریف سے ناواقف رہے۔ پس جب ہماری قوم کے جاہل و عالم
سب کی یہ حالت ہوگی تو قرآن شریف تو ہاتھ سے گیا۔ اسلیے سخت ضرورت
ہے کہ لغات قرآن شریف بچوں کو ابتدا ہی سے عبور کرایا جائے۔ تاکہ
جب یہ لیاقت پیدا کر لیں گے تو اسکی باریکیاں اور اسکی فصاحت و بلاغت
سے بخوبی واقف ہوجائیں گے۔ اور اسپر عمل کرکے خدا کے برگزیدہ بندہ
ہوجائیں گے، خود بھی عالم ہونگے، اور اپنی قوم کو بھی فائدہ پہونچائینگے
میں امید کرتا ہوں کہ ناظرین اسوۂ حسنہ میری اس تحریک پر غور سے
توجہ فرمائینگے۔ اور اپنی اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔ تاکہ ایک امر پر
فیصلہ ہوکر عموماً مسلمانوں پر زور ڈالا جائے کہ بچوں کی تعلیم نہایت اہتمام
سے ہونے لگے۔

(حکیم فرید احمد عباسی)

تلاوتِ قرآن مجید

تلاوت قرآن کریم تمام عبادات سے افضل ہے علی الخصوص نماز میں کھڑے ہوکر
جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کی عبادتوں
میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ
نے نعمت قرآن عطا فرمائی ہو اور وہ سمجھے کہ اور کسی شخص کو اس سے بہتر
کوئی چیز ملی ہے تو اس نے اس چیز کی تحقیر کی جس کی حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے توقیر
کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں کو لوہے کی طرح زنگ لگ
جاتا ہے، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ زنگ کس چیز سے دور ہوتا
ہے؟ آپ نے فرمایا قرآن شریف کے پڑھنے سے اور موت کو یاد کرنے سے
بلاشبہ تلاوت قرآن کریم کے فضائل بے شمار ہیں۔ مگر خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ
قرآن شریف سے مقصود اصلی فقط پڑھنا نہیں ہے بلکہ اسپر عمل کرنا ہے پڑھنا
یاد رکھنے کے لئے ہی اور یاد رکھنا عمل کرنے کے واسطے، جو لوگ پڑھتے ہیں، اور عمل
نہیں کرتے انکی مثل ایسی ہو جیسے کسی غلام کے پاس اسکے مالک کا نامہ آئے جس میں اس غلام کی نسبت
احکام لکھے ہوں، وہ غلام بیٹھے اور اس نامہ کو خوش آوازی سے پڑھے۔ اسکے حروف خوب
صحت کیساتھ نکالے۔ مگر جو حکم اسمیں مندرج ہوں وہ بجا نہ لائے، کیا وہ غلام مستوجب عقوبت
ہوگا؟

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مصحف مجید کھولتے تو ان پر غشی طاری ہوجاتی اور فرماتے ہٰذا
کلام ربی، غور کرو قرآن مجید کی عظمت کو کوئی شخص جان نہیں سکتا تاوقتیکہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی
عظمت کو نہ پہچانے۔ تلاوت قرآن شروع کرنے سے پہلے خداوند تعالیٰ کی عظمت کو کہ یہ اسکا
کلام ہے اپنے دل میں حاضر کرنا چاہیئے۔ حضرت عامر بن عبداللہ وساوس کا گلہ و شکوہ کرتے
تھے کسی نے پوچھا کیا دنیاوی وساوس آتے ہیں؟ فرمایا اگر میرے سینہ میں چھری ماریں تو
نماز میں دنیوی خیال لانے سے یہ مجھے بہت آسان ہے مجھے یہ خیال بہت رہا کرتا ہے کہ
قیامت کے دن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سامنے کیونکر کھڑا ہونگا؟ غور کرو سلف صالحین اس
قسم کے خیالات کو بھی وساوس میں شمار کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ جو آیت نماز میں
پڑھی جائے اسکے معنوں کے سوا اور کسی بات کا خیال دل میں نہ لانا چاہیئے، جب دوسری
بات کا خیال دل میں آیا گو کہ وہ بات دین ہی کی کیوں نہ ہو وہ بھی وسواس ہے

اللھم ارحمنی بالقرآن۔ واجعلہ لی اماما ونورا وھدی ورحمۃ۔ اللھم ذکرنی
منہ ما نسیت۔ وعلمنی منہ ما جھلت۔ وارزقنی تلاوتہ اٰناء اللیل واطراف
النھار۔ واجعلہ لی حجۃ یا رب العٰلمین۔ اللھم انفعنی وارفعنی بالقرآن العظیم

[illegible] انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت الغفور الرحیم وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین

سے ذبح فرماتے تھے۔ اور ذبح سے پیشتر علاوہ دعا کے یہ بھی فرماتے کہ خداوندا اس قربانی کو میرے اور میری اس امت کی طرف سے قبول فرما جو قربانی نہیں کر سکتے۔ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی طرف سے قربانی کی۔

بہتر ہے کہ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کیا جائے۔ قربانی کا گوشت تھوڑا سا خود بھی کھائیں۔ اپنے عیال و اطفال کو بھی کھلائیں۔ دوستوں رشتہ داروں ہمسایوں محتاجوں اور مسکینوں کو بھی تقسیم کریں۔ قصاب کی اجرت میں قربانی کا گوشت یا چمڑا نہ دیں۔ لیکن اگر قصاب محتاج ہو۔ تو علاوہ اجرت کے تھوڑا سا گوشت بہ نیت صدقہ دے سکتے ہیں۔ قربانی کا چمڑا بیچکر اس کی قیمت اپنے صرف میں لانا جائز نہیں۔ مگر خود چمڑے کو کام میں لانے کی ممانعت نہیں۔ اگر اس مد کی آمدنی قومی کاموں مساجد و مدارس کے مصارف میں صرف کیجائے تو اس میں بے حد و لا تعد فوائد متصور ہیں۔

قربانی کا جانور ذبح کرنے کے وقت یہ ادعیہ پڑھیں:-

انی وجہت وجہی للذی	میں نے تو ایک ہی کا ہو کے اپنا رخ اس ذات پاک
فطر السموات والارض	کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا
حنیفا وما انا من المشرکین	اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں بے شک
ان صلاتی ونسکی ومحیای	میری نماز اور میری عبادت اور میری قربانی اور میرا
ومماتی للہ رب العلمین	جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے
لا شریک لہ وبذلک	جہان کا پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو
امرت وانا اول المسلمین	یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے اس کا تابعدار ہوں۔

پھر بسم اللہ واللہ اکبر کہتے ہوئے گلے کے پاس سے ذبح کریں اپنی طرف سے قربانی کریں تو اللھم تقبل منی کہیں اور اگر دوسرے کی طرف سے کریں تو اللھم تقبل من فلان کہیں اور فلاں کی جگہ اسکا نام زبان سے لیں۔ یا صرف دل ہی میں نیت کر لیں۔ اگر ادعیہ مذکورہ بالا عربی میں یاد نہ ہوں تو ان کا مطلب اپنی زبان میں ادا کر لیں۔ احادیث سے میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

دسویں ذی الحجہ نماز عید کے بعد سے بارہویں اور بعض کی رائے میں تیرہویں تاریخ کی نماز عصر تک قربانیاں کر سکتے ہیں۔ جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کرے گا وہ قربانی نہ ہوگی۔ بلکہ معمولی گوشت ہوگا جو اس نے اپنے لیے ذبح کیا۔ بکرا یا بکری، گائے یا بیل دو برس کے پورے ہو کر تیسرے میں لگیں تو انہیں مسنی یعنی دو دانت کہتے ہیں۔ ان جانوروں میں اتنی عمر کا جانور قربانی کے قابل ہوتا ہے۔ مینڈھا بھیڑ اور دنبہ یہ جب ایک سال کے ہو کر دوسرے سال میں لگیں تو قربانی کے قابل ہوں گے۔ اونٹ اور اونٹنی اس وقت قربانی کے لائق ہوتے ہیں جب چھٹے برس میں لگیں، ایک اونٹ، ایک گائے یا ایک بھینس میں سات آدمی تک شریک ہو کر قربانی کر سکتے ہیں بشرطیکہ سب کی نیت قربانی اور ثواب کی ہو۔

لنگڑا، اپاہج، کانا، ایسا کمزور لاغر جانور جس کی ہڈی میں گودا نہ رہا ہو۔ یا بیمار یا سینگ ٹوٹا یا کان کٹا یا اندھا ہو۔ یا اوپر نیچے سے کان چرے ہوئے ہوں یا کم نظر آتا ہو۔ اور یہ عیب بخوبی ظاہر ہوں تو ان جانوروں کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ قربانی کا جانور فربہ اور موٹا تازہ ہونا چاہیئے۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو! قربانی کے جانوروں کو خوب موٹا تازہ کرو۔ کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہونگی، بلاشبہ جب خدا کے نام پر قربانی کرنی ہے تو ردی اور نکمی کیوں کی جائے؟ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ان لوگوں پر عتاب فرمایا ہے۔ جو نکمی اور ناکارہ چیز فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

یا ایہا الذین آمنوا انفقوا	ایمان والو! جو اپنی عمدہ چیزیں تم کماؤ ان میں سے
من طیبت ما کسبتم و	خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے
مما اخرجنا لکم من الارض	تمہارے لیے زمین سے پیدا کیں اور خراب
ولا تیمموا الخبیث منہ	چیز دینے کا قصد بھی نہ کرو تم اسکو اللہ کی راہ
تنفقون ولستم باخذیہ	میں خرچ کرتے ہو اگر تم کو کوئی ایسی چیز دے تو تم
الا ان تغمضوا فیہ و	نہ لو مگر ہاں آنکھ بند کر کے اور یہ جان رکھو کہ اللہ
اعلموا ان اللہ غنی حمید	بے پروا ہے خوبیوں والا (پ ۳ س البقرہ ع ۳۷)

دوسرے مقام پر ہے:-

لن تنالوا البر حتی تنفقوا	لوگو! جب تک ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جن
مما تحبون وما تنفقوا من	سے تم کو محبت ہے نیکی کا درجہ ہرگز نہ پا سکو گے
شیء فان اللہ بہ علیم	اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اسکو معلوم
(پ ۴ س آل عمران ع ۱)	ہے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اسلامی عبادات نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ کی غرض و غایت تقویٰ ہے۔ چنانچہ نماز کی نسبت ارشاد باری تعالیٰ جل جلالہٗ ہے:-

ان الصلوۃ تنھی عن	بے شک نماز بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ
الفحشاء والمنکر	حرکتوں سے روکتی رہتی ہے (پ ۲۱ س العنکبوت ع ۵)

بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے محترز و مجتنب رہنا تقویٰ

کا ہی ایک شعبہ ہے۔ روزہ کی نسبت صاف حکم ہے:۔

یاایھاالذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ٭

مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا، تاکہ تم پرہیزگاری کرو ٭

(پ۲ س البقرہ ع ۲۳)

حج کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

وتزودوا فان خیر الزاد التقوی ٭

اور حج کو جانے سے پہلے زاد راہ بہم پہنچا لو کہ بہترین زاد راہ پرہیزگاری ہے (پ۲ س البقرہ ع ۲۵)

زکوٰۃ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا (پ۱۱ س التوبہ ع ۱۳)

اے پیغمبر ان لوگوں کے مال سے زکوٰۃ لو کہ زکوٰۃ کے قبول کرنے سے تم انکو گناہوں سے پاک و صاف کرتے ہو۔ اور ان کا تزکیۂ نفس کرتے ہو ٭

قربانی کی حقیقت اور اسکا اصلی مقصد بھی تقویٰ ہے چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:۔

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم ٭

اللہ تعالیٰ کو نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ خون لیکن اللہ تعالیٰ کو تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ (پ۱۷ س الحج ع ۵)

غور کرو قربانی کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اسکا گوشت و خون اللہ تعالیٰ کو پہنچتا ہے، بلکہ اس سے ان باپ بیٹوں کی فرمانبرداری کا نظارہ مقصود ہے کہ ایک نے اپنا بیٹا جس کے ساتھ اس کی تمام امیدیں اور آرزوئیں وابستہ تھیں آستانہ الوہیت پر قربان کرنے کے واسطے حاضر کر دیا اور دوسرے نے اپنی جان حاضر کی۔ قربانی کرنے کے وقت اِس بات کو مدنظر رکھو کہ تمہیں بھی اپنی خواہشوں امیدوں آرزوؤں اعزازوں ناموریوں کو خدا کی فرمانبرداری پر قربان کرنا چاہیئے۔ تم ایک جانور پر جو تمہاری ملک و قبضہ میں ہے اپنی تیزی طبیعت کے حق سے چھری چلاتے ہو۔ اسی طرح تمہیں اپنے مولیٰ کے حضور جو تمہارا سچا خالق ہے۔ اور تم پر پوری اور حقیقی مالکیت رکھتا ہے۔ اپنی تمام نفسانی خواہشوں کو اسکے احکام کے نیچے ذبح کر دینا چاہیئے۔ پس اگر قربانی کرتے ہو تو ابراہیمی قربانی کرو۔ زبان سے انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین کہتے ہو، تو روح بھی اسکے ساتھ متفق ہو۔ منہ سے ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین کہتے ہو تو اپنی عملی حالت سے بھی اسکا ثبوت دو جو کہتے ہو وہ کر کے بھی دکھاؤ۔ غرض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اور اسکی فرمانبرداری و اطاعت اور تعمیل حکم کے لیئے ہر دم اور ہر آن ساعی و سرگرم رہنا ہی منشائے قربانی ہے۔ اور یہی اسلام کا مفہوم ہے۔ فتدبروا یا اولی الالباب ٭

(نور الدین تاجر چرم)

نماز

جلوہ ہے خاص رحمت حق کا نماز میں
انوار قدس کا ہے نظارا نماز میں

مولیٰ سے اپنے ملتا ہے بندہ نماز میں
اٹھ جاتا ہے جدائی کا پردا نماز میں

آپہونچا خاص اپنے شہنشاہ کے حضور
جب بندہ ہاتھ باندھ کے آیا نماز میں

مولیٰ میں اور بندہ میں رہتا نہیں حجاب
بے پردہ ہے تجلی مولیٰ نماز میں

جب ہاتھ اور مونہہ باندھ کے نیت تو یوں سمجھ
دونوں جہان سے ہاتھ اٹھایا نماز میں

کیا بات تو رکوع و سجود و قعود کو
ہے کن حقیقتوں کا اشارا نماز میں

سمجھو کی شرع تو ہر کلمہ کا جواب
معبود ذوالجلال سے پایا نماز میں

حمد و ثنا و درود و قرأت دعا سلام
ہے جمع ہر طرح کا وظیفہ نماز میں

تن کی صفائی حق کی رضا دل کی روشنی
اے بندے خوبیاں نہیں کیا کیا نماز میں

قبلہ کر اپنے قلب کا رب کریم کو
جس طرح مونہہ کا قبلہ ہے کعبہ نماز میں

کیوں دربدر پھرے وہ مدد مانگتا کہ جو
ایاک نستعین ہے پڑھتا نماز میں

پڑھ پڑھ کے تو نماز دعا صدق دل سے مانگ
مقصد وہ کیا ہے جو نہیں ملتا نماز میں

مدہوش و مست و خواب سحر میں ہے بے نماز
اور اٹھ کے آیا عاشق مولیٰ نماز میں

مت کر قضا نماز گھڑی سر پہ ہے قضا
سن مالک قضا کا تقاضا نماز میں

گر قبر کی اندھیری سے ڈرتا ہے پڑھ نماز
ہے ظلمت لحد کا اجالا نماز میں

نرمی سے کرتا ہے ملک الموت قبض جان
تلخی موت کا ہے مداوا نماز میں

یہ قبر میں انیس یہ محشر میں ہو شفیع
جنت کی راحتیں ہیں سراپا نماز میں

رکھے گا سر بلند وہ نہیں پاک بے نیاز
ہے جنکا سر نیاز سے جھکتا نماز میں

بسمل نماز کیوں نہ ہو معراج مومنین
پاتا عروج و قرب ہے بندہ نماز میں

مولانا [illegible] کا نعرہ [illegible] ہم [illegible]

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ
ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق و الاعمال

تہذیب النفس ۔ تدبیر منزل ۔ سیاست مدن

کیا میں پاگل تو نہیں ہو گیا

مندرجہ ذیل مضمون میں آجکل کے اُن تعلیم یافتہ مسلمانوں کے یاس آمیز جذبات وخیالات کا خاکہ کھینچا گیا ہے جو اپنے چاروں طرف مصائب وآلام کا ہجوم اور ذلت و رسوائی کا دہشت منظر دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں اور اضطراب و یاس کے عالم میں خدا تعالیٰ کو اپنی نکبت و مسکنت کا باعث قرار دیکر اُس سے گلہ و شکوہ کرنے لگتے ہیں لیکن یہ انکی غلطی ہے۔ اور اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ ہم لوگوں نے عقاید کو من حیث العقاید اعمال پر ترجیح اور اصل الاصول دین سمجھ رکھا ہے۔ اور اسلاف کے کارناموں کے گھمنڈ پر ہم اپنے تئیں مستحق مراعات قرار دینے کی عادی ہو گئے ہیں۔ اگر یہ غلط فہمی دلوں سے نکل جائے تو پھر اس قسم کا گلہ و شکوہ کرنے کی ضرورت نہ ہے بلکہ وجہ شکوہ بھی نابود ہو جائے۔

(ایڈیٹر)

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

مایوسی، بے چینی، افسردگی، اور پژمردگی کا ستیاناس، مصیبت اور ادبار پر لعنت، محرومیت اور بداقبالی خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ میں کیا بڑے بڑے دل گردے والے بھی اپنے آپ میں نہیں رہ سکتے۔ جب چاروں طرف سے ذلت وخواری رو نما، اور مصیبت وغم خیر مقدم کرنے والے ہوں۔ تو کون بشر ہے جو ہمت نہ ہارے آخر انسان ہے۔ حوصلہ اور ہمت بھی کہاں تک کرے اسکی کوئی حد بھی تو ہونی چاہیے۔ جب مصائب کا خاتمہ ہی نہ ہو تو حوصلہ کیا کرے اور ہمت کیا بنائے۔ خودکشی برا فعل ہے عقل اور مذہب دونوں اسکے مخالف ہیں، مگر کبھی کسی نے خودکشی کرنے والے اور جان ایسی عزیز شے برباد دینے والے سے بھی پوچھا کہ میاں ایسا کیوں کرتے ہو۔ کیا مصیبت تھی جو جان پر کھیلنے کی ٹھانی ہے،

اگر کوئی راست گو مرنے والا راستی سے جواب دے تو سننے والوں کو یقین ہی نہ ہو۔ بلکہ ساتھ ہی افسوس بھی ہو۔ کہ دنیا میں ابنائے جنس پر اس قسم کی مصیبتیں بھی نازل ہوتی ہیں، جن میں انسان مرنے ہی کو ترجیح دیتا ہے عقل بھی، مذہب بھی، ایمان بھی، دہرم بھی، قانون بھی، اخلاق بھی، خودکشی سے روکتے ہیں، کیونکہ اُس سے جان ہی نہیں جاتی بلکہ سوسائٹی بھی گھاٹے میں رہتی ہے لیکن جو مصیبت، جو مایوسی جان دینے والے پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اوس کا دکھ کوئی دوسرا اُٹھائے تو بات ہے۔ جان ایسی عزیز محبوب شے کا یوں گنوا دینا۔ کوئی چھوٹی بات نہیں مجسٹریٹ خودکشی کے مرتکب کو بشرطیکہ وہ بدقسمتی سے بچ رہے سزا تو دیدیتا ہے لیکن کبھی اوس نے سوچا بھی کہ کن مصیبتوں اور مایوسیوں کے نرغہ میں آکر وہ مرتا ہے یا مرنے پر تیار ہوا تھا،

ایک مجسٹریٹ کے سامنے بجرم خودکشی ایک عورت کا چالان کیا گیا کہ وہ کوئیں میں مرنے کی نیت سے کود پڑی تھی اور فوراً ہی خبر پہنچنے پر اُسے باہر نکالا گیا۔ اب اسکی کہانی سنیئے وہ کیا کہتی ہے،

میں ضرور مرنے کے واسطے کوئیں میں کودی، بات یہ تھی کہ ایک ضرورت کے سبب ۲ ر کا آٹا قرض لیا۔ ساس نے خبر پاتے ہی مجھے ڈانٹا اور میرے ہاتھ میں جو چاندی کے کنگن قیمتی پانچ روپیہ کے تھے وہ اتروا لیئے۔ بس ساری عمر کا اثاثہ دے کے یہی تھا۔ دل سے نہ رہا گیا۔ کوئی اور راہ نہ سوجھی دماغ میں فتور سا آگیا۔ ضمیر نے فتوے دیدیا کہ اس زندگی سے تو مرنا بہتر۔ نقصان کچھ نہیں جو مٹیں بلا سے ہوگر خراب سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں دل ہی تو تھا اچھلا اور کود پڑا، مرجاتی تو جان چھٹتی۔ بچانے والوں کو اب کیا کہوں۔ آزادی کے دروازہ سے واپس بلا کر پھر دام دنیا میں پھنسا

(اچھایوں بھی سہی)

سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ ۲ روپیہ آٹھ آنا اور پانچ روپیئے تنگن کیا قیمت اور کیا حیثیت رکھتے ہیں، لیکن مایوسی نے دل مضطرب پر جو کچھ نقش کر دیا تھا اوسکا اثر یہ تھا کہ لاکھوں کی جان بھی کوئی قیمت نہ رکھتی تھی۔ اگر میں بھی مایوسیوں اور ہجوم غموم و افکار کی وجہ سے اس مضطرب کی طرح تھوڑی دیر کے واسطے پاگل ہو جاؤں تو تعجب ہی کیا ہے۔ آخر میں بھی تو دل اور دماغ رکھتا ہوں۔ کیا میرے دل و دماغ کا بیمہ ہو چکا ہے کہ اون پر صدمات زمانہ کا اثر نہ ہو۔ جب قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی اور بات بات پر زمانہ تھپیڑیں لگاتا ہے تو دل و دماغ کیوں ماؤف نہ ہوں

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

آخر مصیبتوں کی کوئی حد و پایاں بھی ہو۔ کوئی تھاہ بھی ہو، مانا کہ ہم ساری دنیا سے بڑھ کر روسیاہ اور گنہگار ہیں۔ ہم معاہد و شکن ہیں لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہئیے کہ ہمارا جام گناہ کہاں تک لبریز ہوا ہے۔ اور ہمارے دیگر ابنائے جنس کی نیکیوں اور خوبیوں کا پیمانہ کیا ہے۔ باوجود ان مصیبتوں اور تکلیفوں کے ابتک ہمارے دلوں میں وہ نور یا وہ شمع جلوہ افروز ہے جسکا نام نور توحید یا شمع توحید ہے ہم کافر نعمت نہیں کہ اس نعمت سے منکر ہوں، لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ اس نور کا لانے والا اور شمع توحید کا افروزندہ کون تھا اگر وہ بھی ہم ہی میں سے ایک عظیم الشان اور عدیم المثیل انسان تھا۔ تو گویا ہم ہی تھے۔ کیا اوس محترم عظیم المقدرت انسان نے پتھر یلے بیابان اور ریگستان ملک کے حصوں میں جان جوکھوں میں ڈالکر اس نور توحید کی شعاعیں اتصائے دنیا پر نہیں ڈالیں، اور کیا اس خدمت کے بدلے اسے ۶۳ سال کی عمر تک ہزاروں قسم کی مصائب اور آلام کا سامنا نہیں کرنا پڑا، تو ہی کہہ کیا تیرے نام کی عظمت اور شہرت ہمیشہ کیلئے لت پت نہیں ہو گئی تھی۔ اور کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوششیں اور جانکاہیاں ایک بڑی حد تک معرض زوال میں نہیں آ چکی تھیں کیا سو برس کے مجاہدات اور الہامات کو زندہ کرنے والا عرب کا ایک پیغمبر محترم نہیں تھا اور کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی قوم کے ہاتھوں سے وہ خدا پرست تکلیف نہیں دیا گیا۔ کیا اوس توحید پھیلانے والے نے یہودیوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات مطہر کو بیہودہ الزامات سے پاک صاف کر کے نہیں دکھایا۔ کیا سو برس صد ہا بت تیری توحید کے مقابلہ میں شد و مد سے کھڑے نہیں کئے گئے تھے۔ اور کیا تیرا کعبہ جو عرب کا قبلہ تھا ظلم اثار اصنام سے پاک صاف تھا کیا تیرہ سو سال تک ہم نے اسی موحد کی صف میں کھڑے ہو کر تیری ذات کا بول بالا نہیں کیا۔ کیا اب بھی ہم میں باوجود ان مصیبتوں اور غموم و ہموم کے ستر فیصدی صبح ہی صبح تیری توحید کا اعلان نہیں کرتے۔ کیا تیرے اعلان کے واسطے ہر شہر ہر قصبہ اور ہر دیہہ میں ہم نے صد ہا کیا ہزار ہا توحید خانے نہیں بنائے ہیں، تو دلوں کا جاننے والا ہے۔ کیا ہم تیری ذات کے پرستار اور تیری توحید کے معترف نہیں ہیں۔ بہت اچھا ہم روسیاہ ہم گنہگار ہیں۔ بہت اچھا ہم تیری توحید بھول چلے ہیں، ہم میں بھی شرک و بدعت کی رسمیں اور خیالات آ گئے ہیں، لیکن کیا ہم اون شرک کی عادیوں اور اون دہریت کے سیر ہیوں سے بھی اوپر گذر گئے ہیں۔ جہاں تیرے نام کی عظمت تو کیا ذکر تک بھی نہیں ہوتا۔ جہاں تیرے نام لینے پر سینکڑوں پھبتیاں اڑائی جاتی ہیں، شرک و بدعت کیا تیری کبریائی اور تیری جبروت کا بھی جہاں اون ہی کارخانوں میں اتارا جاتا ہے جہاں تیری قدرتوں ہی کا خاتمہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ تیرے قادر ہونے پر بھی شک کیا جاتا ہے، اور جو لوگ تیری قدرت پر یقین رکھتے ہیں اون کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی ذلت و ادبار کا موجب یہی ہے کہ یہ ایک قادر پر یقین رکھتے ہیں۔ تو نے اپنے قرآن میں جتنے گناہ گنوائے ہیں اونکی اباحت پر اب بہت سے نمایشی فلاسفر دلایل لا رہے ہیں،

بے شک ہم میں سے بھی بہت لوگ اس جتھہ میں شامل ہیں لیکن پھر بھی اوس سرو موحد کی بدولت ہم میں سے بہت سے لوگ ابھی تیرے نام لیوا اور تیرے حبیب کے چاہنے والے ہیں لیکن تو بھی تو ذرا دیکھ کہ ہمیں اس وحدت پرستی کا صلہ تیرے دربار سے کیا مل رہا ہے۔

ہم ساری دنیا میں ذلیل اور خوار ہیں۔
ہماری اپنی ہی کوششیں ہمارے حق میں موجب رسوائی ہیں،
ہم خود اپنے ہی واسطے وبال جان ہیں،
ہم کچھ بھی نہیں رہے لیکن دنیا کی نظروں میں کھٹکتے ہیں اب تک ہم محسود ہیں،
جس زمین پر ہم قدم رکھتے ہیں وہی ہمیں ہضم کر جاتی ہے،
آسمان سے بجلیاں جب گرتی ہیں تو ہم پر ہی گرتی ہیں،
آسمان ہمیں ہی تند نگاہوں سے گھورتا ہے،
زمانہ ہمارے ہی ساتھ چشمک رکھتا ہے،

زمانہ کے دفتر میں ہماری نیکیاں اور ہماری خوبیاں بھی برائیاں شمار ہوتی ہیں۔

نہ ہم مرتے ہیں اور نہ جیتے۔

مسرتیں ہمارے واسطے حرام ہوگئی ہیں، اور تلخ کامیاں مباح،

ہماری خود غرضیاں اور خود کامیاں ہمیں کھائے جاتی ہیں،

ہم میں سے اخوت اڑ گئی، ساوات کا نام نہ رہا ہم ایک بھائی کی ذلت پر خوش ہوتے اور عظمت و نعمت پر کڑھتے ہیں،

ہم پر اور لوگ ہی نہیں ہنستے ہم خود بھی ہنستے ہیں،

ہم ہر طرح سے آماجگاہِ لعنت ہیں،

اچھا ہم گنہ گار ہی سہی لیکن تجھے ہم قادر اور غفار بھی تو مانتے ہیں ہماری خدمات کی قدر نہیں سہی اوس مردِ محترم کی عظمت اور شان کے طفیل ہم تجھ سے معافی مانگتے ہیں۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا اوس کے طفیل بھی ہم پر عنایت اور شفقت نہیں ہوگی۔ جو تیرے نام کی قدر و منزلت سے بہت کچھ بڑھ رہیں ہم میں سے جو بہترین کبریائی کے حصہ دار خدا کو کہتے ہیں اون پر تو اس قدر تیری عنایتیں ہیں کہ جن کا کوئی حد و شمار نہیں، وہ خاک پر ہاتھ ڈالیں تو سونا ہو جاوے،

اور ہم سونے پر ہاتھ رکھیں تو مٹی کا ڈھیلا بن جاوے۔ تیرا ایک خادم اقبال سچ کہتا ہے ؎

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر   برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

شکوہ اقبال کے جواب میں میں نے جواب شکوہ بھی دیکھا ہے تیرے سامنے جھوٹ کیوں کہوں، میری تو تسلی نہیں ہوئی۔ شاید اقبال کی ہوگئی ہو، کیا ہمارا یہ خبط برا ہے کہ ہم تیرے ہی پاس تیری شکایت اور گلہ کرتے ہیں اب تیرے سوا ہم کسی اور سے التجائیں جانے سے تو رہے کیونکہ تیری توحید کا چسکا ہمیں ایسا پڑا ہے کہ اب کسی اور در پر سر جھکاتے شرم آتی ہے۔ آخر بے اعتنائی کی کوئی حد بھی تو جانتا ہے ہم کس کے نام لیوا ہیں، تجھے معلوم ہے ہم نے کس کا دامن پکڑا ہے۔ تو جانتا ہے تو خود قرآن میں فرماتا ہے کہ:۔

"جو محمد سے محبت نہیں کرتا وہ مجھ سے بھی نہیں کرتا"

تو جانتا ہے کہ ہم محمد کے نام پر کس طرح فدا ہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ ہم محمد کے خلاف کچھ بھی نہیں سن سکتے،

کیا محبانِ محمدیہ کی حالت تجھ سے پوشیدہ ہے اور کیا تو نہیں جانتا کہ ہم پر کیا کچھ گزر رہی ہے کیا تجھ سے ہماری ذلالت مخفی ہے کیا تجھے دامن محمد کی لاج نہیں۔ تو جانتا ہے ہم باوجود اس ذلت و ادبار کے بھی معتوب و محسود ہیں۔ کیا ہمارے واسطے ذلت بھی جائے حسد ہے، اور کیا ہمارا افلاس بھی ثروت اور برکت ہے، ؎

ما بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک   بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کیلئے

اگر تجھے محمد کے نام کی لاج نہیں تو ہم اسے تو چھوڑ نہیں سکتے۔ کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ محمد نے تیرا دامن کس مضبوطی سے پکڑا ہے۔ اور تجھ پر اوس کا کیسا بھروسہ رہا ہے۔ دیکھ تو وہ تیری خاطر عرب کی تپتی ہوئی زمینوں میں تکلیف دیا جاتا رہا، اور ہر دم اوس نے تجھے ہی یاد کیا۔ کیا ہم تجھے چھوڑ کر دہریہ ہو جائیں۔ آہ تیری ذات میں اوروں کو شریک کریں۔ اگر منصب آسائش اور مقاصد تمدن کا یہی گر ہے تو یوں ہی سہی۔ اگر تیری رضامندی کا اصول یہی ہے تو ہم بھی ایسا ہی کر دکھائیں گے لیکن ہم تجھ سے تو شرمندہ نہ ہوں گے کیونکہ تو غفار و ستار ہے۔ ہاں احمد کو منہ نہیں دکھا سکیں گے۔ اس شرم سے ہم تجھے چھوڑتے نہیں ورنہ جو ہماری گت بن رہی ہے، ساری دنیا میں جو ذلت ہمیں نصیب ہے وہ تو یہی چاہتی ہے کہ تیری قاہرانہ آسمانی حکومت سے باہر ہو جائیں اور تجھے دکھاویں کہ توحید کے پھیلانے والے کس حسرت و اندوہ سے دربار توحید سے نکلتے ہیں، اگرچہ ہمارے ضمیر پھر بھی روگرداں نہیں ہونگے کیونکہ تیری وحدت کا نقش ہمارے دلوں پر قلم محمد سے لکھا جا چکا ہے۔ محمد کے قلم کا لکھا اور مٹنا ناممکن ہے۔ اور تو بھی نہیں چاہتا کہ محمد کا لکھا ہوا مٹ جاوے،

اگرچہ ہماری اپنی ہی کرتوت ہماری مصیبتوں کا موجب ہیں لیکن جب تو قادر ہے تو کیوں ہمارے دلوں اور دماغوں میں صلاحیت کا مواد پیدا نہیں کرتا،

میرا قلم یہاں تک لکھ چکا تھا کہ:۔

میرے گنہ گار دل سے ایک لرزتی ہوئی آواز نکلی۔ وہ کیا تھی یہ "از ماست کہ بر ماست"

ہم نے قرآن اور محمد کو چھوڑا تو یہ برے دن دیکھے لاکھ جتن کرو جب تک ہم مسلمان قرآن اور محمد کا دامن محکم نہیں پکڑیں گے تب تک بہبود نہیں اسلام ان دونوں لفظوں میں ستایا ہے **قرآن میں۔ محمد میں** ؎

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اون سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

(راقم **آشفتہ**)

تعلیم اطفال

مولوی حکیم سید فرید احمد صاحب عباسی نے موجودہ طریقہ تعلیم کے جن نقائص کی جانب ذیل کے مضمون میں سرسری طور پر اور مجملاً اشارہ کیا ہے، ضرورت ہے کہ ان کے متعلق مفصل، مدلل اور موثر مضامین مسلسل لکھے جائیں، جن میں نہ صرف علمائے کرام کو نقائص تدریس و نصاب اور ان کے مضر نتائج سے متنبہ اور باخبر کیا جائے، بلکہ ایسی کتابوں کی تصنیف تالیف یا ترجمہ کی جانب بھی قابل اور زمانہ شناس اصحاب کو توجہ دلائی جائے، جن سے موجودہ خرابیوں کی اصلاح زمانہ حال کی ضرورتوں کے مطابق باحسن وجوہ ہو سکے ہمارے خیال میں جب تک صرف و نحو، ادب و منطق اور فلسفہ کی کتابیں مغربی اصول پر تیار نہیں ہونگی، اور جب تک غلط متون اور مطول شروح نصاب سے خارج نہیں کیجائینگی، اور کتابیں مغربی نہیں چھپینگی، عربی تعلیم نہ فنون سے یا سید ارتقی کہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ چلکر اپنے قوم و مذہب کو کچھ فائدہ پہنچا سکینگے بالکل فضول ہے۔ **پنج گنج کی بجائے صرف میر۔ ایسا غوجی کی جگہ مرقات یا میر سنبدی کی بجائے ہدیہ سعدیہ** کہدینے سے کام نہیں چلیگا سوال اصول و مقصد کا ہے۔ پہلے متعلمین علم کو علم کے لیئے سیکھاتے تھے، اور اب متمدن اقوام میں علم آمدنی کے لیئے سیکھا جاتا ہے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک کی غایت میں نمائش کا عنصر غالب ہے، اور دوسرے کی غایت میں شخصی و قومی ترقی کا۔ پس جبتک یہ دوسرا مقصد عربی کی درسی کتب کے مصنفین اور عربی مدارس کے معلمین کے واضح طور پر پیش نظر نہو گا اور اسکے حصول کے لیئے انہی وسایل و طرق سے کام نہیں لیا جائیگا جو یورپ کے دانشمندوں نے سالہا سال کے عملی تجربہ کے بعد مقرر و تجویز کئے ہیں، محض مروجہ کتابوں میں ترمیم و تغیر کرنے سے کوئی نفع نہیں ہوسکتا۔ مولوی فرید احمد صاحب کو تعجب ہے کہ اب امام رازیؒ اور امام غزالیؒ کیوں نہیں پیدا ہوتے لیکن اسکی وجہ بالکل صاف ہے۔ متقدمین کی تعلیم و تربیت میں خارجی اثرات اور بیرونی امداد کو بہت کم دخل ہوتا تھا، ان کی ذہنی آزادی سلب نہیں کیجاتی تھی، ان کے دماغوں کو اپاہجوں کی طرح لکڑی کے سہارے پر چلاکر ان کے ذہنی قوتوں کو کمزور و معطل نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ حواشی و شروح کے غلام نہیں تھے، اور اسلیئے ان کے دماغ وہ وہ باتیں نکالتے تھے جنکو آج بڑے بڑے شراح سمجھ بھی نہیں سکتے۔ وہ لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ انکو اپنی علمی تحقیق و تدقیق پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اس لیئے ان میں ایجادی اور اختراعی قابلیتیں موجود تہیں۔ برخلاف اسکے آج کل کے طلبائے مدارس عربیہ کی جو کیفیت ہے اس کے اظہار کے لیئے یہ شعر لکھدینا کافی ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت ہمان مے گویم

متقدمین علم کو علم کے لیئے پڑہتے تھے۔ مگر آجکل کے طلبار اس سے بڑھ گئے کہ وہ علم کو محض چند کتابیں پڑھانے کے لیئے پڑہتے ہیں۔ انکو شروح و حواشی کی بھول بھلیاں میں پڑکر دوسروں کی رائے کا اتباع کرنا ناگزیر ہوجاتا ہے، اور خود کبھی غور و خوض کرکے جدید نتائج مستنبط کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ان کے ذہن کی نقل و حرکت مصنف یا استاد کے قبضہ اقتدار میں ہوتی ہے کہ ایک اشارہ سے جس طرف چاہا اُسے پھیر دیا، ایسی حالت میں وہ بجز اس کے فارغ التحصیل ہوکر کسی اسلامیہ مدرسہ میں نوکری کرلیں اور اپنی طرح دس بیس نفوس اور پیدا کرلیں۔ نہ دنیا کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ دین کو۔ الغرض عربی طریقہ تدریس اور نصاب تعلیم میں بے شمار نقائص ہیں جن کی اصلاح کے لیئے ایک مستقل و منضبط تبلیغی اور عملی کوشش کی ضرورت ہے، تبلیغی کوشش میں اُسوہ حسنہ کے بعض قلمی معاونین بھی حصہ لے سکتے ہیں، اور انکو لینا چاہیئے۔ کہ اسی میں ان کی قوم کا نفع ہے۔

(ایڈیٹر)

تعلیم اطفال کا مسئلہ نہایت مہتم بالشان ہے، جو بے ترتیبی اور غفلت اور بے توجہی ہم مسلمان تعلیم اطفال میں کرتے ہیں، اسکا نتیجہ ہم خود دیکھ رہے ہیں، آخر کیا وجہ ہے کہ اب ہم میں امام فخر الدین رازیؒ امام غزالیؒ شیخ بو علی سینا جیسے لوگ نہیں پیدا ہوتے، ہمارا جہانتک خیال ہے اس کی وجہ ابتدائی تعلیم کی خرابی ہے۔ اگر ابتدائی تعلیم ٹہیک طریقہ سے ہوتی تو اب بھی ہماری قوم میں ایسے لوگ پیدا ہوسکتے تھے، مگر افسوس ہے کہ نہیں ہوسکتے عربی کا نصاب تعلیم جس پر تمام علما مثل فرض کی کاربند نظر آتے ہیں،

انکی یہ حالت ہے جو میں عرض کرتا ہوں، جب بچہ چار سال چار مہینہ کی عمر کا ہوتا ہے تو بسم اللہ ہوتی ہے جس کی بڑی دھوم دھام ہوتی ہے بچے کو خوب لباس فاخرہ پہنایا جاتا ہے تمام کنبہ جمع ہوتا ہے کھانا بافراط پکتا ہے دعوت ہوتی ہے۔ اسکے بعد قاعدہ پڑھایا جاتا ہے، جو کم از کم چھ مہینہ ورنہ سال بھر میں ختم ہوتا ہے، پھر قرآن شریف شروع کیا جاتا ہے۔ اور مکتب کے ملا نذرانے اور مٹھائی کے منتظر ہو کر خوب جھگڑتے ہیں، پھر یکے بعد دیگرے سیپارے پڑھائے جاتے ہیں، غرض دو سال بلکہ اس سے زیادہ دنوں میں وہ ختم ہوتا ہے۔ اب تشریح الحروف پڑھائی جاتی ہے جسکا ایک فقرہ مجھے بھی یاد ہے کہ "چھچھوری زبان دولت کا زیان کرتی ہے" اسکے بعد اردو معمولی پڑھا کر فارسی پڑھائی جاتی ہے۔ جب فارسی کی کتابیں قریب ختم کے ہوتی ہیں یا تو تعلیم کی انتہا ہو جاتی ہے ورنہ عربی پڑھائی جاتی ہے۔ اور میزان الصرف منشعب پنج گنج صرف میر، فصول اکبری پڑھا کر نحو میر، شرح مائۃ عامل ہدایت النحو کافیہ شافیہ شرح ملا پڑھائی جاتی ہے۔ پھر کچھ دینیات میں منیۃ المصلی قدوری ہدایہ پڑھا کر حدیث پڑھاتے ہیں آخر میں تفسیر بیضاوی کے ڈھائی پارہ پڑھا کر اور کچھ معقول کتابیں پڑھا کر فضیلت کی پگڑی باندھ دیتے ہیں، علم کلام، علم ادب، علم معانی ولغت بھی تھوڑا تھوڑا پڑھاتے ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر عربی بولنے و لکھنے اور تالیف و تصنیف اور عربی میں لکچر دینے کی خاک لیاقت نہیں ہوتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مروجہ طریقہ تعلیم بالکل مفید نہیں ہے۔ ضرور مفید ہے، مگر عملی صورت اختیار نہ کرنے سے یہ خرابیاں ہیں جس طرح انگریزی کے طالب علم لکھتے پڑھتے بولتے ہیں عربی کے نہیں۔ انگریزی تعلیم کی حالت یہ ہے کہ اسمیں تھوڑے ہی دنوں میں لڑکا خوب انگریزی بولتا، اور لکھنے لگتا ہے اور لکچر دینے لگتا ہے ہمارے یہاں فضیلت کی پگڑی بندھنے کے بعد عربی میں نہ گفتگو کر سکتا ہے نہ اچھی طرح لکھ سکتا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالاول صاحب لکھتے ہیں کہ ایک انگریز لکھنؤ میں آیا، جو عربی زبان کا ماہر تھا۔ اس نے ایک مولوی صاحب کو پڑھاتے ہوئے دیکھا اسنے عربی میں کچھ سوالات کئے۔ مولوی صاحب گھبرا کر کہنے لگے انا ما قرأت علم الادب ولا اعلم لسان العرب۔ یعنی میں نے علم ادب نہیں پڑھا اور عربی زبان نہیں جانتا ہوں، اس نے نہایت تعجب سے دریافت کیا کہ تم دینیات کی کتابیں پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ اور جیسا تمہارا خیال ہے کہ قرآن شریف آسمانی کتاب ہے اور تم اسکی فصاحت و بلاغت کے قائل ہو پھر بغیر علم ادب کے تم کسطرح اسکی خوبیوں سے واقف ہو سکتے ہو۔ کیا قرآن شریف میں یہ نہیں ہے۔

انا انزلناہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون،	یعنے ہم نے قرآن عربی زبان میں اُتارا ہے تاکہ تم اسکو سمجھو،

افسوس ہے کہ تم قرآن شریف کو جو عربی زبان کی کتاب ہے نہیں سمجھتے جسکے سمجھنے کا حکم ہے۔ میں تم سے بات چیت کرنا اچھا نہیں سمجھتا ہوں۔ نہایت افسردگی کیساتھ وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔ یہی حالت ہمارے اکثر علما کی ہے۔ اسیوجہ سے ہمارے ہاں قابل لوگ نہیں پیدا ہوتے۔ خاندان رسالت کے بچے دس دس گیارہ گیارہ سال کی عمر میں عالم ہو جاتے تھے جیسے حضرت ابن عباسؓ جناب امام حسنؓ امام حسینؓ وغیرہم، انکی وجہ یہ تھی کہ وہ اہل زبان تھے، تمام لغات پر عبور ہوتا تھا۔ ہم لوگ صرف و نحو کی کتابیں رٹنے کے بعد بھی عربی زبان پر قدرت حاصل نہیں رکھتے۔ اسلیے بڑی ضرورت ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ بچوں کو پڑھایا جائے، ناظرہ پڑھانے کی ضرورت نہیں ایک ایک لفظ کا ترجمہ بھی پڑھ لیں گے تو بہت جلد عربی زبان پر حاوی ہو جائینگے۔ دوسرے وقت قواعد عربی کے پڑھائیں اس حساب سے سات برس کی عمر میں بہت سی عربی زبان کی مہارت حاصل ہو جائے گی۔ آٹھ سو لغات قرآن شریف میں ہیں باقی مکررات ہیں یہ آٹھ سو لغات یاد ہو جائیں تو سارے قرآن شریف کے ترجمہ پر عبور ہو جائے گا، پھر گرامر کے طریقے سے مرفوعات منصوبات، مجرورات، تذکیر تانیث، حال تمیز اقسام سبعہ ابواب مطردہ وغیرہ بتلاتے رہیں عربی لکھوانے عربی بولنے کی مہارت پیدا کرائیں اور اس حساب سے بہت جلد قدرت حاصل ہو جائے گی، علم حدیث جو عربی زبان کی اعلے درجہ کی کتابیں ہیں پڑھائیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دس سال کی عمر میں یہ سب مرحلے طے ہو سکتے ہیں۔ اور لڑکا خاصا عالم ہو سکتا ہے۔ اسکے بعد انگریزی تعلیم بہت جلد حاصل کر سکتا ہے، اگر اہل اسلام میری اس عرض پر توجہ کریں تو اب بھی ہم میں بڑے بڑے قابل لوگ پیدا ہو سکتے ہیں، ورنہ موجودہ صورت میں تو ہمارے بچے نہ خود ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ قوم کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہماری قوم میں افلاس بڑھتا جاتا ہے۔ کمانے کے طریقے ہم نہیں جانتے۔ ہمارے یہاں کے علماء روپیہ کو ناپاک چیز کہتے ہیں، اور جب ملجاتا ہے تو نہایت احتیاط سے صندوقچے میں بحفاظت رکھا جاتا ہے۔ ہر وقت روپیہ کی مذمت کرنا

اِن کا کام ہے۔ جو و دیہ کمانے کا ڈھنگ نہیں جانتے اور جو لوگ اِس کی کوشش کرتے ہیں، انکو دنیا کا کتا بنایا جاتا ہے۔ اور یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

اہل دنیا چہ کہین و چہ مہین لعنۃ اللہ علیہم اجمعین

اِن حضرت کو اس طرف توجہ نہیں ہوتی کہ جو کچھ انہوں نے سیکھا ہے اِس سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچائیں، تالیف تصنیف کے سلسلے جاری کریں جو تجارت کا عمدہ سلسلہ ہے۔ اسمیں دینی و دنیوی دونوں فائدے ہیں۔ اِن سے تو بس یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی اپنے تجربہ سے تعلیم اطفال کے متعلق کوئی بات کہتا ہے تو سو حجتیں نکالتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ واہ بچے کیا قرآن شریف کو سمجھ سکیں گے۔ یہ بغیر پورے علم صرف و علم نحو علم معانی و علم ادب کے پڑھے ہوئے سمجھ ہی نہیں سکتے۔ حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے قرآن شریف ایسا برکت کا کلام ہے کہ بچے سے لیکر بوڑھے تک اور ظالم سے لیکر علامہ تک سب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور جو لوگ نہیں سمجھتے انکو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ بچوں کو اسکا ترجمہ پڑھانے سے ان کے دلوں میں روشنی پیدا ہوگی، اسلام کی عظمت پیدا ہوگی خدا و رسول و فرشتے جنت و دوزخ کے وجود پر یقین کامل ہوجائے گا جس کی ہمارے بچوں کیلئے سخت ضرورت ہے۔ بڑی خرابی اب یہ ہوگئی ہے کہ علما نے تو یہ کہدیا ہے کہ جب تک بہت سے علوم سے واقف نہیں ہوگا، قرآن شریف نہیں سمجھ سکتا، اور جاہلوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ فوراً بچوں کو اسکول میں داخل کردیا جاتا ہے۔ جہاں مذہبی تعلیم کی توجہ ہی نہیں ہوتی۔ اردو مڈل پاس کرلیا یا انگریزی میں بی۔ اے ہوگئے مگر قرآن شریف سے ناواقف رہے۔ پس جب ہماری قوم کے جاہل و عالم سب کی یہ حالت ہوگی تو قرآن شریف تو ہاتھ سے گیا، اسلئے سخت ضرورت ہے کہ لغات قرآن شریف بچوں کو ابتدا ہی سے عبور کرا یا جائے۔ تاکہ جب یہ لیاقت پیدا کرلیں گے تو اسکی باریکیاں اور اسکی فصاحت و بلاغت سے بخوبی واقف ہوجائیں گے۔ اور اسپر عمل کرکے خدا کے برگزیدہ بندہ ہوجائیں گے، خود بھی عالم ہونگے، اور اپنی قوم کو بھی فائدہ پہونچائینگے میں امید کرتا ہوں کہ ناظرین اسوۂ حسنہ میری اس تحریک پر غور سے توجہ فرمائینگے۔ اور اپنی اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔ تاکہ ایک امر پر فیصلہ ہوکر عموماً مسلمانوں پر زور ڈالا جائے کہ بچوں کی تعلیم نہایت اہتمام سے ہونے لگے ✦

(حکیم فرید احمد عباسی)

تلاوتِ قرآن مجید

"تلاوت قرآن کریم تمام عبادات سے افضل ہے علی الخصوص نماز میں کھڑے ہوکر جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کی عبادتوں میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ نے نعمت قرآن عطا فرمائی ہو اور وہ سمجھے کہ اور کسی شخص کو اس سے بہتر کوئی چیز ملی ہے تو اس نے اس چیز کی تحقیر کی جس کی حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے توقیر کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں کو لوہے کی طرح زنگ لگ جاتا ہے، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ زنگ کس چیز سے دور ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا قرآن شریف کے پڑھنے سے اور موت کو یاد کرنے سے بلاشبہ تلاوت قرآن کریم کے فضائل بے شمار ہیں۔ مگر خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف سے مقصود اصلی فقط پڑھنا نہیں ہے بلکہ اسپر عمل کرنا ہے۔ پڑھنا یاد رکھنے کے لیئے ہے، اور یاد رکھنا عمل کرنے کے واسطے، جو لوگ پڑھتے ہیں، اور عمل نہیں کرتے انکی مثال ایسی ہے جیسے کسی غلام کے پاس اسکے مالک کا نامہ آئے جس میں غلام کی نسبت احکام لکھے ہوں، وہ غلام بیٹھے اور اس نامہ کو خوش آوازی سے پڑھے۔ اسکے حروف خوب صحت کیساتھ نکالے۔ مگر جو حکم اسمیں مندرج ہوں وہ بجا نہ لائے۔ کیا وہ غلام مستوجب عقوبت نہ ہوگا؟

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مصحف مجید کھولتے تو اکثر غشی طاری ہوجاتی اور فرماتے یہ ہو کلام ربی، غور کرو قرآن مجید کی عظمت کو کوئی شخص بیان نہیں کرسکتا تاوقتیکہ وہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عظمت کو نہ پہچانے۔ تلاوت قرآن شروع کرنے سے پہلے خداوند تعالیٰ کی عظمت کہ یہ اسکا کلام ہے اپنے دل میں حاضر کرنا چاہیئے۔ حضرت عامر بن عبداللہ وساوس کا گلہ و شکوہ کرتے تھے کسی نے پوچھا کیا دنیاوی وساوس آتے ہیں؟ فرمایا اگر میرے سینہ میں چھری ماریں تو نماز میں دنیوی خیال لانے سے مجھے بہت آسان ہے مجھے یہ خیال بہت رہا کرتا ہے کہ قیامت کیدن حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سامنے کیونکر کھڑا ہونگا؟ غور کرو بعض صالح اِس قسم کے خیالات کو بھی وساوس میں شمار کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ جو آیت نماز میں پڑھی جائے اسکے معنوں کے سوا اور کسی بات کا خیال دل میں لانا چاہیئے، جب دوسری بات کا خیال دل میں آیا گو کہ وہ بات دین ہی کی کیوں نہ ہو وہ بھی وسواس ہے

اللھم ارحمنی بالقرآن۔ واجعلہ لی اماما و نورا و ھدی و رحمۃ۔ اللھم ذکرنی منہ ما نسیت۔ وعلمنی منہ ما جھلت۔ وارزقنی تلاوتہ اناء اللیل و اطراف النھار۔ واجعلہ لی حجۃ یا رب العلمین۔ اللھم انفعنی وارفعنی بالقرآن العظیم۔ واھدنی بالآیات والذکر الحکیم وتقبل منی انک انت السمیع العلیم۔ واغفرلی انک انت الغفور الکریم۔ وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین

(نور الدین)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

جسکو حکمت دی گئی بے شک اس نے بڑی دولت پائی ✦

حکمت و موعظت

شذرات الحکم

مہمان کو ماحضر پر قناعت کرنا چاہیئے

ایک شخص حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا انہوں نے جو کی روٹی کا ٹکڑا اور نمک یعنی جو کچھ آپکے پاس حاضر تھا اس شخص کے سامنے لاکر رکھدیا۔ وہ شخص کہنے لگا اگر اس نمک میں سعتر ہوتا تو بہتر ہوتا۔ (سعتر ایک قسم کی پتی ہے جس سے غربا روٹی کھاتے ہیں) حضرت سلمان کے پاس سوائے ایک آفتابہ کے اور کچھ نہ تھا۔ اسے گرو رکھ کر سعتر مول لائے، وہ شخص جب روٹی کھا چکا تو کہنے لگا الحمد للہ الذی قنعنا بما رزقنا، شکر ہے اس اللہ کا جسنے قناعت دی مجھکو اس چیز پر جو روزی دی مجھکو حضرت سلمان نے کہا اگر تجھ میں قناعت ہوتی تو مجھے آفتابہ گرو رکھنا نہ پڑتا۔ غور کرو، مہمان کو تناول ماحضر پر قناعت کرنا چاہیئے، بالخصوص جبکہ معلوم ہو کہ کسی چیز کا بہم پہونچانا میزبان پر دشوار ہوگا۔ تو اسپر حکومت نہ کرے بلکہ اسکی سہولت و آسانی ملحوظ خاطر رکھے ✦

عزیز ترین مال کا فی سبیل اللہ خرچ کرنا

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مدینہ منورہ میں انصار میں سب سے زیادہ جایداد رکھتے تھے انکو اپنے اموال و املاک سے باغ بیرحا عزیز ترین تھا۔ یہ باغ مسجد کے سامنے تھا۔ اور حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسمیں رونق افروز ہوکر وہاں کا صاف پانی پیا کرتے تھے جب یہ آیہ مجیدہ نازل ہوئی۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (پ ۴۔ س آل عمران۔ ع ۱۰) لوگو! جب تک خدا کی راہ میں ان چیزوں میں سے نہ خرچ کروگے جو تم کو عزیز ہیں نیکی کے درجہ کو ہرگز نہ پہنچ سکوگے "

تو ابوطلحہ جناب رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم نیکی کا درجہ اس وقت تک نہ پاؤگے جب تک اپنے عزیز مال خدا کی راہ میں خرچ نہ کروگے مجھے اپنے تمام اموال و املاک میں باغ بیرحا عزیز ترین ہے میں اسکو للہ صدقہ کرتا ہوں، اور اسکا اجر و ثواب اللہ پاس جمع کرتا ہوں آپ کو اختیار ہے جس کام میں اسکو چاہیں لگائیں،

جناب سلطان الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثنا نے فرمایا واہ کیا کہنا! یہ مال تو جلنے والا ہے یہ مال تو جلنے والا ہے۔ جو کچھ تم نے کہا، میں نے سُنا۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسکو اپنے عزیز و اقربا میں تقسیم کردو۔ ابوطلحہ نے عرض کیا، یارسول اللہ بہتر میں ایسا ہی کروں گا۔ پھر ابوطلحہ نے اپنے عزیزوں اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کردیا۔ غور کرو راہ خدا میں عزیز ترین اشیا خرچ کرنے سے انسان نیکی کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے۔ اور اس انفاق فی سبیل اللہ میں اول خویش بعد درویش پر عمل پیرا ہونا چاہیئے ✦

کسب معاش عبادت ہے

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا۔ پوچھا تو کیا کام کرتا ہے؟ اس نے کہا عبادت کرتا ہوں، پوچھا قوت کہاں سے کھاتا ہے؟ اس نے کہا میرا ایک بھائی ہے وہ مجھے قوت مہیا کردیا کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے۔ حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ اس شخص کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں۔ جو عبادت کے واسطے مسجد میں بیٹھ رہے اور کہے کہ خدا مجھے رزق دے گا۔

امام صاحب نے فرمایا وہ مرد جاہل ہے۔ شرع نہیں جانتا۔ بغیر کد و کاوش ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنا جہلا کا کام ہے۔ عبادت الٰہی بجالانے کے ساتھ ساتھ کسب معاش بھی کرنا لازم و واجب ہے کسب معاش میں بھی انسان اپنا دل خدا کے ساتھ مشغول رکھ سکتا ہے، اور اس وقت کسب معاش بھی عین عبادت بلکہ بہت عبادتوں سے افضل ہوتا ہے ✦

پانی پلانے کا ثواب

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص رستے میں جا رہا تھا اسکو نہایت شدت سے پیاس لگی۔ وہ کنوئیں میں اترا اور پانی پیکر باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور مارے پیاس کے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ آخر اسکو بھی وہی تکلیف ہوگی جو مجھے تھی۔ پھر کنوئیں میں اترا اپنا موزہ پانی سے بھرا اور منہ میں تھام کر اوپر چڑھا کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ سعی مشکور فرمائی اور اسکو بخشدیا۔ یہ سنکر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جانوروں کو پانی پلانے میں بھی ہم کو ثواب ملیگا؟ فرمایا کیوں نہیں ہر تازے جگر والے میں ثواب ہے۔ غور کرو حق سبحانہٗ و تعالیٰ حیوانات سے ہمدردی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ تو بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان اشرف المخلوقات سے نیکی کرنے پر اجر عظیم نہ عطا فرمائے۔ ولنعم ما قیل ؎

کسی باسگان نیکوئی گم نہ کرد کجا گم کند خیر با نیک مرد

اجابت دعوت حضرت امام حسن علیہ السلام کا گزر ایک محتاج قوم کیطرف ہوا وہ لوگ نان خشک کھا رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ ہمارے شریک ہوجیئے اور نان خشک قبول فرمایئے۔ آپ فوراً سواری سے اتر پڑے، اور نہایت خوشی بلکہ شکر گزاری کے ساتھ ان کے شریک ہوگئے اور فرمایا حق سبحانہٗ و تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے، واللہ لا یحب کل مختال فخور (پ۲۷ س الحدید ع ۱۲) اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ جب نوش فرما چکے تو ان لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ کل تم میری دعوت قبول کرو۔ دوسرے دن ان کے واسطے نفیس ولذیذ کھانا پکوایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر تناول فرمایا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فقرا وغربا کی دعوت کے قبول کرنے سے بے اعتنائی اور انکو دعوت میں بلانے سے بے پروائی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس واسطے کہ خود حضرت سلطان الانبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا بھی فقرا کی دعوت قبول فرماتے تھے اور غربا کو دعوت میں بلاتے تھے ٭

کن امور میں تعجیل اولیٰ ہے؟ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر چند تعجیل کار شیاطین ہے مگر پانچ چیزوں میں تعجیل ضروری ہے:-

(۱) مہمان کو کھانا کھلانے میں،

(۲) مردہ کی تجہیز میں،

(۳) قرض ادا کرنے میں،

(۴) لڑکیوں کے نکاح میں،

(۵) گناہوں سے توبہ کرنے میں،

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا یا علی! تین باتوں میں تعویق نہ کرنا۔

(۱) نماز فرض کا جب وقت آجائے،

(۲) جنازہ جب موجود ہو،

(۳) رانڈ عورت کا نکاح جب مرد ملے اسکی ذات کا،

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی دوسرا خاوند کرنے کو معیوب جانے اسکا ایمان سلامت نہیں ٭

قوت عبادت کے واسطے راحت وآسایش ضروری ہے جناب سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کو بعض اوقات مکاشفہ میں اتنا اہم امر درپیش آجاتا کہ آپ کا جسم مبارک اسکا متحمل نہ ہوسکتا اسوقت حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر ہاتھ رکھکر فرماتے کلمینی یا عائشۃ! اے عائشہ! میرے ساتھ باتیں کر۔ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ ہوتی تھی کہ اپنے تئیں تقویت دیں تاکہ بار وحی اٹھانے کی طاقت پیدا ہو۔ جب آپکو پھر اس عالم میں لاتے اور وہ قوت تمام ہوجاتی تو آپکو کام کا شوق آپ پر غالب ہوتا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ارحنا یا بلال! اے بلال! مجھے راحت پہنچا۔ یہانتک کہ آپ نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے اور کبھی اپنے دماغ مبارک کو خوشبو سے قوت دیتے اسی بنا پر آپنے ارشاد فرمایا ہے کہ حبب الی من دنیاکم ثلث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ تمہاری دنیا سے حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے تین چیزوں کو میرا محبوب کیا ہے۔ خوشبو کو، عورتوں کو، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ غور کرو نماز کی تخصیص اسواسطے فرمائی کہ مقصود بالذات تو نماز ہے بمصداق آیہ مجیدہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (پ۲۷ س الذاریات ع ۳) اور ہم نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا کہ ہماری عبادت کریں، اور خوشبو اور عورتیں بدن کی آسایش کے واسطے ہیں۔ تاکہ نماز کی طاقت پیدا ہو اور آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز میں ہے وہ حاصل ہو۔ جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ راحت وآسایش دل سے دفعۃً نہ چھین لو کہ اس سے دل نابینا ہوجائے گا۔ بلاشبہ ہر وقت عبادت میں منہمک رہنے سے دل ملول اور طبیعت اداس ہوجاتی ہے۔ راحت وآسایش سے قوت عبادت عود کر آتی ہے اس سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ قوت عبادت کے واسطے راحت وآسایش ضروری ولابد ہے ٭

(نور الدین تاجر چرم)

پند بر دیوار

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ور نوشت است پند بر دیوار

حق عمل ہر فرد کو آزاد ہونا چاہیئے کہ راحت سے عمر طبیعی تک پہنچنے کے لیے کسب معاش کرنے کو جو پیشہ چاہے اختیار کرے۔ عقلاً اور اخلاقاً کوئی پیشہ جو راحت عمر طبیعی تک پہنچنے میں معین ہو اور جس سے زیست ہائے سرگانہ میں سے کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچے اور راست بازی اور دیانت سے کیا جائے پسندیدہ ہے۔ اور جو حضرات کسی پیشہ کو صرف اسوجہ سے کہ وہ پیشہ ہی ذلیل جانتے ہیں۔ وہ نوع انسان کے دشمن ہیں۔ پیشوں میں جو فریب، حرص، جھوٹ، جہل، فرومایگی وغیرہ صفات ذمیمہ پائے جاتے ہیں وہ البتہ مذموم ہیں لیکن کوئی ذریعہ کسب معاش کا جو صفات ذمیمہ سے پاک ہو ہرگز معیوب نہیں پیشے اور تجارت یہی صحیح راہیں دولت حاصل کرنے کی ہیں ✦ "سید کرامت حسین"

سچی آزادی سچی آزادی وہی ہے جو قانون اخلاق کے دایروں کے اندر رہتی ہے۔ جو آزادی حدود اخلاق سے باہر نکل جاتی ہے وہ ایک دیوانگی اور وحشت ہے احباب۔ ماں۔ باپ۔ ہم قوموں۔ ہم ملکوں۔ غریبوں۔ مفلوکوں۔ بے کسوں بے بسوں کے ساتھ سلوک اور مدد کرنا۔ اور انکی مصیبتوں میں شریک ہونا علے درجہ کے اخلاقی فرائض ہیں جو انسان انسے خالی اور ان کا بدخواہ ہے وہ اخلاقی صفات میں سے کوئی صفت بھی نہیں رکھتا ✦ "مرزا سلطان احمد خان"

اچھی اور بری گورمنٹ گورمنٹ کتنی ہی عمدہ کیوں نہ ہو اگر اسکی رعایا خراب ہے تو وہ ضرور اسے اپنی سطح میں کھینچ لائے گی۔ اسیطرح گورمنٹ کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو۔ اگر اس کی رعایا اچھی ہے تو وہ ضرور اسے اچھا بنادے گی یہ نیچر کا ایک قاعدہ ہے کہ جیسا مجموعہ قوم کے چال چلن کا ہوتا ہے اس کے موافق اسکا قانون اور اسی کے مناسب حال اس کی گورنمنٹ ہوتی ہے جس طرح پانی اپنی سطح ڈھونڈہ لیتا ہے اسی طرح ہر شخص اپنے لایق نتیجہ اپنی گورنمنٹ سے پالیتا ہے۔ شریف قوم پر شرافت سے حکمرانی کیجائیگی اور جاہل و ناشایستہ قوم پر ذلیل طور سے ✦ "سموئیل سمائلس"

کاہلی خبردار خبردار۔ کاہلی سے کوسوں بھاگو۔ اپنے خالی وقتوں کو مفید کاموں سے معمور رکھو کیونکہ جب تمہارے اعضاء بے کار پڑے رہیں گے اور تمہارا جسم آرام طلب ہو جائے گا۔ اور تمہاری لطیف و پاکیزہ روح فکروں اور نیک ارادوں سے معطل رہے گی۔ اور تمہارا دماغ عمدہ خیالات سے خالی رہے گا تو ضرور ہوائے نفسانی حرص خبث طینتی ان خالی جگہ میں گھر کرے گی ✦

"جرمی ٹیلر"

تندرستی کسی کام کو دلی رغبت سے دیر تک کرتے رہنا صرف ایک تندرستی اور صحت پر منحصر ہے۔ اور اسلیئے تندرستی کا خیال رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔ سکول کے اکثر طلبا بجہ بدحال۔ شالی۔ ناخوش پست۔ اور خیالی پلاؤ پکانے کے عادی نظر آتے ہیں۔ اسکی صرف یہی وجہ ہے کہ ان کی صحت اور تندرستی کا پورے طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔ اور نہ وہ خود اپنے جسمانی فرائض کو پورے طور پر ادا کرتے ہیں ✦

"ہاڈسن"

بری صحبت نصیحت جس قدر نیک مادہ تیار کرتی ہے بری صحبت اس کو فوراً ہی برباد کر دیتی ہے۔ لڑکپن میں لڑکوں کو برے آدمیوں کی صحبت سے بچانا نہایت ضروری ہے۔ اور تنہائی بری صحبت سے افضل ہے ✦

"سموئیل سمائلس"

نیک چلنی نیک چلن آدمی سوسائٹی کے صرف کانشنس (نور ایمان) ہی نہیں بلکہ ہر شایستہ ملک کے لیئے تحریک دینے والے قوی بھی ہیں کیونکہ حقیقت میں قوائے اخلاقی ہی دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں۔ جنگ میں بھی قوائے باہمیہ پر قوائے ملکیہ کا نو حصہ اختیار ویسا ہی رہتا ہے جیسے دس کا نو اور ایک پر

"نپولین بوناپارٹ"

تعلیم النفس انسان بہت سا پڑھ جانے سے کچھ عقلمند نہیں ہو جاتا بلکہ وہ عقلمند ہوتا ہے صرف اپنے خیالات کو مجتمع رکھنے اور اپنے دل کی تعلیم کرنے سے ✦

"سموئیل سمائلس"

ایک وقت میں ایک کام جو شخص ایک وقت میں صرف ایک ہی کام کرتا ہے وہ اس شخص سے کہیں بہتر رہتا ہے۔ جو ایک وقت میں کئی کاموں کا خون کر دے ✦

"لاوبلا"

خوش سلیقگی کامیابی اور ترقی کے لیئے خوش سلیقگی بہت ضروری چیز ہے۔ اسکی بدولت بڑے سے بڑا کام آسانی سے تمام ہو جاتا ہے۔ خوش سلیقگی گویا کہیں ہیں تہ بتہ چیزوں کا چننا ہے۔ اچھا چننے والا برے چننے والے سے دگنی چیزیں بکس میں رکھ سکتا ہے۔ کسی کام کو سلیقہ کے ساتھ کرنے کی بہت ہی آسان ترکیب یہ ہے کہ ہر ایک کام کو اسکے وقت میں کر ڈالیں۔ دوسرے وقت کے لیئے اٹھا نہ رکھیں ✦

"سموئیل سمائلس"

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
سچ کو جھوٹ کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو اور جان بوجھ کر حق بات کو نہ چھپاؤ

تنقید و تقریظ

نئی کتابیں

البنی والاسلام تقطیع ۲۲x۱۸/۸ ضخامت ۳۰۶ صفحے قیمت ؏ ملنے کا پتہ: انجمن ہدایت الاسلام

مفتاح القرآن، تذکرۃ القرآن اور مفتاح العرب وغیرہ جیسی مقبول عام کتابوں کے فاضل مولف ڈاکٹر محمد عبدالحکیم خان صاحب ایم۔ بی۔ نے اس پر آشوب زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت کی ہے وہ واقعی نہایت قابل قدر اور لائق ستایش ہے۔ آپ عربی اور انگریزی کے عالم اور اسلامی علوم میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں، اور اپنی علمی قابلیت، غیر متعصب طبیعت اور وسعت نظر کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ حال میں آپ کی ایک جدید تالیف "البنی والاسلام" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جو ان معدودے چند کتابوں میں سے ہے جن کی تالیف پر ہندوستانی مسلمان بجا طور پر مسرور ہو سکتے ہیں۔ اس عمدہ کتاب میں جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے، حضور ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس زندگی کے صحیح اور مستند حالات اور اسلام کی حقیت و حقیقت پر نہایت قابلیت سے بحث کی گئی ہے، اور جو شکوک و شبہات بوجہ لاعلمی کے حضور انور کے سوانح حیات یا تعلیمات اسلام کے متعلق فی زمانا طبائع میں پیدا ہو گئے ہیں، اور جو اعتراضات غیر مذاہب کے پیرؤں کی طرف سے بتقاضائے تعصب و کوردلی پیش کئے جاتے ہیں "البنی والاسلام" میں تہذیب و شایستگی کو پورے طور پر ملحوظ رکھ کر ان سب کے جوابات نہایت معقول مدلل اور مسکت دئے گئے ہیں۔ "البنی والاسلام" گو اجمالاً ان لب لباب ہے ان تمام مطول کتابوں کا جو حضرت نبی کریم اور اسلام کے متعلق متقدمین و متاخرین نے لکھی ہیں۔ اور یہ اسکی خصوصیت ہے کہ اسکو زمانہ حال کی ضروریات جذبات اور خیالات کو سامنے رکھ کر تالیف کیا گیا ہے، یورپ کی مہذب و متمدن اقوام نے اپنے حسن فہم یا سوء فہم سے مذہب کی صداقت کا جو معیار قرار دیا ہے، البنی والاسلام کے فاضل مؤلف نے اسلام کو اسی معیار پر سچا کر کے دکھایا ہے جسکے دل نور انصاف سے منور و روشن ہیں وہ خواہ کسی دین و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں انشاء اللہ اس کتاب سے راہ ہدایت پائیں گے اور کسی سلیم الطبع کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہے کہ اسلام واقعی دین الفطرت اور دینی و دنیاوی فوز و فلاح کا سر چشمہ ہے کوئی دین، کوئی مذہب، کوئی قانون کوئی تمدن فلاح دارین کے وسائل پیش کرنے میں اسکی ہمسری نہیں کر سکتا، افسوس کہ البنی والاسلام میں اکثر مقامات پر غیر مناسب اختصار سے کام لیا گیا ہے اور بعض اہم امور کی جانب سرسری اشارہ کرکے چھوڑ دیا ہے، ہماری رائے میں اس قسم کی کتابوں میں اختصار و اجمال کا ملحوظ رکھنا مضر ہوتا ہے، کیونکہ اوس سے وہ لوگ پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکتے جو کم علم ہیں اور جو سب سے پہلے دلچسپی کو ڈھونڈتے ہیں۔ بہرحال اسمیں شک نہیں کہ البنی والاسلام موجودہ زمانہ کی بہترین تالیفات میں سے ہے، وہ اسلامی عقاید و اعمال کے معارف و حقایق کا مخزن ہے، اور اسکا مطالعہ نئے اور پرانے تعلیم یافتہ مسلمانوں کیلئے نہایت ضروری ہے، کاش ہم لوگ اس قسم کی کتابوں کی قدر اور ان کے مصنفوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی اہمیت محسوس کرنے لگیں۔ البنی والاسلام کے مضامین کی مجمل فہرست ذیل میں نقل کیجاتی ہے، امید ہے کہ اسکو دیکھکر ناظرین اسوہ حسنہ بطور خود کتاب کے خصوصیات و محاسن کا اندازہ کرسکیں گے وہو ہذا۔

(۱) قدیم عرب کا جغرافیہ و تاریخ، اور اہل عرب کے مذاہب رسوم اور اخلاق و عادات قبل اسلام (۲) نبی کریم کے حق میں انبیاء و اولیائے سابقہ کی بشارت اور اہل عرب کے خوابات و مکاشفات (۳) نبی موعود کی نہایت صحیح اور مکمل سوانح عمری آپکی بیحد و بے نظیر اصلاحیں اور عظیم الشان کامیابیاں آپکے معجزات اور پیشگوئیاں، مشاہیر یورپ کے اقوال (۴) خلفائے راشدین کی سیرت و فتوحات (۵) خلفائے امیہ اور عباسیہ کی تاریخ (۶) مصر، افریقہ، ہسپانیہ، ایران، روم، افغانستان، بلوچستان، ہندوستان، خراسان اور ترکستان میں اسلامی سلطنتیں کس طرح قائم ہوئیں

ایران میں اسلام کس طرح پھیلا۔ (۷) دنیا کے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ حصوں میں اسلام کس طرح پھیلا (۸) کس طرح مسلمان دنیا میں با اقبال ہوئے اور کیونکر ان میں زوال آیا۔ "النبی والاسلام" کی لکھائی چھپائی معمولی ہے، اور ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے مصنفین محاسن صوری کی جانب کیوں نہیں توجہ کرتے۔ اور کیوں ایسی اچھی کتابوں کو ایسی معمولی صورت میں شائع کرتے ہیں۔

ملنے کا پتہ

مینیجر کارخانہ مفید عام تراوڑی ضلع کرنال

آتالیق نسواں۔ مکمل دس حصے تقطیع ۲۲×۲۰/۸ ضخامت مجموعی ۱۲۳۴ صفحات قیمت پانچ روپیہ

عورتوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق اتنی اردو کی جس قدر کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں ان میں "آتالیق نسواں" بحیثیت مجموعی ہمارے خیال میں سب سے بہتر ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے جسکے دس حصے ہیں اور ہر ایک حصہ بجائے خود مکمل، کارآمد معلومات سے پر ہے۔ اردو کی بے مائیگی اور ہندوستانی مستورات کی عسرت کو دیکھتے ہوئے آتالیق نسواں کی تعریف میں یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ یہ اردو خواں خواتین کی انسائکلوپیڈیا یا "ویڈی میکم" (رہبر زندگی) ہے جس میں تقریباً ان تمام منزلی ضروریات کا حل موجود ہے جو شادی سے پہلے اور شادی کے بعد امیر و غریب عورتوں کو فی زمانہ پیش آتی ہیں، اس کتاب کے مطالعہ سے فاضل مصنف کی وسعت نظر، زمانہ شناسی اور تعلیمی تجربہ کا ثبوت ملتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تصنیف و تالیف میں محنت و جانفشانی سے کام کیا ہے۔ اور اپنی کتاب کو ہندوستانی خواتین کے لئے ہر حیثیت سے مفید اور دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے ایک بڑی اور شاید ما بہ الامتیاز خوبی اس کتاب میں یہ ہے کہ اسمیں نمائشی علم کم اور کارآمد علم زیادہ ہے۔ یعنی اسمیں زیادہ تر ایسی باتوں کی تعلیم دی گئی ہے جنکا سیکھنا لیاقت اور قابلیت کی نمائش کیلئے نہیں بلکہ متمدن زندگی کی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے مفید اور کارآمد ہے۔ ظاہر ہے کہ جس تجربہ کار مصنف نے اس نصب العین کو سامنے رکھ کر کسی تعلیمی تصنیف کو مکمل کیا ہوگا اس کے طرز بیان اور طریقہ تعلیم میں بھی عملی رنگ نمایاں ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آتالیق نسواں کے اسباق میں ہر قسم کی عملی تعلیم کو مختلف طریقوں سے آسان، دلچسپ اور موثر بنانے کی کوشش کی گئی ہے، اور علمی مطالب بچوں کے پورے طور پر ذہن نشین کرانے کے لئے جا بجا شکلوں اور نقشوں کی عملی تمثیلات سے مدد لی گئی ہے۔ اگرچہ ہمیں اسکا افسوس ہے کہ اشکال و نقوش بنانے کا کام کسی ماہر فن مصور کے سپرد نہیں کیا گیا، اور اسلئے نقشوں میں وہ خوشنمائی اور دلکشی پیدا نہیں ہوسکی جو بچوں کی نظری دلچسپی کا باعث ہوتی۔ امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں اس کمی کو پورا کردیا جائے گا ہم تنقید نگاری کا فرض ادا کرنے سے قاصر رہیں گے اگر آتالیق نسواں کے قابل مصنف منشی احمد علی خان صاحب دہلوی کو اس اہم فروگذاشت کی جانب توجہ نہ دلائیں جو ان کی قابل قدر کتاب کا ایک بہت بڑا نقص ہے۔ ہم نے "آتالیق نسواں" کے دسوں حصوں پر سرسری نظر ڈالی، مگر افسوس کہ ہمیں کہیں تہذیب الاخلاق۔ مذہبی پابندی اور زن و شوہر کے باہمی تعلقات کے متعلق چند سطریں بھی نہیں ملتیں، حالانکہ یہ ایک ایسا اہم بالشان اور ضروری مضمون تھا۔ جسکے لئے آتالیق نسواں جیسی کتاب میں کم از کم دو حصے ہونے چاہیئے تھے۔ یہ مانا کہ آتالیق نسواں کسی خاص قوم و مذہب کی خواتین کیلئے نہیں لکھی گئی لیکن اخلاقی مضامین بھی بالتخصیص مذہب و ملت عمومی رنگ میں تحریر کئے جا سکتے تھے۔ اس لئے ہمارے خیال میں اخلاقی مضامین کا نہ ہونا ایک ایسا نقص ہے جسکے رفع کرنے کیلئے آتالیق نسواں میں جلد سے جلد دو حصے اور بڑھا دینے چاہئیں۔ ورنہ کتاب نامکمل رہیگی اور اس سے پورا فائدہ حاصل نہیں ہوسکے گا۔ ایک اور بات جو آتالیق نسواں پر پہلے ناقد ریویو کرنے والے کی نظر میں کھٹکتی ہے۔ اسکے حصص کی ترتیب ہے بعض حصے اپنے مضامین کی نوعیت و اہمیت اور متعلمین کے تدریجی ارتقاء ذہنی کے لحاظ سے موخر ہونے چاہئیں تھے۔ مگر مقدم ہیں۔ مثلاً دسواں حصہ جس میں انتظام خانہ داری کی تعلیم ہے۔ اور اسلئے وہ براہ راست منزلی زندگی میں موثر و مہم ہے۔ پانچویں حصہ سے جسمیں ایک فن لطیف یعنی مصوری کا بیان ہے مقدم ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اسمیں تفریحی عنصر کارآمد عنصر پر غالب ہے۔ الغرض چند معمولی اور ایک بڑے نقص سے قطع نظر کرکے بحیثیت مجموعی آتالیق نسواں بہترین کتاب ہے جس سے خواتین ہند کو بے حد نفع پہونچیگا۔ اور جسکو بغور پڑھکر وہ نہ صرف اپنی معلومات میں کارآمد اضافہ کرسکیں گی، بلکہ سلیقہ شعار، منتظم اور لایق خاتون بن جائیں گی اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں بھی انہیں اس کتاب سے بہت بڑی مدد ملے گی۔ اسلئے ہم ناظرین و ناظرات اسوۂ حسنہ سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ آتالیق نسواں خرید کر مصنف کی حوصلہ افزائی کریں۔ آتالیق نسواں دس حصوں پر مشتمل ہے جن میں حسب ذیل مضامین ہیں:-

اوّل حساب کتاب **دوم** کھانا پکانا، **سوم** سینا پرونا **چہارم** لکھنا پڑھنا **پنجم** بیل بوٹے اور شکلیں بنانا۔ **ششم** کپڑا رنگنا، **ہفتم** گوٹا کناری ٹانکنا **ہشتم** چکن کاڑھنا۔ **نہم** تشریح جسم اور حفظان صحت **دہم** انتظام خانہ داری،

"آتالیق نسواں" حسب ذیل پتہ پر خط لکھنے سے مل سکتی ہے:-

منشی **احمد علی خان** صاحب۔ کوچہ پنڈت۔ گلی عزیز الدین مکان محمد لطیف صاحب (**دہلی**)

موتیوں کی لڑی ترجمہ سلک السلوک تقطیع ۲۲×۱۸/۸ ضخامت ۲۴۰ صفحے قیمت ۱۲ آنہ، کاغذ اور لکھائی چھپائی نفیس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	اسلامی تصوف میں مولانا

ضیاء الدین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں، فارسی زبان میں آپکی دو کتابیں طوطی نامہ اور سلک السلوک حضرات اہل تصوف کے طبقہ میں بہت مشہور و مقبول ہیں، سلک السلوک میں مولانا نے تصوف کے چند مفید عام مسایل پر چھوٹے چھوٹے دلکش مضامین تحریر فرمائے ہیں اور ہر ایک مضمون کو کسی موثر اخلاقی نصیحت یا روحانی تعلیم پر ختم کیا ہے، اس لحاظ سے یہ متبرک اور دلنواز مجموعہ نہ صرف شائقین تصوف کے لیئے بلکہ ایک حد تک عام مسلمانوں کے لیئے بھی مفید ہے۔ اسلیئے منشی سجاد حسین صاحب انجم کسمنڈوی مصنف کائنات و نشتر وغیرہ نے جو کوشش سلک السلوک کو اردو کا لباس پہنانے میں کی ہے وہ کسی طرح پر غیر مطلوب نہیں کہی جا سکتی، اور مقابل مترجم کی زباندانی اور ادبی کمال کے برمحل صرف ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے سلیس اور بامحاورہ ہونا تو ایک معمولی بات ہے۔ موتیوں کی لڑی (جو سلک السلوک کے اردو ترجمہ کا نام ہے) میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اصل کتاب کے زور کلام اور حسن بلاغت کو بھی آپس قایم رکھا گیا ہے اور اسکے پڑھنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ترجمہ ہے یا اصل تصنیف، اگرچہ کہیں کہیں عالمانہ الفاظ بھی ضمن ترجمہ میں آگئے ہیں لیکن بہت کم ہیں، اور نظر و سماعت میں خلش نہیں پیدا کرتے، الغرض مترجم کی قابلیت اور ترجمہ کی خوبی اسکی مستحق ہے۔ کہ اسکی قدر کیجائے۔ **سلک السلوک** ذیل کے پتہ سے مل سکتی ہے:۔

منیجر وحیدی پریس منشی ولی اللہ لین نزد مدرسہ عالیہ **کلکتہ**

مجموعۂ خطب حرمین شریفین مع ترجمہ منظوم اردو تقطیع ۲۶×۲۰/۸ صفحات ۸۴ کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی معمولی قیمت قسم اول مجلد عہ قسم دوم غیر مجلد ۸/	کسی صاحب الرائے مسلمان کو جو موجودہ زمانہ کی ضروریات سے

بے خبر نہیں ہے، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آجکل جمعہ اور عیدین کے خطبے بجائے عربی کے اردو میں پڑھنے چاہئیں، تاکہ سامعین ان کو محض تبرکاً ہی نہ سنیں بلکہ کچھ مستفیض بھی ہو سکیں، اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر منشی عبد الرحمن صاحب تاجر کتب نے ایک مجموعۂ خطب شائع کیا ہے جن میں مولانا شاہ عبد الحی صاحب واعظ بنگلوری کے چند مشہور عربی خطبے اور تحت میں ان کا منظوم اردو ترجمہ درج ہے، یہ خطبے قدیم واعظانہ رنگ میں تالیف کئے گئے ہیں۔ اور ترجمہ میں بھی قدامت کا گہرا رنگ جھلک رہا ہے۔ اسلیئے غالباً پرانی وضع کے سیدھے سادے لوگ انکو پسند کرینگے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے خطبوں سے قوم کو کوئی معتد بہ نفع پہنچنے کی امید نہیں ہو سکتی۔ اور اسلیئے ہم ان کی اشاعت پر اظہار مسرت کا اظہار کرنے سے قاصر ہیں۔ البتہ خالص عربی خطبوں پر انکو ترجیح دے سکتے ہیں۔ **ملنے کا پتہ** :۔

منشی عبد الرحمن صاحب تاجر کتب شوکت اسلام پریس۔ شہر بنگلور۔

"سیر و سیاحت" ہندوستان کا ایک مختصر جغرافیہ	سیر و سیاحت۔ تقطیع ۲۲×۱۸/۸ ضخامت ۲۹ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ کا قیمت ۱۲/

ہے جسکو لالہ نانومل صاحب آگروال نے مرتب کیا ہے اور جسمیں ہندوستان کے مشہور شہروں، تیرتھوں اور قابل دید مقامات کے مختصر حالات درج ہیں ہمارے خیال میں اس کتاب سے سیاحوں کو بہت کم مدد مل سکتی ہے کیونکہ نہ نہایت مختصر ہے اور اسکا نام **سیر و سیاحت** محض تجارتی مصالح کی بناپر رکھدیا گیا ہے ورنہ وہ در اصل ایک جغرافیہ ہے، اور جغرافیہ بھی ناقص، اگر مولف رسالہ ان سب کتابوں کے مضامین بہم پہنچا دیتے جو مختلف ریلوے کمپنیوں کی طرف سے ہر سال باتصویر شائع کیجاتی ہیں، اور نہایت ارزاں یعنی صرف دو دو آنہ میں فروخت ہوتی ہیں تو غالباً ان کی کتاب زیادہ کار آمد اور زیادہ دلچسپ ہو جاتی، اور کسی کو اسکے معاوضہ میں ۱۲ روپیہ دینا گراں نہ گزرتا امید ہے کہ منیجر صاحب قیصر ہند ایجنسی سہارنپور آیندہ اپنی تجارت کو فروغ دینے میں ہندوستانیوں کی بوتوق سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے، بلکہ اہل یورپ کے اصول پر کام کرنے کو ترجیح دینگے کہ وہ بعض وقت ایک پیسے کے دس پیسے تو ضرور وصول کرتے ہیں لیکن چیز ایسی دیتے ہیں کہ لینے والے کو بس آنی قیمت کا اداکرنا بھی خریدار کو نہیں اکھرتا۔ سیر و سیاحت، جس کسی صاحب کو ضرورت ہو وہ اُسے **منیجر** صاحب قیصر ہند ایجنسی سہارنپور سے منگا سکتے ہیں +

عذر شکوہ ایک دلکش نظم ہے جسے جناب	عذر شکوہ۔ تقطیع ۲۶×۲۰/۱۶ ضخامت ۲۰ صفحے لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ کاغذ نہایت نفیس قیمت معہ محصول ڈاک ۲/

پیرزادہ محمد عبد العزیز صاحب عزیز مخدومی امرتسری نے تصنیف کیا ہے اور جس میں آجکل کے مسلمانوں کے افسوسناک حالت کا اسلاف کے کارناموں سے موازنہ کر کے انہیں اصلاح اخلاق و اعمال اور مذہبی پابندی کی جانب توجہ دلائی گئی ہے بعض اشعار ایسے ہیں اور وہ صحیح معنوں میں شعر کہے جانے کے مستحق ہیں اور بعض معمولی کہ جسے قارئین اور سامعین کے طبائع متاثر نہیں ہو سکتیں، جن لوگوں نے حضرت اقبال کے مشہور و معروف شکوہ کو دلچسپی سے پڑھا ہے یقین ہے عذر شکوہ کو بھی دیکھ کر محظوظ ہونگے کیونکہ اسکو بھی شکوہ ہی کے رنگ میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے اگرچہ لکھنے والوں کی قابلیت میں اختلاف ہے اور ایک شاعر محض تخیل فلسفی شاعر کے تخیل کی برابری نہیں کر سکتا۔

ناظرین اسوۂ حسنہ میں جو صاحب عذر شکوہ کی زیارت کرنا چاہیں وہ اُسے حسب ذیل [illegible]

مناجات مقبول تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ مجموعی حجم ۲۴۰ صفحے کتابت نہایت عمدہ چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ کا، سرورق مطلا قیمت رنگین کاغذ ساڑھے سات آنہ ۷/۶ اور سفید خاستہ ۶/۱۰ روپیہ	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی خلیفہ

حضرت عارف باللہ مولانا حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبول عام کثیر تصانیف میں ایک مشہور کتاب مناجات مقبول ہے جس میں مولانا ممدوح نے اول اُن تمام دعاؤں کو جو قرآن پاک اور مستند احادیث میں وارد ہوئی ہیں مع ترتیب اور سلیقہ قرینہ کے ساتھ "قربات عند اللہ و صلوٰۃ الرسول" کے نام سے ایک جگہ جمع کر کے پھر انہی ادعیہ کا موثر اردو نظم میں "مناجات مقبول" کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ دعاؤں کا یہ مجموعہ سات حصوں پر منقسم ہے اور ہر روز کے وظیفہ کے لیے اسکے ہر حصہ کو ایک منزل قرار دیا گیا ہے۔ یہ متبرک مجموعہ پہلے بھی کئی مرتبہ چھپکر شائع ہو چکا ہے، اور جن حضرات کو حضرت مولانا کے ساتھ عقیدت و تعلق ہے وہ نفس تصنیف کے امتیازات و خصوصیات معلوم کرنے کے لیے ہماری توضیح و تشریح کے محتاج نہیں ہیں۔ البتہ ایک بات جو ہم کو بری معلوم ہوتی ہے اسکا ظاہر کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ مولانا نے اپنے مجموعہ اوراد کے سات حصوں کو سات منزلوں کے نام سے نامزد کیا ہے۔ اگرچہ وسیع معنوں میں شرعاً اسمیں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ادباً اور مصلحتاً اسکے معیوب ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔ ادباً اسلیئے کہ وحی الٰہی کی عظمت و شان اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کسی انسانی تالیف کو کسی حیثیت سے اسکے مماثل و مشابہ بنانے کی کوشش کیجائے۔ اور مصلحتاً اسلیئے کہ عوام الناس کی طرف سے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ کسی مجموعہ اوراد کو بوجہ اسکی مشابہت قرآن مجید یا اسکا کوئی جزو نہ سمجھنے لگیں۔ مناجات مقبول کے فاضل مؤلف کی دوربین نظر اور انصاف پسند طبیعت سے ہم کو امید ہے کہ وہ ہمارے اشارہ کو کافی سمجھ کر اپنے مجموعہ کے حصص کو منزلوں سے تعبیر نہیں کرینگے،

نفس تصنیف کے اس قابل اعتراض پہلو کو ظاہر کرنے کے بعد ہم مناجات مقبول کے اُس جدید ایڈیشن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو اسوقت ہمارے پیش نظر ہے یہ ایڈیشن مطبع قاسمی دیوبند کے سابق منتظم اور ضلع میرٹھ کے سب سے بڑے خوشنویس منشی محبوب علی صاحب مالک مطبع نامی کے اہتمام و نگرانی میں طبع ہوا ہے، اور ہر لحاظ سے اپنے ماسبق ایڈیشنوں سے سبقت لیگیا ہے۔ کیونکہ اسکے راقم خود منشی صاحب موصوف ہیں جو نسخ و نستعلیق لکھنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں، چھپائی اور کاغذ بھی اس ایڈیشن کا پہلے ایڈیشنوں سے بہتر ہے لیکن زیادہ قابل قدر خصوصیات اس ایڈیشن کی حسب ذیل ہیں:-

(۱) کتاب کے شروع میں مولوی محمود علی صاحب گرامی کا ایک مفید مقدمہ ہے جس میں مولانا نے دعا کی حقیقت کے متعلق بحث کر کے پھر اُن شکوک و شبہات کا مجملاً ازالہ کیا ہے، جو جدید تعلیم کے خوشہ چینوں کی طبائع میں عموماً پیدا ہوتے ہیں، اِس مقدمہ کا مطالعہ اصل تصنیف سے فایدہ اٹھانیکے شوق کا محرک ہو سکتا ہے مناجات مقبول کے جو ایڈیشن دیوبند کے مطبع قاسمی یا کانپور وغیرہ میں چھپے ہیں ان میں یہ ایک بہت بڑی کمی تھی۔ جو جدید ایڈیشن میں پوری کر دیگئی ہے،

(۲) "قربات عند اللہ و صلوات الرسول"، کی عربی عبارت کا سلیس اردو ترجمہ بین السطور میں دیا گیا ہے،

(۳) تصحیح خود اسکے مترجم مولوی حکیم محمد مصطفٰے صاحب خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے کی ہے +

(۴) تتمہ مناجات مقبول کے نام سے ایک چھوٹی امدادی کتاب جدید اضافہ کی گئی ہے اور اس مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے ایک خاص دعا کا اضافہ فرمائی ہے جو اس سے قبل اور کسی مناجات کے ساتھ طبع نہیں ہوئی،

(۵) آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا منظوم عربی شجرہ دیا گیا ہے جو حضرت حاجی صاحب کے اکثر خلفاء و مریدین کے لیے کارآمد ہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے خلفا میں حضرت مولانا حاجی شاہ محمد عبد السمیع صاحب بیدل رامپوری۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری حضرت مولانا بخاری اکبرآبادی مدظلہم و حضرت مولانا شاہ بہاؤ الدین مدظلہم وغیرہ جیسے اکابر کے نام درج کئے گئے۔ یہ غالباً اُس فرقہ بندی کے تعصب کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بے حد نقصان پہنچ چکا ہے، مگر باوجود اسکے کہ اوراد و وظائف کی کتابوں میں بھی اسکی تعلیم دیجا رہی ہے۔ خدا تعالیٰ ہمارے علمائے کرام کو صحیح معنوں میں جانشین رسول بننے کی توفیق عطا فرمائے،

الغرض مناجات مقبول کا جدید ایڈیشن ہر حیثیت اور ہر لحاظ سے پہلے ایڈیشنوں سے بہتر ہے۔ ناظرین اسوۂ حسنہ میں سے جو صاحب مناجات مقبول کے شایق ہیں اور وظیفہ و وظائف کا کچھ تعلق رکھتے ہیں، وہ اس ایڈیشن کو دیکھکر یقیناً محظوظ و مسرور ہونگے۔

ملنے کا پتہ:
مدیر مکتبہ قادریہ سعید منزل شہر میرٹھ

ارائین میگزین

ستمبر ۱۹۱۹ء سے ایک ماہوار رسالہ "ارائین میگزین" نامی حکیم ایم معراج الدین احمد صاحب کی ایڈیٹری میں امرتسر سے جاری ہے جسکا مقصد اولین ارائین قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنا اور انہیں رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ چلانیکی کوشش کرنا ہے۔ اس مقصد اہم کو یہ رسالہ شروع سے ابتک بڑی خوش اسلوبی سے نبھا رہا ہے۔ اور حکیم معراج الدین احمد صاحب کے لئے یہ کامیابی باعث فخر ہے کہ انکی قابل قدر کوششوں کے عملی نتائج کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب میں کام کرنے کی قابلیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں قلم اور دوسرے میں علم عمل ہے۔ وہ ارائین میگزین میں لکھتے ہیں اور عمل کے پلیٹ فارم پر کرکے دکھاتے ہیں۔ چنانچہ بہت تھوڑے عرصہ میں انہوں نے اپنے کئی اہتمام بالشان عملی کاموں کی بنیاد ڈالدی ہے۔ جنکو اگر استقلال کے ساتھ چلایا گیا تو ارائین قوم کی حالت میں ایک انقلاب [illegible] نہیں ہے۔

ارائین میگزین کے ابتک جس قدر پرچے شائع ہوئے ہیں [illegible] لیکن بعض مضامین نہایت مفید چھپے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ رسالہ [illegible] ہے۔ اسلئے قدرتی طور پر اسکے صفحات میں وہ دلچسپی [illegible] رسالوں میں تلاش کی جاتی ہے۔ عمدہ رسالہ کی [illegible] نہیں ہے کیونکہ لکھائی چھپائی معمولی ہوتی ہے۔ [illegible] لکھائی چھپائی کے نقص ارائین میگزین کے مقصد و باوقعت ہونے پر [illegible] نہیں لا سکتے کیونکہ وہ ایک ایسا رسالہ ہے جو کاغذی صورت میں نہیں بلکہ عملی شکل میں اپنی کوششوں کے نتائج ظاہر کر رہا ہے۔ اور ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ عنقریب وہ اپنی ظاہری حیثیت بھی درست کرلے گا۔

ارائین میگزین میں بعض مضامین اس قسم کے بھی نکلتے رہتے ہیں جن میں قوم ارائین کی فضیلت دوسری مسلمان اقوام پر ثابت کیجاتی۔ ہمارے خیال میں اس قسم کے مضامین نہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ قطع نظر اسکے کہ وہ کل مومن اخوۃ کی حکیمانہ تعلیم کے منافی ہیں ایک بڑا نقصان ان کی وجہ سے یہ پہنچ سکتا ہے کہ ارائین قوم میں غرور اور تعلی کا مادہ پیدا ہو جائے گا۔ جو اصل مقصود کے حصول میں حارج اور دیگر مسلمان شریف اقوام کی دل آزاری کا باعث ہوگا۔ اور بحث مباحثہ اور مناظرہ و مجادلہ ایک نیا میدان پیش کردے گا۔ یہ نہایت مناسب بلکہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی مختلف اقوام خود اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔ اور جس قدر بھی ممکن ہو اپنی قوم میں ترقی کی روح پھونکدیں لیکن انکو اپنی اصلاح میں ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے کہ جس سے ان کی طبائع میں دوسری اقوام کو تنفر سے دیکھنے یا اپنے منبع کشنوی کی وجہ سے ان سے علیحدہ رہنے کا خیال پیدا ہو۔ اسلئے ارائین میگزین میں ایک جس قدر مضامین ارائین قوم کی نسبی تحقیق کے متعلق شائع ہوتے ہیں ان میں سے اکثر ہماری رائے میں نفضول بلکہ مضر ہیں۔ ارائین میگزین کا سالانہ چندہ حکام اور طالب علموں کے لئے [illegible] ہے اگر اشاعت کافی ہو جائے تو یہ رسالہ اور سستا ہو سکتا ہے۔ نمونہ حسب ذیل پتہ سے طلب کیجئے:۔

(منیجر صاحب رسالہ ارائین میگزین۔ امرتسر)

نوے اسماء حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم

جیسے خدا تعالیٰ کے [illegible] نام ہیں اسی طرح اوسکے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی [illegible] نام ہیں ان کی صفات اور اثرات بیشتر کتب میں مرقوم ہیں۔ [illegible] خوشخط [illegible] میں لکھوا کر [illegible] کاغذ پر [illegible] مشہور [illegible] پریس لاہور میں ایک کلنڈر کی صورت میں چھاپے گئے ہیں [illegible] نام کے گرد [illegible] اور اسکے چاروں گوشوں پر پھول [illegible] اور ایک سبز پٹری ہے اور پٹری کو ایک خوشنما نیلا حلقہ گھیرے ہوئے ہے۔ یہ کلنڈر مسلمانوں کو اپنی خوابگاہ کے پاس آویزاں کرنے چاہئیں [illegible] پر نظر پڑے۔ اللہ توفیق اور وقت دے تو روزمرہ اسکے پڑھنے کا ورد کریں۔ ہم خرما و ہم ثواب چار آنے قیمت پر

سید خورشید حسین احمد الکسانیڈ کمپنی لاہور موچی دروازہ سے مل سکتے ہیں۔

جواہرات ترجمہ منبہات

بچوں کی تالیق جوانوں کی سپر بوڑھوں کی ہیرو [illegible]

جان ہی کتاب کو جسکا نام ہے جواہرات یعنی منبہات ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بعد مرہ کی سلیس اردو زبان میں ترجمہ۔ اگر آپ کو اسلام سے محبت ہے اور ہادیان اسلام علیہم السلام کی بیش بہا نصیحتوں کی آپکے دل میں کوئی وقعت ہے تو صرف ساڑھے چار آنے میں جواہرات منگا کیجئے خود ملاحظہ فرمایئے۔ احباب کو دکھایئے۔ ماں بہنوں۔ بہو بیٹیوں بچوں اور بچیوں کو پڑھایئے اور دین و دنیا کا فائدہ اٹھایئے۔ مدیر مکتبہ [illegible]

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کیلئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے۔ وسیع ہی کر ترکی، ایران، ترکستان، افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں ہے کہ ذی علم ہو اور قرآن عربی کو نہ سمجھ سکتا ہے کہ چین کے مسلمان بھی اسی لیے مستثنیٰ نہیں ہیں بصد افسوس کہ ہندوستان ہی کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں اور اسی ضرورت پر لحاظ کرکے **علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی نے جن کی جملہ تصنیفات کی فہرست** اسی صفحہ **پر درج ہے** پورے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ اردو ترجمہ عبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شائع کردی ہے اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جسکی سرخیاں حسب ذیل ہیں:-

(۱) ترجمہ کرنیکا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا (۲) ترجمہ قرآن کی صورت زمانہ وسطی اور زمانہ اخیر میں (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجمہ کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب سماوی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت و آنحضرت محمد (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) منصوص احکام قرآن بدلتے نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) مکرر باتیں قرآن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن جن پر صرف یورپ کے مہذب لوگوں کا عملدرآمد ہے (۲۸) برکات [illegible] الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۹) معجزات (۳۰) [illegible] کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے۔

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی بھی پوری کوشش کی گئی ہے مسائل شرعی قرآن سے نکلتے ہیں انکا حال ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف آراء علماء احنفی المذہب و اہل التشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہو گئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے اور ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا علماء حنفی المذہب نے جو [illegible] کئے ہیں حاشیہ زیریں میں سب کا بیان ہے تاکہ ترجمہ سب کے مذاہب کے لئے یکساں مفید ہو لیکن متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہو کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کرکے نہایت صحت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ اسے کہنا بجا ہے یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول ۱۸۹۲ء میں ایک پارہ کا ترجمہ شائع کیا تھا اور اس سے چار برس کے بعد ۱۸۹۶ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا تھا پھر اسکے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ ناظرین بالکمال ترجمہ کو دیکھ کر انشاء اللہ تعالی یہی کہینگے کہ دیر آید درست آید۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بذریعہ وی۔پی طلب فرمائیں۔ اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ تحریک مسلمانوں سے ہر ایک مسلمان کے ہاتھوں میں پہنچ کر اشتہار کا باعث ہو۔ واضح ہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر جسکے لئے علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے۔

ہدیہ قیمت فی جلد مذہب تین روپیہ (نوٹ) جہاں سینکڑوں ہزاروں بیہودہ ناولوں میں خرچ ہوتے ہیں وہاں ترجمہ قرآن کے سمجھنے پر خرچ ہوں تو کیا بیجا ہے۔

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبرشمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید با حواشی اردو مکمل [illegible]	اردو	مذہب اسلام	۲۰۰	ہے	ہے	مجلد
۲	تاریخ الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	ہے	للعہ	مجلد طبع ثانی
۳	الاسلام	اردو	[illegible]	۸۰۰	ہے	عاے	مجلد طبع اول
۴	ناہید	اردو	مذہب اسلام	۲۴۸	عہ	۲ر	طبع ثانی
۵	المجاہد	اردو	[illegible]	۱۰۰	عہ	سہ	۰
۶	[illegible]	اردو	[illegible]	۲۰	ا؎	ا؎	۰
۷	[illegible] سخن	فارسی اردو	شاعری	۵۰۸	صر	؏	۰
۸	زبان اردو	اردو	[illegible]	۳۲	۲ر	۲ر	۰
۹	[illegible]	انگریزی	″	۱۸	۳ر	۲ر	۰
۱۰	[illegible]	″	″	۳۴	۴ر	۲ر	۰
۱۱	[illegible] / دانگزاری	اردو	قانون	۱۸۴	؏	؏	مجلد
۱۲	[illegible]	امریکی	″	۵۴	عہ	؏	″
۱۳	[illegible]	″	″	۱۳۸	ہے	؏	″
۱۴	[illegible]	″	″	۹۵۲	عہ	صر	″

المشتہر عبد الوحید خان منیجر قاضی اینڈ کمپنی گورکھپور

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ



روضہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اُسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت معاشرت کا روحانی خطیب
اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج مسلمان مردوں کا رہبر عورتوں کا معلم بچوں کا اتالیق
مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ۔ ہر شمسی مہینہ کے آخری ہفتہ میں شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہِ صفا ⁂ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ⁂ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک
قسم اول ۲ ⁂ قسم دوم ۱
قیمت فی پرچہ ۳

محمد انوار ہاشمی ایڈیٹر و پبلشر نے عصر جدید پریس میرٹھ میں چھپوا کر شائع کیا

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان واقعی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں قرآن پاک اور اسلام کی صحیح تعلیم اور تبلیغ پر عمل کریں۔ خوف خدا اور عظمت رسول کو معاشرت و تمدن میں اپنا رہنما بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کریں۔ تعصب اور کورانہ تقلید سے اپنے تئیں پاک و صاف رکھیں۔ غیر مسلم اقوام کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کے چھوڑنے کو معیوب نہ سمجھیں۔ ہر ایک کام میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کے مسلک پر آ جائیں۔ علاوت۔ وقت اور قوت جیسی بیش بہا نعمتوں کو بیہودہ روی سے نہ گنوائیں تکفیر کے فتووں سے اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل کریں خانہ جنگیوں۔ نااتفاقیوں۔ اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں۔ اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتفاق و اتحاد اور ہمدردی و خلوص کے آہنی حصار سے مستحکم و محفوظ کر لیں عیش پسندی۔ کاہلی۔ اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں۔ محنتی۔ جفاکش اور اولوالعزم۔ مآل اندیش۔ مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالیں اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی۔ صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف پوری توجہ کریں مشیخت، غرور اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اپنے تئیں تمام دنیا سے زیادہ نالائق اور سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری۔ عیاشی۔ نمود و نمائش۔ فیشن پرستی۔ مقدمہ بازی۔ بے محل خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینوں اور عزلت گزینوں کے راہبانہ رویہ کو خلاف سنت تصور کریں۔ اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی تقدیس بند کر کے اُن سے مفت خوری کی عادت چھڑوائیں۔ ایسے مولویوں۔ ایسے صوفیوں سیاسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض ملت فروش۔ اور نام نہاد قوم خواہ لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو اُن تمام اوصاف و محامد سے متصف کریں جو ایک **اصلح** انسان میں ہونے چاہئیں۔ تا زمین کی وراثت کے مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ

خریداروں اور مضمون نگاروں کے لیے ضروری ہدایتیں

(۱) اسوۂ حسنہ دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے قسم اول کا چندہ سالانہ ـــــہ ہے اور قسم دوم کا عـــہ جو ہر حال پیشگی آنا چاہیے۔ (۲) جن حضرات کے پاس رسالہ نمونۃً پہنچے انہیں براہ کرم اپنے ارادۂ خریداری و عدم خریداری سے بواپسی ڈاک دفتر کو مطلع کر دینا چاہیے (۳) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو ضرور شائع ہو جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیے۔ ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے ایک پرچہ کی قیمت ۲؍ ہے۔ (۴) چندہ کی میعاد ختم ہو جانے پر اگر خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع موصول نہ ہوئی تو ہم وی۔ پی بھیجکر آئندہ سال کے لیے چندہ وصول کر لینے کے مجاز ہونگے (۵) خط و کتابت میں نام و پتہ نہایت صاف مفصل اور واضح لکھنا چاہیے۔ اور نمبر خریداری کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہیے **قلمی معاونین** کو مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔ (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں (۳) آیات کے لیے سورت اور رکوع اور احادیث کے لیے مستند کتب حدیث کا حوالہ ضرور دیں (۴) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری۔ بے نتیجہ۔ یا غیر محققانہ ہوں۔ یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحۃً یا کنایۃً منافی ہوں یا جن میں لفاظی اور تخیل زیادہ اور مفید اصلاحی مطالب کم ہوں یا جن میں مناظرہ اور تردید کا رنگ غالب ہو (۵) جو مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کے لیے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی چاہیے۔ ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری اخلاقاً و قانوناً ان پر عاید ہوگی (۶) مضمون بھیجنے سے پہلے رسالہ کے مقاصد معلوم کر لیں ◆

(مینیجر)

تقویمِ اسلامی

معروف بہ

درویش جنتری بابت ۱۳۳۴ ہجری

مسلمانانِ ہند خصوصاً حضرات صوفیہ کرام اور ان کے مریدین و متوسلین کی مذہبی اور روحانی ضروریات کو سامنے رکھ کر یہ درویش جنتری نہایت خوش اسلوبی اور احتیاط کے ساتھ مرتب کیگئی ہے اور انشاء اللہ دلچسپ اور کار آمد ہونے میں وہ اپنے مخصوص رنگ کے اعتبار سے تمام مروجہ جنتریوں سے بڑھ جائے گی +

ایکہزار سے زاید بزرگانِ دین کے وصال کی تاریخیں۔ **پنجگانہ** نماز کے صحیح اوقات **مشہور** عرسوں کے دلچسپ حالات **تاریخ** اسلام کے بعض اہم واقعات **اسلامی** مہینہ کے لیئے نہایت ضروری اور واجب العمل ہدایتیں۔ **اوراد** اعمال و اشغال۔ **رموز** وحقائق تصوف۔ **مشہور** اولیاء امت کے متبرک اقوال و ملفوظات۔ **بڑے بڑے** بزرگوں کی سوانح عمریاں۔ اصلاحی مواعظ فقہی مسایل نہایت عبرت خیز و دلکش مضامین کار آمد معلومات وغیرہ وغیرہ درویش جنتری کی ایسی قیمتی خصوصیتیں ہیں جو اس سے قبل کسی جنتری میں ایسے محققانہ اور دلپسند طرز پر نہیں لکھی گئیں۔ **درویش جنتری** کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ وہ مصور فطرت حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہم کی سرپرستی میں شائع ہو رہی ہے۔ جنکی مستانہ تحریر۔ لیلیٰ اردو۔ اور دلسوز انشاپردازی کی سریلی آوازوں نے ادبی ذوق رکھنے والوں کو مبہوت بنا رکھا ہے اور جنکی اصلاحی دلچسپی اور زمانہ شناسی مسلم ہے درویش جنتری کے لیئے کئی مضامین خود حضرت خواجہ صاحب ممدوح نے تحریر فرمائے ہیں۔ جو عبرت و نصیحت کے تازیانے ہیں +

اُمید ہے کہ ناظرین اسوۂ حسنہ نہ صرف خود اس جنتری سے فائدہ اٹھائیں گے بلکہ کوشش کرینگے کہ اسکی اشاعت عام اور وسیع ہو ہم نے بھی محض ہر دلعزیز اور مقبول بنانے کیلیئے درویش جنتری کی **قیمت** وہی رکھی ہے جو عام طور پر اوجنتری ہوتی ہے۔ یعنی قسم دوم کی قیمت صرف **۲** ر۔ اور قسم اول کی صرف **۴** ر ہے (قسم اول کی جنتری میں کاغذ اور چھپائی عمدہ ہے۔ مضامین وہی ہیں جو قسم دوم میں ہیں) تاکہ کسی صاحب کو اسکی خریداری گران نہ گزرے +

تاجروں کے لیے رعایتی قیمتیں حسب ذیل ہیں | شرح قیمت قسم اول۔ پانچ جنتریوں کی قیمت علہ ۱۲ جنتریوں کی قیمت ؏ ۲۵ جنتریوں کی قیمت للعہ | شرح قیمت قسم دوم۔ دس ,, ,, ,, علہ ۲۴ ,, ,, ؏ پچاس ,, ,, ,, للعہ

محصولڈاک یا محصول ریل ہر حالت میں خریدار کے ذمہ ہوگا۔ ایک جنتری وی۔ پی نہیں بھیجی جائے گی۔ اُسکے لیئے ۳ر کے ٹکٹ آنے چاہئیں +

اُمید ہے کہ آخیر دسمبر ۱۹۱۵ء تک درویش جنتری چھپکر تیار ہو جائے گی۔ جو صاحب اسمیں اشتہار دینا چاہیں وہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۵ء تک مضمون اشتہار اور اجرت پیشگی بھیجدیں ورنہ انکا اشتہار درج نہیں ہو سکے گا۔ مبیع اشتہار کی اجرتیں درج ذیل ہیں انمیں کسی کے لیئے ایک پائی کی بھی رعایت نہیں ہوگی۔ رعایت کے لیئے خط و کتابت کرنا بالکل فضول ہے۔ درویش جنتری فی الحال صرف تین ہزار (۳۰۰۰) چھپے گی +

نرخنامہ اشتہارات

ایک صفحہ کے اشتہار کی اجرت دس روپے (ععہ) نصف صفحہ کے اشتہار کی اجرت چھ روپے (ﷲ) چوتھائی صفحہ کے اشتہار کی اُجرت تین روپے آٹھ آنہ (ﷲ) جنتری کی تقطیع اسوۂ حسنہ کی سی رہے گی۔ چوتھائی صفحہ سے کم اشتہار نہیں لیا جائیگا۔ غیر مہذبانہ کا اشتہار نہیں شائع ہوگا۔ اُجرت پیشگی آنی چاہیئے +

المشتہر مدیر مکتبہ قادریہ درویش جنتری سعید منزل میرٹھ شہر

بلاوجہ وی پی واپس کرنے والونکو تنبیہ

جن شرائط پر ہم اسوۂ حسنہ اپنے معزز خریداروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ وہ ہر مہینے ٹیٹل کے دوسرے صفحہ پر ضوابط و ہدایات کے تحت میں چھاپی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ جو صاحب اسوۂ حسنہ کو ایکمرتبہ خرید لیں گے۔ وہ ہمارے نزدیک اسکے دوامی اور مستقل خریدار متصور ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ درمیان میں خریداری جاری نہ رکھنے کی باضابطہ اطلاع دفتر کو نہ دیدیں۔ یعنی اگر سال خریداری ..... یا میعاد چندہ ختم ہونے پر کوئی صاحب پرچہ بند کرنا اور خریداری سے دستکش ہونا چاہیں تو ضوابط رسالہ کی رو سے ان کا فرض ہے کہ وہ ہم کو مطلع کر دیں۔ کہ آئندہ انکو پرچہ نہ بھیجا جائے۔ اور ان کا نام رجسٹر خریداران سے خارج کر دیا جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرینگے تو ہم سال آئندہ کی قیمت وصول کرنے کی غرض سے رسالہ وی پی بھیجنے کے مجاز متصور ہوں گے۔ اور اگر بلا کسی معقول وجہ کے یہ وی پی (جو نافذ دقانوناً) واپس کرے گا۔ تو ہمارے نقصان وحرج کی ذمہ داری کا قانوناً شرعاً اخلاقاً وعرفاً واپس کرنے والے خریدار پر عاید ہوگی۔

پس ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کی نسبت کیا کہیں جو محولہ بالا شرط کے پابند ہوکر اسوۂ حسنہ خریدتے ہیں۔ میعاد چندہ ختم ہونے پر ترک خریداری کے ارادہ سے دفتر کو مطلع نہیں کرتے۔ اور جب مطبوعہ جوابی کارڈ بھیجکر ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ آئندہ سال، خریداری جاری نہیں کرسکتے تو براہ کرم ہم کو اطلاع دیدیں تو جواب تک نہیں دیتے۔ مگر باینہمہ جسوقت رسالہ وی پی بھیجا جاتا ہے تو وہ بلا کسی عذر ومعذرت کے نہایت بے پرواہی سے اُسے واپس کر دیتے ہیں اور ایک قومی رسالہ کو جو پہلے ہی شدید مالی نقصان کے بوجھ میں دبا ہوا ہے۔ اور زیادہ زیر بار کرنا معیوب نہیں سمجھتے۔ ایک وی۔ پی کے تیاری اور روانگی میں علاوہ اُس محنت اور وقت کے جو فارم لیبل منی آرڈر اور رجسٹر کی خانہ پری میں صرف ہوتا ہے سوا آنہ کے ٹکٹ بھی لگتے ہیں۔ گویا وی پی واپس کرنے والے اصحاب اپنے ایک پیسہ کی وجہ سے ہمیں پانچ پیسہ کا نقصان اور ڈاکخانہ کو فائدہ پہنچانا گوارا کر لیتے ہیں۔ جو کم از کم اسوۂ حسنہ جیسے رسالہ کے خریداروں کے شایانِ شان نہیں ہے +

پس ہم نہ صرف اپنے مالی نقصان کے خیال سے بلکہ قوم سے کاہلی۔ لاپرواہی۔ اور بدمعاملگی کی قبیح عادات چھڑانے کے لئے ہی بادل ناخواستہ اس امر کا اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اگر آئندہ کوئی صاحب بلاوجہ وی پی واپس کرینگے اور مبلغ ۵ آنہ بابت اُس نقصان وحرج کے جو وی۔ پی کی واپسی سے ہم کو پہنچے گا نہیں ادا کرینگے تو ہم نہایت افسوس کے ساتھ ان کا نام بد قاصرین رسالہ میں شائع کر دینگے۔ اور اگر اسکی ضرورت محسوس ہوئی تو شاید ہمیں چند حضرات کے خلاف دوسروں کی تنبیہ وعبرت کے لئے عدالتی کارروائی بھی کرنی پڑے گی +

امید ہے کہ ہمارے نہایت معزز ومحترم ناظرین میں سے کوئی صاحب ہم سے یہ ناگوار خدمت لینا پسند نہیں کرینگے ہم اسکے لئے مجبور نہیں کرتے کہ آپ خواہ مخواہ **اُسوۂ حسنہ** خریدیں ہی۔ البتہ اسکے لئے مجبور کرتے ہیں کہ اگر آئندہ آپ نہ خریدنا چاہیں تو ہم کو مطلع کر دیں۔ ورنہ ہمارا بھیجا ہوا وی۔ پی وصول کرلیں یہ کچھ سخت مطالبہ نہیں ہے +

(نیازمند مینیجر اسوۂ حسنہ)

انعامی اعلان

پچھلے دو پرچوں میں شیخ غلام زین العابدین صاحب رئیس میرٹھ کی طرف سے "معیار تقدس" کے موضوع پر بہترین مضمون لکھنے والے کیلئے مبلغ ۲۵ پچیس روپے کے انعام کا جو اعلان شائع ہوا ہے۔ افسوس کہ اسوۂ حسنہ کے قلمی معاونین اور دیگر حضرات نے ابتک اسطرف کافی توجہ نہیں فرمائی۔ مذکورہ بالا انعامی موضوع پر اچھا مضمون لکھنا مشکل ضرور ہے۔ لیکن نہ اتنا کہ مشاہیر اہل قلم بھی اسپر خامہ فرسائی کرنے سے ہچکچائیں ۔۔۔ اگر انعام کی خواہش نہیں ہے۔ تو اس خیال سے کچھ لکھئے کہ اسمیں آپ کی قوم کا نفع ہے۔ خاموش رہنا تو اچھا نہیں کیونکہ اس صورت میں انعامی اعلانات کا یہ سلسلہ جسے ایک علم نواز رئیس نے جاری کیا ہے منقطع ہو جائے گا۔ اور قوم کو نقصان پہونچے گا +

اعلان حسب ذیل ہے

اسوۂ حسنہ کی جلد ۵ میں "معیار تقدس" کے موضوع پر جس قدر مضامین شائع ہونگے اُن میں جو مضمون مجموعی حیثیت سے بہترین سمجھا جائے گا۔ اسکے قابل مصنف کی خدمت میں مبلغ پچیس روپے نذر کئے جائیں گے مضمون میں خصوصیت کیساتھ حسب ذیل امور پر بحث کرنے کی ضرورت ہے :-

(۱) قرآن وحدیث میں تقدس کا معیار کیا قرار دیا گیا ہے (۲) قرون اولی اور قرون وسطے میں تقدس کا معیار کیا تھا (۳) فی زماننا مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور طبقوں میں تقدس کا معیار کیا ہے اور اسکی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے۔ بہترین مضمون کا انتخاب ایڈیٹر اسوۂ حسنہ کے مشورت سے خود شیخ غلام زین العابدین صاحب کرینگے +

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ بابت ماہ نومبر ۱۹۱۵ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ لغایت ۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

جلد ۳ | نمبر ۴

فہرست مضامین

شکایت خطوط : کی تعمیل نہیں ہوگی - تاوقتیکہ خریدار اپنے نمبر خریداری سے جو پتہ کی چٹ پر بائیں طرف چھپا ہوا ہے مطلع نہیں کرینگے + (مینجر)

نہایت ضروری اعلان

جن حضرات کا سال خریداری اس پرچہ کے پہنچنے پر ختم ہو جائے گا۔ اگر وہ آیندہ سال کیلئے خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں تو براہ کرم مبلغ دو روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں اخیر اکتوبر ۱۹۱۵ء تک سال آیندہ کی قیمت موصول نہ ہوئی اور نہ کوئی انکاری اطلاع بھی دفتر میں نہ پہنچی تو ضابطہ دفتر کے بموجب دسمبر کا رسالہ وی پی بھیجکر سالانہ قیمت عہ قسم دوم کے خریداروں سے اور مبلغ ع۲ قسم اول کے خریداروں سے وصول کر لی جائے گی۔ اگر آپ کسی مجبوری سے آیندہ سال کے لیے رسالہ نہیں خرید سکتے تو بواپسی ڈاک ایک کارڈ لکھکر ہم کو مطلع کر دیجئے۔ کہ آیندہ آپکے نام اسوۂ حسنہ نہ بھیجا جائے۔ ایک پیسہ کا کارڈ لکھدینے میں آپ کا اتنا نقصان نہیں ہوگا جتنا کہ وی پی کے واپس آنے سے ہم کو تکلیف اور زیر باری ہوگی۔ ہمارا اور آپ کا ایک سال سے تعلق ہے۔ امید ہے کہ آپ اس تعلق کا خیال رکھیں گے۔ اور وی پی واپس کرکے خواہ مخواہ ہم کو نقصان نہیں پہونچائیں گے ✦

(مینیجر)

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس رسول کھلی کھلی نشانیاں لیکر آئے اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں پھر ان کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے تم کو زمین میں جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو

اُسوۂ حسنہ

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(قرآن ایک بڑی) برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے (اس کے مطالب) نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

زکوٰۃ یا اسلامی خیرات وصدقات

(زکوٰۃ کا پانچواں مصرف)

اسلام پاک نے زکوٰۃ کا پانچواں مصرف وَالْغَارِمِينَ قرار دیا ہے یعنی مسلمانوں میں جو لوگ قرض دار ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں۔ کہ ایک طرف بار قرض ان کی کمر توڑے ڈالتا ہے۔ اور دوسری طرف نفقہ ضروریہ کا فکر تنگ کرتا ہو تو ایسے مقروضوں کی مالی مدد کرنا بھی اسلامی زکوٰۃ کے مصارف میں داخل ہے اس حد تک کہ مقروض بار قرض سے سبکدوش ہو کر نفقہ ضروریہ پیدا کرنے کے قابل ہو جائے۔ الغارمین سے وہ قرضدار مراد نہیں ہیں۔ جنہوں نے قرض کی مصیبت خود اپنے ہاتھوں مول لی ہے۔ اور عیش وعشرت۔ نام ونمود اور فضول مراسم میں روپیہ اڑا کر قرضدار ہو گئے ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جنپر کوئی ناگہانی مالی مصیبت پڑی ہو۔ یا کسی وجہ سے نفقہ ضروریہ کمانے سے معذور ہو گئے ہوں۔ مثلاً کوئی عضو بیکار ہو گیا۔ مال چوری گیا تجارت میں دیوالہ نکل گیا۔ کوئی تاوان بھرنا پڑا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ الغارمین میں صرف ایسے ہی قرضداروں کی امداد کا حکم ہے۔ کیونکہ ایک اسلام کا سچا پیرو جو اسراف وتبذیر کو فعل شیطانی جانکر اُن سے کوسوں بھاگتا ہے کبھی قرض کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے مبذرین کو اخوان الشیاطین فرمایا ہے اور جا بجا کفایت شعاری و مآل اندیشی سے زندگی بسر کرنے اور سوچ سمجھ کر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ عیش وعشرت۔ نام ونمود اور لغو رسومات میں روپیہ اڑانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ بیکاری۔ کاہلی اور دنیا ترک کرکے گھر میں بیٹھ جانے کی مذمت کی ہے۔ ان احکام کی موجودگی میں جو لوگ ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے۔ محنت ومشقت نہیں کرتے مآل اندیشی کو بالائے طاق رکھ کر دھڑا دھڑ روپیہ اڑاتے ہیں۔ چادر دیکھ کر پاؤں نہیں پھیلاتے۔ آمدنی سے چوگنا خرچ کرتے ہیں۔ منہیات شرعیہ میں اپنی گاڑھی کمائی کو ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ اگر قرضدار ہوتے ہیں تو اپنے کرتوتوں کے خمیازہ میں

اسلیئے انہیں اسلامی زکوٰۃ سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسلامی زکوٰۃ کے مستحق صرف وہ مصیبت زدہ مقروض ہیں۔ جو نفقہ ضروریہ حاصل کرنے سے معذور و لاچار ہیں۔ جو محنت و مشقت کرکے کماتے ہیں۔ مگر کنبہ کی پرورش نہیں کرسکتے یا جو غریب کسی ناگہانی آفت میں مبتلا ہوکر قرضدار ہوگئے ہیں تو ایسے حالات میں بربنائے فقر و مسکنت قوم پر ان کی مدد کرنا فرض ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے قرضداروں کا نہ صرف قرض ہی ادا کریں بلکہ ایسے وسایل بہم پہنچائیں کہ وہ نفقۂ ضروریہ بسہولت پیدا کرسکیں اور آیندہ قرض کی مصیبت میں مبتلا نہوں۔ اگر قرض مسلمانوں کا ہے اور وہ معاف کرنے کی حیثیت رکھتے ہیں تو معاف کردیں۔ کہ اسکا اجر انکو خدا تعالیٰ کے یہاں ملیگا۔ اور اگر اتنی حیثیت نہیں رکھتے یا معاف نہیں کرتے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مال زکوٰۃ میں سے ایسے لوگوں کی امداد کریں۔ تاکہ انکو قرض کی مصیبت و ذلت سے نجات ملے۔ اور قرض خواہوں کو عدم وصول قرضہ کی وجہ سے نقصان نہ پہنچے۔ اس طریقہ سے زکوٰۃ قوم کے دونوں نقصانوں کو مٹا دیگی اور چند اشخاص کے قرضہ کا بار قوم پر بٹ جانے کی وجہ سے کسیکو معلوم تک نہوگا مگر آجکل عام طور پر مسلمانوں کے قرضدار ہونے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ کسب معیشت سے معذور ہیں اور انکی کمائی ان کے کنبہ کی پرورش کے لیئے ناکافی ثابت ہوتی ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ وہ مال کی قدر نہیں کرتے۔ مسرف و فضول خرچ ہیں عیش و عشرت۔ نام و نمود۔ عیاشی۔ شرابخواری۔ مذموم مراسم۔ تن پروری پتنگ بازی۔ بٹیر بازی۔ اور مرغ بازی وغیرہ میں روپیہ ضائع کرتے ہیں۔ عاقبت بینی اور مآل اندیشی سے کام نہیں لیتے۔ دوسروں کی روٹیوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ خود ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے۔ ایک کماتا ہے دس کھانے والے پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور اس طرح دن پر دن قرض کے بوجھ میں دبتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے مقروض مسلمان ہرگز مد زکوٰۃ سے حصہ پانے کا حق نہیں رکھتے۔ کیونکہ زکوٰۃ انسانوں کے لیئے ہے اور وہ انسانیت سے گزر کر شیطنت کی حدود میں داخل ہوگئے ہیں۔

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین بیشک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ البتہ اگر یہ لوگ فضول خرچی کی تباہ کن عادت کو ترک کردیں۔ محنت و مشقت کرکے روزی کمانے لگیں۔ اور اسپر بھی اپنے کثیر کنبہ کی پرورش نہ کرسکیں تب البتہ وہ عام مسلمانوں کے مال سے متمتع ہونے کے مستحق ہوسکیں گے۔ اور اس استحقاق کے ثابت کرنے کے بعد مد زکوٰۃ سے اپنا حصہ پاسکیں گے۔ ورنہ نہیں۔

جو لوگ قرضدار ہونے سے قبل خوب کماتے تھے۔ جنکا کاروبار عمدہ طور پر چل رہا تھا۔ انکی آمدنی نہ صرف انکی ضرورتوں کے لیئے کافی تھی بلکہ وہ اسکی وجہ سے متمول کہے جاتے تھے۔ اور زکوٰۃ و خیرات سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کرتے تھے۔ یکایک انکا دیوالہ نکل گیا۔ یا کسی معاملہ میں انکو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور وہ اسقدر مقروض ہوگئے کہ کسی طرح اپنے قرضہ کو نہیں ادا کرسکتے۔ ایسے لوگوں کی مدد کرنا بھی قوم کا فرض ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے تمول کے زمانہ میں اپنے نادار بھائیوں کی امداد کرتے تھے۔ تو اب کہ وہ مقروض و محتاج ہیں متمول مسلمانوں کی زکوٰۃ سے مدد حاصل کرنے کا بہت کچھ استحقاق رکھتے ہیں۔ علیٰ ہذا جو لوگ نہ پہلے دولتمند تھے اور نہ مسکین بلکہ باوجود خرچ کرنے میں محتاط ہونے کے اپنی آمدنی سے کچھ پس انداز نہیں کرسکتے تھے لیکن اب کاروبار کے بند یا اسمیں نقصان ہوجانے کی وجہ سے قرضدار ہوگئے ہیں اور محنت و مشقت اور سعی و کوشش سے اتنا بھی نہیں کماسکتے جو نفقۂ ضروریہ کے لیئے کافی ہو۔ ایسے مقروض بھی مسکین و فقیر کے حکم میں داخل ہیں اور انہیں اسباب سے جو فقرا و مساکین کے حق میں بیان ہوچکے ہیں۔ مد زکوٰۃ سے مستحق امداد ہیں۔ اور صلاح قوم و ملت بھی اسی میں ہے کہ ان کی مدد کیجائے۔ اور اُس ننگ و عار کو دور کیا جائے جو انکی بدولت قوم و ملت کو لاحق ہوتا ہے۔ کیونکہ افراد ہی کا ننگ و عار قوم و ملت کے ننگ و عار کا موجب ہے۔

زکوٰۃ کا یہ پانچواں مصرف بھی تقریباً تمام مسلمانوں سے بالکل چھوٹ گیا ہے تاہم زکوٰۃ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ جو لوگ زکوٰۃ دیتے۔ اور اس دینی فرض کو خندہ پیشانی سے بجا لاتے ہیں۔ افسوس کہ وہ بھی اس ضروری اور اہم مصرف کا خیال نہیں کرتے الا ماشاء اللہ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو تجارت کی طرف بہت کم توجہ ہے۔ وہ دیوالہ نکلنے کے اندیشہ سے بڑی بڑی تجارتوں میں سرمایہ لگاتے ہوئے جھجکتے ہیں کہ کہیں تھوڑی بہت پونجی بھی ہاتھ سے نہ جاتی رہے اور مقروض و محتاج ہوکر زندگی نہ گزارنی پڑے چنانچہ کئی عالی حوصلہ مسلمان اسوقت ایسے موجود ہیں جنکا لاکھوں روپے کا کاروبار چل رہا تھا۔ جن کی ذات سے ہزاروں مساکین و فقرا کی پرورش ہو رہی تھی۔ مگر وہ آج نان شبینہ کو محتاج ہیں۔ اور اگر حکومت کی طرف سے دیوالیہ قرار دیے جاتے تو قرضخواہوں کی زیادتی سے کبھی کے خودکشی کرچکے ہوتے۔ مگر کسی خدا ترس متمول مسلمان کو ان کے حال پر رحم نہیں آتا کہ وہ انکا قرض ادا کرنا تو درکنار انکے لیئے اسباب معیشت ہی انکی حیثیت و ضرورت کے لایق فراہم کردے۔ اگر آج زکوٰۃ باقاعدہ طور پر بیت المال میں جمع ہوتی اور اسکے تمام مصارف کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تو ایسے افسوسناک واقعات کیوں پیش آتے۔ مگر مسلمان ہیں کہ انکو اسکا احساس تک نہیں کہ زکوٰۃ کن مصالح قومی و ملی کو مدنظر رکھ کر ان پر فرض کی گئی تھی۔ ایک طرف تو زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی غفلت و لاپرواہی اور اسکے حقیقی مصارف سے بےخبری اور دوسری طرف غیر مستحق خیرات لینے والوں اور مفت کے مال پر بےرحمی کا ہاتھ دراز کرنے والوں کی زیادتی۔ انہی دو مفسدوں نے زکوٰۃ و صدقات کے حقیقی فوائد

وصول کو معدوم و مفقود کر رکھا ہے اور قوم کی اقتصادی حالت روز بروز نہایت نازک اور خطرناک ہوتی جاتی ہے۔ اگر زکوٰۃ دینے والے اسکے صحیح مصارف سے واقف ہو جائیں اور ان کے ذہن میں یہ بات جم جائے کہ جو زکوٰۃ غیر مستحقین کو دی جاتی ہے اس کا ادا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور دوسری طرف غیر مستحق مفت خور زکوٰۃ کا مال قبول کرنے میں شرم و ندامت محسوس کرنے لگیں تو بہت جلد ہماری قوم کی مالی حالت سدھر سکتی ہے۔ اور زکوٰۃ کے مسلمانوں پر فرض کرنے میں جو فوائد و مصالح مدنظر رکھے گئے تھے۔ وہ سب نہایت آسانی سے حاصل ہو سکتے ہیں +

جب تک مسلمانوں کے اقبال کا تارہ چمکتا رہا اُسوقت تک وہ اپنے دینی فرائض کو بھی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ اور افراط و تفریط سے بچکر خدا اور رسول کے احکام پر خلوص نیت سے عمل کرتے رہے۔ نہ انمیں آجکل کے خوش عقیدہ اور متواضع لوگوں کی سی فیاضی تھی کہ جو سائل انکے دروازہ پر آیا بلا لحاظ اس امر کے کہ آیا فی الواقع وہ مستحق بھی ہے یا نہیں۔ فوراً ہی اسکے سوال کو پورا کر دیا۔ اور نہ ایسی خست تھی کہ ہر غریب و مستحق شخص کے فقر و مسکنت کو خواہ مخواہ اسکی نالائقی پر محمول کر کے اسکی امداد و اعانت سے گریز کیا۔ جیسا کہ آجکل بعض مہذب اقوام کا شیوہ و وطیرہ ہے۔ الغرض وہ اپنے ہر ایک کام میں مسلک اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اور اسیوجہسے اسلامی برکات سے پورے طور پر مستفید ہوتے تھے +

حیف ہے ہم مسلمانوں پر کہ ہم زکوٰۃ جیسے عظیم الشان اور پرمنفعت فرض سے بھی قومی ترقی میں مدد نہیں لیتے اور ایسے بیش بہا جوہر کو اس بری طرح برباد کر رہے ہیں۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہلوائیں۔ اور اسلام کی حقیقی تعلیم سے محض ناآشنا و بے خبر رہیں اور دوسروں کو طعنہ زنی کا موقع دیں +

مسلمانو! خدارا ہوش میں آؤ دیکھو یورپ و امریکہ کی متمدن عیسائی قومیں تمہارے ہی خرمن مذہب سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ تمہاری ہی شریعت کے انجنیر کی مدد سے قومی ترقی کی سڑکیں بنا رہی ہیں۔ تمہارے ہی دینی اصول پر عامل ہو کر اپنا امتیاز و اعتبار قائم کر رہی ہیں۔ مگر تم خواب غفلت میں ایسے مدہوش ہو کر ان حقایق کا احساس ہونا تو درکنار الٹا اپنے اسلام کو بدنام کرتے ہو کہ وہ دنیاوی اور تمدنی ترقی کا منافی ہے۔ کاش تم زکوٰۃ کے اس پانچویں مصرف **للغارمین** پر ہی غور کرو اور یورپ کے خیراتی دستور العمل کا اس حکیمانہ اسلامی اصول سے موازنہ کرو۔ تمہیں ظاہر ہو جائے گا کہ ترقی یافتہ یورپ۔ مہذب یورپ۔ متمدن یورپ نے اپنی خیرات و صدقات کے مصارف کی فہرست اسلامی تعلیم ہی کو سامنے رکھکر بنائی ہے۔ چنانچہ روزمرہ خبریں سننے میں آ رہی ہیں کہ فلاں ساہوکار کا دیوالہ نکل گیا۔ اسکی امداد و اعانت کے لیئے چندہ ہو رہا ہے ہم پیشہ اور دولت مند دریا دلی سے کام لے رہے ہیں۔ فلاں کمپنی بیٹھ گئی حصہ داروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ مگر اہل ہمت پھر بھی در پے تدارک ہیں اتنی رقم جمع ہو گئی ہے اور ہوتی جاتی ہے۔ اگر پورے خسارے کی رقم جمع نہ ہو سکی تب بھی بہت کچھ ہو جائے گی۔ اور کمپنی اپنے کاروبار کو چلانے کے قابل بن جائیگی

اس قسم کی امداد میں کون حصہ لیتے ہیں؟ وہی جو دولت مند ہوتے ہیں زکوٰۃ کیا ہے؟ وہ بھی دولت مندوں کا ایک مقررہ سالانہ چندہ ہے جو بطریق حفظ ماتقدم اچانک پیش آجانے والی اور ناگزیر حاجتوں کے لیئے جمع اور مصارف ضروریہ مفیدہ میں خرچ ہوتا ہے۔ متمدن یورپ نے علم و حقایق شناسی کی بدولت جان لیا کہ قوم کے جو افراد پراگندہ حال ہوں۔ یا بدحال ہو جائیں۔ اون کی امداد کا کیا نتیجہ ہے۔ اسلیئے وہ مدد کرتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ فارغ البال ہے۔ اور اُسکے کاروبار کا دروازہ وسیع ہے۔ فقر و فلاکت کا نسبتاً کم اثر ہوتا ہے۔ اور تقریباً قوم مساوی الحال پائی جاتی ہے۔ ہم مسلمان اپنی بدنصیبی سے جہالت کی بدولت قرآن مجید کے اس حکم موکد کو بھی بھول گئے ہیں۔ اور مقروضوں کی امداد کو اپنا فرض ہی نہیں سمجھتے۔ اسی لیئے قوم میں فلاکت کا سکہ جما ہوا ہے۔ ایک طرف دولت مندوں کے آہنی صندوقوں میں زر و سیم مقفل ہے اور دوسری طرف مسکنت اور دفعتہً پیش آجانے والی آفتوں اور خساروں کے مارے ہوئے لوگ اسفل السافلین میں گرتے۔ اور قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہونچاتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس خصوص میں ہم ہندوؤں سے بھی بہت گرے ہوئے ہیں۔ نہ ہم میں اپنے مقروض بھائیوں کو معاف کرنے کی ہمت ہے۔ اور نہ زکوٰۃ سے انکو بار قرض سے سبکدوش کرنے کی صلاحیت۔ برخلاف اس کے ہندو فراخ حوصلگی اور ہمت و حکمت سے کام لیتے ہیں۔ جہاں اونکی قوم میں سے کسی کا دیوالہ نکلا قرضخواہوں نے قرض چھوڑ دیا۔ اوروں نے دیوالیہ کی دستگیری کی اور قابل کاروبار بنا دیا۔ وہ نہیں تو اسکے بیٹے اونکے بھائی بھتیجے پھر اوسی کام کو لے بیٹھے۔ اور چند ہی روز میں خود دوسروں کی مدد کرنے کے قابل ہو گئے۔ اگر کوئی فقر و مسکنت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اوسکی مدد کرتے ہیں۔ اسی مدد میں قوم کی فلاح و تمول کا راز چھپا ہے۔ کیونکہ جو چند افراد قوم کی بھلائیوں میں متمول خرچ کرتے ہیں۔ وہ ضائع نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اوسکا دو چند قوم میں آجاتا ہے اور پھر بھر اکر خیرات سے زیادہ مخیروں کو مل جاتا ہے +

اسی ہندوستان کو لو۔ ہم مسلمان مسلمانوں کی مالی بدحالی کو روتے رہتے ہیں اور

ہندوؤں کی قومی آسودگی پر رشک کھاتے ہیں۔ مگر ہم کیوں تباہ ہیں؟ اوّل اسراف سے اور دوسرے اسلیے کہ متمول ادنےٰ طبقہ کی جو کاروباری ہو سکتا ہے۔ دستگیری نہیں کرتے۔ اور خود کاموں سے کنارہ کرتے ہیں۔ اس طرح پر جو لوگ کاروبار اور اُس سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ بھی ہاتھ پاؤں دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور روز بروز قومی فلاکت بڑھتی جاتی ہے۔ برخلاف اسکے اوّل تو ہندوؤں میں اسراف نہیں اور پھر متمول خود کاروبار میں مصروف رہنے کے لیے کاروبار کی اہلیت رکھنے والوں کی امداد کرتے ہیں۔ یوں اُنکی دولت دن دونی رات چوگنی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور ہم ہر طرح سے رہی سہی کو بھی کھوتے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ سے دستکاروں کی مدد کرنا۔ بشرطیکہ وہ مسرف نہ ہوں۔ اسکا بہترین علاج ہے۔ ایک طرف قومی تمول کے بڑھنے کے اسباب پیدا کرتا ہے اور دوسری طرف افرادِ قوم میں یک حالی کا موجب ہوتا ہے۔ جس سے قومی تمول و فلاکت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

انما الصدقات ...... للناظرین کے مفہوم کو دیکھیے کس قدر وسیع ہے اور کس عمدہ طریقہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ حد نہیں بتائی کہ دستکاروں کی کہاں تک مدد کرو۔ اور زکوٰۃ میں سے کتنا حصہ دو۔ یہ تفہیم اطلاق ہی ہونے سے ہے۔ کہ جتنی ضرورت ہو۔ اور جہاں تک مدد کرنا قوم کی طاقت میں ہو۔ اور جہاں تک اوسکے فوائد قوم کی طرف رجوع کرنے والے ہوں۔ زکوٰۃ سے مدد کرو۔

اب ذرا غور سے سوچو کہ غارمین کی اعانت تمدن و فلاحِ قوم کے لیے کہاں تک ضروری و مفید ہے۔ اور کیونکر قومی طاقت اور اُسکے تمدن کی حفاظت کرتی ہے۔ قرآن تو ہم کو خوشحالی و فراغ البالی کی بہتر سے بہتر تدبیر بتاتا ہے لیکن ہمیں اوس پر عمل کرنے کی توفیق بھی ہو۔ (خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ)

توکل اور قرآن

(۲)

یہ خیال کہ آدمی کی تدبیر و سعی کسب اور کوشش سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسلیے توکل اختیار کرنا چاہیے۔ ایک ایسا خیال ہے۔ جس کا ثبوت قرآن کریم میں نہیں مل سکتا اگر قرآن حکیم جیسی کامل کتاب ایسی باتوں کی تعلیم دے تو پھر نظامِ دنیا کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ مسلمانوں کو کم از کم اتنا تو سوچنا چاہیے کہ فرض کرو کسی مذہب کا شرعی حکم یہ ہے کہ لوگو! توکل کرو (وہی توکل جس کی تعریف اوپر گزر چکی ہے) تو اِس حکم پر تمام قوم مکلف ہوگی نہ کہ چند افراد۔ اب خیال کرو کہ اگر اس مذہب کو ماننے والی قوم کے تمام افراد اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو اسکا انجام کیا ہوگا؟ یہی کہ ساری قوم محتاج ہو جائے گی۔ قومی ثروت کا نام و نشان نہ رہے گا ہر طرح کی ندامت و ذلت اسکے سامنے آئے گی۔ خواری و ہلاکت آکر اسکا زغہ کرینگی۔ اور رفتہ رفتہ قوم صفحہ ہستی سے معدوم ہو جائے گی۔

جس طریق عمل کا یہ مآل ہو۔ کیا عقل سلیم تسلیم کر سکتی ہے کہ کوئی سچا مذہب یا کوئی سچی کتاب اُسکا حکم دے گی۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پھر اسلام جیسے کامل و مکمل مذہب اور قرآن حکیم جیسی پر حکمت کتاب کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ بھی ایسے ہی غیر مروجہ توکل کا حکم دیتی ہے۔ سراسر غلط نہیں تو اور کیا ہے۔

لیکن یہ خیال مسلمانوں میں ایسی صورت میں پھیلا ہوا ہے کہ وہ اسکو اصل دین اور عین الٰہی فرمان سمجھتے ہیں جس سے کاہل رہنے اور دوسروں کی کمائی پر نگاہ رکھنے والے اپنے آپ کو متوکل سمجھ اور کہہ کر اپنے انسانی عیوب پر پردہ ڈال لیتے یا غیروں کی کمائی سمیٹنے کی ایک تدبیر نکال لیتے ہیں۔ اور سیدھے سادے مسلمان اُن کے دھوکہ میں آکر اور اُن کی مدد کر کے اوروں کو بھی حوصلہ دلاتے ہیں کہ ایسا ہی کریں۔ انہی دونوں قسم کے لوگوں کی بدولت مسلمانوں میں بے معنی اور اسباب و سعی کو معطّل کرنے والے توکل کا خیال عام ہوا۔ اور خیال اصل ہے اعمال کی جب خیال یہ ہو کہ سعی و عمل نہ کرنا چاہیے۔ تو پھر اکتساب کی کوشش ہو تو کیونکر؟ یہی سبب ہے کہ مسلمان کاہل ہوگئے۔ اور ہوتے چلے جاتے ہیں اور اسکا ذمہ دار اپنے فاسد خیال کے موافق خدائے پاک اور اُس رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سمجھتے ہیں۔ اور برملا کہتے ہیں۔ کہ توکل ترکِ سعی و تدبیر کا نام ہے۔

برخلاف اسکے اُس زمانہ کے مسلمانوں کو دیکھو جبکہ کسب و عمل کی گرم بازاری تھی۔ اور لوگ قرآن کریم کی حقیقت سے سچی واقفیت رکھتے تھے۔ کہ اُن کا کیا حال تھا۔ حضرت امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے احیاء العلوم میں لکھا ہے۔ کہ یہ سمجھنا کہ محض خدائے پاک پر توکل کر کے بے حس و حرکت بیٹھ جانے سے مطلب حاصل ہو سکتا ہے سخت غلطی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے اس غلطی کو صاف ظاہر کر دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ۔

(۱)

لا یقعد احدکم عن طلب الرزق ویقول اللهم ارزقني فقد علمتم ان السماء لا تمطر ذهبا ولا فضة	تم میں سے کسی کو نہیں چاہیے کہ تلاش معاش سے بیٹھ رہے اور پڑھا کرے (اللهم ارزقني) یا اللہ مجکو رزق دے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا۔"
(احیاء العلوم)	

(۲)

قيل لاحمد ما تقول فيمن جلس في بيته او مسجده وقال لا اعمل شيئا حتى ياتيني رزقي فقال احمد هذا رجل جهل العلم اما سمع قول النبي صلے الله عليه وسلم ان الله جعل رزقي تحت ظل رمحي وقوله صلعم ذكر الطير فقال تغدو اخماصا وتروح بطانا فذكر انها تغدو في طلب الرزق (احیاء العلوم)

امام احمد بن حنبلؒ سے جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ اُس شخص کے حق میں کیا کہتے ہیں جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھا رہے اور کہے کہ میں کچھ نہ کروں گا جب تک میرے پاس رزق اپنے آپ نہ آئے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ ایسا شخص علم دین سے جاہل ہے کیا اُس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ خدا نے میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ تلے مقرر کیا ہے۔ اور یہ قول بھی نہیں سنا کہ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آتے ہیں۔ یعنی وہ رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں:۔

یہ تھے مسلمانوں کے خیالات۔ اور آج بھی اُن قوموں کا کیا حال ہے جو اسوقت کسالت سے نفور ہیں۔ اور فکر معاش میں لگی ہوئی ہیں کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہم مسلمان اپنے خود تراشیدہ خیالات و اعتقادات کی وجہ سے تو خراب ہوں۔ اور اسلام پاک اور قرآن کریم کو بدنام کریں اور یہ کہلوائیں۔ کہ مسلمان اپنے دین کی وجہ سے اس ذلت و خواری کو پہنچے اور اُن کا مذہب دنیاوی ترقی و تمدن کا دشمن ہے۔ جب تک وہ اسکے پابند رہیں گے ہرگز نکبت و ادبار کے گڑھے سے نہ نکلیں گے۔"

حالانکہ اسلام پاک ہی ایک ایسا کامل و مکمل مذہب ہے۔ کہ جس کی تعلیم دینی و دنیوی ضرورتوں اور حاجتوں کی پورا کرنے والی اور کفیل ہے۔ وہ پاک کتاب تو حکم دیتی ہے:۔

(۱)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (پ۲ بقرع ۲۵/۹)

اے حاجیو! کچھ الزام نہیں ہے اگر تم سفر حج میں (بھی) خدا کے رزق کی تلاش کرو (یعنی تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے معاش بھی پیدا کرو۔ اور حج بھی کر آؤ تو کچھ مضایقہ نہیں)"

(۲)

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (پ۳۰ نبا۔ ع ۱/۱)

ہم نے (تمہارے لیے) دن کو کمائی کرنے کا وقت بنایا"

(۳)

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ (پ۸ اعراف ع ۱/۲)

ہم نے تمہارے لیے زمین پر معاش حاصل کرنے کے اسباب پیدا کئے"

(۴)

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (پ۲۸ جمعہ ع ۲/۱۲)

جونہیں تم نماز سے فارغ ہو۔ زمین میں پھیل جاؤ۔ اور خدا کے فضل و کرم کی تلاش کرو (کہ وہ کس طرح سے ملے گا۔ اور کیونکر اور کس تدبیر سے روزی ہاتھ آئے گی)"

اسی طرح اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے طلب معاش کے لئے کوشش اور تدبیر سعی اور عمل کرنے کی اجازت اور ترغیب پائی جاتی ہے۔ جسکو صحابہ کرام اور قرون اولی کے مسلمان جانتے تھے۔ صحابہ کرام سے بڑھ کر اور کون دیندار اور سچا مسلمان ہوگا۔ اگر اسباب معاش کا معطل کر دینا ہی توکل ہوتا۔ تو وہی سب سے زیادہ اسکے پابند ہوتے لیکن ان بزرگواروں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ جانتے تھے کہ خدا تعالے پاک کا حکم ہے۔ کہ روزی کی تلاش آپ کرو۔ یہی تمہاری فطرت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر صحابی کسی نہ کسی کسب سے روزی کماتا تھا۔ کیا وہ متوکل نہ تھے؟ تھے اور ضرور تھے۔ پھر توکل کے وہی معنی ہیں جو قرون اولی میں سمجھے جاتے تھے۔ جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

لیکن جب یہ زمانہ گزر گیا۔ اور مسلمانوں کی ہمتوں میں پستی اور جسمی سستی سے بسنے لگی۔ تو مسلمانوں کی ایک جماعت ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گئی۔ اور اُس نے اپنے اس اخلاقی عیب کو چھپانے کے لیے توکل کی آڑ پکڑ لی۔ اور جبر کو اپنا اعتقاد بنا لیا۔ کہ "جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے۔ خدا ہی دیتا ہے۔ سعی و کوشش، تدبیر و عمل سب رائیگان و بے سود اور خلاف توکل ہے۔" جیسا کہ حضرت امام ابن الجوزی (رحمۃ اللہ علیہ) نے لکھا ہے کہ:۔

(۵)

وقد كان لبعضهم بضاعة فانفقها وقال ما اريد ان يكون نفسي الا بالله وهذا قلة فهم لانهم يظنون ان التوكل قطع الاسباب واخراج الاموال ولو فهم هؤلاء معنى التوكل وانه ثقة القلب بالله تعالى لا اخراج المال ما قالوا هذا ولكن قل فهمهم وقد كان

بعض صوفیہ کے پاس کچھ سرمایہ تجارت تھا۔ سب کو خیرات کر ڈالا اور کہنے لگے ہم اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کم فہمی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اسباب سے قطع تعلق کرنا۔ اور مال کو علیحدہ کر دینا ہی عین توکل ہے اگر یہ لوگ توکل کے معنے سمجھتے کو توکل کہتے ہیں خدائے تعالی پر دل کے وثوق کرنے کو نہ اسکو کہ مال علیحدہ کر دیا جائے تو ایسا کہتے

سادات الصحابة والتابعين يتجرون ويجمعون الاموال وما قال مثل هذا احد منهم وقد روينا عن ابي بكر الصديق انه قال حين امر فترك الكسب لاجل شغله بالخلافة فمن اين اطعم عيالي وهذا القول منكر عند الصوفية يخرجون قائله من التوكل (تلبيس ابليس)

"بڑے بڑے صحابہ و تابعین تجارت کیا کرتے اور مال جمع کیا کرتے تھے اُن میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت ہم تک روایت پہنچی ہے کہ جس وقت خلافت کے کاروبار کی وجہ سے اپنا کسب چھوڑ دیا تو فرمانے لگے کہ میں اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں۔ حالانکہ یہ قول صوفیہ کے نزدیک منکر ہے۔ اور اس طرح کہنے والے کو توکل سے خارج کر دیتے ہیں"

چونکہ یہ بات بالکل نئی تھی۔ اور مسلمان اس پر اعتراض کرتے تھے۔ اسلئے لوگوں نے اپنے عیوب کو چھپانے اور اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لیے اُن نصوص شرعیہ سے مدد لی۔ جو زہد و قناعت اور مذمت دنیا کے بارے میں وارد ہیں اور پھر قصص و حکایات سے اپنے اس من گھڑت کو ایسا دلکش بنایا کہ لوگ اس پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ کیونکہ کسل و بیکاری کو آدمی پسند کرتا ہی ہے لیکن درحقیقت نصوص میں سے ایک نص بھی ایسی نہیں جو بطالت و کسالت پر آمادہ کرتی ہو۔

قرآن کریم بے شک توکل کی تعلیم دیتا ہے۔ زہد کی ہدایت کرتا ہے۔ دنیا کی مذمت کرتا ہے لیکن اِن معانی میں جو اِن کاہلی اور بیکاری کا سبق پڑھانے والے اُستادوں نے سمجھی۔ بلکہ توکل کی صحیح تعریف یہی ہے کہ اگرچہ انسان کی کامیابی کا سیدھا رستہ جو فطرتِ الٰہی نے اُسکو بتایا ہے۔ تدبیر اور سعی کوشش اور عمل کے سوا اور کوئی نہیں لیکن تدبیر کا کامیاب ہونا سعی اور عمل میں پورا اترنا ایسے ذریعوں پر موقوف ہے۔ جو قطعًا انسان کی طاقت سے باہر ہیں۔ قرآن پاک میں توکل کی تعلیم سے یہ سکھلایا گیا ہے کہ انسان کو اپنی تدبیر اور سعی پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ اگر قدرتی تائیدیں نہ ہونگی اور وہ تمام اسباب جو مسبب الاسبابؒ نے ہماری کامیابی کے لیئے مقرر کئے ہیں۔ مساعدت نہ کرینگے۔ تو ہماری کامیابی غیر ممکن ہے۔

اسکے علاوہ ایک اور دنیوی مصلحت بھی اسمیں مضمر ہے۔ یعنی آدمی اپنی عاجزی اور درماندگی اور کامیابی کی بے انتہا مشکلات پر نظر کرکے اکثر اوقات تدبیر کرنے سے بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنی کوشش کو ان بے انتہا مشکلات کے مقابلہ میں ناچیز سمجھ کر ہاتھ پاؤں کچھ نہیں ہلاتا۔ اسی واسطے خدائے پاک پر بھروسہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ تاکہ انسان پر مایوسی اور جُبن (نامردی) طاری ہونے نہ پائے اور وہ اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھے۔ بلکہ اُسکا دل مضبوط اور توانا رہے اور وہ اپنے آپ کو ایک ایسی زبردست اور قوی ذات کے سہارے پر کھڑا کرے جو مسبب الاسباب اور رب الارباب ہے۔ اور وہ اسپر بھروسہ کرکے کوشش کے لیئے فوراً کھڑا ہو جائے۔ اسی لیئے ارشاد ہوا کہ

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (پ - س - ع)

خدا پر بھروسہ کرلینا ہی کامیابی کے لیئے کافی ہے۔ کیونکہ اُسپر بھروسہ کرنے کے بعد کوئی مشکل مشکل نہیں رہتی۔ اور کوشش و تدبیر کا حوصلہ جو کہ کامیابی کا اصلی سبب ہے۔ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ پس توکل کرنے کا حکم اسلیئے نہیں دیا گیا۔ کہ تدبیر و کوشش سعی و عمل کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ بلکہ اسلیئے دیا گیا ہے۔ کہ سعی و عمل تدبیر و کوشش کرنے کی جرأت اور حوصلہ زیادہ ہو۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو قرآن پاک کی حقیقتوں پر غور کرتے اور اُسکے صحیح مطالب تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدائے پاک تمام مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے۔ کہ وہ قرآن کی سچی حقیقتوں سے آگاہی حاصل کریں۔ فقط

(خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ)

قرآن شریف

نور دل روشنئ جان ہے۔ قرآن شریف | ہادیٔ انس و نبی جان ہے قرآن شریف
کہتا ہے دل میرا ایمان ہے قرآن شریف | جان کہتی ہے میری جان ہے قرآن شریف
دین و ایمان کی پہچان ہے قرآن شریف | کرتا کافر کو مسلمان ہے قرآن شریف
چشم حق میں کو دکھاتا ہی حقایق کیا کیا | سرمۂ دیدۂ عرفان ہے قرآن شریف
جس نے قرآن پڑھا گویا کیا حق سے کلام | واہ کیا قرب کا سامان ہے قرآن شریف
وہ تلاوت ہے جو آداب و شرائط سے ہو | یوں تو پڑھ لیتا ہر انسان ہی قرآن شریف
دیتا ابرار کو کیا کیا ہے غذائیں روحی | گویا نعمت کا بھرا خوان ہے قرآن شریف
بوئے معنی کی مہک مغز نے پائی تو کہا | پھول ہے سنبل و ریحان ہے قرآن شریف
ملتی ہر حرف کے پڑھنے میں ہیں دس دس رحمت | واہ کیا رحمتِ رحمٰن ہے قرآن شریف
دس گناہ گار کو لے گا وہ جہنم سے بچا | حفظ کرتا جو مسلمان ہے قرآن شریف
مانو قرآن کے فرمان مسلمانو تم | دیکھو اللہ کا فرمان ہے قرآن شریف
بے وضو ہاتھ لگاتے نہیں اسکو مومن | کیا ہی ذی عزت و ذی شان ہی قرآن شریف
تاج اوس شخص کے ماں باپ کے سر پر ہوگا | پڑھتا جو عاشق قرآن ہے قرآن شریف

جسکا جی چاہے رہے سیر چمن میں بیدل
اپنا منظر تو یہ بستان ہی قرآن شریف

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

وہ اپنی نفسانی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ وحی ہے جو اُن پر نازل ہوتی ہے +

لطائف الحدیث

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من الشجر شجرة لا يسقط ورقها وانها مثل المسلم فحدثوني ما هي؟ فوقع الناس في شجر البوادي قال عبد الله ووقع في نفسي انها النخلة فاستحييت ثم قالوا حدثنا ما هي؟ يا رسول الله؟ قال هي النخلة

جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور مسلمان کی مثال وہی درخت ہے تو مجھے بیان کرو وہ کونسا درخت ہے؟ یہ سن کر لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف دوڑا عبد اللہ نے کہا میرے دل میں آیا کہ کھجور کا درخت ہے مگر شرم سے کہہ نہ سکا (کیونکہ وہاں سب بزرگ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور میں سب میں چھوٹا تھا) بالآخر صحابہ کرام نے آنحضرت صلعم سے پوچھا آپ ہی بیان فرمایئے یارسول اللہ! وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

غور کرو اس حدیث شریف میں مسلمان کو کھجور کے درخت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اسکی وجہ کیا ہے؟ ماہرین علم نباتات کمال تحقیق و تدقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تمام اشجار میں کامل کھجور کا درخت ہے۔ کیونکہ اسکا کوئی جزو بے کار نہیں جاتا۔ اسکی لکڑی اسکے پتے اسکا پھل سب مفید و کار آمد ہیں حتی کہ اس کی گٹھلی کوٹ کر گھوڑوں کو کھلاتے ہیں جس سے وہ خوب طاقتور چست و چالاک اور فربہ ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث شریف کا مفاد یہ ہے کہ ہر مسلمان پر لازم و واجب ہے کہ ایسا ہی مفید و بابرکت بنے جیسا کہ کھجور کا درخت ہے۔ اسلام اپنے متبعین سے یہ توقع رکھتا ہے کہ ان کا فیض ایسا ہی اعم ہو۔ جیسا کہ کھجور کے درخت کا ہے کہ اہل عرب کی تمام حوائج اسی درخت سے پوری ہوتی ہیں +

مذکورہ بالا حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں خوب غور کرو مسلمان حقیقی معنوں میں اسی وقت مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔ جبکہ اسکا وجود عامۃ الناس کی خدمت کیلیے باعث نشاط ہو نہ بار خاطر۔ بلاشبہ جس شخص کا وجود سوسائٹی کیلیے سودمند نہ ہو وہ درخت بے برگ و بار ہیزم سوختنی ہے وَاَمَّا القَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا +

اسلام نے اپنے پیروؤں کو عبادت الہی کے بعد سب سے زیادہ تاکید شفقت علی خلق اللہ کی فرمائی ہے کہ اپنے بیگانے اقارب اجانب مساکین و یتامی و مہمان و مسافر ہر فرد بشر کے ساتھ سلوک کریں اور اس طرح اپنے آپ کو خیر الناس من ینفع الناس کا مورد و مصداق بنائیں چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا وبذي القربى واليتمى والمسكين والجار ذي القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما ملكت ايمانكم (پ ۵ س النساء۔ ع ۳) اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لونڈی غلام تمہارے قبضہ میں ہوں۔ ان سب کے ساتھ سلوک کرتے رہو +

کیا یہ افسوس و اندوہ کی بات نہیں ہے کہ جس مذہب کی تعلیم اخلاق کے ایسے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہو اسی مذہب کے پیرو کثیر تعداد میں سوسائٹی کیلیے بار خاطر ہوں اسلام کا منشا و مقتضا تو یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنا وجود عامۃ الناس کے لیے نافع و مفید بنائے۔ مگر بعض مسلمانوں نے کسب معاش پر قادر ہونے کے باوجود خدا اور رسول کے احکام کے برخلاف گداگری جیسے مبتذل شیوہ کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے بلاشبہ ایسے ہٹے کٹے اور مشٹنڈے گداگروں کا وجود باعث صد ہزار ننگ و عار اور سوسائٹی کے لیے سخت مضر ہے۔ ایسے لوگوں کو خیرات دینے سے مستحقین محروم رہتے ہیں۔ اور قوم میں گداگری کی تعداد روز افزوں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

(نور الدین)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے

السیرۃ المحمدیہ والخصائص النبویہ

برگزیدہ نبی کے برگزیدہ خصایل

جود و سخا

انسانی اوصاف میں سخاوت ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان خالق و مخلوق دونوں کے نزدیک مقبول و محبوب ہو جاتا ہے۔ اور دونوں سے عزیز رکھتے ہیں۔ السخی حبیب اللہ۔ یعنی سخی خدا کا دوست ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم منصب نبوت کے فرائض انجام دینے میں اس درجہ منہمک تھے کہ آپکو کبھی مال جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ اور کبھی آپ نے اپنے نفس یا اپنے اہل و عیال کی آسایش کے لیئے زیادہ ضرورت مال جمع رکھنا پسند نہیں کیا۔ جو کچھ ملتا تھا راہِ خدا میں صرف فرما دیتے تھے حتی کہ آپ اکثر ایسی حالت میں سوتے تھے کہ صبح کے لیئے کچھ پاس نہ ہوتا تھا۔ آپ ہمیشہ اسی اصول پر عمل کرتے رہے کہ چ غدا بر تو باشد تو غلق باش۔ آپ جود و سخا کے مجسم نمونہ تھے۔ ایسے نمونہ کہ جس کی نظیر ملنی محال ہے آپکو غیر مستحق سایلوں سوال کرنا برا معلوم ہوتا تھا۔ مگر کبھی کسی سایل کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے۔ اگر کبھی سایل کو دینے کے لیئے کچھ پاس نہ ہوتا تو عذر فرما دیتے۔ اسطرح پر کہ گویا کوئی شخص اپنے قصور کی معافی چاہ رہا ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں۔ کہ آپ نے کبھی کسی سایل کے جواب میں لا (یعنی نہیں) نہیں فرمایا (بخاری ومسلم)

شعر

نرفت لا بزبان مبارکش ہرگز مگر در اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

حضور نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "اگر اُحد کے پہاڑ کے برابر میرے پاس سونا ہو تو مجھے یہی اچھا معلوم ہو گا۔ کہ میں رات گزارنے کے قبل سب خرچ کر دوں اور اگر کچھ بچاؤں تو اتنا ہی کہ جو ادائے دین کے لیئے ضروری ہو۔ اسی لیئے تمام صحابہؓ اقرار کرتے تھے۔ کہ آپ سخاوت میں سب سے بڑھ کر بلند پایہ رکھتے تھے

چنانچہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے (بخاری کتاب الجہاد)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور سب دنوں سے زیادہ آپ رمضان (شریف) میں سخی ہو جاتے تھے (بخاری تعریف قصہ زید)

ایک موقع پر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل اور سخی کو یوں سمجھو کہ دو شخص لوہے کے کرتے پہنے ہوئے ہوں۔ اور اُن کے دونوں ہاتھ سینہ اور گردن سے لپٹے ہوں۔ سخی صدقہ کرتا ہے تو اوسکا کرتہ ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ اور بخیل جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اوسکا کرتہ تنگ ہو جاتا ہے اور زنجیر کے حلقے اور بھی جڑ جاتے ہیں " (مشکوٰۃ شریف)

(اس حدیث پاک میں آپ نے سمجھایا کہ دولت ایک قسم کا بار ہے سخی کو سخاوت میں اسلیئے لطف آتا ہے کہ اُسکا بار ہلکا ہوتا جاتا ہے لیکن بخیل کو خرچ کرنے میں بے انتہا تکلیف ہوتی ہے۔ اور وہ خرچ کرنے کے نام سے ڈرتا ہے۔

ایک مرتبہ بعض انصار نے حضور سے کچھ مانگا۔ آپ نے دیا۔ پھر مانگا پھر دیا یہانتک کہ جو کچھ آپکے پاس تھا سب خرچ ہو گیا۔ تب حضور نے فرمایا "میرے پاس جہانتک ہو گا میں تم سے دریغ نہیں کروں گا" (بخاری شریف)

آپ سے ایک شخص نے سوال کیا۔ آپ نے اُسکو اس قدر بکریاں عنایت فرمائیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان سمائی ہوئی تھیں۔ (مسلم شریف)

صفوان بن امیہ کافر نے جب آپ کی سخاوت دیکھی تو وہ مسلمان ہو گیا، اور اُس نے اقرار کیا کہ نبی کے سوا اور کسی سے ایسی سخاوت ممکن نہیں (مواہب لدنیہ)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نوّے ہزار درہم آئے۔ جو ایک بوریئے پر ڈھیر کر دئے گئے۔ آپ نے اُن (سب درہموں) کو تقسیم کر دیا۔ اور کسی سایل کو رد نہیں کیا۔ حتی شام کو آپکے گھر فاقہ تھا (بخاری شریف)

جنگ حنین کے سفر سے جب آپ واپس آئے۔ تو اعرابی آکر چاروں طرف سے آپکو گھیر لیا۔ اور سوال کر کر کے حضور کو یہانتک تنگ کیا کہ آپ دبتے دبتے ایک درخت سے چمٹ گئے۔ اور لوگ آپ کی چادر مبارک (تنگ) اُچک لے گئے۔ آپ نے فرمایا "لوگو! میری چادر دیدو۔ اگر میرے پاس اِن ببولوں کے کانٹوں کی تعداد کے برابر اونٹ ہوتے تو بھی میں سب کے سب تمہیں دیدیتا۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ پانچ لاکھ درہم تقسیم فرما چکے تھے۔ (بخاری شریف)

ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا۔ حضور نے فرمایا "میرے پاس اِس وقت کچھ نہیں ہے۔ تم میرے نام پر قرض لے لو میں ادا کردوں گا" حضرت عمر فاروق رضی نے عرض کیا "خداوند کریم نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ طاقت سے بڑھ کر کام کریں" حضور انور خاموش ہوگئے۔ ایک انصاری نے پیچھے سے کہا۔ یا رسول اللہ خوب دیجئے رب العرش مالک ہے۔ تنگدستی کا کیا ڈر ہے۔ حضور انور مسکرائے۔ اور چہرہ مبارک بشاش ہوگیا۔ اور فرمایا "ہاں مجھے یہی حکم ملا ہے" (شفاء بحوالہ شمائل ترمذی)

ایک بار ایک سائل کو نصف وسق غلہ قرض دلا دیا۔ وہ تقاضا کے لئے آیا۔ حضور انور نے نصف وسق قرض کا، نصف اور ایک وسق عنایت فرمایا۔ (شفاء)

حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد عالی تھا۔ کہ اگر کوئی شخص مقروض مرجائے اور مال باقی نہ چھوڑے تو ہم اُسے ادا کردینگے۔ اور اگر کوئی مال چھوڑے تو وہ حق ورثا کا ہے (بخاری شریف)

سخاوت کا بہترین اصول مستحقین کی امداد ہے۔ آپ سے بڑھ کر کون سچا سخی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آپ فیاضی کی ضرورت اور اسکے مصرف کو جانتے اور مسلمانوں کو اِس امر کی تعلیم دیتے رہتے تھے۔ خاندان بنی ہاشم (جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے) برابر آپ ہی کی مدد سے بسر اوقات کیا کرتا تھا۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ حضور اقدس (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس بحرین سے مال کثیر آیا۔ آپ نے فرمایا مسجد میں ڈالدو۔ آپ نے اِس مال کی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائی۔ اور جب نماز سے فارغ ہوئے۔ مال کے پاس تشریف لاکر محتاجوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ اس موقع پر آپنے حضرت ابن عباس سے فرمایا۔ اچھا تم خود جس قدر اٹھا سکو سونا چاندی اٹھا کرلے جاؤ۔ ابن عباس نے اپنی ایک چادر بچھا کر ایک بھاری گٹھڑ سیم وزر کا تیار کیا لیکن چونکہ وہ بہت بھاری ہوگیا تھا۔ اسلیئے اسکے اُٹھانے کے لیئے جب کسی اور سے مدد طلب کی۔ تو آپ نے فرخندہ پیشانی سے فرمایا "ابن عباس! یہ شرط نہیں ہے۔ تمہیں خود ہی بلا امداد غیرے اٹھانا ہوگا" دو چار دفعہ اپنے بوجھ کو ہلکا کر کے ابن عباس اُس تمام مال کو لے گئے۔ اور وہ اِس قدر تھا۔ کہ کسی کو امیر الامراء بنانے کے لئے کافی تھا۔ جب وہ روانہ ہوئے تو آپ ان کی جانب دیکھتے تھے اور انکی حرص پر تعجب کرتے تھے۔ اُس مال کو آپ برابر تقسیم فرماتے رہے۔ جب اُسمیں سے ایک حبہ بھی باقی نہ رہا تو آپ اٹھ کر خالی گھر تشریف لے گئے (بخاری شریف)

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ ایک دن ایک اعرابی آپ کی خدمت اقدس میں آیا۔ اور اُسنے حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) کی چادر مبارک کو جو موٹی تھی زور سے جھٹکا دیا۔ وہ کنارہ حضور کی گردن میں ایسا دھنس گیا کہ اُسکا نشان پڑ گیا۔ اور ساتھ ہی زبان سے اُسنے یہ کہنا شروع کیا۔ کہ "اے محمد! اللہ کا مال جو تمہارے پاس ہے۔ یہ نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا۔ اِسمیں سے ایک بار شتر مجھے بھی دلاؤ۔ حضور جو حقیقی معنوں میں سخی اور کریم تھے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا "یہ مال بیشک خدا کا ہے اور میں اسکا خادم ہوں" یہ کہکر صحابہ کو حکم دیا کہ "اسے ایک بار شتر جو اور ایک بار شتر کھجور دیدو" (بخاری ومسلم وشفاء)

حضرت جابر کہتے ہیں۔ کہ ایک دن حضور انور کی خدمت اقدس میں ایک بچے نے حاضر ہوکر عرض کیا۔ میری ماں نے پیراہن مبارک مانگا ہے۔ آپنے فرمایا تھوڑی دیر کے بعد آنا۔ وہ پھر تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہوگیا اور عرض کیا کہ میری ماں نے پیراہن شریف کے لیئے مجھے دوبارہ بھیجا ہے، آپ فوراً گھر میں تشریف لےگئے اور بدن اطہر سے پیراہن مبارک باوجودیکہ اُس کے سوا کوئی دوسرا آپکے پاس نہ تھا۔ اُتار کر بچے کے حوالے کیا اور آپ برہنہ گھر میں بیٹھ رہے جب نماز کا وقت ہوا حضرت بلال نے اذان کہی لوگوں نے کچھ دیر حضور کا انتظار کیا۔ جب آپ تشریف نہ لائے تو اصحاب بے قرار ہوکر گھر میں حاضر ہوئے۔ وہاں دیکھا کہ آپ برہنہ تشریف فرما ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ سخاوت میں عجیب شکل اور اوصاف حسنہ کے اِس پایہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ کہ تاریخ عالم انکی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ آپ کی سخاوت اور دریا دلی ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ آپ جب اس جہان سے رخصت ہوتے ہیں تو آپ کے دولت کدہ میں یا آپکے خزانہ خاص میں اپنے ورثا کے لیئے کچھ بھی باقی نہیں۔ آپنے حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر میں وفات پائی۔ گھر کے اسباب میں علاوہ کھانا پکانے کے برتنوں کے جنمیں اکثر ظروف

گئی تھے۔ ایک بوسیدہ بوریا بھی ہے جو اسوقت مرض الموت میں بستر کا کام دے رہا ہے ایک ذرہ اور ڈھال ہے۔ لیکن وہ ایک یہودی کے ہاں گروی ہے (بخاری شریف)

عمر بن حارث کہتے ہیں کہ آپنے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ کوئی غلام۔ نہ کوئی لونڈی نہ کوئی اور چیز سوائے اپنے سپید خچر اور ہتیار کے اور ایک قطعہ زمین کہ جسکو آپنے صدقہ کر دیا تھا (بخاری شریف)

انتقال فرمانے سے کچھ پہلے آپ پوچھتے ہیں کہ "کچھ نقد گھر میں ہے؟" حضرت صدیقہؓ جواب میں فرماتی ہیں کہ "ہاں چند درہم ہیں" آپ فرماتے ہیں "۔۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نرث

(ہم انبیاء کا گروہ نہ کچھ دنیوی ورثہ پاتے ہیں اور نہ دنیوی ورثہ کسی کے لئے چھوڑتے ہیں) ان درہموں کو خدا کی راہ میں دیدو" اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ یعنی جو کچھ ہمنے چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ اس میں کسی کی میراث نہیں (بخاری شریف)

اللہ اللہ یہ حال ہے آپ کی سخاوت اور دریا دلی کا۔ یہ نمونہ ہے اس شہنشاہ عرب کا جسکے فوت ہونے سے پہلے مال و دولت نقد و جنس اسکے قدموں پر نثار ہو رہا تھا اور وہ آگے آگے جاتا تھا اور دولت پیچھے پیچھے قدم چومنے کو آتی تھی۔ اور جس نے جس طرح عالم تجردستی میں دنیا اور لوازمہ دنیا کو آتے ہوتے دیکھ کر خدائے تعالیٰ کے مقابل لینے سے انکار کیا اسی طرح جب خدائے تعالیٰ نے اس دنیا کا مالک بنا کر دیا تو اس نے اس وقت بھی اس سے کنارہ کیا۔ اور اسی طرح خدا کی راہ میں لٹا دیا اور ثابت کر دیا کہ سے

در ضمیر ما نمے گنجد بغیر از دوست کس

ہر دو عالم را بدشمن دہ کہ ما را دوست بس

حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) کو کسی کی دی ہوئی چیز واپس لینا سخت برا معلوم ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِي قَيْئِهٖ (بخاری شریف کتاب الہبہ) جو شخص اپنے ہبہ کو واپس لے وہ مثل کتے کے ہے جو اپنی قے پھر کھالے۔

مسلمانان عالم اگر اس اسوۂ حسنہ پر غور کرتے اور اسکو اپنا دستور العمل بناتے تو یہ روز بد ان کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا جسکو آج دیکھ رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو اس قدر مال کا ایثار کرنا اور ایسا سخی بننا آج سخت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور اسمیں بھی کچھ کلام نہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت دوسری تھی۔ وہ قوم کے رہنما اور پیشوا تھے۔ خدا تعالیٰ کے رسول تھے۔ بہت سی باتیں اور بہت سے کمالات اور بہت سے اوصاف اون کے ساتھ مختص تھے۔ مگر یہ تو ضروری امر ہے کہ اپنی اپنی حیثیت اور طاقت کے موافق اس نیک عمل میں ہر مسلمان کو حصہ لینا واجب ہے۔ بہت مال جمع کرنا اور اسی کا ہو رہنا اچھا نہیں۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سخاوت جیسی صفت کو حاصل کرنے سے باز نہ رہے اور اس اسوۂ حسنہ پر حتی المقدور عمل کر کے درجات عالیہ حاصل کرنے میں ہمیشہ ساعی و کوشاں رہے۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ گھر کے لوگ فاقہ کرتے ہیں اور وہ اپنے اسراف کی وجہ سے باہر بڑے سخی سمجھے جاتے ہیں۔ اِس لیے یہ بھی سمجھنا ہے۔ سخاوت کرنے میں بھی اگر اپنوں کا زیادہ خیال رکھا جائے تو دوہرا ثواب ہوتا ہے۔

آپ کا سخاوت کی فضیلت اور بخل کی مذمت میں ارشاد عالی ہے۔ جسکو حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ	سخی خدا تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور
مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِيْدٌ	جنت کے (بھی) قریب (اور) آدمیوں کے
مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ	(بھی) قریب ہے۔ اور دوزخ سے دور ہے
بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ	اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہے (اور وہ)
قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ وَالْجَاهِلُ السَّخِيُّ	جنت سے بھی دور ہے اور لوگوں سے دور ہے
اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ ۝	اور دوزخ کے قریب ہے اور جاہل سخی خدا
مشکوٰۃ بروایۃ ترمذی شریف)	تعالیٰ کے نزدیک بہت پیارا ہے عابد بخیل سے

مطلب یہ کہ سخی خدا اور اسکی مخلوق کے نزدیک محبوب و مقبول ہوتا ہے۔ اور جنت کا سچا حقدار ہوتا ہے۔ اور بخیل نہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اور نہ اسکی مخلوق کے نزدیک محبوب و مقبول ہوتا ہے۔ بلکہ لوگ اسے بالکل اچھا نہیں سمجھتے اور وہ دوزخ کا سچا اہل ہوتا ہے۔ اور عابد بخیل سے خدا تعالیٰ کے نزدیک جاہل سخی بہت پیارا اور محبوب ہوتا ہے سے

ہو کیا بیان لطف و سخائے محمدی ضرب المثل ہے جود و سخائے محمدی

خالی کبھی گیا نہ گدائے محمدی قائم رہا غنا میں غنائے محمدی

چھوڑے غلام سینکڑوں لے کر بندھے ہوئے

سوتے تھے آپ پیٹ پہ پتھر بندھے ہوئے

(دیگر)

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا

فرش والے تیری رفعت کا علو کیا جانیں خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

(خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

مسلمان کیوں بر سر تنزل ہیں

(۳)

تصوف کی حقیقی تعریف

یہ ہے اور قرآن پاک اور مقدس اسلام کی روحانی وجسمانی تعلیم کا منشا بھی یہی ہے کہ وہ انسان کو دنیا میں اعلیٰ درجات اور مراتب پر پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ تمام کمالات بشری کے حصول کا صحیح راستہ ہے۔ وہ رہبانیت اور انقطاع دنیا اور معاش کی طرف سے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے اور دوسروں پر اپنا بوجھ ڈال دینے کی تعلیم نہیں دیتا لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ (بیشک اسلام میں رہبانیت نہیں) بلکہ اسکا حکم ہے۔ دنیا کی زندگی کے لیئے جد و جہد سے کام لو۔ اور کسی کے محتاج و دست نگر نہ ہو۔ بلکہ دوسروں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھو۔ حضرت شیخ سعدی مرحوم نے تصوف کی تعریف اِن الفاظ میں کی ہے ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست ۔ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

اسکے ثبوت کے لیئے ذرا قرآن کریم کھولیئے۔ اور دیکھیئے کہ اول سے آخر تک اس میں کیا ہے۔ کہیں حقایق موجودات اور محاسن کائنات کا بیان ہے۔ کہیں مناظر قدرت اور مظاہر فطرت کا ذکر ہے۔ کہیں نظام عالم پر غور کرنے کی ہدایت ہے۔ کہیں عقل و سمجھ سے کام نہ لینے پر ملامت۔ کسی جگہ اسرار حقیقت اور معرفت کا بیان ہے کسی جگہ علم و حکمت اور مکارم اخلاق کا ذکر ہے۔ کہیں پرانی قوموں کے حالات مذکور ہیں کہ ہم عبرت پکڑیں۔ کہیں اصول عامہ سیاست کا بیان ہے کہ ہم اُس پر عمل کریں۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا (اُن کے دل ہیں جو سمجھنے کا کام نہیں کرتے) کیا ہے؟ تازیانہ ہے اُن لوگوں پر جو دل و دماغ رکھتے ہیں مگر اس سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ قرآن کہتا ہے کہ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ یہ لوگ جانوروں کے سے ہیں بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ کیا شان ہے؟

اُن لوگوں کی جو آنکھ کان ہوش و حواس رکھتے ہیں۔ مگر اُنہیں کام میں نہیں لاتے۔

مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (پ ۳۔ بقرہ۔ رکوع ۳۷) جسکو حکمت دی گئی اوسکو بہت کچھ بھلائی دی گئی کیا ہے؟ حکمت کی فضیلت کا بیان۔ اور

وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ جن کو علم دیا گیا ہے وہ درجے والے ہیں اور عالم

وَهَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (پ ۲۳ ع ۱۵) اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا ہے؟ تعلیم کی ترغیب تاکہ کوئی قرآن کا ماننے والا علم سے بے بہرہ نہ رہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (پ ۳۔ آل عمران ع ۱۰) (اور) مذہب خدا کے نزدیک اسلام ہے کیا ہے؟ اسلام اور فطرت کے اتحاد کا بیان۔ اور

قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (پ ۲۔ بقرہ ع ۲۱) وہ بولے کہ ہم اُسی کے پیچھے چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا ہے؟ نہ سوچنے اور نہ سمجھنے پر ملامت۔ اور

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ ۱۰ توبہ ع ۵) اِن لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو خدا کے علاوہ ارباب بنالیا ہے کیا ہے؟ اہل کتاب پر اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کی عصمت کے اعتقاد پر ملامت۔ اور

هُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ هُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ وہ نہیں جانتے۔ عقل نہیں رکھتے نہیں
هُمْ لَا يَتَذَكَّرُوْنَ۔ هُمْ لَا يَتَفَكَّرُوْنَ۔ سوچتے۔ نہیں فکر کرتے نہیں غور کرتے
هُمْ لَا يَتَدَبَّرُوْنَ۔ (جس سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے) کیا ہے؟

کوڑے اور تازیانے ہیں جو کافروں پر لگائے گئے ہیں۔ اِس جرم میں کہ عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

غرضیکہ سارا قرآن اور ساری تعلیم ہمارے ہادی کی یہی ہے کہ وہ استعداد جو بدو فطرت میں خدا نے رکھی ہے وہ کام میں لائی جائے۔ اور دنیا و دین کی ساری نعمتیں حاصل کیجاویں قرآن سر دلیم کی کبھی ہوئی وہ زنجیر نہیں ہے جس میں ہماری ترقیات کے لیئے جکڑے ہوئے ہیں۔ اور نہ نواب حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب

ایڈیٹر افادہ کا سمجھا ہوا وہ مذہب ہے۔ جو انسان کی دنیوی ترقیوں کا مانع اور سد راہ ہے۔ بلکہ برخلاف اسکے وہ اُن بندوں کو توڑنے والا ہے جو عیسائیت نے یا عیسائیوں نے انسانوں پر اُس سے روکنے کے لیئے لگائے تھے۔

غور کرو خدا کی اس جھڑکی پر جو رہبانیت اور جوگی بننے کے لیئے ہے۔ کہ:۔

مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (پ۸۔ س اعراف ع ۱۱/۴) کس نے خدا کی وہ نعمت حرام کی جو خدا نے بندوں کے لیئے پیدا کی، پڑھو خدا کی یہ آیت جو دنیاوی لذتوں سے متمتع ہونے کے لیئے ہے۔ کہ:۔

كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (پ۱۸۔ س مومنون ع ۴/۳) اچھی چیزیں (جو ہم نے روزی دی ہیں) کھاؤ اور اچھے کام کرو۔" اور خدا اپنے بندوں پر اپنی خدائی کے اقرار لینے میں کیا حجت پیش کرتا ہے۔ یہی کہ ہم نے طرح طرح کی نعمتیں دیں پھر بھی شکر نہیں کرتے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (پ۸۔ س اعراف ع ۱/۱) اور ہم نے اُسمیں معاش کی چیزیں پیدا کیں لیکن تم لوگ کم شکر کرتے ہو۔" دیکھو کیا عام اجازت نامہ ہے خدا کا دنیا کمانے کے لیئے اور نیز فرمایا کہ:۔

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (پ۲۸۔ س جمعہ ع ۲/۱۲) زمین میں پھیل جاؤ۔ اور خدا کی روزی تلاش کرو۔" پھر خدا اپنے اچھے بندوں کو کیا دعا سکھلاتا ہے۔ کہ تم اسطرح اپنے خالق و مالک سے استدعا کرو۔ کہ:۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (پ۲۔ س بقرہ ع ۹/۲۵) اے خدا ہم کو دنیا اور آخرت میں بھلائی دے۔" یعنی دنیا اور دین کی بھلائی اور دنیاوی زندگی کو کامیاب اور قوی بنانے کے وسائل کو اختیار کرنے کے بارے میں حکم ہوتا ہے کہ:۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (پ۱۰۔ س انفال۔ ع ۴/۸) (مسلمانو) تیاری کرو اُن کے واسطے جو کچھ تم کرسکو قوت سے۔ اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے۔ تاکہ اُس سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو گے"

"یہ حکم دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیئے اور اپنی حالت کو کامیاب اور قوی بنانے کے لیئے کامل تیاری کرنے اور تمام امکانی قوتوں سے کام لینے کے لیئے ہے اور اپنی حالت مضبوط رکھنے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً (پ۱۰۔ توبہ ع ۱۴/۷) اگر یہ لوگ باہر نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اُس کے لیئے تیاری کرتے پر کرتے۔" اور دوسرے مقام میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً (پ۵۔ س نساء ع ۱۲/۱۵) (اے مسلمانو!) کافروں کی تو یہ تمنا ہے کہ تم ذرا بھی اپنے ہتھیاروں اور ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ۔ تو یکبارگی تم پر لوٹ پڑیں۔"

جبکہ قرآن پاک کے یہ احکام ہوں۔ اور طلب معیشت و تجارت اور کسب حلال اور اپنی حفاظت۔ خود اختیاری اور دشمنوں سے محفوظ رہنے اور اپنی حالت کو کامیاب اور قوی بنانے کے لیئے کامل تیاری کرنا اور تمام امکانی قوتوں سے کام لینا۔ اسلامی فرائض میں داخل کیا ہو تو کس قدر حیرت و استعجاب کی بات ہے۔ کہ جو لوگ مسلمانوں کی ترقی میں اور کامیاب اور مضبوط حالت بنانے میں مطلق توجہ نہیں کرتے۔ اور تمام کام چھوڑ کر سارا وقت نوافل پڑھنے میں صرف کرتے ہیں۔ اور اپنی حالت راہبوں کی سی بنا لیتے ہیں۔ کہ اُن کو دنیاوی باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسے حضرات کو مسلمانوں میں بہترین نمونۂ اسلام سمجھا جاتا ہے۔ یہ بڑا باعث ضعف اسلام کا ہے۔

ساتھ ہی جب ہمارے ہادی کامل حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک ہدایات پر نظر ڈالی جاتی تو یہ حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ آپ نے طلب معیشت کے متعلق فرمایا۔ کہ:۔

مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا لَا يُكَفِّرُهَا اِلَّا الْهَمُّ فِيْ طَلَبِ الْمَعِيْشَةِ ۱۲ بعض ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ صرف یہ ہے کہ معاش کی فکر میں رنج اٹھایا جائے۔

اور تجارت کے لیئے ارشاد فرمایا کہ:۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ سچا سوداگر قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اٹھیگا۔" اور طلب دنیا کے لیئے صاف صاف لفظوں میں یہ خوشخبری سنائی کہ:۔

مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا تَعَفُّفًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْيًا عَلٰى عِيَالِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِيَ اللّٰهَ وَوَجْهُهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ جو شخص دنیا کو بطریق حلال تلاش کرتا ہے اور جسکا مقصد سوال کرنے سے بچنا۔ اور آل اولاد کے لیئے کوشش کرنا اور ہمسایہ پر مہربانی کرنا ہوتا ہے اُسکا منہ خدا کی ملاقات کے وقت چودھویں رات کے چاند کا سا ہوگا۔"

اولاد کو مالدار چھوڑنے کے متعلق آپ نے فرمایا۔ کہ:۔

لَاَنْ تَدَعَ اَوْلَادَكَ اَغْنِيَآءَ اگر تم اپنی اولاد کو غنی چھوڑ دو تو یہ بہتر

هُوَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ ◆ — ہے اِس سے کہ محتاج ہوں۔ اور مانگتے پھریں اور دوسروں کے دست نگر ہوں۔

اور پھر فرمایا کہ:-

اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنْ يَدِ السُّفْلٰى — اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے" اور
وَالْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِي الدَّارَيْنِ — نیز فرمایا کہ "فقیری (تنگدستی) دوجہان کی روسیاہی ہے"

اور ایک روایت میں منقول ہے کہ کسی صحابی نے آپکے حضور میں تذکرہ کیا کہ فلاں شخص صائم الدہر اور قائم الصلوۃ دن رات مشغول خدا رہتا ہے اور کسی سے کچھ سروکار نہیں رکھتا۔ آپنے دریافت فرمایا "وہ پھر کھاتا کہاں سے ہے؟" صحابہؓ نے عرض کیا کہ اسکا ایک بھائی ہے۔ جو کماتا ہے۔ خود بھی کھاتا ہے اور اسکو بھی کھلاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اَخُوْهُ اَفْضَلُ مِنْهُ" اسکا بھائی اِس سے بہتر ہے۔

پس غور کا مقام ہے کہ ایسا مذہب دنیاوی خوشیوں یا دنیوی ترقیوں کے حاصل کرنے کے لیئے انسان کے پاؤں کی زنجیر یا مانع اور سدراہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ ان کے لیئے خط آزادی ہے۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ اسلام جو فی نفسہٖ علم کا حامی اور فطرت کے مطابق۔ اور علم حقایق الاشیا کا مرادف اور ہر طرح کی دماغی قوتوں کا محرک۔ اور دنیاوی ترقیوں کا ذریعہ ہو۔ وہ ہم مسلمانوں کے غلط خیالات بیہودہ اوہام۔ مجنونانہ زہد۔ اور متعصبانہ افعال سے علم کا مزاحم۔ تہذیب کا مانع۔ ترقی کا روکنے والا سمجھا جائے۔ اور مذہب عیسائی جس نے رہبانیت کی تعلیم دی ہو جس نے قدرتی جذبات کے شگفتہ کرنے کا کوئی سبق نہ دیا ہو جس نے دنیاوی ترقیوں کے لیئے کوئی راہ نہ کھولی ہو۔ جو مذہب فی نفسہٖ پہیلیوں کا مجموعہ ہو جسکا مدار عقل کے بدلے آسمانی روشنی پر رکھا گیا ہو وہ عیسائیوں کے اعمال سے علم اور تہذیب کا پھیلانے والا اور انسان کو ترقی کے اعلے سے اعلے درجہ پر پہنچانے والا کہا جائے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۔ سو عبرت پکڑو اے عقل والو یہ عجیب بات ہے ◆

پس اسلام نفوس انسانی کا طبیب ہے۔ وہ ہر مرض کا علاج بتاتا ہے۔ اور مزاج کو اعتدال پر قایم رکھنے کی تدبیر سکھلاتا ہے۔ ایک طرف اُسے حکم ہے کہ سعی و کسب کرو اور دوسری طرف ہے کہ دنیا سے کنارہ۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ کسب و سعی کا ثمرہ پا چکے۔ تو پھر اسکے خیال کو چھوڑ دو۔ اور خدائے پاک کی طرف رجوع لاؤ۔ اس لیئے کہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جہاں اوسکی حاجت پوری ہوئی۔ وہ خدائے پاک کو بھول جاتی ہے۔ اور اسے خیال نہیں رہتا کہ رازق حقیقی کون ہے۔ کس نے رزق پیدا کیا۔ کس نے اُسکے اسباب و وسایل مہیا کئے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ فراموش کاری کفران نعمت ہے۔ اِس کفران نعمت سے باز رکھنے کے لیئے اسلام نے زہد یعنی خدا کی یاد۔ اور اسکی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ تاکہ جیسے بیکار رہنے بیٹھنے کیوجہ سے قوائے نکمے نہ ہونے پائیں۔ ویسے ہی خدائے پاک کو بھول بیٹھنے سے اخلاق روحانیت کو گھن نہ لگ جائے۔ پس زہد کے معنی نہایت مافی اسباب یہ ہیں۔ کہ آدمی کو اپنے ہاتھ کی چیزوں کی نسبت خدا کے فضل و عنایت پر زیادہ بھروسہ ہو۔ اور یہ بات سعی و کل کے منافی نہیں۔ تو مسلمانوں کو خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مسلمانوں کی ترقی کا سنگ بنیاد مذہب ہے۔ مذہب کے بغیر مسلمان ترقی نہیں کرسکتے۔ بلکہ حقیقی قومی ترقی کے لیئے جس ایثار اور قربانی کی ضرورت ہے۔ اُسکا مادہ مذہب ہی سے پیدا ہوسکتا ہے۔ اسلیئے مسلمان صرف مذہب ہی سے متاثر ہوکر حقیقی ترقی کے شاہراہ پر قدم مار سکتے ہیں ◆

الغرض مسلمان کیوں بگڑے؟ ان کی حالت کیوں خراب ہوئی؟ ان کے تنزل کی یہ نوبت کیوں پہنچی؟ صرف اسلیئے کہ انہوں نے خداوند تعالی کے بتائے ہوئے اصولوں کو چھوڑکر گمراہ انسانوں کی پیروی شروع کی۔ اور آجتک وہ اس راز کو نہیں سمجھے۔ وہ خوب یاد رکھیں جب تک وہ کائنات کے خالق و مالک کے بتائے ہوئے اصولوں کے آگے گردن نہیں جھکائیں گے۔ کبھی حقیقی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکینگے۔ یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے ؎

قرآن سچا رسول اکرم سچے — ہیں وعدہ خالق دوعالم سچے
بدلینگے وہاں کو دیکھ لیں ہم سچے — اے منکر دین قیامت آنی ہے ضرور

(خاکسار محمد عظیم عفااللہ عنہ)

رباعیاتِ اوجؔ

جرم و عصیاں سے شرمسار آیا ہے — در پر تیرے اوج دلفگار آیا ہے
بخشش کے لیئے گنہگار آیا ہے — اے ابر کرم داغ معاصی دھو دے

ہر شے سے عیاں ہے کارسازی تیری — یارب زیبا ہے بے نیازی تیری
ہے شاہ و گدا پہ سرفرازی تیری — محتاج و غنی کو رزق تو دیتا ہے

یارب محتاج ہے زمانہ تیرا — ہے سب کے لیئے کھلا خزانہ تیرا
کیسا قایم کیا نظام عالم — حیرت افزا ہے کارخانہ تیرا

(اوجؔ گیاوی)

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

جسکو حکمت دی گئی بے شک اُس نے بڑی دولت پائی +

حکمت و موعظت

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

قوانین مذہب۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ تمدن اور سیاست گو آپس میں باعتبار احکام اور مستثنیات کے مختلف فیہ ہیں۔ اور بعض مسایل میں متضاد بھی لیکن ساوی اور معاشری مراحل میں کبھی کبھی اُن کے احکام اور مسایل مل بھی جاتے ہیں اور تعلق کے اعتبار سے اُن میں ایک حد تک مناسبت اور موانست بھی پائی جاتی ہے۔ قانون مذہب گو ایسے اغراض رکھتا ہے جنکا سلسلہ اس زندگی سے اوس حالت یا اوس کیفیت تک بھی پہنچ جاتا ہے جو دوسرے الفاظ میں زندگی ثانی سے تعبیر پاتی ہے۔ لیکن پھر بھی اوسکے مسایل اور اوسکی تعلیمات سایق دوسرے قوانین سے کچھ نہ کچھ نسبت رکھتی ہیں۔ یا اون قوانین میں اوسکے مسایل کا یہ مختلف پیرایہ ذکر ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے قوانین کے مسایل اور اغراض میں بھی ایک حد تک مناسبت اور موانست پائی جاتی ہے اخلاق تمدن میں ایک نسبت ہے۔ اخلاق اون مسایل کا شارح ہے جن میں سے اکثر کا تمدن میں ذکر ہوتا ہے یا اکثر کی تمدن میں ضرورت پڑتی ہے۔ قانون سیاست میں جو کچھ کہا گیا یا کہا جاتا ہے۔ اوسکے بعض جیسے مذہب و اخلاق میں بھی جاتے ہیں۔ فلسفہ کے اکثر مسایل مذہبی قانون کی یا تو تشریح ہوتے ہیں۔ اور یا مذہب میں بھی اون کا ذکر پایا جاتا ہے +

اِن قوانین میں یہ مناسبت اور وابستگی اسواسطے پائی جاتی ہے کہ اون سب کا قریبًا سرچشمہ ایک ہی ہے اور موٹے الفاظ میں یہ کہنا چاہیئے کہ۔

یہ ہر پانچ قوانین بجائے خود ایک فلسفہ ہیں۔ مذہب بھی ایک فلسفہ ہے۔ اخلاق بھی فلسفہ ہے۔ تمدن اور سیاست بھی فلسفہ ہے اور اکثر مسایل میں ان کی غرض ایک ہی ہوتی ہے۔ یا ایک ہی ہونی چاہیئے۔

گو اغراض کی وضاحت تعبیر تاویل اور مناسبت میں گونہ فرق ہوتا ہے

مثلاً قانون مذہب جرایم کا شروع دل و دماغ اور خیال سے کرتا ہے۔ اور یہ قرار دیتا ہے کہ ایک حد تک برا خیال بھی ایک جرم اور ایک غلطی ہے بخلاف اسکے قانون سیاست میں جرم وہ ہے جو ظاہر میں واقع ہو جاوے۔ قانون مذہب یہ کہتا ہے کہ تیرا ایک برا خیال بھی تجھے گرفت سے نہیں بچا سکتا قانون سیاست کا یہ مقولہ ہے کہ گرفت سیاسی میں وہی آ سکتا ہے۔ جو فعل کی صورت اختیار کرے یا ترک فعل ہو۔ گویا قانون مذہب خیالات پر حکم کرتا ہے۔ اور قانون سیاسی حرکات اور افعال پر اگر قانون سیاسی کے ماتحت یہ استغاثہ کیا جائے کہ زید کے دل میں۔ زید کے دماغ میں۔ بکر کو کسی قسم کی اذیت پہنچانے کا خیال ہے جسکا ثبوت عملی رنگ میں کچھ نہیں ہے۔ تو سیاسی عدالت زید کے خلاف کوئی نوٹس نہیں لے سکتی کیونکہ عملی رنگ میں اوسکا کوئی ثبوت نہیں لیکن مذہبی اور اخلاقی قانون اپنے اپنے رنگ میں اسکی بازپرس کرتے ہیں۔ قانون فلسفہ بھی اسکا نوٹس لیتا ہے۔ بعض باتیں اور بعض افعال ایسے ہیں جو تمدنی رنگ میں قابل بازپرس ہیں اور قانون سیاسی اون کی نسبت خاموش رہتا ہے۔

چونکہ یہ ہر پانچ قوانین ایک حد تک آپس میں مختلف فیہ ہیں۔ اسواسطے ان کے اصول اور اصطلاحات میں بھی اختلاف ہے۔ جب ایک مذہبی فلاسفر ایک بیان کرتا ہے۔ یا ایک تعلیم دیتا ہے تو اوسکا طرز اور اوسکی غرض کچھ اور ہوتی ہے۔ اور جب ایک سیاسی فلاسفر کچھ کہتا ہے تو اوسکی غرض کچھ اور ہوتی ہے۔ کبھی کبھی اون میں ایک قابل حیرت یا قابل گرفت بُعد بھی معلوم ہوتا ہے لیکن ہمیں بایں حالات یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسکا قول کن حالات سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اوسکا محل اور موقعہ کیا ہے۔ بعض دفعہ اسبات کا خیال کرنے سے اِس قدر مغالطہ لگتا ہے کہ اصلیت گم ہو جاتی ہے جیسے ہر قانون کا پایہ جداگانہ ہے۔ ایسا ہی اونکی تعبیرات اور محلات بھی جداگانہ ہیں قانون مذاہب میں وہ مراسم نہیں پائے جاتے۔ جو قانون سیاسی میں بعض حالات سرعی رہتے یا مرعی رکھنے لازمی ہوتے ہیں۔ کسی مذہبی قانون میں معاوضہ

اداب مذکور نہیں ہیں سجود بار سلاطین میں مرسوم اور ملزوم ہوتے ہیں۔ سلطنت مذہبی میں نبی یا رسول ایک ایسا عظیم الشان شخص ہوتا ہے جس کی اس اطاعت سیاسی بادشاہوں کی گردن میں بھی ہوتی ہے۔ جو مذہبی قوانین کی اشاعت خدائی دربار سے حکم پاکر کرتا ہے لیکن جب لوگ اوسکے دربار مقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو اون کے مراسم حاضری اون مراسم حاضری سے مختلف ہوتے ہیں۔ جو دنیاوی بادشاہوں کے درباروں میں مرعی رہتے ہیں۔ یہ فرق صرف اختلاف محلات اور مواقعہ کی وجہسے ہے۔ خلفائے دین کے درباروں میں وہی مراسم مناسب ہیں جو اون کا معمول ہیں۔ اور خلفائے سیاست کی بارگاہوں میں وہی موزوں ہیں جو انُ سے خاص ہیں +

اور وہ بھی اون ہی قیود اور شرایط سے جو لازم کی گئی ہیں اگر ایک نبی یا رسول دربار سیاسی میں آوے گا تو اوسپر سیاسی آداب کی پابندی لازمی نہ ہوگی۔ بلکہ عالم یا سلطان اپنی جگہ چھوڑ کر نبی یا رسول کے اداب و مراسم بجالانے کو اپنا فخر سمجھے گا باپ کی تعظیم خاوند کی تکریم ہر بیٹے اور ہر عورت پر فرض ہے لیکن اگر کسی باپ کا بیٹا اور کسی زوجہ کا خاوند یا کسی خاوند کی زوجہ سریر حکومت پر متمکن ہو تو حاضری دربار کے وقت مراسم درباری کے مطابق اونکو بھی عمل کرنا ہوگا +

اسی قسم کی مثالیں اور معمولات پیش نظر رکھکر ہمیں بعض مسایل قوانین مختلفہ کے متضاد ہونے کی صورت میں فیصلہ کرنا چاہیئے۔ دیکھو شریعت اور قوانین سیاسی میں قتل ایک بڑا بھاری جرم ہے لیکن جب لڑائی اور جنگ میں ہزاروں آدمی قتل ہوتے ہیں تو اونکی بابت کوئی باز پرس نہیں ہوتی بلکہ جانبین سے قاتلونکی تعریفیں ہوتی ہیں۔ اور انعام و اکرام دیکر اون کا حوصلہ بڑھایا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں صورتوں میں کشت و خون ہوتا ہے +

نکاح میں فریقین کی رضامندی مشروط ہے اور وہ ایک مشروع اور جائز صورت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جب کبھی دونوں فریق میں بلا شرائط نکاح رضامندی ہوتی ہے تو اُسے قانون مذہب۔ قانون تمدن اور قانون سیاسی غیر مشروع اور ناجایز قرار دیتا ہے۔ حالانکہ عملی رنگ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ایک فعل یا ایک ترک فعل برمحل ہونے کی وجہ سے موافق قانون کے سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسرا فعل یا ترک فعل باوجود اسکے کہ اوسکی فعلی صورت وہی ہوتی ہے۔ خلاف قانون اور ناجائز سمجھا جاتا ہے +

قول مندرجہ عنوان اوس بزرگ قوم کا ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت حسن و علم واقعات عالم حسن بیان و سادگی بیان کی وجہسے مشرقی دنیا میں ایک خاص شہرت رکھتا ہے۔ یہ قول بعض وقت زیر بحث آکر سوچنے والوں کیواسطے کسی قدر حیرت کا موجب ہوتا ہے۔ مطلب اس قول کا یہ ہے کہ:۔

"وہ جھوٹ وہ خلاف بیان جو کسی مصلحت کی وجہسے ہو۔ بہ مقابلہ اوس راستی کے اچھی ہے جو فتنہ انگیز یا موجب شر و فساد ہو"

قبل اسکے کہ میں اس قول کی تنقید کروں۔ یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ عموماً دروغ اور راستی کا عملی رنگ میں کیا کچھ اثر اور نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ کہنا کہ عموماً راستی برکات اور حسنات کا ہی موجب ہوتی ہے۔ یا یہ کہ راستی کا ثمرہ ہمیشہ نیک ہی ملتا ہے۔ باعتبار آثار اور نتائج اس دنیا و ابنائے انسان کے صحیح اور درست نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ:۔

دروغ اور کذب یا خلاف بیان ہمیشہ اس دنیا میں موجب رنج و عقوبت ہی ہوتی ہے یا اوس سے شر و فساد ضرور ہی پیدا ہوتا ہے۔ ایک جگہ نہیں آسکتا اگر کبھی دروغ موجب کربت رنج ہوتا ہے تو صداقت بھی بعض وقت اوسی کے نقش قدم لیتی ہے۔ ایک سیاسی عدالت میں اکثر اوقات ملزم کے واسطے اقبال جرم سزا کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ حالانکہ صداقت کی بابت یہ مقولہ ہے کہ مَنْ صَدَقَ نَجَا +

اور بعض وقت عادی ملزم بھی جھوٹ کی بدولت دولت رہائی یا دولت بریت سے مالامال ہوکر خوشی خوشی گھر جا پہنچتے ہیں۔ حالانکہ کہا گیا ہے مَنْ کَذَبَ فَهَلَكَ +

کیا اس قسم کے آثار اور نتائج سے ہم یہ دریافت نہیں کرسکتے کہ اس دنیا میں ثمر کذب اور صدق کے ثمرات ہمیشہ ایک ہی طرح کے نہیں رہتے۔ روحانی دنیا کی بابت میری بحث نہیں وہ کوچہ کچھ اور ہے۔ میں اس مادی دنیا کے آثار و ثمرات سے بحث کرتا ہوں۔ بے شک ایک راست باز بوجہ اپنی راستبازی کے اپنے ضمیر میں ایک طمانیت اور مسرت پاتا ہے لیکن اوس کا جسم اور اوس کی مادی ہیئت اوسی طرح اذیت پاتی ہے جسطرح ایک دروغ گو پاتا ہے۔ دونوں میں بنا بر حالات کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ غایت درجہ یہ کہا جاوے گا کہ ایک راست باز اپنے دل میں شرمندہ نہیں ہوتا۔ اور ایک دروغ گو اپنے اندرون میں بھی ایک سزا پاتا ہے۔ روحانی اور وجدانی رنگ میں بے شک یہ ایک بڑا فرق ہے لیکن جسمانی رنگ میں صورت اور عمل ایک ہی اثر اور نتیجہ رکھتا ہے +

قول زیر بحث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ:۔

سعدیؒ مرحوم دروغگوئی کی اجازت دیتے ہیں۔ میری رائے میں درست نہیں ہے

سعدئے مطلب دیگر دارد یا مطلب سعدی دیگر ہست

سعدی ماتحت اوس کلیۂ قانون کے جو ہمیشہ دروغ اور صدق کا ایک ہی قسم کا نتیجہ نہیں نکلنے دیتا یہ کہتے ہیں کہ :-

دروغ کبھی کبھی بمعنے اخفا اور چشم پوشی بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ گو بظاہر اوس عمل کا نام دروغ ہوتا ہے لیکن دراصل وہ دروغ نہیں بلکہ ایک مصلحت اور ایک چشم پوشی یا درگزر اور ایسی چشم پوشی خاموشی اخفا۔ سکوت۔ درگزر اوس راستی اور اوس صداقت سے بہتر ہے۔ جو اپنے اندر ایک شر و فساد اور ایک فتنہ رکھتی ہے۔

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی یہ بحث اور یہ استدلال مذہبی رنگ میں نہیں بلکہ اوس رنگ میں جو دنیا کے اکثر حصوں میں باوجود دعویٰ صداقت کے معمول ہے۔ اور جس سے بہت کم لوگ بچتے یا بچ سکتے ہیں۔ اگرچہ دعویٰ ذوات ہیں لیکن عملی رنگ میں اس سے وہی بچ سکتا ہے جسے خدا بچائے۔ یا جو روحانی پہلو سے معصوم ہو۔

کہا گیا ہے۔

الحرب خدعۃ

خدعہ یا خداع فریب یا فریب دادن کے معنوں میں ہے اور تحریضاً فریب دینا کذب اور دروغ سے بھی کہیں زیادہ معیوب اور نامشروع ہے۔ حرب میں اپنے بچاؤ کے واسطے بعض امور کا اخفا۔ بعض امور اور بعض تجاویز کی اوٹ میں کیا کچھ کرنا۔ کچھ تجویز کچھ عمل کچھ ایک لازمی مرحلہ ہوتا ہے اس سے مراد اور مدعا صرف یہ ہوتا ہے کہ دشمن اپنی حرکات اور اپنی تجاویز سے ناواقف رہ کر غالب نہ آئے یا قابو آ جاوے۔ یا شکست کھا دے۔ یوں بھی یہ عمل صداقت سے بعید اور دیانتداری کے خلاف ہے۔ لیکن لڑائی کا مقتضیٰ ایسا ہے کہ اوس میں اسی قسم کی چالیں چلی جاویں۔ دوسرے ممالک میں جاکر چوری چھپے بطمع دیگر دھوکہ دے کر موافقت ضرور پیدا کر مقامات مخفیہ اور تجاویز مکتومہ کے نقشے لے لیویں اور نقلیں اتار لاتا۔ اور بڑے بڑے مشہور ارکان ملک کا ایسے امور اور ایسے حرکات کی تائید میں ہونا۔ ایک عاقلانہ چال اور مدبرانہ عمل خیال کیا جاتا ہے۔ اور دنیا بھر میں اونکی تعریفیں ہوتی ہیں جب لڑائی کے بغیر کوئی شخص ایسا عمل یا ایسی حرکت کرتا ہے تو وہ قانونی شکنجہ یا شرعی ضابطہ میں لایا جاتا ہے۔ اگر ایسے مدبران قوم مشاہیر ملک وقت پر اس قسم کی تجاویز سے کام نہ لیں تو ملک و قوم ایک آفت میں پھنس کر برباد ہو جاوے۔ کیا سعدی علیہ الرحمۃ کے قول زیر بحث یہ عمل مراد نہیں لیا گیا اور کیا اوسکے سوائے گزارہ بھی ہے۔

جھوٹ کیا ہے کسی واقعہ کسی حقیقت کے خلاف کہنا۔

مثلاً ایک کو ایک جان کر دو کہنا۔ دو کو دو سمجھ کر ایک کہنا۔ اور دریافت پر نہ بتانا یا صحیح نہ بتانا۔ یا یہ کہنا کہ مجھے کوئی خبر نہیں۔ یہ سب صورتیں جھوٹ اور دروغ کی ہیں۔ ایک شخص ایک سڑک پر بیٹھا ہے۔ اُسکے دیکھتے ہی دو عورتیں ڈاکوؤں کے خوف سے اوس سڑک پر سے گزر کر ایک جھاڑی میں چھپ گئی ہیں۔ فوراً ان کے بعد دو ڈاکو اُس راہ سے گزرتے ہیں۔ اوس شخص سے پوچھتے ہیں کیا اس راہ سے دو عورتیں اس اس شکل و شباہت کی گزری ہیں۔ وہ شخص جانتا ہے کہ یہ ڈاکو ہیں۔ اون کا مقابلہ وہ نہیں کر سکتا کیونکہ اُسے خود بھی جان کا خوف ہے۔ اور نہ اون عورتوں کو بچا سکتا ہے وہ ایک وثوق سے کہتا ہے کہ اس راہ سے کوئی عورت نہیں گزری۔ ڈاکو چلے جاتے ہیں۔ اور عورتوں کی جان و مال محفوظ رہتا ہے۔ اس شخص نے باوجود عورتوں کو دیکھنے کے خلاف بیانی کی ہے۔ یا چشم پوشی۔ ایک شخص شرارت سے دوسرے شخص سے پوچھتا ہے۔ کیا زید کے گھر میں فلاں جگہ پر مال دفن رکھا ہے کیونکہ وہ دوسرا شخص جانتا ہے وہ انکار و لاعلمی ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تو کوئی خبر نہیں۔ یہ شخص بھی واقعات کے خلاف کہہ رہا ہے۔

ایک شخص ایک عورت کی عصمت مشکوک پاتا ہے دوسروں کی دریافت پر کچھ بیان نہیں کرتا۔ یا خاموش رہتا ہے۔ حالانکہ جانتا سب کچھ ہے۔ یہ ایک چشم پوشی ہے۔

ایک مدبر ملکی کو حکومت کی جانب سے ایک تجویز کا رازدار بنایا جاتا ہے اور اوسے تاکید کی جاتی ہے کہ اسکا کسی صورت میں اظہار نہ ہو۔ اوسکا باپ اوسکا ایک دوست اوس سے دریافت کرتے ہیں۔ وہ یا تو کچھ بتاتا نہیں اور یا کسی اور رنگ میں بتاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ بتا دے تو ملک میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہونے کی امید ہے۔ کیا یہاں سعدی علیہ الرحمۃ کے قول پر عمل نہیں ہو رہا۔ اس زمانہ میں یہ پولیٹیکل فلسفہ جو شہرت پا رہا ہے۔ اور قوموں کے بڑے بڑے مشاہیر و عقلمند اسمیں کمال رکھنے کی وجہ سے قوموں کے ریفارمر اور تاج گنے جاتے ہیں۔ کیا کچھ کرتے ہیں۔ وہی جو غریب سعدی کہہ گیا ہے قول سعدی ٹھیک ٹھیک تفسیر پولیٹکس کی ہے۔ اسمیں سرمو فرق نہیں۔ ایک پولیٹکس جب مسجد مندر اور گرجا میں جاتا ہے تو اوسکی تقریر اور گفتگو کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے۔ اور جب ایوان سیاست میں بیٹھتا ہے۔ تو کچھ اور سے

ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

قول سعدی علیہ الرحمۃ میں لفظ مصلحت ایک عجیب مصلحت رکھتا ہے یہ لفظ

پولیٹکس کا ترجمہ ہے۔ اور اوس مقام پر سعدی علیہ الرحمۃ یہ لفظ استعمال کرتے ہیں جس مقام پر ایک مشہور پولیٹیکل کر سکتا ہے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ بعض وقت راستی ہی موجب فتنہ ہو جاتی ہے۔ کیا ہر شخص اس دنیا میں آن کو ہر صورت اور ہر حالت میں کبھی راستی اور کسی صداقت کے اظہار سے رکتا نہیں یا رک نہیں جاتا۔ جو بعض وجوہ فتنہ انگیز ہو سکتی ہے۔ اگر بعض وقت لئے سکنا یا خاموش رہنا پڑتا ہے تو وہ بھی ایک دروغ مصلحت آمیز یا کاذبانہ چشم پوشی ہی ہے۔ جو شخص ایک مجمع میں کھڑے ہو کر ایک صداقت کی نسبت تفتیش ہوتی دیکھتا ہے اور باوجود اوسکے علم کے خاموش رہنا یا خاموشی بہتر جانتا ہے۔ تاکہ فساد پیدا نہ ہو تو وہ بھی ایک دروغ مصلحت آمیز سے کام لیتا ہے۔ بعض وقت لوگ خیال کرتے ہیں کہ جب تک پوچھا نہ جاوے جب تک کوئی عدالت میں طلب نہ کیا جاوے تب تک سچ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تو کیا یہ بھی بابا سعدی علیہ الرحمۃ کے قول کے منافی ہے؎

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

میری رائے میں حضرت سعدی علیہ الرحمۃ برنگ سیاسی یا برنگ پولیٹیکل دروغ سے مطلب چشم پوشی۔ اخفائے موقتہ تاویل احسنہ تعبیر موزونہ خاموشی اور طرح دئے جانے کا لیتے ہیں نہ یہ کہ انسان جھوٹ بولے۔ اور کذب سے کام لے۔ اور اُن حالات میں جبکہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو؏

فتنہ ہر حالت میں برا ہے۔ چاہے جھوٹ اور دروغ اوسکا موجب ہو اور چاہے صدق و راستی۔ اگر ایک راستی سے دنیا میں فتنہ اٹھتا ہے۔ تو کوئی عقل اجازت نہیں دیتی کہ ایسی راست بازی سے فتنہ اٹھایا جاوے۔ دراصل راستی بھی وہی ہے جو حتے الامکان فتنہ نہ اٹھاوے۔ یا جن سے فتنہ نہ اٹھے اور اگر چشم پوشی اور خاموشی سے ایک فتنہ دبتا ہے تو وہ ایک بڑی حد تک راستی کا روپ رکھتی ہے۔ تاویل و تعبیر گناہ نہیں۔ دیکھو دنیا میں کس قدر تاویلات اور تعبیرات ہو رہی ہیں۔ اون سب تاویلات اور تعبیرات سے ایک دو ہی راست ہونگی۔ اور دوسری خلاف اصلیت دوسرے الفاظ میں جھوٹ اور دروغ۔ کیا انہیں دروغ کہا جاتا ہے۔ اور اُن کا اثر کاذبانہ شمار ہوتا ہے حضرت سعدی بھی اس قول میں **دروغ مصلحت آمیز** سے بالضرور تاویل اور تعبیر ہی مراد رکھتے ہیں۔ ایک لڑکا ایک ناجائز حرکت کرتا ہے۔ اوستاد اوسکی تعبیر کرتا ہے کہ بے وقوفی سے ایسی حرکت کی ہے اور اسے سزا نہیں دیتا۔ یہ کیا ہے وہی جو قول سعدی کا مطلب ہے۔

سعدی نے ایک پولیٹیکل فلسفہ مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اور وہ عمل جو ہمیشہ دنیا میں ہو رہا ہے۔ اور جس کی ضرورت پڑتی ہے ایک معنا تاویل اور تعبیر مطلب کی تفسیر کی ہے۔ شرعی رنگ میں کوئی حکم نہیں دیا۔ ایک رائے اور ایک خیال ظاہر کیا ہے کہ مادی دنیا میں یوں بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص راستی فتنہ انگیز سے باز نہیں رہ سکتا تو اوسکی یہ جرأت کہی جاوے گی۔ لیکن شریعت میں آیا ہے کہ:-

خواہ مخواہ اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یا اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ پڑو۔

اگر ایک راستی ہمیں فتنہ میں ڈالکر بھی دوسرے ابنائے جنس یا خود کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی یا اوس سے روحانی فائدہ اور نیکی کی بھی کوئی امید نہیں تو شاید اوسکا ترک اور اوس سے خاموشی ہی بہتر ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا ہے ؎

تو دوسرے کی عیب جوئی نکر

باوجود ایک شخص کے عیب جاننے کے اگر ہم اوسکے عیب اور اوسکی بری خصلت کا اظہار کرتے پھریں تو اخلاقی رنگ میں ہمارا یہ عمل بھی ایک بداخلاقی سمجھا جاویگا اور ہم ایک حد تک خدائی فوجداری ڈیوٹی رکھنے والے سمجھے جاوینگے۔ سعدیؒ شریعت کی فعو و باعد تردید نہیں کرتا۔ اور نہ اوس کا یہ منشا ہے کہ لوگ جھوٹ بولیں۔ یا اوسے مشروع سمجھیں بلکہ یہ کہ دنیا میں رہ کر فدا احتیاط اور تدبر اور حکمت سے کام لیں۔ مصلحت کے معنے۔ حکمت کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں اس فقرہ کا مطلب یہ ہوگا کہ:-

کسی امر واقعہ کا اظہار مصلحت اور حکمت سے بمقابلہ دریدہ دہنی اور درشتگی کے زیادہ تر مناسب موزوں اور واجب ہے جس میں موقع محل۔ زمانہ اور ادب کا لحاظ رہے۔ ایسی دریدہ دہنی درشتگی آزادی امن شکنی موجب فتنہ سے کام نہ لیا جاوے۔ جو گوینده اور ابنائے ملت کے حق میں ایک آفت جان ثابت ہو کلام اور مخاطب مخاطب اور وقت وقت اور موقعہ موقعہ اور حالات حالات یا قول اور نتائج میں ایک نسبت ہوتی ہے ان سب نسبتوں کو ملحوظ رکھکر کہنا سننا ایک طریق ادب ہے۔ اور یہی قول سعدی کا مطلب ہے؏

دیکھو ایام بدامنی اور جنگ میں دربھکو شیں اور عاقبت اندیش سیاست دان کس حکمت عملی اور کس تدبر سے دریدہ دہنی اور درشتگانی کے دبانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ بعض وقت بعض واقعات کا اصلی رنگ میں کرنا بھی مخلوق کے واسطے بہت کچھ خوفناک ثابت ہوتا ہے۔ کیا ان حالات میں کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ خواہ مخواہ خود کو منفعلہ اور ایک بلا میں

واسطے ایسے ایام میں فرض ہے کہ لوگ اوس راہ پر چلیں جو دانش و حکمت اور معاملہ فہمی سے ایک مدبر حکومت دکھاتی ہے۔ اس قسم کی ضرورتوں اور مواقع کو ذہن نشین کر کے کہو کہ کیا حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا قول اور دعظ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اور کیا کبھی کبھی مادی رنگ میں اسکی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور کیا باوجود دعوئے آزادانہ صداقت کے لوگوں کے منہ بند اور نیا مسدود اور کلام منقطع نہیں ہوجاتے۔ اور کیا اون کے حق میں یہ عمل موجب امن و برکت نہیں۔ اور کیا وہ یا اون کا کثیر حصہ اس طریق عمل کے واسطے خوبخوشی خوشی تیار نہیں کرتا۔ اور کیا اون کے ایسے عمل سے اوس فلسفہ پر روشنی نہیں پڑتی جسکا ذکر سعدی نے اس قول میں کیا ہے ؎

نہیں بگوشہ منے شکار کن واقف
کہ صید بادیہ امن راکمین این است

جس قسم کی تاویل اور تعبیر کا سعدی اس قول میں حوالہ دیتا ہے وہ خاص معاملات ہی میں نہیں مرعی رکھی جاتی۔ بلکہ بعض اوقات عام مقاصد اور معاملات میں بھی مرعی رہتی ہے۔ ایک ماں ننھے سے لڑکے یا ننھی سی لڑکی کو جب ایک کڑوی اور بدمزہ دوائی کھلانے یا پلانے لگتی ہے تو پیار سے کہتی جاتی ہے پیارے بچہ پیاری بچی کھالو۔ پی لو۔ یہ کیسی مزیدار ہے۔ بچہ بھولے پن سے منہ میں ڈالکر نکال دیتا ہے۔ لیکن منہ بنا کر کس سادگی سے کہتا ہے ✦

اون اون کڑوی کڑوی ✦

اسی طرح حکیم اور ڈاکٹر ایک بیمار کی بری حالت بھی پاکر اوس کے منہ پر یہی کہتا جاتا ہے۔ خدا سے شفا کی امید ہے۔ چند روز میں اچھے ہوجاؤگے حالانکہ باہر نکلکر کبھی کبھی یہ بھی کہدیتا ہے۔ علامات اور آثار اچھے نہیں مرض غلبہ پاچکا ہے۔ قوتیں کمزور ہوچکی ہیں۔ خدا ہی بچائے تو بچے ✦

اسی قسم کی اور بھی بہت سی باتیں دنیا میں ہوتی رہتی ہیں۔ سعدی کے الفاظ میں یہ کیا ہے کہ دروغ مصلحت آمیز اور ٹھیک الفاظ میں تاویل حسنہ تعبیر مناسب جو دروغ نہیں بلکہ ایک حسن بیان سے ایک مضر تکلیف دہ واقعہ کا فیصلہ دلانے پیرایہ میں بیان کرنا سننے والوں کو ان ذہنی اور خوفناک حرکات سے بچانا جو کبھی کبھی موجب فتنہ عظیم ہوجاتے ہیں۔ کسی فتنہ عظیم کا روکنا اور طبائع میں ایک سکون پیدا کرنا واقعی ایک مصلحت ہے نہ کہ دروغ اور خلاف بیانی ✦

رہا یہ بات ۔۔ کہ قانون مذہب اور قانون اخلاق و قانون سیاسی ایسی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ صاف طور پر مذہب تو اس قسم کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ وہ تھوڑی سی غلطی اور خلاف بیانی کی بھی گرفت کرتا ہے لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی نہیں چاہتا کہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا ہو ✦

(واقعات فرضی)

بعض لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ سعدی اور مولوی رومی علیہ الرحمۃ نے جن فرضی حکایات اور فرضی واقعات کو رنگ دیکر حسن بیان سے ترتیب دیا ہے۔ وہ بھی ایک خلاف بیان اور جھوٹ ہے۔ بعض وقت بعض نکتہ چینان جوش نکتہ چینی میں اصلیت کا ازالہ ہی نہیں کرتیں بلکہ تنقیدی اصول بھی مبہم اور کمزور کر دیتی ہیں۔ سعدی اور مولوی رومی نے جو حکایات لکھیں اور جن واقعات کو اپنے اپنے رنگ میں ترتیب دیا ہے۔ اونکی نسبت سب سے اول یہ دیکھنا ہے کہ اوس قسم کے واقعات اور اوس قسم کی کیفیات کائنات میں وقوع پذیر ہوتی ہیں یا نہیں مثلاً سعدی نے ایک قزاق اور مولانا رومی نے ایک سنے کی کہانی سنانے اور ترتیب دینے میں جن واقعات سے کام لیا ہے، وہ عموماً واقع ہوتے رہتے ہیں۔ ہزاروں مثالیں ایسے واقعات کی مل سکتی ہیں۔ سعدی اور مولوی رومی نے ایک دلاویز پیرایہ میں بلا خصوصیت نام کے اونہیں لکھدیا ہے۔ وہ سچی اخلاق اور تمدنی ضروریات کے واسطے ہمیشہ چند پریشان واقعات اور منتشر حکایات کے جمع کرنے سے طبائع پر اچھا اثر پڑتا رہا ہے۔ کوئی سی حکایت اور کوئی سی کہانی لے لو۔ اوس کی نظیر دنیا کی منڈی میں کسی نہ کسی رنگ میں مل ہی جاوے گی۔ اگرچہ ایسی روایات نئے کہانیاں ہی سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن صرف اس حد تک کہ اون کے اصل متعلقین کا نام نہیں ہوتا۔ ورنہ حقیقت اور واقعہ درست ہوتا ہے جب ایک شخص یا جب ایک شاعر ایک بیوہ کی کہانی درد بھرے دل سے سناتا ہے تو وہ کسی بیوہ کا نام نہیں لیتا۔ لیکن کہانی میں جو باتیں بیان ہوتی ہیں وہ گویا بعض بیوگان کی زندگی کا نمونہ اور خاکہ ہوتا ہے۔ قوم کی نکبت و حرماں و بدبختی کا مختلف رنگوں میں سنایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے ریفارمر اور بڑے بڑے شاعر اپنے اپنے پیرایہ میں قوم کی بدبختی اور نحوست کا۔ وناداوہی الفاظ میں روتے ہیں۔ جن میں کسی کا نام نہیں لیا جاتا محض ایک کہانی ہوتی ہے۔ شاعروں اور ناظموں کی نظموں اور شعروں میں صدہا اور ہزاروں واقعات کا ذکر اور بیان ہوتا ہے۔ نہ کسی کا نام ہوتا ہے اور نہ کسی کا نشان لیکن جو باتیں معرض بیان میں آتی ہیں وہ زمانہ میں ثابت اور موجود ہوتی ہیں ✦

تھیٹروں اور بائسکوپ میں جس قدر تماشے اور واقعات دکھائے جاتے

ہیں۔ یہ بھی سعدی اور رومی کی غلطی اور وجود کی نقل تو ہے۔ سعدی اور رومی نے محض الفاظ میں تماشا دکھایا ہے۔ اور تھیٹر والے سیما والے نقلی رنگ میں ــــ - - - - - - - - - - - - - - - - - -

- زندہ دنیا ہے جن سے یہ کام لیتے ہیں۔ ان تماشوں میں جب تک ایکٹر اور ایکٹرس آتی ہیں۔ اون کا اپنا نام اور پیشہ تو کچھ اور ہوتا ہے وہ ایک فرضی روپ میں گزشتہ واقعات کو پیش کرتی ہیں۔ دیوان سعدیؒ اور مثنوی رومی میں الفاظ ایکٹر ہیں۔ اور ان تماشوں میں زید و بکر بات ایک ہی ہے نہ اوسمیں جھوٹ اور کذب ہے اور نہ آج تک معانی ... بعض باتیں ایسی بیان کی گئی ہیں جو ایک تمثیلی رنگ رکھتی ہیں۔ اب اونہیں بھی جھوٹ اور کذب کہوگے (نعوذ باللہ)

گل و بلبل کی کہانیاں گل و خار کے قصے پپیہا کی کوک کی دل سوز حکایت طوطے و مینا کی سرگذشتیں وغیرہ وغیرہ کوئی اسی قصہ تھوڑا ہی ہے کسی نے آجتک نہ لکھا کہ فلاں مینا اور فلاں بلبل کا یہ قصہ اور یہ سرگزشت ہے اونکی کیفیات کا جو کچھ عکس انسان لے سکا۔ اوسکے مطابق مضمون باندھ لیا۔

ان چھپتے ناولوں میں کیا ہوتا ہے۔ آدھا جھوٹ لیکن باوجود اسکے بھی جو واقعات ہوتے ہیں وہ کسی نہ کسی شکل میں سچے ہوتے ہیں۔ مائیں جب بچوں کو زبانی کہانیاں سناتی ہیں۔ کوئی چڑیا کی۔ کوئی کوّے کی۔ کوئی طوطے کی کوئی مینا کی اون میں بھی واقعات تمثیلی کا چربہ اتارا جاتا ہے۔ ورنہ نہ تو کسی چڑیا نے کسی سے اپنی سرگذشت کہی۔ اور نہ کوئی کوّا سنانے آیا یہ جھوٹ اور بہتان بیانی نہیں ہے۔ یہ تعبیری اور تاویلی پہلو ہے۔ واقعات سچے ہوتے ہیں اور نام یا مرکب فرضی رکھ کر دلاویز ... تمثیلی رنگ میں اون کو بیان کردیا جاتا ہے موسیقی اور راگ میں جو کچھ بیان ہوتا ہے۔ اون کا بیان کرنیوالا خصوصیت سے کوئی نہیں ہوتا عام طور پر چند دلاویز مضامین معرض بیان میں لاتے ہیں۔ کیا آپ یہ کہیں گے کہ موسیقی محض کذب ہے۔ ہرگز نہیں دوسرے کی حقیقت ایک دوسرے کی زبان سے تاویلاً و عقلاً بیان کیا جاتا کذب نہیں ہے۔

سعدی اور رومی دوسروں کے قصے اور عبرتناک کہانیاں اخلاقی پہلو سے اپنی زبان میں بیان کرتے ہیں۔ وہ جھوٹے نہیں کہتے۔ بلکہ چند پریشان اور منتشر واقعات اور فرسودہ کیفیات کو اپنے دلاویز رنگ میں ترتیب دیکر اپنانے ملت کو توجہ دلاتے ہیں۔ سیاسی قانون مثلاً تعزیرات ہند میں دفعات کے نیچے جو تمثیلیں دی ہوئی ہیں۔ کیا آپ انہیں سچی خیال کرتے ہیں جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ الف نے ب کو مارا یا زید نے بکر کو کیا وہاں الف۔ ب اور زید کوئی واقعی شخص ہوتے ہیں۔ اگر ایسی تماثیل پر کوئی اعتراض نہیں اور ایک مقنن ایسی مثالوں کے لانے کی وجہ سے شرم نہیں کرتا اور قابل گرفت نہیں تو سعدی اور مولوی رومی کیوں ہونے لگے۔ کیونکہ کام اور عمل تو دونوں کا یکساں ہی ہے۔ سر مو فرق نہیں ◆

ہمارے تمدن۔ ہمارے اخلاق کے اکثر پہلو نظایر کے ماتحت نشوونما پاتے اور قائم ہیں۔ نظیر اور تمثیل اس بات کی ذمہ دار نہیں کہ ساتھ ہی اصلی شخصیتوں کا بھی حوالہ دیتی جائے۔ یہ عمل صرف سعدی اور رومی کا ہی نہیں ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم میں کثرت سے اس قسم کی نظیریں پائی جاتی ہیں۔ جو شاعر بکری اور شیر کی تمثیل سے بزدلی۔ شجاعت ہمت سے کسی ظلم و ستم و درندگی کا اظہار کرتا ہے۔ کیا وہ اس واقعہ کو بیان کر رہا ہے جس کا اس کائنات میں پتہ اور وجود نہیں۔ یا ایسے واقعات کم و بیش وقوع پذیر نہیں ہوتے۔ جو شاعر ایک چغل خور اور ایک کذاب اور منافق کی کہانی سناتا ہے۔ وہ اون ہی واقعات کا چربہ اتارتا ہے۔ جو اوس کے ارد گرد ہمیشہ واقع ہوتے رہتے ہیں۔ اب کوئی کہے اسمیں شاعر نے جھوٹ کیا کہا اور اوسکی اخلاقی کہانی پایۂ صداقت سے کیونکر گر گئی۔ البتہ بعض شاعر شوخی گل اور نرگسی آنکھوں کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ تو کیا کہا جاویگا کہ مبالغہ کیا گیا ہے۔ سوائے موزوں میں زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایسا مبالغہ موزوں نہیں۔ مبالغہ اس واسطے کہا جاوے گا کہ گل فی الواقع موجود ہوتی ہے۔ اور کوئی نہ کوئی پیمانہ رکھتی ہے۔ فرط مبالغہ سے شاعر نے اوسکو ایک رشتہ سے بھی زیادہ تر نازک اور باریک کہدیا۔ لہذا مبالغہ ایک ہستی اور وجود میں نہیں بلکہ ایک ہستی کی تاویل اور تعبیر میں ◆

میری رائے میں سعدی علیہ الرحمۃ کا قول زیر بحث محض ایک تاویلی اور تعبیری پہلو رکھتا ہے۔ اور یہ دکھاتا ہے کہ دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ ضرور جائز اور مستحب یا لازمی ہے ◆

اس بحث کے متعلق میرا یہ ایک عامیانہ خیال ہے۔ مذہبی رنگ سے اس بحث کو کوئی تعلق نہیں۔ وہ اور کوچہ ہے۔ یا یوں کہیے یہ میرا ایک قیاس اور اجتہاد ہے۔ ہر شخص اپنی زندگانی کے واقعات سے اسے تطبیق دیکر خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ مطلب سعدی کیا ہے ◆ ع

ہر کسے بقدر ہمت اوست ۔۔۔ ۔۔۔ ہر کس بقدر ہمت اوست

(سلطان احمد خان)

شذرات

ردّ و قبول میں عبرت و نصیحت

ایک شخص نے اپنے احباب کی دعوت کی اسکا بیٹا باپ کی بے اطلاع حضرت جنید قدس سرہ العزیز کو بھی بلا لایا۔ مگر آپ جب اس گھر کے دروازے پر پہنچے تو باپ نے اندر نہ جانے دیا۔ آپ لوٹ گئے۔ بیٹا دوبارہ بلانے آیا۔ آپ اسکے ساتھ تشریف لے گئے۔ باپ نے پھر اندر جانے نہ دیا۔ پھر مراجعت فرمائی۔ الغرض اسی طرح چار دفعہ حضرت جنید قدس سرہ العزیز بیٹے کے پاس خاطر کے لیئے تشریف لے گئے۔ اور چاروں دفعہ مراجعت فرمائی کہ باپ کا دل ملول نہ ہو حالانکہ آپ اس سے فارغ تھے۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ ہر رد و قبول میں آپ کو عبرت و نصیحت حاصل ہوتی تھی۔ کیونکہ آپ جناب اللہ دیکھتے تھے ✦

عورتوں کے حق میں کیا بہتر ہے؟

ایکدن جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ عورتوں کے حق میں کیا بہتر ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بہتر ہے کہ نامحرم مردان کو نہ دیکھیں۔ اور وہ کسی غیر مرد کو نہ دیکھیں۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند آئی۔ حضرت بی بی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گلے لگا کر فرمایا بضعۃ منی تو میری جگر پارہ ہے ✦

طلب حلال کے لیئے ذلیل جگہ کھڑے ہونیوالے پر بہشت واجب ہو جاتی ہے

اللہ اکبر نے حضرت ابراہیم ادہم قدس سرہٗ کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا اپنی گردن پر اٹھائے ہیں۔ پوچھا آپکا یہ کسب کب تک ہوا کرے گا؟ آپکے مسلمان بھائی آپ کے اس رنج و تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ فرمایا چپ رہ کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی طلب حلال کے واسطے ذلیل جگہ کھڑا ہوگا اسپر بہشت واجب ہو جاتی ہے ✦

بیع و شری میں دھوکا کھانا فقدان عقل و نقصان مال کا باعث ہے

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام اس بارہ میں سعی بلیغ فرماتے کہ جو مال و متاع خریدیں گراں نہ ہو۔ آپ جو چیز خریدتے اسکی بخوبی تنقیح اور جانچ پڑتال کر لیتے۔ لوگوں نے انکی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ ہر روز ہزاروں روپے خیرات و صدقات میں صرف کرتے ہیں۔ پھر خرید اشیا میں آپ اتنی جد و کد کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا ہم جو کچھ دیتے ہیں انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اور خدا کی راہ میں جتنا زیادہ دیا جائے کم ہے۔ مگر بیع و شری میں دھوکا کھانا فقدان عقل و نقصان مال کا باعث ہے۔ فتدبروا یا اولی الالباب ✦

یاد الٰہی

ہر موقع و محل کے مناسب امتثال احکام الٰہی یاد الٰہی ہے۔ اور یاد الٰہی ایسی چیز ہے کہ تمام بدیوں کے ارتکاب سے انسان کو بچا لیتی ہے۔ اسواسطے کہ ایسا انسان ہر قول و فعل حرکت و سکون کر دلو گفتار سے پہلے اسبات کی بخوبی تنقیح کر لیتا ہے کہ آیا یہ امر حکم الٰہی اور سنت نبوی کے مطابق ہے یا نہیں۔ یاد الٰہی فاضلترین عبادت ہے اسی بنا پر قرآن حکیم فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا لا تلہکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فاولئک ھم الخاسرون (پ ۲۸ س المنافقون ع ۱۴) مسلمانوں تم کو تمہارے مال یاد الٰہی سے غافل نہ کریں اور نہ تمہاری اولاد اور جو ایسا کرے گا۔ تو وہی لوگ آخر کار گھاٹے میں رہیں گے ✦

مصائب و نوائب میں صبر کا اجر عظیم

مصائب و نوائب کے وقت بشریت کے اقتضا سے انسان گھبرا جاتا ہے ایسے وقت میں اللہ اور اسکے رسول کی پوری فرمانبرداری کا خیال مد نظر رہے۔ کوئی امر خلاف شرع عمل میں نہ لایا جائے۔ بلکہ پورا بھروسہ اللہ پر رکھا جائے۔ تو اس سے یہ فائدہ ہوگا۔ کہ آدمی کے دل میں صبر کی ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہو جائے گی جس سے تکالیف و آلام کا برداشت کرنا سہل کا امر ہے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے

ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ ومن یؤمن باللہ یھد قلبہ واللہ بکل شیء علیم (پ ۲۸ س التغابن ع ۱۵) بے اذن خدا کوئی آفت بھی نہیں آیا کرتی۔ اور جو شخص خدا پر یقین رکھے گا مصیبت میں خدا اسکا دل ٹھکانے سے لگائے رکھیگا۔ اور خدا ہر چیز سے واقف ہے"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے ارشاد فرمایا ہے کہ بعض ایمانداروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں ایسا درجہ دینا چاہتا ہے جو ان کے اعمال سے بڑھ کر ہے۔ اسلیئے انکو دنیا میں کچھ مصائب و نوائب میں مبتلا فرماتا ہے۔ پھر ان کے ایمان و اعتقاد کی سلامتی کی وجہ سے انکو ان مصیبتوں پر صبر کی توفیق عنایت فرماتا ہے تاکہ اس صبر کے اجر میں وہ لوگ اس بڑے درجہ تک پہنچ جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حشر کے دن مصیبت کے وقت صبر کرنے والوں کو اجر عظیم و بے حساب ملے گا تو جو لوگ دنیا میں عافیت سے رہے ہیں وہ یہ آرزو کریں گے کہ دنیا میں کوئی قینچی سے ان کی بوٹیاں کاٹتا اور وہ اس تکلیف پر صبر کرتے تو اچھا ہوتا کہ آج اس صبر کا بڑا درجہ ملتا۔ غور کرو صبر کا کس قدر اجر عظیم ہے۔ فاصبروا علیٰ ما اصابکم یا اولی الالباب ✦

ادائے نماز جمعہ کے بعد تلاش معاش

عراک بن مالک جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہوتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر دعا مانگتے جس کا حاصل یہ ہے یا اللہ میں تیرے بلانے پر حاضر ہوا اور تیرا فرض ادا کیا۔ اب جیسے تو نے حکم دیا اپنی راہ لیتا ہوں تو مجھ پر اپنا فضل و کرم کر اللہ تو سب روزی دینے والوں میں اچھا روزی دینے والا ہے۔ غور کرو خداوند تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا ہے فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔ پھر جب نماز جمعہ ہو چکے تو تم کو اختیار ہے اپنی اپنی راہ لو۔ اور خدا کے فضل یعنی معاش کی جستجو میں لگ جاؤ اور جہاں رہو کثرت سے خدا کی یاد کرتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو کوئی نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے تو اللہ تعالیٰ ستر بار اسکو برکت دیگا اکثر سلف نے اپنا یہ تجربہ بیان کیا ہے کہ جب کبھی سے ان آیات کے حکم کی پابندی تجارت میں کی۔ اسکو نفع کثیر ہوا۔ یہ بھی یاد رہے کہ تجارت بازار میں ہوتی ہے اور بازار دنیا کے بدتر مقاموں سے ایک مقام ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا کے سب مقاموں میں جو مقامات اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں وہ مساجد ہیں۔ اور ناپسند مقامات بازار ہیں۔ یہ اسلئے فرمایا کہ مساجد میں اکثر ذکر الٰہی ہوتا رہتا ہے۔ اور بازاروں میں جھوٹ فریب دغا تطفیف وغیرہ آفات رہتی ہیں۔ غرض بازار غفلت و آفت کی جگہ ہیں اسی بنا پر ارشاد فرمایا کہ جو تجارت پیشہ آدمی بازار میں جائے اسکو چاہیئے کہ کثرت سے یاد الٰہی کرتا رہے۔ تاکہ بازار کی آفات سے محفوظ و مصئون رہے ✦

بیع و شرے میں آسانی

حضرت سید انبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو میدان حشر میں لائیں گے جس نے دین کے بارہ میں اپنے اوپر ظلم کیا ہوگا۔ اور اسکا نامہ اعمال حسنات سے خالی ہوگا۔ اس سے کہا جائے گا کہ تو نے ہرگز کوئی بھی نیکی نہیں کی۔ وہ جواب دے گا ہاں بے شک میں نے کوئی نیکی نہیں کی۔ مگر میں نے اپنے نوکروں اور گماشتوں سے کہہ رکھا تھا کہ میرا جو قرضدار تنگ دست و محتاج و مفلس ہو اُسے مہلت دو اور تنگ نہ کرو۔ بس یہ بات رحمت الٰہی جوش میں لائے گی۔ اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ ارحم الراحمین فرمائے گا کہ آج تو تنگ دست و بے نوا ہے مجھے بھی تیرے ساتھ آسانی کرنا زیبا ہے جس طرح تو نے بہت بندوں کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کیا تھا۔ غور کرو جو شخص داد و ستد میں آسانی کرے۔ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن اسکے ساتھ آسانی کرے گا۔ اور حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دعا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے رحم اللہ امرأ سمح البیع وسھل الشری اس شخص پر خدا کی رحمت ہو جو بیع و شری میں آسانی کرے ✦

اموال و اولاد و ازواج عدو و فتنہ ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہجرت کے بعد فتح مکہ سے پہلے بعض صحابہ مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی ازواج و اولاد مانع و مزاحم ہوئے اور گریہ و زاری و داد و فریاد شروع کی جس سے ان صحابہ کو ہجرت میں تعویق و توقف کرنا پڑا چند روز کے بعد جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آموجود ہوئے تو اصحاب کے دیکھنے سے انکو بے حد تحسر ہوا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہجرت کر کے آئے تھے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین کے بے شمار مسایل سے باخبر ہو چکے تھے۔ اسپر انہوں نے اپنے اہل و عیال سے بدسلوکی سے پیش آنا چاہا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ازواج و اولاد سے بدسلوکی نہیں کرنا چاہیئے لیکن انکی اس طرح کی محبت سے بچنا چاہیئے جس میں دینی امور میں فتور پڑے اور یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اہل و عیال اور مال و متاع دین کے حق میں دشمن اور بڑی فتنہ میں ڈالنے والی چیزیں ہیں۔ اس بنا پر اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری و اطاعت کو مال و متاع اور اہل و عیال کی محبت و الفت پر ہمیشہ مقدم رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ سیپارہ میں قرآن حکیم فرماتا ہے۔ یاایھا الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ واللہ عندہ اجر عظیم فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیرا لانفسکم ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون

(پ ۲۸ س التغابن ع ۱۷) مسلمانو تمہاری بیبیوں اور تمہاری اولاد میں بعض تمہارے دین کے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط کرتے رہو اور اگر تم ان کے قصوروں کو معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشش دو تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑا جنجال ہے اور اللہ کے ہاں ان کمبختوں کے دین پر ثابت قدم رہنے والوں کے لیے بڑا اجر ہے۔ تو مسلمانو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور اسکا حکم سنو اور مانو اور اسکی راہ میں خرچ کرتے رہو کہ یہ تمہارے اپنے ہی حق میں بہتر ہے اور جو شخص

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں ہم [illegible] اپنے رستے دکھا دیں گے اور [illegible] نیکوکاروں کے ساتھ ہے

اَلتَّصَوُّف

تصوف

صوف یعنی پشمینہ پہن کر وہ اسلئے صوفی کے معنی ہوا [illegible] پوش [illegible] میں مسلمانوں کی دو قسمیں تھیں ایک وہ جنہیں فکر معاش [illegible] تھا [illegible] وہ جو اس سے بے پرواہ تھا۔ پہلا گروہ شان و سطوت سے بسر کرنے کا [illegible] اور دوسرا انہی کلی میں مست رہتا تھا۔ علم شریعت ظاہری دونوں سیکھتے تھے [illegible] یہ ہوتا تھا کہ پہلا گروہ [illegible] حکومت کرتا تھا اور دوسرا گروہ [illegible] علم باطنی کی تحصیل کی طرف بھی مائل ہوتا تھا [illegible] آنحضرت کے زمانہ [illegible] ساتھ ہوتی تھیں۔ مگر متعلم کی قابلیت کا خیال ضرور [illegible] عربوں کے ہاتھ میں جب تک حکومت رہی باوجود تحصیل علوم ظاہریہ [illegible] باطن (تصوف) کی تحصیل کا [illegible] یعنی یہ صوفی کے لیئے [illegible] ہوتا لازمی تھا۔ لیکن جب عربوں کی حکومت میں ضعف آیا اور [illegible] میں سلطنتیں آئیں تو صوفیوں کی قدر ملک میں اتنی بڑھی کہ [illegible] شوق نے تحصیل علوم ظاہری کی قیود سے لوگوں کو بے نیاز کر دیا۔

پہلے تو صوفی کمل پوش ہوتے تھے لیکن پھر ان میں خرقہ [illegible] پارہ پارہ دوختہ یعنی گدڑی کا رواج ہوا۔ اس زمانہ میں باعتبار لباس [illegible] صوفی بہت ہیں لیکن صوفیوں کی علامت جن سے اصلی صوفیوں کی شناخت ہو یہ ہے۔ مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا یہ ان کا عمل ہو اپنے تن بدن اور کپڑے کی زیادہ تر وہ فکر نہ رکھیں۔ اور ہر وقت فنا فی اللہ کے جذبے میں مستغرق رہیں۔ اگر یہ تعلیم علانیہ آنحضرت جاری کرتے تو بہت کم لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے اسلیئے دنیادار کو دنیادار رکھ کر مہذب بنایا۔ اصول شریعت محمدی قرار دیا تاکہ ہر شخص اصول اسلام سے مستفید ہو سکے اور اسلام کی غایت ہو تنظیم دخصائل انسانی کا مغلوب رکھنا اور مہذب بنانا نہ کہ انسان کو فرشتہ بنا دینا۔

غرض فنا فی اللہ کا مرتبہ [illegible] سے حاصل ہوتا ہے اُسے علم باطنی یا تصوف کہتے ہیں۔ یہ علم بھی آنحضرت صلعم سے سینہ بسینہ منتقل ہوتا آیا ہے لیکن علانیہ اسکی تعلیم پہلے کبھی [illegible] اور اگر کسی نے [illegible] تو خود صوفیائے کرام کی جماعت نے [illegible] علم تصوف [illegible] اور روح سے زیادہ بحث کی جاتی ہے۔ قلب کا تعلق [illegible] اسکا تعلق [illegible] زیادہ تر ہوتا جاتا ہے لیکن اسکی حقیقت تمام بدن پر [illegible] ہے۔ اسے کوئی نہیں جانتا روح کیا شے ہے۔ [illegible] کسی نے نہیں بتایا۔ [illegible] لوگوں نے علانیہ آنحضرت صلعم سے سوال [illegible] قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ [illegible] اے محمد تو لوگوں [illegible] روح [illegible] ایک حکم ہے [illegible] مطلب یہ نہیں ہے کہ اس روح کی تعریف بیان کرنے سے قاصر تھے بلکہ آنحضرت صلعم [illegible] اسکے سمجھنے کے قابل نہ تھے۔ [illegible] مطلب یہ ہے کہ حسیات [illegible] روح کو تعلق نہیں ہے اسلیئے [illegible] لذات [illegible] سکتے ہیں۔ یہ نتیجہ نہ ہوگا کہ آنحضرت بھی حقیقت [illegible] قابلیتیں جن میں تھی وہ اسکے متعلق کچھ نہیں سمجھا سکتے تھے۔ اسی مقام سے علوم ظاہر اور علوم باطن کی حدود جدا ہوتے ہیں۔ لہذا آنحضرت کے بعد صوفیان کرام نے تعلیم باطنی [illegible] کہ بعض مرید [illegible] برسوں تک بہت سے مرید نے ریاضتیں کیں لیکن انہیں کوئی درجہ حاصل نہیں ہوا۔ اور ایک تازہ وارد مرید چند دنوں میں نعمت حاصل کر کے چلا گیا۔ اور مرشد نے پرانے مریدوں کو یوں سمجھایا کہ پیر طریقت اپنے تمام مریدوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ مگر چوب خشک میں آگ کا اثر جلد ہو جائے تو یہ خدا کی دین ہے مرشد کی کسی خاص توجہ کا اثر نہیں ہے۔

صوفیوں کی دو قسمیں ہیں سالک و مجذوب۔ سالک وہ ہے جس سے دوسرے علوم باطن سیکھیں اور مجذوب وہ ہے جو دوسروں کو تعلیم دے اور اپنے ہی حال میں

مست رہے۔ سالکوں کے سرتاج حضرت علیؓ ہیں انہیں آنحضرت نے علوم ظاہر و باطن دونو بتائے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" (میں علم کا شہر ہوں۔ اور علی اسکا دروازہ) میں صوفیائے کرام کے نزدیک علم باطن کی طرف اشارہ ہے۔ سلسلہ تعلیم جو حضرت علیؓ سے جاری ہوا ابتک اسکا پتہ لگتا ہے۔ ہر پیر اپنے مریدوں کو اپنے مرشدوں کے سلسلہ کی ایک نقل دیتا ہے۔ یہ نقلیں اکثر حضرت علیؓ تک پہنچی ہوتی ہیں۔ اور بعض حضرت ابوبکرؓ تک بھی پہونچتی ہیں۔ یہ دونوں حضرات دنیادار تھے۔ لیکن ہم میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ وہ دنیا کو عقبیٰ کے لیئے پکڑتے تھے۔ اور ہم دنیا کو دنیا کے لیے حاصل کرتے ہیں۔ اور سچیئے تو ان دونوں میں آسمان اور زمین کا فرق ہے ٭

حضرت علیؓ نے پیغمبر خدا کے زمانہ میں اپنے آپ کو اشاعت اسلام کے لیئے پہلے سے وقف کر رکھا تھا۔ بعد وفات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کی وفات تک سُنّیوں کے نزدیک اپنے آپ کو معاملات دنیا سے الگ رکھنا چاہا۔ اسکے بعد آپ دنیا میں پھنسے تو محض عقبیٰ کے لیئے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے آپکو خلافت کا بار سر پر لینے کے لیئے مجبور کیا تو کئی دن تک دروازے بند رکھنے کے بعد آپ گھر سے باہر نکلے اور اسلام کی کشتی کو گرداب بلا میں پھنسی ہوئی دیکھکر آپنے اسکی ناخدائی منظور کی ٭

حضرت اویس قرنی مجاذیب کے سردار سمجھے جاتے ہیں۔ آپ آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھے۔ اور غالباً کسی صحابی نے آپ سے اپنا سینہ ملاکر نور عرفان انمیں بھر دیا تھا۔ غالباً آپ بوجہ بُعد مسافت آنحضرت کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کی وصیت کے مطابق حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اویس قرنی سے ملے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کچھ انہیں دینا چاہا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ صوف کی چادر جو میرے پاس ہے مدتوں کے لیئے کافی ہے۔ جوتیاں گھسی ہوئی ہیں۔ چار درہم مجھے چرائی کی مزدوری میں ملتے ہیں۔ میں عرصہ تک انہیں کھاؤنگا۔ امیر المومنین! میرے اور تمہارے آگے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے۔ اس سے وہی گزر جائے گا جو ہلکا پھلکا ہوگا۔ تم (بار خلافت سے) ہلکے ہو جاؤ۔ خدا تم پر رحم کرے" حضرت عمرؓ یہ سنکر بہت روئے اور حضرت اویس نے اونٹ ہنکائے اور اپنی راہ لی۔ یہیں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل سلوک اور مجاذیب تو شروع زمانہ میں صدقات کے لینے میں تامل کرتے تھے۔ حضرت اویس قرنی سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے دن کیونکر کٹتے ہیں؟ جواب ملا "صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک خدا کی حمد کرتا ہوں اور تعجب ہے اس شخص کا کیا حال پوچھتا ہے۔ جو صبح کو شام ہونے کی امید نہیں رکھتا اور نہ شام کو صبح تک زندگی کی توقع رکھتا ہو۔ مومن کے لیے موت کا خیال ایسا ہے کہ وہ کوئی خوشی قریب آنے نہیں دیتا۔ یہ بھی کہا کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بڑھکر اور کوئی شے مومن کو پیاری نہ ہونی چاہیئے"۔

ہرم ابن حیانؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت اویس کو فرات کے کنارے وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت اویس نے انکو سلام کا جواب دیا لیکن مصافحہ سے انکار کیا۔ بڑی دیر کے بعد سلسلہ سخن شروع ہوا تو تھوڑی دیر بعد رونے لگے۔ حضرت اویس نے قرآن کی یہ آیت

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	ہم نے آسمانوں، زمین اور انکی درمیانی
وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ	چیزوں کو کھیل کے لیے پیدا نہیں کیا ہے
اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	بلکہ انہیں مصلحت سے پیدا کیا ہے۔ لیکن
اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ	اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ بیشک فیصلہ کا
يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا	دن (قیامت) سب کے زندہ ہونے کا وقت
وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اِلَّا مَنْ	مقرر ہے۔ اس دن کوئی دوست کسی دوست
رَّحِمَ اللّٰهُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ	کے کچھ کام نہ آئیگا۔ اور نہ لوگوں کو مدد ملیگی
الرَّحِيْمُ ٭	مگر جس پر اللہ رحم کرے وہ منصور ہو سکتا

ہے۔ بے شک وہ غالب رحم والا ہے"۔ (سورۂ دخان۔ رکوع ۲) ٭

پڑھی اور چیخ ماری۔ تھوڑی دیر تک ان پر غشی کی حالت طاری رہی پھر وہ گویا ہوئے "اے ابن حیان تیرا باپ مر گیا۔ قریب ہے کہ تو بھی مرے اور جنت میں جائے یا نار میں جائے۔ آدمؑ مرا۔ حواؑ مری۔ نوحؑ مرے۔ داؤد علیہ السلام نے وفات پائی۔ آنحضرت نے بھی وفات پائی۔ خلیفہ اول و خلیفہ دوم نے بھی انتقال کیا۔ پھر میری وصیت تجھ پر یہ ہے کہ کتاب اللہ پر عمل کر موت یاد رکھ خود ڈر اور دوسروں کو ڈراتا رہ ٭

قرون اولیٰ میں حضرت سلمان فارسی حضرت عبداللہ ابن عمر حضرت حسن بصری خصوصیت کے ساتھ قابل تذکرہ ہیں۔ عمر ابن عبدالعزیز باوجود مشاغل سلطنت چشمۂ تصوف سے بے بہرہ نہ تھے۔ پھر حضرت جنید بغدادی شیخ ابوبکر شبلی۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی وجہ سے تصوف کا چرچہ بہت پھیلا۔ مثل حضرت علیؓ کے سلمان فارسی اور عمر ابن عبدالعزیز بھی دنیا کو عقبیٰ کے لیئے پکڑتے تھے۔ حضرت سلمان مدائن کے امیر تھے۔ بیت المال سے جو مشاہرہ پاتے تھے وہ سب فقرا کو تقسیم کر دیتے تھے۔ اور کھجور کی چٹائیاں بناکر بیچتے تھے اور اسی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ حاکم مدائن تھے لیکن لباس اور وضع

پہنتے تھے۔ ایکبار کسی نے انہیں مزدور سمجھ کر ان سے بوجھ اٹھانے کی فرمائش کی اور انہوں نے ان کے گھر تک اسکا مال پہنچا دیا۔ راستہ میں لوگوں نے ان کی حالت کہا یہ یہاں کے حاکم ہیں تو وہ گھبرایا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ کچھ بھی ہو اسکے گھر تک میں اسکا بوجھ پہونچا کر رہوں گا۔ عبداللہ ابن عمر شاہزادہ تھے لیکن اپنے باپ کے مرنے کے بعد ملکی معاملات سے بالکل الگ رہے زمانہ فساد میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور یہ دور بھاگتے تھے حتیٰ کہ انکے دستر خوان پر اور کا گذر تک نہ تھا آپ مساکین کے میزبان ہوتے تھے۔ اور امرا آپکے بیٹے کے دستر خوان پر بلائے جاتے تھے۔

عمر ابن عبدالعزیز نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنی بی بی کا کل زیور بیت المال میں داخل کروا دیا اس خیال سے کہ خلیفہ عبدالملک نے بیت المال پر تصرف ناجائز کر کے اپنی بیٹی یعنی آپ کی بی بی کو زیورات بنوائے تھے اخفائے راز تصوف کی ایک قابل تذکرہ ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے اپنے دوست ابوبکر کسائی کو کچھ مسائل تصوف لکھوا دئے تھے۔ ابوبکر کے مرنے کے بعد آپکو افشائے راز کا خطرہ ہوا۔ اور آپ بہت مشوش ہوئے لیکن جب یہ خبر ملی کہ کسائی نے مرنے کے قبل وہ تحریر دھلوا دی تھی تو آپ کی تشویش جاتی رہی۔ اس زمانہ تک شریعت و تصوف کا ساتھ تھا۔ اور تصوف کے راز کا چھپانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اسکے بعد تصوف کی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اور علمائے شرع نے اُن سے اختلاف کئے۔ اس وقت صوفی کبھی کبھی اپنے جذبے میں کچھ کہہ جاتے تھے۔ تو اہل شرع سے شرم کرتے تھے۔ اور ان کا ادب کرتے تھے۔ اب زمانہ دوسرے رنگ پر ہے۔ جو ذی علم صوفی ہیں وہ شرع ظاہر کا اب بھی بہت احترام کرتے ہیں۔ لیکن بعض بعض نااہلوں نے شریعت و طریقت میں جو اختلافات پیدا کئے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔

حضرت **ابو نجیب** سہروردی کا زمانہ وفات ۵۶۳ھ ہجری ہے یہ حضرت مصلح الدین سعدی کے دادا پیر تھے۔ انہوں نے علوم ظاہری سے فراغت حاصل کر کے علوم باطنی سیکھنے کے لئے ریاضت شروع کی تو پانی بھرنے کی خدمت اختیار کی۔ تمام محلہ والوں کے لئے یہ پانی بھرتے تھے اور اس ذریعہ سے جو مزدوری ملتی تھی۔ اوس پر بسر اوقات کرتے تھے جب صلاحیت پیدا ہوئی اور مختلف مرشدوں نے نور معرفت سے آپکا سینہ پر کر دیا تو پھر آپ کی یہ عزت ہوئی کہ الراشد باللہ کے تخت نشینی کے وقت جب آپ شریک دربار خلافت ہوئے تو خلیفہ کو بجائے مبارک باد دینے کے آپ نے پند و نصائح سنائے اور خلیفہ نے اسے اپنے لئے باعث عزت تصور کیا۔

مولانائے روم محی الدین عربی اور امام غزالی بھی صوفیان کرام میں درجہ اعلیٰ رکھتے ہیں۔ مگر ان کی تصانیف نے کہیں کہیں راز سینہ کا افشا کر دیا ہے۔ امام غزالی نے تو بہت کم لیکن محی الدین عربی اور مولانائے روم نے نسبتاً زیادہ۔ اور یہی وجہ تھی کہ انکے ہمعصر علما نے ان سے کچھ کچھ مخالفتیں کیں لیکن یہ مخالفتیں مابعد میں بالکل قائم نہ رہیں۔

حضرت عثمان ہارونی کے مرید خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (وفات ۶۳۳ھ) نے ہندوستان پر خاص طور پر احسان کیا اور آپکے سلسلہ خلافت میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ خواجہ فرید الدین گنج شکر۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی۔ مخدوم صابر کلیری۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی وغیرہ وغیرہ نے علم تصوف سے ہندوستان کے مسلمانوں کو فیضیاب بنایا۔ ان بزرگوں کی خدمتیں اسلام کے ساتھ ہمیشہ کے لئے یادگار رہیں گی۔ یہ حضرات جتنا ہی علم باطن میں کمال رکھتے تھے اتنا ہی علم ظاہر میں بھی یگانہ روزگار تھے۔ لیکن زمانہ آخر میں لوگوں نے یہ خیال نہیں رکھا کہ علم تصوف کو نااہل سے الگ رہنا چاہئے۔ اور اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زمانہ حال کے صوفیوں پر لوگ ہنستے ہیں۔ اسمیں شبہ نہیں ہے کہ بعض ان میں سے اس قابل ہیں کہ لوگ ان پر ہنسیں۔ لیکن پھر بھی ہم سگان دنیا سے تو بدرجہا اچھے ہیں۔

ہر مسلمان کو صوفیان کرام کا بہت احترام کرنا چاہیئے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ انکی تعداد مشاہیر صوفیان کرام تک محدود نہیں ہے زیادہ تر شہرت اُن صوفیان کرام کو حاصل ہوئی ہے جو دار الحکومت کے قریب ہے اور بادشاہ کی دوستی یا دشمنی ان کی مشہوری کے باعث ہوئی۔ مریدوں کی کثرت یا مریدین کا سلسلہ قائم رہنا بھی مرشدوں کے نام کو زندہ رکھنے کا باعث ہوا ہے لیکن دنیا میں ہزاروں کیا لاکھوں ایسے صوفیان کرام گزرے ہونگے جن کے حالات ہمیں معلوم نہیں ہوئے اور مجاذیب میں (جنکا کام تعلیم دینا نہ تھا) تو بہتیرے بہتر ہی ہونگے جنہیں ہم نہیں جانتے ع آن را کہ خبر شد خبرش باز نہ آید۔

حضرت سعدی کے قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سالک بھی باحالت جذب سالک نہیں ہو سکتا۔ اگر سالک محرم راز گشتے۔ ببندند بر وے در باز گشتے۔ کسے را درین بزم ساغر دہند۔ کہ داروئے بیہوشیش در دہند۔

ان جذبیوں کی سے ناظرین کو دھوکہ نہ ہو اسلئے ہم آپکے فوراً اشعار لکھتے ہیں سے

خلاف پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محال است سعدی کہ راہ صفا | تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق والاعمال

تہذیب النفس — تدبیر منزل — سیاست مدن

پابندی نماز

اسوۂ حسنہ جناب حسین علیہ السلام

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ — آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے
إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ — تک ظہر عصر مغرب عشاء کی نمازیں پڑھا
الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ — کرو اور نماز صبح بھی کیونکہ نماز صبح کا وقت
مَشْهُودًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ — نور ظہور کا وقت ہوتا ہے اور رات کے
بِهٖ نَافِلَةً لَكَ عَسٰى أَنْ يَبْعَثَكَ — ایک حصہ میں نماز تہجد بھی پڑھا کرو اور
رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا ۝ — نمازیں تو فرض ہیں اور یہ تمہاری نماز نفل
(پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۹) — ہے عجب نہیں کہ اس کی برکت سے تمہارا
پروردگار قیامت کے دن تمکو مقام محمود تک پہنچائے ❖

سلیم الفطرت لوگوں کی عادت میں داخل ہے کہ جو شخص ان کے ساتھ نیکی کرے وہ اسکے ساتھ محبت رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جبلت القلوب علی حب من احسن الیه حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہم پر اسقدر احسان ہیں کہ حیطۂ تعداد و شمار سے باہر ہیں وان تعدو انعمۃ اللہ لا تحصوھا (پ ۱۳ س ابراہیم ع ۵/۱۷) اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو۔ تو انکو پورا پورا گن نہ سکو۔ پس اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون محسن ہوسکتا ہے۔ اور اس سے زیادہ کون سزاوار محبت و اطاعت ہو سکتا ہے ❖

محسن حقیقی کی محبت و اطاعت کے اظہار کیلئے نماز ہے جسکا حکم آیات مرقومہ بالا میں دیا گیا ہے۔ اور نماز کے ادا کرنے کے اوقات بتائے گئے ہیں دوسرے مقام پر ہے:۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (پ ۵ س النساء ع ۱۵/۱۲) مسلمانوں پر نماز بقید وقت فرض ہے ❖

قرآن مجید میں ادائے نماز کی نہایت شدت کے ساتھ بار بار تاکید ہے۔ چنانچہ جس قدر آیات نماز کے متعلق ہیں کسی اور فرض کی نسبت موجود نہیں۔ نماز کے اوقات پے در پے آنے والے ہیں۔ اور اسمیں یہ حکمت ہے کہ ایک نماز کے پڑھنے سے ابھی روحانیت کا اثر باقی ہو کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ حضرات عباد الرحمٰن علاوہ پانچ نمازوں کے اشراق۔ ضحی اور تہجد بھی پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی میں ہے ❖

نماز اسلام کا ستون اور دین کی بنیاد ہے۔ نماز تمام عبادات سے افضل و اقدم ہے۔ جو شخص پانچوں فرض نمازیں باشرائط اور تعدیل ارکان کے ساتھ وقت پر ادا کرے اسکے واسطے عہد باندھا گیا ہے کہ وہ خدا کی حمایت و امان میں رہے گا جب وہ ارتکاب کبائر سے محترز و مجتنب رہے گا تو صغائر بھی اس سے سرزد نہ ہونگے۔ جناب رسالتماب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے ترک کیا اس نے اپنے دین کو استیصال کیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز جنت کی کنجی ہے حق سبحانہ وتعالیٰ نے توحید کے بعد اپنے بندوں پر نماز سے زیادہ کوئی چیز فرض نہیں کی ہے اگر کسی چیز کو نماز سے زیادہ دوست رکھتا تو فرشتوں کو اس میں مشغول کرتا۔ فرشتے ہمیشہ نماز ہی میں رہتے ہیں۔ بعض قیام میں ہیں اور بعض رکوع میں۔ چند سجدہ میں ہیں اور کچھ قعود میں۔ حضرت سرہند کا سلت علیہ افضل التحیات نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے ایک نماز بھی ترک کی وہ کافر ہوگیا۔ یعنی اس بات کے قریب ہوگیا کہ اسکے اصل ایمان میں خلل آجائے۔ جیسے لوگ بولا کرتے ہیں کہ جنگل میں جسکا پانی ضائع ہوا وہ ہلاک ہوگیا۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن پہلے نماز کو دیکھیں گے۔ اگر شرائط کے ساتھ پوری ہے تو قبول کریں گے۔ دیگر اعمال اسکے تابع ہوں گے جیسے ہوں گے قبول ہوجائینگے لیکن اگر عیاذاً باللہ نماز ہی ناقص ہوگی تو دیگر اعمال بھی اسکے منہ پر پھیر دئیے جائینگے۔

محو رکھا۔ کیا مضمون الذین ہم دائمون فرض ہے۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کو ہدایت فرمائی ہے کہ کسی حالت میں اور کسی مقام پر نماز سے غافل نہ ہوں۔ نماز بحر و بر میں سفر و حضر میں۔ خوف و اضطراب میں۔ تندرستی و بیماری میں۔ ملازمت و تجارت میں۔ زراعت و حرفت میں ہر قسم کے کاروبار میں حتیٰ کہ میدان کارزار میں۔ غرض ہر حال میں ادا کرنا چاہیئے۔ عہد جدید کے مسلمان سوچیں کہ مومن ایسے ہوتے ہیں کہ میدان کارزار میں برسر پیکار ہیں۔ گھمسان کی لڑائی ہے۔ جان کے لالے پڑ رہے ہیں مگر نماز سے غافل نہیں ۔

محبان حسینؑ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ جناب سید الشہداء علیہ السلام نے معرکہ کربلا میں انتہائی مشاغل و آلام میں بھی ادائے نماز میں فرو گذاشت نہیں فرمائی۔ اس دنیا میں انسان کے لیئے انتہائی مصائب و شدائد بھوک اور پیاس۔ خوف و ہراس نقصان مال اتلاف جان قتل اولاد و احباب و اقارب ہو سکتی ہیں لیکن شہید مشیت کربلا ان تمام مصائب و نوائب میں مبتلا تھے۔ آپ اپنے تمام عزیز و اقارب اہل و عیال اولاد و احباب کے ساتھ وقت غربت میں محصور اعداء تھے۔ آپ خود بھوکے پیاسے تھے آپکے اہل و عیال آپکے جان نثار احباب آپکے جگر پارے بھوک اور پیاس کی شدت سے آپکی آنکھوں کے سامنے تڑپ رہے تھے۔ پھر یہ سب مقدس نفوس اسی حالت میں جان بحق تسلیم ہوئے۔ بلکہ آپ کا شیرخوار بچہ ایک قطرۂ آب کیلئے اپنی ننھی زبان دہان سے باہر نکالے ہوئے آپ کی گود میں ایک ظالم سفاک کے تیر جور و ظلم سے جنت کو سدھارا آپ نے ان مقدس نفوس میں سے ایک ایک کی خون آلود لاش کو اپنے ہاتھوں اٹھایا بالآخر آپ خود سر سے لیکر پیر تک زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ آپ کا تمام بدن تو مجروح و ناتواں تھا۔ اور آپ کا دل بھی اپنے جگر گوشوں اور ہوا خواہوں کی غریبانہ بیکسی کی حالت میں دائمی مفارقت کے داغوں سے زخمی تھا۔ آپ کوئی دم کے مہمان تھے۔ دشمن چھاتی پر بیٹھا تھا۔ چاہتا تھا کہ ایک دم میں آپ کا سر مبارک خنجر ظلم و بربریت سے آپکے تن سے جدا کرے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے وہ سماں بھی پھر رہا تھا کہ آپ کے وصال کے بعد آپکے ورثا کن مشاکل و آلام اور مصائب و نوائب میں گرفتار ہونے والے ہیں۔ اسوقت آپکو کس بات کا خیال آیا ہے؟ آپ نے اپنے خون کے پیاسے دشمن سے کس بات کی التجا کی؟ کیا آپکو اپنے فرزند اکبر یا شیرخوار بچہ کی جدائی کا قلق محسوس ہوا؟ کیا آپکو اس بات کا حزن و ملال تھا کہ آپکے بعد آپکے اہل و عیال علی الخصوص بیمار بیٹے اور ہمشیرہ محترمہ کا کیا حال ہوگا؟ کیا آپ نے بیمار کربلا کی تیمارداری کے واسطے کسی کو کہا؟ کیا آپ نے اپنے اہل و عیال کے گزارہ کے واسطے اپیل کی؟ نہیں ان باتوں میں سے کسی بات کی آپ نے پرواہ نہ کی۔ بلکہ جو واقعات وقوع میں آچکے تھے اور جو وقوع پذیر ہونے والے تھے ان پر آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون اور رضینا بقضاء اللہ وصبرنا علی بلائہ کہکر سب کو صبر و قناعت اور شکر و منت کیساتھ برداشت کیا۔ پھر دم واپسیں میں آپکو کس بات کا خیال آیا؟ آپ کا ذہن اس نازک مصیبت کے وقت بھی اس طرف منتقل ہوا کہ نماز ہر حالت میں اور ہر مقام میں فرض ہے کہیں نماز کا وقت تو نہیں ہو گیا۔ اور جب حریف کی زبانی معلوم ہوا کہ نماز ظہر کا وقت ہو گیا ہے تو اس سے کہا ذرا مجھے نماز ادا کر لینے دے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری کوئی نماز قضا نہ ہونے پائے۔

مجھے اپنے رب کا حکم یاد ہے۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتٰباً موقوتا۔ میری یہ بھی آرزو ہے کہ میں سجدہ کی حالت میں کرشمہ ساز عجائب کے حریم وصال میں پہنچوں۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ آپ نے نماز ادا کی اور سجدہ ہی میں آپ کا سر تن سے جدا ہوا۔ وہ سر جو خاک عجز پر بارگاہ الٰہی میں حاضر تھا ظاہر میں تو تن سے جدا ہو کر خاک و خون میں لوٹا۔ مگر حقیقت میں اجلال و اکرام اور عزت و عظمت کا تاج اسی سر پر رکھا گیا۔ اور اسی دن سے جو اسکا دنیا کا آخری دن اور آخرۃ کا پہلا دن تھا۔ اس نے حیات جاوید حاصل کی۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (پ ۲ س البقرۃ ع ۱۹) اور جو لوگ اسکی راہ میں مارے جائیں انکو مرا ہوا نہ کہنا وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں مگر ان کی زندگی کی حقیقت تم نہیں سمجھتے ۔

محبان حسین علیہ السلام کے لیئے اس اسوۂ حسنہ کا اتباع لازم و واجب ہے۔ بقولیکہ ان المحب لمن یحب مطیع۔ کیا سال بھر کی نمازوں میں تغافل و تساہل کی تلافی عشرہ محرم الحرام میں مجالس عزا کے انعقاد اور بجا آوری مراسم غیر مشروع سے ہو سکتی ہے؟ فاعتبروا یا اولی الالباب ۔

(نور الدین)

رباعیات اوجؔ

گنجینۂ اسرار نہانی ہے علم
سرچشمۂ آب زندگانی ہے علم
بے علم نہیں ہوتی ہے کچھ قدر بشر
سرمایۂ عمر جاودانی ہے علم

کمیاب ہیں ذی ہنر نہیں ملتے ہیں
خالی ہے صدف گہر نہیں ملتے ہیں
کس کو نہیں اوجؔ اہل جوہر کی تلاش
لیکن ایسے بشر نہیں ملتے ہیں

اولاد کی تعلیم سے غفلت کب تک
چونکو چونکو یہ خواب نکبت کب تک
جاگے گا ضرور بخت خفتہ اک دن
آخر سوتی رہے گی قسمت کب تک

(حافظ محمد یعقوب اوجؔ گیاوی)

خاموش نوحہ خوان!

رو رو کے داستان شہادت نہ کر بیان خاموش نوحہ خوان
برپا عزا کدہ میں ہوا شور الاماں خاموش نوحہ خوان

دل میں پڑا ہے جذبۂ ملت دبا ہوا کب سے چھپا ہوا
پیدا کرے نہ جوش کہیں تیری داستان خاموش نوحہ خوان

بالکل قریب شام کا وقت خموش ہے کیوں دیر کوش ہے
ہونے کو آفتاب کمالات ہے نہاں خاموش نوحہ خوان

مسلم پر آج سخت مصیبت کا وقت ہے عبرت کا وقت ہے
پھر بھی ہے صرف نوحۂ مسلم تری زبان خاموش نوحہ خوان

جو تجھ کو یاد ہے غلط افسانہ کہن اسکا ہٹا چلن
ہاں بھول جا گھڑی ہوئی ساری کہانیان خاموش نوحہ خوان

آل عبا کی چادر سر کون چھانٹتا یہ ہے اک افترا
کیوں دامن ادب کی اڑاتا ہے دھجیان خاموش نوحہ خوان

کھینچی تھیں کس نے بالیان بنت حسین کی ہے بات بے تکی
اوسوقت کب عرب میں مروج تھیں بالیاں خاموش نوحہ خوان

مہندی لگانا آج جو لوگوں میں عام ہے مکروہ کام ہے
مہندی لگاتے ہاتھ میں کیوں قاسم جوان خاموش نوحہ خوان

بین اور بکا تو شیوۂ آل عبا نہ تھا شکوہ گلہ نہ تھا
صابر تھیں خاندان امامت کی بیبیان خاموش نوحہ خوان!

لیتا ہے نام جن کا سر رہگذار تو یوں بار بار تو
وہ بیبیاں تھیں حرمت و عظمت کی دیویاں خاموش نوحہ خوان

پڑھ محفل عزا میں کچھ ایسی روایتیں اصلی حکایتیں
جس سے ہو اہلبیت کی شان وفا عیان خاموش نوحہ خوان

کمسن بنا کے اُنکو نہ بول جھوٹ بول تو آنکھیں تو کھول تو
بنت حسین عہد شہادت میں تھیں جوان خاموش نوحہ خوان

کیوں تعزیوں کے سامنے تو پیٹتا ہے سر نادان نوحہ گر
دینگے نہ داد نوحہ گری اہل آسمان خاموش نوحہ خوان

قبر حسین جان کے ماتم فضول ہے یہ تیری بھول ہے
ان لکڑیوں کے ڈھانچ میں سبط نبی کہان خاموش نوحہ خوان

دل میں غم حسین علیہ السلام کر خوشیاں حرام کر
یعنی زبان بند ہو اور اشک ہوں رواں خاموش نوحہ خوان

قرآن پڑھکے روح کو پہنچا اونہیں ثواب ہوگا یہ مستجاب
خوش ہوگی تجھسے روح شہنشاہ انس و جان خاموش نوحہ خوان

سینہ زنی ہے شیوۂ اسلام سے بعید ہرگز نہیں سعید
مقبول بارگاہ نہیں سینہ کوبیان خاموش نوحہ خوان

رسمیں عرب میں تھیں جو مروج وہ کرادا بدعت نہ کر ذرا
پھیلی ہیں بدعتوں ہی سے یہ سب خرابیان خاموش نوحہ خوان

ہنا فقیر اور کلاوے کا باندھنا رکھوا دے ہے بڑا
بد رسمیوں کو چھوڑ یہ ہے کار جاہلان خاموش نوحہ خوان

جتنی فضول باتیں ہیں اُن سبکو ترک کر اسد سے بھی ڈر
رکھ درد اہل بیت کا دل میں فقط نہاں خاموش نوحہ خوان

وہ کام کر ترقی اسلام جس سے ہو - اور نام جس سے ہو
کر پیروی اسوۂ حسنہ کے جہان - خاموش نوحہ خوان!

(سیماب)

(صدیقی الوارثی اکبر آدی)

لہو و لعب

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (اے محمد تجسے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کی بابت ! کہدے کہ ان دونوں میں گناہ بڑا ہے - اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں ! اور ان دونوں کا گناہ بڑا ہے ان کے نفع سے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۔ اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس گندے شیطانی کام ہیں تو ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ - بس شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں دشمنی اور بیر ڈلوا دے شراب اور جوئے کی وجہ سے اور تم کو روکدے اسد کی یاد اور نماز سے ! تو کیا اب بھی تم باز آؤ گے ؟

پہلی آیت سے جوئے اور شراب خواری کی مذمت ثابت ہوتی ہے دوسری

آیت سے ولالتاً واضح ہوتا ہے کہ اوس شغل کو شیطانی کہا گیا ہے جو خدا کی یاد اور اسکی نماز سے غافل کردے۔ پس جوئے کے سوا بھی جتنے بے کار مشاغل اور کھیل وغیرہ ہوں گے وہ سب کے سب شیطانی ہی کہلائیں گے۔ اس لحاظ سے ہر اس کھیل کو جسمیں ہار جیت ہو جوا کہا جائے گا۔ عرب کے جاہل قبیلوں میں پانسوں کے ذریعہ جوا کھیلا جاتا تھا۔ جسکا نام پانسہ میں نکلتا اوسکو اوتنا مال دیدیا جاتا۔ ہمارے زمانہ میں اسے لاٹری کہتے ہیں یہ بھی صریحًا جوئے میں داخل ہے بعض سلف کے علماء نے چوسر اور شطرنج کو بھی جوئے میں داخل کیا ہے۔ یہاں تک کہ بچوں کے اوس کھیل کو بھی جوئے میں شمار کیا ہے جو کاغذ کے ٹکڑوں کے ذریعہ ہوا کرتا ہے یعنے گنجفہ وغیرہ۔

حقیقت میں جوئے سے آدمی جس طرح بلا مشقت بہت سا مال کما لیتا ہے اوسی طرح اپنا مال بھی جوئے کی نذر کرکے مفلس بھی ہوجاتا ہے یہانتک کہ کسی جوئے باز کی بابت مشہور ہے کہ وہ اپنی جورو تک کو جوئے میں ہار بیٹھا تھا۔ خدا پناہ میں رکھے کہ آج سینکڑوں آدمی اسمیں مبتلا نظر آتے ہیں مفلس ہوتے جاتے ہیں۔ مگر اس فعل سے باز نہیں آتے (تفسیر حقانی)

تجربہ اور مشاہدہ نے جوئے کے نقصانات صاف طور پر ظاہر کردئیے ہیں۔ آج کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ ہزاروں خاندان بے نشان ہوگئے۔ ہمنے اپنی آنکھوں ایسے لوگ بھی دیکھے جنکو جوئے کی بدولت گلی گلی بھیک مانگ کر گزر اوقات کرنی پڑی ہے۔ اسپر بھی بعض ناعاقبت اندیش جوئے سے باز نہیں آتے۔ شام ہوئی نہیں کہ دو چار بے فکرے جمع ہوگئے گنجفہ آیا شطرنج بچھی اور لگے شرطیں باندھ کر کھیلنے۔ ساری رات اسی میں گزاردی اور جو دن کو سونے سے فرصت ملی۔ تو سارا دن اسی میں صرف کرڈالا۔ کہاں کا روزہ کہاں کی نماز۔ ساری کمائی اس منحوس شغل کے نذر کردی۔ بی بی بچے ہیں کہ فاقہ کشی کررہے ہیں۔ جاہل تو جاہل اچھے اچھے پڑھے لکھے بھی اس بلا کا شکار بنے ہوتے ہیں +

ذیل میں ہم چند احادیث جو اس بارہ میں اور نیز بے کار مشاغل کے باب میں آئی ہیں نقل کرتے ہیں:۔

(۱) حرام کیا اللہ نے شراب اور جوا اور کوبہ (بیہقی شعب الایمان)

اِس حدیث میں کوبہ کو حرام فرمایا ہے۔ اور کوبہ کے دو معنی ہیں ایک نرد دوسرے ڈھولک۔ نرد سے کھیلتے ہیں اور ڈھولک بجاتے ہیں۔ اور حدیث کے اجمال سے دونوں کی ممانعت صریحًا ثابت ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نرد کے ساتھ جب کھیلنا ناجائز ہے تو ایسی جگہ بیٹھنا اور اس سے دلچسپی لینا بھی ناجائز ہوگا۔ علی ہٰذا جب ڈھولک بجانا ناجائز ہے تو اوسکا سننا بھی بدرجہ اولےٰ ناجائز ہے +

(۲) جو شخص نرد کے ساتھ کھیلتا ہے وہ خدا و رسول کا نافرمان ہے دوسری حدیث میں نرد کی جگہ شطرنج مذکور ہے (مسند الفردوس تفسیر قرطبی)

اِس روایت میں عمومًا اوس کھیل کی جو نرد کے مانند ہے ممانعت ثابت ہوتی ہے جیسے چوسر پچیسی شطرنج وغیرہ گنجفہ چوسر اگرچہ کوڑی سے کھیلی جاتی ہے جو قائم مقام نرد کے ہے لیکن یہ بھی ناجائز ہے۔ اور ان امور کے مرتکب کو خدا و رسول کا نافرمان کہا گیا ہے۔ جو شخص خدا و رسول کے احکامات پر عمل پیرا نہو۔ (جسمیں دین و دنیا کی بھلائی ہے) اور بے کار باتوں میں وقت ضائع کررہا ہو جس سے دین و دنیا کی کوئی بھلائی مقصود نہیں (واقعی ایسے شخص کے نافرمان ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے +

(۳) ملعون ہے جو شطرنج کھیلے۔ اور اسکا دیکھنے والا سور کا گوشت کھانے والا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص نرد کے ساتھ کھیلتا ہے وہ گویا اپنے ہاتھ سور کے گوشت و خون میں بھگوتا ہے (مسلم) +

حرام ہونے میں سور کا گوشت اور نرد کا کھیل دونوں برابر ہیں۔ اسلیئے فرمایا کہ جس طرح سور کے گوشت و خون میں ہاتھ ڈبونا برا ہے اسی طرح نرد کو ہاتھ میں لے کر کھیلنا بھی برا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جس طرح سور کا گوشت کھانا برا ہے اوسی طرح نرد کا دیکھنا بھی برا ہے (یہاں دیکھنے سے اس کھیل میں دلچسپی لینی مراد ہے) +

(۴) ابو موسےٰ اشعری صحابی فرماتے ہیں کہ شطرنج کھیلنے والا گنہگار ہے اور یہ فرماتے تھے کہ شطرنج ایک باطل چیز ہے اور اللہ تعالیٰ باطل کو دوست نہیں رکھتا (مشکوٰۃ)

یہ بات مسلمہ ہے کہ صحابہ کرام ہم سے زیادہ خدا و رسول کے احکام سمجھنے والے تھے اور خدا و رسول کا یہ حکم بھی ہے کہ کوئی شخص کسی شے کو اپنے جانب سے حلال یا حرام کہنے کا مجاز نہیں ہے۔ اس لحاظ سے کوئی صحابی اپنے رائے سے کسی شے کو حرام یا حلال نہیں کہہ سکتا۔ اس حسن ظن کو ہم سامنے رکھ کر صحابہ کے قول کو جو حلال و حرام کے بارے میں ہو مرفوع حدیث کے حکم میں شامل کرتے ہیں۔ اصولیوں نے بھی ایسی موقوف حدیث کو مرفوع ہی تسلیم کیا ہے پس اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ شطرنج باز خاطی گنہگار ہے اور اسے خدا دوست نہیں رکھتا +

(۵) ایک شخص کو آنحضرت نے دیکھا کہ کبوتروں کے پیچھے پڑا ہے۔ آپ نے

فرمایا یہ شیطان ہے۔ اور شیطان کے پیچھے پڑا ہے (مشکوٰۃ)
حدیث میں ایسے شخص کو شیطان فرمایا گیا ہے۔ جو بے کار وقت صرف کر رہا تھا۔ اور بیکار وقت صرف کرنا شیطانی تابعداری ہے۔ شیطان کی تابعداری گویا شیطان بنتا ہے۔ جب یہ ہے تو اسکے علاوہ اور کھیلوں میں بے کار وقت صرف کرنا مثلاً مرغوں۔ تیتروں۔ بٹیروں وغیرہ کو لڑانا یا اون کا تماشہ دیکھتے جانا اور اسی میں لگے رہنا شیطانی تابعداری میں داخل ہے۔ اور یہی امور شیطان بننے کے لیئے کافی ہیں +

(۴) تین کھیل جائز ہیں (۱) مرد کی ملاعبت عورت کے ساتھ (۲) گھوڑے کی تادیب (۳) تیر اندازی (مشکوٰۃ) پس جو کھیل ان کے سوا ہونگے وہ ناجایز ہوں گے +

چونکہ مسلمانوں کی عورتیں پردہ میں بیٹھی بیٹھی اکتا جاتی ہیں۔ اور نیز زیادہ بیٹھے بیٹھے سست ہو جاتی ہیں جیسے ان کا اپنے گھروں میں ایک حد تک جانی حالت کے درست کرنے کو ایسا کھیل کھیلنا جس سے ریاضت جسمانی ہو سکے جائز ہے۔ حدیث میں مرد کو مقدم کیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ نکلا کہ مرد اس بارے میں پیش قدمی کرے کیونکہ مسلمانوں کی عورتیں مردوں کی تابعدار ہوا کرتی ہیں۔ بغیر اسکی اجازت کے وہ اس معاملہ میں جرأت نہیں کر سکتیں عورتوں کے کھیلنے سے یہاں صرف وہی کھیل مقصود ہے جو انکی صحت قایم رکھ سکتا ہو۔ جیسے ہلکی سی کشتی یا خفیف سی دوڑ دھوپ ہو۔ بعض مسلمانوں کو کہتے سنا ہے کہ وہ اپنی عورتوں سے گھروں میں شطرنج چوسر وغیرہ کھیلتے ہیں۔ گویا ان کے ذریعہ دماغی ریاضت کیجاتی ہے۔ مگر افسوس یہ جانا کہ دماغی ریاضت علمی مشاغل سے کیجاتی ہے پس دماغی مشاغل کے لیے حساب کتاب۔ اور دینی معلومات سے بڑھکر اور کوئی ریاضت نہیں ہو سکتی گھوڑے کی تادیب اس غرض سے جایز ہوئی کہ اس سے لڑائی میں سپاہیوں کو بہت مدد ملتی ہے اس ضرورت کو زمانہ نے بھی تسلیم کر لیا ہے حتیٰ کہ گھوڑوں کے علاوہ اور جانوروں کی بھی تادیب عمل میں لائی جا رہی ہے سنا ہے کہ یورپ میں کتے بندر وغیرہ سے توپخانوں کے بہت سے کام لڑائی میں لیئے جاتے ہیں +

تیر اندازی سیکھنے سے لڑائی میں مدد ملتی ہے۔ اسی واسطے اسکے سیکھنے کی اجازت دیگئی۔ چونکہ اوس زمانہ میں صرف تیروں سے لڑائی ہوا کرتی تھی اس لیئے تیر اندازی کی اجازت دیگئی۔ اب چونکہ لڑائی توپ اور بندوق کی ہے تو ہمکو توپ اور بندوق کے کمالات سیکھنے چاہئیں تاکہ اسکے ذریعہ وقت پڑنے پر اپنی گورنمنٹ کی مدد کر سکیں۔ یہ بات بھی اسی حدیث سے ثابت ہوتی ہے +

بہرحال اس حدیث کے تینوں کھیلوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایسا کام یا ایسا کھیل جائز ہے جسمیں ہمارا یا ہمارے گورنمنٹ کا فائدہ ہو۔ اور اسی بات کو محسوس کر کے ہمارے زمانہ کے بعض اطباء نے طالبعلموں کو پتنگ اڑانے کی اجازت دی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ طالبعلم کو مطالعہ کتب کے لیئے نیچے دیکھنا پڑتا ہے جس سے آنکھ کی بینائی اور دماغ پر اثر پڑتا ہے۔ سو اسکی تلافی کے لیئے پتنگ اڑائی جاتی ہے جسمیں اوپر دیکھنا پڑتا ہے۔ اور وہ ضرر جو نیچے دیکھنے سے پیدا ہوا تھا اوپر دیکھنے سے دفع ہو جاتا ہے۔ علی ہذا زمانہ حال کے ڈاکٹروں نے فٹ بال اور کرکٹ اس غرض سے ایجاد کئے ہیں کہ بیجا بیٹھنے سے جو سستی اعضاؤں میں پیدا ہوا کرتی ہے جو مختلف نقصانات کا باعث ہوجاتی ہے۔ اسکے ذریعہ کودنے اچھلنے سے اوسکا دفعیہ ہو کر صحت قایم ہو جائے۔ مگر یاد رہے کہ اون کھیلوں سے صرف یہی غرض ہو۔ اور غرض کی ایک حد بھی ہوتی ہے جو کام اس سے تجاوز کر جاتا ہے اسکا نتیجہ کبھی مفید نہیں ہوتا۔ بلکہ اوسکے نقصان دہ ہوتے ہیں +

جانتے ہوں کہ لیئے جہاں اور باتیں فائدہ بخش ہیں وہاں یہ بات بھی نفع سے خالی نہیں کہ سبزہ درختوں اور باغوں وغیرہ کی سیر کریں۔ اور نمایش گاہوں میں جایا کریں مگر اسکے لیئے بھی ایک حد ہے۔ ایسا نہو کہ پڑھنا لکھنا سب چوپٹ ہو جائے۔ اور آوارگی بڑھ جائے +

پس ناظرین کرام کو متذکرہ احادیث سے واضح ہوگیا کہ جن کھیلوں میں ہمارا فائدہ ہے اونکی ہمیں اجازت دیگئی۔ اور جن میں ہمارا نقصان ہے اون سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے شطرنج وغیرہ اسی قبیل کے کھیل ہیں جن میں سوائے دماغی نقصان اور بے کار وقت صرف ہونے کے اور کوئی فائدہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان سے منع کیا گیا ہے۔ جو لوگ دماغی ریاضت کے لیئے ان کھیلوں میں حصہ لیتے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جنکو علم سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے +

بعض پڑھے لکھے لوگوں کا یہ کہنا کہ شطرنج وغیرہ کی ممانعت میں جس قدر احادیث وارد ہیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں بالکل غلط ہے کیونکہ ممانعت میں بعض صحیح ایسی بھی آئی ہیں۔ جنکو کسی طریقہ سے بھی ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر بالفرض سب حدیثوں کو ضعیف ہی قرار دیا جائے تو بھی سب ملکر حسن کے درجہ میں آجاتی ہیں۔ اور حسن کی تعمیل ضروری ہے خصوصاً ایسے مواقع میں جہاں تعمیل نہ کرنے سے نافرمانی کا الزام عاید ہوتا ہو۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے بے کار مشاغل سے بچنے کی توفیق دے

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

بیشک عقل والوں کے لیے ان لوگوں کے حالات میں (بڑی) عبرت ہے

تذکرۃ السّلف

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سادگی

جبکہ اسلامی فتوحات کا سیلاب اٹھا ہے۔ اور مسلمان جنکی رگوں میں زمزمِ اسلام کا خون دوڑ رہا تھا لمبے لمبے کوٹوں اور لبادوں کو پہنے گھوڑوں پر سوار تیغ بکف ایک عالم کو تہ و بالا کرنے کیلئے نکلے اسوقت انکی شجاعت و بہادری کا یہ عالم تھا کہ بیشتر اس کے کہ انکے گھوڑے دم لیتے۔ انہوں نے قیصر و کسریٰ کے محلوں پر اپنے سم کی خاک جا ڈالی یہ زمانہ مسلمانوں کی ترقی اور انکی نہایت عزت و عظمت کا زمانہ تھا اور یہ وہ ایام تھے جبکہ مسلمان اسلام کے اعلیٰ زیور اخلاق سے مزین اور اسلامی اصولوں کے سخت پابند تھے۔ ان کے اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ نے ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ وہ نمود و نمایش اور ظاہری شان و شوکت اور جھوٹی عزت سے بہت دور۔ اور جو باتیں شانِ اسلامی سے بعید تھی اس سے سخت نفور تھے اسلام ہی کو اپنی اصلی عزت سمجھتے تھے۔ اپنی عزت کو قوم کی عزت اور قومی ذلت کو اپنی ذلت تصور کرتے تھے۔ باوجود فاتح و حکمران قوم ہونے کے نہایت سادہ اور پاک زندگی بسر کرتے۔ عوام ہی نہیں بلکہ خواص کا بھی یہی حال تھا۔ خود حضور سرورِ کائنات نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بے در بے کی فتوحات اور مالِ غنیمت نے آپکی سادہ زندگی میں ذرہ بھی تبدیلی نہ کی۔

آپکے جانشین خلفاءؓ کا یہ حال تھا کہ دوسرا شخص عام مسلمانوں اور امیر المومنین میں تمیز نہیں کرسکتا تھا۔ قیصر و کسریٰ کے درباروں کے سفیر اور دیگر جلیل القدر امراء جب دارالخلافۃ العالیہ میں آتے۔ اور بادشاہ کا محل دریافت کرتے تو انھیں یہ معلوم کرکے نہایت حیرت ہوتی کہ نہ اسکا کوئی محل ہے اور نہ کوئی بڑی عمارت ہے نہ چوکی ہے نہ پہرا اور نہ کوئی خلیفہ کا خاص باڈی گارڈ ہے بلکہ خلیفۃ المسلمین عام مسلمانوں کی طرح پھرتا ہے۔ مگر ہاں یہ بے تکلفی و سادگی ان امراء و سفیروں کو جرأت ہوسکتی تھی کہ آپکے ہمراہ چل سکیں یا آپسے بےتکلفی ہمکلام ہوسکیں،

حضرت عمرؓ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ نے بیت المقدس کا سفر کیا ہے تو نوبت نقارہ خدم و حشم لاؤ لشکر تو علیحدہ رہے معمولی ڈیرہ خیمہ تک نہ تھا سواری میں صرف ایک گھوڑا اور معمولی سادہ لباس۔ اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظمؓ نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے۔ تو تمام زمین دہلی جاتی تھی۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو گھوڑے کا سم بوجہ زیادتی سفر گھس گیا۔ لوگوں نے دوسرا گھوڑا پیش کیا۔ مگر وہ شوخی کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کم بخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی ہے یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے۔ اور پیدل چلنے لگے۔

ابو عبیدہ اور دیگر سرداروں نے حضرت عمرؓ کی بالکل سادہ پوشاک کو دیکھکر عمدہ عمدہ پوشاکیں اور عربی گھوڑا پیش کیا مگر آپ نے فرمایا کہ "خدا نے جو عزت ہمکو دی ہے۔ وہ سب اسلام کی عزت ہے اور یہی ہمارے لیئے کافی ہے"۔

اسلام میں جسقدر بڑے بڑے فاتح یا سپہ سالار گزرے ہیں جیسے فاتح بیت المقدس غازی صلاح الدین فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص فاتح دمشق و شام ایران حضرت خالد بن ولید وغیرہ یا بڑے بڑے علماء، فقہا محدثین جو اپنے اپنے فن کے امام تھے ان میں سے کسی نے کوئی خصوصیت یا امتیازی درجہ یا خاص لقب و خطاب نہیں مقرر کیا۔ غرض وہ نمود و نمایش کا زمانہ نہ تھا۔ وہ نمود ارئی فطرت کا دور نہ تھا۔ جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اس لیئے نہیں کرتے تھے۔ کہ اسمیں ہماری عزت و شہرت یا نیکنامی ہو۔ جو کچھ کرتے تھے وہ قوم و مذہب کے لیئے کرتے تھے۔ خوشنودیِ خدا و رسول کے لیئے کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تمام عزت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے لیئے ہے۔ اور اسکے رسول کیلئے اور مسلمانوں کے لیئے۔ پس جب ہم مسلمان ہیں تو ہم سے زیادہ عزت اور بزرگی کے لائق اس نیلی چھت کے نیچے اس زمین کے تختے کے اوپر کون ہوسکتا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (التغابن ۶۴)

(محمد اسمٰعیل خان نظامی)

اطیعوا الرسول

مسجد نبوی میں اک دن حضرت ختمی مآب   امر حق تبلیغ فرماتے تھے پیش خاص و عام
خطبۂ آئی دین اس وعظ کا تھا حرف حرف   لفظ لفظ اسکا تھا فردوسی مسرت کا پیام
ساز ایماں کیلئے مضراب تھا وہ ذکر پاک   بادۂ توحید کا ساغر وہ تھا ہر ایک کلام
حاضرین بزم استادہ ہمہ تن گوش تھے   محو تھے ارشاد پیغمبر سے اصحاب کرام
صحن مسجد میں نہ تل رکھنے کی تھی موجود جا   اسقدر بے انتہا حضار کا تھا اژدحام
اشک برساتے تھے تاثیر بیاں سے سامعین   بیخودی سی چھائی تھی ان پاک بندوں پر تمام
رحمۃ للعالمین نے ازرہ شفقت کہا   بیٹھ جاؤ جبر ہے مجھ پر تمہارا یہ قیام
اتفاقاً سنتے ہی حکم نبی اک راہگیر   بیٹھ کر لایا بجا حکم شہ عالی مقام
اسکے اک ساتھی نے پوچھا چلتے چلتے یکبیک   جلسہ رحمت کیا کیوں تم نے کیا تھا کوئی کام
بولا مسجد میں رسول اللہ ہیں مشغول وعظ   ... سامعین کو ہو رہا ہے ... نام
پھر میں سنتا ہوں کیوں نہ ارشاد رسول   ... حضرت سے جہاں میں کون ہو ذی احتشام
ہو گیا دنگ ان کا ساتھی دیکھ کر یہ انقیاد   سامنے حضرت کے جا کر پی لیا ایمان کا جام
اللہ اللہ ایک وہ تھے جو سراپا تھے مطیع   آہ ایک ہم ہیں جنہیں کچھ بھی نہیں فیض سے کام
دیکھتے تک ہم نہیں قرآن میں کیا حکم ہے   پوچھتے تک ہم نہیں حضرت کا پاکیزہ کلام
کیفر کردار ہے پستی ابھی شمس دین   ہٹ گئے دین مبین کو اپنے کرکے ہم سلام

(محمد شمس الدین شمس)

حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کی حق شناسی

خدا رکھے ہوا اسلام کا قبضہ جو مکہ پر   تو بھاگے دشمنان حق بہ ہیبت غیر ہو کر
انہی میں عکرمہ بن ابوجہل بھی ایک باغی تھا   ہوا تھا جو خصومت میں رسول اللہ کی ابتر
ہبل اور نائلہ کا لات اور عزیٰ کا بندہ تھا   پرستش سے بتوں کی عقل پر اسکی پڑے پتھر
خدا کی خالقیت اور رحمانی کا منکر تھا   رہا کفر و ضلالت میں بہت دل باپ کا ہمسر
وہ ہمدردی نوع بشر کا دشمن جانی   کمربستہ شرارت میں تھا اس امید کے اوپر
بجھا دے مشعل ہدایت کفر کے دم سے   مٹا دے راہ حق دنیا سے خود گمراہ ہو کر
مگر جب طاق کعبہ نور حق کا ہو گیا منبع   نہ ظلمت کفر کی باقی رہی ارض تہامہ پر
امال دیکھی نہ ابن جہل نے تیغ رسالت سے   تو خوف جان سے سوئے یمن راہی ہوا مضطر
خدا کی شان جس کشتی میں تھے یہ عزم لیے   وہی گرداب آفت میں پھنسی ... چکر
ندا دی ناخدا نے بھائیو یہ آفت شکل ہے   پکارو نام اللہ پاک کو جسکا نہیں ہمسر
نہ کام آئینگے اب معبود فرضی ...   حکومت کا یہاں ... کی غرقاب ہو دفتر
یہ سنکر عکرمہ کو ہوش آیا کھل گئیں آنکھیں   جہالت کی حقیقت ہو گئی سب پہ روشن
شعاع وحدت واحد نے غربت نے دکھلائی   ہوا اخلاص فطرت سے مجلا باطنی جوہر
اور اس اوہام باطل غیرت تائید حق آئی   زباں نے کلمہ لبیک سے کی عبدیت ظاہر
صداقت نے کہا پرسش کرے جو یا معینہ   وہی خشکی میں بھی خالق ہے اپنا حافظ و ناصر
ہوا منت کش توبہ بخلوص نیت عاصی   دل حسرت طلب فضل الٰہی کا بنا مصدر
بھنور سے کشتی عمر رواں نے پائی آزادی   بڑھا پائے ارادت بے تردد سوئے پیغمبر
جنوں آوارگی کفر کا رخصت ہوا اکدم   جبین نیاز نے سر رکھدیا اسلام کے در پر
خدا کی شان ہے وہ عکرمہ ایمان لے آیا   مسخر کر سکا جسکو نہ خوف تیغ و خنجر
وہی اک بات تھی جسکو رسول اللہ کہتے تھے   مگر کیوں نا خدا کے منہ سے سنکر ہو گیا ششدر
وہی تبلیغ حق تھی اور وہی تھی شکل ایمانی   تمرد نے جسے ٹھکرا دیا غربت نے رکھا سر پر
یہ سب نیرنگیاں ہیں واسطے قدرت دکھانے کے   ... عالم پر
یہ شان آپکی ہے راہ راست وانمانے ہے جیسے   مگر تبلیغ احکام خدا ہے فرض ہر ... [illegible]

جنہیں تحفہ نگہت اسلام آتا ہے نظر سوچیں
ہوا کیا جبر رستوا عکرمہ کی ان مصائب پر

(انوار حسین رستور ڈبائیوی)

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

کیں جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں

علم و ادب

قمری مہینوں کا دورہ موسموں میں

بعض حضرات جو علم ہیئت سے مس نہیں رکھتے اکثر اس خلجان میں پڑ جاتے ہیں کہ قمری مہینہ کبھی گرمی کبھی سردی کبھی برسات میں کیوں ہوتے ہیں تہوار جو ابتدا میں گرمی یا برسات ہمیشہ موسم گرما کے اختتام پر برسات میں آتے ہیں۔ یونہی رمضان المبارک اگر موسم سرما میں آتا ہے تو ہمیشہ موسم سرما ہی میں آنا چاہیے۔ برخلاف اس کے قمری مہینوں کا دورہ برابر مختلف موسموں میں ہوتا رہتا ہے۔ اسکے متعلق میرے ایک عزیز نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت جناب مولانا مولوی مفتی حاجی قاری محمد احمد رضا خان صاحب مدظلہم الاقدس سے سوال کیا۔ اسکا مفصل جواب جو دار الافتاء بریلی سے موصول ہوا ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے تاکہ جو لوگ حقیقت حال سے واقف نہیں ہیں وہ اسپر مطلع ہو جائیں۔ ہو ہذا۔

عرفان علی رضوی

موسموں کی تبدیلی خالق عزوجل نے گردش آفتاب پر رکھی ہے۔ شمالاً تحویل برج حمل سے ختم جوزا تک فصل ربیع ہے۔ پھر تحویل سرطان سے ختم سنبلہ تک گرمی پھر تحویل میزان سے ختم قوس تک خریف پھر تحویل جدی سے ختم حوت تک جاڑا یہ آفتاب کا ایک دورہ ہے کہ تقریباً ۳۶۵ دن اور پونے چھ گھنٹے میں کہ پاؤ دن کے قریب ہوا پورا ہوتا ہے۔ اور عربی شرعی مہینے قمری ہیں کہ ہلال سے شروع اور ۳۰ یا ۲۹ دن میں ختم ہوتے ہیں۔ یہ بارہ مہینے یعنی قمری سال ۳۵۴ یا ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے۔ تو شمسی سال سے دس گیارہ دن چھوٹا ہے سمجھنے کے لیے کسرات چھوڑ کر شمسی سال ۳۶۵ قمری ۳۵۵ ہی کہیے کہ دس دن کا فرق ہوا اب فرض کیجیے کہ کسی سال یکم رمضان شریف یکم جنوری کو ہوئی تو آیندہ سال ۲۲ دسمبر کو یکم رمضان ہوگی کہ قمری بارہ مہینے ۳۵۵ دن میں ختم ہو جائیں گے۔ اور شمسی سال پورا ہونے کو ابھی دس دن اور رہے ہیں پھر تیسرے سال یکم رمضان ۱۲ دسمبر کو ہوگی چوتھے سال یکم دسمبر کو ہوگی تین برس میں ایک مہینہ بدل گیا۔ پہلے یکم جنوری کو تھی اب یکم دسمبر کو ہوئی۔ یونہی ہر تین برس میں ایک مہینہ بدلے گا۔ اور رمضان المبارک ہر شمسی مہینہ میں دورہ فرمائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعینہ یہی حالت ہندی مہینوں کی ہوتی اگر وہ لوند نہ لیتے۔ انہوں نے سال رکھا شمسی اور مہینے لیے قمری تو ہر برس دس دن گھٹ کر تین برس بعد ایک مہینہ گھٹ گیا۔ لہٰذا ہر تین سال پر وہ ایک مہینہ مکرر کر لیتے ہیں تاکہ شمسی سال سے مطابقت رہے ورنہ کبھی ساون جاڑوں میں آتا اور پوس گرمیوں میں۔ بلکہ نصاریٰ جنہوں نے سال و ماہ سب شمسی لیے اگر ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹ کا نہ کرتے انکو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں یوں کہ سال ۳۶۵ دن کا لیا اور آفتاب کا دورہ ابھی چند گھنٹے بعد پورا ہوگا کہ جسکی مقدار تقریباً ۶ گھنٹے تو پہلے سال شمسی سال دورہ آفتاب سے ۶ گھنٹہ پہلے ختم ہوا۔ دوسرے سال ۱۲ گھنٹے پہلے تیسرے سال ۱۸ گھنٹے چوتھے سال تقریباً چوبیس گھنٹے اور ۲۴ گھنٹے کا ایک دن رات ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا دیا کہ دورۂ آفتاب سے مطابقت رہے۔ لیکن دورۂ آفتاب پورے ۶ گھنٹہ زائد نہ تھا بلکہ تقریباً پونے ۶ گھنٹہ تو چوتھے سال پورے ۲۴ گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریباً ۲۳ گھنٹہ کا اور بڑھا لیا ایک دن کہ ۲۴ گھنٹے ہے تو یوں ہر چار سال میں شمسی سال دورۂ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھ جائے گا۔ سو برس بعد تقریباً ایک دن بڑھ جائے گا۔ لہٰذا صدی پر ایک دن گھٹا کر پھر فروری ۲۸ دن کا کر لیا اسی طرح اور کسرات کا حساب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم اُن لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھائینگے اور اُنکے اپنے دمیان بھی یہانتک کہ اُن پر ظاہر ہوجائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے۔

بصارت و بصیرت

سیرِ حوادث

سمندر کی کائی سے پہیوں کے حال

صناعانِ یورپ نے سمندر کی کائی سے ایک ایسی شے طیار کی ہے جو پہیوں کے گرد حال چڑھانے کے کام آسکتی ہے۔ اور بالکل ربڑ کی طرح نرم اور پائدار ہے بلکہ ربڑ اور چمڑے کی نعم البدل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اب اس سے بوٹ تیار کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔ طرفہ بات یہ ہے کہ سمندر کی کائی سے جو چیزیں بنائی جائیں وہ نہ صرف ربڑ یا چمڑے سے زیادہ ارزاں ہوتی ہیں بلکہ زیادہ پائدار اور اصول حفظانِ صحت کے زیادہ مطابق ہوتی ہیں۔ غور کرو تحقیقات جدیدہ نے دنیا کے بہت سے راز فاش کردئے ہیں۔ اور یہ اسکا ثبوت کو پہنچا دیا ہے کہ ؎

دنیا میں جو کچھ ہے سب انسان کیلئے ہے
آراستہ یہ گھر اسی مہمان کے لئے ہے

ایک سطحی خیال کے آدمی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ دنیا کی بہت سی چیزیں ایسی بھی ہونگی جو انسان کے قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ ان سے انسان کیونکر متمتع ہوسکتا ہے؟ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اگر اور اُن حقایق اشیاء کے متعلق انسان کی ان تھک کوششیں یونہی جاری رہیں تو ممکن ہے کہ وہ فطرت کے بہت سے اور پوشیدہ اسرار جان لے۔ اسوقت اسکو صاف اعتراف کرنا پڑے گا کہ قرآنی صداقت هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا خداوہ ہے جس نے دنیا کی تمام چیزیں تمہارے نفع کے لیے پیدا کیں صحیفۂ فطرت کے عین مطابق ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

حکمت و شرع در اینجا بہم آمیختہ اند　　　نمک و بادہ درایں میکدہ یار افتادہ است
عقل را نیست سرِ عربدہ اینجا بانقل　　　پنبہ را آشتی اینجا بشرار افتادہ است

آزادی انتخاب

کوئمبٹور (مدراس) کی میونسپل کمیٹی کے انتخابات کے موقعہ پر حلقہ انتخاب نمبر (۱) کی رائے دینے والوں نے بے حد اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ رائے دینے والوں نے امیدواران انتخاب کو پہلے سے مطلع و متنبہ کردیا کہ کوئی شخص ہمارے مکانوں پر رائے دینے کا پرچہ مانگنے نہ آئے اور نہ ہی ہمارے واسطے سواری بھیجنے کی تکلیف اٹھائے ہم خود رائے دینے والوں کے جلسہ میں جائیں گے۔ جہاں ہر امیدوار سے اسکے کاموں کی تفصیل دریافت کیجائے گی۔ ہر امیدوار سے توقع کیجاتی ہے کہ وہ اس امر کی تشریح و توضیح کرے کہ اجلاس انتخاب سے وہ کیا طریق عمل اختیار کرے گا اور عامۃ الناس کی کس قسم کی خدمات انجام دے گا۔ اس سے رائے دینے والے آسانی کے ساتھ فیصلہ کرسکیں گے کہ کون شخص میونسپل کمیٹی رکنیت کی اہلیت رکھتا ہے اور کس سے کافہ انام کو زیادہ نفع پہنچ سکتا ہے۔ بلا شبہ تمام پرانے اور مضرت خیز طریقوں سے یہ طریق انتخاب آزادانہ و ممتاز ہے کہ اپنے نائبوں کو استحقاق و استفادہ کے اصولوں پر منتخب کرتا ہے ان اصولوں پر جو لوگ منتخب ہوں گے ان کی قدر و منزلت اور عزت و وقعت راعی و رعایا کے دلوں میں اصلی اور حقیقی ہوگی۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔ اسلام نے اپنے متبعین کو ہدایت فرمائی ہے کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق کا انتظام ایسے لوگوں کے سپرد کریں۔ جو اسکے اہل ہوں۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (پ ۵ سورۃ النساء ع ۸) اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو۔ جو اسکے اہل ہوں۔" یہاں امانات سے مراد رعایا و برایا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو حاکم بناؤ جو حکومت کرنے کی لیاقت اپنے اندر رکھتے ہوں اور ہر وقت و ہر آن رعایا و برایا کے آرام و آسایش حفظ و مال و جان و ننگ و ناموس میں سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ کمیٹیوں میں ممبروں کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا جائے اور رکنیت کی رائے اسی شخص کے حق میں دیجائے جس سے عامۃ الناس کو زیادہ نفع

پہنچ سکتا ہے۔ ابوموسےٰ اشعری سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب وہ یمن سے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں آئے تو ان کے ساتھ اشعر قبیلہ کے دو مرد بھی تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی خدمت کی درخواست کی۔ ابوموسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ خدمت چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو جو کوئی خدمت مانگے اسے ہرگز خدمت نہیں دیتے غور کرو جو شخص نوکری مانگے اس کی نسبت گمان پیدا ہو سکتا ہے کہ اسکی درخواست علت سے خالی نہیں کیونکہ کسب معاش کے لیئے تجارت صنعت وحرفت اور زراعت بہت سے ذرایع موجود ہیں۔ اِن سب کو خیرباد کہہ کر غلامی پر مرے جانا اور اسکے لیئے درخواستوں پر درخواستیں دینا ظاہر کرتا ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن کو ہم خود حکم فرماویں خدا انکی مدد کرتا ہے۔ جو خود کام کو اپنے سر پر لے اسکی مدد نہیں ہوتی۔ جو لوگ میونسپل کمیٹی کی رکنیت کے لیئے دن رات در بدر پھرتے ہیں اور رائے دینے والوں سے منت وسماجت اور خوشامد سے پرچے حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح جو نااہلوں کے حق میں رکنیت کی رائے دیتے ہیں کیا وہ خدا اور رسول کے احکام کی صریح خلاف ورزی نہیں کرتے؟

ایک صحرائی قوم کے عجیب وغریب توہمات

افریقہ کے ایک صحرائی مقام میں اروناسی ایک جنگلی قوم آباد ہے جسکا بادشاہ گایوں کا چرواہا ہوتا ہے۔ یہ شخص حکومت پر متمکن ہونے کے بعد کبھی غسل نہیں کرتا۔ بلکہ دوسرے تیسرے دن تمام بدن پر گھی کی مالش کرتا ہے۔ گوشت اور دودھ کے سوا اور کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔ کوئی شخص بادشاہ کو کھاتے پیتے دیکھنے کا مجاز نہیں۔ بادشاہ کی گائیں بڑی متبرک مقدس سمجھی جاتی ہیں۔ مگر کسی شخص کو ان کے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ اگر اتفاقاً کسی کے سامنے یہ گائیں آ بھی جائیں تو ہر شخص کو اپنی آنکھیں بند کرنی پڑتی ہیں۔ کیونکہ انکی طرف دیکھنا بادشاہ کی توہین وتذلیل میں داخل ہے۔ بادشاہ کے انتقال کرنے پر اسکو چمڑے میں دبا کر دفن کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ وحشی اقوام عجیب وغریب رسوم کی پابند ہیں۔ لیکن یہ کوئی حیرت انگیز امر نہیں کیونکہ ان کی عادات واطوار توہمات وجہالت پر مبنی ہیں۔ جائے حیرت واستعجاب ہے کہ بعض مہذب ومتمدن اقوام ابتک زمانہ توحش کی بعض رسوم کی پابند ہیں۔ مثلاً قانون توریث وغیرہ اور اس سے زیادہ افسوس واندوہ یہ ہے کہ بعض مسلمان جنکو اتباع ما انزل اللہ کی نہایت شدت کیساتھ تاکید ہے قوانین شریعت علی الخصوص توریث وتقسیم ورثا پر رسم ورواج کو ترجیح دیتے ہیں اور لڑکیوں کو جائداد سے محروم کرتے ہیں۔ ان ھذا من اعاجیب الزمن ◆

اژدہا خرگوش کو نگل گیا

موضع کالوتارا واقع لنکا کے نواح میں چند لڑکیاں ایک جنگل میں جنگلی زیتون چن رہی تھیں کہ انہوں نے زور کی پھنکاریں اور پرندوں کے شور وغل کی آوازیں سنیں۔ چنانچہ غور کی نگاہوں کے ساتھ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ دارچینی کی جھاڑیوں میں ایک عظیم اژدہا ایک خرگوش کو نگل رہا ہے۔ لڑکیوں نے اس واقعہ کی خبر اہل دیہ کو دی۔ جو فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ اور انہوں نے اژدہا کو مار ڈالا۔ اسکا طول ۱۵ فیٹ اور اسکے شکم کی لپیٹ بارہ انچ کے قریب تھی۔ پھر اسکو ایک درخت سے الٹا لٹکا کر ایک جلتی ہوئی مشعل سے اسکا جسم جلا جلا کر تمام چربی نکال لی چربی نیچے ایک برتن میں گرتی جاتی تھی۔ اور اسکے ساتھ خون کے قطرے بھی ملے ہوئے تھے۔ اہل لنکا اژدہا کی چربی کو طبی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور اسے اپنے زخم میں بے حد مفید جانتے ہیں۔ **ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض** (پ ۲ س البقرہ ع ۳۳)، اور اگر اللہ تعالیٰ دفع نہ کرے لوگوں کو ایک سے ایک کو تو خراب ہوجائے زمین ◆

دانایانِ فرنگ

علوم وفنون میں نت نئے انکشافات واختراعات کرتے رہتے ہیں جنہیں دیکھ کر عقل محو حیرت ہو جاتی ہے۔ حال میں ایک اطالوی انجنیئر مقیم مارسیلیز نے ایسی عجیب وغریب ایجاد کی ہے جس سے کشش ثقل کے مسلمات بھی باطل ٹھہرتے ہیں یعنی ایک ایسا آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے فضائے آسمان پر کسی جسم کے معلق اور ایک ہی جگہ قائم رہنے کا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ آلہ مذکور ایک خاص حد میں جس بلندی پر چاہو ٹھہرا کر جسطرف چاہو چلا لو۔ جہاں چاہو ٹھہرا لو۔ پھر لطف یہ کہ ان کاموں کے لیئے کسی موٹر یا خود بخود چلنے والی کل کی ضرورت نہیں آلہ چرخ کی شکل کا ۱۷ فیٹ طول اور ۱۳۰ انچ عریض ہے اسکا وزن ڈھائی من کے قریب اور ۴۵ سیر وزن اٹھا سکتا ہے۔ موجد نے امواج برق سے نہایت عجیب وغریب طریق مرکب کیا ہے اور یہ مسلسل ۲۴ گھنٹہ تک ہوا میں معلق رہ سکتا ہے برقی اور مقناطیسی طاقتوں کے باہمدگر اثر وتاثر اور غایت ۴۸ ساعت تک ایک جگہ قائم رہ سکتا ہے۔ اگر ہوا ۱۵ گز فی ثانیہ کی رفتار سے چل رہی ہو تو یہ معلق آلہ ایک ہی نقطہ پر قائم رہے گا لیکن جس صورت میں ہوا تیز ہو تو ہوا کے رخ پر فوراً آگے سرک کر غیر متحرک ہو جائے گا کسی خاص مقام سے یہ ۱۲۰ میل کے نیم قطر میں گردش کر سکے گا۔ یا یہ سمجھئے کہ مارسیلیز سے پیرس کی مسافت ۳ ساعت میں اور پیرس سے ٹیورن کا فاصلہ ۲ ساعت ۴۳ دقیقہ میں طے کرے گا ◆

(وطن)

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

لوگوں کو اپنے پروردگار کے رستے کی طرف حکمت اور پسندیدہ نصیحتوں سے بلاؤ

سرِ دلبراں در حدیثِ دیگراں

روح کا خول

تربوز کا چھلکا سبز۔ گودا سرخ۔ مزا جو اسکی روح ہے میٹھا۔ مگر مٹھاس کی شکل دیکھی نہیں۔ چکھنے سے جانی۔

آم کا چھلکا سبز۔ رس زرد۔ مزا شیریں۔ وہی اسکی جان ہے جس پر آدمیوں کی جان قربان ہے۔

چاہتے سب جان اور روح کو ہیں۔ مگر ہاتھ میں فقط اسکا خول آتا ہے۔ کمہاری ایک چھوٹا سا پردار کیڑا ہے۔ بھڑ سے ذرا دبلا پتلا۔ گھروں میں گیلی مٹی سے اپنا گھونسلا بناتا ہے۔ اور اسمیں جھینگر مار کر اسکی لاش چھپا دیتا ہے۔ اور دروازہ میں خود بیٹھ کر روح کے خول کو توجہ دیتا ہے۔ چند روز میں اسکے مراقبہ کی طاقت جھینگر کو زندہ کر دیتی ہے۔ اور صحبت ہم نشیں کا اثر بے رونق جھینگر کو خوبصورت کمہاری کی شکل بنا دیتا ہے۔ اور جھینگر کمہاری بن کر اڑ جاتا ہے۔

توجہ اور مراقبہ کی یہ برکت دیکھ کر اور جسم کی ماہیت میں یہ انقلاب مشاہدہ کر کے میں نے ایکدن جو ستمبر ۱۹۱۵ء کا آخری حصہ تھا شملہ کے پہاڑ پر اپنے خول کا مراقبہ شروع کیا۔ اور اپنی لاش پر نظریں جمائیں۔

کمہاری نے جسدن جھینگر کا شکار کیا۔ اور اسکے ڈنک مارے تو اسکی تڑپ اور پھڑک سے ایک لالہ صاحب کا جی بہت دکھا تھا۔ اور انہوں نے کمہاری کو بے‌دید جانور کا خطاب دیا تھا۔ اور میں نے بھی جو اسوقت تک خواجہ حسن نظامی تھا۔ مظلوم جھینگر کو بچانے کی بہت کوشش کی تھی۔

یہی واقعہ آج پیش آیا۔ میرے خول کو میرے مرنے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور اس کے صدمہ سے میں نے بھی ہمدردی ظاہر کی۔ مگر جو نعمت مجکو اس فرقت و رحمت میں نظر آئی تھی۔ اس سے اوسان درست تھے۔ اور اطمینان سامنے تھا۔ اسلیئے میں نے اپنے خول سے رسماً غمخواری کا اظہار کیا۔ اور اسکی وہ کہانی سن لی جو اس نے دم توڑتے

وقت بھی بہلانے کو مجھ سے کہی ہے۔

نشہ کی کہانی

پہلے میرے خول نے ایک ایسی کہانی کہی جسکو میں سکرات کے نشہ کی نشانی سمجھا اور میں پہاڑ کے ایک پیاسے پھول کی پنکھڑی پر لیٹ گیا۔ اور اسکی ہلکی ہلکی باتوں کو متانت اور مسکراہٹ سے سننے لگا۔

خول نے کہا۔ برا ہو اس عبادت کا جس نے چڑیا کی جان لی۔ خواجہ پیارے آج سے دس ہزار برس پہلے اِس پہاڑ پر ایک جھونپڑی تھی جسمیں ایک عبادت گزار جوگی رہتا تھا۔ ایک دن اسنے اپنے خیال کو خالق خیال سے لگایا۔ اور چاہا کہ اسکا نور دیکھے کہ ایک چڑیا چہچہاتی پروں کو پھیلاتی۔ پھدکتی۔ چیں چیں کرتی۔ اسکی جھونپڑی میں آگئی۔ چڑا اسکے ساتھ تھا۔ اِس نے اپنی لیڈی سے محبت کی گفتگو شروع کی۔ اور کہا پیاری دانہ چگ چکیں۔ آؤ اِس فقیر کی تونبی پر چلکر بیٹھیں جسمیں یہ پانی پیتا ہے۔ اور باتیں کریں چڑیا اچھلی اور مستانہ ادا سے دو تین جھونٹے ہوا میں کھائے۔ اور تونبی پر جا بیٹھی۔ چڑے نے کہا یہ آدمی کیا چاہتا ہے۔ چڑیا بولی اپنے خول کی خواہشوں سے درگزر اور نورِ حق تک رسائی۔ چڑا جھلا کر بولا۔ دیوانہ ہے خول ملا ہے تو اسکی خواہشوں کو بھی پورا کرنا پڑے گا۔ نورِ حق خواہشوں سے جدا تھوڑی ہے۔

جوگی کو سوائے چیں چیں کے غل کے اور کچھ سنائی نہ دیا اور اس نے اپنا ڈنڈا اٹھا کر ان دونوں پر کھینچ مارا۔ جو چڑے کے سر میں لگا۔ اور وہ بچارا تڑپ کر زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ چڑیا یہ دیکھ کر پھرٌ سے اڑ گئی۔ اور باہر درخت کی ٹہنی پر جا بیٹھی۔ اسکا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ گھبرا گھبرا کر ادہر ادُہر دیکھتی تھی۔ اور اپنے خول کے بچ جانے پر شکر کرتی تھی مگر تھوڑی سی دیر کے بعد اسکے دلکو شوہر کی محبت نے بے قرار کیا۔ وہ الفت کے غم میں اندھی ہو گئی۔ اسکی روح اپنے خول میں سر پٹیخنے اور پھڑپھڑانے لگی۔ جس کے صدمہ سے اسکا خول بھی حرکت میں آگیا۔ اور روح کے اندھے اشارہ سے مجبور ہو کر چڑیا پھر جھونپڑی میں چلی گئی۔ وہاں اسکے غریب چاہنے والے چڑے کی لاش خاک میں پڑی تھی۔ اور فقیر اپنے خول کو توجہ دے رہا تھا۔ چڑیا نے آہ و نالے شروع کئے۔ کبھی تونبی

پر آتی کبھی جھونپڑی کے بانس پر جاتی۔ اسکی زبان تالو سے نہ لگتی تھی۔ وہ چیختی تھی اور بلبلاتی تھی۔

جوگی کے خیال میں پھر رخنہ پڑا۔ اس نے ایک ادھیست کی اور چڑیا کو بھی ڈنڈے سے مار ڈالا۔

عاشق و معشوق کی لاشیں اٹھا کر جھونپڑی کے باہر پھینکدیں۔ اور ایک لمبا سانس لیکر جس سے تضیع اوقات کا صدمہ ظاہر ہو رہا تھا۔ پھر مراقبہ میں بیٹھ گیا۔

باہر چڑے چڑیا کے جنازے رکھے تھے۔ اندر جوگی اطمینان سے گردن جھکائے بیٹھا تھا کہ نور حق ہاتھ میں شعلہ کی تلوار لیئے نمودار ہوا۔ جوگی اسکو دیکھ کر سجدہ میں گر پڑا۔ اور اسکی روح اپنے مرکز پر قربان ہونے کو خول میں پھڑ پھڑانے لگی۔ مگر نور حق نے جوگی کے خول پر شعلہ کا ایک ہاتھ مارا۔ اور کہا۔ میری چڑیوں کا خون کیوں کیا۔ جو فطرت کا سبق سنانے تجھ تک آئی تھیں۔ انہیں زندگی تھی۔ وہ نسل بڑھانے کے دو پیمبر تھے۔ تیرے ترک وجود سے انکا رتبہ بڑا تھا۔

جوگی کے خول نے عاجزی سے معافی مانگی۔ مگر اندر کی روح نے اپنے باپ نورِ حق کو ترشی سے جواب دیا۔ اور کہا۔ مجھکو یہاں قید کرکے آپ آزاد رہنا چاہتے ہیں تو بھی تو اس قفس کا مزا چکھ۔ دنیا میں تھوڑے پنجرے ہیں جیسے اندر کی ارواح تیری دولت کا حکم مانتی ہیں۔ ایک میں اگر تعمیل نہ کروں تو کیا نقصان ہوگا۔

نورِ حق نے یہ سنکر ٹھنڈا سانس لیا اور جوگی کی روح ایک سناٹے کے ساتھ ہاتھ پھیلائے کھنچکر اڑی اور نورِ حق میں سماگئی۔

جوگی کا خول پڑا رہ گیا۔ اور چڑیوں کے خول سے زیادہ اس نے اس جنگل کو بدبودار کیا۔

جب میرا خول یہ تمثیل کہانی کہہ چکا۔ تو میں نے کہا۔ کہہ چکا یا کچھ باقی ہے۔ گھبرا مت میں تجکو سڑنے سے بچاؤں گا۔ اور اس جنگل کو تیری بدبو سے آلودہ نہونے دوں گا اسوقت وہ خول بولا۔ اب میں ہوشیاری کی ایک کہانی کہنی چاہتا ہوں۔ اسکو سنکر پھر جو تیرا جی چاہے کر۔

میں نے پھول کی پنکھڑیوں کو اپنے اوپر سے سمیٹ کر آنکھیں خول کی طرف پھیریں۔ اور اس سے کہا۔ پہلے یہ تو بتا کہ اس نے تیری کیا قدر کی۔ جو تو دنیا میں رہنے پر اتنا اصرار کرتا ہے۔ اور اسکی امیدوں کی اسیری پر فدا ہوا جاتا ہے۔ ناحق مثالیں دے کر مجکو گرفتار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں جب تک تجھ میں تھا۔ ایک اچھا لکھنے والا۔ اور اردو زبان میں ایک نئی روش ایجاد کرنے والا سمجھا جاتا تھا۔ جو قلم سے ظاہر ہوتی تھی۔ یا کبھی کوئی سامنے آکر اسکو ادا کرتا تھا۔ تو جانتا ہے کہ اسوقت مجھ پر کیا حالت گزرتی تھی۔ میں الفاظ پرست خولوں کی یہ تعریف سنکر بگڑتا تھا کہ یہ ایسے اندھے

کیوں ہیں۔ جو میری اس شان کو بیان نہیں کرتے جسپر مجکو نورِ حق نے اقتدار دیا ہے کہ جو حق سے میں جو کہتا ہوں وہ سن لیتا ہے۔ اور اسکو پورا کردیتا ہے۔ میں نے جس کی سفارش کی نورِ حق نے اسکو کبھی نہ ٹالا۔ یہی نہیں نورِ حق نے اپنے الٰہی رنگا رنگ جلووں کو میرے پاس تنہا چھوڑ دیا۔ اور میں نے انہیں خوابگاہ بنائی۔

اے خول آدمیوں کے جھگڑے میں جی نہ لگا۔ یہ آدمی رشک کرنے لگتے ہیں جب کسی کے پاس کچھ دیکھتے ہیں۔ اور اگر انسان کو اپنے خول سے محبت ہو تو دوسروں کا رشک و حسد اسکو تکلیف دیتا ہے۔ کیا تو نے پایا کہ دنیا میں کتنے تیرے حاسد ہیں اور انکی ملکامانہ کینہ وری سے تجکو کیسے کیسے صدمے اٹھانے پڑے۔ اگر تو اپنی خواہش خاکی کو فراموش کردے اور میرے مراقبہ و توجہ کے آگے سر جھکادے تو تیری یہ ساری تکلیفیں دور ہو جائیں گی۔ اور تو دنیا کے سب خولوں کا سرتاج بن جائیگا۔ مگر تجھ میں سرتاج بننے کی خوشی نہوگی۔ کیونکہ سرتاجی ذکر و فکر کے جذبات کی فنائیت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جب یہ جذبات ہی نہوں گے تو تجکو اسکی خوشی نہیں ہو سکتی۔ البتہ تجکو نورِ حق سے وہ انعام ملیں گے جنکے سامنے دنیا کی سب خوشیاں ہیچ اور نیچ ہیں

میرے خول نے یہ سنکر کہا۔ اچھا تو میری کہانی سُن اسکے بعد فیصلہ ہوگا۔

جڑی بوٹی کا شہید

چاہو گل کے دامن میں۔ کھڑا ہو قدرت کی عجیب اولاد جو ایک دن میں پیدا ہوتی۔ بڑھتی پھولتی پھلتی۔ اور مرجھا کر فنا ہو جاتی ہے۔ جس کا نام گھاس ہے۔ بناس پتی ہے جنگل کی جڑی بوٹی ہے۔ اور جو تیری گلیوں سبزیوں کے دامنوں میں کوسوں خاک سے سر نکالے چپ چاپ کھڑی رہتی ہے۔ بڑی قاتل ہے۔ سفاک ہے۔ بڑی دولت والی ہے امیری کی کنجی ہے۔ بڑی طبیب ہے۔ امراض کی موت ہے۔ بڑی زندگی ہے حیات کی روح رواں ہے ۔

ایک پہاڑ کے نیچے میدانی زمین میں ایک راجہ رہتا تھا۔ جسکا ایک ہی بیٹا تھا اس کا نام اندر جوت تھا۔ اسکی عمر سولہ برس کی تھی۔ کہ باپ مرگیا اور گدی اس کے ہاتھ آئی۔ اندر جوت کی رانی کنولا چودہ برس کی اور اندر جوت صورت شکل میں ذرا گھٹیا تھی۔ اندر جوت اپنے زمانہ کا کنہیا تھا۔ اسکے من کی دھاک دور دور تھی۔ اسکو اپنی خوبصورتی پر گھمنڈ بھی تھا۔ سب سے بڑی سندرتا خوبصورتی اسکی آنکھوں میں تھی۔ اندر جوت اسکو دیکھ نہ سکتا تھا۔ مگر جسکو دیکھتا تھا جس چیز پر نظر ڈالتا تھا۔ آپ اپنی آنکھوں کی طاقت کو مشاہدہ کرتا تھا۔ کیونکہ آدمی ہو یا جانور پتھر ہو یا درخت اسکی آنکھوں کے پرتوے سے تھرا جاتے تھے یا اندر جوت کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامنے والی چیز اسکی آنکھوں کے رعب حسن سے جھک گئی ہے اور بے قابو ہے۔

کنولا اپنے پتی رشوہر سے بہت کم تھی۔ مگر اسکے دل میں بھی خدا نے ایک کشش

دی تھی کہ اندرجوت اسکا دلدادہ و شیدا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ اندرجوت کنولا کو لے کر دیبی کے درشن کو گیا جو پہاڑ کے دامن میں براجمان تھی۔ راستہ میں اسکو ایک پودنا جنگلی جھاڑی پر نظر آیا جس کے سرخی پیارے رنگ کے سامنے اسکی بدصورت پودنی بہت بری معلوم ہوتی تھی۔ اندرجوت نے کنولا سے کہا۔ کہ پودنا اس بدشکل جوڑے سے کیونکر خوش رہ سکتا ہوگا۔ کنولا بولی جسطرح تم میرے ساتھ یہ سُنا۔ اندرجوت ایکخیال میں پڑگیا اور اسکو اپنے حسن کے غرور نے تھوڑی دیر بےخود بنائے رکھا۔

اندرجوت دیبی کے درشن کرکے واپس آ رہا تھا کہ ایک مور دکھائی دیا جو لپنے بیتابی حسن کا لباس پہنے اپنی کالی کلوٹی بے قرینہ مورنی کو اپنا ناچ دکھا رہا تھا۔ اندرجوت کو پھر پودنے کا خیال آیا۔ اور اسنے کنولا سے کہا۔ یہ بڑا بیوقوف ہے۔ ایسی بدشکل بیوی پر عاشق ہوا ہے۔ پودنا اور مور اور شاید میں تینوں عقل سے دور ہیں۔ کنولا میں تجھ سے چار مہینے بات نہ کرونگا۔ جبتک اسکا بھید مجکو معلوم نہ ہوجائے۔

کنولا بڑی عقلمند لڑکی تھی۔ اسنے اندرجوت کے اس بچپن سے برا نہ مانا اور کہا کچھ ہرج نہیں تم اسکو سوچو تحقیق کرو۔ اور چار مہینے مجھسے الگ رہ سکتے ہو تو رہو میں تم کو اجازت دیتی ہوں۔

اندرجوت یہ سُنکر بگڑا اور کہا تم کو اجازت دینے یا نہ دینے کا کچھ اختیار نہیں میں نے اپنی خودمختاری سے یہ ارادہ کیا ہے۔ اور اپنے ہی اختیار سے اس پر عمل کرونگا۔ تم میری تابعدار لونڈی ہو۔ مگر بہت بدصورت ہو۔ تم میرا جوڑا نہیں ہوسکتیں۔ تم میری آنکھوں کی جوت تک کو سہار نہیں سکتیں۔ اور میرے نگاہ بھر کر دیکھتے ہی نظریں جھکا لیتی ہو۔

کنولا بولی۔ جو کچھ تم نے کہا سچ ہے۔ میں تکرار نہیں کرتی۔ تم چار دن سے زیادہ اپنے ارادہ کی خودمختاری پر قایم رہ جاؤ۔ تو غنیمت ہے۔ مجکو خدا نے حسن نہیں دیا۔ تو دوسری نعمت دی ہے۔ جو تم کو میسر نہیں۔

اندرجوت۔ وہ کیا نعمت ہے؟

کنولا۔ تمہیں سوال کرنے کا کچھ اختیار نہیں!

اندرجوت۔ میں پوچھتا بھی نہیں۔

اتنے میں گھر آگیا۔ اور یہ دونوں علیحدہ علیحدہ حویلیوں میں اتر کر چلے گئے۔

کنولا نے حویلی میں جاتے ہی ماما کو اپنے گرو کے پاس بھیجا جس نے سارا قصہ اُنسے کہا۔ گرو صاحب بڑے عالم اور دنیا کے حال سے خبردار تھے۔ انہوں نے ماما کو بہلا کر نکالدیا اور کہا میں کیا کروں۔ میاں بیوی کے قصہ میں دخل دینے کا مجھے کچھ حق نہیں ہے جا کنولا سے کہدیجو کہ آیندہ مجھ سے اپنے گھر کے جھگڑے بیان نہ کرنا۔

ماما سہمی ہوئی کنولا کے پاس آئی۔ اور گروجی جنگل گئے۔ اور وہاں انہوں نے سات کنکروں پر کچھ دم کیا۔ اور نالے میں ڈالدئے۔

ادھر کنولا کو گروجی کے برتاؤ سے اتنا رنج ہوا کہ اس نے ہیرے کی کنی کھانے کو منگائی۔ مگر فوراً اسکے دل نے کہا کہ جو تعلیم گروجی نے مجکو دی ہے۔ اسمیں صبر کا بڑا درجہ ہے۔ سنتوشش پرم لابہہ (صبر بہت بڑا نفع ہے) رام چندرجی کا قول ہے پس مجکو بھی اپنے کلیجہ پر پتھر رکھنا چاہئیے۔ دیکھئے غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

کنولا اسی خیال میں تھی کہ اندرجوت آنکھوں میں آنسو بھرے اسکے پاس آیا اور اسکے پیروں میں گر پڑا۔ کنولا نے کہا خیر ہے۔ تم میرے پتی اور مالک ہو اور میں تمہاری ادنےٰ لونڈی یہ کیا کرتے ہو۔

اندرجوت بولا۔ میں نے غلطی کی۔ جو تم سے ایسی سخت باتیں کیں۔ خدا نے میرے دلکو روشنی دی۔ اور میں نے تمہاری شان پہچان لی۔ اب میں کبھی آپکی قدرت میں دخل نہ دونگا

کنولا حیران تھی کہ یہ کیا انقلاب ہوا۔ اتنے میں دیکھا کہ گروجی ہاتھ میں ایک بوٹی لئے چلے آتے ہیں۔ انہوں نے وہ بوٹی اندرجوت کو دی۔ اور کہا لے ذرا اسکو اپنی آنکھ پر رکھ۔ اندرجوت نے اس پتہ کو اپنی آنکھ سے لگایا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ کنولا نور کا ایک پتلا ہے۔ اور اس قدر حسین ہے کہ اندرجوت نے اس سے پہلے کبھی ایسی خوبصورت عورت نہ دیکھی تھی۔ اسکے بعد گروجی نے کہا نادان ! نظر کے دھوکہ میں نہ پڑ۔ اس دنیا میں جو بدصورت ہیں۔ انکو قدرت کی آنکھ سے دیکھیگا تو اچھی شکل میں پائے گا۔ مورنی اور پودنی خاکی آنکھوں میں بدنما ہیں مگر مور اور پودنے کی حقیقت شناس نگاہوں میں بےحد خوشنما۔

اندرجوت کو حیرت تھی کہ گروجی کو ہمارے مخفی معاملے کی کیونکر خبر ہوگئی۔ اور انکی کرامت کا قایل ہوگیا۔

اب اندرجوت۔ گروجی کے پاس روزانہ جانے لگا۔ اسکو جڑی بوٹی کے علم کا عشق ہوگیا تھا۔ گروجی نے بھی اسکے شوق کے موافق بوٹیوں کے صدہا خواص سکھائے۔

کایا پلٹ بوٹی

ایک دن گروجی نے اندرجوت کو کایا پلٹ بوٹی بتائی۔ اور کہا اسکو اگر ناف پر باندھ لیا جائے تو انسان اپنی روح کو جسم سے نکال کر آزاد کر سکتا ہے۔ اور روح کو جہاں چاہے سیر کرنے کو بھیج سکتا ہے۔ اور پھر جب جی چاہے واپس بلا سکتا ہے۔

اندرجوت نے کہا پھر دوبارہ اپنے جسم میں بھی ڈالنا ممکن ہے یا نہیں گروجی بولے کیوں نہیں۔ یہ نہ ہو تو کمال ہی کیا ہوا۔ مگر شرط یہ ہے کہ روح کو کسی ایسی جگہ نہ بھیجے جہاں سے وہ اُلٹی نہ آسکے +

اندرجوت۔ وہ کونسا مقام ہے جہاں سے روح واپس نہیں آتی۔

گروجی۔ خدا کی جھولی جسمیں ارواح رہتی ہیں۔ روح کا پسندیدہ مقام ہے۔

اندرجوت۔ وہاں مجھے بھیجنے کی کیا ضرورت ہوگی۔ میں کبھی وہاں نہ بھیجوں گا۔

گروجی۔ نہیں یہ بات تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ دیکھو جو لوگ کسی نیک کام کی حمایت میں مارے جاتے ہیں انکی روحیں خدا کی ذات کے قریب ایک نورانی قندیل میں چلی جاتی ہیں۔ اور وہاں انکو ایسا مزا ملتا ہے جو دنیا کے کسی سرور کے مشابہ نہیں ہے جسکو تم سمجھ سکو۔ بس یہ خیال کرو کہ وہ بہت ہی بڑا لطف ہے۔ جو خدا کی ذات میں فنا ہونے سے پہلے اس مادی دنیا میں ارواح کو میسر آتا ہے۔

اگر تم نے کایا پلٹ بوٹی سے اپنی روح کو اپنے خول سے الگ کر لیا اور کہیں سیر کرنے کو بھیجا تو وہ ضرور آزادی کی ہوا سے سرشار ہوکر اپنی شہید روحوں کی قندیل میں جائے گی۔ اور وہاں گئی تو پھر کبھی نہ آئے گی۔

اندرجوت۔ جب اس قندیل میں آپ کے فرمانے کے بموجب بہت بڑا سرور حاصل ہوتا ہے تو میں اپنی روح کو واپس کیوں بلاؤں گا۔ اچھا ہے کہ وہ ہمیشہ وہاں رہے جہاں اسکو راحت اور چین ملتا ہو۔ اس دنیا کی تکلیف اور بے مزہ زندگی سے تو وہ لاکھ درجہ بہتر ہے۔

گروجی۔ یہ سچ ہے مگر قندیل مبارک میں غیر شہید روح کو رہنے کا حکم نہیں ہے جو روح جسم کی شہادت کے بغیر محض سیر کے لیئے وہاں چلی جاتی ہے۔ تو چند روز کے مزے کے بعد ایک دکھ لگ جاتا ہے۔ اور وہ پھر دنیا کے کسی ناپاک جسم میں ڈالدی جاتی ہے۔ اور قید کی تکلیف اٹھاتی ہے۔

اندرجوت۔ تو پھر میں کسی نیک کام میں شہید ہوکر اپنی روح کو قندیل مبارک میں کیوں نہ بھیجوں۔

گروجی۔ ہاں ایسا کروگے تو ہمیشہ وہاں رہوگے۔

اندرجوت۔ بتلایئے کہ وہ شہادت کونسی ہے۔

گروجی۔ خدا اور اسکے علم کی تلاش میں اگر آدمی مر جائے تو اسکی روح قندیل مبارک میں چلی جاتی ہے کسی مظلوم کی حمایت میں مارا جائے تو اسکو یہ درجہ ملتا ہے۔

لیکن اے اندرجوت اگر تو جسم کی قید میں رہکر اپنی خواہشوں پر قابو رکھے۔ اور خدا کی دی ہوئی طاقتوں کو نیک کام میں صرف کرے اور نفس کی دشمنی پر فتح پائے۔ تو کسی موت مرے قندیل مبارک میں ضرور تیری روح کو جگہ دیجائے گی اور تیرا نام شہیدوں میں لکھا جائے گا۔ دیکھ جس زمانہ میں اچھی باتوں کی بے قدری ہو جائے۔ اور خلقت نیکیوں کو عقل اور آرام کے خلاف سمجھنے لگے۔ اسوقت میں اگر کوئی شخص ایک نیکی کو بھی نند کرے گا تو اسکی روح کو مرنے کے بعد قندیل حق میں اونچی جگہ دیجائے گی۔

اندرجوت نے گروجی سے یہ سُنکر اپنے وقت کے دو حصے کئے ایک میں وہ اپنی حکومت کے کام کرتا تھا۔ اور مظلوموں کی فریاد سُنتا تھا۔ اور دوسرے میں جڑی بوٹیوں کی تحقیقات کرتا تھا۔ اور کنولا بھی اسکے شریک حال رہتی تھی۔ ایک روز وہ کنولا سمیت ایک بوٹی کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ کہ اسکے پاؤں میں ایک سانپ نے کاٹا۔ کنولا سانپ کو پاؤں سے چھڑانے لگی۔ کیونکہ وہ انگوٹھے کو چمٹ گیا تھا۔ تو سانپ نے کنولا کے ہاتھ میں بھی کاٹ کھایا۔ سانپ ایسا زہریلا تھا کہ دونوں وہیں پانی ہوکر بہ گئے۔ مگر ان کی روحیں فوراً قندیل مبارک میں اُڑکر چلی گئیں۔ جہاں ان کا ارواح نے بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا۔ اور یہ دونوں ابدی اور کامل عیش سے وہاں رہنے لگے۔

لہٰذا تو بھی اے میری روح ایسا ہی کر۔ اور مجھ خول میں مقید رہ کر نیک کاموں میں معروف ہو۔ تاکہ شہیدوں کی قندیل حق تک رسائی پائے۔ یوں خواہ مخواہ مجھکو ترک کرنے اور غیر فطری آزادی سے تجکو کچھ حاصل نہ ہوگا۔

میں نے اپنے خول کی کہانی سُنکر قہقہہ لگایا۔ اور کہا دیوانے تو نے اپنے خاکی جذبات کی مطابق قندیل حق کو بھی عیش خانہ سمجھا۔ کوئی اور مثال دی ہوتی۔ مگر دیتا کیونکر تیری عقل کا عروج تو خواہشات و لذات نفس تک ہے۔

خول۔ نہیں میں نے کہا ہے کہ قندیل مبارک میں جو سرور ارواح کو ہوتا ہے۔ اسکی بہت مثال ہماری دنیا کی کسی چیز سے نہیں ہے۔ صرف سمجھنے کو کسی دنیاوی لطف سے نسبت دے سکتے ہیں۔

میں۔ خیر اگر تو نے یہ کہا بھی تب بھی میں خیال کرتا ہوں۔ کہ تیری پرواز عالی لذات سے آگے نہیں ہے۔ میں قندیل حق میں شہید ہوکر جانا پسند کرتا ہوں۔ مگر اسلیئے نہیں کہ وہاں مجکو دوسری ارواح کے ساتھ عیش و راحت نصیب ہو۔ وہاں میرا کام یہ ہوگا کہ سب ارواح کو قندیل کی قید کا دکھ بتاؤں۔ اور ان سے کہوں کہ تم سب جدوجہد کرو۔ اور اس محدود حیات سے نکلکر ذات الٰہی کی نامحدود ہستی میں فنا ہونے کی کوشش کرو کیونکہ قید تعین میں خواہ ہم کو کیسا ہی لطف ہو۔ پر وہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو محویت و فنائیت ذات میں ہو سکتی ہے۔

اگر میں قندیل حق کے بعد بہشت میں گیا۔ تو وہاں بھی جب مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ کس قسم کا عیش چاہتا ہے۔ تو آزادی بیان حق کی طلب کروں گا۔ اور جنت والوں کو بہکاؤں گا کہ وہ بہشت کے جیل خانہ سے نکلیں اور موج الوہیت کی غرقابی خدا سے مانگیں۔

اے خول۔ میں تجھ سے نفرت نہیں رکھتا۔ میں تجھ سے جدا نہیں ہوتا۔ میں کوئی کام ایسا نہیں کرتا جو قانون اسلام اور قانون دنیا کے بخلاف ہو۔ میں تجھ کو کسی قسم کی مادی اذیت نہیں دینا چاہتا۔ مجکو یہ بھی منظور نہیں کہ فطرت کے مقررہ وقت سے پہلے تجھ سے الگ ہو جاؤں۔ یا کسی اور کو ایسا کرنے کی نصیحت کروں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں

کہ تجھ سے جدا ہو کر ذرا اپنے اور تیرے حالات کا مطالعہ کیا کروں جبتک تجھ سے جدا نہ ہونگا سمجھ نہیں سکتا کہ تو کیا ہے۔ اور میں کیا ہوں۔ تو کس حال میں ہے اور میں کس حال میں ہوں۔ تجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اور مجھپر کیا کیا فرائض ہیں۔

میرے مٹی کے پتلے۔ تیری دید کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ تیرے اندر بند رہکر تو یہی بتا کہ تجھ کو کیا دیکھ سکتا ہوں مانتا ہوں کہ دید کے ہزاروں طریقے ہیں۔ مگر جو دید دل تک پہنچاتی ہے۔ وہ تیرے بندھن سے باہر آئے بغیر ہاتھ نہیں آ سکتی۔

یہ خیال نکر کہ میں ہمیشہ اس بھول کی ہستی پر بستر جمائے رہوں گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ ٹھہرے رہنا مجکو بالکل ناپسند ہے۔ میں ہمیشہ ترقی کرنے اور آگے بڑھنے میں مصروف رہتا ہوں۔ اور اس میں کہیں نہ رکوں گا۔ تاوقتیکہ خدا کو نہ پالوں۔ اور خدا کے پانے پر بھی چپکا نہ رہوں گا۔ یہانتک کہ اسکی ذات میں سما کر نابود کے اسم سے آزادی حاصل نہ کر لوں۔

غرض۔ یہ حکم کہاں ہے کہ تو مجھ سے جدا ہو کر مجکو پڑھ ہے۔ علم اندر رہکر اچھا ہوتا ہے۔ نہ کہ باہر نکلکر۔

میں خدا نے اپنے عربی کلام میں کہا ہے۔ **وفی انفسکم افلا تبصرون**
جس کی تعمیل جسم کی قید میں محال ہے۔

ارے غافل میں تجھ سے جدا کب ہوں۔ تو مجھ میں ہے۔ تو میں تجھ میں ہوں اور تیرے ہی اندر رہکر علم حاصل کر رہا ہوں۔ مگر یہ وہ اندرون نہیں جسکو تو چاہتا ہے۔ کہ خواہشوں میں اسیر ہو کر علم حاصل کروں۔ بلکہ یہ وہ اندرون ہے جو مجذوب روح کی اصطلاح میں اندرون ہے۔ اور جس سے حکم خدا کی تعمیل اور دنیا میں آنے کا منشار پورا ہوتا ہے ✤

(حسن نظامی)

مینا کا میکا

دہلی سے ایک نیا رسالہ نما ہفتہ وار اخبار "سہیلی" جناب فاطمہ سعید بیگم صاحبہ کی ایڈیٹری میں لڑکیوں کے لیے جاری ہوا ہے جسکے تین پرچے ہمنے پڑھے۔ دلچسپ اخبار ہے اور قابلیت سے مرتب کیا جاتا ہے۔ ذیل کا دلچسپ مضمون اسی اخبار کے نمبر ا صفحہ ۵ سے نقل کیا گیا ہے۔ تاکہ ناظرین نام کے ساتھ "سہیلی" کی روش سے بھی کچھ واقف ہو جائیں ہم اپنی مفصل رائے انشاءاللہ پھر کبھی ظاہر کریں گے ✤

(ایڈیٹر)

مینا تو بنگالہ ہی کی مشہور ہے مگر میری پیدائش حیدرآباد دکن کی ہے۔ مجھے اپنے بچپن کا پہلا ہفتہ یاد نہیں۔ مگر اتنا مجھے خیال ہے کہ تاڑ کے درخت پر ہمارا گھونسلا تھا اور دونوں ماں باپ جو کچھ دانا دنکا میسر ہوتا چگ کر لاتے اور پیٹ میں ڈال دیتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ادہر میری اماجان نے اپنی باریک آواز سے سنسان جنگل کے پتوں کو صبح کا پیغام پہنچایا۔ اور ادہر آسمان سے موسلا دھار بارش شروع ہوئی ہم دونوں بہن بھائی بھوک کے مارے تڑپ رہے تھے۔ اور مینہ کسی طرح نہیں تھمتا تھا۔ جب تین پہر اسیطرح گزر گئے تو ماںتا کا مارا باپ اسی جھٹ کر دک میں گھونسلے سے نکلا اور وہ قیامت خیز مینہ سر پر لیتا ہوا ہوا میں اڑا۔ ہماری بدقسمتی سے ایک ظالم باز برابر کے درخت پر بھوکا بیٹھا تھا۔ اباجان کی صورت دیکھتے ہی جھپٹا اور ہماری آنکھوں کے سامنے اس ظالم نے تکا بوٹی کر کے کھا لیا۔ اماجان تو آج کی تاریخ سے بیوہ ہو گئیں تھیں۔ مگر جسطرح ممکن تھا۔ ہماری پرورش کرتیں اور ہم ماں کے آغوش میں ملکر اس قابل ہوئے کہ پنجاب کے ایک خاندان سے نسبت کا پیغام آیا۔ بیوہ ماں کی بچی ہی کیا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ میرا اپنے وطن سے ہزاروں کوس دور پنجاب بھیج دیگئی۔ یہاں آکر جب میں چھ بچوں کی ماں تھی۔

ایک دن رات کے وقت جب ہم دونوں میاں بیوی اور بچے اپنے گھونسلے میں بیٹھے ہوئے تھے برابر کے درخت پر بجلی زور شور سے گری۔ اور ہمارا گھونسلا بھی جلنے لگا تو ہم باہر نکلے اور جدہر منہ اٹھا روانہ ہوئے۔ رات کا خاموش وقت تھا۔ دریائے راوی زور سے لہریں لے رہا تھا۔ ہم ایک مکان کی ممٹی پر جا کر ٹھیرے۔ دس بج چکے تھے ابر گھرا ہوا تھا۔ اور ایک کنواری لڑکی خاموش بیٹھی تھی۔ دفعتاً اسکی ماں نے باواز بلند کہا بیٹی تھوڑی سی دیر بھائی کو بہلا لو۔ کہ میں شام سے پھرتے پھرتے تھک گئی۔ یہ آواز تین دفعہ ہمارے کان میں آئی مگر لڑکی کے کان پر جوں نہ چلی۔ البتہ تیسری دفعہ اسکے یہ الفاظ سنائی دئے۔ کہ میں تم سے زیادہ تھک رہی ہوں۔ مجھے نیند آئی ہے اور میں سوتی ہوں۔

مجھے اسوقت اپنا میکا یاد آیا۔ اور میں یہ کہہ کر وہاں سے اڑ گئی کہ یقیناً ایسے انسان سے تو ہم جانور بہت بہتر ہیں۔ کہ آجتک سرزمین حیدرآباد کا نام مجھے خون کے آنسو رلوا دیتا ہے ✤

("سہیلی")

زمیندار اور خطیب سے

ہم کو شکایت ہے

کہ ان معزز ہمعصروں نے ہماری ایک نظم "دُشمن او جہاززان" عنوان بدلکر بلا اجازت اور بلا حوالہ نقل کرلی ہے۔ یہ نظم حضرت سیماب اکبرآبادی سے معاوضہ دیکر خاص اسوۂ حسنہ کے لیئے حاصل کی گئی تھی۔ اور چونکہ ہم اسکو کتابی صورت میں بھی شائع کرنا چاہتے تھے۔ اسلیئے نظم کے نیچے ہم نے واضح طور پر چھپوادیا تھا کہ اسکے جملہ حقوق بحق اسوۂ حسنہ محفوظ ہیں۔ مگر ہر دو معاصرین میں سے کسی نے اسکا خیال نہیں کیا۔ جسکا ہم کو افسوس ہے۔ حق معاصرت سے یہ ناجائز فائدہ سب سے پہلے زمیندار نے اٹھایا۔ اسکے بعد صحیفہ بجنور نے اور خطیب نے صحیفہ کو ہم معذور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اسکے دفتر میں اسوۂ حسنہ نہیں پہونچتا لیکن زمیندار اور خطیب کا یہ فعل اخلاقی اور قانونی عدالت میں گرفت سے نہیں بچ سکتا اور چونکہ زمیندار نے سبقت کی ہے اسلیئے اُسپر زیادہ الزام ہے۔ معزز خطیب سے ہمارے تعلقات محض معاصرانہ ہی نہیں بلکہ دوستانہ بھی ہیں۔ اور جو لوگ اسوۂ حسنہ اور خطیب کو غور سے پڑھتے رہے ہیں وہ جانتے ہیں۔ یا جان سکتے ہیں کہ خطیب کا ایڈیٹوریل سٹاف اسوۂ حسنہ کا کس قدر گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے کیونکہ کوئی معنوی جدت اسوۂ حسنہ کے اوراق میں ایسی نہیں ہوتی جسکا کبھی نہ کبھی خطیب میں چربہ نہ اتار لیا جاتا ہو۔ اسلیئے ہم ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ یقین نہیں کرسکتے کہ خطیب نے منقولہ نظم کے نیچے صحیفہ کا معدوم نما حوالہ اس بنا پر دیا تھا۔ کہ اُسکو منقولہ نظم کے اسوۂ حسنہ میں سب سے پہلے چھپنے کا علم نہیں تھا نہیں علم تھا۔ اور ضرور تھا۔ مگر اوس نے کسی وجہ سے اسوۂ حسنہ کو اس ملت فائدہ پہنچانا مناسب نہیں سمجھا۔ اِس سے پہلے بھی اسوۂ حسنہ کے مضامین اُسی معدوم نما حوالہ کے ساتھ آجکل خفت اور شرمندگی کے اندیشہ سے محض رسمی طور پر دیدیا جاتا ہے۔ خطیب اور دیگر اخبارات کے اوراق میں نقل کئے گئے ہیں لیکن ایسی زیادتی شاید کسی مضمون کے ساتھ نہیں ہوئی جیسی کہ نظم "دُشمن او جہاززان" کے ساتھ ہوئی ہے۔ اگر فرصت ملی تو انشاء اللہ آیندہ ہم کسیقدر تفصیل کے ساتھ اسپر بحث کرینگے کہ نقل مضامین کی معاصرین کو کس حد تک اور کن شرائط کے ساتھ اخلاقی اور قانوناً اجازت ہوسکتی ہے۔ تاکہ جو لوگ بلا حوالہ اور بلا اجازت مضامین نقل کرلینے کے عادی ہیں۔ وہ اپنی اخلاقی غلطی پر متنبہ اور قانونی باداش سے خائف ہوں +

اسوۂ حسنہ کی مدد آپ کن کن طریقوں سے کرسکتے ہیں

جو حضرات اسوۂ حسنہ کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اسکی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ان کے سامنے ہم وہ وسایل و ذرائع پیش کرتے ہیں۔ جن سے زندہ اور متمدن قومیں اپنے قومی اخبارات و رسایل کی امداد و اعانت کرتی ہیں۔ انہی وسایل و ذرایع سے ہندوستان میں بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ رضا کاروں کی ایک معقول تعداد اس طرف متوجہ ہو جائے +

(۱) رسالہ خود خریدکر +

(۲) اعزا و احبا اور متوسلین کو خریدار بناکر۔

(۳) مریدوں شاگردوں معتقدوں اور دوستوں کے نام ایک کھلا خط لکھکر کہ اسوۂ حسنہ ایسا رسالہ ہے۔ اور مسلمانوں کی ایسی خدمت کر رہا ہے۔ لہذا اسکو خریدنا چاہیئے (یہ خط قلمی ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ ہم اسکی نقلیں نمونوں کے ساتھ روانہ کردیا کرینگے)۔

(۴) علمی مجالس اور خطب و مواعظ میں اسوۂ حسنہ کی قومی خدمات کا تذکرہ کرکے۔

(۵) غیر مستطیع اصحاب کے نام رسالہ رعایتی قیمت میں جاری کراکر۔

(۶) اپنے شہر کے کتب فروشوں یا دیگر متلاشیان ملازمت و روزگار کو اس بات پر آمادہ کرکے کہ ہر مہینہ اسوۂ حسنہ کی دس میں کاپیاں منگاکر متفرق طور پر کمیشن پر فروخت کریں۔ اور نفع اٹھائیں +

(۷) ہر قسم کے تاجروں کو اس امر کی ترغیب دیکر کہ وہ اپنے اشتہارات اسوۂ حسنہ میں بھی چھپوائیں۔ کیونکہ یہ رسالہ کثیر الاشاعت اور مقبول و ہر دلعزیز ہے۔ اور اشتہارات کی اجرت طبع و اشاعت بھی بہت کم لیتا ہے۔

(۸) جن چیزوں کا اشتہار اسوۂ حسنہ میں شائع ہو انکی فرمایشوں میں اسوۂ حسنہ کا حوالہ دیکر۔ تاکہ تاجروں کو اسوۂ حسنہ میں اشتہار دینے کا نفع بین طور پر معلوم ہو۔

(۹) ملک کے مشہور و معروف اور ذی علم مضمون نگاروں کو اسوۂ حسنہ کے لیے مضامین لکھنے پر آمادہ کرکے۔

(۱۰) اِس امر کا اعلان کرکے کہ فلاں موضوع یا فلاں عنوان پر اسوۂ حسنہ کی فلاں ایک جلد میں جس قدر مضامین چھپیں گے۔ ان میں جو مضمون سب سے بہتر ہوگا اس کے لکھنے والے کو اتنا انعام دیا جائے گا (یہ طریقہ نہایت مفید ہے اور متمدن ممالک نے اِس سے بہت فایدہ اٹھایا ہے) موضوع و عنوان کے انتخاب میں رسالے کے مقاصد کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے +

ترجمۂ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کیلئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے۔ بیشک ایسی کوئی ... ایران، ترکستان، افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں ہے کہ ذی علم ہو اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتا۔ چین کے مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں صرف آجکل ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسی ضرورت کا لحاظ کرکے علامہ **ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی** نے جن کی جملہ تصنیفات کی فہرست ... صفحہ پر درج ہے پہلے قرآن مجید ایک بامحاورہ اردو ترجمہ عبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شائع کر دی ہے اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جسکی سرخیاں حسب ذیل ہیں:-

(۱) ترجمہ کرنیکا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا؟ (۲) ترجمہ قرآن کی صورت زمانہ وسطی اور زمانہ اخیر میں (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت اور آنحضرت محمدؐ (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) قرأت قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) متشابہ احکام قرآن میں نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) تکرار قصص قرآن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن جن پر صرف یورپ کے مہذب لوگوں کا عملدرآمد ہے (۲۸) برکات اسلام کیلئے الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۹) معجزات (۳۰) مؤلف کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے۔

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی گئی ہے اور جتنے مسائل شرعی قرآن سے نکلتے ہیں انکا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف قرأت سے علماء حنفی المذہب اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہو گئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے اور ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا علماء حنفی المذہب جو باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ زیریں میں سب کا بیان ہے تاکہ ترجمہ کل مذاہب کیلئے یکساں مفید ہو لیکن متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہو کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کرکے نہایت صحت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور با اعتبار مفہوم اور با اعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ ہے۔ بجا ہے یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول ۱۸۹۲ء میں اسکا پہلا پارہ کا ترجمہ شائع کیا تھا اسکے چار برس کے بعد ۱۸۹۶ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا تھا پھر اسکے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ ناظرین بالمال ترجمہ کو دیکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ یہی کہینگے کہ دیر آمد درست آمد۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بلا دیر ہی طلب فرمائیں۔ اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ ترجمہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کے ہاتھوں میں پہنچے اشتہار کا باعث ہو۔ یہ واضح رہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر جس کے لئے علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے۔

ہدیہ قیمت فی جلد مذہب تین روپیہ (نوٹ) جہاں سینکڑوں ہزاروں روپیہ ... ہوتے ہیں ترجمہ قرآن کے سمجھنے پر خرچ ... کیا جاتا ہے۔

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید [illegible]	اردو	مذہب اسلام	۱۰۲۰	۔	۔	مجلد
۲	تاریخ الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۳	الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	[illegible]	[illegible]	مجلد [illegible]
۴	ناموس	اردو	مذہب اسلام	۱۸۸	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۵	[illegible]	اردو	[illegible]	۸۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۶	محسنۃ الاوائل	اردو	[illegible]	۲۰	[illegible]	[illegible]	۔
۷	گلستر سخن	[illegible]	شاعری	۵۰۰	[illegible]	[illegible]	۔
۸	زبان اردو	اردو	[illegible]	۳۲	۲	۲	۔
۹	[illegible]	انگریزی	۔	۱۸	۲	۲	۔
۱۰	[illegible]	۔	۔	۳۲	[illegible]	۲	۔

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱۱	[illegible]	اردو	قانون	[illegible]	[illegible]	[illegible]	مجلد
۱۲	[illegible]	انگریزی	۔	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۔
۱۳	[illegible]	۔	۔	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۔
۱۴	[illegible]	۔	۔	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۔

المشتہر عبد الواحد خان منیجر قاضی اینڈ کمپنی گورکھپور

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ



اُسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت معاشرت کا روحانی خطیب اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج مسلمان مردوں کا رہبر عورتوں کا معلم بچوں کا اتالیق مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ۔ ہر شمسی مہینہ کے آخری ہفتہ میں شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہِ صفا ✦ تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ✦ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک
قسم اول ۲ ✦ قسم دوم ۱
قیمت فی پرچہ ۳ ۲

محمد انوار ہاشمی ایڈیٹر و پبلشر نے [illegible] پریس [illegible] میرٹھ میں چھپوا کر شائع کیا

[illegible] نمبر ۷۶۰

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان واقعی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔ قرآن پاک اسلام کی صحیح تعلیم اور احکام پر عمل کریں۔ خوف خدا اور عظمت رسول کو معاشرت و تمدن میں اپنا رہنما بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کریں۔ تعصب کورانہ تقلید سے اپنے تئیں پاک و صاف رکھیں۔ غیر مسلم اقوام کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کے چھوڑنے کو معیوب نہ سمجھیں۔ ہر ایک کام میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کے مسلک پر آجائیں۔ دولت۔ وقت اور قوت جیسی بیش بہا نعمتوں کو بیدردی سے نہ لٹائیں۔ تکفیر کے فتووں سے اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل کریں خانہ جنگیوں۔ نااتفاقیوں۔ اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں۔ اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتفاق و اتحاد اور ہمدردی و خلوص کے آہنی حصار سے مستحکم و محفوظ کریں عیش پسندی۔ کاہلی۔ اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں۔ محنتی۔ جفاکش۔ اولوالعزم۔ مآل اندیش۔ مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالنا اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی۔ صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف پوری توجہ کریں مشیخت۔ غرور اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اپنے تئیں تمام دنیا سے زیادہ نالائق اور سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری۔ عیاشی۔ نمود و نمائش۔ فیشن پرستی۔ مقدمہ بازی۔ سینما۔ خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینوں اور عزلت گزینوں کے راہبانہ رویہ کو خلاف سنت تصور کریں۔ اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی نذریں بند کر کے اُن سے مفت خوری کی عادت چھڑوائیں۔ ایسے مولویوں۔ ایسے صوفیوں۔ ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض ملت فروش۔ اور نام نہاد خیر خواہ لیڈروں کے پھندے میں پھنس کر سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو اُن تمام اوصاف و محامد سے متصف کریں جو ایک **اصلح** انسان میں ہونے چاہییں۔ تا زمین کی وراثت کے مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

خریداروں اور مضمون نگاروں کے لیے ضروری ہدایتیں

(۱) اسوۂ حسنہ دو قسم کے کاغذ پر چھپتا ہے قسم اول کا چندہ سالانہ [illegible] ہے اور قسم دوم کا [illegible] جو بہرحال پیشگی آنا چاہیے۔ (۲) جن حضرات کے پاس رسالہ نمونۃً پہنچے انہیں براہ کرم اپنے ارادۂ خریداری۔ عدم خریداری سے بواپسی ڈاک دفتر کو مطلع کر دینا چاہیے (۳) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو ضرور شائع ہو جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیے۔ ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے ایک پرچہ کی قیمت [illegible] ہے (۴) چندہ کی میعاد ختم ہو جانے پر اگر خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع موصول نہ ہوئی تو ہم وی۔ پی بھیجکر آئندہ سال کے لیے چندہ وصول کر لینے کے مجاز ہوں گے (۵) خط و کتابت میں نام و پتہ نہایت صاف مفصل اور واضح لکھنا چاہیے۔ نمبر خریداری کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہیے **قلمی معاونین** کو مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔ (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں (۳) آیات کے لیے سورت اور رکوع اور احادیث کے لیے مستند کتب حدیث کا حوالہ ضرور دیں (۴) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری۔ بے نتیجہ یا غیر محققانہ ہوں۔ یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحۃً یا کنایۃً منافی ہوں یا جن میں لفاظی اور تخیل زیادہ اور مفید اصلاحی مطالب کم ہوں یا جن میں مناظرہ اور تردید کا رنگ غالب ہو (۵) جو مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کے لیے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے مسودہ میں اسکی تصریح کر دینی چاہیے۔ ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری اخلاقاً و قانوناً انہی پر عاید ہوگی (۶) مضمون لکھنے سے پہلے رسالہ کے اغراض و مقاصد معلوم کر لیں ۔

(منیجر)

درویش جنتری

درویش جنتری ۱۳۴۳ ہجری نہایت آب و تاب کے ساتھ عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ جو حضرات صوفیائے کرام اور خاندان کے مریدین و متوسلین اور عام مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر نہایت خوش اسلوبی اور احتیاط سے مرتب کی گئی ہے اور کئی امور میں جو اپنے مخصوص رنگ کے اعتبار سے تمام مروجہ جنتریوں سے بہت ممتاز ہیں۔ **مزارات** اولیا و بزرگان دین اور اولیائے کرام کے عرس کی تاریخیں **پنجگانہ** نماز اور سحر و افطار کے صحیح اوقات۔ **مشہور و معروف** واقعات کی یادگار تاریخیں **تاریخ** اسلام کے عہد بعہد قریبا شاندار واقعات **ہر اسلامی** مہینے کے متعلق نہایت ضروری اور واجب العمل ہدایتیں۔ **اوراد** و اعمال و اشغال **سلوک** و تصوف کے متعلق۔ **اولیاء اللہ** کے متبرک اقوال و ملفوظات۔ **بعض** خاصان خدا کے سبق آموز اور دلسوز حالات۔ **اصلاحی** مواعظ **نفقتی** مسائل **نہایت** عبرت انگیز و دلکش مضامین۔ **دنیاوی** امور کے متعلق کارآمد معلومات **موجودہ مشائخ** و علماء کی فہرست۔ **دیوان** حافظ و مثنوی مولانا روم سے فال دیکھنے کی ترکیب **صحابہ** کی حکایتیں۔ **مذہبی** اور اصلاحی ظرافت۔ الغرض اسی قسم کی اور بہت سی قیمتی معلومات ہیں جو جنتری **درویش** جنتری کے پہلو اور پہلو بہت کم جنتریوں میں پائی جائیں گی۔ **علاوہ ازیں** ہندوستان بھر میں صرف درویش جنتری ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ **مصور فطرت حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی** صاحب کی سرپرستی میں شائع ہوتی ہے۔ جن کی مستانہ تحریر یعنی دردو اور دلسوز انشا پردازی کے نتیجے نقوش مرتسم ہوتے ہیں۔ اور جنکی صوفیانہ واقفیت، اصلاحی دلچسپی اور ضروریات زمانہ سے باخبری دلیل ثبوت سے مستغنی ہے۔ **اسلئے اسوۂ حسنہ** کے ہر متبع کا فرض ہے کہ وہ درویش جنتری جیسی قیمتی اور مفید چیز سے نہ صرف خود نفع اٹھائے بلکہ کوشش کرے کہ اسلامی دنیا میں اس کی اشاعت عام ہو۔ ہر مسلمان کے گھر میں جسکو ذرا بھی مذہب و روحانیت سے مس ہے اس بے مثل جنتری کا کم از کم ایک نسخہ ضرور پہنچ جائے +

نفع عام کی غرض سے درویش جنتری کی قیمت بہت کم رکھی گئی ہے جو مرطرح پر اور جنتریوں کی ہے۔ **یعنی قسم دوم کی قیمت صرف ۲ر قسم اول کی قیمت صرف ۴ر** (قسم اول و دوم جنتریوں میں صرف کاغذ اور چھپائی کا فرق ہے۔ مضامین ایک ہی ہیں) +

تاجروں کے لئے خاص رعایت

شرح قیمت رعایتی قسم اول

۵	جنتریوں کی قیمت	ایک روپیہ ۱۰ر
۱۲	″ ″	دو روپے چار آنہ ۲؍۴
۲۵	″ ″	چار روپے ۴

شرح قیمت رعایتی قسم دوم

۱۰	جنتریوں کی قیمت	ایک روپیہ ۱۰ر
۲۴	″ ″	دو روپے چار آنہ ۲؍۴
۵۰	″ ″	چار روپے ۴

محصول ڈاک یا محصول ریل خریدار کے ذمہ ہوگا۔ قسم دوم کی جنتری کا صرف ایک نسخہ وی پی نہیں بھیجا جائے گا۔ اسکے لئے تین آنہ کا ٹکٹ آنے چاہئیں جسب ذیل پتہ سے طلب کیجئے اور اپنا نام و پتہ نہایت صاف اور خوشخط لکھئے۔ جو تاجر صاحبان درویش جنتری بغرض فروخت خرید فرمائیں گے ان کے پاس جنتری کے بڑے اشتہارات بھی دوکان پر لٹکانے اور دیواروں پر چسپاں کرنے کی غرض سے بھیجے جائینگے جن سے جنتری کی فروخت میں انکو بہت مدد ملے گی +

المشتہر مینجر درویش جنتری و مدیر مکتبہ قادریہ سعید منزل شہر میرٹھ محلہ بنجاتہ ملکہ

اسوۂ حسنہ کی مدد آپ کن کن طریقوں سے کر سکتے ہیں

جو حضرات اسوۂ حسنہ کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اسکی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ان کے سامنے ہم وہ وسائل و ذرائع پیش کرتے ہیں جن سے زندہ اور متمدن قومیں اپنے قومی اخبارات و رسایل کی امداد و اعانت کرتی ہیں ان ہی وسایل و ذرائع سے ہندوستان میں بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ خریداروں کی ایک معقول تعداد اسطرف متوجہ ہو جائے +

(۱) رسالہ خود خرید کر +

(۲) اعزا و احباب اور متوسلین کو خریدار بنا کر +

(۳) مریدوں۔ شاگردوں۔ معتقدوں اور دوستوں کے نام ایک کھلا خط لکھکر کہ اسوۂ حسنہ ایسا رسالہ ہے اور مسلمانوں کی ایسی خدمات کر رہا ہے لہذا اسکو خریدنا چاہیئے۔ (یہ خط قلمی ہمارے پاس بھیجدیجئے۔ ہم اسکی نقلیں نمونوں کے ساتھ روانہ کروا دیا کرینگے) +

(۴) علمی مجالس و خطب و مواعظ میں اسوۂ حسنہ کی قومی خدمات کا تذکرہ کرکے +

(۵) غیر مستطیع صاحبوں کے نام رسالہ رعایتی قیمت میں جاری کرا کر +

(۶) اپنے شہر کے کتب فروشوں یا دیگر متلاشیان ملازمت دوزگار کو اسبات پر آمادہ کرکے کہ ہر مہینے اسوۂ حسنہ کی [illegible] کا بیان نکا کر متفرق طور پر کمیشن پر فروخت کریں۔ اور نفع اٹھائیں +

(۷) ہر قسم کے تاجروں کو اس امر کی ترغیب دیکر وہ اپنے اشتہارات اسوۂ حسنہ میں بھی چھپوائیں کیونکہ یہ رسالہ کثیر الاشاعت [illegible] اور اشتہارات کی اجرت طبع و اشاعت [illegible] کم لیتا ہے +

(۸) جن چیزوں کا اشتہار اسوۂ حسنہ میں شائع ہوا انکی فرمایشوں میں اسوۂ حسنہ کا حوالہ دیکر تاکہ تاجروں کو اسوۂ حسنہ میں اشتہار دینے کا نفع بین طور پر معلوم ہو۔

(۹) ملک کے مشہور و معروف اور ذی علم مضمون نگاروں کو اسوۂ حسنہ کے لیئے مضامین لکھنے پر آمادہ کرکے +

(۱۰) اس امر کا اعلان کرکے کہ فلاں موضوع یا فلاں عنوان پر اسوۂ حسنہ کی فلاں ایک جلد میں جس قدر مضامین چھپیں گے۔ ان میں جو مضمون سب سے بہتر ہوگا۔ اسکے لکھنے والے کو اتنا انعام دیا جائیگا (یہ طریقہ نہایت مفید ہے اور متمدن ممالک نے اس سے بہت فایدہ اٹھایا ہے) موضوع و عنوان کے انتخاب میں رسالہ کے مقاصد کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے +

رسالہ اسوۂ حسنہ بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء مطابق ۲۲ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ لغایت ۲۲ صفر ۱۳۳۴ھ

جلد ۳ | فہرست مضامین | نمبر ۵

معارف القرآن

تعلیم الاسلام

لطایف الحدیث

اصلاح الاخلاق والاعمال

علم و ادب

بصارت و بصیرت

حکمت و موعظت

القصص

معاملہ کی بات

جن حضرات کا سال خریداری اس پرچہ کے پہنچنے پر ختم ہو جائیگا اگر وہ آئندہ سال کیلئے خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ تو براہ کرم مبلغ ... بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں ... تک سال آئندہ کی قیمت وصول نہ ہوئی۔ اور کوئی انکاری اطلاع بھی دفتر میں نہ پہنچی تو ضابطہ دفتر کے بموجب جنوری کا رسالہ وی۔ پی ... سالانہ قیمت ... قسم دوم کے خریداروں ... قسم اول کے خریداروں سے وصول کر لیجائیگی۔ اگر آپ کسی مجبوری سے آئندہ سال کے لیئے رسالہ نہیں خرید سکتے تو براہی ڈاک ایک کارڈ لکھ کر ہم کو مطلع کر دیجئے کہ آئندہ آپکے نام اسوۂ حسنہ نہ بھیجا جائے ایک پیسہ کا کارڈ لکھ دینے میں آپکا اتنا نقصان نہیں ہوگا جتنا کہ وی پی کے واپس کر دینے سے ہم کو تکلیف اور زیر باری ہوگی ہمارا آپکا تعلق ... امید ہے کہ آپ اس تعلق کا خیال رکھیں گے ... پہونچائیں گے۔

(مینیجر)

انعامی اعلان

اسوۂ حسنہ کی جلد رواں میں "معیار تقدس" کے موضوع پر جسقدر مضامین شائع ہوں گے ان میں جو مضمون مجموعی حیثیت سے بہترین سمجھا جائیگا۔ اسکے قابل مصنف کی خدمت میں مبلغ ... روپے نذر کئے جائیں گے۔ مضمون میں خصوصیت کیساتھ ذیل امور پر بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) قرآن وحدیث میں تقدس کا معیار کیا قرار دیا گیا ہے ... معیار ... مختلف قوموں ... میں تقدس معیار ...

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کیا ... ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ... ان کو ہلاک کر دیا ... پھر ہم نے ان کے بعد تم کو زمین میں جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو

اُسوۂ حسنہ

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(قرآن بڑی) برکت والی کتاب ہے، جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے (اس کے مطالب) نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

زکوٰۃ یا اسلامی خیرات وصدقات

زکوٰۃ کا چھٹا مصرف

فِی سَبِیْلِ اللہ زکوٰۃ کا چھٹا مصرف ہے۔ دینی کاموں کو جو قوم کی ضروریات اور مصلحت وقت کے مطابق ہوں۔ اور جن سے ملت و اہل ملت کی تقویت ہو۔ اور اسکی عزت وعظمت بڑھے۔ سبیل اللہ اور جہاد کہتے ہیں۔ اور ان کاموں کو بھی جو اس نقصان کے دفعیہ کے لیے کئے جائیں۔ جو کسی طرف سے ملت و اہل ملت کو پہنچتا ہو پس جہاد وہ بھی ہے جو ایک طرف قوم کی تقویت کے کام کرتے ہوں۔ اور دوسری طرف دفع اعدا کے لیے کمربستہ اور مستعد ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہو سکتی۔ جسکو اندرونی و بیرونی دشمنوں کا سامنا نہ ہو۔ پس جو لوگ ایسی نازک حالت میں قوم کی عزت رکھنے اور اس کا دل بالا کرنے کے لیے دل و جان سے کوشاں ہوں۔ قوم کا بھی فرض ہے کہ انکی مدد کرے۔ جہاد لفظ جہد، سے ہے جسکے معنی محنت تعب و مشقت۔ اور کسی کام کے لیے سخت تکلیف برداشت کرنے کے ہیں۔ اسلام کا مقصد اصلی دنیا میں قیام حق وصداقت اور دفع باطل وضلالت ہے۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام سب سے زیادہ امداد کا مستحق ہے۔ اسکے علاوہ باقی تمام ضروریات دینی بھی اسمیں شامل ہو سکتی ہیں مثلاً نہایت صحیح و خوشخط قرآن کریم اعلیٰ کاغذ پر چھپوائے جائیں۔ قرآن مجید کا ایک مدرسہ ہو جس میں نابینا بالخصوص اگر قرآن مجید یاد کریں۔ حدیث کی کتابیں صحیح صحیح چھپوائی جائیں انکی اشاعت ہو۔ آئمہ مساجد نیک بہم پہنچائے جائیں۔ مؤذن بہت صالح اور باعمل و اعلیٰ ہوں۔ جہاد کی تعریف یہ ہے کہ:۔

استفراغ الوسع فی مدافعة العدو ظاهرًا و باطنًا (مفردات امام راغب اصفہانی) دشمن کے حملے کی مدافعت میں اپنی پوری طاقت اور قوت سے کوشش کرنا خواہ دشمن ظاہری اللہ آمد ہو مثلاً اعدائے دین وملت یا باطنی جیسے نفس وحظ شیطان "

متعدد احادیث میں بھی حکم جہاد کی تشریح کی گئی ہے اور قلب وضمیر کی ان تمام کوششوں کو جو نفس و شیطان کے مقابلہ میں کیجائیں جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا گیا ہے کہ:۔ جاهدوا اهواءكم كما تجاهدون اعدائكم اپنے ہوائے نفس کے مقابلہ میں

بھی ویسا ہی جہاد کرو۔ جیسا کہ ظاہری دشمنوں کے مقابلہ میں ہتھیاروں سے جہاد کرتے ہو اور فی الحقیقت یہی جہاد اکبر ہے۔

ایک دوسری حدیث میں جسکو نسائی اور ابوداؤد نے حضرت انس ؓ سے روایت کیا ہے زیادہ توضیح فرمائی گئی ہے کہ

جاھدوا المشرکین بانفسکم — باطل پرستوں کے مقابلہ میں اپنی جان، اپنے

واموالکم و السنتکم۔ — مال اور اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کرو۔

یعنی فرض جہاد کبھی حرب و قتال کی صورت میں، کبھی اعلائے کلمۃ الحق کے لیے مال لٹانے کی صورت میں اور کبھی زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی شکل میں انجام پاتا ہے۔

اسی لیے علمائے محققین کے نزدیک مجاہدین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ قوم کے لیے اور اسکی طرف سے دشمنوں سے لڑتے ہیں۔ اور دوسرے وہ کہ جو قوم کو اندرونی کمزوریوں اور لغزشوں سے روک کر ہر وقت اسکی اصلاح اور ترقی کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔ پہلے فرقہ کو سپاہ کہنا چاہیئے اور دوسرے فرقہ کو اہل علم۔ جو قومی و ملی ہر قسم کے امور کا پورا علم رکھتے ہوں۔ تاکہ ملی اور قومی مصالح سے واقف ہوکر انکی تکمیل کی راہیں بتائیں اور اپنے اثر سے ان کی تکمیل پر بھی قوم کو آمادہ کرسکیں خود آگے بڑھیں۔ اور قوم کو ساتھ لیں۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ جو قوم ان دو ارکان اولیہ کو مہمل چھوڑ دے۔ انکی ہستی نیستی ہے۔ اور وہ دنیا میں ہرگز کسی عزت و حرمت کی مستحق نہیں ہوسکتی۔ اور جب اسکی ہستی ہی معرض زوال و نیستی میں ہے۔ تو پھر اوس کا تمدن ہی کیا ہو سکتا ہے ✦

پس تعلیم جہاد کی بنیاد ایسے حکیمانہ انداز اور قومی فوائد پر اسلام نے رکھی ہے کہ جس سے بڑھ کر بہتر اور عمدہ تجویز آج تک نہ دنیا کو سوجھی ہے اور نہ آیندہ سوجھنے کی امید ہے وہ قومیں جو اسلامی جہاد پر معترض ہوتی ہیں۔ ان کا طرز عمل خود اسبات کے لیے کافی شہادت ہے کہ جہاد انسانی فطرت میں داخل ہے۔ کوئی قوم جب تک جہاد کی حقیقت کو نہیں سمجھتی۔ دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور نہ زبردست قومیں اور جماعتیں اسکو زندہ رہنے کا موقع دے سکتی ہیں ✦

تاریخ بتاتی ہے۔ کہ جب کبھی دو غیر مساوی قوموں میں جنگ ہوئی ہے۔ تو تمام قوانین وضعیہ ٹوٹ گئے ہیں۔ اور قوی قوم نے اپنے حریف کو زک دینے کے لیے جو وسائل مناسب معلوم ہوئے ہیں۔ اختیار کئے ہیں آجکل کی موجودہ عالمگیر جنگ نے ثابت کر دیا ہے کہ بقول حکیم (سولن) قانون تار عنکبوت ہے جو اپنے سے کمزور کو پھانس لیتا ہے۔ مگر اپنے سے قوی سے ٹوٹ جاتا ہے۔ پس اسلام سکھاتا ہے کہ لا حکم الا القوۃ اسلام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے آیا ہے۔ امر بالمعروف اور جہاد دونوں ایک ہی حکم کے دو نام ہیں۔ وہ سکھاتا ہے کہ ہر ممکن ذریعہ سے قوم کو مضبوط بنانے کی کوشش کرو۔ خواہ وہ بذریعہ سپاہ ہو یا مصلحان قوم و ملت۔ چنانچہ دیکھ لو کہ اس تمدن اور امن و امان کے عہد میں بھی سپاہ کو مدار حیات قومی اور پناہ قوم و سلطنت سمجھا جاتا ہے۔ جس قوم اور سلطنت کی فوج نہیں۔ نہ دنیا میں اسکی کچھ وقعت ہے اور نہ اس کا کچھ تمدن۔ اکثر متمدن سلطنت کروڑہا روپیہ اپنی فوجوں پر صرف کرتی ہے اور حوادثات ناگزیر کے مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ اسی طرح جو اندرونی طور پر ایجادات و ترقی علوم و فنون و صنائع سے قوم کی عزت بڑھاتے۔ اور اسکی ہستی کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قوم اور سلطنت اُن کی ہر وقت حوصلہ افزائی کرتی رہتی ہے۔ اور انکو اپنی ترقی اور کمال کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ چونکہ ان دونوں گروہوں کی حوصلہ افزائی اور ضروریات کی بہم رسانی کے بغیر قومیت اور قوم کے تمدن کا وجود محال ہے۔ خدا تعالیٰ نے انکو بھی ایک مصرف زکوٰۃ مقرر کیا۔ کیونکہ مسلمانوں کے یہاں از روئے شریعت اسلامی کے مسلمانوں کا جو کچھ باج و خراج ہے اُسکا بڑا حصہ زکوٰۃ ہی ہے۔ لہٰذا تمام مصالح کا سرانجام بھی اُس سے ہونا چاہیئے۔

پس ہر وہ کوشش جو قوم و ملت کے لیے ہو جسمیں اعلائے کلمۃ اللہ مقصود ہو ہر وہ مال جو سچائی اور نیکی کی خاطر خرچ ہو۔ ہر وہ محنت و مشقت جو صداقت کے نام پر ہو۔ ہر وہ تکلیف و مصیبت جو اپنے جسم و جان پر راہ حق میں برداشت کی جائے۔ ہر وہ قید خانہ کی زنجیر اور بیڑی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے پاؤں میں پڑے۔ ہر وہ پھانسی کا تختہ جس پر جمال حق و صداقت کا عشق بچا کر کھڑا کرے غرضکہ ہر قربانی جو بذریعہ جان، مال اور زبان و قلم کے سچائی اور حق کی راہ میں کیجائے جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اور یہ سب جہاد میں داخل۔ خدا تعالیٰ نے فی سبیل اللہ کے مختصر اور جامع لفظ میں ضروریات جہاد کو اسطرح بیان کیا ہے۔ کہ ہر زمانہ میں جو مقتضائے وقت ہوں۔ انہی میں زکوٰۃ صرف کی جائے۔ تاکہ مجاہد قابل جہاد اور ملی و قومی عزت کی نگہداشت پر تیار رہ سکیں۔ غرضکہ قوم و ملت کی حفاظت اور ازدیاد شوکت و عظمت کے لیے جو تدابیر ہو سکتی ہیں۔ ان سب کی تکمیل مصارف زکوٰۃ میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ امور قوم اور اس کے تمدن کے قیام و توسیع کے لیے کیسے ضروری ہیں۔ یہی ضرورت داعی ہوئی کہ اسلام نے مسلمانوں کو زکوٰۃ سے جو گویا اُن کا قومی خرچ ہے ان سب کی تکمیل کا حکم دیا۔ اور اسطرح سے قومی بنیاد کو مستحکم کر دیا۔

اسلام میں قومی بنیاد کو مستحکم اور مضبوط کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔ قوم کے لحاظ سے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ قومی تحفظ سے مراد قوم کا قیام و بقا ہے۔ ہر ایک فرد قوم کا فرض ہے کہ قوم کے قیام و بقا کے لیے جو ممکن کوشش ہوسکے۔ اُس سے دریغ نہ کرے۔ قوم کی ترقی اور قوم کی فلاح۔ قوم کے قیام اور قوم کی بقا کی تجاویز کو سوچنا اور انکو عمل میں لانا عبادت ہے۔ ہماری ذاتی

قابلیتیں اور جوہر صرف اسی صورت میں قابل عزت اور قابل لحاظ ہیں۔ کہ وہ ہر ایک پہلو سے قومی ترقی۔ قومی قیام اور قومی نشوونما میں مددگار ہوں۔ ہر ایک فرد قوم خواہ وہ دینی یا دنیوی حیثیت سے کیسا ہی ذی وجاہت کیوں نہ ہو۔ قومی عمارت کی تعمیر میں محض ایک کاریگر یا مزدور کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم سب کو اپنی اس حیثیت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

ہم مسلمانان ہندوستان چونکہ برٹش حکومت کی حفاظت میں ہیں۔ ہر قسم کی مذہبی آزادی ہم کو حاصل ہے اور اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اپنی ملی و قومی حیات کے قائم رکھنے کیلئے خود اپنی فوج و سپاہ رکھیں تاکہ وہ ہمیں دشمنوں سے بچائے۔ اسلیئے زکوٰۃ میں سے اس مد کی رقم ہم مسلمانوں کو اپنے اندرونی جہاد یعنی ہر قسم کی ترقی حاصل کرنے کے وسائل و اسباب میں صرف کرنی چاہیئے۔ تعلیم اور اسلام کی اشاعت اور ایسے ہی مفید کام جو ملت و اہل ملت کے حق میں نفع رساں اور ان کی عزت قائم رکھنے والے اور عظمت بڑھانے والے ہوں۔ اس مد کی رقم کا بہترین مصرف ہیں۔ اور خوش نصیبی سے ہم کو زکوٰۃ کی اس مفید مد سے فائدہ اٹھانے کا ایسا عمدہ موقع ملا ہے کہ اس سے بہتر وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ کاش مسلمان خصوصاً دولت مند جاگیں۔ اور اپنے قابل ادا فرض کو پہچانیں۔ اور اسے پورا کریں +

(خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ)

صبر اور نماز

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (پ۲ س بقرہ۔ ع ۱۹) قرآن کریم میں یہ حکم دو مقام پر آیا ہے۔ کہ صبر (شکیبائی) اور نماز کے ذریعہ مشکلات میں مدد مانگا کرو یعنی ان چیزوں سے تم کو اعانت ملے گی۔ تمہاری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ مہمات امور میں تم کو انہیں سے رجوع کرنا چاہیئے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت حدیث پاک میں آیا ہے کہ:۔

کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا حزبہ امر فزع الی الصلوٰۃ۔	جب کوئی مہم پیش آتی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کی جانب رجوع کرتے ؛

دوسری روایت میں ہے:۔

انھما ای الصبر و الصلوٰۃ معونتان علی رحمۃ اللہ۔	صبر اور نماز یعنی یہ دونوں نزول رحمت الٰہی میں اعانت کیا کرتے ہیں ؛

جسطرح توکل کا مفہوم سمجھنے میں مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اسی طرح صبر کا مطلب اور مفہوم سمجھنے میں مسلمانوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ صبر کے معنے آجکل فقط یہ لیئے جاتے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے کوئی مصیبت آپڑے تو غم کا اظہار نہ کریں۔ نیز یہ کہ ذلتیں برداشت کریں اور چپ بیٹھے رہیں۔ پٹتے جائیں اور اف نہ کریں۔ اور چونکہ قرآن کریم میں صابروں کی تعریف کی گئی ہے۔ اسلیئے سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایسے ہی لوگوں کی تعریف ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کی رو سے وہ صبر اخلاق حسنہ میں داخل نہیں۔ جو صرف خاموش رہنے سے جزع فزع کے بعد اختیار کیا جائے۔ کیونکہ وہ ایک حالت ہے جو تھک جانے کے بعد یا کسی قوت کا مقابلہ نہ کرسکنے کی وجہ سے ضرورتاً ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی انسان کی طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ مصیبت کے ظاہر ہونے کے وقت یا تو بالکل خاموش ہو جاتا یا پہلے روتا چیختا سر پیٹتا ہے۔ آخر بہت سا بخار نکال کر جوش تھم جاتا ہے اور انتہا تک پہنچ کر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں ان کو حسن خلق سے کچھ تعلق نہیں۔ صبر کے یہ معنی نہیں کہ انسان کے پاس سے ایک چیز جاتی رہی اور وہ چپ ہو جائے۔ کہ نہیں ہے تو نہ ہی۔ بلکہ قرآن کریم میں صبر کا مفہوم یہ ہے کہ صحیح اصول پر کام کرنے میں جو دقتیں پیش آئیں ان کا برداشت کرنا اور کام کو جاری رکھنا۔ تنہا ہمارا اور دقتوں سے گھبرا کر کام نہ چھوڑ دینا۔ جو کامیابیوں کا گر ہے۔ اسی لیئے قرآن کریم سکھاتا ہے کہ مافات پر غم و اندوہ کرنا بے فائدہ اور بے سود ہے۔ انسان کو ہر ایک مشکل میں مستقل مزاج رہنا چاہیئے۔ اور کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ جو چیز جاتی رہی پھر اسکا نعم البدل مل سکے۔ اور جب تک بہترین صورت میں تلافی نہ ہوجائے سلسلہ سعی و تدبیر میں خلل نہ آنے پائے +

اسی طرح نماز سے بھی صرف ایک رسم کا پورا کر دینا مقصود نہیں ہے بلکہ خدائے پاک سے اپنے تعلقات کا تازہ کرنا اور تموّلات دنیوی سے کنارہ کش ہو کر نفس میں ایک اعلیٰ مقصود قدسی پیدا کرنا مدنظر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ یعنی اللہ کی یاد سے دلوں کو تسکین ہوجاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہی دو چیزیں انسان کی زندگی کو کامیاب بنا سکتی ہیں۔ اور یہی بنائے اسلام کی مدنظر ہے چنانچہ یہ مضمون مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے:۔

(۱) وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (پ۴ س آل عمران ع ۱۵)	مسلمانو! ان سب مصیبتوں پر اگر صبر کروگے اور اسکی نافرمانی سے بچتے رہوگے تو بیشک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہیں (کہ ہمت کی برکت سے انسان کامیاب ہوتا ہے)
(۲) قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ	پھر جب طالوت اور ایمان والے جو اسکے ساتھ تھے نہر کے پار ہوگئے۔ تو جن لوگوں

أَنَّهُم مُّلَاقُوا اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ (پ ۲ س بقرہ ۔ ع ۳۳)

نے طالوت کی نافرمانی کی تھی) کہنے لگے کہ ہم میں تو جالوت اور اسکے لشکر کے مقابلہ کرنے کا دم نہیں ہے۔ اسپر وہ لوگ جنکو یقین تھا کہ انکو خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے بول اٹھے۔ کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ اور جب طالوت اور انکی فوجوں کے مقابلہ میں آئے تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمپر صبر انڈیل دے اور معرکۂ جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ۔ اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح دے پھر اللہ کے حکم سے ان لوگوں نے دشمنوں کو بھگادیا۔ (اور فتح حاصل کرلی)۔"

(۳) وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ (پ ۴ س آل عمران ع ۴)

اور بہت سے پیغمبر ہوگزرے ہیں جن کے ساتھ ہوکر بہت سے اللہ والے لوگ دشمنوں سے لڑے تو جو مصیبت انکو اللہ کے رستے میں پہونچی۔ اسکی وجہ سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ بودا پن کیا۔ اور نہ دشمنوں کے آگے عاجزی کا اظہار کیا۔ اور (ایسے) صابروں کو دوست رکھتا ہے۔"

انہی معنوں میں قرآن کریم میں صابروں سے توقع کی جاتی ہے۔ کہ کم سے کم اپنے سے دُگنی طاقت پر وہ غالب رہینگے۔

(۴) فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (پ ۱۰ س انفال ع ۹)

تو اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے۔ تو دو سو (کافروں) پر غالب رہیں گے۔ اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار (کافروں) پر اللہ کے حکم سے غالب رہیں گے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ہمراہ ہے۔"

اِن آیات سے کس قدر صاف مذکورہ بالا معنے واضح ہوتے ہیں کہ صبر کا مفہوم وہ نہیں۔ کہ جو آجکل کے مسلمانوں نے سمجھ رکھا ہے۔ صبر کے اور بھی معنے قرآن پاک میں بیان فرمائے گئے ہیں مگر ان کا محل اور موقع اور ہے۔ مثلاً ایک تو مطلوب پر صبر کرنا۔ یعنی جس چیز کو دل چاہ رہا ہے اگر نہ ملے تو بے قرار نہ ہونا۔ یا مکروہات پر صبر کرنا پہلی صورت میں صبر کرنا نفس امارہ کی خواہشوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ تاکہ نفس قبیح لذتوں میں نہ پھنس جائے۔ اور دوسری صورت قوت غضبی کی تہذیب سے تعلق رکھتی ہے۔ اِن صورتوں میں انسان صبر سے کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے؟ اسطرح کہ جن قبیح

برائیاں ہیں وہ دو چیزوں کے نتائج ہیں۔ **شہوت** اور **غضب**۔ شہوت ہر قسم کی بدکاریوں کا سبب ہے۔ اور غضب خونریزی اور سفاکی کا۔ اسی بناپر خدائے پاک نے آدم کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں نے عرض کیا:۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ ۔

کیا تو ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو خونریزی اور فساد کرے گا۔"

تو جب انسان شہوت اور غضب کے روکنے پر قادر ہوگا۔ تو قوتِ عملی کی جس قدر خوبیاں ہیں وہ سب خود بخود اسکو حاصل ہونگی۔ پس صبر کے دوسرے معنے ثابت قدم رہنے اور معصیت سے بچنے کے ہیں۔ اور یہی استقلال اور ثابت قدمی کی جڑ ہے جبتک مسلمان اِن معانی اور حقایق سے واقف رہے۔ یہی دنیا میں فتحمند اور کامیاب رہے۔ جب سے انہوں نے ان سے منہ موڑا کامیابی اور فتحمندی ان سے اٹھ گئی۔

(خاکسار **محمد عظیم** عفا اللہ عنہ)

قناعت

جسطرح مسلمانوں نے توکل کے معنے سمجھنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ اسی طرح قناعت کا مفہوم سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے۔ قناعت بلاشبہ اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے اور مایوس دل کے واسطے آب رحمت ہے۔ اسی لیے قرآن پاک نے قناعت کی تلقین کی ہے انسانی طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ جو چیز غیروں کے پاس دیکھتا ہے۔ اور وہ اسکے پاس نہیں ہوتیں۔ تو اسکی حرص کرتا ہے اور حرص کے پورا کرنے کے لیئے اکثر ایسی باتیں کر گزرتا ہے۔ جو نہ کرنی چاہئیں۔ یا حرص و طمع کے جال میں پھنس کر ایک طرف سے جتنا حاصل کرتا ہے۔ دوسری طرف اس سے زیادہ کھو بیٹھتا ہے۔ اور خصوصاً اخلاق و روحانیت کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔ اسلام پاک اور قرآن کریم کی غرض چونکہ یہ ہے کہ آدمی عادل و حکیم عفیف و کریم ہو۔ اسلیئے اِس نے قناعت کا حکم دیا:۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ۔ (پ ۱۴ س حجر ۔ ع ۶)

(اے نبیؐ!) تم اپنی دونوں آنکھیں اُس (مال و دولت) کی طرف ہرگز نہ رکھو جس کے ساتھ ہم نے ان (کافروں) کی جماعتوں کو بہرہ مند کیا ہے۔ اور تم ان (کے حال) پر رنج نہ کرو۔"

اور یہی مضمون دوسرے مقام پر بھی ہے۔ بظاہر یہ خطاب تو حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ہے۔ مگر اور لوگوں کی تفہیم بھی اِس سے مقصود ہے۔ یہ حکم دے کر اُس حکیم حقیقی نے حرص و طمع کی بیماری کا علاج کیا۔ یہی قناعت کی حقیقت ہے اور بس نہ یہ کہ جو کچھ ہاتھ میں ہے اُسی پر بس کرکے سعی و کوشش کو ٹھوکر مار کر اور بیکار پڑا

ہا کرے۔

دیکھو حضرت عثمان ابن عفان۔ عبدالرحمٰن ابن عوف اور طلحہ (رضی اللہ عنہم) جیسے جلیل القدر اصحاب غنا و تمول کے باوجود کسب و عمل سے غافل نہ رہے۔ جو قرآن کریم کی حکمتوں اور حقیقتوں کے حقیقی وارث تھے۔ اور صرف انہیں پر کیا منحصر ہے جس مسلمان نے بھی اسلام اور قرآن کو جیسا سمجھنا چاہیئے تھا۔ سمجھا۔ اُس نے ہرگز موجودہ مال پر اکتفا کرکے زیادہ کمانے سے ہاتھ نہیں کھینچا۔

اسلام اور قرآن کریم نے بے شک قناعت کا حکم دیا۔ زہد کی ہدایت کی۔ دنیا کی مذمت کی۔ حرص و طمع سے روکا۔ لیکن اسکا وہ مطلب نہیں جو آجکل کے کاہل اور سُست مسلمانوں نے سمجھا ہے۔ بلکہ اسکا صرف یہی مطلب ہے کہ حاجتوں کے دائروں کو محدود رکھنا۔ اور جس قدر بآسانی اور جائز صورت مِل سکے اسپر اکتفا کرنا۔ تاکہ جس قدر فی الواقع ضرورت ہے۔ اتنی قدر کھائے پیئے۔ اور اشیا مہیا کرے نہ یہ کہ آرایش و نمایش کے لیئے تمام زمانہ کے نادرات جمع کرے۔ اور مال و متاع نہ صرف ضروریات کے پورا کرنے کے لیئے حاصل کرے۔ بلکہ جمع کرنے اور امیرانہ ٹھاٹھ دکھانے کے واسطے۔ جو لوگ قناعت کے معنے بیکار بیٹھ رہنے اور سعی و کسب کرنے کے لیتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ قرآن کریم کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے۔

(خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ)

خطاؤنسیان

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

اے ہمارے رب اگر ہم سے بھول چوک ہوجائے تو اسپر ہم سے مواخذہ نہ کر

آجکل کے مسلمان دینی امور کے متعلق جن بے شمار غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خطاؤنسیان یعنی بھول چوک پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا لیکن مندرجہ عنوان آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ غلط ہے اور خطاؤنسیان پر بھی مواخذہ ہونا ممکن ہے۔ بادی النظر میں ایسا مواخذہ قرین انصاف نہیں معلوم ہوتا لیکن غور کرنے سے یہ شبہ جاتا رہتا ہے۔ کیونکہ بھول چوک اگرچہ انسان سے اضطرارًا سرزد ہوتی ہے مگر اس کا سبب عمومًا ارادی اور اختیاری ہوتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ نسیان اکثر اسی امر کی نسبت ہوتا ہے جسکی طرف سے بے توجہی اور غفلت کیجاتی ہے اور جسے ایک معمولی اور ناقابل التفات بات سمجھ کر اسکا دل میں جگہ نہیں دیجاتی کہ وقت پر حافظہ و فکر خود بخود اسکو سامنے لاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم عمومًا ایسی ہی باتوں کو بھولتے ہیں جنہیں مہتم بالشان اور یاد رکھنے کے قابل نہیں سمجھتے۔ اور یونہی سرسری طور پر دیکھ کر یا سُنکر ٹال دیتے ہیں۔ برخلاف اسکے جن امور کو ہم کسی وجہ سے اہم اور قابل التفات خیال کرتے ہیں وہ ہمارے حافظ سے کبھی محو نہیں ہوتے اور ضرورت کے وقت فورًا یاد آجاتے ہیں پس معلوم ہوا کہ بھولنا اگرچہ بظاہر ایک اضطراری اور غیر ارادی امر ہے لیکن اسکا سبب اصلی منشا یعنی کسی بات کو معمولی اور ناقابل التفات سمجھ کر دل میں جگہ نہ دینا اور اسکی طرف سے غفلت و بے توجہی کرنا ایک ارادی اور اختیاری فعل ہے اسلیئے خطاؤنسیان پر جو مواخذہ ہوتا ہے۔ وہ دراصل خطاؤنسیان پر نہیں ہوتا بلکہ اسکے سبب یعنی لاپرواہی۔ غفلت اور بے توجہی پر ہوتا ہے۔ لہذا یہ مواخذہ عقل کی رو سے بھی بالکل جائز اور قرین انصاف ہے۔ دنیاوی تمدن میں بھی خاطی و ناسی قابل مواخذہ سمجھا جاتا ہے۔ روزمرہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ اگر ایک آقا اپنے ملازم کو کسی کام کے کسی خاص وقت میں کرنیکا حکم دیتا ہے۔ اور وہ بھولکر اُسے وقت پر نہیں کرتا تو آقا ملازم پر ناراض ہوتا ہے یعنی اسکے نسیان پر مواخذہ کرتا ہے اور اس نسیان کی وجہ سے اسپر لاپرواہ اور غافل ہونے کا الزام عاید کرتا ہے۔ پس اگر احکم الحاکمین کے احکام کی بجا آوری میں بندہ جرم نسیان کا مرتکب ہو تو کیا وجہ کہ اس سے مواخذہ نہ کیا جائے اور اسپر دینی امور میں سہل انگاری کرنے کا الزام عاید نہو۔ قرآن مجید میں متعدد آیات ایسی موجود ہیں جن سے نسیان پر مواخذہ کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خطا کو بھی نسیان ہی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اسلیئے کہ خطا بھی بے احتیاطی۔ سہل انگاری۔ بے توجہی اور غور و فکر سے کام نہ لینے کی وجہ سے سرزد ہوتی ہے اسلیئے اسپر شرعًا بھی ایسا ہی مواخذہ ہے۔ جیسا کہ عرفًا اور عقلًا لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں مندرجہ عنوان آیت کے ذریعہ سے ایک ایسی دعا تلقین فرمارہا ہے کہ اگر ہم اسکے مفہوم و معنی پر نظر رکھکر رب العالمین سے اپنے خطاؤنسیان پر مواخذہ نہونے کی التجا کیا کریں تو یقینًا ہم سے سہل انگاری۔ بے توجہی۔ غفلت۔ لاپرواہی۔ بے احتیاطی۔ اور غور و فکر سے کام نہ لینے کی بدعادتیں چھوٹ جائیں گی۔ اور ہم خطاؤنسیان سے محفوظ رہینگے۔ یا کم از کم ان کا وقوع کم ہو جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ کہ خطاؤنسیان کو قابل مواخذہ نہ سمجھنا غلطی ہے۔ بھول چوک پر مواخذہ ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے لیکن اگر پوری حزم و احتیاط اور غور و فکر کے باوجود کوئی شخص خطاؤنسیان میں پڑجائے اور سہوًا کوئی ایسا فعل یا ترک فعل کرے جو اُس کو نہ کرنا چاہیئے تھا۔ پھر اپنی غلطی اور قصور کو محسوس کرکے اُسپر نادم اور متالم ہو اور مندرجہ عنوان دعا کی طرف رجوع کرے۔ جو اللہ کے خوف کو دل میں بڑھانے والی اور امید دلانے والی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے توقع کیجاسکتی ہے کہ وہ اسکی خطاؤنسیان کو معاف کردے گا۔ کیونکہ اس دعا سے بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوجائے گا اور اس کا نور خطاؤنسیان کی ظلمت کو آئینہ قلب سے دور کردے گا۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ +

راقم "مُبلّغ"

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

اِسْلَام اَوْر مُسْلِم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

جھکا اللہ کے آگے جھکایا ساری دنیا کو
یہ رازِ عظمتِ مسلم ہے سجدۂ میں نہاں باقی

ادھر چوٹی ہمالہ کی اُدھر پرنیز کی وادی
شکوہِ سطوتِ اسلام کے ہیں ترجماں باقی

اسلام

پیارا اور مقدس اسلام۔ عالمگیر اور محیط کل ہے جسکا خدا رب العالمین، رسول رسول کافۃً للنّاس کتاب تنزیل من رب العالمین، ہے جس کی ابتدا خدا سے۔ بقائے اور انتہا خدا میں ہے "اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی" جس کی غایۃ تعلیم "ربوبیت عامہ" کی ماتحت کمال عبودیت۔ کو نصب العین قرار دیتی ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی "، کمال عبودیت یہ ہے کہ عبد قوائے ملکی سعی اور بہیمی میں معتدلانہ تصرف کرتا ہوا۔ اعمال صالحہ کی وساطت سے خدائی صفات سے متصف ہو جلئے تخلقوا باخلاق اللہ۔ انسان معاذ اللہ خدا نہیں بن سکتا مگر بقدر استعداد الٰہی رنگ میں رنگا جا سکتا ہے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ انسانوں کی قابلیت اور استعداد میں فرق ہے اور اسی فرق مراتب کی وجہ سے الٰہی رنگ میں رنگے جانے کی صلاحیت بھی مختلف ہے۔ کوئی نبی ہے۔ کوئی صدیق، کوئی شہید ہے اور کوئی صالح۔ کوئی سابق ہے اور کوئی مقتصد۔ اس الٰہی رنگ کا مفہوم آیہ کریمہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ سے سمجھ میں آسکتا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

"عبودیت" میں کمال حاصل کرنا اسلام کا نصب العین ہے۔ جو قرآن کریم نے بصراحت مقرر کر دیا ہے "عبودیت" "رسالت" سے بلند درجہ رکھتی ہے۔ اسلیئے اسلام نے "فادخلی فی عبادی" کہہ کر انسان کو یہ ہدایت کی کہ وہ بلند اور بلند تر مراتب پر فائز ہوتا جائے۔ یعنی عبد سے معبود کی طرف اور خلق سے خالق کی طرف بڑھتا جلے تا کہ صفات الٰہیہ سے متخلق ہو جائے۔ برعکس اسکے "رسالت" خالق سے خلق کی طرف اور معبود سے عبد کی طرف یعنی نیچے آتی ہے "عبدہٗ ورسولہٗ" سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ "عبد" کو "رسول" پر تقدیم حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جو انسان کو کاملترین انسان بنانا چاہتا تھا۔ اپنا نصب العین فادخلی فی عبادی مقرر کیا ؎

کمالِ عبدیت میں تھا جلالِ سلطنت مضمر
یہ نکتہ سیرتِ احمد سے ہی کیسر عیاں باقی

اسلام محیط کل ہے

اسلام نے ایک طرف کتاب کائنات میں اور دوسری طرف قرآن کریم میں جلوہ گر ہو کر دنیا و جہان پر کلی احاطہ کر لیا۔ اور عقل و فہم سے خطاب کرتے ہوئے فاران کی چوٹیوں سے باواز بلند منادی کی کہ :۔

افغیر دین اللہ یبغون ولہٗ اسلم من فی السموات والارض طوعًا وکرھًا والیہ یرجعون "

یعنی اسلام فطرت اللہ ہے اور فطرت اللہ سے کسی کو گریز نہیں۔ اسلام زمین میں ہے آسمان میں ہے۔ دنیا و جہان میں ہے۔ عالم و عالمیان میں ہے۔ کائنات میں ہر ایک چیز اپنا فرض مفوضہ اپنی فطرت کے مطابق انجام دے رہی ہے۔ پس ایسی حالت میں اگر کوئی بجز اسلام یعنی فطرت اللہ کے کوئی دوسرا دین یا مسلک پیش کرے "فلن یقبل منہ" نہیں قبول کیا جائے گا کیونکہ ؎

یہی اسلام ہے فطرت نہیں تبدیل فطرت میں
اسی فطرت پہ قائم ہیں زمین و آسماں باقی

جوں جوں عقل و فہم میں ترقی ہوگی فلسفہ و سائنس کی تعلیم بڑھے گی۔ مذاق عام پختہ ہوگا۔ گنجینۂ غیب سے نئے نئے اسرار غوامض عرصۂ شہود میں آئیں گے۔ پس اس نئی روشنی کے زمانہ میں رسل و رسائل میں آسانی کی وجہ سے تصادم عقول اور مبادلۂ خیالات ہوگا +

یک عقیدہ مذہبی دوسرے عقیدۂ مذہبی کے مقابل ہوگا۔ عقاید باطلہ۔ اوہام فاسدہ اور وہ انکار امید ہیں کم ہونگی یقین جانیئے کہ اسلام پیارے اسلام پاک اور مقدس اسلام کی خوبیاں تسخیر قلوب کرتی جائینگی۔ تمام دنیا وحدت کے رنگ میں رنگی جائے گی۔ اور چار وانگ عالم سے یہ راستی اور صداقت سے لبریز صدا بلند ہوگی

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ؏

یہودی ہیں کہ نصرانی۔ برہمن ہیں کہ زرتشتی
یہ ہیں سب نعمت اسلام کے متلاشیان باقی
کوئی دن میں یہ سارے جذب ہوجائینگے وحدت میں
بیگانے توحید عالم میں روان باقی

نظام اسلام

(۱) **توحید** اصل اعظم ہے۔ اور اسی پر تمام فضایل روحانی وجسمانی متفرع ہوتی ہیں توحید کیا ہے خدا کو ایک ماننا اور وحدہٗ لاشریک لہٗ جاننا۔ ایمان اور عرفان کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالے برتر واعلیٰ کی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، اور مالکیت دلوں پر ایسی مسلط او ر ما دوں پر ایسی محیط ہوجائے کہ ”ایاک نعبد وایاک نستعین“ کی اصل حقیقت ہمارے قال وحال پر دا دھو جائے۔ یہی وہ ایمان باصفہ دین قیم اور صراط مستقیم ہے جو مسلم کا مقصود ومطلوب ہے۔ اس رتبہ عالیہ پر فائز ہوکر ہماری عبادت۔ ہماری قربانی ہماری حیات وممات خالصۃً للہ ہوجائے کی یہی وہ اصلی اور حقیقی مسلک ہے جس پر اولین مسلم نامزن ہوا تھا ”قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین وبذالک امرت وانا اول المسلمین“

مسلم نام ہے ساری دنیا پر اور اپنی پرشا کا مسلم کرتا ہے خدا کے۔ اور ڈالتا ہے ساری دنیا کو۔ جھکتا ہے خدا کے آگے۔ اور جھکاتا ہے ساری دنیا کو اپنے آگے۔ رنگ لیتا ہے خُم وحدت سے اور رنگ دیتا ہے ساری دنیا کو خدائی رنگ میں محکوم ہے خدا کا۔ اور حاکم ہے سارے جہان کا۔ وہ اپنی الاصل انسان ہے اور ایک خدا ہی کا ہوکر رہتا ہے ؎

موحد چہ برپاش ریزی زرش　　چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید وہراسش نباشد زکس　　برین است بنیاد توحید بس

(۲) مساوات

آفتاب **توحید** کی اولین شعاع ”مساوات“ ہے۔ جب توحید الٰہی کا دلوں پر تسلط ہے۔ خداوند عالم کی کبریائی انسان پر محیط ہے۔ تو جہاں تک انسان کا خدا سے تعلق ہے عجز وانکسار اور جہاں تک انسان کا انسان سے تعلق ہے ”شعور مساوات“ پیدا ہوتا ہے۔ دربار احدیت میں شاہ وگدا۔ امیر وفقیر میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ”اللہ الغنی وانتم الفقراء“ وہ ایک ذات غنی ہے باقی سب محتاج۔

ایک طرف کلی استغنا اور دوسری طرف کلی احتیاج تمام بنی نوع انسان کو مساوات کے پلیٹ فارم پر کھڑا کردیتی ہے۔ جب ”مساوات“ کا ادراک ہوا تو انسانی دل۔ روحانی منازل۔ اخلاقی درجات۔ اور تمدنی ترقیات حاصل کرنے کے لیئے تیار ہوگیا۔ توحید سے ”مساوات“ پیدا ہوئی۔ اور پھر مساوات نے انسان کو انسان کامل بنادیا۔ حقوق وفرائض کی شناخت اور ان کا تحفظ والتزام سب مساوات پر مبنی ہیں۔ ارشاد ہے ”یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“

پیدائش طریق پیدائش۔ ربوبیت عامہ یعنی ہوا پانی اور آگ وغیرہ سے مستفیض ہونے میں سب برابر ہیں۔ معیار شرافت وفضیلت اتقا یا نیکوکاری ہے ایہا الناس اکرم وہ شرف ہو تم میں متقی　　ہے عبث یہ امتیاز ابن فلاں ابن فلاں

(۳) **اخوت**۔ مساوات کی سب سے پہلی صورت ”**اخوت**“ ہے اخوت مساوات کے قریب ہے اور دونوں میں شدت اتصال۔ خدا پر ایمان لانے والے اور اس لاشریک ہستی کا یقین کرنے والے سب کے سب ملک اخوت میں منسلک کیئے گئے۔ خدا ایک رسول ایک کتاب ایک قبلہ ایک، اور ارشاد ربانی کی مزید توثیق ”انما المومنون اخوۃ“ جہاں تک بھائیوں کا تعلق محض مساوات عامہ اور جہاں تک بھائیوں کا باہم علاقہ ہے۔ مساوات خاصہ یعنی اخوت پیدا ہوئی۔ اخوت سے محبت اور محبت سے عشق اور عشق سے قربانی اور جان نثاری پیدا ہوتی ہے ایثار کریم النفسی اپنے جوہر دکھاتی ہے ؎

یامر بالعدل والاحسان ثبت لوح دل　　اور ہمیں ایتاء ذی القربیٰ کی وہ قربانیاں
تھی نہ جن قربانیوں کی روئے دنیا پہ نظیر　　مال کیا اولاد وجان تک بھی تھی نذر حق یہاں

(۴) **حریت**۔ مساوات واخوت منافی غیریت اور منجر بوحدت ہیں اور ان سے حرمت نفس پیدا ہوتی ہے۔ حرمت نفس یا خودداری حریت پیدا کرتی ہے جو آزادی کے مفہوم سے اعلیٰ وارفع ہے۔ مساوات جذبہ حریت ابھارتی ہے۔ آزادی اور آزادانہ رائے کا دور آتا ہے۔ تمدن کی بنیادیں پڑتی ہیں۔ مگر یاد رہے کہ یہ خودداری غرور وتکبر کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ یہ مادر پدر آزادی ہوگی۔ جو مذموم ہے آزادی خدائی حدود کے اندر رہنی چاہیئے ؎

حریت نفس ومساوات واخوت عدل وحلم　　چشمۂ توحید سے یہ پنج دریا ہیں رواں

بنے جنگل گلستان ہو گئے صحرا چمن ہو گئیں سرسبز کیسر جسم و جان کی کھیتیان

۵) **عدالت** - افراط و تفریط مذموم ہے۔ اور اعتدال محمود۔ انسان جلب ملائم اور دفع نا ملائم کا دلدادہ ہے۔ مساوات میں خلل انداز ہوتا ہے۔ جہاں تک افراد کا افراد سے جماعت کا جماعت سے اور قوم کا قوم سے تعلق ہے۔ منافع اور مضار کو جیسی کہ صورت ہو حدود مناسب میں رکھنے کے لیئے عدالت کی ضرورت ہے۔ قوائی نفسانیہ یعنی طبیعت عامہ میں معتدلانہ تصرف کی ضرورت ہے۔ غرضکہ روحانی اخلاقی اور جسمانی خوبیاں برقرار رکھنے یا حاصل کرنے کے لیئے عدالت لابد ہے۔ قرآن کریم میں عدالت کو قرین تقویٰ کہا گیا ہے۔ اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ اسلامیوں کو امت وسطا کا خطاب دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیم اعتدال اور میانہ روی کا نمونہ ہے نہ وحشیوں کی طرح رہبانیت اور نہ بہائم کی طرح تن پروری کا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عدالت بھی مساوات کی ایک صورت ہے جس سے مساوات کو قائم رکھا جاتا ہے جو بسا اوقات انسان کی بدعنوانیوں اور خود غرضیوں سے مرکز ثقل سے ہٹ کر جا یا کرتی ہے۔

دشمنوں کے ساتھ بھی عادلانہ برتاؤ اسلامی خصوصیت ہے لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا ؕ

مندرجات بالا سے ظاہر ہے کہ مساوات، اخوت، حریت، اور عدالت ایک ہی اصل یعنی توحید کی شاخیں ہیں۔ توحید کی ماتحت تہذیب و تمدن کے یہ چاروں فضائل اربعہ عناصر ہیں۔

اخلاق فاضلہ کی بنیاد "عدالت" ہے اور فضائل روحانی کا مرکز "اخلاص" ہے اور اخلاص کو بعض مفسرین نے ہم معنی بتایا ہے۔ اور سورۂ اخلاص سے یہ استدلال کیا ہے۔

اگرچہ روحانی اور اخلاقی فضائل میں کوئی حد فاصل قائم نہیں کی جاسکتی تاہم فہم مطلب کے لیئے قلب سلیم یہ شہادت دیتا ہے کہ "اخلاص" روحانیت کی روح ہے اور "مساوات" تمدن و اخلاق کا سنگ بنیاد ہے۔ اس کے بغیر روحانیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ مساوات کے بغیر اعلیٰ تمدن قائم نہیں ہو سکتا۔

اسلام نے روحانیت اور جسمانیت میں حکیمانہ امتزاج کیا۔ دین و دنیا کا اور انسان کو احسن التقویم کی مسند پر بٹھایا۔ ظہور اسلام سے پہلے کون جانتا تھا کہ انسان خلیفۃ اللہ اور نائب خدا ہے ؎

اسفل السافلین تھا انسان یا آل کی تعلیم میں احسن التقویم کی مسند پہ بٹھلانے کو ہیں

نظام اسلام کا شجرہ حسب ذیل ہے۔ جو مکمل اور مختصر نہیں صرف توضیح مضمون مقصود ہے:-

توحید

- مساوات (اخلاقی اور تمدنی دنیا میں)
  - اخوت
    - محبت
    - عشق
    - ایثار
  - حریت
    - مواسات
    - حرمت نفس
  - عدالت
    - اعتماد نفس
    - اخلاق فاضلہ
- اخلاص (روحانی دنیا میں)
  - تزکیہ نفس
  - عرفان
  - فنا فی اللہ
  - بقا باللہ

اس پر حکمت اور پر معرفت نظام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب خدا عادل و مقسط ہے تو برے یا بھلے عمل کی ضرور سزا یا جزا ملے گی۔ کارخانۂ کائنات عبث نہیں اور جب یہ صورت ہے تو معاد یا آخرت جسے عرف عام میں قیامت کہتے ہیں ضرور واقع ہوگی۔

پھر توحید اور مساوات کو عملی طور پر پختہ کرنے کے لیئے اور یہ کہ انسان ان بنیادی اصول سے غافل نہ ہو جائے۔ اسلام نے عملی تدابیر سے کام لیا اور نماز۔ روزہ۔ حج۔ اور زکوٰۃ کو فرض قرار دیا۔ نماز جماعت میں دن میں پانچ دفعہ۔ مساوات کا عملی سبق سکھایا جاتا ہے۔ روزہ بیجا اور بے ہنگام آزادی پر روک اور ضبط نفس کی تعلیم ہے اور ساتھ ہی حالت عینی میں بھوک اور پیاس کا احساس ہے تاکہ متمول اپنے غریب بھائی کو بھول نہ جائے۔

احتمال تھا کہ مساوات کو متمول اور مرفہ الحال لوگ بھول جائیں گے۔ اسلیئے ان پر حج اور زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اہل نصاب کو اپنے مال کا چالیسواں حصہ اپنے غریب اور محتاج بھائیوں کو دینا لازم ہے۔ اور یہ عملی اخوت اور عملی ہمدردی کا اہم سبق ہے۔ زکوٰۃ کو لازم کر دینے سے مال و دولت کی کسی حد تک تقسیم کر دی۔ تاکہ "اشتراکیت" (سوشلزم) کی قباحتیں نہ پیدا ہوں۔ کہ ایک شخص امیر الامراء اور دوسرا غریب الغربا رہے۔

حج میں شاہ و گدا۔ امیر و غریب ایک ہی ہیئت کذائی میں احرام باندھتے اور سب کے سب ایک ہی قسم کے لباس میں لبیک لبیک پکار کر اصلی اور واقعی مساوات کا عملی سبق سیکھتے ہیں۔

اللہ اکبر نظام اسلام کیسا پُر حکمت نظام ہے۔ نظام اصولی کو قائم رکھنے کے لیئے نظام عملی بھی بے نظیر ہے۔ ارشاد ہے اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ وارکعوا

مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۔ قیام صلوٰۃ میں استحکام توحید لقا یتامہ زکوٰۃ میں ہمدردی و مواسات اور مسکین کے ساتھ رکوع میں اتحاد و اتفاق کی عملی تعلیم ہے۔ یاد رہے کہ مذہب کی بنیاد ہے محبت الٰہی۔ اخلاق کی بنیاد ہے عدالت۔ مدنیت کی بنیاد ہے ضرورت اجتماع۔

چونکہ انسان مدنی الطبیعت ہے اور اسلام عین فطرت۔ اسلئے اسلام نے رہبانیت اور جوگی پن کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مدنیت کے قیام کے لئے سیاست لازم ہے۔ پھر مذہبی اخلاقی، تمدنی اور سیاسی فعل و انفعال اور باہمی تاثیر و تاثر کا نام ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔
کسی قوم کی شائستگی و تہذیب کا معیار یہ ہے کہ آیا اُس قوم کا بلحاظ مذہب، اخلاق اور تمدن و سیاست کیا پایہ ہے۔

اگر مذہب ناقص ہے تو اخلاق ناقص ہیں۔ اگر اخلاق ناقص ہیں تو مدنیت یا تمدن ناقص ہے تو سیاست ناقص ہے۔ تہذیب کی زنجیر ان چار کڑیوں سے مرکب ہے اور پھر یہ چاروں کڑیاں ایک دوسری سے باہم ایسی مربوط اور ایسی پیوست ہیں کہ ذہن میں اُن کا مجرد طور پر آنا مشکل ہے۔ مذہب کا اثر اخلاق پر اور اخلاق کا اثر مذہب پر۔ اور پھر ان دونوں کا اثر مدنیت پر۔ اور پھر اپنی جگہ مدنیت کا اثر اخلاق و مذہب پر اور پھر ان تینوں کا اثر سیاست پر پڑتا ہے سچے مذہب کی جہاں یہ غایت ہے کہ روحانیت کی تکمیل ہو وہاں وہ کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا کہ وہ منازل و مراحل جو روحانی تکمیل کے راہ میں واقع ہیں۔ زیادہ سے زیادہ صاف اور پاکیزہ نہ ہوں۔ پس اسلام نے اس خاصہ جبلی کو جسے "مدنیت" کہتے ہیں احسن طریق سے ابھارا زیادہ روشن کیا۔ اور بالآخر اس رتبۂ عالیہ پر پہنچا دیا۔ جہاں پہنچکر ملکی صفات ہمدردی اور ایثار کی پیدا ہو جاتی ہیں۔

نماز جماعت، نماز عیدین، اور نماز حج روزہ اور زکوٰۃ اسی غرض تاا اجتماع اور خاصہ مدنیت کو زیادہ جلا دینے اور زیادہ مستحکم و مضبوط کرنے کے موثر سبق ہیں ؎

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ تو انمیں ہی اک رمز ہے پنہاں — کہ ہو حق خدا کے ساتھ حق بندگان باقی

اس بابرکت نظام نے ایک ایسی الاصل جماعت پیدا کی جسکے سامنے کوئی زمینی قوۃ و طاقت نہ ٹھیر سکتی تھی اور نہ ٹھیری۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں مذہب، قوم اور سلطنت کی بنیاد قایم ہو گئی۔ سنلہ ھ سے سنلہ ھ تک تمام عرب اور اسکے مختلف شوریدہ پشت اور جنگجو قبائل یکجان اور دو قالب ہو گئے۔ اور پھر چار سال کی قلیل مدت میں سرزمین شام و ایران پر اسلامی جھنڈا نصب ہو گیا۔ قیصر و کسریٰ کی دنیاوی شان و شوکت، اسلامیوں کی دینی عظمت و جبروت کے سامنے گرد ہو گئی۔ وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ؎

ایک دین اور ایک قبلہ ایک رسول اور اک کتاب — اک خدا کے سامنے سجدہ میں جھک جانے کو ہیں
آ رہی ہو قصر قیصر طاق کسریٰ سے صدا — ساجدین اسکے مسجود بن جانے کو ہیں

مختصر یہ کہ تاریخ کے اوراق الٹو۔ دنیا کی تہذیب و تمدن کے ابتدائی مرحلوں سے گزر و اور بتدریج انتہائی منازل کی طرف بڑھتے آؤ۔ اس دشوار گزار راستے اور پرخطر وادی میں تمہیں نظر آئیگا کہ انسان کو انسان بنانے کے لیے انبیاء، اور مصلحان قوم نے کیا کیا مصیبتیں برداشت کیں کیا کیا تکلیفیں اُٹھائیں۔ جان جوکھوں میں ڈالی۔ مارے گئے۔ جلائے گئے۔ سولی پر لٹکائے گئے۔ زندہ زمین میں گاڑ دیئے گئے۔ آروں سے چیرے گئے۔ وطن مالوف سے نکالے گئے۔ جلاوطن کئے گئے۔ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ غرضکہ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ باغ تمدن کی ابتدا میں جب داغ بیل ڈالی گئی۔ تو اسکی تہ میں خون شہدا رکھا گیا تھا اور خون شہدا ہی سے بعد میں اُسکی آبیاری کی گئی۔ اور انہیں مقدس اور جانباز قافلہ سالاروں کے طفیل تم اب اس باغ کو سرسبز اور شاداب دیکھ رہے ہو۔

جب انتہائی منزل پر بڑھتے بڑھتے پہنچوگے تو یہ حقیقت عینی تم پر کھل جائے گی کہ معراج انسانیت ہے اسلام، غایت الغایات تہذیب ہے اسلام۔ علم و حکمت کا دفتر، ہوش و علم فہم و فراست کا مجموعہ ہے اسلام۔ علم و فضل کا مرقع ہے اسلام۔ دنیا کے تجربوں اور مشاہدوں کی تصویر ہے اسلام۔

کتاب کائنات کی تفسیر ہے اسلام، اور صحیفۂ فطرت کی تعبیر ہے اسلام، اسلامی سیرت قالب آہنیہ میں ڈھلتی ہے، اور پھر ساری دنیا کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتی ہے۔ موحدانہ سیرت، مشرکانہ عادات پر غالب آتی ہے۔ چنانچہ اسلامیوں کی اعلیٰ اور ارفع تمدن نے جو توحید نے پیدا کیا تھا۔ مصریوں، یونانیوں، رومانیوں، ایرانیوں اور ہندوؤں کو نیچا دکھایا۔ اور اپنی فتوحات عقلیہ کا سکہ دنیا معلومہ کے اِس سرے سے اُس سرے تک بٹھایا۔ یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ وہی قوم دوسری اقوام پر غالب آتی ہے جسکا تمدن مفتوحہ قوم سے اعلیٰ اور فائق ہو۔

اگر کبھی کوئی ناشائستہ اور غیر مہذب قوم کسی شائستہ یا مہذب قوم پر غالب آتی ہے تو وہ کبھی اپنے تمدن کا رنگ مفتوح قوم پر جسکا تمدن فاتح قوم سے اعلیٰ ہو نہیں چڑھا سکی۔ تاتاریوں نے اسلامیوں پر فتح پائی اور اُن کے ممالک تاخت و تاراج کئے مگر بالآخر مسلمانوں کے اعلیٰ اور اشرف تمدن میں جذب ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اسلامی تہذیب سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اور علوم و فنون اسلامیہ کے سرگرم سرپرست ثابت ہوئے۔

دنیا میں سینکڑوں قومیں آئیں، اُٹھیں، گریں اور فنا ہو گئیں۔ کیونکہ ان کا کوئی مستقل مستقر دوامی مرکز اور ناقابل تبدیل نصب العین نہ تھا۔

اسلام آیا اور بڑی شان سے آیا۔ بڑھا اور پھیلا، پھیل رہا ہے اور ابدالآباد تک پھیلتا رہیگا کیونکہ اسکا مرکز مستقل شریعت مؤیدہ اور سرچشمہ ازلی و ابدی ہے۔ وہ سرچشمہ کونسا ہے

توحید خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ ؎

بجز تست ناہستی ست آخر بر جبین من — چہاں سر تابم از حکم خمیدن دوش مزدورم

جس قوم میں ایثار ہے۔ قربانی ہے۔ وہ کبھی فنا نہ ہوگی۔ اسلام ایثار ہے۔ قربانی ہے جیسے ہمیشہ ہمیشہ زندہ برقرار اور بڑھتا رہیگا۔ قوموں کے عروج و زوال کا فلسفہ کیا ہے ؎

نتیجہ ایک ہی ہے سارے انسانی فسانوں کا — رہی ہے داستانوں میں یہی اک داستاں باقی
کہ آغاز جلال قوم ہے۔ اخلاص و آزادی — ہیں ایثار و قربانی سے قومیں کامراں باقی
بڑھی معدومیٔ ایثار سے جبتلائے شخصی — رہیں پھر چند سے عیاشانہ بزم آرائیاں باقی
ملے پھر اپنی نوبت میں فور عیش و عشرت سے — نہ کلدانی نہ رومانی نہ ہیں ساسانیاں باقی
یہی چکر رہا جاری۔ ترقی و تنزل میں — اعادہ ہے اسی نکتہ کا تاریخ جہاں باقی

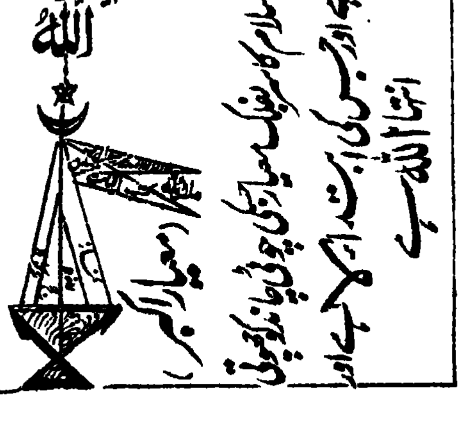
پہ اسے اسلام میں بھی ترک ایثار و قربانی
رہیگی تیرے حصے میں حیات جاوداں باقی

(خاکسار **الف دین**)

اسلام کا معیار تقدس

شیخ غلام زین العابدین صاحب رئیس میرٹھ کے تجویز کردہ انعامی موضوع پر یہلا مضمون ہے جو ابھی حال میں ہمکو ملا ہے اور جسے شکریہ کیساتھ ہمنے قبول کرلیا ہے اسلیئے کہ کچھ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے لیکن ہم اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ معیار تقدس کی پیچیدہ گرہ کھولنے کے لیئے شاعرانہ تخیل کی نرم و نازک جنبش کچھ زیادہ موزوں نہیں ہے اور موضوع کی نوعیت و اہمیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اسپر محققانہ اور مدلل رنگ میں موثر سنجیدگی اور متانت سے بحث کیجائے۔ اور اسپر قلم اٹھانے سے پہلے مذہب اور تاریخ اسلام کا غیر متعصبانہ نظر سے بغور مطالعہ کرلیا جائے تاکہ غلط فہمیوں کے وہ پردے جو آجکل کے مسلمانوں کے دلوں پر پڑے ہوئے ہیں اٹھ جائیں۔ اور حقیقت کا روشن چہرہ بے نقاب ہوکر ان کے سامنے آجائے ۔

(ایڈیٹر)



لا الٰہ الا اللہ

اللہ! اللہ! کیا بلند معیار ہے۔ اس پر پہونچنا کیسا دشوار ہے۔ اسلیئے کہ اس میں موجود کی نفی اور غایب کا اثبات ہے۔

پر حقیقت میں یہ منزل اتنی ہی آسان ہے جتنی کہ مشکل نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے شعور جبلی۔ ذوق فطری۔ اور قلب سلیم کے موافق ہے۔ نہیں نہیں یہ ہماری عین فطرت ہے۔ ہائے ؎

روئے تو کس بہ دو ہزار رقیب ہست — ورغنچہ ہنوز صد هزار عندلیب ہست
زناویدن چہ واہا و تپیدن — نمیدانم چہ خواہد کرد دیدن
کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا — حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھکو جانا ہے ضرور — بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

خدا اسلیئے موجود نہیں ہے کہ ہم نے اسکا تصور کرلیا ہے بلکہ ہم تصور اس لیئے کرتے ہیں کہ وہ موجود ہے۔

ہاں یہ اور عقل کے خلاف ضرور ہے جس کی رسائی خدا تک نہیں جسکا تعلق بے جان چیزوں سے ہے۔ آب۔ آتش۔ باد و خاک سے ہے سائنس سے ہے۔ مادہ سے ہے اور خدا کوئی بیجان بت نہیں ہے۔ زندہ خدا ہے۔ حی و لا یموت ہستی ہے۔

عقل مادہ کی ہمنشینی سے کثیف ہوجاتی ہے۔ قلب سلیم اور ذوق فطری مادیات کی کثافت سے سینے میں محفوظ رہتا ہے۔ جیسے گوہر پانی میں۔

نارسا عقل حلقہ بگوشان عقل کو بیوقوف بناکر راہ سے بے راہ کردیتی ہے۔ پست ہمت کرکے بزدل بنادیتی ہے۔ جو لڑکھڑاتے ہوئے کہنے لگجاتے کہ اگر کودینگے تو گرپڑینگے ہاں یہ عقل ان کو اپنا بندہ ضرور بنالیتی ہے۔ اور دیو بنکر ان سے پوجا کرواتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان انسانی درجے سے گرجاتا ہے۔ حتی کہ بندے کا بندر بنجاتا ہے۔ مگر قلب سلیم انسان کا یہانتک حوصلہ بڑھاتا ہے کہ اسکو انتہا تک پہنچادیتا ہے۔ خدا تک پہنچادیتا ہے۔ واقعات شاہد ہیں ؎

کہا منصور نے خدا ہوں میں — ڈاروِن بولا بوزنا ہوں میں
ہنسکے کہنے لگے مرے اک دوست — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہر کس را عقل خود بکمال نماید و فرزند بخود بجمال۔ مثل ہے کہ ہر شخص اپنی عقل کو زیادہ سمجھتا ہے۔ یعنے بے عقل و بیوقوف بھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انانیت اور خودی ہم میں عقل ہی کی راہ سے آتی ہے۔ پھر جہاں خودی ہو وہاں خدا کہاں! ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حایل نیست — تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

اٹھ جاؤ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے اس درمیان ہی سے اٹھ جاؤ۔ خدا ایک اقد

تم میں تمہارا اپنا ہی پردہ ہے۔ تمہاری عقل نارسا ہی کا پردہ ہے۔ جو ہر وقت تمہارے کان میں آہستہ آہستہ کہتی رہتی ہے کہ جو سامنے نظر نہیں آتا اسکا بھلا کیا اعتبار جبھی تو کہتے ہیں کہ ؎

ذوقِ عقل است کہ دشوار پسند افتادست　　ورنہ سودائے سرِ زلف تو دشوار نبود

اِس رمز کو عقل کا غلام بھلا کیا سمجھے گا۔ کسی عقل کے آقا سے پوچھو ؎

رموزِ ہستیِ عقل اے حکیم دانشمند　　بیا بپرس ز مستاں کہ ہوشیار انند

(نکتہ) شک نہیں کہ عقل بھی تھی تو روشنی ہی کی تلاش میں پر نادان بجلی ہی کو نور سمجھ بیٹھے۔ وہ ذوقِ صحیح اور قلبِ سلیم تھا جو نور السموات والارض تک پہنچا یعنے جس کی روشنی کی بجلی بھی محتاج ہے۔

گو حضرتِ حق کا صمدیت و بے نیازی کے لحاظ سے ہمارے ساتھ کچھ تعلق نہیں پر انسان جیسی حیرت انگیز حکمت آمیز اور پر اسرار مشین (کل)، کیا خود بخود بنگئی؟ پھر کیا ہماری مایۂ ناز عقلوں نے اسکو بنایا؟ حالانکہ ہم ایک مکھی تک تو بنا نہ سکے (کیا ہوا اگر مکھی کی طرح سے ہوا میں اڑلیئے یا مچھلی کی طرح سے پانی میں تیر لیئے) پھر کیا زمین و آسمان کے پر ہیبت و پر جلال باسلسلہ و با انتظام چلنے والے چرخے ہمارے دادا نے بنائے؟ کیا یہ پر حکمت کارخانہ بغیر کسی مدبر منتظم اور حکیم کے خود بخود بنگیا؟ پھر کیا ہم باوجود دعوئے چنیں عقلمندی اِس تیار شدہ اور بنے ہوئے کارخانے کا انتظام ایک لحظہ کے لیئے بھی کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں کسی کے خالق ہونے سے کیوں انکار ہے۔ معبود ہونے سے کیوں انکار ہے۔ رب ہونے سے کیوں انکار ہے اور رحمٰن و رحیم ہونے سے کیوں انکار ہے (زبانی انکار اگر نہیں تو عملی انکار ضرور ہے) پھر جو انسان جیسی مکمل کل اور زمین و آسمان جیسے پر تکمیل کارخانہ کی تجویز کرنے والا۔ نقشہ کھینچنے والا اور پھر اُسے بنا کر کھڑا کر دینے والا ہو کیا اس کا ہم سے یونہی سرسری سا تعلق ہو سکتا ہے؟ یا کیا وہ ہمکو اور اِس عظیم الشان کارخانہ کو بنا کر الگ ہو گیا ہے؟ یا کیا کوئی حکیم ایسا پر حکمت کارخانہ محض بطور بازیچۂ اطفال بنائیگا؟ نہیں! نہیں! ربنا الذی اعطی کل شیٔ خلقه ثم هدیٰ (پارہ ۱۶ س طٰہٰ آیت ۵۲)

ہمارا پروردگار ہی ہے جس نے ہر چیز کو صورت بھی دی اور سیرت بھی۔

ما خلقنا السماء والارض وما بینهما لٰعبین ○ (پ ۱۷ س انبیاء آیت ۱۶)

ہم نے آسمان و زمین کو اور جو ان کے اندر ہے اسکو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا (یعنے مصلحتاً پیدا کیا ہے) وما تسقط من ورقة الا یعلمها (پ ۷ س الانعام آیت ۵۹) پتہ بھی جھڑنے تک کی بھی اسکو خبر ہے۔

اسکا تعلق ہم سے غیر معمولی تعلق ہے۔ اور اسکا تقرب ہم سے انتہائی تقرب ہے (نحن اقرب الیه من حبل الورید) ہم تمہاری رگِ جان سے بھی قریب ہیں۔ اسے سمجھنے والے سمجھتے ہیں ؎

اور دل منست و دل من بدست او　　چوں آئینہ بدستِ من و من در آئینہ

معیار اسلام کا نقشہ زیب عنوان ہے۔ یعنے

(۱) چشم سر کی کثافت آلود بصارت سے نظر نہ آنے والی لطیف ہستی کو +

(۲) عالم لطیف کی لطیف مخلوقات (ملائکہ) کو +

(۳) بارگاہ عالی کے بندگان خاص سفرائے عظام و حاملان پیام (انبیاء و رسل) کو

(۴) رب العالمین کے لطف آمیز اور سبق آموز خطوط اور پیاموں کو +

(۵) اُس کے فیصلے کے دن کو +

دل سے مان لینا اور بطور ثبوت شہادت زبان سے کہہ بھی دینا۔ یہی ایمان ہے اور یہی اسلام۔ یعنے خدا کا عالم روحانیات کا اور اسکے متعلقہ انتظامات کا دلی اعتقاد اور زبانی اقرار۔ باقی سب عبادات اور اعمال صالحہ اِس ایمان ہی کے استحکام و مضبوطی کے لیئے ہیں منکر کا پرہیز اور معروف کی دوا اسی کی صحت قائم رکھنے کا نسخہ ہے نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ کی غذائیں اسی کی پرورش اور نشو و نما کے لیئے ہیں قصر اسلام کا سنگ بنیاد گویا یہی ہے پس جب بنیاد درست ہو گئی تو اسکا بنانا مشکل نہیں مسافر کے لیئے پہلی منزل ہی دشوار ہوتی ہے چل لیا تو دور و نزدیک یکساں ہے۔

یہ تو ہے اسلام کا بتایا ہوا معیار تقدس اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کا معیار تقدس کیا ہے۔

(الف) پہلے مسلمانوں کا کیا تھا؟

(ب) پھر کیا ہوا؟

(ج) اور اب کیا ہے؟

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا معیار تقدس تو وہی تھا جو اسلام نے قائم کیا تھا۔ اسلیئے کہ انکو یہ نعمت عظمیٰ مفت ہاتھ نہیں آئی تھی۔ انہوں نے شجر اسلام کو خون جگر کے پانی سے سینچا تھا۔ وہ اسکی قدر و منزلت خوب جانتے تھے۔ اور اسلیئے بھی کہ انہوں نے اِس معیار کے قائم کرنے والے انجینیر اعظم کی صورت بسیرت۔ اخلاق اور اسوۂ حسنہ کو بچشم خود دیکھا تھا اور وہ سب سجادہ رنگین کن،، کے اسرار سے خوب واقف تھے +

قرون وسطےٰ میں آ کر دور زمانہ کی وجہ سے ایک طرف تو مسلمان اِس معیار سے گرنے لگے اور دوسری طرف :-

(الف) غیر اقوام عجمی۔ ہندی۔ سندھی وغیرہ دائرہ اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں اور رفتہ رفتہ ان کا تمدن اور رسم و رواج بھی جزو اسلام بنگیا۔

حتی کہ لوگ (سی د پر تکلف) اسلام کو اسلام سمجھنے لگے اصل اسلام اور اسکی سادگی و ساد لت

ردے میں چھپ گئے۔

(ب) خلافت نے سلطنت کی صورت بدل لی۔ اور نور نبوت کے اثر کو اپنے میں جذب نہ کر سکی۔ وہ مولویت اور ولایت کی شکل میں الگ ہو گیا۔ اور اسلام کی طاقت دو حصوں میں بٹ گئی۔ دین جدا ہو گیا اور دنیا جدا گویا اسلام کا قلب قالب سے الگ ہو گیا۔ ادہر مولویوں اور صوفیوں کی آپس میں کشیدگی ہوئی۔ ایک نے مسجد کی راہ لی۔ دوسرے نے خانقاہ کی۔ ہوتے ہوتے ایک کو دوسرے سے حسد ہو گیا معرکہ آرائیاں ہونے لگیں۔ تیر چل گئے۔ اور لاشے تڑپنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی اصلیت اگر ایک طرف قسم قسم کے تمدنوں رسموں اور رواجوں میں چھپ گئی تو دوسری طرف عالم نما مولویوں اور صوفی نما فقیروں کے قیاسات۔ مفروضات اور دیرینہ معمولات کے غلافوں کے غلاف اسپر چڑھ گئے۔ اور اسلام اب تکلفات و عجائبات کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ بنگیا۔ الغرض ہم نے جب ہوش سنبھالا اور دیکھا تو اسی اسلام کو پیش نظر پایا۔ دیکھتے ہی گھبرائے اور لگے بدظن ہونے۔ مزید براں جب مولویوں اور فقیروں کی ناتا پائی بھی دیکھ لی تو یہ بدظنی بدیقینی کو پہنچ گئی۔

اور دونکی بابت تو مجھے معلوم نہیں مجھے خود تو تلاش اسلام میں جگہ جگہ جانا پڑا۔ مسجد میں بھی اور خانقاہ میں بھی۔ مولویوں کا وعظ بھی سنتا پڑا۔ اور قوالوں کا راگ بھی ؎

گہ معتکف دیرم و گہہ ساکن مسجد یعنے کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ

مگر وہ مجھے ان دونوں جگہوں میں نہ ملا۔ آخر ملا تو قرآن میں ملا۔ اور ایک مقدس جنگ کی زبان میں ملا جو مولوی بھی ہیں اور صوفی بھی۔ جو زبان بھی رکھتے ہیں اور دل بھی۔

پوچھا جاتا ہے کہ زمانہ حال کے مسلمانوں کے تقدس کا معیار کیا ہے؟ حیران ہوں کہ کیا جواب دوں۔ کوئی ایک تقدس ہو تو بتلاؤں۔ یہاں تو تین تین تقدس ہیں۔

مولویوں کا تقدس۔ صوفیوں کا تقدس۔ نئے تعلیم یافتوں کا تقدس۔ یک نہ شد دو شد۔ بلکہ سہ شد۔ اس طوفان بے تمیزی میں قومی کشتی کا خدا ہی حافظ ہے ؎

کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز باشد کہ باز بینیم آن یار آشنا را

غرضیکہ عجب بے بسی کا عالم ہے۔ صوفی کا دل تڑپ رہا ہے۔ پر اسکے منہ میں زبان نہیں۔ مولوی کی زبان پر آہ و فغاں ہے پر اسکے پہلو میں دل نہیں۔ اور گریجویٹ کی کشتی ڈانواں ڈول ہے۔ عجب قابل رحم نقشہ ہے ؏

اسے ساحل نہیں ملتا اُسے کشتی نہیں ملتی

پس ایسی صورت میں آجکل مسلمانوں کے صحیح معیار تقدس کا پتہ لگانا طلب محال میں وقت ضائع کرنا ہے۔ سب سے پہلے اسکی ضرورت ہے کہ؛۔

مسجد۔ خانقاہ اور کالج میں صلح کرائی جائے۔ اور ایک مولویوں۔ صوفیوں اور گریجوایٹوں کا مشترکہ وفد مسجدوں۔ خانقاہوں اور کالجوں میں جائے اور آپس میں صلح کرائے۔ مولویوں سے درشتی کا نشتر لیا جائے اور صوفیوں سے نرمی کا مرہم اور دونوں کو ملا کر برتا جائے۔ تب پورے فائدے کی توقع ہو سکتی ہے۔ مسجد مکہ اور روضہ مدینہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

اُس بڑی مسجد والے روضے میں آتے ہیں۔ اور اُس بڑے آستانہ والے مسجد میں جاتے ہیں پس ہمارے مولویوں کو بھی آستانوں پر جانا چاہیئے اور صوفیوں کو مسجدوں میں آنا چاہیئے جب مسجد اور خانقاہ میں صلح ہو جائے گی تو کالج خود بخود کھنچکر ادہر آجائیگا اور اسطرح ہمارے مدت کے بچھڑے ہوئے یار باہم مل جائیں گے۔

صوفیوں کو تو شاید مسجد میں آنے سے انکار نہ ہوگا۔ پر مولویوں کو آستانوں پر جانے میں ضرور تامل ہوگا۔ اسلئے کہ وہاں دین متین کی متانت کے خلاف راگ و رنگ اور ناچ و تماشہ ہوتے ہیں۔ مگر اب ان زوائدات و تکلفات کو دور کرنا صوفیوں کے لیئے بھی مشکل نہ ہوگا کہ وہ بھی آپس کی لگاتار جنگ سے اُکتا گئے ہیں۔ اور صلح پر آمادہ معلوم ہوتے ہیں اسکے بعد ہمیں پوری طاقت کے ساتھ قرآن و حدیث کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

اسلامی معیار کا صحیح نقشہ اسی صورت میں ہمارے دل پر کھنچیگا۔ ورنہ ایک عرصہ تک ہمیں اور **مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب** کا رتنا پڑیگا۔

اس عالم کشف میں اگر ہم قدسیوں کا سا ذکر خدا کرنے والا مستغنی دل دیکھیے گئے ہیں تو حیوانوں کا سا جسم بھی تو ہمیں کو دیا گیا ہے جو ہر طرح سے محتاج ہے پانی پینے کا محتاج ہے۔ کھانے کا محتاج ہے۔ سونے کا محتاج ہے۔ بسیرے کے لیئے آشیانے کا محتاج ہے۔ پھر کیا خوراک پوشاک اور مکان بغیر محنت کے مل سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں محنت کر کے کمانے کا نام قرآن نے فضل خدا رکھا ہے۔ خدا کے فضل کی تلاش بھی گویا خدا کی عبادت میں داخل ہے اور عبادت روحانی جسمانی کے لیئے قرآن کہتا ہے کہ تم کو پیدا ہی عبادت کے لیئے کیا گیا ہے پھر روحانی محبت اور جسمانی محنت میں قرآن انسان کا حوصلہ یوں بڑھاتا ہے کہ بڑھو آگے بڑھو۔ جو بڑھے گا سو پائے گا۔ پڑھو (**لیس للانسان الا ما سعی**) یعنے اگر تم مسلمان ہو تو پورے حریص بن جاؤ۔ دین و دنیا میں سے کسی ایک چیز پر قناعت نہ کرو۔ دونوں مانگو۔ اور دونوں لو۔ قلب میں درد محبت پیدا کرو۔ اور قالب میں توانائی و چستی۔ دلکو موم بناؤ اور بدن کو آہن۔ **ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة** تمہارے آقا کے ناموں میں سے ایک نام حریص بھی ہے یعنے ترقی کرنے والا۔ اور آگے سے آگے بڑھتے چلے جانیوالا۔ یاد خدا میں ہر دم کو دم واپسین سمجھو کام میں ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو کسب تم کو ذکر سے نہیں روکتا اور ذکر کسب سے روکتا ہے۔ وست بکار دل بیار رہو۔ قرون اولی کے مسلمانوں کا نمونہ تمہارے سامنے ہے انکی محبت سے فرشتے شرماتے تھے اور ان کی محنت سے ذلیل مزدور شرمندہ ہوتے تھے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

وہ اپنی نفسانی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ وحی ہے جو آن پر نازل ہوتی ہے۔

لطائف الحدیث

عَزَّ مَنْ قَنِعَ وَذَلَّ مَنْ طَمِعَ

جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عَزَّ مَنْ قَنِعَ وَذَلَّ مَنْ طَمِعَ یعنے عزت قناعت سے اور ذلت طمع سے حاصل ہوتی ہے۔ سبحان اللہ صرف دو لفظی فقرے میں آپ نے دفتر کونین کا شیرازہ باندھ دیا۔ یا یوں کہو کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ سوچنے والا دماغ اور سمجھنے والا دل چاہیئے چشم بصیرت کے لیے ایسے بہت سے اسرار اور رموز پوشیدہ ہیں۔ میدان عمل میں اگر ہم اس حدیث شریف کو اپنا اصول قرار دیں تو ہر ایک آفت و ہر ایک شر سے محفوظ رہ کر برکات خداوندی سے مالا مال ہو کر دارین کی خوبی حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آنحضرت کی مقدس تعلیم سے ہم اس قدر دور پڑے ہیں کہ منزل مقصود کا نشان تک نہیں ملتا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا قناعت اور دولت دنیا حاصل کرنا طمع ہے نہیں نہیں بلکہ دولت دنیا ہی دین کی تقویت کا موجب ہے۔ طمع کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی منفعت کے دُھن میں حلال و حرام کی تمیز نہ کرے اور ہر جا بیجا طریق سے اپنے گھر بھرنے کی فکر میں ہو۔ غیر کے پیسے پر نظر لگی ہو جس سے سر رشتہ صبر ہاتھ سے جاتا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ طامع ہمیشہ تنگ دل تنگ دست گدا و محتاج رہے گا ع

طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی

مشہور مقولہ ہے۔ قناعت وہ ہے کہ باوجود جد و جہد جو کچھ رزق اسکو میسر ہو اسپر ناخوش نہ ہو بلکہ راضی برضائے الٰہی ہو کر شکر الٰہی بجا لائے۔ اپنی حاجت روائی کے لیے کسی بندۂ خدا سے ملتجی نہ ہو یہی اصلی قناعت ہے۔ اب میں دونوں کے نتائج الگ الگ بیان کرتا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ طمع سے کس قدر برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور قناعت سے کتنی خوبیاں حاصل ہوتی ہیں۔ طمع سے حلال و حرام کی تمیز نہیں ہوتی اپنے اور بیگانوں میں امتیاز باقی نہیں رہتا۔ غیرت نام کو نہیں رہتی۔ خوشامد کی لت پڑ جاتی ہے۔ ہمدردی مفقود ہو کر خود غرضی کا مرض بڑھ جاتا ہے ہوا و ہوس کے دام میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ نور ایمان سے محروم وساوس شیطانی کا ہجوم دل کو گھیر لیتا ہے۔ چوری۔ ڈکیتی و دغا و کذب۔ فریب و فتنہ۔ فساد۔ ریا۔ حسد۔ چغلخوری اسکا ادنےٰ کرشمہ ہے۔ کیسا ہی عقلمند آدمی ہو مگر طمع کے دام میں پڑ کر احمق بن جاتا ہے یہ مصرع بہت مشہور ہے کہ۔

بردوز طمع دیدۂ ہوشمند

حریص آدمی ایک موہوم امید پر اپنی عمر رائیگاں کرتا ہے۔ مگر جب اسکو اپنے مقصد میں ناکامی ہوتی ہے۔ تو کمال حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ شعر

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ ادھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

برخلاف اسکے قناعت سے اولوالعزمی۔ استقلال ثابت قدمی بے نیازی۔ دلیری خوش وقاری و تمکنت حاصل ہوتی ہے نہ اسکو کسی امیر کی پروا نہ کسی حاکم کی احتیاج ہے۔ وہ خود اپنے اقلیم دل کا بادشاہ ہے۔ چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے شعر آزگدائی بادشاہی کم نیست اسکا بھروسہ صرف ذات خدا پر ہے اسی سے غرض رکھتا ہے۔ اسی سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے وہ مفلس رہ کر بھی تونگری کرتا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں کہ شعر

قناعت تونگر کند مرد را خبر دہ حریص جہاں گرد را

وہ غیروں کے پاس ذلیل نہیں ہوتا۔ بخلاف اسکے طامع آدمی باوجود قدرت کے بھی لوگوں میں ذلیل ہوتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ حاجتمند رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں کہ

آنکہ شیر افگند رو باہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج

غرض قناعت ایک لازوال نعمت ہے جس سے دینی اور دنیوی فواید حاصل ہوتے ہیں۔ دنیا میں ہر شخص اسکی عزت کرتا ہے۔ حق گوئی اور صداقت اسکا شعار ہوتا ہے عبادت الٰہی میں بھی اسکو ذوق حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ وساوس شیطانی سے اسکا دل پاک رہتا ہے خلق خدا سے بے نیاز رہتا ہے اخلاص اور خشوع خضوع کے ساتھ درگاہ باری میں سر جھکاتا ہے۔ مختصر یہ کہ شادی میں غمی میں دولت میں تنگدستی میں ہر حال میں اسکا بھروسہ

ذات الٰہی پر بھروسہ رہتا ہے ۔ رباعی

اشملی ذات پر توکل ہو مدام غیروں کے بھروسے کا برا ہے انجام
قطرۂ یم رحمت کا جو ہے مغموم گلزار امید ہووے سرسبز تمام

غرض جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عزّ من قنع و ذلّ من طمع اس قابل ہے کہ اہل اسلام اسکو آب زر سے لکھ کر حرز جان بنائیں۔ اور دین و دنیا میں سرخروئی حاصل کریں۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں ایک عظیم الشان فلاسفر بنکر آئے تھے۔ لہذا آپ کی حکیمانہ تعلیم سیدھے سادے الفاظ اور مختصر جملوں میں تمام اخلاق محاسن کو احاطہ کر لیتی تھی۔ آپ کی ہدایت ہر شخص کے عقل و فراست کے مطابق تھی یہی وجہ تھی کہ اسکا اثر وسیع ہوتا چلا گیا۔ خداوند کریم ہر مسلمان کو اسپر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علٰی سید المرسلین +

خاکسار محمد اسمٰعیل مغموم

امّی نبیؐ کے حکیمانہ اقوال

صدقہ جاریہ علم نافع اور تربیت و تعلیم اولاد موت بجز تین چیزوں کے اور تمام کاموں سے انسان کا تعلق منقطع کر دیتی ہے۔ ایک خیرات (جسکا اثر ہمیشہ جاری رہے) دوسرے علم جس سے دوسروں کو نفع پہنچے، تیسرے نیک اولاد (جو والدین کی حسن تربیت اور اپنی سعادت مندی کی وجہ سے) اسکے لئے مغفرت کی دعا کرتی رہے (اس حدیث قدسی سے صدقہ جاریہ علم نافع اور تربیت و تعلیم اولاد کی اور تمام اعمال پر فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان تین کاموں کا اثر مرنے کے بعد بھی قایم رہتا ہے) +

سخاوت اور تعلیم حسد کرنا حرام ہے مگر دو شخصوں کی حالت پر رشک کرنا (یعنی اس بات کی کوشش کرنا کہ ہم بھی انہیں کی طرح ہو جائیں، حسد میں داخل نہیں ہے۔ ایک وہ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور وہ اس مال کو راہ حق میں صرف کرتا ہے، دوسرے وہ کہ جسے حق تعالیٰ نے علم و حکمت کی نعمت دی ہے۔ اور وہ اُس کے مطابق حکم احکام جاری کرتا۔ اور لوگوں کو اس کی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ (سبحان اللہ کیسے حکیمانہ پیرایہ میں امت مرحومہ کو مال و دولت اور علم و حکمت کے حاصل کرنے اور ان سے اپنی قوم کو نفع پہنچانے کی ترغیب دیگئی ہے) +

مفسدہ پردازی یا تفاخر کی نیت سے علم حاصل کرنا جو شخص اس خیال سے علم پڑھیگا کہ اسکا شمار عالموں میں ہونے لگے اور لوگوں کی توجہ اسکی جانب مبذول ہو یا اس نیت سے کہ وہ اس علم سے جاہلوں اور ناواقفوں میں فساد برپا کرے ایسے شخص کو خداتعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا۔ (کیسی سخت تنبیہ ہے اس حدیث قدسی میں اُن ناخدا ترس اور ناعاقبت اندیش علماء کے لیے جو معمولی معمولی مسئلوں اور ذرا ذرا سی باتوں پر جاہلوں کو آپس میں لڑواتے اور قومی تمدن میں رخنہ اندازی کرتے ہیں اور اپنی ہواخیزی اور بدنامی کے اندیشہ سے ہٹ دھرمی اور سخن پروری سے کام لیکر امر حق کے قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ تاکہ کہیں ان کا جانا پہچانا اور نذرونیاز کی آمدنی کم نہ ہو جائے۔ خداتعالیٰ ہمارے علماء اور طالب علموں کو اس حدیث شریف پر عمل کرنے اور اس تنبیہ سے خائف ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین) +

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو شخص کسی کو نیک راہ پر لگائے (یعنی اچھے کاموں کے کرنے کی نصیحت اور برے کاموں سے بچنے کی ہدایت کرے) اسکو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے۔ جتنا کہ نیکی کرنے والے کو (اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجائے خود ایک نیکی ہے جسکا پورا پورا اثر تو اسی وقت ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ آدمی پہلے خود عمل کر کے دکھائے اور خود نمونہ بنکر سامنے آئے لیکن بالفرض اگر کسی کے عمل بھی اچھے نہیں ہیں۔ مگر وہ دوسروں کو نصیحت کرتا اور نیکی کی دعوت دیتا رہتا ہے تو امید ہے کہ اسکی نصیحت و دعوت رائگاں نہیں جائے گی۔ اور اسکا کچھ نہ کچھ اجر اسکو ضرور ملیگا۔ جو لوگ محض اسوجہ سے اپنے حلقہ اثر میں نیکی کی تبلیغ کرنے سے شرماتے ہیں کہ خود ان کے اعمال اچھے نہیں ہیں۔ یا وہ لوگ جو کسی بے عمل ناصح سے نصیحت سنکر کہا کرتے ہیں کہ پہلے خود تو اپنی حالت درست کر لو پھر ہمکو نصیحت کرنا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں فریق غلطی پر ہیں کیونکہ منجملہ اور دینی فرائض کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ایک فرض ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی شامت اعمال سے اور فرائض کی پروا نہیں کرتا تو کیا ضرورت ہے کہ وہ اس فرض کو بھی پورا نہ کرے۔ جو لوگ بے عمل ہیں اور ناصح بھی نہیں ہیں انکو کوئی حق نہیں ہے کہ ایک ایسے شخص کو نظر حقارت سے دیکھیں جو بے عمل ہونے میں تو انکے برابر ہے مگر "ناصح" ہونے میں ان سے بڑھا ہوا ہے۔ انظر ما قال ولا تنظر من قال کے یہی معنی ہیں) +

اچھی اور بری صحبت اچھی صحبت کی مثال مشک بیچنے والے کی سی ہے اور بری صحبت کی مثال بھٹی دھونکنے والے کی سی۔ مشک والا یا تو تم کو مشک عطا کرے گا۔ یا تم خود اس سے خرید لوگے۔ ورنہ کم سے کم اسکی عمدہ خوشبو ہی سے متاثر ہوگے اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلا دے گا یا اس کی بدبو تمہارے دماغ کو پراگندہ کردیگی +

برے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے اور نیک ہمنشیں تنہائی سے بہتر ہے +

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق والاعمال

تہذیب النفس　تدبیر منزل　سیاست مدن

توکل

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ واللہ نعم الوکیل

گفت پیغمبر بآواز بلند　بر توکل زانوی اشتر بہ بند

اُس نمایاں تفوق اور علانیہ برتری کے باوجود جو نوع انسان کو کائنات میں حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ قادر مطلق مختارکل اور حکیم کامل نہیں۔ بزرگ ترین افراد بھی اپنی خواہش کے برلانے یا اپنی ضرورت کے سرانجام دینے میں بعض اوقات بالکل عاجز و قاصر رہتے ہیں۔ قحط و وبا طوفان ایسی بلائیں ہیں کہ انسان ان سے نجات نہیں پا سکتا اور قدرتی طاقتوں کے شکنجے سے بسا اوقات وہ نہیں نکل سکتا۔ ہر انسان کی زندگی میں بارہا ایسے اتفاقات پیش آجاتے ہیں جبکہ "تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ"، کا مضمون صادق آتا ہے۔ یہ طبعی کمزوری اور فطری نقص پست ہمت انسان کو اپنی رفتار میں سست اور مضمحل بنا سکتا ہے۔ لیکن اگر مطالعہ فطرت کرتے ہوئے منشاء ایزدی کی تکمیل کو اپنے افعال کا منتہا قرار دیا جائے تو یہ عجز و بے کسی ہی اعمال کے لئے عظیم الشان قوت محرکہ ہے۔ انسان کی تمام فضیلت حسن عمل پر منحصر ہے۔ فضیلت و برتری کیسی وجود و قیام کا دارومدار ہی اسپر ہے۔ خود زندگی ہی نام ہے حس و حرکت کا پس اعمال سے اعراض نہ تو ممکن ہے نہ مناسب کیونکہ لوازم حیات و حوائج بشریہ سے انحراف محال ہے۔

اسباب سے قطع تعلق اور مال سے علیحدگی کو عین توکل سمجھنا ایک ایسا خیال ہے جس سے ذی فہم ارباب دانش اتفاق نہیں کر سکتے۔ تاثیر اسباب قدرت الٰہی کا نمایاں کرشمہ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اشیاء کو قادر و مختار تسلیم کیا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر چیز سبب ہے اور مشیت الٰہی نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اس میں تاثیر پیدا کی ہے۔ جیسا کہ خلیل اللہ نے کہا ہے "ان بتوں نے بہت آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے" اور رسول کریم صلعم نے فرمایا "مجھ کو ابوبکر کے مال سے زیادہ کسی مال نے نفع نہیں پہنچایا" نیز یہ کہ "مجھ کو خیبر کا زہر آلود لقمہ ہمیشہ اثر دکھاتا رہا حتی کہ میرے دل کی رگیں کاٹ ڈالیں" آنحضرت صلعم نے نفع کو مال اور ضرر کو کھانے کی طرف منسوب کیا۔

توکل و اسباب میں باہم مخالفت نہیں ہے۔ توکل یہ ہے کہ دل فقط اللہ پر بھروسہ کرے اور یہ اس امر کے خلاف نہیں ہے کہ بدن کو اسباب کے ساتھ تعلق ہو۔ اور اکتساب مال کے لئے جنبش کیجائے۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔ توکل کا منشاء صرف یہ ہے کہ دل بہ یار دست بکار کے مطابق خدا پر وثوق کامل رکھتے ہوئے کوشش کے بعد جو کچھ بھی نتیجہ مرتب ہو اسے خوشی سے قبول کیا جائے۔ نہ یہ کہ اسباب سے اعراض اور مال سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کی ہوئی نعمتوں کا اظہار چاہتا ہے۔

أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ اپنے پروردگار کی نعمت ظاہر کرو (قرآن)

ان اللہ یحب ان یری اثر نعمۃ علی عبدہ۔ خدا اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر نمایاں دیکھے (حدیث)

پس وہ سب سے اعلیٰ نعائم اپنی ودیعتوں کا اظہار بھی چاہتا ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ اسکی عنایت پر بھروسہ کر کے اسکی ودیعت کو معطل چھوڑ دیا جائے اور اس بہترین عنایت سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ بخشش الٰہی نے جو تمہارے قبضہ میں عطا کیا ہے پہلے اسے کام میں لاؤ۔ پھر جو اسکے پاس ہے۔ اسے طلب کرو۔ قوائے انسانی بھی اسکی نعمتیں ہیں۔ جو تمہارے پاس ہیں۔ پہلے ان کا استعمال کرو۔ پھر جو خدا کے پاس ہے اسکے طلبگار بنو۔

کسب سے دست بردار ہونا۔ تحصیل معاش کو گراں بار سمجھنا اہل و عیال سے بے تعلقی اختیار کرنا۔ فرائض کو چھوڑ کر صاحب توکل کے نام سے مقدس بن کر دوسروں کا محتاج رہنا اور ان کی دعوتیں قبول کرنا یہ رذیل عادات بجز دنی الطبع آدمیوں کے

کسی پر نہیں ہوتیں۔ ورنہ انسان کامل وہ ہے جو اپنے جوہر کو جو اللہ نے بخشا ہے ہر ایک پر احسان کرنے کے لیے صرف کرے اور شیر بن کر رہے نہ کہ خود غرض مکار لومڑی جیسا گزارہ دوسروں کے پس خوردہ پر ہو۔

جو ہمارا رزق ہے وہ ہم کو ضرور ملے گا۔ یہ بات نہایت قبیح اور فقط پست ہمت آدمی کی حجت ہے۔ قادر مطلق نے اسباب بنا دئے ہیں۔ کھانے کو بھوک کا سبب قرار دیا حالانکہ وہ قادر تھا کہ بغیر اسکے مخلوق کو زندہ رکھتا۔ پس اس نے مخلوق کو اہل حاجت بنا کر پیدا کیا ہے۔ لہذا بھوک کی تکلیف اسی چیز سے رفع ہوگی جسکو اس نے زائل کرنیکا سبب بنایا ہے۔ یہی کیفیت مرض لاحق و دیگر ضروریات کی ہے۔

حکیم مطلق نے حیوانات کو مایحتاج کے حاصل کرنے کے لئے ساتھ ہی ساتھ آلات و وسائل مہیا کر دئے ہیں۔ آدمی کی شمع عقل کو منور کیا ہے جو احتیاط و احتراز کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ پس جو مریض احتیاط کو ترک کر کے اللہ کی نعمت بیکار کردے تو گویا اسنے حکمت الٰہی کو معطل کر دیا۔ لکل داءٍ دواءٌ کو باطل سمجھنے والے تو دیکھے گئے ہیں۔ مگر ترک غذا محال ہے۔ جو عقل و علم کا دعوے کرے پست ہمتی سے بلا کے سامنے گردن جھکا دے۔ ایسے شخص کو عقلمند و بہادر نہ کہا جائے گا۔ وہ بندے کے شایان شان یہ ہے کہ اعضاء و جوارح کسب و پیشہ میں لگے رہیں اور دل اطمینان کے ساتھ خدا پر بھروسہ کئے ہو۔ اب چاہے وہ عطا کرے یا نہ کرے۔ لیکن خدا کا تصرف حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے لیکن کاہل لوگوں کی پست ہمتی نے بطالت کو توکل کا ہم پایہ بنا دیا۔ اسباب کو بیکار چھوڑنا۔ بنانے والے کی حکمت سے مونہ موڑنا ہے کھانا پیٹ بھرنے کا سبب۔ پانی پیاس بجھانے کا ذریعہ اور دوا بیماری کے علاج کے لئے موضوع ہیں۔ اگر آدمی سبب کو حقیر سمجھ کر اس سے دست بردار ہو پھر دعا مانگے اور سوال کرے تو اسکو جواب ملے گا ہم نے تیری عافیت کے لئے سبب بنایا تھا جب تو نے اس کو اختیار نہ کیا اور ہماری بخشش کو مہمل چھوڑ دیا تو اکثر اوقات تجھ کو بغیر سبب کے ہم عافیت نہ دینگے کیونکہ تو سبب کو ذلیل گردانتا ہے اگر کوئی سچا کھیتی کا آرزو مند ہو اور سیرابی زمین کا خواہشمند۔ کھیت میں پانی نہر سے آتا ہے۔ اور نہر پاس جاری ہے۔ اب یہ شخص ٹیلہ پر چڑھ کر نماز استسقا پڑھنے لگے تو یہ حرکت نہ شریعت کی رو سے اچھی ہے نہ عقل کے لحاظ سے بہتر ہے اگر کوئی یوں کہنے لگے کہ ہر ایک امر مقدر ہے تو احتراز کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔ جواب یہ ہے۔ حکم و فرمان موجود ہیں جس نے مقدر کیا ہے اس نے حکم دیا ہے۔ اللہ بندوں کو آزماتا ہے۔ بندے اللہ کو نہیں آزماتے۔ توکل دل کا فعل ہے۔ جوارح کی حرکت کے منافی نہیں جس نے توکل کا حکم دیا ہے۔ اسی نے ہتھیار باندھنے کا ارشاد کیا ہے خذوا حذرکم اپنے ہتھیار لیلو واعدوا لهم ما استطعتم من قوة جس قدر قوۃ ہو سکے بہم پہنچاؤ۔ رسول اللہ نے دو زرہیں زیب تن فرمائیں طبیبوں سے مشورہ لیا۔ غار میں پناہ لی۔ ایک موقع پر فرمایا "آج کی رات میری نگہبانی کون کرے گا" اور حکم دیا اپنا دروازہ بند کر لیا کرو۔ توکل احتراز کے منافی نہیں ہے ؎

بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

توکل یہ ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس پر راضی رہے۔ حد سے زیادہ احتیاط و احتراز و انجام بینی اور حفاظت سے عجز عقل کے نزدیک تفریط ہے۔ اور اہل عقل خراب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محافظت کی پوری کوشش کے بعد توکل کا حکم دیتا ہے۔

وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله۔ مشورہ کیجئے جب مستقل ارادہ ہو تو خدا پر توکل کیجئے۔ نماز خاص ترین عبادت میں ہدایت ہوتی ہے فلتقم طائفة منهم معك (علت) کفار چاہتے ہیں تمہیں اسلحہ و رخت سے غافل پاکر تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ اسلئے ہتھیار باندھے رہنا واجب ہے (امام شافعی) انبیاء و اولیاء سلف صالحین و صحابہ کسب کرتے رہے بعض اوائل صوفیہ بوجہ زہد و ورع اپنے مال سے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور ان بزرگوں کا مقصود خیر محض تھا لیکن انکے اس خیال و حرکت میں بقول علامہ ابن جوزی غلطی پر ضرور تھے۔ تمام تابعین و تبع تابعین کسب کرتے رہے اور کسب کا حکم دیتے رہے۔ اگلے بزرگ ہاتھ پاؤں توڑ کر خانقاہ و مسجد میں بیٹھنے کو منع کرتے اور کسب کا حکم دیتے تھے۔

"ان لوگوں کو کیا ہو گیا جنہوں نے دنیاوی خواہشوں اور نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ میں نے تم کو کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ تم عیسائی عابدوں اور راہبوں کی مانند بن جاؤ۔ میری شریعت میں یہ بات نہیں کہ گوشت کھانا ترک کریں، معاشرت نسواں سے اجتناب کریں۔ راہبوں کی طرح گوشہ نشین ہو جائیں میری امت کی سیادت یہی ہے کہ وہ گاہے ماہے روزہ رکھیں۔ اور رہبانیت فقط یہ ہے کہ راہ خدا میں جان و مال سے کوشش کریں۔

اے لوگو خدا کی بندگی کرو کسی کو اسکا شریک نہ سمجھو۔ حج و عمرہ بجا لاؤ۔ نماز پڑھو روزہ رکھو۔ ہر کام میں اعتدال و میانہ روی کو مرعی رکھو اپنے نفس پر سختی مت کرو تاکہ خدا تم پر سختی نہ کرے جو تم سے پہلے گزرے ہیں انہوں نے خود کو تباہ و ہلاک کیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے نفس پر سختی کی اسلئے خدا نے بھی ان پر سختی کی میں اس کام کے لیئے مامور نہیں ہوا۔ جیسا خدا کا حق تم پر ہے ایسا ہی تمہارے نفس کا بھی حق ہے جو میرے طریقہ سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں ہے (حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم)

اے قاریوں کی جماعت ذرا سر اٹھاؤ۔ راستہ بالکل روشن ہے نیکیوں کے لیے

بچت کرو۔ اور محتاج بنکر نہ رہو (عمرؓ)

حضرت عمرؓ جوان سے خوش ہوتے لیکن بے کار معلوم ہونے پر وہ انکی نظر سے گر جاتا۔

کسی بزرگ کا قول ہے "خدایا ہمارے مال میں برکت دے۔ ہم میں اور بارہ سال میں جدائی نہ ڈال اگر مال نہ ہوتا تو ہم روزہ نہ رکھ سکتے نہ نماز پڑھ سکتے۔ نہ اپنے پروردگار کے فرائض ادا کر سکتے۔"

مجھ کو برا معلوم ہوتا ہے کسی آدمی کو بیکار دیکھوں نہ دنیا کا کام کرتا ہے نہ دین کا (ابن مسعودؓ) جو اپنے گھر میں یا مسجد میں بیٹھ رہے اور کہے کہ میں کچھ کام نہ کروں گا وہ شخص علم سے بے خبر ہے (امام احمد حنبلؒ) جو شخص دنیا کو آخرت کے لیئے اور آخرت کو دنیا کے لیئے چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں (امام جعفر صادقؒ) ہمارے نزدیک عبادت اسکا نام نہیں کہ اپنے پاؤں جوڑ رکھو اور دوسرا شخص تمہیں کھلاوے بلکہ اول دو روٹیوں کی فکر کر لو تب عبادت کرو۔ (ابو سلیمان دارانیؒ)

جس شخص کو ذریعہ حلال سے بقدر کفاف حاصل کرنے کی احتیاج ہے۔ تو یہ امر ایسا ہے جو ضروری ہے جس شخص کا مقصود حلال طریقہ سے مال حاصل کرنا ہو تو ہم مدعا پر غور کرینگے اگر صرف بڑائی اور فخر ہے تو بہت برا مقصود ہے۔ اگر اپنی اور اہل و عیال کی عفت چاہتا ہے آئندہ زمانہ کی آفتوں کے لیئے ذخیرہ رکھتا ہے چاہتا ہے کہ بھائیوں کی امداد کرے۔ محتاجوں کو خوش کرے۔ نیک کاموں کو سرانجام دے تو اسکے قصد پر اسکو ثواب ملے گا۔ اور اس نیت سے جمع کرنا بہت ہی عبادتوں سے افضل ہوگا۔

سلف ہمیشہ مال کی تعریف کرتے اور زمانہ کی آفتوں اور محتاجوں کی اعانت کے لیئے مال جمع کرتے رہے۔ محتاجی ایک مرض ہے جس نے اس میں مبتلا ہو کر صبر کیا اسکو ثواب ملیگا مال ایک نعمت ہے اور نعمت کے لیئے شکر ضروری۔ مالدار جب محنت اٹھاتا ہے اپنے آپکو کار بندگی میں ڈالتا ہے گویا بمنزلہ مجاہد کے ہے۔

ابن جریر طبری کہتے ہیں حضرت عمرؓ کا نصف مال چھوڑنا دلیل ہے اس قول کے باطل ہونے پر جو جاہل صوفیہ کہتے ہیں کہ انسان کو نہ چاہیئے کل کے لیئے کچھ ذخیرہ رکھے۔ رسول کریمؐ کا یہ فرمانا کہ تم بکریاں پالو۔ ان میں برکت ہے۔ اس قول کے فاسد ہونے پر دلالت کرتا ہے جو بعض صوفیہ کا خیال ہے جو بندہ اپنے رب پر توکل کرتا ہے۔ اسکے لیئے یہی سامان ہے کہ کسی وقت کچھ مال و روپیہ پاس نہ ہو۔ رسول اللہ صلعم سال بھر کا رزق ذخیرہ رکھتے تھے (حبسہ ہے)

کیونکہ انسان کی حاجت منقطع نہیں ہوتی اور عاقل آئندہ کے لیئے سامان کیا کرتا ہے چنانچہ رسول کریم نے ہدایت فرمائی۔

"سعد! تمہارے لیئے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ انکو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ جو لوگوں کے سامنے محتاج ہو کر ہاتھ پھیلاتے پھریں۔"

"عمدہ اچھا مال اچھے آدمی کے لیئے بہت بہتر ہوتا ہے"

عبد اللہ بن کعب کو سارا مال خیرات کرنے کی نیت معلوم ہونے پر یہ نصیحت کی کہ

"کچھ مال اپنے پاس رہنے دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے"

سعد بن عبادہ دعا مانگا کرتے تھے۔

"خداوندا مجھ کو فراخدستی عطا فرما"

رسول کریم صلعم نے انس کے لیئے خیر و برکت کی دعا کی کہ

"الٰہا! انس کو مال و اولاد زیادہ عطا فرما۔ اور ان میں برکت دے"

اکتساب مال ایک ایسا درجہ ہے جو فطرۃً طبیعتوں میں ودیعت کیا گیا ہے جب اس سے مقصود خیر ہو تو وہ بھی خیر محض ہوگا۔

جب حضرت یعقوبؑ سے ان کے بیٹوں نے کہا۔ ایک اونٹ اناج کا ہمیں زیادہ ملیگا تو حضرت بھی ادھر مائل ہو گئے۔ اور ابن یامین کو ساتھ بھیج دیا۔

حضرت شعیبؑ نے نفع لینے میں زیادتی کی خواہش کی۔ چنانچہ حضرت موسےؑ سے کہا فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ حضرت ایوبؑ سے ارشاد خداوندی ہوا "اے ایوب کیا تیرا پیٹ نہیں بھرا انہوں نے عرض کیا" پروردگار تیرے فضل سے کس کا پیٹ بھرا ہے"

اصحاب رسول تری خشکی میں تجارت کے لیئے پھرتے تھے۔ اور باغوں میں پھرتے تھے بڑے بڑے صحابہ و تابعین ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو فکر تھی میں اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں۔

اکثر صحابہ نے مال حاصل کیا اور چھوڑ گئے طلحہ ۳۰۰ رطل سونا، زبیر ۵ کروڑ ۲ لاکھ، ابن مسعود نوے ہزار، عبد الرحمن بن عوف کا قافلہ شام سے آیا سات سو اونٹوں پر ہر قسم کا اسباب تجارت تھا۔

سعد بن شعیبؓ کا قول ہے "جو شخص مال پیدا نہیں کرتا وہ خیر پر نہیں۔ مال سے قرض ادا کرے۔ آبرو بچائے۔ مر جائے تو بعد والوں کے لیئے میراث چھوڑ جائے"

چنانچہ آپنے چار سو دینار ترکہ میں چھوڑے۔ سفیان ثوریؒ نے دو سو دینار ترکہ میں چھوڑے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ مال ایک ہتھیار ہے۔

انبیاء عظام اور علماء کرام کی طویل فہرست سے صاف صاف ثابت و ظاہر ہوگا کہ اہل دین کو پیشہ ہمیشہ مرغوب محبوب رہا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام	کسان	حضرت صالح علیہ السلام	زرہ ساز
حضرت نوح علیہ السلام	نجار	حضرت شعیب علیہ السلام	شبان
حضرت ادریس علیہ السلام	خیاط	حضرت موسیٰ علیہ السلام	شبان
حضرت ابراہیم علیہ السلام	کسان	حضرت داؤد علیہ السلام	زرہ ساز
حضرت لوط علیہ السلام	کسان	حضرت زکریا علیہ السلام	نجار

حضرت محمد علیہ السلام	شبان	عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	رفوگر
ابوبکر رضی اللہ عنہ	بزاز	عامر بن کریز رضی اللہ عنہ	رفوگر
عثمان رضی اللہ عنہ	بزاز	سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	تیرساز
عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ	بزاز	عثمان طلحہ رضی اللہ عنہ	درزی
طلحہ رضی اللہ عنہ	بزاز	ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ	کسان
محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ	بزاز	سلیمان خواص رضی اللہ عنہ	خوشہ چین
میمون بن مہران رضی اللہ عنہ	بزاز	خلیفہ سرعشی رضی اللہ عنہ	خشت پز

زبیر رضی اللہ عنہ۔ رفوگر

اگر اسلامی تاریخ کے آسمان شہرت پر نظر ڈالی جائے تو ممتاز و درخشندہ ستاروں یعنی ارباب فضل و کمال میں ایک بڑی تعداد اہل حرفہ نظر آئینگے۔ مثلاً

ضیاء الدین ابن بیطار	ابوبکر محمد بن احمد اسکاف
منصور حلاج	ابویعقوب سراج الدین یوسف بن محمد خوارزمی سکاکی
ابوالفضل یحییٰ حکاک مکی	شیخ داؤد سمان
خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی حائک	عمرو لیث بن صفار
سید الطائفہ ابوالقاسم جنید خراز بغدادی	ابونصر صباغ
عماد الدین یاقوت خیاط	شیخ عطار
ابوعبداللہ خیاط استاد ابن جوزی	غزالی
عمر خیام نیشاپوری	ابوعلی فراخوری
شیخ ابوعلی دقاق	شمس الائمہ حلوائی
ابویزید بسطامی سقاء جعفر بن صادق	ابوبکر قفال مروزی

سچ ہے ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

(عبدالکریم)

عورتوں کا عرسوں میں شریک ہونا

آج کل عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جن کے لیئے قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ گھروں میں بیٹھنے کی تاکید قادر قیوم نے اپنے مقدس کلام میں فرمائی ہے بہ نیت عبادت و ثواب عرسوں میں شریک ہوتی ہیں۔ عمدہ عمدہ نفیس اور قیمتی دلفریب کپڑے پہن کر عطر و تیل لگا کر نہایت آراستگی کے ساتھ بناؤ سنگار کرکے مردوں کے پہلو بہ پہلو چلتی پھرتی ہیں۔ مردوں کے ساتھ محفل رقص و مجلس سرود میں شریک ہوکر نامحرم ڈوموں اور قوالوں کی قوالی و گانے سنتی ہیں۔ ناچ و رنگ کا حظ اٹھاتی ہیں۔ یہ عورتیں خدا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے عتاب و غصہ اور ناراضگی کی کچھ بھی پروا نہیں کرتیں۔ ان پر غیر مردوں کی نظریں پڑتی ہیں۔ اور یہ بھی نہایت بے باکی سے نامحرموں کو دیکھتی ہیں۔ اور محض چند لمحے کے فانی حظ کی خاطر بے فائدہ عذاب خدا اور قہر الٰہی میں مبتلا ہوتی ہیں۔

عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَاِنَّ الْمَرْأَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا (ترمذی و ابوداؤد شریف)

حضرت ابوموسیٰ رضہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہر آنکھ (کہ جو نظر بد سے کسی اجنبی مرد یا کسی عورت کو دیکھتی ہے وہ) زانیہ ہے اور عورت خوشبو مل کر جب کسی مجلس پر گزرتی ہے تو وہ بھی ایسی (یعنی زانیہ) ہے۔

اِس صحیح حدیث کے مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے عرسوں میں عورتوں کی شرکت ان کے لیئے اور ان کے سرپرست و وارثوں کے لیئے سخت عذاب اور گناہ کبیرہ کا باعث ہے۔ عرس کی شرکت عورتوں کے لیئے کوئی مذہبی فریضہ یا اسلامی شعار میں داخل نہیں ہے۔ عرس کا فرض ہونا حتیٰ کہ واجب و سنت ہونا بھی کہیں سے ثابت نہیں ہے۔ تو انہیں عورتوں کی شرکت کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔ فریضہ خداوندی نماز جماعت کے لیئے محلوں کی مسجدوں میں تو جا ہی نہیں سکتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی پنج وقتہ عبادت کے مقابلہ میں عرسوں کی شرکت کی کیا وقعت و ہستی ہوسکتی ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ المرأۃ فی بیتہا افضل من صلاتہا فی حجرتہا و صلاتہا فی مخدعہا افضل من صلاتہا فی بیتہا (ابوداؤد شریف)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ عورت کا گھر کے اندر نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہت بہتر ہے اور اسکا تہ خانہ میں نماز پڑھنا گھر کے اندر نماز پڑھنے سے بہتر و افضل ہے +

عرس کی شرکت کو حج بیت اللہ زاد اللہ شرفاً و تعظیماً پر محمول کرکے عورتوں کے لیئے عرس میں شریک ہونے کا فتویٰ دینا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ یہ بی بی ہاجرہ علیہا السلام کے بے سروسامانی تنہائی مصیبت کے حالت کے مسکن کی زیارت گاہ ہے۔ اللہ کے بندوں کے عبادت کا گھر ہے۔ خدا کے گھر کا سفر ہے۔ جو صرف عمر بھر میں ایک دفعہ ادا کرنے سے سر سے اتر جاتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کے مقدس گھر میں اس طرح کا فتنہ و فساد کا خوف نہیں ہے۔ نظر بازوں، بدقماش، شہوت پرست مکاروں اور عیاروں سے خدا کا گھر خالی ہے +

شریر النفس لوگوں کی سلطنت کی طرف سے نگرانی ہوتی ہے۔ زانی اور زانیہ دونوں سنگسار الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ (دُرّے لگائے جاتے ہیں) علاوہ ازیں فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے عورت اسی وقت جاسکتی ہے۔ کہ جب اس کو حفاظت جان و عزت کا پورا پورا اطمینان ہو۔ بے اطمینانی خوف و ہراس کی صورت میں کوئی محرم یا اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں حج کے لیے نہیں جاسکتی۔ لا تحجن امرأۃ الا ومعھا محرم" بغیر محرم کے عورت حج نہیں کرسکتی۔ کیونکہ محرم کے ساتھ نہ ہونے کی صورت میں یا اجنبی کے ساتھ سفر کرنے میں طرح طرح کے فتنوں کا خوف ہے یخاف علیھا الفتنۃ۔

وفی حدیث لا تسافر امرأۃ سیرۃ یوم ولیلۃ الا ومعھا ذو محرم (مشکوٰۃ شریف) ایک حدیث میں ہے۔ کہ عورت ایک رات اور ایک دن کی مسافت کا سفر بھی بغیر محرم کے نہ کیا کرے۔

پس جب حج جیسے عظیم الشان رکن کی ادائگی۔ جان و مال عزت و آبرو ریزی کے خوف سے یا محرم کی عدم موجودگی کی وجہ سے نہیں ہوسکتی۔ تو عورتوں کے لیے عرسوں میں شریک ہونا کیونکر جائز ہوسکتا ہے جو سراسر ان کے لیے آبروریزی کا مقام ہے۔ جہاں نیک و بد۔ برے بھلے۔ رذیل و شریف۔ خوش خصال و بدخصال سب قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ منہیات شرعیہ۔ لہو و لعب کے سامان خدا کی یاد سے غافل کرنے والی چیزیں موجود رہتی ہیں۔ جو لوگ اپنی عورتوں کو بہو بیٹیوں کو عرسوں میں لیجاتے ہیں۔ یا انکو شرکت کی اجازت دیتے ہیں۔ گویا کہ یہ لوگ انکو معصیت کے ارتکاب کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور فرمان الٰہی لا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء کے صریحاً خلاف کرتے ہیں۔

عرس میں شرکت کرنے والیاں اور ان کے وارث دونوں گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں بعض ملکوں کی عورتیں عرسوں کے موقعوں پر کھلے منہ پھرتی ہیں۔ نہ برقع اوڑھتی ہیں نہ منہ چھپاتی ہیں۔ مشت کی دہن میں بیخود ہو کر بکریوں کی طرح ادھر ادھر پڑی پھرتی ہیں۔ یہ بے حیائی اور خدا اور رسول کے احکام کی نافرمانی اور صریح ارتکاب گناہ نہیں تو اور کیا ہے۔

جو عورتیں بظاہر پردہ سے عرسوں میں شریک ہوتی ہیں۔ برقع و چادر اوڑھے ہوتی ہیں۔ مردوں کو دیکھ کر اپنے منہ کو چھپا لیتی ہیں۔ انبوہ کثیر کی وجہ سے ان کا بھی کسی طرح پردہ قائم نہیں رہ سکتا۔ بھیڑ بھاڑ اور کثرت اژدہام اور

میں آنے والے بعض اوباشوں کی وحشیانہ حرکت سے سن کی نوبت پہنچ جاتی ہے، بعض شریر النفس ناعاقبت اندیش عفیفہ پارسا نیک عورتوں کی مصنوعی وجہ کے بہانے سے آبروریزی کا باعث بن جاتے ہیں۔ قاتلھم اللہ انی یوفکون o شہدوں بدذات لوگوں کے جیسے قلوب شہوت پرستی کے امراض مزمنہ کی وجہ سے نہایت مضمحل ہوگئے ہیں۔ یہ اچھا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ فیطمع الذی فی قلبہ مرض۔

بالفرض اگر برقع وغیرہ کی وجہ سے مردوں کی نظریں عورتوں کے چہرے اور بعض اعضا پر نہ پڑسکیں تو عورتوں کی نظریں برقع کی جالیوں میں سے غیر مردوں پر ضرور پڑتی ہیں۔ کیونکہ دیکھنے کے لیے برقع میں جالی نہ ہو تو چلنا دشوار ہوجائے۔

جسطرح غیر مردوں کا اجنبی عورت کو دیکھنا گناہ کا باعث ہے۔ اسی طرح عورتوں کا غیر مردوں کو دیکھنا گناہ کا موجب ہے۔ ہم اسلامی پردے کے عنوان سے پردہ کے متعلق پچھلے نمبروں میں مفصل بحث کرچکے ہیں۔ اور حضرت ابن ام مکتوم نابینا صحابیؓ کی حدیث نقل کرچکے ہیں۔ کہ باوجودیکہ حضرت ابن ام مکتوم رضؓ نابینا تھے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین بی بی ام سلمہ رضؓ اور ام المومنین بی بی میمونہ رضؓ کو ان کے سامنے آنے سے روک دیا تھا۔

الغرض جسطرح یغضوا من ابصارھم سے مردوں کو آنکھیں نیچے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی نص قطعی یغضضن من ابصارھن موجود ہے۔

پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ پردہ کو صرف یہیں تک محدود رکھا جائے۔ کہ عورتوں کو غیر مرد تو نہ دیکھا کریں۔ لیکن عورتیں برابر عرسوں میں میلوں میں شریک ہوا کریں۔ کوٹھوں پر بیٹھ کر رام لیلا اور تعزیوں کی سیر کیا کریں۔

بعضوں کا یہ خیال کہ پردہ صرف اسی قدر ہے۔ کہ ہماری صورت نامحرموں غیر مردوں کو نظر نہ آئے۔ غلط ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ جسطرح نیک عورتیں خود کو غیر مردوں سے چھپاتی ہیں۔ اسی طرح انکے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بھی نامحرموں کو نہ دیکھا کریں۔ اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ بغیر سخت ضرورت کے گھروں سے باہر قدم نہ دھرا کریں۔ بھولکر بھی جاہل المسمیات کی یا بند عورتوں کی طرح عرسوں میں میلوں میں بازاروں سیرگاہوں اور تماشوں میں نہ جایا کریں۔

۱ زنا کار عورت اور زنا کار مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّے مارو ۱۲ (نور ع ۱)

۲ اور اپنی چھوکریوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو ۱۲ (نور ع ۴)

۳ اللہ انکو غارت کرے کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں (توبہ ع ۱۲)

۴ جسکے دل میں کھوٹ ہے وہ ضرور لالچ کریگا (احزاب ع ۴)

۵ مرد اپنی آنکھیں نیچی رکھیں (نور ۴)

۶ عورتیں اپنی نظریں نیچی رکھیں (نور ع ۴)

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ	(بیبیو) اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ	اور اگلے زمانۂ جاہلیت کے رے، بناؤ
الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ	سنگار دکھاتی نہ پھرو۔ اور نماز پڑھا کرو
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (احزاب ع ۴ پ ۲۲)	زکوٰۃ دو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو

پس قرآن شریف اور مقدس اسلام کی سچی تعلیم جو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا دستور العمل تھا اسی دستور العمل کے مطابق مقدس بیبیوں کے قدم بقدم چلنے کی تمہیں بھی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جب قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے اور ازواج مطہرات کی مقدس زندگی سے اُن کا عرسوں میں شامل ہونا ثابت نہیں۔ تو تمہارے لئے بھی عرسوں کے وقت قبروں کی زیارت سے میلوں تماشوں میں شریک ہونے سے بدعات سیئات میں مبتلا ہونے سے بجز نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ کے اور کچھ حاصل نہیں ہے پس تمام شرع کے خلاف باتوں کو ترک کر کے اسوۂ حسنہ سنت نبوی کی اتباع و پیروی اختیار کرو۔

ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت سے مسلمانوں کو روک دیا تھا کہ مبادا نو مسلم اپنے آباؤ اجداد کی قبروں پر جاکر قدیمی رسمیات و بدعات اور اپنے بزرگوں کے طور و طریق کو یاد کر کے شرک و کفر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح قبروں کے مجاور نہ بن بیٹھیں۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ[1] اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (توبہ ع ۵ پ ۱۰)

لیکن جب اسلام کی تعلیم سے مسلمان پورے طور سے مستفید ہو گئے۔ کفر و شرک کے بدنتائج سے کماحقہٗ واقف ہو گئے۔ گور پرستی و بت پرستی کی برائیاں مسلمانوں کے دلوں میں مرکوز ہو گئیں۔ کفر و شرک کی ظلمت آفتاب اسلام کی نورانی شعاعوں کے سامنے نیست و نابود ہو گئی صرف خدائے واحد کی پرستش و عبادت ہونے لگی۔ اور مسلمان تمام کاروبار میں خدائے وحدہٗ کو اپنا کارساز حقیقی ماننے لگے۔ مصائب و تکالیف میں پروردگار عالم ہی سے مدد و استعانت چاہنے لگے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ[2] ۔ تو آپ نے قبروں کی زیارت کی بابت ان الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ	میں نے تم کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کر دیا
فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا	تھا۔ مگر اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ
وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ (ابن ماجہ بروایت	قبروں کے دیکھنے سے دنیا سے بے رغبتی ہوتی
ابن مسعود رضی اللہ عنہ)	ہے۔ اور آخرۃ یاد آتی ہے۔

حصول عبرت اور یاد آخرت کی نیت سے قبروں کی زیارت کے لئے جانا جائز مسنون و مباح ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جس زیارت سے نہ دنیا کی رغبت کم ہو۔ اور نہ آخرت کے عذاب و ثواب کا دل میں کچھ خطرہ آئے۔ وہ زیارت درست نہیں۔

اس حدیث سے محض مردوں کے لئے بہ نیت عبرت قبروں پر جانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ عورتوں کے لئے عرس کی شرکت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ ایک اور صحیح حدیث میں نہایت سختی کے ساتھ عورتوں کو قبروں پر جانے سے روکا گیا ہے۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول	حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ
الله صلى الله عليه وسلم لعن الله	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
زائرات القبور والمتخذين	خدا نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر
عليها المساجد والسرج	لعنت کی ہے اور جو لوگ قبروں پر سجدے
(ترمذی شریف)	بناتے ہیں۔ اور قبروں پر چراغ جلاتے

ہیں۔ اُن پر بھی خدا کی لعنت ہے۔!

بزرگان دین میں اکثر جن کے مزارات پر عرس ہوتے ہیں۔ متورع تھے۔ شرع کے پابند تھے۔ اپنے مالک حقیقی کی خوشنودی کی خاطر مطاعم لذیذہ و عمدہ عمدہ کھانوں کو اور ہر قسم کے دنیاوی عیش و عشرت کو ترک کر دیا تھا۔ شریعت غراء کے خلاف ان کا کوئی عمل نہ تھا۔ زندگی کی حالت میں بول و براز سے زیادہ ان حضرات کو معاصی سے نفرت رہی ہے۔ کسی غیر عورت کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ زال دنیا سے دور بھاگتے رہے ہیں۔ پس ان کے جانشین حضرات کو بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے ؎

گر میراثِ پدر خواہی علم پدر بیاموز

اور آج ان مقدس بزرگوں صلحا اور اولیاء اللہ کے مزارات پر جہاں وہ اپنے محبوب کے سایۂ عاطفت میں آرام سے پڑے سو رہے ہیں۔ رنڈیاں نچائی جاتی ہیں۔ یہ حسن کی دیویاں دنیا کی بہو بیٹیاں بناؤ سنگار کر کے عرسوں میں شریک ہوتی ہیں اور اپنی شرکت کو اپنے زعم باطل میں بزرگوں کی خوشنودی کا باعث سمجھتی ہیں۔

افسوس! صد افسوس! آج مقدس اور پاک زندگی بسر کرنے والے بزرگوں کے مدفن پر طرح طرح کی معصیت ہوتی ہے۔ کم سن لڑکے جو بمنزلہ عورتوں کے ہیں قوالی گاتے ہیں۔ مرد رنڈیوں کو اور نامحرم عورتوں کو دیکھتے ہیں۔ ان کے گانے کی آواز سنتے ہیں۔ محبت کا میلان ہوتا ہے۔ بعض بزرگوں کے جانشین نامحرم عورتوں سے مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں۔ تنہائی و خلوت میں توجہ دیتے ہیں۔ نکاح کی شرکت کی غرض سے دور دراز سے سفر طے کئے جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہر ہر عضو کا زنا ہیں۔ بعض بدوضع اس تقریب پر بازاری عورتوں کو اپنے ساتھ لیجاتے ہیں۔ ان سے مباشرت و اختلاط کرتے ہیں۔ اور یہ اصل زنا ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ

[1] ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور اپنے مشائخوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو خدا ٹھیرایا ہے ۱۲

[2] (اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں ۱۲

کانَ فاحشۃً وساء سبیلا (اور زنا کے پاس بھی ، نہ پھٹکو کیونکہ وہ بے حیائی ہے۔ اور بُرا چلن ہے (پ ۱۵ ۔ ع ۴)

بعض عورتیں دور دراز سے سفر کرکے بچوں کا چلہ چھٹی مزارات پر کرتی ہیں۔ قبریں پرآسیب اُتروانے کے لیے آتی ہیں۔ مرادیں اور منتیں مانگتی ہیں۔ قبروں کا طواف اور سجدہ کرتی ہیں۔ اور یہ نہیں جانتیں کہ تمام کاروبار کا کرنے والا تمام امور کو سرانجام دینے والا صرف وہی خدائے واحد ہے کہ جس نے ان صاحب مزارات کو زندگی عطا فرمائی تھی۔ وہی خدا تم کو بھی ہر طرح کی آسائش و آرام عطا فرما سکتا ہے وہی اولاد و دولت دیتا ہے۔ وہی زندہ رکھتا ہے۔ وہی مارتا ہے وھو الذی یحیی ویمیت۔ کسی کو حق نہیں کہ اسکی قدرت میں دخل دے سکے۔ اسی کے سامنے سر جھکانا چاہیئے۔ سجدہ کرنا صرف اسی ذات واحد کے شایان شان ہے۔ جس کے قبضۂ قدرت میں تمام عالم ہے۔ طواف بھی خدائے بزرگ و برتر کے مقدس گھر خانہ کعبہ کا ہے۔ کسی ولیؒ و بزرگ کی قبر اس طواف کی مستحق نہیں ہے۔

بہنو! اگر تم کو دین اسلام سے محبت ہے۔ قرآن شریف پر تمہارا یقین و ایمان ہے تو رسول عربی (روحی فداہ) اور بزرگان اسلامؒ و خلفاء کرامؓ و ازواج مطہراتؓ امہات المومنینؓ کی اتباع و پیروی کرو۔ گھروں میں بیٹھی ہوئی قرآن شریف پڑھ کر اپنے بزرگوں کو اپنے عزیزوں کو ثواب پہونچایا کرو۔ اور خود بھی نعمت لازوال حاصل کیا کرو

واذکرن مایتلی فی بیوتکن من ایٰت اللہ والحکمۃ ؕ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ؒ (احزاب ع ۴ پ ۲۲) اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں (یعنی قرآن) اور دانائی کی باتیں پڑھی جاتی ہیں۔ انکو یاد رکھو۔ کیونکہ اللہ (خوب) بھید جانتا ہے"۔

جو میسر ہو سکے خیرات و صدقات کرو۔ اپنی استطاعت اور مقدور کے موافق غرباء کو کھانے پکاکر کھلایا کرو۔ اور کاملین اولیاء اللہؒ اور بزرگوں کی ارواح طیبات کو ایصال ثواب کیا کرو۔ تمہارے لیئے قبروں کی زیارت عرسوں کی شرکت فتنوں کا باعث ہے۔

دیکھو! امام الائمہ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ روحہٗ و نور ضریحہٗ فرماتے ہیں کہ "عورتوں کو قبرستان میں جانے کی اجازت نہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ وہ قبروں پر بہت نا شائستہ کلمات کہتی ہیں۔ زیارت قبور سے جو بہتری بھلائی و عبرت عورتوں کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ بدی اور برائی سے کمتر ہے (اثمھا اکبر من نفعھا) علاوہ ازیں اثنائے راہ میں پردے کا کھولنا اور زینت کا ظاہر ہونا بھی ان سے سرزد ہوتا ہے (جو آیت ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن الخ کے منافی ہے) اور یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ اور زیارت صرف مسنون ہے۔ تو ادائے سنت کے لیئے ایسے بڑے گناہ کا مرتکب ہونا کیسے جائز ہوگا۔

(احیاء العلوم مصری جلد چہارم صفحہ ۴۷۳)

اب خدا سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف اسوۂ حسنہ سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے قدم بقدم چلنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے آمین۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ ٭

(عبد التواب چشتی از روہتک)

فلاح المومنین فی القرآن

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ

فلاح کو پہونچگئے ایمان والے جو نماز میں عاجزی کرتے ہیں

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ

اور جو نکمی باتوں سے منہ موڑتے اور جو زکوٰۃ

فَاعِلُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا

ادا کرتے اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوا اپنی بیبیوں کے یا اپنے

مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ

ہاتھ کے مال یعنی لونڈیوں کے ان پر ملامت نہیں پھر جو اس کے علاوہ

ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِ

چاہتے ہیں وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور عہد کا

ھِمْ رٰعُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِکَ

پاس رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں وہی لوگ

ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۵

ہیں فردوس کے وارث میراث پانے والے اور وہ اس میں ہمیشہ رہینگے

مسلمانوں نے صلاح و فلاح قوم کے لیئے طرح طرح کی تدبیریں کیں۔ انجمنیں کانفرنسیں قائم ہوئیں۔ ریفارمروں کی تعداد میں باوصف کمی اضافہ ہوتا رہا۔ لکچروں۔ اسپیچوں سے تجاویز پاس کرنے میں اچھے خاصے سرمائے لگائے مگر ایک قرآن پاک کو دستور العمل نہ بنانے کی بدولت جو کچھ ہوا وہ سب پر روشن ہے۔ چلنے والے چلے اور چلتے ہیں مگر یہ خبر نہیں کہ منزل مقصود تک پہونچنے والی سیدھی سڑک کونسی ہے؟ اسوۂ حسنہ کسکا نام ہے؟ صراط مستقیم کس کو کہتے ہیں؟ ہم اپنی جگہ پر ہیں یا مرکز سے دور جا پڑے ہیں ؎

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

کاش وہ رہنما جو صدیوں کے بھولے بھٹکے قافلے کو ایک بے آب و دانہ ریگستان سے منزل مقصود پہ لے آیا تھا۔ پھر ہمیں راست روی کی توفیق دے۔ اُسکے نقش قدم ابھی مٹے نہیں۔ اُس ہادی برحق کی دکھائی ہوئی راہ ہمارے خس و خاشاک اعمال سے کسی قدر چھپ گئی ہے۔ مگر غفلت کے پردے آنکھوں سے اٹھ جائیں تو دیکھ سکتے ہیں۔ جو دیکھا تھا۔ جس خدائی پکار نے برسوں کی سوتی بستی جگادی۔ قیصر و کسریٰ کی عمارتیں ہلا دی تھیں اُسے کان لگا کر سنیں تو سُن سکتے ہیں۔ جو سُنا تھا افسوس

کہاں وہ چشم بینا کہاں وہ گوش شنوا

ہم نے اُس وحی آسمانی کو سنا تو یوں سنا جیسے نہ سنا اور پڑھا تو یوں پڑھا گویا نہ پڑھا۔ ممکن نہیں کہ کوئی اُس سیدھی راہ پہ چلے اور منزل فلاح و بہبود تک نہ پہنچے

راستی موجب رضائی خداست کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

وہ شاہراہ شریعت جس کی تعریف میں ارشاد ہوا تھا کہ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ کدھر ہے؟ اب تو اُسمیں نئے نئے رستے نئی نئی سڑکیں نکالی جاتی ہیں۔ جس طرح قانون فطرت نہیں بدل سکتا اُسی دین کے احکام بھی نہیں بدل سکتے جو عین مطابق فطرت ہے۔ مذہب کا قانون بتاچکا ہے کہ صلاح و فلاح تمہاری اسی میں ہے جس میں پہلے تھی۔ زمانہ بدلنے سے وہ خدائی احکام بدلے نہیں جا سکتے۔ بدلنا ہے تو تم اپنی اس حالت کو بدلو۔ جسے تم نے نئی روش سمجھ کر اپنی رفتار سے قایم کر لیا ہے۔ جبتک تم ویسے ہی مسلم ویسے ہی مومن نہ بنو گے جیسے قرون اولیٰ میں تھے تو صدیوں قرنوں وہاں نہ پہونچو گے۔ جہاں پہونچنا چاہتے ہو۔ تمہاری ناؤ بھنور میں آ پڑی ہے تو ناخدائے کشتی اُمت کا سہارا ڈھونڈو۔ تم بگڑے ہو تو اسی کے سنوارے سنور سکتے ہو اور ڈوبے ہو تو اُسی کے اُبھارے اُبھر سکتے ہو ؎

سامان ترقیوں کے کر ہی نہ سکے بیڑے بھنور سے پار اتر ہی نہ سکے
افسوس جو ناؤ کھینے والے نہ رہے ایسے ڈوبے کہ ہم اُبھر ہی نہ سکے

ایسے تلاطم و ہر تیرہ طوفان لا مذہبیت میں اپنے چشمۂ ہدایت کو چھوڑ کر دوسروں کے پیاسے نہ بنو۔ قعر دریائے ضلالت میں نہ گرو۔

ہر درد کی دوا، ہر مرض کی شفا۔ اُس مسیحا کے شفاخانۂ رحمت میں موجود ہے جو ہمارے ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لیکر آیا اور صدیوں کے مردہ دلوں کو جلا یا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

مسلم مومن بن جائیں تو آن کی آن میں صلاح و فلاح تک پہونچ سکتے ہیں۔ قرآن مجید پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ رحمت ہے تو مومنوں کے لیئے۔ جنت ہے تو مومنوں کے لیئے۔ فلاح ہے تو مومنوں کے لیئے :۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ

قوم کی ترقی و فلاح سوچنے والے کتنے ایسے ہیں جو پانچوں وقت اُس خداوند کے آگے سر نیاز جھکاتے ہیں۔ فی صدی دس کیا پانچ بھی ایسے نہ نکلیں گے جو عقیدہ پنجگانہ ہو کر ایک بڑے رکن اسلام کے پابند ہوں۔ زیادہ تعداد انکی ہے جو عید کا تہوار منانیکو فقط عیدگاہوں میں نظر آتے ہیں ؎

گر مسلمانی ہمین ست کہ حافظ دارد وائے گر از پس امروز بود فردائے

حدیث شریف میں یہانتک تاکید و تہدید آئی کہ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جس نے جان بوجھ کر ایک فرض نماز چھوڑی وہ کفر کے خطاب باعتاب کا مستحق ٹھیرا۔ کفر و اسلام کے درمیان فرق امتیازی نماز ٹھیری۔ مگر آجکل مسلمانوں کی ظاہری صورت کا امتیاز فیشن نے اڑا دیا۔ فرض سے منہ موڑ کر کفر کی نجات بھی ہوگئی۔

تیرہ سو برس کی بنی ہوئی عمارت کی اینٹ گھسانے۔ اور دین کے ستون کو مرکز سے ہٹانے میں جو باک نہ رکھتے ہوں وہ اس حدیث کو پڑھ کر دیکھیں۔

اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ فَمَنْ اَقَامَهَا اَقَامَ الدِّيْنَ وَمَنْ هَدَمَهَا
نماز دین کا ستون ہے جسنے اِس ستون کو کھڑا رکھا دین کو قایم رکھا اور جسنے ڈھادیا

فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ۔
دین کی عمارت گرائی

اب اُن مسلمانوں کو تعلیم قرآنی پہ غور کرنا چاہیئے جو فریضۂ پنجگانہ کا بار سر سے اتارتے ہیں۔ مگر نہ قلب کو سنوارتے ہیں نہ اعمال کو سدھارتے ہیں۔ اسلام کے معنی ہیں "گردن نہادن بطاعت"۔ اپنے سجدوں میں سر جھکانے والے مسلم فلاح کو پہونچنے والے مومن کے قلب سے اُسوقت ممتاز ہونگے جب هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ کے مصداق ہوں۔

نماز کے ارکان رکوع سجود، قیام و قعود اعضائے ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں مگر حضور قلب سے تعلق ہے۔ وہ اگر بمنزلہ جسد ہے تو یہ بمنزلہ روح لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ کا مقصد یہی ہے کہ بے خضوع و خشوع نماز بمنزلہ جسد بے روح ہے۔

بخاری شریف کی متواتر حدیث ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اعمال نیک کے ثمرے نیت ہی کی درستی سے ملتے ہیں۔ کوئی عمل ہو خلوص نیت سے جبھی ادا ہو سکتا ہے کہ ذوق و شوق کے ولولے دل میں ہوں۔ یا خوف عظمت و کبریائی کسر نفس کی طرف مائل کر دے۔ یہ دونوں صفتیں دوسرے لفظوں میں تقویٰ سے تعبیر کی جاسکتی ہیں۔ جو متقی ہے مومن ہے۔ جو مومن ہے متقی ہے۔

اَلتَّقْوٰى رَأْسُ الطَّاعَاتِ وَاَصْلُ الْعِبَادَاتِ۔ پرہیزگاری سب طاعتوں کا

بیر اور سب عبادتوں کی اصل ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ بیشک نماز تمام بری باتوں اور منع کی ہوئی چیزوں سے روکنے والی ہے مگر کونسی نماز، وہی نماز جو ارکان ظاہری و شرائط باطنی کے ساتھ ادا کی جائے اب رہا تفاوت درجات و فرق مراتب جتنے خضوع و خشوع کے ساتھ کم و بیش پڑھی جائے گی اتنا ہی اثر مترتب ہوگا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ اے خدا پناہ مانگتا ہوں اُس علم سے جو نفع نہ دے۔ اور اُس قلب سے جس میں خشوع نہ ہو۔ علم بے عمل و عمل بے خلوص دنیا و آخرۃ کہیں بھی سود مند نہیں۔ پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ڈریں اور بے پرواہ نہو جائیں، صرف ظاہری ارکان نماز اٹھ بیٹھکر ادا ہو گئے اور دل کچھ بھی متاثر نہوا تو اس بیت کے مصداق ٹھیرے بیت

ہے نماز ان زاہدوں کی ضعف ایمان پر دلیل   سامنے اللہ کے جلتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے

اسکی رحمت سے ناامید ہی نہیں کاش وہ یہ التجا سُن لے۔ کہ ہمارا دل بھی اُدھر ہی لگا رہے جدھر اور اعضا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ بَلْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ بیشک اللہ تمہاری ظاہری شکلوں اور مال کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ دلوں اور کاموں کو دیکھتا ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ
جو کچھ ظاہر ہوں یا تمہارے جی میں چھپی ہوئی اللہ کے پاس تو سب کا حساب لیا جائیگا
اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ بیشک خدا تو دلوں کی کھٹک کا جاننے والا ہے لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اُس سے تو آسمان و زمین کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے ؎

بود علم یک ذرہ پوشیدہ نیست   کہ پیدا و پنہان بنزدش یکیست

مخلوق کو دکھانے کیلئے طاعت و عبادت میں ریا سے کام لیں تو وہ نہیں جان سکتی مگر جاننے والا تو سب جانتا ہے۔ اُس سے کہاں کوئی داؤں چل سکتا ہے تعلیم سلوک و تصوف کی غرض و غایت کیا تھی۔ صرف اصلاح قلب، اصلاح نفس جیسے اذکار و اشغال کا ثمرہ کہنا چاہیئے۔ آجکل وہ بھی اپنی جگہ پر نہیں محض گیرے فقیر بنکر بے سمجھے بوجھے چند رسموں کو شریعت کے مخالف فرض کی طرح برتنا بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ نفس پرستی و تن آسانی کا نام درویشی یا پیری مریدی رکھ لیا گیا ہے ؎

نیم ملا خطرۂ ایمان تھے   خطرہ ہر آن ہیں اب نیم پیر

اصلاح قلب سے بہتر تو کوئی ذریعہ منہیات سے بچنے اور اوامر کے بجالانے کا ہو ہی نہیں سکتا۔ انسان کے جسم میں تو یہی ایک ٹکڑا گوشت کا ہے جسکی صحت و درستی پر تمام اعمال جوارح کی درستی منحصر ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ فِیْ جَسَدِ اٰدَمَ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّھَا
آدمی کے جسم میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے۔ جب وہ درست ہوا تو سارا بدن درست ہوا

جہاں قلب کا آئینہ خطرات و ہوائے نفسانی کے غبار سے پاک و صاف ہوگیا جمال شریعت اُس سے محجوب نہیں رہ سکتا۔ شاہد مقصود کا جلوہ دیکھ لینا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ ساری طاعات و عبادات ذوق و شوق کے ساتھ اُس سے عمل میں آئینگے اور نماز جو جامع طاعات و عبادات ہے اُسی خضوع و خشوع سے ادا ہوگی۔ کہ فی صلاتہم خاشعون کے مصداق بنجاؤگے فلاح کو پہونچ جاؤگے۔ تمام لغو باتوں سے کنارہ کش ہو جاؤگے۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

آجکل ہم مسلمانوں میں فضول رسمیں، لغو مشغلے، ناجایز کھیل تماشے اسطرح عادت ثانی ہوگئے ہیں کہ انہیں بیکار اور برا جاننے کے وصف بھی نہیں چھوڑتے۔ دنیے کے ضروری کام کاج سے ذرا فرصت پائی تو جی بہلانے کو نہ کتب بینی ہے نہ کچھ لکھنا پڑھنا ہے۔ بس شطرنج۔ تاش۔ گنجفے چوسر ہیں۔ یا کبوتر بازیاں۔ پتنگ بازیاں وغیرہ کیا جانے کیا کیا بازیاں ہیں۔ دین و دنیا دونوں کے نقصانات و تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

نماز تلاوت قرآن تو بڑی چیز ہیں۔ دینی مذہبی تاریخی ادبی رسالوں کو دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ اور ملے بھی تو جی نہیں لگتا۔ کہیں نئی روشنی کا گہرا سایہ پڑا۔ اور انگریزیت کے لباس میں آگئے۔ تو اردو رسالوں پر نظر ڈالنا بار اور چھونا بھی ناگوار ہے۔

اگر یہی لیل و نہار ہیں تو صلاح و فلاح کی کونسی صورت ہے۔ جن باتوں سے کنارے رہنا ایمان والوں کی شان بتائی گئی۔ وہی ہمارے مشغلے ہیں جو اشغال ناروا ہمارے حق میں مضر بتائے گئے ہیں۔ وہی ہمارے جی بہلانے خوش ہونے کے سامان ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ہم ایسے بیمار ہیں کہ دوا منہ کو نہیں لگاتے پرہیز سے جی چراتے ہیں اور بہکے جاتے ہیں۔ علاج ہونا چاہیئے تدبیریں ہونی چاہئیں ؎

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا   مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا اُس نے ہے وہ مرض کون ایسا   کہ جس کی دوا حق نے ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جسکو آسان سمجھیں   کہے جو طبیب اُسکو ہذیان سمجھیں

(باقی) (حزنیہ)

غیبت

(۲)

(۶) حضرت ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک عورت کو کہا کہ تو دراز ہے۔ آنحضرتؐ نے جب یہ بات مجھ سے سنی تو فرمایا اے عائشہ تو نے غیبت کی۔ اس عورت سے معافی چاہ (کتب حدیث)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ غیبت کرنے والے کو چاہیئے کہ جس کی غیبت کی ہے اوس سے معافی چاہے ۔

(۷) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک عورت کو پست قد کہا تو حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ تو نے غیبت کی۔ تجھکو چاہیئے کہ تو اُسے تھوک ڈالے۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اُسی وقت تھوکی تو میرے حلق سے سیاہ گوشت کا ٹکڑا خون کی طرح گرا۔

اس حدیث میں جس خون کا ذکر ہے اسکا تعلق اس عالم سے نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ سب غیبت کرنے والوں کے حلق سے ایسا خون نکلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ اندر ہی اندر ہضم ہو کر برے افعال کا باعث ہو جاتا ہے۔

(۸) ایک صحابی کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ جو آدمی لوگوں کا گوشت کھاتا ہو۔ اوسکا روزہ کیسے ہو گا۔ اس کے بعد ایک عورتوں کی جماعت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کوئی ہے جو ان سے جا کر کہدے کہ تم نے روزہ رکھا ہے تو قے کر دو۔ چنانچہ ایک صحابی نے انکو حضرتؐ کے حکم سے آگاہ کر دیا۔ اور ان عورتوں نے قے کی۔ تو ہر ایک کے منہ سے جمع ہوا خون نکلا۔ آپنے فرمایا قسم ہے اوس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر یہ خون کے لوتھڑے ان کے پیٹوں میں رہ جاتے تو ان کو دوزخ کھا جاتی۔ (بہیقی احمدؒ)

دوزخ کے کھانے کا یہ مطلب ہے کہ غیبت کی وجہ سے جو برا اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ برے افعال پر مجبور کرتا ہے۔ اور یہی وہ باتیں ہیں جو دوزخ میں جانے کی باعث ہو جاتی ہیں ۔

(۹) آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ غیبت نیکوں کو اسطرح نیست و نابود کر دیتی ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔ اور ممکن ہے کہ اوسکے گناہوں سے اوسکی ایک ہی نیکی زیادہ ہو۔ اور یہ غیبت جو کرتا ہے اوس کے سبب سے گناہوں کا پلڑا بھاری ہو جائے اور وہ دوزخ میں چلا جائے۔ (مشکوٰۃ)

جب ہم کسی کے ساتھ بھلائی سے پیش آئیں۔ اور پھر ہم اوسکی غیبت کریں تو اسے معلوم ہونے کے بعد ہمارے احسانات کو ضرور فراموش کر بیٹھے گا۔ یہی نہیں بلکہ دشمنی پیدا کرے گا۔ اسی طرح آخرت میں غیبت کی وجہ سے اپنی تمام نیکیوں کا برباد ہونا سمجھ لو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ غیبت زبان سے ہی نہیں ہوتی بلکہ آنکھ سے ہاتھ سے اشارہ سے لکھنے سے بھی ہوتی ہے۔ اور اسکی دلیل یہ حدیث پیش کی ہے کہ جس وقت بی بی عائشہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ فلاں عورت ٹھگنی ہے تو حضرتؐ نے فرمایا کہ تو نے غیبت کی (کیمیائے سعادت)

(۱۰) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو کچھ تو کسی کو کہے اگر وہ سنے تو اسے کراہت معلوم ہو تو وہ بھی غیبت ہے۔ اگرچہ وہ سچ ہو۔ اور اگر وہ جھوٹ ہے تو وہ تہمت ہے۔

اس حدیث کی رو سے امام صاحب نے حسب ذیل غیبت کے اقسام مقرر کئے ہیں

(۱) غیبت بدنی۔ مثلاً اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں ایسا لمبا ہے جیسے اونٹ ہوا کرتا ہے یا ایسا کالا ہے جیسے حبشی ہوتا ہے۔

(۲) غیبت نسبی۔ مثلاً یوں کہے کہ وہ ایک ہندو بچہ ہے یا جولاہے کا لڑکا ہے اسکے نسب میں فرق ہے وغیرہ۔

(۳) غیبت فعلی۔ مثلاً چور، خائن۔ بے نماز۔ قرآن غلط پڑھتا ہے۔ بہت کھاتا ہے۔ بہت سوتا ہے۔

(۴) غیبت ملبوسی۔ مثلاً وہ کپڑے میلے کچیلے رکھتا ہے یا عمامہ بڑا باندھتا ہے وغیرہ وغیرہ کہے۔

(۵) غیبت گفتاری۔ وعدہ خلاف ہے۔ جھوٹ کا عادی ہے۔ دغا باز ہے وغیرہ کہے۔

پھر امام صاحب فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ امور ایسے ہیں کہ ان سے آپس میں برہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور لوگ ایسے امور میں دلچسپی لیتے ہیں۔ خود کو معروف کہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں خیال کرتے کہ یہ باتیں ہم میں بھی موجود ہیں۔ اور دوسرے لوگ ہماری نسبت بھی ایسا ہی کہا کرتے ہوں گے۔

بہر حال امام صاحب کی ان باتوں پر غور کیا جائے تو غیبت سے بچنے کا ایک عمدہ سبق مل سکتا ہے۔

امام غزالی صاحب نے جہاں غیبت کی برائی میں بحث کی ہے وہاں چند امور غیبت سے مستثنیٰ کئے ہیں۔

(۱) حاکم کے سامنے ظالم کا ظلم بیان کرنا۔

(۲) کہیں فساد ہو رہا ہے اور اوس سے برائی پھیلنے کا اندیشہ ہو اور ناظر اوسکے دفع کرنے پر قادر نہ ہو تو اوسکو چاہیئے کہ یہ بات ایسے شخص کے پاس جا کر بیان کرے جو اوسکے

دفع کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

(۳) قاضی کے پاس جائے یہ فتویٰ پوچھنا کہ جورو۔ ماں۔ باپ میرے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ آپ کوئی راستہ دکھایئے۔ یا وہ شخص ایسے ہو وہ شرعی غیبت میں جسکی ممانعت آئی ہو (داخل نہیں ہیں) اسکے بعد امام صاحب نے ایک حدیث لکھی کہ فرمایا حضرت نے کسی کی آبروریزی کی ہو یا کسی کا مال اوس کے ذمہ رہ گیا ہو۔ تو اُسے چاہیئے کہ وہ ان باتوں کی اوس سے معافی طلب کرے ورنہ ایکدن ایسا آئیگا کہ اوسکی تمام نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی۔ اور اگر نیکیاں نہ ہونگی تو اوسکی برائیاں ظالم کے سر ڈالدی جائیں گی کیونکہ وہاں روپیہ پیسہ تو ہے نہیں جس سے اوسکی تلافی ہوسکے۔

بہرحال یہ بات یاد رہے کہ اگر عام طور پر کسی کی غیبت کی جائے اور وہ ایسی ہو جس سے سننے والے کو اس امر کا گمان نہ ہو جائے کہ یہ فلاں شخص کے بارے میں کہہ رہا ہے تو ایسی بات غیبت میں داخل نہ ہوگی۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ جہاں تک ہوسکے اپنے تئیں ایسی مذموم کلمۂ کلام سے اپنی زبان کو باز رکھیں تاکہ اون کے قلوب اسکے برے نتائج سے محفوظ رہ سکیں ٭

محمد عبد الغفور (از حیدرآباد دکن)

حقوق والدین

(۱) بچوں کے لیئے والدین سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ انکی خدمت کی بجا آوری بھی جناب باری کی شکرگزاری ہے کیونکہ جو جذبۂ محبت والدین کو بچوں کی ہرطرح کی نگرانی کے لیئے مجبور کرتا ہے وہ حقیقتاً اس محبت کا پرتو ہے جو خالق کو اپنے مخلوق کے ساتھ ہے۔ لہذا والدین کیساتھ محبت کرنا اور انکی تعظیم و تکریم بجالانا۔ دراصل خدائی محبت کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے والدین موجب وجود و وسیلہ تربیت ہیں۔ تا بلوغ اغذیہ و البسہ کا تہیہ ان کے ذمہ ہوتا ہے نیز آداب و اخلاق صنعت و حرفت علم و ہنر تمیز و سلیقہ کل باتوں کا انصرام وہی کرتے ہیں حسب حیثیت دنیاوی ذخیرہ فراہم کرتے ہیں کہ بچے باآرام زندگی بسر کرسکیں اُن کے لیئے محنت و مشقت کو عین راحت سمجھتے ہیں۔ والدہ اس حالت میں خبرگیری کرتی ہے جب حس و حرکت کی قوت بھی نہیں ہوتی۔ خداوند عالم اپنی مقدس کتاب قرآن پاک میں فرماتا ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ (پ ۲۶۔ س احقاف۔ ع ۲) انسان کو کہا گیا ہے کہ والدین سے نیکی کرے کیونکہ والدہ نے ناقابل بیان تکلیف اٹھائی شیرخوارگی کے زمانہ میں خون جگر سے پرورش کی خود مصائب و تکلیف کی آماجگاہ بنی رہی۔ مگر بچے کو آرام پہونچاتی رہی تاآنکہ بچہ سن تمیز کو پہنچا ؎

جنت کہ رضائے مادران است — در تحت قدم مادران است

(۲) دوسری جگہ خداوند جل علیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۳) اور تمہارے پروردگار نے حکم قطعی دیدیا ہے کہ اوسکے سوا کسی کی عبادت نکرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور اگر والدین میں کا ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو اون کے سامنے ہوں بھی نہ کرنا اور نہ انکو جھڑکنا اور دونوں سے ادب و نرمی کے ساتھ گفتگو کرنا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ۔ اور محبت سے خاکساری کا پہلو انکے آگے جھکائے رکھنا۔ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اسی طرح تو بھی انپر رحم کیجیو۔

سبحان اللہ کتنا بڑا رتبہ والدین کا ہے ان آیات سے معلوم ہوا کہ خدا کی پرستش کے بعد والدین کی اطاعت و خدمت سب سے مقدم ہے جسطرح بحیثیت بندہ ہونے کے اسکی عبادت ناگزیر ہے اسی طرح والدین کی فرمانبرداری ضروری اور فرض عین ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ من رضی عنہ والداہ فانا عنہ راضی یعنی جس کسی سے ماں باپ خوش ہیں۔ اوس سے خدائے عزوجل بھی خوش ہے۔

(۳) غرض والدین کا وجود وہ نعمت عظمیٰ ہے جسکی برابری دنیا کی کوئی نعمت نہیں کرسکتی پس سعادتمند ہیں وہ فرزند جو اس نعمت کی قدر کرتے ہیں۔ ہرطرح دست و زبان دل و جان مال و دولت سے والدین کی خدمت کرتے ہیں اور انکا نصب العین بجز خوشنودی والدین اور کچھ نہیں کیونکہ اونکی اطاعت بجز ممنوعات شرعی کے ہر حال میں فرض ہے اور اس صورت میں بھی انکار محض نرمی و ملاطفت سے ظاہر کیا جائے کہ انکو کسی طرح ناگوار نہ ہو۔ نہ اینکہ درشتی و کج خلقی سے ارشاد باری ہے۔ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (پ ۲ س بقرہ ع ۲۶) کہدو کہ جو مال خیرات میں خرچ کرو وہ ماں باپ قرابتیوں یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو دو۔ اور جو کچھ خیرات کروگے اللہ کو معلوم ہے۔ غور کرو خیرات کے مال میں پہلا حصہ والدین کا ہے بعد ازاں دوسرے لوگوں کا اول والدین کی خدمت میں مال صرف کیا جائے بعدہٗ دوسرے مصارف میں پس جب صورت میں کہ والدین تنگحالی میں اوقات بسر کریں دوسروں کو خیرات دینا محض لاحاصل ہے۔ یہ ہیں احکام خداوندی والدین کے حقوق کے متعلق۔

(۴) اس زمانہ میں اکثر بچے والدین کی تعظیم و فرمانبرداری جیسی کہ چاہیئے نہیں کرتے جس کی وجہ غالباً مغربی تعلیم کا اثر ہے مگر اس مضر اثر سے بچنے کے لیئے ہمیں اپنے دستور العمل کو پیش نظر رکھنا چاہیئے دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے ہادی و رہبر کے ذریعہ خدائے عزوجل نے کیا طریقہ بتایا ہے ہمارے اعمال و افعال کلیۃً اسی کتاب مقدس کے مطابق ہونے لازم ہیں کیونکہ یہی مسلمانوں کا دین و ایمان ہے اسی میں کل دنیاوی و دینی امور کے متعلق ہدایات ہیں جن پر عامل ہونا موجب نجات ہے۔ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا (بنی اسرائیل ع ۱ پ ۱۵) قرآن بتاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشی سناتا ہے انکو جنہوں نے نیکی کی انکو ثواب بڑا ہے اس آیت شریف سے ظاہر ہے کہ قرآن پر عمل کرنا ہم پر فرض ہے۔ اب دیکھیے سو میں بچے نیک

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں

علم و ادب

ہوا اور پانی کی لڑائی

پانی۔ بیگم صاحبہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہر وقت بے طرح اخلاقی لڑکھڑاتی۔ اتراتی پھراکرتی ہیں۔ آخر معلوم تو ہو کس برتے پر تتا پانی۔ آپ میں وہ کونسی خوبی ہے کہ جس پر غرور کیا جاتا ہے۔ جب آپ کو دیکھا سر اونچا ہی کرکے چلتے دیکھا۔ عاجزی اور انکساری سے نیچے کو جھکنا آپ عیب سمجھتی ہیں۔ مجھے دیکھئے کہ باوجود اُن صدہا خوبیوں کے جو میری ذات میں پنہاں ہیں۔ ہمیشہ مائل بہ پستی رہنا پسند کرتا ہوں۔ کبر و غرور کو کبھی پاس بھی نہیں آنے دیتا۔ اپنی تعریف خود کرنا ضرور معیوب ہے۔ مگر میں فخر یہ نہیں بلکہ صرف حقیقت آپ پر ظاہر کرنے کے لیے کہتا ہوں۔ کہ دنیا میں تمام مخلوقات میری ذات سے مستفید ہوتی ہیں۔ ایک ادنیٰ ثبوت تو یہی ہے کہ تمام جاندار اپنی زندگی کے لیے میرے محتاج ہیں۔ زمین کو قابل زراعت بنانا اسی آپکے خادم کا کام ہے جس وقت میں ابر کی شکل میں نمودار ہوکر ہر طرف سے محیط ہوتا ہوں۔ تو کسانوں کے دل باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ میرے برسنے سے خوش ہو ہو کر ملار گاتے ہیں۔

درختوں کے ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے پتوں اور پھولوں کی باریک سے باریک عروق میں آپ مجھی کو دورہ کرتے ہوئے پائیں گی۔ انسانی خون جس پر اسکی زندگی کا دارومدار صرف میرے ہی دم سے رگوں میں دورہ کرنے کے قابل ہے۔ متمدن دنیا کے تمدنی فوائد بھی میری ہی ذات سے وابستہ ہیں۔ میں نہ ہوتا تو جہاز کس چیز پر چلتے؟ یہ میری ہی چھاتی ہے کہ صرف دوسروں کے نفع کی خاطر لاکھوں جہازوں کا بوجھ اپنے اوپر اٹھاتا ہوں۔ اور غریب ملاحوں کی نیا پار لگاتا ہوں۔ آگ جیسی جلانے والی قوت کا بجھانے والا میں۔ گرم اور تپتی ہوئی زمین کا ٹھنڈا کرنے والا میں۔ ناپاک کو پاک اور غلیظ کو صاف کرنے والا میں۔ انسانوں کی اشیاء خوراک کو قابل خورش بنانے کے لیے پکانے والا میں۔ غرضکہ مختصر الفاظ میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بغیر میری مدد کے دنیا کا کوئی کام چل نہیں سکتا۔

ادھر آپ ہیں کہ مست ہاتھی کی طرح چیختی چنگھاڑتی آتی ہیں۔ وشں میں درخت جڑ سے اکھیڑ ڈالے۔ دو چار غریبوں کے چھپر نوچ کھسوٹ کر کہیں سے کہیں پھینک دئے تھپیڑے مار مار کر صدہا طیور کی جان لی۔ چلتے ہوئے جہازوں کے راستہ میں روڑا اٹکا دیا۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ انہیں الٹ دیا۔ ڈبو دیا تباہ کر دیا۔ جو درخت اکھیڑ نہ سکے ان کے پھل کچے ہوں یا پکے تمام توڑ کر پھینک دئے۔ کسی غریب کی ٹوپی سر سے اتار کر اڑائے اڑائے پھرنا۔ اور اُسے اسکے پیچھے پیچھے دوڑانا آپکا ادنےٰ سا مذاق ہے سلگتی ہوئی آگ کو خوب بھڑکا کر اور ہزاروں گھر پھونک کر تماشہ دیکھنا آپ کی نہایت معمولی دل لگی۔ کسی غریب بچے کی پتنگ توڑ لے گئیں اور وہ روتا کا روتا رہ گیا۔ کہیں راہ چلتے مسافروں کی آنکھ میں خاک جھونک دی۔ تباہی اور غارت گری آپ کا دلچسپ مشغلہ ہے اور خاک اڑانا اور کوڑا کرکٹ پھیلانا آپ کا مرغوب کھیل۔ اپنی اور میری عادات کا فرق یوں دیکھئے کہ جب میں برسنے کے لیے کسی شہر یا گاؤں پر محیط ہوتا ہوں تو آپ مجھے اڑا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہیں۔ اور اسطرح میرے رفاہ عام کے کاموں میں خلل انداز ہوا کرتی ہیں۔ اسکے مقابلہ میں میں آپکے برے کاموں کو بھی اچھے کاموں میں تبدیل کیا کرتا ہوں۔ مثلاً آپ ذرات خاک اڑایا کرتی ہیں۔ میں اس خاک مٹی کو نالیوں۔ نہروں اور ندیوں کے ذریعہ سے لیجا لیجا کر یا تو کھیتوں کی زمین پر پھیلا دیتا ہوں۔ تاکہ انکی (کھیتوں کی) زرخیزی زیادہ ہو جائے یا بہاتے بہاتے اسکو سمندر میں لیجاتا ہوں جہاں وہ جمع ہو ہو کر ہزار پانسو برس میں ایک نئے جزیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور انسانوں کے مسکن یا کھیتی باڑی کا کام دے سکتی ہے۔

آپکے ساتھ ساتھ ہزاروں قسم کے جراثیم (باریک باریک کیڑے) جن سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ آزادانہ گھوما کرتے ہیں۔ اور خاکر بے تکلف سمجھ کر آپکے ہمراہ ناک اور منہ کے راستہ سے جسم انسان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ یہ ناخواستہ مہمان وہاں اپنی قیام گاہ بنالیں بلکہ غریب میزبان کے جسم میں مختلف امراض پیدا کرکے اسکی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔ بتقریب قریب تمام متعدی امراض آپکے ذریعہ ایک سے دوسرے تک پہنچتے ہیں۔ اور یہ آپکے قتل عام کی ایک ادنےٰ سی مثال ہے۔

کسی جگہ کوئی چیز سڑ رہی ہو۔ تو آپ اسکے سڑے ہوئے اجزا کو نہایت احتیاط سے اٹھا کر اپنے تختۂ مشق غریب انسان کے منہ اور ناک تک پہنچا دیا کرتی ہیں۔ اور کون نہیں جانتا کہ ایک سڑنے والے مادہ کا پیٹ یا پھیپھڑوں میں جانا ظہور مرض کا باعث ہو سکتا ہے۔ آپکے ادنے ادنے کرشمے تباہی عالم کا سبب ہوتے ہیں۔ اور چھوٹی سے چھوٹی اڑائیں مرض اور موت کا باعث۔

آپ مغرور ہیں۔ میں منکسر المزاج۔ آپ مسخری ہیں میں سنجیدہ اور متین۔ آپ کا کام ہے محض ہا ہو اور کار سازی۔ آپ مجسم عیب ہیں اور میں سراپا حسن۔ آپ ظالم ہیں اور میں خدا ترس۔ میری ذات سے تمام مخلوقات کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور آپ کی ذات سے نقصان۔ مگر پھر بھی یہ دیکھنا کس قدر حیرت انگیز ہے کہ آپ اپنے اوپر ناز کرتی ہیں۔ اور میں افتادگی کو اپنا شعار بناتا ہوں۔"

ہوا آخر کہاں تک اپنی توہین برداشت کر سکتی تھی۔ پانی کی تعلی سُنکر بولی :-

ہوا۔ جناب اپنے منہ میاں مٹھو بننا ٹھیک نہیں۔ آپ تو خواہ مخواہ مجھ سے لڑتے ہیں جسکو آپ میرا غرور خیال کرتے ہیں وہ نخوت نہیں خودداری ہے۔ اور جسے آپ اپنی منکسر المزاجی سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ تواضع نہیں بلکہ ذلیل مکر و فریب سے بھری ہوئی خوشامد ہے۔ جس عمارت کے آپ قدم چومتے ہیں اسی کو آپ ڈھاتے ہیں جو کوئی آپسے بغلگیر ہوتا ہے اُسی کو آپ غرق کرکے راہ عدم دکھاتے ہیں آپ کی طرح ہر کس و ناکس کے آگے سر جھکانا میں ضرور عیب سمجھتی ہوں۔ میرا سر اگر جھکتا ہے تو صرف اپنے حاکم حقیقی یعنے خدا کے سامنے۔

آپ کہتے ہیں کہ تمام مخلوقات کی زندگی آپ کے دم سے ہے۔ کتنا غلط دعویٰ ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ بغیر ہوا کے ایک جاندار کی زندگی چند منٹ بھی ناممکن ہے حالانکہ بغیر پانی کے چند روز گزارنا ممکن ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ تمدن کیلئے آپ کا وجود مفید ہے۔ حقیقت پر پردہ ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اگر آپ اسطرح خشکی پر سفر کرنیوالوں کے راستہ میں حائل نہ ہوتے تو ہر جگہ ریلوں اور دوسری قسم کی سواریوں کے ذریعہ سے سفر کس قدر آسان ہوتا۔ ایمان سے کہئے کہ موجودہ زمانہ سے پہلے تمام جہازوں کا چلانے والا کون تھا میں یا آپ؟ آپنے تو تمدن کی راہ میں ایک ناقابل عبور دشواری حائل کردی تھی۔ مگر میں نوع انسان کے آڑے آئی۔ اور ان کے جہازوں کو زبردستی آپ کی چھاتی پر سے گزارے گئی۔ اور بلکہ اب تو میں نے یہاں تک گوارا کر لیا ہے کہ جہاز مجھ میں سے گزرا کریں۔ آپ کہتے ہیں کہ میں جہازوں کو تباہ کرتی ہوں۔ اپنا قصور دوسروں کے سر تھوپنا آپ کو خوب آتا ہے۔ میں جب جہازوں کو دھکیلنے کے لیے زور سے چلا کرتی ہوں۔ تو آپ مجھ سے لڑتے ہیں۔ میری اور آپ کی کشتی ہوتی ہے تو آپکی موجیں اٹھ اٹھ کر غریب جہاز کو غرق کیا کرتی ہیں۔

ایک آگ کیا معنے۔ دنیا بھر کی زندگی میرے ہی دم سے ہے۔ میں بیشک آگ کو جلنے میں مدد دیتی ہوں لیکن اگر لوگ اپنی غلطی سے اپنے گھر جلا لیں تو اسمیں میرا کیا قصور؟ میں تو اون کے فائدے کی غرض سے آگ کو روشن کر دیا کرتی ہوں۔ کوئی مریض اگر ایک زہریلی دوا کو زیادہ مقدار میں غلطی سے استعمال کرکے مرجائے تو اس میں دوا فروش کا کیا قصور؟ آپ میرے زور سے چلنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ کاش آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے اس طرح چلنے میں کس قدر فوائد مضمر ہیں رات دن جاندار مخلوق سانس لے لے کر اور آگ جلا جلا کر میرے صاف اور پاک جسم کو غلیظ اور مضرت رساں بناتے رہتے ہیں۔ تحقیق نہیں معلوم کہ تمام دنیا میری موجودگی کو ایک نعمت عظمےٰ خیال کرتی ہے۔ ذرا دیر کیلئے اگر میں ساکن ہو جاؤں۔ یا اپنی رفتار سست کر دوں تو لوگ بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور پنکھے مار مار کر مجھے چلاتے ہیں۔ البتہ لوگوں کو یہ کہتے ضرور سنا ہے کہ "ہم اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتے جتنا ٹپکے سے" اور واقعی مکان کا ٹپکنا ہے بھی سخت تکلیف دہ۔

انسان ایک بولنے والا حیوان ہے۔ مگر وہ اپنی طاقت گویائی سے بغیر میری مدد کے کچھ کام نہیں لے سکتا۔ کیا یہ کچھ کم ایثار ہے کہ میں اپنے جسم پر صدہا آواز کے تھرتھرانے والے صدمات برداشت کرکے اُسے متکلم کے لبوں سے مخاطب کے کانوں تک پہنچاتی ہوں۔ دوستوں کے محبت بھرے الفاظ دوستوں تک۔ واعظوں کی جادو بھری تقریریں سامعین تک حکیم کی امید افزا گفتگو مایوس مریض تک۔ اور پیارے پیارے میٹھے میٹھے راگ سب کے کانوں تک۔ آخر کس کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں؟

آپ تمام دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونک کر مجھے متعدی امراض کا پھیلانے والا بتاتے ہیں۔ آپ سے اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں نکالا جاتا۔ مگر دوسروں کی آنکھ کا تنکا فوراً دیکھ لیتے ہیں۔ بندہ نواز اب وہ زمانہ گیا جب لوگوں کو آپ پر اپنی جہالت کی وجہ سے اعتبار تھا۔ اب کیمیاوی امتحانات اور خوردبینی مشاہدات نے آپ کے تمام نقائص دنیا پر روشن کر دئے ہیں۔ اب سب کو معلوم ہے کہ پانی سے زیادہ متعدی امراض کا پھیلانے والا اور کوئی نہیں۔ اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پانی میں ہزاروں قسم کی غلاظتیں۔ لاکھوں قسم کے جراثیم اور خدا جانے اور کیا کیا خاک بلائیں ملی رہتی ہیں، پرانے زمانہ کے جراح ان باتوں سے ناواقف تھے۔ اور اپنے مریضوں کے زخموں کو معمولی پانی سے دھونے میں کچھ حرج نہیں خیال کرتے تھے۔ اور اسی لیے اکثر اعمال جراحی میں ناکامی ہوتی تھی۔ کیونکہ زخموں کے راستہ سے آپ اپنے جراثیم کو جسم انسان میں داخل کر دیا کرتے تھے۔ مگر اب ایسا نہیں ہوتا۔ موجودہ زمانہ کے جراحوں پر آپ کی قلعی کھل گئی ہے۔ اور اب سوائے ہندوستانی حجاموں کے اور تمام جراح

معمولی پانی کا استعمال زخموں پر گناہ کبیرہ خیال کرتے ہیں۔ اور یہی کامیابی کا راز ہے۔
طبی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے تو آپکو یہ معلوم کرکے شرم آئے گی۔ کہ ہیضہ، اسہال، پیچش، موتی جھرا اور اسی قسم کے دیگر صدہا امراض صرف آپ کی بدولت پھیلتے ہیں۔ گاؤں میں ندیوں کے کنارے جہاں کسی ہیضے کے مریض کسان نے پاخانہ پھیرا اور آپ اُسے ہاتھوں ہاتھ اٹھا کر لے چلے۔ اور اسطرح میلوں تک اپنے صاف شفاف موتی کی طرح جھلکنے والے جسم کے اندر ہیضے کے قاتل جراثیم کو پوشیدہ کر لیا۔ غریب بیوقوف انسان بیاس کا مارا آپ کی ظاہری صورت پر فریفتہ ہو کر بے اختیار سیر ہو کر یہ پانی پیتا ہے اور گھر پہونچتے پہونچتے آپ کی خون ریزی کی پیاس بجھانے کے لیے خود ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

ایک مریض جب گلاس سے پانی پیئے تو اُس کے لعاب دہن میں جس قدر ایسے جراثیم آپکو مل جاتے ہیں انہیں آپ بہ حفاظت تمام پرورش کرتے ہیں۔ اور جب اوس مریض کے جاہل تیمار دار اسی گلاس سے خود پانی پیئیں تو آپ نہایت مسرت اور اطمینان کے ساتھ تمام وہ کیڑے اِس تندرست آدمی کے پیٹ میں انڈیل دیتے ہیں۔

پینا تو درکنار آپکو تو ہاتھ لگانا بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ گِنی ورم جسے ہندوستانی "نہروا" اور اہل ایران "رشتہ" کہتے ہیں۔ ایسے تالابوں وغیرہ میں صرف نہا لینے سے کہ جن میں وہ (گِنی ورم) بغیر مرئی صورت میں موجود ہو جسم انسانی کے اندر گھس جاتا ہے۔ اور وہاں انسانی خون سے پرورش پا کر جب خوب بڑا حتیٰ کہ چند گز لمبا ہو جاتا ہے تو جسم پہ بڑے بڑے دنبل پیدا کر کے اُن کے راستہ سے باہر نکلنا چاہتا ہے اسکی یہ نقب زنی کی کوشش جیسی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ وہ کسی راجپوتانہ کے باشندے سے دریافت کیجئے جہاں ان کیڑوں کی کثرت ہے۔

نمائشوں میں ملیریا بخار کے مچھر چونکہ عام طور پر دکھلائے جاتے ہیں۔ اسلئے یہ تو ہندوستان جیسے ملک کی پبلک کو بھی معلوم ہو گیا ہے۔ کہ مچھر پانی اور کیچڑ میں پرورش پاتے ہیں۔ اور بخار کے کیڑوں کو ایک انسان کے خون سے لیکر دوسرے انسان کے خون میں پہنچا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے چھاؤنیوں میں ذمہ دار افسر تمام گڈھوں اور چھوٹے چھوٹے تالابوں میں جہاں پانی بھرا رہتا ہو۔ مٹی کا تیل ڈلوا دیا کرتے ہیں۔ تاکہ مچھروں کے وہ تمام انڈے بچے جنہیں آپ اپنے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لیئے پالا کرتے ہیں مر جائیں۔

باتوں سے نوبت لاتوں تک پہنچ گئی۔ اور ہَوا اور پانی غصہ سے ایک دوسرے کو لپٹ گئے۔ انکو اسطرح دست و گریبان دیکھ کر بجلی سے نہ رہا گیا۔ دوڑی اور آتے ہی تڑاق پڑاق دو دو چار چار ہنٹر دونوں کے رسید کئے اور کہا کہ "بیوقوفو تم خواہ مخواہ آپس میں کیوں لڑے مرتے ہو۔ تم دونوں نے جو قصور ایک دوسرے کے ذمہ عاید کئے ہیں وہ سراسر لغو اور غلط ہیں۔ ہلاکت اور تباہی دنیا میں نہ ہوا سے پھیلتی ہے نہ پانی سے۔

نادانو تمہیں خدا نے اپنی مخلوق کے آرام و آسایش کی غرض سے پیدا کیا ہے تمہارے ذریعہ سے اگر وبائیں پھیلتی ہیں تو اسکے لیے تم نہیں بلکہ خود انسان ذمہ دار ہے۔

ذرا سوچو کہ ایک احمق اگر سردی کے موسم میں کمرہ کے اندر آگ جلا کر یا کوئلے سلگا کر سونا چاہے۔ اور پھر کواڑ بند کر کے ہَوا کو بھی اندر نہ آنے دے۔ تو اب اگر وہ صبح کو مرا ہوا نکلے یا کم از کم اُسکی صحت کو آہستہ آہستہ پہنچکر وہ ناتوان و کمزور ہو جائے تو اس میں ہوا کا کیا قصور؟ یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ہَوا نے اسکا دم گھونٹ دیا۔ اس فقرہ کو صحیح طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہَوا کے نہ ہونے سے یا ناکافی ہونے سے اسکا دم گھٹا۔ اور ہَوا کی کمی خود اُسکی اپنی غلطی تھی۔ اگر وہ ہَوا کو کمرہ میں آنے جانے دیتا تو ہوا برابر بدلتی اور اس طرح صاف ہوتی رہتی۔ جو زہر آلود ہَوا انسان کے سانس سے باہر آتی تھی۔ یا کوئلہ کے سلگنے سے پیدا ہوتی تھی۔ وہ برابر بدلی جاتی رہتی۔ اور ہرگز اوس اپنی جان کے دشمن سونے والے پر بُرا اثر نہ کر سکتی۔

یا یوں دیکھو کہ اگر ایک چھوت دار بیماری کے مریض کا تیمار دار اُس سے ذرا بھی پرہیز نہ کرے اور منہ سے منہ ملا کر بات چیت کرنا یا بچہ بیمار ہے تو اُسے پیار کرنا اُسی کمرہ میں کھانا پینا سب کچھ روا رکھے۔ اور پھر خود بھی اُس مرض میں مبتلا ہو جائے تو کیا کوئی صاحب عقل ہَوا کو الزام دے سکتا ہے۔ اُس تیمار دار کا فرض تھا کہ بیمار کی خدمت کے ساتھ ساتھ اپنی بھی حفاظت کرتا جب کوئی وبا پھیلتی ہے تو طبی ماہرین کوشش کرتے ہیں کہ مریضوں کو تندرستوں سے علیحدہ مکانوں میں رکھا جائے تاکہ ان کے ذریعہ سے ہَوا خراب نہ ہو اور وبا عام نہ ہو سکے۔ مگر خود غرض اور نادان انسان بالخصوص ہندوستان کا باشندہ اسکو تشدد اور جبر خیال کرتا ہے۔ اور صرف اسلئے کہ اسکو اسکے گھر سے باہر نہ نکلنا پڑے وہ ہزاروں بندگان خدا کی جان لینا گوارا کر لیتا ہے جب اس قسم کا مرض کسی کو ہوتا ہے تو ہر ممکن ذریعہ سے کوشش کرتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اور اس طرح اول محلہ بھر کی اور پھر رفتہ رفتہ شہر بھر کی ہوا کو خراب کر کے عام تباہی و بربادی کا سامان مہیا کر دیتا ہے اب اسکو کوئی بیوقوف ہی ہَوا کی خطا کہہ سکتا ہے!

اے نادان پانی تو نے ہوا پر ایک یہ الزام لگایا ہے کہ وہ غلاظت اور سڑنے والی چیزوں کے اجزاء اپنے ہمراہ لیئے لیئے پھرتی ہے اور انسانوں کے جسم میں داخل کرتی ہے۔ تو نے ذرا غور تو کیا ہوتا کہ غلاظتوں کو کھلا چھوڑ دینا اور چیزوں کو مکان کے اندر سڑنے دینا کس کا فعل ہے ایسے ذرات کو اگر ہوا نہ بھی لیجاتی۔ تب بھی تو وہ اور ذریعوں سے جسم انسان میں پہونچ سکتے تھے۔ عام طور پر ہندوستان میں عورتیں اپنے بچوں کو جہاں انہیں پاخانہ کی ضرورت ہوئی تو جس جگہ بھی وہ بیٹھی ہیں۔ پاؤں پر بٹھلا لیتی ہیں۔ اور وہ پاخانہ سڑتا یا سوکھتا رہتا ہے۔ اسپر مکھیاں جا جا کر بیٹھتی ہیں۔ اور وہاں سے اڑ اڑ کر کھانے پینے کی چیزوں پر پہنچتی

ہیں۔ اُن کے پر اور پاؤں تمام نجاست میں سنے ہوتے ہوتے ہیں۔ اور یہ نجاست آلود پر اور پاؤں وہ انسان کے کھانے کی روٹیوں یا اور دوسری خوردنی اشیا سے جو نہیں کھلی ہوئی مل جائیں۔ خوب پونچھ دیتی ہیں اور اسطرح اگر ہوا دخل نہ بھی دے تب بھی غلیظ اشیار کے ذرات جسم انسانی میں پہنچ جاتے ہیں۔ مگر ہم یہ کہیں کہ یہ انسان کی اپنی غلطی ہے کہ وہ ایک طرف تو غلاظت یا دیگر متعفن اشیا کا کھلا پڑا رہنا گوارا کرلیتا ہے۔ اور دوسری طرف اپنی اشیاء خوراک کو بھی کھلا رکھتا ہے۔ تو آپ میں کیا غلطی ہوگی؟ کتنی شرم کی بات ہے کہ انسان اپنی حقیر اور ناقابل التفات ضروریات پر تو ہزاروں روپے صرف کردیتا ہے اور نہایت ہی اہم حقیقی ضرورتوں سے اس قدر غافل ہے۔ عام طور پر بازاروں میں سڑکوں پر گوبر اور لید پڑی رہتی ہے۔ مکھیاں اُس پر بیٹھتی ہیں۔ اور پھر وہاں سے اُڑ کر قریب کے حلوائی کی دکان پر۔ اب اس مٹھائی کو کھانا جس سے ہزاروں مکھیوں نے اپنے پر اور ٹانگیں پونچھی ہیں۔ اگر ایک خالی از عقل آدمی کا کام نہیں تو اور کس کا ہے؟ عام طور پر مثل مشہور ہے کہ دیکھتی آنکھوں کبھی نہیں نگلی جاتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دیکھتی آنکھوں مکھیوں کی لائی ہوئی غلاظت بلا تکلف کھالی جاتی ہے۔ کیا یہ ناممکن ہے کہ حلوائی مٹھائیوں کو شیشے کی الماریوں میں بند رکھا کریں۔ تاکہ ان کی نگاہ فریبی بھی قایم رہے اور وہ مضر صحت بھی نہ ہوسکیں۔ مگر ایسا تو وہ جب کریں کہ جب کھلی رکھی ہوئی مٹھائیوں کا خریدنے والا انہیں کوئی میسر نہ آئے۔ اور جب تک کہ وہ یوں ہی اپنا الو سیدھا کرلیتے ہیں۔ اُسوقت انہیں کیا غرض پڑی ہے کہ مفت میں چند روپے زیادہ خرچ کریں۔ اے بیوقوف اور بے عقل پانی سُن۔ ہوا اور صرف تازی کھلے ہوئے میدانوں کی ہوا ہی ایسی چیز ہے جو انسان کے دل و دماغ کو تازہ طبیعت کو بشاش اور نظام جسمی کو قابل کار بنایا کرتی ہے۔ ہندوستان کے لوگ عام طور پر کیوں نکمے اور سست ہوتے ہیں۔ جسے دیکھو زردی مائل چہرہ۔ دھیمی اور سست چال بات کریں گے تو تین مرتبہ جمائی لے کر۔ گھنٹہ دو گھنٹہ اگر بیٹھنا یا کھڑا رہنا پڑا تو کمر میں درد ہونے لگتا ہے۔ ہر وقت لیٹے رہنے پر طبیعت راغب رہتی ہے۔ ان تمام خرابیوں کا سبب صرف ایک یہی ہے کہ قدرت نے جو چیز ان کے لیے سب سے زیادہ مقوی اور سب سے زیادہ مفرح پیدا کی ہے۔ اوس سے وہ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ نوجوان بھی جن میں کہ فطرةً دوڑ دھوپ اور کھیل کود کی رغبت کافی ہونا چاہیئے۔ ہندوستان میں عام طور پر کمروں کے اندر بند ہوکر تاش یا شطرنج کھیلنے کو میدانوں میں جاکر کرکٹ فٹ بال اور ہاکی کھیلنے پر ترجیح دیتے ہیں۔

اے نادان پانی۔ ان انسانوں کی غلطیوں سے میں خوب واقف ہوں مجھے بڑی ہنسی آتی ہے جب میں دیکھتی ہوں۔ کہ ہندوستانی اقوام کے راہنما بڑے بڑے جلسوں میں چھوٹی چھوٹی اور نسبتہً ناقابل خیال باتوں کو اتنی اہمیت دیتے ہیں اور اصل خرابیوں کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے۔ مثلاً یہ ریزولیوشن ہزاروں تائیدی تقریریں ہوکر فوراً پاس کردیا جائیگا کہ کم عمر میں شادیاں نہ کی جائیں۔ اور تمام خرابیوں کا سبب انکو ثابت کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگادیا جائیگا۔ مگر یہ ریزولیوشن کبھی کسی کے خیال میں بھی نہیں آتا کہ بازار کی پکی ہوئی ایسی چیزیں جو کھلی پڑی رہتی ہیں نہ کھانا چاہئیں۔ بچے بوڑھے جوان اور بڈھے سب کو روزانہ کچھ عرصہ کے لیئے کھلے ہوئے میدانوں میں جاکر ہوا کھانا چاہیئے۔ یا اپنے مکانات کو آئندہ حفظان صحت کے اصول کے مطابق بنانا چاہیئے۔ اور جن میں مقدرت ہے انہیں فوراً اپنے مکانات اس قابل کرلینا چاہیئے کہ ان میں تازی ہوا ہر وقت آتی رہے۔ میں یہ مانتی ہوں کہ کم سنی کی شادی ایک برا فعل ہے۔ اور اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے لیکن سب سے پہلے قابل توجہ وہ امور ہیں کہ جو اچھے خاصے تندرست بچوں کو بھی کمزور کردیتے ہیں۔ اور جن کی اگر اصلاح ہوجائے تو کمزور بچے بھی طاقتور بن سکیں۔ اسی طرح اے لڑاکا اور جھگڑالو ہوا پانی بھی انسانی زندگی کے لیے تجھ سے کم ضروری نہیں جسطرح ابھی انسان کے قصور تیرے سر لگائے تھے۔ اسی طرح تو نے بھی تمام انسان کی خطائیں اسکے سر تھوپی ہیں۔ دریاؤں اور تالابوں کے کنارے رفع حاجت کرنے کی پانی نے کون سے دن درخواست کی تھی؟ جبکہ دریاؤں تالابوں اور کنوؤں پر کھڑے ہوکر نہلانے جانوروں کو نہلانے اور برتن دھونے کی عام اجازت ہے تو پھر اس پانی کو پی کر اگر کوئی بیمار ہوجائے۔ تو غریب پانی پر کیا الزام ہے؟ بیمار کا جھوٹا یا الماز کم اُس گلاس میں پانی پی تو لے خود انسان اور پھر جب اِس حرکت کے نتیجہ سے بیمار ہوجائے تو قصور غریب پانی کا۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟

جتنے تالابوں وغیرہ کے پانی میں نہوے موجود ہوں اُن کے پانی سے نہانا یا ہاتھ منہ دھونا کون سے حکیم نے بتایا ہے؟ کیوں نہ انسان ایسے پانی کو جوش دے کر تمام جراثیم سے پاک و صاف کرے۔ پانی کو جوش دیکر استعمال کرنا ذرا بھی وقت طلب نہیں ہے ایک غریب سے غریب آدمی بھی اپنے معمولی کھانا پکانے کے برتنوں یا ٹین کے کنستروں میں پانی کو جوش دے سکتا ہے۔ اور پھر ایسے گھڑوں میں جو کھلے در کے رہیں بھر کر اُسے ٹھنڈا اور پینے کے قابل بنا سکتا ہے۔ مگر اے ہوا اتنی سی بھی وقت اٹھائے کون؟ ہندوستان کے کاہل اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنے بلکہ رومال منہ پر ڈال کر لیٹے رہنے والے آدمی سے یہ امید رکھنا فضول ہے۔ ہندوستان کے باشندے کا جوش بالکل ہانڈی کا ابال ہوتا ہے جب مصیبت بالکل سر پر آجاتی ہے اور کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا تو وہ کوہ کنی پر بھی آمادہ ہوجاتا ہے مگر جہاں یہ مصیبت ذرا ہلکی ہوئی۔ اور یہ غفلت کا پتلا سب بھول گیا کہ کیا تکلیف ہوئی تھی اور کیوں ہوئی تھی جب کوئی وبا تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے اور ایک چھوٹے سے شہر میں تقریباً سو ڈیڑھ سو آدمی روزمرہ مرنے لگتے ہیں تو یہ ناعاقبت اندیش انسان چونکتا ہے۔ اور بعض اوقات گھبرایا ہوا پھرتا ہے لیکن جہاں شرح اموات سو سے دس بیس پر آگئی اور شہر میں

ہر وقت غذا کا نوالہ نا موقوف ہوا تو پھر اسے مطلق پروا نہیں ہوتی۔ اگر قواعد حفظان صحت کی پابندی کرتا رہے تو آدمی صدہا امراض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ مگر جبکہ خدا نے انسان کو انکی تغافل شعاری کی اجازت بھی دے۔

اے ناسمجھ ہوا سچ تو یہ ہے کہ تیرا کچھ قصور ہے نہ پانی کا۔ یہ سب حضرت انسان کے اپنے کرتوت ہیں۔ اور وہ اپنی بیماریوں اور مصیبتوں کا خود جواب دہ ہے۔ تم دونو انکے بہترین رفیق ہو۔ اگر تم انسان سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ تو پھر یہ معذور اور ناعاقبت اندیش ہستی کہاں رہ سکتی ہے!

تمہاری ضرورت کو تو البتہ انسان نے اپنی وحشیانہ زندگی میں بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اس بیسویں صدی میں بھی جو شاید تاریخ میں علوم و فنون کا بازار کہلائے۔ کئی کروڑ انسان ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ انکی تندرستی کی کنجی تمہیں دونوں کے پاس ہے۔ فطرت چاہتی ہے کہ انسان تم دونوں کو پاک و صاف رکھے اور وہ جب اس فرض سے غافل ہوتا ہے فطرت بیماریاں بھیجکر اسے سزا دیتی ہے اسلئے ...... اپنی تمام جسمانی تکالیف کے لیئے انسان خود ہی قابل الزام ہے۔ ورنہ تم دونو خدا کی معصوم مخلوق ہو۔

(سعید احمد)

تجارتی پیشے کا انتخاب

جب کوئی ایسا لڑکا جسے تجارت کے کسی شعبہ میں داخل کرانا مقصود ہو کام کرنے کی عمر کو پہنچ جائے۔ تو اسکے لیئے کوئی کام پسند کیا جائے اور اُسے کسی اسامی پر مقرر کیا جائے۔ جو لوگ خوشحال ہوں اور تجارتی معاملات اور امور سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کے لڑکوں کو کسی غیر ملک میں کسی تجارتی کارخانہ میں عارضی طور پر ملازم کرا دیا جائے۔ جہاں وہ تجارتی اطوار اور اس ملک کی زبان سیکھ سکیں۔ جن لوگوں کو ایسے موقعے نہ مل سکیں۔ انکو چاہیئے کہ وہ کسی تجارتی کمپنی میں امیدواری اختیار کریں۔ یا تاجروں کی مجلس میں کسی اسامی کے لیئے کوشش کریں۔ تجارتی انجمنوں کے ہاں بہت سی خالی اسامیوں کی فہرست موجود رہتی ہے اور اسپر مناسب اور لائق جوانوں کو مقرر کیا جاتا ہے۔ اگر اسمیں بھی ناکامی رہے تو اشتہاروں کے کالموں کو دیکھا جائے جن میں اسامیوں کی ضرورت کے اشتہار شائع ہوتے رہتے ہیں یا اپنی طرف سے اشتہار شائع کرایا جائے کہ فلاں کام کرنے کی خواہش ہے۔

جو لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ ان کے لڑکے تجارتی کاموں کو اختیار کریں۔ انکو ابتدا میں یہ امید نہیں کرنی چاہیئے کہ لڑکے کچھ کمائی کر سکیں۔ اگر ان کا خیال اس قسم کا ہو تو غلطی پر ہیں بلکہ چند ابتدائی سال تو صرف امیدواری کے ہوتے ہیں۔ جن میں کام یا خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ بلکہ صرف کام ہی سکھایا جاتا ہے اگرچہ کبھی کبھی امیدواری کا بھی کچھ معاوضہ ملجاتا ہے لیکن اصلی نفع کام کا سیکھنا ہے امیدواری کے زمانہ کا اصلی مدعا یہ نہیں ہے کہ کس قدر معاوضہ ملنا چاہیئے۔ بلکہ یہ کہ کس قدر کام سکھایا جاتا ہے۔

جس شخص کو کسی تجارتی کام میں لگایا جائے اس سے اول اول سخت محنت کا کام نہ لیا جائے بلکہ ایسا کام جس سے زیادہ بار نہ پڑے۔ اور جس میں اُسے تفریح کے لیئے بھی وقت مل سکے جو تاجر سمجھدار اور لائق کام کرنیوالے چاہتے ہیں۔ وہ اُن لوگوں کے کام کو پسند بنائیں۔ اگرچہ بنک اور بیمہ کمپنیوں وغیرہ کی ملازمت بھی اچھی ہے لیکن ان کے مقابلے میں کسی تاجر کے دفتر کی محرری زیادہ اچھی ہے۔ اسلیئے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ لڑکوں یا جوانوں کو کسی اچھے کام میں لگایا جائے۔

تجارتی پیشہ کے انتخاب میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ جگہ صحت بخش ہو وہاں کے لوگوں کے اخلاق درست ہوں۔ تجارتی اغراض و مقاصد مفید ہوں۔ کسی شخص کو ایسا کام شروع نہیں کرنا چاہیئے جسمیں اسکی تندرستی کو نقصان پہنچے۔ یا جہاں اسکا چال چلن اور خصلت و اطوار خراب ہو جائیں۔ کسی لڑکے کیلیئے یہ ابتدائی چند سال کا کام جو تعلیم کا زمانہ کہا جاتا ہے اسے جو باتیں سکھائی جائیں۔ وہ ایسی ہوں جن سے اسکی بہبودی ہو سکے ایسے جوانوں کیساتھ نہایت ملائمت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

حتی الامکان ہر جوان کو ایسا کام سکھایا جائے جس سے وہ دلچسپی رکھتا ہو۔ اور حالات کا اندازہ تجربہ کے ذریعے کیا جائے لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا رہے کہ اگر اس کام میں کامیابی کی امید کم ہو تو اسے اس سے روکا جائے۔ یا اگر اسمیں آگے چلکر نفع نظر آتا ہو تو بھی اُسے روکا جائے۔ اگر اسکے اخلاق [illegible] ہونے کا اندیشہ ہو تو جلد اُسے روک دیا جاوے۔

ایک جوان خواہ اپنے [illegible] خواہ کسی دوسرے ملک میں جا کر۔ خواہ جہاز میں خواہ دکان میں خواہ کارخانہ میں [illegible] میں کام سیکھے لیکن اُسے کاروباری عادات اور اصول کو سیکھنا چاہیئے۔ اگر اُسے ایک کام میں لطف نہ آئے۔ یا اسکی تسلی نہ ہو۔ تو اسے دوسرا کام شروع کرا دینا چاہیئے۔

ہر امیدوار کو وقت کی پابندی لازم ہے۔ اُسے اپنے کام پر وقت پر جانا چاہیئے اور اوس میں پورا وقت لگائے اور مقررہ وقت پر واپس آنا چاہیئے۔ جن لوگوں سے اُسے واسطہ پڑے ان کے ساتھ وہ انکسار اور خلق کا برتاؤ کرے۔ اور جو کام اسکے سپرد کیا جائے اُسے وہ بڑی مستعدی اور محبت کے ساتھ ختم کر دے۔ اور جو کام اُسے دیا جائے۔ اُسکو غور سے کرتا رہے۔ اور ساتھ ہی دوسرے کاموں کو بھی نگاہ میں رکھے اُسے تجارتی معاملات کے متعلق خط و کتابت بھی سیکھنی چاہیئے۔

امیدوار کو ایسا بن جانا چاہیئے کہ ہر جگہ اسکی مانگ رہے ایسا بن کر وہ زیادہ معاوضہ پا سکتا ہے اور اُسے زیادہ نفع بخش کام اختیار کرنا چاہیئے اور جس قدر کہ اسکی آمدنی ہو اُس سے کم ہی خرچ کرنا چاہیئے۔ اور جو کچھ روپیہ پیسا فراز ہو جائے اُس سے اپنے اغراض و مقاصد

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھائینگے اور انکے اپنے درمیان بھی یہانتک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے

بصارت و بصیرت

کالی دال پر منازعت اور تعلق زناشوئی

سیشن جج فرید پور کی عدالت میں ایک مولوی صاحب کا مقدمہ اس الزام میں پیش تھا کہ انھوں نے اپنی بیوی کا دا ہنا کان کاٹ ڈالا ہے تفصیل اس حال کی یہ ہے۔ کہ مستغیثہ حلیمہ بیگم کی عمر چودہ سال ہے۔ اسکی شادی دو سال قبل ایک شخص مولوی بشیر الدین نامی سے ہوئی تھی جس کی عمر تقریباً تیس سال ہے۔ کان کاٹنے کا واقعہ وقوع پذیر ہونے سے تین دن پیشتر حلیمہ بیگم اپنے باپ کے مکان سے خاوند کے گھر واپس آئی۔ راسدن ملزم نے اس سے کہا کہ دال چاول پکاؤ۔ مستغیثہ نے اپنے خاوند کی خواہش کے بموجب دال چاول پکائے۔ چونکہ دال بدذائقہ اور کالی تھی۔ اس لیئے اسکے خاوند نے ایک بانس کی لکڑی سے اسے زدوکوب کیا اور دال میں پانی ڈالکر اسے اسکے کھانے پر مجبور کیا۔ اس دال کے کھانے سے مستغیثہ کو بدہضمی ہوگئی۔ ایک مرتبہ تو وہ رفع حاجت کے لیئے اپنے خاوند کو ساتھ لیکر بیت الخلا میں گئی۔ لیکن بعد میں جب پھر اس غریب کو رفع حاجت کی ضرورت ہوئی تو وہ خاوند کو اطلاع دئے بغیر باہر چلی گئی بایں پر اسکے خاوند کو غصہ آیا۔ اور اس نے بیچاری کو ایک ستون سے باندھکر پہلے تو خوب پیٹا اور بعد میں اسکی آنکھوں پر پٹی باندھکر ایک تیز چھری سے اسکا داہنا کان کاٹ ڈالا حلیمہ بیگم اس سے بیہوش ہو گئی۔ اور جب اسے ہوش آیا اسوقت اسکا خاوند فرار ہو گیا تھا۔ اسحٰق الدین اور اقارب دلوا حق وہاں پر موجود تھے۔ پولیس میں اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ اور مقدمہ چلایا گیا۔ ملزم نے عدالت میں بیان کیا کہ میں بالکل بے قصور ہوں۔ مگر عدالت نے اسکو دفعہ ۳۲۶ تعزیرات ہند کے مطابق تین سال قید بامشقت کی سزا دی۔ یہ ایک واقعہ ہے جس سے پیروان اسلام کی معاشرت کا بدترین پہلو عدالت میں ظاہر ہوا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اسلام کی تعلیم و تلقین کا منشا و مقتضا یہ ہے کہ مستورات کے ساتھ ایسا جور و ستم روا رکھا جائے سخت بے انصافی ہے۔ اسلام نے جو حقوق عورتوں کو دئے ہیں۔ اور جس شد و مد کے ساتھ اپنے متبعین کو عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید فرمائی ہے۔ اسکی نظیر کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ اس مضمون میں ہم اس موضوع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرینگے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

دنیا میں بقائے نفس و بقائے نوع کے لیئے جس قدر تعلقات انسان کو رکھنے پڑتے ہیں۔ ان سب میں اقویٰ و الطف تعلق زناشوئی ہے۔ اس تعلق کو مختلف اقوام و مذاہب نے مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ مگر جس حکیمانہ طرز سے جامع و مانع الفاظ میں قرآن حکیم نے اس تعلق کی تشریح و توضیح کی ہے۔ اس سے بہتر کسی حکیم و مقنن کے خیال میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (پ۲۔ س البقرہ ع ۲۳) وہ تمہارے دامن کی جگہ ہیں اور تم ان کی چولی کی جگہ ہو۔ غور کرو جب دو چیزیں آپس میں لازم و ملزوم ہوں اور ایک دوسری سے جدا نہ ہو سکیں تو ان کے لزوم و تعلق پر چولی دامن کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر اس آیہ مجیدہ کا یہ مفاد ہے کہ مردوں پر لازم و واجب ہے کہ عورتوں کو اپنے ساتھ رکھیں جو لوگ مجرد رہتے ہیں۔ وہ قوانین قدرت کی اس مقدس دفعہ کی صریح خلاف ورزی کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ہے وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (پ۲۱۔ س الروم ع ۲) اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسنے تمہارے لیئے تمہاری ہی جنس کی بی بیاں پیدا کیں۔ تاکہ تم کو انکی طرف رغبت کرنے سے راحت ملے اور تم میاں بی بی میں پیار اور اخلاص پیدا کیا۔ جو لوگ صحیح سمجھ کو کام میں لاتے ہیں ان کے لیئے ان باتوں میں قدرت خدا کی بہتری ہی نشانیاں ہیں۔ غور کرو میاں بی بی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بالکل معرفت و شناسائی تک نہیں ہوتی مگر تعلق زناشوئی اور نکاح کے بعد ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ ایک دوسرے پر جان فدا کرتا ہے خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ قوانین قدرت اور دین فطرت کا منشا و مقتضا تو یہ ہے کہ

تعلقات زناشوئی سے آرام و راحت ملے۔ اس بنا پر جو مرد بی بیوں کو مصائب و آلام اور دکھوں دردوں کا موجب سمجھیں وہ بڑے ہی بدبخت ہیں تعلق زناشوئی سے دو مختلف خاندانوں میں محبت بڑھتی ہے۔ تعلق زناشوئی سے عورت کی طرف سے اظہار مودت ہوتا ہے اور مرد کو رحمت کا موقع ملتا ہے۔ اس آیہ مجیدہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے مردوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہے کہ دیکھو عورتیں تمہارے مقابلہ میں کمزور ہیں صنف پر یعنی اپنی بی بی پر رحم کرو۔ ضرورت ہو تو نہایت ہی لطیف پیرایہ میں ادب سکھاؤ۔

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم عورتوں کے غصہ پر بے حد تحمل تھے۔ آپنے ارشاد فرمایا ہے کہ خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی۔ تم میں وہ بہتر ہے جو اپنی جورو کے ساتھ بہتر ہے۔ اور میں اپنی بی بیوں کے ساتھ تم سب سے بہتر ہوں کسی نے حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کان خلقہ القرآن۔ آپکے اخلاق عین قرآن کریم کے احکام کے مطابق تھے۔ غور کرو حضرت سلطان الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثنا ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے غصہ پر بردباری فرما تا باتباع ارشاد باری تعالیٰ عز اسمہ تھا جو قرآن مجید میں وارد ہے وعاشروھن بالمعروف (پ ۴ س النسا ع ۱۴) اور بی بیوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو۔ دوسرے مقام پر ہے۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف (پ ۲ س البقرہ ع ۱۲) اور جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ہے ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر ہے۔

لیکن کا ذکر ہے کہ فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بی بی نے انکو غصہ سے جواب دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بدزبان! تو جواب دیتی ہے؟ وہ بولیں ہاں۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تم سے افضل ہیں۔ آپ کی ازواج مطہرات آپکو جواب دیتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو حفصہ پر افسوس ہے۔ پھر اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بی بی تھیں دیکھکر کہا کہ خبردار جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دیا کرو۔ اور حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ریس نہ کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انہیں دوست رکھتے ہیں اور ان کی نازبرداری کرتے ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مردوں پر لازم و واجب ہے کہ عورتوں کے ساتھ نیک خو ہیں۔ اور اسکے معنی صرف یہی نہیں کہ انکو رنج نہ دیں بلکہ یہ مقصود بھی ہے کہ انکا رنج سہیں اور ان کے حکم محال اور ناشکری کے حال پر صبر کریں۔ بلاشبہ عورتیں کمزور ہیں ان پر رحم کرو۔ ان کے ساتھ نیکی کے ساتھ معاشرت کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ جل ذکرہ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف فراموش نہ کرو۔

لوگوں نے سنا کہ جناب رحمۃ للعالمین علیہ افضل صلوٰۃ المصلین وفات کے وقت آہستہ آہستہ یہ تین باتیں فرماتے تھے۔

(۱) نماز پڑھا کرو۔

(۲) لونڈی غلاموں کے ساتھ بھلائی کیا کرو۔

(۳) عورتوں کے مقدمہ میں اللہ ہی اللہ ہے یہ تمہارے بس میں ہیں ان کے ساتھ اچھی طرح نباہ کرو۔

ایکدن جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے حضرت بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ عورتوں کے حق میں کیا بہتر ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ بہتر ہے کہ نامحرم مرد انکو نہ دیکھے اور وہ کسی غیر مرد کو نہ دیکھیں۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت پسند آئی حضرت بی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گلے لگا کر فرمایا بضعۃ منی۔ تو میری جگر پارہ ہے۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اوقات مکاشفہ میں ایسا اہم امر پیش آجاتا کہ آپ کا جسم مبارک اس کا تحمل نہ ہو سکتا۔ اس وقت حضرت بی بی عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ہاتھ رکھکر فرماتے کلمینی یا عایشۃ! اے عایشہ! میرے ساتھ باتیں کر۔ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ ہوتی تھی کہ اپنے تئیں تقویت دیں تاکہ بار وحی اٹھانے کی طاقت پیدا ہو۔ جب آپکو پھر اس عالم میں لاتے اور وہ قوت تمام ہو جاتی تو اس کام کا شوق آپ پر غالب ہوتا۔ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے ارحنا یا بلال! اے بلال! مجھے راحت پہنچا۔ یہاں تک کہ آپ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ کبھی دماغ مبارک کو خوشبو سے قوت دیتے۔ اسی بنا پر آپنے ارشاد فرمایا ہے کہ حبب الی من دنیاکم ثلث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ تمہاری دنیا سے حق سبحانہ وتعالیٰ نے تین چیزوں کو میرا محبوب کیا ہے۔ خوشبو کو۔ عورتوں کو۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو نماز میں ہے۔ غور کرو نماز کی تخصیص اسواسطے فرمائی کہ مقصود بالذات تو نماز ہے بمضمون آیہ مجیدہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (پ ۲۷ س الذریت ع ۳) اور ہم نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں خوشبو اور عورتیں بدن کی آسایش کے واسطے ہیں۔ تاکہ نماز کی طاقت پیدا ہو۔ اور آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز میں ہے وہ حاصل ہو۔

جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ راحت و آسایش دل سے وقفۃً نہ چھین لو۔ کہ اس سے دل نابینا ہو جائے گا۔ بلاشبہ ہر وقت عبادت میں منہمک رہنے سے دل ملول اور طبیعت اکتا جاتی ہے اور راحت و آسایش ہی سے قوت موجود کرتی ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے عورتوں کو راحت و آسایش کے واسطے بنایا ہے۔ وجعلنا بینکم مودۃ ورحمۃ لتسکنوا الیھا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو مرد یا عورت تعلق زناشوئی سے آزاد ہو کر جنگل و بیابان
میں ہر وقت عبادت میں منہمک رہنا۔ یا کلیسائی خدمت کے واسطے زندگی بسر کرنا یا مٹھ
معابد و صوامع میں عزلت و تجرد کی زندگی بسر کرنا چاہیں۔ یا جو متاہل اپنی بی بیوں پر
جور و ستم روا رکھیں ان کا رنج نہ سمجھیں۔ ان پر رحم نہ کریں۔ ان کے ساتھ حسن معاشرت کا
برتاؤ نہ کریں۔ ان کی فروگزاشتوں پر بردباری نہ کریں۔ وہ قوانین قدرت سے
انحراف کرتے ہیں۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم انسان کامل اور مظہر اتم الوہیت
ہیں۔ آپکو ظاہری اور باطنی طور پر انتہائی درجہ کا ارتفاع حاصل ہے۔ آپ کا وجود باوجود
خیر مجسم اور مقربین سے اعلیٰ و افضل ہے۔ آپ نے متاہلانہ زندگی بسر کی۔ آپ عورتوں
کے غصہ پر بے حد متحمل تھے۔ آپ ازواج مطہرات کے ساتھ نیکی کے ساتھ معاشرت
رکھتے تھے۔ بوجہ احسن نباہ کرتے تھے الغرض ایک متاہل انسان کو دنیا میں رہ کر جو کچھ کرنا چاہیے آپ سب کچھ کرتے
تھے۔ لہٰذا قبل سے اب مخلوق میں متاہل اور برتر سے حاصل۔ خلاصہ سخن تمام کتابیں یہی حرف مشد وہی ہے جناب سلطان
صلے اللہ علیہ وسلم نے بات کیسے بند بنا کر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے اعمال کو حضرت سرور کے اعمال کے ساتھ منطبق کرے۔

(نور الدین)

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

سیر حوادث

منطق الطیر

امریکہ میں ایک مدرسہ ہے جہاں بچوں کو پرندے گانا سکھلاتے ہیں۔ جب گانے
کا وقت آتا ہے تو تمام چڑیاں نہایت شیریں اور سریلی آواز میں چہکنا شروع کر دیتی
ہیں۔ تمام کمرہ ان کے چہچہوں سے گونج اٹھتا ہے چھوٹی عمر کے لڑکے انسان کی بولیوں کی
نقل اتارتے جاتے ہیں۔ اور آخر بچے پرندوں سے گانے کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ علم
منطق الطیر کو یونانی زبان میں اورنی سولوجیا سنسکرت میں بسنت راج۔ اور عبرانی میں ... کہتے ہیں اس علم کے ایک شعبہ یعنی آوازوں سے شکاری بے حد و لاتعد فوائد و عوائد حاصل کرتے
ہیں۔ اطبا کو معالجہ میں مدد ملتی ہے۔ اور میلح پانی۔ آبادی اور راستوں کا پتہ انکے
ذریعہ لگاتے ہیں۔ ارباب باطن ان کے حالات سے اعلیٰ سے اعلیٰ عجائبات حاصل کرتے
ہیں۔ غرض علم منطق الطیر کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) وہ علم جو انبیا اہل کشف اور ارباب باطن کو عطا ہوتا ہے۔

(۲) وہ علم جو حکما کو حاصل ہوتا ہے۔

(۳) جو شکاریوں اور تجربہ کاروں کو حاصل ہوتا ہے۔

جناب سلیمان علیہ السلام کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے تینوں علم بخشے تھے چنانچہ قرآن حکیم میں ہے
وورث سلیمان داؤد وقال یا ایہا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا
من کل شیء ان ھذا لھو الفضل المبین (پ ۱۹ س النمل ع ۲) اور سلیمان داؤد کے
جانشین ہوئے۔ اور کہا لوگو! ہم کو خدا کی طرف سے پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہم
کو ہر طرح کے ساز و سامان عطا ہوئے ہیں بے شک یہ خدا کا صریح فضل ہے۔

جاپان کی خفیہ پولیس

جاپان کے پولیس افسر خفیہ آدمی رکھ کر معلوم کرتے ہیں کہ آیا تماشائیوں کو تماشے والے خوش
کرنے کے لیے فحش یا دوسرے مذاق کی باتیں حد سے زیادہ تو نہیں کرتے جن سے لوگوں
کے آداب عمومی بگڑیں۔ گویا حکومت اور عوام دونوں ملک کے اخلاق و آداب عمومی کے
محافظ ہیں۔ پولیس کو بھی عوام کے اخلاق اور علم کا خیال ہے۔ خفیہ پولیس ہو تو ایسی ہو جسکو
عامۃ الناس کے اخلاق کا بھی خیال ہو۔ یاد رہے کہ احکم الحاکمین کی خفیہ پولیس ہر وقت
عن الیمین وعن الشمال موجود رہتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں فرماتا ہے وان علیکم
لحفظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون (پ ۳۰ س الانفطار) اور تم پر ہمارے
چوکیدار تعینات ہیں یعنی کراماً کاتبین فرشتے جو کچھ بھی تم کرتے ہو انکو معلوم رہتا ہے۔ دوسرے
مقام پر ہے ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ونحن
اقرب الیہ من حبل الورید اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین وعن الشمال
قعید ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (پ ۲۶ س ق ع ۲)
بے شک ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اسکے دلی خیالات تک سے واقف ہیں اور ہم اسکی
شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ مگر اسکی آنکھ پر غفلت کا پردہ پڑا ہے۔ کہ
دو ضبط کرنے والے یعنی کراماً کاتبین فرشتے اسکی باتیں ضبط یعنی قلمبند کرتے جاتے ہیں
ایک داہنی طرف بیٹھا ہے اور ایک بائیں طرف۔ کوئی بات مونہہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر
ایک چوکیدار اسکے پاس لکھنے کو تیار رہتا ہے۔ (نقل من مرکز)

حقوق کا جھگڑا

مدراس میں ہندوستانی پادریوں کی ایک بڑی کانفرنس حال میں منعقد ہوئی ہے جس میں
اس مسئلہ پر بحث کی گئی کہ کیوں کلیسا میں ہندوستانی پادریوں کو وہ درجہ نہیں دیا جاتا
جو یورپین اور امریکن پادریوں کو دیا جاتا ہے۔ مشہور و معروف پادری کے آر گوپال آئر نے جلسہ
میں اس موضوع پر ایک زبردست تقریر کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ یہ امر سخت قابل اعتراض
ہے کہ پروٹسٹنٹ گرجوں میں رنگ اور قومیت کی بنا پر ہندوستانی پادریوں کو
ایک ادنیٰ قوم کے افراد سمجھ کر یورپین اور امریکن پادریوں کے برابر درجہ نہیں دیا جاتا
پھر دوسرے پادریوں نے اسکی تائید میں تقریریں کیں۔ بالآخر قرار پایا کہ ہندوستانی
پادریوں کو کلیسا میں یورپین اور امریکن پادریوں کے برابر حقوق حاصل کرنے چاہئیں۔
بلاشبہ ہندوستانی پادریوں کا مطالبہ معقول و صحیح ہے کیونکہ تمدن کی ترقی کا سب سے
بڑا اصول مساوات کا اصول ہے۔ واقعی حقوق انسانی کے سمجھنے کا پہلا دیباچہ مساوات
ہے اور مساوات ہی تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے لیکن اسلام کے قبل تک یہ خیال

کسی ملک اور کسی قوم میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ تعزیرات کے متعلق تہذیب سے مہذب قوموں کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرموں کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے سزا دی جاتی تھی۔ ان تمام خرابیوں کی جڑ کو کاٹنے کے لیے مساوات کا اصول قایم کیا گیا۔ جیسا کہ اس آیہ مجیدہ میں ہے۔ یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر (پ ۲۶۔ س الحجرات۔ ع ۲) لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھیرائیں۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو۔ عند اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔ یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ اسلام کا نظام اسی اصول پر قایم ہوا۔ عرب میں قبایل کے مدارج مقرر تھے۔ جو قبیلہ زیادہ شریف اور معزز تھا اس کا ایک آدمی دوسرے قبیلے کے متعدد آدمیوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ اور معزز آدمی کے ایک خون کے بدلہ میں دوسرے قبائل کے کئی آدمی قتل کئے جاتے تھے۔ اسلام نے اصول مساوات کی بنا پر یہ تمام تفرقے مٹا دئے۔ ابوسفیان جو تمام قوم کا سردار رہ چکا تھا اور جسکو خود حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حریف مقابل ہونے کا دعویٰ تھا جب مشرف بہ اسلام ہوا تو اسکو بلال و صہیب کا ہم رتبہ ہوکر رہنا پڑا حالانکہ بلال و صہیب دونوں زرخرید غلام تھے۔ جبلہ ابن الایہم عرب کا مشہور بادشاہ تھا جب وہ اسلام لایا تو اس نے چاہا کہ عامی آدمی کے مقابلہ میں اسکی عزت و منزلت تسلیم کی جائے لیکن فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اسلام کی اصلی تصویر تھے۔ گوارا نہ کیا۔ اور وہ اسی ضد پر مرتد ہوکر عیسائیوں سے جا ملا۔ حضرت عمر فاروق نے جب شام کا سفر کیا اور بیت المقدس میں داخل ہوئے تو ان کا غلام اونٹ پر سوار تھا اور خود ان کے ہاتھوں میں اونٹ کی باگ تھی۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ تمام لوگ خلیفہ اسلام کی جاہ و شوکت دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل آئے تھے ✦

(نورالدین تاجر حرم)

کچھ اپنے ناظرین سے

سال گذشتہ ہم اپنی مالی مشکلات وضروریات کا رونا روکر اور اسوۂ حسنہ کی رفتار ترقی کسی قدر قابل اطمینان پاکر کچھ عرصہ کے لیئے خاموش ہو گئے تھے۔ اور متوقع تھے کہ ہماری خاموشی چیخ پکار سے زیادہ موثر اور ہمارا سکوت آہ و بکا سے زیادہ کارگر ہوگا۔ مگر نتیجہ برعکس اور تجربہ غلط ثابت ہوا۔ بہت سے وہ نفوس جن کی آنکھیں ہمارے رونے سے پرنم ہو جاتی تھیں جن کے پہلو میں ہماری آہ و بکا کے بخارات سے پسیج جاتے تھے۔ اور جو پرنم آنکھوں اور پسیجا ہوا دل لیکر اسوۂ حسنہ کیلئے خریداروں کی جستجو میں نکلتے اور خاطر خواہ کامیاب ہوتے تھے وہی اب ایسے مطمئن و فارغ نظر آتے ہیں کہ اسوۂ حسنہ کی نت نئی خصوصیات و محاسن میں سے کوئی خوبی اور کوئی خصوصیت ان کے جذبۂ اعانت کی توجہ کو اپنی جانب مایل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ کیا ہمارے واجب الاحترام معاونین اس غلط فہمی میں ہیں کہ ان کا عزیز بچہ اسوۂ حسنہ خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل یا ان کی اعانت و امداد سے مستغنی ہوگیا ہے۔ یا یہ کہ اسکی روز افزوں مالی ضروریات پہلے سے کچھ کم ہوگئیں ہیں؟ اگر ایسا ہے تو انہیں چاہیئے کہ اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیں۔ اور یقین کرلیں کہ اسوۂ حسنہ ان کی توجہ و عنایت کا آج بھی اتنا ہی محتاج ہے کہ جتنا چھ مہینے پیشتر تھا۔ اور مالی مشکلات و ضروریات بدستور اسکے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل میں سخت ترین رکاوٹیں پیدا کررہی ہیں۔

آپکو معلوم ہے کہ جب اسوۂ حسنہ جاری ہوا تھا تو کس حیثیت کا تھا اور اب کس شان کا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ سال سوا سال کے قلیل عرصہ میں کسی ہندوستانی رسالہ نے صورتاً و معناً آج تک اتنی ترقی نہیں کی جتنی کہ اسوۂ حسنہ نے کی ہے۔ اور آپ اس سے بھی واقف ہیں کہ اسوۂ حسنہ کی عجیب و غریب اور قابل داد ترقی ایک ایسے عجیب و غریب زمانہ میں ہوئی اور ہو رہی ہے جو ترقی کا جانی دشمن ہے۔ جبکہ جنگ فرنگ کی خونبار گھٹا اپنی عدیم النظیر خوفناکی کے ساتھ فضائے عالم پر چھائی ہوئی ہے۔ کاغذ گران ہے روشنائی گران ہے۔ پتھر گران ہیں۔ چھاپنے کی کلیں گران ہیں۔ کام کرنے والے گراں ہیں۔ اور ان سب پر طرہ یہ کہ دل مضطرب اور خیالات آوارہ ہیں۔ ساری دنیا کے تصورات و تخیلات کی ہوئی نظریں۔ حالت سوختگی میں تکتکی باندھے ہوئے صرف ایک چیز میدان جنگ کی خون آشامی کو دیکھ رہی ہیں۔ کیا اس دار و گیر اور قتل و خون اور فتنہ و فساد کے زمانہ میں اسوۂ حسنہ کا دن دونی اور رات چوگنی ترقی یافتہ شکل میں ظاہر ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اسپر سالانہ آمدنی سے کچھ زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور خریداروں کی تعداد میں اضافہ نہ ہونے سے پہلے مصارف کی مدات میں اضافہ نہ ہو جاتا ہے۔ تو کیا ایک ایسا رسالہ جسکے چلانے والا کا جنون شوق نقصانات کی پروا نہ کرنے کا اتنے عرصہ تک عملی ثبوت دیچکا ہو کبھی اپنے ناظرین کی اعانت سے مستغنی ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ آیا جاری ناچیز اور بے لوث خدمات کا صلہ یہی ہے کہ ہمیں اسلامیہ سرزمین کے خشک ریگستان اور عملی ملکت کے لق و دق بیابان میں ٹکریں کھانے کے لیئے تن تنہا چھوڑ دیا جائے۔ اور یاروان کاروان اسوقت تک ہماری امداد کے لیے آمادہ نہوں جبتک کہ خوب چیخ چیخ کر انکو مدد کے لیے نہ بلایا جائے۔ اگر یہی صلہ ہے تو فنعم

سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور اگر یہ صلہ نہیں ہے تو ہر اس مسلمان کا جس کی نظر سے یہ مضمون گزرے اور جسکا دل قومی ہمدردی سے معمور ہو فرض ہے کہ وہ خدا کا نام لیکر کھڑا ہو جائے اور اسوۂ حسنہ کے لیئے جس قدر ممکن ہوں خریدار مہیا کرنیکی کوشش کرے۔ اور عند اللہ ماجور ہو ✦ (ایڈیٹر)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط

جسکو حکمت دی گئی بے شک اُس نے بڑی دولت پائی +

حکمت و موعظت

شذرات

من غشنا فلیس منا

ایکدن حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کاگذر ایک گیہوں بیچنے والی کی طرف ہوا۔ آپنے اسکے گیہوں کے انبار میں دست مبارک ڈالا تو اسمیں نمی تھی۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ اسنے عرض کیا بھیگے ہوئے گیہوں ہیں۔ فرمایا یہ گیہوں نہ نکال ڈالے؟ من غشنا فلیس منا جو شخص دغابازی کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ غور کرو ارباب تجارت پر لازم و واجب ہے کہ اپنے مال کا کوئی عیب خریدار سے نہ چھپائیں۔ بلکہ اصل حال تمام و کمال بیان کر دیں۔ اگر کوئی شخص اپنے مال کا عیب چھپائے گا تو دغاباز سمجھا جائیگا۔ کسی چیز کی اوپری تہ دکھانا یا اندھیرے میں مال دکھانا تاکہ اسکا عیب ظاہر نہ ہو یا مال کا بہترین حصہ دکھانا یہ سب امور ظلم اور دغابازی ہیں۔ ان سے محترز و مجتنب رہنا لازم و واجب ہے

ایک شخص نے تین سو درہم کو اونٹ بیچا۔ اسکے پاؤں میں کچھ عیب تھا۔ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کہ صحابہ میں سے تھے۔ وہاں کھڑے تھے۔ پہلے تو غافل رہے جب یہ بات انکو معلوم ہوئی تو خریدار کے پیچھے دوڑے اور کہا کہ اسکے پاؤں میں عیب ہے مشتری واپس آیا اور تین سو درہم بائع سے پھیر لیے۔ بائع نے حضرت واثلہ سے کہا کہ تم نے یہ معاملہ کیوں بگاڑا؟۔ انہوں نے جواب دیا اسواسطے کہ میں نے جناب سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا سے سنا ہے کہ یہ امر حلال نہیں ہے کہ بائع کوئی چیز بیچے اور اس کا عیب چھپائے۔ اور دوسرے کو حلال نہیں ہے کہ جانے اور مشتری کو مطلع و متنبہ نہ کرے۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر ہم سے بیعت لی ہے کہ ہم اخوان ملت کی خیر خواہی کریں اور انکو شفقت کی نگاہوں کے ساتھ دیکھیں۔ کسی چیز کا عیب مسلمان بھائی سے چھپانا خیر خواہی اور نصیحت و شفقت سے بعید ہے۔ فتدبروا یا اولی الالباب +

معاملات میں احسان

محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ دکاندار تھے۔ ان کے پاس کئی تھان تھے کسی کی قیمت دس دینار تھی۔ اور کسی کی پانچ دینار۔ ان کی غیبت میں ان کے شاگرد نے پانچ دینار والا ایک تھان ایک اعرابی کے ہاتھ دس دینار کو بیچ دیا۔ جب آپ دکان پر تشریف لائے اور اس معاملہ کا حال معلوم ہوا تو فوراً اس اعرابی کی تلاش میں نکلے اور تمام دن ڈھونڈتے پھرے۔ جب وہ ملا تو اس سے کہا کہ وہ تھان جو تم نے میری دکان سے میری غیر حاضری میں میرے شاگرد سے خریدا ہے وہ پانچ دینار سے زیادہ کا مال نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے تو بخوشی دس دینار کو خریدا ہے حضرت محمد بن المنکدر نے فرمایا کہ جس امر کو میں اپنے واسطے پسند نہیں کرتا اسے اپنے بھائی مسلمان کے لیے بھی پسند نہیں کرتا۔ یا فسخ بیع کر دو۔ یا پانچ دینار واپس لے لو یا میرے ساتھ چلو کہ اس سے بہتر تھان دوں۔ بالآخر اعرابی نے پانچ دینار واپس لے لیئے پھر کسی شخص سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون تھے؟ اس نے کہا کہ محمد بن المنکدر۔ اعرابی کہنے لگا کہ سبحان اللہ یہ وہ مرد ہے کہ جب بارش نہ ہو اور ہم میدان میں نماز استسقار کو جائیں۔ اور نزول باران رحمت کی دعا مانگیں تو اسکا نام لینے سے مینہ برسنے لگے غور کرو اگلے بزرگوں کی عادت تھی کہ نفع کم لیتے تھے۔ معاملہ بہت کرتے تھے اور اس امر کو زیادہ نفع لینے کی نسبت زیادہ بابرکت جانتے تھے۔ اور فی الواقع ہے بھی یوں ہی۔ کیونکہ گراں فروش کی بکری کم ہوتی ہے اور کم نفع لینے والے کا مال زیادہ بکتا ہے۔ اور اسی بنا پر وہ گراں فروش سے فائدہ میں رہتا ہے۔ اسلام نے اپنے پیرووں کو معاملات میں عدل و انصاف ملحوظ رکھنے کے علاوہ احسان کا بھی حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ (پ۱۴ س النحل ع ۱۳) اللہ انصاف کرنے کا اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دوسرے مقام پر ہے ان رحمت اللہ قریب من المحسنین (پ ۸ س الاعراف ع ۱۴) اسکی رحمت احسان کرنے والوں سے بہت نزدیک ہے۔ بلا شبہ احسان وہ بھلائی ہے جس سے معاملہ کرنے والے کو دنیا و عقبیٰ میں فائدہ پہنچتا ہے فہل من مدکر؟

مدارج تقویٰ

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غنیمت کا مشک اپنے گھر میں رکھا تھا۔ تاکہ ان

کی بی بی مسلمانوں کے واسطے بیچیں۔ ایک دن جو حضرت امیرالمؤمنین اپنے گھر میں تشریف فرما ہوئے تو ان کی بی بی کے مقنع سے مشک کی خوشبو آئی آپنے پوچھا یہ کیا ہے؟ بی بی نے کہا کہ میں مشک تولتی تھی کچھ مشک ہاتھ میں لگ گیا میں نے مقنع میں مل لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے سر سے مقنع اتار لیا۔ اُسے دھوتے تھے اور مٹی میں ملتے تھے اور سونگھتے تھے۔ حتی کہ خوشبو زائل ہوگئی پھر مقنع بی بی کو حوالہ کیا۔ اگرچہ اس قدر معاف تھا مگر خلیفہ برحق فاروق اعظمؓ نے اتنا بھی گوارا نہ کیا اور حرام کے خوف سے حلال کو خیرباد کہا تاکہ اس امر کا سد باب رہے اور متقیوں کا درجہ نصیب ہو اسی بنا پر حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک انسان اس چیز کو جس میں کچھ اندیشہ اور باک نہ ہو اس چیز کے خوف سے جس میں اندیشہ اور باک ہو ترک نہ کرے گا۔ تب تک متقیوں کے درجہ کو نہ پہنچے گا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حرام میں پڑنے کے خوف سے آدمی کو بہ نظر حزم و احتیاط حلال و طیب سے دستبردار ہونا چاہیے

واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ +

سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ کو دشمن کے آجانے کا ڈر ہوا حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ابوطلحہ سے ان کا گھوڑا مانگا جس کا نام مندوب تھا اور سوار ہوکر گئے۔ جب واپس تشریف لائے تو فرمایا۔ کوئی ڈر کی بات نہیں دیکھی۔ اور یہ گھوڑا ایسا ہے گویا دریا ہے۔ دوسری روایت میں ہے آپ ننگی پیٹھ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ آپ کے گلے میں تلوار پڑی تھی آپ تنہا بنفس نفیس اسی طرف تشریف لے گئے جدھر سے مدینہ والوں نے آواز سنی تھی۔ غور کرو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اس واقعہ سے معلوم ہوتی ہے کہ اکیلے دشمن کی خبر لینے کو تشریف لے گئے۔ بلاشبہ آپ انسان کامل مقربین سے اعلیٰ و افضل مظہر اتم الوہیت اور مجمع جمیع فضائل تھے۔ آپ سخی ایسے تھے کہ کسی سائل کو رد نہ فرماتے۔ شرم و حیا کنواری لڑکی سے بھی زیادہ عفت ایسی کہ کبھی فواحش کے پاس بھی نہ بھٹکے حسن و جمال ایسا کہ سارے عرب میں کوئی آپ کا نظیر نہ تھا۔ نفاست و لطافت ایسی کہ جدھر سے گذرتے در و دیوار معطر ہو جاتے۔ حسن خلق ایسا کہ دس برس تک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت میں رہے کبھی اُف ہوں تک نہیں کہا۔ عدل و انصاف ایسا کہ اپنے سگے چچا کی بھی رعایت نہ کی۔ بلکہ فرمایا کہ اگر فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کٹوا دوں۔ عبادت و ریاضت ایسی کہ نماز پڑھتے پڑھتے پاؤں ورم کر گئے بے طمعی ایسی کہ لاکھ روپے آئے سب مسجد میں لٹوا دئے اور مستحق تقسیم کروا دئے۔ صبر و قناعت ایسی کہ دو دو مہینے تک چولہا گرم نہ ہوتا جو کی سوکھی روٹی اور کھجور پر اکتفا فرماتے کبھی دو دو تین تین فاقے بھی ہو جاتے۔ ننگے بوریے پر لیٹتے بدن مبارک پر نشان پڑ جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے شکرگزار اور خوش و خرم رہتے صرف شکایت

زبان پر نہ لاتے اسی بنا پر خداوند تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا ہے انک لعلیٰ خلق عظیم۔ بے شک تو بڑے خلق والا ہے۔ صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم +

(خاکسار **نورالدین** تاجر چرم)

خاموشی اور ترقی

گر ہمہ یار داری صد ہُنر بر زبان نہ

زمین کی روئیدگیاں خاموشی سے ہوتی ہیں۔ کلیاں رات کے سناٹے میں کھلتی ہیں مینہ آسمان سے اکثر خاموشی کے ساتھ برستا ہے۔ اور بادل جو گرجتا ہے وہ کم برستا ہے کہتے ہیں زمین اپنے محور اور سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔ اسکی گردش میں اگر آواز ہوتی تو ہمارے کان بہرے ہو جاتے پتھر خاموشی کے ساتھ مضبوط ہوتا اور بڑھتا ہے انسان کا حیوانی جسم چپ چاپ نشو و نما پاتا ہے۔ اور روح میں تو گویا آواز ہی نہیں۔ دنیا کے پیشوا زیادہ تر خاموش رہنے والے انسان تھے۔ قدرت نے انسان کو دیکھ کر ہاتھ منہ کان دو دو عطا کئے ہیں۔ پر زبان ایک دی ہے۔ آواز نہ ہوا میں ہے نہ پانی میں۔ ہوا میں سرسراہٹ درخت پیدا کرتے ہیں۔ اور دریا میں شور نشیب و فراز کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خدا کی سب سے اعلیٰ ہستی بھی خاموشی ہی کے ساتھ ملتی ہے اور ملنے کے بعد تو گویا دائمی خاموشی ہو جاتی ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں ۔

گفتم دلا کہ چند میں بر خویشتن بہ پیچی ۔۔۔ باید طبیب محرم این راز در میان نہ

گفتا کہ ہم طبیبے فرمودہ است با من ۔۔۔ گر ہمہ یار داری صد ہُنر بر زبان نہ

اغیار کہتے ہیں اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ مسلمان کہتے ہیں۔ تلوار سے شور و پکار آہ و فغان اور فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے دگویا خاموشی کا خون ہو جاتا ہے۔ اسلام شور سے نہیں خاموشی سے پھیلا ہے۔ رسولؐ کے اسوۂ حسنہ اور پرانے مسلمانوں کے اخلاق و مکارم نے غیروں کے دلوں میں چپکے ہی چپکے گھر کر لیا تھا۔ اور سچ بھی یہی ہے کہ کسی شخص کے اقوال کا دوسروں پر اثر نہیں ہوا کرتا۔ یہ افعال ہی کا کرشمہ تھا جو اندر ہی اندر دلوں میں گھر کر گئے تھے۔ پھر کیا ہم انسان اور آجکل کے مسلمان خاموشی سے ترقی کرنا چاہتے ہیں یہ نہیں اب ہم دنیا میں سکوت شکن مشہور ہوگئے ہیں۔ اور ہمکو **غوغائی** کا سچا خطاب دیدیا گیا ہے۔ پھر کیا کوئی ہے جو خاموشی سے مدد لے +

(راقم **ابن عیسےٰ** جالندھری)

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

لوگوں کو قصے سنایا کر تاکہ وہ غور و فکر کرنے لگیں

القصص

ہشام ابن عبدالملک کی حکایت

خلیفہ ہشام ابن عبدالملک جب مدینہ منورہ میں پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ تمام صحابہ انتقال فرما چکے ہیں۔ کہا کہ تابعین میں سے کسی کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت طاؤس کو اسکے پاس لے گئے۔ انہوں نے اندر جا کر جوتا اتارا۔ اور کہا السلام علیک یا ہشام! اے ہشام! تو کیسا ہے؟ ہشام سخت غضبناک ہوا اور اس نے انہیں قتل کر ڈالنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ حرم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ شخص اکابر علما میں سے ہے۔ اس ارادہ سے باز آ۔ اس نے پوچھا اے طاؤس! تم نے یہ کیا دلیری و گستاخی کی۔ فرمایا میں نے کیا کیا؟ اس سے وہ اور بھی برافروختہ ہوا اور کہنے لگا کہ تم نے چار بے ادبیاں کیں:۔

(۱) جوتا لب فرش اتارا۔ یاد رہے کہ خلیفہ ہشام کے نزدیک یہ امر معیوب تھا۔ بلکہ اس کے سامنے موزہ اور جوتا پہنے ہوئے بیٹھنا چاہیئے تھا۔

(۲) مجھے امیر المومنین نہ کہا۔

(۳) میرا نام لے کر پکارا میری کنیت نہ کہی۔ اس بات کو بھی عرب بنظر استحسان نہیں دیکھتے۔

(۴) میرے سامنے بلا اجازت بیٹھ گئے۔ اور نہ میرے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے ان چاروں باتوں کا یہ جواب دیا:۔

(۱) تیرے سامنے جوتا نہ اتارنے کا سبب یہ ہے کہ میں ہر روز پانچ بار اس رب العزت کے سامنے جو سب کا مالک ہے جوتا اتار کر ہی جاتا ہوں۔ اور وہ اس حرکت پر کبھی مجھ سے خفا نہیں ہوتا۔

(۲) تجھے امیر المومنین اسواسطے نہیں کہا کہ تیری امارت پر سب لوگ راضی نہیں ہیں اسی بنا پر میں قول الزور سے محترز و مجتنب رہا۔

(۳) تجھے نام لیکر پکارا اور کنیت سے نہیں پکارا اس کی وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے دوستوں کو نام لیکر پکارا ہے جیسے یاداؤد یا عیسیٰ یا یحییٰ یا موسیٰ اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے یاد فرمایا ہے جیسے تبت یدا ابی لہب۔

(۴) تیرے ہاتھ کو بوسہ نہ دینے کا سبب یہ ہے کہ میں نے جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنا ہے کہ کسی کا ہاتھ چومنا درست نہیں مگر اپنی جورو کا ہاتھ شہوت سے اور اپنے لڑکے کا ہاتھ رحمت سے۔ تیرے سامنے جو بلا اجازت بیٹھا اسکا سبب یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے تو اسے کہہ دو کہ ایسے شخص کو دیکھے جو خود تو بیٹھا ہو اور بندگان خدا اسکے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں۔

ہشام کو یہ باتیں بے حد پسند آئیں۔ کہا مجھے نصیحت فرمایئے۔ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ دوزخ میں پہاڑ کے برابر سانپ اور اونٹ کے برابر بچھو ہیں وہ سب ایسے امیر کی راہ دیکھا کرتے ہیں۔ جو رعایا و برایا پر عدل نہ کرے۔ یہ فرمایا اور اٹھ کر چلے گئے۔

غور کرو علمائے کرام سلاطین عظام کے پاس جانے سے محترز و مجتنب رہا کرتے تھے کیونکہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ علما انبیاء کے امانتدار ہیں تاوقتیکہ سلاطین سے میل جول نہ کریں۔ اگر میل جول کریں تو امانت میں خیانت کا ارتکاب کرینگے۔ اور فرمایا ہے کہ وہ علما حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے بڑے دشمن ہیں جو امرا کے پاس جائیں۔ اور بہترین امراء وہ ہیں جو خود علما کے پاس آئیں۔

حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ جو مکھی آدمی کی نجاست پر ہو وہ ان علما سے بہتر ہے جو سلاطین و امرا کے در دولت پر ہوں۔ غرض علمائے کرام سلاطین و امرا کے پاس جاتے ہی نہ تھے۔ اور اگر اشد ضرورت پر جاتے بھی تھے تو شرع کے مطابق جاتے تھے اور اس طرح پر جاتے تھے جیسے خلیفہ ہشام ابن عبدالملک کے پاس حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون۔

(نورالدین تلمیذ جہلم)

مصیبت کی کہانی

کلیجہ تھام لوگے جب سنوگے نہ سنوائے خدا ایسی شنوں کسیکا

نواب نقی خان کو آنکھ بند کرتے دیر نہ لگی۔ کہ ان کے ہونہار بیٹے میاں تقی نے دن عید رات شب برات منانی شروع کر دی۔ اور گو یا دل میں یہ ٹھان لی۔ کہ برے بھلے غرض جس طور سے ہو۔ باپ کا نام روشن کرنا چاہیئے۔ نقی خان کے حیات ہی میں میاں تقی نے کونسا برا کام تہا کہ نہ کیا۔ اور کونسا ارمان تہا کہ نہ نکالا۔ نقی خان اگر پوچھا جائے۔ قابل الزام تھے یا نہیں ہ تو میں اسکا فیصلہ کرنے والا کون۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ اگر نقی خان دو حرف سے آشنا ہوتے تو شاید ان کی حالت کچھ اس سے بہتر ہوتی مگر اسکے ساتھ ہی نواب نقی خان خیال کرتے تو کیونکر۔ اللہ نے اتنا مال و اسباب دے رکھا تہا۔ کہ خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ گھر میں رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ پھر جیسا کہ عام خیال ہے پڑھوتے تو کس لیئے۔ اور کھولتے تو کیوں۔ اور اسپر میاں تقی لے دے کے گھر کے اکلوتے تھے۔ جس چاہ اور پیار سے پالے گئے ہونگے خیال کے قابل ہے۔ جب کبھی میاں تقی کوئی برا کام کرتے تو ان کے والد بزرگوار ہمیشہ یہ کہا کرتے۔ کہ ابھی لڑکا ہے کھیلنے کے دن ہیں کھیلنے دو۔ بس پھر کیا تہا۔ میاں تقی تھے کہ مرزا پھویا بنے ہوئے تھے اور مجھے اتنا تو خیال نہیں۔ شاید اسی نام سے پکارے جانے بھی لگے تھے۔ خیر جو کچھ بھی ہو میاں تقی کی مٹی لڑکپن ہی میں خراب ہو چکی تھی۔

تقی کا پندرہواں سال تہا کہ نواب نقی کے رخصت ہونے کے دن قریب آ پہونچے۔ یا یک بستر مرگ پر جا پڑے۔ جب حالت روز مرہ خراب ہوتی چلی تو ایکدن اپنے لاڈلے بیٹے کو بلا کر یوں وصیت کی۔ میرے پیارے میں شاید دو تین گھنٹہ کا مہمان ہوں۔ اب تم سے ہمیشہ کے لیئے رخصت ہوتا ہوں۔ افسوس ہے تو اتنا اور صدمہ ہے تو اس بات کا۔ کہ اپنے سامنے تمہاری شادی رچانی نصیب نہ ہوئی۔ اور تمہارے سر سہرا بندھا نہ دیکھا۔ خیر صفدر علی صاحب جو ہمارے رشتہ داروں میں سے ہیں۔ انکو اللہ نے ایک لڑکی دی ہے۔ لڑکی حسن کی دیوی ہی نہیں بلکہ عمدہ چال چلن کی بھی ہے میں نے اسے دیکھا ہے اور جانتا بھی ہوں۔ بیٹا اگر چراغ لیکر بھی تلاش کروگے۔ تو ایسی بیوی ملنی محال کیا بلکہ ناممکن ہے تم اپنی شادی کا پیغام ضرور ان کے ہاں بھیجنا۔ قرینہ ہے۔ کہ صفدر علی صاحب کو بھی انکار نہ ہوگا۔ نواب نقی خاں کی اب آواز بند ہوتی چلی۔ دنیا بھر کے ڈاکٹر حکیم سب موجود تھے مگر موت کی دوا کون کرسکتا ہے۔ ہچکی آئی۔ اور ہچکی کے ساتھ ہی روح بھی نکل گئی ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

تھوڑے روز تک تو تقی خان غم کے پتلے بنے رہے۔ دیوانے وحشی ظاہرا ہوئے باطنی جو کچھ جی میں آیا۔ باپ کے غم میں بنے۔ جب غم کی انتہا ہو چکی تو خوشی کی ابتدا شروع ہوئی۔ اور ایسی شروع ہوئی کہ شاید کسی کے خواب و خیال میں بھی آئی ہو۔ افسوس نواب نقی خان کے آباؤ اجداد نے کن کن مشکلوں سے روپیہ جمع کیا ہوگا۔ مگر تقی کو اسکا کچھ بھی خیال نہیں آیا۔ اور نہایت بیدردی سے دولت لٹانی شروع کر دی۔ اسی درمیان میں باپ کی وصیت یاد آئی۔ فوراً صفدر علی صاحب کے ہاں شادی کا پیغام بھیجا گیا۔

صفدر علی صاحب نواب نقی کی طرح امیر نہ تھے۔ مگر ہاں اتنا نہ تہا تو اتنا ضرور تھا کہ دال روٹی سے خوش تھے بیٹی کی نسبت تمام تلاش کی نسبت آئی اور ضرور آئی۔ مگر حسب خواہ نہ آئی۔ بیچارے اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ کریں تو کیا کریں۔ بیٹی جوان ہو چکی ہے کسی طور پر نباہنا ضرور ہے۔ اتنے میں میاں تقی کا پیغام پہنچا۔ صفدر صاحب کی خوشی کے مارے باچھیں کھل گئیں۔ خیال آیا کہ کسی سے صلاح و مشورہ بھی کر لینا چاہیے۔ مگر مسئلہ لوں تو کس سے۔ اور مشورہ کروں تو کس سے۔ بی بی تھیں وہ بھی عرصہ ہوا چل بسیں گھر میں ایک بیٹا تہا وہ بھی نوکری کی وجہ سے باہر ہے خیر چارو ناچار اپنے بیٹے ظہیر کو تار دے کر بلوالیا ظہیر باپ کا تار دیکھتے ہی فوراً آ پہونچا۔ باپ سے بلانے کی وجہ دریافت کی۔

صفدر علی صاحب "ظہیر بیٹا تمہیں بلایا ہے اسکی ایک خاص غرض ہے شاکرہ جوان ہو چکی ہے۔ اس کی شادی جہانتک جلد ممکن ہو ہو جانا بہتر ہے۔ میں نے بہتیری نسبت تلاش کی مگر کہیں سے نہ آئی تھی نہ آئی۔ بارے خدا کا فضل ہے کہ کل میاں تقی نے اپنا پیغام بھیجا ہے میرے نزدیک اس سے عمدہ اور بہتر کوئی نسبت ہو سکتی ہے۔ بہتر اور مناسب ہے کہ منظور کر لیا جائے"

ظہیر "ابا جان شادی کا ہونا تو ضرور فرض ہے مگر تقی خان سے ہونا نہ ہونا اسبارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہتر ہے کہ خود شاکرہ سے ہمیں رائے لے لی جائے۔ وہ ماشاء اللہ سمجھدار ہے۔ اپنے برے بھلے کو کہیں ہم سے زیادہ سمجھ سکتی ہے"

صفدر۔ (غصہ ہوکر) "تم نے لڑکی سے رائے لینے کی خوب کہی۔ میں تو آج نئی بات تم سے سن رہا ہوں۔ افسوس انگریزی تعلیم نے تمہیں اتنا آزاد بنا دیا۔ کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ انگریزی پڑھ کر تم ایسے روشن خیال ہو جاؤ گے۔ تو میں کبھی تمہیں ایسی تعلیم نہ دلواتا"

ظہیر "ابا جان بے ادبی معاف آجکل شادی کے بعد طرح طرح کی شکایتیں سننے میں آتی ہیں۔ کبھی یہ سنا جاتا ہے کہ لڑکا سسرال نہیں جاتا۔ بی بی سے دنجیدہ رہتا۔ کبھی لڑکی زہر کھا کر مر گئی۔ غرض جو کچھ بھی ہوا اسکی وجہ جناب والا نے غور ہی کی۔ وجہ یہی ہے کہ شادی نہ تو لڑکے کی رضامندی سے ہوتی ہے نہ لڑکی کی خوشنودی سے"

صفدر "بس بس اپنے لکچر کو رہنے دو میں نے صلاح اور مشورہ کے لیئے بلایا ہے۔ لکچر سننے کے لیئے نہیں"

ظہیر "البتہ خفا نہ ہوجیے میں صلاح اور مشورہ ہی دے رہا ہوں۔ مجھے اسے لینے دیجئے۔ اس کے بعد کرنا یا نہ کرنا۔ آپکے اختیار میں ہے۔ میر تقی خان سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان کے چال چلن سے کون شخص واقف نہیں۔ کونسی برائیاں دنیا میں ہیں۔ جو تقی میں نہیں پائی جاتیں۔ ہاں اگر دولت کو کہیئے تو اسکا اعتبار ہی کیا۔ آج میرے پاس ہے اور کل ان کے پاس۔ البتہ علم ایک جوہر ہے۔ وہ بالکل اس سے بے بہرہ ہیں علاوہ بریں میرے خیال میں تو اپنی حیثیت سے زیادہ والوں کے ہاں شادی کرنا کیا۔ ایسا خیال بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ شاکرہ لایق شاکرہ ہرگز ان سے بیاہے جانے کے قابل نہیں ہے۔"

ظہیر بیٹا تھا۔ باپ نہ تھا۔ لڑکا تھا بزرگ نہ تھا مہذب تھا۔ بے ادب نہ تھا۔ کہنے کا مالک تھا کرنے کا نہیں۔ غرض جہاں تک غریب سے ہو سکا کہا۔ اور جتنا ہو سکا سمجھایا مگر حریص صفدر کو تقی کی دولت نے اندھا کیا کہ بیٹی کو کوئیں میں دھکیلنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ پیغام منظور کر لیا۔ منظوری کی دیر تھی۔ شادی کا ہو جانا کیا بڑی بات تھی۔ اور وہ بھی میاں تقی کے ساتھ۔ شادی ہوئی۔ اور خوب دل کھول کے ہوئی۔ بیچارے صفدر کی ٹانگ تقی کے سامنے کیا ٹہرنے والی تھی۔ مقروض ہوئے تو سب کچھ ہوئے اور ایسے ہوئے کہ پنپنا دشوار ہوگیا۔ رہا سہا۔ گھر میں جو کچھ تھا سب صاف ہوگیا۔ اور ایسا صاف ہوا۔ کہ نام لینے کو ایک کوڑی بھی باقی نہ رہی۔ مفلسی اور مغلسی کے ساتھ فکر نے میاں صفدر کو ایسا آن گھیرا کہ جان کے ساتھ پیچھے پڑ گئی ظہیر نے ہزار چاہا۔ کہ گھر کی حالت درست کرے۔ قرضداروں سے نجات پائے۔ مگر ظہیر تنہا ظہیر کوئی یار نہ مددگار کرتا تو کیا کرتا۔ صفدر کی حالت روز بروز ہوتی چلی۔ ہوتے ہوتے یہاں تک پہونچی۔ کہ بیچارے کو دنیا سے کوچ کرنا پڑا۔ گھر کی تباہی اور باپ کی بربادی کا غم شاکرہ کو جتنا ہوتا کم تھا۔ مگر بیچاری کرتی تو کیا کرتی۔ رو پیٹ کر صبر کر لیا شادی کو شاید سال بھر سے زاید ہوا تھا۔ کہ شاکرہ کو ان مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور زیادہ مصیبت اس بات کی تھی کہ میاں کو برابر جس طرح سے ہو زیادہ خوش رکھنا چاہیئے شاکرہ عقلمند تھی۔ بیوقوف نہ تھی۔ سمجھدار تھی۔ کم فہم نہ تھی۔ میاں تقی کے مزاج کو فوراً تاڑ گئی۔ سسرال کو دیکھا کہ لٹی جاتی ہے۔ بدنظمی ہے کہ ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ گھر میں ماما دائی۔ لونڈی باندی۔ اتا مغلانی اندر باہر غرض جتنے تھے سبکو اپنے حلوے مانڈے سے مطلب ہے۔ میاں تقی خواہ بہشت میں جائیں یا دوزخ میں۔ دل میں خیال کیا کہ دلہن کب تک بنی رہونگی۔ گھر دلوں لٹ رہا ہے۔ فوراً دلہن کا جامہ اتار گھر کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور ایسا درست کیا کہ شاید نواب تقی کے وقت میں بھی سنا ہو اس دوران میں اللہ میاں نے ایک لڑکی دی۔ نام باصرہ رکھا۔ اسوقت تو شاکرہ نے میاں تقی سے اچھی طرح نباہ کیا۔ مگر میاں تقی کا ظلم روز بروز ترقی کرنے لگا۔

شاکرہ میں جہاں اتنی صفتیں تھیں وہاں فرمانبرداری بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی بالکل گرمی کی راتوں میں شاکرہ نے پنکھا جھلتے صبح کر ڈالی۔ غرض میاں تقی کی اطاعت میں بیچاری نے کھانا پینا سونا جاگنا سب حرام کر ڈالا۔ ہر وقت حکم کے بجالانے کے لیئے ایک پاؤں پر کھڑی رہتی تقی نا قدر تقی نے اس گوہر کی کچھ بھی قدر نہ کی۔ جوہری ہوتا جواہر کی قدر سمجھتا جاہل ناکارہ جفا کار تقی اسکی حقیقت کو کیا سمجھتا۔ تقی نے کونسا ظلم تھا کہ شاکرہ پر نہیں کیا۔ اور کون سا ستم تھا کہ شاکرہ پر جائز نہیں رکھا۔ غریب پیار کی باتیں کرتی تو جواب ڈانٹ کر ملتا۔ غرض میاں تقی کے جو جی میں آتا شاکرہ کے ساتھ کر ڈالتے۔ مگر صابر شاکرہ ہر وقت ہر لحظہ ہر حالت میں صابر رہتی۔ ایکروز میاں تقی پر ایسا بھوت چڑھا کہ معاذ اللہ بھوت کیا تھا۔ خاصہ جن تھا۔ دن کو چڑھا رات تک اترنے کا نام نہ لیا۔ بی بی پر غل مچایا۔ اچھلے کودے۔ مالا پیٹا۔ غرض جو کچھ جی میں آیا کیا۔ مگر شاکرہ بے گناہ شاکرہ کا منہ تھکے کہ جواب بھی دیا ہو۔ آنکھ ہونے کہ تقی کو غصہ کی نگاہ سے بھی دیکھا ہو۔ تقی کا جب اس ظلم و تشدد سے بھی جی نہ بھرا۔ تو ایک روز کسی دوسری عورت سے شادی کر لی۔ اور گھر میں لا بٹھالا۔ اسکا لانا تھا کہ شاکرہ کو گھر چھوڑ دینے کا حکم ملگیا۔ شاکرہ مصیبت کی ماری اسوقت کوئی اسکے دل کی حالت پوچھتا۔ جاتی تو کہاں جاتی۔ گھر نہ دوار۔ باپ نہ ماں۔ بھائی نہ بند۔ زار و قطار رونے لگی۔ رو کر جب دل ہلکا ہوا۔ تو حکم کی تعمیل کا خیال آیا۔ اٹھی۔ اور لڑکی کو گود میں لے۔ میاں تقی کے ایک پرانے کھنڈر کو جو بہت زمانہ سے ویران پڑا تھا بسانے چلی گئی۔ شاکرہ کو اس اجڑے ویرانے مکان میں آئے ہوئے عرصہ ہو گیا۔ اس زمانہ کو جس مصیبت اور تکلیف سے اس نے کاٹا کچھ اسی کا کام تھا۔ ایک روز برسات کا موسم تھا۔ بارش ایسی زور سے ہو رہی تھی کہ لوگوں کے دل بیٹھے جاتے تھے۔ مگر میں تو یہ کہونگا کہ بارش شاکرہ کی مصیبت پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی۔ بارش تھمنے کی تھی نہ تھمی۔ شاکرہ کو اس زور کا بخار چڑھا کہ الامان والحفیظ۔ غریب کو جان کے لالے پڑ گئے سمجھی کہ بس اب آخری وقت ہے۔ بخار نہیں بلکہ چل چلاؤ کا سامان ہے۔ باصرہ کو گلے لگا کر خوب روئی۔ چوما پیار کیا۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں یوں کہا "بیٹی تیرا اللہ والی ہے۔ میں تجھ سے ہمیشہ کے لیئے رخصت ہوتی ہوں" چاہتی تھی کہ کچھ اور کہے مگر بیچاری سے نہ کہا گیا۔ بچی اور اسپر ننھی سی جان۔ ماں کی حالت دیکھ کر بلکنے لگی۔ گلے سے چمٹ گئی۔ بلکتے بلکتے بچی کو نیند آگئی۔ شاکرہ نے بیٹی کو پلنگ پر لٹا دیا۔ اوڑھنا نہ بچھونا۔ ایک کپڑا تھا۔ کیا بچھاتی۔ اور کیا اوڑھتی۔ باصرہ پر ڈال دیا۔ شاکرہ کو اپنی موت پر ہرگز افسوس نہ تھا مگر خیال تھا تو اسکا اور افسوس تھا تو اتنا کہ میرے بعد میری بچی کی کیا حالت ہوگی۔ مگر نہیں قادر مطلق سب کا نگہبان ہے۔ اسکی بھی حفاظت کرے گا۔ شاکرہ تو کمال نا امیدی سے مردہ ہو رہی تھی۔ بخار تو صرف بہانا تھا۔ دم کے دم میں روح پرواز کر گئی انا للہ اسوقت جبکہ شاکرہ اپنے قادر مطلق سے ملنے کے لئے جا رہی تھی۔ میاں تقی پڑے سوتے تھے

اور یہ خواب دیکھ رہے تھے ؛۔

خواب

کیا دیکھتے ہیں کہ دو قوی ہیکل آدمی جنکی شکل رات سے بھی زیادہ تاریک اور صورت دیو سے بھی زیادہ مہیب ہے۔ میاں تقی کے پاس آئے اور مشکیں کسنے لگے۔ میاں تقی اُچھلے کودے بہت کچھ ہاتھ پیر مارا۔ مگر ان کے زور کے سامنے انکی بساط ہی کیا تھی۔ مجبوراً مشکیں بندھوا جانا پڑا۔ یہ لوگ انکو لیکر ایک خوفناک راستہ پر ہوئے۔ معاذ اللہ راستہ کیا تھا جہنم کا نمونہ۔ ہر چہار طرف جنگل ہی جنگل نظر آرہا ہے۔ اور جنگل بھی سنسان یہاں حضرت انسان تو بالکل خواب و خیال ہیں۔ خوفناک درندوں کی ہیبت ناک آوازیں میاں تقی کو لیئے موت کے پیغام سے کم نہیں تھیں۔ اکثر یہ درندے میاں تقی کو کھا لینے کے لیئے جست بھی کرتے۔ مگر وہ یاجوج ماجوج جو انکو لیئے جا رہے تھے۔ ڈانٹ کر بھگا دیتے تھے۔ تقی کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ اکثر گھبرا کر اسکی تفصیل بھی پوچھتے۔ مگر جواب سوائے سکوت و خاموشی کے کچھ نہ تھا۔ آخر اس گھاٹی کو طے کرکے یہ لوگ دور بے سیدان میں جا پہونچے۔ یہاں تو اور ہی حال تھا۔ ہر جگہ چمن نہایت خوبی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ طرح طرح کے فوارے رنگ برنگ کے ...... چہچہا رہے تھے مرغان خوش الحان اپنے قادر مطلق کے حمد و ثنا میں محو ہو رہے تھے۔ باشندگان چمن لباس فاخرہ سے آراستہ و پیراستہ تھے ان کے بشرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ کسی آنے والے کے استقبال کے لیئے بیچین ہیں۔ اتنے میں ہٹو بڑھو۔ کی صدا ہر چہار طرف سے گونجنے لگی۔ تقی نے مڑ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک سواری رنگ برنگ کے جواہرات سے مرصع لوگ لیئے آرہے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خداوندا یہ کون ہے جس کی سواری اس تزک و احتشام سے آرہی ہے۔ سواری نزدیک آپہونچی سواری کے بیٹھنے والے کو دیکھا اور حیران ہوا۔ بیساختہ چلّا اٹھا۔ آیا یہ تو ہماری بی بی شاکرہ ہے "

شاکرہ نہایت پرتکلف کپڑے زیب تن کئے ہوئے اپنی بیٹی باصرہ کو گود میں لیئے ہوئے بیٹھی ہوئی ہے۔ شاکرہ کا چہرہ اسوقت چاند سے زیادہ روشن تھا۔ وہ خوش تھی۔ اور باصرہ ہنس رہی تھی۔ چاہتا تھا کہ تقی آگے بڑھ کر بی بی کو گلے لگالے۔ مگر فرشتوں نے ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہ دیا۔ رویا گڑگڑایا۔ منت سماجت کی۔ وہ کب چھوڑنے والے تھے۔ شاکرہ نے تقی کو دیکھ کر سواری کے روکنے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی۔ سواری فوراً رک گئی۔ تقی کو نزدیک بلایا۔ اور یوں گویا ہوئی "افسوس وقت تھوڑا ہے اور کہنا بہت کچھ ہے۔ خیر تقی او نفس کے تابعدار تقی سن اور خوب کان لگا کر سن۔ میں نے تیری خوشی کے لیئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ہر وقت تیرے حکم کے بجالانے کو ایک پاؤں پر کھڑی رہی۔ جو کچھ تو نے کہا میں نے سنا اور جو حکم تو نے دیا میں بجالائی۔ تیرے لٹتے ہوئے گھر کو بچایا۔ تیرے ظلم و ستم کو پیار سمجھا۔ دن رات اٹھتے بیٹھتے جاگتے سوتے ہر وقت ہر لحظہ تیرے آرام کا خیال رکھا۔ مگر تو نے اسکا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ خیر جو کچھ تو نے کیا اچھا کیا۔ میں ہرگز گلہ مند نہیں ہوں۔ اور جو کچھ میں نے کیا میرا فرض تھا۔ میں نے تجھ کو اسوقت ایک خاص غرض سے بلایا ہے۔ باصرہ ننھی باصرہ کی ماں کا سایہ آج اسکے سر سے اٹھ گیا۔ غریب یتیم ہوگئی بے والی ہوگئی دنیا میں کوئی اسکا سرپرست نہ رہا۔ اگر دیکھے کچھ ہے تو تو ہی ہے۔ لے اور اسکو رکھ (باصرہ کو بڑھا کر) یہ میری امانت ہے۔ باصرہ تیرے پاس رہنے والی نہیں ہے۔ ہاں جب تک ہے اسکی نگہداشت کرنا۔ اگر میری امانت کو اچھی طرح نہ رکھا تو قیامت میں دامنگیر ہونگی" اتنا کہا اور سواری کو بڑھنے کا حکم دیا۔ آناً فاناً سواری نظر سے غائب ہوگئی۔ تقی نے سواری کے ساتھ جانے کی کوشش کی مگر بے فائدہ اور بلاسود۔ تقی خواب سے چونکا۔ اور ایسا چونکا کہ اٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ باصرہ ہاتھ باندھے سرہانے کھڑی ہے۔ اور رو رہی ہے۔ باصرہ نے باپ کو جاگتا ہوا دیکھ کر کہا۔ ابا میاں اماں آج روٹھ گئی ہیں بہت منایا۔ نہیں مانتی ہیں چلئے اور انکو منا دیجئے " خواب اور خواب کیساتھ بچی کا یہ کہنا تقی کے دل پر کاری ہوا۔ بیٹی کو گلے سے لگالیا۔ رویا اور ایسا رویا کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ بی بی کا خیال آیا کہ واقعی کیا معاملہ ہے چلکر دیکھنا چاہیئے۔ وہاں کیا تھا۔ وہ کب کی مرچکی تھی۔ آیا اور بی بی کی لاش سے لپٹ کر اپنے قصوروں کی معافی کا خواستگار ہوا۔ مگر بیکار۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ شاکرہ۔ او جنت کی بیٹھنے والی شاکرہ شاباش۔ تو وقت صابر شاکر رہی۔ اطاعت کی کسوٹی پر پوری اتری۔ کسی وقت تقی کو شکایت کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جو کچھ تو نے کیا خوب کیا۔ بہتر کیا۔ آج سے تو فردوس کے آباد کرنے والی شمار کی جائے گی۔ او صبر و شکر کی دیوی تو مرگئی۔ تیری ہڈیاں خاک ہوجائیں گی مگر تیرا افسانہ جب تک دنیا ہے عبرت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ تو نے وہ مثال چھوڑی کہ دوسروں کے لیئے تمثیل بنی۔ آفرین صد آفرین تو وہ کارنامہ چھوڑ کر چلی ہے کہ تیری آنے والی بہنوں کے لیئے ایک سبق ہے۔ جا اور اچھی طرح سے جنت میں آرام کر +

سید مجید الدین احمد اشرف

(منقول از رسالہ خاتون علیگڈھ)

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کیلئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے سینکڑوں کروڑوں۔ ایران، ترکستان، افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں ہے کہ ذی علم ہو اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتا حتے کہ چین کے مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں صرف آجکل ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں لہذا اسی ضرورت پر لحاظ کرکے **علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی نے جن کی جملہ تصنیفات کی فہرست اسی صفحہ پر درج ہے** پہلے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ اردو ترجمہ بعبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شائع کردی ہے اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جسکی سرخیاں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ترجمہ کرنیکا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا (۲) ترجمہ قرآن کی صورت زمانہ وسطی اور زمانہ اخیر میں (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت اور آنحضرت محمدؐ (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) متضاد احکام قرآن میں نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) مکرر باتیں قرآن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن جن پر صرف یورپ کے مہذب لوگوں کا عملدرآمد ہے (۲۸) برکات اسلام کیلئے الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۹) معجزات (۳۰) مؤلف کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے۔

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی گئی ہے اور جتنے مسائل شرعی قرآن سے نکلتے ہیں انکا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف قرأت سے علماء حنفی المذہب اور اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہو گئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے اور ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا علماء حنفی المذہب نے جو باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ زیریں پر سب کا بیان ہے تاکہ ترجمہ سب مذاہب کیلئے یکساں مفید ہو لیکن متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہو کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کرکے نہایت صحت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ ہے اسکا سمجھنا یہاں لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول ۱۸۹۲ء میں پہلے پارہ کا ترجمہ شائع کیا تھا اسکے چار برس کے بعد ۱۸۹۶ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا تھا پھر اسکے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے ناظرین بالمقابل ترجمہ دیکھکر انشاء اللہ قبولیت کی گواہی دیں گے۔ درست آمد۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ جلد بہت جلد طلب فرمائیں۔ اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ تحریر ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کے ہاتھوں میں پہنچکر اشتہار کا باعث ہو یہ واضح رہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر جیسے کہ علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے۔

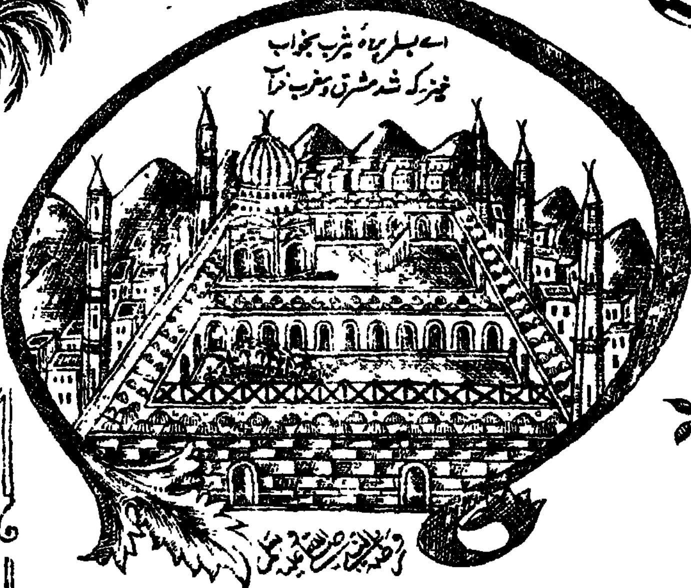
ہدیہ قیمت فی جلد مذہب تین روپیہ (فقط) جہاں سینکڑوں ہزاروں روپیہ لغو باتوں میں ضائع ہوتے ہیں اگر ترجمہ قرآن کے سمجھنے میں خرچ ہوں تو کیا اچھا ہے۔

تالیفات و تصنیفات علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید [illegible]	اردو	مذہب اسلام	۶۰۰	[illegible]	[illegible]	مجلد
۲	تاریخ الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۳	الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۴	شاہنامہ	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱	[illegible]
۵	المباحثہ	اردو	[illegible]	۱۸۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۶	حسنۃ الاعمال	اردو	[illegible]	۲۰	[illegible]	[illegible]	۰
۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۵۰۸	[illegible]	[illegible]	۰
۸	زبان اردو	اردو	[illegible]	۳۲	۲	۲	۰
۹	[illegible]	انگریزی	[illegible]	۱۸	۲	۲	۰
۱۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۳۴	۴	۲	۰
۱۱	[illegible]	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	مجلد
۱۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۴	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

المشتہر عبد الواحد خان منیجر قاضی ایجنسی گورکھپور

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ



اُسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت معاشرت کا روحانی خطیب اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج مسلمان مردوں کا رہبر عورتوں کا معلم بچوں کا اتالیق مفید صلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ۔ ہر شمسی مہینے کے آخری ہفتہ میں شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہِ صفا ✦ تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ✦ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالانہ چندہ مع محصولڈاک
قسم اول ۲ ✦ قسم دوم ۱
قیمت فی پرچہ ۲ ر

محمد انوار ہاشمی پرنٹر و پبلشر نے عصمت الیکٹرک پریس میرٹھ میں چھپوا کر شائع کیا

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان واقعی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔ قرآن پاک اور اسلام کی صحیح تعلیم پر مکمل عمل کریں۔ خوف خدا اور عظمت رسول کو معاشرت و تمدن کا اپنا رہنما بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کریں۔ تعصب اور کورانہ تقلید سے اپنے تئیں پاک صاف رکھیں۔ غیر مسلم اقوام کی بھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کے چھوڑنے کو معیوب نہ سمجھیں۔ ہر ایک کام میں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کے مسلک پر آ جائیں۔ دولت، وقت اور قوت جیسی بیش بہا نعمتوں کو بیہودہ روی سے نہ لٹائیں۔ تکفیر کے فتووں سے اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل نہ کریں۔ خانہ جنگیوں۔ نااتفاقیوں۔ اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں۔ اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتفاق و اتحاد اور ہمدردی و خلوص کے آہنی حصار سے مستحکم و محفوظ کریں۔ عیش پسندی کاہلی۔ اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں۔ محنتی۔ جفاکش۔ اولوالعزم۔ مآل اندیش۔ مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالنے کے بجائے اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی۔ صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف پوری توجہ کریں۔ مشیخت و غرور اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اپنے تئیں تمام دنیا سے زیادہ نالائق اور سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری۔ عیاشی۔ نمود و نمائش۔ فیشن پرستی۔ مقدمہ بازی۔ بے محل خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینوں اور عزلت گزینوں کے راہبانہ روئیہ کو خلاف سنت تصور کریں۔ اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی نذریں بند کر کے ان سے مفت خوری کی عادت چھڑوائیں۔ ایسے مولویوں۔ ایسے صوفیوں۔ سیاسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خودغرض ملت فروش۔ اور نام نہاد خیرخواہ لیڈروں کے بھینٹ میں نہ پھنسیں۔ سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو ان تمام اوصاف و محامد سے متصف کریں جو ایک **اصلح** انسان میں ہونے چاہییں۔ تاکہ زمین کی وراثت کے مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

خریداروں اور مضمون نگاروں کے لیے ضروری ہدایتیں

(۱) اسوۂ حسنہ دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے۔ قسم اول کا چندہ سالانہ [illegible] اور قسم دوم کا [illegible] جو بہرحال پیشگی آنا چاہیئے۔ (۲) جن حضرات کے پاس رسالہ نمونۃً پہنچے انہیں براہ کرم اپنے ارادۂ خریداری و عدم خریداری سے بذریعہ کارڈ دفتر کو مطلع کر دینا چاہیئے۔ (۳) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو ضرور شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیئے۔ ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے۔ ایک پرچہ کی قیمت ۳ ہے۔ (۴) چندہ کی میعاد ختم ہو جانے پر اگر خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع موصول نہ ہوئی تو ہم وی۔ پی بھیج کر آئندہ سال کے لیے چندہ وصول کر لینے کے مجاز ہوں گے (۵) خط و کتابت میں نام و پتہ نہایت صاف مفصل اور واضح لکھنا چاہیئے۔ اور نمبر خریداری کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہیئے **قلمی معاونین** کو مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے۔ (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں (۳) آیات کے لیے سورت اور رکوع اور احادیث کے لیے مستند کتب حدیث کا حوالہ ضرور دیں۔ (۴) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجئے جو غیر ہمدردانہ۔ بے نتیجہ۔ یا غیر محققانہ ہوں۔ یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحۃً یا کنایۃً منافی ہوں یا جن میں لفاظی اور تخیل زیادہ اور مفید اصلی مطالب کم ہوں یا جن میں مناظرانہ تردید کا رنگ غالب ہو (۵) جو مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کے لیے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی چاہیئے۔ ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری اخلاقاً ان پر عاید ہوگی (۶) مضمون لکھنے سے پہلے رسالہ کے مقاصد معلوم کر لیں۔

(منیجر)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ

کتاب سیرت مصطفےٰ منگانیوالے لکھتے ہیں کہ ہمنے کتاب کو شہادت کیس ڈرے جبر سے پڑھ کر دیا۔ اسکے پڑھنے سے
اسلامی جوش پیدا ہو کر انسان پر ایک حالت وجد طاری ہو جاتی ہے کیا یہ رسول خدا کا معجزہ نہیں ہے؟
کہ آپکے حالات بابرکات اور پاک تعلیمات میں اب بھی وہی اثر باقی ہے جو آنحضرت سے تیرہ سو برس پیشتر تھی
اگر آپ رسول کریم کی محبت اور آنحضرت سے محبت رکھتے ہیں تو کتاب سیرت مصطفےٰ منگوا لیجئے بزرگان دین اور
مقتدر اسلامی اخبارات نے اسپر نہایت عمدہ ریویو لکھے ہیں حضورؐ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو
اسمیں نہ لکھا ہو تمام واقعات کو نہایت عمدہ طور پر محققانہ طرز سے نبھایا ہے مضمون ایسا دلچسپ ہے کہ
بار بار پڑھنے سے دل سیر نہیں ہوتا غرض کتاب قابل دید ہے نظم و نثر دونوں لاجواب ہیں ہر لفظ عاشقان
رسول کیلئے نشتر ہے حجم کتاب ۵۰۰ صفحہ کاغذ اعلیٰ ولایتی سرورق آسمانی پر سرخ و سبز
رنگوں کے خوشنما بیل بوٹوں سے مزین جسپر باریک کاغذ کا ٹائٹل ایک عجیب بہار دکھا رہا ہے۔ ہدیہ باوجود
خوبی صرف آٹھ آنہ (۸/) مجلد ۱۰/ جلد نہایت خوشنما ولایتی کپڑے کی سنہری پھولدار تیار کرائی گئی ہے

ملنے کا پتہ مہتمم نظامیہ بک ڈپو مزنگ لاہور

ابو الشفاء حکیم محمد شمس الحق کا بنایا ہوا اور تجربہ کیا ہوا مشہور

سفوف برق

انسانی زندگی کا دارومدار ہضم غذا پر ہے غذا کا دارومدار معدہ و جگر کی درستی پر ہے یہی دو اعضاء ایسے ہیں جنکا
فعل صحیح رہنے پر غذا جزو بدن ہو سکتی ہے اور خون صالح رگوں میں بھرا رہتا ہے سفوف برق ایسی ہی اکسیر ہے
چونکہ معدہ ہضم صحیح پر قادر نہ ہو تو جگر کا فعل کمزور ہو گیا ہو فائدہ پہنچاتا ہے بجلی کا اثر رکھتا ہے
سفوف برق معدہ یا جگر کی ابتدائی تمام بیماریوں میں اور ہر قسم کے ہیضہ کو دفع کرنے میں اکسیر کا خاصہ رکھتا ہے
سفوف برق سوء ہضم و درد معدہ و نفخ شکم۔ ترش ڈکاریں بدہضمی و بادی استسقا طحال تنگی سانس درد کمر
ہچکی و مروڑ پیچش وغیرہ تمام امراض میں کم و بیش فوری نفع پہونچاتا ہے سفوف برق تمام فصلوں کے جوان
بچوں ضعیفوں وغیرہ سے بدرجہا بہتر اور ہر قسم کے مضر اثر سے پاک ہے۔ فائدہ ہی فائدہ پہنچاتا ہے
بڑے بڑے تجربہ کاروں اور اکثر امراء و رؤسا نے بھی اس سفوف کے سریع الاثر اور بے انتہا
مفید ہونے کے بیش بہا سارٹیفکٹ عطا فرمائے ہیں جنکی تفصیل کی گنجائش یہاں نہیں۔
اکثر حضرات نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہر گھر میں ایک شیشی اس سفوف کی ضرور رہنی چاہئے تاکہ وقت آسانی
کیساتھ مذکورہ بالا تمام عوارض کو دو چٹکی میں دفع کر سکے۔ خوراک ایک ماشہ ہے۔

قیمت فی شیشی کلاں بارہ آنہ (۱۲/) قیمت فی شیشی خورد چھ آنہ (۶/)

ملنے کا پتہ
منیجر کارخانہ معدن الشفاء (گیا)

درویش جنتری ۱۳۳۴ ہجری ۱۹۱۶ء

چھپکر تیار ہوگئی

اور بفضلہ تعالیٰ پہلے ہی سال اس قدر مقبول و مشہور
ہوئی کہ قسم اول کی جنتریاں جو عمدہ کاغذ پر معقول
تعداد میں چھاپی گئی تھیں وہ کل ختم ہوگئیں اور کئی سو
فرمایشوں کی تعمیل نہ ہو سکی۔ قسم دوم کی جنتریاں
تھوڑی سی باقی ہیں امید ہے کہ اسی مہینہ میں نکل جائینگی
جن صاحبوں کو قسم اول کی جنتری مطلوب ہے افسوس کہ
ہم ان کی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔ البتہ قسم اول کی
بجائے قسم دوم کی جنتری انکو بھیج سکتے ہیں لیکن
فروری کے بعد ہم غالباً قسم دوم بھی نہیں دے سکیں گے +

المشتہر منیجر درویش جنتری سیعنڈل میرٹھ

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء مطابق ۱۴ صفر لغایتہ ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۴ھ

جلد ۳ | فہرست مضامین | نمبر ۶

معارف القرآن

تعلیم الاسلام

السیرۃ المحمدیۃ والمدائح النبویۃ

القصص

حکمت وموعظت

بصارت وبصیرت

انعامی اعلان

اسوۂ حسنہ کی جلد رواں میں "معیار تقدس" کے موضوع پر جس قدر مضامین شائع ہوں گے۔ ان میں جو مضمون مجموعی حیثیت سے بہترین سمجھا جائے گا۔ اسکے قابل مصنف کی خدمت میں مبلغ پچیس ۲۵ روپے نذر کئے جائیں گے مضمون میں خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل امور پر بحث کی ضرورت ہے:۔

(۱) قرآن وحدیث میں تقدس کا معیار کیا قرار دیا گیا ہے (۲) قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں تقدس کا معیار کیا تھا (۳) فی زمانا مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور طبقوں میں تقدس کا معیار کیا ہے اور اسکی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے۔ بہترین مضمون کا انتخاب ایڈیٹر اسوۂ حسنہ کے مشورہ سے خود شیخ غلام زین العابدین صاحب کرینگے۔

معاونین اُسوۂ حسنہ کا شکریہ

نومبر و دسمبر میں جن معاونین کرام نے اپنے اسوۂ حسنہ کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائی۔ اون کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ ہم ان سب حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اون کی مساعی کو مشکور فرمائے۔ امید ہے کہ دوسرے احباب بھی اسطرف توجہ فرماکر داخل حسنات ہونگے۔

جناب مولوی غلام محی الدین صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس ۱۰۔ جناب عبدالغفار ابن عبدالکریم صاحب ۴۔ جناب خیرالدین احمد صاحب کودہ ۴۔ جناب احمد محی الدین صاحب ۴۔ جناب مولوی وصی الدین احمد صاحب ۳۔ جناب مرزا محمد ناصر بیگ صاحب ۳۔ جناب سید اصغر حسین صاحب ۳۔ جناب ماسٹر حمزہ خان صاحب ۳۔ جناب عبدالعزیز صاحب میر ودال ۲۔ جناب سید محمد حسن صاحب ناظر محکمہ گورنر کشمیر ۲۔ جناب منشی محمد صالح صاحب واصلباقی نویس ۲۔ جناب منشی نصیر الدین صاحب محرر عدالت ۲۔ جناب مصلح الدین صاحب ۲۔ جناب مولوی محبوب رضا صاحب سب انسپکٹر ۲۔ جناب شیخ یوسف ہادی صاحب ۲۔ جناب عبدالحکیم صاحب صلابت گنج ۲۔ جناب منشی فضل کریم صاحب ۲۔ جناب منشی عبدالخالق صاحب ۲۔ جناب عبدالغفور صاحب ہیڈ کلرک ۲۔ جناب شاہ فصیح الدین صاحب ۲۔ جناب منشی امداد علی صاحب شام چوراسی ۲۔ جناب مولوی غوث محمد صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس ۲۔ جناب مولوی سید محمد عسکری صاحب ۲۔ جناب خان صاحب شیخ فیروزالدین صاحب ۲۔ جناب شیخ نتھو محمد صاحب ۲۔ جناب نذر محمد صاحب ۲۔ جناب ابونصر مولوی محمد جمال علی صاحب ۲۔ جناب مولوی محمد عبدالتواب صاحب ۲۔ جناب غازی صاحب منشی فاضل ۲۔ جناب علی گوہر صاحب کوہاٹ ۱۔ جناب امین الدین صاحب شاہ گنج ۱۔ جناب حاجی محمد خان صاحب ۱۔ جناب انصاف علی صاحب شاذلی ۱۔ جناب محمد عبدالغنی صاحب قریشی بدایوں ۱۔ جناب اصغر حسن صاحب سب انسپکٹر ۱۔ جناب ڈاکٹر رستم علی صاحب الاکند ۱۔ جناب عبدالغفار صاحب خانساماں ۱۔ جناب محمد مبارک علی صاحب سب اورسیر ۱۔ جناب کفایت حسین صاحب مختار ۱۔ جناب ڈاکٹر سعید الدین صاحب ۱۔ جناب پیر اکبر علی حمید میاں صاحب ۱۔ جناب منشی امام صاحب بلگام ۱۔ جناب مولوی غلام محی الدین صاحب ہیڈ کلرک ۱۔ جناب حکیم محمد غوث محی الدین صاحب ۱۔ جناب عبدالرحمن صاحب ۱۔ جناب محمد عبدالکریم صاحب کلرک ۱۔ جناب نذیر الدین صاحب نعمانی ۱۔ جناب حسن علی صاحب از پروا ۱۔ جناب محمد نہال احمد صاحب ۱۔ جناب عبدالحمید صاحب ۱۔ جناب محمد عبدالرحمن صاحب سوداگر کولار ۱۔ جناب بابو اللہ بخش صاحب ۱۔ جناب حشمت علی صاحب ۱۔ جناب نظام الدین صاحب سوداگر گجرات ۱۔ جناب شمس الہدےٰ صاحب کورٹ انسپکٹر ۱۔ جناب محمد مرتضیٰ خان صاحب ہیڈ کلرک ۱۔ جناب غلام محمد صاحب ۱۔ جناب غوث پوش صاحب ۱۔ جناب سید علی اکبر صاحب انسپکٹر مدارس ۱۔ جناب سید امیر شاہ صاحب ۱۔ جناب بدرالاسلام صاحب محرر ڈسٹرکٹ بورڈ ۱۔ جناب حافظ محمد الدین صاحب وزیرآباد ۱۔ جناب امیں محبوب میاں ایس عبدالرزاق میاں صاحب ۱۔ جناب داروغہ محمد عمر صاحب ۱۔ جناب محمد انوار صاحب ۱۔ جناب محمد اشرف علی صاحب ۱۔ جناب حاجی رسول بخش صاحب ننگون ۱۔ جناب حاجی فخرالدین صاحب ۱۔ جناب ڈاکٹر محمد شکور صاحب ۱۔ جناب محمد اعظم خان صاحب ۱۔ جناب محمد نعیم صاحب ہیڈ کلرک دانا پور ۱۔ جناب سلطان بیگ صاحب انسپکٹر حلقہ ۱۔ جناب محمد ادریس صاحب ۱۔ جناب اللہ یار صاحب سب اورسیر ۱۔ جناب حاجی غلام یٰسین و نظام الدین صاحب ۱۔ جناب محمد عابد صاحب ۱۔ جناب محمد اسمٰعیل شریف صاحب ۱۔ جناب مولوی محمد مراد خان صاحب ۱۔ جناب حکیم عبدالکریم صاحب ۱۔ جناب مولوی عرفان علی صاحب ۱۔ جناب کے۔ حاجی محمد محی الدین صاحب ۱۔ جناب ڈاکٹر بدرالدین صاحب ۱۔ جناب عبدالرزاق صاحب مختار ۱۔ جناب مولوی محمد حسین صاحب جے۔ اے۔ وی ساتف ۱۔ جناب حاجی حبیب اللہ اسد خان صاحب سوداگر ۱۔ جناب مولانا نامی صاحب ۱۔ جناب سید احمد الدین شاہ صاحب ۱۔ جناب محمد اسمٰعیل صاحب نیرنگ لاہور ۱۔ جناب سید قمرالدین صاحب قمر ۱۔ جناب محمد صابر صاحب ہیڈ کلرک الہ آباد ۱۔ جناب عزیز الرحمن صاحب سب اورسیر ۱۔ جناب منشی رحمت علی خان صاحب ۱۔ جناب شیر شاہ صاحب ۱۔ جناب بشیرالدین خان صاحب حیدرآباد ۱۔ جناب حافظ غلام محی الدین صاحب ۱۔ جناب شہاب الدین صاحب ہیڈ ڈرافٹسمین ۱۔ جناب مولوی مشتاق احمد صاحب ۱۔ جناب ابو محمد صاحب محمڈن ہوٹل ۱۔ جناب محمد سعد اصغر بادشاہ صاحب ۱۔ جناب عبدالمغنی صاحب رئیس چھپرہ ۱۔ جناب حاجی شاہ صاحب ہیڈ کانسٹبل ۱۔ جناب مستری چراغ دین صاحب ۱۔ جناب نذیر علی صاحب مدرس ۱۔ جناب منشی غلام رسول صاحب ۱۔ جناب محمد اسمٰعیل صاحب مئو ۱۔ جناب میر سید امیر شاہ صاحب ۱۔ جناب شیر محمد صاحب ۱۔ جناب بابو محمد دین صاحب اسٹورکیپر ۱۔ جناب جمیل الدین صاحب تاجر کتب ۱۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے لوگو تم سے پہلے کتنی قومیں گذر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کیا ... اور ان کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ... پھر ہم نے ان کے بعد تمکو زمین میں جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو

اُسوۂ حسنہ

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(قرآن بڑی ابرکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اسکی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھنے والے (اسکے مطالب) نصیحت حاصل کریں ++

معارف القرآن

مداینت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (پ ۳ - س البقرہ - ع ۳۹)

مسلمانو! جب تم ایک میعاد مقررہ تک ادہار کا لین دین کرو۔ تو اسکو لکھ لیا کرو اور اگر تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو تمہارے درمیان میں تمہارے باہمی قرارداد کو کوئی لکھنے والا انصاف کیساتھ لکھدے۔ اور لکھنے والے کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے کیونکہ اس کو خدا نے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے پس اسکو چاہیے کہ بے عذر لکھدے اور جسکے ذمہ قرض عاید ہوگا وہی دستاویز کا مطلب بولتا جائے۔ اور اسے

کرو۔ہی اسکا کارساز حقیقی ہے ڈرے۔اور بتاتے وقت قرض دہندہ کے حق میں سے کسی طرح کی کاٹ چھانٹ نہ کرے اور جسکے ذمہ قرض عاید ہوگا۔اگر وہ کم عقل ہو یا معذور یا خود ادائے مطلب نہ کرسکتا ہو تو جو اسکا مختار کار ہو۔وہ دستاویز

------------ کا مطلب بولتا

جائے اور اپنے لوگوں میں سے جن لوگوں پر تمہارا اطمینان ہو دو مردوں کو گواہ کرلیا کرو۔پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائیگی تو ایک دوسری کو یاد دلا دے گی۔اور جب گواہ ادائے شہادت کے لئے بلائے جائیں تو حاضر ہونے سے انکار نہ کریں۔اور معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا اس کی دستاویز کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔خدا کے نزدیک یہ بہت ہی منصفانہ کارروائی ہے۔اور گواہی کے لئے بھی یہی طریقہ بہت ٹھیک ہے اور زیادہ تر قرین قیاس ہے کہ تم آئندہ کسی طرح کا شک وشبہ نہ کرو مگر سودا دست بدست نقد ہو جسکو تم ہاتھوں ہاتھ آپس میں لیا دیا کرتے ہو تو اسکی دستاویز کے نہ لکھنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔اور ہاں جب اس طرح کی خرید وفروخت کرو تو احتیاطاً گواہ کر لیا کرو۔اور کاتب دستاویز کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔اور نہ گواہ کو۔اگر ایسا کروگے تو یہ تمہاری شرارت ہے اور اللہ سے ڈرو۔اور اللہ تم کو معاملہ کی صفائی سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔اور اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن بالقبض رکھ کر قرض لو پس اگر تم میں سے ایک کا ایک اعتبار کرے۔اور بے رہن کے قرض دے تو جسپر اعتبار کیا گیا ہے۔یعنی قرض لینے والے کو چاہئے کہ قرض دینے والے کی امانت یعنی قرض کو پورا پورا ادا کردے اور خدا سے جو اسکا کارساز حقیقی ہے ڈرتے رہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔اور جو اسکو چھپائے گا تو وہ دل کا کھوٹا ہے اور جو کچھ بھی تم لوگ کرتے ہو۔اللہ کو سب معلوم ہے“

تہذیب وتمدن کی ابتدائی حالت میں معاملات بیع وشری تبادلہ اشیاء سے شروع ہوتے ہیں لیکن تہذیب وتمدن کی ترقی سے ضروریات زندگی میں اضافہ ہوتا ہے تو محض تبادلہ اشیاء سے ہر فرد بشر تمیز ما یحتاج پر قادر نہیں ہو سکتا اس بنا پر زر نقد و مقادیر اشیاء کے واسطے سکہ رائج ہوتا ہے۔پھر توسیع تجارت سے مختلف دیار وامصار کے باہمی تجارتی تعلقات کی سہولت کے واسطے بل۔چک۔نوٹ۔ہنڈی۔تمسک وغیرہ کا اختراع کرنا پڑتا ہے۔جب اس قسم کی سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو عامۃ الناس میں سلسلہ مداینت شروع ہوتا ہے۔اور ادھار کے لین دین اور بیع وشری کے معاملات کے متعلق قوانین وضع کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔غیر متمدن اقوام میں تو قوانین تجارت سے بہت کم لوگ متاثر ہوتے ہیں۔اسی بنا پر ان کے ہاں قوانین تجارت بہت مختصر یا بالکل مفقود ہوتے ہیں لیکن متمدن ومہذب قوموں میں کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہوتا جسپر کسی نہ کسی طرح قوانین تجارت کا اثر نہ پڑتا ہو۔اسی بنا پر متمدن اقوام کے قوانین تجارت نہایت مفصل ومکمل اور بے حد تحقیق وتدقیق پر مبنی ہوتے ہیں۔قرآن حکیم جسطرح اپنے پیرووں کو روحانی ترقی کی تعلیم وتلقین کرتا ہے اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ تاجرانہ حیثیت سے بھی وہ ترقی کا معراج حاصل کریں چنانچہ حج کے موقع پر بھی تجارت سے ممانعت نہیں فرماتا۔جیسا کہ ارشاد ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (پ ۲۔س البقرہ۔ع ۲۵) حج کے شمول میں تم اپنے پروردگار کا فضل مثلاً تجارت سے کوئی مالی فائدہ حاصل کرنا چاہو تو تمہیں تم پر کچھ گناہ نہیں۔اسی بنا پر پنجابی میں ایک مثل مشہور ہے“ نالے حج نالے ونج ” یعنی حج بھی اور بنج بھی۔قرآن مجید صرف روحانی کتاب ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا ملکی اور تمدنی قانون بھی ہے۔اس میں جو قوانین تجارت مذکور ہیں انمیں نہایت نکتہ سنجی ملحوظ رکھی گئی ہے۔دیکھو آیات مرقومہ بالا میں مداینت کے متعلق جو احکام وہدایات ہیں وہ کیسے مصالح عباد پر مشتمل ہیں۔ایک بزرگ کا قول ہے کہ آیات مداینت میں تدبر وتفکر کرنے سے مجھے بے حد بصیرت حاصل ہوئی کہ حق سبحانہ وتعالی کو کہاں تک ہمارے باہمی فسادات کی روک تھام منظور ہے۔کاش ہم خدا کی مرضی کو سمجھیں اور اسکے احکام پر کاربند ہوں کہ خداوند تعالی کی خوشنودی اور ہمارا فائدہ اسی میں ہے۔

غور کرو ان آیات میں ادھار کے لین دین کے متعلق احکام ذیل کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے:۔

(۱) جب ادھار کا لین دین میعاد مقرر تک کیا جائے تو ضبط تحریر میں لایا جائے۔
(۲) کاتب انصاف کیساتھ دستاویز لکھ دے اور لکھنے سے انکار نہ کرے۔
(۳) جسکے ذمہ قرض عاید ہوگا وہی دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اسمیں کمی بیشی نہ کرے۔
(۴) اگر قرض لینے والا ناقص العقل نابالغ یا اور کسی وجہ سے معذور ہو اور ادائے مطلب پر قادر نہ ہو تو اسکا کارندہ دستاویز کا مطلب بولتا جائے۔
(۵) دستاویز پر کم سے کم دو شخصوں کی گواہیاں ثبت کرائی جائیں۔
(۶) جب گواہ ادائے شہادت کیلئے بلائے جائیں تو حاضری سے انکار نہ کریں۔
(۷) کاتب دستاویز کا کسی طرح کا ہرج نہ ہونے پائے۔
(۸) گواہ کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔
(۹) جبکہ کوئی شخص کسی کے پاس امانت رکھے تو اسمیں خیانت نہ کی جائے۔

(نوٹ) ایسے قرضہ کو قرض دینے والے کی امانت فرمایا۔کیونکہ اس نے قرض لینے

والے کے اعتبار پر قرضہ دیا۔ گویا اس کے پاس امانت رکھوادیا)

(۱۰) گواہی نہ چھپائی جائے۔

قوانین انگریزی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھار کے لین دین کے متعلق انہی امور کی پابندی لازمی ہے۔ جو اوپر مذکور ہوئے۔ چنانچہ اس بارہ میں جن ضوابط کی انگریزی عدالتیں پابند ہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :۔

(۱) بغیر تحریری دستاویز کے ادھار کا لین دین قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا

(۲) تحریر دستاویز کے واسطے عرائض نویس مقرر ہیں۔ جن کی وجہ معاش یہی پیشہ ہے اسواسطے وہ لکھنے سے انکار نہیں کرسکتے۔

(۳) قرض لینے والا دستاویز کا مطلب بولتا ہے۔

(۴) اگر قرض لینے والا فاترالعقل یا نابالغ ہے یا اور کسی وجہ سے معذور ہے تو اسکا گارڈین دستاویز لکھوانے کا مجاز ہے۔

(۵) دستاویز پر کم سے کم دو شخصوں کی گواہیاں ثبت کرائی جاتی ہیں۔

(۶) جو گواہ طلبی پر ادائے شہادت کے لیئے اطلاعیابی کے بعد عمداً حاضر نہ ہو۔ اس کے نام وارنٹ جاری کیا جاتا ہے۔

(۷) عرائض نویسوں کو تحریر دستاویز کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔

(۸) گواہوں کو حاضری عدالت پر خرچہ دلایا جاتا ہے۔

(۹) خیانت مجرمانہ کی پاداش میں سخت سزا دیجاتی ہے۔

(۱۰) دیدہ و دانستہ کتمان شہادت کی علت میں قانونی سلوک کیاجاتا ہے

غور کرو قوانین انگریزی جو یجیس لیٹیو کونسلوں کے بڑے لائق معاملہ فہم تجربہ کار روشن خیال اور عالی دماغ ممبروں کے دل و دماغ سے برسوں کی محنت و جانکاہی کے بعد نکلے ہیں۔ وہ وہی ہیں جو اسلام نے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر نافذ فرمائے تھے ٭

(نورالدین تاجر چرم)

زکوٰۃ یا اسلامی خیرات و صدقات

زکوٰۃ کا ساتواں مصرف

زکوٰۃ کا ساتواں اور آخری مصرف قرآن پاک نے "وابن السّبیل" فرمایا ہے۔ یعنی ناگہانی اتفاقات کی وجہ سے جو ضروریات مسافروں کو پیش آئیں انکا رفع کرنا اور ان کی راحت و آرام کیلیئے ہر قسم کے وسایل بہم پہنچانا۔ سبحان اللہ قرآن پاک کا کیا اسلوب بیان ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اعطوا و اطعموا لا بن السبیل یعنی مسافروں کو کھلاؤ پلاؤ اور دو بلکہ کہا انما الصدقات..... لابن السبیل جس سے حکم میں نہایت تعمیم ہوگئی اور وہ باتیں بھی داخل ہوگئیں جو تمدن کی جان ہیں اور جن کی تکمیل کے بغیر ہر قوم کا تمدن ناقص اور بے کار ہے اور ترتیب میں ضروریات ابن السبیل کو موخر کرنا بھی خالی از حکمت نہیں ہے۔

مسافروں کے لیئے خرچ کرنا ایک ایسا عام اور جامع حکم ہے کہ جس میں ان تمام امور کا اہتمام و انصرام داخل ہے جن کی مسافروں کو اثنائے سفر میں مطلوبات کے حاصل کرنے اور مضرات کے دفع کرنے میں احتیاج اور ضرورت پڑتی ہے مثلاً جن رستوں میں پانی کی کمی ہے وہاں کنوئیں کھدوانا یا دوسرے وسایل سے پانی بہم پہنچانا دریا اور نالے پڑتے ہوں تو ان پر پل بندھوانا۔ فاصلہ کا اندازہ کرنیکے لیئے میلیں گڑوانا۔ سرائیں اور بازار قایم کرنا۔ پولس کی چوکیاں اور تھانے بٹھانا تاکہ مسافر لوٹے نہ جائیں اور خوف خطر اور اضطراب سے راستہ طے نہ کریں سڑکیں تیار کرانا۔ ریلیں جاری کرنا۔ نماز پڑھنے کے لیئے مسجدیں بنوانا اگر غریب غربا محتاج درماندہ مسافر آنکلیں ان کے خورو نوش کا انتظام اور خاطر تواضع کرنا۔ اور اگر ضرورت ہو تو نقد روپے یا مال سے امداد کرنا۔ الغرض تمام ایسے ذرائع و وسایل کا مہیا کرنا جنسے مسافروں کو راستہ میں تکلیف نہو۔ اور آرام و آسایش حاصل ہو وہ ابن السبیل کے حکم میں داخل ہے۔

جبکہ ہر ایک مسافر کی ضروریات و تکالیف کا رفع کرنا اور اسکے آرام و آسایش کے وسایل بہم پہونچانا داخل فرض ہے۔ تو مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ جو مسافر کسی نیک مقصد کے لیئے گھر سے نکلتے اور قوم و ملت کو نفع پہنچانیکے لیئے مصوبات سفر اور تکالیف غربت برداشت کرنے کے لیئے آمادہ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں پر ان کی امداد کرنا کس قدر ضروری ہے۔ خصوصاً اُن طالب علموں کی جو مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی غرض سے غیر ممالک کو جانا چاہتے ہیں لیکن کافی خرچ پاس نہونے کی وجہ سے معذور ہیں افسوس کہ مسلمانوں نے زکوٰۃ کے اس مصرف کو بھی نظر انداز کر رکھا ہے۔ اور اسکی بجائے ایسے مصارف میں خیرات و صدقات کا روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ جنسے قوم و ملت کو صریحاً نقصان پہنچتا ہے۔ یورپ میں جاکر دیکھیئے کہ ہزاروں طالب علموں کی علمی اولوالعزمیاں قوم کی برمحل فیاضی کی وجہ سے باسانی پوری ہو جاتی ہیں۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اتنی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ ہر سال ایک ہی طالب علم کو جاپان۔ امریکہ یا یورپ میں سائنٹفک یا صنعتی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے وظیفہ دے کر بھیجا کریں تاکہ قوم میں کارآمد افراد کی تعداد بڑھے اور نونہالان قوم کے تعلیمی ولولے پورے ہوں اگر مسلمانوں کو زکوٰۃ کے اس ساتویں مصرف ہی کی ضرورت کا احساس ہوتا۔ تو

ابتک مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ریل کب کی تیار ہوگئی ہوتی اور زایرین حرمین شریفین کو اس مقدس سفر میں جو تکلیفیں اور دقتیں عموماً پیش آتی ہیں انکا ہمیشہ کے لیئے سدباب ہوجاتا۔ لیکن شامت اعمال تو یہ ہے کہ ہم لوگوں کی نظریں صرف سطحی امور سے متاثر ہونے کی عادی ہوگئی ہیں۔ اور اُن منافع ومفاسد پر مطلق غور نہیں کرتیں جو ہر ظاہری منظر کی تہ میں پوشیدہ اور مضمر ہوتے ہیں یہ ایک قومی گناہ ہے۔ کہ ہماری خیرات بیجا طور پر صرف ہوتی ہے۔ اور گداگروں اور بھیک منگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اگر یہ خیرات منتظمہ شکل میں قومی انسٹی ٹیوشنوں میں جائے۔ اور وہاں سے یتیم اور غریب افراد قوم کو مفید رکن سوسائٹی بنانے میں صرف ہو تو "ہم خرما وہم ثواب" ہے ورنہ جو کچھ اسکا انجام ہورہا ہے وہ مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جو صاحب اپنے آپکو اپنی دینی و قومی خدمت کے لیئے وقف کردیں اور شہر بشہر اپنے موعظہ حسنہ سے قوم کے بگڑے ہوؤں کو بنائیں۔ اور اصلاح اُمت اُن کا مقصود ہو وہ بھی ابن السبیل میں داخل ہوسکتے ہیں جس شہر میں وہ جائیں وہاں کے لوگوں کو ان کے ساتھ مہماں نوازی کا طریقہ برتنا چاہیئے۔ اور ان کی امداد کرنا چاہیئے اور واقعی اُن سے بڑھکر ابن السبیل کون ہوسکتا ہے۔ جن کی شان میں یہ صادق آتا ہے ؎

ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

ایسے واعظینِ اسلام اور مصلحانِ امت جو نہ کسی انجمن کے تنخواہ دار ہوں نہ کسی رئیس و امیر کے زیر احسان ہوں۔ نہ کسی ریاست سے وظیفہ پاتے ہوں مگر کشادہ دلی سے قوم کی خدمت کے لیئے دربدر آوارہ گردی کرتے پھرتے ہوں اور واللہ خیر الرازقین کے مطابق اسپر پورا بھروسہ رکھتے ہوں اور ان اجری الا علی اللہ کا وظیفہ ان کی زبانوں پر ہو۔ تو ایسے حضرات کی اگر خدمت نہ کی جائے تو مسلمانوں کی بدقسمتی کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے پس واعظین اسلام جو قصبات و دیہات میں جائیں۔ اُن کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور اُن کی امداد میں حصہ لینا مسلمانوں کا فرض اولین ہے ✦

(خاکسار محمد عظیم عفی عنہ)

فکر عقبیٰ

منزل ہے بعید۔ باندھلو زادِ سفر متلاطم ہے بحر۔ رکھو کشتی کی خبر
گاہک چوکس ہے پیچلو مال کھرا ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راہگذر

(مولانا حالی مرحوم)

خدا کے مقبول ومحبوب بندے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝ اور ایسے بھی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی رضاجوئی میں اپنے نفس بیچ دیتے ہیں۔ اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنے خالص اور نیک بندوں کی جنہیں وہ پیار کرتا ہے یہ نشانی بتائی ہے کہ وہ اپنے نفس اللہ کی رضاجوئی کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نفس و جان افضل و اعلیٰ ہے مال سے۔ اسلیئے لازمی ہے جو جو اپنے نفس بیچ چکے ہوں وہ اپنے مال بھی خدا کی رضاجوئی میں دیچکے ہوں۔ قرآن مجید میں بھی اسکی تصریح ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع نفس اسی وقت صحیح اور متحقق ہوسکتی ہے کہ بندہ ضرورت کے وقت خدا کی راہ میں جان ومال سب کچھ خرچ کردے۔ راہ خدا کے یہ معنی نہیں۔ کہ خدا کو دیدے۔ اسلیئے کہ خدا تعالیٰ تو ہر چیز سے غنی ہے نہ کبھی اُسے کسی کی جان کی حاجت نہ مال کی ضرورت سبیل اللہ سے مراد ہیں وہ کام جن سے اسکے دین کی حفاظت مقصود ہو۔ جس سے اوسکے بندوں کی جو اوسکے عیال ہونے کا حکم رکھتے ہیں۔ ضرورتیں پوری کیجائیں۔ اللہ تعالیٰ مومن سے اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ وہ حلال طریقہ سے کماتا اور اوس سے فائدہ اٹھاتا ہو اور کسی طرح بھی کسی غیر کو نقصان نہ پہونچاتا ہو۔ اور نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو اسلیئے کہ یہ سب کام وہ اپنے لیئے کرتا ہے۔ نہ راہ خدا میں۔ بیع نفس کے لحاظ سے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو بھی فائدہ پہونچائے۔ اور شریعت اور قوم کی حفاظت ونصرت کرے۔ یہاں تک کہ ان کاموں میں اگر جان بھی خطرہ میں پڑجائے تو جان دیدینے سے بھی مضائقہ نہ کرے۔ کیونکہ اگر حفظ ملت اور نصرت امت میں کوتاہی کی اور خدا کی رضاجوئی پر نفسانی خواہش کو ترجیح دی۔ تو زمرۂ کاملین سے خارج ہوگیا۔ اور اس سے زیادہ گنہگار ہوا۔ جو ایسے کام کرتا ہے۔ جن سے خود اسکے نفس کو نقصان پہونچتا ہے۔ اسلیئے کہ ایک کا نقصان ہونا کمتر ہے اس سے کہ ساری امت کو نقصان پہنچتا۔ اور دین وشریعت کی آبرو کو بٹہ لگتا ہو۔ اعمال حسنہ واخلاق پسندیدہ سے نفس کی تربیت کے حکم میں یہی حکمت ومصلحت ہو کہ آدمی یہانتک ترقی کرے کہ اوس کا وجود وسیع ہوجائے۔ اور ..... لوگ اوس کی ذات سے فائدہ اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مال ونفس کو اسلیئے خریدتا ہے یا بندوں کے بیچنے کی علت غائی یہی ہوسکتی ہو کہ دوسرے اللہ کے بندے ان کے وجود سے فائدہ پائیں۔ اور اللہ کے دین کی حفاظت وحمایت ہو ✦ (ماخوذ از المنار)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیئے کامل کرچکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کردیا اور ہم نے تمہارے لیئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

سُود

اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا خدا نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کردیا۔

(۱)

"ساہوکار۔ لوگوں کی بدقسمتی کے موقعوں پر ان کی مصیبت سے فائدہ اٹھاتے اور ہمدردی کے بہانہ سے قرض دے کر مظلوموں کو دفن کرنے کے لیئے گڑھے کھودتے ہیں۔

(پروفیسر مارشل)

"ملک جس قدر دولت مند ہو اُسیقدر دولت و مفلسی کا مقابلہ بڑھتا جاتا ہے مضبوط و قابل اشخاص غالب آکر کمزور و کمتر قابلیت والوں کو مغلوب بیمحل کرتے جاتے ہیں۔ اسکا علاج کرنے کے لیئے کچھ مقدار نیکدلی کی مطلوب ہے اور یہی موجودہ زمانہ میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔"

(پروفیسر فاسٹ)

"ہمارے یہاں جانوروں کی حفاظت کے لیئے انجمنیں ہیں کیا آدمیوں کو سودخواروں سے بچانے کے لیئے بھی کوئی انجمن ہے۔"

(انڈین مرر کلکتہ)

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

نظام عالم ہی اس امر کا مقتضی ہے کہ تمام انسان بالکل یکساں حالت میں ہوں پس بعض اشخاص کا ضرورت و احتیاج سے مجبور و مقہور ہونا لازمی ہے اور بعض اوقات آفات و مصائب کی وجہ سے اہل ثروت کو بھی دوسروں کی اعانت کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔ اور یہی وہ نازک موقع ہے۔ جبکہ انسانیت کا جوہر کھلتا ہے لیکن حرص طمع نے جوہر انسانیت کو جیسا اس موقع پر خاک میں ملایا ہے۔ اسکا تصور نہایت ہولناک ہے۔ اگ دنیا نے سود کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ اور علی الاعلان اسپر فخر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ سود کی حرص انسانیت و مدنیت کے لیئے مہلک جراثیم کی ایک پوٹ ہے۔ بظاہر قند سود کی ڈلی میٹھی اور لذیذ ہونے سے باعث مرغوب عالم ہے۔ اور ہر ایک کا جی للچاتا ہے۔ لیکن بباطن ملکی ترقی اور انسانی بہبود کے لیئے زہر ہلاہل ہے۔ ممکن ہے کسی وقت زمانہ کی صورت حال اولوالامر و مجتہد کو فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ کی روسے رخصت کی کوئی شکل دکھائے ورنہ اسمیں شک نہیں کہ حکماء وانبیاء اس مذموم و مضر رواج کے کسی نہ کسی حد تک مخالف رہے ہیں۔ اور نظر غائر و مطالعہ تاریخ ہر دو قطعی طور پر اس کی قباحت و مضرت ظاہر کرتے ہیں۔

"ماہران تاریخ اس بات کو جانتے ہیں کہ جہاں روپیہ قرض دینے والے ان وسائل و قوانین سے مدد لیتے ہیں۔ جو ایک مہذب و متمدن سوسائٹی میں رائج ہوں اور ان جماعتوں میں کام کرتے ہیں۔ جن کے حوائج کم ہوں۔ اور تجارتی کاروبار سے نابلد ہوں۔ اور روپیہ کی قیمت نہ سمجھتے ہوں۔ وہاں دائن و مدیون کے تعلقات ظالمانہ حیثیت اختیار کرلیتے ہیں۔ قدیم رومی مصنف نے جس کسی اس کی تاریخ کا جسنے مطالعہ کیا ہے۔ اس نے دیکھا ہوگا کہ ملک گال میں رومی عملداری کے بعد جاہل کاشتکار مونٹی مہاجنوں کے غول کے غول چلے گئے اور وہاں کیا سماں نظر آیا۔"

(ڈوپرنی)

مہاجنوں کے سوا اس ظالمانہ طریق معاش سے سب نالاں تھے۔ دارالحکومت کے سوا تمام صوبہ مفلس تھا۔ ساہوکار نہایت بری طرح سے وصول کرتے تھے۔

سنہ ۰۰ ق م کا واقعہ ہے کہ ملک یونان میں سود کی بدولت سخت تباہی رونما ہوئی گراں شرح سودی قرضہ نے تمام ملک میں عام مصیبت پیدا کردی۔ زمیندار۔ ساہوکاروں کے کارندے بنگئے۔ وہ بھی کس حال میں؟ نادار غلاموں سے بدتر۔ آزاد زمیندار ذلیل و خوار۔ خدمتگاروں و غلاموں کی حیثیت میں تبدیل ہوگئے۔ جب سخت فتنہ و فساد کا سخت اندیشہ لاحق ہوا۔ تو اٹیکا کے دارالسلطنت ایتھنس "مدینۃ الحکما" کے دانا و بر ہنقش حکیم سولن نے خوشحالی کی تدابیر کی طرف اپنی فہم رسا کو منعطف کیا سرکاری مطالبہ یک قلم معاف کردیا گیا۔ غلام واپس اور آزاد ہوگئے۔ آئندہ کے لیئے عام حکم ہوگیا کہ کوئی باشندہ کسی قرض کے عوض میں غلام نہ بنایا جائے۔

معلم اول حکیم ارسطو کا تحریری فتویٰ یہ ہے "روپیہ روپیہ کو پیدا نہیں کرتا"

[redacted]

(ڈاکرس پولٹکل اکانمی)

ایشیا کے بعض شہروں نے کسی جنگ کے موقع پر بڑی رقم قرض لی جو چند سال بعد چوگنی ہو گئی۔ مہاجنوں نے اپنا روپیہ اس تشدد سے وصول کیا کہ مجبوراً اولاد بیچکر قرض ادا کرنا پڑا۔ ایکدفعہ قبرس میں ۴۸ فیصدی شرح سود تھی۔ ایک رقم قرض لیگئی نتیجہ یہ ہوا کہ فوجی طاقت سے پارلمنٹ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور اتنی دیر قائم رہا۔ کہ پانچ ممبر بھوک سے مر گئے۔

بزمانہ لورات قرضخواہ تمام جائداد پر قبضہ کر لیتے تھے۔ اور قرضداروں کو غلام بنا لیتے تھے۔ انگلستان میں کسی وقت سودی کاروبار تھا۔ لیکن حکومت کی طرف سے اجازت نہ تھی۔ ادورڈ اول کے عہد میں ملک انگلستان سے یہودیوں کی جلا وطنی کے جو سبب قرار دئے گئے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ یہودی قوم بہت دولت مند تھی۔ دیگر باشندے ان کے مقروض اور سود کے بارگراں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جائدادیں اور زمینیں قبضہ سے نکلنے لگیں۔ ملک میں سخت فتنہ اور بدامنی کا اندیشہ رونما ہوا آخر مذہب عیسوی قبول کرنے پر مجبور کئے گئے اور قطعی حکم صادر ہو گیا کہ یہودی ملک سے خارج کئے جائیں۔ ورنہ گردن مارے جائیں گے۔

کتب مقدسہ کی تعلیم تلقین ملاحظہ ہو:۔

"اگر تو میرے لوگوں میں سے۔۔۔کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دیوے تو اس پر بہت تقاضہ مت کر۔ اور اس سے سود مت لے۔ اور اگر تو اپنے ہمسایہ کے کپڑے گرو رکھے تو چاہیئے کہ تو سورج ڈوبتے ہوئے اسے پہنچا دے۔" (خروج۔ ۲۲: ۲۵۔ ۲۶)

"اگر تمہارا بھائی تمہارے بیچ میں محتاج و تہی دست ہو جائے تو اسکی دستگیری کرو۔ اجنبی ہو خواہ مہمان تاکہ وہ تیرے ساتھ زندگی بسر کرے۔ تو اسے سودی روپیہ قرض مت دے۔ نہ اپنے نفع کے لیئے کھانا کھلا۔ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ جو تم کو زمین مصر سے نکال لایا۔ تاکہ تمہیں کنعان کی زمین دوں اور تمہارا خدا ہوں۔" (احبار ۲۵: ۳۵، ۳۶)

"اور تو اپنے بھائی کو سودی روپیہ سودی طعام یا اور کوئی چیز سودی عاریت اور قرض مت دیجیو۔ تو مسافر کو سودی قرض دے سکتا ہے۔ پر اپنے بھائی کو سودی قرض مت دیجیو۔ تاکہ خداوند تیرا خدا اس سرزمین میں جسکا تو وارث ہونے جاتا ہے۔ جس جس کام میں تو ہاتھ ڈالے تجھے برکت دے۔" (استثنا ۲۳: ۱۹، ۲۰)

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بنی اسرائیل سے قطعی ناجائز مگر غیر قوم سے روا لیکن احبار سے ہر قسم کے سود کی ممانعت ثابت ہوتی ہے مگر یہود نے بہت کم عمل کیا۔ سود کا رواج عام طور سے ہو گیا۔ جو نہایت سختی سے وصول کیا جاتا تھا بکل جائداد ضبط ہو کر مقروض کا تمام خاندان ذلت سے غلام بنالیا جاتا تھا۔

"اور کتنے کہتے تھے کہ ہم نے اپنے کھیتوں اور انگورستان کو گرو رکھ کر روپیہ قرض لیا ہے تاکہ بادشاہ کے لیئے مالگذاری ادا کریں اور ہمارے جسم تو ہمارے بھائیوں کے جسم ہیں۔ اور ہمارے بال بچے ان کے بال بچوں کی مانند ہیں اور دیکھئے ضرور ہے کہ ہم اپنے بیٹے بیٹیاں غلامی میں بیچیں اور ہماری بیٹیوں میں کتنی لونڈیاں ہوئیں۔ اور ہم لاچار زیر دست ہیں۔ کیونکہ ہمارے کھیت اور انگورستان اور لوگوں کے ہیں۔

جب میں نے ان کی فریاد اور باتیں سنیں تو میں بہت رنجیدہ ہوا اور ہیں نے اپنے من میں بچارا۔ رئیسوں اور حاکموں سے جھگڑا کیا۔ اور میں نے کہا تم سود خور ہو کر ہر ایک اپنے اپنے بھائی پر ظلم کرتے ہو۔ اور میں نے ایک بڑی جماعت کو ان کے خلاف پیدا کیا۔

میں بھی اور بھائی میرے جوان میرے انکو نقدی اور اناج قرض دے چکے ہیں۔ سو آؤ ہم سب کے سب یہ قرض بخشدیں ان کے کھیت ان کے انگور کے باغ زیتون۔ ان کے مکان اور نقدی کا سوال حصہ اناج دہن اور تیل جو تم نے ان سے سودخواری کر کے لیا ہے۔ انہیں آج پھیر دیں۔"

(نحمیا ۵: ۳، ۴ و ۱۰)

اسکے بعد یہودیوں میں سود پھر رائج ہوا اور حزقیل نبی کو۔ وک تمام کی ضرورت پیش آئی۔ اگر کوئی آدمی ٹھیک ہوگا اور وہ کرتا ہے جو شریعت میں ہے اور ٹھیک ہے۔۔۔ اور اس نے سود پر نہیں دیا۔ اور نہ نفع لیا۔ اور اپنا ہاتھ ناانصافی سے اٹھایا اور انسانوں کے درمیان عدل جاری کیا۔ اور میری شریعتوں پر چلا۔ وہ یقیناً جئیگا میرا خداوند کہتا ہے۔

(حزقیل ۱۸: ۵، ۷۔ ۸ و ۹)

"اور جو ان فرائض میں سے کوئی انجام نہیں دیتا اور سود پر دیتا اور نفع لیا وہ زندہ رہے گا؟ نہیں زندہ رہے گا۔ اس نے تمام ناپاکیاں کیں ہیں۔ وہ یقیناً مر جائے گا۔ اسکا خون اسی کی گردن پر ہوگا۔"

(حزقیل ۱۸: ۱۰۔ ۱۱ و ۱۳)

جس نے فقیر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔ اور جس نے نہ سود لیا اور نہ نفع لیا بلکہ میری شریعت جاری کی اور میرے احکام پر چلا وہ اپنے باپ کے گناہ سے نہ مریگا۔ وہ یقینی زندہ رہے گا۔

(حزقیل ۱۸: ۱۷)

اے خدا تیرے خیمہ میں کون رہے گا۔ تیرے کوہ مقدس پر کون سکونت

کرے گا۔ وہ جو سیدھی چال چلتا ہے۔ اور صداقت کے کام کرتا ہے اور اپنے دل سے سچ بولتا ہے۔ وہ جو اپنی زبان سے چغلی نہیں کھاتا۔ اور اپنے ہمسایہ سے بدی نہیں کرتا۔ اور اپنے پڑوسی پر عیب نہیں لگاتا وہ جس کی نظر میں آدمی خوار ہے ... وہ جو سود کے لئے قرض نہیں دیتا۔ اور بے گناہوں کے ستانے کے لئے رشوت نہیں لیتا۔ وہ جو یہ کرتا ہے کبھی نہیں ٹلیگا۔ (زبور سام حضرت داؤد)

انجیل میں چند نصائح کے سوا احکام گویا بالکل نہیں ہیں۔ اسلئے سود کی حرمت کے متعلق کچھ نہ ہو تو جائے تعجب نہیں۔ لیکن پولس مقدس کے خطوط سے جو عیسائیوں کے نزدیک تقریباً انجیل کا درجہ رکھتے ہیں۔ حرمت ثابت ہوتی ہے۔

"اسی طرح مددگار بھی معتبر ہوں نہ کہ دو زبان شرابی یا ناروا نفع لینے والے (تمطاؤس)

مسیحی فقہا و مجتہدین نے کچھ تشریح کی ہے۔ نفرات سود لینا نیز لین دین پر جو بعینہ اور پہلے ہی استعمال سے صرف ہو جائے۔ مثلاً آٹا قطعی حرام ہے ارباب ثروت سے حد انصاف سے زیادہ لینا ہے چند صورتیں مستثنیٰ مگر کتاب مقدس میں کہیں تصریح نہیں۔

ہندوستان میں موجودہ ساہوکاروں کا طرز عمل ناواقفوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ شاید ہندو شریعت نے سود کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا اور جواز سود میں کوئی تحدید نہیں کی لیکن اہل تحقیق کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ مذہب جس کا اول اصول اہنسا پر سود ہورہا ہو۔ کیونکر ایسے مردم آزار و مہلک انسانیت رواج کا حامی ہو سکتا ہے۔ اہل انصاف میرے ایک مکرم (دیکھئے) کے اس مقولہ پر غور کریں۔ اور خود فیصلہ کریں۔ کہ اسمیں کہاں تک سچائی ہے۔

"مسلمان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں لیکن بنئے انسانوں کا خون پیتے ہیں"

ہندوستان قدیم کا مقنن اعظم منو کہتا ہے جیسا کہ جناب پروفیسر رام دیو صاحب الاسٹاد مہاتما منشی رام صاحب پرنسپل گوروکل ہردوار تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۔ وید مقدس میں جہاں تک مجھے علم ہے۔ بیاج کے بارے میں کچھ رقم نہیں ہے نہ اسکے جواز میں اور نہ اسکے غیر جواز میں"

۲۔ شریعت و فقہ اہل آریہ میں اور خصوصاً منوسمرتی میں اسکا مفصل بیان ہے جس میں زیادہ سے زیادہ سیکڑہ ماہوار بیاج لینا لکھا ہے اور جب اصل سے سود اصل سے دوگنا ہو جاوے تو پھر سب کچھ چھوڑ دینے کا حکم ہے یعنی اصل سے زیادہ سود وصول کرنے کا حکم نہیں ہے خواہ کتنی میعاد ہو جائے۔

سونکا ہندی بھی یہی رائے ہے۔ یعنی اصولاً بیاج کے خلاف نہیں لیکن زیادہ شرح سود کے خلاف ہے۔

۴۔ خلاف ورزی میں قانون شکن کو دنیا میں جیل وغیرہ کی سزا اور عاقبت میں بری یونیوں میں پیدا ہونے کی سزا لکھی ہے۔

۵۔ مروجہ طریقہ سخت سود تب رائج ہوا ہے جب سے لوگ اپنے مذہبی احکام سے ناواقف ہو گئے ہیں۔ اگر لوگوں میں شاستروں کی تعلیم کا پرچار رہتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ ہمارے شاستروں میں سخت سود کے خلاف احکام ہیں تب اتنا سود نہ لیتے اور ایسی حالت بھارت کے بہت کچھ پہلے ہی شروع ہو گئی تھی۔

۶۔ میری رائے میں تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے خیال سے اور نیز اور دنیاوی حوائج کی خاطر بیاج لینا تو اصولاً برا نہیں ہے لیکن زیادہ بیاج لینا بیشک برا ہے۔ اور اسکی کمی بیشی کا اندازہ زمانہ کے حالات پر منحصر ہے۔ مروجہ سود بے شک سخت ہے۔ جو انسانی اخلاق اور رفاہ ملکی نقطہ خیال سے اچھا نہیں ہے منوسمرتی میں بیان کی ہوئی سود کی شرح زیادہ سے زیادہ سوا دو پیسے سیکڑہ ہے اور زیادہ سے زیادہ سود کا اصل زر سے برابر ہو جانا ہے کوئی گراں نہیں ہو سکتا۔

۷۔ دنیا کے دیگر مذاہب بھی اصولاً سود کے خلاف نہیں ہیں شرح سود کی زیادتی کے خلاف ہیں"

میرے ایک صاحب دوست فرماتے تھے کہ شارحین نے اور بھی قیود عاید کی ہیں۔ اور ان کے قول کے مطابق بنارس کے پنڈت بھیم سین سوامی نے اپنی شرح میں بسط و تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق قرآن مجید کی تعلیم شہرہ آفاق ہے اسلامی شریعت نے ربا کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اور مرتکب کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

"جو سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اس شخص کی طرح اٹھیں گے جنکو شیطان نے چھو کر مخبوط کر دیا ہے۔

ایمان والو خدا سے ڈرو۔ جو کچھ سود باقی رہگیا ہو۔ وہ چھوڑ دو۔ اگر تم نہیں کرو تو خدا و رسول سے جنگ کا اعلان دو۔ اور اگر تم باز آؤ تو اپنی اصل لے سکتے ہو نہ تم کسی پر ظلم کرو۔ اور نہ تم ظلم کئے جاؤ" (قرآن)

"۱۔ ربا منجملہ مہلکات ہے۔

۲۔ شب معراج میں ہم ایک نہر پر آئے۔ وہ نہر خون کی تھی۔ اسمیں ایک آدمی کھڑا تھا دوسرا کنارہ پر تھا۔ اسکے ہاتھ میں ایک پتھر تھا۔ نہر والا جب باہر نکلنا چاہتا یہ شخص اسکے منہ پر پتھر پھینکتا وہ پھر جاتا۔ اسی طرح یہ ہوتا تھا میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے کہا یہ سود خوار ہے۔

۳۔ رسولخدا نے سود کھانے کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔

۴۔ دوسری روایت میں گواہ اور کاتب پر بھی لعنت آئی ہے۔ اور یہ سب برابر ہیں۔

۵۔ سود خوری کے تہتر دروازے ہیں سب میں کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے حرام کرے۔

۶۔ ربا کچھ اوپر ستر باب ہے۔ اور شرک اسکی مثل ہے۔

۷۔ ایک درہم جو ربا سے ہاتھ لگتا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک تینتیس زنا سے بڑھکر ہے۔

۸۔ سود خوار قیامت کے دن اسطرح کھڑا ہوگا جیسے کسی کو شیطان نے چھوکر خبطی کر دیا ہو۔

۹۔ ربا بہتر باب ہے۔ ادنیٰ یہ کہ آدمی اپنی ماں سے حرام کرے۔

۱۰۔ جب زنا و ربا ظاہر ہوتے ہیں تو وہ لوگ عذاب خدا کو اپنی جانوں کے لیے حلال کر لیتے ہیں۔

۱۱۔ جس نے بہت سود لیا۔ اسکا انجام قلت ہے۔

۱۲۔ تو ان گناہوں سے بچ۔ جو بخشے نہیں جاتے جس نے کسی چیز کی خیانت کی وہ اسکو قیامت کے دن لائیگا یعنی رسوا ہوگا جس نے سود کھایا وہ دیوانہ اٹھیگا خبطی سودائی ستری بائس۔" (احادیث)

(۲)

ربا سود عالمگیر ہے۔ اور اسکے مہلک نتائج نکتہ رس نگاہ میں اظہر من الشمس ہیں، شرح سود کی زیادتی کے بار گراں سے مظلوم مدیون کی خستہ حالی خانہ بربادی ذلت و رسوائی۔ انتقال جائداد اجراء ڈگری نیلام مکان بچوں کا کہرام اور مقروض کی یاس انگیز حالت۔ کیسا پر حسرت دردناک منظر ہے۔ اس کی آئندہ نسلیں بھی اس بار گراں سے سبکدوش ہوکر اپنی حالت سنبھال نہیں سکتیں۔

سود کے لالچ سے مروت و مودت رحم و کرم کے جذبات جو انسانیت کا جوہر خمیر ہیں بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ اور یہی نفس پروری کی قبیح عادت نسلاً بعد نسل راسخ ہوکر اپنے آثار بد کی توسیع اور ملک کی بربادی میں خوب حصہ لیتی ہے۔ بالعموم سود خوار بلحاظ اصول تمدن انسان کے اعلیٰ و ضروری فرض کسب معیشت میں محنت و مشقت فراموش کر دینے کی وجہ سے کاہل و سست ہو جاتے ہیں۔ اور یہ کاہلی اکثر جسمانی اقتصادی اور اخلاقی نقصانات کا باعث ہوتی ہے۔ اور ملک کے حق میں بھی اسکا وجود سخت مضر ثابت ہوتا ہے۔ اس سے ملک کی ترقی اور تجارت کی افزونی نہیں ہوتی زراعت جو مدار خوشحالی ہے۔ اور صنعت جو شائستگی کی اساس ہے سرد پڑ جاتی ہے لیکن ساہوکار کا سرمایہ چند ہی روز میں سینکڑوں سے ہزاروں تک پہنچ جاتا ہے۔ سود خوار قلیل عرصہ میں بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بن جاتے ہیں۔ جو ہزاروں میں کاروبار شروع کرتے ہیں اور بہت ہی جلد سر بفلک عمارتیں کھڑی کر لیتے ہیں۔ لیکن کیا یہ حالت اس قابل ہے کہ کوئی شخص جو انسان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اسکی آرزو و خواہش کرے۔ بے شبہ ایسا ہوا و ہوس جنکا منتہا نفس پرستی کے سوا کچھ نہیں جنکا معبود گوسالہ دولت کے سوا کوئی نہیں اللہ سے کہہ کر لا ریب اس تاریکی کو اپنی مشعل بناؤ تا زندگی کشتی حیات تمرد و طغیان کے بھنور میں غرق ہو جائے لیکن وہ انسان جس میں انسانیت کا کچھ بھی شمہ خوف الٰہی سے قطع نظر کرتے ہوئے محض انسانی اخلاق و حکمت کی عینک سے ہی اس مقام پر غور کریں اور فعت انسانیت کی ترقی کو اپنی منزل مقصود قرار دے لیں۔

اوّل تو عیاش غافل و کاہل اس جال میں آپ پھنستے ہیں۔ سود کے پانچ لگتے جاتے ہیں پھر زمین دولی محال ہو جاتی ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے۔ غریب و ناواقف زمیندار کو سخت ضرورت ہے۔ وہ نہایت مجبور ہو تے ہیں تو ساہوکار کو جعل کا اچھا موقع ہاتھ لگتا ہے اور اپنی حسب مرضی تجدید کراتے رہتے ہیں۔ خوب بے دردی سے کام لیا جاتا ہے کہ کسی انسان کا دل اس بے دردی کو روا نہ رکھے گا تحفہ تحائف۔ نذر و نیاز بیگار اور منت کی خدمت سے سود کی فائدہ کی مقدار اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

ہمارے مہاجن سود کے روپے کے ساتھ عموماً تجارت ضرور کرتے ہیں۔ الغرض سود خوار کے عظیم الشان منافع ہیں۔ جن میں جعل بے ایمانی سخت گیری یا تجارت کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے ورنہ خالص سود چند فی صدی سے بمشکل گزر ہو سکتی ہے۔ چہ جائیکہ ایک کنبہ کی پرورش آسائش کیساتھ ہو سکے۔ پھر زمینداروں سے ہی سابقہ پڑتا ہے کبھی جعل بھی دیتے ہیں۔ جعل اور مکر و فریب کے علاوہ قماربازی عیاشی مضر رسوم فی نفسہ ایسے قابل نفرت و انسداد ہیں۔ پھر ان کی اعانت بنا الفاسد علی الفاسد کیونکر جائز سمجھی جا سکتی ہے۔

خالص سود کی آمدنی تناسب سرمایہ کے لحاظ سے کبھی حوصلہ افزا نہیں۔ حصول سرمایہ میں جو محنت و جانفشانی کی جائے وہی منفعت بخش ہے۔ پس صرف سود پر قیہ کرنا اور اسی پر قانع ہونا طریق تنزل و نقصان ہے نہ کہ سبیل ترقی و منفعت۔ سود میں بجز عقیر رقم کے سوا کچھ نہیں کیا یہ امر تعجب انگیز و سبق آموز نہیں کہ خوانچہ والا ۳۲ لگاتا اور شام کو ۴۰ لاتا اور ۴ خالص کما لیتا ہے۔ سود کا بیوپار تمام کاروباروں میں کمتر نفع اور قلیل منفعت کا ہے سود خوار کو کہیں ایک مہینہ میں جا کر ۴ ملتے ہیں۔

یہ گمان محض باطل ہے کہ دیگر اقوام سود سے دولت مند ہو رہی ہیں اور مسلمان سود نہ لینے کی وجہ سے مفلس ہوتے جاتے ہیں۔ حقیقت میں دولت و افلاس کا مدار ان وسائل پر ہے جن سے اچھی بڑی رقمیں جمع ہو سکیں۔ جن کا سود معقول ہو۔ اگر محض سود پر جھک پڑیں اور اپنے سرمائے تمامتر سود پر لگائیں تو عملی طور پر وہ ایسے ہی ٹوٹے میں رہیں گے اور کوئی قابل فائدہ نہیں اٹھائیں گے جو ان کاشت کے پورے کو سود دے کر سرمایہ پر قابض ہو کے نفع اٹھاتی

کاروبار میں عرق ریزی سے کام لیں گے۔

سود خوار اپنے پیشہ کی سرسبزی کے لیئے یہ آرزو رکھنے پر مجبور ہے کہ لوگ اپنی ضروریات انجام دینے پر قادر نہ ہوں۔ اور قرض کے لیئے اس کے محتاج ہو کر اسکی غلامی کے متمنی ہوں قمار بازی سے برباد ہوں۔ عیاشی سے تباہ ہوں۔ مصارف عیال سے بے اختیار ہوں تنگی و افلاس سے حالت دردناک ہو۔ لوگوں کو ترش اور افسوس آتے مگر سا ہو کار کیلئے ایسی حالت زار مقام مسرت ہے۔ کیونکہ حرص نے تمام نیک جذبات برباد کر دئے ہیں اور سب سے اعلیٰ وصف ہمدردی خلائق غائب ہے۔

پیشہ ور سود خوار کو اکثر ایسے ناچاروں سے سابقہ پڑتا ہے کہ تمام اندوختہ بیچ بیچ لیا اور اب عدالت سے ڈگری صادر ہو چکی۔ وسستک جاری ہوئی نیلام ہو رہا ہے۔ کل اثاثہ چھن گیا۔ مکان میں قفل پڑ گیا۔ اہل و عیال کے دردناک شور و غل سے عجیب ماتم و کہرام بپا ہے۔ بے دردی و سخت گیری نے شادمان گھر کو ماتم کدہ بنا دینے سے نہایت مصیبت ناک منظر پیش کر رکھا ہے۔ جس سے دیکھنے والے تماشائیوں کے دلوں میں رقت اور آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ مگر وہ بے درد خود دلی اطمینان و پر لطف مسرت کے نشہ میں مخمور رہتا ہے۔

تجارتی سود میں اگر چہ ظلم و زیادتی نہیں مگر افسوسناک حد تک بے کاری و آرام طلبی اسکا لازمی نتیجہ ہے۔ قدرت نے دنیا کا دارومدار تمامتر محنت پر رکھا ہے اور انسان اپنی زیست کے لیئے قدرتی پیداوار کو محنت کے ساتھ پیدا کرنے کا بالخصوص محتاج ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو قایم رکھنے کیلیئے بہت سامانوں کی ضرورت رکھی ہے۔ ان وسایل کو بہم پہونچایا ہے۔ اور ان سے فائدہ اٹھانے کی قوت و تحریک انسان میں پیدا کی ہے۔ عقل کو خاص طور پر منبع عمل بنا دیا ہے اور اس کی زندگی از سرتاپا عمل اور ہمت و محنت پر موقوف ہے پس ایسا فعل جو نوع انسان کے کسی فرد کو سست و کاہل بنانے کا باعث ہو بالکل بے عیب اور پاکیزہ کہلانے کا مستحق نہیں

اہل سرمایہ کا طاقت ور ہو کر منفعت پر قابو پانا تمدن و سیاسی تفوق کا پیش خیمہ ہے۔ اور اگر غیر کے ہاتھ میں یہ زبردست و پر اثر حربہ دیدیا گیا۔ تو نہایت حسرت خیز منظر رونما ہوگا ملکی محنت پر تباہی آئے گی۔ اور اغیار غالب آ جائیں گے۔ موجودہ ایشیائی سلطنتیں یورپ کے پنجوں میں صرف اسیلئے گرفتار ہیں کہ انکو یورپین بنکوں کے سود سے کبھی نجات نہیں مل سکتی۔

اگر افراد قوم ہی ملکی سرمایہ پر قابض ہو جائیں۔ تب بھی محنت مزدوروں کے ذمہ ہوگی اور اہتمام ان کے اختیار میں لیکن سرمایہ و محنت میں صحیح تناسب قایم نہیں کیا جاتا۔ ملک کا سرمایہ چند مرکزوں میں جمع ہو کر خاص افراد کی تحویل میں آ جاتا ہے بڑے بڑے کارخانے قایم ہوتے ہیں۔ چند دن میں اس قدر سامان تیار ہو جاتا ہے۔ کہ دنیا بھر کو کافی ہو۔ انفرادی طاقت سے ان کا مقابلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسیلئے بہت زیادہ کارخانے نہیں بنتے اور ان کا باہم مقابلہ نہیں ہوتا۔ باہمی کشمکش کا دائرہ بہت محدود اور ریل و نہر وغیرہ میں تو قطعی ناممکن ہو جاتا ہے۔

سود کے لالچ پر تمام ملک سے سرمایہ نکال لیا جاتا ہے مزدوروں سے محنت لیجاتی ہے مگر اجرت کم اور مال گراں۔ پس ملک کا سرمایہ سمٹکر چند مرکزوں میں جمع ہو جاتا ہے تاجر یہاں تک دولتمند ہو گئے کہ زمانہ سابق میں شاذونادر ایسی دولت شخص واحد کے پاس جمع ہوئی ہو۔ مزدوری پیشہ لیسے مفلس ہیں کہ مجبور ہو کر چلا اٹھے حقوق و اغتصاب کی بہمہ گیر دہارت مغرب میں اپنی مسمم ہیبت سے رونما ہوئی ہے کہ اس کا تدارک دست اختیار سے خارج ہو گیا ہے۔

”حسد و عداوت روز بروز ان غریبوں کے دلوں میں جو ہمیشہ فاقہ اٹھاتے ہیں بڑھتی جاتی ہے اور اسی کے برابر نخوت و تکبر کا جنون دولتمندوں میں گھر رہا ہے۔ اس صلح کے پردے میں ایک جنگ پوشیدہ ہے جس سے عالم خود پر خوف چھایا ہوا ہے۔ اور جس کا خمار اس قدر سخت ہے کہ کسی زمانہ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ نوضیوں کے جرائم ارباب مال کا افلاس قید یا کی خودکشی یہ سب امور یوں ہی وہ سب وسوسے جنونوں میں بڑھتے جاتے ہیں اور وہ جنون جو ظاہر ہونے کیلیئے موقع و محل کا منتظر ہے غریبوں کا افلاس اور یہ اخلاقی کمزوریاں جو بڑی کثرت کیساتھ لوگوں میں پھیل رہی ہیں یہ سب اسیلئے بڑھ رہی ہیں کہ کوئی ایسا اصل الاصول نہیں جس کی وجہ سے تمامی کام کرنے کی احتیاج اور خیالات محنت میں رشتہ اتحاد و برادری کا پیدا ہو اسی وجہ سے دیکھو حسد و بلا کی تاریکیاں جن کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے ہر روز ہمارے عالم میں اپنی طنابیں ڈال رہی ہیں۔ انسان اپنے غرور کی وجہ سمجھتا ہے کہ آزادی کے اثر سے مسرت و خوشی کی جن چیزوں کی خواہش ہوگی وہ عنقریب حاصل ہو جائے گی۔ اب حال یہ ہے کہ ہر روز ہماری نئی نئی ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہر گروہ نئے نئے امتیازات حاصل کرنے میں کوشاں ہے اور ہر شخص بے حد حقوق کا دعوے دار ہے جو سب کے سب۔ اسی کی ذات تک منتہی ہوتے ہیں اسی وجہ سے انسان اس غضب تکبر و سرکشی میں گرفتار ہے اور اسکو اعتراف ہے کہ زندگی کی وادی میں جیسا وہ پہلے تھا اب اس سے بھی بہت کمزور ہے“

(فرنچ فلاسفر گیا فرٹ)

جس انحطاط میں ہم پڑے ہوئے ہیں اسکے اعتراف کرنے سے ہمیں شرمانا جائز نہیں۔ کیونکہ ہم نے خود اسکو پسند کیا ہے۔ ہماری عقل اسکے اثر سے

اس قدر لبریز ہے کہ بجز ذاتی اغراض اور کچھ اسکی خواہش نہیں۔ کیا ہماری زندگی میں جو لطف تھا وہ دولت جمع کرنے کے شوق سے بدل نہیں گیا بڑا اسکے کا اسکے جمع کرنے کی کیا کیا صورتیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے آپ ہم کو عزت حاصل ہو جائے۔ حاصل کرنا نہ پڑے۔ اور نہ اسکے قواعد و فرائض کے متعلق اہتمام کرنا ہو۔ یہ ریخیرہ اور کھلی ہوئی تناقض کی بات ہے "زعلوم میں" اعلیٰ درجہ ہے کہ اسکی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور یہ فتوحات جو متواتر حاصل ہو رہی ہیں جس قدر کہ ہماری عقل کو بلند کر رہی ہیں۔ اتنی ہی ہماری نیت کو اسفل السافلین میں پہنچا رہی ہیں "

(کامل نلامریان فریخ نلا خر)

قصہ مختصر تمام موجودہ دولت اور اسکی مدد سے آئندہ کی بہت بڑی منفعت معدودے چند کے پاس ضرورت سے زاید جمع ہو جاتی ہے۔ باقی تمام اہل ملک جس کی متحدہ کوشش سے وہ جمع ہوئی ہے۔ جس میں سود خواروں کے سرمایہ اور مزدوروں کی محنت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سب اپنے جائز استحقاق سے محروم رہتے ہیں۔ اور اپنی آرام طلبی سے مجبور رہتے ہیں کہ اشیاء ضرورت کو گراں خریدیں اور ایک سود کے لالچ میں کسی طرح کا بتدریج مالی خسارہ اٹھائیں۔

سود خوار اپنی ہمت خرچ نہیں کرتے۔ تمام فائدے دوسرے اٹھاتے ہیں۔ اور بہرحال اپنے مفاد کو مقدم رکھتے ہیں۔ جس قوم کے اکثر افراد اپنا سرمایہ سود پر لگا دینے کے عادی ہو جائیں تو وہ قوم بحیثیت قوم کے دیگر اقوام پر غالب آجائے گی۔ مگر اندرونی انتظام جمہوریت سے تنزل کرتا ہوا حکومت امرائی شکل اختیار کرتا جائے گا۔ ایسا انقلاب ہوگا بہت مدت میں لیکن اگر اصلاح و مزاحمت نہ ہو تو ہو کر رہے گا۔ پھر اسکا نتیجہ بہت ہی دور تک رہی ہوگا جیسا امراء کی حکومت کا تجربہ فرانس و جرمنی میں ہوا ہے کہ آخر کار ملک حصوں میں منقسم ہو گیا "

جمہور کو ارباب دول کے مقابلہ اور پامالی حقوق سے تنگ آکر اس ابتری سے بچنے کے لیے ایک مطلق العنان بادشاہ کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے جو ان کے لیے پشت و پناہ ہو " غرض ایسے ملک کا انجام خود مختار رعیار یا بادشاہ کی حکومت پر ہوتا ہے اور ملک کے ایک حصہ کی آرام طلبی اور دوسروں کا روپیہ پر قابض ہونا ہی وہ قباحت ہے جس سے ایسے مہلک نتائج پیدا ہوں گے خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ بے ایمانی فریب دہی نہ ہو تو مفاد بہت کم ہو اور بلا استحقاق ظلم زنا پڑے۔

۲۔ سود خوار پیشہ میں سخت دلی۔ بے رحمی۔ قساوت قلبی۔ سنگ دلی پیدا ہو جاتی اور مہربانی رحمت و شفقت کی روح معدوم ہو جاتی ہے۔

۳۔ کسب معاش کی محنت سے بے فکری ہو جانے پر کاہلی سستی آرام طلبی کی ترغیب ملتی ہے جو جسمانی و اخلاقی عوارض کا پیش خیمہ ہے۔

۴۔ تجارتی سود میں مزدوروں کی طرح اہل سرمایہ بھی مناسب معاوضہ سے محروم رہتے ہیں۔ روپیہ بجائے اسکے کہ ملک میں عام طور پر پھیل کر سرسبزی پیدا کرے صرف چند اشخاص میں محدود ہو جاتا ہے۔ اور یہی خاص جماعت قسمت ملک کی مالک بن جاتی ہے اور رسوخ و اقتدار میں سب پر فوقیت لیجاتی ہے۔ سب ان کے دست نگر ہو جاتے ہیں۔ حق سے زیادہ منفعت پر قابو ہوتا ہے عظیم الشان کاروبار کے تجربہ سے نفع نقصان کی تمیز اور سودمند و نفع بخش کاموں پر فوراً توجہ کی مہارت حاصل ہونے سے یہی ذی سرمایہ صاحب نفوذ و اقتدار ہوتے ہیں اور سب دست نگر و زیر اثر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مہذب ممالک میں دخل تصرف ایک طرف تمام مناصب کے لیے مالداری شرط ہے۔ اور دخل کا کیا ذکر بغرض تقرر وکلا و رائے دہندگی کے حق کے لیے بھی تمول ایک ضروری شرط ہے۔

"جو لوگ اوقات کے ناقابل ہیں یا ایسے مقروض ہیں جو قرضہ ادا نہیں کر سکتے یا دیوالیہ نکال چکے ہیں۔ وہ جب تک اس حالت میں رہیں ووٹ دینے کے قابل نہ سمجھے جائیں گے "

حالانکہ دانش و انصاف کا مقتضا یہ ہے :۔

"کسی قوم کی موجودہ فوقیت بہ لحاظ موجودہ خوشحالی کے دو امر پر موقوف ہے ایک یہ کہ لوگ دوسروں کی طرف سے اسی قدر محفوظ رہ سکتے ہوں جس قدر خود اپنی حفاظت کے قابل ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ دنیوی کاروبار میں اسیقدر کامیابی حاصل کر سکتے ہوں جس قدر وہ اپنے مفاد کے لیے خود اپنی ہمت سے کام لینے کے قابل ہیں اور اس بات پر بھروسہ رکھتے ہوں کہ اور لوگ انکے فائدے کے لیے کوشش کریں "

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے

السیرۃ المحمدیۃ والخصائص النبویۃ

نورٌ علیٰ نور

تمام انوار کا سرچشمہ اور علت العلل حق سبحانہ وتعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

اللہ نور السمٰوٰت والارض — خدا زمین و آسمان کا نور ہے

ہر ایک نور جو بلندی و پستی میں نظر آتا ہے خواہ وہ ارواح میں ہے یا اجسام میں ذاتی ہے یا عرضی۔ ظاہری ہے یا باطنی۔ ذہنی ہے یا خارجی۔ خداوند تعالیٰ کے فیض کا عطیہ ہے حضرت رب العالمین کا فیضان عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے۔ وہی تمام فیوض کا مبدء تمام رحمتوں کا سرچشمہ اور تمام انوار کا علت العلل ہے۔ اسی نے ہر چیز کو نیست سے ہست کیا اور خلعت وجود عنایت فرمایا۔ اسی کی ہستی حقیقی اور تمام عالم کی قیوم ہے۔ سوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کوئی وجود ایسا نہیں جو بذاتہ واجب و قدیم ہو یا اس سے مستفیض نہ ہو بلکہ خاک و افلاک۔ انسان حیوان۔ شجر و حجر۔ روح و جسم۔ سب خدائے عزوجل کے فیضان سے وجود پذیر ہیں۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدی پیدا کیا۔ جسکو فلاسفر کی اصطلاح میں عقل اول کہا گیا ہے۔ متصوفین تمام عالم کو اسماء الٰہیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسکا اول و اعلیٰ مظہر وجود باجود حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے۔ اس بنا پر حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم باعث ایجاد عالم اور سردار بنی آدم ہیں۔ آپ کو ظاہری اور باطنی طور پر انتہائی درجہ کا ارتفاع حاصل ہے آپ کا وجود باوجود خیر مجسم مقربین سے اعلےٰ و افضل اور الوہیت کا مظہر اتم ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام قرآن مجید میں نور اور سراج منیر رکھا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ قد جاءکم من اللہ نور وکتٰب مبین۔ (پ ۶۔ س المائدہ۔ ع ۱۲) اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور اور قرآن آچکا ہے جسکے احکام صاف و صریح ہیں۔ دوسرے مقام پر ہے یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدًا ومبشرًا ونذیرًا وداعیًا الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرًا (پ ۲۲۔ س الاحزاب۔ ع ۶) اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا۔ اور نیکوں کو خوشنودی خدا کی خوشخبری دینے والا اور بدوں کو اسکے غضب سے ڈرانے والا۔ اور اللہ کے حکم سے اسکی طرف لوگوں کو بلانے والا اور ہدایت کا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی اسکا نام بھی نور رکھا۔ چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا واللہ بما تعملون خبیر (پ ۲۸۔ س التغابن ع ۱) پس اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور نیز نور ہدایت یعنی قرآن پر جسکو ہم نے اتارا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے۔ - - - - - - -

- - حضرت سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا کا وجود باوجود نور تھا۔ اس پر وحی الٰہی کا نور وارد ہوا تو آپ نورٌ علیٰ نور اور مجمع الانوار بن گئے۔

مؤمنین نور فراست سے ممتاز ہوتے ہیں۔ چنانچہ مخبر صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اتقوا من فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ اس بنا پر مومن ہونے کا نشان یہ ہے کہ اس انسان کی قوت تمیز و بڑھتی جاتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ تاریکیوں سے نکلکر انوار میں آتا جاتا ہے۔ اور اپنی حالت میں دن بدن نمایاں تبدیلی پاتا ہے۔ اور اللہ اسکا والی بن جاتا ہے اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔ (پ ۳۔ س البقرہ ع ۳۴) اللہ ایمان والوں کا حامی و مددگار ہے کہ انکو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔

دوسرے مقام پر حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ظلمات سے نکالکر نور کی طرف لانے والا فرمایا الرٰ کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید (پ ۱۳۔ س ابراہیم۔ ع ۱) میں اللہ ہوں میں سب کچھ دیکھتا ہوں۔ اے پیغمبر! یہ قرآن ایک بڑی اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ اسکو ہم نے تم پر اس غرض سے اتارا ہے کہ تم لوگوں کو انکے

پروردگار کے حکم سے کفر کے اندھیروں سے نکالکر ایمان کی روشنی میں لاؤ یعنی اس ذات پاک کے رستہ پر لاؤ۔ جو سب پر زبردست اور ہمہ وقت اور ہر حال میں تعریف کے لایق ہے۔ یاد رہے کہ ظلمتیں کئی قسم کی ہوتی ہیں :-

(۱) ظلمت کفر
(۲) ظلمت شرک
(۳) ظلمت جہل
(۴) ظلمت رسم وعادت
(۵) ظلمت حب
(۶) ظلمت افلاس و دولت
(۷) ظلمت مجلس
(۸) ظلمت شہوت وحرص وغضب
(۹) ظلمت کسل وعجز وجبن
(۱۰) ظلمت تکبر وغرور
(۱۱) ظلمت استبداد وجور وظلم
(۱۲) ظلمت فسق وفجور
(۱۳) ظلمت عدوان وطغیان

غور کرو متبعین اسلام کی ہدایت و رہنمائی کے لیے قرآن مجید وفرقان حمید جیسی کتاب حکیم و نور مبین موجود ہے۔ قرآن مجید کی پیروی کریں۔ تو اللہ جو تمام انوار کا علت العلل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے ان کا والی وحامی اور مخرج من الظلمت الی النور ہے مسلمان اگر اسوۂ حسنہ سید المرسلین کی پیروی کریں اور اس وجود باجود سے جو مجمع الانوار اور نور علی نور ہے۔ مناسبت پیدا کریں تو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم باذن اللہ تعالیٰ انکو ظلمات سے نکالکر نور میں لاتے ہیں۔ ان انوار کے ہوتے ہوئے۔ اگر کوئی مسلمان کسی قسم کی تاریکی میں رہے تو یہ اس کی اپنی بدبختی ہے مسلمانوں کی فلاح ونجاح اللہ نور السموٰت والارض کی کتاب نور ہدایت اور اس کے رسول مجمع الانوار اور نورٌ علی نور کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں مضمر ہے

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا واللہ بما تعملون خبیر

(ز نور دین جہاں نورٌ علی نور)

کئے اللہ نے سب انبیا نور محمد کو کیا نورٌ علی نور
مٹی اس نور سے ظلمت عدم کی چمک اٹھا زمیں سے تا سما نور
جہاں یہ نور ہو ظلمت کہاں پھر کلام اللہ نور اور مصطفےٰ نور
ازل سے نور کا طالب ہوں بیدلؔ پڑھا کرتا ہوں یا اللہ یا نور

برگزیدہ نبی کے برگزیدہ خصائل

حضور انور کا استقلال استقامت

اصلاح وتبلیغ کا نازک فرض انجام دینے کے لیے سب سے بڑی ضرورت سچے استقلال اور فوق العادت عزم کی ہے کہ مصلح ومبلغ کو کوئی ترغیب وترہیب اسکے پاک ارادہ اور قابل قدر مساعی سے باز نہ رکھ سکے اور وہ غیر متزلزل استقامت اور عزم راسخ کے ساتھ اپنا کام کرتا رہے اور متواتر ناکامیوں اور مسلسل موانع پیش آنے سے مایوس وہراساں نہ ہو۔

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جہاں اور ہزاروں محاسن اخلاق سے بدرجہ کمال متصف تھے وہاں استقلال وعزم راسخ بھی آپکے خلق عظیم کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ آپنے خدائے عزوجل کی طرف سے آپ پر جو فرض تبلیغ عاید کیا گیا تھا اسکے پورا کرنے میں آپ آخر عمر تک اسی سرگرمی ودلچسپی سے کوشاں رہے۔ جو ناموافق حالات سخت سے سخت مزاحمت اور شدید ترین مخالفت بھی آپکو اپنے فرائض کے انجام دینے سے باز نہیں رکھ سکی اور آپنے اپنے نیک مقاصد کی تکمیل میں کسی لائم کی ملامت اور کسی لاعن کی لعنت کی کبھی پرواہ نہیں کی اور نہ کسی مایوسی وناامیدی نے آپکے عزم راسخ میں کبھی کوئی تغیر پیدا کیا۔

آپکی ذات مجمع الصفات تبلیغ اسلام کے لیے ایک ایسی قوم میں مبعوث کی گئی تھی جو علوم سے بہرہ ور، نہ تہذیب اور شائستگی سے آشنا اور جملہ صفات انسانی سے معرا تھی حضور کو توحید ومعرفت کی دعوت وا شاعت میں سخت سے سخت اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ملک کا ملک دشمن تھا۔ قوم کی قوم تشنہ خون تھی۔ صاحب قوت وزور اپنی پوری طاقت سے مخالفت پر آمادہ تھے۔ باایں ہمہ آپکے عزم واستقلال واستقامت کا یہ حال تھا کہ نہایت جرات ودلیری کے ساتھ اپنی کل قوم کے عادات ومنافع۔ رسوم ورواج کے برخلاف توحید کا سبق سکھایا اور اسلام کی دعوت دی۔ یہ ایک ایسی دلفریب صدا تھی جس سے دیکھتے ہی دیکھتے وحشت وجہل گھبرا اٹھے اور سرداران عرب چونک گیا۔ اور انہوں نے اس آواز کی مخالفت کو اپنا نصب العین ٹھیرالیا اور آپکی جان کے درپے ہوگئے۔ باوجودیکہ تمام قوم ہمکلمہ ہمسایہ حتی کہ رشتہ دار بھی آپکے مخالف تھے۔ آپکی ذات بابرکات سخت خطرے میں تھی مگر مارے استقلال واستقامت آپ پیغام حق کے سنانے اور دعوت الی الخیر کے پہنچانے سے دستکش نہ ہوئے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تبلیغ اسلام کیلئے سرگرمی سے کوشش شروع کی۔ اسی استقلال واستقامت کا نتیجہ تھا کہ آپکی زندگی ہی میں کل قوم عرب دین متین کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئی۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار مجنون کہتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :-
وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ (پ ۲۹ سورۃ قلم۔ ع ۲) اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو ایک دیوانہ ہے ۔ جس کی اللہ تعالےٰ نے تردید فرمائی :-

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ　　(اے نبی!) تم اپنے پروردگار کے فضل سے
لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝　　(ہرگز) دیوانے نہیں ہو (جیسا کہ کافر
(پ۲۹ سورہ قلم ع ۱)　　کہتے ہیں) اور بلاشبہ (تبلیغ رسالت کے
صلے میں) تم کو ایسا اجر ملنے والا ہے جس کا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹے گا"

مجنون سے ان کی مراد وہ پاگل یا سودائی یا دیوانہ نہیں تھی جو بازاروں میں وحشیانہ حالت میں ادھر ادھر پھرتے ہیں۔ اس معنی میں تو مجنون کا لفظ کافر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہہ نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ وہ صریحًا دیکھتے تھے کہ آپ کی اخلاقی تعلیم ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا دانشمند اور حکیم بھی ایسی تعلیم نہیں دے سکتا بلکہ وہ آپکو اور ہی معنوں میں مجنون کہتے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ عجیب دُھنی آدمی ہے ایک بات کے پیچھے ایسا پڑا ہے کہ ہرگز اسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو یہی فرمایا تھا۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ　　(اے نبی!) جن باتوں کا تجھکو حکم دیا گیا ہے
اسپر پوری استقامت رکھ۔ تاکہ تیرے پائے ثبات میں لغزش نہ آئے"
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ　"اپنے رب کی عبادت کر اور ایسا فوق العادت استقلال و ثبات دکھا کہ موت تک تیرے حرکات و استقلال و افعال میں فرق نہ آئے"

وہ آواز جو شروع میں مکہ کے اندر آپ کے منہ سے نکلی تھی وہ بجائے پست ہو نیکے روز بروز اور زیادہ بلند ہوتی گئی۔ تکلیفیں اٹھائیں۔ ہزاروں اذیتیں سہیں۔ آپکے قتل اور قید کے منصوبے سوچے گئے۔ وطن چھوڑ دیا۔ ہر قسم کی ترغیبات پیش کی گئیں تمام کفار سارا عرب آپکی مخالفت پر تل گیا۔ مگر اُن میں سے کوئی بات بھی آپ کی اُس پہلی آواز کو نہ مٹا سکی۔ اور آپنے غیر معمولی صبر و تحمل سے ان تمام مصائب کو برداشت کیا۔ پھر جب مدینہ طیبہ میں آپکو عروج نصیب ہوا تو تمام کفار فی النار والسقر ہو گئے اور ہر طرح امن و امان ہو گیا۔ اور کوئی روک باقی نہ رہی۔ اُسوقت بھی وہی آواز یعنی کلمہ طیبہ اُس پاک رسول کی زبان پر تھا۔ یہ فوق العادت استقلال اور خارق عادت استقامت ہی ایک ایسی شئے تھی۔ جو دنیا میں ایک بالکل نئی اور لا نظیر انقلاب پیدا کرنے کی کامل اصول تھی۔ اور یہی آپ کی کامیابیوں کی جڑ تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جس زمین اور جس جگہ پر ناقوس بجتے تھے۔ لات و عزیٰ کی پوجا ہوتی تھی۔ آفتاب و ماہتاب اور ستارے خدا مانے جاتے تھے وہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز گونج گئی۔ اور جہاں شراب نوشی۔ تاکاریاں۔ علانیہ فسق و فجور اور نہایت ناپاک اور گندے کام ہوتے تھے وہاں خدائے پاک کی سچی توحید قائم ہونے کے بعد سچا تقویٰ و طہارت پھیل گئی۔ اور یہ سب کچھ آپکے سچے استقلال اور پاک استقامت کی بدولت ہوا

اور قیامت تک اسی سے ہوسکتا ہے۔

اسلئے ہر ایک مسلمان کو چاہیئے۔ کہ خدائے پاک کے راستے میں جب اُسپر کوئی مصیبت آئے۔ تو گھبرا نہ جائے۔ کسی طرح کا شکوہ و شکایت نہ کرے۔ اور بڑے صبر سے اُسے سہے۔ حضور انور نے ہزاروں مصیبتیں سہیں۔ لاکھوں دکھ اُٹھائے۔ پر جس نیک کام کو شروع کیا تھا۔ ہرگز نہ چھوڑا۔ اور جب تک اسکو پورا نہ کر لیا۔ آرام نہ لیا۔ پس ہمیں بھی چاہیئے کہ اس اسوۂ حسنہ کی تقلید کریں۔ اور جس نیک کام کو شروع کریں۔ اگرچہ تکلیفیں بھی پہنچیں اور مصیبتیں بھی اٹھائیں۔ پر اُس کام کو پورا ہی کر کے چھوڑیں۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنا تمام وقت کلمۃ اللہ کی تبلیغ اور اعلاء اللہ کے مقابلہ میں صرف کیا۔ قرآن کریم کو پڑھ کر دیکھو کہ وہ باطل سے کیسی خوفناک ٹکر لگاتا ہے۔ آپ اسکو عمل میں لا کر دکھانے والے تھے۔ اگر آپ کی سوانح سے کوئی واقف نہ بھی ہو۔ جب بھی قرآن کریم کے عمل سے پتا لگا سکتا ہے کہ کس قدر عظیم الشان کام آپکے سپرد تھا۔ اور اس سے قیاس کر سکتا ہے کہ کس قدر آرام اور تن آسانی میں آپ کی زندگی بسر ہوتی ہوگی جتنے مصائب آپ پر آئے۔ اگر کسی اور شخص پر آتے تو وہ جلدی ہی مر جاتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آپ کیسے استقلال و استقامت کا نمونہ ہیں۔ آپ کیسے صابر و شاکر ہیں۔ کئی بچے فوت ہو جاتے ہیں۔ اور آپ اف تک نہیں کرتے۔ عزیز سے عزیز رشتہ دار اور عزیز سے عزیز صحابی شہید ہو گئے مگر آپ ہر حالت میں رضا بالقضا کا نمونہ ہی دکھلاتے رہے۔ اور آپکے ارادوں میں کسی قسم کے فتور یا لغزش کا نام تک نہ آیا۔ ثابت قدمی و اولو العزمی کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے؟

جہاں تک تاریخ عالم کا تعلق ہے۔ دنیا کسی ایسی نظیر سے خالی نظر آتی ہے کہ ایک ایسے نادار یتیم بچے نے بچپن سے لے کر عمر کے آخری دور تک اس قدر متضاد اور مختلف خوبیوں کو اپنے اندر جمع کیا ہو۔ حضور انور کی ذات پاک اخلاق حسنہ اور کمالات انسانی کی ایسی جامع تھی کہ ہر وقت اور ہر جگہ اسی کی خوبیوں کا پرتو پڑتا تھا۔ مکہ معظمہ میں جبکہ رنج و مصیبت کا سامنا تھا صبر و ثبات تحمل و استقامت رضا اور تسلیم کا جلوہ نظر آتا تھا۔ مدینہ طیبہ میں جبکہ اطمینان اور راحت نصیب ہوئی۔ شکر و عطا۔ جود و سخا۔ عفو و کرم کا نور چمکنے لگا۔

انسان جس قدر مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور دنیا میں اسپر آفتیں آتی ہیں۔ یہ سب شامت اعمال ہی سے آتی ہیں۔ بعض لوگ اس دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں کہ ہم پر اگر مصیبتیں آئیں تو کیا ہوا؟ انبیاء علیہم السلام پر بھی مصیبتیں آئی ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم السلام کی مصائب میں لذت ہوتی ہے اور قرب الٰہی کے بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ اُن سے محبت الٰہی بڑھتی ہے ایمان کا

فوق العادت استقلال و استقامت اور رضا و تسلیم اعلیٰ درجہ کی معرفت کا باعث بنتے ہیں۔ برخلاف اسکے مصیبتیں اور بلائیں اور وبائیں جو گناہوں کی شامت سے آتی ہیں ان میں صعوبت و تکلیف کے علاوہ خدا سے بُعد ہوتا ہے۔ اور ایک تاریکی چھا جاتی ہے۔ تا آخر اعمال تباہی اور بربادی ہو جاتی ہے۔ خدا کے راستہ میں حضور انور کو جس قدر تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انمیں آپ کو ایک راحت اور لذت محسوس ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفوں کی ہر ایک ممکن کوشش آپکے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کرسکی۔

حضور انور کی زندگی کے واقعات میں ایک روشن اور درخشندہ واقعہ یہ ہے جس سے آپکے استقلال اور استقامت پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ جب مکہ کے کافروں نے دیکھا۔ کہ مخالفت اور عداوت سے کامیابی نہیں ہوتی۔ اور عام منظالم سے کام نہیں چلتا تو معاندین قریش نے ارادہ کیا کہ حضور کو قتل کردیں۔ لیکن اُسے قتل کرنے سے پہلے انہوں نے پھر ایک دفعہ لالچ دے کر آزمانا چاہا۔ اور آپ کو تبلیغ حق سے روکنے کی آخری تدبیر کی۔ چونکہ روپیہ۔ عورت۔ حکومت یہی تینوں چیزیں ہمیشہ دنیاداروں کا نصب العین ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے معاندین قریش اپنے معبودوں کی حمایت میں انہی تینوں چیزوں کا لالچ دینے کے لئے سب ملکر آپ کے پاس آئے۔ انمیں سے مکہ کا مشہور سردار جسکا نام عتبہ تھا آپ سے اسطرح مخاطب ہوا کہ۔

میرے بھتیجے محمدؐ! ہم اب تیرے سامنے ایک تجویز پیش کرتے ہیں۔ تو اسپر غور کر۔ اور اگر تجھے پسند خاطر ہو تو تُو اسے قبول کر۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر اپنی اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا مقصود ہے۔ تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کئے دیتے ہیں کہ تو مالامال ہو جائے۔ بلکہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنی دولت نہ ہوگی۔ اگر تجھے عزت کی ضرورت ہے۔ تو اچھا ہم سب تم کو اپنا رئیس مان لیتے ہیں۔ اگر تجھے حکومت کی خواہش ہے تو ہم تم کو بادشاہ عرب بنا دیتے ہیں۔ تو ہم سب کا امیر اور بادشاہ ہوگا۔ اور کوئی امر تیرے مشورہ کے خلاف نہ کرینگے۔ اور اگر کوئی عورت چاہئے تو ہم اعلیٰ درجہ کی جمیلہ حسینہ عورت تجھے لا دینگے۔ یا جو کوئی پسند خاطر ہو چکی ہو وہ حاضر ہو سکتی ہے۔ مگر تم اپنا یہ طریق چھوڑ دو۔ کہ ہمارے خداؤں اور معبودوں کی توہین اور ہتک نہ کیا کرو۔ یا کم از کم ان کے متعلق کچھ نہ کہا کرو۔ اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے تو بتلا دو کہ ہم تمہارا علاج کرائیں۔"

حضورؐ نے اسکے جواب میں فرمایا :-

"جو کچھ تم نے میری بابت کہا۔ وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال۔ عزت و دولت۔ حکومت اور عورت کچھ درکار نہیں اور میرے دماغ میں خلل بھی نہیں۔ میری حقیقت تم کو قرآن پاک کے اس کلام سے معلوم ہوگی (پھر مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں) :-

حٰمٓ ۝ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ (پ ۲۴ - حٰم السجدہ ع ۱)

یہ فرمان خدائے رحمٰن و رحیم کے حضور سے صادر ہوتا ہے۔ یہ قرآن کتاب ہے جس کی باتیں عربی زبان میں سمجھ والے لوگوں کیلئے تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔ جو لوگ خدا کا حکم مانتے ہیں ان کے واسطے اس فرمان میں بشارت ہے۔ اور جو انکار کرتے ہیں انکو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے تاہم بہت سے لوگوں نے اس فرمان سے منہ موڑ لیا۔ وہ اسے سنتے ہی نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسکا ہمارے دل پر اثر نہیں۔ اور ہمارے کان اسکے شنوا نہیں۔ اور ہم میں اور تم میں ایک طرح کا پردہ پڑا ہے تم اپنی تدبیر کرو، ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں۔ اے نبی! ان لوگوں سے کہدو کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں۔ مگر مجھ پر وحی آتی ہے اور خدا کے فرشتے نے بتلا دیا ہے کہ سب لوگوں کا معبود صرف ایک ہے۔ اسی کی طرف متوجہ ہونا اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگنا لازم ہے۔ ان لوگوں پر افسوس ہے جو شرک کرتے ہیں۔ اور صدقہ نہیں دیتے۔ اور آخرت کا انکار کرتے ہیں لیکن جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے آخرت میں بڑا اجر ہے۔"

ان آیات کی تلاوت ختم فرما کر حضور نے ارشاد فرمایا۔ اے ابوالولید تو نے سنا اب تجھے اختیار ہے کہ ان دونوں راہوں سے جس راہ کو چاہے اختیار کرلے (ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶)

اس لالچ کی تدبیر سے بھی جب عمائد قریش کامیاب نہ ہوئے تو تمام قبائل مکہ کے وفد کو جمع کرکے آپکے چچا ابوطالب کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے :-

"ہم نے آپ کا بہت ادب کیا۔ مگر ایک حد تک۔ اب ہم سے تیرے بھتیجے کی باتیں سُنی نہیں جاتیں۔ وہ ہمارے ٹھاکروں اور بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ اب آپ مہربانی کرکے انہیں سمجھا دیں کہ آئندہ سے اپنی زبان بند کرلیں۔ ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالینگے اور ان کی جانب داروں سے بھی اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ اور تم اکیلے سب کا کچھ نہیں کرسکوگے"

ابوطالب سمجھے کہ اب معاملہ نازک ہوگیا۔ سارے ملک کی عداوت کو دیکھ کر ان کا دل درد اور محبت سے بھر گیا۔ چونکہ انکو یقین ہوگیا کہ اب آپ کی جان عزیز سخت خطرہ میں ہے۔ اسلئے انہوں نے حضورؐ کو اپنے پاس بلا کر سمجھانا شروع کیا۔ کہ بیٹا! اُسنُ

تم خاموش رہو۔ بت پرستی کا رد نہ کیا کرو۔ ورنہ میں بھی تمہاری کچھ حمایت نہ کر سکونگا۔ بھتیجے! تو اپنے آپ کو اور مجھکو بچالے اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال کہ جس کی تحمل میری ضعیف ہڈیاں نہیں۔

ابوطالب جیسے مہربان اور حامی چچا کے ان دردناک اور محبت آمیز الفاظ نے حضور انور (فداہ ابی وامی) کے استقلال و استقامت میں مطلقاً کوئی تغیر پیدا نہیں کیا۔ حالانکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اب چچا کی اس بات سے رہی سہی جو کچھ طاقت و حمایت ہے وہ بھی جا رہی ہے۔ آپ فوراً اپنے مالک الملک صاحب قوت خدا پر بھروسہ کرکے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کمال استقلال و اطمینان کے ساتھ فرمایا:۔

"اے چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر رکھیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے کام (تبلیغ حق) سے نہ ہٹوں گا اور خدائے پاک کے حکم سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔ خواہ اس کوشش میں میری جان بھی جاتی رہے (سیرت ابن ہشام صفحہ ۹۹۔ جلد اول)

یہ پاک صاف اور پرجوش الفاظ فرماکر آپ کے آنسو بھر آئے اور وہاں سے منہ پھیر کر باہر تشریف لے آئے۔ بزرگ ابوطالب یہ الفاظ سنکر ششدر و حیران رہ گئے۔ اور آپ کی اس حیرت انگیز استقامت نے ان کے دل پر ایسا گہرا اثر کیا کہ آپکو چھوڑ دینے یا تبلیغ حق کے روکنے کا خیال بالکل محو ہو گیا۔ اور بے اختیار یہ بول اٹھے:۔ کہ بھتیجے! تو جو چاہتا ہے کر۔ خدائے کعبہ کی قسم میں تجکو کبھی ترک نہ کروں گا۔

اللہ اللہ یہ امتحان بھی کس قدر کڑا اور زبردست تھا مگر حضور انور نے اپنے چچا کو اس مختصر جملے میں بتلا دیا کہ تو کیا اور یہ عرب کیا۔ اور تمہاری حمایت کیا۔ اور ان کی عداوت کیا۔ میں تو یہ شغل خدائے پاک و برتر کے نام پر کرتا ہوں جو کل طاقتوں اور عزتوں کا حقیقی مالک ہے اور اسکی پرستش و توحید کے قائم کرنے کے مقابل کل کائنات کی پرواہ نہیں رکھتا جبتک میرا خدا میرے صدق کو ان پر ظاہر نہ کر دے۔ یا میں اس کوشش میں اپنی جان نہ دیدوں۔ میں اس مشن کی اشاعت سے کہ جسپر میرے خدا نے مجکو کھڑا کیا ہے باز نہیں رہ سکتا۔

سچ ہے الاستقامة فوق الکرامة: استقامت فی الواقع کرامت سے بڑھ کر ہوتی ہے، یہ وہ کچھ کر سکتی ہے جو سحر اور جادو سے ممکن نہیں۔ اس استقامت کی وجہ سے آپ اور آپ کا سچا مشن کامیاب ہوا۔ اور ایسا کامیاب ہوا کہ مخالفین اب تک حیران ہیں کہ اتنی قلیل مدت میں آپ کا دین کس سرعت اور تیزی کے ساتھ پھیلا کہ جس کی نظیر انبیاء سابقین میں تلاش کرنی محال بلکہ ناممکن ہے۔ بس آپکے اس خاص کمال کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ آپ عزم اور خلق استقامت کے کامل مظہر اتم تھے۔ اور یہی آپ کی کامیابیوں کی کلید تھی۔ جبکہ بجبر مخالفین کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ آپ سچے نبی تھے۔ چنانچہ مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اس واقعہ کو لکھ کر کہتے ہیں کہ بیشک یہ کلام اور یہ چلن ایک جھوٹے مدعی رسالت کا نہیں ہو سکتا۔ (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم)

خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ

رسول کریمؐ کے اسمائے حسنہ

نورے کہ ز لا الٰہ الا اللہ است — تابان ز محمد رسول اللہ است

حضرت انسان کی ذات میں جہاں اور چند قسم کے کمالات اور تصرفات رکھے گئے ہیں وہاں ایک مذہبی کمال یا مذہبی تصرف بھی رکھا گیا ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کو اس سے انکار رہے۔ لیکن در اصل یہ درست ہے کہ مذہبی جذبات انسان کی طبیعت میں ہی رکھے گئے ہیں۔ انسان طبعاً ہی جویان ذات اعلےٰ اور خواہان تدین ہے۔ جسطرح اور خاصے ہیں اسی طرح یہ بھی ایک خاصہ ہے۔ اسلامی نقطہ خیال سے نبوتوں اور رسالتوں کا شروع حضرت آدم صفی اللہ سے ہوکر ہمارے رسول کریم پر ختم ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام ایک شروع تھے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتمہ۔ کیسا خاتمہ؟ جو اپنی شان کے اعتبار سے رحمۃ للعالمین تھا۔ کیسا خاتمہ جو تکمیل دینیات اور تمام نعمتوں کا عطیہ اور ختم نبوت کی مہر ساتھ لایا۔ وہ سلسلہ جو حضرت آدم سے مذہبی یا وجدانی رنگ میں شروع ہوا تھا۔ آنحضرت پر آکر یہ تمام و کمال ختم ہو گیا۔ سلسلہ کے اعتبار سے ختم ہوا اور فیضان کامل کے لحاظ سے اس خاتمہ پر ایک اور شاندار سلسلہ شروع ہوا۔ تجدید فیضان وجدانی اور امداد و برکات روحانی کی اس استواری سے بنیاد رکھی گئی کہ اس ذات ستودہ صفات کی بدولت ہزاروں مخلوق دولت یمن و برکت کرامات و ولایت سے مالامال ہو گئی۔ اور نہیں وہ احترام روحانی ملائکہ اگلوں میں سے بہتوں کو نہیں مل سکا۔

این سعادت بزور بازو نیست

جو کچھ ان حضرتؐ کے حصے بخرے میں رکھا گیا وہ کسی اور کے حصے میں نہ رکھا گیا۔

؎ یہ کیسا بے مثال ایثار و استقلال تھا کہ دنیا کی کوئی بھی چیز نہیں جس کی خلق بقا اور قیام میں [illegible] اور دیگر اشیائے ضروریہ بلکہ کل کا کل دنیا و مافیہا [illegible] کے ساتھ وابستہ ہے [illegible] خوشنودی میں [illegible] اگر قریش کل دنیا اور مافیہا [illegible] تب بھی تبلیغ حق سے نہیں رک سکتا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

چونکہ اس ذات محترم پر اس مذہبی دنیا اور وجدانی سلسلہ کا خاتمہ تھا اسواسطے تمام وجدانی کمالات کا خاتمہ بھی اسی ذات پر لازمی تھا۔ یہی ذات مقدس اون تکمیل کی ضامن اور کفیل ہوگئی تھی۔ اس خواجہ کائنات کی خلقت اقدس سے مطلب یہ تھا کہ اسپر تمام احترامات وجدانی کا خاتمہ کرکے کسی اور رنگ میں اوس کی داغ بیل ڈالی جائے اور ایک ایسا سلسلہ چلایا جاوے جو یوم حشر تک ختم نہ ہو۔ گویا ایک خاتمہ سے دوسرے سلسلہ کا شروع ہو ؎

گر خلق جہاں ہزار طفیل اند ہمہ اندر پئے آرزو وسیل اند ہمہ
مقصود محمد است و ما بقا ہمہ خلق برخوان محمدی طفیل اند ہمہ

دنیا میں وہ ہستیاں جو بارگاہ ایزدی میں کسی نوع کا احترام اور وقار رکھتی ہیں۔ اپنے ساتھ حسب شان خود کچھ نہ کچھ نشان لاتی ہیں کوئی فطری رنگ میں کوئی جسمانی رنگ میں کوئی مادی رنگ میں کوئی وجدانی رنگ میں خاص ہستیوں پر ہی موقوف نہیں اس ضابطہ کے ماتحت عام ہستیاں بھی آجاتی ہیں۔ جو دیکھتے ہیں یا دیکھ سکتے ہیں۔ وہ یہ راز پا سکتے ہیں ؎

یا ما احوال دل زار کما ہی دانست مانہ گفتیم بہ تعلیم الٰہی دانست

جو ہستیاں وجدانی رنگ میں مبعوث ہوتی ہیں۔ اون کی شان اور انکے نشانات کوئی اور ہی خصوصیت رکھتے ہیں۔ جس قدر انبیا علیہم السلام اس وجدانی دنیا اور مذہبی سلسلہ میں گذر چکے ہیں اون سبکے نشانات اور خصوصیات جداگانہ تھیں۔ کسی کو طلاقت صحیحہ دیگئی۔ کسی کو معجزہ و کرامت کسی کو دست شفا اور کسی کو مقبول دعا۔ چونکہ ہمارے رسول کریم صلعم

آخر آمد بود فخر الاولین

وجدانی دنیا کے سب کمالات اور احترامات کے خاتم اور مکمل تھے اسواسطے اور نشانات کے سوائے انھیں پانچ خاص نشانات اسمائے محترمہ کے رنگ میں دئے گئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ؎

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔

یہ اسمائے عظیمہ والقاب محترمہ اپنے اندر وہ جداگانہ فرائض خصائص اور آثار رکھتے ہیں۔ جو گویا نبوت احمدی۔ رسالت محمدی کے ارکان اولے سمجھے جاسکتے ہیں۔ ان القاب خمسہ کی تہ میں کمالات نبوت اور فیضان رسالت کی خوشش طبریاں دکھی ہیں۔ جو آنحضرت علیہ السلام اس سلسلہ کے آخر نمبر پر جو جو فرائض اور کام اپنے ذمہ بہت لیکر آئے تھے۔ اون کا خلاصہ یا جزو اعظم حسب ذیل تھا۔

اول۔ ایک شاہد کی حیثیت سے۔

اس رسول مقبول نے۔ اپنی بعثت سے کن کن امور پر بے لاگ شہادت دی اور کن کن سے وہ شہادت وابستہ تھی یا وابستہ ہے یہ شہادت ایک شہادت جاریہ ہے گو نبوت ختم ہو چکی ہے لیکن یہ سلسلہ شہادت ختم نہیں ہوا۔ یہ شہادت اون نفوس کے مقابلہ میں اور اون فطرتوں سے وابستہ ہے جو آپ دنیا میں باعتبار انسانیت کوئی منزلت رکھتے ہیں اور نیز اون نفوس کے ہی جنہیں ہم انبیا نفوس سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کارخانہ دنیا میں ہر چیز اور ہر حقیقت دوسری چیز اور دوسری حقیقت پر شاہد ہے۔ اور اس شہادت سے ہی اسکی تصدیق ہوتی ہے آنحضرت نے امور ذیل پر شہادت دیکر وجدانی رنگ میں اُن کی تصدیق کی۔

(۱) وجود باری پر شہادت۔
(۲) توحید پر شہادت۔
(۳) جامعیت اور تقدس وجود باری پر شہادت۔
(۴) سلسلہ وجدانیات پر شہادت۔
(۵) سلسلہ رسالت پر شہادت۔

یہ شہادت اس خوبی اور اس صفائی سے دی ہے کہ کوئی شبہ ہی باقی نہ رکھا۔ مدتوں سے جو زنگ وحدت پر چڑھ رہا تھا۔ اوسکو اس خوبی اور اس صفائی سے اتارا کہ حقیقت کھل گئی۔ صفات الٰہی کی بابت جو جو غلطیاں سہواً و عمداً ہو رہی تھیں اونہیں صاف کرکے دکھا دیا۔ خدا کی خدائی میں جو رکاوٹیں اور جو گرہیں ڈالی جاتی تھیں۔ اونہیں اس خوش اسلوبی سے کھولا کہ پردہ پڑہ ہی نہیں سکتا۔ اس شہادت میں اوس ذات نبوی پر جو کچھ مصیبت جو جو تکلیفات آئیں گو اون کا شمار اور احصار نہیں ہو سکتا لیکن اس شاہد امین نے اوس ہمت اور اوس حوصلہ اور اوس صداقت پژوہی سے کام لیا کہ جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔

یہ شاہد صرف شاہد ہی نہیں تھے مشہود بھی تھے۔ وہ شاہد کیا عظیم الشان شاہد ہے جو ساتھ ہی مشہود بھی ہو۔ جب ایک شاہد کامل ہی شہادت کے مطابق ہو اور عملی رنگ میں شہادت کا ثبوت دیا جاتا ہو۔ تو ایسا شاہد ایک باوقار یا اعتبار عظیم القدر مشہود بھی ہوتا ہے۔

(دوم) شہادت کے ساتھ جب تبشیر اور تنذیر بھی ہو تو ایسی شہادت کا درجہ اور بھی اعلے اور برتر ہو جاتا ہے اُن حضرت علیہ السلام کی بعثت علیہا سے کیا کیا بشارتیں وجود پذیر ہوئیں۔ یا کن کن بشارتوں پر روشنی ڈالی گئی۔ اگرچہ انکا نمبر بہت کچھ ہے لیکن خلاصۃً اون کی تفصیل یوں ہو سکتی ہے ؎

(الف) یہ بشارت دیتی کہ

انسان وجدانی رنگ میں کہاں تک ترقی کر سکتا ہے۔

(ب) جو مذہب یا جو دین پیش کیا جاتا ہے وہ ایک زندہ مذہب ہے۔

(ج) وجدانی کمالات اور روحانی امتیازات ایک حد تک حاصل کئے جا سکتے ہیں

(د) وجدانی ریاضت سے کیا کیا کمالات اور احترامات مل سکتے ہیں۔

(ہ) اس زندگی کے سوائے ایک اور زندگی بھی ہے۔

(و) وہ کیسی اعلیٰ اور کیسی شاندار ہے۔

(ز) حشر ثانی میں۔ مثلاً لذت دیدار اور کرم الٰہی ہے۔

(ح) ایماندروں کے واسطے کیا کیا نعمائے الٰہی ہیں۔

(ط) اصل مدعا خلقت انسانی سے کیا ہے۔

(ی) خدا کی رحمت کہاں تک وسیع ہے۔

(سوم) باعتبار نذیر ہونے کے بتلایا گیا کہ

(۱) مذہب پر نہ چلنے سے انسانی جذبات اور انسانی لاتیں کیسی ذلت و خواری میں پھنس جاتی ہیں۔

(۲) منکرین خدا کا حشر کیسا خوفناک ہوتا ہے۔

(۳) یہ زندگی صرف چند روزہ ہے۔ اور کیسی بے اعتبار ہے۔

(۴) خدا کے ساتھ کوئی طاقت مقابلہ آرا نہیں ہو سکتی۔

(۵) آخر حق کی فتح ہے۔

(۶) حق باطل پر غالب ہے۔

(۷) خدائی عذاب ایک مہلک عذاب ہے۔

(۸) بے مصرف زندگی زندگی نہیں بلکہ موت ہے۔

(۹) شرک و بدعت ایک عذاب اور ایک گمراہی ہے۔

(۱۰) اعدائے دین کو تنبیہ مصلحانہ۔

(۱۱) اظہار وعیدات صادقہ۔

(۱۲) تعیین غلبہ صداقت بمصداق جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

(۱۳) انکشاف عجب غفلت۔

(چہارم) دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ

اس کی طرف رنگ وحدت میں بہ نوائے تعالوا الی کلمۃ واحدۃ مخلوق خدا کو بلانا

مقتضی ماہو کا کہہ رہا تھا۔ اور اوس ضابطہ سے بلانا یا دعوت کرنا جو قیود سے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ وَلَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ سے باہر نہ ہو جو کامل

صداقت اور ...... فیضان قدرت کے خیال اور ارادہ سے ہو جس میں مصداق

فان اجری علی اللہ - کوئی ناجائز خود غرضی اور خود مطلبی نہ ہو جو زندگی کی تمام

اعتراضات سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ جو نہ صرف رضائے مولا ہی کے تابع ہو بلکہ یہ بھی

کہ واقعی وہ اپنے حسن طبعی کے خیال سے ایک ضروری شے یا ضروری مرحلہ ہے

اور ہر مساتاف انسانیت کا وہ ایک فرض ہے۔

(پنجم) سِرَاجًا مُّنِيرًا

عام دنیا کے واسطے بہ مصداق رحمۃ للعالمین سراجاً منیرا کے رنگ میں ہادی ہونا اور

ہر ایک کے واسطے چراغ ہدایت وقف کر دینا اور ہر ذات کے مقابلہ میں نور اور

شمع ہدایت کا کام دینا کسی ظلمت کدہ سے بخل نہ کرنا۔ اور کسی ظلمت زدہ کے منور

بنانے میں دریغ نہ کرنا۔ مساواتی رنگ میں بے مخل درجہ بندی اور تحفظ مراتب فراق

ہر بھولے بھٹکے کے واسطے شاہراہ ہدایت کا کام دینا۔

ان ہر پانچ اسمائے محترمہ یا مدارج مکرمہ اور فرائض ممتازکو زیر نظر رکھ کر

آنحضرت علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کیا جاوے تو ثابت ہو جاوے

کہ اس رسول محترم کی زندگی اور کارنامہائے زندگی۔ کیسے شاندار اور کیسے ارفع

و اعلیٰ تھے اور اُن میں کس قسم کی خوبی لطافت اور نفاست پائی جاتی تھی اور ان میں

حقانیت اور صداقت کا کس قدر زور تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی کہ اس طریق عمل اور عقائد

میں رسول کریم علیہ السلام کی سیرت ... اور شان کیسی محترم اور اعلیٰ تھی۔ اور اوس

میں کیسی صداقت تھی۔ درخت ہمیشہ اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ثمرات ہی

درخت کے مفید اور غیر مفید ہونے پر شاہد لائے جاتے ہیں۔ آنحضرت علیہ السلام

کا شجر رسالت جن لذیذ خوش آیند اور خوشگوار ثمرات سے بھرپور اور مثمر تھا

وہ اون حقائق اور اون کیفیات کے مشاہدہ اور ملاحظہ سے ظاہر ہو سکتا ہے

جو ان تبلیغات کے بعد اس دنیا میں ظہور میں آئیں۔ مسلک توحید ایک عرصہ سے

شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے بند پڑا تھا۔ اگرچہ پے در پے نبی اور رسل

بھی آتے رہے۔ اور اس مسلک کے کھولنے پر زور بھی دیا جاتا رہا پھر بھی ٹھیک

وحدت شرک و بدعت اور اصنام پرستی کی ہوا پر بھی پر غالب نہ آ سکی۔ جو

قومیں کسی حد تک مسلک توحید سے آشنا بھی تھیں اون کی رفتار بھی خالص توحید

سے عاری تھی۔ اگرچہ متعدد مذاہب دنیا میں تھے لیکن کسی مذہب میں صحیح معنوں

میں نہ ختم ہونے والی زندگی موجود نہ تھی۔ اگرچہ مذہب پرستی موجود تھی۔ اور

مذہب کی مقبولیت بھی مگر وہ زندگی جو کسی مذہب کے ماننے اور عقیدت سے حاصل

ہونی چاہیئے۔ اوسکا سرمایہ ست ہی کم تھا۔ یہ عقیدہ آنحضرت علیہ السلام ہی نے آنکر سکھلایا کہ خدائی فیضان بند نہیں ہوتا۔ ہمیشہ جاری رہتا ہے صحیح رنگ میں طلب کی ضرورت ہے گو نبوت کا دروازہ اور ...... مہر نبوت کا نگن لگانا بند ہو چکا ہے۔ لیکن خاتم النبیین کے تحت اونکی غلامی سے اونکی روش پر چلنے سے وہی فیضان حاصل ہو سکتا ہے جو خوان نبوت سے نکلتا ہے۔ اور انسان اون مدارج تک پہنچ سکتا ہے۔ جو باب نبوت سے ملتے۔ اور فضائل نبوت ہی میں سے ہیں۔ بہتیں تاریخ اسلامی ایک وسعت کیساتھ بتا دے گی۔ کہ اس لازوال زندگی کی وجہ سے مسلمانوں میں سے کس قدر لوگ ان درجوں تک پہنچے ہیں۔ جو بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کو حاصل تھے۔ اس جماعت محترمہ کی بدولت ہی اسلام نے بہت کچھ ترقی پائی ہے۔ اور اس گروہ کے یمن و برکت اور تبلیغ کی بدولت دنیا کا اکثر حصہ دولت اسلام سے مالا مال ہوا ہے۔ حضرت کا ایک نام دَاعِیًا اِلَی اللہِ بھی ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کہاں تک اس نام کی برکت اور یمن سے لوگ اسلام کی جانب آئے اور ابتک کس طرح آ رہے ہیں۔ چونکہ آنحضرت سِرَاجًا مُنِیرًا تھے اسواسطے اوس دھندے میں جو دنیا کی وجدانی اور روحانی حالت پر چھایا ہوا تھا۔ اس نام نامی نے وہ اثر کیا کہ جہاں یہ پہنچا تمام قسم کی تاریکیاں تمام قسم کے دھندلے۔ تمام قسم کی ظلمتیں دور ہوگئیں۔ دنیا کے اکثر حصوں اور اکثر خوش نصیبوں نے اس سراج منیر سے روشنی حاصل کی۔ اور اوسکی بدولت اون کے ضمیر روشن اور تابان ہوئے۔ ذرا دنیا کے اون مذاہب پر نظر کر کے دیکھو۔ جو اسلام سے اول پائے جاتے تھے۔ اون کے بعض مشاہیر نے اپنے ٹمٹماتے چراغوں کو اسی آفتاب توحید سے تابان اور روشن کرنے کی کوشش کی۔ عرب سے آفتاب توحید اس کمال اور اس آب و تاب سے نکلا کہ دنیا کے دھندلے علاقوں کو دنوں ہی میں روشن کر دیا اگر چہ لوگوں نے اس شمع اسلام شمع توحید کے بجھا دینے کی صدہا کوششیں کیں لیکن یہ شمع گل نہ ہوئی۔ چونکہ اسکا طلوع خدائی ہاتھ کے ماتحت تھا۔ اس واسطے بمصداق وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ الخ

ابتک اسکی روشنی اور آب و تاب میں فرق نہیں آیا۔ وہی زور اور وہی اثر اور وہی آب و تاب ہے۔ گو کہ مسلمانوں نے اوس روشنی سے کام لینا چھوڑ دیا جسکا نتیجہ وہ بھگت رہے ہیں۔ لیکن اسلامی آفتاب کی آب و تاب ہنوز ویسا ہی ہے۔ اور اسی طرح برابر رہے گی۔

اوس جاری زندگی اور مستقل وجدانی زندگی کے ماتحت یہ فیضان رسول عربی ان مبارک محترم ناموں کی تاثیرات۔ یا فیض کا انتقال امت محمدیہ کی جانب ایک بڑی حد تک ہو چکا ہے بقولے بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ ہر مسلمان نائبانہ اور بروزی رنگ میں اپنی شان اور بضاعت کے مطابق جزوی شاہد بھی ہے۔ بشیر بھی اور نذیر بھی ہے۔ اور شمع توحید کے ماتحت ماہ و کمال نے والا بھی۔ رسول کریم خدا کی جانب سے شاہد وغیرہ ہیں اور امتی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت کے فیضان وجدانی کا ہر مسلمان پر عکس پڑتا اور پڑ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ متبع رسول سے ہو۔ اور اونکی غلامی کا اسے امتیاز اور شرف حاصل ہو۔ یہ سب فرائض تحت اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ ابتک ہر مسلمان کے ذمہ ہیں ...... جن جن مسلمانوں نے اس کے ماتحت آنحضرت کے فیوض اور غلامی سے حصہ بجزہ لیا وہی اسلامی دنیا میں بزرگان ملت کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ وہی اولیائے امت رسول ہیں۔ اور ان کی شان میں قرآن مجید ناطق ہے۔ الحمد للہ اس نبی کریم کی بدولت ہمیں کیسی کیسی شان اور دولت نصیب ہوئی ہے۔

سلطان احمد

امین الرحمن، مہبط القرآن

سرورِ عالم و عالمیان محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم

محمد صلی

كَالزَّهْرِ فِي تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِي شَرَفٍ وَالْبَحْرِ فِي كَرَمٍ وَالدَّهْرِ فِي هِمَمِ

مولانا جامی

چوں بہار از تازگی مانند بدر اندر شرف ہمچو بحر اندر کرم چوں روزگار اندر ہمم

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ آخر محمد ہی محمد ہیں نذیر انس و جاں باقی

یہ کاہن کو، نہ موسیٰ کو، دکو نہ عیسیٰ کو میسر تھی یہ تعدیل قوائے جسم و جاں باقی

رہا دنیا میں گر افراط و گہ تفریط کا دورہ فضائل میں تو ہے یکتا شہ کون و مکاں باقی

ہمارا عقیدہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور انسانوں میں اشرف انبیاء اور انبیاء میں اشرف سرور کائنات محمد عربی علیہ الصلوۃ والسلام۔ وہ عبد اللہ اور رسول خاتم

ہیں کہ کمال عبودیت و رسالت اُنکی ذات با برکات پر ختم ہو گیا۔

ہم تو جیسا ہی حلقہ بگوش انکے ہیں۔ مگر غیر مسلم محققین بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں اور انکو بھی ماننا پڑا ہے کہ مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور ملکی اصلاح اسی ذات والا سے وابستہ تھی، وہ خود ہی سپہ سالار تھے۔ خود ہی قافلہ سالار اور خود ہی مدبر منتظم۔ انسانیت جو تہذیب و شائستگی کی قائل ہے۔ اسی ذات اقدس کی ممنون ہے۔ اور جب تک انصاف پسندی اور راست بازی صفحہ ہستی سے معدوم نہ ہوگی۔ ہمیشہ ممنون رہے گی۔ اِس مضمون میں ہم عقیدتمندانہ لحاظ سے نہیں بلکہ محققانہ انداز سے غیر مسلم دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ قبل از بعثت رسول عربیؐ دنیا باعتبار اخلاق و تمدن سیاست و معاشرت کیا تھی۔ اور بعد از بعثت کیا ہو گئی۔ ہم مورخانہ حیثیت سے اُس عظیم الاثر انقلاب کا ذکر کرینگے جو اصولی طور پر انسانیت کو معراج کمال پر لے گیا۔

مگر قبل اسکے کہ ہم آپ کی مقدس مبارک زندگی سے چند واقعات کا ذکر خیر کریں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپکے اصلاحی کارناموں کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیئے واقعات کی روشنی میں مختصر طور پر بتائیں کہ قبل از بعثت دنیا کی باعتبار مذہب، اخلاق، سیاست و تمدن کیا حالت تھی۔

مذہبی اور اخلاقی حالت

تمام روئے زمین پر "شرک" کا تسلط تھا۔ اور شرک ہی وہ ظلم عظیم ہے جسے تمام برائیوں اور انواع و اقسام کی بدکرداریوں کا سرچشمہ کہنا چاہیئے۔

دنیا اشیا پرست، نیچر پرست، مخلوق پرست، اور بت پرست تھی۔ باطل پرستیاں اپنے انتہائی کمال پر پہنچی ہوئی تھیں۔ خدائے بلند و برتر معاذ اللہ تخت قدوسیت اور مسند الوہیت سے اتار دیا گیا تھا۔ اور اسکی جگہ وہم پرستیوں نے جھوٹے معبودوں کو دے رکھی تھی۔

بلحاظ عقائد تثلیث کا دور دورہ تھا۔ ہندوؤں میں برہما۔ وشنو اور شیو کی تثلیث عیسائیوں میں باپ۔ بیٹا اور روح القدس کی تثلیث۔ بعض مورخ بیان کرتے ہیں۔ کہ پال نے مصریوں کی اتباع میں جو اوسیریس، ایسس اور ہورس یعنی دیوتا دیوی اور بیٹے کی تثلیث کو مانتے تھے عیسائیوں میں عقیدہ تثلیث جاری کیا۔ یونانی جیوپیٹر، نیپچون اور پلوٹو کی تثلیث کو مانتے تھے۔ ایرانیوں میں ثنویت کا رواج تھا یعنی یزدان اور اہرمن کا تثنیہ۔ یزدان نیکی اور اہرمن بدی کا خالق سمجھا جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ چھٹی صدی میں دنیا کی تمام قومیں نہ صرف مشرک اور بت پرست تھیں بلکہ ہر ایک قوم اپنے قومی بتوں کی پرستش اور ان کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ آمیز بے سروپا کہانیاں بیان کرتی تھی۔

بتوں پر انسانی قربانیوں کا دستور عالمگیر تھا۔ بادشاہ وقت بھی کبھی کبھی اپنی پرستش کراتے۔ اور اپنے آپ کو دیوتاؤں کی اولاد کہتے تھے۔ چندر بنسی اور سورج بنسی ہندوستان میں۔ فراعنہ مصر میں۔ جمشید و کیکاؤس ایران میں۔ نمرود بابل اور نینوا میں۔ اور سکندر اعظم یونان میں اپنا انتساب سورج چاند یا کسی دوسرے دیوتا سے کیا کرتے تھے۔ یا معاذ اللہ خود ہی خدائی کے دعویدار بن جاتے تھے۔

اِس قسم کی جھوٹی شیخی اور بیجا تکبر سے غرور نسبی کی بنیاد پڑی۔ جس نے وحدت انسانیہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ انسان کو انسان سے جدا کر دیا۔ اور ذات پات کی پابندیوں سے انسان کی عزت و عظمت کو بلحاظ انسانی خاک میں ملا دیا۔

ہندوؤں کے برہمن۔ مجوسیوں کے موبد۔ تورانیوں کے ماگی۔ یہودیوں کے احبار اور عیسائیوں کے پوپ۔ اِس کلیہ کے چند نظائر ہیں۔ انہی پجاریوں نے مخلوق خدا کو بہشت اور دوزخ میں تقسیم کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی نوع انسان کا کثیر حصہ شودر اور غلام بنا دیا گیا۔

جب مساوات انسانی مفقود ہو گئی۔ تو ایکطرف عیاشی و تمرد اور دوسری طرف مسکنت و ذلت نے سوسائٹی میں توازن اور سیانہ روی کو نیست و نابود کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ غلاموں کی کثرت اور امرا کی عیاشی نے یونانیوں رومانیوں اور ایرانیوں کی سلطنت کو تباہ و برباد کر دیا۔ اخلاق اور معاشرت کے لحاظ سے یہ زمانہ بدترین زمانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شراب خواری۔ زناکاری اور قمار بازی عالمگیر اور طغرائے امتیاز تھی۔ قریباً تمام دنیا میں دختر کشی اور اولاد کشی مستحسن خیال کی جاتی تھی۔ یونانیوں اور ایرانیوں میں خواجہ سراؤں لونڈیوں اور بے تعداد عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جاتا تھا۔ عورتیں نیلام اور قمار بازی میں ہاری یا جیتی جاتی تھیں۔ ہندوؤں میں شکتی اور شولنگ کی۔ یونانیوں میں ایفروڈائٹ کی، رومانیوں میں وینس کی۔ بابیوں کلدانیوں اور اسوریوں میں اشتارت امرائی لٹا کی۔ خیا سوز اور مخرب اخلاق پرستش جاری تھی۔

اگر کالدیہ اور اسیریا میں زنا کے مندر تھے۔ تو ہندوستان اور دیگر ممالک میں بھی ان کی کمی نہ تھی۔

میگو زرتشت یعنی پارسیوں کے ہاں بخلاف دیگر اقوام عالم دربارہ زنا ماں بہن اور دختر کا بھی امتیاز اٹھا دیا گیا تھا۔

اخلاقی حالت یہاں تک ردی ہو گئی تھی۔ کہ کرشن جی مہاراج جیسے بزرگ کو گوپیاں کے ساتھ ناچتا کھیلتا اور بنسری بجاتا دکھایا گیا ہے

مختصر یہ کہ یہ تینوں ام الخبائث یعنی شراب۔ زنا اور قمار سوسائٹی کے لیئے موجب فخر و مباہات تھے۔

رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ یہ عہد نوشیرواں ساسانی کا تھا

اور قیصر جسٹی نین سنہ ۵۶۵ء میں وفات پا چکا تھا۔ بلحاظ سیاست اوس وقت دنیا میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ دنیا میں صرف دو سلطنتیں یعنی ساسانیوں اور رومانیوں کی تہیں۔ جو باہم برسر پیکار رہتیں۔ ایرانی میگو زرتشت یعنی مجوسی تھے اور یونانی مذہبا عیسائی تھے۔

مجوسی اپنی مسیحی رعایا پر اور رومانی مجوسیوں پر سخت گیری کیا کرتے تھے۔ دونوں سلطنتوں میں رعایا کی نہایت ردی حالت تھی۔ شاہی ٹیکس۔ امرائی ٹیکس فوجی ٹیکس جاری تھے۔ اور انواع و اقسام کے جبر و قہر سے روپیہ وصول کیا جاتا تھا جس سے رعایا غریب اور مفلوک الحال ہوگئی تھی۔

ساسانیوں میں وراثت سلطنت کا کوئی قاعدہ نہ تھا۔ جب بادشاہ مرتا تو خانہ جنگی ہوتی تھی جس سے جانشینی کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ نوشیرواں کیقباد کا سب سے چھوٹا لڑکا ہے۔ جو تخت پر بٹھلایا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے عدل و انصاف کے ساتھ سلطنت کی۔ مگر حالات کے لحاظ سے اس پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ

"اندھوں میں کانا راجا"

ایک شخص "مزدک" نے جو ایران کا اپیکورس یونانی حکیم تھا جسکا اصول مذہب عیاشی تھا۔ نوشیرواں کے باپ کو اپنا پیرو بنالیا تھا۔ یہ شخص اپنے آپ کو زرتشت کا جانشین کہتا تھا کہ جب سب انسان آگ پانی اور ہوا سے یکساں مستفید ہوتے ہیں تو کیوں جائداد اور عورات سے بھی مساوی حظ نہ اٹھائیں۔ نوشیرواں نے اسکو اور اسکے اسی ہزار پیرووں کو قتل کرایا۔

نوشیرواں بااقتدار بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے جسٹی نین قیصر روم سے باج لیا اور عرب میں یمن کے حصہ پر اپنی فضیلت قائم کی۔ مگر ذاتوں کی درجہ بندی کے اثر سے جو جمشید کے وقت سے ایران میں رائج تھی۔ یہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ فردوسی شاہنامہ میں لکھتے ہیں کہ ایک موچی نے درخواست دی کہ اُسکے بیٹے کو پڑھنے کی اجازت دیجائے۔ کیونکہ ہندو و شودروں کی طرح ادنیٰ قوم کے لڑکے لکھ پڑھ نہ سکتے تھے۔ نوشیرواں نے اُسکی درخواست نامنظور کی اور کہا کہ

ہنر یابد از مرد موزہ فروش ۔۔۔ سپارد بدو چشم بینا و گوش
بدست خردمند مرد نژاد ۔۔۔ چہ ماند بجز حسرت و سرد باد

نوشیروان کے عہد جسٹی نین سنہ ۵۲۸ء تا ۵۶۵ء نے ایک مجموعہ قوانین بنایا جسمیں یہ دفعات تہیں۔ بحیثیت عیسائیوں کے سوا کوئی شخص فوجی یا جوڈیشل عہدے حاصل نہ کرے۔ یہودیوں کو حقوق نہ دئے جائیں۔ ان کا کوئی مجمع نہ ہو۔ اور انکی کتابیں جلائی جائیں (گرین ورلڈ ہسٹری)

گویا تنگدلی اور تنگ خیالی کا دور دورہ تھا۔ ہندو بھی سوا ساری دنیا کو پلید اور یونانی سب دنیا کو باربرس دوحشی، اور انکی اتباع میں رومانی بھی سب دنیا کو وحشی کہتے تہے۔ یہودی مرتے مگر اپنے آپ کو برگزیدگان خدا ہی کہتے رہے

موبد کاروبار سلطنت میں دخیل تھے۔ ایک ہزار سپاہی پر ایک موبد تعینات ہوتا تھا جو لڑائیوں میں حسن کارگزاری کی رپورٹ کیا کرتا تھا۔

نوشیروان متوفی سنہ ۵۷۸ء کی بعد ہرمزد اُسکا لڑکا تخت سے اتار کر قتل کیا گیا ہرمزد کے بعد اسکا بیٹا خسرو پرویز کے لقب سے سنہ ۵۹۰ء میں تخت نشین ہوا۔ ہرمزد کی وفات پر حسب معمول خانہ جنگی ہوئی۔ خسرو پرویز۔ مارس قیصر روم کی مدد سے غالب آیا۔

مارس کو فوکس نے فریب سے قتل کردیا۔ فوکس غاصب تہا۔ خسرو پرویز نے انتقام لینے کیلیے رومیوں سے جنگ شروع کی سنہ ۶۰۹ء میں ملک شام پر حملہ کیا اور سنہ ۶۱۴ء میں دمشق اور یروشلم کو فتح کر لیا۔ یروشلم کی مقدس تصویروں اور مذہبی تبرکات کی سخت توہین کی۔ لوگوں کو آفتاب پرستی پر مجبور کیا سنہ ۶۱۶ء میں اسکندریہ پر فوجکشی کر کے اسے لے لیا۔ سنہ ۶۱۶ء میں ایرانیوں کا قبضہ چالسڈن اور ایشیا کوچک پر ہوگیا۔

قیصر ہرقل روم نے سنہ ۶۲۲ء میں اُسے شکست دی اور سنہ ۶۲۷ء میں فارسیوں کی دارالسلطنت پر جو مدائن کے قریب تہا قبضہ کر لیا۔ خسرو پرویز نے ایک عالیشان محل عیش و عشرت کے لیئے بنایا اور "طاق بستان" نام رکھا۔ پندرہ ہزار مغنیہ کنیزیں ہمیشہ اسکے ساتھ رہتی تہیں۔

علم ادب میں اس بادشاہ کے متعلق تین نادرۂ روزگار چیزیں مشہور ہیں۔
شبدیز گھوڑا۔ شیریں معشوقہ۔ اور باربد مطرب۔
شکار گاہوں اور کشتیوں کی سیر کے وقت۔ ارباب نشاط، رباب و مزامیر، اور پندرہ ہزار مغنیہ جمیلہ عورتیں اسکے ہمراہ رہتی تہیں۔
حضرت نظامی کی مثنوی شیریں خسرو اسی بادشاہ کے حالات میں ہے۔
ناصر الدین قاچار شاہ ایران اپنے سفرنامہ میں رقمطراز ہیں کہ اگر بلاد فرغانہ اور سوسیانہ کی سیاحت صرف طاق بستان کے کتبہ اور شبدیز کی تصویر دیکھنے کے لیئے کیجائے تو یہ تکالیف سفر کا کافی سے زیادہ معاوضہ ہے۔

یہاں یہ لکھ دینا مناسب ہوگا کہ خسرو پرویز اور قیصر ہرقل کی طرف ہمارے نبی کریمؐ نے دعوت اسلام کے خطوط لکھے تھے۔

شیرویہ نے اپنے باپ خسرو کو سنہ ۶۲۸ء قتل کردیا اور کیقباد دوم کے لقب سے تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ حسب معمول خانہ جنگیاں شروع ہوئیں۔ جو سنہ ۶۳۲ء میں یزدجرد کی تخت نشینی پر ختم ہوئیں +

قادسیہ کے میدان میں یزدجرد کے سپہ سالار رستم ساسانی کو حضرت عمرؓ فاروق کے عہد میں سعد بن وقاص نے ۶۳۶ء میں شکست دی۔ اسکے بعد نہاوند کے میدان میں مسلمانوں نے سلطنت ساسانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ اور یزدجرد ۶۵۱ء میں بھاگ کر گمنامی کی حالت میں مر گیا ؎

یاد ہے وہ کارنامے سعد بن وقاص کے ... دو نوش آزنہ، میں ستائی جیتنے اذاں
یاد ہے تاریخدانوں کو فرار یزدجرد ... مر گیا آوارگی میں بیکس و بے خانماں

یہاں یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ ۵۲۳ء میں نوشیرواں کے عہد میں ابرہہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور بنو حمیر کو نکال دیا۔ کعبہ پر بھی حملہ آور ہوا۔ سورۂ اصحاب فیل میں اس حملہ کی طرف اشارہ ہے۔ متعدی کرب ایک بہادر عرب نے نوشیرواں سے مدد لے کر ۵۷۵ء میں بنو حمیر کو پھر یمن لے دیا۔ ۵۸۵ء میں عیسائیوں نے معدی کرب کو مار ڈالا۔ اہل یمن فارس کے ماتحت ہو گئے۔ اور اسکا نائب السلطنت جسکو "مرزبان" کہتے تھے وہاں سے مقرر ہو کر آتا تھا۔ آخر مرزبان بازان نام کو خسرو پرویز نے ۶۰۶ء میں مقرر کیا تھا۔ بازان کے عہد میں یمن مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور خود بازان نے بھی اسلام قبول کیا۔

جب ساسانیوں اور رومانیوں میں یہ لڑائیاں ہو رہی تھیں اور قوم غسان اور حیرہ والی ان دونوں سلطنتوں کے حلیف تھے۔ غسانی رومیوں کی اور حیرہ والی ایرانیوں کے معاون اور عراق عرب میں بستے تھے۔ بعض مورخ خصوصاً عیسائی لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ۵۸۲ء میں سفر شام کیا اور یہ تباہ کن اور خانہ برانداز مناظر اپنی آنکھ سے دیکھے۔ دوسرا سفر حضور انورؐ نے بحیثیت تاجر غالباً ۵۹۳ء میں کیا جبکہ خسرو پرویز اور قیصر ان کے مابین سخت لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ عرب جہالت میں سب کے سرگردہ تھے۔ باہم قبائل میں کشت و خون فساد و خونریزی کا بازار گرم تھا اور یہ بھی اندیشہ تھا کہ عراق عرب کی قومیں بامداد ساسانیان یا رومانیان حبشی کی صورت ہو عرب پر حملہ آور ہوں۔

اسپر آپ نے ایک کونسل بنائی جو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے مقصد یہ تھا۔ کہ امن اندرونی اور بیرونی قائم کیا جائے۔ حجاج کی حفاظت اور انکی مال و جان کی صیانت کیجائے۔ جنکو شورہ پشت عرب لوٹ لیا کرتے تھے۔ یہاں ترتیب واقعات قائم رکھنے کے لیے ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس زمانہ میں عورتوں کی کیا حالت اور حیثیت تھی۔

ہندوؤں میں عورت کی کوئی حیثیت تسلیم نہیں کی گئی۔ وہ بعد شادی اپنے خاوند کی گود میں مستغرق ہو جاتی ہے اور یہی حال رومانیوں میں تھا کہ عورت کی کوئی علیحدہ حیثیت قانون روما میں تسلیم نہیں کی گئی۔ اسی قانون کی اتباع میں عیسائیوں نے بھی عورت کی علیحدہ شخصیت سے انکار کیا۔ وہ بعد شادی اپنے نام سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔ اور مسس فلاں اور فلاں کہلاتی ہے جس کی تقلید کر کے ہمارے نوجوان انگریزی خوان "بیگم حمید" "بیگم مجید" وغیرہ لکھتے ہیں۔

ہندوؤں میں عورت وراثت سے محروم اور اگر خاندان مشترک نہ ہو تو صرف حیات گزارہ کی مستحق ہے۔ دختر پسر کے ہوتے محروم ہے۔ دوامی بیوگی اور ستی کی رسوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا وجود محض خاوند کے آرام و آسایش کے لیے بنایا گیا ہے۔ لڑکیاں مندروں پر نذر چڑھائی جاتی ہیں۔ چنانچہ مدراس کے مندروں میں عموماً یہ لڑکیاں ناچتی گاتی۔ اور زناکاری میں مبتلا رہتی ہیں۔

چینی سیاحوں نے جن میں بڑا مشہور ہیونگ سانگ ہے جو ۶۳۰ء میں ہندوستان آیا۔ وہ ان رسومات ستی اور دیگر امور پر معتد بہا روشنی ڈالتا ہے۔ شاعر بھوبھوتی اور اسکا ڈراما متعلق کالی دیوی اسی زمانہ میں بنایا گیا تھا مندروں میں عورتوں اور ان کے تعلقات میں مردوں کی فحش تصاویر کے متعلق مذہبی احساسات کو قائم رکھنے کے لیے واضعان قانون کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۲ میں ایک استثنار قائم کرنا پڑا۔

ایک عورت کئی ایک خاوند کر سکتی تھی۔ اور نیوگ کا بھی جواز بڑی شد ومد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

ایرانیوں کے خیالات فردوسی کے دو شعروں سے جو انہوں نے دقیقی ایک متقدم شاعر کی سند پر لکھے ہیں ظاہر ہوتے ہیں ؎

کسے کہ بود مہتر انجمن ... کفن بہتر او را ز فرمان زن
نکو گفت دانا کہ دختر مباد ... چو باشد بجز خاک کش فسر مباد

یہودی بھی عورات کی کچھ قدر نہیں کرتے اور اپنی مذہبی روایات کی بنا پر بڑی تعداد میں عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے ہیں۔

عورتوں کی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے ہم قارئین کرام کی توجہ لفظ "وومین" کی طرف منعطف کراتے ہیں۔ جو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں درج ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ۵۸۶ء میں عیسائیوں نے ایک کونسل منعقد کی اور بحث یہ تھی کہ آیا عورتوں میں روح ہے یا نہیں۔ بڑے سرگرم مباحثوں کے بعد کثرت رائے سے یہ قرار پایا کہ عورت میں روح ہے۔ ورنہ یہ بیچاری اس سے پہلے روح سے محروم تھی۔

مختصر یہ کہ دنیا کیا بلحاظ مذہب اخلاق سیاست و تمدن تیرہ و تاریک فسق و فجور کا

بازار گرم تھا۔ غلامی کا رواج ہر ایک ملک میں پایا جاتا تھا۔
پیغمبر خدا کا نکاح جب حضرت خدیجہ سے ہوا تو انہوں نے ایک غلام زید نام آپکو دیا۔ آپ نے اسے ۵۹۵ء میں آزاد کر دیا۔ مگر یہ غلام آپ کی حسن سیرت اور حسن سلوک کا گرویدہ تھا کبھی آپ سے جدا نہ ہوا۔ اور اسی کا بیٹا مشہور محدث اُسامہ ہے جو ۱۱ھ میں سپہ سالار عساکر اسلامیہ بنایا گیا۔ اور حضرت ابو بکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ جیسے جلیل القدر بزرگ اسکے ماتحت کئے گئے۔ یہ سب واقعات جو زید حلف الفضول اور کعبہ میں حجر اسود کے نصب کرنے پر باہم قبائل کے تنازعہ کے متعلق ہیں قبل از نبوت ہیں۔

قوم نے عرب قوم نے جو کسی کی فضیلت تسلیم نہ کرتے تھے۔ آپکو صداقت اور راستبازی کی وجہ سے لقب "امین" دیا تھا جس سے اُن "مجسمۂ انسانیت کبریٰ" کی سیرت کا پتہ چلتا ہے۔

جب آپ کی صداقت اور راستبازی کا شہرہ حضرت خدیجہ نے سنا تو آپ کو اپنے مال سے تجارت کرنے کیلئے مقرر کیا۔ اور آپ نے وہ تعداد منافع کینہ اپنی دیانت وامانت کی وجہ سے بڑھائی کہ اسکا عشر عشیر بھی کبھی پہلے وصول نہ ہوا تھا۔

اسپر حضرت خدیجہ نے نکاح کی درخواست کی جو منظور کی گئی۔ ووجدک عائلاً فاغنیٰ۔

وہ یتیمی اور یہ لقب جو اُس صادق مصدوق کو ملا۔ دنیا وجہان کیلئے بھی ایک بہترین نمونہ ہے۔

صداقت سے اعتبار بڑھتا ہے۔ اعتبار سے مال ملتا ہے اور مال سے فراغ حاصل ہوتا ہے اور فراغ خاطر سے حضور قلب اور حضور قلب سے خاصان خدا کو نبوت عطا ہوتی ہے۔ اور پھر وہ دنیا وما فیہا کو بقعۂ نور بنا دیتی ہیں۔ مگر یاد رہے کہ یہ سب مراحل معاملات میں صداقت اور راست بازی پر مبنی ہیں۔ پس تزکیہ نفس اور صفائی قلب کا پہلا زینہ صداقت ہے

(باقی دارد)

(الف دین)

نعتیہ رباعیات

مجکو نہیں چاہیئے کیسکا سایہ — انسان کا ملک کا یا پری کا سایہ
سایہ نہ تھا جسکے تن اطہر کیلئے — میرے سر پہ ہے اُسیکا سایہ

ایمان کا غروب ہونے پر ماہ آیا — تب دہر میں وہ سید ذیجاہ آیا
جلدی ہوئی ایسی کچھ کہ اس عالم تک — سایہ بھی حضور کے نہ ہمراہ آیا

مساواتِ اسلام

اور

حسنِ عقیدت صحابہ کرامؓ

جو چاہ بدر پہ نازل ہوئے رسول کریمؐ — قریش مکہ کی خیرہ سری مٹانے کو
سواد ابن غزیہ بھی تھے شریک جہاد — خدا کی راہ میں سر شوق سے کٹانے کو
قدم کچھ آگے تھا ابن غزیہ کا صف سے — جو نقص فوجی تھا نا راستی بڑھانے کو
حضور سرور عالم نے چوبدستی سے — کیا اشارہ جو پیچھے قدم ہٹانے کو
لگی شکم میں غزیہ کے اتفاق سے چوب — بگڑ کے "بولا" نہیں ہوں میں مار کھانے کو

قصاص چوٹ کا دلوایئے رسول خدا
وگرنہ حشر میں لونگا میں آپ سے بدلا

یہ سنکے کھولدیا بطن پاک حضرت نے — کہ چوبدستی سے بدلا سواد لے اپنا
مجاہدین کی صف سے قصاص لینے کو — سواد ابن غزیہ بھی مضطرب نکلا
مگر معانقہ پہلے کیا ادب سے "پھر" — دوزانو ہو کے لیا بطن پاک کا بوسا
یہ دیکھ کے ابن غزیہ سے حضرت — سبب بتا کیا تری اس حرکت خجستہ کا
کہا سواد نے ای شاہ دوجہاں مجھ کو — شہید ہونے کا اپنے گمان ہو ہوتا
لہذا آرزوئے دل یہ تھی دم رخصت — معانقہ ہو سراپائے پاک سے اپنا

مراد پوری ہوئی آپکے فدائی کی
ملے حضور تو دولت ملی خدائی کی

یہ حریت یہ مساوات یہ عقیدت تھی — کہ جس سے ذات نبوت بھی تھی نہ مستثنیٰ
اثر صحابہ کے دلپر جو حریت کا ہوا — تو ناز اٹھاتے تھے خود انکے حضرت والا
تمیز اور رعایت نہ امر حق میں تھی — ہر ایک خادم و مخدوم یاں برابر تھا

ہر اک عمل کے ہوئے خود رسول حق عامل
جہان میں ہوگیا اسلام اسلئے داخل

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

(انوار حسین رسوا)

رُباعی

بندہ کو نگاہ لطف مولا بس ہے — حضرت کا میرے لئے وسیلہ بس ہے
میں مشت غبار ہوں سہارا مجھ کو — دامان رسول مصطفےٰ کا بس ہے

کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

پیدا ہوئے ہیں فخر رسل سید الوریٰ — کر ذکر مصطفیٰ
عاشق ہوا ہے جن پہ خدا ہیں وہ مصطفیٰ — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ایمان کی ہے جان محبت حضور کی — پس ہے یہ لازمی
تحفے درود پاک کے تو پیش کر سدا — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آنے سے انکے مٹگئی ظلمت جہان کی — پھیلی ہے روشنی
نور خدا کے نور کی ہے چار سو ضیا — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

وصف رسول پاک نہیں ہوسکے بیاں — ملجائیں دو جہاں
کرتا کلام پاک میں ہے انکی رب ثنا — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کیوں محو لہو ولعب میں کھوتا ہے عمر کو — یہ سوچ بالنظر ور
ہاتھ آئے گا وہ وقت نہیں جو گذر گیا — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

بچکر ریا سے خاص تو اللہ کے لئے — محفل اگر کرے
رحمت الٰہی ڈھانپ تجھے لے گی بے شبہ — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نام ونمود کو نہ کبھی دخل دے انی — یہ بات ہے بری
کیونکہ بجائے اجر ملے گی تجھے سزا — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

قصے غلط نہ بیٹھکے منبر پہ کر بیاں — یہ ہے وبال جاں
مجلس میں کر بیان احادیث مجتبیٰ — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

او کے صفات ان کے فضایل بیانکر — کرتے ہیں بحر و بر
جھوٹی روایتوں سے نہیں کچھ بھی فائدہ — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اشعار پڑھ مگر ہوں نہ بیجے اور تلے ہوئے — علمار کے ڈھنگ کے
نعت رسول پاک سے محفل کو دے ہلا — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کیوں سامعین بیٹھ کے پڑہتے نہیں درود — رحمت کا ہو ورود
باتیں نہ کر کہ ہوتا ہے ذکر شہ ہدیٰ — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کیا آگیا کچھ عقل میں تیری فتور ہے — یا سر میں چور ہے
کیوں بھاگتا ہے ذکر محمد سے بے حیا — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جس ذکر کے لیئے ورفعنا کا تاج ہو — اور تو حذر کرے
بدبخت سوچ پھر ترا ایمان کب رہا — کر ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حق فان جسکو ذکر نبی سے گریز ہے — سن لے یہ غور سے
روز نشور ہوگا سزاوار نار کا — کر ذکر مصطفیٰ

سلام

(مقتبس از قصیدۂ غیر مطبوعہ حضرت مولانا حاجی قاری مفتی شاہ احمد رضا خان حسن فاضل بریلوی ظلہم العالی)

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام — شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شب اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود — نوشۂ بزم جنت پہ لاکھوں سلام
صاحب رجعت شمس وشق القمر — نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام
جسکے زیر لوا آدم و من سوا — اوس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام
خلق کی داد رس سب کی فریاد رس — کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند — اوس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
پہلے سجدہ پہ روز ازل سے درود — یادگاری امت پہ لاکھوں سلام
اللہ اللہ وہ بچپنے کی پھبن — اوس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام
سیدھی سیدھی روش پر کروڑوں درود — سادی سادی طبیعت پہ لاکھوں سلام
جسکے جلوے سے کملائی کلیاں کھلیں — اوس گل پاک منبت پہ لاکھوں سلام
حسن معنی تو مولا ہی جانے مگر — پردہ داری صورت پہ لاکھوں سلام
وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا — لکۂ ابر رافت پہ لاکھوں سلام
جسکے ماتھے شفاعت کا سہرا بندھا — اوس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام
جنکے سجدہ کو محراب کعبہ جھکی — اون بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود — اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے — اوس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جسکو سب کن کی کنجی کہیں — اوسکی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اوسکی پیاری فصاحت پہ لاکھوں درود — اوسکی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں — اوس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس کو بار دو عالم کی پروا نہیں — ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کعبۂ دین و ایمان کے دونوں ستوں — ساعدین رسالت پہ لاکھوں سلام
کل جہان ملک اور جو کی غذا — اوس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
جو کہ عزم شفاعت پہ کھنچکر بندھی — اوس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآن نے خاک گذر کی قسم — اوس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
کاش محشر میں جب انکی آمد ہو اور — بھیجیں سب انکی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا — مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

معیار تقدس

کچھ عرصہ سے رسالہ اسوۂ حسنہ میں ایک انعامی اعلان جناب شیخ غلام زین العابدین صاحب رئیس میرٹھ کی طرف سے شائع ہو رہا ہے کہ جو اہل قلم حضرات اسلام کے معیار تقدس پر بہترین مضمون تحریر فرماوینگے اونکو پچیس[25] روپیہ انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ اسی رسالہ کے پرچہ ماہ نومبر کے صفحہ ۴ پر ایڈیٹر اسوۂ حسنہ نے نوٹ شائع فرمایا کہ وہ ماہ سے یہ اعلان برابر دیا جا رہا ہے لیکن افسوس کہ اہل قلم نے اسطرف توجہ نہ کی۔ پرچہ دسمبر میں ایک مضمون اسکے متعلق ابن میاں صاحب جالندھری کا طبع ہوا۔ مگر ساتھ ہی مکرمی ایڈیٹر صاحب نے اشاعت مضمون سے قبل پھر یہی نوٹ شائع فرمایا کہ اس گرہ کو محققانہ بحث سے کھولنے کی کوشش کی جائے۔ گو عاجز کو محققانہ مضمون نویسی میں دخل دینا۔ دخل در معقولات کا مصداق ہے لیکن محض اس خیال سے کہ کچھ نہونے سے ہونا بہتر ہے۔ جو کچھ سمجھ میں آتا ہے یہ ناظرین کرتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

اسلام کا معیار تقدس اگرچہ نہایت مجمل عنوان تھا۔ مگر ہمارے مکرم ایڈیٹر اسوۂ حسنہ نے اسکی تفصیل میں تین عنوان قائم فرما دئے ہیں:۔

(۱) قرآن و حدیث میں تقدس کا معیار کیا قرار دیا گیا ہے۔

(۲) قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں تقدس کا کیا معیار رہا۔

(۳) فی زمانا مسلمانوں کی مختلف فرقوں اور طبقوں میں تقدس کا معیار کیا ہے اور اس کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔

گو یہ تینوں شقیں بہت زیادہ تفصیل کی محتاج ہیں اگر پوری بحث ان کے ما لہ و ما علیہ پر کیجائے تو ایک رسالہ کی صورت ہو سکتی ہے لیکن ہم بتوفیق الٰہی اختصار امکانی کو نصب العین رکھتے ہوئے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین اسکو بنظر غور ملاحظہ فرما کر تعلیم اسلام و تاریخ و اخبار اسلامی سے بنظر انصاف موافق فرما کر کوئی رائے اسپر قائم فرماینگے۔

معیار تقدس پر بحث کرنے سے پہلے یہ لازم ہے کہ ہم ناظرین کو اس طرف متوجہ کریں کہ تقدس کیا ہے۔ اور اسکا وجود انسانی افراد میں ممکن ہے یا نہیں۔ اگر ممکن ہے تو کس طرح۔

عام طور پر جب تقدس کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے بزرگی و برگزیدگی مراد لی جاتی ہے لیکن لغتاً تقدس کے معنی پاکی اور تنزیہ کے ہیں۔ گویا کہ تقدس منجملہ صفات کمال کے ایک صفت ہے۔ اور صفات کمال سب کے سب بالذات جناب باری عزاسمہٗ کی ذات سے مخصوص ہیں چنانچہ اسما حسنیٰ میں قدوس داخل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر۔ اور یہ قاعدہ تمام اہل علم کو تسلیم ہے کہ جو صفت خدائی صفات میں داخل ہے وہ حقیقی و ذاتی طور پر اوسی کی ذات سے مخصوص ہے اور ممکنات و مخلوقات میں وہ صفت اگر پائی جاتی ہے تو بالعرض و اضافی ہو کر جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ صفت تقدس حقیقتاً جناب باری عزاسمہٗ قدوس حقیقی کی صفت ہے اور جس انسان میں یہ صفت پائی جائے گی۔ اضافی اعتبار سے ہوگی جسطرح علم و قدرت و جود و پاکی وغیرہ کا حال ہے۔

صفات اضافی کا یہ حال ہے کہ اون کا ایک معینہ عرض ہوتا ہے اور اس عرض کے درمیان میں بہت سے مدارج ہوتے ہیں۔ ہر درجہ اپنے تحتی مدارج کے اعتبار سے افضل اور فوقی مراتب کے لحاظ سے مفضول مانا جاتا ہے۔ مثلاً علم بھی ممکنات میں صفت اضافی ہو کر پایا جاتا ہے۔ ایک کنارہ اسکا ادنےٰ سے ادنےٰ درجہ کا علم ہے اور دوسرا اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا ان دونوں کے درمیان میں بہت درجات علم کے پائے جاتے ہیں۔ جو سب باعتبار ترقی و تنزل مدارج کے افضل و مفضول ہیں۔ اسی طرح تقدس کا حال ہے جس کی ابتدا اسلام سے شروع ہوتی ہے۔ اور انتہا نبوت و رسالت پر ہو جاتی ہے۔ اسلیئے کہ تمامی صفات کمال بڑھ کے حد نبوت پر ختم ہو جاتی ہے اور ان دونوں کناروں کے درمیان اسلامی تقدس کے بہت سے مدارج و منازل ہیں۔ گویا تقدس کی نوع الانواع نبوت ہے۔ اور نوع حقیقی اسلام و میانی انواع بمقابلہ فوقی و تحتی انواع کے افضل و مفضول عام و خاص شمار کی جائینگی۔ اس معنی سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام خود معیار تقدس ہے۔ جبکہ کوئی حصہ بھی تقدس سے

خالی نہیں ہے۔ ایک ادنے درجہ کا مسلمان جو تعلیم اسلام پر کار بند ہو اور ترہات مذہبی اسکو نصیب نہوں۔ بہ نسبت تمام مذاہب باطلہ کی پابندیوں کے تقدس سے موصوف ہے۔ ہاں اسلامی تقدس کے متعدد درجات میں سے اعلیٰ درجہ کے تقدس کا معیار قایم کرنے کے واسطے اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم اول تقدس انسانی کا وہ درجہ جسپر تقدس کی حد ہو جاتی ہے۔ پیش نظر رکھیں۔ یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صفات کمالیہ جس قدر ممکنات کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ انکی تکمیل و انتہا نبوت و رسالت پر ہو جاتی ہے یعنے افراد البشر ہی میں سب سے بڑا اور افضل موصوف بالتقدس رسول و نبی ہوتا ہے۔ اور اس مقدمہ کے تسلیم میں کسی مذہب والے کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ ہر مذہب کے مقدس رہا بلکہ اپنے بانی مذہب کو تمام افراد امت سے زیادہ مقدس ملنے ہیں بلکہ ماننے پر مجبور ہیں۔ کما لا یخفیٰ۔

تنبیہ کی غرض سے ہم کہ سکتے ہیں کہ جب صفات کمالیہ حقیقتاً و اصلاً بالذات جناب باری عز اسمہ کی ذات سے مخصوص ہیں۔ اور ممکنات میں ان صفات کا عکس سایہ پایا جاتا ہے تو جس انسان میں سب سے زیادہ انعکاس ان صفات کا ہو گا وہی سب انسانوں سے زیادہ غالب اور قوی طور پر ان صفات کا موصوف قرار دیا جائے گا۔

مثلاً آفتاب عالمتاب معدن نورانیت ہے اور تمام دنیا کے دوسرے نورانی اجسام اسی کی نورانیت سے فیضیاب ہیں۔ گو یا حقیقی و ذاتی نورانیت آفتاب سے مخصوص ہے اور دوسری نورانی اشیا میں اسکا ظل و عکس موجود ہے گو ادنے درجہ کا نورانی جسم بھی نورانیت سے خالی نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن سب سے زیادہ نورانی وہی ستارہ یا جسم مانا جاتا ہے۔ جو براہ راست آفتاب سے فیضیاب ہو۔ اور پورا عکس آفتاب کا اوس میں آتا ہو جیسے قمر۔

یا مثلاً خارج میں کوئی جسم حقیقی اعتدال مزاج سے موصوف نہیں پایا جاتا لاؤ اعتدال فرضی طبی ہر وجود میں پایا جاتا ہے لیکن جب ان افراد اعتدال مزاج فرضی میں باہم مقابلہ کر کرا عدل کا معیار قایم کیا جاتا ہے تو یہی ہوتا ہے کہ جو اجسام اپنے مزاجوں میں اعتدال حقیقی سے زیادہ قریب ہیں۔ وہی زیادہ معتدل ہیں۔ جیسے نوع انسان اعدل الانواع مانی گئی ہے۔ اس اصول مسلمہ کے سمجھ میں آجانے کے بعد واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ رسول برحق کی ذات جامع صفات کمال ہے اور اوسکی صفات میں سب سے زیادہ عکس و ظل صفات باری تعالےٰ عز اسمہ کا ہوتا ہے۔ بلکہ خدائی ارشاد کے موافق اوسکے صفات و افعال خدا کی صفات و افعال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔ پس ثابت ہو گیا کہ انتہائی تقدس رسول کی ذات میں پایا جاتا ہے جس سے زیادہ کیا معنی۔ اسکی مثل بھی کسی دوسرے انسان میں تقدس ممکن نہیں خصوصاً اوس نبی برحق رسول الثقلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مماثل کوئی انسان مقدس نہیں ہو سکتا جسپر رسالت و نبوت کا خاتمہ ہے۔

چونکہ یہ اصول معلوم ہو چکا ہے کہ جس قدر قرب اور انعکاس صفت تقدس کا زیادہ ہو گا۔ اوسی قدر تقدس افضل اور بہتر ہو گا۔ اور اصل قرب و انعکاس جناب رسالتمآب تقدس جناب صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے مخصوص ہے پس وہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ بعد رسول مقبول صلعم کی امت محمدی صلعم میں خواہ وہ قرون اولیٰ کے مسلمان ہوں یا وسطیٰ کے معیار تقدس قابلیت و انعکاس صفات جناب رسالتمآب صلعم کا ہے۔ جس قدر حضور رسول مقبول صلعم کے اخلاقی صفات کا عکس کسی مسلمان میں زیادہ اور قوی ہو گا۔ اوسی قدر تقدس افضل اور اقوی ہو گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی کی صفات کا عکس آجانا اس امر پر موقوف ہے کہ طالب انعکاس اوس موصوف بالصفات الکمال کی صفات و افعال احوال و اقوال کی پیروی کرے اپنا آئینۂ قلب اس قدر صاف و شفاف کرے کہ مخزن صفات کا عکس اوس میں نظر آنے لگے۔ ہر وقت اپنی ہر ادا ہر قول و فعل کو اوس ذات مقدس کے افعال و اقوال کے موافق بنانے کی کوشش کرے۔ لیکن اس درجہ کا اتباع و پیروی اگر کسی سے ممکن ہے تو جب ہے کہ طالب دل سے مطلوب کی اداؤں پر فریفتہ ہو۔ اور دنیا و ما فیہا سے زیادہ ہر وقت اسکی تمامتر کوشش اپنے مطلوب کی خوشنودی و موافقت و پیروی ہو۔ درحقیقت اصلی متبع و حقیقی پیرو ہی عاشق ہو سکتا ہے ان دونوں اصول کی طرف اشارہ واضح فرما کر خدائے پاک نے ارشاد فرمایا ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔ اے حبیب پاک اپنی امت سے فرما دے کہ اے مسلمانو تم اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع و پیروی کرو۔ خدا تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

اس آیہ کریمہ میں خدائے پاک و معبود نے شان کریمی سے تفصیلی مقدمات معیار تقدس کی پوری شرح فرما دی ہے۔

تقدس اسلامی کی ابتدا ایمان سے شروع ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ایمان کے بارے میں مصداق مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ صلعم کا ارشاد فیض بنیاد ہے لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ الی آخر الحدیث یعنی کوئی تم میں سے پورا مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مجھ کو اپنی جان و مال اولاد و والدین غرض تمام دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔ خود حضور کی محبت علیہ السلام بے بنا رسالت ہے۔ گو یا آپ کی محبت عین خدا کی محبت ہے جس طرح آپ کی

اطاعت خدا کی فرمانبرداری ہے لہٰذا خدائے پاک اول ہی درجہ تقدس سے شروع فرماتا ہے کہ اگر تم خدا کو محبوب رکھتے ہو۔ یعنے ہمارے نبی و برگزیدہ مرسل کو محبوب رکھتے ہو اور ایمان لے آئے ہو۔ اور آئندہ مدارج تقدس کے طالب ہو تو اسکے حصول کا راستہ ہمارے رسول کا اتباع اطاعت و پیروی ہے۔ جس قدر کوئی اتباع رسول میں قوی اور اولیٰ ہوگا۔ اوسی قدر اسلامی تقدس میں قوت حاصل ہوگی حتیٰ کہ بالآخر مدارج تقدس اتباع کی منازل کے ساتھ ساتھ طے کرکر کامل تقدس تک رسائی ہوگی۔ اسطرح کہ خدا تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔ اور جسکو خدا اپنا محبوب بنالیتا ہے اوسکی صفات و اسمار و افعال و جوارح و اعضا تک خدا کی صفات کیطرف منسوب ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں خود ارشاد ہے کہ جو شخص قرب نوافل کرتا ہے اوسکو ہم اپنا محبوب قرار دیتے ہیں۔ اور اسکی تمام جوارح و قویٰ بشری صفات سے متصف ہو جاتے ہیں پس وہ بی یبصر بی یسمع بی یبطش بی یمشی و بی یعقل کا مصداق ہو جاتا ہے۔ اور یہی حصول تقدس کی انتہا ہے۔ اس تمام مفصل بیان کے بعد اچھی طرح سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اسلام کا معیار تقدس کیا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں کیا معیار تقدس مقرر کیا گیا ہے۔

معیار کا مقصد یہی ہے کہ وہ دلیل و علامت جسکو ذکر کرکے ہم بتلاسکیں کہ فلاں شخص زیادہ مقدس ہے۔ اور دلیل فن استدلال کے موافق دو قسم کی ہوتی ہے۔ انی اور لمی۔ یعنی کبھی تو علت کے وجود سے معلول کے وجود پر دلیل لاتے ہیں اور کبھی معلول کے ثبوت سے علت کا ثبوت معلوم کرلیا کرتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ تقدس کی علت اتباع و پیروی رسولؐ ہے اور تقدس کا معلول برگزیدگی و محبوبیت خدا ہے۔ پس جب ہمیں کسی متقدس شخص کا تقدس معلوم کرنا ہو تو دو طریق سے ہم غور کرسکتے ہیں۔ یا یہ دیکھیں کہ یہ شخص اتباع و پیروی رسالتمآب صلعم میں کس درجہ پر ہے۔ جس قدر زیادہ متبع ہوگا اوسی قدر مقدس ہوگا۔ یا یوں غور کریں کہ اس مقدس میں آثار برگزیدگی و محبوبیت کس حد تک پائے جاتے ہیں۔ یعنے اس کی صفات و قویٰ کس قدر خدا کی صفات میں مستہلک و فنا ہوگئے ہیں۔ ان دونوں طرق دلیل کے بعد تیسری دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور یہ دونوں دلیلیں مل کر تمام شبہات و اعتراضات کو رفع کردیتی ہیں۔ جو ہم انشاءاللہ آئندہ بیان کرینگے۔ یہاں تو صرف اس تفصیل سے یہ مقصد ہے کہ قرآن و حدیث میں معیار تقدس اتباع و پیروی جناب رسول مقبول صلعم قرار دیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ معیار اوس قسم کا اصول ہے۔ جو ابتدائے اسلام سے لیکر قیامت تک کبھی ہرگز متغیر نہیں ہوسکتا۔ اسلئے کہ یہ خدائی معیار ہے۔ اور ارشاد ہے:۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ۔ لیکن چونکہ ہمارے مہربان ایڈیٹر صاحب اسوۂ حسنہ اس سے بھی زیادہ تفصیل کے خواہاں ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اون دونوں عنوانوں پر بھی بحث کریں۔ جو اونہوں نے سوال مذکور کی تفصیل میں درج کئے ہیں یعنی قرون اولےٰ سے زمانہ موجودہ تک کے مسلمانوں نے معیار تقدس کیا قائم رکھا ہے اور جو اختلافات اس بارہ میں واقع ہوگئے ہیں اونکی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے۔

ان تمام قرون اسلامی میں سب سے پہلا قرن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے اون حضرات کے آثار و اخبار پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف و اتفاق دونوں حالتوں میں وہ اسی اصول محبت خدا و رسول و اتباع نبوی صلعم کو معیار قرار دیتے تھے۔ البتہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ خیر القرون میں سے بعض خاص زمانوں میں جو حضرات ثابت قدم اور جان نثار رہے اونکو زیادہ مقدس مانا جاتا تھا۔ مثلاً مہاجرین کا گروہ سب سے زیادہ مقدم تھا۔ جنہوں نے حضور رسالتمآب صلعم کے عشق و ولا میں اپنے گھر بار اہل و عیال جائیداد مال و منال کو خیرباد کرکے مکہ معظمہ کو ترک کیا۔ اور مدینہ منورہ کی طرف سفر اختیار کیا۔ دوسرا طبقہ وہ مقدس مانا جاتا تھا جنہوں نے ایسے سخت وقت میں حضور کے اہل شہر و قبیلہ و خاندان نے حضور کو ہجرت پر مجبور کردیا تھا۔ اور حضور بنفس نفیس یکہ و تنہا ایک یار غار کو ساتھ لے کر کفار و مشرکین سے غار میں پوشیدہ ہوتے اون کے شہر میں پہونچے۔ اور انہوں نے خود حضور رسول مقبول صلعم کا لینا نہیں آپکے غلاموں اور متوسلوں تک کا ایسا بیش از خیال و بیرون از قیاس خیر مقدم کیا کہ جسکی نظیر تاریخ میں ملنی تو دشوار نہیں قریب قریب ناممکن ہے۔ اپنی جان و مال میں ان غریب الوطنوں کو حصہ دار کیا۔ اپنی جانیں ان کی حفاظت و محبت میں صرف کیں ان حضرات کو انصار کا خطاب خدائی دربار سے عطا ہوا ہے۔ تیسرا گروہ اصحاب بدریین کا ہے جنکی بخشش کا وعدہ خدا نے فرمایا۔ چوتھا طبقہ صحابہ میں زیادہ تر مقدس اہلبیت جناب سید ابرار کا شمار کیا جاتا تھا جن کے واسطے خدائے پاک نے محض فضل من اللہ آیت تطہیر نازل فرمائی اور حضور رسول مقبول صلعم کو حکم فرمایا کہ اونکی محبت میں ثبات قدم کا سارینفک امت محمدی صلعم سے طلب فرمایا قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔ اور بھی اسی طرح حضور رسالتمآب صلعم کے تعلق اور اتباع کی بنا پر مقدس مانے جاتے تھے۔ اور ان میں بھی وہی اصول مذکورۃ الصدر ملحوظ رہتا تھا کہ سابقین اولین جنکو اتباع و عشق محمدی صلعم کا زیادہ زمانہ ملا یا وہ اس امر میں سب سے سابق ہیں۔ اون کا درجہ بھی تقدس میں اعظم ہے۔ دیکھو خود خدائے پاک کا ارشاد ہے۔ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا و کلا وعد اللہ الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیر

چنانچہ جس وقت خلافت کا قضیہ پیش ہوا تو ہر طبقہ اپنے مراتب تعلق کو جو اونکو مسند مقدس کی ذات والاصفات سے حاصل تھا۔ دلیل تفوق و استحقاق قرار دیتا تھا۔ انصار اپنے مراتب عالیہ عشق و جان نثاری کو پیش کرتے تھے۔ اور مہاجرین اپنے۔ لیکن آخر میں اسے معیار تقدس کی بنا پر سب سے زیادہ عاشق اور متبع کامل سابق الایمان والتصدیق جناب خلیفہ اول حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب جمہوری کثرت رائے سے عمل میں آیا۔ اور آخر تمام مدعیان خلافت کو اوسی تقدس اکبر کے روبرو سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ جو واضح دلیل ہے کہ اون کے نزدیک معیار تقدس قرب و اتباع عشق و جان نثاری جناب رسول مقبول صلعم مقرر تھا۔ اسی معیار پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور تمام صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم نے اسکو سر و آنکھوں سے تسلیم کیا۔ اسکے بعد جناب عمر فاروق خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ نے چھ حضرات کو جو اوسی معیار اتباع و جان نثاری جناب رسول مقبول صلعم سے موجودہ صحابہ میں سب سے افضل اور مقدس تھے۔ خلافت کا مجوز قرار دیا۔ اور اون حضرات کے مشورہ سے دو صاحب اس عہدہ جلیلہ کے واسطے منتخب قرار پائے۔ حضرت عثمان غنی رضہ و حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے استحقاق پر نبی تعلقات و جان نثاریاں الٰہی پیروی و اتباع کو دلیل میں پیش فرمایا جو اصلی معیار تقدس تھا۔ البتہ جناب خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا تھا۔ جو اوس معیار تقدس کو ترک کرکے باعث شہادت ہوا۔ اور ہرگز ایسے اولوالعزم مقدس بزرگوار کے تقدس کا لحاظ اونکو نہ آیا۔ یہ واقعہ اسلام میں ابتدائی فتنہ ہے۔ جسکو حضور تقدس مآب صلعم نے بیان فرما دیا ہے کہ فتنوں کے درمیان عمر بن الخطاب کا وجود دیوار حائل ہے۔ یہ دیوار دنیا سے اٹھی اور فتنے شروع ہوئے۔ اسکے بعد گو معیار تقدس مقدس بزرگواروں کے نزدیک تو وہی قائم رہا لیکن بعض اہل غرض و خود کام اشخاص نے بجائے اقرار تقدس جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نعوذ باللہ آپ کو برا کہنا اور غیر مقدس سمجھنا اپنا شعار رکھا یہیں سے مذہب خروج کی بنا ہوئی۔ اس گروہ نے چاہا تھا کہ اپنے فریب میں جناب شیر خدا کرم اللہ وجہہ کو مبتلا کرلیں اور خود اہل حل و عقد کی جگہ قائم مقام ہوکر آپ کو خلیفہ بنائیں۔ لیکن وہ سرداراولیا باب علوم نبوی صلعم تھے۔ آپنے صاف انکار فرمادیا کہ خلافت پر اجماع کرنا اور معیار تقدس قائم کرنا تمہارا کام نہیں۔ یہ حق یہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اونہیں کی اصرار اور اجماع سے آپ خلیفہ چہارم قرار پائے۔ لیکن وہ فتنہ جو شروع ہوگیا تھا۔ نہ دب سکا اور اس نے ایک تیسری صورت اختیار کی یعنی ایک خود غرض گروہ نے اوس تقدس اعظم کو جو جناب شیر خدا کرم اللہ وجہہ کو حاصل تھا قطع نظر کردیا۔ اور حضرات مہاجرین انصار میں سے بعض صاحبوں کو بلکہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی جا بہکایا۔ کہ قاتلان عثمان غنی رضہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پناہ میں ہیں۔ اور وہ مفسدہ پرداز ایک حد تک اپنی فساد انگیزی میں کامیاب بھی ہوئے۔ ایک جنگ جمل کا واقعہ بھی پیش آیا لیکن چونکہ یہ سب حضرات اوسی تقدس اصلی سے پورے فیضیاب تھے لہٰذا پھر متفق و راست ہوگئے۔ اور بمصداق آیت کریمہ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ کے پھر سے جس پر اون مفسدوں کو صبر نہ آیا اور بمضمون الجنس یمیل الی الجنس۔ آخر جاکر بنی شام کے ملک میں وہم لید خیر جو کچھ ہونا تھا۔ وہ ہوا لیکن دو گروہ اس جنگ عظیم کے نتیجہ اور اختتام پر پیدا ہوگئے۔ جنکو خوارج کی دو قسمیں کہا جاسکتا ہے۔ ایک خوارج نہروان جنکے نزدیک معیار تقدس حضرت ختنین رضی اللہ عنہما کا برا کہنا اور برا جاننا قرار پایا اور دوسرے خوارج شام جنکے یہاں جناب خلیفہ چہارم مورد آیۂ تطہیر کا سب و شتم تقدس کا معیار قرار دیا گیا۔ جو بزرگ اس فعل شنیع سے اجتناب کرتے تھے۔ وہ مورد عذاب و قتل وغیرہ ہوتے تھے۔ خواہ وہ حضرت حجر ابن عدی رضہ جیسے مقدس کیوں نہوں۔ اسی کے ساتھ ایک فرقہ محبان اہلبیت کا ایسا پیدا ہوا جو محض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بزرگ جانتا اور برا کہنا اپنا معیار تقدس سمجھا اس حد تک تو کوئی نقصان بھی زیادہ نہ تھا۔ لیکن اس فرقہ بندی کا نتیجہ سب سے برا یہ نکلا کہ مخالفین جناب شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے بسبب مخالفت علی کا یہ ظاہر کیا کہ آپ نعوذ باللہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مخالف اور محرک شہادت ہیں۔ تاکہ بہت سے سیدھے مسلمان اس دام میں گرفتار ہوکر جناب شیر خدا کی مخالفت پر آمادہ ہوجائیں۔ اسطرف گروہ شیعان علی کرم اللہ وجہہ میں جو اشخاص کم علم یا نفسانی آلائشوں میں مبتلا تھے۔ اونہوں نے اس راز پر تو نظر نہ ڈالی بلکہ یہ سمجھ کر کہ واقعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ مسلمان اسی بات پر لڑتے ہیں کہ یہ مخالف جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور وہ حضرت ان کے خلاف تھے۔ جناب خلیفہ برحق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو برا جاننا شروع کردیا۔ اس فرقہ کا نام وہی شیعان علی رہا۔ اور آجتک یہی شیعہ لقب چلا جاتا ہے۔ جسوقت یہ زمانہ گزر گیا۔ جسمیں اصحاب رسول اللہ صلعم کچھ نہ کچھ باقی تھے۔ اور تابعین کا زمانہ آیا تو ان حضرات نے یہ شور و فتنہ برپا دیکھا۔ کہ ایک جم غفیر دشمن اہلبیت جناب شیر خدا و امام حسنین علیہما السلام کو سب و شتم کرتا ہے اور دوسرا فرقہ بنی امیہ اور حضرات صحابہ میں سے

ہر اوس شخص کو جو بمجبوری یا بسمجھ نہی جناب شیر خدا سے مخالف ہوا ہو برا کہتا ہے حتیٰ
کہ بڑھتے بڑھتے اس بیہودہ خیال کے فرقہ نے حضرات خلفائے ثلثہ مسعد صدیقہ
الطاہرہ پر حملہ شروع کر دیا ہے، تو انہوں نے دونوں فرقوں سے بریت کا اظہار فرمایا
اور وہی معیار تقدس جو ابتداء اسلام سے چلا آتا تھا قرار دیا یعنے اتباع و محبت و
پیروی جناب رسول مقبول صلعم جس شخص میں پائی جاتی ہے خواہ اعلیٰ درجہ کی ہو
یا کم مرتبہ کی ہم کسی کو غیر مقدس نہیں کہہ سکتے، خصوصاً عشرہ مبشرہ و خلفاء اربعہ
اصحاب بدر وغیرہ سے اگر کچھ ایسی لغزشیں واقع ہوئی ہیں جو بظاہر ان کے
مرتبہ کے خلاف ہیں۔ تو بھی اون کے مناقب جلیلہ و فضائل کثیرہ کے مقابلہ پر
یہ فروعی امور اون کے تقدس کے دامن پر دھبہ نہیں لگا سکتے۔ اور اس عقیدہ
والے گروہ کا نام اہلسنت والجماعت رکھا گیا۔

یہ تو قرون اولے کا حال ہے۔ جس میں چند مختلف فرقے اسلام میں پیدا ہوئے
اور معیار تقدس میں بھی معمولی فرق متفرق خود مطلبوں اور مفسدہ پردازوں کی
دراندازی سے ظاہر ہوا۔

اسکے بعد قرون وسطیٰ میں عجیب کانٹ تراش ہوئی۔ جو فرقے اسلام کے پیدا ہو چکے
تھے۔ اون کے علاوہ جناب اصدق القول مورد صحیح ما ینطق عن الہویٰ صلعم کی
پیشین گوئی ستفترق امتی اثنان و سبعون فرقۃ کے صدق کا وقت
آ گیا۔ اور اوسی گروہ میں سے جو اہلسنت والجماعت کہلاتا تھا بہتر فرقوں سے بہی اید
پیدا ہوئے۔ بعض تو محض کسی خاص مسئلہ میں جداگانہ عقیدہ ایجاد کر کے جدا نام سے
منسوب ہو گئے۔ مثلاً جبری۔ قدری اور بعض بہت سے مسائل میں اختراعات
کے بانی ہوئے جیسے ماتریدی یا معتزلی وغیرہ اور ہر فرقہ نے اپنا معیار تقدس
علاوہ محبت خدا اور رسول و اتباع و پیروی جناب رسالتمآب صلعم کے اپنے اپنے
عقاید پر قیام بھی مقرر کیا۔ اور آجتک وہی اختلاف باقی ہے۔ ہر فرقہ دوسرے
فرقوں کو باطل اور اسلام سے خارج تصور کرتا ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث سے دلایل
لا کر کفر و شرک تک دوسروں کا ثابت کرتا ہے۔ اور حضور رسول مقبول صلعم کا
ارشاد فیض بنیاد کلھم فی النار الا واحدۃ سب فرقوں کو تسلیم ہے البتہ اپنے
گروہ کو اوس ایک باقی فرقوں کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ اور اپنے سوا سب کو
فی النار جانتے ہیں۔ لیکن باایں ہمہ اختلافات وہ معیار تقدس آجتک نہیں تبدیل
ہوا۔ یہ سب کو تسلیم ہے کہ تقدس و بزرگی قرب خدا و مراتب عالیہ کا دارومدار اتباع
جناب رسالتمآب صلعم پر ہے۔ ہاں اپنے اپنے زعم میں اپنے فرقہ کے متبع رسول صلعم
اور دوسروں کو غیر متبع قرار دیتے ہیں۔ یہ خیال کسی فرقہ کا سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ تقدس
و حصول مرتبہ اعلیٰ تقدس کو اتباع محبت رسول مقبول صلعم سے خلاف مانتا ہو

جس فرقہ کے مستند اور معتبر اشخاص سے دریافت کیجئے کہ آپ کا مشرب کیونکر سب سے
بہتر و اعلےٰ ہے تو وہ دلیل ہدایت و فضیلت وہی تعلیم قرآنی و اتباع رسول صلعم کی تعلیق
ہیں۔ غرضکہ گو کیسے ہی اختلافات باہمی عقاید میں واقع ہو گئے ہیں۔ جن کی بناء پر
جنگ و جدال قتل و قتال تک نوبت پہنچی۔ اسلامی دنیا میں جس قدر اولوالعزم حضرات
مسلمانوں کے دست ظلم سے تکالیف شاقہ اٹھا کر شہید و مظلوم ہوئے کفار و
مشرکین سے اس قدر مظالم کا ایک شمہ بھی سرزد نہیں ہوا مثلاً محض اس غضب پر
کہ نسل فاطمہ علیہا السلام مدعی خلافت و سلطنت ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد
کے قریب اولاد جناب فاطمہ زہرا جو بضعۃ معنوی و ظاہری جناب سرور کائنات
علیہ التحیات تھی، شہید کی گئی۔ ان کے مزارات مقدسہ منہدم کئے گئے۔ ان کے
صغیر سن معصوم بچے نظر تیغ بے دریغ ہوئے۔ حتیٰ کہ اپنے زعم میں دنیا سے نسل
محمدی صلعم کے مٹا دینے میں کچھ بھی کمی نہیں کی گئی۔

اتنی سی بات پر کہ قرآن کے الفاظ کو حادث اور مخلوق کیوں نہیں کہا جاتا جناب
امام احمد حنبل علیہ الرحمۃ جیسے بزرگوار بری طرح شہید ہوئے۔ ایسے معمولی قصور پر
کہ قضا کا عہدہ کیوں نہیں قبول کیا حضرت امام ابوحنیفہ جیسے مقدس بزرگ قید میں
رہے۔ غرض جو کچھ ہونا نہ ہونا تھا سب کچھ ہو لیا۔ لیکن آجتک بھی اسلام اور تعلیم
اسلام اتباع قرآن و حدیث کے علاوہ کسی فرقہ اہل اسلام نے دم نہیں مارا یا امر
دیگر ہے کہ اون کا خیال لغو و باطل ہو۔ مگر ہیں سب اسی خیال میں کہ ہم ہی پوری طرح
اسلامی تعلیم پر پابند اور محب خدا و رسول ہیں۔ اتنا اتفاق اس اختلاف کی
اصلاح ضرور کر سکتا تہا۔ اور اب بھی ممکن ہے کہ اصلاح ہو جائے لیکن اس کے
دو طریقے ہیں جن میں سے ایک پر بھی پورا عمل نہیں ہوا۔

پہلا تو بہترین طریقہ یہ تہا کہ تمام فرق اسلام کے علما اور بزعم خود مقدس
حضرات اجتماعی سعی سے اس امر پر غور فرماتے کہ واقع میں ہم سب مسلمان ہیں
اسلام کے ارکان نماز و روزہ۔ حج و زکوٰۃ توحید کا اقرار رسالت پر ایمان
محرمات کی حرمت۔ حلال چیزوں کی حلت۔ سب میں پوری طرح متفق ہیں تو پہر
اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ معیار صحت مذہب اور تقدس مذہبی موافقت تعلیم
قرآنی اور اتباع نبوی صلعم ہے۔ محض اگر اختلاف ہے تو اس امر میں کہ خدا اور رسول
کے احکام صحیحہ کی پوری موافقت اور جناب رسول مقبول صلعم کا اتباع کس کس
فرقہ میں ہے۔ جو ذریعہ نجات مسلم ہے۔

اسکو بلا تعصب و حمیت مذہبی منصفانہ نظر سے دیکھ لیا جائے کہ کونسا فرقہ
متبع رسول صلعم کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ اگر تنہا خیالات عقلی اور خطرات وہمی
سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا تو کوئی صحیح معیار اتباع کا قرآن پاک سے تلاش

کر دیجائے۔ جس سے ہر شخص منصف مزاج یہ بتلا سکے کہ فلاں فرقہ میں یہ خصلت یا یہ صفت موجود ہے۔ جو معیار اتباع ہے پس یہی گروہ حق پر ہے۔ قرآن پاک کی دو آیتیں ایسے بدیہی الفاظ میں اتباع کی شناخت بتلاتی ہیں۔ جس پر شبہ و شک وارد نہیں ہوتا۔

ایک وہی آیۃ کریمہ جو میں نے ابتدا مضمون میں درج کی ہے۔ بلکہ اوس کے شق مذکورہ پر اشارہ بھی کیا ہے یعنی قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ۔ اس آیۃ کریمہ میں اتباع کا نتیجہ اور معلول یحببکم اللہ واقع ہے یعنی خدا کا محبوب ہو جانا دلیل ہے اتباع جناب رسالتمآب صلعم کی اور محبوبیت خدا کے آثار و برکات حدیث قدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ الی الحدیث سے بیان ہو چکی ہیں۔ یعنے جو بندہ خدا کا محبوب ہو جاتا ہے اوسکے قویٰ و جوارح عقل و حواس خدا کے طرف منسوب ہو جاتے ہیں جسطرح کہ سردار بنی آدم صلعم محبوب رب العالمین کے افعال کو خدا نے بنص صریح اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اور تین آیتیں اوس میں سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں جن میں حضور رسول مقبول صلعم کا کنکر یاں پھینکنا خدا نے اپنا پھینکنا بیان فرمایا ہے۔ اور حضور کی بیعت اپنی بیعت اور حضور کا دست مبارک ید اللہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب کسی فرقہ کے اولوالعزم حضرات میں جنکے تقدس پر تمام فرقہ متحد ہو یہ فنا فی اللہ و بقا باللہ کا درجہ صادق نہ آوے تو نص قرآنی کے موافق وہ فرقہ ہرگز حق پر نہیں ہو سکتا۔ یعنے وہ معیار تقدس و حقانیت اتباع رسول صلعم اوس میں نہیں پایا جاتا۔ الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہٖ ولوازمہٖ مسلم مسئلہ ہے۔ اس مرتبہ محبوبیت و فنا ذات و صفات کو نبوت کے ختم ہو جانے پر ولایت و قرب الی اللہ کہتے ہیں۔

اب دیکھا جائے کہ اولیا کی کثرت کون سے فرقہ میں ہے۔ بعض فرقہ تو اسطرح کے ہیں جو سرے سے ولایت ہی کے منکر ہیں۔ اون میں تو ہونا معدوم اور جو ولایت کے قایل و مدعی ہیں وہ دیکھیں اون کے یہاں کون شخص گزرا ہے جو مثل رسالتمآب صلعم خدا کے سمع سے سنتا ہو۔ اور خدا کی بصر سے دیکھتا ہو غرضکہ اوسکے تمام افعال و صفات خدا کے افعال و صفات ہوں۔ اگر یہ شرف حاصل ہے تو ابھی فرقہ اہل سنت کو ہی جن سے مراد وہی حضرات ہو سکتے ہیں۔ جو معتقد اولیا ہوں۔ ذرا بھی اگر غایر نظر سے دیکھا جائے تو خدائے پاک نے تمام تصوف اور سلوک کا ما لہ و ما علیہ اس آیۃ کریمہ میں بیان فرما دیا ہے۔

تصوف میں سالک کے واسطے ابتدا سے انتہا تک تین قسم کے درجات رکھے گئے ہیں سب سے پہلے ایمان کے بعد یا ساتھ ہی درجہ طلب کا ہے اوس مقام میں سالک کو طالب اور اس مقام کو مقام طلب کہتے ہیں۔ خدائے پاک اوسی سے شروع فرماتا قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ یعنے اگر تم خدا کے محب اور طالب ہو اسلئے کہ عام طور پر ہر محب اپنے محبوب کا طالب ہوتا ہے ورنہ محبت غلط۔ تحبون اللہ کو تطلبون رؤیۃ اللہ یا تطلبون اللہ لازم ہے۔ دوسرا درجہ سلوک کا سیر الی اللہ ہے جسکے مقامات کئی ہیں۔ شریعت طریقت معرفت تین مشہور تر ہیں ارشاد ہوتا ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ میرا اتباع کرو۔ ظاہر ہے کہ کامل اتباع اوسی کا نام ہے کہ متبع کے اقوال و افعال احوال سب کا اتباع کیا جاوے اور حضور کے مطلق اتباع کی طرف لفظ عام فاتبعونی صریح دال ہے حضور کا ارشاد فیض بنیاد ہے الشریعۃ اقوالی والطریقۃ افعالی والمعرفۃ احوالی یا الحقیقۃ احوالی۔ غرض شریعت و طریقت حقیقت و معرفت سب کے سب اسی لفظ فاتبعون میں مضمر و مجمل ہیں جب مراتب سلوک الی اللہ طے ہو لیئے تو آگے بڑھ کر سیر فی اللہ باقی رہتی ہے جس کی نسبت دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ اور یہاں اس کا اجمال ہے یحببکم اللہ اور خدا کے محبوبیت کے آثار معلوم ہو چکے ہیں جس وقت بندہ کے جوارح و قویٰ افعال و صفات خدا کے افعال و صفات میں مستہلک و فنا ہو چکے تو جسطرح خدائے پاک اپنے ہر آن کی شان جداگانہ رکھتا ہے۔ یہ بندہ بھی ہر آن میں جداگانہ علم ذات کا اور اسکے شیون کا حاصل کرتا ہے۔ جس کی انتہا محال ہے۔ جس کی طرف حضور رسول مقبول صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ما عرفناک حق معرفتک۔ یعنے جس شان کا عرفان حاصل ہوا ہے تعداد و شاین غیر معروف باقی رہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہی است　　ہر کہ بروے می رسی بروی مایست

غرضکہ اس آیۃ کریمہ کا جو صحیح گروہ اہل تصوف ہے اور وہی تیرہ سو سال سے اسلام کی صحیح تعلیم اور حضور کے کامل اتباع پر قایم ہیں۔ یہاں اسکی تفصیل کا محل نہیں ہے۔ والعاقل یکفیہ الاشارہ۔ اسطرح پر کبھی تمام فرقہائے اسلام نے حقانیت کی طلب میں کوشش نہیں کی۔ اگر بہت ترقی کی تو اس قدر کہ ہم متبع رسول ہیں۔ یہ نہ دیکھا کہ ہمارے پاس کیا دلیل و علامت اتباع کی موجود ہے۔ طوالت کے خیال سے دوسری آیت کو چھوڑتا ہوں دوسرا طریقہ ہمارے اختلافات کی اصلاح کا یہ ہے کہ ہم اگر اپنے بدنصیبی سے مذہب حق کو سچائی اور انصاف کو رہنما بنا کر تلاش نہیں کرسکتے تو کم از کم جبکہ ہم اصول اسلامی میں متحد اور متفق ہیں تو فروعی اختلافات

کو بالائے طاق رکھ دیں۔ آخر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں مختلف فرقے اور عقاید نہ ہوں۔ لیکن وہ حیثیت جامعہ مثلاً نصرانیت یہودیت مجوسیت وغیرہ اون تمام فرقوں کو دوسرے مذہب والوں کے مقابلہ پر بالکل متحد بنا دیتی ہے۔ پھر کیا وجہ کہ ہم باوجود اس قدر اتفاق کے کہ قریب قریب اصول میں بالکل اتحاد ہے۔ کسی دینی و دنیاوی مقصد و غرض کو متحد ہو کر حاصل نہ کر سکیں۔ مثلاً اہل سنت والجماعت کے یہاں ہی فقہ کے چار امام مسلم ہیں اور حضرت امام کے ماننے والے کثرت سے موجود ہیں۔ اون کے اکثر اعمال حتی کہ حلت و حرمت بھی مختلف ہیں۔ لیکن اس قدر جنگ و جدل نہیں ہوتا جیسا کہ حنفی و وہابی یعنی سنّی و قادیانی۔ جبری۔ ماتریدی و معتزلی و خارجی وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اگر اسی طرح ہم سب اہل قبلہ حنفی و شافعی کا جیسا اختلاف رکھتے ہوئے اپنے کو تمام دنیاوی و دینی اغراض و مقاصد میں متفق رکھیں تو کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کچھ بھی نقصان نہیں ہو سکتا لیکن ہماری بے نصیبی و بدبختی کچھ کرنے نہیں دیتی۔ زبان سے سب ہی اقرار فرماتے ہیں کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ اور اتفاق میں یہ فوائد ہیں لیکن اپنے حالات کی اصلاح محال ہے۔ آخر میں میں اپنا ذاتی خیال اس بارہ میں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ میرے نزدیک ابتداءِ اسلام کی جناب رسول مقبول صلعم جیسے محبوب خدا و برگزیدہ ذات سے ہوئی ہے اور نقصانات و فتنوں کی ابتدا ء خود غرضی و نفسانی خواہشوں سے شروع ہوئی ہے کسی قوم کا شیرازہ ظاہری بغیر حاکم ظاہری کے اور باطنی بغیر قوی الباطن حاکم باطنی کے محال ہے۔ ہماری قوم کا اُسوقت تک شیرازہ درست و صحیح نہیں ہو سکتا جب تک خدا کی رحمت واسعہ ہم پر متوجہ نہ ہو اور وہ صفت اقدس کا مظہر اتم نہ پیدا ہو جسکی قوت باطنی تمام قلوب کو تسخیر فرما کر ایک سیدھے راستہ پر چلا دے۔ یاد کرو کہ حضور رسول مقبول صلعم جس وقت مبعوث ہوئے تو عرب کا کیا حال تھا۔ باوجود انتہائی جہالت و تنزل کے آج بھی مسلمان اوس درجہ جہالت و بغض و عداوت نفاق شقاق تک نہیں پہنچے لیکن اوس آفتاب توحید کے طلوع ہوتے ہی تمام ظلمتیں افق عرب بلکہ عالم سے دور ہو گئیں اسی طرح اب بھی یہی صورت ہو سکتی ہے اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اوس انتظار میں ہاتھ پاؤں مار نا بھی چھوڑ دیں اپنی بہبودی و دین کی تدابیر نہ کریں۔ لیکن جس طرح ہم اسباب کی طرف توجہ رکھتے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ مسبب کی طرف بھی ضرور متوجہ ہوں اور اپنا سوز حال کہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس مفصل بحث میں میرے مکرم ایڈیٹر صاحب کے تمام سوالات ضروری کا فیصلہ قرآن و حدیث کے موافق ختم ہو گیا۔ لہٰذا میں بھی رخصت۔ والسلام وعلیہ ختم الکلام +

خاکسار ابو المحمود حکیم **محمد اسرار الحق** صدیقی قادری ناروی
امروہہ۔ ناروی منزل۔ (۴۳۶)

کیا نحوست حقیقتاً کوئی چیز ہے

این ترا در پئے آرایش اند در پئے آرایش و پیرایش اند
بسکہ بدلبست شد و برگ و ساز گر تو ببینی نہ شناسیش باز

یہ نظامی کی فریاد ہے حضور سرور کائنات میں۔ اور یہ فریاد آج نہیں کی گئی ہے بلکہ اب سے ۷۰۰ برس پہلے چھٹی صدی ہجری میں کی گئی تھی۔ جب اسلام کو آئے ہوئے اسلام ترقی پر تھا۔ مسلمان کثرت سے موجود تھے۔ ان کا اقتدار تھا، حکومت تھی۔ اور وہ فی الجملہ ایک ایسی چیز تھی جو دنیا میں رفیع و ممتاز تھی۔ اب جبکہ رسول اللہ کے زمانہ کو گذرے ہوئے بجائے چھ صدی کے ۱۳ صدیاں ہو چکی ہیں۔ اور نظامی کو سات سو سال کی اور مہلت ہمارے تباہ و برباد کرنے کے لئے مل گئی ہے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ صرف ان دو شعروں سے ہماری فریاد کا مدعا۔ ہمارے نالہ و فغاں کا مقصد اور ہمارے شیون و ماتم کا حق جاننا پورا ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ اگر اُسوقت حشو و زوائد سے اسلام کی حالت یہ تھی کہ کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا (جیسا کہ نظامی نے ظاہر کیا ہے) تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ آج ہمیں تلاش سے کوئی ایک لفظ بھی ایسا مل جائے گا جسکے ذریعہ سے ہم اپنی تباہ کاریوں اپنی خستہ حالیوں اور اپنی درماندگی کی صحیح تصویر کھینچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر آج نظامی کو تو خیر گذرے ہوئے بہت زمانہ گزرا۔ صرف ۲۰۰ سال پہلے کے کسی مسلمان کو زندہ کر کے کھڑا کر سکو، تو غالباً وہ فرط حیرت سے بھی اسیوقت مر جائے گا کہ ع

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم

نہ وہ وضع نہ وہ اخلاق، نہ وہ سیرت، نہ وہ صورت، غرضیکہ وہ اسلامی دنیا کو یکسر منقلب پائے گا۔ اور نہ سمجھ سکیگا کہ کیا کوئی چیز دنیا میں ایسی بھی مسخ ہو سکتی ہے یا کیا کوئی قوم صرف اتنے عرصہ میں ایسی برباد و ذلیل ہو سکتی ہے مگر نہیں یہ ایک حقیقت ہے جس سے ہم اگر چاہیں تو روگردانی کر لیں۔ لیکن صفحات زمانہ پر منقوش ہے یہ ایک صداقت ہے جس سے ہم اعراض کرنے کو کر لیں۔ لیکن صحیفۂ کائنات پر لکھی ہوئی ہے اور کسی طرح مٹائی نہیں جا سکتی۔ اچھا تو آؤ آج ہم تم ماتم کریں۔ کہ کتنا اسکی دی ہوئی نعمت ہم سے لے لی گئی۔ تو خیر اسکا ذکر ہی کیا، اگر سامان عیش ہمارا لوٹ لیا گیا تو بستر غم پر ذکر عیش ہی سہی کہ وہ بھی نصف عیش میں داخل ہے۔

وہ زمانہ اب نہیں ہے۔ جب رسول اللہ کی ذات مسلمانوں کے حلقوں میں موجود تھی۔ اور مشکوٰۃ نبوی سے ہر شخص کسب ضیا کر سکتا تھا۔ نہ اب وہ عہد ہے کہ صحابۂ کرامؓ جنکی ہستیوں کو رسول اللہ کے مقدس و برگزیدہ اخلاق کا انعکاس

صحیح کہنا چاہیئے۔ ہمارے اطوار درست کرنے کے لیئے موجود ہوں۔ وہ زمانہ تو گذرگیا۔ وہ عہد تو انہیں کے ساتھ ختم ہوگیا۔ اب تو ہمارے پاس اس دور میں صرف اُنکی یاد موجود ہے۔ اُنکے افسانے باقی ہیں۔ اور اسلیئے اگر ہم مطلوب حقیقی کی تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مقصود حیات کی جستجو ہے تو ہم کو انہیں کی یاد تازہ کرنی چاہیئے اور انہیں افسانوں کو باربار دہرانا چاہیئے کہ انہیں میں ہمارا سرچشمہ زندگی و سررشتہ حیات پنہاں ہے۔ اور ان تمام حشو و زوائد کو دور کردینا چاہیئے۔ جن کی تزئین و آرائش سے ہم نے اسلام کا چہرہ نورانی محجوب کررکھا ہے اور جس برگ و ساز کے پردہ میں ہم نے شاہد حقیقی کو مستور کردیا ہے۔ اسلام کی وہ خصوصیت جو اُسکو تمام دیگر مذاہب و ادیان سے ممتاز کرتی ہے۔ اور جس کی بنا پر وہ ایک فطری دین کہلاتا ہے صرف اسکی سادگی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جسوقت تک وہ قایم رہی مسلمانوں نے وہ کچھ کرلیا کہ کوئی دوسری قوم نہیں کرسکی۔ اور اپنی عظمت و جلال کے وہ نشانات چھوڑے کہ آج بھی اگر ہماری چشم بصیرت وا ہو۔ تو انہیں دیکھ دیکھ کر درس حیات حاصل کرسکتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اسلام کے تدریجی ارتقا کو بنظر امعان دیکھا ہے محاسبات کو جان سکتے ہیں کہ عہد رسول اللہ میں اسلام نام تہا۔ صرف کلمۂ شہادت کو زبان سے ادا کرکے اُسپر یقین کرلینا۔ انہیں اس سے کچھ غرض نہ تھی کہ اللہ کی حقیقت و ماہیت کے دریافت میں اپنا وقت ضایع کریں۔ یا رسول کی رسالت کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ کیا ہے۔ اور اس کا کیا مطلب ہے۔ جب رسول اللہ کا زمانہ ختم ہوا اور خلافت کا دور شروع ہوا۔ تو اس اعتقاد کی سادگی چند عرصہ بڑی حد تک قایم رہی جس کی وجہ یا تو یہ قرار دو کہ خلیفۂ اول و خلیفۂ دوم کا زمانہ عہد نبوی سے بہت قریب تہا۔ یا یہ کہ کثرت مشاغل سے انہیں اسکی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ کہیں خلوت میں بیٹھ کے اطمینان سے اپنے اعتقادات کا نشر و تدقیق کریں اور اس بات پر غور کریں کہ اللہ کیا۔ اور اس کا رسول ہونا کیا معنی۔ لیکن جب آیندہ چلکر فتوحات کا دایرہ بہت وسیع ہوتا گیا۔ اور مختلف قومیں اسلام کیطرف متوجہ ہوئیں۔ اور فی الجملہ مسلمانوں کو کچھ اطمینان نصیب ہوا۔ تو ان کی وہ سادگی بھی کم ہو چلی۔ جو عہد نبوی میں تھی۔ کیونکہ اب انہوں نے اسبات پر غور کرنا شروع کیا کہ مذہب کی حقیقت کیا ہے۔ اور ہمارے اعتقادات کا کیا مطلب ہے اور یہی وہ زمانہ تہا جب پہلی بنیاد علم کلام اور فرقۂ متکلمین کی پڑی۔ اس سے ہمارا مقصود علم کلام کی تاریخ لکھنا نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ کب اور کس زمانہ میں پہلی اعتقادات اسلامی کے متاثر ہونے کے اسباب پیدا ہوئے۔ اور ان کا نتیجہ کیا ہوا۔ خلیفۂ سوم و خلیفۂ چہارم کا ذکر نہ کیجیئے کہ اس لحاظ سے اُس زمانہ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ جس کی وجہ خانہ جنگی کو قرار دیجیئے یا کسی اور بات کو۔ اس کے بعد بنو امیہ آئے۔ اور بنو عباس اور اس میں کلام نہیں کہ عباسیہ خاندان کے عہد سلطنت میں اُس تغیر کی تکمیل ہوگئی۔ جس کی ابتدا بہت عرصہ ہوا ہوچکی تھی اور اسطرح اسلام نہ صرف آسمانی مذہب رہا بلکہ استدلالی۔ اور برآں مسلک بھی قرار پایا جس کی واقعی ضرورت تھی۔ مگر جہاں اسلام کی بنیاد ایکطرف مضبوط و مستحکم ہوگئی وہیں دوسری طرف خفیف سا تزلزل بھی پیدا ہوگیا۔ جو ہرچند اسوقت تو محسوس نہیں کیا گیا۔ لیکن اب اس زمانہ میں اچھیطرح محسوس کیا جاسکتا ہے اور وہی اسوقت اکمل المذاہب بنا ہوا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اسلام و تعلیمات اسلام کے سمجھنے میں اپنی عمریں صرف کردی تھیں۔ اور جن کی زندگی کا مقصد بجز اسکے اور کچھ نہ تہا۔ کہ اس فطری دین کو خود سمجھیں اور دوسرے کو سمجھائیں۔ وہ حقیقتاً اسکے اہل تھے۔ کہ کلام الٰہی کے اسرار و غوامض کو ظاہر کریں۔ اور وہ پوشیدہ معنوی خزانے جو اس کے اندر پنہاں ہیں۔ لوگوں پر منکشف کریں۔ مگر یہ کیسی مصیبت ہے کہ آج انکی تقلید میں ہر شخص یہی کرنا چاہتا ہے۔ جو وہ کرتے تھے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ہم سے داد طلب کیجاتی ہے۔ ہم مجبور کئے جاتے ہیں۔ کہ انہیں تسلیم کریں۔ اور کیسی دردناک حقیقت ہے کہ اب زمانہ انہیں کو تسلیم کرچکا ہے۔ اور موجودہ مذہب کی صورت انہیں کی بگاڑی ہوئی ہے۔ جنکو ہم نے اپنے جہل سے صورت گر سمجھ لیا تہا حالانکہ خود انکی ذاتیں سخت اصلاح طلب تھیں۔ فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک میں سوائے ان خاص راسخ العلم و دقیق النظر بزرگوں کے جنکے علم و تحقیق پر اجماع و اعتقاد تہا کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ کلام الٰہی کی تفسیر کرے۔ کیوں؟ اسلیئے کہ وہ اسبات کو اچھیطرح سمجھتے تھے کہ ہر شخص اسکا اہل نہیں ہوسکتا۔ اور جو اہل نہیں ہے وہ ہمیشہ لغزشیں کرے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کی صورت بگڑ جائے گی۔ اور راہ مستقیم فراموش۔ سینکڑوں ہزاروں ایسے معتقدات کی آمیزش ہوجائے گی جنکا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اسطرف دہریت فطرت مجوسیوں کی سی عجائب پرستی۔ یہودیوں کی سی افسانہ پسندی اور بت پرستوں کی سی نمایشی رسم و رواج کے سوا اور کچھ نہ رہجائے گا۔ اور وہی اندیشہ جو فاروق اعظمؓ کو تہا آخرکار آگے چلکر پورا ہوگیا۔ جس کی شکایت بیچارے ایک چھٹی صدی کے شاعر (نظامی) کو بھی کرنا پڑی۔ اور آج تو یہ حالت ہے کہ اگر آپ کھوٹے سے کھرا جھوٹ سے سچ۔ اور تصنع سے حقیقت کو جدا کرنا چاہیں تو صرف یہی نہیں کہ دشواریاں پیش آئیں۔ بلکہ ایسا کرنے والا قریب مشکل سے اپنی جان بچاسکے۔ اور کسی کو اسبات کی توفیق نہ ہو کہ سنتا تو چاہیئے وہ آخر کہتا کیا ہے۔ الغرض یہی نہیں ہوا کہ اعتقادات میں بہت سے حشو و زوائد شامل ہوگئے ہیں۔ بلکہ ان حشو و زوائد کے اعتقاد میں رسوخ اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ اسوقت کوئی تدبیر ایسی نظر نہیں آتی

کہ مسلمانوں کے ذلیل سے ذلیل اور ناجائز سے ناجائز معتقدات پر تنقید کیجئے اور وہ اسے ٹھنڈے دل سے سُن لیں یعنی گمراہی و ضلالت انکی فطرت ہو گئی ہے جسکو وہ چھوڑ نہیں سکتے۔ اور جسکے خلاف لکھتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ہمیں الٹے ضال و گمراہ نہ قرار دئے جائیں۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ آجکل بعض رسایل و مجلات ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو اس بات کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں لیکن ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ اپنے ضمیر کے موافق لکھیں یا لکھوائیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ایسا کیا گیا تو ایک بڑی تعداد خریداروں کی جو ان کے رسالہ کو صرف اس وجہ سے خریدتی ہے کہ اُس میں ان کے مذاق کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اور سخت مالی نقصان پہونچے گا۔ مگر یہ کیسی شرمناک تجارت ہے جو اپنے سود و زیان کا تعلق اسلام کی تخریب سے رکھتی ہے۔ اور کیسا دردناک نظارہ مادہ پرستی ہے جہاں نفع و نقصان کا معیار صرف اخلاق کی قربانی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ ہرچند مجھے ان لوگوں میں ہونے کا فخر حاصل نہیں جو خدمت اسلام کے لیئے اپنے تمام دنیوی مصالح کو قربان کر سکتے ہیں۔ مگر الحمد للہ اسبات کو ضرور محسوس کرتا ہوں کہ جو لوگ اس قدر اخلاقی جرأت نہیں رکھتے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ کسی ایسے کام کو اپنے سر لیں۔ اور اسلیئے میں اپنے تئیں اسبات کا اعتماد رکھتا ہوں کہ اگر تمامتر اپنے مادی منافع کو اسکے لیے قطعاً نظرانداز نہیں کر سکتا۔ تو کم از کم یہ تو ضرور کر سکتا ہوں کہ دوسروں کے اعتقادات کی تخریب کو اپنی معاش کا ذریعہ نہ بناؤں۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آج کی صحبت میں میں کیا اثر کسی پر پیدا کر سکوں گا۔ لیکن بلا لحاظ اسکے کہ کسی پر اثر ہو یا نہ ہو یا کوئی اسے سمجھے یا نہ سمجھے میں ابتدا کرتا ہوں اُس کام کی جسکو مجھے اس سے قبل کرنا چاہیئے تھا۔ اور انشاء اللہ العزیز آیندہ مسلسل میں معتقدات کے حشو و زوائد کے متعلق بحث کرتا رہوں گا۔ کیونکہ ممکن ہے کسی کو اسپر غور کرنے کی توفیق ہو جائے۔ اور وہ صداقت کو کسی وقت تسلیم کر لے۔ سب سے پہلے میں اس مسئلہ کو لیتا ہوں کہ اسلام میں برکت و سعادت کا مفہوم کیا ہے اور اسکے مقابل میں نحوست کیا چیز ہے۔ اور اکثر مسلمان اسکو کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ اور جو وہ سمجھے ہوئے ہیں کہاں تک صحیح ہے۔ چونکہ اس کا تعلق اکثر صورتوں میں ہمارے ہاں کی عورتوں سے ہے۔ اسلیئے ضرورت ہے کہ وہ اسپر زیادہ غور کریں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتیں تو مردوں کو چاہیئے۔ انہیں سمجھائیں۔ اور اگر کسی صاحب کو اس سے اختلاف ہو تو نہایت شوق سے مجھے سمجھائیں کیونکہ وہ مجھے انشاء اللہ صداقت کے ماننے کیلیئے طیار پائیں گے۔

مشاہدہ ہے کہ تمام معزز مسلمانوں کے گھروں میں عورتیں نہایت سختی کے ساتھ اس عقیدہ پر قایم ہیں۔ اور اگر جستجو کیجائے تو اکثر مرد بھی اس سے خالی نہیں ہیں۔ تیرہ تیزی مہینہ کے شروع تیرہ دنوں میں عورتیں کسی اچھے کام کو شروع نہیں کر سکتیں کیونکہ ان کے اعتقاد میں وہ کبھی مبارک نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح مرد بھی بچوں کے ختنہ کرانے کیلیئے محرم کے منتظر ہوتے ہیں۔ کہ عشرۂ اول محرم الحرام کا ان کے نزدیک اس کام کے لیئے (جو ایک حصۂ جسم کی شہادت کے متعلق ہے) بہت موزوں و مناسب ہے۔ سفر کرتے وقت میں نے اکثر پڑھے لکھے حضرات کو دیکھا ہے کہ جب تک وہ اپنا تمنا نہ چلتا ہو وہ کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ اور اگر سوء اتفاق سے قمر در عقرب ہو گیا تو پھر ڈھائی تین دن تک کیسا ہی ضروری اور اہم کام ہو وہ باہر نہیں جا سکتے۔ چنانچہ جنتریاں اٹھا کر دیکھ لیجئے جن میں ہر ماہ کے سعد و نحس ساعات و ایام کی فہرست شامل ہوتی ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عوام کس قدر اسکے پابند ہیں۔ اور کس قدر اس نوع کی اطلاعوں کی پبلک میں ڈمانڈ (مانگ) ہے وہ لوگ جو پڑھے لکھے ہیں اور ان سے اس مسئلہ میں گفتگو کی جاتی ہے۔ تو وہ اپنے اس عقیدہ کی موافقت میں دلایل بھی پیش کرتے ہیں۔ تجربات بھی۔ خیر تجربات کو تو چھوڑ دیجئے کہ وہ اتفاقات نہ داخل ہیں لیکن ہاں اُن کے براہین و دلایل ضرور غور طلب ہیں اور اسلیئے ہم سب سے پہلے انہیں کے دلایل کو بیان کرتے ہیں:

(۱) دلیل اول یہ ہے کہ کلام پاک میں اسکا ذکر ہے فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (ہم نے بھی ایام نحس میں انپر زور کی آندھی چلائی)

(۲) دلیل دوم یہ ہے کہ رسول اللہ کی حدیث بھی یہی چاہتی ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر انہ قال سمعت النبی صلعم یقول انما الشوم فی ثلثۃ فی الفرس والمرأۃ والدار (عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ گھوڑے۔ عورت۔ گھر ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے)

دلیل اول کے متعلق ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ کلام پاک میں کس انداز سے اس کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ سورۂ حٰم سجدہ رکوع ۲۔ میں یہ آیات ہیں جو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۝ إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ۝ (پس اگر اس قدر سمجھانے پر بھی کفار سرتابی کریں۔ تو اے پیغمبر تم ان سے کہدو کہ جیسی کڑک عاد و ثمود پر پڑی تھی۔ اوسی طرح کی کڑک سے میں تمہیں بھی ڈراتا ہوں کہ انکے پاس بھی ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے [illegible]

کثرت سے) پیغمبر آئے اور پیغمبروں نے انہیں سمجھایا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ وہ لگے کہنے کہ اگر ہمارے پروردگار کو پیغمبروں کا بھیجنا منظور ہوتا تو آسمان سے فرشتے اتارتا۔ الغرض جو دین تم لے کر بھیجے گئے ہو اُسے تو ہم تسلیم نہیں کرتے سو وہ جو عاد کے لوگ تھے لگے ناحق ملک میں تکبر کرنے اور بولے کہ قوۃ میں ہم سے بڑھ کر اور کون ہے۔ کیا انکو اتنا نہ سوجھا کہ جس اللہ نے انکو پیدا کیا وہ قوۃ میں ان سے کہیں زیادہ ہے۔ غرض وہ ہماری آیتوں سے انکار ہی کرتے رہے تو ہم نے بھی **نحوست کے دنوں میں** انپر بڑے زور کی آندھی چلائی تاکہ دنیا کی زندگی میں ان کی ذلت و خواری کے عذاب کا مزہ چکھائیں۔ اور آخرۃ کا عذاب اور زیادہ رسوا کرنے والا ہوگا۔ اور اُس وقت انہیں کسی طرف سے مدد نہ ملیگی)

اس مقام کے علاوہ ایک جگہ اور سورۂ ۵۴۔ رکوع ۱۔ میں ارشاد ہوتا ہے

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ۔ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ۔ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۔ (قوم عاد نے پیغمبروں کی تکذیب کی تو ہمارا عذاب اور ڈرانا دیکھو۔ اُسکا انجام کیسا ہوا۔ کہ ہم نے ایک منحوس دن میں جس کی نحوست کسی طرح ٹلنے نہیں ٹلتی تھی انپر ایک سخت آندھی چلائی۔ اور وہ لوگوں کو انکی جگہ سے ایسا اکھاڑ پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجور کے سٹنے ہیں۔ تو ہمارا عذاب اور ڈرانا دیکھو۔ اسکا انجام کیسا ہوا ؟)

اس میں کلام نہیں کہ بادی النظر میں سرسری دیکھنے والا ان آیات سے یہی سمجھے گا کہ بعض ایام منحوس بھی ہوتے ہیں۔ لیکن کلام پاک کے سمجھنے کا بہترین ذریعہ احادیث نبوی ہیں۔ اور جو وقت آپ ان سے مدد لیں گے تو معلوم ہوگا کہ نحس و منحوس کا حقیقی مدعا کیا ہے۔ انہیں آیات کی تفسیر میں۔ ابن عباس سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ایام نحسات سے مراد ہیں ایام متتابعات انزل اللہ فیھن العذاب۔ یعنے وہ ایام پے در پے آنے والے جن میں خدا نے کفار کے اوپر اپنا عذاب نازل کیا تھا)

ابن زید نے ایام نحسات کی تفسیر میں کہا ہے کہ النحس الشر ارسل علیھم ریح شر لیس فیھا من الخیر شیئ (نحس کے معنی ہیں برائی کے۔ کیونکہ جو طوفان قوم عاد پر آیا تھا اوسمیں سراسر برائی ہی برائی تھی۔ خیر بالکل نہ تھا)

ضحاک نے ایام نحسات کی تفسیر میں ایام شداد (سخت دنوں) سے کی ہے

ابن جریر کہتے ہیں کہ یوم نحس مستمر سے وہ خاص دن مراد ہے جس دن ان پر عذاب نازل ہوا تھا۔ اور وہ اسی معنی سے ان کے لیے منحوس و نامبارک تھا

اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین کسی خاص دن کو نحوس

سعید نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ایک دن کا منحوس ہونا صرف اس لحاظ سے کہا جاتا تھا کہ وہ کسی خاص قوم کے لیے باعث ہلاکت و تباہی ہوا۔ یعنی اس قوم کے لیے وہ دن منحوس تھا (خراب تھا سخت تھا) علاوہ اسکے یوم نحس اُس دن کو بھی کہتے ہیں جس دن بہت گرد و غبار ہو۔ اسیلئے اب یہ اعتراض کہ اللہ کا یہ فرمانا کہ ہم نے ایام نحسات میں کفار پر عذاب نازل کیا اس امر کو چاہتا ہے کہ ان ایام کی نحوست قبل نزول عذاب کے ثابت ہو دفع ہو گیا۔ رہگئی وہ حدیث جو عبد اللہ بن عمر سے روایت کی گئی ہے۔ اور جس میں عورت گھوڑے اور گھر کی نحوست کا ذکر ہے۔ اوسکی نسبت غالبًا علامہ عینی کا قول زیادہ قابل پذیرائی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ واقعی ان تینوں چیزوں میں نحوست ہو سکتی ہے۔ بلکہ رسول اللہ نے کفار عرب کے عقاید کو ظاہر کیا ہے۔ جو قبل بعثت اسلام یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ اور ان چیزوں میں نحوست کے قایل تھے اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں۔ جن میں رسول اللہ نے یہود وغیرہ کے عقاید و افسانوں کو ظاہر کر کے اُن سے احتراز کرنے کی تائید کی ہے۔ مگر اب یہی سمجھا جانے لگا ہے۔ کہ رسول اللہ خود ان کے قایل تھے۔ اور اسی لیے انہوں نے ان کا ذکر کیا۔ اس مسئلہ میں غالبًا حضرت عایشہ صدیقہ کی رائے جس قدر وزنی ہو سکتی ہے کسی کی نہیں۔ کیونکہ آپ رسول کریم کی بہت محبوب بیوی تھیں۔ اور ہر وقت کی صحبت نے آپکو بہت موقع اس امر کا دیا کہ احادیث کے صحیح معنی اور اقوال رسول کے مفہوم حقیقی سے وقوف حاصل کریں۔ چنانچہ اس خاص مسئلہ کی نسبت آپ فرماتی ہیں کہ شوال کا مہینہ عرب میں بہت منحوس سمجھا جاتا تھا۔ اور کوئی نیک کام اس مہینہ میں نہیں کیا جاتا تھا لیکن میری شادی رسول اللہ سے اسی مہینہ میں ہوئی۔ اور اسی مہینہ میں رخصت کی گئی۔ اب بتلاؤ کہ مجھ سے زیادہ قدر رسول اللہ کی نگاہ میں کس کی تھی؟" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عایشہ اس کی بالکل قایل نہ تھیں۔ چنانچہ علامہ عینی نے جو اُس حدیث کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ رسول اللہ نے صرف کفار کے عقیدہ کو ظاہر کیا ہے نہ کہ کسی واقعہ نفس الامر کا اظہار ہے۔ وہ بھی حضرت عایشہ صدیقہ ہی کے قول سے ماخوذ ہیں اور اسطرح کہ ایک دفعہ قبیلہ بنی عامر کے دو شخص حضرت عایشہ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہ رسول اللہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ۔ انما الشوم فی ثلثۃ، فی الفرس والمرءۃ والدار حضرت عایشہ نے فرمایا کہ قسم ہے اسکی جس نے محمد پر قرآن نازل کیا۔ رسول اللہ نے کبھی یہ نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے صرف بیان کیا تھا کہ ایام جاہلیت میں اہل عرب ان چیزوں سے شگون بد لیا کرتے تھے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو ان بیانات کی تکذیب کیجائے یا سرے سے اُن کے اقوال ہی تسلیم نہ کئے جائیں۔ صورت اول کیلئے غالبًا کوئی مسلمان مستعد نہیں ہو سکتا اور اگر صورت ثانیہ لی گئی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم استدلال کو بھی اسکی بنا پر رد نہ کریں

کہ رسول اللہ نے ایسا فرمایا ہی نہیں۔ ابن زید وابن عباس کوئی معمولی لوگوں میں نہ تھے کہ ان کی بات کی وقعت نہ کیجائے۔ اور اسی طرح حضرت عائشہ سے جو روایتیں منقول ہیں ضعیف و کمزور نہیں کہ رد کر دی جائیں۔ پھر جب صورت یہ ہے تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ایسی بات جزو عقاید کرلی جائے جسکا تعلق مذہب سے بالکل نہیں ہے اور جسکے خلاف نہ عقل نقلی ہے بلکہ احادیث معتبرہ بھی اسکی مخالفت کرتی ہیں۔ یہ عقیدہ صرف چھٹی صدی ہجری کے مسلمانوں میں داخل ہوا جب عجم کے اوضاع و اطوار سے مسلمان متاثر ہوئے اور جہاں بہت سی باتیں مسلمانوں میں پیدا ہوگئیں۔ وہیں یہ عقیدہ بھی پیدا ہوا۔ چنانچہ اس صدی سے پہلے کی کتابوں میں کہیں اسکا ذکر نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ اسکے تسلیم کرنے میں حرج کیا ہے جب وہ مذہب کے منافی نہیں معلوم ہوتا تو ہم کہیں گے کہ اول تو ہر اُس چیز کا داخل عقیدہ کرلینا جو واقعی اعتقادات صحیحہ سے خارج ہے معصیت ہے اور علاوہ اسکے سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس عقیدہ پر قایم رہنے سے ہمارے ارادوں کی قوت جاتی ہے۔ ہمارا استقلال فنا ہوتا ہے جو زوال کا پہلا زینہ ہے۔ اور جسکا نتیجہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ طبیعت کو پس و پیش کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ جو دلیل ہے اضمحلال عزایم کی۔ اسلام ان تمام لغویات سے بری ہے نہ اسکے ہاں کوئی دن منحوس ہے کہ اُس دن کام نہ کیا جائے۔ اور نہ کوئی خاص دن متبرک کہ آج کا کام اُس دن کے لیے اُٹھا رکھا جائے ◆

(نیاز فتحپوری)

ماخداداریم مارا ناخدا درکار نیست

ذیل کا بلیغ و دلکش مضمون ہمارے جدید معاون محترم حضرت کشاف کے سوز دروں کا مظہر ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام الفاظ کے چھلکوں میں سے معانی کا مغز نکالنے میں دقت محسوس نہیں کرینگے۔ حضرت کشاف کون ہیں اور کیا ہیں ہاں قوم کے ایک مخلص بہی خواہ اور ہمارے عزیز کرمفرما خود تو کشاف ہیں مگر اپنا انکشاف پسند نہیں کرتے۔ اسلیے ہم بھی انکی پرمعنی سکوت پرستی میں مخل نہیں ہونا چاہتے۔ علاوہ ازیں **ما قال** پر نظر رکھنے والوں کے لیے **من قال** کے معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے ◆

ایڈیٹر

ازمنۂ قدیمہ سے یہ دستور چلا آیا ہے کہ جب ایک مصلح جماعت دعوت حق کی تبلیغ کرتی اور خدا کے بندوں کو خدا سے ملاتی ہے۔ اور زمین والوں کو آسمان کا پیغام پہنچاتی ہے تو اسی جگہ کے چند گروہ اس تحریک کے دشمن بنجاتے ہیں۔ اور دعوت حق کو روکنے کے لئے سعی بلیغ کرتے ہیں اور اپنے آپکو راستی پر سمجھتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نو سال تبلیغ حق کرتے رہے اور بار بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مگر چونکہ وہ منجانب اللہ مامور ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ جب انکی قوم کی سرکشی حد سے زیادہ ہو گئی تو وہ ایسی بری طرح ہلاک ہوئی کہ اب ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اسی طرح تمام مبلغات حق کے سامنے بے شمار رکاوٹیں حائل ہوتی رہیں۔ مگر انہیں ان کی مطلق پروا نہیں ہوئی اور بالآخر اپنی سعی میں کامیاب ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے خیالات کا اظہار کیا تو سب سے پہلے ان کے والد اور رشتہ دار ان کے مخالف ہوئے مگر انہوں نے سب رشتہ تعلق کیک قلم اسی سے اپنا رشتہ جوڑا۔ اور دعوت کرتے رہے یہاں تک کہ بابل کے مشرک حکمراں نے انہیں آگ میں ڈلوا دیا۔ مگر وہ آگ گلزار بنگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب یہود کو فراعنہ مصر کے دست ظلم سے نجات دلانے کے لیے مامور کیے گئے تو وہ اپنی قوم کو جزیرہ نمائے سینا میں لائے۔ فرعون باوجود اپنی وسیع جمعیت اور بے شمار سامان کے حق پرستوں کی قلیل جماعت سے مقابلہ نہ کرسکا۔ اور غرق آب ہوا۔ حضرت موسےٰ نے اپنی قوم کو کہا کہ تم سرزمین شام کے وارث ہوگے اور بستیں اعداء سے مقابلہ کرنا ہوگا جس میں بالآخر فتح تمہاری ہوگی۔ مگر یہود چونکہ فراعین کی غلامی میں عرصہ دراز تک رہکر اپنے تمام قوت کو مضمحل کرچکے تھے اور غلامی انکی سرشت میں اثر کرچکی تھی۔ کہنے لگے کہ ہم تو نہیں لڑینگے کیونکہ عمالقہ بڑی بہادر قوم ہے۔ حضرت موسےٰ کے اصرار پر کہنے لگے کہ تم اور تمہارا خدا جاکر لڑو۔ ہم تو یہیں رہینگے۔ فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ۔ یہ بات انہوں نے کیوں کہی اسلیئے کہ فراعنہ کے ظلم و ستم سہتے سہتے وہ خودداری و جہاں سوزی تو ضایع کرچکے تھے۔ اور انہیں یقین نہ آتا تھا کہ کس طرح ہم کامیاب ہوسکیں گے۔ جب انکی سرکشی بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چالیس سال تک جزیرہ نمائے سینا میں سرگردان رکھا۔ یہاں تک تمام وہ لوگ جو مصر سے آئے تھے ضایع ہوگئے۔ اور انکی اولاد باقی رہگئی جس نے غلامی کی صورت بھی نہ دیکھی تھی۔ اور جس نے آزادانہ آب و ہوا میں پرورش پائی تھی۔ اس نئی پود کو لیکر پیغمبر بنی اسرائیل آگے بڑھے۔ اور کفار پر غلبہ حاصل کیا۔ دعوت حق کا ظہور ہمیشہ اسوقت ہوتا ہے جب تاریکی تمام دنیا پر چھا جاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے تمام دنیا پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا ضرورت تھی کہ دنیا کے وسط میں سے دعوت حق کا ظہور ہو۔ جو توحید کی صدا کو فضائے عالم میں نمودار کردے۔ عرب منتخب کیا گیا۔ اور رسول صلعم مبعوث ہوئے۔ ان کے خدا نے انہیں بتادیا کہ تم حضرت موسےٰ یا حضرت عیسےٰ کی طرح صرف مخصوص قوموں کے لیے نہیں ہو بلکہ تم رحمۃ للعالمین ہو۔ یہ نئی دعوت نہ تھی۔ بلکہ یہ وہی پیغام تھا جو مدت سے مرسل پہلے لیکر آئے تھے مگر اب دنیا کے کسی حصہ میں اسکا نشان باقی نہ تھا۔ آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کے بعد وہی مقدس گھرانا جسمیں رسول خدا پیدا ہوئے تھے۔ ان کا مخالف اور ہر طرح

کی ایذا دہی پر آمادہ ہو گیا لیکن حضور انور نے دعوت الی الحق اور تبلیغ صداقت کے فرائض بجا لانے میں مخالفوں کی ترہیب و تحریص کی کچھ پروا نہ کی - اور اپنے کام میں برابر مشغول رہے - چنانچہ حضرت ایک دفعہ درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے - اور تلوار ایک شاخ پر آویزاں کر رکھی تھی - اسی اثنا میں ایک مشرک آیا اور تلوار ہاتھ میں لیکر کہنے لگا کہ اے محمد اب تمہیں کون بچا سکتا ہے - اسوقت حضرت کے سامنے دو راستے تھے - ایک تو یہ اپنی جان کی خاطر عارضی طور پر اپنے عقیدہ کو چھوڑ دیں اور کہدیں کہ تو بچا سکتا ہے - یا یہ کہ صاف طور پر اپنا عقیدہ ظاہر کر دیں - لیکن حضرت نے دوسری صورت کو ترجیح دی اور بے ساختہ کہدیا کہ مجھے سوا خدا بچا سکتا ہے - مشرک کے ہاتھ سے تلوار فوراً گر گئی - پھر رسول اللہ نے تلوار اٹھا کر وہی سوال اس سے کیا - اسکے جواب نہ دینے پر کہا کہ "مجھے بھی وہی خدا بچا سکتا ہے جس نے آپکو بچایا" - یہی مشرک بعد میں اسلام کا زبردست حامی ہو گیا - رسول خدا نے صاف فرما دیا ہے کہ جب تم اپنے ایمان و عقاید کو ظاہر نہ کر سکو - تو ہجرت کر جاؤ اور غلبۂ اسلام کے بعد واپس آؤ - ابتدائے دعوت اسلام میں یہ حالت تھی کہ پیغمبر خدا کو خفیہ تبلیغ کرنی پڑتی تھی - اور جب کافی جماعت تیار ہو گئی تو اعلان حق کیا - بسا اوقات رسول اللہ کو کفار کی ایک جماعت سے ایک وقت میں صلح اور ایک سے مقابلہ کرنا پڑا - حاطب ابن ابی بلتعہ نے جب اسلامی رموز کو مشرکین مکہ پر ایک قاصد کے ذریعہ ظاہر کرنا چاہا تو وحی الٰہی نے فوراً اطلاع دیدی - اور اگرچہ تمام ان لوگوں کی سزا جو مسلمانوں کی مخبری کفار سے کریں - قانون اسلام نے موت رکھی تھی - مگر چونکہ بدری صحابہ میں سے تھے - اسلیئے جان بخشی کی گئی - کعب ابن اشرف یہود کا ایک زبردست شخص تھا جسنے پرستاران صداقت کو بے حد پریشان کر رکھا تھا - اور اسلام کے نشو و نما کے لئے ضروری تھا کہ یہ کانٹا راستہ سے ہٹا دیا جائے - چنانچہ فدائیان اسلام کی ایک جماعت نے اس دشمن اسلام کو خاموشی سے خاموش کرا ڈالا - ایسی بہت سی مثالیں رسول اللہ کی زندگی سے ملتی ہیں جو اس وقت بھی ہمارے لئے مفید ہو سکتی ہیں - رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے - بالآخر وہ دن آیا جب فتح مکہ نے اسلام کو مستحکم کر دیا - اور اسطرح اس قلیل جماعت نے جو بظاہر بے سر و سامان و ذلیل تھی - دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور مخالف ناکام رہے - اور ان کی زبردست جمعیت و خیل و حشم و روپیہ فرعون کی طرح ان کے کسی کام نہ آیا - قرآن کریم نے اس مخلص جماعت کی شان میں فرما دیا تھا - كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ اسکے حکم سے بسا اوقات چھوٹی چھوٹی جماعتیں کثیر جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں -

ہمارے لیڈر رسول اللہ ہیں

تمام مذاہب میں یہ امتیاز صرف اسلام کو ہے کہ اس نے تمام دنیا کے مسلمانوں کا صرف ایک لیڈر رکھا ہے - کیونکہ وہی قرآن کریم کی تعلیم کا عملی نمونہ ہے - تمام زمانوں کیلئے تمام باتوں کے لیئے تمام لوگوں کے لیے رسول اللہ ہی راہبر ہو سکتے ہیں یہی لیڈری تھی مسلمانوں کو بتا دیا کہ تمہارا کام تمام دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانا ہے مسلمانوں کو کہا گیا کہ یاد رکھو مسلمان غلام اور لونڈیاں بھی مشرکین و کفار سے افضل و برتر ہیں - قرآن کریم نے مسلم کو اسکے نزدیک افضل بتا دیئے - اور اسے تمام دنیا سے افضل بنا دیا - قومی خادموں کا درجہ بہت بڑا رکھا گیا - فضیلت کی بنیاد اخلاق حسنہ و علمیت پر رکھی - اللہ اور اسکے بندوں کے درمیان تمام حجاب ہٹا دئے گئے مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم پر عمل پیرا ہو کر اور رسول اللہ صلعم کے اسوۂ حسنہ پر چلکر ہم سب سے بڑے بن سکتے ہیں - قرآن کریم مسلمانوں کا قانون ہے جو اللہ نے مسلمانوں کا دستور العمل اور تمام دنیا کا قانون نجات بنا کر بھیجا مسلمانوں کو کہا گیا کہ ان الحکم للہ یعنی تمہارے لیے صرف اللہ کے احکام و قوانین کی پیروی ضروری ہے - اور دنیاوی قانون کی پیروی تمہارے لیے نہیں ہے چونکہ تم اللہ کے غلام ہو - اسلیئے صرف تمہیں اللہ کے قانون کی پابندی اور اسی قانون کو عام دنیا میں جاری کرنا چاہیئے - کسی شیطانی قانون کی پابندی تمہارے لیے ضروری نہیں ہے - اسی قانون کو من کل امر اسلام بتایا گیا - یعنی تمام دنیا کی سلامتی اسکے قانون کی پابندی میں مضمر ہے - کیسا پاکیزہ جذبہ تھا جو مسلمانوں میں پیدا کیا گیا زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسے رسول خدا نے نمایاں نہ کر دیا ہو - معمولی سے معمولی باتوں میں بھی مسلمانوں کو ان کا طرز عمل تبلایا گیا ہے صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ تم کنکریوں سے نہ کھیلا کرو - احادیث کو آجکل عموماً نظر انداز کیا جاتا ہے - حالانکہ قرآن کریم کی بہت سی آیات کا مطلب بہت سی جگہ احادیث سے نکلتا ہے - اور رسول اللہ کی زندگی کا ہر ایک قول و فعل احادیث میں موجود ہے آجکل مسلمانوں کے لیڈر قرآن و حدیث سے ناآشنا ہو کر مسلمانوں کو غار عمیق میں دھکیلتے ہیں - مگر مذہبی بیداری کے ساتھ لیڈروں سے سرکشی و بغاوت ہونے لگی ہے اور مسلمان آہستہ آہستہ اپنے واحد لیڈر کے نقش قدم پر چلنے کیلیے کوشاں ہو رہے ہیں - بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب ہم میں کوئی لیڈر نہ رہے گا - قوم کے سب خادم بنجائیں گے - اور سب دنیا کے سب سے بڑے انسان کی پیروی اپنے لیے باعث نجات سمجھیں گے - اخوت و حریت - اور مساوات کا جو سبق اسلام نے تیرہ سو برس سال قبل دیا تھا - اور جسپر قرون اولے

کے مسلمانوں نے عمل کر کے دکھا دیا تھا۔ وہ آج یورپ اپنے تمدن کے زمانہ کی حالت میں بھی نہیں دکھا سکا۔ یہ نسب رنگ قومیت کا امتیاز اسلام نے بالکل مٹا دیا تھا۔ اور نہ صرف لفاظی ہی سے بلکہ عملی طور پر اسے واضح کر کے دکھا دیا تھا۔ اللہ اکبر آج وہ زمانہ ہے کہ اسی اسلام کو مغرب کے نظم و نسق کی تقلید کا سبق دیا جاتا ہے۔ اسلام میں کوئی چیز غیر مکمل نہیں اور اسوقت ترقی یافتہ قومیں اسلام کی پیروی پر اپنے آپکو مجبور پاتی ہیں۔ یورپ میں اقتصادی تنازعات جس قدر طوفان برپا کرتے رہتے ہیں۔ اسکا اسلام نے نہایت ہی مستحسن طریق سے سد باب کیا ہے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسے اشتراکیت کے روز افزوں طوفان کا قطعاً بھی خوف نہیں۔ دنیا کے زبردست انقلابات جنہوں نے تمام مذاہب قدیمہ کی ساخت بدلدی۔ اسلام میں آکر جذب ہو گئے۔

تاتاری حملہ کے بعد کسے امید تھی کہ اسلام باقی رہے گا۔ مگر وہی تو رجو اسلام کے استیصال کا مشن لیکر آئی تھی۔ خود ہی اسلام کی پاپوش بن گئی۔ ہمارے مصنوعی لیڈروں نے قوم کی ترقی کو روک رکھا تھا۔ اور اسے تباہی کے کنارے پہلے آئے تھے۔ مگر مذہبی بیداری نے ساتھ مسلمانوں نے ان افراد قوم سے پیچھا چھڑایا۔ کیونکہ انہیں خدام ملت نے جتا دیا کہ ہمارے لیڈر رسول اللہ ہیں۔ اور انہیں کے اسوۂ حسنہ پہ چلنا ہماری دینی و دنیوی ترقی کا کفیل ہے اور اسی میں ہماری نجات مضمر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے کہ مسلمانوں کے آخری حصہ کی اصلاح فقط اسی چیز سے ہوگی جس سے ان کے پہلے حصے کی ہوئی تھی۔ قرآن کریم میں خداوند تعالےٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ہم نے رسول کو قانون حق دے کر اسلئے بھیجا کہ اسلام کی صداقت تمام ادیان عالم پر غالب آجائے۔ اور یہ بات کفار کے لئے تکلیف دہ ہے اسلام نے تمام ادیان سابقہ کو منسوخ کر دیا۔ اسی دعوت کا نتیجہ تھا۔ کہ مسلمان رسول خدا کی وفات کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد ایکطرف تو مغربی قطعے تک پہنچ گئے اور دوسری طرف چین کے مشرقی ساحل پر اپنا جھنڈا گاڑ آئے۔ اسی دعوت حق کو لیکر حضرت محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں آئے۔

غیر مذاہب کی اصلاح اسلام کے زیر اثر ہوئی

عیسائیت کا اصل رنگ ابتدا ہی سے بدل گیا تھا۔ جبکہ شاہان رومی نے سیاسی رنگ اسپر چڑھا دیا تھا۔ اور مشرکانہ رسوم و بت پرستی اسمیں شامل کر دی تھی جلم اقوام کا احیا پہلے علمی بیداری سے ہوا ہے۔ علمی بیداری کا نتیجہ احساس ہے اور اسی احساس نے عیسائیوں کو اپنے مذہب کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا چنانچہ لوتھر نے اندلس کی سرزمین میں رہکر اسلام کی تعلیم دیکھ لی تھی۔ اور اس کا اثر لوگوں کے اخلاق و افعال پر مشاہدہ کر لیا تھا۔ اس نے عیسائیت کو نئے رنگ میں ڈالا۔ اور مشرکانہ رسوم و بت پرستی کی بیخ کنی کی۔ تو تھر کو پوپ سنگ تحمر کرتا تھا۔ یورپ کے سمجھدار عنصر نے جلد اس دعوت کو قبول کر لیا۔ پھر اسلامی علوم و تراجم نے یورپ کی آنکھیں کھولدیں۔ خصوصاً حرب صلیبیہ نے اسلام کے اثر کو وحشیان یورپ پر اچھی طرح نمایا کر دیا۔ بدھ مذہب میں بھی اسلام کے زیر اثر بہت سی اصلاح ہوئی۔ اور اسوقت چین میں اسلامی عنصر کی بڑی قوت ہے۔ ڈاکٹر سن یت سن نے مسلمانوں کی گزشتہ انقلابات میں خدمات کا اعتراف کیا تھا۔ اسلام نے بدھ مذہب والوں میں رواداری کی رسم پیدا کر دی ہے اسلام چین میں سرعت سے پھیل رہا ہے۔ اور اگر سچی تبلیغ سے کام لیا جائے تو تمام سرزمین چین میں صدائے توحید سنائی دے سکتی ہے۔ ہندو مذہب میں بھی اسلام نے تغیر عظیم پیدا کر دیا چنانچہ اسکا اعتراف ایک معتبر آدمی ہندو نے کیا ہے۔ راجہ رام موہن رائے کی اصلاحی تحریک آریہ سماج کی تدوین کا خیال گرونانک صاحب کی تبلیغ یہ سب باتیں اسلام کے زیر اثر ہوئیں۔ برہمو سماج میں اسلامی رنگ نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اور راجہ رام موہن رائے نے اپنی قوم کے آگے رسول اللہ کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ہندوں میں تصوف کا احساس صرف اسلام نے ہی پیدا کیا ہے۔ یورپ کے ملحد جو کسی قسم کی حکومت کے خواہاں نہیں۔ اسلام کی جمہوریت کے مداح ہیں۔ اور اس کا اعتراف انہوں نے اپنی کتب میں نہایت فراخدلی سے کیا ہے۔

اسلام کا مستقبل عظیم الشان ہے

ناکامیوں ہی نے کامیابی کی راہ نکالی ہے۔ کسکو خیال ہو سکتا تھا کہ ہادی برحق کا پیغام تمام دنیا میں اس سرعت سے پھیل جائے گا کہ تمام اکناف عالم میں اذان کی آواز سنائی دیگی۔ ابو مسلم خراسانی کوئی غیر معمولی شخص نہ تھا اس نے جس غیر معمولی قابلیت کا ثبوت دیا وہ تاریخ کے صفحات پر آج تک نمایاں ہے۔ یعقوب صفار کو دیکھئے معمولی شخص ہے۔ محلوں کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ زمانہ اسپر ہنستا تھا۔ وہی یعقوب صفار ایران کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ تاریخ اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی ... نفس قدسی بندوں کو خدا سے ملانا چاہتا ہے۔ اسوقت بہت زبردست ہستیاں اسکی مخالف ہو جاتی ہیں۔ مگر ناکامیوں کے بعد اس نفس قدسی کی جماعت کامران

ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو اللقون) یہی لوگ فلاح یعنی خلافت پانے والے ہیں) اسلام نے اپنے پیرووں کے جذبات کی بنیاد مذہب کی مضبوط چٹان پر رکھی تھی۔ ہندوؤں نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا۔ چنانچہ اب ہندو بچوں کو گیتا پڑھائی جاتی ہے۔ میزینی اٹلی کا نامور مصلح گزرا ہے۔ اسنے اپنے ہم مذہبوں سے مذہب پر استقلال سے قائم رہنے کی اپیل کی ہے اور جاپان اسی کا رونا رو رہا ہے۔ زمانہ کی ترقی کے ساتھ اسلام کو ترقی ہوئی ہے۔ اور خدا کا آخری پیغام جو تمام دنیا کے امن و امان کا کفیل ہے۔ اور جس کی مخالفت کرنے والے مفسدین کے لقب سے ممتاز کئے گئے ہیں۔ اب بھی اسی آب و تاب سے اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے۔ مگر جب تک آتش دان خود گرم نہ ہو کمرہ کیسے گرم ہو سکتا ہے۔ مسلم جب اپنی اصلاح نہ کرینگے وہ اور لوگوں کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ مسلمان مغرب سے کچھ نہیں لے سکتے۔ سب کچھ ان کے گھر میں موجود ہے۔ قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہو کر۔ اور مشاہیر اسلام کے طرز عمل کو پیش نظر رکھ کر مسلمان پھر زندہ ہو سکتے ہیں کیونکہ تمام اقوام میں یہ شرف مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص ہے کہ وہ گر گر کر حیرت انگیز طور پر ابھر سکتے ہیں۔ خدا ہمیں مسلمان بننے کی توفیق دے۔

(کشاف)

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

یہ قول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی کتاب گلستان میں ہے اور بہت مشہور ہے۔ اس مقولہ کے سمجھنے میں عموماً غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شیخ سعدی نے جھوٹ کو ایک حالت خاص میں درست بتایا ہے۔ حالانکہ اس مقولہ میں کذب مصلحت آمیز کی تعریف مقصود نہیں ہے بلکہ راستی فتنہ انگیز کی برائی بیان کرنا مقصود ہے۔ اور کہنے کا صرف یہ منشاء ہے کہ راستی فتنہ انگیز سے ہر حالت میں احتراز لازم ہے۔ یہ بری چیز ہے کہ بعض بعض حالتوں میں کذب ایسی بری چیز سے بھی جو کسی حالت میں جائز نہیں ہے اسکی برائی بڑھ جاتی ہے۔ یعنی جھوٹ تو ہر حالت میں جھوٹ ہے۔ اور برا ہے مگر بعض صدق بیانی محض جھوٹ سے بھی بدتر ہوتی ہے۔

اکثر علمائے اسلام کی یہ رائے ہے کہ کسی حالت میں انسان کو جھوٹ بولنا روا نہیں ہے۔ حتی کہ حالت جنگ میں بھی مسلمان طبقۂ اولین جھوٹ نہیں بولتے تھے مسلمان لڑائی میں خدعہ کرتے تھے۔ مثلاً انہیں لڑائی پر جانا ہوتا تھا تو کبھی کبھی بجائے گھوڑوں کے اونٹوں پر زین رکھتے تھے۔ تاکہ یہ مشہور ہو کر ارادہ سفر ہے نہ کہ ارادہ جنگ ہے۔ یا یہ کہ پورب جانے کا وہ ارادہ کرتے تھے۔ تو سامان پچھم روانہ کرتے تھے۔ تاکہ فریق مخالف کے مخبر مسلمانوں کے ارادہ سے واقف نہ ہوں۔ یا یہ کہ وہ دشمن کو نقصان پہونچانے جاتے تھے اور صورت عمرہ کرنے والوں کی سی بنا لیتے تھے۔ تاکہ دشمن بیدار نہ ہوں۔ مگر صریح جھوٹ بات کا منہ سے نکالنا وہ کسی حالت میں بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ کہنے کا یہ منشا نہیں ہے کہ طبقہ اولین کے کسی مسلمان نے حالت جنگ میں کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ ہر قسم کے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی اسوقت تھے۔ کہ حالت جنگ میں کیا حالت امن میں جھوٹ نہیں بولتے تھے لیکن یہ بہت کم تھے۔ اور ان کے افعال و اعمال قابل سند نہ تھے۔ صحابہ کرام رسول اللہ کے افعال اور اقوال قابل سند ہیں۔ حالت جنگ میں بھی دیدہ و دانستہ جھوٹ بولنا معیوب جانتے تھے۔ اور آنحضرت محمد رسول اللہ نے جو شریعت جاری کی تھی اسکی تعلیم یہ تھی کہ کسی حالت میں بھی صریح جھوٹ نہ بولنا چاہیئے۔ مسلمانوں کو اس امر پر ناز ہے کہ اسلامی اخلاق نے کسی حالت میں بھی جھوٹ بولنا روا نہیں رکھا ہے۔ غرضکہ کثرت رائے اسپر ہے کہ کذب بیانی ہر حالت میں گناہ ہے۔ لیکن گناہ کے مدارج میں کبیرہ اور صغیرہ میں بھی مدارج ہیں۔ بعض صغیرہ گناہ ایسے ہیں جو بہت ہی کم معیوب ہیں۔ ایسے جھوٹ بعض حالتوں میں کم معیوب ہو سکتا ہے۔ لیکن عیب سے پاک کسی حالت میں نہیں ہے۔ کبیرہ گناہوں کے مدارج ہیں۔ مثلاً شراب پینا ہر حالت میں گناہ ہے اور عیب ہے لیکن شراب پینے کا گناہ اوس حالت میں بڑھ جائے گا۔ جب شراب چوری سے حاصل کیجائے۔ یا شراب پی کر دیگر افعال قبیحہ کا ارتکاب کیا جائے۔ اور اسلیئے اگر یہ کہا جائے کہ "زید جو شراب خرید کر پیتا ہے اور پی کر اپنے گھر میں چپ چاپ بیٹھتا ہے۔ بکر سے بہتر حالت میں ہے۔ جو چوری کی شراب پیتا ہے اور پی کر افعال قبیحہ کا مرتکب ہوتا ہے" تو بالکل درست ہوگا۔ لیکن اس سے زید کی تعریف مقصود نہ ہوگی۔ بلکہ بکر کی مزید مذمت مقصود ہوگی۔

مزید توضیح کے لیئے راستی فتنہ انگیز کا مفہوم بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ بہتان اور غیبت میں جو فرق ہے اسکے بیان کرنے سے راستی فتنہ انگیز کے معنی سمجھ میں آجائیں گے کسی شخص کو اسکے پیٹھ پیچھے برا کہنا غیبت ہے۔ اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔ چور کو چور کہنا شراب خوار کو شراب خوار کہنا زنا کار کو زنا کار کہنا۔ قمار باز کو قمار باز کہنا۔ بجز ان خاص ضرورتوں یا حالتوں کے جنہیں جواز کا فتویٰ شرع نے دیا ہے معصیت ہے۔ کیوں؟ اسلیئے کہ ایسی راست بیانی فتنہ انگیز ہوگی۔ لوگ اسے سنکر اس شخص سے نفرت کرینگے۔ جس کی برائی کیجائے گی۔ اور اگر وہ خود سنے گا کہ اسکی غیبت کی گئی ہے۔ تو غیبت کرنے والے سے وہ لڑے گا۔ اور اسطرح اخوت اسلامی میں فرق پڑے گا۔ اور تمدن میں فساد واقع ہوگا۔ یہ نہ کہنا چاہیئے کہ کسی کے پیچھے جو

کا بیان کرنا غیبت نہیں ہے کسی کی برائیوں کا اسکے پیٹھ پیچھے بیان کرنا غیبت ہے، اور غلط باتیں کسی کی طرف منسوب کیجائیں تو یہ غیبت نہیں ہے۔ بہتان ہے جو غیبت سے بدتر ہے۔ بہتان اور غیبت میں جو لوگ امتیاز نہیں کرتے وہ غلطی پر ہیں غرضکہ غیبت بھی راستی فتنہ انگیز کا ایک شعبہ ہے۔ اسکے علاوہ سچی باتیں بذریعہ نمامی بیان کرنا یا ایک کو دوسرے سے محض سچی باتیں کہہ کر لڑوا دینا بھی راستی فتنہ انگیز کی ایک صورت ہے۔ شیخ سعدی اپنے مقولہ میں مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں کہ تم لوگ غیبت کرنے نمامی کرنے یا ایکدوسرے کو لڑوانے میں محض اسلئے بیباک نہ رہو کہ تم جھوٹ نہیں بولتے۔ تمہاری یہ راست بیانی شر کی جرم میں داخل ہے۔ اور بعض بعض حالتوں میں تو تمہاری راست بیانی سے جھوٹ ایسی بری چیز بھی بہتر ہوسکتی ہے۔ یعنی تم سے اس سچ بولنے کی وجہ سے اس شخص سے زیادہ سخت مواخذہ کیا جائے گا۔ جسکے جھوٹ بولنے سے فساد نہیں پھیلتا۔ یہ فساد کم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شیخ نے اپنے مقولہ میں فتنہ انگیز راست بیانی سے منع کیا ہے۔ کذب بیانی کے جواز کا وہ کسی حالت میں فتویٰ نہیں دیا ہے۔

شیخ سعدیؒ کی گلستان زبان فارسی میں مواعظ اسلامی کی بہترین کتاب ہے لیکن اسکا سمجھنا بہت آسان نہیں ہے۔ بچوں کو یہ اسلئے نہیں پڑھائی جاتی کہ وہ اسے پوری طور پر سمجھ جائینگے۔ بلکہ محض اسلئے پڑھائی جاتی ہے کہ ان کے کان شروع ہی میں ملفوظات سے آشنا ہوجائینگے تو سن شعور کو پہنچکر وہ سمجھتے رہینگے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ تمام کتابیں ختم کرنے کے بعد لوگوں کو چاہیئے کہ گلستان کو اکثر دیکھا کریں کہ یہی وقت اسکے سمجھنے کا ہے۔

سعدی کے مقولہ کی تشریح ہوگئی۔ مگر بعض کتابوں میں صریح طور پر وہ مواقع بیان کئے گئے ہیں۔ جہاں جھوٹ بولنا درست ہے۔ اسلئے یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے۔ کہ بعض کتابوں میں جو مواقع جواز کذب بیانی درج ہیں۔ اور اس سے کذب بیانی مطلق کی ناجوازی پائی نہیں جاتی۔ تو یہ مذہب جمہور ائمہ اسلام نہیں ہے بلکہ اسی لئے شرع میں لکھا گیا ہے کہ اکثر علمائے اسلام کی یہ رائے ہے کہ انسان کو کسی حالت میں جھوٹ بولنا روا نہیں ہے۔

قرآن پاک میں کذب صریح کے جواز کی کوئی صورت مذکور نہیں ہے۔ جامع ترمذی کے باب ماجاء فی الرخصة فی الکذب میں ایک حدیث ہے قال رسول الله صلعم الحرب خدعة۔ خدعہ کے معنے صراح میں مکروفریب لکھے ہوئے ہیں۔ رجل خُدَعَةٌ مثال هُمَزَة ... آنکہ مردم را فریبد۔ ورجل خُدْعَةٌ بالتسکین آنکہ مردم اورا فریبند۔ اس حدیث کے معنے ظاہر ہیں کہ لڑائی شے ہی

ایسی ہے کہ اس میں فریب کیا جائے۔

فقیہ ابواللیث سمرقندی نے تنبیہ الغافلین کے "باب الزجر عن الکذب" میں لکھا ہے

(۱) قال رسول الله علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر وان البر یهدی الی الجنة ... وایاکم والکذب فان الکذب یهدی الی الفجور وان الفجور یهدی الی النار +

(۱) رسول اللہ نے فرمایا کہ راست بیانی اختیار کرو کہ وہ نیکی کی طرف لیجاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لیجاتی ہے ...... کذب بیانی سے بچو کہ یہ فجور کی طرف لیجاتا ہے۔ اور فجور دوزخ کی طرف + + + + + +

(۲) قیل یا رسول الله ایکون المؤمن جبانا قال نعم۔ فقیل له ایکون المؤمن بخیلا۔ قال نعم۔ قیل له ایکون المؤمن کذابا قال لا +

(۲) آنحضرت سے پوچھا گیا کہ مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپنے فرمایا ہاں پھر پوچھا گیا کہ مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپنے فرمایا ہاں۔ پوچھا گیا کہ مومن کذاب ہوسکتا ہے؟ آپنے فرمایا نہیں +

(۳) قال رسول الله لا یصلح الکذب الا فی ثلث فی الحرب لان الحرب خدعة والرجل یصلح به بین الاثنین والرجل یصلح به بینه وبین امرأته

(۳) رسول اللہ نے فرمایا جھوٹ جائز نہیں مگر تین صورتوں میں لڑائی میں کہ وہ فریب ہے اس شخص کے لیے جو اسکے ذریعہ دو میں صلح کرادے۔ اور اس شخص کے لیے کہ وہ اسکے ذریعہ اپنی بی بی اور اپنے آپ میں صلح قائم کرے +

ان تینوں حدیثوں میں پہلی تو محتاج تشریح نہیں ہے۔ دوسری کا مطلب ظاہر ہے کہ بخل اور بزدلی ایسے اخلاق ذمیمہ مسلمانوں میں ہوسکتے ہیں۔ لیکن کذب بیانی کو اسلامی اخلاق میں ذرا گنجایش نہیں ہے۔ کذب کی ناجوازی مطلق اس سے زیادہ تر زوردار لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتی۔ ہاں تیسری حدیث البتہ غورطلب ہے اگر وہ حدیث صحیح مانی جائے تو پھر کوئی دقت پیدا نہیں ہوتی۔ البتہ اس کے صحیح ہونے کی حالت میں اختلاف کی گنجایش ہوتی ہے۔ ایک ترجمہ تو اسکا اوپر لکھا گیا ہے۔ لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ میں یوں ترجمہ کروں "جھوٹ بولنے سے کبھی اصلاح نہیں ہوسکتی مگر تین مواقع پر۔ حالت جنگ میں کہ جنگ جائے فریب ہے۔ اس شخص کے لیے جو ... بالکل اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اور اس شخص کے لیے جو جھوٹ بولکر اپنی بی بی سے صلح کرنا چاہتا ہو" لفظ یصلح جو حدیث میں آیا ہے۔ اسے یُصْلِحُ پڑھئیے جب ہی ان دونوں معنوں کی گنجایش رہتی ہے۔ اور اگر اسے یُصَلِّحُ پڑھئیے تو صرف وہی معنی ہوسکتے ہیں جو پہلے لکھے گئے ہیں۔ اور میرے

قول کی تائید میں پھر کچھ زاید کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یعنی صرف تین صورتیں ایسی ظاہر ہوتی ہیں جن میں جھوٹ سے نفع ہوتا ہے نقصان نہیں ہوتا۔ لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ ان صورتوں میں اسلیئے کہ نفع دینا ہوتا ہے جھوٹ اخلاقی جرم نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ میرے عقیدہ سے میں شرع نے کسی حالت میں جھوٹ بولنے کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اور اس زمانہ میں کہ جھوٹ بولنا کسی حالت میں معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ قوم کے سامنے مختلف فیہ مستثنیات کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔

میں اس بحث کو ناتمام چھوڑتا ہوں۔ اور مجھے اسکا افسوس ہے کہ اس ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق مجھے لازم تھا کہ تمام مشاہیر ائمہ اور فقہا کے مقولات اور دلائل بھی بیان کرتا لیکن کم فرصتی اور کتابوں کی کمی کی وجہ سے میں اپنا ارادہ پورا نہ کرسکا۔ ممکن ہے کہ کسی دوسری تحریر میں میں اپنا ارادہ پورا کروں ✦

(ابوالفضل **محمد احسان اللہ** عباسی)

توہمات

جسطرح مادی نجاسات اور میل کچیل جسمانی امراض کا موجب ہوتے ہیں اسی طرح اوہام اور خرافات اور باطل خیالات جو روحانی نجاسات ہیں۔ نفسانی امراض کا باعث ہوتے ہیں۔ اسلئے نہایت موثر وسایل کے ساتھ ان کے زائل کرنے کی کوشش جاری رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوگا اور نفسانی صفائی اور پاکیزگی کا لحاظ نہ رکھا جائے گا تو روحانی نجاسات مجتمع ہوکر نفس کو بیمار کردیگی۔ اور اُسکو اپنے فرایض کے ادا کرنے کے قابل نہ چھوڑیگی۔ مشاہدہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ بعض اوقات ایک باطل وہم یا غلط خیال نفس کو عارض ہوکر اکثر فضایل سے اسکو محروم کر دیتا ہے اور ان فضایل سے محروم ہونا ایسے امراض کا مورث ہوتا ہے۔ جو بزدلی اور بغض وحسد کے نام سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ مہلک امراض وہ ہیں جن کے زایل کرنے کی کوشش میں علمائے اخلاق اپنے تمام قیمتی اوقات صرف کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اوہام اور خرافات سے بچنے کی ایسی ہی تاکید کرتے ہیں جیسی زہریلی سانپوں۔ اور درندوں سے بچنے کی۔ ان کی رائے ہے کہ گزشتہ صدیوں میں جس قدر فتنے اور فساد دنیا میں برپا ہوئے ہیں ان کا صرف یہی باعث تھا کہ اس زمانہ کے لوگ ان تمام باتوں کو جو ان کے سامنے بیان کیجاتی تھیں۔ بلاچون چرا تسلیم کرتے۔ اور انکی تعمیل کرتے تھے۔ اگرچہ ان کی تائید میں کوئی دلیل نہ بیان کی گئی ہو۔

مذہب اسلام نے علمائے اخلاق سے بہت پہلے ان قواعد کو منضبط کیا ہے اس نے اپنے پیرووں کو اوہام کی گمراہیوں میں مبتلا ہونے سے ڈرایا ہے۔ اور انکو دکھلایا ہے کہ اکثر باتیں جن کی طرف لوگ دعوت دیتے ہیں عقل کو عیب لگانے والی اور حق سے دور پھینکنے والی ہوتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

"وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ"

اور (اے پیغمبر) اکثر لوگ دنیا میں ایسے ہیں کہ اگر انکے کہے پر چلو تو تم کو راہ خدا سے بھٹکا چھوڑیں تو صرف اپنے ذہنی خیالات پر چلتے اور نری اٹکلیں (تیکے) دوڑاتے ہیں"

اور آگاہ کیا ہے کہ قیامت کے دن انسان کو خدا کے سامنے جوابدہی کے واسطے کھڑا ہونا پڑے گا۔ اور جو غلط خیالات بغیر کسی دلیل کے اُس نے اپنے عقائد میں شامل کرلیئے ہیں۔ ان کی بابت بازپرس کی جائے گی اس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے۔

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا"

"اور (اے مخاطب) جس بات کا تجھ کو علم (یقینی) نہیں (اٹکل پچو) اسکے پیچھے نہ ہولیا کرو (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ان سب سے قیامت کیدن پوچھ پاچھ ہوگی

اسکے بعد ہمارے سامنے گمراہوں کا حال بیان کیا ہے۔ اور ہم کو دکھلایا ہے کہ یہ گمراہی صرف وہم اور گمان کی پیروی کا نتیجہ ہے اور ان کو انجام کی خرابی سے متنبہ کیا ہے۔ فرمایا ہے:۔

"وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُونَ"

اور ان لوگوں میں اکثر تو بس اٹکل پر چلتے ہیں۔ سو اٹکل کے تکے حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتے جیسی جیسی (نادانیاں) یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اللہ اُن سے خوب واقف ہے ✦

"ماخوذ از المدنیۃ والاسلام"

(مصنفہ **علامہ فرید وجدی**)

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

لوگوں کو قصے سنایا کرو تاکہ وہ غور و فکر کرنے لگیں

القصص

حضرتِ سلیمانؑ و ملکہ بلقیسؑ

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (نمل۔ ع ۲۔ پ ۱۹) اور ہم نے داؤدؑ اور ان کے بیٹے سلیمانؑ کو (ہر طرح کا) علم عطا کیا (اس عطیہ کے بدلے میں) دونوں نے کہا۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اپنے بہت ایمان والوں بندوں پر فضیلت دی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اولوالعزم نبی کے انیس[۱۹] بیٹے تھے۔ انمیں سب سے زیادہ قابلیت اور خداداد لیاقت حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کو عطا فرمائی گئی تھی ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

اسی بنا پر داؤد علیہ السلام نے اپنی حکومت کے چالیسویں[۴۰] سال حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنا ولیعہد مقرر کیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد بائیس[۲۲] سال کی عمر میں حضرت سلیمان علیہ السلام والد کی جگہ تخت حکومت پر جانشین ہوئے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ ۖ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝ (نمل ع ۲ پ ۱۹) اور سلیمانؑ داؤدؑ کے جانشین ہوئے اور کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں تک کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہم کو ہر طرح کے ساز و سامان عطا فرمائے گئے ہیں۔ بیشک یہ (اللہ تعالیٰ کا) صریح فضل ہے۔

سلیمان علیہ السلام کی حکومت زبردست انکی سلطنت بے حد وسیع اور مستقل تھی۔ دنیا کی اکثر جماعتوں پر یہ حکمران تھے۔ اور دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ انکو جزیہ دیتے تھے۔ عمون۔ کنعان۔ موآب۔ فلسطین۔ ارمن وغیرہ شام کے بادشاہ ان کے باجگذار تھے۔

نامور بادشاہوں کی بیٹیاں آپکے نکاح میں تھیں۔ منجملہ ان کے فرعون مصر کی صاحبزادی بھی آپ کے رشتہ ازدواج میں منسلک تھیں۔

حسن و جمال۔ زن و فرزند۔ اقبال و دولت۔ علم سائنس۔ علم قضا۔ علم کیمیا سب کچھ واہب حقیقی نے انکو عطا فرما رکھا تھا۔

مختلف اقوام اور مختلف ملکوں کے انسانوں کے بادشاہ ہونے کے علاوہ چرند پرند۔ حیوانات۔ جنات۔ نیز ہوا بھی آپ کے قبضۂ تصرف میں تھی۔ جنات اور ہوا کا مسخر ہونا حضرت سلیمانؑ کی خصوصیات میں سے ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی تھی کہ پروردگار عالم مجھے ایسا ملک عطا فرما۔ جو آجتک کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝ (ص ۳ پ ۲۳) اے خدا میری مغفرت فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے شایاں نہ ہو۔ بیشک تو بڑا فیاض ہے۔

بارگاہ ایزدی میں آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی۔ بنی نوع انسان اور حیوانوں کے بادشاہ ہونے کے علاوہ ہوا۔ اور جنات کا مسخر و منقاد ہونا اسی دعا کا ثمرہ ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝ (ص ع ۳ پ ۱۹) پس ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا جہاں وہ جانا چاہتے ان کے حکم کے مطابق (اس طرف ہوا) نرمی سے چلتی اور جتنے دیو معمار اور غوطے خور تھے اور دوسرے دیوؤں کو جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔ ان سب کو مسخر کر دیا یہ ہماری بے حساب دین ہے (اے سلیمانؑ) اب تم لوگوں پر احسان کرو خواہ اسکو اپنے پاس رکھے رہو۔ بیشک سلیمانؑ کو ہماری جناب میں تقرب الٰہی اور اچھا مرتبہ ہے۔

صاحب کشاف رح لکھتے ہیں۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اس قدر کثیر التعداد اور وسیع تھا کہ دس ہزار کوس میں پڑا رہا کرتا تھا با وجود اتنا یا د...

رت لشکر کے انتظام و ضبط اس درجہ قابل ستائش تھا۔ کہ لشکر میں کسی طرح کی پریشانی اور ابتری نہیں ہونے پائی تھی۔

ہر ایک لشکر کا سر گروہ نقیب و سردار مقرر تھا۔ جو اپنے ماتحت فوج کا ہر طرح نگران حال اور ان کے ضبط کو قائم رکھتا تھا۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ اور سلیمانؑ کے آدمیوں پرندوں اور جنات کے جس قدر لشکر تھے۔ وہ ان کے سامنے (نمل ع ۲ پ ۱۹) (اکٹھے کر دئیے گئے اور ان کی) جماعت وار کھڑے کئے گئے۔

جب سلیمان علیہ السلام نے لشکر کا معاینہ کر لیا۔ اور مع اہل و عیال خدم و حشم کے سرزمین ملک یمن کی طرف روانہ ہوئے تو اثنا راہ میں مدینۃ الرسول صلے اللہ علیہ وسلم پر گزر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مدینہ نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کا دار ہجرت ہے۔

آپ پر جو شخص ایمان لائے گا۔ اور آپ کی اتباع کرے گا۔ وہ خوش نصیب ہے پھر خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ یہاں آپنے بتوں۔ سنکھ اور باجوں کو دیکھا۔ آپ نے کچھ التفات نہ کی اور یہاں سے چلے گئے آپ کی عدم توجہی اور بے التفاتی کی وجہ سے خانہ کعبہ کو بہت قلق و صدمہ ہوا۔ زبان حال سے بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ یا اللہ تیرا نبی سلیمانؑ میرے پاس سے ہو کر گزر گیا ہے۔ اور اسکا لشکر میرے سامنے سے چلا جاتا ہے۔ وہ تیری مقدس سرزمین پر نماز تک نہیں پڑھتا۔ اسکے جواب میں ارشاد باری ہوا کہ اے حرم مقدس! تو دلگیر نہ ہو عنقریب میں تجھے رکوع و سجدہ کرنے والے مسلمان بندوں سے بھر دوں گا۔ نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کو تیری ہی سرزمین پر پیدا کروں گا۔ جو جملہ انبیاء سے افضل و بہتر ہیں۔ جنکے بعد نبوت و رسالت ختم ہو جائیگی وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ تیری طرف حج کے ایام میں دور دراز مقامات سے لوگ ایسے شوق سے آئیں گے جیسے فاختہ اپنے بچوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ بتوں کا نام و نشان تک باقی نہ رکھوں گا۔ بت پرستوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا۔ اور پھر دن رات ہماری ذات بے نیاز کی عبادت ہوا کرے گی (معالم التنزیل)

پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام وادی نمل میں (جو طائف کے جنوبی علاقہ میں واقع ہے) پہنچے۔ تو ایک چیونٹی نے اپنی قوم سے للکار کر کہا۔

يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ (نمل ع ۲ پ ۱۹) اے چیونٹیوں! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ مبادا سلیمانؑ اور سلیمانؑ کے لشکر تم کو کچل ڈالیں۔ اور انکو خبر بھی نہ ہو۔

چیونٹی کی بات سنکر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہنسی آئی۔ چیونٹی کو اپنے پاس بلایا اور دست مبارک میں اٹھا کر فرمایا۔ ننھی چیونٹی! تم جانتی ہو کہ میرا لشکر کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ چیونٹی نے کہا۔ جناب کا فرمانا بجا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ نبی اللہ ہیں ظلم و ستم جبر و اکراہ آپ کی حکومت میں نہیں ہے۔ مگر چونکہ میں اپنی قوم کی سردار ہوں میں نے بتقاضائے حزم و احتیاط اپنی قوم کو نصیحت کی ہے۔

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میرا لشکر تو ہوا پر جا رہا ہے۔ نہیں یا تمہاری قوم کو تکلیف و گزند پہونچنے کا احتمال ہی نہیں ہے۔ چیونٹی نے جواب دیا کہ میری غرض یہ نہ تھی کہ زمین پر پس جائیں گی۔ بلکہ میری مراد یہ تھی کہ جب وہ آپکے لشکر کے تزک و احتشام کو دیکھیں گی۔ تو اس تماشہ اور اس سیر میں مشغول ہو کر ذکر خدا سے غافل رہیں گی۔ اور غفلت کے میدان میں پامال ہو جائیں گی۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تمہارا لشکر کس قدر ہے چیونٹی نے کہا۔ کہ یا نبی اللہ! مجھ کو تمام روئے زمین کی سلطنت عطا ہوئی تھی۔ میں نے اس کو اس سبب سے قبول نہیں کیا۔ اور زمین کے اندر رہنے کو پسند کیا کہ سوائے خدا کے کوئی شخص میرا حال نہ جانے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔

پھر چیونٹی نے سوال کیا۔ یا نبی اللہ! آپ کو جو نعمتیں ملی ہیں وہ بیان فرمائیے۔ آپنے فرمایا کہ ہوا میری تابعدار ہے وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۝ (السبا، ع ۲ پ ۲۲) چیونٹی نے یہ جواب سنکر کہا۔ کہ دنیا کی سلطنت و حکومت ہوا کا سا حکم رکھتی ہے کبھی یہاں کبھی وہاں۔ کبھی آئی اور کبھی گئی۔ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

نہ بر باد رفتے سحر گاہ و شام سریر سلیمان علیہ السلام

باخر ندیدی کہ بر باد رفت خنک آنکہ با دانش و داد رفت

پھر چیونٹی نے کہا آپ کو جو انگوٹھی مرحمت فرمائی گئی ہے۔ اس میں یہ راز ہے۔ کہ ساری سلطنت اس نگین کے زیر اثر ہے۔ اور یہ نگینہ ایک معمولی پتھر کا ذرا سا ٹکڑا ہے۔ جو درحقیقت ہیچ ہے جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ دنیا ہیچ ہے لہذا دنیا پر دل لگانا بے سود۔ کیونکہ موت کا ذائقہ چکھنا ضروری ہے پھر حضرت سلیمان نے فرمایا کہ تم مجھ کو بے حد دانا سمجھدار معلوم ہوتی ہو۔ کچھ اور نصیحتیں کرو۔

چیونٹی نے کہا۔ کہ بادشاہ کو چاہیئے۔ کہ ہر طرح سے اپنی رعیت کی خبر گیری اور ان کے حال کی نگرانی رکھے۔ ان پر بے حد شفقت و عنایت کرتا رہے مظلوموں کی دادرسی کرے۔ میں باوجود اس ناتوانی و ضعف کے اپنی رعیت کا حال ہر وقت دریافت کر لیتی ہوں۔ اسوقت حضرت سلیمانؑ نے بارگاہ خداوندی میں ان الفاظ میں دعا کی۔

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ اے خدا تو مجھ کو توفیق دے کہ میں احسانات

نِعۡمَتَكَ الَّتِيۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ وَاَدۡخِلۡنِيۡ بِرَحۡمَتِكَ فِيۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيۡنَ (نمل ع ۲ پ ۱۹) کے بدلے میں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کئے ہیں۔ تیرا شکر یہ ادا کروں۔ اور ہمیشہ نیک عمل کرتا رہوں جنکو تو پسند فرماتا ہے۔ اور تو اپنی مہربانی سے مجھ کو اپنے نیک بندوں میں داخل فرما ✦

ہدہد اور ملک سبا

اس سفر میں حضرت سلیمان علیہ السلام جب کوہ صفا کے دامن میں کسی وادی میں جلوہ افروز ہوئے۔ نماز کے وقت سلیمان علیہ السلام نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ اس وادی میں کہیں پانی نہ ملا۔ تو ہدہد کو طلب فرمایا۔ تاکہ اس سے پانی کا چشمہ دریافت ہو جائے۔ کیونکہ پانی کی دیکھ بھال ہدہد کے سپرد دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ہدہد کو اس قدر بینائی عطا فرمائی تھی کہ وہ دور دراز زمین کے چشموں کو اس طرح سے دیکھ لیتا تھا جسطرح انسان شیشہ اور آئینہ کو دیکھتا ہے اور اپنی چونچ سے نشان کر دیتا تھا۔ پھر جنات اسے کھود لیتے تھے۔ (تفسیر مدارک)

جس وقت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اس وادی میں اتر رہا تھا۔ تو سلیمان علیہ السلام کے ہدہد نے اس وادی کے داہنی جانب ایک نہایت سرسبز اور شاداب باغ دیکھا جس میں طرح طرح کے پھول اور ہر قسم کا چمن لگا ہوا تھا۔ وہاں ملک یمن کا ہدہد خوشی سے ملار گا رہا تھا۔ جب اس نے سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کو دیکھا پوچھا کہ تم کہاں سے آئے۔ اور کہاں جاؤ گے۔ مِنۡ اَیۡنَ اَقۡبَلۡتَ۔ وَاِلٰی اَیۡنَ تُرِیۡدُ۔

ہدہد سلیمان علیہ السلام نے جواب دیا۔ کہ میں اپنے بادشاہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ شام سے آیا ہوں۔

ہدہد یمن نے پوچھا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کون ہیں۔ ہدہد سلیمانی نے جواب دیا جناب سلیمان علیہ السلام جنات و انسان و وحوش و طیور اور ہواؤں کے بادشاہ اور خدا کے برگزیدہ نبی ہیں۔ تعجب اتنی بھی خبر نہیں ہے۔ اب تم بھی تو بتلاؤ کون ہو۔ کہاں رہتے ہو۔

ملکہ بلقیس

ہدہد یمن نے جواب دیا۔ کہ میں ملک یمن کا باشندہ ہوں۔ جناب بلقیس ہماری ملکہ ہیں۔ گو تمہارے بیان کے موافق تمہارے بادشاہ کا لشکر بہت زیادہ اور بہت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہماری ملکہ بھی شان و شکوہ میں کسی طرح کم نہیں ہیں۔ یمن کے جمیع ممالک اس کے اختیار اور اسکے قبضہ میں ہیں۔ تین سو تیرہ سردار اسکے زیر اثر ہیں اور ہر ایک سردار کے ماتحت ایک لاکھ شمشیر زن

یہاں رہیں۔ اگر آپ سیر کرنی چاہیں۔ تو میں آپ کو سیر کرا سکتا ہوں۔ سلیمان علیہ السلام کے ہدہد نے کہا۔ کہ یہاں سیر کرنے کو جی تو ضرور چاہتا ہے۔ مگر میں ڈرتا ہوں کہ مبادا میری نماز کے وقت تلاش ہو۔ اور میں غیر حاضر ہوں۔ تو بادشاہ مجھ کو اپنے دربار سے نکال دیگا۔ اور تمام مناصب مجھ سے چھن جائیں گے۔ اور مجھ کو سزا دیجائے گی۔

ہدہد یمن نے کہا۔ کہ جب تم ملکہ یمن کی خبر لیجاؤ گے تو بادشاہ اس خبر سے بے حد مسرور ہوگا۔ اور تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔

الغرض سلیمان علیہ السلام کا ہدہد ملک سبا میں گیا۔ سیر و تماشہ میں اس قدر مصروف ہوا کہ نماز عصر کا وقت آگیا۔ اور نماز ظہر کا وقت جاتا رہا۔

ادھر بعد زوال سلیمان علیہ السلام نے وضو کے لئے پانی مانگا۔ تو جن و انس تمام حشم و خدم نے کہا۔ کہ یہاں پانی نہیں ہے۔ ہدہد کی تلاش ہوئی۔ کرگس سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا میں نے ہدہد کو کہیں نہیں بھیجا۔ اور نہ وہ مجھ سے اجازت لیکر گیا ہے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيۡرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى الۡهُدۡهُدَ اَمۡ كَانَ مِنَ الۡغَآئِبِيۡنَ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيۡدًا اَوۡ لَاَاذۡبَحَنَّهٗۤ اَوۡ لَيَاۡتِيَنِّيۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ○ (النمل ع ۲ - پ ۱۹) اور سلیمانؑ نے جب پرندوں کی جستجو کی۔ تو کہا۔ کیا بات ہے۔ کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا۔ اگر واقع میں وہ غیر حاضر ہے تو ہم اسکو ضرور سزا دینگے۔ یا اسے حلال ہی کر ڈالیں گے۔ ورنہ ہمارے حضور میں اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ پیش کرے

اسکے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے سید الطیور عقاب کے نام فرمان جاری کیا کہ ہدہد کو بہت جلد قیدیوں کی طرح ہمارے حضور میں لایا جائے۔

عقاب حسب الحکم فضاء آسمان میں اڑا۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی تو دیکھا۔ کہ ہدہد نہایت تیزی کے ساتھ یمن کی طرف سے اڑتا ہوا چلا آتا ہے۔ غضبناک عقاب پر جب بچارے ہدہد کی نظر پڑی سہم گیا۔ اور عاجزی سے کہنے لگا۔

بِحَقِّ اللّٰهِ الَّذِیۡ قَوَّاكَ وَاَقۡدَرَكَ عَلَیَّ اِرۡحَمۡنِیۡ وَلَا تَتَعَرَّضۡ لِیۡ بِسُوۡءٍ یعنی تجھے قسم اس خدا کی جسنے تجھے قوی کیا۔ اور جس نے تجھ کو مجھپر قوت و قدرت دی۔ تو میرے حال پر رحم کر۔ اور مجھے کسی قسم کی تکلیف و اذیت نہ پہونچا۔

عقاب نے کہا۔ ثَكِلَتۡكَ اُمُّكَ (تیری ماں تجھ کو روئے) تو کہاں گیا تھا۔ سلیمان علیہ السلام نے تیرے مارنے یا بے حد عذاب دینے کی قسم کھائی ہے۔

ہدہد نے کہا کہ سلیمان علیہ السلام نے غصہ کی حالت میں کوئی ایسی بات بھی فرمائی ہے جس سے معافی کی امید ہوسکتی ہو۔

عقاب نے کہا۔ بس یہی کہا تھا کہ میں ہدہد کو بہت ماروں گا یا ذبح ہی کر ڈالوں گا

ملکہ بلقیس بنت شراحیل یعرب ابن قحطان کی نسل سے ہیں ۱۲ نواب عفی عنہ

لہٰذا اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے۔

ہُدہُد نے کہا تو بس میں اب بچ جاؤں گا۔ کیونکہ میرے پاس غیر حاضری کی معقول وجہ موجود ہے۔

عقاب نے ہُدہُد کو سلیمان علیہ السلام کے حضور میں لا کھڑا کیا۔ ہُدہُد عتاب شاہی سے لرز رہا تھا۔ دونوں ہاتھ باندھے سر اٹھائے۔ دم دبائے۔ بازو جھکائے۔ نہایت عاجزی اور بے بسی کے عالم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قدموں پر جا گرا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو تاج سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور فرمایا کہ تو ہمارے حضور سے بلا ہماری اجازت کے کیوں چلا گیا تھا۔

ہُدہُد نے عرض کیا۔ کہ اے میرے آقا! میں آپ کا نہایت حقیر و ذلیل چھوٹا سا خادم ہوں۔ مجھ سے خطا ہوئی۔ میں دیر تک غیر حاضر رہا۔ اب میں معافی کا خواستگار ہوں۔ اگر حضور! میری جان بخشی فرمائیں تو میں سب کچھ عرض کر دوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا۔ کہ جو واقعات غیر حاضری کی حالت میں تجھ پر گزرے ہیں وہ سب بیان کر دو۔

ہُدہُد نے کہا کہ اے حضرت! میں ملک سبا سے ایک ایسی مستند بات خبر لایا ہوں جس کی جناب کو آج تک اصلاً خبر نہیں ہوئی۔

فَقَالَ اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ — اور ہُدہُد نے کہا کہ میں جناب کے حضور میں
وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ — ملک سبا کی ایک سچی خبر لیکر حاضر ہوا ہوں
(نمل۔ ع ۲ پ ۱۹) — جو ابتک حضور کو معلوم نہیں تھی۔

وہ خبر یہ ہے کہ میں نے ملک سبا میں ایک ملکہ بادشاہزادی کو دیکھا ہے۔ جو نہایت جمیل و حسین دبدبہ والی منتظم عورت ہے۔ وہ وہاں کے باشندوں پر حکم رانی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو ہر قسم کے آرام و آسائش کے سامان عطا فرما رکھے ہیں۔ اسکی سلطنت بہت وسیع ہے۔ اور اس کا تخت نہایت عجیب عجیب جواہرات سے مرصع ہے۔ اس خوبی و شان و شوکت کا تخت میں نے آجتک کہیں نہیں دیکھا۔ وہ اور اسکی قوم کے تمام کے تمام لوگ جہالت و لاعلمی کے باعث خدائے واحد کے سوا سورج کی پرستش کرتے۔ اور سورج ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ — میں نے ایک عورت کو دیکھا جو وہاں کے
اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ — لوگوں کی مالکہ ہے اور ہر طرح کی آسائش
عَظِیْمٌ ۝ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا — و آرام کے سامان اسکے لئے میسر ہیں
یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ — اور اسکا بہت بڑا تخت ہے۔ میں نے ملکہ
وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ — اور اسکی قوم کو دیکھا ہے۔ خدا کو چھوڑ کر
فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا — آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور شیطان

یَهْتَدُوْنَ۔ (نمل ع ۲۔ پ ۱۹) — نے ان کے کاموں کو ان کے خیال میں عمدہ کر دکھایا ہے۔ اور انکو سیدھے راستے سے روک رہا ہے۔ پس وہ سیدھے راستے پر نہیں آتے۔

ہُدہُد جب یہ تقریر ختم کر چکا۔ تو سلیمان علیہ السلام نے کہا۔ بہت اچھا۔ ہم ابھی معلوم کر لیں گے۔ تم سچے ہو یا جھوٹے۔ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ

ہُدہُد نے پانی بتلایا۔ سلیمان علیہ السلام نے وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ بعد ادائے فریضہ خداوندی سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو ایک ہندی خط لکھا۔ جس کا مضمون یہ ہے:۔

مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ سُلَیْمٰنَ ابْنِ دَاوٗدَ — عبداللہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام کیطرف
اِلٰی بِلْقِیْسَ مَلِكَةِ سَبَا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ — سے یہ اعلان ملکہ بلقیس حاکم سبا کے
الرَّحِیْمِ۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ — پاس بھیجا جاتا ہے۔ شروع اللہ کے نام
الْهُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَلَا تَعْلُوْا — جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے جو
عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ — راہ راست اتباع و پیروی کرے اس پر سلامتی ہو۔ اما بعد۔ ہمارے مقابلہ میں اپنی بڑائی اور زور ظاہر نہ کرو۔ اور مطیع و فرمانبردار لوگوں کی طرح ہماری درگاہ میں چلی آؤ۔"

یہ تحریر ایک بیش قیمت کاغذ پر لکھی گئی۔ اور شاہی مہر لگا کر ہُدہُد کو حوالہ کی گئی۔ ہُدہُد کو حکم ہوا:۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ — یہ میرا نامہ لیجاؤ۔ اور ان کے پاس ڈال کر
ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا — پھر ان سے الگ ہٹ جاؤ۔ پھر دیکھو کہ
یَرْجِعُوْنَ (سبا ع ۲ پ ۱۹) — وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

جس وقت ہُدہُد اپنی چونچ میں سلیمان علیہ السلام کا خط لیکر ملک سبا میں پہونچا ہے اس وقت ملکہ بلقیس قلعہ کے دروازے بند کئے اپنے قصر شاہی کے آرام کمرے میں سو رہی تھی۔

بلقیس نے سورج کی پرستش کے لئے ایک روشندان بنوا رکھا تھا جب آفتاب نکلتا۔ تو روشندان کے ذریعہ دھوپ آتی۔ ملکہ بلقیس اسوقت سورج کو سجدہ کرتی تھی۔

ہُدہُد اسی روشندان سے اندر داخل ہوا۔ اور ملکہ بلقیس کے منہ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ڈالدیا۔ ملکہ چونک کر اچھل پڑی۔ خط دیکھتے ہی گھبرا گئی۔ خط لیکر فوراً محل سے باہر آئی۔ اعیان سلطنت کو جمع کر کے کہا (تفسیر کشاف)

یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ — اے دربار والو! میرے پاس واجب
كَرِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — الاحترام فرمان ڈالا گیا ہے۔ اور وہ سلیمان

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ۝ کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ اور وہ اللہ کو
(نمل ع ۲۔ پ ۱۹) نام سے شروع ہے۔ جو رحمٰن اور رحیم ہے
(اور اسکا مضمون یہ ہے) کہ ہم سے سرکشی نہ کرو۔ اور مطیع و فرمانبردار دل کیطرح
میرے پاس چلے آؤ۔

جب ملکہ اہل دربار کو یہ خط سنا چکی۔ تو اعیان سلطنت سے مشورہ طلب کیا۔ کہ
اس معاملہ میں میں کونسی تدبیر اختیار کروں۔ ع

چہ تدبیر سازم چہ چارہ کنم

میں تمہاری صلاح بغیر تمہارے مشورہ کے کچھ کرنا نہیں چاہتی۔ میرا دل میرے
قابو میں نہیں ہے۔ باوجودیکہ یہ خط نہایت ہی مختصر ہے مگر معنی کے لحاظ سے یہ
اعلان جنگ ہے۔ لہذا اب اعیان سلطنت سوچ سمجھ کر اس بارہ میں
مشورہ دیں کہ کیا کیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي ۔ اے اہل دربار! میرے معاملہ میں مجھے
مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ ۔ اپنی رائے بیان کرو۔ جب تک تم میرے
تَشْهَدُونِ۝ (سبا ع ۲ پ ۱۹) ۔ پاس موجود نہیں ہوتے۔ اسوقت تک
میں کسی امر میں قطعی فیصلہ نہیں دیا کرتی۔

اسکے جواب میں اعیان سلطنت اور فوج کے سرداروں نیز قوم کے سرآوردہ
لوگوں نے کہا۔ کہ اگر سلیمانؑ جنگ کے لیے آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کا
ارادہ لڑائی ہی کرنے کا ہے۔ تو ہم چوڑیاں پہنے نہیں بیٹھے۔ ہمارے پاس
لشکر بھی ہے۔ شجاعت و بسالت میں ہم ضرب المثل ہیں۔ فنون حرب لڑائی
کے قواعد و ضوابط سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ جہاں آپ کا پسینہ گریگا وہاں
ہم خون گرانیکے لیے تیار ہیں۔ اگر نبرد آزمائی کا خیال ہے۔ تو ہم جنگ کے لیے
تیار ہیں۔ اور اگر آپ مصالحت اور صلح کو پسند کرتی ہیں تو اسکے لیے ہمارا سر تسلیم
خم ہے ؎

اگر جنگ خواہی نبرد آوریم ۔ دل دشمنان را بدرد آوریم
وگر صلح جوئی ترا بندہ ایم ۔ بہ تسلیم حکمت سرافگندہ ایم

قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ ۔ درباریوں نے عرض کیا۔ کہ ہم بڑی طاقتور
شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ ۔ اور بڑے لڑنے والے ہیں۔
فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ۝ ۔ آگے حضور مالک ہیں۔ جو حکم دیں اسے
(نمل ع ۳۔ پ ۱۹) ۔ سوچ سمجھ لیں ۔

جواب ملکہ بلقیس

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا ۔ ملکہ بولی۔ بادشاہ جب کسی شہر میں (فتح کرنیکی

قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا ۔ غرض سے) داخل ہوا کرتے ہیں۔ تو وہ
أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ ۔ اس شہر کو اجاڑ کر ویران و برباد اور
يَفْعَلُونَ (نمل ع ۳۔ پ ۱۹) ۔ شہر کے معزز لوگوں کو ذلیل و رسوا
کر دیتے ہیں (یہ بھی) ایسا ہی کرینگے "

صائب الرائے ملکہ نے فرمایا۔ کہ اے سردارو! اس میں شک نہیں کہ تم سب کے
سب وفادار عقیدت شعار ہو۔ اور ہر طرح سے جان نثاری کے لیے تیار ہو
مگر میں جنگ میں کوئی مصلحت نہیں دیکھتی۔ میں جنگجوئی اور لڑائی کو کسی طرح پسند
نہیں کرتی۔ جنگ کے مقابلہ میں صلح کو ترجیح دیتی ہوں ع

بنزدیک من صلح بہتر ز جنگ

کیونکہ جب غنیم کسی ملک پر فوجکشی کرکے آتا ہے۔ تو اسکو فوجی نقل و حرکت کیوجہ
سے اجاڑ کر ویران و برباد کر دیتا ہے۔ ذی عزت اور آبرودار لوگوں کی عزت
خاک میں ملجاتی ہے۔ اینٹ سے اینٹ بج جاتی ہے۔ قومی و ملکی مفاد جنگی کامیابی
پر قربان ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے نہ امیروں کی امارت ہی باقی رہتی ہے۔ نہ رئیسوں
کی ریاست نہ کھانے کو اشیاء خوردنی ملتی ہے۔ نہ پہننے کو کپڑا۔ نہ ٹھیرنے
اور اقامت کے لیے خشکی میں کوئی قیام گاہ باقی رہتی ہے۔ اور نہ پناہ کے لیے
سمندر ہی میں کوئی جگہ محفوظ رہتی ہے۔

جنگی ضروریات کی وجہ سے بڑے بڑے عالیشان محل اور بڑی بڑی سربفلک
عمارتیں خاک میں ملجاتی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہاں کبھی کوئی آبادی
یا کوئی باشندہ تھا ہی نہیں۔ كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۝۔ بچوں کی جدائی و فرقت سے والدہ تباہ
حال ہے۔ تو شوہر کے بے وقت موت سے بیوی جیتے جی زندہ درگور ہوجاتی
ہے۔ بھائی کو بھائی کی کچھ خبر نہیں رہتی۔

الغرض سرزمین جنگ میدان حشر روز محشر قیامت کے دن کا نمونہ بنجاتی ہے
جس کی شان میں کہا گیا ہے :۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ ۔ اسدن انسان اپنے بھائی۔ ماں باپ
وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ ۔ بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر خوف کی وجہ
امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۔ بھاگ جائے گا۔ اور ہر شخص اسدن اپنے
(عبس ع ۱ پ ۳۰) ۔ فکر میں مبتلا ہوگا "

(باقی آیندہ)

عبد التوابؒ (عالم فاضل) رہتک

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

جسکو حکمت دی گئی بے شک اُس نے بڑی دولت پائی +

حکمت و موعظت

شذرات

الحب للہ و البغض للہ

حق سبحانہ و تعالیٰ نے کسی نبی پر وحی بھیجی کہ یہ زہد جو تو نے اختیار کیا اس سے اپنی راحت حاصل کرنے میں جلدی کی کہ دنیا اور رنج دنیا سے چھوٹا۔ اور میری عبادت میں جو تو مشغول ہوا اس سے اپنی عزت حاصل کی۔ لیکن دیکھ کہ کبھی میرے دوستوں سے دوستی رکھی ہے۔ اور میرے دشمنوں سے دشمنی کی ہے؟ ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ اگر اہل زمین اور اہل آسمان کی تمام عبادات تو بجا لائے اور ان عبادات میں کسی کی دوستی یا دشمنی میرے واسطے نہ ہو۔ تو وہ سب عبادات بے فائدہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ گنہگاروں کے ساتھ دشمنی کرنے سے اپنے تئیں خدا کا پیارا بناؤ۔ اور ان سے دور رہ کر اپنے تئیں خدا کے نزدیک کرو اور ان پر غصہ کرنے سے خدا کی رضامندی ڈھونڈو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا روح اللہ ہم کس کے پاس بیٹھا کریں۔ فرمایا ایسے شخص کے پاس جس کی زیارت سے تمہیں خدا یاد آئے اور جس کی گفتار و کردار تمہارا علم بڑھائے۔ اور تمہیں آخرت کی طرف مائل کرے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایمان کے باب میں بہت مضبوط و مستحکم دستاویز وہ دوستی و دشمنی ہے جو خدا کے واسطے ہو۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تجرد و عزلت میں مصروف بزہد و عبادت ہونا خود غرضی پر مبنی ہے۔ کمال ایمان کیواسطے حب للہ و بغض للہ بہی ضروری و لابد ہیں +

شر الخمر اور فاسق و فاجر کیساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے

جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ کے عہد سعادت عہد میں ایک شخص نے کئی بار شراب پی اور اسکو حد ماری گئی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے ایک شخص نے اسپر لعنت کی اور کہا کہ اسکا فساد کب تک رہے گا؟ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کیا۔ اور فرمایا کہ اسکا دشمن شیطان بس ہے۔ تو شیطان کا مددگار نہ ہو۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شر الخمر اور فاسق و فاجر پر لعنت نہ کرنا چاہیئے۔ جو شخص مے خواری اور فسق و فجور میں منہمک ہو لیکن کسی کو رنج و اذیت نہیں دیتا۔ اسکو نرمی و ملائمت سے نصیحت کرنا اولے ہے۔ بشرطیکہ سمع قبول کی توقع ہو ورنہ اس سے اعراض لازم و واجب ہے۔ ہاں اسکے سلام کا جواب دینا چاہیئے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی مدح میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (پ ۱۹- س الفرقان ع ۶)

خدائے رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں کہ جب وہ اتفاقاً بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں تو وضعداری کے ساتھ گزر جائیں- وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون

سیرت النبی صلعم سہل گیری و کشادہ روئی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غریب عورت حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے راہ روک کر کھڑی ہو گئی اور عرض کرنے لگی کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس گلی میں جہاں تیرا جی چاہے بیٹھ جا۔ میں بھی تیرے ساتھ بیٹھوں گا۔ الغرض وہ بیٹھ گئی اور آپ بھی بیٹھ گئے جب تک اس نے اپنا سارا حال مفصل و مشرح بیان نہ کر لیا۔ آپ وہیں بیٹھے رہے۔ غور کرو آپ کس قدر سہل گیر تھے۔ آپ بڑے ملنسار اور کشادہ پیشانی تھے۔ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو لوگ لڑکوں کو آپکی خدمت بابرکت میں حاضر کرتے۔ آپ سواری پر کسی کو آگے بٹھلاتے۔ کسی کو پیچھے۔ وہ آپس میں فخر کرتے اور کہتے مجھے آگے بٹھایا۔ اور تجھے پیچھے۔ ایک چھوٹے بچہ کو آپکے پاس لیگئے کہ آپ اسکا نام رکھدیں۔ اور اسکے حق میں دعائے خیر کریں۔ آپ نے اس کو گود میں لے لیا۔ اکثر ایسا اتفاق ہوتا کہ کوئی لڑکا آپکے پیشاب کرنے لگتا تو لوگ غل مچا کر چاہتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے لے لیں۔ مگر آپ فرماتے کہ

اسے رہنے دو۔ تاکہ پورا پیشاب کرلے۔ اسکا پیشاب نہ روکو۔ اسکے سامنے آپ پیشاب نہ دھوتے کہ وہ رنجیدہ نہ ہو۔ جب وہ باہر چلا جاتا تو پھر آپ دھو ڈالتے۔ اور اگر بچہ خردسال ہوتا۔ تو اسکے پیشاب پر صرف پانی چھڑک لیتے متبعین اسلام کو لازم ہے کہ اسوۂ حسنہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔ اور سب مسلمانوں کے ساتھ ملنسار کشادہ پیشانی اور خندہ رو رہیں۔ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کشادہ رو اور سہل گیر کو دوست رکھتا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جو نیک کام مغفرت کا سبب ہے وہ آسانی کشادہ پیشانی اور شیریں زبانی ہے ✦

مصالحت بین المومنین

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایکدن جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے بیٹھے ہنسنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں۔ ہنسنے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا میری امت میں سے دو مرد رب العزت کے سامنے قیامت کے دن زانوئے ادب گرینگے ایک تو کہے گا کہ بارالٰہا اس سے میرا انصاف کر دے کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے حق سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا کہ اسکا حق دیدے۔ وہ عرض کرے گا بارخدایا میری سب نیکیاں تو مدعیوں نے لے لی ہیں۔ اب میرے پاس کچھ باقی نہیں ہے۔ وہ عرض کرے گا کہ میرے گناہ اسکے حوالے فرمائے جائیں۔ بالآخر دادخواہ کے گناہ ظالم کے سر پر رکھیں گے۔ مگر ہنوز مظلمہ باقی ہوگا۔ یہ کہہ جناب سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا روئے اور فرمایا کہ یہی بڑا دن ہے کہ ہر فرد بشر اسکا حاجتمند ہوگا کہ اس سے اسکا بار عصیاں اتارا جائے۔ اسوقت ارحم الراحمین دادخواہ سے فرمائیگا کہ سر اٹھا اور دیکھ تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ سامنے چاندی کے شہر دیکھتا ہوں اور سونے کے محل ہیں جو جواہرات سے جڑے ہوئے ہیں کیا یہ کسی نبی کے ہیں یا شہید کے یا صدیق کے؟ حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس شخص کے ہیں جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ عرض کرے گا یارب العالمین بھلا اسکی قیمت کون ادا کر سکتا ہے؟ خداوند تعالیٰ فرمائے گا کہ تو دے سکتا ہے۔ وہ عرض کرے گا کیونکر؟ ارشاد ہوگا اسطرح کہ اپنے اس بھائی کا گناہ معاف کردے۔ وہ بے اختیار عرض کرے گا کہ یا ارحم الراحمین میں نے اسکا گناہ معاف کیا۔ حکم ہوگا کہ اچھا اسکا ہاتھ پکڑ اور تم دونوں جنت میں جاؤ۔ یہ کہہ کر حضرت رسالت پناہؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرو اور خلق خدا سے مصالحت کرو کہ حق سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے دن مسلمانوں میں صلح کرائیگا

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ ✦ (نورالدین)

مہمان اہلبیت کیلئے میدان کربلا کے

خونی دسترخوان

پر کیسے کیسے خوفناک کھانے چنے گئے تھے۔ اور کس ذوق وشوق اور کس صبر وتحمل کے ساتھ فخر رسلؐ کے محترم خاندان نے انکو نوش جان کیا تھا۔ ان سوالوں کا سب نرالا اور سب سے انوکھا جواب تم کو ہمارے نوطبع رسالہ

خنجر تسلیم

میں ملیگا جو چھپوایا گیا ہے۔ اسلیئے کہ تم محرم شریف کے موقع پر اسکو پڑھو اور پڑھ کر سناؤ خاندان اہلبیت کی مذہبی جان نثاریوں اور قومی قربانیوں سے واقف ہو۔ ثواب کماؤ خدا شناؤ اور سیدنا امام حسینؑ کے اسوۂ حسنہ کی یاد تازہ کرلو کہ اس خودغرضی اور نفس پروری کے زمانہ میں اس کی بڑی ضرورت ہے۔

شہید قوم وملت

کے جانسوز حالات میں کیا عبرت اور کیا تعلیم پنہاں ہے جنکو سامنے رکھ کر تم دین ودنیا میں سرخروئی حاصل کرسکتے ہو

پس اے درماندہ قوم کے مرثیہ خوانو!

یوم عاشورا کی ان پاک ہستیوں کے واقعات کے اظہار کی جگہ کی کوشش کرو اور اپنے بیکس فرزند آقا کے بیکس آنا کی خونی سرگذشت سے نصیحت حاصل کرو۔ جو شہادت نامے اور مرثیے محرم کے ماتم پڑھتے ہو وہ محض سننے کے لیئے ہیں۔ خنجر تسلیم کو پڑھ کر دیکھو کہ وہ کیسا معتبر و مستند روایات کا ایک چھوٹا سا ذخیرہ ہے۔ دلوں میں نشتر چبھونے والے مضامین کا البیلا مجموعہ ہے جسکا ہر صفحہ عبرت وبصیرت کا ایک ساکت اور ولولہ انگیز مضمون اصلاح وفلاح کا ایک دلکش خطبہ ہے۔ اگر اس کربلا کے لیئے نقاب کھینا چاہتے ہو اگر تاریخی حجاب میں خلافت ونبوت کے چہرہ کی زیارت کرنا مقصود ہے تو صرف چھ آنہ دے کر خنجر تسلیم منگالو جو دینے ہو عزیزوں اور دوستوں کو سناؤ اور اگر خدا نے استطاعت دی ہے تو اس رعایت سے فائدہ اٹھاؤ۔ ایک روپیہ قیمت کے نسخے خرید کر گھر والوں کی بانٹ دو خنجر تسلیم کی قیمت صرف چھ آنہ ہے اور تین نسخوں کے خریدار کے لیئے مجموعی رعایتی قیمت صرف ایک روپیہ علاوہ محصولڈاک ہے۔ نفس کو خوش کرنے کیلیئے سینکڑوں روپئے خرچ کر دیتے ہو مدح کو خوش کرنے کے لیئے زیادہ نہیں تو ایک ہی روپیہ خرچ کر دو ✦

ملنے کا پتہ:- مدیر مکتبہ قاسمیہ سینٹرل اسٹور

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھائینگے اور انکے لیفہ ذاتوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے

بصارت و بصیرت

سیر حوادث

غیر مذاہب کی دِل آزاری کے عواقب و نتائج

غیر مذاہب کی دل آزاری کی وجہ سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رواری واقع صوبجات متحدہ کی عدالت میں ایک مشہور و معروف آریہ اپدیشک دھرم دیو پر مقدمہ قایم تھا عدالت نے فیصلہ سنایا۔ اور دھرم دیو کو ایک سال قید با مشقت اور پانسو روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ سزائے قید ختم ہونے پر حفظ امن کی معقول ضمانتیں ملزم سے لی جائیں۔ اگر ضمانتیں مہیا نہ ہوں۔ تو اسکو جیل میں رکھا جائے۔ غور کرو غیر مذاہب کی دل آزاری کے یہ عواقب و نتائج ہیں۔ اسی بنا پر اسلام نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا ہے کہ اظہار امر حق میں اور تبلیغ و اشاعت اسلام میں تہذیب و متانت کا پورا خیال رکھیں۔ غیر مذاہب کے متبعین کے ساتھ مناظرے اس طرح پر کریں کہ جن میں خوبیاں ہی خوبیاں ہوں۔ فریق مخالف کو انکی غلطیوں پر متنبہ کیا جائے۔ اور اسکے مقابلہ میں اپنی خوبیاں بیان کیجائیں لیکن سب و شتم اور کلمات نا ملایم سے قطعی احتراز و اجتناب کیا جائے۔ اسلام اپنے پیروؤں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے بیگانے سے۔ دوست دشمن سے حاکم و محکوم ہر کسی سے صلح و آشتی کے ساتھ برتاؤ رکھیں۔ غور کرو اسلام کی تعلیم کیسی اعلے درجہ کی حسن معاشرت پر مبنی ہے۔ جس پر عملدرآمد کرنے سے نظام تمدن بے حد خوشگوار ہو جاتا ہے۔ اسلام نے قیام صلح کے واسطے اپنے پیروؤں کو حکم دیا ہے کہ غیر مسلموں کے معبودوں کو برا نہ کہیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (پ ۸ س الانعام ع ۱۸/۱۳) اور جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کو حاجت روائی کے لیے بلایا کرتے ہیں۔ یعنی ان کی پرستش کیا کرتے ہیں۔ انکو برا نہ کہو کہ یہ لوگ بھی براہ نادانی ناحق ناروا خدا کو برا کہہ بیٹھیں گے۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم ہے۔ قرآن مجید میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی حکم بجبر نہیں منواتا بلکہ اپنے ہر امر و نہی کے ساتھ دلایل و براہین بھی پیش کرتا ہے۔ یہاں لا تسبوا کی دلیل بیان فرمائی تھی فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ اگر تم کسی کے بزرگ کو معبود کو برا بھلا کہو گے۔ وہ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے گا۔ اور جہالت و نادانی سے اللہ تعالیٰ کو کوسنے لگ جائے گا خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام دنیا میں صلح و آشتی قایم کرنا چاہتا ہے لیکن اگر کوئی موذی اسلام کے لیے پیدا ہو جائے تو اسکو بوجہ احسن مقابلہ کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (پ ۱۴ س النحل ع ۲۲/۱۶) اور ان کے ساتھ بحث بھی کرو۔ تو ایسے طور پر کہ وہ لوگوں کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہو۔ دوسرے مقام پر ہے ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (پ ۱۸ س المومنون ع ۶) اگر کوئی تمہارے ساتھ بدی کرے تو بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو۔ کہ وہ دیکھنے میں بہت ہی اچھا ہو۔ پھر فرماتا ہے وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (پ ۲۴ س حم السجدہ ع ۱۹/۵) نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ دیکھنے والوں کی نظر میں بہت ہی اچھا ہو اگر ایسا کرو گے تو تم دیکھ لو گے کہ تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ تمہارا دلسوز دوست ہے۔ غور کرو جب مخالفین کے ساتھ بھی باہمی مفاہمت میں خوبیاں مدنظر رکھنے کی تاکید کی گئی ہے تو مسلمانوں میں تباغض، عداوت اور جنگ و جدال کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:- المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلمان حقیقی معنوں میں اسوقت مسلمان ہوتا ہے کہ مسلمان اسکی زبان اور ہاتھ

سے محفوظ و مصئون رہیں۔ فتدبروا یا اولی الالباب +

عمیق ترین غار دنیا

دنیا میں عمیق ترین غار جزیرہ مکرام میں واقع ہے۔ جو اکتیس ہزار دو سو فیٹ گہرا ہے اگر دنیا کے بلند ترین پہاڑ کوہ ایورسٹ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر اس غار کے اندر ڈالدیا جائے تو بھی دو ہزار فیٹ جگہ خالی رہے۔ اِس گہرائی میں پانی اس زور سے داخل ہوتا ہے کہ اسکا دباؤ دس ہزار پونڈ فی مربع انچ سے زیادہ ہوتا ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا جہاز بھی اگر اس غار کے پانی کے دباؤ میں آجائے تو وہ اسطرح کچلا جائے جیسے انسان ہاتھ میں انڈا لے کر کچل سکتا ہے۔ اگر انسان اس عمیق غار میں گر پڑے تو پانی کے دباؤ سے اسکا بدن کچل کر بیلن ہوجائے۔ حتیٰ کہ اسکا گوشت ہڈیوں کے اندر جا داخل ہو۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (پ ۱۳ س یوسف۔ ع ۱۲) اور آسمان و زمین میں خدا کی قدرت کی ایسی کتنی نشانیاں ہیں جن پر سے لوگ ہو کر گذر جاتے ہیں۔ اور وہ ان کی کچھ پروا نہیں کرتے +

(نور الدین)

پند بر دیوار

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ... ور نبشت است پند بر دیوار

خوشحالی کیسے حاصل ہوتی ہے

جب کبھی میں خوشحالی کا لفظ سنتا ہوں تو مجھکو میرا ملک اور میرے ہم وطن یاد آجاتے ہیں۔ میں اکثر سنتا آیا ہوں کہ ہمارے ملک کو فلاں قوم کے ذریعہ سے خوش حالی نصیب ہوگی۔ دوسرے ملکوں کے رہنے والے ہی ہمارے لیے سب کچھ کرینگے۔ میں بھی اگرچہ اچھی طرح اسکو مانتا ہوں کہ غیر قوموں کے ساتھ میل جول رکھنے سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ میں ضرور کہونگا کہ ہم لوگوں کی خوشحالی بہت کچھ اپنے ہی اوپر منحصر ہے مجھے یقین ہے کہ اگر ہم لوگ محنتی ہو جائیں اور اپنے قوئے کا اچھا استعمال کرنے لگیں تو یقیناً بہت جلد ترقی کر سکتے ہیں۔ ابھی ہم لوگ صرف ایک قدم آگے بڑھے ہیں۔ لیکن اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ استقلال اور جفاکشی چاہیئے۔ ثابت قدمی کامیابی کا بہت بڑا سبب ہے اگر ہم لوگ برابر مستعدی اور دولے سے ترقی کے میدان میں بڑھتے چلے جائیں۔ تو یقیناً خوشحالی اور آزادی میں اور قوموں کے ہم پلہ ہو سکتے ہیں +

ولیم ڈیڈیگن

مایوسی و ناامیدی

مایوس اور ناامید ہو جانا ایک ایسی بلا ہے کہ خدا اس سے ہر انسان کو پناہ میں رکھے۔ اِس سے بھلا چنگا انسان خاک میں مل جاتا ہے امیدوں کی مثال آفتاب کی ہے۔ جو شخص ان کی طرف رخ کرتا ہے اِس کی مصیبتیں سایہ کی طرح اسکے سامنے ڈھل جاتی ہیں وہ کیونکر کلام کرونگا کس طرح خوش رہوں۔ دنیا نہایت خراب جگہ ہے" اِس قسم کے جملے انہی لوگوں کی زبان سے نکلتے ہیں۔ جن کی امیدیں معدوم ہو گئیں اور جنہوں نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہ کر ڈالا +

سموئیل سمائلز

قرض

خالی کیسہ ہمیشہ سرنگون ہی رہتا ہے۔ اسی طرح قرضدار کبھی سربلند نہیں ہوتا۔ وہ لالچی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے مہاجن کا گویا غلام ہو جاتا ہے۔ اُس کی نظر ہمیشہ نیچے رہتی ہے۔ وہ سچائی پر کبھی قایم نہیں رہ سکتا۔ یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ" قرض کی پیٹھ پر ہمیشہ جھوٹ سوار رہتا ہے" یعنی قرض کے ادا کرنے اور تقاضوں سے بچنے میں انسان کو اکثر وعدہ خلافی کرنی پڑتی ہے۔ پہلے ہی مرتبہ قرض نہ لینا۔ اور قرض دینے والے کا احسانمند نہ ہونا بہت آسان ہے۔ لیکن جب انسان ایک مرتبہ قرض کا بوجھ اٹھا لیتا ہے تو دوسری دفعہ پھر اس کا بوجھ اٹھانے میں اُسے وقت و دشواری نہیں ہوتی آخر نوبت یہانتک پہونچتی ہے کہ وہ قرض کے جال میں اس طرح پھنس جاتا ہے کہ پھر اس سے چھٹکارا نہیں ہوتا

"سموئیل سمائلز"

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کیلئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے؟ ترکی، ایران، ترکستان، افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں ہے کہ جو ذی علم ہو اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتا ہے کہ چین کے مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں صرف آجکل ہندوستان ہی کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں اور اسی ضرورت پر لحاظ کرکے **علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی** نے جن کی جملہ تصنیفات کی فہرست صفحہ پر درج ہے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ اردو ترجمہ عبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شائع کردی ہے اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جسکی سرخیاں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ترجمہ کرنیکا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا؟ (۲) ترجمہ قرآن کی صورت زمانہ سابق اور زمانہ اخیر میں (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت و آنحضرت محمدؐ (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) مقصد و احکام قرآن برنہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) مکرر باتیں قرآن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام کو بھی دیکھنا چاہیئے (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن جن پر سرفیورپ کے مہذب لوگوں کا عملدرآمد ہے (۲۸) برکات اسلام کیلئے الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۹) معجزات (۳۰) مؤلف کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی گئی ہے اور جتنے مسائل شرعی قرآن سے نکلتے ہیں انکا اجمالی ذکر کیا ہے اور اختلاف قرأت سے علاوہ حنفی المذہب اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہوگئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے اور ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا اہل حنفی المذہب کے جو باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ پر نمایاں سب کا بیان ہے تاکہ ترجمہ سب مذاہب کے لیے یکساں مفید ہو لیکن متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہو کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کرکے نہایت صحت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ ہے کہنا بجا ہے یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول ۱۸۹۲ء میں [illegible] پارہ کا ترجمہ شائع کیا تھا اسکے سات برس کے بعد ۱۸۹۹ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا تھا پھر اسکے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ ناظرین بالمقابل ترجمہ کو دیکھ کر اسکا اندازہ خود ہی کر لیں گے کہ دیر آید درست آید۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ جلد جلد طلب فرمائیں۔ اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ ترجمہ ہر ایک مسلمان کے ہاتھوں میں پہنچکر اشاعت کا باعث ہو۔ [illegible] ہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر جیسے کہ علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے۔

ہدیہ قیمت فی جلد مجلد صرف تین روپیہ (للعہ) بجائے سینکڑوں [illegible] روپے [illegible] ترجمہ قرآن کا سمجھنے پر خرچ ہوتا [illegible]

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید [illegible]	اردو	اسلام	۱۲۰۰	ے	ے	مجلد
۲	تاریخ الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	ے	للعہ	مجلد اعلیٰ
۳	الاسلام	اردو	[illegible]	۸۰۰	ے	عا	مجلد طبع اول
۴	[illegible]	اردو	مذہب اسلام	۲۸	[illegible]	[illegible]	طبع ثانی
۵	[illegible]	اردو	[illegible]	۱۸۰	عہ	عہ	•

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۶	[illegible]	اردو	[illegible]	۲۰	ار	ار	•
۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۵۰	[illegible]	[illegible]	•
۸	زبان اردو	اردو	[illegible]	۳۲	۲ر	۲ر	•
۹	[illegible]	انگریزی	•	۱۸	۴ر	۲ر	•
۱۰	[illegible]	•	•	۳۴	۴ر	۲ر	•

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱۱	[illegible]	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	مجلد
۱۲	[illegible]	[illegible]	•	[illegible]	[illegible]	[illegible]	•
۱۳	[illegible]	•	•	[illegible]	[illegible]	[illegible]	•
۱۴	[illegible]	•	•	[illegible]	[illegible]	[illegible]	•

المشتہر عبد الوحید خان منیجر قاضی اینڈ کمپنی گورکھپور

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ



اُسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت معاشرت کا روحانی خطیب
اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج مسلمان مردوں کا رہبر عورتوں کا معلم بچوں کا اتالیق
مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ۔ ہر شمسی مہینے کے آخری ہفتہ میں شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہِ صفا ✦ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ✦ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک
قسم اول ... ✦ قسم دوم ...
قیمت فی پرچہ ...

[illegible]

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان حقیقی معنی میں سچے مسلمان بنیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔ قرآن پاک اور اسلام کی صحیح تعلیم کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں سب سے پیش پیش رہیں۔ بغیر تعصب اور [illegible] کے عقل سلیم کو معاشرت و تمدن میں اپنا رہنما بنائیں۔ اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کو چھوڑ دیں کیونکہ [illegible] ہر کام میں افراط و تفریط اپنے لیے [illegible] غیر اقوام کی اچھی اور مفید باتوں کے اخذ کرنے [illegible] ہٹ کر اعتدال کے مسلک پر آ جائیں۔ دولت، وقت اور قوت کو بے جا بحثوں اور بیہودگی سے ضائع نہ کریں۔ تکفیر کے فتووں سے اپنی زیست کی بنیادوں کو متزلزل نہ کریں۔ اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتفاق و اتحاد اور ہمدردی و خلوص کی آہنی حصار سے مستحکم و محفوظ کریں۔ خانہ جنگیوں، نااتفاقیوں اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں۔ عیش پسندی، کاہلی اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں۔ محنتی، جفاکش اور اولوالعزم، مآل اندیش، مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالنے کی بجائے اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی۔ صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف پوری توجہ دیں۔ مشیخت، غرور اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اپنے تئیں تمام دنیا سے زیادہ نالائق اور سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری، عیاشی، نمود و نمائش، فیشن پرستی، مقدمہ بازی، بے محل خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کو رہبانیت اور خلاف سنت تصور کریں۔ اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ ہندوانہ رسوم کی تقلید بند کر کے ان سے سود خوری کی عادت چھڑوائیں۔ ایسے مولویوں، ایسے صوفیوں، ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض ملت فروش نام نہاد خیرخواہ لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو ان تمام محاسن و محامد سے متصف کریں جو ایک **صالح** انسان میں ہونے چاہئیں۔ تا زمین کی وراثت کے مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ

خریداروں اور مضمون نگاروں کے لیے ضروری ہدایتیں

(۱) اسوۂ حسنہ دو قسم کے کاغذ پر چھپتا ہے۔ قسم اول کا چندہ سالانہ [illegible] اور قسم دوم کا [illegible] محصول بہر حال پیشگی آنا چاہیے۔ (۲) جن حضرات کے پاس رسالہ نمونۃً پہنچے اور وہ خریداری سے [illegible] ہوں تو دفتر کو اطلاع کر دینا چاہیے۔ (۳) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیے۔ ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے۔ ایک پرچہ کی قیمت [illegible] ہے۔ (۴) چندہ کی میعاد ختم ہو جانے پر اگر خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع موصول نہ ہوگی تو ہم وی۔ پی بھیج کر آئندہ سال کے لیے چندہ وصول کر لینے کے مجاز ہوں گے۔ (۵) خط و کتابت میں نام و پتہ نہایت صاف مفصل اور واضح لکھنا چاہیے۔ اور نمبر خریداری کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہیے۔ **قلمی معاونین** کو مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔ (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں۔ (۳) آیات کے لیے سورت اور رکوع اور احادیث کے لیے مستند کتب حدیث کا حوالہ ضرور دیں۔ (۴) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری، بے نتیجہ یا غیر محقق ہوں۔ یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحتاً یا کنایتاً منافی ہوں یا ان میں لفاظی اور تخیل زیادہ اور مفید اصلاحی مطالب کم ہوں یا ان میں مناظرانہ و مجادلانہ رنگ غالب ہو۔ (۵) جو مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کے لیے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی چاہیے۔ ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری اخلاقاً ان پر عائد ہوگی۔ [illegible] لکھنے سے پہلے رسالہ کے مقاصد معلوم کر لیں۔

(منیجر)

جسکو ہندی کایاپلٹ اور مصری فلاسفی اکسیر البدن کیمیا اکسیر اعظم کہتے ہیں

آبحیات

یا امرت پرواہ

جسکے فوائد کی تصدیق تجربہ مشاہدہ اور حکیموں کے مستند اقوال اور ہزاروں زندہ گواہوں کی شہادت نے جو ہر قوم وملت کے ہر حصہ ملک میں موجود ہیں اس امر پر وہ اتفاق کر چکے ہیں۔ پھر بھی آپ فائدہ نہ اٹھائیں تو آپکی بدقسمتی ہے۔ اطبائے سلف وخلف کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ بعض جڑی بوٹیوں میں روح الکل ایک غلاف میں ملفوظ ہوتا ہے اگر کوئی اجزائے ارضی کا ماہر علم غلاف دور کرکے روح کو حاصل کرلے۔ پھر وہ روح جس مرض میں دیا جائے۔ امرض خواہ کیسی ہی پرانی کہنہ لاعلاج ہو وہ روح کو طاقت دیکر مرض کو نکالدیتا ہے۔ ایسی اکسیر البدن دوا میں ہر ایک کو معلوم نہیں ہوتیں۔ بلکہ بعض خاص لوگوں کو جنپر اللہ میاں اپنا فضل فرماتے ہیں۔ ان بوٹیوں کا راز افشا کردیتے ہیں جن میں روح الکل زیادہ ہوتا ہے روح کو تبدیل ہیئت کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا اس لیئے وہ سرایت کرکے مرض کو جسم سے داخل ہوتے ہی نکالدیتا ہے اکسیر البدن دوائی کا خاصہ ہوتا ہے کہ مرض کو داخل ہوتے ہی جسم سے خارج کرکے مزاج کو فطرتی حالت پر پہنچاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اکسیر اعظم ہر قسم کی مختلف لاعلاج بیماریوں میں تیر بہدف کا کام دیتا ہے +

درد پسلی جاتا رہا

آبحیات عجیب چیز ہے جب نسخہ دیکھتا ہے تو چند قطرے کھا لیتا ہوں سے درد دانت میں بہت فائدہ کرتا ہے درد پسلی میں دو دفعہ کھایا اور لگایا درد جاتا رہا +

(فرخ حسین ڈاک خانہ ھنڈال)

روتے آئے اور ہنستے چلے گئے

ایک لڑکا درد قے ضعف سر سے بخار میں مبتلا تھا پہلی خوراک میں درد اسہال بخار رفع ہوا اور دوسری میں تمام خرابی میں کامل آرام ہو گیا ایک شخص کو صرف تین خوراک سے [illegible] سے نجات ملی آبحیات سے مریض روتے آئے اور ہنستے چلے گئے واقعی آبحیات اکسیر ہے

(سید محمد نائب عدالت مومن آباد دکن)

تیر بہدف ہے

آبحیات تمام مرضوں پر تیر بہدف ہے

(رحم علیخان نمبردار ضلع علیگڑھ)

مردہ زندہ ہوگیا

آبحیات نے اس قدر فائدہ بخشا ہے گویا مردہ کو زندہ کر دکھایا ہے ایک آدمی دریا میں ڈوب گیا جب باہر لایا گیا تو لوگوں نے کہا یہ تو مردہ ہے میں نے آپکا آبحیات دو دفعہ دیا زندہ ہو گیا

(رسیتی خان جنرل مرچنٹ گنڈہ پور آسٹریلیا)

جادو اثر ثابت ہوا

آپکا آبحیات کی بہت مرضوں پر آزمایش کی گئی۔ جادو اثر ثابت ہوا۔ واقعی اسم بامسمّے دوا ہے ایک شیشی اور بھیجدیں۔

(محمد فیاض الدین ساز حیدرآباد دکن)

قے و دست بند

آپکی دوائی سے قے و دست بند اور پیٹ کے درد سے فوراً آرام ہوا (غلام محمد تاجر کتب بہاولپور)

فوائد ومقاصد آبحیات

تپ دق۔ تپ محرقہ۔ تپ صفراوی۔ تپ پرسوت۔ سل۔ پیچش۔ مروڑ۔ صفراوی اسہال۔ سرسام درد سر۔ درد پہلو۔ نمونیا۔ ذات الجنب۔ ضیق قول۔ ناسور۔ بدہ کا زخم۔ درد کان۔ مسوڑوں سے خون آنا۔ پھوڑے پھنسیاں۔ پٹھوں کا اکڑاؤ۔ بواسیر خونی بواسیر۔ تالو کا سوراخ بھگندر۔ دانت کا درد۔ قبض۔ درد قولنج۔ درد کمر۔ درد نقرس۔ چھپاکی۔ تلی۔ ہچکی۔ بیجوائی کھانسی خشک وتر۔ کرم شکم۔ درد پستان۔ درد دل۔ ہیضہ۔ طاعون۔ درد شکم۔ سنگرہنی زہردار ڈنگ۔ بھڑ۔ بچھو۔ سانپ۔ آگ سے جلنا۔ گرمی دانے۔ درد چوٹ۔ زخم۔ مرگی۔ پڑنا۔ کثرت پیاس۔ تشنج۔ خارش۔ نکسیر۔ بدہضمی۔ نزلہ زکام۔ چوتھیہ بخار۔ تیسرے بخار۔ درد پیچ۔ درد شقیقہ وغیرہ امراض کے لیے یکساں مفید ہے۔ مفصل حال کتاب آبحیات میں درج ہے۔ طلب کرنے پر مفت ارسال ہوتی ہے۔ پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ ارسال ہوگا +

قیمت فی شیشی ۱؎ چھ شیشی ۵؎ درجن شیشی ۱۰؎ (محصول ڈاک بذمہ خریدار)

آبحیات سینکڑوں بیماریوں کا ایک ہی تیر بہدف نسخہ ہے جو ہر درد کی دوا ہے

پتہ:— حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء شاہی سندیافتہ لاہور موچی دروازہ

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء مطابق ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۴ ہجری نبوی

جلد ۳ | نمبر ۷

فہرست مضامین

اشتات

معارف القرآن

تعلیم الاسلام

حکمت و موعظت

السیرۃ المحمدیہ و الخصائص النبویہ

اصلاح الاخلاق و الاعمال

بصائر و بصیرت

القصص

معاونین کا شکریہ - مندرجہ ذیل حضرات نے اسوۂ حسنہ کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائی ہم ان حضرات کے شکرگذار ہیں۔
جناب جمیل الدین صاحب جلد ساز ۔ ۳ جناب محمد حفیظ اللہ خان صاحب سب انسپکٹر ۲ جناب شیخ عبد الغنی صاحب چھترا ۲ جناب یوسف صاحب سیکرٹری انجمن اسلام غوثیہ ۱ جناب [illegible]
سب انسپکٹر ۱ جناب مولانا رکن الدین صاحب کلکتہ ۱ جناب سید تجمل حسین صاحب انجمن غوثیہ ۱ جناب مدرس صاحب [illegible] ۱ جناب محمد اسمٰعیل خان صاحب [illegible] ۱ جناب [illegible]
صاحب [illegible] ۱ جناب [illegible] ۱ جناب مولوی محمد صدیق صاحب [illegible] ۱ جناب [illegible] ۱ جناب
محمد الیاس صاحب وکیل ۱

ولقد اهلكنا القرون من قبلكم لما ظلموا وجاءتهم رسلهم بالبينت وما كانوا ليؤمنوا كذلك نجزي القوم المجرمين ثم جعلنكم خلئف في الارض من بعدهم لننظر كيف تعملون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کئے ... پھر ان کے بعد ہم نے تم کو جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو

اُسوۂ حسنہ

اشتات

دیباچہ

اسوۂ حسنہ کی جو دو جلدیں اب تک مکمل ہوئی ہیں۔ وہ چھ چھ مہینے کی رکھی گئی تھیں اور اس حساب سے فروری ۱۹۱۶ء کے رسالہ کو چوتھی جلد کا پہلا نمبر ہونا چاہیئے تھا لیکن اب چونکہ اسوۂ حسنہ کی تقطیع بڑی اور ضخامت کسیقدر کم ہوگئی ہے۔ اسلئے آیندہ اسوۂ حسنہ کی جلدیں سالانہ ہوا کریں گی۔ تاکہ جلد کا حجم اسکے طول و عرض کے مناسب ہے اور جلد بندی کے مصارف میں تخفیف ہو جائے۔ بس جو صاحبان اس سال کے ساتھ پچھلے چھ پرچوں کی فہرست مضامین پہنچنے کے منتظر ہوں۔ وہ براہ کرم پانچ نمبروں کا اور انتظار کریں اور ابھی اپنے رسالوں کی جلدیں بندھوائیں۔ سال ختم ہونے پر بارہ پرچوں کی مکمل فہرست مضامین انشاء اللہ حسب معمول ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی

اس رسالہ کا قلم بعض معاونین کی تحریک پر جلی کرا دیا گیا ہے۔ ہم بذات خود خفی قلم کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ اس حالت میں مضامین کے لیے گنجایش زیادہ نکل آتی ہے۔ غالباً آیندہ پرچہ میں ہمیں پھر قلم خفی کرنا پڑیگا۔

کتب رسایل وغیرہ کے چھپنے میں بڑی رقم کاغذ کی مد میں صرف ہو جاتی ہے۔ آجکل اس جنس کی روز افزوں گرانی کا یہ عالم ہے کہ ہوش پران ہوئے جاتے ہیں پہلے جو کاغذ ڈھائی آنہ پونڈ ملتا تھا۔ وہ اب ساڑھے چار آنہ پونڈ بھی مشکل سے میسر آتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ آجکل ایک رسالہ میں تقریباً اتنی ہی قیمت کا کاغذ خرچ ہوتا ہے جتنی قیمت کا جنگ سے قبل دو رسالوں میں خرچ ہوتا تھا۔

اب فرمایئے کہ کیا کیا جائے ؟ روزانہ اخبار ہو تو اسے پتنگ کے کاغذ ہی پر چھاپکر بھیجدیا جائے۔ رسالہ ہے۔ اور رسالہ بھی اسوۂ حسنہ۔ ہمیں تو اسکے ردی کاغذ پر چھاپنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ضخامت میں کمی یا قیمت میں اضافہ ہونا آپ گوارا نہیں کرینگے۔ پھر آخر اس ناقابل برداشت مصیبت کا کیونکر مقابلہ کیا جائے ؟ کیا اسوۂ حسنہ کے وہ با تمکین ناظرین جو توسیع اشاعت میں کوشش نہیں کرتے۔ اِس مسئلہ پر غور فرمائیں گے ؟

مضامین کے اعتبار سے فروری کا اسوۂ حسنہ بھی سابق نمبروں سے کچھ کم نہیں ہے۔ تقریباً اسکے کل مضامین کار آمد اور پڑھنے کے قابل ہیں خصوصاً ہمارے فاضل محترم خان بہادر مرزا سلطان احمد خاں صاحب کا مضمون "سعی و کوشش" جس میں مسلمانوں کے لیے حکمت و موعظت کا عمدہ علاج

ذخیرہ موجود ہے۔ معارف القرآن کے ذیل میں "تفسیر الفاتحہ" کے عنوان سے جو سلسلۂ تحریر شروع کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ وہ بہت مفید ثابت ہوگا اور دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ علامہ عبدہٗ مصری کا نام باخبر اسلامی دنیا میں کسی تعارف و توضیح کا محتاج نہیں ہے۔ تفسیر الفاتحہ آپ ہی کے تبحر علمی اور دقت نظر کا نتیجہ ہے۔ مصر کی مشہور جامع ازہر کے طلبہ کے سامنے آپنے عہد جدید کی ضروریات مہمہ کو مدنظر رکھ کر یہ قرآنی نکات ارشاد فرمائے تھے۔ جنہیں علامہ سید رشید رضا مصری ایڈیٹر المنار نے منضبط کر کے مفید حواشی کے ساتھ اپنے معتبر عربی رسالہ المنار میں بجا بجا شائع کیا تھا۔ چونکہ اس تفسیر سے اسوۂ حسنہ کے مقاصد کو بہت کچھ تقویت پہنچتی ہے۔ اسلیے ہمنے مناسب سمجھا کہ اسکا اردو ترجمہ اسوۂ حسنہ میں شائع کر دیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان بھی جو قرآن پاک کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ علامہ عبدہٗ جیسے فاضل کے افکار و خیالات سے مستفید ہوسکیں۔ یہ مفید سلسلہ انشاء اللہ کچھ عرصہ تک جاری رہے گا۔ اور ناظرین کرام کی نظر سے اس سلسلہ میں ایسی مفید باتیں گزرینگی جنہیں انشاء اللہ وہ بہت پسند کرینگے۔

معیار تقدس کے انعامی موضوع پر ابتک جس قدر مضامین اسوۂ حسنہ میں نکلے ہیں۔ ان میں سے بعض گو فی نفسہا قابل داد ہیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ جس اہم مقصد کو مدنظر رکھ کر ہمنے اسوۂ حسنہ میں یہ سلسلہ شروع کیا تھا۔ اوسکی جھلک سوائے ہمارے مخدوم علامہ ابوالفضل عباسی کے مضمون کے جو اسی پرچہ میں کہیں درج ہوا ہے۔ اور کسی مضمون میں نہیں نظر آتی۔ علامۂ ممدوح کا مضمون اگرچہ نہایت مجمل و مختصر ہے۔ تاہم اس سے دوسرے لکھنے والوں کو معیار تقدس کے عنوان پر قلم فرسائی کرنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ علامۂ عباسی نے صحیح فرمایا ہے کہ یہ مضمون زیادہ تر تاریخی ہے۔ اور اسکے تمام پہلوؤں پر بحث نہیں ہوسکتی۔ تاوقتیکہ مسلمانوں کی مذہبی تاریخ کا فلسفیانہ نظر سے بغور مطالعہ نہ کر لیا جائے۔ کاش اس موضوع پر علامہ ممدوح ہی زیادہ مفصل و مکمل مضمون تحریر فرمانے کا وقت نکال سکتے کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی و اصلاحی لٹریچر میں ایک گراں بہا اور یادگار چیز ہو جاتی۔

بعض معاونین اسوۂ حسنہ شاکی ہیں کہ اسوۂ حسنہ میں متوسط طبقہ کی دلچسپی کا سامان روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ اور ایسے طویل و خشک مضامین اسمیں درج کیے جاتے ہیں جنسے کم علم حضرات مستفید نہیں ہو سکتے۔ ہمیں ان کرم فرماؤں کی شکایت کا اب احساس ہو گیا ہے۔ اور ہم انشاء اللہ بہت جلد اس کا تدارک کرنے کی کوشش کرینگے۔ امید ہے کہ اسوۂ حسنہ کے ذی علم قلمی معاونین بھی اپنے قلمی فیض کو صرف اہل علم تک محدود رکھنا پسند نہیں فرمائیں گے۔ اسوۂ حسنہ تو دراصل ان ہی لوگوں کی تعلیم و اصلاح کے لیے جاری کیا گیا ہے جنہیں تعلیم و اصلاح کی ضرورت ہے۔ نہ ان کے لیے جو کہ اس سے مستغنی ہیں۔ اسلیے ہم سبکو قومی مفاد مدنظر رکھتے ہوئے اسوۂ حسنہ کو زیادہ سے زیادہ عام فہم۔ دلچسپ اور مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہمارے مطالعے کے کمرہ میں ایسے اخبارات و رسائل اور کتب کا انبار لگ گیا ہے۔ جو اس تین چار مہینہ کے عرصہ میں بغرض تقریظ ہم کو موصول ہوئے ہیں۔ ہماری طبیعت خود اس انبار کو دیکھ کر گھبراتی ہے۔ اور ہماری دلی خواہش ہے کہ کسی طرح جلد تنقید نگاری کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں لیکن اس زمانہ میں ہم کچھ ایسے مصروف اور افکار و آلام میں مبتلا رہے کہ کتب و رسائل کے مطالعے کے لیے وقت نہ نکال سکے۔ انشاء اللہ مارچ کے اسوۂ حسنہ میں ہم اپنے مختصر خیالات ان کے متعلق ظاہر کر سکیں گے۔ کتابوں کے مصنفین اور رسائل و جرائد کے ایڈیٹر صاحبان سے ہم اس ناگوار تاخیر کی معافی چاہتے ہیں۔

اسرار خودی

مسلمانوں کے مایۂ ناز شاعر جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے پی ایچ۔ ڈی نے حال ہی میں ایک دلکش فارسی مثنوی "اسرار خودی" نامی تصنیف فرمائی ہے۔ جسکے موافق و مخالف اسلام ہونے کے متعلق معزز معاصرین وکیل و خطیب میں کچھ عرصہ سے ایک دلچسپ بحث چھڑی ہوئی ہے۔

ہمنے اسرار خودی کو پڑھا اور بعض ان مضامین کو بھی دیکھا جو مثنوی مذکور کی تحسین و تشنیع یا تائید و تردید میں اب تک شائع ہوئے ہیں۔ ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ مثنوی اسرار خودی گو باعتبار ان ضروریات و مقاصد کے جنکے وجود پذیر ہونے کا باعث ہوئے ہیں قابل قدر اور لائق ستائش سمجھی جائے لیکن بلحاظ اس اخلاقی اصول کے جس کی تائید و حمایت میں وہ لکھی گئی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ضرور قابل اعتراض ہے۔

حضرت اقبال نے اپنی مثنوی میں خودی کے استحکام و توسیع کے منافع و برکات کا اظہار کر کے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ نفی خودی کی مہلک غلطی کو دل سے نکال دیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو بقاء و استحکام خودی

کی کوشش کریں۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ ذلت و نکبت کے اسباب میں اُن غلط فہمیوں کو بھی بڑا دخل ہے جو "نفی خودی" کی حقیقت نہ سمجھنے سے عوام و خواص کو ہوئی ہیں۔ لیکن اسباب ذلالت میں دخل غلط فہمیوں کو ہے نہ کہ "نفی خودی" کے نفس اصول کو۔ اسلئے غلط فہمیوں کی اصلاح کی کوشش ہونی چاہیئے۔ نہ کہ ابطال اصول کی۔ اگر بقول حضرت اقبال "نفی خودی" نے مسلمانوں کو رہبانیت پرست، ضعیف العمل، افسردہ طبیعت پست ہمت اور کاہل الوجود بنا دیا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ "خودی کی قدردانی" نے یورپ میں بھی وہ وہ گل کھلائے ہیں۔ جنکا ایک نمونہ وہ عالم سوز جنگ ہے جو توحش و درندگی کے لاکھوں خوفناک مناظر پیش کر چکی ہے۔ تو کیا حضرت اقبال کا بکریوں کے شیر بنانے سے یہ منشاء ہے کہ مسلمان بھی جامۂ توحش زیب تن کر لیں۔ اور روحانیت کو بالائے طاق رکھکر مادہ پرست بنجائیں۔ اگر یہ منشاء نہیں ہے اور غالباً نہیں ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ خودی کے بقاء و استحکام اور توسیع و ترقی پر کیوں زور دیا جاتا ہے۔ حالانکہ دنیا کے کل مذاہب اور حکما کا ایک بڑا گروہ "خودی" کا مخالف اور "نفی خودی" کا حامی ہے۔

خودی کے مٹانے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے اور نہ آجتک کسی سچے اسلامی صوفی نے اس قسم کی تعلیم دی ہے کہ انسان اپنی حیات، جذبات و تمنیات کو بالکل فنا اور مردہ کر دے۔ اور موجود پر قانع رہکر ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جائے۔ مسلمانوں میں آجکل ایک جماعت ضرور ایسی پیدا ہو گئی ہے جو اپنی پست ہمتی اور کاہل الوجودی کے عیب کو رہبانیت کے پردہ میں چھپا کر اسلام اور سلف صالحین کو بدنام کر رہی ہے۔ لیکن اگر بہ نظر انصاف ان کی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ بھی محض "خودی" کے پنجہ میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ان آفات میں مبتلا ہیں۔ اگر آج وہ خودی کی غلامی سے آزاد ہو جائیں۔ اور بے خوف ہو کر حق کے راستہ میں جد و جہد شروع کریں تو دنیا میں بہت جلد سر بلند ہو سکتے ہیں۔ یہ "خودی" ہی کے کرشمے ہیں کہ انسان راحت عاجل کو نفع آجل پر ترجیح دے کر کسی ایسے اندیشناک کام میں ہاتھ ڈالنے سے پرہیز کیا کرتا ہے جس میں اسکو اپنا کوئی فوری نفع نہیں معلوم ہوتا۔ یہی عادت رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کر جاتی ہے کہ انجام کار قویٰ عملی معطل اور اولو العزمیاں مفقود ہو جاتی ہیں۔

صوفیائے اسلام نے بیشک خودی کے مٹانے کی تعلیم دی ہے اور قرآن پاک کا بھی حقیقتاً وہی منشا ہے۔ جو اپنے مخصوص رنگ میں صوفیوں نے سمجھا ہے۔ لیکن جسطرح اور بہت سے مسائل قرآنی کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ کر دیا گیا ہے۔ اسیطرح یہ مسئلہ خودی بھی جاہلوں اور خود غرضوں کے دست تصرف سے نہیں بچ سکا۔ اور آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسکے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر اپنی عاقبت خراب کر رہی ہے۔

علم الاخلاق کا مشہور مسئلہ ہے کہ نفس انسانی کی سرشت حیوانی اور ملکی عناصر سے ہوئی ہے۔ اور چونکہ انسان کو قالب حیوانی دیا گیا ہے اسلیے اسکا نفس حیوانی خلقۃً نفس ملکی پر غالب ہے۔ تاوقتیکہ کوئی عارضہ اسے مغلوب نہ کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانی محرکات یا شہوات کی طرف طبیعت انسانی بالطبع زیادہ راغب ہوتی ہے۔ اور باوجود نفس ملکی کی روک ٹوک کے اکثر اوقات اسمیں اعتدال قائم نہیں رہتا۔ اسلیئے حکمائے اخلاق نے تکمیل و تہذیب نفس انسانی کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ نفس حیوانی کو نفس ملکی کا ایسا مطیع و منقاد بنا دیا جائے۔ کہ وہ اسکے اشاروں پر چلنے لگے۔ اور کبھی نفس ملکی کے عادلانہ احکام سے سرتابی نہ کر سکے۔ یعنی نفس حیوانی کی ہستی کو نفس ملکی کی ہستی میں فنا کر دیا جائے۔ تاکہ کائنات انسانی میں صرف نفس ملکی ہی کا عمل دخل باقی رہے۔ اسی کا نام اخلاقی زبان میں کمال انسانی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچکر آدمی فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے۔ اور خلعت کرمنا بنی آدم سے شرفیاب ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اشرف المخلوقات یا کامل انسان بننے کے لیے انسان کو ایک بڑی قربانی کرنی پڑتی ہے یعنی نفس حیوانی کو نفس ملکی کی ہستی میں فنا کرنا ہوتا ہے۔ اسی قربانی کا نام صوفیائے کرام کی اصطلاح میں "نفی خودی" ہے یعنی خودی حیوانی کو مٹا کر خودی ملکی سے آراستہ ہو جانا یا یوں کہیئے کہ حیوانیت کا چولا اتار کر لباس انسانیت پہن لینا۔ حکمائے اخلاق کے نزدیک نفس انسانی کی تہذیب کی یہ آخری منزل ہے جہاں پہونچکر تمام جذبات اور قوتیں دائرۂ اعتدال میں داخل ہو جاتی ہیں۔ لیکن صوفیائے کرام کے ہاں ترقی نفس انسانی کے اور بھی کئی مدارج ہیں وہ "خودی ملکی" ہی پر قانع نہیں رہتے۔ بلکہ اور آگے بڑھتے ہیں۔ اور جس قدر وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ انہیں اور نئی خودی کے فنا کرنے اور اسکے خودی سے

متقنت ہونے کی ضرورت پڑتی ہے۔ الغرض انہوں نے نفس انسانی کی تہذیب وترقی کے لیے "نفی خودی" کو ایک ذریعہ قرار دے رکھا ہے وہ اس رمز کو سمجھتے ہیں کہ احساس نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے بقول حضرت اقبال انسانی جذبات و تمنیات ستیز ہوتے ہیں اسلیئے وہ تقویت و اصلاح نفس کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ اسکی توہین و تخریب کی۔

لیکن اس عمل کو وہ استحکام و توسیع "خودی" سے تعبیر نہیں کرتے۔ تاکہ اسکے عامل میں انانیت و خودغرضی نہ آجائے۔ اور وہ حصول مقصد سے محروم رہے۔ حضرت اقبال نے بھی دراصل بات وہی کہی ہے۔ جو عموماً صوفی کہتے ہیں۔ لیکن غلطی یہ کی ہے کہ پیرایۂ بیان کو معکوس کر دیا ہے۔ اور یہی وہ خطرناک لغزش ہے۔ جو اسلام اور قرآن پاک کی اصلاحی تعلیمات کے متعلق جدید تعلیم یافتہ مخلصین سے ہو رہی ہے۔ اسلام اپنے پیرؤں کو دنیاوی ترقی کے جن راستوں پر روحانی روشنی میں چلانا چاہتا ہے۔ اہل مغرب انہیں راستوں پر مادی کشش سے چل رہے ہیں۔ اسلیے جہاں انہیں لاکھوں خوبیاں ہیں وہاں ایک سب سے بڑا عیب یہ بھی ہے کہ انمیں خود غرضی اور خدا فراموشی کا مرض روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اور یہ ایسا مرض ہے جو انجام کار ان کی ساری ترقی کی عمارت کو آن واحد میں تودۂ خاک کردے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار +

اسوۂ حسنہ اور زمیندار

معتقد ہمعصر زمیندار مورخہ ۱۲۔ فروری ۱۹۱۶ء میں اسوۂ حسنہ کے خلاف ایک نوٹ چھپا تھا۔ جسکا جواب ہماری طرف سے ۲۷۔ فروری کے زمیندار میں حسب ذیل شائع ہوا ہے:۔

"۲۱۔ فروری کے زمیندار میں "اسوۂ حسنہ سرقہ" کے عنوان سے جو نوٹ آپنے تحریر فرمایا ہے اسے پڑھکر مجھے رنج ہوا کہ زمیندار جیسے موقر پرچہ نے اسوۂ حسنہ کے شکایتی نوٹ کا جواب دینے کے جوش میں کیوں اصول تحقیق و انصاف کو نظرانداز کیا۔ آپنے تحریر فرمایا ہے کہ اسوۂ حسنہ نے مولوی عبدالحی صاحب فاروقی کا ایک مضمون زمیندار سے نقل کیا لیکن زمیندار کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ صحیح نہیں ہے ستمبر ۱۹۱۵ء کا اسوۂ حسنہ اٹھا کر دیکھیئے صفحہ ۴۷ پر خواجہ عبدالحی صاحب کا مضمون شروع ہونے سے قبل اڈیٹر اپنے نوٹ میں لکھتا ہے:۔

"ذیل کا مضمون مولانا عبدالحی صاحب فاروقی نے بعد ترمیم و نظر ثانی اسوۂ حسنہ میں مکرر شائع کرنے کے لیے ہم کو مرحمت فرمایا ہے۔ یہی مضمون ہمارے محترم ہمعصر روزانہ زمیندار لاہور کے تین نمبروں میں شائع ہو چکا ہے"

امید ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ پڑھکر آپ اپنا اعتراض واپس لے لیں گے

دوسرا اعتراض آپکا یہ ہے کہ اسوۂ حسنہ میں مولوی نیاز محمد خان صاحب نیاز کا ایک مضمون بعنوان "کیا نحوست حقیقتاً کوئی چیز ہے" شائع ہوا ہے اور اسکا آخری حصہ آپ کی تالیف "محاکمات" سے ماخوذ ہے ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ لیکن آپ ہی انصاف فرمائیں کہ اس میں اسوۂ حسنہ کا کیا قصور ہے یہ مضمون نیاز صاحب نے مجھے قیمتاً دیا تھا۔ اور میں نے اسوۂ حسنہ کی حیثیت کے موافق اسکا معقول معاوضہ انکو پیش کیا تھا۔ اگر واقعی نیاز صاحب نے مسروقہ مضمون کی پوری قیمت لیکر مجھے دہوکہ دیا ہے۔ تو ایسی حالت میں آپ کی ہمدردی کا مستحق تہا نہ کہ عتاب کا اور آپ کو نیاز صاحب سے بازپرس کرنی چاہیئے تھی۔ نہ کہ غریب اسوۂ حسنہ سے۔ البتہ اگر مجھے نیاز صاحب کے مضمون کے مسروقہ ہونے کا کچھ علم ہوتا اور پھر بھی میں اسے شائع کر دیتا تو میں قصوروار تہا لیکن آپ خیال فرما سکتے ہیں۔ کہ اگر مجھے نیاز صاحب کے مضمون کے متعلق اس قسم کا اندیشہ ہوتا تو میں ایسے مضمون کو قیمتاً کیوں خریدتا اور کیوں ناحق درد سر مول لیتا"

زمیندار ۲۷۔ فروری ۱۹۱۶ء

مندرجہ بالا جواب ہم اپنے محترم ہمقلم فاضل اڈیٹر صاحب زمیندار کی خدمت میں بغرض اشاعت بہیج چکے تھے کہ مولوی نیاز محمد خان صاحب نیاز فتحپوری کا ایک خط موصول ہوا جسکا ضروری اقتباس درج ذیل ہے:۔

"در حقیقت یہ ہے کہ مینے محاکمات کا دیکھنا تو درکنار اسوقت تک اس کتاب کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کتاب میں عمادی صاحب نے اسی مسئلہ خاص کی نسبت بحث کی ہو۔ اور قریب قریب یہی طریقہ استدلال اختیار کیا ہو۔ مینے یہ مضمون صرف اپنے اس مطالعہ کی بنا پر لکھا تھا جو مینے کبھی کیا تھا اور معلوم نہیں کہاں اور کس کتاب سے۔ اسکے متعلق یہ مواد میرے دماغ نے حاصل کیا تھا۔ اس قسم کے بہت سے مسایل ہیں جو میرے حافظہ میں ہیں لیکن اسوقت میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کن کن کتابوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں"

افسوس کہ فاضل اڈیٹر صاحب زمیندار کی تالیف محاکمات باوجود تلاش کے اسوقت تک ہمیں دستیاب نہیں ہوسکی اسلیئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اصلیت کیا ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ شاید نیاز صاحب کے مضمون اور محاکمات کا ماخذ ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(اے نبی یہ) بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

تفسیر الفاتحہ

مقدمۃ التفسیر

قرآن مجید کی تفسیر میں لب کشائی کرنا نہایت اہم اور دشوار کام ہے لیکن محض اس وجہ سے کہ وہ دشوار ہے اُسے چھوڑا بھی نہیں جاسکتا اور نہ تفسیر جیسی ضروری چیز سے ہم لوگوں کو پہلو تہی کرنا مناسب ہو سکتا ہے۔

تفسیر القرآن کے کام میں مشکلات و دشواریاں ہونے کی بہت سی وجوہ ہیں لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک ایک آسمانی کلام ہے جسکا نزول حضرت رب العزت سے ہوا ہے۔ اور جس کی حقیقت تک سوائے اکمل الانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی دوسرے کا ذہن نہیں پہنچتا۔ اسکے مطالب و معارف اس درجہ بلند و عالی ہیں کہ بجز قدسی نفس اور صافی عقل حضرات کے کوئی ان پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ طالبان حقائق قرآن پر وجدانی طور پر ایسی ہیبت طاری ہوتی ہے کہ کچھ ہی کسر رہ جاتی ہے۔ ورنہ وہ طلب ہی سے دست بردار ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہ آسانی کر دی ہے کہ ہمیں اپنے کلام مقدس کے صرف سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کا حکم دیا ہے۔ نہ کہ اس کے حقائق و معارف پر مطلع ہونے کا کیونکہ اُسنے قرآن پاک کو نور و ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ اس سے لوگ شرائع و احکام خداوندی معلوم کرلیں۔ اور یہ مقصد نہیں حاصل ہو سکتا تاوقتیکہ لوگ قرآن پاک کو سمجھیں نہیں۔

پس تفسیر سے ہمارا مقصود یہی ہے کہ ہم قرآن حکیم کو اس حیثیت سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ ہمارا دین و ایمان ہے۔ اور ہمیں اُن امور کی تعلیم و ہدایت کرتا ہے جنپر کاربند ہو کر ہم دنیا و آخرت کی زندگی میں سعادت و سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔ تفسیر کا سب سے بڑا اور اہم مقصد یہی ہے۔ اسکے علاوہ اور جتنی باتیں ہیں وہ سب اسی مقصد کے تابع یا اسکے حاصل کرنیکے وسیلے ہیں۔

تفسیر حسب ذیل ضرورتوں کو مدنظر رکھکر کیجاتی ہے:۔

(۱) قرآن پاک کے اسلوب بیان، معانی اور نکات بلاغت پر غور کرنے کے لیے جس سے یہ معلوم ہو کہ کلام کیسا عالی اور دوسرے کلاموں سے کس قدر ممتاز ہے۔ علامہ زمخشری نے خصوصیت کیسا تھ اسی مقصد کو مدنظر رکھا ہے۔ اگرچہ دوسرے مقاصد کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ پھر ان کے بعد اوروں نے بھی ان کی تقلید کی۔

(۲) الفاظ قرآن کے اعراب بتانے کے لیے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اسکا خاص اہتمام کیا ہے۔ اور الفاظ کے احتمالات و وجوہ کے بیان میں بہت کچھ تفصیل و توضیح سے کام لیا ہے۔

(۳) قرآن پاک میں جو قصے مذکور ہیں انکی توضیح و تشریح کے لیے بعض مفسرین اسی روش کے گرویدہ ہیں۔ اور انھوں نے قرآن پاک کے قصوں میں کتب تواریخ اور بنی اسرائیل کی کہانیوں سے

حاشیے چڑھا کر بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ یہی نہیں کہ توریت و انجیل یا اہل کتاب کی معتبر کتابوں ہی سے وہ مضامین لیے ہوں بلکہ بلا امتیاز رطب و یابس جو کچھ بھی اہل کتاب سے سنا لکھ دیا۔ اتنا بھی نہ دیکھا کہ آیا وہ مضامین نقل و عقل کے خلاف تو نہیں ہیں۔

(۴) قرآن مجید کی عجیب و غریب باتوں کے بیان کرنے کے لیے۔

(۵) عبادات و معاملات کے متعلق احکام شرعی بیان کرنے اور یہ دکھانے کے لیے کہ یہ احکام قرآن پاک سے کیونکر استنباط کیے گئے۔

(۶) اصول عقاید میں بحث کرنے۔ مخالفین کے دلایل کا رد کرنے اور کج بحثوں کے معقول کرنے کے لیے امام رازی کی توجہ زیادہ تر اسی جانب مبذول ہوئی ہے۔

(۷) نصیحت آمیز و رقت خیز مضامین بیان کرنے کے لیے جو لوگ ان مضامین کے دلدادہ ہیں۔ انھوں نے عابدوں اور صوفیوں کی حکایات کو ملا جلا کر ان مضمونوں پر ایسا رنگ چڑھایا کہ فضائل آداب کی جو حدود قرآن پاک نے مقرر کیں تھیں۔ بعض اوقات ان سے تجاوز کر گیے۔

(۸) اُن امور کے بیان کرنے کے لیے جنہیں لوگ "اشارات قرآن" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ وہ مضمون ہے جسمیں لوگوں کو دھوکا ہو گیا اور فرقہ باطنیہ اور حضرات صوفیہ کے کلام میں اشتباہ پڑ گیا۔ چنانچہ اس اشتباہ کا ایک نمونہ وہ تفسیر ہے۔ جو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی طرف منسوب ہے۔ اور درحقیقت تاشانی باطنی کی لکھی ہوئی ہے۔ اور جسمیں بہت سی باتیں ایسی بیان کی گئی ہیں جن سے دین حنیف اور کتاب الٰہی بیزار ہے۔

یہ تو تمہیں معلوم ہو گیا کہ مذکورۂ بالا مقاصد و طرق تفسیر میں سے کسی ایک کے پیچھے پڑ جانے سے قرآن پاک کے اور بہت سے مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔ اور کلام اللہ کی حقیقی غرض پر فراموشی کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ لہذا ہمارا مقصود تفسیر سے وہی رہے گا۔ جو ہم اوپر بتا چکے ہیں۔ ہاں وجوہ بلاغت کا بیان جہاں تک کہ معانی قرآن اسکی اجازت دیتے ہیں۔ اور اعراب کی تحقیق اسطور پر کہ فصاحت و بلاغت قرآن پاک کے شایان شان ہو حسب موقع ساتھ ساتھ ہوتی رہے گی۔

ممکن ہے کہ آجکل کوئی صاحب کہنے لگیں کہ اب ہمیں نہ کسی تفسیر کی ضرورت ہے اور نہ قرآن پاک میں غور و خوض کرنے کی۔ کیونکہ ائمہ سابقین قرآن و حدیث میں غور و فکر کر کے تمام احکام شرعی مستنبط کر چکے ہیں۔ پس ہمیں تو صرف انہیں کی کتابوں کا دیکھ لینا کافی ہے لیکن یہ ایک ایسا خیال ہے کہ اگر اسکو صحیح مانا جائے تو علم تفسیر محض ایک کھیل ہوا جس کی چھان بین میں ائمۂ تفسیر نے فضول اپنا وقت ضائع کیا۔ اگرچہ خیال مذکور سے فقہ کی عظمت و شان کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر وہ سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس وقت تک کے تمام اجماع امت کے برخلاف ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ ایک مسلمان کے دل میں اس قسم کے خیال کا کیونکر گزر ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ عملی احکام جن کا نام فقہ رکھدیا ہے مضامین قرآنی کا بہت تھوڑا سا حصہ ہیں۔ باقی مضامین جو تہذیب و تزکیہ روح کے متعلق ہیں۔ اور جو نفوس انسانی کو جہالت کی پستی سے نکالکر روح معرفت پر لیجاتے اور اجتماعی زندگی کے طریقوں کی جانب انکی رہنمائی کرتے ہیں۔ ایسے مضامین ہیں جن سے کوئی شخص بھی جو خدا اور رسول اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہ باتیں علم فقہ میں کہاں۔ وہ تو قرآن پاک ہی میں ملتی ہیں یا کچھ اُن کتابوں میں جن میں بالقصد قرآن مجید سے اسی قسم کے مضامین لئے گیے ہیں۔ مثلاً احیاء العلوم۔ جس میں علم تہذیب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ لیکن قرآن پاک کے سمجھنے والوں اور اسکی پورے طور پر تلاوت کرنے والوں کے قلوب پر جو عظمت و تاثیر اس کلام مقدس کی ہوتی ہے۔ وہ کسی دوسرے کلام کو نصیب نہیں علاوہ ازیں قرآن پاک کے اکثر مطالب و معارف کے چہرہ پر خفا کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جسے ابتک کسی عالم و امام نے نہیں اٹھایا۔ پھر ہو کہ ائمۂ مذہب کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید ہر فرد و بشر پر قیامت تک حجت رہے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ - قرآن حجة ہے تیرے لیے یا تجہپر (یعنی اگر تو قرآن پاک کو سمجھے اور عمل کرے گا تو وہ تیرا موید بن جائیگا ورنہ مخالف) اب تاوقتیکہ اسکو سمجھا نہ جائے اور اسکے احکام اور حکمتوں کو معلوم نہ کیا جائے۔ تو اسکا حجة ہونا کیونکر قیاس میں آسکتا ہے۔

یہ بھی یاد ہے کہ اللہ پاک نے قرآن مجید میں اگرچہ انہیں لوگوں کو مخاطب فرمایا تھا جو اوس کے نازل ہونے کے زمانہ میں موجود تھے لیکن یہ خطاب محض ان کی شخصی خصوصیت کے لحاظ سے نہ تھا بلکہ اس بنا پر تھا کہ وہ بھی اسی نوع انسانی کے افراد ہیں جس کی ہدایت کے لیے قرآن نازل ہوا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ (اے لوگوا ڈرو اپنے پروردگار سے)

تو کیا اسکا منشا یہ ہے ہم خود اس ارشاد کو کچہ نہ سمجہیں اور صرف اون بزرگان سلف کے اقوال کو دیکھ لینا کافی جانیں جو ہم سے پہلے اس آیت میں غور و خوض فرما چکے ہیں۔ اور جن کی پیروی کے فرض ہونے کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی اجمالاً یا تفصیلاً ہمارے پاس نہیں پہنچی۔ کیا سمجہ میں آتا ہے کہ ہم اس صورت میں خالق اکبر کو رضامند کریں گے۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً بقدر امکان قرآن مجید کا سمجھنا ہر شخص پر واجب ہے۔ اور اس میں عالم و جاہل کی کوئی تخصیص و تفریق نہیں۔ ایک معمولی شخص کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مثلاً وہ آیہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ میں ظاہر آیات کا مطلب سمجہ لے۔ اور معلوم کرے کہ ان آیات میں جن اوصاف کا ذکر ہوا ہے جس کسی میں وہ اوصاف پائے جائینگے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فایز و مفلح ہوگا۔ رہے اوصاف ان کے متعلق صرف یہ معلوم کرلینا کافی ہے کہ خشوع کسے کہتے ہیں لغویات یعنی ایسی باتوں سے جن میں کوئی نفع نہیں اعراض کیونکر ہوتا ہے۔ اور ان امور کی جانب جن میں کوئی دنیوی یا اخروی نفع ہے۔ توجہ کیسے ہوسکتی ہے۔ زکوۃ میں مال خرچ کرنے۔ عہد کی پابندی۔ وعدہ کی سچائی اور فحش سے اجتناب کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ جو لوگ ان اوصاف سے عاری اور ان کے اضداد سے متصف ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قایم کی ہوئی حدود کے دشمن اور غضب الٰہی کے مستحق و مورد ہیں۔ اور یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کا سمجھ لینا کسی ایماندار کے لیے کچہ مشکل نہیں ہے۔ چاہے وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اور کوئی سی زبان بولتا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر شخص قرآن مجید سے اپنی ذات کے لیے اون امور کا علم حاصل کرسکے۔ جو بھلائی پہنچانے والے اور برائی سے بچانے والے ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید تو ہماری ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اور وہ اُن کمزوریوں سے بھی بخوبی واقف ہے جو ہم میں موجود ہیں۔ فہم قرآن کا یہ ادنے مرتبہ ہے اس سے اوپر ایک اور مرتبہ ہے جو فرض کفایہ ہے +

(باقی آیندہ)

فی سبیل اللہ

قرآن مجید میں "فی سبیل اللہ" یا "سبیل اللہ" بہت دفعہ آیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ ہدایت ہے کہ تمہاری تمام کوششیں اور تمام کام فی سبیل اللہ ہوں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ تم اپنی زندگی میں جو کام بھی کرو۔ تو محض خدا کی خاطر یا خدا کے واسطے کرو۔ بہ تبع تعلیم و ہدایت قرآنی احادیث میں کہا گیا ہے کہ تمہارے کاموں کا ایک بڑا حصہ فی سبیل اللہ۔ یا خدا کے واسطے ہونا چاہیئے۔

کوشش کرو تو اللہ کے واسطے کرو۔

صدقہ دو تو اللہ کے واسطے دو۔

مروت کرو تو اللہ کے واسطے کرو۔

احسان کرو تو اللہ کے واسطے کرو۔

یہاں تک کہ میاں بیوی کی اور بیوی میاں کی والدین اولاد کی اور اولاد والدین کی خدمت بھی فی سبیل اللہ ہی کریں محبت و

الفت بھی فی سبیل اللہ ہی ہو احباب کی محبت میں بھی فی سبیل اللہ ہی کی جھلک پائی جاوے۔ جینا بھی اللہ ہی کے واسطے ہو اور مرنا بھی اُسی کے واسطے ہو۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

عام طور پر یہ جملہ فی سبیل اللہ پڑھ کر یوں ہی چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے معانی سے دل و دماغ بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔ یہ تو لوگ جانتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کے معانی کیا ہیں لیکن بہت کم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بار بار اس راہ سے کیوں لیجانا چاہتا ہے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اسپر کیوں زور دیتے ہیں آخر اسکی کوئی وجہ بھی ہے۔

سنو اور سوچو! خداوند کریم اور اسلام مسلمانوں کو مختلف اقوام اور مختلف افراد سے جمع کر کے ایک کامل ملت بنا تا ہے۔ ساری دنیا میں اگر دوسرے رنگ میں مختلف اقوام ہیں تو اسلام ملی رنگ میں ایک قوم بنا تا ہے۔ پہلا قانون اُسکا۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ہے جو ایک ہی سبیل حبل اللہ پر چلاتا ہے۔ اور یہ ذمہ داری ڈالتا ہے کہ اگرچہ کتنی ہی دور سے کوئی شخص آ کر مسلمانوں میں شامل ہو۔ وہ شامل ہوتے ہی اسلامی زنجیر کی ایک مضبوط کڑی ہو جائے۔ ایسی کڑی کہ پہلی پیوستہ کڑی اُسے علیحدہ نہ کر سکے اور اسکو وہی ملی حقوق حاصل ہو جائیں۔ جو صدہا سال کے مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ مجال نہیں کسی خاندانی مسلمان کی کہ اُس میں چوں بھی کر سکے۔ جب یہ رشتہ جوڑا گیا۔ تو یہ بھی ساتھ ہی کہا گیا کہ دوسری قومیں اگر کوئی شخصی ملی اجتماعی یا قومی کام کر کے اسکا معاوضہ چاہتی ہیں۔ اور معاوضہ نہ ادا ہونے کی صورت میں کڑھتی ہیں تو مسلمانوں میں یہ روش ہے کہ جو کام کیا جاوے وہ خدا کے حکم کے مطابق یا خدا کے واسطے کیا جاوے۔ جس کا اجر فاعل کو خدا خود دیگا۔ اس کی جزا اُس ذات پر ہے جو سب کا داتا ہے۔ ایک شخص دوسرے شخص پر احسان نہ رکھے اور نہ اس خبط میں پڑ کر توں فوں کرتا پھرے۔

قرآنی طرز سے پایا جاتا ہے کہ اکثر فی سبیل اللہ کا اطلاق اعلیٰ اور ملی یا تمدنی رنگ میں ہوا ہے۔ گو افراد و شخصیتیں بھی اس سے باہر نہیں۔ مگر زور اسی پر دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کی گذشتہ روایات سے اسکا ثبوت کافی ملتا ہے کہ فی سبیل اللہ پر ان کا کہاں تک اور کس صداقت سے عمل تھا اور اس کی بدولت ان کا دامن اقبال کہاں تک فراخ اور مضبوط تھا۔ صدہا نظیریں ہمیں اس بحث کے متعلق ملسکتی ہیں۔

کیسی اعلیٰ بات ہے کہ زید جب قوم کے واسطے ایک کام یا ملکی خدمت کرتا ہے گو کہ اسکا یا اس کے افراد کا اس میں اپنا بھی فائدہ ہوتا ہے لیکن اس کا اجر خدا سے چاہتا ہے۔ اور خدا ہی کی خاطر اسے انجام بھی دیتا ہے۔ اگر دوسرے لوگ اس کی داد دیں یا اسکی قدر کریں تو یہ ایک دوسری بات ہے لیکن اگر کوئی ایسا نکرے تو اوس کا دل ملول نہیں ہو سکتا۔ اور اسکی ہمت ٹوٹتی نہیں وہ دونوں طرح سے خوش رہتا ہے اور اسکی طمانیت میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آتا۔ وہ باوجود خادم اور محسن ہونے کے بے لاگ خدمت کرنے کا مدعی ہے ؎

در عشق بہ یک طرز کند نالہ دل من
سازے ست محبت کہ درین زیر و بے نیست

اس دنیا میں بے لاگ خدمت کرنا ان خدمات میں سے ہے جن کی قیمت اخلاقی اور فطری رنگ میں بہت کچھ بڑھی ہوئی ہے۔ اور ایسی ہی خدمت کی بابت کہا گیا ہے ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

ہم کیسے خوش قسمت ہیں کہ کام کر کے احسان کر کے مروت کر کے خدا کو ضمانت میں لیتے ہیں۔ خدا ہماری ضمانت دیتا ہے کیا خوش نصیبی ہے کہ خود خدا ہمارا ضامن ہوتا ہے۔ اپنی ضمانت دیکر ہمیں ان آفتوں رنجوں اُن مایوسیوں اور اُن شکایتوں سے چھوڑا تا ہے جو خدمت کے صلہ نہ ملنے پر کبھی کبھی ہوا کرتی ہیں اگر ہمیں یہ یقین ہو۔ اور ہمارا یہ وطیرہ ہو جاوے کہ ہم ہر خدمت کے کرنے پر اُسکا اجر خدا سے چاہیں۔ اور باوجود احسان اور مروت کرنے کے اپنے ابنائے جنس سے بے صبری کیساتھ

معاوضہ ہوں تو کیا یہ سوچ نہیں سکتے۔ کہ ہماری یہ بے غرض خدمت اور ہمارا صبر و استقلال کیسے اعلےٰ درجہ کے نتائج پیدا کرے گا۔

نہ مے شود بہ گل و خار بند و امانش
کسے کہ عزم سفر چوں صبا درست کند

شروع شروع میں مسلمانوں یا اسلاف اسلام کا یہی حال تھا ان کا مرنا جینا صرف خدا کے واسطے ہوتا تھا۔ اون کی زندگی کی رفتار ہمیشہ فی سبیل اللہ کی شان رکھتی تھی۔ وہ اگر کسی کے ساتھ احسان کرتے تھے۔ تو وہ بھی اللہ ہی کے نام سے تھا۔ اور اگر کسی بھائی سے کوئی تکلیف پہونچ جاتی تھی تو وہ بھی اللہ ہی کی جانب سے جانتے تھے۔ ہر رنگ میں شاکر اور صابر رہتے تھے۔ اگر ایک استاد شاگردوں کو مدرسہ یا مسجد میں بیٹھ کر سبق دیتا تو فی سبیل اللہ ہی دیتا۔ اور اگر یہی شاگرد اپنے استاد کی خدمت کرتے تھے۔ تو اسکا مطلب بھی خدا کی رضا جوئی ہی ہوتا تھا۔

مسلمانوں کی قوم اپنی قربانیوں اور خدا جوئی کے برکات کا ثمرہ دیکھتی تھی۔ اور ان ہی وجوہ سے ساری دنیا میں اُس کا بول بالا تھا۔ ہر سعی اور ہر تگ و دو خدا ہی کے نام سے شروع کی جاتی تھی ہر رنگ میں یہ سمجھا جاتا تھا۔ سمجھا ہی نہیں بلکہ یقین بھی کیا جاتا تھا۔ کہ خدا ہر صورت میں ہمارا ضامن اور کفیل ہے۔ اور وہ کسی کو بھی ثمرات خدمت سے محروم نہیں رکھتا۔ بازمنۂ گذشتہ مسلمانوں میں ہزاروں ہی ریفارمر اور قوم پرست ملت پرست گذرے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی تو ایسا نکال دو جو نفسانی خواہشات کے تابع مروت اور احسان کے جوش میں براہ راست قوم سے طالب داد ہوا ہو۔ نہ انہیں القاب کی آرزو تھی۔ اور نہ خطابات کی۔ نہ نمود کی۔ اور نہ نمائش کی چاروں خلفاء اور عترت مطہرہ نے اپنی زندگیاں امت رسول کی خدمت میں گزار دیں۔ کہو تو سہی کسی ایک نے بھی کوئی خطاب یا کوئی لقب چاہا ہو۔ یا اپنی خود غرضیوں کے ماتحت افراد قوم اور قوم کا خون کیا ہو۔ ہمیں یہ ذلت یہ خواری کیوں نصیب ہوئی اسی واسطے کہ ہم میں سے فی سبیل اللہ خدمت اور کام کرنیوالے دن بدن کم ہوتے گئے اور ان کی تعداد بڑھتی گئی جو شروع ہی سے نمائش نمود اور خود غرضی کے شکار رہتے۔ اپنے اغراض کی خاطر قوم میں سیلاب بہلانے سے بھی نہ رکے۔ بجائے اس کے کہ قوم اور افراد قوم کے واسطے فی سبیل اللہ اللہ کی خاطر خدمت اور کام کریں۔ کیا تو یہ کیا کہ جو نال خال قوم میں ایسے لوگ تھے بھی ان کی گردنوں پر حسد کی چھری پال رکھدیں۔ جو قومیں اس وقت پر وہ دنیا پر ترقی یافتہ ہیں۔ دیکھ لو ان میں بھی فی سبیل اللہ خدمات کا ہی زور اور چرچا ہے۔ بڑے بڑے مشاہیر دھن سے من سے تن سے قومی خدمات کرتے ہیں لیکن دل میں ایک جَو برابر بھی صلے کی خواہش نہیں ہوتی۔ باوجود اسکے ان کی خدمات کا صلہ قوم رفتہ رفتہ دئے بغیر رہتی بھی نہیں ان کی داد ہر رنگ میں دی ہی جاتی ہے۔

فی سبیل اللہ کام کرنے سے اجر اور معاوضہ ملنے سے نہیں رہتا جب ایک انسان ضامن اور کفیل ہوتا ہے تو وہ بھی بدلہ دیتا ہے۔ چہ جائے کہ خود خدا ہمارا ضامن ہوتا ہے جس قوم کے افراد اپنے ابنائے قوم کی خاطر فی سبیل اللہ کام کرنے کے عادی ہیں اور خدا ہی پر سب معاوضہ چھوڑتے ہیں۔ کیا وہ قوم بھی ذلیل اور خوار ہو سکتی ہے اس نکتہ پر غور سے نظر ڈالو اور کہو کہ ہمیں قرآن مجید کس اعلیٰ درجہ پر دیکھنا اور پہونچانا چاہتا ہے۔ دیکھو اس ایک ہی جملہ فی سبیل اللہ میں کس قدر اعلیٰ اخلاق کا بیان ہوا ہے کیا اس سے بھی کوئی اخلاق اعلیٰ اور ارفع ہو سکتا ہے + دعا خواہ ندسالہ التکیا کہنو

سلطان احمد خان

اُسوۂ حسنہ کے معزز ناظرین ہمیشہ اس امر کا لحاظ رکھیں کہ فرمائش کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں اور جواب طلب امور کے لیے آدہ آنہ کا ٹکٹ بھیج دینا چاہیئے۔ ورنہ دفتر سے سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہ ملے گا۔ منیجر

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

مِعیار تقدس

تقدس کے معنی جسطرح ظاہر ہیں اور محتاج بیان نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ عبادت الٰہی میں لذت پانا تقدس باطنی ہے۔ اور سنت نبوی کی پیروی کرنا تقدس ظاہری ہے۔ ان دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ بغیر سنت نبوی کی پیروی کئے ہوئے عبادت الٰہی کی لذت تامہ حاصل نہیں ہو سکتی مگر یہ ممکن ہے کہ سنت نبوی کی پیروی کیجائے۔ اور کچھ دنوں تک لذت عبادت حاصل نہ ہو لیکن دوام پیروی سنت سے لذت عبادت اور پیروی سنت ضرور لازم و ملزوم ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ غیر ممکن ہے کہ ایک شخص سنت نبوی کی پیروی ہمیشہ کرتا رہے۔ اور اُسے لذت عبادت حاصل نہ ہو۔ اور یہ بھی غیر ممکن ہے کہ کوئی سنت نبوی کی پیروی نکرے۔ اور اسلامی نظر سے لذت عبادت اُسے حاصل ہونے لگے۔ یہ امور مذہب اسلام کے اصول موضوعہ ہیں اور علوم متعارفہ بھی ہیں۔ کوئی مسلمان جب تک مسلمان ہے اور اسلامی سمجھ رکھتا ہے۔ ان امور سے انکار نہیں کر سکتا۔ اسلیئے اصلی معیار تقدس اتنا ہی ہے جتنا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ یہ بھی واضح ہے کہ لذت عبادت حاصل ہونا تقدس باطنی سے تعلق رکھتا ہے اور سنت نبوی کی پیروی تقدس ظاہری ہے کسی کے تقدس ظاہری کا جاننا تو آسان ہے۔ لیکن تقدس باطنی کا سمجھنا مشکل ہے اور ریاکاری کا دخل دونوں میں ہو سکتا ہے اظہار تقدس ظاہری میں ریاکاری آسان ہے۔ تقدس باطنی میں گو ریاکاری کو دخل نہیں ہے لیکن کسی کے لیے اپنے تقدس باطنی کا دوسروں کو لطائف الحیل سے باور کرا دینا مشکل نہیں ہے۔

مفصلہ بالا مقدمات سننے کے بعد ناظرین بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ مرور زمانہ کے ساتھ جب قلوب بدلتے رہے تو معیار تقدس بھی بدلتا رہا ہوگا۔ خاص خاص ذی علم مسلمانوں کے نزدیک تو جو معیار تقدس ابتدائے سنہ ہجری میں تھا۔ وہی اسوقت چودھویں صدی میں بھی ہے لیکن عام مسلمانوں کی حالتوں میں جتنا ہی تغیر ہوتا گیا۔ اتنا ہی معیار تقدس کے متعلق اون کے خیالات میں بھی تغیر ہوتا گیا۔ اور اسمیں ذرا شبہ نہیں کہ معیار تقدس ابتدائی زمانہ میں کچھ اور تھا اور زمانہ وسطے میں کچھ اور ہوتا۔ اور اب زمانہ آخیر میں کچھ اور ہے۔ "اسوۂ حسنہ" میں مختلف زمانوں کے معیار تقدس پر ایک مضمون لکھنے کا انعامی اشتہار شائع ہوا ہے۔ اور چند لوگوں نے مضامین بھی لکھے ہیں میرے خیال میں یہ سوال زیادہ تر تاریخی سوال ہے۔ اور اس سوال کا دلچسپ جواب نہیں ہو سکتا جب تک مختلف فرقوں کے مسلمانوں کے مجموعی حالات پر تاریخی نظر ڈالکر ایک مستقل رسالہ نہ لکھا جائے میں اس مضمون پر کوئی مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ یہ مضمون محض بطور توضیح اشتہار اس امید سے لکھتا ہوں کہ کوئی شخص اگر ایک بسیط رسالہ اس کے متعلق تحریر کرنا چاہے کہ

معاصر حسنہ میں دفعہ وفعہ کرکے شائع کیا جائے۔ تو یہ میری تحریر بطور تبادلہ خیالات کچھ اُسے مدد دے سکے گی۔۔

میں اپنے خیالات کو کسی قدر واضح کرنے کے لیے اتنا لکھنا بے موقع نہیں سمجھتا کہ پیغمبر خدا کی حیات تک معیار تقدس تقدس باطنی تھا۔ اور انہیں معنوں میں آنحضرت سب سے زیادہ مقدس سمجھے جاتے تھے۔ اور اسوقت ایسے لوگ بھی بہت تھے جن کے تقدس باطنی کا عام مسلمانوں کو یقین کامل تھا لیکن اس کے ساتھ ہی تقدس ظاہری کی کساد بازاری نہ تھی۔ پہلے تقدس ظاہری اور تقدس باطنی لازم و ملزوم تھے لیکن اس کے بعد صرف تقدس ظاہری یعنی سنت نبوی کی پیروی معیار تقدس رہ گیا۔ اور لوگ تقدس کی جانچ کے لیے صرف سنت نبوی کا خیال رکھنے لگے۔ جو جتنا ہی سختی سے اسکا پیرو ہوتا تھا اتنا ہی اسے لوگ زیادہ مقدس جانتے تھے۔ یہ حالت کچھ خفیف ردو بدل کے ساتھ عربوں کی سلطنت کے ساتھ برابر قایم رہی یاوہ پھر اسمیں تغیر عظیم واقع ہوا۔ اس رفتار تغیر کا بالتصریح بیان کرنا نہایت دلچسپ ہوگا۔ اگر واقعہ نگاری کے ساتھ اور تمام جزیات پر نظر کرکے اور تمام کتب سیر دیکھ کر اسکا بیان کیا جائے تو ایک نہایت مفید اور کارآمد تحریر مرتب ہوگی۔ دوسرا دور عربوں کی سلطنت کے ضعف اور ایرانیوں ترکوں اور مغلوں کی حکومت کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔ یہ زمانہ وہ ہے کہ غیر قوموں کے طرز تمدن کو عربوں کے تمدن میں مداخلت کا موقع ملا۔ بااثر لوگ سنت نبوی کی پیروی کم کرنے لگے۔ تقدس ظاہری کے مشکلات سے گھبرانے لگے۔ اور رفتہ رفتہ عوام بھی خواص کے رنگ میں آتے گئے۔ لیکن فکر معاد جو ایک مذہب اور بالخصوص مذہب اسلام کا جزو اعظم ہے۔ وہ دماغوں سے جاتا نہ تھا۔ اس لیے طبیعتیں اس امر پر مایل ہوئیں کہ محنت اور مشقت نہو۔ اور کسی طرح جنت ملجائے تو اچھا۔ ایسی حالت میں علما و مشائخ اسلام کو قوم پر ایک ایسا ہی اقتدار حاصل ہوا جیسا ابتدائے اسلام کے قبل عرب اور شام میں حاصل تھا۔ ان میں سچے اور برگزیدہ علما اور مشائخ بھی تھے۔ لیکن ایسے لوگ زیادہ تر تھے۔ جو خواص اور عوام کے سامنے اُن کی حالت کے مناسب امور مذہبی میں تراش خراش روا رکھتے تھے۔ اور اسلیے لوگ اُن کے پیرو زیادہ تھے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کے وقت میں روزہ دار مسلمان نماز تراویح کے بعد جس کثرت سے نماز تراویح میں جمع ہوکر رونق اسلام دکھاتے تھے۔ اس سے کہیں زیادہ زمانہ وسطےٰ میں عوام کا مجمع جنت کی تلاش میں اُن مجالس میں ہوتا تھا۔ جو عوام پسند حکایتیں سننے کے لیے مسجدوں میں اور حال وقال کی قوالی سننے کے لیے خانقاہوں پر منعقد ہوتے تھے۔ اب زمانہ موجودہ کی جو حالت ہے ظاہر ہے۔ پھر بھی سچے علما اور سچے مشائخ کے نزدیک معیار تقدس اب بھی وہی ہے۔ جو ابتدائے اسلام میں تھا۔ مگر عام مسلمانوں کے نزدیک جو اب معیار تقدس ہے وہ زمانہ وسطےٰ سے بھی گرا ہوا ہے۔ اس موقع پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک قصیدے سے جو اخبار "الاسلام" میں ہے چار اشعار نقل کروں۔

پیر جیلاں سے ہی اسطرح حکایت منسوب
پوچھی اک روز مریدوں نے صحابہ کی صفت

حضرت قدوہ جیلاں نے یہ ارشاد کیا
تم اگر دیکھتے اصحاب نبی کی صورت

یہی کہتے کہ جماعت ہے یہ دیوانوں کی
یہی کہتے کہ نہیں ہے یہ نبی کی اُمت

اور وہ دیکھتے تم کو تو تحیر ہوتا
کہتے کفار ہے بھی انکی ہے بدتر حالت

حضرت پیر جیلان شیخ عبدالقادر قدس اللہ سرہٗ عربوں کی حکومت کے آخر زمانہ میں تھے۔ اور اوسوقت کے مسلمانوں کی حالت کی نسبت اون کا وہ مقولہ تھا جو نظم کیا گیا ہے۔ کاش وہ آج اس زمانہ میں ہوتے تو آجکل کے مسلمانوں کی نسبت یا اس زمانہ کے معیار تقدس کی نسبت معلوم نہیں کیا ارشاد فرماتے۔

معیار تقدس فی الواقع قوم کا قبلہ ہے۔ قوم جیسی اچھی اور

بری حالت میں ہوگی ویساہی وہ اپنا قبلہ یا معیار تقدس قرار دے گی۔ مسلمان جب عرب کا خون رگوں میں لیے ہوئے تمام عالم پر حکمران تھے تو اپنے پیشوایان مذہب کا معیار تقدس وہ کچھ اور سمجھتے تھے۔ اور جب وہ شاہان عجم کے زیر اثر حکمران ہوئے۔ اُسوقت اُن کے خیالات کچھ اور ہو گئے تھے معیار تقدس بھی بدل گیا تھا۔ مگر کچھ بہت زیادہ گرا ہوا نہ تھا۔

لیکن اب وہ جہاں ہیں۔ حالت غلامی میں ہیں۔ اور خیالات غلامی سے وہ اپنے دماغ خالی نہیں کر سکتے۔ اب اون کے دماغ میں اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کے تقدس کا معیار وہ ہرگز نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔

(ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی)

تعصب اور اسلام

نمبر (۱)

اسلام جیسے پاک اور مصفے چشمہ کو مکدر کرنے کی نیت سے بعض مخالفین نے اس کی نسبت مشہور کر رکھا ہے کہ "اسلام اور مسلمان سخت متعصب ہیں۔ اور اون کا خیال ہے کہ تعصب ہی نے اسلام اور مسلمانوں کو برباد کیا ہے۔ اور ساتھ ہی تعصب کی مذمت میں دو چار فقرے ایسے چست کر دئے جاتے ہیں کہ سننے والا اسلام کو ایسا ہی سمجھ کر متنفر ہونے لگتا ہے۔ یہ یاروں کی محض ہوشیاری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اسلام بیجا تعصب سے بالکل پاک ہے۔ یہ بیج سب سے زیادہ یورپ نے بویا ہے۔ وہاں سے ہی پہلے یہ صدا بلند ہوئی۔ کہ مسلمان متعصب ہیں۔ اور اون کا تعصب خطرناک ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ خیال تمام ملکوں میں پھیل گیا۔ اور بڑھتے بڑھتے خود مسلمانوں میں بھی ایک دوسرے فرقے کے برخلاف استعمال ہونے لگا۔ اور آج مسلمان بھی ایکدوسرے کو متعصب کہتے ہوئے شرم نہیں کرتے جب مسلمانوں کو متعصب فی الدین کہا جاتا ہے۔ تو گو وہ بھی خلاف واقع ہے۔ لیکن اس سے ایک سعید روح کو اتنا دلی رنج نہیں ہوتا جتنا کہ یہ سنکر کہ "اسلام تعصب بیجا کی تعلیم کرتا ہے۔ اور جبتک کہ دنیا میں قرآن حکیم باقی ہے۔ تعصب کی بیخ کنی نہیں ہو سکتی"۔ حالانکہ اسلام کا پر امن و امان قتل و خونریزی سے پاک دامن کسی دھبے سے پاک و صاف ہے۔ جس کی سب سے بڑی حجت خود قرآن پاک کی آیات ہیں۔ جو ظلم و عدوان سے اپنے متبعین کو منع کرتی ہیں۔ قرآن کریم صاف پکار کر کہتا ہے :-

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (پ۲۔ بقرہ ع ۲۴/۸)

مسلمانو! جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے (یعنی دین کی حمایت میں) اُن سے لڑو۔ اور زیادتی نہ کرنا۔ اور (کسی طرح بھی) زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

یہ آیۃ شریف صاف کہہ رہی ہے کہ دین کے بارے میں جنگ انہیں لوگوں سے ہو سکتی ہے۔ جو دینی جنگ کریں۔ یعنی جو مسلمانوں کو دعوت الی الاسلام سے روکیں۔ یا شعائر دینیہ کے قایم کرنے سے منع کریں۔ اور دوسری جگہ ہے :-

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ (پ۲۸۔ ممتحنہ ع ۲/۸)

جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اون کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو خدا تم کو منع نہیں کرتا (کیونکہ) اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت پاک کا مطلب بھی صاف ہے کہ مسلمان انہی سے لڑیں جو ان سے دینی جنگ کریں اور ان کو اپنے وطنوں سے

نکال باہر کریں۔ یا نکالنے کی کوشش کریں۔ پھر تیسری جگہ ہے۔
اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ — اور تم کو انہیں لوگوں سے دوستی
قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ — کرنے کو منع فرماتا ہے جو تم سے
مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظَاھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ — دین کے بارے میں لڑے اور
اَنْ تَوَلَّوْھُمْ ۚ وَمَنْ — جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں
یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ — سے نکالا۔ اور تمہارے نکالنے
الظّٰلِمُوْنَ (پ ۲۸ ممتحنہ ع ۲) — میں تمہارے مخالفوں کی مدد
کی۔ اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو سمجھا جائیگا
کہ) یہی لوگ (مسلمانوں پر) ظلم کرتے ہیں"

خدا کے فضل سے جہاں ملک میں لاکھوں مسلمان عربی زبان جانتے ہیں۔ وہاں بہتیرے غیر مسلمان بھی قرآنی زبان جانتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیات ایسی صاف و صریح ہیں۔ کہ جن میں نہ تاویل کی گنجائش اور نہ سمجھنے میں کچھ دقت ہے۔ وہ خود ہی حکم بنکر خدارا انصاف کریں۔ کہ جس اسلام نے غیر مذاہب کے ساتھ ایسی خوش سلوکی کا حکم مسلمانوں کو دیا ہے۔ اُس کی نسبت تعصب بیجا کا الزام لگانا کس قدر شرمناک امر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس اعلیٰ اخلاقی اصول پر اسلام پاک نے دعوت دی ہے۔ اُسکی نظیر کسی مذہب و ملت میں بھی نہیں ملسکتی۔ اور یہ نری خوش اعتقادی نہیں بلکہ نفس الامر میں بھی ایسا ہی ہے۔

پہلی آیت اذن ہے مسلمانوں کے لیئے جنگ کرنے کا جو (ان لوگوں سے) اُن سے لڑیں۔ اور ساتھ ہی ممانعت کرتی ہے تعدی و اعتدا کی۔ اسی ممانعت و تحریم کی وجہ سے مسلمانوں نے بلاد عرب میں رہبانوں۔ خدا پرستوں۔ عورتوں اور بچوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ اسلیے وہ مسلمانوں سے نہیں لڑتے تھے۔ ذمی و مستانی معاہد کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مسلمانوں پر ان کی حمایت واجب تھی اور ہے جبکہ اونپر کوئی دست تعدی دراز کرے۔ غور کا مقام ہے کہ جن نفوس کی حمایت ازروئے شریعت اسلام فرض ہے۔ کیا وہی شریعت ان کے قتل کو جائز رکھ سکتی ہے۔ اور مسلمان ایسے امر کی جرأت کر سکتے ہیں ؟

پچھلی دونوں آیتیں محاربین فی الدین کی تمیز کرنے کے واسطے نازل ہوئیں۔ جس سورۂ پاک میں یہ آیتیں ہیں اسی میں ان سے پہلے آیا ہے :-
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا — مسلمانو تم ہمارے اور اپنے دشمنوں
تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ — کو دوست بناؤ۔ کہ اُن کی طرف
اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ — دوستی کے نامہ و پیام دوڑانے
وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ — حالانکہ تمہارے پاس جو (خدا
مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ — کی طرف سے دین) حق آیا ہے
وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ — وہ اُس سے انکار ہی کر چکے
رَبِّکُمْ (پ ۲۸ ممتحنہ ع ۱) — ہیں۔ وہ تو صرف اتنی بات پر کہ
تم اپنے پروردگار اللہ ہی کو مانتے ہو۔ رسول کو اور تم کو (گھروں سے) نکال رہے ہیں"

اب قرآن کریم کی اور انصاف پروری کو دیکھئے۔ اور وہ یہ کہ احتمال تھا۔ کہ مسلمان غلبہ پانے کے بعد اُن سے انتقام لینگے اور ایذا کے بدلے ایذا۔ اور اخراج کے عوض انکو خارج کرینگے قرآن حکیم نے انکو اس انتقام واجبی سے بھی روکا اور خبر دی :-
عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ
بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ — عجب نہیں کہ کافر مسلمان ہو جائیں
عَادَیْتُمْ مِّنْھُمْ مَّوَدَّۃً ۭ — اور دِیل) اور تم میں کافروں
وَاللّٰہُ قَدِیْرٌ ۭ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ — میں سے جن کے ساتھ تمہاری
رَّحِیْمٌ (پ ۲۸ ممتحنہ ع ۲) — (مذہبی) دشمنی ہے۔ اون میں
دوستی پیدا کر دے۔ اور اللہ قادر ہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

اور اسکے بعد حکم ہوا۔ لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ الخ

سیاق کلام سے مطلب یہ ہوا۔ کہ مشرکوں کو دوست بنانے کے متعلق جو نہی وارد ہے۔ وہ عام مشرکین کو شامل نہیں۔ بلکہ اُن لوگوں کے لیے خاص ہے۔ جو مصدر ایذا و اخراج ہیں۔ جن مشرکوں نے نہ ایذا دی۔ نہ مسلمانوں کو وطن سے نکالا۔ وہ اگرچہ مشرک و کافر ہیں۔ لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ

احسان و سلوک کرنے اور عدالت و نصفت سے پیش آنے سے مسلمانوں کو منع نہیں کرتا۔

یہ ہیں پچھلی آیتوں کے مختصر معنے۔ اور ان کی وضاحت قرآن کریم کی۔ اور صدہا آیات سے ہوتی ہے۔ جن کو بخوف طوالت درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم سے ہر ایک طالب حق دیکھ سکتا ہے۔ غور کرو! کیا عالم میں آجتک کوئی نبی۔ کوئی حکیم۔ کوئی مقنن۔ کوئی حاکم ایسا گذرا ہے۔ جس نے اپنی قوم کو اپنے اور اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور یوں عدل و رحم کا معاملہ رکھنے کی تعلیم دی ہو۔؟ کیا یہ انتہائی درجے کا ظلم اور کیسے درجے کا جھوٹ اور بدترین جہالت کا نتیجہ نہیں ہے کہ ایسے پاک مذہب کو ایسی پاک شریعت کو اور ایسے بہترین دین کو جو ایسا کامل و مکمل ہو متعصب قرار دیکر انسانیت و تمدن کے حق میں خطرناک بتایا جائے۔ اور کہا جائے کہ وہ مذہب مخالفوں کے مٹانے کا حکم دیتا ہے۔ جیسا کہ بعض دشمنانِ اسلام کا خیال ہے۔

کیا یہ سخت اندھیر نہیں کہ بعض دشمنانِ اسلام ان صریح احکام کو چھوڑکر خالی فی التعصب اور چند جاہل مسلمانوں کے بے سر و پا اقوال و اعمال کی بنا پر اسلام و مسلمان کو بدنام کرتے ہیں اور نفس الامر پر بھولکر بھی نگاہِ غلط انداز نہیں ڈالتے۔۔۔ اگر تعصب سے مراد یہی ہے کہ مسلمان غیر مذاہب والوں کو اکراہ کی نگاہ سے دیکھتے یا اُن سے بغض رکھتے ہیں۔ یا یہ کہ اُنپر ان کو بھروسہ نہیں ہے تو یہ بالکل غلط بلکہ سفید جھوٹ ہے۔ اسلامی ممالک کو چھوڑکر ہندوستان ہی کے متعلق کوئی یہ بتائے۔ کہ ہندوستان میں رہنے والی غیر مسلم اقوام کے ساتھ مسلمان کونسا تعصب برتتے ہیں۔ مسلمانوں کی دولت اور کمائی کس بے دردی کے ساتھ غیروں کے گھروں میں جا رہی ہے۔ مگر مسلمان ہیں کہ انہیں ذرا بھی احساس نہیں وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ حیوان کی کیا زندگی ہوتی ہے۔ وہ بوجھ اٹھاتا ہے۔ چھکڑے کھینچتا ہے چابک اور مار کھاتا ہے۔ جب چاہا اوس کا آب و دانہ روک دیا۔ جب چاہا دیدیا۔ اس کا کوئی وطن نہ دیس۔ ایسی ہی ہندوستان میں مسلمانوں کی زیست ہو بہو ہوتی جاتی ہے۔ ہندوستان کے اکثر حصوں میں بعض جگہ مسلمانوں نے ہندؤں کا کہنا نہ مانا تھا۔ ہندؤں نے اُن کا آب و دانہ روک دیا۔ اور یہ فرمان جاری کر دیا۔ کہ کوئی بنیہ اور دوکاندار مسلمانوں کے ہاتھ کوئی شے فروخت نہ کرے۔ اگر وہاں کے مسلمان متعصب ہوتے اور وہاں غلہ وغیرہ ضروریاتِ زندگی کی دوکانیں ہوتیں۔ تو ہندو یہ فرمان جاری ہی نہ کر سکتے۔

حکومت کے معاملات میں مسلمانوں کا رویّہ حد سے زیادہ قابل تحسین ہے۔ وہ انگریزی حکومت کو خدا تعالیٰ کا احسان جانتے ہیں۔ گورنمنٹ پر اپنا پورا اعتماد رکھتے ہیں۔ انہوں نے حکومت کے خلاف ناپاک سازشوں سے ابھی تک اپنے آپکو علیحدہ رکھا ہے۔ اور امید ہے کہ ہمیشہ علیحدہ رہینگے۔ بعض جہال کی حالت تو حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے کہ وہ قانون کو اپنی شریعت پر ترجیح دیتے ہیں۔ مسلمانان پنجاب نے تو بالخصوص اپنی بے حمیتی اور دین کی طرف سے بے پرواہی کی وجہ سے شریعت الہیہ کی طرف سے بالکل منہ موڑ لیا ہے۔ انگریزی قانون ہی اکثر ان کے مقدمات فیصل کرتا ہے۔ اور وراثت کے معاملہ میں تو وہ بالکل رواج کے مقلد ہیں۔

مختصر یہ کہ مسلمانوں میں تعصب نہیں۔ بلکہ وہ تعصب کی حقیقت بھی نہیں سمجھتے۔ تعصب یہی ہے کہ مسلمان آرزو کرتے ہیں۔ کہ دوسرے اون کے جائز حقوق کو غصب نہ کریں۔ ان کی ضرورت کے حل میں روڑے نہ اٹکائے جائیں۔ انکو حد سے زیادہ تنگ نہ کیا جائے۔ ان کے پاک مذہب کی بر سر بازار علانیہ توہین نہ کی جائے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام (فداہ ابی و اُمّی) کو برملا مسلمانوں کے سامنے برا بھلا نہ کہا جائے۔ گاؤکشی کے بہانہ سے مسلمانوں کو دبانے کی کوشش نہ کی جائے۔ مندرجہ بالا امور میں انکی دلجوئی کو اگر مدِ نظر رکھا جائے۔ تو زمانے نے ایک دفعہ نہیں بلکہ کروڑوں دفعہ آزما لیا ہے کہ مسلمان سے بڑھکر

کئی قوم وفادار محبت شعار۔ غیر متعصب انصاف دل نہیں حاسد اگر اپنی کور باطنی کی وجہ سے انکار کریں۔ تو اسمیں مسلمانوں کا کیا قصور ہے

گر نہ بیند بروز شب پرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(باقی دارد)

خاکسار محمد عظیم (عفا اللہ عنہ) واعظ اسلام

معیارِ تقدّس

معیار تقدس کے متعلق اہل قلم اپنے اپنے خیالات ظاہر فرما رہے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ جناب ایڈیٹر صاحب اسوۂ حسنہ نے مسلمانوں کی اصلاح کے بارے میں ایسی عمدہ سرخی شائع کی ہے کہ اہل اسلام اسپر غور کرنے کے بعد خود ہی اپنے اوپر غور کرینگے کہ ہماری زندگی معیار تقدس سے کس قدر قریب اور کس قدر بعید ہے۔ یہ سرخی بھی ایک عجیب وغریب نصیحت آمیز اور اعلیٰ درجہ میں زندگی بسر کرنے کی ایک محرک ہے۔ ساتھ میں اس مضمون لکھنے والے کو انعام کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ اور سونے پر سہاگہ ہوگیا۔ خواہ مخواہ دیکھنے والے کو اسپر غور کرنے کی طرف توجہ ہوگی۔ اور جب توجہ ہوئی بس بیڑا پار ہے۔ اور اسوۂ حسنہ کے اجرا کا مقصد پورا ہے۔ اور اسپر غور کرنے والا شخص اپنی حالت کے درست کرنے کی طرف متوجہ ہوجائے گا۔ اور اسکا ثواب اس سرخی کے مجوز کو بھی پہونچیگا۔ آمدم برسر مطلب جناب باری کا ارشاد ہے:۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ یعنی آج ہمنے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کردیا۔ اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔"

جناب حبر امت حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی حکم حلال اور حرام اور کوئی فرض نہ سنت نہ کوئی حد نہ اور کوئی حکم نازل ہوا اور اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ سود خواری کے متعلق جو حکم نازل ہوا ہے۔ وہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے یعنی اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔ اسکا جواب یہ ہے کہ سود خواری کی حرمت پہلے نازل ہوچکی تھی۔ یہ آیت تو محض تنبیہ و توبیخ کے لیے نازل ہوئی اس کی غرض یہ تھی کہ سود خواری نہایت ناپاک اور بہت ہی بری چیز ہے۔ کہ حرمت کے بعد اس کی بری حالت دکھائی گئی ہے۔ یہ کوئی حکم نہیں ہے۔ اب معیار تقدس پر غور کرنا چاہیئے۔ معیار کے لغوی معنی پیمانہ کے ہیں۔ تقدس کے لغوی معنی پاک ہونے کے ہیں۔ یعنی پاک ہونے کا پیمانہ ظاہر ہے کہ پاک ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انسان ظاہری اور باطنی ناپاکیوں سے پاک صاف ہوجائے یہ جب تک حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ ان طریقوں پر جو خداوندی دربار سے ہمارے لیے نازل ہوئے ہیں۔۔۔ ہم پورے طور پر پابند نہو جائیں۔ جن کی بابت جناب باری تعالیٰ نے ہم کو صاف طریقے سے فرمادیا ہے کہ ہم تمہارے تقدس حاصل کرنے کے طریقے مفصل طور پر بیان کرچکے ہیں۔ اور ہمنے تمہارے دین کی تکمیل کردی۔ پس اگر تم تقدس حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان احکام کی پابندی کرو۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکو سنکر رونے لگے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ اے عمر کیوں روتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور ہم تو اپنے دین اور اپنے پاک ہونے کے لیے اور زیادتی کے منتظر تھے۔ اب تو اس کی تکمیل ہوگئی۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز کمال کو پہونچ جاتی ہے اسکے

بعد تو سوائے نقصان کے اور کوئی مرتبہ ہی نہیں۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد اکیاسی روز تک حضور اس عالم میں رونق افروز رہے۔ اسکے بعد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور ہمارے لیے معیار تقدس کو کلام ربانی اور اپنی احادیث چھوڑ گئے۔ جو قیامت تک ہمارے تقدس کے حصول کے لیے کافی ہیں۔ حضور سرور عالم کے زمانہ سے قیامت تک جس قدر فرقے مسلمانوں میں ہوں گے۔ اور ہیں سب کا معیار تقدس کلام پاک اور حدیث پاک کے اوامر و نواہی ہیں جس فرقے نے ان کی پابندی میں جس قدر حصہ زیادہ لیا۔ وہ دیگر فرقوں سے مقدس کہلایا۔ اور جس شخص نے اس مقدس فرقے میں سے دیگر افراد کے اعتبار سے زیادہ پابندی کی وہ پاکوں کا پاک اور مقدس کا مقدس ہو گیا۔ ان احکام میں سے جو تقدس کے حصول میں کام دیتے ہیں۔ سب میں بڑا عظیم الشان جو حکم ہے وہ توحید ہے۔ جس کی بابت ارشاد ہے وحدوا اللہ فان التوحید راس الطاعات یعنے خدا کو ایک سمجھو کیونکہ خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھنا سب عبادتوں سے افضل و اعلیٰ عبادت ہے۔ اور مقدس بننے کا ایک اعلیٰ پیمانہ ہے۔ جس قدر اسکے سمجھنے میں کمی ہوگی اسی قدر تقدس میں کمی ہوگی۔ اسی وجہ سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مثل امتی کسفینۃ نوح اولھم خیر ام اخرھم۔ یعنی میری امت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے پہلے ان کے بہتر ہیں یا آخر کے۔ کیونکہ جس قدر توحید میں استغراق ہوگا اسی قدر مراتب میں ترقی ہوگی۔ اور تقدس حاصل ہوگا۔

اسی وجہ سے جو لوگ اس زمانہ میں دسواں حصہ بھی دین کا قائم رکھیں گے۔ اور پابندی کریں گے۔ ان کا مرتبہ قرون اولیٰ کے حضرات کی برابر ہو جائے گا۔ کیونکہ حضور نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔ اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تم لوگوں نے تو مجھ کو دیکھا ہے اور ان لوگوں نے مجھ کو دیکھا نہیں۔ مگر وہ خدا کی توحید کے اور میری رسالت کے پورے طور پر قائل ہونگے اگرچہ مشاہدہ اور غیب میں فرق ظاہر ہے۔ جن مقدس حضرات نے حضور کے پیچھے نمازیں پڑھیں اور احکام خداوندی کو اپنے کانوں سے سنا۔ مگر ان میں بھی تقدس کے اعتبار سے باہم فرق ضرور تھا۔ اگرچہ بعد کے لوگوں کے اعتبار سے وہ سب کے سب مقدس تھے۔ اسی طرح ہر فرقے میں مقدس لوگ ہوئے ہیں۔ اور ہوتے آئے ہیں۔ مگر وہ فرقہ جو پورے طور پر توحید کے سمجھنے میں حصہ لیگا۔ اور اسکو فراست کامل حاصل ہوگا۔ جو توحید کے اچھی طرح سمجھنے کا ادنےٰ کرشمہ ہے وہ تمام فرق اسلامی سے ممتاز ہوگا۔ توحید کے بعد رسالت کے قائل ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ بغیر اسکے خدا کی وحدانیت انسان سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اور نہ اسکا لطف اٹھا سکتا ہے اگرچہ حضور سرور عالم نے جب سے توحید کا وعظ فرمایا ہے تمام قومیں اس توحید کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں مگر انمیں نورانیت جب ہی آتی ہے۔ جب حضور کی رسالت کے قائل ہوتے ہیں۔ اور اس کی باریکیاں و نکات اور عمدہ نتیجے جب ہی کھلتے ہیں۔ جب آپ کی رسالت کے قائل ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ صرف خدا کی توحید کے قائل ہیں۔ اور رسولوں کی رسالت کے قائل نہیں ہوتے۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم خدا اور رسول کے درمیان میں نیا راستہ اختیار کریں اور صرف خدا کے قائل ہو کر خدا رسیدہ اور مقدس ہو جائیں۔ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ جب تک خدا کے بتائے ہوئے احکام ہی معلوم ہوں گے۔ اور حاضری دربار کے طریقوں سے واقفیت ہی نہ ہوگی۔ تو پھر کس طرح حضوری میں ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے رسولوں کے حکموں کی تعمیل ہم پر لازمی کر دیگئی ہے۔ پس جو شخص رسولوں کی رسالت کا قائل نہ ہوگا اُسکو جناب باری نے کافر کا خطاب دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ

بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلاً
یَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلاً اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا یعنی بے شک وہ لوگ جو خدا اور اسکے رسولوں کیساتھ نا فرمانی کرتے ہیں اور ارادہ کرتے ہیں کہ خدا اور رسولوں کے درمیان میں جدائی کر دیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں۔ اور بعض سے انکار اور یہ چاہتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان میں ایک راستہ نکالیں۔ یہ لوگ بے شک کافر ہیں۔ پس مقدس بننے کے لیے جس طرح خدا کی توحید کے قایل ہونے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح رسولوں کی رسالت کے قایل ہونے کی بھی ضرورت ہے۔ پس جب یہ دونوں باتیں قلب پر پورا یقین پیدا کر دینگی۔ اب روحانی پاکیزگیوں کے حصول کی عملی صورت کے ظہور کا وقت آئے گا جس کے لیے سب احکام سے مقدم پانچ وقت خداوندی دربار کی حاضری ہے جس کی بہت سی شرائط ہیں۔ اور فرائض ہیں و سنن و مستحبات ہیں۔ سب سے مقدم ظاہری پاکیزگی ہے۔ یعنی بول و براز کی صفائی۔ جسکے لیے ضرورت ہے کہ بول و براز کی نجاست اول مٹی سے خشک و صاف کیجائے اسکے بعد پانی سے پاک کیجائے۔ اسکے بعد کپڑے سے خشک کی جائے بعد ازاں ہاتھ پیر ناک کان منہ صاف کیا جائے اسکے بعد خدا کے سامنے نہایت خشوع و خضوع سے کھڑے ہوکر خدا کی تعریف کیجائے پھر اسکے سامنے رکوع کیا جائے پھر سجدے میں جاکر اس کی پاکی اور عظمت بیان کیجائے۔ بعد ازاں بیٹھکر خدا کی تعریف اور اپنی بندگی کا اظہار زبان سے کریں۔ پھر حضور سرور عالم پر درود پڑھکر اس عبادت کو ختم کریں۔ دوسری عبادت یہ ہے کہ جب مہینہ رمضان کا آئے۔ تو پورے تیس دن روزے رکھیں۔ یعنے دن میں کھانے پینے اور عورتوں کے پاس جانے سے رکے رہیں۔ اور خدا کے ذکر میں مشغول رہیں۔ تلاوت کلام پاک بکثرت کریں۔ اس عمل سے تمام خواہشات نفسانی حسد۔ غرور۔ طول امل۔ غصہ وغیرہ سب میں کمی ہو جائے گی۔ اور دل میں روشنی پیدا ہو جائے گی یہ دونوں عبادتیں تو بدنی ہیں۔ تیسری عبادت مالی اور بدنی دونوں کو شامل ہے وہ حج ہے جس کی خوبیاں وہی لوگ جان سکتے ہیں۔ جو خدا کی توحید میں مستغرق ہیں چوتھی عبادت مالی ہے یعنی زکوٰۃ وہ یہ ہے کہ اگر ہمارے پاس اس قدر مال ہو کہ حوائج ضروریہ سے زاید ہو۔ اس میں سے چالیسواں حصہ نکالکر اپنے غریب بھائیوں کو دیں۔ پس یہ طریقہ مقدس ہونے کے لیے کافی ہے جو لوگ ان طریقوں پر پوری پابندی کرینگے وہ پورے مقدس ہو جائیں گے۔ اور جس قدر ان امور کی پابندی میں کمی ہوگی۔ اسی قدر تقدس میں کمی ہوگی اسیطرح نواہی کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مناہی کے ارتکاب سے تقدس حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً زنا۔ شراب خواری۔ سود خواری۔ جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا۔ مسلمانوں کو تکلیف دینا۔ صوم۔ صلوٰۃ کی پابندی نکرنا وغیرہ۔ پس مسلمانوں کا جو فرقہ ان اوامر و نواہی کی اچھی طرح پابندی کرے گا۔ وہ تمام فرق اسلامی سے مقدس کہلائے گا۔ اور جو نکرے گا وہ اس فرقے سے کمتر سمجھا جائے گا۔ اب عقاید کو لیجیے جن کے سمجھنے کی عملی عبادتوں سے پہلے ہمکو ہدایت ہوئی ہے جو ہمارے مقدس بننے کے لیے لوازمات میں سے ہے۔ یعنی اول ہم خداوند کریم کو مالک الملک قدیر مرید سمیع بصیر علیم جانیں۔ بعد ازاں فرشتوں کے وجود کے قایل ہوں۔ بعد ازاں خدا کی کتابوں کے قایل ہوں۔ نیز تمام رسولوں کے نیز قیامت کے دن اور اعمال کی سزا و جزا ہونے کے قایل ہوں کہ حضور سرور عالم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ پر جو قرآن پاک نازل ہوا ہے ہمپر اس کے احکام کی پابندی فرض ہے۔ بعد ازاں ان اوامر و نواہی کی عملی صورت اختیار کریں۔ اور نہایت خلوص سے ان کی پابندی کریں۔ اسوقت ہمارے قلب میں ایک قسم کا نور پیدا ہو جائے گا۔ جو ہم کو اچھے برے کام کے سمجھنے میں مدد دیگا

ہم کو برے کاموں کے خیال سے ظلمت معلوم ہونے لگے گی اور اچھے کاموں کے خیال سے نورانیت کا احساس ہونے لگیگا۔ پس جن لوگوں کو یہ بات پیدا ہو جائے سمجھنا چاہیئے کہ یہ لوگ مقدس ہیں۔ مگر یہ سمجھنے کے لیے بھی اول ضرورت ہے کہ ہمارے قلب میں اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ ہم اپنی فراست سے دوسرے کا حال معلوم کر سکیں۔ مگر ہم کو اسکے متعلق کوئی ہدایت نہیں ہوئی۔ بلکہ منع فرما دیا گیا ہے کہ تم کسی کے حال کا تجسس نکرو۔ اسیوجہ سے مقدس لوگوں کے تقدس کا حال معلوم ہونا مشکل ہے۔ اسکو تو سوائے جناب باری تعالیٰ کے اور کوئی پہچان ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے:- اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری یعنی میرے دوست میری کبریائی قبا کے نیچے ہیں میرے سوا انکو کوئی نہیں پہچان سکتا۔

پس معیار تقدس شریعت محمدی کی پابندی کا نام ہے۔ جو عبادات و معاملات پر مشتمل ہے پہلے جس قدر امور بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں زیادہ تر وہ امور ہیں جو خاص خدا کی عبادت اور اپنے فرائض بدنی کے متعلق ہیں۔ اب ان امور کا بیان کیا جاتا ہے۔ جو معاملات کے متعلق ہیں۔ یعنے باہم انسانوں میں جو معاملات بیع و شریٰ نکاح و طلاق۔ حاکمی محکومی۔ طرز معاشرت کے ہوتے ہیں ان میں خدا کی مرضی اور جو ان کے متعلق اوامر و نواہی ہیں ان کی پابندی کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ جو تقدس کے حصول میں بدنی عبادت سے بہت زیادہ کام دینے والا ہے اور اس بارے میں بہت کم لوگ ہیں۔ اور بہت کم فرقے ہیں کہ پورے پابند نظر آتے ہوں۔ الا ماشاء اللہ۔ فی الواقع ایسے لوگ بہت نظر آئیں گے۔ کہ خدا کو بکثرت سجدے کرتے ہونگے اور نبی پر بہت درود پڑھتے ہوں گے۔ مگر معاملات جو دیکھو گے۔ تو وہ نہایت ناپاک ہوں گے۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص نے ایک شخص کی تعریف کی آپ نے فرمایا کہ تمہارا ان کا پڑوس ہے۔ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارا ان کا ساتھ سفر میں ہونے کا اتفاق ہوا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم سے کوئی معاملہ بیع و شریٰ کا ہوا ہے انہوں نے عرض کیا کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا تو شاید تم نے یہ دیکھا ہوگا کہ وہ نمازیں بہت پڑھتے ہیں۔ مسجد میں زیادہ حاضر باش رہتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا ان باتوں سے یہ خیال نکرنا چاہیئے کہ وہ شخص فی الواقع مقدس ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ معاملہ انسان کے نیک و بد ہونے کے لیے ایک بڑی کسوٹی ہے۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

بڑی ضرورت ہے کہ معیار تقدس کے لیے جہاں ہم اخلاص سے عبادات کی پابندی کریں اسیطرح اخلاص سے معاملات بھی درست رکھیں۔ ہم میں بہت سے ایسے ہیں جو رشوت لیتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو سود کھاتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو قمار بازی کرتے ہیں۔ چوریاں کرتے ہیں دوسرے کے مال کو ہضم کر لینا برا نہیں سمجھتے۔ جہاں تک کوشش ہو سکتی ہے۔ ناجائز طریقے سے روپیہ کمانے کے لیے ہم تیار رہتے ہیں۔ فضول خرچی۔ عمدہ کھانا عمدہ کپڑے پہننے کے ہم لوگ عادی ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت سے ہم مسلمان تنعمات میں پڑے ہیں سب ہمارے جوہر اڑ گئے ہم میں نہ وہ اولوالعزمیاں رہیں۔ نہ وہ ہمارے مضبوط عہد نہ اپنے قولوں کی پابندی رہی۔ پھر ہم کیا معیار تقدس مسلمانوں کے کسی فرقے کا دکھلا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ خدا اپنی نعمتیں ہم پر ختم کر چکا۔ ہماری ہدایت اور ہمارے تقدس حاصل کرنے کے لیے اپنا نورانی کلام اتار چکا۔ لہذا ہمارا معیار تقدس اس کے اوامر و نواہی کی پابندی ہے۔ اور پس جب تک ہم اپنے دین کے پورے پابند نہوں گے۔ اور بدعات سے احتراز نکریں گے

اور اپنے دل میں اخلاص کی شان نہ پیدا کر لینگے۔ اسوقت تک نہ ہمارے دین کے کام درست ہوں گے۔ اور نہ دنیا کے یعنے نہ ہماری عبادت کا کچھ اثر ہم پر ہوگا۔ نہ ہمارے معاملات ہی درست ہوں گے۔ اس لیے بڑی ضرورت ہے کہ ہم لوگ موافق کلام پاک و حدیث پاک اپنے عقائد درست کر کے اسکے احکام کی تعمیل کریں۔ اور اپنے بچوں کے دلوں میں قرآن پاک کی تعلیم کا نور وقتاً فوقتاً ڈالتے رہیں۔

بس یہی معیار تقدس ہے مسلمانوں کا جو نسا فرقہ بھی اس پر پورے طور پر کاربند ہوگا۔ سمجھ لیجئے کہ وہ مقدس ہے۔

ہا فرق اسلامی کی اصلاح یہ خدا کے قبضے میں ہے ہمارا حسن کا کام تو یہ ہے کہ اپنے خیالات کو قوم کے سامنے پیش کر دیں اور بس باقی۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ کہ صاف قول باری ہے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔ (فرید احمد عباسی)

معیار تقدس

"قدس" کے معنے ہیں پاک، اور تقدس کے معنے ہوئے پاکی! اور پاکی کس سے؟ ناگوار، ناپسندیدہ، ناستودہ چیزوں سے!

انسان کے لیے وہ کیا چیزیں ہیں جو ناپاک ہیں؟ شرک اور کفر کے بعد خطیئات و سیئات کی آلائش! (جیسے قتل، زنا، رہزنی، چوری، بہتان، جھوٹ، غیبت، دل آزاری، مال مردم خوری، وغیرہ وغیرہ کہ اگر فہرست تیار کی جائے تو شاید دو ورق ضائع جائیں) ان سے الگ رہنے یا اپنے تئیں بچانے کو تقدس کہتے ہیں۔

اور جیسے صورتوں میں اختلاف ہے کہ کوئی سیاہ فام ہے۔ کوئی سرخ رنگ۔ اور کوئی کشیدہ قامت ہے۔ کوئی پست قد۔ اور کوئی جامہ زیب ہے۔ کوئی بد ڈول۔ اسی طرح طبیعتیں بھی آپس میں نہیں ملتیں۔ مگر تقدس کا ہر کسی کو دعوٰے ہے۔ جیسے حسن و جمال کا ہر کسی کو زعم۔

میری بحث عام مذاہب سے نہیں۔ کیونکہ اسلام میں یہ بات عقیدۃً ثابت ہوئی ہے "کہ ظہور اسلام کے بعد جو انسان اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کو ڈھونڈے گا۔ تو یقین کرو۔ کہ وہ بھٹکتا پھرے گا"!

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ "عزت خدا کے لیے ہے اور اسکے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لیے"!

مگر سوال یہ ہے کہ تقدس پرکھنے کا آلہ و ذریعہ کیا ہے؟ فرض کرو تم مقدسین کو للکارتے ہو۔ کہ آؤ اپنے اپنے مال بازار میں لاؤ۔ تاکہ کھرا کھوٹے سے الگ کیا جائے اور وہ سامنے آتے ہیں۔ کہو تم کیا کرو گے؟

تقدس تو یہ ہے کہ خدا سے ڈرے۔ گناہوں تک نہ پھٹکے اور الاعمال بالنیات ہمارے عقیدے میں داخل ہے کیونکہ تقدس اور ایمان کی جگہ دل اور دماغ ہے۔ رمز شناس مذہب حکیم شیراز بھی یہی کہتا ہے ؎

ہر کرا جامہ پارسا بینی پارسا دان و نیک مرد انگار

مگر مشکل یہ ہے کہ آپ کو کیونکر معلوم ہو سکے گا کہ یہ دل ابوذ کا ہے۔ یا ابوجہل کا۔ اور جبہ کے اندر شیخ بغدادی ہے یا شیخ نجدی تو پس ناچار:-

اقرار باللسان و تصدیق بالجنان و عمل بالارکان یعنی اقرار زبان سے، تصدیق دل سے۔ اور عمل اعضاء و جوارح کے سلسلہ سے کام لینا پڑے گا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تحقیق کرنی پڑے گی کہ سوسائٹی کا اثر ہے۔ یا خدا کا ڈر۔ یعنی نام و نمود کو دخل ہے یا خالصاً للہ۔

پس اسکے لیے مجموعہ اعمال پر نظر غایر ڈالی جائے گی۔ (!)

اور امر و نواہی کے ترازو میں تولا جائے گا کہ کہاں تک پورا اترتا ہے۔ اسپر بھی بس نہیں بلکہ آتش تنقید میں ڈالکر کھرے کھوٹے کا امتیاز کیا جائے گا۔ کہ خالص سونا ہے۔ یا تانبے پر سونے کا ملمع کیونکہ ع

چون بخلوت میروند آن کار دیگر میکنند

پس ہم کو اسکا ایک ایسا فعل لے لینا چاہیئے کہ مسلم الثبوت مستند، اور ضرب المثل ہو۔ تاکہ باقی اعمال کا سراغ اور نشان پا اور کھوج اوسی ایک فعل سے ہم کو ملتا جائے۔ بلکہ چراغ راہ اور عصائے مسافت کا کام دے۔

ایسا ایک فعل جو جامع اور راہبر ہو بجز "صدق" کے جسکو فارسی میں "راستی"، اردو میں "سچ" کہتے ہیں۔ اور کوئی نہیں ہے۔ اسی کو معیار قدس سمجھ لیجئے،

جب حضرت پیغمبر آخر الزمان (روحی فداہ) صلے اللہ علیہ وسلم نے اظہار نبوت کا ارشاد فرمایا تو سب کے آگے اپنی صداقت کا معیار صرف یہی لا کے رکھدیا کہ تم لوگ ہم کو معاملہ کرنے اور بات کرنے اور گفتگو میں کیسا جانتے ہو؟ سب نے کہا بالکل سچا اور "امین"!

اور یہی سچائی معیار تقدس ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنا اسی پر قایم ہے۔ تم کو وہ مشہور و صحیح روایت یاد ہوگی کہ ایک جھوٹ کے ترک کرنے پر سب بری عادتیں ایک شخص کی جاتی رہیں۔

قرآن و حدیث میں تقدس کا معیار کیا ہے

قرآن مجید میں نبیوں کے بعد صدیقوں کا درجہ سب سے ارفع اور اونچا ہے۔ اس کی صراحت اکثر آیات میں آچکی ہے منجملہ یہ:۔ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا (۴-۷۱)

اور امت مرحومہ کی فضیلت بھی دیگر امم پر اسی وجہ سے رکھی گئی ہے کہ صداقت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اسی نے زیادہ حصہ لیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ — تم تمام امتوں میں سب سے بہتر ہو اس لیے کہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو۔ برائی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو!

اور حدیث نبوی میں ہے کہ جس نے حق گوئی کو ترک کیا۔ قیامت میں اوسکو لگام آتشیں دیجائے گی۔ مشہور اور صحیح حدیث شریف ہے کہ:۔

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان — تم میں سے جو مسلمان کوئی خلاف حق بات دیکھے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ کے زور سے اسے دور کرے۔ اگر اسکی صداقت نہ پائے تو زبان سے اسکی برائی بیان کرے۔ اگر اس کی بھی قدرت نہ دیکھے تو کم از کم دل میں برا سمجھے۔ مگر یہ آخری صورت ایمان کا ضعیف درجہ ہے"!

اور ظاہر ہے کہ بُرے کاموں سے کوئی کسیکو اوس وقت منع کرسکتا ہے۔ جبکہ خود اس سے بَری اور دُور ہو۔ یہ محال ہے کہ خود تو بت پرست ہو۔ اور دوسرونکو نماز کے لیے کہے۔ اگر کہے بھی تو اس کا کہنا کون مانے گا۔

قرون اولےٰ و وسطےٰ میں تقدس کا معیار کیا ہے؟

ہم اوس زمانہ کے حالات میں پڑھتے ہیں۔ تو وہاں بھی معیار تقدس صرف "صداقت" پاتے ہیں۔ ایک عورت نفس کے تسلط سے مجبور ہو کر زنا کے ارتکاب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور اسکی کسی متنفس کو خبر نہیں ہوتی۔ مگر وہ خود آنحضرت کی خدمت میں آتی ہے۔ اور اپنے زنا کا اقرار کرکے مجبور کرتی ہے کہ سنگسار کی جائے۔ اور پھر انقضائے حمل کے بعد پورے عزم و استقلال سے آکر سنگسار ہوتی ہے۔ ہم کو اون زمانے میں ہزاروں انسان نظر آتے ہیں جو حق (سچ) کے اعلان کی خاطر اپنے تمام عزیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ باپ نے

منشار نہیں ہو سکتا کہ اوس قادر مطلق کے اختیارات ہی محدود یا سلب ہو جاویں۔

قدرت کی جانب سے جو ہمیں اس قدر قوتیں جذبات اور کائناتی اشیا مفت عطا ہوتی ہیں۔ یہ ہماری کسی سعی اور ریاضت کا اثر اور ثمرہ ہیں۔ ہم قدرت سے جو کچھ نعمت پاتے ہیں یہ سب اُسکی رحمت اور فضل کا نتیجہ اور اثر ہے۔ کیا یہ آب ہوا۔ آتش و خاک و دیگر مادی ضروریات اور ہماری اندرونی قوتیں اور عقل و فراست دل و دماغ ہماری سعی کا پھل ہیں یہ سب اوس قادر مطلق کی مہربانی اور فضل و کرم کا نتیجہ ہیں یہ سب قوتیں و دیگر اگر خدائے کریم ہمیں کوشش اور جد و جہد کی طرف توجہ نہ دلاتا۔ تو ان کا عبث ہونا پایا جاتا یہ جذبات یہ قوتیں دیکر کہا گیا کہ ریاضت اور سعی ہی سے انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور دوسری طرف اپنی رحمت اور فضل و کرم کو بھی خصوصی رنگ میں ایک دوسرے قانون کے ماتحت رکھکر مخلوق کو اوس سے محروم نہ رکھا۔

اگر ہم سعی پر مدار نہ رکھتے تو ہماری اقبالی اور اعمالی روش بالکل بیکار اور بے قیمت ہو جاتی۔ جو ہمارا اعلیٰ شرف اور فضیلت تھی۔ وہ بے سود ہوتی لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى دونوں رنگوں ....معادی اور معاشرتی پر حاوی ہے دنیا میں بھی اسکی ضرورت ہے۔ اور دین میں بھی۔ اور اسمیں ہر ایک قسم کی سعی اور جد و جہد شامل ہے معادی رنگ میں زہد و ریاضت اور دعا بھی شامل ہے۔ یہ بھی ایک محنت و سعی ہے تخیل بھی ایک سعی ہے۔ دیکھو تخیل اور فکر و تدبیر سے انسان کہاں تک پہنچا ہے۔ یہ تمام فلسفہ یہ تمام سائنس تخیل اور فکر و تدبیر ہی کا ثمرہ اور اثر ہے۔ جو لوگ دعا۔ عبادت اور فکر و تدبیر کو احاطہ سعی سے خارج سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ دماغی اور ضمیری سعی جسمانی اور عضوی سعی سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے۔ یہی غلطی ہے جو بعض وقت بعض لوگوں کو دعا کی فلسفی سے بدظن کرتی ہے۔ یہ کہنا کہ دعا باوجود ایک دماغی سعی اور جد و جہد کے ظاہر میں کوئی اسباب نہیں رکھتی ایک غلطی ہے۔ دعا دو قسمیں رکھتی ہے۔

(الف) دعا بعد از اسباب۔

(ب) دعا قبل از اسباب۔

کبھی انسان اسباب ہاتھ میں لیکر دعا کرتا ہے۔ اور کبھی اسباب کے ملنے کے واسطے دعائیں کرتا ہے۔ دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے جب ہم مہیا اسباب کے واسطے دعا کرتے ہیں تو اوس کا منشا یہی ہوتا ہے کہ ہمیں قدرت کی مدد سے اسباب میسر آ دیں چونکہ ہم قدرت کو ایک مختار اور فعال خیال کرتے ہیں اسواسطے ہم اس قسم کی دعاؤں میں لگ جاتے ہیں۔ ہمیشہ دو جہتی یا دو طرفہ افعال کے ماتحت سعی مشکور ہوتی ہے۔ ایک شخص سعی کرتا ہے کہ وہ ملکیت کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاوے۔ ایک طرف اس کی کوشش ہوتی ہے اور دوسری طرف اوس دوسرے شخص کی سعی جو اوسکی ہمت اور کوشش کا خیر مقدم کرتا اور اُسے امداد دیتا ہے۔ جب تک یہ دونوں کوششیں نہ ملیں تب تک کام نہیں بنتا جسطرح بغیر ملاپ جوڑہ کے بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ہم ایک طرف دعا کرتے ہیں تو یہ ہماری کوشش ہے اور اگر دوسری طرف قدرت فیضان کرتی ہے تو یہ قدرتی کوشش یا امداد ہے۔ ہماری طاقت ایکطرف چلتی ہے اور قدرتی طاقت ایکطرف۔ ہر صورت میں سعی اور اسباب سعی موجود ہو جاتے ہیں اور یہ کہنا کسطرح بے اسباب بے سعی کوئی کام ہو سکتا ہے اپنا جواب آپ ہی کر لیتا ہے اسلامی اصول کے مطابق سعی کرنا اور سعی کے بعد خدائے کریم کی رحمت اور کرم کا امیدوار رہنا ایک مستحسن طریقہ ہے ہم اسکے فضل و کرم اور رحمت کے قائل ہیں۔ ہماری کوششوں سے اوسکی رحمتوں اور اوسکے افضال کا دروازہ نہیں ہو سکتا وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اوسکا چاہنا ہمیشہ ہمارے نقطۂ خیال سے بالاتر ہوتا ہے اور وہ سراسر حکمت سنت ہے ہمارے ارادے اور ہمارے عزم اوسکے ارادوں اور اوسکے عزائم کے نقطۂ خیال سے بہت کچھ فرق رکھتے ہیں وہ علیم ہے اور ہمیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ ہمیں باوجود سعی کے بھی اپنی بضاعت اور رحمت ایزدی کا خیال رکھنا چاہیئے

سلطان احمد

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے

السیرۃ المحمدیۃ والخصائص النبویۃ

امین الرحمن مہبط القرآن

سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

نمبر (۲)

نشیمن چشم و جادہ دل کن و منزل درون جا
کہ از بہر تو ۔ ارم این ہمہ جا ہا ، و نہ ز لہا
اکنون کر "عبدیت" آباد کردی مزرع وحدت
صلا میزن بمشتاقان کہ بر دار ند جا ہا

مختصر یہ کہ چھٹی صدی عیسوی کے آخیر میں مجوسیوں کے آتشکدے۔ ہندوؤں کے بتکدے۔ یہودیوں کے مندر (سناگاگ) اور صابئین کے معابد۔ اور عیسائیوں کے گرجے۔ شرک و بت پرستی کے مرکز تھے۔

اِن دنوں ساسانی ایران میں کفر و ضلالت میں مبتلا اور عیش و عشرت کے شیدا تھے۔ دوسری طرف عیسائی برسر حکومت۔ اور تصویروں اور بتوں اور آثار کی پرستش میں منہمک تھے۔ پال مقدس عیسائیت کو تبلیغی مذہب بناگیا تھا جب یونانیوں، یہودیوں مصریوں اور مختلف اقوام نے دین مسیحی اختیار کیا۔ تو وہ اپنے اپنے خیالات اور پرانی رسومات جو ان کی مائی تھالوجی میں پائی جاتی تھیں ساتھ لائے۔

مصریوں کے ہاتھ تین دیوتا (۱) اوسی رس OSIRIS (۲) تھاہ PTHA (۳) امون۔ AMUN۔ قابل احترام و پرستش سمجھے جاتے تھے۔ جیساکہ ہندوؤں میں برہما، شوا اور شنو

اِن تینوں دیوتاؤں میں مصری لوگ۔ خالقیت۔ مالکیت۔ اور قادریت کی صفات کے قایل تھے۔ اسلیے عیسائیوں کا خیال تثلیث مصری روایات کے مطابق مستحکم ہوگیا۔ اور دوسری طرف مصریوں نے بھی باپ، بیٹا۔ اور روح القدس یعنی عیسائیوں کی تثلیث کو اپنی روایات کا موید پایا اسطرح پر یہ دونوں قسم کے لوگ خیالات اور تصورات میں مِل جُل گئے۔

وہ مشرکانہ میں قریبًا ہر ایک ملک کے علم الاساطیر (مائی تھالوجی) کے مطابق ہر ایک دیوتا کی بیوی بھی ہوتی تھی جسکو دیوی، کہتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں کی مائی تھالوجی میں ہر ایک دیوتا کے ساتھ اسکی بیوی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ جو اسکی ہمدم اور غمخوار تھی۔ ایسا ہی مصریوں کے علم الاساطیر میں اوسی رس دیوتا کی بیوی ایسس تھی جسطرح ہندوؤں کے ہاں شیو اور پاربتی سے گنیش جی پیدا ہوئے۔ اسی طرح اوسی رس اور ایسس کے ملاپ سے ہورس پیدا ہوا۔

مصریوں کے ہاں ہورس ایسس کی گود میں بیٹھا ہوا تھا جب وہ عیسائی ہو گئے تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جناب عیسیٰ اپنے بچپن کی تصویر میں حضرت مریم کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں یہی

پرانے خیالات مصریوں کے عیسائیوں میں رائج ہو گئے عیسائیت اور بت پرستی میں کوئی تمیز نہ رہی۔

چھٹی صدی عیسوی کے آخیر عیسائیت کے پانچ مرکز حسب ذیل تھے:۔
(۱) یروشلم (بیت المقدس) (۲) اسکندریہ (۳) کارتیج (۴) قسطنطنیہ اور روم۔ اور ان کے ماتحت اور بھی چھوٹے چھوٹے گرجے تمام سلطنت روما میں جابجا واقع تھے۔

مدت سے ان پانچوں مرکزوں میں در بارہ فضیلت اسقف بحث چھڑی ہوئی تھی۔ آخر کار ۵۹۰ء میں جبکہ جناب والا کی عمر مبارک بیس یا اکیس سال کی تھی۔ گریگوری اسقف روم۔ گریگوری اعظم کے لقب سے پوپ بنگیا۔ یہ پہلا پوپ ہے جس سے سلسلہ پاپائی مسیحی دنیا میں قایم ہوا۔ پوپوں کی مبسوط تاریخ میں کہیں آزادی اور آزاد خیالی کا نام نہیں۔ پادریوں کے سوا کوئی لکھ پڑھ نہ سکتا تھا۔ کلرجی کے سوا کوئی انجیل کا مطالعہ نہ کرسکتا تھا۔ دینی اور دنیوی اقتدار پوپ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بہشت و دوزخ کا ٹھیکہ دار انواع واقسام کے حیلوں سے دولت جمع کرتا تھا جسکو چاہے تخت سلطنت پر بٹھائے اور جسکو چاہے معزول کرے تمام فرنگستان اُسکے زیرنگیں تھا۔ مذہب مادیات سے تبدیل ہوگیا۔ بت پرستی پھیل گئی۔ فرقہ مریمیہ جو مریم کی عبادت کرتا تھا پیدا ہوا مورت پرستی کو رواج ہوا۔ معجزوں اور تبرکات پر اعتبار بڑھا۔ بجائے دوا کے دعا کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ خدا کو بھلا دیا گیا۔ علم وحکمت کا امتناع ہوا۔ علاج بھی معجزوں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ بزرگوں کی ہڈیاں اور آثار فروخت کئے جاتے تھے۔ اور جس قدر کوئی زیادہ قیمت دے بہشت خرید لیتا تھا۔

قوت تمیز و تعقل اقتدائے پوپ تھی معنی اسقفت قلب کا آج سمجھا نیکو ہیں
اسفل السافلین تھا انسان کی تعلیم میں احسن التقویم کی سند پہ بھلا نیکو ہیں

قبل اسکے کہ ہم سیرت محمدیہ کے مبارک تذکار سے بہرہ اندوز ہوں "رہبانیت" پر جو اُس زمانہ میں عالمگیر تھی ایک اجمالی نظر ڈالی جاتی ہے ہندوؤں میں مجرد رہنے کی عادت زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے بدھ نے تو مردوں اور عورتوں کو باضابطہ طور پر گدا گر اور نجات حاصل کرنے کے لیے ریاضات شاقہ میں لگا دیا۔

یہ عادت تجرد یونانیوں مصریوں اور یہودیوں میں بھی تھی "منگ" یونانی لفظ ہے اور "نن" لاطینی۔ یہ الفاظ مصریوں اور یہودیوں سے عیسائیوں نے سیکھے۔ خاصکر عیسائیت میں جب تیسری صدی کے آغاز میں فرقہ ناسٹک پیدا ہوا۔ بعینہ اسی قسم کے تارک الدنیا عیسائیوں میں پیدا ہوئے۔ جو ہندوؤں اور بدھوں میں ترک دنیا کرکے پہاڑوں اور جنگلوں میں نکل گئے تھے۔

عیسائیوں میں پہلا منک یا راہب ایک شخص پولِ تہانی نام ۲۵۰ء میں اسکندریہ چھوڑ کر جنگلوں میں چلا گیا۔ دوسرا اینس ہے۔ یہ دونوں اپنے زہد و ریاضت کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ تھوڑے دنوں میں ان کے پیرو جنہیں تن آسانی یا بعض کو واقعی نجات کے لیے یہ شوق دامنگیر ہوا تھا تمام عیسائی دنیا میں پھیل گئے۔ مرد منک اور عورتیں نن "بن گئیں" ضروریات زندگی میں خشک پھل اور تھوڑا پانی اور کبھی کبھار سوکھی روٹی کا ٹکڑا کافی سمجھا جاتا تھا۔ گرم پانی کا استعمال عشرت میں داخل تھا جسمانی تکلیفات کی کوئی حد نہ تھی۔ سردیوں میں پانی میں رہنا اور گرمیوں میں دھوپ میں۔ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھانا اور ہمیشہ اسی حالت میں رہنا۔ نہ آرام کرنا نہ سونا اور لوہے کی زنجیر کے ساتھ لٹکا رہنا۔ جس تناسب سے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائی جائیں۔ اسی نسبت سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ سالہا سال تک آنکھیں بند کرکے بیٹھے رہنا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں سیمی ان نام ایک راہب ساٹھ فٹ بلند ستون بنا کر اسپر ایک مربع فٹ آسن پر تیس سال لگاتار بیٹھا رہا۔ اپنے آپ کو زنجیر سے بند ھوایا اور دعا اور شکرگزاری کے لیے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور اسی حالت میں مرگیا۔

سینٹ امن ہمیشہ ننگا رہا۔ انتانی اور پاکس نے نو سال تک کسی سے گفتگو نہ کی۔

بعد میں ان ملکوں نے مذہبی مباحث اور ملکی معاملات میں بھی حصہ لیا۔ عموماً عیسائی کونسلوں میں جو عقاید نسبت ابنیت الوہیت اور تثلیث جناب عیسیٰ کے قایم ہوئے ان میں ان راہبوں کا معتد بہ حصہ ہے۔

پوپ جان بست و دوم المتوفی ۱۳۳۴ء ۔۔۔ یوں رقمطراز ہے کہ راہبوں میں آج تک چوبیس پوپ دو سو کارڈنل، سات ہزار آرچ بشپ۔ پندرہ ہزار بشپ اور پندرہ ہزار ایبٹ۔ چار ہزار ولی سینتیس ہزار ... قیصر اور دس قیصرہ، سینتالیس بادشاہ اور پچاس ملکہ اور بیس پسران قیصر اور اڑتالیس شہزادے۔ سو شہزادیاں راہب بنی ہیں۔ ڈیوک اور ارل اسکے علاوہ ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عامہ خلائق کس تعداد میں اس گروہ میں شامل ہوئی ہوگی۔

مختصر یہ کہ چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں دنیا میں راہبوں کے غول در غول جن کی نسبت قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ رہبانیت ایک بدعت ہے، اور تثلیث کا پیچیدہ عقیدہ اور پھر اسپر ابنیت، الوہیت، تثلیث اور نوعیت حضرت عیسیٰ کے بے معنے حاشیے اور پھر ... اور بت پرستی کا اضافہ عقاید بنانے کے لئے کونسلوں کے ... اور ان کے تشویش افزا فیصلے۔ بلوے اور خونریزیاں فتنہ و فساد جن کی قرآن حکیم ان لفظوں میں خبر دیتا ہے کہ:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، تمرد و طغیان، ضلالت و گمراہی ظلمت کفر و عصیاں تمام دنیا میں شرک کا دور دورہ اور اسکی ماتحت انواع و اقسام کی باطل پرستیاں کعبۃ اللہ میں تین سو ساٹھ بت گویا عرب میں اور قبایل عرب میں باضابطہ بت پرستی ایک منتظم صورت میں یہ سب ضلالتیں اور گمراہیاں اس امر کی مقتضی تھیں۔ کہ خدائے ذوالجلال والاکرام کا زبردست ہاتھ ان سب راہبوں اور گمراہیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دے۔ اور اصولی طور پر شرک کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں۔ حق و صداقت کا بول بالا ہو اور باطل و کذب کو شکست فاش ہو۔

یہ سارا سلسلہ باطل پرستیوں کا جو روئے زمین پر پھیلا ہوا تھا ایک لفظ "امید و بیم" سے پیدا ہوا۔ گرد و پیش کی جس چیز سے انسان کو امید منفعت یا خوف مضرت ہوتا تھا اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ گویا "غیر اللہ سے امید و بیم" پر تمام ضلالتیں اور سیہ کاریاں مبنی تھیں اگر ہم "دور مشرکانہ" کی ذمائم و قبائح کو ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو وہ یہ ہے کہ انسان ابتدائی حالت میں ہر قسم کی اشیاء یا بیرونی موثرات کی جنہیں "بیرونی طاقت" سے نامزد کیا جا سکتا ہے۔ اطاعت کرتا تھا۔ اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ ان کا ماتحت ہے۔ پس دنیا کا فرض تھی کہ غیر اللہ سے ڈرتی اور شرک میں مبتلا تھی۔ شرک ضلالت ہے:۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۔ الآیہ

شرک افترا ہے۔ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا مُبِينًا ۔ الآیہ

(باقی دارد)

(خاکسار الف دین)

رباعیات اوج

ویرانۂ دل کو باغ امید بنا ہر داغ جگر بہار جاوید بنا
اپنے لطف و کرم سے اے رب قدیر اِس ذرۂ بے نور کو خورشید بنا
ناچیز حقیر ذرۂ خاک ہوں میں گلزار جہاں میں خار و خاشاک حقیر
یہ فخر و مباہات ہے لیکن اے اوج مداح جناب شہ لولاک ہوں میں

ہجوری میں یوں بسر کرتا ہوں فریاد و فغاں میں شب بسر کرتا ہوں
ہے جذبۂ شوق خضر راہ مقصد اب ہند سے طیبہ کا سفر کرتا ہوں
دل سے غم شبیر بھلاؤں کیونکر داغ دل سوزاں کو مٹاؤں کیونکر
ان میں جو تشنگی ہے بے چین حسین افسوس میں پیاس اپنی بجھاؤں کیونکر

اپنے بیٹے کو خلاف حق چلتے دیکھکر اپنے ہاتھوں سے سزا دی ہیں۔ اور ان ہی کی شان میں ہے۔

"اشداء علی الکفار رحماء بینھم" یعنی کفر کے مقابلے میں سخت ہیں۔ مگر آپس میں نہایت رحمدل

مامون الرشید کے زمانہ میں جب مسئلہ "خلق قرآن" میں نوبت تشدد تک پہونچ گئی۔ اور لوگوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ حدوث قرآنی کا اقرار کریں۔ اور جو انکار کرتے تھے طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کئے جاتے تھے۔ اسی موقعہ پر شیخ عبدالعزیز بن یحییٰ الکنانی مکہ معظمہ سے چلکر بغداد تک صرف اسلیے آتا ہے تاکہ دارالخلافہ کی جامع مسجد میں خلق قرآن کی ابطال پر علانیہ وعظ کہے۔ اور اسطرح گرفتار ہوکر مامون کی مجلس تک پہونچے۔ اور پھر اوس کے سامنے سچ بولے چنانچہ وہ بغداد پہونچکر عین جمعہ کے دن جامع مسجد میں جاتا ہے اور منبر پر چڑھ کر باآواز بلند پکار کر کہتا ہے۔ کلام اللہ منزل غیر مخلوق۔ اور گرفتار ہو کر دربار میں پہونچتا ہے اور صداقت کا وعظ کہتا ہے۔

فی زماننا مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں تقدس کا معیار کیا ہے؟

علماء میں "سکوت" جو بدعات دیکھتے ہیں چپ

ہو رہتے ہیں تاکہ فتنہ و فساد بھڑک نہ اٹھے۔

پیران عظام میں "بردباری" جو ہو خلاف شرع بلکہ شرک و کفر تک کی باتیں اپنے سامنے دیکھتے ہیں گم ہو جاتے ہیں اور کچھ منہ سے نہیں بولتے کیونکہ "عارف کہ برنجد تنگ آب ست ہنوز"

گریجویٹ فرقہ میں "بے تعصبی" ہر کسی سے ملتے ہیں مگر برے افعال دیکھ کر ان کا دل نہیں دکھتا نہ اصلاح دینے کے لیے زبان ہلتی ہے ان تین فرقوں میں یہی باتیں تقدس ہیں اور انکے ہی ہونے سے بیچارے سمجھے جاتے ہیں

اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے

کذب کا نام ان لوگوں نے جو مصلحت وقت اور پالیسی ۔۔ بنا رکھا ہے اس کی قطعاً بیخکنی کردیں سچ سچ معاملے میں کسی کی رعایت یا رنجیدگی کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ اپنے اپنے حلقہ اثر میں صدق کو فروغ دیا جائے بس پھر اصلاح ہی اصلاح ہے۔ والسلام +

(حکیم **غلام غوث** بھاولپوری)

آیاتِ قرآنی کا بیجا استعمال

آیات قرآنی کو سمجھ کر اُنپر عمل کیا جائے ایسا بہت کم ہے اور یہ بہت زیادہ رائج ہے کہ دوا کے طور پر لوگ انکو استعمال کرتے ہیں۔ اکثر گھروں میں دعا اور تعویذ سلب مرض میں حکیموں اور ڈاکٹروں کی دواؤں سے کہیں زیادہ موثر سمجھا جاتا ہے اور سچا اسلام گویا انہیں عقیدہ کے ساتھ محدود مانا جاتا ہے ہمارے کہنے کا منشا یہ نہیں ہے کہ آیات قرآنی کو دوا کیجگہ کام میں لانا نادانی ہے خدا کی قدرتوں میں کسی کو دخل نہیں ہے البتہ تاثیر اشیاء کسی فروغ کو یا معجزہ ہو سکتا لیکن اعتقاد تو ہم ضرور کہیں گے کہ یہ آیات دوا کی طرح کام میں لانے کے لیے بنائی نہیں گئی تھیں۔ ان کے بنانے کی اصل غرض کچھ اور تھے جنپر بیان کرنا اسے بہت کم ہے مثلاً "ان اللہ علی کل شئی قدیر" (اللہ ہر چیز پر قادر ہے) ایک جنگل میں کسی مسافر پر شیر حملہ کرے اسکو بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آوے اور اسلیے وہ دل کڑا کر کے کہ اللہ سب پر غالب ہے (ان اللہ علی کل شئی قدیر) اور شیر پر تلوار کا وار کرے یوں اس آیت قرآنی سے اپنے خیالات کی مضبوطی اور دل میں جرأت پیدا کرے تو کہا جائے گا کہ اس نے اپنی غرض کی تکمیل کی لیکن بجائے حملہ کرنے کے وہ چپ چاپ آنکھ بند کرکے بیٹھ رہے اور منہ سے اس آیت کو پڑھتا جائے اور عقیدہ یہ رکھے کہ اس آیت کے اثر سے شیر کی آنکھیں بند ہوجائیں گی۔ اور وہ مجھے دیکھ نہ سکیگا تو بیضرور کہا جائیگا کہ آیت کا استعمال اچھے طور سے نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس آیت میں آنکھ پھوڑنے کی ہی تاثیر ہو ہمکو کسی کے ذاتی عقیدہ سے بحث نہیں ہے لیکن یہ ہر شخص سمجھے گا کہ اسکا وضع کرنا شیر کی آنکھ پھوڑنے کے لیے نہیں تھا بلکہ اسلیے تھا کہ اس سے لوگوں کی عقیدت اللہ کیطرف بڑھے

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

"جس کو حکمت دی گئی بے شک اس نے بڑی دولت پائی"

حکمت و موعظت

سعی و کوشش

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ

یہ فقرہ اوس مقدس کتاب کا ہے۔ جسے آج چالیس کروڑ مخلوق مانتی ہے۔ اور فقرہ کی عظمت اور واقفیت کے اعتبار سے ساری دنیا کا کم و بیش اسپر عمل اور اعتقاد ہے۔ سعی اور کوشش کیا ہے؟ انسانی خیالات۔ ارادوں اور تدابیر کی وہ صورت جو عملی رنگ میں فعلی اور انفعالی صورت میں متشکل ہوتی اور متشکل ہو کر بُرے بھلے نتائج کا موجب بنتی ہے۔ سعی انسان کی ایک طبعی خواہش اور آمادگی ہے۔ اوسکی طبیعت میں رکھا گیا ہے کہ وہ آپ کائنات میں رہکر سعی سے کام لے مختلف رنگوں میں اُسے جتایا گیا ہے کہ سوائے سعی کے وہ اس دنیا میں آسائش، راحت اور خوشی سے نہیں رہ سکتا۔ انسان پر ہی موقوف نہیں جس قدر جاندار مخلوق اور ذرہ کائنات ہے۔ علیٰ قدر مراتب وہ سب سعی ہی کے ماتحت نشو و نما پاتی اور آسائش پذیر ہوتی ہے۔ دیکھو چیونٹی جو لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہے۔ باوجود اس قدر قلیل البضاعت اور بہت ہی چھوٹی ہستی ہونے کے اپنی ذات میں کس قدر ہمت اور سعی رکھتی ہے۔ وہ دیوانی نہیں کہ سارا دن بل سے نکلکر گھومتی رہتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ بل میں بیٹھنے سے اوس کا معمولی سے معمولی قوت بھی میسر آنا مشکل ہے اوسکی قوت شامہ اوسے سعی کے مراحل میں خاص امداد دیتی ہے اگرچہ وہ کچھ عرصہ آرام بھی کرتی ہے۔ مگر اوس کا بہت سا وقت سعی اور ہمت ہی میں گزرتا ہے۔ چیونٹی کی ضروریات زندگی ایک ہی دانہ پر ختم ہو جاتی ہیں۔ انسان جس کی ضروریات کی طنابیں ختم ہونے میں ہی نہیں آتیں۔ اوسکی سعی اور ہمت کا اندازہ لگانا تو بہت ہی مشکل ہے۔

انسانی ضروریات کی نوعیت ایک تو نہیں ہے۔ معاشی ضرورتیں وہ رکھتا ہے۔ معاشرتی پھندوں میں وہ پھنسا ہوا ہے۔ روحانی جذبات وہ رکھتا ہے۔ مادی تعلقات سے وہ وابستہ ہے۔ اوسکی ضرورتیں اور اوسکی خواہشات مرنے پر بھی بس نہیں ہوتیں۔ حشر ثانی کی عقیدت اور وعدے نے اوس کی کوششوں اور ریاضتوں کو اور بھی مشکل اور پیچدار بنا دیا ہے۔ تہذیب نے اسے مہذب تو بنا دیا اور وہ اسپر فخر بھی کرتا ہے لیکن مشکلات بھی اس قدر پیدا کر دی ہیں کہ بعض وقت وہ پہلی جہالت اور سادگی پر ہی خوش ہونے اور قناعت کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ بے شک تہذیب اور تمدن کی بدولت بہت کچھ دولت و آسائش اور دولت شہرت حاصل ہوئی ہے لیکن اس تہذیب کی بدولت انسان جن جن تکلیفات اور مشکلات میں بھی پڑا ہے۔ وہ ناگفتنی ہے۔ ہر مہذب کہتا تو ہے کہ میں آزاد منش ہوں۔ خواہان آزادی ہوں۔ لیکن وہ بعض وقت غلاموں سے بھی زیادہ تر مجبور ہو جاتا ہے۔ اقبال و ادبار کا جھگڑا۔ یہ عزت و احترام کی لڑائی

یہ آبرو اور بے آبروئی کی کہانیاں ہیں تو بہت دلچسپ لیکن انکی بدولت جو مشکلات سہنی ہوتی ہیں انہیں کون گنوائے۔ دنیا اقبال شخصوں میں بعض وقت اقبال کی الا بلائیں جو ہوتی ہیں۔ اون سے خود اقبال بھی پناہ مانگتا ہے کچھ شک نہیں کہ دنیا میں با اقبال لوگوں کی بدولت بہت کچھ ہوا لیکن کیا کبھی وہ حادثات بھی گنے ہیں جو ان بزرگواروں کی بدولت ظہور میں آتے ہیں کبھی کبھی بادشاہ اور با اقبال جو آپس میں بھڑ جاتے ہیں اس کا اثر جو کچھ دوسروں پر پڑتا ہے وہ اقبالی محاسن اور برکات کی ایک عملی دلیل ہوتی ہے۔ اگر ادبار زدہ شخصیتیں اور قومیں ادبار و تنزل کی وجہ سے تقدیر کی شاکی رہتی ہیں تو اقبالی، وجیں نشہ اقبال میں ادبار زدوں سے بھی زیادہ تر موجب کلفت ہوتی ہیں۔ خواہ کوئی سی صورت اور حالت ہو سعی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ خدا کی ہستی ہے اور وہ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ بھی ہے لیکن جب اوس نے ایک قانون بنا دیا ہے۔ اور یہ چاہا ہے کہ ہم اوس قانون کے ماتحت چلیں تو ہمارا بھی فرض ہے کہ حکم کی تعمیل کریں۔ دیکھو کھانا اور پانی سامنے ہوتا ہے لیکن جب تک اٹھا کر موہنہ میں نوالہ نہ ڈالیں اندر جاتا ہی نہیں۔ اس سے زیادہ تر ثبوت سعی کا اور کیا ہوگا۔ خدائی الطاف و اکرام کا حال تو جدا ہے۔ وہ چاہے تو پل بھر میں کچھ کا کچھ کردے لیکن اوسکا قانون تو کچھ ایسا ہی ہے کہنے والوں نے یہ بھی کہہ رکھا ہے۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالتَّوْفِیْقُ مِنَ اللّٰہِ۔ یوں بھی سعی ہی کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اگر سعی نہ ہو تو توفیق کہاں سے ہو۔ سعی مقدم ہے۔ رہی توفیق سو وہ ایک دوسری بات ہے۔ یہ کہنا کہ سعی کا نتیجہ ہمیشہ حسب مراد ہی نکلے ایک غلط خیال ہے۔ ہمارا فرض سعی کرنا ہے۔ نتیجہ کے ہم ذمہ دار نہیں ہوسکتے۔ اگر سعی کا نتیجہ ہمیشہ حسب مراد ہی نکلتا تو سعی کی یہ قدر و قیمت بھی نہ رہتی پھر تو تیر بہدف کا معاملہ ہوجاتا۔ ہر ساعی کا دامن آرزو بھرا ہوا ہی نکلتا۔ جہان میں مایوسی ناامیدی کا نام بھی نہ ہوتا۔ توسعی کی بھی یہ قدر و قیمت نہ ہوتی۔ اسی مجبوری نے تو حضرت انسان کے منہ سے۔ التوفیق من اللہ کا جملہ نکلوایا ہے۔ بار بار کی کوششوں

نے ہزیمتوں نے جب یہ دکھا دیا کہ نری سعی پر بھی مراد کا ملنا موقوف نہیں تو حضرت کو یہ سوجھی اگر ہمیشہ کامیابی ہی ہوتی تو یہ فقرہ منہ سے نہ نکلتا سعی کب وجود پذیر ہوتی ہے۔ جب ساعی کے ہاتھ میں وسایل آجائیں۔ وسایل کب مہیا ہوسکتے ہیں جب سعی ہو گویا سعی مقدم ہے اور وسایل موخر۔ نرے تہیہ و وسایل ہی پر سعی مشکور نہیں ہوسکتی۔ اوسکے ساتھ موقعہ شناسی اور تدبیر کی بھی ضرورت ہے۔ خالی کنوئیں سے پانی نکالنے کی سعی کرنا بے سود ہے۔ جب گھر میں کوئی نہیں وہاں رات بھر آواز دیتے رہنا بے وقوفی اور فضول حرکت ہے سعی درست طور پر کب ہوسکتی ہے اور وسایل صحیح کب میسر آسکتے ہیں۔ جب تدبیر برمحل ہو تدبیر برمحل ہوسکے لیے تعلم اور تعلیم کی ضرورت ہے۔ تعلم اور تعلیم محنت کی محتاج ہے۔ جب تک محنت نہ ہو سعی نہیں ہوسکتی محنت بھی وہ جو کسی صحیح اصول پر ہو۔ واقعی اقبال بقول حضرت بلگرامی صاحب القابہ کوئی ایسی شے نہیں کہ جلدی جلدی اوس کا خاکہ اتارا جاوے۔ اقبال بھی ان چند وسایل کے تابع ہے۔ جو سعی سے پیدا ہوتے ہیں۔ سعی ان کی ماں ہے اور اقبال اس کی ذریات خدا نے ہمیں فخر نطق بخشا ہے۔ تمہارے منہ میں زبان دے رکھی ہے۔ اگر تم نہ بولنا چاہو۔ یا نہ بولو تو زبان خود بخود حرکت نہیں کرے گی۔ زبان کب حرکت کرتی ہے۔ جب تمہارے دل میں بولنے کا ارادہ ہو۔ اور ارادہ زبان کو بولنے کا حکم دے۔ دیکھو صرف ایک بات کرنے میں کتنی سعی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اقبال تو بڑی مشکلات کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ بے شک دعائیں تاثیر رکھتی ہیں۔ اور اللہ کریم سنتا بھی ہے۔ اور دعا قبول بھی کرتا ہے۔ لیکن محض دعا پر ہی تو فیصلہ نہیں ہوجاتا۔ کچھ ہاتھ پاؤں بھی ہلانے چاہئیں۔ اصلی دعا وہی ہے۔ جو محنت اور تردد کے بعد کی جاتی ہے۔ ع

زانوے اشتر بہ توکل بہ بند

پہلے تردد اور کام کرو۔ اُسکے بعد خدا سے دعا کرو۔ یہی سیدھا قانون ہے۔ اور اس قانون کی بدولت خدائے کریم دولت اور

اور فارغ البالی دیتا ہے۔ عبادت بھی ایک سعی ہی ہے۔ اگر عابد زاہد رات بھر نہ جاگیں۔ روزے نہ رکھیں۔ نمازیں نہ پڑھیں تو اونہیں کوئی صلہ عبادت کس طرح ملسکتا ہے۔ محنت وعبادت معاشی محنت سے کم نہیں ہے۔ دیکھو دونوں صیغوں عبادت اور معاشرت میں برنگ مختلف سعی ہی کی ضرورت ہے۔ سعی ہی مقدم ہے۔

ایک سوال اس بحث میں عارض ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قرآن مجید کی بعض آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے کریم فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے۔ اور اسکی رحمتیں بعض وقت بغیر کسی محنت اور ریاضت کے بھی اختصاص پذیر ہوتی ہیں۔ روحانی رنگ میں يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ ایک برہان واضح ہے اسپر یہ حاشیہ کہ اللہ میاں کا فضل یوں بھی ہو جاتا ہے اور اس کی رحمتیں ہمیشہ سعی اور محنت کی محتاج نہیں ہیں۔ درست نہیں۔ کیونکہ اللہ میاں قادر ہے۔ اوس کی نسبت یہ کہنا کہ وہ یوں کر نہیں سکتا ایک غیر صحیح خیال ہے۔ وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ ایک ہوتا ہے قانون عامہ اور قانون خاصہ۔ قانون عامہ کے ماتحت تو لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ہے اور قانون خاصہ کے ماتحت وہ کرم اور وہ فضل ہے جو بلا کسی محنت اور تردد کے رحمت ایزدی کے وفور اور اختصاص کی وجہ سے وجود پذیر ہوتا ہے لیکن اوس میں سعی ہوتی ہے بعض وقت ہم اوس سعی سے بے خبر رہتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص خود دعا کرتا ہے۔ کسی بزرگ سے خواہش مندِ دعا ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک سعی ہے۔ گو کہ وجدانی ہے۔ دنیا اسباب کا گھر ہے اس صورت میں بھی اسباب موجود ہوتے ہیں۔ جب کبھی کسی شخص پر ناگہانی نزول رحمت اور فیض ہوتا ہے تو اوس کے بھی کوئی اسباب ہوتے ہیں۔ وہ اسباب کسی نہ کسی ذات سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ انسان دو ہی قسم سے متاثر ہوتا ہے۔ بصورت فعلی۔ بصورت انفعالی دونوں صورتوں میں اسباب اور محرکات موجود ہوتے ہیں۔ چونکہ خدا مسبب الاسباب ہے وہ بعض وقت خود ہی اپنے فضل و کرم سے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ حالانکہ بعض وقت ہمیں خود بھی اون اسباب کا علم نہیں ہوتا۔ اس قسم کے اسباب کسی نہ کسی شخص کی جانب سے ہوتے ہیں۔ یا کوئی نہ کوئی طاقت اونکی محرک ہوتی ہے۔ بعض وقت وہ طاقتیں بھی محرک ہوتی ہیں جو انسانی دائرہ سے خارج ہیں۔ ہم بعض وقت ایک ناگہانی صدمہ سے جب محفوظ رہتے ہیں تو اوسمیں ایک ایسی طاقت موجود ہو جاتی ہے۔ جو ناگہانی ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ انسانی نوع میں سے بھی نہیں ہوتی۔ ایک دشمن کے دور کرنے پر ایک شیر جب جنگل میں سے ناگہاں نکلکر غراتا ہے۔ اور اسپر دشمن بھاگ جاتا ہے تو یہ ایک قدرتی سبب ہوتا ہے۔ جو ہماری حفاظت کرتا ہے بعض وقت اس قسم کے اور واقعات بھی پیش آجاتے ہیں ہمیں اکثر اوقات بعض کامیابیوں اور فتوحات کے اسباب کا بہت کم علم ہوتا ہے۔ اگرچہ اون کی تہ میں کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں مگر ہم اون سے ایک بڑی حد تک ناواقف ہوتے ہیں ایک غریب جب ایک جنگل میں سے ایک دفینہ پالیتا ہے تو بظاہر یہ فتوح کوئی سبیل اور کوئی سعی نہیں رکھتی مگر اوسکی تہ میں سعی کا وجود ہوتا ضرور ہے۔ خدا ہمیں راہ سعی اور جد وجہد سے آشنا کرکے یہ نہیں کہتا کہ ہم اوس کی رحمت اور کرم سے ہاتھ دہو بیٹھیں نہیں ایک طرف ہماری سعی ہو۔ اور دوسری طرف امید رحمت کیونکہ وہ ایک قادر مطلق ہے۔ کیا ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ہماری سعی اور جد وجہد کی رَو روک نہیں سکتا۔ اور کیا اوسمیں یہ طاقت نہیں کہ وہ اون کا ثمرہ اپنی مرضی کے مطابق دیوے بعض دفعہ باوجود انواع واقسام کی کوششوں اور جد وجہد کے بھی ہم کامیاب نہیں ہوتے۔ تو اس کا موجب کیا ہے عرفت ربی بفسخ العزائم کی فلسفی اس حالت میں ایک حقیقت کی وضاحت کرتی ہے۔ صرف اپنی کوششوں ہی پر غراں رہنا۔ اور طاقت ایزدی سے منہ پھیر لینا ایک طرح انزغی ہے۔ ہمیں ایک قانون دیا گیا ہے کہ اسپر چلو لیکن اوس کا یہ

ترپ آج اثر اپنا دکھلا رہی ہے

ترپ آج اثر اپنا دکھلا رہی ہے　　کشش اُن کی طیبہ کو لیجا رہی ہے
وہ ماسوئے یثرب چلی جا رہی ہے　　نسیم سحر اُن کو جو لکا رہی ہے
عجب رنگ دکھلاتی ہے یاد اُنکی　　مجھے سوتے سوتے سے چونکا رہی ہے
نسیم سحر بوئے کاکل سنگھا کر　　دل غمزدہ سے دعا پا رہی ہے
وہ ہر دم کہتا ہے دل اب نکلیگا　　قضا بے طرح سر پہ منڈلا رہی ہے
نہ تڑپا شب ہجر بہت جا خدا را　　تڑپنے سے تو کیا مزا پا رہی ہے

نہ روکو تمنائے شوریدہ سر کو　　یہ روضہ کو چومنے جا رہی ہے
سنا ہے مخاطب ہیں وہ دل جلوں سے　　میری حسرتِ دل بھی اب جا رہی ہے
بہت چھپی پھرتی تھی صورت گلاب　　میری آنکھوں میں میں بھی شرما رہی ہے
تھی الجھی ہوئی میری سلک تمنا　　وہ نظر کرم آج سلجھا رہی ہے
عجب جسم اطہر تھا سایہ نہ تھا کچھ　　سمجھ اپنی اک اوج چکرا رہی ہے

(خاکسار محمد صدیق اوج)

اتباعِ رسولؐ

نبیٔ مکرم رسول انام　　ہوئے جس کے باعث سے ارض و سما
جو ہوتی نہ جلوہ گری آپکی　　نہ ہوتے مہ و مہر پر از ضیا
وہ سلطان کونین شاہِ زمن　　وہ سردار عالم وہ کشور کشا
وہ قوت دہِ بیکس و ناتوان　　وہ فیض رساں اولیا و انبیا
وہ فخر عرب۔ اور نازِ حجاز　　وہ خورشید کعبہ وہ ماہِ صفا
وہ سالار اعظم۔ وہ ختم رسل　　بتانے کو آیا جو راہِ ہدا
وہ ہادیٔ اکمل۔ وہ مہدیٔ کل　　وہ منزل سے واقف وہ رہ آشنا

وہ بھٹکے ہوؤں کے لئے خضر راہ　　وہ بھولے ہوؤں کے لیے رہنما
جو شمع ہدایت دکھاتے نہ آپ　　نکلتی نہ ظلمت سے خلق خدا
جسے ہو رہِ راست کی جستجو　　ہے لازم بنے پیروِ مصطفےٰ
نہیں آئیں حافظ کسی کو کلام　　جو فرما گئے سعدیٔ باصفا

خلاف پیمبر کسے رہگذید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(حافظ امام الدین حقی عنہ)

ہے کعبہ اہل نظراں روی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہے کعبۂ اہل نظراں روی محمدؐ　　محراب عبادت خم ابروی محمدؐ
ہے سایۂ حق قامت دلجوی محمدؐ　　آئینہ ذاتِ احدی روی محمدؐ
دکھلائے اثر جذب محبت اپنا　　آنکھوں کے سہارے چلوں میں کوئے محمدؐ
دشمن سے محبت ہے تو احباب کی الفت　　وہ خلق محمدؐ ہے تو یہ خوی محمدؐ
جن آنکھ کو دیکھیں گرال ہو سوئے عدو　　ہے پیشِ نظر نرگس جادوی محمدؐ

کہتے ہیں میری قدر شہیدان محبت　　ہوں کشتۂ تیغ خم ابروی محمدؐ
دل اپنا بہلتا نہیں جنت میں بھی ہر　　یارب ہمیں پہنچا دو سیوے کوی محمدؐ
وہ نیم ہوا اس تیغ سے بسمل مثل　　خورشید اگر دیکھے ابروی محمدؐ
قربان ہو سو جان سے سو عنبر سارا　　ہو عطر فشاں گر خم گیسوی محمدؐ
گم کفر کے جتنے تھے گرایا نہیں میں　　واللہ بھی کیا قوت بازوی محمدؐ

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق و الاعمال

تہذیب النفس تدبیر منزل سیاست مدن

جنت سے پہلا خط

(ایک صغیر سن بچے کی طرف سے اپنے باپ کے نام)

روتے ہو ابّا رات دن ناحق مجھے دفنا کے تم
کرتے ہو کیوں آہ و فغاں میری لحد پر آ کے تم

آپا جدا اندوہگیں امّاں الگ بے آس ہیں
آخر یہ مایوسی ہے کیوں ہم تو خدا کے پاس ہیں

اپنی امانت تھا تمہیں اللہ نے مجھکو دیا
میں تو اوسیکا مال تھا جب چاہا اُسنے لیلیا

بے سود آہ و زاریاں بے فائدہ یہ شور ہے
قسمت پہ کسکا جبر ہے قدرت پہ کسکا زور ہے

ابا تمہارے پاس تو دو اور میرے بھائی ہیں
ایک آرزو بگڑی تو کیا دو مُرادیں پائی ہیں

دونوں تمہارے پاس ہیں ایک غنچے سے اک پھول ہے
تم کیوں ہو کملائے ہوئے۔ دیکھو تمہاری بھول ہے

رونے سے ہے کیا فائدہ۔ رونے سے کیا ملجائے گا
دنیا سے جو جاتا رہا۔ واپس اب وہ آئے گا

اماں سے کہیے بندگی، کہدو نہ وہ روئیں مجھے
جاگیں تو دل سے دیں بھلا، اور بھولکر سوئیں مجھے

میں گلشن فردوس میں ہوں چین اور آرام سے
دکھ درد سے نا آشنا۔ واقف نہیں آلام سے

حوریں بٹھا کر گود میں دن بھر کھلاتی ہیں مجھے
دیدے کے میٹھی لوریاں شب کو سلاتی ہیں مجھے

کھانے کو ہیں سو نعمتیں پینے کو شربت ہیں بہت
تم کیوں کڑھو ہو میرے لیے سامان راحت ہیں بہت

تم سے بھی ستر درجہ مجھپر مہربان اللہ ہے
غلمان میرے دوست ہیں حوروں کو میری چاہ ہے

آتی نہیں ہے بھولکر دنیا کی مجھ کو یاد بھی
کپڑے ہیں نوری سینکڑوں میرے پہننے کیلئے
بالکل بھلاؤ تم مجھے۔ ابا کڑا ہاؤ دل نہ تم
تکلیف میری روح کو دیتے ہو جب روتے ہو تم
تم فاتحہ مجھپر پڑھو۔ تو روح میری شاد ہو
خیرات کرتا ہے جو کوئی مرنے والے کے لیے
کھانا کھلاؤ تم وہاں مجھ کو یہاں کھانا ملے
مٹی جو اپنے ہاتھ سے تم نے مجھے دنیا میں دی
یہ تھی بڑی خوش قسمتی۔ ہم آپ سے پہلے مرے
ہم جس نئے عالم میں ہیں اوسکی نرالی شان ہے
یہ ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی یہ ہلکا ہلکا نور سا
یہ قمریوں کے چہچہے یہ سرو کی آزادیاں
یہ باغ نہریں یہ گھر۔ اور یہ محل بلور کے
دنیا میں اتنے دن رہے لیکن نہ تھے آرام سے
ابا خدا کیواسطے رونا نہ اب ہرگز ہمیں
جنت میں جب آؤ گے تم پھر تم سے ملجائینگے ہم
وہ رات دن کے جھگڑے، رونا۔ مچلنا۔ چیخنا
مرتے ہی گویا چھٹ گئی ہم سینکڑوں آفات سے
ہر وقت اک تازہ خوشی، ہر شادمانی ہے نئی

بے فکر ہوں اور مطمئن۔ آباد ہوں اور شاد بھی
جنت کے محلوں میں ہوں غم ہے کیا کمی میرے لیے
میرے نہونے سے کبھی سونی کرو محفل نہ تم
میرے لیے تکلیف کا گویا سبب ہوتے ہو تم
دنیا میں تم نے پڑھا، شاید تمہیں بھی یاد ہو
ملتی ہیں دس دس نیکیاں ایک ایک کے بدلے ائے
اک قطرہ تم خیرات دو، اور مجھ کو پیمانہ ملے
صدقے میں اوسکے آج ہے یہ آبرو مجھکو ملی
زندہ ہے وہ بیٹا جو اپنے باپ سے پہلے مرے
اوس کی نرالی شان پر دل ہر گھڑی قربان ہے
یہ صبح کا ٹھنڈا اسماں۔ با کیف سا مسرور سا
یہ بلبلوں کا جھوم کر گانا مبارکبادیاں
سرسبز یہ لاکھوں شجر اور اُن میں جھولے نور کے
صلِ علیٰ، صلِ علیٰ، ایسی سحر اور شام یہ
اماں کو بھی تسکین دو۔ بے فکر وہ ہم سے رہیں
دنیا میں تو ہرگز نہ اب بھولے سے بھی آئینگے ہم
سو مشکلیں، سو آفتیں، قصہ چکا جھگڑا مٹا
آگاہ ہم پہلے نہ تھے فردوس کے حالات سے
ہم مرکے زندہ ہو گئے۔ یہ زندگانی ہے نئی

آگاہ ہو جائے اگر ہر آدمی انجام سے
بیزار ہو تو بہ کرے اس زندگی کے نام سے

(سیمابؔ) (صدیقی الوارثی اکبرآبادی)

مسلمان صاحبزادے

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب سعید)

عمر کا سال ہوا چھ سے جب بڑھ کر ہم — رفتہ رفتہ ہوا اسکول کا جانا کم کم
کتب درسیہ منتی چلیں دیمک کی غذا — دلکو بھانے لگا دل رہی فسانۂ غم
ہسٹری دیکھنا معلوم ہوا کار فضول — طبع نازک کو کیا "جاگرفی" نے برہم
نقشے ملکوں کے سنگلے کی دیوار پر — کھولنے کی جنہیں اک عرصے کھائی ہے قسم
میز پڑھنے کی جو تھی اسکی یہ آرائش ہے — ایک ٹوٹی سی دوات ایک بڑا سا قلم
شکل استاد سے ہوتی چلی نفرت دلکو — بڑھا شوق کو بصد شوق بنایا ہمدم
کھیل اسکول کے ایک آنکھ نہیں بھاتے اب — شغل گنجفہ و شطرنج ہے جاری ہر دم
ناموافق ہوئی آبادی سے باہر کی ہوا — چاندنی چوک کی گلگشت کا آیا موسم
شام کی ڈاک کو اب ٹھنڈی سڑک کو بدلے — چلیے با مجمع احباب سوئے کوئے صنم
خط جو آیا کبھی والد کا تو نوکر سے کہا — ابھی فرصت نہیں لکھو یہ کہ لکھ دینگے ہم
صحبت ماہ جبیناں میں کہاں صوم و صلوٰۃ — اب دنیا کی رہی شرم نہ عقبیٰ ہی کا غم

چند ہی روز میں یہ صورت غم سے کو لگی — پوشوان کو سمجھنے لگے آپ نعم نعم
اسی عرصے میں کہیں آ گئے انکے والد — پاس بٹھلا کے کہا لڑکے سے ای نخت دو کم
منہ ذرا سا نکل آیا ہے تمہارا کیا — اتنی محنت نہ کرو پڑھنے پہ نور نظر
خیر اچھا یہ بتاؤ تو پڑھا کیا تم نے؟ — ہو ترقی سے تمہاری دل محزوں خرم
پہلے کچھ دیر تو شرماتے رہے پھر بولے — آبا جان! آپ پوچھیں یہی از راہ کرم
پڑھ چکا میں بھی مسلمانوں کے بچوں کی طرح — جاؤ کا ترجمہ گو آؤ کی انگریزی ہو کم
اس سے زائد کی ضرورت بھی نہیں فی الحال — ایک مسلمان کے بچے کو یہی ہے کیا کم
سچ تو یہ ہے کہ بس اب زباں پر ہے یہی شعر — حضرت خواجہ حافظ نے کیے ہیں جو رقم
فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم — بندۂ عشقم و از ہر دو جہان آزادم
نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار — چکنم حرف دگر یاد نداد استادم

(از مدینہ بجنور)

محروم وراثت لڑکیاں

لکھتی ہیں ماں باپ کتنی محبت لڑکیاں — کرتی ہیں مکان بھر انکی طاعت لڑکیاں
لیکن انکو یہ صلہ ملتا ہے اس پنجاب میں — بے خطا ہوتی ہیں محروم وراثت لڑکیاں
صاف قرآن و حدیث مصطفےٰ میں ہے لکھا — یعنی لیں ماں باپ ورثے سے دولت لڑکیاں
پھر انہیں محروم حق کرتے ہیں ظالم کس لئے — کیا غرض ہے سونپ بیٹھیں رنج و زحمت لڑکیاں
اس قدر اچھا نہیں ان کو شکنجہ پر ستم — داد کی طالب ہوئی ہیں زیر قیامت لڑکیاں
کرتے ہیں بدخواہ خود ماں انکی قتل کا — پاتی ہیں ماں باپ کے ہاتھوں اذیت لڑکیاں
ان زمینداروں کو دیکھیے کس قدر مغرور ہیں — جن کی تقلید جہالت میں غارت لڑکیاں
دیتے ہیں بیٹوں کو تو دولت لڑانے کے لیے — اسوقت جاتی ہیں محروم وراثت لڑکیاں

اس قدر مشق ستم انپر جفا کار و بلی کی — اٹھ گئیں دنیا سے پا کر اذیت لڑکیاں
کافر و نکی طرح تم نے بھی رکھا محروم وراثت — لے چلیں دنیا سے داغ حسرت لڑکیاں
کرتے ہو محروم تم ترکے سے انکو بے قصور — اشک خونیں سے کریں روز قیامت لڑکیاں
کہتی ہیں بہتر تھا اس سے قتل کر دیتے ہمیں — یاد کرتی ہیں جو ایام جہالت لڑکیاں
کہے کے تو بہانہ آؤ حکم قرآن پر چلو — ورنہ رکھیں گی تمہیں محروم جنت لڑکیاں
حق ہمارا کھا کے دوزخ میں گھسی ہو بیقدم — کرتی ہیں آگاہ یہ میت کی نعمت لڑکیاں
زندگی بھر کوستی ہو روکی پیٹ سر کر — کھلتا ہے بعد مرنے کے حقیقت لڑکیاں
حق اداوان کا کرو شرماؤ کچھ اللہ سے — کہتی ہیں ہر دم خبر کہیں رنج و حسرت لڑکیاں

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم اُن لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھائینگے اور انکے اپنے درمیان بھی یہانتک کہ اُن پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے

بصارت و بصیرت

شذرات

روس میں اشاعت اسلام

مملکت روس میں گذشتہ دس سال میں پچاس ہزار عیسائی مشرف باسلام ہوئے۔ غور کرو مسیحی اقوام اشاعت عیسائیت میں روپیہ پانی کی طرح بہاتی ہیں اور کوئی دقیقہ جد وجہد کا فروگذاشت نہیں کرتیں۔ اطراف واکناف عالم میں مدارس اور شفاخانے۔ اور دار الفنون ترویج عیسائیت کے واسطے جاری ہیں ہر ملک ہر شہر اور ہر قریہ میں مسیحی مناد موجود ہیں لیکن تبلیغ اسلام کے لیے کوئی باقاعدہ نظام نہیں۔ اس بنا پر عیسائی مملکت میں عیسائیت کو خیرباد کہکر پچاس ہزار نفوس کا حلقہ بگوش اسلام ہو جانا صداقت اسلام پر شاہد ناطق ہے۔ اس سے یہ امر بھی پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اشاعت اسلام کبھی جبر و اکراہ سے نہیں ہوئی بلکہ اسلام دین فطرت ہے۔ اور سلیم الفطرت انسان کو اسکے آگے سر تسلیم خم کرنے سے مفر نہیں۔ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ (پ ۸ س الانعام ع ۱۵) جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اسے راہ راست دکھلائے۔ اس کے سینہ کو قبول اسلام کے لیے کھول دیتا ہے +

دس لاکھ شوہر مطلوب ہیں

اندازہ لگایا گیا ہے کہ سرزمین انگلستان میں دس لاکھ سے زیادہ نوجوان لڑکیاں ایسی ہیں جن کا سن وسال سولہ اور چھبیس برس کے درمیان ہوگا۔ قانون و مذہب تعدد ازدواج سے مانع و مزاحم ہیں۔ اس بنا پر شوہروں کی قلت کی وجہ سے یہ لڑکیاں کبھی تاہل کی زندگی بسر نہ کرسکیں گی۔ الاان یشاء اللہ۔ غور کرو یہ ہیں الحرب کے عواقب و نتائج ہیں۔ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اس قدر کثیر تعداد مستورات کا مدت العمر مجرد رہنا ایک اہم واقدم غور طلب معاشرتی مسئلہ ہے۔ کیا قوانین قدرت کی ایک مقدس دفعہ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ کی طرف رجوع کئے بغیر اس مسئلہ کا حل ممکن ہے؟ حاشا وکلا۔ اس عالمگیر جنگ نے امتناع شراب کی ضرورت ظاہر کرکے ایک اسلامی صداقت کی نہایت زور شور سے تصدیق کی ہے۔ اسی طرح جواز تعداد ازدواج کی تائید لازم و واجب ہوگی +

نزولِ باراں رحمت الٰہی ہے

قرآن حکیم نے نزول باراں کو رحمت الٰہی سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (پ ۸ س الاعراف ع ۱۴) اور وہی قادر مطلق ہے جو باران رحمت سے آگے آگے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ لوگوں کو مینہ کی آمد کی خوش خبری پہنچائیں یہانتک کہ جب ہوا بھاری بوجھل بادلوں کو لے اُڑتی ہے تو ہم کسی بستی کی طرف جا افتادگی کی وجہ سے گویا مری پڑی تھی۔ بادل کو ہانک دیتے ہیں۔ پھر وہاں بادل سے پانی برساتے ہیں پھر پانی سے

ہر طرح کے پھل زمین سے نکالتے ہیں۔ رحمت الٰہی غیر متناہی اور ہر چیز کو شامل ہے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ (پ ۹ س الاعراف ع ۱۹) اور میری رحمت سب چیزوں کو شامل ہے۔ دوسرے مقام پر ہے ربنا وسعت كل شيء رحمة وعلماً (پ ۲۴ س المومن ع ۱) اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم سب چیزوں پر حاوی ہے۔ پھر یہ جو محکمہ آب و ہوا کی طرف سے رپورٹیں شائع ہوتی ہیں کہ فلاں مقام پر اتنے انچ بارش ہوئی؟ اس کے کیا معنی ہیں۔ واضح رہے کہ ایک انچ نزول باراں کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ آسمان سے اس قدر پانی برسا ہے کہ اگر اسکا ایک قطرہ بھی نہ بہتا اور نہ زمین میں جذب ہوتا تو اردگرد کے علاقہ میں ایک ایک انچ پانی سطح زمین پر کھڑا ہو جاتا۔ زیادہ عام فہم الفاظ میں اس کا مطلب یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک انچ بارش میں ایک ہزار اراضی پر اس قدر پانی برستا ہے کہ جس سے ہنتالیس ہنتالیس گیلن کے چھ سو پیپے بھر سکیں۔ اتنے پانی کو اگر تولا جائے تو اسکا وزن ایکسو دس ٹن یا کتنیں تیس سو من کے بین بین ہوتا ہے اگر ایک ہزار زمین پر معمولی ترشح ہو تو بادلوں سے تقریباً ایک لاکھ تیرہ ہزار ٹن پانی گرے گا۔ بعض اوقات لمبی جھڑی لگتی ہے یا بارش دو دو دن تک پھیلی ہوتی ہے۔ اور بارش کا پیمانہ چار پانچ انچ تک چڑھ جاتا ہے تو اس صورت میں فی الواقع بے انداز پانی برستا ہے جو انسانی عقل و فہم میں نہیں آ سکتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بلاشبہ نزول باراں رحمت الٰہی ہے۔ اور رحمت الٰہی غیر متناہی۔ اس وقت امساک باراں سے خلق اللہ نہایت تکلیف میں ہے۔ یا ارحم الراحمین ارحمنا وانزل علینا ماء من السماء۔ آمین *

(نور الدین تاجر چرم)

ایک بڑی مچھلی اور جہاز کی کشتی

برٹش انڈیا سٹیم نیوی گیشن کمپنی کا جہاز ڈمرا جو بصرہ سے براہ کراچی بمبئی پہنچا۔ اسے راستہ میں ایک بڑی بھاری مچھلی سے مقابلہ کرنا پڑا۔ عموماً جہاز پر جو ماہی گیر مچھلیاں پکڑتے ہیں وہ بہت سے کانٹوں میں گوشت لگا کر جہاز کے پچھلے حصے سے سمندر میں ڈالتے ہیں بڑی بڑی مچھلیاں گوشت کھانیکی ہوس میں اس کانٹے کو نگلتی ہیں اور شکاری کے قابو میں آجاتی ہیں اسی طرح پر ایک بہت بڑی مچھلی جو تیس فیٹ لمبی تھی آہنی کانٹے کے ذریعہ سے قابو آگئی۔ چونکہ مچھلی بہت طاقتور تھی اسلئے اس نے جہاز کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا اور سطح جہاز تک گئی۔ آخرکار مچھلی کو بہالول اور سنگینوں کے ذریعہ ہلاک کیا گیا اور پھر اسکو بمبئی میں لے آئے یہ مچھلی بہت بڑی تھی اسکی آنکھیں سکے روپیہ جتنی تھیں۔ اسکا منہ تین فیٹ چوڑا تھا اور لمبائی میں تیس فیٹ تھی۔ جناب رسالتمآب کے عہد سعادت مہد میں ایک دفعہ ایک بڑی مچھلی پر تین سو آدمیوں نے اٹھارہ دن تک گزارہ کیا تھا چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرجنا ونحن ثلاث مائة نحمل زادنا علی رقابنا ففنی زادنا حتی کان الرجل منا یاکل فی کل یوم تمرة قال رجل یا ابا عبد اللہ! واین کانت التمرة تقع من الرجل قال لقد وجدنا فقدها حین فقدناها حتی اتینا البحر فاذا حوت قد قذفه البحر فاکلنا منها ثمانیة عشر یوماً ما احببنا (ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم تین سو آدمی نکلے اپنا توشہ اپنے سروں پر اٹھائے ہوئے تھے رستہ میں ہمارا توشہ ختم ہو گیا یہانتک کہ ہم میں کا ہر ایک شخص ہر روز ایک ہی کھجور کھانے لگا ایک شخص نے کہا اے ابو عبد اللہ! (یہ جابر رضی اللہ کی کنیت ہے) بھلا ایک کھجور کھا کر آدمی کیا کرتا؟ انہوں نے کہا جب یہ بھی نہ ملی اسوقت ہم کو قدر عافیت معلوم ہوئی چلتے چلتے ہم سمندر کے کنارے پہنچے دیکھا تو ایک مچھلی کو سمندر نے نکال کر باہر پھینک دیا ہے ہم اسکو جتنا دل چاہا پیٹ بھر کر اٹھارہ دن تک کھاتے رہے) غور کرو صحابہ کرامؓ حضرت نبی کریمؐ کے کیسے مطیع و منقاد تھے کہ جناب رسالتمآب نے ارشاد فرمایا کہ سمندر کے کنارے پر جاؤ کچھ کام ہے معاً تین سو نفوس مقدس روانہ ہو گئے کبھی اتنا بھی نہیں پوچھا کہ ہماری رسد کا انتظام ہوگا یا نہیں کھجوریں جو مدینہ منورہ سے ساتھ لے گئے تھے وہ رستہ ہی میں ختم ہو گئیں جب کچھ بھی پاس نہ رہا تو کیکروں کے پتے پھانک کر گذارہ کرتے رہے۔ بالآخر رزاق مطلق نے دستگیری فرمائی اور ایک ہیبتناک مچھلی ان کی خوراک کیواسطے بھیجدی جس پر تین سو آدمیوں نے اٹھارہ روز تک گزارہ کیا جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

(الفرقان)

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

لوگوں کو قصے سنایا کرو تاکہ وہ غور و فکر کرنے لگیں

القصص

حضرت سلیمانؑ و ملکہ بلقیسؑ

نمبر (۲)

عزیز و اقارب خویش و بیگانے اور کیسے کیسے مائی کے لال سدا صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔ ہنگ اجل قہر کے سمندر میں لے ڈوبتا ہے جن کی کوئی نشانی حتی کہ قبر تک کوئی نہیں بتاتا ؎

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند کز ہستیش بروئے زمیں یک نشان نماند

پس اشرف المخلوقات انسان کی بقا اور ملک کی فارغ البالی اور خوشحالی کی صرف یہی تدبیر ہے کہ خواہ مخواہ خدا کی سلطنت میں فساد نہ پھیلاؤں۔ جنگ کی آگ میں نہ کودوں۔ خلق خدا کی خونریزی کا باعث نہ بنوں۔ میں تو جنگ سے علیحدہ ہی رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔ ع

کہ گر خواہی سلامت برکنار است

بدیں وجہ میری رائے جنگ و جدال فتنہ و فساد کے خلاف ہے

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ اور ملک میں فساد نہ پھیلاؤ کیونکہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔"

مگر ہاں اب میں ایک اور تدبیر کرتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ کچھ تحائف و کچھ سوغات سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بھیجتی ہوں۔ اگر وہ ہدایا کو قبول کرلیں گے تو بادشاہ ہیں ورنہ پیغمبر ہیں

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ اور میں ان کی طرف تحفے تحائف

فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ بھیج کر دیکھتی ہوں۔ کہ ایلچی کیا جواب لیکر آتے ہیں۔

(نمل ع ۳ پ ۱۹)

جسوقت ملکہ بلقیس کے تحفے تحائف حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ایلچی لیکر پہونچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تم مجھ کو مال و متاع ہدایا دے کر دم دینا چاہتے ہو۔ یاد رکھو فریبیوں کی دغابازی ہمیشہ سرسبز نہیں ہوا کرتی۔ آخر کار مکار اور غدار لوگوں کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان مٹ جاتا ہے اور فریبی اور دغابازوں کو ان کے مکر اور فریب کی ضرور سزا ملتی ہے وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ۔

تم اپنے تحفے تحائف سے خوش رہو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کی ثروت اموال و متاع دے رکھا ہے۔ اسکا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھکو دین و ایمان نبوت و حکومت عطا فرمائی ہے۔ تم دنیا کے کتے ہو۔ تمہاری نظر ہر وقت دنیاء دوں پر لگی رہتی ہے مگر ہمارا مطمح نظر نہایت ہی عالی مقام ہے۔ اے منذر ابن عمر سفرا کا سردار! تم یہ تمام تحائف واپس لیجا کر اپنی ملکہ کو دیدو اور ہماری طرف سے یہ پیغام پہونچا دو۔ کہ سلیمان عنقریب ایک لشکر جرار لیکر تم پر حملہ آور ہوں گے۔ جسکا مقابلہ کرنا تمہاری قدرت سے باہر ہے۔ اور وہ تم کو بے عزت ذلیل و رسوا کرکے ملک سے باہر نکال دینگے"

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ○ (نمل ع ۳ پ ۱۹)

ترجمہ جب ایلچیوں کا سردار منذر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں تحفے لیکر حاضر ہوا۔ تو سلیمان علیہ السلام نے کہا۔ کیا تم لوگ میری مال سے مدد کرنی چاہتے ہو حالانکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دے رکھا ہے وہ اس سے جو تم کو دے رکھا ہے بہت بہتر ہے، تم اپنے تحفوں سے خوش ہو۔ اے سردار! تو یہاں سے انہی کی طرف لوٹ جا۔ اور اب ہم ایسے لشکر لیکر چڑھائی کرینگے جسکا ان سے مقابلہ نہ ہوسکیگا۔ اور ہم ان کو وہاں سے اس حالت میں نکالدینگے کہ وہ ذلیل وخوار رسوا ہوں گے انتہی۔"

جب منذر ابن عمر سرگروہ ایلچیان ملکہ کے دربار میں واپس آیا سلیمان علیہ السلام کا ماجرا بیان کیا۔ ملکہ گھبرا گئی۔ اسی وقت اپنی قلمرو میں اعلان کرایا کہ ما بدولت حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ہماری عدم موجودگی میں کسی طرح کی بدامنی فساد نہونے پائے۔ اور ہمارے شاہی تخت کو ہاتھ لگانا کجا کوئی دیکھنے تک نہ پائے۔ جب تک میں نہ آلوں۔ ان سات حجروں کو کھولا نہ جائے جس میں ہمارا تخت مقفل ہے۔ ملکہ بارہ ہزار سردار و دہ سرداروں لعد بادشاہوں کا لشکر لیکر روانہ ہوئی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت گاہ سے ایک کوس کا فاصلہ رہگیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک شور سنا۔ پوچھا کیسا شور ہے۔ خدام اور شاہی نوکروں نے کہا جناب! ملکہ بلقیس آپ کے حضور میں تشریف لاتی ہیں یہ ان کا لشکر کا شور ہے۔ اسوقت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لشکر کی طرف خطاب کرکے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ (پ ۱۹ نمل ع ۳)

اے اہل دربار کوئی تم میں ایسا بھی ہے کہ قبل اسکے یہ لوگ ہمارے حضور میں مطیع ہوکر حاضر ہوں ملکہ کے تخت کو ہمارے پاس لے آوے" انتہی۔

اسوقت وہب ابن منبہ دیو بولا۔ کہ حضور یہ کونسی بڑی بات ہے میں نہایت امانت داری کے ساتھ اس تخت کو۔ آپکے اٹھنے سے پہلے آپ کی خدمت میں لاحاضر کروں گا۔

قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ (نمل ع ۳ پ ۱۹)

جنات میں سے ایک دیو بول اٹھا کہ آپکے اپنی اس عدالت گاہ سے اٹھنے سے پہلے میں تخت کو حضور میں لاحاضر کروں گا اور میں اسکی طاقت رکھتا ہوں۔ اور امانت دار بھی ہوں"

جب وہب ابن منبہ اپنی تقریر ختم کرچکا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر اعظم آصف بن برخیا بولا میں ملکہ بلقیس کے تخت کو آپکی آنکھ جھپکنے سے پہلے لادوں گا۔ اس شخص کو اسم اعظم معلوم تھا اس کی برکت سے اسنے یہ کرامت کر دکھائی۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ (نمل)

یعنی جس شخص کو علم کتاب تھا وہ بولا کہ آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے آپکی خدمت میں تخت کو لادیتا ہوں"

طرفۃ العین میں خدا کی شان سے ملکہ بلقیس کا تخت سلیمان علیہ السلام کے حضور میں آگیا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا۔ بیحد خوش ہوئے اور خدا کا شکریہ ادا کیا۔

فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (نمل ع ۳ پ ۱۹)

جب سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے پاس دھرا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بھی میرے خدا کا احسان ہے (اور) میرے امتحان کیلئے ہے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے بھلے کے لیے شکر کرتا ہے۔ اور جو شخص ناشکری کرتا ہے۔ تو میرا پروردگار اس سے بے نیاز ہے۔ اور کرم کرنے والا ہے"

(باقی دارد)

(عبد التواب)

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کیلئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے۔ [illegible] کہ ٹرکی۔ ایران۔ ترکستان۔ افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں ہے کہ وہ ذی علم ہو اور قرآن عربی کو نہ سمجھ سکتا ہو۔ کہ چین کے مسلمان بھی [illegible] نہیں ہیں۔ صرف آجکل ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں اور [illegible] ضرورت پر لحاظ کرکے علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی نے جن کی جملہ تصنیفات کی فہرست ذیل میں درج ہے یہ ترجمہ قرآن مجید بالمحاورہ اردو ترجمہ عبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شامل کردی ہے اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جسکی سرخیاں حسب ذیل ہیں :-

(۱) ترجمہ کرنیکا خیال کیوں پیدا ہوا (۲) ترجمہ قرآن کی صورت زمانہ وسطی اور زمانہ اخیر میں (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) غلط ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت اور آنحضرت محمد (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) متضاد احکام قرآن میں نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) کیا آیتیں قرآن کی (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن جن پر صرف یہ سمجھ کر مذہب لوگوں کا اعتراض ہے (۲۸) برکات اسلام کیلئے الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۹) معجزات (۳۰) مؤلف کی معذرت (۳۱) آیات قرآن میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے۔

اس ترجمہ میں توضیح معنی کا لحاظ رکھا گیا ہے مسائل شرعی قرآن سے نکلے ہیں انکا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف قرآت سے حنفی المذہب اہل سنت ہیں۔ جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے [illegible] مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا اہل حنفی المذہب جو باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ زیریں میں سب کا بیان ہے [illegible] مذاہب کے بیان کے [illegible] اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہو کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کا مقابلہ کرکے نہایت صحت و اختصار سے یہ ترجمہ لکھا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ ہے [illegible] بیان کرنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول [illegible] میں [illegible] پارہ کا ترجمہ شائع کیا تھا اسکے بعد ۱۹۰[illegible] میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا تھا اسکے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا کہ ناظرین بالمال ترجمہ دیکھکر اسکا [illegible] کریں گے۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بہت جلد منگا لیں گے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں گے۔ [illegible] مسلمان کے ہاتھ میں پہنچا اشتہار کا باعث ہو۔ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر ہے جیسے علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں۔

ہدیہ قیمت فی جلد مذہب تین روپیہ (عہ) (فٹ) [illegible]

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

کیفیت	[illegible]	قیمت	صفحہ	موضوع	زبان	نام کتاب	نمبر شمار	کیفیت	[illegible]	قیمت	صفحہ	موضوع	زبان	نام کتاب	نمبر شمار	کیفیت	[illegible]	قیمت	صفحہ	موضوع	زبان	نام کتاب	نمبر شمار
مجلد	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	اردو	[illegible]	۱۱	۰	[illegible]	[illegible]	۲۰	[illegible]	اردو	[illegible]	۶	مجلد	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	اردو	ترجمہ قرآن مجید [illegible]	۱
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۲	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نشتر سخن	۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	اردو	تاریخ الاسلام	۲
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۳	۰	[illegible]	[illegible]	۳۲	[illegible]	اردو	زبان اردو	۸	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	اردو	الاسلام	۳
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۴	۰	[illegible]	[illegible]	۱۸	[illegible]	انگریزی	[illegible]	۹	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	اردو	[illegible]	۴
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۵	۰	[illegible]	[illegible]	۳۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۰	۰	[illegible]	[illegible]	۱۸۰	[illegible]	اردو	الجہاد	۵

المشتہر عبد الرحمن خان منیجر قاسمی ایجنسی گورکھپور

۱۹۱[illegible]



لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اُسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت معاشرت کا روحانی خطیب
اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج مسلمان مردوں کا رہبر عورتوں کا معلم بچوں کا اتالیق
سفینہ اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ ہر شمسی مہینے کے آخری ہفتہ میں شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہ صفا • تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید • کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک
قسم اول ۲ • قسم دوم ۱۲
قیمت فی پرچہ ۳

[illegible]

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان حقیقی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔ قرآن پاک اور اسلام کی صحیح تعلیم کی تبلیغ و اشاعت کریں۔ خوفِ خدا اور عظمتِ رسول کو معاشرت و تمدن میں اپنا رہنما بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کریں۔ تعصب اور کورانہ تقلید سے اپنے تئیں پاک و صاف رکھیں۔ غیر مسلم اقوام کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کے چھوڑنے کو معیوب نہ سمجھیں بلکہ تمام مذہبی افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کے مسلک پر آجائیں۔ دولت، وقت اور قوت جیسی بیش بہا نعمتوں کو بیدردی سے نہ لٹائیں۔ تکفیر کے فتووں سے اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل نہ کریں۔ خانہ جنگیوں، نااتفاقیوں اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں۔ اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتفاق و اتحاد اور ہمدردی و خلوص کے آہنی حصار سے مستحکم و محفوظ کریں۔ عیش پسندی، کاہلی اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں۔ محنتی، جفاکش اور اولوالعزم، مآل اندیش، مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالیں، اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی۔ صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف توجہ کریں۔ مشیخت، غرور اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اپنے تئیں تمام دنیا سے زیادہ نالائق اور سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری، عیاشی، نمود و نمائش، فیشن پرستی، مقدمہ بازی، بے محل خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینوں اور عزلت گزینوں کے راہبانہ رویہ کو خلاف سنت تصور کریں۔ اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی نذریں بند کر کے اُن سے مفت خوری کی عادت چھڑوائیں۔ ایسے مولویوں، ایسے صوفیوں، ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض ضمیر فروش، اور نام نہاد خیرخواہ لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو اُن تمام اوصاف و محامد سے متصف کریں جو ایک **اصلح** انسان میں ہونے چاہییں۔ تاکہ زمین کی وراثت کے مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

خریداروں اور مضمون نگاروں کے لیے ضروری ہدایتیں

(۱) اسوۂ حسنہ دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے قسم اول کا چندہ سالانہ [illegible] اور قسم دوم کا [illegible] جو ہر حال پیشگی آنا چاہیے۔ (۲) جن حضرات کے پاس رسالہ نہ پہنچے انہیں براہِ کرم اپنا نمبر خریداری [illegible] خریداری سے بذریعہ [illegible] ڈاک دفتر کو مطلع کر دینا چاہیے (۳) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو ضرور شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہنچے تو انہیں اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیے۔ ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے۔ ایک پرچہ کی قیمت [illegible] ہے (۴) چندہ کی میعاد ختم ہو جانے پر اگر خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع موصول نہ ہوئی تو ہم وی۔ پی بھیج کر آئندہ سال کے لیے چندہ وصول کر لینے کے مجاز ہوں گے (۵) خط و کتابت میں نام و پتہ نہایت صاف مفصل اور واضح لکھنا چاہیے۔ اور نمبر خریداری کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہیے۔ **قلمی معاونین** کو مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے: (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں (۳) آیات کے لیے سورت اور رکوع اور احادیث کے لیے مستند کتب حدیث کا حوالہ ضرور دیں (۴) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے دلچسپ غیر ضروری، بے نتیجہ یا غیر محققانہ ہوں۔ یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحۃً یا کنایۃً منافی ہوں یا جن میں اختلافی مسائل [illegible] اور مفید اصلاحی مطالب کم ہوں یا جن میں مناظرانہ رنگ غالب ہو (۵) جو مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کے لیے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی چاہیے۔ ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری ان پر عائد ہو گی (۶) مضمون لکھنے سے پہلے رسالہ کے مقاصد معلوم کر لیں۔

(منیجر)

اخبار البرید کانپور

کانپور کا یہ سب سے پہلا شاندار قابل قدر ہفتہ وار اسلامی اخبار ہے جو رائے عامہ کا صحیح ترجمان اور قوم و گورنمنٹ کا مخلص مشیر ہے۔ اور اپنی مخصوص خوبیوں اور دلآویز ترتیب مضامین کے باعث بیحد مقبول ہو رہا ہے۔ اخبار کیا ہے علوم و معارف کا گنجینہ اور مختلف دلچسپیوں کا خزانہ ہے۔ جس میں ہر انسان کی دلچسپی کا کوئی نہ کوئی مضمون ضرور ملتا ہے۔ البرید ۲۰ × ۲۶ سایز کے کم از کم ۱۶ صفحہ مستقل بعمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ ہفتہ وار شائع ہوتا ہے جس کی ترتیب مضامین و عنوانات مقررہ کے ملاحظہ سے ہی آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ واقعی دریا کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے جو یہ ہیں۔ لطف سخن۔ فتاوی محمدیہ مجلس احباب۔ معلومات۔ تفریح طبع۔ عجائبات صنعت و حرفت۔ مقالہ افتتاحیہ ایڈیٹوریل نوٹس۔ مذہب۔ اقتصادیات۔ سیاسیات۔ عالم خواتین۔ زراعت و فلاحت۔ حفظان صحت۔ مختصر نوٹس۔ ملکی خبریں۔ مختلف جنگی خبریں۔ آج کی تازہ برقی خبریں (البرید کی یوم اشاعت پر دوسرے روزنامہ پرچوں سے پہلے جنگی خبریں شائع کیجاتی ہیں) حالات کانپور وغیرہ وغیرہ۔ قیمت سالانہ با وجود ان خوبیوں کے للعہ۔ چار روپیہ نمونہ ایک کا ٹکٹ آنے پر بھیجا جاتا ہے۔

المشتہر منیجر اخبار البرید۔ کانپور

استفسار

قرآن شریف نے منزل من اللہ اور بے نظیر ام الکتاب ہونیکا دعوی کیا ہے بلکہ تمام دنیا کو کھلے لفظوں میں دعوت دی ہے کہ اگر تم سے ہو سکتا ہے تو ایک آیت ہی تم اسکے مقابل میں بنا کر لے آؤ تو کیا یہ دعوی عربی زبان ہونے کی حیثیت سے تھا یا فصاحت و بلاغت حسن شعر و شاعری کی بیمثل لٹریری نزاکتوں پر محمول ہے یا صرف و نحو کی صحت پر کہ جو الفاظ اوس گنجینۂ عرفان میں جہاں پر آیا ہے وہ نگینہ کیطرح بے نقص خوبی کیساتھ جڑ کر رہ گیا ہے۔ یا اسکے علاوہ کوئی اور خاص بات ہے جس کے مقابل سے انسانی علوم و فنون فکر و تخیل عاری ہے۔ کیونکہ اگر وجوہات بالا کی بنا پر قرآن کا دعوی یکتائی ہوتا تو صرف عربی اہل زبان کے لیے ہوتا۔ تمام دنیا کی مختلف اللسان قومیں اس کی مخاطب نہ ہوتیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان دعوی محض بلاغت و فصاحت الفاظ یا محض شاعری گرامر کی خوبیوں پر منحصر نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہی بات ہے لہذا براہ نوازش ناظرین با سوۂ حسنہ غور و فکر سے کام لیکر ایک مجھ ہی کو نہیں بلکہ تمام دنیا کی غیر مسلم قوموں کو مطلع فرمائیں کہ قرآن کا دعوی اصل کیا ہے اور اس کا

کنز المعانی

(فی تفسیر سبع المثانی)

اس زمانہ میں ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں قرآن حکیم کے ترجمے و تفاسیر اردو زبان میں شائع ہوں۔ کنز المعانی کے نام سے سورۂ فاتحہ کی جامع تفسیر کہ فصیح اردو میں ایسی لکھی گئی ہے جو سینکڑوں دینی معلومات و مذہبی ارشادات کا خزانہ ہے سورۂ فاتحہ تمام قرآن پاک کا لب لباب و خلاصۃ الفرقان ہے۔ اسلیے اسکا نام ام القرآن ہے یہ تفسیر بھی تمام تر عربی تفاسیر سے ماخوذ ہو کر بیشمار مذہبی علوم کا ذخیرہ ہے اور گویا دریا در کوزہ کی مصداق ہے۔ اہل اسلام کو ایمان کی تازگی اور ذوق عبادت و طاعت کی تکمیل کے لیے ایسی تفسیر کا مطالعہ ضرور ہے اکثر علما و فضلا نے اسکو دل سے پسند فرمایا ہے۔ اور یہ مان لیا گیا ہے کہ اردو میں ایسی جامع تفسیر سورۂ فاتحہ کی کوئی موجود نہیں ہے۔ ضخامت ۲۰۰ صفحے کاغذ ولایتی چھپائی اعلی درجہ کی باوصف تمام خوبیوں کے ہدیہ رعایتی صرف چھ آنہ (۶/) محصول ڈاک علاوہ۔

حدیقہ

آنحضرت صلعم کے بیان ولادت رضاعت و اخلاق و معجزات وغیرہ میں مستند واقعات اور آداب خلوص کے رنگ میں ڈوبی ہوئی نثر عبارتوں کا مجموعہ اسکے علاوہ فصیح و بلیغ مدح کی نظمیں مسدس مخمس وغیرہ کثرت سے اسمیں شامل ہیں اور اکثر موقع بموقع اسطرح کے اشعار نثر کے پہلو بہ پہلو ہیں جو خواص کو وجد میں لا سکیں اور دلوں پر گہرا اثر ڈال سکیں ہدیہ رعایتی چھ آنے (۶/) علاوہ محصول۔

ملنے کا پتہ:- شفق رضوی۔ حاجی پور۔ رفیع گنج ضلع گیا

شرح دیوان حافظ

مع مفصل سوانحعمری۔ بزبان اردو۔ موسومہ لسان الغیب۔ از سید ولی اشرف بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی وکیل ایبٹ آباد۔ ایسی جامع شرح آپ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ صوفیانہ رنگ بھی موجود ہے۔ اور ادبی پہلو بھی ملحوظ۔ کثیر التعداد اردو۔ فارسی۔ عربی اشعار سے معانی اور بھی واضح ہو گئے ہیں۔ جا بجا آیات قرآنی و احادیث نبوی مندرج۔ کاغذ لکھائی چھپائی نہایت اعلی۔۔۔ جلد اول حجم ۴۰۰ صفحہ چھپکر تیار ہے۔

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ مع محصول ڈاک۔ باقی جلدیں عنقریب شائع ہو جائیں گی۔

مصنف کے پتہ سے ملسکتی ہے

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ

کتاب سیرت مصطفےٰ منگانیوالے لکھتے ہیں کہ ہم نے کتاب کو اشتہار سے کہیں بڑھ چڑھ کر پایا۔ اس کے پڑھنے سے اسلامی جوش پیدا ہو کر انسان پر حالت وجد طاری ہو جاتی ہے۔ کیا یہ رسول خدا کا معجزہ نہیں ہے؟ کہ آپ کے حالات بابرکات اور پاک تعلیم میں اب بھی وہی اثر باقی ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تھی اگر آپ رسول کریم کی جامع اور صحیح سوانحعمری چاہتے ہیں تو کتاب سیرت مصطفےٰ منگوائیے۔ ہندوستان دین اور متعدد اسلامی اخبارات نے اسپر نہایت عمدہ ریویو لکھے ہیں حضور کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اس میں رہ گیا ہو تمام واقعات کو نہایت عمدہ طور پر محققانہ طرز سے نبھایا ہے۔ مضمون اس قدر دلچسپ ہیں بار بار پڑھنے سے دل سیر نہیں ہوتا غرض کتاب قابل دید ہے۔ نظم و نثر دونوں لاجواب۔ ہر لفظ عاشقان رسول کے لیے نشتر ہے۔ حجم کتاب ۱۵۶ صفحہ کاغذ عمدہ ولایتی سرورق آرٹ پیپر پر سرخ و سبز رنگوں کے خوشنما بیل بوٹوں سے مزین جس پر باریک کاغذ کا نقاب ایک عجیب بہار دکھا رہا ہے۔

ہدیہ بہ ایں ہمہ خوبی صرف آٹھ آنہ ۸ر مجلد دس آنہ ۱۰ر
جلد نہایت خوشنما و اعلیٰ طرز کی پھول دار تیار کرائی گئی ہے

ملنے کا پتہ۔ مہتمم نظامیہ بکڈپو مزنگ لاہور

خبر آگہی

کہ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کی مرتب کی ہوئی دو نئی کتابیں تیار ہیں۔ ایک اتالیق خطوط نویسی حصہ اول عرف چار آنکھ کی استانی دوسری حصہ دوم

نامی مسلمانوں کے خطوط

دونوں مفید ہیں۔ آسان اردو کا شاندار نمونہ ہیں۔ بچوں کے پڑھنے کے قابل ہیں

نامی خطوط میں حضرت اکبر الہ آبادی مولانا ابو الکلام۔ علامہ شبلی ڈاکٹر اقبال نواب محسن الملک۔ مولانا حالی۔ مولانا ذکاء اللہ۔ مرزا غلام احمد قادیانی جیسے شہرہ آفاق لوگوں کے دلچسپ مکتوبات ہیں۔

دونوں حصوں کی **قیمت** دس آنہ (۱۰ر)

کارکن حلقہ المشائخ دہلی سے منگائیے

ابو الشفا حکیم محمد شمس الحسن کا بنایا ہوا اور تجربہ کیا ہوا

سفوف برق

انسانی زندگی کا دارو مدار ہضم غذا پر اور غذا کا دارو مدار معدہ و جگر کی تندرستی پر ہے یہی دو اعضا ایسے ہیں جن کا فعل صحیح رہنے پر غذا جزو بدن ہو سکتی ہے اور خون صالح رگوں کی غذا بن سکتا ہے سفوف برق ایسے نازک موقع پر جبکہ معدہ ہضم صحیح پر قادر نہ ہو جگر کا فعل کمزور ہو گیا ہو۔ فائدہ پہنچانے میں بجلی کا اثر رکھتا ہے۔

سفوف برق معدہ یا جگر کی ابتدائی تمام بیماریوں میں اور ہر قسم کے ہیضہ کو رفع کرنے میں اکسیر کا خاصہ رکھتا ہے۔

سفوف برق ورم معدہ نفخ شکم قولنج بواسیری و بادی استسقا طحال سنگ مثانہ سنگ گردہ درد گٹھیا وغیرہ تمام امراض میں کم و بیش فوری نفع پہنچاتا ہے۔

سفوف برق۔ تمام قسموں کو جوارش نمک سلیمانی نمک نعمانی وغیرہ سے بدرجہا بہتر اور ہر طرح کے ضرر سے پاک صاف فائدہ پہنچاتا ہے۔ بڑے بڑے تجربہ کار ڈاکٹروں نے بھی اس سفوف کے بے ضرر اور بے انتہا مفید ہونے کے بیش بہا سارٹیفکٹ عطا فرمائے ہیں جن کی نقل کی گنجائش یہاں نہیں۔ اکثر حضرات نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہر گھر میں ایک شیشی اس سفوف کی ضرور رہنی چاہیئے۔ تاکہ بروقت آسانی کے ساتھ مذکورہ بالا تمام عوارض کو دو چٹکی میں دفع کر سکے۔ خوراک ایک ماشہ قیمت فی شیشی کلاں ۱۲ر خورد

ملنے کا پتہ۔ منیجر کارخانہ معدن الشفا (گیا)

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء مطابق ۵ ربیع الثانی ۳۴ھ تا ۲۶ جمادی الاول ۳۴ھ

جلد ۳ | نمبر ۸

فہرست مضامین

اشتات

معارف القرآن

تعلیم الاسلام

السیرۃ المحمدیہ والخصائص النبویہ

اصلاح الاخلاق والاعمال

تنقید و تقریظ

القصص

بصارت و بصیرت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُسوۂ حسنہ

اُشتات

دیباچہ

اس نمبر میں ہمارے محترم مولنا ابو الفضل محمد احسان اللہ صاحب عباسی مد فیوضہم کے دونوں مضمون نہایت مفید ضروری اور قابل مطالعہ ہیں مجلس ذکر میلاد شریف " کے جواز و عدم پر مولنا نے نہایت عمدہ محاکمہ کیا ہے۔ اگر دوسرے اختلافی مسائل کے متعلق بھی اس قسم کے محققانہ اور منصفانہ مضامین لکھے جائیں۔ تو حق پسند طبیعتوں کے تشدد و تعصب اور مسلمانوں کے باہمی نزاع و اختلاف میں بہت کچھ کمی ہو سکتی ہے۔ قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر جو قلیل مولنا نے ارقام فرمائے ہیں وہ مبصران مذہب کے طبقہ میں نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاینگے۔ ضرورت ہے کہ جن دلایل کا مولنا نے مجملاً ذکر کیا ہے انپر خود فرما مفصل مضامین لکھے جائیں۔ تاکہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق جو شکوک و شبہات جدید تعلیم یافتہ اصحاب کی طبیعتوں میں پیدا ہوتے ہیں انکا سد باب ہو جائے۔ امید ہے کہ بہی خواہان اسلام اس طرف توجہ فرمائینگے۔

حسب دستور ہم نے اس پرچہ کو حسب مقدور دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے اور انشاءاللہ آیندہ بھی اسوۂ حسنہ کے مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے زیادہ دلچسپ علمی فہم بنانے میں ساعی رہیں گے۔ والاتمام من اللہ۔ توسیع اشاعت کی جانب افسوس کہ احباب کرام کو کم توجہ ہے حالانکہ رسالہ کی ترقی وکامیابی کی کنجی یہی ہے۔

امید ہے کہ آیندہ مہینہ میں محترم معاونین ہمیں اس قسم کی شکایت کا موقع نہیں دینگے۔

ایک دلچسپ عبارت

ذیل کی دلچسپ عبارت ربیع الاول ۳۲ھ کے مقدس و محترم رسالہ الوشاد سے نقل کیجاتی ہے امید ہے کہ ناظرین اسوۂ حسنہ اسکی سلیس و دل فریبی سے متاثر ہونگے۔

"مخالف پر یہی اعتراض ہے کہ دنیا کی اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں بتلاتے۔ مگر میں اسکا ایک جواب دیا کرتا ہوں کہ یہ اعتراض ایسا ہے ــ ــ ــ

جیسے حکیم محمود خان کے پاس کوئی مدقوق جاوے۔ اور وہ نبض دیکھکر ایک نسخہ لکھدیں جب وہ نسخہ لیکر باہر آیا تو دروازہ پر ایک چمار ملا کہنے لگا کہ حکیم صاحب نے کیا بتلایا۔ مریض نے نسخہ دکھلا دیا۔ دیکھکر کہنے لگا کہ تمہاری جوتی ٹوٹی ہوئی ہے۔ اسکے متعلق بھی کچھ بتلایا۔ مریض نے کہا کوئی نہیں۔ کہنے لگا کہ حکیم محمود خاں بھی دنیا کی ضرورت سے بالکل ہی غافل ہیں۔

صاحبو! اس مشیر کا کیا جواب دیجئیگا۔ بجز اسکے کہ یہ حکیم صاحب کا منصب اور یہ پیشہ کا کام ہے۔ اسی طرح ہم دق روحانی کا نسخہ بتلاتے ہیں۔ اور دینوی مقاصد کو جوتی سینے کے درجہ میں سمجھتے ہیں۔ تو پھر ہم پر ہمارے خلاف منصب کیوں الزام لگایا جاتا ہے"

چمار کا اعتراض حکیم محمود خاں صاحب پر بیشک اسکی کم فہمی و جہالت پر محمول کیا جائے گا کیونکہ حکیم صاحب مرحوم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ جسمانی امراض کے معالج ہونے کے علاوہ جوتیاں سینا بھی جانتے تھے۔ لیکن ہمارے علمائے کرام کو دعوے ہے کہ وہ حامی دین اور جانشین رسول ہیں یعنی مسلمانوں کی اخروی اور دنیوی دونوں قسم کی۔ بلاصیان ان کے فرائض منصبی میں داخل ہیں۔ کیونکہ اسلام میں دنیا دین سے الگ نہیں ہے بلکہ دین ہی کا ایک شعبہ ہے۔ اور اسوۂ حسنہ نبی کریم میں بھی ہمیں دین و دنیا کو مربوط و متحد ہی دکھایا گیا ہے۔ اسلیئے دنیاوی مصلحین کے اس اعتراض کو کہ علمائے کرام جنکے فرائض منصبی میں دنیاوی اصلاح بھی ہے۔ مسلمانوں کی دنیاوی اصلاح سے غافل بلکہ اسمیں مخل ہیں۔ الرشاد کے تمثیلی چمار کے اعتراض سے تشبیہ نہیں دیجا سکتی۔ چمار کا اعتراض اسکی جہالت اور کم فہمی کا نتیجہ تھا۔ اور دنیاوی مصلحین کا اعتراض انکی معاملہ فہمی، صداقت اور قومی ہمدردی پر مبنی ہے۔ الرشاد کی تمثیل میں حکیم محمود خاں صاحب کے پاس بھیجنے کے لیے ایک ایسا مریض تجویز کیا گیا ہے۔ جسکے مرض کو اسکی جوتی کے ٹوٹنے سے کوئی علاقہ نہیں ہے حالانکہ ہمارے علمائے کرام کے روحانی مطب میں زیادہ تر ایسے مریض آتے ہیں جنکے امراض دنیاوی بے اعتدالیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر حکیم محمود خان صاحب کے پاس کوئی شخص اپنے پیر کے چھالوں کا علاج کرانے کے لیے آتا اور اسکی جوتی ٹوٹی ہوئی تھی۔ تو کیا حکیم صاحب اسکے لیے صرف مرہم کا نسخہ لکھدینا کافی سمجھتے۔ اور جوتی سلوانے کی ہدایت نہ کرتے۔ یا مثلاً حکیم اجمل خان صاحب جو حاذق طبیب ہونے کے علاوہ قوم کے اصلاحی اور تعلیمی معاملات میں بھی ہمدردانہ دلچسپی لیتے ہیں۔ اگر ان کے مطب میں زیادہ تعداد ایسے مریضوں کی آنے لگے جو بوجہ جہالت و افلاس امراض میں مبتلا ہونے والے

تو کیا حکیم صاحب ممدوح محض امراض کے لیے نسخے لکھدینگے۔ اور مریضوں کی جہالت و مفلسی سے متاثر ہوکر ان تمدنی مفاسد کی اصلاحی تدابیر پر خود نہیں کرینگے؟ پھر تعجب ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی دینی و دنیاوی پستی میں گہرا علاقہ ہونے کے باوجود ہمارے علمائے دین روحانی امراض کے لیے صرف نسخہ لکھدینا کافی سمجھتے ہیں۔ اور دنیاوی احتیاطوں کیطرف مریضوں کو توجہ دلانا غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنی کاہلی اور فضول خرچی کی وجہ سے ساری دولت اڑادی اور مفلس ہوگیا۔ وہ کسی عالم کے پاس جاکر استدعا کرتا ہے۔ کہ حضور مفلسی و پریشانی کی وجہ سے نماز میں جی نہیں لگتا کوئی ایسا وظیفہ بتائیے کہ عبادت میں دلجمعی حاصل ہو۔ مولنا صاحب اُسے وظیفہ تو تعلیم فرما دیتے ہیں۔ مگر یہ نہیں ہدایت کرتے کہ بھائی کاہلی اور سستی کو چھوڑ کر کوئی روزگار کرکہ جس سے چار پیسے کی آمدنی ہو۔ اور تو اطمینان سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرسکے دنیاوی مصلحین کو علماء سے اسی کی شکایت ہے۔ اور اسی وجہ سے ان پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ جبتک علما مسند رسول پر بیٹھے ہیں وہ مسلمانوں کی دنیاوی اصلاح کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ انہیں یہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ ہم اہل مغرب کے اصول تقسیم عمل پر کاربند ہیں اور ہمیں دنیاوی معاملات میں دخل دینا نہیں چاہیئے۔

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا نمونہ ہمارے سامنے ہے مسلمانوں کے دنیاوی جاہ و جلال اور ان کے مادی کارناموں سے تاریخی صفحات بھرے پڑے ہیں۔ کیا وجہ کہ اُس زمانہ کے دیندار و نکو جو دنیاوی عروج حاصل ہوا تھا۔ وہ اسوقت کے مقدس سے مقدس طبقہ کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کیا اوس زمانہ کے دینی مصلحین نے ملک فتح نہیں کئے تھے کیا انہوں نے بحری اور بری تجارت میں ناموری نہیں حاصل کی تھی کیا کفار کے علوم و فنون کا پڑھنا ان کے نزدیک معیوب سمجھا جاتا تھا۔ کیا ایجاد و اختراع میں وہ کسی قوم سے پیچھے تھے۔ کیا انکی سلطنتوں کی دنیا میں دھاک نہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور پھر کیا وہ موجودہ علماء و صوفیائے کرام سے روحانی تقدس میں کچھ کم تھے۔ اور کیا ان کی دنیا دین کی تابع نہیں تھی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی دنیاوی عزت و دولت کو بھی اسلام ہی کی عزت و قوت سمجھتے تھے۔ اور جائز وسائل سے دنیاوی وقار طلب کرنے والوں کو چماروں سے تشبیہ نہیں دیتے تھے۔ وہ صرف ربنا آتنا فی الاخرۃ حسنۃ ہی نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ فی الدنیا حسنۃ

کو کہیں خیال کرتے ہیں۔ آجکل اگر کوئی بحث دنیا طلبی سے مسلمانوں کو دولت کا نمونہ کہکر ان کی ذکوۃ نہ دینے۔ یا دنیوی مشاغل میں منہمک ہو کر خدا اور آخرت کو بھول جانے کی نصیحت کرتا ہے۔ تو آپ کا حق بلکہ فرض ہے کہ آپ اسکو زجر و توبیخ کریں۔ بلکہ دایرہ اسلام سے خارج کر دیں اس قسم کی دنیا طلبی مذہب ہی کے خلاف نہیں ہے بلکہ خود دنیا کے حق میں مضر ہے۔ ایسے کوئی دور اندیش دنیا طلب اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے کی حمایت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے۔ تو وہ دین ہی کا نہیں بلکہ دنیا کا بھی مجرم ہے۔ مسلمانوں کے دنیوی اصلاح کے حامی صرف یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے اندر وہ دنیا طلبی پیدا کریں۔ جسسے قوم کے مجموعی وقار یا اسلام کی عزت و وقعت میں ترقی ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دنیاوی خدمت سے جو کہ عین دینی خدمت ہے ہمارے علما کیوں گھبراتے ہیں۔ اور کیوں اپنے خود تراشیدہ مسلک عزلت نشینی کی حمایت میں ایسی مضحکہ خیز عامیانہ تمثیلیں پیش کر کے عوام الناس کو گمراہ کرتے ہیں۔

اگر ہمارے علمار کرام رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو نظر انداز کر کے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی دینی مسجد الگ نہ بناتے تو ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان دینی و دنیاوی امور میں جادۂ اعتدال سے منحرف نہوتے۔

جب علما نے طرح طرح کے حیلے تراش کر مسلمانوں کو جایز دنیا طلبی سے قولاً و عملاً روکنا شروع کیا تو قدرتی طور پر وہ دو گروہ میں منقسم ہو گئے ایک گروہ نے زہد و تقوی کو عزلت نشینی کے مرادف سمجھ لیا اور دوسرا گروہ دینی قیود سے آزاد ہو کر جایز و ناجایز طریقہ پر دنیا کمانے میں منہمک ہو گیا۔ اگر علما دنیا کے نام سے کانوں پر ہاتھ نہ رکھتے۔ اور خود معتدل دنیا طلبی کا نمونہ پیش کرتے۔ تو آج مسلمانوں کی یہ حالت ہرگز نہوتی۔

لڑکیوں کا نصاب تعلیم

مولانا عبد الحلیم صاحب شرر نے اپنے مشہور رسالہ دلگداز میں علیگڈہ کے جدید نصاب تعلیم نسواں پر ریویو کرتے ہوئے ایک فقرہ یہ بھی لکھا ہے۔ "ہماری شرع اور فقہ کی کتابیں اپنے آغاز ہی میں ایسے مسایل سے بھری ہوئی ہیں جو باوجود نہایت ضروری ہونے کے حیا اور تہذیب کے حدود سے باہر ہیں۔ ہمارے یہاں قدیم سے یہ مثل مشہور چلی آتی ہے کہ شرع میں شرم نہیں۔ مگر بچوں اور خصوصاً بچیوں کو بچپن ہی میں ایسے مسایل بتانا۔ جو ان کی سمجھ سے بالکل باہر ہیں۔ اور جن کی تعلیم میں اندیشہ ہے کہ وہی بے شرمی کی تعلیم کا ذریعہ نہ ہو جائیں کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ مگر اس قسم کے مسایل ہمارے آداب دینی میں اس طرح مل جل گئے ہیں کہ نہ انہیں نکلتے بنتا ہے اور نہ چھپ سکتے ہیں۔"

ہمیں نہایت افسوس ہے کہ شرع اسلام کے بعض مسایل طہارت نکاح وغیرہ کی نسبت یہ خطرناک خیال مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں تیزی سے ترقی کر رہا ہے کہ وہ تہذیب حیا کے دایرہ سے باہر ہیں اور ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر فوراً ہی اسکا تدارک نہ کیا گیا تو کچھ عرصہ بعد نہ صرف فقہ کی کتابوں کے بعض ابواب بلکہ قرآن و حدیث کے بعض مقامات کے متعلق بھی خلاف تہذیب حیا ہونے کا فتوے صادر ہو جائیگا۔ اور مدرسین بچوں کو قرآن و حدیث پڑھانے میں بھی شرم محسوس کرنے لگیں گے۔ معلوم نہیں آجکل کے مسلمانوں نے تہذیب و حیا کے کیا معنے سمجھ رکھے ہیں۔ اور کیوں ان کے دل میں اس قسم کا لغو اور فضول خیال پیدا ہوا ہے تعجب ہے کہ حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور ائمہ عظام نے جن مسایل کو خلاف تہذیب حیا نہیں سمجھا۔ اور جن کی تعلیم مردوں اور عورتوں بچوں جوانوں اور بوڑھوں کو علی الاعلان دیگئی۔ انمیں اب ایسی کونسی قباحت شامل ہو گئی ہے کہ جس کی وجہ سے انہیں آج خلاف تہذیب حیا سمجھا جاتا ہے۔ اور بچوں کے دینی نصاب میں انکا داخل کرنا مخرب اخلاق بتایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تہذیب و حیا کے مغز کو بالائے طاق رکھدیا ہے اور ان کے چھلکوں کو پیچ رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں نمایشی تہذیب حیا کا غل شور بہت ہے لیکن اندرونی حالتیں ہم لوگوں کی نہایت افسوسناک ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ جس قدر بچوں کو آجکل کی نام نہاد بے حیائی کی باتوں سے روکا جاتا ہے اسی قدر انمیں بداخلاقیاں ترقی کر رہی ہیں۔ افسوس کہ شرعی مسایل کو دایرہ تہذیب حیا سے خارج کرنے والوں نے الانسان حریص علی ما منع کے فلسفہ پر غور نہیں فرمایا ورنہ وہ ان کی زبان و قلم سے ایسے خطرناک اندیشانہ فقرے نہ نکلتے۔

خدا کے لیے آپ اپنی خود ساختہ تہذیب حیا کے خنجر سے اسلام کی شریعت مطہرہ و مقدسہ کو مجروح نہ کیجئے۔ اور اپنے زمانہ کے نوجوانوں کی اخلاقی حالتوں کا ان لوگوں کی اخلاقی حالتوں سے موازنہ کیجئے۔ جنکو ہماری نئی

حالانکہ جہاں نہ صرف مذکورہ بالا فطری مسایل کی تعلیم دیجاتی تھی بلکہ گلستان کا پانچواں باب اور بہار دانش جیسی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں اسلئے کبھی عادۃً آپکو اپنی رائے بدلنے پر مجبور کریگا۔ اور آپ طہارت و نکاح کے مسایل کی تعلیم کو مخرب اخلاق اور خارج از تہذیب نہیں کہیں گے۔

اگر فرصت ملی تو ہم اس موضوع پر انشاء اللہ ایک مفصل مضمون لکھنے کی کوشش کرینگے۔ اسوۂ حسنہ کے محترم معاونین سے بھی ہماری استدعا ہے کہ وہ اس اہم مسئلہ پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمائیں۔

نماز جمعہ کی چھٹی

جناب نواب حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب رئیس آگرہ نے اپنے مقتدر رسالہ افادہ میں یہ مفید تحریک شروع کی ہے کہ جو طلبا الہ آباد یونیورسٹی کے سالانہ امتحانات میں شریک ہونے کے لیے مختلف تعلیمی مرکزوں میں جمع ہوتے ہیں انہیں دوران امتحان میں نماز پڑھنے کے لیے مہلت دیجائے۔ اور بزرگان قوم یا اسلامی انجمنوں کی طرف سے انکے لیے ایسی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں کہ طلبا کو خود نماز پڑھنے کی رغبت پیدا ہو۔ ہمیں حاجی صاحب ممدوح کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ انکی بالغ نظر نے اس اہم دینی ضرورت کو محسوس کیا۔ امید ہے کہ حاجی صاحب کی تحریک کو عمل میں لانے کے لیے حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کی طرح دوسرے دین دوست اصحاب بھی فوراً آمادہ ہو جائیں گے۔ الہ آباد یونیورسٹی نے غالباً حاجی صاحب کی تحریک پر ۱۹۱۷ء سے نماز جمعہ کے لیے دو گھنٹہ کی رخصت منظور کرلی ہے۔ ظہر کی نماز کے واسطے وہ ایک گھنٹہ کی مہلت کافی ہے جو معمولاً دوپہر کے وقت امتحانات کے زمانہ میں طلبا کو دیجاتی ہے۔ علمائے دیوبند سے یہ توقع رکھنا کہ وہ میرٹھ میں شریک امتحان طلبا کے نماز ادا کرنے کے لیے آسانیاں بہم پہنچانے کا خیال کرینگے محض فضول ہے کیونکہ اسے شاید وہ اپنی مقتدر حیثیت کے خلاف سمجھیں ہمارے خیال میں اس سال کو تو بازار کمپ میرٹھ کی انجمن اسلامیہ اس دینی خدمت کو عمدگی سے انجام دیسکتی ہے ہمیں امید ہے کہ جناب شیخ فریدالدین صاحب ناظم انجمن مذکور جلد تر اس طرف توجہ فرما کر داخل حسنات ہوں گے۔

چونکہ نواب حاجی اسمٰعیل خان صاحب الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو ہیں اسلیے ہم اس موقع پر ایک ضروری امر کی جانب حاجی صاحب کی توجہ مبذول کراتے ہیں وہ یہ کہ سوبجات متحدہ کے کالجوں اور سکولوں میں عام طور پر مسلمانوں کو نماز جمعہ کے لیے ڈیڑھ یا دو گھنٹہ کی چھٹی دیجاتی ہے۔ یہ چھٹی صرف مسلمانوں کو ملتی ہے یعنی کالجوں اور سکولوں میں اس چھٹی کے وقت میں بھی پڑھائی جاری رہتی ہے اس سے مسلمان طالبعلموں کا صرف یہی نقصان نہیں ہوتا کہ وہ لکچر میں شریک ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ چھٹی کے وقت میں وہ غیر حاضر سمجھے جاتے ہیں۔ اور انہیں اپنے اوسط حاضری کے کم ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے بعض شوقین طالب علم اس خیال سے کہ ان کا درس ناغہ نہ ہو نماز کے لیے نہیں جاتے۔ اور کلاس میں بیٹھے رہتے ہیں۔ جب اہل ہنود کے معمولی تہواروں میں تمام کالج اور سکول بند کردئے جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز کے رخصت کے وقت ہندو طالبعلم تو شرکت درس سے فائدہ اٹھائیں اور مسلمان اس سے محروم رہیں امید ہے کہ حاجی صاحب الہ آباد یونیورسٹی سے جمعہ کی نماز کے لیے کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ کی عام رخصت منظور کرانے کی کوشش فرمائینگے۔ اسلامیہ سکولوں کے واسطے اگر یونیورسٹی کی طرف سے یہ رعایت ہو جائے کہ وہ بجائے اتوار کے جمعہ کو چھٹی دیا کریں تو مسلمان اس رعایت کو نہایت شکر و امتنان کی نظر سے دیکھینگے ہمیں معلوم ہے کہ میرٹھ کے فیض عام ہائی سکول نے اپنے لیے کوشش کرکے یہ رعایت حاصل کرلی ہے لیکن ضرورت ہے کہ دوسرے مدرسوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے۔

مشن مدارس کی امداد

معزز و مقتدر معاصر افادہ کے ایک مفید نوٹ کا مندرجہ ذیل اقتباس ناظرین اسوۂ حسنہ کی توجہ کے قابل ہے۔ میں معزز مشرق سے مشن کالج گورکھپور کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ اس کالج میں سائنس ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کی ضرورت ہے اور اسکے واسطے مقدس پادری صاحبان پبلک سے چندہ چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک اس سوال پر کہ مشنری سوسائیٹیز کو ہم کس قدر مدد دیں از سر نو غور کرنے کا وقت آگیا ہے جسکے متعلق میری رائے یہ ہے کہ اگر یہ مقدس لوگ ہم سے چندہ مانگتے ہیں تو یہ اقرار کریں کہ مذہبی تعلیم وہ نہ دینگے۔ اگر وہ ایسا اقرار کرنے سے منہ پھیریں تو ہم ایسے کالجوں میں جن میں ہمارے بچے دوسرے مذہب کی تحصیل پر مجبور ہوں کیونکر چندہ دینا پسند کریں۔ میں نے اس مسئلہ پر جہاں تک غور کیا ہے یہ ثابت ہے کہ مشنری کالجوں کے پڑھے ہوئے طلبا کبھی مذہب کی طرف راغب نہیں ہوتے لیکن تب بھی یہ پسند ہوگی کہ لائق نہیں ہے کہ ہم اپنے مذہب کی تعلیم کو تو بھولیں اور دوسرے مذہب کی تعلیم حاصل کریں۔"

ہمارے خیال میں جو مدرسے کہ مشن کے زیر اہتمام ہیں ان کی امداد میں مسلمانوں کا چندہ دینا اس لحاظ سے بھی مناسب ہے کہ یہ مدرسے ممکن ہے کہ مجبور کرکے مذہبی تعلیم غیر اقوام کے لیے بند کردیں یا ایسی باتیں جاری کریں کہ غیر اقوام خود اپنے بچوں کا داخلہ پسند نہ کریں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے روپیہ سے ہی صرف عیسائی فائدہ اٹھائیں اور مسلمانوں کی تعلیمی پستی اور مفلسی پر نظر کرتے ہوئے اس نتیجہ کا تصور بھی تکلیف دہ ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(قرآن) بڑی ہی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے اس کے مطالب سے نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

تفسیر الفاتحہ

مقدمۃ التفسیر

(سلسلہ کے لئے دیکھو نسخہ بابت فروری ۱۹۱۲ء)

تفسیر القرآن کے بہت سے مراتب ہیں۔ ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ محض ان امور کو مجملاً بیان کر دیا جائے جن سے خدا تعالیٰ کی عظمت و تنزہ قلوب میں جلوہ گر ہو اور طبیعت بدی سے متنفر ہو کر نیکی کی جانب مائل ہو جائے۔ یہی وہ باتیں ہیں جنکی نسبت ہم نے کہا ہے کہ ان کا حاصل کرنا بمضمون آیہ کریمہ:-

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ — ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے پس کوئی ہے جو اس سے نصیحت پکڑے
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

ہر شخص کیلئے آسان ہے۔ اب رہا تفسیر کا اعلیٰ مرتبہ اس کی تکمیل کے لئے البتہ حسب ذیل امور کی ضرورت ہے:-

اولاً یہ کہ قرآن پاک میں جو مفرد الفاظ آئے ہیں۔ انکی حقیقت سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح پر کہ مفسر خود اس امر کی تحقیق کرے کہ اہل زبان نے ان الفاظ کو کن معانی میں اور کن مواقع پر استعمال کیا ہے۔ محض یہ معلوم کر لینا کافی نہیں ہے کہ فلاں صاحب نے اس لفظ کے متعلق یہ لکھا ہے اور فلاں صاحب نے اس سے یہ سمجھا ہے۔ کیونکہ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو زمانہ نزول قرآن میں اور طرح استعمال ہوتے تھے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد ان کے معانی بدل گئے۔ مثلاً لفظ تاویل کہ وہ مطلقاً تفسیر یا کسی خاص قسم کی تفسیر کے معنوں میں مشہور ہو گیا ہے حالانکہ قرآن پاک میں یہ لفظ کسی اور ہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اس آیہ کریمہ میں:-

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ — کیا یہ لوگ نفس حقیقت ہی کے منتظر ہیں جب
تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ — اس کی حقیقت ظاہر ہو گی تو جو لوگ اسے
قَبْلُ قَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ — پہلے سے بھولے بیٹھے تھے وہ اقرار کریں گے کہ بیشک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق بات لیکر آئے تھے۔

دیکھئے یہاں تاویل کے کچھ اور ہی معنی ہیں۔ پس جس شخص کو قرآن پاک کے سچے معنی سمجھنا ہوں۔ اسکے لیے ان اصطلاحات کی تفتیش بھی نہایت ضروری ہے جو مذہب میں رائج ہو گئی ہیں۔ تاکہ ان کے اصطلاحی اور ان اصلی معنوں میں تمیز ہو سکے جو قرآن پاک میں مراد لیے گئے ہیں۔ کیونکہ اکثر مفسروں نے کلمات قرآن مجید کی تفسیر ان اصطلاحی معنوں سے کی ہے۔ جو قرآن کے بعد کے علماء مذہب نے ایجاد کیے تھے۔ ایسے ایک محقق مفسر کا یہ فرض ہے کہ وہ تفسیر القرآن میں انہی معانی کو معتبر سمجھے۔ جو نزول قرآن کے زمانہ میں مستعمل تھے اور جائز طریقہ تو یہ ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ کو خود قرآن پاک ہی سے سمجھنے کی کوشش کیجائے۔ اسطرح پر کہ جو الفاظ قرآن مجید میں بتکرار جابجا مذکور ہوئے ہیں ان سب کو جمع کر کے ان پر غور کیا جائے۔ کیونکہ اکثر ایک ہی لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً لفظ ہدایت وغیرہ تو ایسی صورت میں یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ لفظ کے مختلف معنوں میں سے کونسے معنی مفہوم آیت کی مناسبت کے لحاظ سے کسی خاص موقع پر چسپاں ہوتے ہیں اس طریقے سے مطلوبہ معانی معلوم ہو جائینگے۔ قرآن پاک اپنا مفسر خود ہی ہے۔ اور اسلیے کسی لفظ کے حقیقی معنی معلوم کرنے کا سب سے بہتر ذریعہ یہ ہے

کہ وہ معنی بیان سابق کے موافق مفہوم جملہ کے مناسب اور قرآن پاک کے مقصد عمومی کے مطابق ہوں۔

دوسری بات جو ایک اعلیٰ پایہ کے مفسر کے لیے ضروری ہے۔ یہ ہے کہ وہ اسلوب کلام کو پہچانتا ہو۔ اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ بلیغ کلام بکثرت اسکے زیر نظر اور مطالعہ میں رہا ہو۔ اس کے نکات و محاسن تک اسکا ذہن پہنچ سکتا ہو۔ اور متکلم کی مراد سمجھنے کے لیے وہ کافی توجہ دیتا رہا ہو۔ یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالےٰ کی مراد کا پورے طور پر معلوم کرنا۔ ہمارے حیطۂ امکان سے باہر ہے لیکن جن امور سے ہماری اصلاح و ہدایت وابستہ ہے ان کا بقدر طاقت بشری سمجھ لینا ممکن ہے۔ اسکے لیے علم نحو اور علم معانی و بیان جاننے کی ضرورت ہے۔ مگر محض ان علوم کے پڑھ لینے۔ ان کے مسایل کے سمجھ لینے یا ان کے احکام کے یاد کر لینے سے کام نہیں چل سکتا عربی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کی زبان اسوقت بھی بالکل صحیح اور قواعد کے مطابق تھی۔ جبکہ یہ قواعد وضع بھی نہیں ہوئے تھے۔ تو کیا وہ طبعاً صحیح زبان بولنے پر قادر تھے۔ نہیں بلکہ یہ ملکہ اون کو سماعت و حکایت سے حاصل ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اہل عرب کا اہل عجم سے اختلاط اور میل جول ہوا تو وہ عجمیوں سے بھی بدتر ہو گئے۔ اگر یہ ملکہ ان کا طبعی اور ذاتی ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ہجرت کے بعد صرف پچاس برس کے اندر اُسے کھو بیٹھتے۔

تیسرا امر جو ایک عالی قدر مفسر کے لیے ضروری ہے۔ انسانی حالات کا علم ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے قرآن پاک کو آخر الکتب بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی اوسے تمام آسمانی کتابوں کے بعد نازل فرمایا ہے۔ اور بہت سی باتیں اسمیں ایسی بیان کیں ہیں جو اور کتابوں میں نہیں ہیں۔ مثلاً قرآن پاک میں مخلوق کے حالات و طبائع کا بکثرت ذکر آیا ہے۔ اسمیں ان قوانین الٰہیہ کا بیان ہے جو عالم انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسمیں امم سابقہ کے اعلیٰ قصے اور حالات ہیں۔ جو قوانین الٰہی کے موافق ظہور میں آئے تھے۔ پس جو شخص قرآن پاک کو بنظر امعان دیکھنا چاہتا ہے۔ اسکے لیے ضروری ہے کہ وہ انسانی حالات و اطوار اور سوانح و سیر پر بھی غور کرے۔ اور انسان میں قوت و ضعف۔ عزت و ذلت۔ علم و جہل اور ایمان و کفر کا جو اختلاف ہے اسکا منشاء معلوم کرے۔ اور عالم کبیر کے تمام علوی و سفلی احوال سے آگاہ ہو۔ ان واقفیتوں کے بہم پہنچانے کے لیے بہت سے علوم و فنون جاننے کی ضرورت ہے جن میں زیادہ ضروری علم تاریخ اور اسکے مختلف شعبے ہیں۔

استاد امام شیخ محمد عبدہٗ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ قرآن پاک کی اس آیۃ کریمہ :-

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً	آدمی پہلے ایک ہی گروہ تھے پھر خدا نے
فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ	انکے خوشخبری دینے اور ڈرانے کے
وَمُنْذِرِيْنَ۔	واسطے انبیا کو بھیجا۔

کی تفسیر وہ شخص کیسے کر دے گا جو احوال بشر سے محض بے خبر ہے جو یہ نہیں جانتا کہ آدمی کیونکر متحد ہوئے تھے۔ اور کیونکر متفرق۔ ان میں وحدت کس قسم کی تھی۔ آیا نافع تھی یا مضر۔ اور ان میں انبیا کی بعثت کے کیا کیا آثار پائے گئے۔

قرآن مجید میں امم سابقہ۔ سنن الٰہیہ۔ اور آسمان و زمین اور اجسام و ارواح میں جو خدائی نشانیاں ہیں ان سب کا ذکر اجمالی ہے۔ اور یہ اجمال و اختصار اُس پاک ذات کی جانب سے ہے جو ہر شئے کو اپنے احاطۂ علم میں لیے ہوئے ہے۔ اُسنے ہمیں غور و فکر اور سیر و سیاحت کا اسی لیے حکم دیا ہے کہ ہم قرآن پاک کے اس اجمال کو اُس تفصیل سے سمجھ لیں۔ جو ہمیں معراج ترقی و کمال پر پہنچائے۔ اگر ہم علم کائنات کے متعلق محض سطحی اور سرسری نظر پر قانع ہو جائیں گے تو ہماری مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کہ ایک شخص محض کسی کتاب کی جلد کا رنگ و روپ دیکھ لینا کافی سمجھے۔ اور اسکے پاز علم و حکمت مضامین سے بہرہ اندوز نہو۔

چوتھا امر یہ ہے کہ جو مفسر اس فرض کفایہ پر کمر بستہ ہو اسکو یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ تمام نوع انسانی کی اصلاح و ہدایت کے لیے قرآن پاک نے کیا کیا طریقے تعلیم فرمائے ہیں۔ اور زمانہ نبوت میں اہل عرب و غیرہ اقوام عالم کی کیا حالت تھی۔ کیونکہ قرآن مجید یہی اعلان کر رہا ہے کہ اسوقت تمام لوگ گمراہی اور بدبختی میں مبتلا تھے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم انکی ہدایت و اصلاح کے لیے بھیجے گئے تھے۔ پس تا وقتیکہ مفسر کو اقوام قبل از اسلام کے حالات و سوانح کا علم نہوگا وہ ان کے قبیح عادات و اطوار اور رسم و رواج سے پورے طور پر واقف نہو سکیگا؟ کیا علماء قرآن کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ دوسروں کی تقلید کر کے کہدیا کریں کہ لوگ باطل پرستی اور گمراہی میں مبتلا تھے۔ اور قرآن پاک نے انکی باطل پرستیوں کا بالکل قلع قمع کر دیا؟ ہرگز نہیں۔

پانچواں امر یہ ہے کہ مفسر سیرۃ نبوی اور سیرۃ صحابہ سے واقف

قرآن منزل من اللہ ہے

قرآن مجید کو آنحضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل سے نہیں بنایا۔ بلکہ یہ ایک خاص فیضان الٰہی تھا۔ جو بذریعہ ایک قوت خاص کے جسے اصطلاح شرع میں روح القدس حضرت جبرئیل فرشتہ اور ناموس اکبر کہتے ہیں نازل ہوا۔ اور اس طرح کے نزول کو وحی کا آنا یا نازل ہونا بولتے ہیں گورکھپور میں ایک جلسہ علماء کا ہوا جسمیں کئی علماء نے اس مضمون پر تقریریں کیں لیکن ان کی تقریریں منجملہ چار دلایل کے جنکا ذکر آیندہ ہوگا۔ زیادہ تر دو دلیل ہی دائم پر محدود تھیں۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ علمائے سابق کو ان لوگوں سے واسطہ ہوتا تھا۔ جنہیں قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے پر شبہ نہیں ہوتا تھا۔ اور اسلیے انہیں اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسکے متعلق یکجا کسی مبسوط بیان لکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی جو متاخرین کے لیے عام طور پر باعث بینائی ہو۔ اس جلسہ میں میں بھی شریک تھا اور اسوقت مجھے خیال پیدا ہوا کہ اس مضمون پہ کوئی مختصر تحریر لوگوں کے جاننے کے لیے ضرور شایع کرنا چاہیے کیونکہ اسلام کی بنیاد اسی عتقاد پر ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہے۔ قرآن کو ہم منزل من اللہ مانیں گے تو اسی کے حکم کے بموجب ہم اللہ کو ایک اور محمدؐ کو اللہ کا رسول بھی سمجھیں گے۔ ممکن ہے کہ توحید کا یقین ہمیں اور طور پر بھی ہو جائے۔ لیکن رسالت کا یقین تو بغیر قرآن کو منزل من اللہ مانے ہوئے ہو نہیں سکتا۔ رسالت کیا ہے؟ احکام الٰہی یعنی قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے بندوں کی طرف پہنچا دینا۔ اگر قرآن (نعوذ باللہ) اللہ کی جانب سے نہیں ہوا۔ تو رسالت بھی باطل ٹھیری۔

علمائے قدیم نے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق جو تحریریں مختلف مقامات پر مختلف زمانہ میں لکھی ہیں سب پر یکجائی نظر ڈالیجائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کے صرف چار دلایل ہیں۔ انمیں سے ہر ایک دلیل کے بیان کرنے کے لیے ایک یا کئی جدا جدا کتابوں کے لکھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن بالاختصار ہر ایک دلیل کے متعلق کچھ کچھ بیانات لکھدیے جاتے ہیں۔ ان سے ناظرین اصول دلیل سمجھ جائیں گے۔ اور پھر وہ خود مبسوط کتابیں دیکھ کر اپنے معلومات بڑھا سکیں گے۔

وہ چار دلایل یعنے وہ وجوہ جنکے سبب سے زمانہ ماسبق میں لوگوں نے قرآن کو برحق جانا۔ اور آیندہ جانیں گے یہ ہیں:۔

(۱) آنحضرت محمدؐ اور انکے تابعین کے ساتھ خوش اعتقادی۔

(۲) الفاظ قرآن کی فصاحت و بلاغت۔

(۳) مضامین قرآن۔

(۴) احکام قرآن۔

امر اول۔ آنحضرتؐ کے اور آنحضرتؐ کے تابعین کے ساتھ جو خوش اعتقادی لوگوں کو تھی اوس نے معتقدین سے قرآن کو منزل من اللہ کہلوایا آنحضرتؐ کے ابتدائی زمانہ میں بہت ہی کم معدودے چند ایسے لوگ تھے جنہوں نے قرآن کو منزل من اللہ اسلیے بغیر سوچے سمجھے مان لیا کہ آنحضرتؐ کو وہ سچا یقین کرتے تھے لیکن ان لوگوں کی خوش اعتقادی کی پایداری میں دیگر تین دلایل سے جو ابھی مجملاً بیان کئے گئے ہیں۔ اور آیندہ مفصلاً بیان کیے جائیں گے ضرور مدد پہونچی ہوگی۔ اسی مد میں وہ مسلمان ہیں جو مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے ہیں۔ اور اپنے بزرگوں اور استادوں پر اعتبار کرکے قرآن کو منزل من اللہ مانتے ہیں۔ مگر یہ امر ان مسلمانوں کے لیے جنکے خیالات غیروں کے صحبتوں سے خراب ہو گئے ہیں۔ اور نیز غیر مذہب والوں کے لیے بالکل تسکین بخش نہیں ہے۔ اور یہ فی الواقع قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل بھی نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اسطرح بھی لوگوں نے قرآن کو منزل من اللہ مانا ہے اور قیاس ہے آیندہ بھی مانتے رہیں گے۔

امر دوم۔ الفاظ قرآن کی فصاحت و بلاغت بھی ایک دلیل قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی شروع شروع سمجھی گئی تھی۔ یعنے بہت سے لوگ قرآن پر اسلیے ایمان لائے تھے کہ وہ اس کے الفاظ سنکر متحیر ہوتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ کلام بشر نہیں ہے۔ زمانۂ رسولؐ میں عام طور پر مسلمان غیر مسلموں سے کہتے تھے کہ اگر قرآن کلام بشر ہے۔ تو تم بھی کوئی سورہ یا آیۃ ایسی ہی بنا کر لاؤ۔ خود قرآن میں بھی اسی مضمون کی قریب قریب ایک سورۃ ہے۔ آجتک اسلام کا دشمن کفار عرب سے بڑھکر کوئی پیدا نہیں ہوا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ کفار نے بہت زور لگایا۔ لیکن قرآن کی آیتوں کی مثل وہ ایک آیت بھی لکھ نہ سکے۔ بالآخر مجبور ہو کر ان منکروں نے

یہ کہا کہ سحر کے ذریعہ سے آنحضرت آیات قرآنی بیان کرتے ہیں سحر کا لفظ وہ لوگ معمولی قوت بشر کے علاوہ ایک دوسری غیر معمولی قوت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اگر آجکل کی سی تعلیم اون میں ہوتی تو بجائے سحر کے وہ تائید غیبی یا تائید ربانی بولتے۔ اور پھر مسلمانوں میں اور ان میں کچھ اختلاف باقی نہ رہتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب اُس زمانہ میں قرآن کے مثل کچھ کہنا طاقت بشری سے باہر سمجھا گیا تھا تو اب بدرجہ اولا باہر ہے۔ کیونکہ اب نہ تو اُس وقت کی سی فصیح زبان بولنے والے موجود ہیں۔ اور نہ اس زمانہ کے سے سخت مخالفت کرنے والے۔ کہ دل توڑ کر سعی کریں۔ اب کسی سے یہ کہنا کہ قرآن مجید کو تم اسلیے منزل من اللہ مانو کہ جس وقت یہ قرآن اترا تھا۔ اسکی فصاحت و بلاغت پر لوگ متحیر رہ گئے تھے۔ اشاعت اسلام کی غرض کے لیے کچھ بہت مفید نہیں ہے۔ گو مسکت فریق ثانی ضرور ہے۔

امر سوم۔ مضامین قرآن بجائے خود ایک دلیل اور بہت مضبوط دلیل قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی ہے۔ آنحضرت امی محض تھے۔ نہ تو کتب آسمانی پڑھے ہوئے تھے۔ اور نہ غیر ملکوں میں جاکر علمائے دین کی صحبت میں رہے۔ اور قصص متعلق مذہب سننے کا آپ کو موقع ملا تھا قریش علاوہ جہالت اور بیدینی کے کچھ اور جانتے نہ تھے۔ کہ اُن سے تبادلہ خیالات کیا جاتا۔ ایسی حالت میں قرآن ایسی کتاب کا آنحضرت کے لیے اپنے دل سے بنالینا غیر ممکن تھا۔ قرآن پاک میں اُن اصول مذاہب کا ذکر ہے جنپر تمام دنیا کی مہذب قومیں متفق چلی آئی تھیں۔ قرآن مجید نے اصولی باتوں میں تمام دیگر کتب آسمانی سے اتفاق کیا ہے۔ عیسائیوں اور موسائیوں کے طرز عمل اور عقاید سے جہاں اختلاف کیا گیا ہے۔ وہاں یہ بھی کہدیا گیا ہے کہ تعلیم قرآن ان کے کتب مقدسہ کے مخالف نہیں ہے۔ بلکہ خود انھی کے اعمال مخالف ہیں۔ گذشتہ واقعات کے ایسے ایسے قصص قرآن میں ہیں جن سے باشندگان عرب کے کان ناآشنا تھے اور علمائے یہود اور نصاریٰ اُنکی صحت تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ اگر قرآن منزل من اللہ نہ تھا تو یہ مضامین قرآن کے لیے کہاں سے آئے۔ جو کچھ یہاں مذکور ہوا ہے گو اس سے کہیں زیادہ دیباچہ قرآن مجید بزبان اردو میں لکھا گیا ہے لیکن وہ بھی بالکل ناکافی ہے۔ مفصل بیان کے لیے ایک دفتر چاہیے یہاں لکھنے سے صرف یہ مقصود ہے کہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے مختلف دلایل پر غور کرتے ہوئے لوگ مضامین قرآن کو بھی ایک جداگانہ دلیل تصور کریں اور اسپر بھی غور و فکر کرتے رہیں۔

امر چہارم۔ احکام قرآنی کا تمام ادیان کے احکام سے بہتر ہونا بھی قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل اور سب سے بڑی دلیل ہے۔ یہی وہ دلیل ہے کہ دنیا کے تعلیم یافتہ لوگ جب اپنے ملکوں کے احکام کو خواہ وہ آسمانی کتاب کے ہوں یا واضعان قانون کے بنائے ہوئے ہوں۔ قرآن مجید کے اوامر و نواہی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تو سربگریباں ہوکر اعتراف کرتے ہیں کہ جس مذہب کے ساتھ یہ قانون تھا اُسے وہ حیرت انگیز ترقیاں کرنا لابدی تھا۔ جو اُسنے کیں۔ لیکن افسوس ہے کہ احکام قرآنی کی پابندی ہم نے چھوڑ دی۔ اس بہترین مجموعہ دستور العمل کو ہم کلام جھاڑ پھونک اور دعا تعویذ کی ایک کتاب سمجھنے لگے اور اسکا جو نتیجہ ہوا ظاہر ہے۔

دیباچہ قرآن مجید بزبان اردو کے آخیر میں بہت سی باتیں ایسی گنوا دی گئی ہیں۔ جو مطابق احکام قرآن ہیں۔ اور آجکل کے عیسائیوں کی زیر عمل ہیں۔ مگر مسلمان اون سے بے خبر ہیں۔ الاسلام میں بہت سے احکام قرآنی کا دیگر مہذب اقوام کے دستور العمل و قوانین سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور دکھایا گیا ہے کہ جن باتوں میں آجکل کی مہذب قوموں نے احکام قرآنی کی پیروی نہیں کی ہے ان میں وہ کس درجہ گمراہی یا قابل افسوس غلطی میں ہیں۔ میرے کہنے کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ میں نے تمام احکام قرآنی پر پوری نظر ڈالی ہے۔ جہاں تک اپنی علمی کم بضاعتی کے ساتھ غور کرسکا۔ مذکورہ بالا کتابوں میں تحریر کیا۔ یہ دریائے ناپیدا کنار ہے۔ مجھ ایسے شخص کے لیے اسکی شناوری کا دعویٰ قابل مضحکہ ہے لیکن اس قدر کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر کوئی شخص اشاعت اسلام کے لیے کوشاں ہو۔ اور سچے دل سے کوشاں ہو۔ تو اسے اپنے آپ کو احکام قرآنی کے خوبیوں کے سوچنے اور انکو مسلم اور غیر مسلم گروہ کے سامنے بیان کرنے کے لیے وقف کرنا چاہیے۔ اور جب لوگوں کی اس طرف پوری توجہ ہوگی وہ اس بیان کو چھوڑکر قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دیگر دلایل کی طرف زیادہ غور اور فکر کرنے کے لیے مہلت یا وقت نہ پائینگے آجکل تعلیم نے خیالات میں آزادی دی ہے۔ ہر شخص نیا۔ اور بد سوچنے کی طرف مایل ہے۔ ایسی حالت میں کہ بازار میں جواہرات کے خریدار پھر رہے ہیں۔ ہمیں جواہرات کو گھروں سے نکالکر بازار میں لانا چاہیے صندوقوں میں اُنھیں پوشیدہ رکھنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں دکھانا چاہیے کہ احکام قرآنی میں کیا کیا ایسی خوبیاں ہیں جو دوسرے ادیان اور مراسم قومی میں نہیں ہیں۔ اور لوگوں سے کہنا چاہیے کہ بھائیو ان

(احکام) قرآنی کو جو تیرہ سو برس کے تجربہ کے بعد بھی افضل القوانین ہے کبھی اور کہیں سے ناقص ثابت نہیں ہوئے۔ احکام خداوندی تسلیم کرو۔ اور مجموعہ احکام کو قرآن منزل من اللہ سمجھو۔"

(ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی)

قرآن اور مسلمان

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وہی پروردگار تو ہے۔ جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب کو تمہی لیے پیدا کیا ہے

زمین و آسمان اور طبائع کائنات کا قرآن پاک میں جہاں ذکر ہے بعض جگہ بعض بعض جگہ بالکنایہ ان میں غور و تدبر کرنے کا شوق دلایا گیا ہے اور بعض جگہ اسطرح لیجایا گیا ہے کہ خواہ مخواہ طبیعت دریافت حال کی طرف مائل ہوتی ہے مثلاً اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں جو کچھ پیدا کیا گیا ہے۔ ہمارے فائدہ کے لیے کیا گیا ہے۔ یہاں خود بخود شوق پیدا ہوتا ہے کہ دریافت کیا جائے کہ زمین میں کیا کیا ہے۔ یہ بات ایسی ہے جس کی وجہ سے اسلام کو باقی ادیان کے مقابلہ میں ترقی انسان کی تعلیم میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور طرفہ یہ کہ قرآن پاک نے ایسے وقت میں تفکر و تدبر اور غور و خوض کا حکم دیا۔ جب کہ اہل کتاب علماً و عملاً اس امر پر متفق تھے کہ عقل و دین متضاد چیزیں ہیں اور باہم دو دشمن ہیں۔ جو کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اور عقل جو کچھ اوقات دہر و طبیعت عالم سے نتیجہ نکالتی ہے۔۔۔ وہ خارج از کتاب ہیں۔ وہ سب باطل ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیم کو دیکھئے کہ بار بار واقعات کائنات کو سامنے لاتا ہے۔ اور نظر کا حکم دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ نتیجے نکالو راز دریافت کرو۔ اور حکمتیں معلوم کرو۔ کہیں کہتا ہے۔ قُلِ انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ کہیں حکم دیا ہے قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا۔ کہیں اس سے بھی بڑھ کر صراحت کرتا ہے کہ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ۔ قرآن پاک میں اسی قسم کی آیتوں کا بکثرت آنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ خدا کے نزدیک واقعی یہ امر عظیم الشان اور قابل اہتمام ہے کہ اوسکے بندے کائنات کو اعتبار کی نگاہ سے دیکھیں۔ اور سوچیں غرض اس ترغیب و تشویق سے یہ ہے کہ انسان اپنی طاقت کے موافق عالم کی حقیقت معلوم کرے۔ اور گوناگوں علوم استخراج کر کے کمال حاصل کرے۔ اور بے بنیاد و فاسد تقلید کی اوس کھوکھلی دیوار کو نئے نئے علوم کے زور سے گرا دے۔ جس نے سابقہ اہل کتاب کو ہلاک و تباہ کیا۔ اور اُن چیزوں سے فائدہ نہ اُٹھانے دیا۔ جو خدائے تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لیے بنائی ہیں۔

افسوس کہ باوجود ایسی پر حکمت ہدایات کے مسلمان سب قوموں سے علم میں پیچھے جا پڑے ہیں۔ حتیٰ کہ اونکی موجودہ جہالت سابقہ جاہلیت کے زمانہ سے بھی بڑھ گئی ہے۔ جس زمین پر رہتے ہیں۔ افسوس کی بھی اون کو خبر نہیں۔ اور نہیں جانتے کہ کیونکر زمین سے وہ منافع حاصل کریں۔ جو خدا نے زمین میں اُن کے لیے رکھی ہیں۔ اسی لیے تو غیر انکے ہاتھوں سے جو چاہتے ہیں اچک لیتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں لیکن اون کی مذہبی کتاب اب بھی پہلے کی طرح صراط علم و حکمت پر قایم ہے اور پکار کر کہتی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے تمہارے ہی لیے بنایا گیا ہے (هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے تمہارا مسخر کیا گیا ہے (وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا) حلال رزق اور پاک زینت تمہارا حصہ ہے (مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ) ایسے صدہا احکام کتاب اللہ میں موجود ہیں لیکن مسلمان گونگے۔ بہرے۔ اندھے بن رہے ہیں۔ اور عقل و ہوش سے کام نہیں لیتے۔ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ۔ اگر عقل و خرد سے کام لیں۔ اور حقیقت حال کو سمجھیں تو فوراً فاسد خیالات سے باز آجائیں۔ اور باز آجائیں۔ تو یقیناً فائدہ اٹھائیں۔ اور مراد کو پہنچ جائیں۔ کاش وہ باز آئیں۔ اور جلد باز آئیں۔ اور اپنی بگڑی ہوئی کو بنائیں اور غیر مذہب والوں کے بیجا اعتراض اور تہمتوں کو اسلام اور مسلمانوں کے سر سے اٹھائیں +

(ماخوذ از تفسیر القرآن)

ناظرین اسوۂ حسنہ براہ کرم خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں اور جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ بھیجیں۔ (مینیجر)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

مجلس ذکر میلاد شریف

ذکر میلاد آنحضرت محمد رسول اللہ صلعم کی مجلسیں غالباً تمام بلاد اسلام میں منعقد ہوتی ہیں جب مکہ معظمہ میں یہ مجلسیں ہوئیں تو پھر محال عقلی ہے یہ کہنا کہ دیگر بلاد کے مسلمان اس سے ناآشنا ہیں۔ ہندوستان میں ایسی مجلسیں بہت ہوتی ہیں اور عوام کے خیالات میں اسے شعار اسلام کا درجہ حاصل ہے لیکن علماء میں مختلف الرائے ہیں۔ اکثر اسے نہایت اچھا سمجھتے ہیں۔ اور بعض برا کہتے ہیں۔ بدعت اسے دونوں کہتے ہیں لیکن ایک اسے بدعت حسنہ کہتا ہے اور دوسرا بدعت سیئہ ٹھیراتا ہے محض ذکر رسول کو تو کوئی بھی بدعت سیئہ نہیں کہہ سکتا لیکن ان مجموعی حالات کے ساتھ جو انعقاد مجلس کیلئے لازم ہو رہے ہیں بدعت سیئہ کا لفظ بعض بعض عالموں کی زبان پر ضرور آتا ہے۔ اس اختلاف کا سبب جہاں تک ہندوستان کو تعلق ہے۔ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مذہبی تعلیم سے حدیث کی کتابیں ابتداء خارج تھیں۔ قرآن اور اسکی تفسیر اور فقہ کی کتابیں تعلیم مذہب کے لیے کافی سمجھی جاتی تھیں۔ معنی بیان اور اصول فقہ کی کتابیں بھی ان کے علاوہ پڑھی جاتی تھیں محض علمی قابلیت بڑھانے کے لیے نہ کہ معلومات مذہبی حاصل کرنے کے لیے۔ اخلاق محمدی حاصل کرنے کے لیے۔ اخلاق کی کتابیں بھی رائج تھیں۔ مگر وہ عربی زبان کے درس میں نہ تھیں بلکہ لوگ انہیں سیر کی کتابوں کی طرح معلومات مذہبی حاصل کرنے کے لیے از خود دیکھتے تھے۔ اور غالباً اسی سلسلہ میں حدیث کی کتابیں بھی وہ دیکھتے رہے ہوں گے۔ مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ عبد الحق دہلوی نے حدیث کی کتابیں داخل درس کیں اور اس ذریعہ سے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مذہبی معلومات کی تکمیل بغیر کتب حدیث پڑھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اور رفتہ رفتہ لوگ اس طرف اتنا متوجہ ہو گئے کہ بعضوں نے دوسرے علوم کی طرف توجہ کی اور کتب احادیث کو مقصود بالذات سمجھا اور اہل حدیث کا گروہ جب ایک کافی مقدار میں قایم ہو گیا۔ تو اوس نے مسلمانوں کے تمام اعمال اور افعال کو کتب حدیث کی کسوٹی پر پرکھنا چاہا اور اسطرح جتنی بدعتیں یعنی نئی باتیں مسلمانوں میں قایم ہو گئی تھیں ان پر فتوی دینے چاہے پرانے طریقہ تعلیم کے علما نے جنکے لیئے اہل فقہ کا لفظ زیادہ مناسب ہے اہل حدیث کی ترقی پر رشک کر کے یا اون کی غیر ضروری نکتہ چینیوں سے گھبرا کر علم مخالفت بلند کیا۔ اہلحدیث اور اہل فقہ کے مختلف فیہ مسایل میں۔ مجالس میلاد شریف کا جایز یا ناجایز ہونا بھی زیر بحث آیا۔ اور صورت یوں قایم ہوئی کہ اہل فقہ اہلحدیث پر یہ طعن کرنے لگے کہ انکو آنحضرت سے محبت نہیں ہے۔ اور ان کا ذکر سننا انھیں ناگوار ہوتا ہے۔ اور منکرین میلاد شریف یہ کہنے لگے کہ کنہیا جی کی جنم اسٹمی کی طرح ولادت سرور کائنات کا بیان کرنا متقدمین کی سنت کے بالکل خلاف ہے اور اسکی بھلائیوں کے متعلق کوئی سند بیان نہیں کیجا سکتی۔ میں ان دونوں اقوال میں حکم بننا نہیں چاہتا۔ میرے خیال میں اگر دونوں جانب سے اعتدال ملحوظ رکھا جائے تو بہتر ہے۔ فریقین کو اعتدال پر لانے کے لیے صرف یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں تاریخی حالات اسکے متعلق گذارش کروں۔ اور تاریخی حالات بیان کرنے میں جہاں مجھ سے لغزش ہو۔ وہاں ناظرین بذریعہ اخبار اپنی تحریروں سے اصلاح فرمائیں تاریخی حالات جو میں آگے لکھوں گا۔ وہ کسی خاص کتاب میں یکجا درج نہیں ہیں۔ بلکہ تمام اسلامی تاریخوں پر نظر ڈالنے کے بعد جو قیاسات یا خیالات قایم ہو سکتے ہیں۔ وہ میں لکھتا ہوں:۔

قرآن مجید میں کہیں ذکر میلاد شریف ہے یا نہیں؟ میرا خیال تو یہ تھا کہ کوئی ذی علم اسکا جواب اثبات میں نہ دے گا۔ مگر ایک مہینہ کا عرصہ ہوا کہ ایک حنفی المذہب مولوی کو میں نے یہ کہتے سنا کہ تمام مختلف فیہ مسائل کو وہ اپنے موافق قرآن سے ثابت کر سکتے ہیں۔ حتی کہ وہ یہ بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ سنیوں میں چار مصلے ہیں انمیں سے صرف ایک حنفیوں کا مصلے قرآن سے برحق ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے مجھے یہ لکھنا پڑا کہ باستثنائے ایسے غیر معمولی واقفیت کے مولویوں کے تمام علماء متفق ہیں کہ مولود شریف کے جواز یا عدم جواز کی سند قرآن سے نہیں دیجا سکتی۔ اسکے بعد جب ہم کتب احادیث پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ پاتے ہیں کہ آنحضرت کے زمانہ میں آنحضرت کی ولادت کا ذکر کرکے خوش ہونا آنحضرت کی محبت کا پتا دیتا تھا۔ لیکن ہر سال تاریخ ولادت پر یا گاہ بگاہ دوسری تاریخوں میں کوئی مجلس اسلئے منعقد کرنا کہ ذکر ولادت لوگوں کو سنایا جائے۔ آنحضرتؐ۔ تابعین یا تبع تابعین میں سے کسی کا طرز عمل اس کا شاہد نہیں ہے۔ اور نہ سیر کی کتابوں سے پتہ لگتا ہے کہ عربوں کے زمانہ عروج میں ایسا دستور قایم ہوا تھا۔ آنحضرت کی یتیمی دعوت بوقت ولادت۔ شباب کا غیر معمولی حسن اخلاق۔ پھر عرب کی شاہنشاہی۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ بڑے بوڑھوں کے گھروں میں خواہ وہ مسلمان ہوں یا نہوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کے چرچے اکثر ہوتے رہے ہوں گے۔ لیکن یہ خلاف قیاس اور دستور عرب کے منافی ہے کہ آپ کے زمانہ میں یا آپ کے معاً بعد ایسے تذکروں کے لیے مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔

جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں انعقاد مجلس میلاد شریف کا کہیں پتہ نہیں لگتا۔ وہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ آیا۔ کہ کوئی جگہ بلاد اسلام میں ایسی نہیں ہے کہ اس کا رواج وہاں نہو۔ اور پھر یہ بھی دیکھتے ہیں کہ گو اس مجلس میں ذکر ولادت بہت کم اور زیادہ تر ذکر حالات رسولؐ بیان کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان مجالس کا نام مجالس میلاد ہے۔ مجالس ذکر رسولؐ انہیں کوئی نہیں کہتا۔ محض ذکر ولادت رسولؐ کا بیان کرنا یا سننا اگر ان مجالس میں ہو تو یہ کوئی فائدہ رسان فعل عقلاً نہیں ہوسکتا۔ ان مجالس کے انعقاد کے ابتدائی وجوہ اور وجہ تسمیہ پر غور کرنا ہر ذی فہم کے لیے لازم ہے۔ میں نے اسکے متعلق سلسلہ واقعات سے جو معلومات ترتیب دئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

رسم سالگرہ کا وجود زمین عرب میں نہ تھا صرف یہ نہیں ہے کہ کتب احادیث و سیر سے اسکا پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں جتنے خاندان عربوں کے براہ راست آکر آباد ہوئے ہیں اور انکی شخصیت پر ترکوں اور مغلوں کا اثر کم پڑا ہے۔ ابتک اُن خاندانوں میں رسم سالگرہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جو معزز خاندان ترکوں مغلوں یا ان کے زیر اثر شرفا کے ہیں ان کے گھروں میں یہ رسم نہایت پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سالگرہ کی رسم ایرین قوم کی تہذیب کی ایک یادگار ہے۔ عربوں کی ترقی کے زمانہ میں ایرانیوں اور رومیوں میں اسکی سخت پابندی تھی۔ ہندوستان میں بھی اسکا رواج تھا۔ عیسائیوں میں جو ۲۵۔ دسمبر کو ہر سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدایش کی خوشی منائی جاتی ہے۔ وہ بھی اسی رسم سالگرہ کی برکت ہے ادائے رسم سالگرہ عمر یاد رکھنے کے لیے بالخصوص عوام میں جہاں سال پیدایش لکھ لینے کا دستور بوجہ ناخواندگی قایم نہیں ہوسکتا بہترین ذریعہ ہے۔ اور تہذیب کی ایک شاخ ہے۔ عربوں نے جو ہمیشہ اچھی باتوں کی مخالفت کرنے کو معیوب جانتے تھے۔ اپنے زمانۂ عروج میں ہرگز اسکو مٹانے کی فکر نہ کی۔ اور ممکن ہے کہ خلفائے عباسیہ نے شاہی خاندان میں اسے رائج بھی کر لیا ہو۔ لیکن اسکی رونق اہل اسلام میں اسوقت ہوئی جب کہ بلاد اسلام کی عنان حکومت ایرانیوں اور ترکوں کے ہاتھ میں آئی۔ اور پھر زمانہ مابعد میں جبکہ شام میں ایک سال تک عیسائیوں کے زیر اثر مسلمانوں کو رہنا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہر بااثر مسلمان اپنی پیدایش کے دن خوشی مناتا تھا۔ عوام دیکھتے تھے کہ عیسائیوں میں حضرت عیسےٰ کے پیدایش کے دن کیسے کچھ عید منائی جاتی ہے۔ کیا اسوقت کے مسلمانوں کے قلوب سے یہ امید کیجا سکتی تھی۔ کہ سرور کائناتؐ کے پیدایش کے دن اُن میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوتی؟ ہرگز نہیں۔ اس قلبی حرکت نے بروز ولادت آنحضرت اظہار خوشی کا دستور ڈالا۔ اور بلحاظ تہذیب اسلامی ادائے رسم سالگرہ کا یہ طریقہ پسند کیا گیا کہ لوگ جمع ہوکر فضایل رسولؐ کا ذکر کریں۔ اور خوش ذائقہ چیزیں حضار جلسہ کو کھلائیں۔ یوم ولادت کی رعایت سے ایسے جلسوں کا نام مجلس میلاد شریف پڑ گیا۔ اور اب ایسے جلسوں میں کچھ بیان کرنے کو مولود شریف پڑھنا بولتے ہیں۔ جب عجمیوں اور ترکوں کا اثر مکہ معظمہ تک پہونچا تو یہ مجلسیں وہاں بھی قایم ہوئیں۔ اور جب مکہ معظمہ میں قایم ہوئیں۔ تو

تمام بلاد اسلام میں پھیل گئیں۔ اور رفتہ رفتہ بلالحاظ یوم ولادت ہر دن اور ہر تاریخ میں اظہار خوشی کے مواقع پر یہ مجلسیں ہونے لگیں ان مجلسوں کے متعلق بدعت وغیر بدعت کی بحثیں چھوڑ کر اُن ضرورتوں اور مواقع پر لحاظ کرنا چاہیئے۔ جن کے سبب سے یہ مجلسیں مسلمانوں میں رائج ہوئیں یہ ایک واقعہ ہے کہ شیعوں میں مجلس میلاد شریف منعقد کرنے کا رواج نہیں ہے یا بہت کم ہے۔ اور اسپر تاریخی حیثیت سے قیاسات قایم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے جسطرح اہلحدیث نے ہندوستان میں احیائے سنت نبویؐ کی طرف گذشتہ صدی میں توجہ کی اوسی طرح بدعتوں کی کثرت سے گھبرا کر سید شاہ صفی نے احیائے سنت نبویؐ کی طرف ایران میں نویں صدی ہجری میں توجہ کی تھی۔ آپ ایک ذی علم بزرگ سیدزادہ تھے۔ اور غالبًا نویں صدی ہجری میں آپ کا زمانہ تھا پیشوائے مذہب سے ترقی کرکے حکومت کے درجہ تک آپ پہنچے۔ اور آپ کی نسل میں ایک بہت زبردست سلطنت ایران میں خاندان صفوی کے نام سے قایم ہوئی۔ جس نے ہمایوں پر احسان کرکے مغلیہ خاندان ہند پر ہمیشہ کے لیے اپنا اثر قایم کرلیا۔ اُسوقت کے مسلمان پادشاہوں کی یہ ایک حکمت عملی تھی کہ مسلمان سپاہیوں کو مذہبی جوش دلانے کا خیال وہ سب پر مقدم سمجھتے تھے۔ جتی کہ تیمور نے جب دہلی کے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تو۔ اوس کے سپاہیوں کا یہ خیال تھا کہ وہ لامذہب یا مرتد مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ اسیطرح شاہان صفوی جب ترکوں سے لڑے تو ہر ایک نے اپنے فریق مقابل کو مرتد تصور کیا۔ اور انکی ملکی مخالفتیں عرصہ تک قایم رہیں۔ اسلیئے سنیوں اور شیعوں میں ہمیشہ کے لیے علیحدگی ہوگئی۔ ورنہ اسکے قبل اہل التشیع شافعی مذہب کے ضمن میں سمجھے جاتے تھے۔ اہل اسلام کی یہ دو بڑی تقسیمیں جواب ہیں۔ پہلے نہ تھیں۔ میرے کہنے کا یہ منشا نہیں ہے کہ شیعوں کا وجود پہلے نہ تہا۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ان اقوال نبی کو جو اہل بیت نبی کے ذریعہ سے پہونچے تھے بعض لوگ سب پر مرجح سمجھتے تھے۔ لیکن زایدتر ایسے لوگ تھے جو اہل بیت کو اس بارہ میں یکساں جانتے تھے۔ اور صرف راویوں کے ورع اور تقویٰ پر خیال رکھتے تھے۔ لیکن یہ باتیں دل و دماغ تک محدود تھیں۔ ایک دوسری پر معترض نہ ہوتا تھا لیکن پھر مواقع ایسے آتے گئے۔ اور زایدتر ملکی اسباب باعث ہوئے کہ اول الذکر گروہ علیحدہ اپنی اہمیت قایم کرتا گیا۔ اور شاہان صفوی کے زمانہ میں اختلاف اس قدر زور پکڑ گیا۔ کہ ایک گروہ نے دوسرے گروہ کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کردیا حالانکہ آٹھویں صدی تک عبادات اور معاشرات میں سنیوں اور شیعوں میں ذرا مغائرت نہ تھی۔ شاہ صفی نے جب بہ حیثیت ایک مصلح قوم کے تمام بدعتوں کی مخالفت کی تو انعقاد مجلس میلاد شریف پر اگر وہ بغداد یا کہ مغلیہ میں اس وقت رائج تہا ضرور نکتہ چینی کی ہوگی۔ یا اگر اوسوقت اسکا رواج نہ تھا تو ان کے مریدین مابعد نے اس خیال سے کہ ترکوں کی زیر اثر اسکا رواج مکہ معظمہ میں تہا۔ اسکی مخالفت کی ہوگی۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر علمائے مذہب اثنا عشری اسکے مخالف کیوں نہیں ہیں۔ اسلیئے اتنا لکھنا نامناسب نہیں ہے کہ مرور زمانہ کا یہ تصرف ہے۔ مجالس میلاد کا شیعوں میں رائج نہ ہونا تعلیم صفوی کا اثر ہے۔ اور مولود خوانوں سے ان کا مباحثہ نکرنا اصول سلامت روی کا نتیجہ ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ شاہ صفی کے تمام تعلیمات پر سختی سے۔ زمانہ مابعد میں عمل نہیں کیا گیا۔ خود شیعوں میں بہت سی باتیں بلحاظ اقتضائے طبائع ایسی رائج ہیں کہ وہ مولود شریف کو بدعت ہونے کی وجہ سے غیر مستحسن نہیں کہہ سکتے۔ غرضکہ فی زماننا نہ کسی شیعہ عالم کو مجلس میلاد کے انعقاد پر اصرار ہے۔ اور نہ مثل بعض سنی عالموں کے اُنکی تحریم کا وہ فتویٰ دیتے ہیں۔ اور یہ روش ان کی سنیوں کے لیے قابل تقلید ہے۔ کیونکہ اہلحدیث اور اہل فقہ کے جھگڑے جب ذاتیات تک منجر ہوتے ہیں۔ تو تحقیق حق تک محدود نہیں رہتے اور قابل شرم وافسوس ہو جاتے ہیں۔

شرع محمدی نے جو طریقے عبادت الہی کے بتائے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ عبادت الہی کے لیے اختیار کرنا ممکن ہے کہ معیوب نہ ہو مگر شریعت وطریقت کے خلاف ضرور ہے۔ لیکن مولود شریف کا شمار عبادات میں نہیں ہے۔ کارخیر میں ہے۔ اور کارخیر کے لیے بدعت یا غیر بدعت کی بحث چنداں موزوں نہیں ہے۔ ذکر خیر یا کارخیر کے راستوں کو شریعت نے محدود نہیں کیا ہے۔ فرض کرلیجئے کہ یہ بدعت ہے۔ تو بدعت سیئہ کیوں ہے؟ کوئی مسلمان ذکر رسول میں سوء ظن نہیں پاسکتا۔ اور اسلیے جو علماء مولود کو بدعت سیئہ کہتے ہیں وہ بلحاظ اسکی ہیئت مجموعی کے ایسا کہتے ہیں یعنی تاریخ مقرر کرنا۔ لوگوں کو بلانا شیرینی تقسیم کرنا۔ یہ سب باتیں تو برائے ہیئت گویا شاعرانہ مناظر ہیں داخل کی جاتی ہیں۔ اصل امور اختلافی یہ ہیں۔

(۱) ذکر رسول میں شاعرانہ مبالغہ کرنا۔ اور عام پسند غلط حکایتوں کو بیان

داخل کرنا۔

(۲) لے اور سُر کے ساتھ یعنے الحان کے ساتھ ابیات و قصائد کا پڑھنا۔

(۳) بوقت ذکر ولادت تعظیم کو کھڑا ہونا

امر اوّل۔ جہلا یا نیم ملاؤں میں زیر بحث رہتا ہے۔ محقق علماء ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ غیر مستند باتوں کا پیغمبر سے منسوب کرنا عیب نہیں ہے اور اسیطرح امر دوم میں بھی سب متفق ہیں کہ اعتدال کے ساتھ خوش الحانی صرف غیر معیوب نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے۔ خود قرآن کے پڑھنے میں خوش الحان قاریوں کی تلاش کیجاتی ہے۔ اب رہا تیسرا امر یعنی مسئلہ قیام یہ بہت مشکل ہے۔ اسمیں شرعی اور فلسفی مسایل ملے ہوتے ہیں۔

مخالفین قیام کے اعتراضات کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) تمام مہذب دنیا کا دستور یہ رہا ہے کہ اگر بیٹھنے کی جگہ مل سکے تو سامعین کو بیٹھنا چاہیئے۔ کھڑا ہونا صرف واعظ، ذاکر یا خطیب کی شان ہے۔

(۲) اگر کھڑا ہونا اسلیئے مناسب ہے کہ روح پاک آنحضرت کی ایسے جلسوں میں آتی ہے تو۔ (الف) کیا اپنی حیات میں آنحضرت نے نہیں فرمایا تھا کہ جب میں تمہارے جلسوں میں آؤں تو کھڑے ہوکر میری تعظیم کرو (ب) کیا روح پاک آنحضرتؐ بعد وفات خارج از مادہ نہیں ہوئی کہ وہ مادیات سے تعلق رکھتی ہے؟ (ج) کیا روح صرف ذکر ولادت کے وقت آتی ہے۔ قبل اسکے نہیں آتی؟

(۳) اگر کھڑا ہونا ذکر رسولؐ کی تعظیم کے لیے ہے تو آغاز ذکر ہی سے سامعین کھڑے کیوں نہیں رہتے؟

ان تمام اعتراضات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص فریق ثانی کو مغلوب کرنا چاہتا ہے تو تمام رطب و یابس باتیں دلیل میں پیش کرتا ہے۔ اسیطرح مفصلہ بالا باتوں میں ہرایک کا لحاظ کرنا اور جواب دینا باتوں کا بڑھانا ہے۔ صرف اعتراض دوم کے ضمن (ب) و (ج) کے متعلق بطور حکایات نہ بطور جواب یہ کہا جاسکتا ہے کہ روح کے متعلق بحث نہ کرنے کا حکم قرآن سے مستنبط ہوتا ہے۔

لیکن جن مسلمانوں کا خیال یہ ہو کہ روح پاک آنحضرتؐ کا تعلق اس عالم سے منقطع نہیں ہوا ہے۔ اُنہیں کوئی شخص قرآن و حدیث سے ساکت نہیں کر سکتا۔ مذہبی بحث میں عقلی دلایل سے کام لینا علمائے اسلام کی شان نہیں ہے۔ فلسفیوں کے لیے یہ بیکار حجت زیبا ہے

لیکن اسکے ساتھ ہی یہ سوچنا رہا ہے کہ ذکر ولادت کے ساتھ قیام کرنا مسلمانوں میں کس شرعی اصول سے قایم ہوا۔ گو میرے خیالات بخوبی میری مدد بیان نہیں کرتے۔ مگر ایک دل لگتی بات ذہن میں آتی ہے کہ صوفیان کرام کو سلسلہ باطنی سے فیض پہونچا ہے۔ صوفیوں کی حالت میں ذوق و شوق کے وقت ایک خاص رنگت پیدا ہوتی ہے۔ عجب نہیں ہے کہ ذکر ولادت کے وقت کھڑا ہو جانا اول اول صوفیان کرام کی حاضری مجلس سے شروع ہوا اور پھر اسکا دستور قایم ہو گیا۔ بہرحال میری رائے تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں جب ذکر مولود کا رواج ایک خاص صورت میں قایم ہے۔ تو پھر اسمیں ایسی حالت میں کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل کسی کے پاس بھی قطعی طور پر نہیں ہے۔ رخنہ ڈالکر مسلمانوں میں نفاق پھیلانا دانشمندی کی شان نہیں ہے۔

اس مسئلہ کے سوچنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ فرض کیجیے کہ میرے پڑوس میں کوئی مسلمان ایسا ہو کہ نماز پنجوقتہ وہ جماعت کے ساتھ ہمیشہ ادا کرتا ہے۔ نماز تہجد اسکی ناغہ نہیں ہوتی۔ ایک مہینہ برابر وہ رمضان میں روزے رکھتا ہے۔ اور آدھا پیٹ کھانا کھاکر ایک گھنٹہ تک محلہ کی مسجد کی نماز تراویح میں شرکت کرتا ہے۔ کمل اوڑھتا ہے۔ چٹائی پر سوتا ہے۔ جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ نہ رزق حرام حلق سے نیچے اتارتا ہے۔ اسکے مکان کے قریب چند درخت اسکے پھلدار ہیں جنہیں محلہ کے لڑکے توڑکر کھا جاتے ہیں۔ اُسکے گھر رزق کی تنگی ہے۔ لیکن وہ میوہ فروشوں کے ہاتھ کچھ پھل نہیں بیچتا اور کہتا ہے کہ شرع نے اجازت نہیں دی ہے جب وہ عالموں سے ملتا ہے۔ تو پہلا سوال یہ کرتا ہے کہ آنحضرت کے اعمال اور افعال مجھے بتائیے۔ کہ میں ان کی پیروی کروں۔ اور اگر کوئی فعل میرا ایسا ہو جسے آنحضرت نے یا ان کے اصحاب نے نہ کیا ہو۔ تو مجھے مطلع فرمائیے کہ چھوڑ دوں۔ اگر ایسا شخص مجھ سے پوچھے کہ صحابہ رسولؐ نے مجلس میلاد شریف کبھی منعقد نہیں کی تو کیا میں ایسی مجلس میں شریک ہوں؟ تو میں یہ کہوں گا کہ آپکے لیے تو میری یہ رائے ہے۔ کہ آپ گھر ہی میں بیٹھکر ذکر خدا اور ذکر رسولؐ کیجیے۔ لیکن اگر کوئی پڑوسی میرا ایسا ہے کہ سوائے مجالس لہو و لعب کے اور کہیں بھی اُسے صحبت مسلمانان نہیں نصیب ہوتی۔ حتی کہ عیدین کی نمازیں بھی وہ صحرا میں جاکر نہیں پڑھتا۔ کبھی پڑھتا ہے تو اپنے محلہ کی مسجد میں پڑھ لیتا ہے۔ کوئی کام وہ اسلام کے اوامر و نواہی کے مطابق نہیں کرتا

صرف نام کا مسلمان ہے اور اسکے اسلام کا پتہ صرف ماہ ربیع الاول میں چلتا ہے کہ وہ خود بھی مولود کرتا ہے۔ اور دوسروں کے گھر بھی مجالس میلاد میں شریک ہوکر مسلمانوں کی صورتیں دیکھتا ہے۔ اگر اسکے گھر پہونچکر کوئی مولوی مولود خوانی سے اسے باز رکھنا چاہے تو میں مولوی صاحب سے سوال کروں گا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ شخص آپ کا وعظ سنکر پہلے شخص کی طرح متشرع ہو جائے گا؟ مولوی صاحب خواہ مخواہ جواب دیں گے "نہیں" پھر میں کہونگا کہ آپ مولود خوانی سے لوگوں کو اُسوقت تک منع نہ کیجئے جب تک آپ یقین نہ ہو جائے کہ آپ سامعین میں سے ایک فیصدی کو بھی صحابہ رسول کا سا بنا لیں گے۔ اگر آپ جلدی کرتے ہیں۔ تو قبل از وقت کام کرتے ہیں۔ بچتہ تعمیر بنانے کے قبل کا ہی مکان گرا کر لوگوں کو بے خانماں ہو جانے کی صلاح دیتے ہیں۔ یعنی فی زمانا جو کچھ رونق مسلمانی ہے۔ اُسے بھی آپ مٹانا چاہتے ہیں۔

انہیں مصلحتوں کی بنا پر بہت سی نئی باتوں کو خیر اندیشان قوم شعار اسلام سمجھکر ان کے مٹانے کی فکریں نہیں کرتے۔ شعار اسلام کے بارے میں اتنا لکھنا ضروری ہے۔ کہ جو باتیں بت پرستی یا شرک تک منجر ہوں انہیں کسی حالت میں اس لحاظ سے کہ وہ مسلمانوں میں رائج ہیں شعار اسلام کہنا نہ چاہیئے اور جو باتیں شرک تک منجر نہوں انکو بابت "جائز اور ناجائز" کی بحثیں چھوڑ کر صرف "مناسب اور نامناسب" موضوع بحث بنا کر۔ تو پھر علماء کے مسائل اختلافی بہت سے ایسے رہجائینگے جو آسانی سے طے پا سکیں گے +

(ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی)

اسلام کی بے تعصبی

ولید بن عبدالملک کو جو بنی امیہ کا بڑا بادشاہ گذرا ہے۔ ایک مسجد بنانے کا شوق ہوا اور ایک کروڑ روپیہ کی لاگت سے دمشق میں مسجد تیار ہوئی مسلمانوں کو جب یہ حال معلوم ہوا کہ اس قدر روپیہ مسجد پر صرف ہوا ہے۔ تو اون میں بھی پہلی سی مادہ تھا مذہبی آزادی کا مسلمانوں کا خیال تھا کہ نماز پڑھنے کے لیے ایک سادہ مسجد کافی ہے۔ ولید گو بادشاہ تھا۔ لیکن اسکو یہ حق نہیں کہ بے ضرورت کروڑوں روپیہ مسلمانوں کے بیت المال کا اپنی خواہش پورا کرنے کے لیے ضائع کر دے۔ روپیہ پبلک کا ہے اور پبلک فنڈ اسلئے نہیں۔ کہ یوں بے دریغ صرف کر دیا جاوے۔ اور کسی کی بات تک نہ پوچھی جاوے۔ چونکہ عام طور پر برہمی پھیل گئی تھی۔ کھلم کھلا لوگ اعتراض کرتے تھے۔ ولید کے کانوں تک جب یہ خبر پہونچی۔ تو ساری قوم کو بلایا اور بھرے دربار میں ایک اسپیچ دے کر اس بنا پر معافی چاہی کہ اب بھی پبلک فنڈ میں اس قدر روپیہ ہے کہ اگر میرے ملک میں متواتر دس برس تک قحط پڑے تو کافی ہو سکتا ہے۔ اور کسی متنفس کو ذرہ برابر نقصان یا تکلیف نہیں پہونچ سکتی۔

قصہ مختصر اسی مسجد کے پاس جسکو ولید نے اس شوق سے بنایا ایک گرجا یوحنا کا تھا۔ مسجد میں زمین کی کمی تھی۔ ولید نے عیسائیوں سے گرجے کی زمین مانگی۔ اور کہا کہ جس قدر قیمت چاہو۔ لے لو۔ میں اس زمین کو مسجد میں شامل کروں گا۔ اونہوں نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ رضامندی سے تو دینگے نہیں۔ اور اگر زبردستی سے لوگے تو ہمارے گرجے کو جو گرائیگا اُسے کوڑھ ہو جائے گا۔

ولید کو پادریوں کی بات ناگوار ہوئی۔ اور اُس نے کہا میں گراتا ہوں۔ دیکھیں ہم کو کیسے کوڑھ ہوتا ہے۔ چنانچہ فوراً گرجے کے گرائے جانے کا حکم ہو گیا۔ اور وہ زمین مسجد میں شامل کر لی گئی۔ یہ بات یہاں اور کہنے کے قابل ہے کہ ولید ان بادشاہوں میں سے نہ تھا جسکا کوئی فعل قابل تقلید سمجھا جائے۔ اوس کے بعد عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوا حقیقت میں یہی تھا پر نٹیٹیو مسلمانوں کا۔ انکے بادشاہ ہونے پر عیسائی آئے۔ اور اونہوں نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ ولید نے ہماری بغیر مرضی ہمارے گرجے کو گرا کر فلاں مسجد میں شامل کر لیا جسکو سُن کر عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا کہ گرجے کی زمین پر جو مسجد کا حصہ تعمیر ہوا ہے اوس کو فوراً منہدم کرکے سرکاری خرچ سے دوبارہ گرجا پھر بنا دیا جائے۔ اور مسجد اسی زمین میں محدود رہے۔ یہ تھی مذہبی بے تعصبی جس کی اسلام نے تعلیم دی تھی +

(ماخوذ از الکلیہ مولانا شبلی مرحوم)

اسوۂ حسنہ کی توسیع اشاعت میں اگر ابتک آپنے کوشش نہیں فرمائی ہے تو اب اسطرف توجہ کیجئے کیونکہ کاغذ گراں ہو گیا ہے اور موجودہ قیمت اسکے روز افزوں مصارف کے لیے ناکافی ہے۔ (منیجر)

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ

تمہارے لیئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے

السیرۃ المحمدیۃ والخصائص النبویۃ

امین الرحمٰن محیط القرآن

سرورِ عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۳)

عُبّاد کو تو نے محوِ تحیّر کیا   عُشّاق کو مستِ لذت دید کیا
طاعت میں رہا نہ حق کے سا جھی کوئی   "توحید" کو آ کے تو نے توحید کیا

عیسائیوں میں کفارہ کے عقیدہ نے اخلاقی دنیا میں سنسنی پیدا کر دی۔ انسان شرافتِ طبیعی سے محروم کیا گیا۔ وہ فطرتاً بدطینت اور بدسرشت قرار دیا گیا۔ نیت دعا میں سعی و جہد ایک لاحاصل چیز ٹھیری۔ وہ موروثی گنہ گار بنگیا حضرت آدمؑ کے ارتکاب گناہ میں حضرت حواؑ نے اعانت کی تھی۔ اسلیئے عیسائی دنیا میں عورتیں نہایت ہی ذلیل و بے وقار سمجھی گئیں۔ یہ عام خیال تہا کہ ان میں روح نہیں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ۵۸۶ء کی کونسل میں وہ پہلا موقعہ ہے جسمیں کثرت رائے سے یہ قرار پایا کہ ان میں روح ہے ورنہ اس سے پہلے وہ بیچاری روح سے بھی محروم تھی۔ نجات کی صرف ایک صورت تھی "بپتسمہ" سوائے اسکے انسان کبھی نجات حاصل نہیں کر سکتا تہا۔

ہندوؤں میں عقیدہ تناسخ نے بھی انسانیت اور وحدت انسان پر مضر اثر کیا۔ کرم جنم سے مقدم تہا۔ کوئی پیدائشی برہمن تہا۔ اور کوئی پیدائشی شودر۔ برہمنوں اور شودروں کے گھر میں پیدا ہونا پہلے جنم کے اعمال و کردار پر موقوف تھا۔ عفو و رحم کی صفات خدا میں تسلیم نہ کی گئیں۔ اور خدائے قادر مقتدر کو رحمانیت اور رحیمیت سے معاذ اللہ محروم کر دیا گیا۔ انکی قادریت اور مالکیت کی نفی کی۔ اور روح اور مادہ کی قدامت تسلیم کرنے سے اسے وحدہٗ لاشریک نہ رہنے دیا۔

ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس عقیدہ کی بہت لوگ ایران میں موجود تھے۔ جنکا اثر کم و بیش عراق و عجم تک پھیلا ہوا تہا۔ یہ "دور مشرکانہ" کی اجمالی تاریخ نامکمل رہے گی۔ اگر ہم اس فلسفیانہ مسئلہ کا ذکر نہ کریں جسکا نام ہندو فلاسفی میں "ادویت" ہے۔

قارئین کرام نے اس بات پر غور کیا ہوگا کہ دور مشرکانہ کی ابتدا اشیاء پرستی (فٹیش ازم) سے ہوئی۔ اس حالت میں انسان کنکروں، پتھروں، پہاڑوں، دریاؤں اور دیگر اشیاء کی پرستش کرتا تہا۔ جب اس سے آگے بڑھا تو "عناصر پرستی" اختیار کی۔ اس حالت میں اس نے آگ، پانی، ہوا اور مٹی کی پرستش شروع کی۔ ان عناصر کو اسنے دیوتا اور قاضی الحاجات سمجھا۔

جب اس حالت سے ترقی کی اور نجوم میں کسی حد تک دستگاہ حاصل کی تو اس حالت میں "ستارہ پرستی" کی نوبت آئی۔ سورج، چاند، زہرہ، مشتری اور ان کے اسماء پر مندر بنائے۔ مختصر یہ کہ جب مختلف اقوام کو اپنے مختلف معبودوں کے ہر وقت اپنے پیش نظر رکھنے اور ان کی پوجا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو سنگ تراشی کی صنعت نے ترقی پا کر بت بنائے۔ اور پھر ان بتوں کی پرستش دنیا میں عالمگیر ہوگئی۔

"بت پرستی" پر مصوری نے نہایت دلکش اور نفیس حاشیے چڑھائے جیسے نظائر ہندوستان، یونان، بابل، نینوا، اور بالآخر اطالیہ میں بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔

اسلام کی فیاضانہ اور عالمگیر تعلیم ہمیں سکھاتی ہے کہ اہل دور مشرکانہ میں

بعواتے "لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" اور "وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ" وقتاً فوقتاً انبیاء کرام مختص العوم، مختص المقام یا مختص الامر شریعتیں لیکر آئے اور اپنے ممالک یا حلقۂ اثر میں توحید کا وعظ کہا اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عظمت وجبروت کو قایم کرنا چاہا۔ مگر دنیا راہِ راست پر نہ آئی۔ اگر کچھ اثر ہوا بھی تو بمرورِ زمانہ زایل ہوگیا۔

جہاں یہ جماعت انبیاء توحید کی طرف توجہ دلاتی تھی وہاں مختلف قوموں اور مختلف ملکوں میں حکما اور فلاسفر بھی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنی اپنی میلانات ورجحانات کی وجہ سے دلایل فلسفیانہ سے شرک کو مٹانا چاہا۔

ہندوؤں کا فلسفہ ویدک زمانہ سے ہی "ادویت" کے رنگ میں رنگین ہوگیا اور حکما کی فلسفیانہ تعلیم میں "ایکو برہم دیتیا ناستی" کے نعرے بلند ہونے یعنی کائنات میں ایک ہی خدا دائر وسائر ہے۔ دوسرا کوئی نہیں۔ ہمارا وجود اور نیز دیگر اشیاء کا وجود محض "مایا" ہے۔ یہ صرف دہوکا ہے حقیقت میں ہر ایک جگہ اور ہر ایک چیز میں خدا ہے۔ بلکہ ہر ایک چیز خدا ہے۔

اسی "ادویت" کو فارسی میں "ہمہ اوست" اور عربی زبان کی تجی اصطلاح میں "وحدت الوجود" کہتے ہیں۔ خاص عربی میں اس کیفیت کے اظہار کے لیے کوئی ایک لفظ موجود نہیں۔

یاد رہے کہ یہ فلسفیانہ تخیل کسی شخص یا اشخاص یا کسی قوم یا اقوام کے متعلق ان کے اپنے اپنے رجحان ومیلان کی وجہ سے مختلف اثرات پیدا کرتا ہے اور انہیں اثرات کے زیر اثر دیکھا جائے گا کہ کہاں تک کوئی قوم یا اقوام یا کوئی شخص یا اشخاص معقولات کو مادیات سے اور طبیعیات کو الہیات سے جدا اور علیحدہ رکھ سکتی ہے۔

خدا کی غیر محدودیت کا مفہوم ان کے لیے یہ امر مشکل بنا دیتا ہے۔ کہ وہ عبد اور معبود یا خالق ومخلوق میں کوئی تمیز کر سکیں۔ وہ اپنے آپ اور خدا میں کوئی فرق نہیں کر سکتے۔ آخر کار وہ خدا اور اشکال کائنات کو ایک واحد وجود سمجھتے ہیں۔

یہ سلسلۂ خیالات انہیں رفتہ رفتہ اس منزل پر لیجاتا ہے جو "بھگوت گیتا" میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ عبد ومعبود اور خالق ومخلوق ایک ہی ہیں۔ اور ان میں باہمی کوئی تمیز نہیں۔ اسطرح پر ہم دیکھتے ہیں کہ حکما اور فلاسفر جن کی سعی شرک کو مٹانے کی تھی۔ کیسے عجیب وغریب طرز سے اپنے انتہائی اظہار میں "اشیاء پرستی" یعنی فیٹش ازم) میں پھنس گئے۔

یہ وہ اشیاء پرستی تھی۔ جو خدا کی ہستی ماننے سے پہلے سوسائٹی کی ابتدائی اور غیر مہذب حالت میں موجود تھی۔ جسکو ہم اب عقلی دنیا میں "وحدت وجود" یا "ہمہ اوست" کی شکل میں محیط عالم دیکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ دور مشرکانہ کی فلسفیانہ خصوصیت ہے۔ جسے ہم کسی فرصت کے وقت شرح وبسط سے بیان کرینگے۔

"اشیاء پرستی" میں خوف کی وجہ سے اشیا کی پرستش جاری ہوتی ہے اور بتدریج ترقی کرتے ہوئے بت پرستی تک پہنچتی ہے۔ مگر اس عقیدہ یا مسئلہ کی رو سے معاذ اللہ ہر ایک چیز خدا بن جاتی ہے۔ پھر کہاں عبد اور کہاں معبود۔ کہاں خالق اور کہاں مخلوق۔ کون حاکم اور کون محکوم کہاں ضابطہ اور کہاں پابندی۔ ہر ایک بات کی اجازت عام ہے۔

ساتویں صدی عیسوی سے پہلے اس عقیدہ کے ہندو لوگ مشرق فارس کے صوبجات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اور مانی زرتشتی بھی توران سے بھاگ کر ایران میں آگئے تھے۔ ناسٹک فرقہ کے عیسائی یعنی وہ فرقہ عیسائیوں کا جنہوں نے مسیحیت میں افلاطون کا اشراق اور مختلف مشرقی خیالات داخل کر دئے تھے۔ یہاں مقیم ہو چکے تھے۔ ہندو وشنو اور کرشن جی مہاراج کو اوتار سمجھتے تھے۔ اور کرشن اور گوپیوں کے تعلقات سے واقف اور کرشن کا آسمان سے آنا۔ اُن کے عقیدہ میں داخل تھا۔

گویا ایران مختلف النسل اور متضاد عقیدہ لوگوں کا مسکن بنا ہوا تھا۔

فتوحات اسلام کے بعد جب ایرانی مسلمان ہوئے۔ تو یہ مختلف نسل کے لوگ اپنے اپنے میلانات اور رجحانات ساتھ لائے۔ اور اسلام کی تعلیم میں مختلف رنگ آمیزیاں ہوئیں۔ جسکا ذکر کبھی پھر کرینگے۔

یہاں صرف اس قدر کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس عقیدہ کی وجہ سے اکثر حصہ دنیا میں خداوند کریم کی "قہاریت" متزلزل ہوگئی تھی۔ لوگ بھول گئے تھے۔ کہ وہ ذاتِ واحد جو بدیع السموات والارض، خالق السموات والارض، مدبر السموات والارض، ہے۔ اپنے بندوں پر قاہر اور ضابطہ ہے "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ"، کو کوئی نہ جانتا تھا "خالق کل شیئ وھو الواحد القہار"، طاقِ نسیان پر رکھا ہوا تھا۔ اس عقیدہ کی وجہ سے انسان کی شخصیت اور خدا کی قدوسیت اور جلال بھلا دیا گیا تھا کہ غیرت حقہ جوش میں آکر "فادخلی فی عبادی" کا اعلان کرتی ہے، اور "فادخلی فی ذاتی"، کا امتناع۔ وصلے اللہ علی نورہٖ کز وشد نورہا پیدا ✦

(باقی دارد)

(الف دین)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق و الاعمال

تہذیب النفس — تدبیر منزل — سیاست مدن

ظنوا المومنین خیرا

دنیا کے اکثر انسانی فسادات اور نکتہ چینیوں کا موجب بدظنی ہی ہے جب کسی کنبہ یا گھر میں سوء ظنی گھر کر جاتی ہے تو وہ کنبہ اور گھر ایک آفت اور وبال میں جا پڑتا ہے۔ اگرچہ بظاہر کوئی صورت مناقشت اور معاندت کی دکھائی نہیں دیتی۔ مگر ظنون فاسدہ کی بدولت تخیلات اور افعال میں ایک قسم کی بدی اور نحوست پیدا ہوتی جاتی ہے اور اوسکے ساتھ ہی منافقت کا زور بھی ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ بہت سے ظن ایسے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کو برو بُرے کہنے سے پرہیز کرتا ہے۔ اور اوس کا دوسرے رنگ میں یہ نتیجہ یا یہ اثر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر ایک دوسرے کی نسبت برے خیالات اور معاندانہ قیاسات کی نوبت آتی جاتی ہے۔ منافقت کا شروع ہی بہت کچھ ظنون فاسدہ سے ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں جہاں اور بہت سی کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ وہاں بدظنی بھی بہت کچھ پائی جاتی ہے اگر مسلمان یہ سوچتے کہ اسلام نے انکو مومنوں کے ساتھ نیک گمان رکھنے کی تاکید کی ہے۔ تو شاید یہ نحوست انکو نہ دیکھنی پڑتی۔ دوسرے الفاظ میں اگر مسلمانوں میں ایمانی اعتبار ایک دوسرے پر ہوتا تو یہ ذلت نصیب نہ ہوتی۔ جن اقوام میں قومی اور شخصی اعتبار نہیں رہے یا کم درجہ میں ہے۔ وہ قوم یا وہ شخصیت پایہ اعتبار سے گر چکی ہے۔

شریعت میں آیا ہے کہ اگر تمہیں کوئی آکر السلام علیکم کہے تو تم سمجھ لو کہ وہ مسلمان ہے۔ اس طریق عمل میں ظن نیک کی حدیں قریباً ختم ہو جاتی ہیں کس قدر عمدگی اور کس قدر وسعت سے یہ کہا گیا ہے کہ السلام علیکم کہنے والے کو بھی مسلمان سمجھو یعنی اوس پر بدظنی نہ کرو۔

اسکے مقابلہ میں دیکھو اسوقت ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی نسبت جو کچھ خیال کرتا ہے۔ اوس کا اندازہ کیا ہے ایک کلمہ پڑھتا ہے دوسرا اسے مرتد یا کافر کہتا ہے۔ ایک اعتبار کرتا ہے اور دوسرا اسکے اعتبار پر اعتبار نہیں کرتا۔

پرانا قصہ ہے کہ دہلی میں ایک بزرگ قوم سے کسی نے آکر کہا کہ دریا کا پل ٹوٹ گیا ہے۔ اب سمر دو استہ سے توجانا مشکل ہے۔ بہتر ہے کہ دوسرے پل کا سامان لاکر اس دریا پر رکھ دیا جاوے۔ تاکہ گزر سکیں لیکن اس کے واسطے دس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ بزرگ ملت نے دس ہزار روپیہ مہیا کر دیا۔ اوسوقت کے حاکم یا بادشاہ نے یہ قصہ سن کر بزرگ ملت کو بلایا اور پوچھا۔ یہ کیا بات ہے۔ کہ آپ نے ایسی خلاف قیاس کہانی پر اعتبار کرکے دھوکا کھایا۔

بزرگ قوم نے فرمایا:-

مسلمان کو مسلمان پر اعتبار کرنا چاہیئے۔ اگر میں یہ نہ کرتا تو ظنوا المومنین خیرا کی حدود سے نکل جاتا۔ ممکن ہے کہ یہ کہانی صحیح نہ ہو۔ یا اسمیں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس سے یہ تو ثابت ہو سکتا ہے کہ ظن خیر کی تاکید اور ضرورت کہاں تک ہے۔ اور اسوقت مسلمان اوس سے کس قدر بیگانہ اور دور ہیں۔ ع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

خفا ہونے کی بات نہیں۔ رنجش کی ضرورت نہیں مسلمانوں میں اسوقت قحط اعتبار اور نیک ظنی کی بے حد کمی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ باوجود اس کمی کے مسلمان مطمئن ہیں اور یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ کہ انکی اندرونی و بیرونی ساکھ بہت کچھ وزن اور وقعت رکھتی ہے۔ ہذا اصل۔

اِس قدر دوسری قومیں یا اغیار نقصان نہیں پہونچاتے۔ جس قدر خود مسلمان ایک مسلمان کو پہنچانے کے درپے رہتا ہے۔ خلوص اور اعتبار کے فقدان سے یہہ احساس ہی جاتا رہا کہ پردہ پوشی بھی کوئی شے ہے یا اسکی بھی کوئی ضرورت ہے ایک مسلمان کی شکایت دوسرا مسلمان جس شوق سے سنتا ہے اسکی نظیر اسوقت دوسری قوم میں مشکل سے ملتی ہے۔ شاید میری سمجھ کا پھیر۔ اور میرے بیان میں مبالغہ ہو۔ سوچنے والے مسلمان خود غور کرسکتے ہیں کہ اس کی بدولت ہم میں قوم فروشی۔ یا مذہب فروشی کا نرخ کس قدر ارزاں ہوتا جاتا ہے۔ بعض وقت اسے ایک کشادہ دلی سمجھا جاتا ہے۔ کہ اپنے بھائی کی برائی کا اعلان کیا جاوے حالانکہ ہم اخلاقی پہلو سے اوسکی پردہ پوشی بھی کرسکتے ہیں۔

تھوڑے سے جگہ پر بھی ہم اپنی قوم کے نوشتہ میں وہ برائیاں لگا سکتے ہیں جن کا اون میں نام بھی نہیں۔ یا بہت ہی کم ہیں۔ ایک مسلمان اگرچہ کیسی نیک طینت اور نیک روش ہو۔ ہماری تھوڑی سی رنجیدگی اوسکے تمام افعال کے معیوب ثابت کرنے کے واسطے ایک فوری ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ اغیار ہم پر اپنی شرافت اور انسانیت کے طفیل رحم کریں لیکن ہم اندرونی پہلو سے ایکدوسرے پر وار کرنے سے حتے الامکان چوکتے نہیں ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی شکایت سننا یا شکایت کرنا ایک معمولی بات ہے۔ ؏

از ماست کہ بر ماست

جس قدر اسلام ہمیں ایسی باتوں سے روکتا ہے۔ اوسی قدر ہم اوس طرف جاتے ہیں۔

ایک انگریز سے کسی دیسی نے کسی دوسرے انگریز کی شکایت کی۔ صاحب بہادر نے پہلے تو حیرانگی سے شکایت سُنی۔ اور پھر بعد از تامل وتحمل کہا۔ کیا دیسی لوگوں کو اب یہ یقین ہوگیا ہے کہ ایک انگریز اپنے دوسرے انگریز بھائی کی شکایت سُن لیتا ہے؟ مسلمانوں غور کرو یہ ایک اوس شریف انسان کا قول ہے۔ جسے تم اپنے مذہبی لغط خیال سے اسلامی حدود کے باہر خیال کرتے ہو۔ کیا یہ بات اوسکو اون تعلیمات کے قرین نہیں لیجاتی۔ جو ایک مومن کا پیرایہ ہیں شاید میرے اس فقرے سے بعض لوگ حدود ایمان کی وسعت دیکھکر کڑہیں گے۔ لیکن مجھے سچ کہنا چاہیئے کہ ؎

ایمان عمل صالح کا نام ہے۔

اگر ایک غیر مسلم اسلامی تعلیمات کا پیرو ہے تو وہ اگرچہ مسلمان تو نہیں لیکن اون صفات کے قریب ہے۔ جو مسلمانوں کا زیور اور خاصہ ہیں۔ اگر انگلستان میں کسی انگلش کو یہ کہا جاوے کہ ۔

فلاں دوکاندار نے تمہیں سودا دینے میں دہوکا دیا ہے۔ تو وہ ایک گہری دم بھر سے یہ بات سُنکر خوش نہیں ہوگا۔ اور جواب میں کہے گا کہ مجھے اپنے قومی بھائی پر اس قدر بے اعتباری نہیں ہے۔ اس اعتباری ہی کی وجہ سے انگلش قوم وفادار زندگی بسر کرتی ہے۔ ایک کم سے کم درجہ کا انگریز بھی اپنی قوم کے ساتھ غدار نہیں ہوگا۔ جیسے ایک وزیر حکومت قوم اور اغراض قوم کا وفادار ہے۔ ایسے ہی ایک دیہاتی بھی ہے یہ کس بات کا نتیجہ ہے۔ اسکا کہ یہ شخص اپنی قوم کی بابت نیک ظنی رکھتا ہے۔

کیا اب بھی ظنوا المومنین خیرا کی برکات کے وجود سے انکار کیا جاسکتا ہے اعمال صالحہ کے مفہوم کو بعض لوگوں نے محدود کرنے کی کوشش کی ہے نماز روزہ فرائض اسلامی میں سے ممتاز فریضہ ہیں لیکن اون کے مقابلہ میں خلوص اتفاق اور نیک ظنی وغیرہ بھی فرائض اسلام میں داخل ہیں۔ اگر ایک نمازی اور روزہ دار کا ظن ہمیشہ برائی ہی کا پہلو لیتا ہے۔ تو میری رائے میں وہ باوجود نمازی اور روزہ دار ہونے کے اوس عاصی سے کچھ تھوڑا ہی فاصلہ رکھتا ہی جو باوجود عاصی ہونے کے مسلمانوں کے ساتھ خلوص اور محبت سے پیش آتا ہے۔ اور جو اپنے ہمسایوں کے حق میں ہمیشہ نیک ظنی رکھتا ہے۔

تیرہ سو سال پیچھے ہٹ کر دیکھو عمل اوس ذات پاک کا جو اسلام لانے والی ہے کہ اوس کا حسن ظن کس درجہ اور کس پایہ کا تہا۔ رسُول مقبول کے افعال عالیہ اور روایات صادقہ سے ثابت ہے کہ اون کا حسن ظن اوس درجہ تک اعلےٰ اور ارفع تہا کہ کسی دوسرے نبی اور بزرگ ملت میں اوس کی نظیر نہیں ملتی۔

ایکمرتبہ ایک مسلمان کا جنازہ صرف چار مزدور اٹھائے لاتے تھے۔ آن حضرت نے یہ دیکھکر تعجب سے پوچھا۔ کہ کیوں ایک اسلامی جنازہ اسطرح لایا گیا ہے۔ کسی نے عرض کیا۔ کہ یہ شخص صادق مسلمان نہ تھا۔ آپ جنازہ کے قریب تشریف لے گئے۔ اور گرد کے لوگوں سے پوچھا کہ اس متوفی نے اپنی زندگی میں کیا کیا کام کئے تھے۔ ایک شخص نے حاضرین میں سے کہا۔ کہ ایک مرتبہ یہ شخص جنگ میں ساری رات مسلمان لشکر کا پہرہ دیتا رہا۔ آنحضرت نے فرمایا اس سے زیادہ اسلامی خدمت اور کیا ہوسکتی ہے۔ ہم اس کا جنازہ پڑہتے ہیں۔

اللہ اکبر کس شان اور کس وسعت کا حسن ظن اور عطوفت تھی۔ اور کس شان کی بردباری اور استقلال۔ یہ بات تھی جو آنحضرت کی ذات ستودہ صفات سے مخصوص ہے۔ اور یہی شفقت ہے۔ جس کی وجہ سے آنحضرت کیساتھ

اور ملت کے ہر ایک فرد کو اس قدر محبت اور انسیت ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کی نسبت ظن نیک رکھنے کے عادی ہوں۔ اور ہمارے خیالات اکثر حصہ محمول بر نیکی ہو۔ اور ہمیں صاد کاد نکتہ چینیوں کی عادت ہو تو مسلمانوں کی ذلت اور نحوست آدھی رہ جائے۔ ہماری بہت سی ذلتوں اور خواریوں کا موجب باہمی بے اعتباری اور بدظنیاں ہیں۔ ہماری اندرونی بدظنیاں ہی ہمیں دن بدن کھائے جاتی ہیں۔ عبادتی۔ معادی اور معاشرتی رنگ میں بدظنیوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ وہ اخوت جس کا ہمیں کسی وقت فخر تھا اور جو ہمارا طرۂ زیبا تھا بدظنیوں کے دھندلے بادلوں میں گھر کر سرنگوں ہو چکا ہے۔ اب ہم میں معاشرت اور بدظنیوں کا ہر پہلو سے زور ہے۔ ہم اسکی بدولت گو کہ درماندہ اور خستہ ہو چکے ہیں لیکن یہ بری عادت ہم سے چھوٹتی نہیں۔ مذہبی رنگ میں بھی بدظنیوں اور نمایش شکوک کا وہ دور دورہ ہے کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں۔ معاملاتی رنگ میں بجائے مصالحت اور یکجہتی کے معاندات اور جداتی کا زور ہے۔ خیالات کا اختلاف ہر قوم اور ہر نسل میں ہوتا ہے۔ لیکن یہاں کچھ اور ہی رنگ اور صورت ہے شکایت سننے اور کرنے کے واسطے ہمیشہ ہم آزاد ہیں۔ ہمارا حوصلہ نہیں ہوتا کہ کسی غیر قوم کے فرد کی اوسکی اپنی قوم کے پاس شکایت کریں۔ اور نہ کوئی سنتا ہے لیکن ایک مسلمان کی شکایت اور خوفناک نکتہ چینی کے واسطے ہم اپنی ہی حدود میں بہت کچھ موقعہ رکھتے ہیں۔ اور ہمیں اسپر فخر ہوتا ہے کہ ہم اپنے ہی دانتوں سے اپنا گوشت کاٹتے اور اپنے ہی منہ سے اپنا خون پیتے ہیں۔ یہ ذلت کسی اور قوم میں نہیں پائی جاتی۔ اور اگر پائی جاتی ہے تو ہم سے کم یا کسی اور رنگ میں۔ کیا ظنوا المومنین خیراً ،، کا یہی مصداق ہے۔ اور کیا اس کا اثر یہی ہو سکتا ہے۔ جن باتوں سے قرآن اور رسول ہمیں منع کرتا ہے وہی باتیں بدقسمتی سے اسوقت ہماری معمول ہیں۔ کاش ہم سوچتے اور دیکھتے کہ ہمارے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ اور لوگ کس خوش سلوبی سے ظن نیک سے کام لے رہے ہیں۔ ہر قوم کا اعتبار اوسی کی زندگی ہے۔ اور ہر قوم کے اعتبار کی بنیاد حسن ظن ہوتا ہے۔ بدظنی ایک آفت ہے۔ اور حسن ظن ایک رحمت *

(سلطان احمدؐ)

ہمدردیٔ مخلوق

صحیح بخاری کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے

غفر لامرأۃ مومسۃ مرت	ایک فاحشہ عورت صرف اسوجہ سے بخشی
بکلب علی راس رکی یلہث قال	گئی کہ اس نے ایک کنوئیں کے دہانہ پر
کاد یقتلہ العطش فنزعت	ایک کتا دیکھا جو ہانپ رہا تھا مارے
خفہا فاوثقتہ بخمارہا فنزعت	پیاس کے مرنے کو تھا اس عورت نے
لہ من الماء فغفر لہا بذلک	اپنا موزہ اتارا اسکو دوپٹہ میں باندھکر

کنوئیں میں سے پانی نکالا۔ کتے کو پلایا اللہ نے اسکو اس نیکی کے بدلے بخش دیا،،

اس حدیث شریف کا مفاد یہ ہے کہ ضعیف و درماندہ اور بیکس آفت زدہ مخلوق پر رحم کرنا اجر عظیم ہے اور اس کی جان بچانے سے ایک بدکار عورت کو مغفرت الٰہی نصیب ہوئی تو جو شخص کسی اشرف المخلوقات انسان سے نیک سلوک کریگا اسکی نیکی اکارت نہیں جائے گی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ؕ و

للہ در من قال ؎

کسے با کسے نیکوئی گم نہ کرد　　کجا گم کند خیر با نیک مرد

بلاشبہ حق سبحانہ تعالیٰ غفور رحیم اور نکتہ نواز و کریم ہے۔ یہ آپ کی کریمی و نکتہ نوازی کے کرشمے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو کام خلوص سے کیا جاتا ہے وہی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوتا ہے۔ یہ عورت گو فاجرہ و فاسقہ اور مومسہ و فاحشہ تھی۔ مگر یہ کام یعنی کتے پر رحم کرنا اور اسکو پانی پلانا اس نے خالصاً للہ کیا تھا۔ اور اسکا عمل شائبۂ ریا سے ملوث نہ تھا۔ اسلیے وہ عمل مقبول ہو گیا۔ اسکے نہ صرف صغائر بلکہ کبائر تک بھی معاف ہو گئے ؎

یارب تو کریمی و رسولؐ تو کریم　　صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

الٰہی بخشدے میرے گناہ بیحد کو　　سنا ہے تجھکو غفور الرحیم کہتے ہیں

کہیں کہیں نہ مرد و دیکھکر مجھے ناشاد　　یہ ان کے بندے ہیں جنکو کریم کہتے ہیں

منقول ہے کہ ایک بزرگ کو ان کے مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا تمہارا کیا حال ہوا ؟ انہوں نے کہا کہ جب میں پروردگار کے سامنے حاضر ہوا۔ تو ارشاد ہوا کہ تو کون سی نیکی ہماری بارگاہ میں لایا ہے ؟ میں نے عرض کیا پروردگار میں نے ستر حج پاپیادہ کئے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے تو ایک بھی قبول نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا پروردگار ! میں نے ستر جہاد کئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں نے تو ایک

بھی قبول نہیں کیا۔ جب تو میں گھبرا یا کہ اب کیا کروں۔ اب دوزخ میں بھیجا جاؤنگا لیکن صدقے اسکی کریمی اور رحیمی کے اسنے خود ہی ارشاد فرمایا کہ البتہ تیرا ایک نیکی ہے جو ہمنے قبول فرمائی ہے۔ تو ایک دن کہیں جا رہا تھا۔ تونے ایکنا شائستہ سے ہٹا دیا تھا اس خیال سے کہ کسی بندۂ خدا کو صدمہ نہ پہونچے۔ یہ کام تونے خالص ہماری رضامندی کے لیے کیا تھا ہم اسکے عوض میں تجھے بخشدیتے ہیں۔

غرضکہ جملہ اعمال وافعال منجر بشفقت علی خلق اللہ ہوں جو باعث اجر عظیم ہیں بشرطیکہ ریاکی نیت نہو بلکہ محض خداکی رضاجوئی مدنظر ہو۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (پ ۲ سورۃ البقرۃ ع ۲۵) اور لوگوں میں سے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضاجوئی کے لیے اپنی جان تک بھی دیدیتے ہیں۔ اور اللہ بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔

(نور الدین)

نفع رسانی

چونکہ انسان قدرتی طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ اسلیئے وہ اپنے ہم جنس کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ اور یہی اس کی دلبستگی کا باعث ہو سکتا ہے۔ مگر اسکے ساتھ تکلیفیں بھی بہت ہوتی ہیں جنکے باعث انسان ایکدوسرے کو نقصان پہونچاتا اور قتل وخون کرتا ہے۔ چونکہ یہ امر نہایت اہتم بالشان تھا۔ اسلیئے ہر مذہب کے سربرآوردہ لوگوں نے باہم برتاؤ کرنے کے اصول مقرر کئے تاکہ عالم کا انتظام درست رہے۔ ان تمام مذاہب میں سے اسلام نے جو اصول طرز تمدن کے بیان کئے ہیں وہ سب ارفع و اعلےٰ ہیں۔ جس کو شک ہو وہ مشاہدہ کرکے دیکھ لے۔ اسلام کا بہت بڑا اصول جسکے اہتمام سے دنیا و آخرۃ کے بکثرت فائدے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مخلوق کو فائدہ پہونچایا جائے۔ اور کوشش کیجائے کہ اپنے سے لوگوں کو آرام پہونچے۔ مگر اس کے ساتھ میں نیت یہ ہونی چاہیئے کہ محض یہ کام خدا کے لیئے ہو۔ ہم جو نفع رسانی کی کوشش کریں۔ اسلیئے ہو کہ جسکو ہم نفع پہونچاتے ہیں اس سے ہم کو فائدہ پہونچیگا۔ کیونکہ اس خیال سے ہمکو گوناگوں مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور باربار اسکا خیال آئے گا۔ کہ دیکھو جی تمنے تو اسکے ساتھ ایسا برتاؤ کیا۔ اور اسنے ہمارے ساتھ اسکے خلاف برتاؤ کیا۔ پس دل میں کدورت پیدا ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمنی ہوکر طرح طرح کے نقصان طرفین کو اٹھانے پڑینگے۔ اگر پہلے ہی سے ہمارے دل میں یہ خیال مستحکم ہوجاتا کہ ہم جس کسی کے نفع رسانی کی کوشش کریں گے۔ اس کے بدلے کی خواہش نکرینگے۔ تو کیوں ہم خود تکلیف اٹھاتے۔ اور کیوں اس قضیے کو طول ہوتا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ یعنے اے مسلمانو! تم اپنی نیکیوں کو احسان جتانے اور لوگوں کو تکلیف دینے سے خراب مت کرو۔ سبحان اللہ کیا جامع نصیحت ہے۔ اگر اسپر کاربند ہوں تو کس خوبی و عافیت سے زندگی بسر ہو۔

مگر افسوس یہ ہے کہ دنیا سے یہ باتیں اٹھی جاتی ہیں۔ اور دنیا میں فسادبرپا ہوتے جاتے ہیں۔ اسوۂ حسنہ کے اجرا کی غرض یہی ہے کہ مسلمانوں کے بلکہ اہل ملک کے اخلاق درست ہوں۔ یہ جبھی درست ہو سکتے ہیں کہ ملک میں ایکدوسرے کیساتھ نفع رسانی کا خیال مستحکم ہو جائے۔ افسوس یہ ہے کہ پالیسی کا زہریلا اثر ہماری رگوں کے اندر سرایت کرتا چلا جاتا ہے۔ ہم جنکے ساتھ جیسا کچھ برتاؤ کرتے ہیں۔ اسکی غرض اپنی مطلب برآری ہوتی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اسیوجہ سے ہم پر طرح طرح کے مصائب پڑتے رہتے ہیں۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ خصلتان لا شئ افضل منهما الايمان بالله والنفع للمسلمين وخصلتان لا شئ اخبث منهما الشرك بالله والضر للمسلمين۔ یعنے دو عادتیں ایسی ہیں کہ ان سے بڑھکر کوئی اچھی عادت نہیں ہوسکتی۔ (۱) خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانا۔ اور دل سے یقین رکھنا کہ میرا پیدا کرنے والا۔ اور مجکو رزق دینے والا اور مجکو نفع نقصان پہونچانے والا۔ اور مصیبت میں میرے کام آنے والا وہ ایک خدا ہے جو میرے ظاہری اور باطنی خیالات سے پورے طور سے واقف ہے۔ اور مجکو ہر وقت دیکھتا ہے۔ میری باتیں سنتا ہے۔ ایسا پختہ یقین رکھنا یہ نہو کہ زبان سے کہتے پھریں اور دل سے یقین نہ کریں۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ جب اس بات پر یقین ہو جائیگا تو وہ شخص مخلوق کے نفع رسانی کے لیے وقف ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے گی۔ کہ میں جو مخلوق کی خدمت کرتا ہوں وہ اسوجہ سے کرتا ہوں کہ یہ مخلوق میرے معبود میرے رب کی پیدا کی ہوئی ہے۔ پس اس خصلت سے بڑھکر کوئی خصلت نہیں ہوسکتی۔ دوسری خصلت خدا کے برگزیدہ اور اسکے فرمانبردار بندوں کو نفع پہونچانا ہے اس سے بڑھکر

بلکہ آپ کو بھی عادت ہو گئی تھی کہ ایسے لوگوں کی خدمت کرتا اور یا تمام تکلیف
پہنچنے کا خیال رکھنا چنانچہ بہت سے صوفیائے کرام کا مسلک ہے کہ وہ تکلیف
لوگوں کا کھانا مخلوق کی خدمت کرتے ہیں۔ اس غرض سے کہ ان کے کھانا کھلانے
[illegible] یہاں زیادہ ہونگی۔ وہ جو کام کرینگے خدا کی رضا مندی
ہی کے کرینگے۔ اسلئے حضور کا یہ ارشاد سراسر تمام فضائل سے بھرا ہوا
ہے۔ کاش کہ ہم لوگ پورے طور پر اس پر کاربند ہو جائیں۔ اور رسول کی
اس سنت کے عامل ہو جائیں۔ تو ساری ہماری نکبتیں دور ہو جائیں
دوسرا قول کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان سے کوئی خصلت بری اور بدتر نہیں
ہے ایک یہ ہے کہ خدا کے ساتھ شریک کرنا دوسرے خدا کے نیک بندوں کو
تکلیف پہونچانا نعوذ باللہ خدا کا شریک کرنا کس قدر ظلم ہے جس ایک ذات
نے جو حقیقی مالک اور حقیقی ضار و نافع ہے۔ اسکو چھوڑ کر اسکی ہی پیدا کی
ہوئی چیزوں سے ہم مدد مانگیں۔ اور انکو نافع و ضار سمجھیں اس سے بڑھ کر
اور کونسا ظلم ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے جناب باری نے ارشاد فرمایا ہے
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ بقول شخصے ؎

[illegible] ہو اور ہم سے وفا چاہتے ہو — خود ہی سوچو کہ یہ کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو

یہ ایسا عظیم الشان امر ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ پوچھو تو شرک کے بیخ
نابود کرنیکے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ کیونکہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو
خدا کا شریک کرتے تھے۔ اور یہود حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا شریک
بتاتے تھے۔ اور عرب میں عموماً بت پرستی ہی جاری تھی۔ ان کے یہاں تو
گھر گھر میں ایک خدا بنا ہوا تھا۔ اسکا باعث ہوائے نفسانی اور ترفع
نفس اور نفس پروری ہی تھی۔ غرض حضور جب ہزاروں ہزار جلال و جبروت
کے ساتھ تشریف لائے۔ سب سے مقدم کام آپ نے یہ کیا کہ توحید کا وعظ فرمایا
اور خدا کی مخلوق کو اسکے خالق کی طرف رجوع کرانا چاہا جن میں خدا نے
عقل و سمجھ کا مادہ رکھا تھا۔ انہوں نے حضور کی تعلیم کو سنا۔ اور غور
کیا۔ اور اس کا اتباع کرنے لگے۔ اور جنہوں نے نہ سنا وہ خدا کے قہر میں
مبتلا رہے۔

پس ظاہر ہے کہ جس طرح تمام خوبیوں کی جڑ خدا کی توحید ہے اسی طرح
تمام برائیوں کی جڑ خدا کا شریک بنانا ہے۔ ایسے ہی ایمان لانے کے
لیے اور خدا پر یقین کامل ہونے کے لیے مخلوق کی نفع رسانی اور خصوصاً ان
لوگوں کی جو خدا کے فرمانبردار بندے ہیں۔ خدا کے قائل ہونے کی بین دلیل
ہے۔ اسلئے حضور نے ایمان کے ساتھ اس خصلت کو بھی بیان
فرمایا ہے ایسے ہی شرک کیساتھ مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کی عادت
کا بیان فرمایا ہے یعنی اسکا نتیجہ جو شخص خدا کا قائل نہ ہوگا۔ وہ خدا کے نوازے ہوئے
بندوں کی صورت سے نفرت کرے گا۔ اور انکو حتی الوسع تکلیف پہونچائیگا
جسکا نتیجہ ظاہر ہے کہ انسانی دنیا میں ہر وقت فساد برپا ہوتے رہینگے۔
اور کوئی شخص آرام و چین سے زندگی بسر نہیں کر سکیگا۔ اسلیے انسان
اگر یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں آسایش سے بسر کرے تو وہ نفع رسانی
کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو۔ اور اسپر کاربند ہونیکے بعد خدا کا شکر ادا کرتا
رہے بقول شیخ سعدیؒ ؎

شکر خدائی کن کہ موفق شدی بخیر — زانعام و فضل او نہ معطل گذاشتت

اگر ہم مسلمان نفع رسانی کی عادت اختیار کرلیں گے تو تمام دنیا کے لوگ
ہم کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اور خداوندی دربار میں تو اس قدر
عزت ہوگی کہ نبیوں کی برابر ہم کو جگہ دیجائے گی۔ مگر افسوس آجکل تو
ہماری یہ حالت ہو رہی ہے کہ ہر وقت باہم ایکدوسرے کی تکلیف دینے
اور تنقیص کرنے کیلیے تیار بیٹھے رہتے ہیں۔ جہاں تک ہو سکتا ہے۔
دوسرے کام کی اجرت لیتے ہیں۔ اور بیٹھ بیٹھ کر فخریہ کہتے ہیں کہ ہمنے
فلاں شخص سے اس قدر روپیہ وصول کیا۔ اور جب اوس سے کام بچ جاتا
ہے تو بھیگی بلی کیطرح ملکر ایک مطلب نکالتے ہیں۔

یہ نہایت شرمناک اور غیرتناک برتاؤ ہے اور بالکل اسلام کے خلاف
ہے۔ مگر تاہم جس کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ ہو۔ اسکو نہایت شیر دلی اور نیک
دلی کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیے اور اسکا خیال رکھنا چاہیے کہ خلقت سے
مانگنا لعنتی بنتا ہے۔ اسکو ہر وقت مخلوق کی نفع رسانی مد نظر رکھنا چاہیے
اگر یہ ایسا نکرے گا تو اسکو خود بہت سی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا
اور آسایش سے زندگی بسر نکر سکے گا۔ بقول شیخ سعدیؒ ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا — دل دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود این مقام — کہ با دوستانت خلافست و جنگ

حضور فرماتے ہیں خیر الناس من ینفع الناس یعنے بہترین
آدمیوں کا وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع پہونچائے۔ جناب باری کا
ارشاد ہے وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ
إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ
وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ یعنے ہم نے بنی اسرائیل سے اس بات کا اقرار
لیا تھا کہ تم سوائے خدا کے کسی کی بندگی نکرنا اور اپنے والدین کیساتھ

نیکی کرنا اور اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کو فائدہ پہنچانا اور لوگوں سے نہایت اخلاق نہایت خوبی کے ساتھ بات چیت کرنا آگے چلکر ارشاد فرمایا ہے۔ کہ نماز پڑھنا۔ اور زکوٰۃ دینا اب خیال کر لیجئے کہ کس قدر لوگ ان احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ سچ ہے مسلمانان دگور مسلمانی در کتاب اللہ تعالیٰ اسوۂ حسنہ کو یہ مسلمانوں کے کانوں تک اسکو نتیجے ایسی باتیں پہنچ جاتی ہیں۔

(فرید احمد عباسی)

حصول زندگی کامل

انسانی زندگی کے دو پہلو یا دو حصے ہیں ایک جسمانی دوسرا روحانی۔ جسمانی زندگی تو وہ ہے جسکا تعلق اس کالبد خاکی سے ہے۔ اور اس جسم فانی پر جب وقت موت طاری ہوگی تو اسکے ساتھ ہی اس زندگی کا دور بھی ختم ہو جائے گا۔ مگر روحانی زندگی جسکو ایک حقیقی اور دائمی زندگی کہنا چاہیئے۔ وہ ہے جسکا تعلق روح کے ساتھ ہے۔ اور یہ زندگی موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ اسلیے انسان کو چاہیئے کہ اس زندگی کے حصول کا خواہشمند ہو جو ابدی اور دائمی زندگی ہو اور جسپر موت کا کچھ اثر نہو۔

روحانی زندگی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے؟

یہ زندگی حق تعالیٰ سے رشتۂ الفت جوڑنے اور اس سے سچا تعلق پیدا کرنیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ خداوند تعالیٰ جو منبع فضل و کرم ہے۔ اور جو اپنی مخلوق کے ساتھ باپ سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ اور جو اپنے بندوں پر نہایت رحیم و مہربان ہے۔ اور جب اسی مہربانی و محبت کے تقاضہ سے جب خدا اور بندوں کے درمیان تعلقات ذرا کمزور ہوئے۔ اُسنے اپنے بندوں کی ہدایت رہنمائی کیلیے دنیا میں بیشمار پیغمبر انکو چراغ ہدایت و رہنمائی بناکر بھیجا۔ ان خدا کے مرسلوں اور نبیوں نے مخلوق خدا کی رہنمائی کی۔ اور دنیا کی محبت اور اس کی پرستش سے نکالکر خدا پرستی کے اس اونچے چٹان پر جا بٹھایا جہاں خدا اور بندوں کے درمیان صرف نور کا پردہ حائل تھا۔ اور وہ اپنی آنکھوں سے اس نور کو دیکھکر سرور حاصل کرتا تھا۔ اور یہی اصلی راحت اور سچی زندگی ہے۔

خدا سے تعلق کیونکر جوڑا جا سکتا ہے؟

جب انسان خدا سے محبت پیدا کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ دل سے غیر اللہ جس قدر خیالات ہیں نکالدے۔ یعنی وہ چیزیں جو اسکے دل میں خدا کے قدوس کی جگہ لینی چاہتی ہیں۔ اور انسان کو اپنی ظاہری شان و شوکت اور دبدبہ سے مرعوب کر کے اپنے آگے جھکاتی ہیں۔ ان تمام کو مخلوق سمجھ کر ان کی عزت و عظمت کا خیال دل سے دور کر دے۔ اور سوائے خدا کے کسی کی عزت و عظمت اور کسی کے لیے جھکاؤ کو اپنے دل میں جگہ نہ دے۔ اظہارِ عبودیت و انکساری کے لیے اسی حی و قیوم خدا کے آستانۂ جبروت و جلال پر اپنی جبین نیاز کو خم کرے جو چیزیں خدا کی بادشاہت اور اُسکی شان میں دخل دینا چاہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان سب کو ٹھوکر مار دے۔ اور اپنا سر نیاز اسی فاطر السموات والارض کے حضور جھکا دے۔ اور اگر اسکے دل میں ذرا بھی غیر اللہ کی پرستش کا خیال۔ ۔ یا ذرا بھی بدی اور برائی کا شائبہ ہوگا۔ تو وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا مثلاً ہمارے سامنے ایک گلاس رکھا ہے جسمیں زہر ہلاہل یعنی سم قاتل گھلا ہوا ہے۔ مگر ہم اس گلاس میں ایک نہایت شیریں خوشذائقہ اور مرغوب رنگ شربت پینا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں چاہیئے کہ اس گلاس کا تمام زہر پھینکدیں۔ اور اسے خوب صاف کر ڈالیں۔ کیونکہ اگر اسمیں زہر کا ایک قطرہ بھی باقی رہگیا تو اپنے مہلک اثر سے نہ صرف شربت کا ذائقہ ہی خراب کر دے گا بلکہ ہماری ہلاکت کا باعث ہوگا۔

پس ہم اگر خدا سے سچا تعلق اور پاک رشتہ جوڑنا چاہیں تو ہمیں اپنے اندر اسکی محبت کی شمع روشن کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جسطرح ایک انسان باوجود بینا ہونے کے شب کی تاریکی میں کوئی چیز نہیں دیکھ سکتا۔ تاوقتیکہ لیمپ کی روشنی نہو اسیطرح انسان خدا سے سچا تعلق ہرگز نہیں جوڑ سکتا۔ تاوقتیکہ اس کے دل میں خدا کی محبت کا جذبہ نہو۔ اور یہ محبت اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جبکہ اسکی محبت کے مقابلہ میں دنیا کی تمام چیزوں کی محبت کو ذبح نکر ڈالا جائے۔

انسان قدرتاً و فطرتاً کمزور طبیعت کا واقع ہوا ہے اور اسپر جسقدر بدی کا عمل اپنا اثر ڈال سکتی ہے نیکی نہیں۔ اسیئے انسان کو ہر نیکی کی جانب جھکنا چاہیئے اور بدی اور برائیوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جس قدر انسان برائی سے بچے گا۔ اور نیکی کی طرف راغب ہوگا اسکا پاک ضمیر زیادہ قوی اور طاقتور ہوتا جائے گا۔

انسان کے دل کو ایک دائرہ کہنا چاہیئے۔ جسکے اندر بدی ہر وقت داخل ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ دل ایک میزان ہے۔ اور اسمیں نیکی اور بدی کے دو پلڑے لگے ہیں۔ جو شخص انسان ایک چھوٹا سا بھی گناہ

کرتا ہے تو اسکا کچھ حصہ ضائع یا افسردہ ہوتا ہے۔ اسکے بعد ۔۔۔ دوسرا حصہ کرتا ہے اسی طرح اسکا بڑا حصہ بوجھل ہو کر جھکتا ہی جائے گا نتیجہ یہ ہو گا کہ اسکا پاک ضمیر اسکے بوجھ کے اثر سے کمزور ہو کر مردہ ہو جائے گا اور پھر اسے نیکی کی توفیق نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر وہ نیکی کی طرف راغب ہو گا تو بدی کا اثر اسپر ہرگز نہ ہو گا۔ اور دن بدن اس کا قلب سچی صداقت اور ایمان و یقین کے نور سے منور ہو کر بقعۂ نور ہو جائے گا۔ پھر اس سے ہرگز برائی کا کام کیا گناہ کا خیال تک بھی نہ آئے گا۔ اور وہ نیکی مجسم بنکر خداوند تعالیٰ کی محبت میں محو ہو جائے گا۔ اور جس وقت یہ حالت ہو گئی اسوقت قلب انسانی خدا کے سچے تعلق اور انوار الٰہی سے منور ہو جائے گا اور وہ پاک محبت بھرا دل اسی کی طرف راغب ہو گا۔ اور ہمیشہ صداقت راستبازی اور نیکوکاری کی طرف مائل ہو گا کیونکہ کب ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو آنکھیں بھی رکھتا ہو بجلی کی روشنی میں یا گیس کے لیمپ کے سامنے دیوانہ وار چلے۔ نہیں وہ تو اسی روشنی میں نہایت آرام و اطمینان سے بغیر ٹھوکر کھائے سیدھے راستہ چلے گا۔ پس جس نے یہ قوت اور دولت حاصل کر لی۔ یا بہ الفاظ دیگر اپنی زندگی سنوار لی وہی کامیاب ہوا اور جس نے اسکے برعکس عمل کیا۔ وہی گھاٹے میں ہے ۔۔۔ اور نامراد رہا جیسا کہ فرمایا:۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا

بیشک کامیاب ہے وہ شخص جو اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لے اور بیشک نامراد ہے وہ شخص جو اسے گناہوں کے بوجھ سے دبا دے

(الیل ۹۲)

بس یہی وہ حالت ہے۔ اور یہی وہ زندگی ہے جس کا اثر نہ صرف اس دنیا تک ہے۔ بلکہ آنے والی زندگی تک ہے۔ اور یہی وہ حقیقی کامیابی اور دائمی زندگی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایسی زندگی کی تلاش میں ہر وقت لگے رہتے ہیں ۔

(محمد اسمٰعیل خان نقی)

سعی و استقلال

(از رسالہ ترجمان۔ لاہور)

الٹ پہ کا ہیدۂ جسم و جاں کے نمک برنگ ہلال ہو جا — لگا ہی ہمشال سے لوٹے ہوؤں کی مثال ہو جا
ازل میں وہ بہتر ہے نیازی کشتۂ حقیقی تڑپ مجازی — زمیں کیوں رہی خاکساری پھر اپنی ماضی کا حال ہو جا
ہوا کہ حقیقت میں ہو کے شامل ہر ایک جلوہ جہاں کے داخل — جلال پر ہوشیار اے دل فدائے نور جمال ہو جا
کہا یہ ساقی نے مجھ سے ہمدم پلا کے اب تجھ کو ساغر جم — گہر گہر ہو مثال شبنم عرق عرق انفعال ہو جا
ٹھہر ٹھہر مضطرب نہ ہو دل گزر گذر ہے قریب منزل — بکھر بکھر شکل ماہ کامل سنور سنور باکمال ہو جا
ترقیوں کا کھلا ہے میداں نہ ہار ہمت اگر ہے انساں — کہا تھا بن مثل شیر غراں نہ پھیر کے رو بہ خصال ہو جا
بہار میں ہے خزاں کا کیا ڈر فسردگی کیوں ہو بن گل تر — بسان غنچہ شگفتہ ہو کر برنگ گلشن نہال ہو جا
تری بلندی کی گو ہے فطرت مگر ہے پستی میں عز و رفعت — شہید ہو جا بہ تیغ الفت وفور غم سے نڈھال ہو جا
اٹھا کے سر دیکھ یار تو شو گذر رہا کیا ہے تو بھی کچھ ہو — حباب آسا مٹا کے خود کو غریق بحر وصال ہو جا
دعا سے گر لاگ ہے اثر کو بنا لے آہن دل و جگر کو — جو سنگ برسیں پھر اپنے سر کو جو تیغ چمکے تو ڈھال ہو جا
بنقص تجھ میں کمال کا ہے نہ قال کا ہو نہ حال کا ہے — جواب تو خود سوال کا ہے جواب بن یا سوال ہو جا
اگر ہے سر میں ہوائے دلبر اگر ہے سینے پہ غم کا پتھر — بصورت سرمہ پیس پسا کر غبار جاناں کا خال ہو جا

بگوش دل بخت از دس لے کہ سر اٹھانا نہ آستاں سے
کسی کے قدموں میں جان دیدے بہ صف پائمال ہو جا

(بخت بہادر)

نئی روشنی

(از رسالہ نظارہ۔ لاہور)

تلاش سیم و طلا میں خدا کو بھول گئے
دلہن کے عشق میں تاج پنا کو بھول گئے

دیئے ہیں تیزی نے رنگت کی اسقدر چکر
کہ دوزخ جنت و ارض و سما کو بھول گئے

پڑے خیال جو ہم بن دتل و سپنسر کے
بہشت و دوزخ و روز جزا کو بھول گئے

ملی جو یورپی تہذیب نو کی آزادی
تو ایشیا کی پرانی حیا کو بھول گئے

پڑھا کئے پیانو جب ذکر ہو مرو گنیٹی
تو والمیکی و شیو بن نوا کو بھول گئے

ملا ہے جب سے پتہ فیض کارنیگی کا
ہر شچندر کے جود و سخا کو بھول گئے

بھری ہے کوٹ کی پتلون کی ہوا سر میں
پسر گئی ہمیں دہوتی قبا کو بھول گئے

چڑھا نگاہ پہ جس وقت بوٹ ڈاسن کا
سلیم شاہ کی ہم کفش پا کو بھول گئے

جہاں میں ہو گئے روشن جو لیمپ بجلی کے
تو ہم چراغ کی دھندلی ضیا کو بھول گئے

چلے جو برق کے پنکھے بڑی جو رف نظر
تو آب سرد کو ٹھنڈی ہوا کو بھول گئے

نظر میں کھچ گئی صورت مسان یورپ کی
بتان ہند کے حسن و ادا کو بھول گئے

پڑیں جو کان میں اونچی سُریں پیانو کی
تو جلترنگ کی مدہم صدا کو بھول گئے

جو سات فیر کا ریوالور نظر آیا
تو بھیم سین کی خونی گدا کو بھول گئے

لگے ہے باغ میں جب بنگروز اور ڈینزی
گل گلاب و سمن موتیا کو بھول گئے

لگایا منہ پہ لونڈر فلک جو پیرس کا
تو جون پور کے عطر حنا کو بھول گئے

(فلک)

رباعیات اوج

تعلیم سے اذنوں ہے غفلت کیسی — چھائی ہے جہل کی یہ ظلمت کیسی
آنکھیں کھولو جہاں کا نقشہ دیکھو — پہلے کیسی تھی اب ہے حالت کیسی

مُسرف نہ جہان میں جاہ و عزت کھوئیں — بیجا اسراف سے نہ دولت کھوئیں
کٹ جائے ہنسی خوشی سے وقت اپنا — بیکار نہ اللہ کی نعمت کھوئیں

گر ہے عبث غرور و نخوت ہم سے — انسان کی شکل اہرمن [illegible] ہے
بیجا ہے یہ نخوت و تکبر منعم — دو دن کی حیات پر یہ تغر [illegible] ہے

نادان درست کر تو اپنی حالت — بیجا ہے خیال عز و جاہ و حشمت
جب تک نہوں انسانیت کے اوصاف — آتی نہیں کام خاندانی عزت

انسان غرور و کبر سے دور رہے — ہر حال میں شاد اور مسرور رہے
[illegible] کہ نہ [illegible] — شیطان کی طرح نہ مست و مغرور رہے

افسوس چلی گئی تجارت ہم سے — سب چھن گئے مال و دولت ہم سے
غفلت میں کٹی عمر دو روزہ افسوس — ہوتی نہیں اب صنعت و حرفت ہم سے

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

سچ کو جھوٹ کے ساتھ گڈمڈ کرو اور جان بوجھکر حق بات کو نہ چھپاؤ

تنقید و تقریظ

نظارہ لاہور

لالہ الچند صاحب فلک کا نام ادبی اور سیاسی دنیا میں غیر معروف نہیں ہے۔ آپ اردو کے ایک ممتاز شاعر، اچھے انشاپرداز اور ملک کے ہمدرد و بہی خواہ ہیں۔ سال بھر آپنے لاہور سے ایک مفید و دلچسپ ہوار رسالہ "نظارہ" جاری کیا ہے۔ جو اپنی بعض جدتوں اور خصوصیتوں کے لحاظ سے قابل قدر اور لایق مطالعہ ہے۔ اس کے مضامین عموماً دلچسپ، موثر، سبق آموز اور کارآمد ہوتے ہیں۔ لاہوری نظارہ (اسلئے کہ ایک میرٹھی نظارہ بھی ہے) دوسرے ادبی رسایل کی طرح محض ادب اردو ہی کا مربی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے ناظرین میں عبرت اندوزی اور غور و فکر کا ملکہ پیدا کرکے انکی سیرت کو اس سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے جس سے وہ عزت و خوشحالی کی زندگی بسر کرسکیں اور ترقی یافتہ اقوام کے دوش بدوش کھڑے ہونے کے قابل ہوجائیں نظارہ میں ادب اخلاق اور سیاست نے ملکر ایک دلکش اصلاحی شان پیدا کرلی ہے اسلیے ہماری رائے میں مسلمانوں کے لیے خصوصاً اسکا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ امید ہے کہ فلک صاحب بھی اپنے رسالہ کی ترتیب میں ملک کے عمومی مذاق کو ملحوظ رکھیں گے۔ لاہوری نظارہ لکھائی چھپائی کے اعتبار سے گو بہت اچھا نہیں ہے تاہم غنیمت ہے۔ کیونکہ پنجاب میں چھپتا ہے۔ نظارہ کی سالانہ قیمت تین روپے (۳) ہے نمونہ مینیجر صاحب رسالہ نظارہ لاہور سے ملے گا۔

ترجمان لاہور

ترجمان اسلام کا ایک وقیع ماہوار رسالہ ہے۔ جسے فلسفہ سائنس اور لٹریچر کی خدمت کے لیے منشی تیرتھ رام صاحب فیروزپوری نے لاہور سے شایع کیا ہے۔ ترجمان کی ترتیب عمدہ اور مضامین عموماً مفید و دلچسپ ہوتے ہیں۔ اب تک اسکے جو پرچے نکلے ہیں وہ بہت پسند کیے جانے کے قابل ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی تیرتھ صاحب میں اپنے پرچہ کو ہر دلعزیز اور کارآمد بنانے کی قابلیت موجود ہے۔ ترجمان کو خوش قسمتی سے مضمون نگار بھی ایسے مل گئے ہیں۔ جو اہل ملک کے مذاق اور ضروریات زمانہ سے باخبر ہیں۔ لاہور کے جدید رسایل ترجمان و نظارہ کی تعریف میں یہ کہدینا کافی ہے کہ جو ادبی رسایل مسلمانوں کی زیر نگرانی سالہا سال سے جاری ہیں وہ اپنی طویل زندگیوں میں بھی وہ محاسن پیدا نہیں کرسکے جو ان رسایل کے پہلے نمبروں میں موجود ہیں کیا یہ اسکا ثبوت نہیں ہے کہ مسلمان ترقی اردو کا غل تو بہت مچاتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں کرتے۔ کاش وہ ترجمان و نظارہ ہی کو دیکھ کر اپنے ہندو بھائیوں کی اولوالعزمیوں سے سبق حاصل کریں ہم ترجمان کی اشاعت پر منشی تیرتھ رام صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں امید ہے کہ ان کی کوشش دنیائے ادب میں بہت جلد مقبول ہوجائیگی ترجمان کی سالانہ قیمت تین روپے (۳) ہے۔ نمونہ مینیجر رسالہ ترجمان نولکھا لاہور سے طلب کیجئے۔

البرید کانپور

صوبجات متحدہ کے اچھے اخباروں میں ایک ہفتہ وار البرید بھی ہے جو مولوی **فضل حسین** صاحب کی اڈیٹری میں شہر کانپور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ کانپور میں ایک عمدہ اسلامی اخبار کی عرصہ سے ضرورت تھی۔ اور ہمیں امید ہے کہ ضرورت البرید سے ایک حد تک پوری ہوجائے گی۔ گو البرید ایک کمسن پرچہ ہے۔ مگر اس میں قدامت کی جھلک نظر آرہی ہے۔ اور مولوی فضل حسین صاحب کی تجربہ کاری و قابلیت نے اسکے صفحات میں ایسی معنوی دلچسپیاں پیدا کردی ہیں۔ جو مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لیے پرکشش ثابت ہونگی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر گرم سیاسی مضامین

کے کسی اخبار کا بجل کامیاب ہونا مشکل ہے۔ وہ علمی پرچہ ہے۔ ہماری آرزو یہ ہے کہ
البرید جس کوشش پر چل رہا ہے وہ اسکی کامیابی کی کافی ضمانت ہے۔ اس نے اپنی
بنیاد حریت و استبداد کی باندیوں کے ابطال پر نہیں۔ بلکہ اخبار بینی کے اس عام
مذاق پر قایم کی ہے۔ جو علمی ترقی کے ساتھ ساتھ بلند ہوتا جائے گا۔ مگر بہت
نہیں ہوگا۔ البرید کے جس قدر پرچے ابتک ہمارے پاس پہنچے ہیں۔ ان میں
علاوہ ان مستقل دلچسپیوں کے جنکا رکھنا ناظرین البرید کے منہ کا مزا بدلنے
کے لیے ضروری سمجھا گیا ہے کئی علمی۔ اصلاحی۔ سیاسی اور مذہبی مضامین ایسے
بھی نکلے ہیں۔ جو اعلےٰ طبقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ مباحث
حاضرہ پر جو رائیں البرید میں ظاہر کی جاتی ہیں۔ وہ بھی عموماً متین۔ مفید اور
واقفیت پر مبنی ہوتی ہیں۔ ہم اپنے معزز ہمعصر کا دل سے خیر مقدم کرتے
ہیں۔ خدا کرے وہ اپنا خرچ اپنی ہی آمدنی سے نکال سکے کہ اس علمی افلاس
کا غذی محط کے زمانہ میں یہ بھی بہت غنیمت ہے۔ البرید کی سالانہ قیمت
چار روپے (للعہ) بہت مناسب ہے نمونہ بنام مینیجر اخبار البرید محلہ
بیکن گنج کان پور" سے ملے گا +

الراعی۔ لاہور

یہ ہفتہ وار اخبار پنجاب کی مشہور قوم ارائین کی تہذیب و اصلاح کے لیے
قاضی فتح محمد صاحب انبالوی کی ایڈیٹری اور انجمن راعیان ہند کی سرپرستی
میں لاہور سے جاری ہوا ہے۔ قاضی فتح محمد صاحب کے نام سے ناظرین
اسوۂ حسنہ واقف ہونگے۔ کیونکہ ان کے کئی مضامین اسوۂ حسنہ میں بھی
چھپ چکے ہیں۔ قاضی صاحب کی تحریرات میں گو انشا پردازی کے لحاظ
سے کوئی خاص حسن نہیں ہوتا لیکن عملی نقطۂ نظر سے وہ عموماً کارآمد اور
مفید ہوتی ہیں۔ کیونکہ قاضی صاحب کو غالباً عملی کام کرنے کا زیادہ موقع ملا
ہے۔ الراعی عمدہ اور مفید پرچہ ہے۔ اسمیں تعلیمی اور تمدنی اصلاح
کا پہلو غالب ہے۔ اسلیے ہم اس سیاسی شور و شغب کے زمانہ میں اسکے
منصۂ وجود میں آنے کو مغتنم سمجھتے ہیں۔ لیکن جو اخبارات کسی انجمن کے آرگن
یعنی قومی سرمایہ سے جاری کیے گئے ہیں۔ انہیں ہم دوسرے پرچوں سے
بہتر حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ الراعی کو بھی زیادہ مفید
مستند پرچہ بنانے کی کوشش کیجائے گی۔ ۲۹۔ فروری کے الراعی کا افتتاحیہ
مضمون جو پنجاب مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ملتوی رہنے پر ہے پڑھ کر ہمیں سخت تعجب ہوا کہ الراعی
جاری کیا گیا ہے انجمن راعیان ہند کی سرپرستی میں۔ اور وہ اشتہار دیا ہے

آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب کے فرضی لیگ کا نام مسلم لیگ
کی تقریر میں خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب ایڈوکیٹ اور انجمن راعیان ہند کا
ایک ہی چیز ہیں۔ تو اُسے صدر سرپرست انجمن راعیان ہند "کی بجائے اپنے
سرورق پر جلی سرخی خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب ایڈوکیٹ چھاپنا چاہیے
تاکہ پبلک کو مغالطہ نہ ہو۔ دیدہ و دانستہ پنجاب کی مردہ لیگ جیسی جماعت
دبے سوچے جس کی حمایت میں قلم نہ اٹھانا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کے
افتدار پرستی کے مرض میں کسی طرح کمی نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ ہمیں نبی کریم صلعم
صحابۂ کرام کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ الراعی کی سالانہ
قیمت تین روپے (سے) ہے نمونہ مینیجر الراعی۔ لاہور سے طلب کیجئے

النظامیہ لکھنؤ

اس معتدر علمی۔ مذہبی اور تاریخی رسالہ کو علوم عربیہ کے اُس قوم و مشہور مرکز سے
شایع ہونے کا فخر حاصل ہوا ہے جسکا نام فرنگی محل لکھنؤ ہے۔ اس کے
مرتب و مولف مولوی محمد صبغت اللہ صاحب شہید انصاری ہیں۔ افسوس
ہے کہ النظامیہ کے پہلے پرچے پر فرنگی محل چھپا ہوا دیکھ کر جو توقعات ہم
نے اسکے متعلق قایم کی تھیں۔ وہ ابھی تک پوری نہیں ہوئیں۔ اور اس
محترم رسالہ میں کوئی دلکش خوبی ایسی نہیں نظر آئی۔ جو فرنگی محل کی دیرینہ
روایات کے شایان شان کہی جاسکتی۔ مثلاً یہ دیکھ کر کہ النظامیہ ایک
علمی رسالہ ہے۔ ہمیں خیال ہوا تھا کہ وہ زمانۂ حال کی ضروریات کو مد نظر رکھکر
مدارس عربیہ کے موجودہ علمی نصاب کی اصلاح و ترقی کے متعلق کچھ ایسے
عملی مشورے دے گا۔ جو مسلمانوں کے عربی خواں طبقہ کے لیے کارآمد
ثابت ہوں گے۔ یا مثلاً مذہبی رسالہ ہونے کی حیثیت سے ہمیں توقع تھی
کہ النظامیہ کم از کم اُن شکوک و شبہات کے رفع کرنے اور اُن اعتراضات
کے شافی جواب دینے کی کوشش کرے گا۔ جو جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے
دلوں میں مذہب کے متعلق پیدا ہو رہے ہیں۔ علیٰ ہذا تاریخی رسالہ ہونے کے
اعتبار سے ہم النظامیہ کے صفحات میں مسلمانوں کے اُن علمی۔ تمدنی۔ معاشرتی
اور سیاسی کارناموں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ جو ہماری غفلت اور بے توجہی کی وجہ
سے فراموشی کی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور جن سے دوسری ترقی یافتہ
قومیں فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ علمائے فرنگی محل کے لیے ہماری ان توقعات
کا بوجہ احسن پورا کر دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ مگر افسوس کہ ابھی تک اس طرف
توجہ نہیں کی گئی۔ اس نکتہ چینی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم خدانخواستہ

...جدید کو مسلمانوں کے لیے بے سود اور مضر سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہمارا منشا صرف یہ ہے کہ جس رسالہ کو خوش قسمتی سے علمائے فرنگی محل کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے ہم اسے النظامیہ سے زیادہ وقیع و ممتاز حیثیت میں دیکھنا چاہتے ہیں اور امید ہے کہ ہماری اس مخلصانہ آرزو کے پورا کرنے کی ضرور کوشش کی جائیگی النظامیہ کی موجودہ حیثیت بھی کچھ کم قابل قدر نہیں ہے۔ اسمیں فضلائے عصر کے عمدہ مضامین نظم و نثر شائع ہو رہے ہیں۔ دوسرے مذہبی پرچوں میں جو دلچسپیاں ہیں وہ سب النظامیہ میں بھی موجود ہیں۔ لکھائی چھپائی بھی اچھی ہوتی ہے۔ البتہ قلم بہت جلی اور ضخامت کسیقدر کم ہے مضامین کے لیے گنجایش زیادہ ہونی چاہیئے۔ ورنہ شاید اشاعت پر برا اثر پڑے گا۔ النظامیہ کی سالانہ قیمت ؏ ہے نمونہ ۸/ دفتر رسالہ النظامیہ۔ فرنگی محل لکھنؤ۔ سے طلب کیجئے ؂

ذخیرہ حیدرآباد دکن

الہ آباد کے ادیب کی وضع قطع کا یہ باتصویر ماہوار رسالہ سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی کی ایڈیٹری میں اردو علم ادب کی ترقی کے لیے ریاست حیدرآباد سے جاری ہوا ہے۔ اور اپنی بعض صوری و معنوی خصوصیتوں کے لحاظ سے موجودہ ادبی رسایل میں کسیقدر ممتاز ہے۔ ذخیرہ کو خوش نصیبی سے دو تین قابل مضمون نگار ایسے بھی مل گئے ہیں جنکے نام اردو کے ادبی رسائل میں کم دیکھے گئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسمیں کئی مضمون محققانہ اور عالمانہ رنگ کے شایع ہوئے ہیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ذخیرہ کو بھی اسی پرانی روش پر چلانے کی کوشش کیجا رہی ہے جس کی فرسودگی سے لوگ اکتا گئے ہیں۔ کاش سید ناظر الحسن صاحب مغربی رسایل کو سامنے رکھکر اپنے لیے ایسا نظام العمل تجویز کرسکتے جس سے ان کے رسالہ میں کوئی خاص کارآمد اور دلچسپ جدت پیدا ہو جاتی۔ ہمارے خیال میں سوائے معتدد بہ معاصر معلومات کے ابتک کسی اسلامی ادبی رسالہ نے اسطرف توجہ نہیں کی۔ "مخزن" نے ادبی قلم کی نقل و حرکت کے لیے جو دایرہ کھینچ دیا تھا آجتک سب اسی کے اندر چکر لگا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ادبی رسالے مسلمانوں کے زیادہ تر ہیں۔ وہ ہمیشہ قومی بد مذاقی کے شاکی اور اپنی خستہ حالی پر نالاں رہتے ہیں۔ امید ہے کہ ذخیرہ اپنی روش میں مناسب تبدیلی پیدا کرنے کی ضرور کوشش کرے گا۔ وقت پر شایع نہونے کا مرض ذخیرہ میں بھی موجود ہے۔ اور یہ اسی عاقبت اندیشانہ تقلید کا نتیجہ ہے جس سے کئی رسالوں پر زوال آچکا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اپنے گھر میں تصویریں چھاپنے کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے تو خواہ مخواہ ادبی رسایل کو باتصویر بنانے کی کیوں حرص کیجاتی ہے ذخیرہ کے ساتھ تصویر کا شایع ہونا اگر اردو علم ادب کی کم مائیگی کا لحاظ رکھتے ہوئے ضروری ہے تو اسے معقول سرمایہ لگاکر خود تصاویر چھاپنے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ ورنہ اس خیال ہی کو دل سے نکالدینا چاہیئے کہ رسالہ باتصویر ہو۔

ذخیرہ کی سالانہ قیمت چار روپے (للعہ) ہے۔ نمونہ کے لیے ۸/ "منیجر رسالہ ذخیرہ۔ ریاست حیدرآباد دکن" کو خط لکھیے

نظارہ میرٹھ

میرٹھ کے اخبار گزٹ خطہ سے بھی ایک باوقعت ماہوار ادبی رسالہ نظارہ جنوری میں جاری ہوا ہے۔ جسکے ایڈیٹر منشی عبد الحمید صاحب محب اور سرپرست و نگران مجد و لسنہ مشرقیہ مولوی احمد حسین صاحب شوکت ہیں۔ نظارہ ہمارا ہمعصر ہی نہیں ہے بلکہ ہم وطن بھی ہے۔ اسلیئے قدرتی طور پر وہ ہم کو زیادہ عزیز ہے۔ اور ہم دل و جان سے اس کی ترقی و کامیابی کے خواہاں ہیں نظارہ کے پہلے نمبر میں مجددیت کا رنگ دیکھکر ہمیں اندیشہ ہو گیا تھا کہیں اُسے نظر نہ لگ جائے۔ مگر الحمد للہ کہ یہ اندیشہ اب کم ہوتا جاتا ہے اور امید پڑتی ہے کہ ہمارا عزیز ہمعصر بہت جلد ادبی جماید میں وقار حاصل کرے گا نظارہ میرٹھ کے مضامین اور ترتیب و تالیف میں گو کوئی خاص جدت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ تاہم مجموعی حیثیت سے وہ اچھا رسالہ ہے اور موجودہ اسلامی ادبی رسایل کی پہلی صف میں جگہ پانے کے قابل ہے۔ ابتک جس قدر مضمون اسمیں نکلے ہیں ان میں سے اکثر قابل مطالعہ اور دلچسپ ہیں اور ہمیں مسرت ہے کہ ہمارے ہم وطن ہمعصر کو اردو کے بعض اچھے انشا پردازوں سے قلمی اعانت حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ ہماری رائے میں نظارہ کو ایک مخصوص نصب العین اپنے پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور اپنی تمام کوششوں کو اسی ایک نصب العین کی طرف متوجہ کر دینا چاہیئے۔ علیگڑھ کالج کے متعلق جو مضمون نظارہ میں چھپا ہے۔ ہمارے خیال میں اسکی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ اسکو ادبیات اردو سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر ہے تو بہت بعید ہم خود نظارہ کا نہایت خلوص دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ خدا کرے اسکی عمر و عزت میں ترقی ہو۔ اور ادب اردو کو اس سے فیض پہونچے۔

نظارہ کی سالانہ قیمت تین روپے (دستی ۲) ہے نمونہ ۳
" مینجر رسالہ نظارہ میرٹھ " سے طلب کیجئے۔

دار العلوم فیض آباد

ہمیں نہایت مسرت ہے کہ برادران اہل ہنود کو آجکل اردو لٹریچر کی ترقی کی جانب خاص توجہ ہے۔ لالہ لالچند صاحب فلک اور منشی تیرتھ رام صاحب فیروزپوری کے ادبی رسایل کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں اب بابو بینی پرشاد سنگھ صاحب کے علمی رسالہ " دار العلوم " سے ناظرین اسوۂ حسنہ کا تعارف کراتے ہیں یہ دار العلوم " جسکا شاید دو مہینہ قبل " دار الشفا " نام تھا۔ تجربات سائنس و برق، علم طب۔ آیورویدک۔ ہومیوپیتھی۔ الکٹرو ہومیوپیتھی، صنعت و حرفت حفظان صحت وغیرہ پر مفید عام مضامین شائع کرنے کے لیے جاری کیا گیا ہے۔ اور دلچسپ کارآمد پرچہ ہے۔ سائنٹیفک معلومات بڑھانے کے لیے اس قسم کے رسایل کے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے خصوصاً مسلمانوں کو جو اس کوچہ سے ناآشنا اور دقیانوسی فلسفہ کے کورانہ مقلد ہیں۔ ہم بابو بینی پرشاد سنگھ صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے ایک ایسا مفید رسالہ جاری کیا ہے جس کی اردو خوانوں کو ضرورت تھی۔ امید ہے کہ یہ رسالہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا اور علم دوست حضرات اسکی سرپرستی و اعانت فرمائینگے۔ دار العلوم کو مقبول و ہر دلعزیز بنانے کے لیے ہمارے خیال میں یہ مناسب ہوگا کہ ابتدا ہی سے ایسے مضامین نہ شایع کئے جائیں جنکے مطالعہ کے ہندوستانی مذاق عادی نہیں ہیں۔ بلکہ پہلے چھوٹے کارآمد مضامین سے دلچسپی و تشویق پیدا کرنے کی کوشش کیجائے۔ اور پھر بتدریج گہرے اور طویل علمی مضامین کی تعداد بڑہائی جائے۔ تاکہ پست مذاق طبیعتوں پر ایک دم زیادہ بوجھ نہ پڑے سائنٹفک مضامین میں اس امر کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انہیں اصطلاحات کا استعمال کم کیا جائے۔ اور دقیق خیالات کو عام فہم عبارت میں خوب پھیلا کر بیان کیا جائے۔ شواہد و امثال سے سائنٹفک مضامین بہت دلچسپ ہو جاتے ہیں۔ اسلیئے رسالہ کو دلچسپ بنانے میں ان سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اگر ہمارے ناچیز مشوروں پر عمل کیا گیا تو امید ہے کہ دار العلوم بہت جلد ترقی کر جائے گا۔ اور کامیاب رسایل میں شمار ہونے لگے گا۔ خبر نہیں اس رسالہ کا نام دار العلوم کیوں تجویز کیا گیا ہے۔ رسالہ کے لیے دار کا لفظ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اگر صرف " العلوم " نام ہوتا تو بہتر تھا۔ دار العلوم کی لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت پاکیزہ ہوتا ہے۔ اور ان تمام صوری و معنوی محاسن کے باوجود اسکی قیمت صرف دو روپیہ سالانہ ہے۔ جو اس زمانہ کے مصارف کے لحاظ سے بہت کم ہے۔

مینجر رسالہ دار العلوم۔ متعلقہ ارپرسیں فیض آباد " سے نمونہ طلب کیجئے۔

شُعلہ۔ دہلی

جنگ یورپ نے ہندوستانیوں کی جن اخلاقی کمزوریوں پر روشنی ڈالی ہے ان میں ایک ناعاقبت اندیشی بھی ہے۔ اسی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے کہ یورپ میں جہاں رسایل و اخبارات کی اشاعت لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ بہت سے رسایل و جراید کو کاغذ کی گرانی کی وجہ سے اپنی اشاعتیں ملتوی کرنی پڑی ہیں لیکن ہندوستان میں جہاں ایک رسالہ کو پانسو خریدار بھی مشکل سے میسر آتے ہیں۔ جدید رسایل و اخبارات کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ چنانچہ ابھی حال میں جبکہ کاغذ کی قیمت دوچند سے بھی کچھ زیادہ ہو گئی ہے۔ دہلی سے ایک نیا رسالہ " شُعلہ " جاری ہوا ہے۔ جس نے اس نازک زمانہ میں اردو ادب کی ترقی اور مسلمانوں کی روحانی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ہماری رائے میں زیادہ مناسب ہوتا اگر مولوی سید محمد صاحب ناصر اپنے آتش عشق کے شعلہ کو کچھہ عرصہ تک اور خاکستر دل میں پنہاں رکھتے اور اسے زمانہ کی سرد مہری کا مقابلہ کرنے پر مجبور نہ کرتے۔ " شعلہ " ایک نیم صوفی اور نیم ادبی پرچہ ہے یعنی اسمیں زیادہ تر ایسے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ جن میں ادبیت آمیز تصوف، یا تصوف آمیز ادبیت کا رنگ غالب ہوتا ہے ہم اس قسم کے پرچوں کو مسلمانوں کے حق میں نہایت مضر سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے خیال میں ایسی ہی کتابوں اور رسالوں سے ہندوستان میں تصوف کی مٹی پلید ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے تصوف کو " اسلام " سے کم تعلق ہے ایسے ادبی صاحبان کی طرف سے جو رنگ آمیزیاں تصوف کی سادگی پر کیجاتی ہیں ان کا اثر مذہب پر بھی ضرور پڑتا ہے۔ اور مذہب کے ساتھ اخلاق بھی مسخ ہونے شروع ہو جاتے ہیں ہمیں تعجب ہے کہ جس تصوف کو کسی زمانہ میں " قال " سے سخت عداوت تھی اور جسکے لیے " حال " کے کنج خموشی میں رہنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ آج اُسے " قال " کا لباس پہنا کر علانیہ کوچہ بازار کی سیر کرائی جاتی ہے۔ کاش ہمارے قلم کشان ادب دوا ب تخیل کو ادب ہی کے دایرہ تک محدود رکھا کریں۔ تصوف کو انسے مجروح نہ کیا کریں۔ تو حید کے مسایل سینہ و قلب کے صندوق میں محفوظ رکھنے کے لیے ہیں نہ کہ کاغذی بازاروں میں لیجانے کے لیے۔ شعلہ کی سالانہ قیمت دو روپے آٹھ آنہ (دو روپیہ) ہے۔ نمونہ ۳

" دفتر رسالہ شعلہ۔ محلہ چوڑیگران دہلی " سے طلب کیجئے۔

ایک عبرتناک خواب

سال کی آخری رات کو عشرت آرا اپنے کمرے میں آرام کرسی پر لیٹی ہوئی بحر تفکرات میں غوطے لگا رہی تھی۔ کمرے میں لیمپ کی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن عشرت آرا کی نگاہوں میں ہر چہار طرف اندھیرا تھا۔ اور وہ رہ رہ کر سوچ رہی تھی۔

ایکدفعہ اُس نے کسی قدر زور سے اُف کیا۔ اور آہستہ آہستہ کہنے لگی سال کے آغاز میں میں نے کیا کیا ارادے کیے تھے۔ اور کیسے کیسے منصوبے قائم کیے تھے۔ لیکن افسوس بہت سے تو میری سستی اور وعدہ فردا کے شکار رہے۔ اور بعض یونہی ادھورے بیکار رہ گئے۔ کام جو کیا تو یہ کیا کہ کھائے اور سو رہے۔ یا ادھر اُدھر کی باتیں بنائیں۔ وعدہ خلافیاں کیں۔ غرضکہ سارا سال یونہی گذرا۔ ایک کام بھی خدا کی خوشنودی یا قوم کی بہتری کے لیے نہیں کیا۔ افسوس صد ہزار افسوس۔ اس وقت جو میں مر جاؤں تو جنت کے دروازے میرے لیے کھلے ہوں گے۔ یہ خیال آتے ہی وہ خوف اور تکلیف سے چلا اٹھی۔ رنگ زرد ہو گیا۔ اور آنکھیں بند ہو کر

اور آہستہ آہستہ ٹہلتی ہوئی اپنے وسیع پائیں باغ کی جانب چل نکلی جسکے خوشنما پھولوں پر نظر پڑتے ہی دست شوق دراز ہو جاتے۔ وہ جس کے سرسبز درختوں کی ڈالیاں جھوم جھوم کر لوگوں کو مدعو کر رہی تھیں۔ ابھی وہ باغ سے کچھ فاصلہ پر تھی کہ چند معصوم بچے سردی سے ٹھٹھرے ہوئے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے آکر اسکے گرد جمع ہو گئے۔ کسی نے آنچل پکڑا کسی نے دامن اور چلا چلا کر رونے لگے۔ عشرت آرا ان لڑکوں کو پہچانتی تھی۔ لیکن ان کے بلبلانے سے اسکا جگر پھٹا جاتا تھا۔ حیران تھی کہ انہیں کس طرح خاموش کرائے۔ ساتھ ہی یہ آواز آئی کہ چھوڑ دو میرے بچو انہیں جانے دو۔ عشرت آرا نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک سفید پوش ضعیفہ نظر آئی جسکا چہرہ نور سے منور تھا۔ اس ضعیفہ کو دیکھکر بچے سہمے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ وہ عشرت آرا کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہتے جاتے تھے لیکن عشرت آرا کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ گئے۔ اس نے ضعیفہ کی طرف استفسارانہ نظروں سے دیکھا۔ اور کہا کہ یہ بچے آکر مجھ سے لپٹ گئے۔ اور یہ بات کیا کہہ رہے ہیں۔ ضعیفہ نے ایک آہ سرد بھری اور جواب دیا بیٹی یہ وہ لاوارث یتیم بچے ہیں جن کی پرورش کا دارومدار

خدا کے رحم دل بندوں کی فیاضی پر ہے۔ امسال تمہارے شہر میں جو مجلس منعقد ہوئی تھی جس میں یہ طے پایا تھا کہ یتیم بچوں کے لیے موسم سرما کا لباس تیار کیا جائے۔ اور تم نے بھی امداد دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن وفا نہ کیا۔ اور علالت طبع کی جھوٹی خبر بھیجکر شریک جلسہ نہ ہوئیں۔ چونکہ تم ان بیبیوں میں ممتاز درجہ رکھتی ہو۔ تمہاری ناسازی طبیعت اور غیر حاضری کے خیال سے جلسہ کا منعقد کیا جانا ملتوی ہو گیا۔ اور اب تک یہ غریب بچے سردی کی تکلیف اٹھا رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی عشرت آرا کا کلیجہ سن سے ہو گیا۔ اپنی غلطی پر نادم ہوئی۔ اور کچھ روپے دلا کر ان بچوں کو رخصت کرنے کے خیال سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ادھر اُدھر ٹٹولا۔ لیکن ایک پیسہ بھی دستیاب نہ ہوا۔ سر جھکا کر دست حسرت ملنے لگی۔ کہ اب کیا کرے۔ کچھ دیر بعد سر اٹھا کر دیکھا تو وہ ضعیفہ مع ان بچوں کے چلی گئی تھی۔ اور عشرت آرا تنہا کھڑی ہوئی گذرے وقت کو حسرت کے ساتھ یاد کر رہی تھی۔

عشرت آرا نے پھر باغ کی جانب قدم بڑھایا لیکن تھوڑی دور نہ گئی تھی کہ سامنے کمسن بھولی بھالی لڑکیاں ملول اور غمگین بیٹھی اشک حسرت بہاتی ہوئی نظر آئیں۔ جنہیں دیکھتے ہی عشرت آرا کے پاؤں رک گئے کیونکہ وہ انہیں بخوبی پہچانتی تھی۔ کہ یہ اس کے کنبے کی کمسن بچیاں ہیں جن کے نکاح کے لیے کوشش ہو رہی تھی۔ لیکن عشرت آرا نے بعض ننگ رسوم کی سمجھکر بند کر دیا تھا۔ اور یہ معصوم بچیاں اس سبب سے طرح طرح کی مصیبتیں جھیل رہی تھیں۔ عشرت آرا انہیں چاہتی تھی کہ ان سے کچھ بات کرے لیکن انھوں نے اسے دیکھ لیا۔ اور اس پر حسرت بھری ہوئی نظر ڈالکر اوجھل ہو گئیں۔ اب تو عشرت آرا کچھ ایسی پشیمان ہوئی کہ گھنٹوں دیر تک آنسو بہاتی رہی۔ اپنی سستی۔ اور نادانی پر پچھتائی۔ دل کو تسلی دیتے ہوئے امیدیں دلائیں۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب میں خود ان کا سوال پورا کروں گی۔

شوق گلگشت نے پھر عشرت آرا کے قدم آگے بڑھائے اور دل سے یہ باتیں کرتی ہوئی چلی۔ کہ اس باغ کو ایک نظر دیکھ لوں پھر گھر جا کر ان سب کی تکالیف کو رفع کروں گی۔ جوں جوں باغ قریب ہوتا جاتا تھا خوشی کی لہریں پھر دل میں موجزن ہوتی جاتی تھیں۔ جب قریب پہنچی تو [illegible]

جانب باغ دوڑائی دیکھا۔ کہ ایک قدآور بارعب اور عمر رسیدہ شخص جسکے چہرہ کا
ایک بڑا حصہ ڈاڑھی اور مونچھ نے چھپا رکھا تھا۔ سیاہ لباس زیب تن کئے
باغ کے دروازے کے پاس استادہ ہے۔ اور اسی کی جانب دیکھ رہا ہے۔ نہ
جانے ان نگاہوں میں کیا تاثیر تھی۔ کہ عشرت آرا آنکھیں چار کرتے ہی لرز گئی۔
ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ قدم اٹھانا دوبھر ہوگیا۔ جسم میں سستی سی پیدا ہوگئی
اس شخص نے اسکی طرف غور سے دیکھا۔ اور صاف اونچی آواز میں کہا۔
"میرا نام ملک الموت ہے۔ بحکم اعیان قضا و قدر تمہاری روح قبض کرنے
آیا ہوں۔ اب تم یہاں سے پھر کر نہیں جا سکتی ہو"
یہ سنتے ہی عشرت آرا زور سے چلا اٹھی۔ سر پھر گیا۔ اور زمین کی طرف
جھک گئی۔ آنکھ جو کھلی تو وہ باغ و بہار اور سارا تماشہ درہم برہم۔ وہ تھی
اس کا کمرہ۔ اور اسی طرح آرام کرسی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس خواب کے دیکھنے
سے کچھ ایسی حالت ہوئی۔ کہ دنیا و مافیہا کسی کی خبر نہ رہی۔ جب مرغ
بانگیں دینے لگے تو چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ شب ظلمت رخصت ہو چکی
تھی۔ ستارۂ سحری جھک چکا تھا۔ اور "اللہ اکبر" کی پرجلال آواز مسجدوں
سے آ رہی تھی۔ اٹھکر وضو کیا۔ دلی عقیدت مندی اور خضوع و خشوع کے
ساتھ نماز پڑھی۔ جسوقت اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھا کر
تعالیٰ سے تو آنسوؤں کے مسلسل تار موتیوں کی لڑی کی طرح اسکے رخسار
پر جھک رہے تھے۔ اس نے پردرد لہجہ میں التجا کی۔
"میں نادم ہوں کہ گذشتہ سال میں نے کوئی اچھا کام نہ کیا
یہ صرف تیری مہربانی تھی۔ کہ تو نے مجھے یہ موقع دیا کہ میں اپنی
پچھلی غلطیوں پر پشیمان ہوں اور آئندہ کے لئے اصلاح
کروں۔ میں تجھے حاضر و ناظر سمجھ کر سچے دل سے اقرار کرتی ہوں کہ
ان کاموں کو جنہیں میں نے گذشتہ سال میں نہ کیے اور جن کے نہ
کرنے کی وجہ سے آج پچھتا رہی ہوں۔ انہیں اس سال ضرور
کرونگی اور جو کام ادھورے رہ گئے ہیں۔ انکی تکمیل کرونگی۔ تو مجھے
یہ توفیق دے کہ میں ان ارادوں کو پورا کر سکوں۔ اور سال کے
آخیر میں یہ سوچکر سرخرو ہو سکوں کہ میں نے اس برس بہت اچھی
ترقی کی اور اپنی برائیاں اپنے سے دور کیں۔ آمین"

زیب النساء
(از ظل السلطان بھوپال)

حاتم طائی کی بیٹی سفانہ دربار رسالت میں

حاتم طائی کے مرنے کے ایک مدت بعد جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی
رسالت کی صدائے توحید سارے عرب میں بلند ہوئی۔ اور قبائل عرب میں
سے اکثر ایمان لائے۔ اور اکثر مخالفت و عداوت پر آمادہ ہوئے۔ تو عدی بن
حاتم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر کمر باندھی۔ جناب سرور کائنات
صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب کو تھوڑے لشکر کے ساتھ
قبیلہ طے کے مقابلہ کو روانہ کیا۔ چونکہ عدی کی وجہ سے مخالفت پر آمادہ
ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کی روانگی کی خبر سنتے ہی عدی اپنے بال بچوں
کو لیکے ملک شام بھاگ گیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جا کے بہتیرے لوگ
گرفتار کر لیے۔ انہیں کے ساتھ عدی کی فیاض بہن سفانہ بنت حاتم بھی
گرفتار ہو کے مدینہ میں آئی۔ جب یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے
پیش ہوئے تو سفانہ آگے بڑھی اور نہایت ہی فصاحت و بلاغت
کے ساتھ کہا۔ "میرا والد انتقال کر گیا۔ اور حامی و مددگار دنیا سے اٹھ گیا۔
آنحضرت کا سب حال معلوم ہے مجھے آزاد کر دیجئے۔ اور میری وجہ سے
تمام قبائل عرب کے نام کو دھبہ نہ لگایا جائے۔ اسلئے کہ میرے والد سردار قوم
تھے۔ درماندہ کو آزادی دلاتے تھے۔ مجرم کو قتل کرتے تھے۔ پڑوسی کی
نگہداشت کرتے تھے۔ عاجز و بے دست و پا کی حمایت کرتے تھے۔ ستم زدہ کو
مصیبت سے چھڑاتے تھے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ سلام میں سبقت
کرتے تھے۔ یتیم کی خبرگیری کرتے تھے۔ اور مصائب زمانہ کے وقت لوگوں کے
مددومعاون رہتے تھے۔ ان کے پاس آکے کوئی حاجت مند ناکام واپس
نہیں گیا۔ میں اسی حاتم طائی کی بیٹی ہوں"
اسکے یہ الفاظ سنکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے لڑکی
یہ تو خاص مسلمانوں کے صفات ہیں۔ اگر تیرے والد زندہ ہوتے تو ہم انکے
ساتھ اچھا سلوک کرتے" اس کے بعد صحابہؓ کو حکم فرمایا کہ اس عورت کو
چھوڑ دو۔ اسلئے کہ اسکا باپ خصائل نیک کا پابند تھا۔ اور پھر سفانہ کو
دیکھ کر فرمایا کہ کوئی معزز شخص ذلیل ہو کے کسی [illegible]
حالت پر رحم کھایا کرو" اس فرمانے پر بہت سے صحابیوں [illegible]

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آزادی پاتے وقت سفانہ نے اپنی قوم کے اسیروں کی سفارش کی اور عرض کیا کہ "میں جس باپ کی بیٹی ہوں۔ اسکی یہ وضع تھی کہ قوم بدحالی میں ہے اور میں اکیلی حضور کی مہربانی سے فائدہ اٹھاؤں" اس جواب پر خاموش ہو کے آپ نے سارے اسیران طے کو چھوڑ دیا۔ اسکے بعد سفانہ نے کہا "اب مجھے اجازت ہو کہ اس آزادی کی شکر گزاری میں حضور کے لیے دعا کروں۔ آپ نے اجازت دی اور صحابہؓ سے ارشاد ہوا۔ اس کی دعا کو سنو اور یاد کر لو۔ اب سفانہ نے دعا میں لب کھولے اور کہا "خدا آپ کی نیکی کو اس شخص تک پہنچائے جو اسکا مستحق ہو۔ اور آپ کو کسی بدکار و بدنفس کا محتاج نہ کرے۔ اور جب کبھی کسی قوم سے کوئی نعمت چھن جائے۔ اسے آپ کے ذریعہ سے واپس دلائے"۔

آزادی پانے کے بعد سفانہ اپنے گھروں میں واپس آئی۔ پھر اپنے بھائی عدی سے ملنے کے لیے شام کے شہر دومۃ الجندل میں گئی۔ اور اس سے کہا بھائی آپ اس شخص (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس قبل اسکے کہ اسکے کند دین کا چرچا ہو خود ہی چلے جایئے۔ میں نے وہاں ایسی بات دیکھی ہے کہ وہ عنقریب تمام غالبوں کو مغلوب کر کے سب پر غالب آجائیگا۔ میں نے ایسی ایسی خصلتیں دیکھی ہیں کہ حیران و ششدر ہوں میں نے دیکھا کہ فقیر کو دوست رکھتے ہیں۔ اسیر کو آزادی دلاتے چھوٹوں پر شفقت کرتے ہیں بڑے کی قدر کرتے ہیں۔ اور میں نے ان سے بڑا ذکری سخی نہیں دیکھا ہے۔ اور نہ کوئی لطف و کرم کرنے والا۔ میرے نزدیک تم فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اگر وہ نبی ہیں تو جتنی جلدی ایمان لاؤ بہتر ہے۔ اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی تمہاری کوئی بے عزتی نہ ہوگی۔

آخر بہن کے مشورہ سے عدی بن حاتم اپنی بہن کے حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت فیض میں حاضر ہوا۔ اور دونوں بہن بھائی ایمان لائے۔ سفانہ کی اسیری کے واقعہ کو سعدیؒ نے بوستان میں عجیب لطف کیساتھ نظم فرمایا ہے۔

شنیدم کہ طے در زمان رسول ۔۔۔ نکردند منشور ایمان قبول
فرستاد لشکر بشیر و نذیر ۔۔۔ گرفتند ایشان گروہے اسیر
بفرمود کشتن بشمشیر کین ۔۔۔ کہ ناپاک بودند و ناپاک دین
زنے گفت من دختر حاتم ۔۔۔ بخواہند ازین محترم حاکم
کرم کن بجائے من اے محترم ۔۔۔ کہ مولائے من بود از اہل کرم
بفرمان پیغمبر پاک رائے ۔۔۔ کشادند زنجیر از دست و پائے
دران قوم باقی نہادند تیغ ۔۔۔ کہ رانند سیلاب خون بیدریغ
بزاری بشمشیر زن گفت زن ۔۔۔ مرا نیز با جملہ گردن بزن
مروت نبینم رہائی ز بند ۔۔۔ بتنہا و یارانم اندر کمند
ہمی گفت گریاں برادران طے ۔۔۔ بسمع رسول آمد آواز وے
ببخشید سش آن قوم دیگر عطا ۔۔۔ کہ ہرگز نکرد اصل گوہر خطا

(انڈا صوفی خاتون)

حکایات

سلطان محمود بن سبکتگین نے جب ملک عراق لینے کا مصمم عزم کیا تو عہد کا حصہ پہلے طے ہو چکا تھا کہ خراسان، ماوراء النہر اور تمام ہندوستان بندگان عالی کے قبضہ میں آچکے تھے آس پاس کے تمام ممالک پر بادشاہی پھریرا اڑ رہا ہے اب ملک کا تسخیر کرنا ضرورت ہے۔ ابھی بھی جان کو خطرات میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ چند روز آرام فرمایئے بادشاہ نے جواب دیا کہ ہمارے دوست ہماری مہربانیوں اور الطاف کے امیدوار رہتے ہیں اور ہمارے دشمن بھی ہم سے خوف کرتے ہیں۔ اگر ہم ایک مقبوضہ ملک پر قناعت کر بیٹھیں تو ہمارے دوست ہماری عنایات سے محروم رہ جائیں۔ اور بدخواہوں کے دل سے قطعی خوف کا خیال نکل جائیگا اور وہ ہمارے ملک کی فکر میں پڑ جائیں۔ بہرحال ہم کبھی کبھی ہر گوشہ کی خبر لینگے اسکے بعد سلطان محمود نے چند روز میں تمام عراق فتح کر لیا اور پھر اسکی عالی ہمتی تھی کہ ایسے دور دراز مقامات اور دشوار گزار راستوں کو عبور کر کے گجرات تک پہنچ گیا اور مہم کی۔ چنانچہ انہیں فتوحات و اولوالعزمیوں کے سبب خلفائے عباسیہ کے دربار سے اسے امین الملۃ یمین الدولہ غازی کا خطاب ملا تھا۔

سکندر رومی ملک گیری کا نہایت حریص تھا۔ تمام اقلیم کو تسخیر کرنے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ ایک دن شورش بڑھا تو ایک عالم نے کہا کہ تھوڑے عرصہ میں اتنا لشکر جمع ہو سکا۔ بہر حال دو سلطنتوں پر آپ کو تسلط حاصل ہے پھر شورش کی کیا ضرورت ہے۔ سکندر نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری عالی ہمتی کے سامنے عرصہ جہان بہت تھوڑا نظر آتا ہے اس لیے تھوڑی تسخیر پر قناعت کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے۔ ارسطو عالم نے کہا بیشک حضور کی ہمت عالی کے مقابلہ میں وسعت عالم کچھ حقیقت نہیں رکھتی لیکن جہان کے ساتھ عرصہ سعادت ابدی کیلئے سلطنت معنوی کو بھی تسخیر کرنا چاہیے۔ یہ جہان تو تیغ آبدار سے اور وہ جہان علم و اخلاق کے ہتھیار سے حاصل کرنا دونوں جہان کی سلطنت ہے۔ سکندر کو اس نکتہ سے تسلی ہوئی اور

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے درمیان بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ قرآن برحق ہے

بصارت و بصیرت

سیر حوادث

شبانہ روز اڑنے والا پرند

مسٹر جے لنکسٹر جو امریکہ کا ایک مشہور ماہر علم طیور الاشیا ہے اور جس نے پانچ برس تک فلوریڈا کے مشرقی کنارے پر پرندوں کے حالات دریافت کرنے میں صرف کیے ہیں۔ بیان کرتا ہے کہ فری گیٹ جو ایک قسم کا پرند ہے عرصہ تک بلا آرام کیے ہوئے اڑ سکتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے اس پرند کو ایک ہفتہ تک برابر دن رات اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ چھیانوے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ سکتا ہے۔ اور اسکے شہ پروں کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ اَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ (پ ۲۹ س الملک۔ ع ۲)، کیا انہوں نے اڑتے جانوروں کو نہیں دیکھا جو ان کے اوپر پر پھیلائے ہوا میں پھرتے ہیں۔ اور کبھی پر سمیٹ لیتے ہیں ان کو خدا کے سوا اور کون ہوا میں تھامے رہتا ہے بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔"

انجیل شریف میں ہے دیکھو تمہارا خدا ان چڑیوں سے بھی غافل نہیں ہے۔ جو بازار میں پیسہ کی دو دو بکتی ہیں۔ کیا وہ اے نادانو تم کو بھلا دیگا۔

بولتے ہوئے خطوط

یہ ایک حیرت انگیز ایجاد ہے جس کے اختراع کا فخر ایلمپرس کو حاصل ہوا ہے۔ آجتک تو یہ معمول رہا ہے کہ خطوط موصولہ کو پڑھکر یا کسی سے پڑھا کر مدعا کاتب سے آگاہی حاصل کی جاتی تھی۔ اس ایجاد نے پڑھنے پڑھانے کی سر دردی رفع کر دی ہے۔ کیونکہ اس عجیب و غریب ایجاد کے ذریعہ سے خود خطوط بولا کریں گے چنانچہ اسکا طریقہ یہ ہے کہ خط کا مضمون ایک قسم کے کاغذ پر بطور ریکارڈ کے ثبت کیا جاتا ہے اور پھر اسکو لفافہ میں بند کر کے ڈاک کے ذریعہ سے مکتوب الیہ کی طرف روانہ کیا جاتا ہے۔ جو اسکو ایک فونوگراف پر لگا کر ہو بہو کاتب کے لب و لہجے سب کچھ سن لیتا ہے۔ غور کرو فونوگراف اور گراموفون کی ایجاد سے یہ مسئلہ بوجہ احسن حل ہو گیا ہے جو قرآن کریم میں ہاتھ پاؤں کی گواہی کے متعلق مذکور ہے اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (پ ۲۳ س یٰسین۔ ع ۴) آج ہم ان کے منہوں پر مہر لگا دیں گے (اور یہ بات نہیں کرنے پائیں گے) اور جیسے کرتوت یہ لوگ کر رہے تھے ان کے ہاتھ ہم کو بتا دینگے اور ان کے پاؤں بھی گواہی دینگے۔ اب تو ہم جانتے ہیں کہ جس طرح ہوا اور روشنی کی لہریں محفوظ کر لی جاتی ہیں اسی طرح انسان کے اعضا و جوارح پر اسکے اعمال و افعال کا اثر مترتب ہوتا رہتا ہے۔

چقندر سے سیمنٹ

ناظرین کرام اس حقیقت سے تو آگاہ ہیں کہ بلاد غربیہ میں چقندر سے بکثرت کثیر المقدار شکر بنائی جاتی ہے جب چقندر کے رس کو اس مطلب کے لیے ابالا جاتا ہے تو اس پر کف آجاتا ہے۔ یہ کف کسی مصرف میں نہیں آتا بلکہ اسکو ردی اشیا کی طرح پھینک دیا جاتا تھا لیکن اب محققین فن نے دریافت کیا ہے کہ اس کف میں چونے کی مقدار کثیر ہے جس سے نہایت عمدہ سیمنٹ بن سکتا ہے۔ چنانچہ اسکا تجربہ کیا گیا تو ... چقندر میں سے شکر نکالنے کے بعد چار ہزار ... حاصل کیا گیا ... کا نام نہیں ہو سکتا پہلا ... گیا یہ ... ملائکہ ...

آبجیات نمبر

ماہوار آبجیات ہندوستانیوں میں تجارت اور صنعت و حرفت کا شوق پیدا کرنے اور بیروزگار لوگوں کو مختلف دستکاریاں سکھانے کے لیے اپریل میں میرٹھ سے جاری ہوا ہے۔ آبجیات کا پہلا نمبر جو اسوقت ہمارے سامنے ہے۔ اسکے تقریباً کل مضامین کا ما حصل یہی ہے۔ ان کے پڑھنے سے تجارت کے فوائد و برکات کا احساس اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں جن کی مدد سے ایک سمجھدار اور دیانت دار شخص محنت و کوشش کر کے اطمینان سے روزی کما سکتا ہے۔ ابتک اردو کا کوئی موقت الشیوع صنعتی اور تجارتی ہماری نظر سے ایسا نہیں گزرا جسمیں آبجیات کی طرح چھوٹی چھوٹی صنعتوں اور دستکاریوں کو سنیس اردو اور عملی رنگ میں بیان کیا جاتا ہو انگریزی میں ہندوستانیوں کے زیر اہتمام اس قسم کے کئی پرچے صوبہ بنگال و بمبئی وغیرہ سے نکل رہے ہیں مگر ان سے اردو دان اصحاب کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اسلئے ہندوستان کے اردو دان باشندوں کے لیے جو تجارت و صنعت کا ذوق رکھتے ہیں خصوصاً مسلمانوں کے لیے جو تجارتی برکات سے بالکل بے خبر ہیں۔ ہمارے نزدیک آبجیات کا مطالعہ ضرور مفید ثابت ہوگا۔

آبجیات میں چند امور ہمیں قابل اعتراض و اصلاح معلوم ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ آبجیات کے نام اور اسکے مضامین کے پیرایۂ بیان میں بیجا طور پر اشتہاری پہلو نمایاں نظر آتا ہے جو دیانت اور سنجیدگی پسند طبائع کو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ اس رسالہ کا نام آبجیات تبدیل کر دیا جائیگا اور اسکے مضامین کو زیادہ باوقار اور بھاری بھرکم بنانے کی کوشش کیجائیگی دوسرے یہ کہ آبجیات کو مقبول و ہر دلعزیز بنانے کا یہ طریقہ ہمارے نزدیک ملک و ملت کے حق میں نہایت مضر ہے کہ اسمیں چھوٹی چھوٹی صنعتوں اور دستکاریوں کے نتائج فوائد کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ اور محنت و کوشش، دیانت اور قابلیت ان کی تحصیل و تکمیل کے لیے مطلوب ہے۔ اسکو نہایت کم اہمیت دیجاتی ہے۔ یہ طرز عمل نہ صرف ناظرین آبجیات کے لیے بلکہ خود آبجیات کے حق میں سخت مضر ہوگا۔ ناظرین آبجیات کو تو اس سے یہ نقصان پہنچے گا کہ ان میں صنعتی و تجارتی مذاق اور اختراعی قابلیت پیدا ہونے کی بجائے کاہلی، غرور، مہالبلادی اور بے فکری محنت و کوشش سے زیادہ نفع کے متوقع ہونے کی بد عادتیں ترقی کرینگی۔ اور آبجیات کو یہ نقصان ہوگا کہ کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کو اسکے مبالغہ آمیز دعاوی پر اعتبار نہیں رہے گا۔ شروع شروع میں تو ہر شخص آبجیات کی سکھائی ہوئی دستکاریوں کو نعمت غیر مترقبہ یا کیمیا کا نسخہ سمجھکر ان پر فریفتہ ہو جائے گا لیکن جب وہ نتائج کو اپنی عظیم الشان توقعات کے مطابق نہ پائے گا تو پشیمان ہوگا۔ اسلیے ہماری رائے میں یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ کسی دستکاری کے منافع بیان کرنے میں مبالغہ سے ہرگز کام نہ لیا جائے۔ اور اسکے متعلق تمام صنعتی اور اقتصادی نشیب و فراز ابتداہی میں لوگوں کو بتا دئے جائیں آبجیات کی لکھائی چھپائی قابل اصلاح اور سالانہ قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے نمونہ دیکر منیجر صاحب رسالہ آبجیات۔ تجارتی یتیم خانہ میرٹھ سے طلب کیجئے

برہان

یہ ۳۴ صفحہ کا منصفانہ رسالہ ایک پادری صاحب مورد صوبۂ بلوچستان کے خط کے جواب میں جناب مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان سشن جج ریاست پٹیالہ نے تحریر فرمایا ہے۔ پادری صاحب نے اپنے خط میں مندرجۂ ذیل سوالات کئے تھے

(۱) توریت و صحف انبیاء و انجیل و قرآن شریف آپس میں کیا نسبت رکھتے ہیں؟

(۲) حضرت موسیٰ و عیسیٰ و محمد (علیہم السلام) کے مدارج کیا ہیں اور کیا نسبت رکھتے ہیں؟

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس بات میں نمونہ ہیں اور حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) صاحب کس میں؟

(۴) حضرت محمد صاحب (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتی زندگی کا بحیثیت انسانی حاجتوں میں کس زمانہ کے لوگوں سے مقابلہ کریں۔ تاکہ محمد کا اعلیٰ ہونا ثابت ہو؟

مندرجہ بالا ہر چہار سوالوں کا جواب حضرت قاضی صاحب ممدوح نے اس خوبی سے دیا ہے کہ منصف مزاج اور نیک طینت محقق کو اس کے صحیح تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہو سکتا۔ اور اسکے مطالعہ سے حضور سرور عالم کی ذات اور اسلام پاک کی حقیقت واضح طور پر منکشف ہو جاتی ہے اور فاضل مصنف کا منصفانہ اور محققانہ طرز تحریر نمونہ ہے ان مصنفین کے لیے جو حق الیقین علم کر اعتراضات کا شافی اور مسکت جواب دینے میں ناکام رہتے ہیں برہان

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

لوگوں کو قصے سنایا کرو تاکہ وہ غور و فکر کرنے لگیں

القصص

حضرت سلیمان و ملکہ بلقیس

اسکے بعد سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ تخت کی ہیئت بدل دیں تاکہ اس امر کا اندازہ لگایا جاسکے۔ کہ ملکہ کو سمجھ ہے یا نہیں عقلمند ہے یا بیوقوف۔

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ (نمل ع ۳ پ)

(سلیمان نے) کہا۔ کہ اسکے تخت کی صورت بدل دو۔ تاکہ ہم دیکھیں رستے پر آتی ہے یا انہی لوگوں میں سے ہے۔ جو راستہ نہیں پاتے۔

جب ملکہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ فوراً تاڑ گئی۔ کہ یہ تو میرا ہی تخت ہے۔ مگر اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی ویسا ہی تخت ہو۔ اپنے خیال کو کس خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے:۔

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ

جب بلقیس حاضر ہوئی۔ تو اس سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے۔ وہ بولی یہ تو گویا ہو بہو وہی ہے ہم کو تو اس سے پیشتر آپ کی نبوت و برگزیدگی کا علم ہو گیا تھا۔ اور ہم اسی وقت آپکے فرمانبردار ہو چکے تھے۔

پھر سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو محل میں آنے کی اجازت دی۔ راستہ میں بجائے پتھروں کے شیشے کا فرش تھا۔ دور سے پانی سا معلوم ہوتا تھا۔ ملکہ نے اپنے پائنچے اٹھا لیے۔ تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ پائنچے چڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ تو شیش محل ہے۔ اس کا فرش بھی شیشوں سے جڑا ہوا ہے۔

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ

بلقیس سے کہا گیا۔ کہ آپ محل میں تشریف لائیے۔

فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ

جب اس نے محل میں شیشے کا فرش۔ دیکھا تو اسکو پانی سمجھی اور وہاں سے گزرنے کے لیے اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں۔ اسوقت سلیمان نے کہا۔ کہ یہ تو ایسا محل ہے جس کے فرش بھی شیشوں ہی سے جڑے ہوئے ہیں۔

جس وقت ملکہ سلیمان علیہ السلام کے محل میں آپ کے تخت کے پاس پہنچی۔ تو ملکہ سے اسلام لانے کی درخواست کی گئی۔ ملکہ نے دعوتِ اسلام کو قبول کیا۔ شرک، کفر اور بت پرستی سے توبہ کی۔

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (نمل ع ۳ پ)

بلقیس نے کہا۔ اے میرے خدا! میں نے اب تک سورج پرستی کی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہو کر خدا رب العالمین پر ایمان لائی۔

جب ملکہ مسلمان ہو گئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نکاح کر کے اپنی بیویوں میں داخل فرمایا۔ وہ پینے سات سال تک ملکہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں رہیں۔ اسی مدینہ تدمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ فقط

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

بندہ محمد عبد التواب غفرلہ

...ہوئی مرکب سے تین ہزار کیسو باسٹھ تن سیمنٹ ...۔ اس کے ...نے کا قاعدہ یہ ہے کہ کف کو بڑے بڑے حوضوں میں پہنچا کر خشک کیا جاتا ہے۔ پھر اس میں باریک چکنی مٹی ملائی جاتی ہے۔ اس مرکب کو ایک گھنٹہ تک ...خاص قسم کے بھٹے میں خشک کر کے پیس لیا جاتا ہے۔ غور کرو سائنس کی ترقی سے دنیا کے بے شمار عجیب راز منکشف ہو گئے ہیں۔ بادی النظر میں دنیا کی اکثر چیزیں جو فضول و بیکار بعض معلوم ہوتی تھیں تحقیقات جدیدہ سے وہی مفید و کار آمد ثابت ہو رہی ہیں۔ اور اس سے قرآن کی صداقت کی تصدیق و تائید ہوتی ہے کہ خدا نے دنیا کی تمام چیزیں انسان کے نفع کے لیے پیدا کی ہیں۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

سکھوں کی آٹھویں کانفرنس میں فیس داخلہ کی تعداد

سکھوں کی آٹھویں کانفرنس میں جو وسط اکتوبر میں فیروزپور میں منعقد ہوئی تھی۔ فیس داخلہ کی تعداد حسب تفصیل ذیل ہے:۔

پانچ سو روپیہ فیس دینے والے	۵ ممبر	۲۵۰۰ روپیہ
تیس " " " "	۲۱۶ ممبر	۶۴۸۰ روپیہ
دس " " " "	۴۶۸ "	۴۶۸۰ "
پانچ " " " "	۸۶۷ "	۴۳۳۵ "
پچاس " " " "	۱۶ اسپیشل	۸۰۰ "
آٹھ " " " "	۲۰۳ "	۱۶۲۴ "
دس " " " "	۱۰۵۲ "	۱۰۵۲۰ "
پانچ " " " "	۱۴۱۶ "	۷۰۸۰ "
میزان		۳۸۰۱۹

غور کرو اڑتیس ہزار انیس روپے صرف فیس داخلہ کی آمدنی ہے۔ جو روپیہ فیس داخلہ کے علاوہ فراہم ہوا۔ وہ اسکے علاوہ ہے۔ اس کی شمولیت سے کل آمدنی اس کانفرنس کی نصف لاکھ سے کسی صورت میں کم نہ ہو گی۔ بلحاظ دلچسپی اخلاص اور سرگرمی کے سردار تحسین و آفرین اور اخوان ملت کے لیے قابل تقلید و تتبع ہے۔ کیا خلافت اسلامی کانفرنس کی مجموعی آمدنی جن کے اجلاس ستمبر گزشتہ میں منعقد ہوئے تھے سکھوں کی کانفرنس کے برابر ہوئی ہے؟

بطخوں کی عقلمندی

قارئین کرام اس بات کے سننے سے متحیر و متعجب ہونگے کہ شہر ملتان میں بطخوں کی نعل بندی کی جاتی ہے۔ ملتان کی شہرت ایک تو اس وجہ سے ہے کہ یہ شہر متبرکہ عیسائیوں کا مرکز بنا ہوا ہے اور دوسرے یہاں بطخوں کی نعل بندی کی جاتی ہے۔ جو سوائے اس شہر کے اور کسی مقام میں رائج نہ ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ملتان کا علاقہ بطخوں کی پیدائش کے لیے اطراف و اکناف میں مشہور و معروف ہے۔ اور اس علاقہ میں بطخیں اس قدر کثرت سے ہوتی ہیں۔ کہ مقامی طور پر ان کی فروخت سے کچھ بھی منفعت نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر بطخوں والے بطخوں کے غول کے غول ہانک کر دور دراز منڈیوں میں فروخت کے لیے لے جاتے ہیں۔ موسم خزاں کے اختتام پر وہ اپنی بطخوں کی نعلبندی کرتے ہیں۔ اور اسکی صورت یہ ہے کہ بطخوں کو پہلے تو گرم و نرم تارکول میں سے اور پھر باریک ریت کے میدان سے گذارتے ہیں۔ تارکول کی وجہ سے ریت پاؤں میں چپک کر پتھر کی طرح سخت ہو جاتی ہے۔ نمی اور پانی کا اسپر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ اس عجیب و غریب نعلبندی کی بدولت بطخیں دو دو سو میل کی طویل مسافتیں پا پیادہ طے کرنے کے قابل ہو جاتی ہیں۔ اور دور دراز کے بطخوں کے میلہ میں جا پہنچتی ہیں۔ ان کے پاؤں میں آبلہ تک نہیں پڑتا۔ قارئین کرام جانتے ہیں کہ قدرت نے بطخوں کے پاؤں کی ساخت اس قسم کی بنائی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ خشکی پر چلنے کے لیے موضوع نہیں بلکہ پانی میں تیرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ بطخوں کے پاؤں چھوٹے اور بڑی ہوئے ہیں۔ انگلیاں اندر کو مڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ انگلیوں کے بیچ میں باریک جھلی ہوتی ہے اسی کے بل پر جیزی سے تیر سکتی ہیں۔ تیرتے وقت پاؤں مارتی ہیں اور جھلی کے زور سے آگے بڑھ جاتی ہیں۔ غور کرو اہل ملتان مصنوعی نعلبندی سے بطخوں کے پاؤں کی ساخت میں تغیر کرتے ہیں۔ تاکہ وہ زمین پر طویل مسافتیں طے کرنے کے قابل ہو جائیں۔ کیا ان کا طریق عمل تغییر خلق اللہ نہیں ہے۔ جس کا ذکر آیہ مجیدہ میں ہے۔ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ الخ (سورۃ النساء - ع ۱۸) (شیطان نے کہا کہ میں ضرور تیرے بندوں کو بہکاؤں گا اور انکو امیدیں دلاؤں گا اور انکو سکھلاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر ڈالیں۔ اور انکو یہ سجھاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بناوٹ بدل دیں)

(نور الدین)

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کیلئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہے جبکہ ہمسایہ ممالک روس، ایران، ترکستان، افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اس کی یہ وجہ ظاہری کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں ہے کہ ذی علم ہو اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتے کہ چین کے مسلمان بھی اس کے مستثنیٰ نہیں ہیں بلکہ صرف آجکل ہندوستان ہی کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں اسی ضرورت پر لحاظ کرکے **علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی نے جن کی جملہ تصنیفات کی فہرست** ذیل میں **درج ہے** قرآن مجید ایک بامحاورہ اردو ترجمہ عبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شائع کردی ہے اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جسکی سرخیاں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ترجمہ کرنیکا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا (۲) ترجمہ قرآن کی صورت زمانہ وسطی اور زمانہ اخیر میں (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت اور آنحضرت محمدؐ (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) متضاد احکام قرآن میں نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) مکرر باتیں قرآن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن جن پر صرف یورپ کے مہذب لوگوں کا عملدرآمد ہے (۲۸) برکات اسلام کیلئے الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۹) معجزات (۳۰) مؤلف کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے۔

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی گئی ہے اور جتنے مسائل شرعی قرآن سے نکلتے ہیں انکا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف قرأت سے علماء حنفی المذہب اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہو گئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے اور مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا علماء حنفی المذہب نے جو باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ زیریں میں سب کا بیان ہے تاکہ ترجمہ کے مذاہب کے لئے یکساں مفید ہو لیکن متن میں جو ترجمہ اختیار کیا گیا ہے وہ سنی حنفی المذہب کے موافق ہے کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کرکے نہایت صحت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ اسے کہنا بجا ہے یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول [illegible] میں ملائی پارہ کا ترجمہ کیا تھا اور اس کے چار برس کے بعد ۱۸۹۶ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا تھا پھر اسکے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے ناظرین بالکل ترجمہ دیکھکر انشاء اللہ قائل ہو جائیں گے کہ دیر آید درست آید۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بلا تاخیر طلب فرمائیں۔ اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ ترجمہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کے ہاتھوں میں پہنچے اشتہار کا باعث ہو اور یہ واضح رہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر جیسا کہ علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے۔

ہدیہ قیمت فی جلد مذہب تین روپیہ (نوٹ) جہاں سینکڑوں ہزاروں روپے لہو و لعب میں صرف ہوتے ہیں وہاں ترجمہ قرآن کے سمجھنے پر تین روپے صرف کیا جانا ہے

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت	قیمت	کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید اردو مع مختصر حواشی	اردو	مذہب اسلام	۴۰۰	۳	۳	مجلد
۲	تاریخ الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۸۰۰	۳	[illegible]	[illegible]
۳	الاسلام	اردو	[illegible]	۸۰۰	۳	[illegible]	[illegible]
۴	[illegible]	اردو	مذہب اسلام	[illegible]	[illegible]	[illegible]	طبع ثانی
۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۸۰	[illegible]	[illegible]	۰

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت	قیمت	کیفیت
۶	[illegible]	اردو	[illegible]	۲۰	[illegible]	[illegible]	۰
۷	نشتر سخن	[illegible]	[illegible]	۵۰۰	[illegible]	[illegible]	۰
۸	زبان اردو	اردو	[illegible]	۳۲	۲	۲	۰
۹	[illegible]	انگریزی	۰	۱۸	۲	۲	۰
۱۰	[illegible]	۰	۰	۳۳	۲	۲	۰

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	قیمت	قیمت	کیفیت
۱۱	[illegible]	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۲	[illegible]	[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۳	[illegible]	۰	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۴	[illegible]	۰	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

المشتہر عبد الواحد خان منیجر قاضی اینڈ کمپنی گورکھپور

اے بسترِ پہلوئے یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ، حسن سیرت و معاشرت کا روحانی خطیب۔ اخلاقی و تمدنی امراض کا مذہبی معالج، مسلمان مردوں کا رہبر، عورتوں کا معلم، بچوں کا اتالیق، مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ ہر شمسی مہینے کی پہلی تاریخ کو شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

محال است سعدی کہ راہِ صفا ✦ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید ✦ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان متقی اور پرہیزگار مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی پکے مسلمان ہوں کیا ثبوت دیں قرآن پاک کے حقائق و معارف اور اسلام کی صحیح تعلیم [illegible]
دنوت خدا اور عظمت رسول کو معاشرت و تمدن میں بنیاد بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کریں۔ تعصب اور کورانہ تقلید سے پرہیز کریں بلکہ صاف [illegible]
باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کو چھوڑنے کو معیوب نہ سمجھیں۔ افراط و تفریط کو چھوڑ کر معتدل مسلک پر آجائیں۔ دولت، وقت اور توجہ [illegible]
سو ہی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل نہ کریں۔ خانہ جنگیوں، نااتفاقیوں اور بغض و عناد سے مخالفوں کو حوصلے نہ بڑھائیں اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتحاد و اتفاق اور ہمدردی و خلوص [illegible]
عیش پسندی، کاہلی اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں۔ محنتی، جفاکش، اولوالعزم، اعلیٰ اندیش، مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالیں اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں [illegible]
کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ صنعت و حرفت و تجارت کی طرف پوری توجہ کریں۔ شیخیت، غرور اور اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنا چھوڑ دیں۔ تمام [illegible]
تصور کریں۔ شراب خواری، عیاشی، نمود و نمائش، فیشن پرستی، مقدمہ بازی، محض خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کر دیں۔ گوشہ نشینوں اور [illegible]
اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی نذریں بند کر کے ان سے مفت خوری کی عادت چھڑا دیں۔ ایسے مولویوں، ایسے صوفیوں، ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو [illegible]
لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض، ملت فروش اور عام بہادر خیرخواہ لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ سیاسی شور و شغب سے مفید قومی اور دینی کاموں کو
قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو ان تمام اوصاف و محامد سے متصف کریں جو ایک اصلح انسان میں ہونے چاہئیں تاکہ زمین کی وراثت کے وہ مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

قواعد و ضوابط

(۱) اسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو (انشاء اللہ) شائع ہوا کرے گا۔ اگر کسی صاحب کے پاس اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں ۱۰ تاریخ تک مطلع کرنا چاہیے ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے۔
(۲) "اسوۂ حسنہ" دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے۔ قسم اول کے پرچہ کی سالانہ قیمت [illegible] اور قسم دوم کے پرچہ کی [illegible] مع محصول ڈاک مقرر ہے جو بہرحال پیشگی آنی چاہیے۔ (۳) جو حضرات [illegible]
وامداد اسوۂ حسنہ کی سالانہ قیمت مبلغ پانچ روپے یا اس سے زائد عطا فرمائیں گے وہ معاونین خاص سمجھے جائیں گے۔ ان کے اسمائے گرامی اسوۂ حسنہ میں شائع ہوا کریں گے [illegible]
غیر مستطیع حضرات کے لیے اسوۂ حسنہ کی معمولی سالانہ قیمت میں رعایت کی جائے گی۔ (۴) سال ختم ہونے پر اگر کسی خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع دفتر میں نہیں پہونچے گی تو ہم آئندہ سال
کا چندہ وصول کرنے کے لیے وی۔ پی بھیجنے کے مجاز ہوں گے اور خریدار کو یہ وی۔ پی قانوناً وصول کرنا ہوگا۔ (۵) اسوۂ حسنہ کا نمونہ اس شرط پر مفت دیا جا سکتا ہے کہ اگر نمونہ دیکھنے کے بعد
رسالہ کی خریداری منظور نہ ہو تو اسے واپس کر دیا جائے ورنہ ایک سال کی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا وی پی ادا کر دی جائے۔ (۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ آنا چاہیے۔ شکایتی خطوط میں
نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیے اور نام و پتہ صاف و خوشخط لکھنا چاہیے ورنہ تعمیل نہ ہوگی۔ (۷) "اسوۂ حسنہ" میں اشتہارات چھپوانے والوں کے لیے مطبوعہ نرخنامہ موجود ہے دفتر سے منگا لیا جائے۔

مضمون نگاروں کیلیے

اسوۂ حسنہ کے قلمی معاونین کو مندرجۂ ذیل امور کا لحاظ رکھنا چاہیے (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں اور منقول عنہ کا حوالہ ضرور دیں (۳) [illegible]
مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری، بے نتیجہ اور غیر محققانہ ہوں یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحتاً یا کنایۃً منافی ہوں یا جنہیں لفاظی تکمیل زیادہ اور مفید علمی و اصلاحی [illegible]
یا جو مناظرہ و مجادلہ بازی کے رنگ میں لکھے گئے ہوں۔ (۴) اگر مضمون کسی دوسرے رسالہ یا اخبار میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کیلیے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو [illegible]
ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری ان پر عائد ہوگی (۵) مضمون لکھنے سے قبل اسوۂ حسنہ کے مقاصد کا پڑھ لینا ضروری ہے جو اسی صفحہ پر چھپے ہوئے ہیں (۶) اسوۂ حسنہ میں [illegible]
ابواب و فصول مقرر ہیں مضامین میں ان کی مناسبت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ (۷) طویل اور غیر دلچسپ مضامین حتی الامکان اسوۂ حسنہ کے لیے نہ لکھے جائیں [illegible]
دعوت و مسائل کے مفید تراجم دلی شکریہ کے ساتھ قبول کیے جائیں گے بشرطیکہ وہ کوئی اصلاحی، علمی یا ادبی خصوصیت رکھتے ہوں (۸) دلکش اصلاحی اور تعلیمی [illegible]
اسقام سے پاک ہوں اسوۂ حسنہ میں نہایت شوق سے شائع کی جائیں گی۔

مینیجر

معاونین اسوۂ حسنہ

کاغذ کی گرانی کی وجہ سے جو حسب ذیل مالی مشکلات اسوۂ حسنہ کو پیش آرہی ہیں ان سے متاثر ہو کر ہمارے بعض کرم فرماؤں نے قومی ہمدردی کے تقاضے سے تا اختتام جنگ اسوۂ حسنہ قسم دوم کی سالانہ قیمت بجائے ۱۲ کے ۳ روپے ادا کرنی منظور فرمائی ہے۔ ہم ان معاونین مخلصین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی دریادلی و فیاضی کا نیک ثمرہ عطا فرمائے آمین۔ اُمید ہے کہ دوسرے ذی استطاعت احباب بھی اس نازک موقع پر اسوۂ حسنہ کی مالی دستگیری سے دریغ نہ فرمائینگے۔ تین روپے سالانہ قیمت منظور فرمانے والے معاونین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جناب مولوی محمد صدر الدین صاحب مختار (۲) جناب لقمان جی صاحب۔ مقام پڑلاوا۔ (۳) جناب مولوی حبیب اللہ صاحب طالب علم (۴) جناب مولوی محمد یوسف صاحب (۵) جناب بابو محمد الدین صاحب اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر۔ (۶) جناب حافظ شرف الدین احمد صاحب آنریری مجسٹریٹ (۷) جناب میاں کریم الدین احمد الدین صاحبان سوداگر چرم (۸) جناب سردار سید غنی محمد شاہ صاحب نذری عرف حضرت جی صاحب (۹) جناب بابو عبد القادر صاحب شملہ (۱۰) جناب مولوی حاجی عنایت اللہ صاحب امرتسر (۱۱) جناب منشی فضل الرحمن خان صاحب کانپور۔

مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ جن بہی خواہان اسوۂ حسنہ نے توسیع اشاعت میں کوشش فرمائی ہے۔ ان کی قابل قدر مساعی بھی قابل مشکوری ہیں۔ توسیع اشاعت ایک قومی رسالہ کی ایسی خدمت ہے جس میں مستطیع و غیر مستطیع حضرات دونوں حصہ لے سکتے ہیں۔ اسلئے اسوۂ حسنہ کے تمام مداحوں سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ ایک ایک دو دو خریدار بہم پہونچانے میں سعی بلیغ فرمائیں۔ تاکہ اس تنگی طوفان کے زمانہ میں اسوۂ حسنہ کی مالی بنیادیں متزلزل نہونے پائیں۔
توسیع اشاعت کی کوشش میں حصہ لینے والے حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔

(۱) جناب منشی فضل الرحمن صاحب۔ ۷ خریدار (۲) جناب بابو اللہ بخش صاحب لاہور ۳ خریدار (۳) جناب حاجی محمد حاجی عبداللہ قیا بمبئی۔ ۳ خریدار (۴) جناب منشی محمد حفیظ اللہ خان صاحب سب انسپکٹر ۳ خریدار (۵) جناب منشی جمیل الدین صاحب۔ ۳ خریدار (۶) جناب مولوی عبدالحق صاحب حامد مدرس انجمن اسلامیہ غوثیہ ۲ خریدار (۷) جناب منشی شیخ عبدالغنی صاحب۔ ۲ خریدار (۸) جناب قاضی فیض محمد صاحب۔ قاضی ابشیر ۲ خریدار (۹) جناب مولوی حکیم محمد رکن الدین صاحب داتا۔ ۱ خریدار (۱۰) جناب منشی سید تجمل حسین صاحب ہیڈکلارک۔ ۱ خریدار (۱۱) جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مفوضہ ہی ۱ خریدار (۱۲) جناب بابو عزیز الرحمن صاحب سب اوورسیر۔ ۱ خریدار (۱۳) جناب مولوی سید عبدالجبار صاحب سٹمپ اکسایز کلرک۔ ۱ خریدار (۱۴) جناب ماسٹر محمد خان صاحب۔ ۱ خریدار (۱۵) جناب مولوی محمد اکرم صاحب اہلحدیث ۱ خریدار (۱۶) جناب مولوی محمد صدیق صاحب۔ ۱ خریدار (۱۷) جناب منشی محمد فیاض خان صاحب ستوج۔ ۱ خریدار (۱۸) جناب منشی محمد الیاس صاحب چیتاپور ۱ خریدار (۱۹) جناب مولوی خلیل الدین احمد صاحب وکیل۔ ۱ خریدار (۲۰) جناب منشی عبدالرزاق صاحب۔ ۱ خریدار (۲۱) جناب مولوی محمد مراد علی خان صاحب مکس۔ ۱ خریدار (۲۲) جناب منشی اسد داد خان صاحب ۱ خریدار (۲۳) جناب سید احمد شریف صاحب صیغہ دار۔ ۱ خریدار (۲۴) جناب منشی محمد عبدالغنی صاحب شنولیس ۱ خریدار (۲۵) جناب شیخ احمد بخش صاحب دکن۔ ۱ خریدار (۲۶) جناب منشی منظور خان صاحب ناظر عدالت۔ ۱ خریدار (۲۷) جناب ایچ ایم سعید الجلیل الرحمن صاحب ۱ خریدار (۲۸) جناب مولوی خیر الدین احمد صاحب سب انسپکٹر۔ ۱ خریدار (۲۹) جناب منشی سید نورالدین صاحب مخلص ڈرامانویس۔ ۱ خریدار (۳۰) جناب امین محبوب میاں صاحب۔ ۱ خریدار (۳۱) جناب منشی محمد عبدالقادر خان صاحب۔ ۱ خریدار (۳۲) جناب منشی نورالدین صاحب غضنفر۔ ۱ خریدار۔

مردہ زندہ ہوگیا

آبحیات نے اس قدر فائدہ بخشا کہ گویا مردہ کو زندہ کر دکھایا کہ ایک آدمی سیاہ مرض سے جب باہر لایا گیا تو [illegible] آبحیات دو دفعہ دیا زندہ ہوگیا

موسیٰ خاں جنرل مرچنٹ گنتہ و پورہ (مرطیبا)

جادو اثر ثابت ہوا

آپکے آبحیات کی بہت طرح آزمائش کی گئی۔ جادو اثر ثابت ہوا اور قیمی ام [illegible] ایجنسی [illegible]

محمد فیض الدین حیدرآباد دکن

قے و دست بند

آپکی دوائی سے قے دست بند اور پیٹ کے درد سے فوراً آرام ہوا +

غلام محمد تاجر کتب بھوپالی

جو ہندی کا بلیت اور مصر کے اکسیر البدن اور کیمیا گر اکسیر اعظم کہتی ہیں

یا امرت پرواہ

آبحیات

جس کے فوائد کی تصدیق تجربہ مشاہدہ اور حکیموں کے مستند اقوال وہزاروں

زندہ گواہوں کی شہادت ہے۔ جو ہر قوم و ملت کے ہر حصہ ملک میں موجود ہیں [illegible] کر چکے ہیں ماہر ہیں کہ آپ نادرہ زمانہ ہیں تو کیا بدقسمتی ہے طبائے سلف نے قدرت کا متفق [illegible] کہ بعض جڑی بوٹیوں میں روح الکل ایک غلاف میں ملفوظ ہے۔ اگر کوئی [illegible] کا ماہر علم غلاف مذکور کے روح کو حاصل کرے پھر وہ روح جس مریض کو دیا جائے۔ مرض خواہ کیسی ہی دیرینہ کیوں نہ ہو علاج ہو وہ روح کو طاقت دے کہ مرض کو نکال دیتی ہے [illegible] وہ ہر ایک کو معلوم نہیں ہوتیں۔ بلکہ بعض خاص خاص لوگوں کو جن پر [illegible] فرماتے ہیں۔ ان بوٹیوں کا ساد انشا کر دیتے ہیں جن میں یہ روح الکل زیادہ ہوتا ہے یہ روح کو تبدیل ہیئت کرنے میں کوئی امر مانع نہیں [illegible] وہ سرایت کر کے مرض کو جسم سے داخل ہوتے ہی نکال دیتا ہے۔ اکسیر [illegible] خاصہ ہوتا ہے کہ مرض کو داخل ہوتے ہی جسم سے خارج کر کے مزاج کو فطرتی حالت پر [illegible] وجہ ہے کہ یہ اکسیر اعظم ہر قسم کی مختلف لاعلاج بیماریوں میں [illegible] کا کام دیتا ہے

درد پسلی جاتا رہا

آبحیات عجیب چیز ہے [illegible] دو چند قطرہ [illegible] درد پسلی [illegible] دو دفعہ لگایا اور [illegible] درد جاتا رہا۔ فرخ حسین [illegible]

روتے آئے ہنستے چلے گئے

[illegible] سے قبض و درد سر و بخار میں مبتلا تھے [illegible] دوسری خوراک میں بالکل آرام ہوگیا ایک شخص [illegible] آبحیات [illegible]

تیر بہدف ہے

آبحیات تمام مرضوں پر تیر بہدف ہے +

محمد عیسیٰ خاں [illegible] ضلع علیگڈھ

فوائد مصدقہ آبحیات

تپ دق۔ تپ محرقہ۔ تپ صفراوی۔ تپ پر سوت بسل پیچش۔ [illegible] نمونیا۔ ذات الجنب طپش دل۔ ناسور۔ بدکا زخم۔ درد کان۔ مسوڑوں سے خون آنا۔ [illegible] پھنسیاں۔ پھوڑوں کا [illegible] بواسیر۔ نواسیر۔ تالو کا سوراخ۔ [illegible] دانت کا درد۔ قبض۔ [illegible] کھانسی خشک وتر۔ کرم شکم۔ درد پستان۔ درد دل۔ ہیضہ۔ طاعون۔ درد شکم۔ خنازیر۔ زہردار ڈنک۔ بھڑ۔ بچھو۔ سانپ۔ آگ سے جلنا۔ گرمی دانے۔ درد چوٹ زخموں میں کیڑے پڑنا۔ کثرت پیاس۔ تشنج خارش۔ نکسیر بدہضمی۔ نزلہ۔ زکام۔ [illegible] بخار۔ [illegible] وغیرہ امراض کیلئے حکماً مفید ہے مفصل حال کتاب آبحیات میں درج ہے۔ طلب کرنے پر مفت ارسال ہوتی ہے۔ پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ ارسال ہوگا +

قیمت [illegible] درجن [illegible] محصولڈاک بذمہ خریدار +

آبحیات سینکڑوں بیماریوں کا ایک ہی تیر بہدف نسخہ ہے جو ہر درد کی دوا ہے

پتہ:۔ حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء کا شفا یافتہ لاہور موچی دروازہ

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ بابت اپریل سنہ ۱۹۱۶ء مطابق ۷ بہ جمادی الاول لغایت ۲۶ جمادی الثانی سنہ ۱۳۳۴ھ

جلد ۳ — نمبر ۹

فہرست مضامین

اشتات

معارف القرآن

تعلیم الاسلام

اصلاح الاخلاق والاعمال

السیرۃ المحمدیہ والمدائح النبویہ

بصارت و بصیرت

تنقید و تقریظ

معاملہ کی بات

جن حضرات کا سال خریداری اسی پرچے کے پہنچنے پر ختم ہوجائیگا اگر وہ آئندہ سال کے لیے خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں تو براہ کرم مبلغ [illegible] روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ آخیر اپریل تک سال آئندہ کی قیمت موصول نہ ہوئی اور کوئی انکاری اطلاع بھی دفتر میں نہ پہنچی تو ضابطہ دفتر کے بموجب مئی کا رسالہ وی پی بھیجکر سالانہ قیمت [illegible] کے خریداروں سے [illegible] وصول کرلیجائے گی۔ اگر آپ کسی مجبوری سے آئندہ سال کے لیے رسالہ نہیں خرید سکتے تو براہ مہربانی ڈاک کا ایک کارڈ لکھ کر ہم کو مطلع کردیجئے کہ آئندہ آپ کے نام اسوۂ حسنہ نہ بھیجا جائے [illegible] لکھنے میں آپ کا اتنا نقصان نہیں ہوگا جتنا کہ وی پی کے واپس آنے سے ہم کو تکلیف اور زیر باری ہوگی ہمارا آپ کا یکساں سے تعلق ہے امید ہے کہ آپ اس تعلق کا خیال رکھیں گے۔ اور وی۔ پی واپس کرکے خواہ مخواہ ہم کو نقصان نہیں پہونچائیں گے۔

(مینیجر)

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تم سے پہلے کتنی قومیں گذر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم و ستم کیا ... اور ان کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لیکر آئے ... اور وہ ایمان نہ لائے تو ہم نے انکو ہلاک کر دیا ... ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو

اسوۂ حسنہ

اشتات

دیباچہ

اپریل سنہ کا اسوۂ حسنہ حاضر ہے بعض اپنی بعض سخت ترین خانگی و ذاتی پریشانیوں کی وجہ سے امید نہیں تھی کہ تیسری جلد کا یہ نواں حصہ وقت مقررہ پر شائع ہو سکیگا کیونکہ ایک غیر متوقع جانکاہ حادثہ الم نے ہمارے دل و دماغ کو بیکار اور پریشان کر دیا تھا لیکن خدا تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اسکی قدرت کاملہ نے پردۂ غیب سے ایسے اسباب مہیا کرنے کہ بغیر کسی خاص جد و جہد اور کد و کاوش کے یہ پرچہ وقت مقررہ سے بھی پہلے چھپ کر تیار ہو گیا۔ اور ہم اپنے محترم ناظرین سے تاخیر اشاعت کی معذرت سے بچ گئے۔

اس پرچہ میں تین مضمون خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔ ایک مرزا سلطان احمد خان صاحب کا عالمانہ مضمون "زمین اور نفس" جسمیں بعض قرآنی حقائق و معارف پر روشنی ڈالی گئی ہے دوسرے مولانا حکیم اسرار الحق صاحب کا مضمون "معیار تقدس" تیسرے علامہ عباسی کا مضمون "رہبانیت اسلام میں نہیں ہے"۔ حکیم اسرار الحق صاحب کے مضمون کا ایک حصہ جنوری کے اسوۂ حسنہ میں چھپ چکا ہے۔ دوسرا حصہ اس پرچہ میں شائع کیا گیا ہے۔ اسوۂ حسنہ کے مخصوص نقطۂ نظر سے حکیم صاحب ممدوح کے فاضلانہ مضمون میں اصولاً و فروعاً کئی امور قابل اعتراض و تنقید تھے لیکن ہم نے ان کا ذکر کرنا یا ان سے تفصیلاً اختلاف کرنا اس خیال سے ضروری نہیں سمجھا کہ آج کل بعض مغربی صحبت یافتہ حضرات کی مذہب و روحانیت سے بیگانگی بلکہ دراصل سرکشی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ انہیں اور بہت سے پڑھنے والے یہ کہ جو تحریر کیا گیا ہے کے اصول پر ایک حد تک عمل کرنے کی ضرورت ہو۔ علاوہ ازیں حکیم صاحب ممدوح نے واضح ان الدنیا کے خلاف جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے وہ محض خلوص و نیک نیتی سے تحریر فرمایا ہے نہ کہ کسی عناد و مخالفت سے۔ اسلیے ہمیں امید ہے کہ جن حضرات کو قوم کے مخلص خیر طلب حکیم صاحب ممدوح کے خیالات سے اپنی تحقیق کی بنا پر اختلاف ہے۔ وہ ان کے مضمون کو بغور پڑھیں۔ وہ ارض نہ ہو رہے گے۔ بلکہ خذ ما صفا و دع ما کدر پر عامل ہو کر مضمون مذکور کی روشنی میں قومی سیرت کے تاریک پہلوؤں پر نظر ڈالیں گے۔ اور ناپسندیدہ اعمال و عقاید کی اصلاح میں کوشش فرمائینگے۔ معیار تقدس کا آخری حصہ فانی فی الدنیا حضرات کے لیے خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے۔

مولانا عباسی کا مضمون "رہبانیت اسلام میں نہیں ہے" اصولی حیثیت سے گویا حکیم اسرار الحق صاحب کے مضمون معیار تقدس کے دوسرے حصہ کا جواب ہے لیکن ہمیں معلوم ہے کہ مولانا عباسی کے مضمون سے حکیم اسرار الحق صاحب ممدوح کے خیالات کی پورے طور پر تسلی و تشفی نہیں ہو سکتی۔ جہانتک ہمارا خیال ہے حکیم صاحب بھی اسلام میں رہبانیت کو جائز نہیں سمجھتے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ صوفیا و علمائے کرام کی عزلت نشینی اور زہد و توکل وغیرہ پر رہبانیت کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اور اسلام میں اب تک جس قدر اولیاء و اصفیا گزرے ہیں مع حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ سب دنیا و متاع دنیا سے حتی الامکان علٰحدہ رہا کئے

پسند کرتے تھے۔ مگر چونکہ مولانا عباسی کے مضمون میں بھی مذکورہ بالا عقیدہ کی کمزوری پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے لیکن اس عالمگیر غلط فہمی کا منشا روشنی ابھی تک تاریکی میں ہے اسلیئے ہم چاہتے ہیں کہ مولانا عباسی یا کوئی دوسرا صاحب اسی موضوع پر ایک مفصل مضمون تحریر فرمائیں تاکہ حقیقت کے چہرے سے غلط فہمی کا پردہ ہٹ جائے مگر اسلام پاک کے پیارے تعلیم اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے پیارے عمل کی حرمت دوقت قائم رہے۔

اسی مضمون کے لیے "معیار تقدس" کا موضوع تجویز کرنے سے ہمارا یہی منشا تھا کہ رہبانیت کے متعلق افراط و تفریط کے درجہ میں جو غلط فہمیاں آجکل شائع اور رائج ہو رہی ہیں ان کا ازالہ کیا جائے مگر افسوس کہ ابتک اس مسئلہ پر جیسی چاہیئے روشنی نہیں ڈالی گئی۔ بات یہ ہے کہ مذہب کے متعلق تنقیدی کام میں مسلمانوں کو فی زمانہ تساہل یا انہماک ہے وہ مخلے بالطبع ہو کر کسی اہم مسئلہ میں غور و تدبر نہیں کر سکتے۔ اسلیئے عموماً افراط و تفریط کی جانب مائل ہو جاتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ مولانا عباسی صاحب جنکی تصانیف مفیدہ بہت سے قیمتی خیالات و تحقیقات سے پر ہیں۔ ضرور رہبانیت و اسلام کی گتھی کو سلجھانے کی کوشش فرمادینگے۔ اور مولانا اسرار الحق صاحب کا مضمون "رہبانیت و اسلام" کہ جنکی جسکے لکھنے کا انہوں نے اپنے مضمون معیار تقدس میں وعدہ فرمایا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مذکورہ بالا تین مضمونوں کے علاوہ جناب مولوی الف دین صاحب بی۔اے۔ وکیل کا مضمون "اعجاز القرآن" ہر لحاظ سے قابل قدر ہے کہ وہ تلاش تحقیق اور کوشش و کاوش سے لکھا گیا ہے افسوس کہ مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں بے انتہا اجمال و اختصار سے کام لیا ہے۔ اگر اسی مضمون کو منطقی ترتیب سے پھیلا کر لکھا جاتا تو یقیناً وہ زیادہ مفید ثابت ہوتا اور اسکی دلچسپی بھی بڑھ جاتی۔ امید ہے کہ مولوی الف دین صاحب کے مضمون کے اشارات کی مدد سے اس موضوع پر ایک مشرح و مبسوط مضمون لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس پرچہ کے عام فہم اور عام پسند مضامین میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا مضمون "میری مقتول قمری" اور سیماب صاحب کی نظم "جنت سے دوسرا خط" موثر و دلکش ہیں جن لوگوں کو پرندوں کے پالنے کا شوق ہے لیکن ان کی خبر گیری سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ ان کے لیے خواجہ صاحب کے مضمون میں کافی نصیحت موجود ہے۔ اسی مضمون سے اور بھی کئی مفید سبق اہل بصیرت کو حاصل ہو سکتے ہیں۔

باقی مضامین بھی اپنے اپنے رنگ میں اچھے ہیں اور بحیثیت مجموعی یہ رسالہ بھی اپنے کسی پیشرو سے کم نہیں ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مستورات اور ہنر مندی

نواب حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب رئیس آگرہ اپنے معزز و مقتدر رسالہ افادہ کے ذریعہ سے جس ہمدرد اندیشی، خلوص، سلامت روی اور استقلال کے ساتھ قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ وہ صرف تحسین و تعریف بلکہ تتبع و تقلید کے قابل ہے۔ یہ سچ ہے کہ حاجی صاحب ممدوح کے بعض خیالات جو اعتدال سے گزر کر افراط و تفریط کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ اکثر بزرگان قوم کے نزدیک قومی مفاد کے حق میں مضر ہیں لیکن محض چند خیالات مقاصد یا اصول کا یہی اختلاف ہونیکی وجہ سے ہم حاجی صاحب کی گرانقدر اصلاحی مساعی کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہم افادہ کو خوب دلچسپی سے پڑھتے رہتے ہیں اور ہم بلا تامل یہ کہنے کیلیے تیار ہیں کہ معزز افادہ کی ہر ایک تحریر خواہ وہ کیسی ہی دل آزار یا قابل مضحکہ معلوم ہو۔ بلاشبہ خلوص، نیک نیتی اور قومی ہمدردی پر مبنی ہوتی ہے اور یہی جنس آجکل ناپید ہے۔

کچھ عرصہ ہوا نواب صاحب ممدوح نے افادہ اور چند دوسرے اخبارات کے ذریعہ سے یہ نہایت مفید سوال قوم کے فہمیدہ اصحاب کے سامنے بغرض جواب پیش کیا تھا کہ وہ کون کونسے ہنر اور دستکاریاں ہیں جنہیں پردہ نشین بیبیاں آسانی سے سیکھ کر عند الضرورت ان سے کام لے سکتی ہیں۔ اس مفید سوال کے جو جوابات خطوط یا اخباروں اور رسالوں میں دئے گئے ہیں۔ ۱۳ مارچ ۱۹۲۹ء کے افادہ میں ان سب کو شائع کیا گیا ہے اور ایسے افادہ کا یہ نمبر مستورات کے لیے نہایت کار آمد اور بیش قیمت معلومات سے پر ہے۔ اس پرچہ کے شروع میں حاجی صاحب نے ایک عمدہ مضمون "مستورات اور ہنر مندی" کے عنوان پر لکھ کر پردہ نشین بیبیوں کے لیے ہنر سیکھنے کی ضرورت ثابت کی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ہم اس پورے مضمون کو نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ صرف ذیل کے اقتباس پر قناعت کرتے ہیں۔

"دولت کوئی شے مستقل نہیں ہے۔ پس نہ کوئی مرد نہ کوئی عورت جان سکتی ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے مرد و زن دونوں ہو سکتے ہیں۔ اور عورتیں بھی۔ مگر فرق یہ ہے کہ بیوی کے مرجانے سے خواہ خانہ ویران ہو جائے مگر مرد مفلس نہیں ہو جاتا کیونکہ اس کو روزی کمانے کا ہنر خود معلوم ہوتا ہے بخلاف عورت کے کہ وہ مصیبت کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور سوائے اسکے کہ سوال کرے اور کچھ اس سے بن نہیں پڑتا۔ لہذا اگر مکمل نہ ہو مگر تاہم اسکا علاج بھی یہی ہے کہ عورتیں کسی نہ کسی ہنر سے واقف ہوں اور اسکے انجام دینے کی مشاق بنیں۔

علاوہ اس بدنصیب عورت مصیبت کے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے صرف دل بہلانے کے واسطے اگر گھر سے باہر ایسی حالت میں جائے کہ گھر میں چھوڑ جانے کے واسطے کافی ترکہ اسکے پاس ہو یا خدانخواستہ کوئی بیماری ایسی لگ جائے کہ مرد معاش پیدا کرنے سے عاجز ہو جاوے تو ان تمام حالتوں میں عورت کا ماہر ہنر ہونا بھی اس عالم اسباب میں کچھ سہارا بن سکتا ہے"

حاجی صاحب کے سوال کے جوابات میں مستورات کے لیے جن پیشوں اور ہنروں کے سیکھنے کا مشورہ دیا گیا ہے انکا خلاصہ حاجی صاحب ہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔ امید ہے کہ ناظرین و ناظرات اس خلاصہ سے مستفید ہونے کی کوشش کرینگے +

خلاصہ

(۱) انگشتانہ گری۔
(۲) بچوں کے موزے ٹوپیاں ہاتھ سے بنانا
(۳) بہشتی زیور ... کے فروخت کیجئے
(۴) تصنیف و تالیف۔
(۵) تصویر بنانا۔ اس میں رنگ دینا اس کو درست کرنا۔

(۶) تصویر کے چوکھٹے بنانا۔
(۷) تیل نکالنا بادام وغیرہ کا بذریعہ مشین کے۔
(۸) ٹائپ رائیٹنگ۔
(۹) ٹائپ کمپوز کرنا۔
(۱۰) ٹوپیاں ایرانی۔ اونی وغیرہ بنانا
(۱۱) جالی کاڑھنا۔
(۱۲) جام آچار مربہ چٹنی بنانا۔
(۱۳) جلد سازی۔
(۱۴) جو پیشے مرد کرتے ہیں۔ انکی مستورات ان ہی پیشوں کو سیکھکر اُن کی مدد کریں۔
(۱۵) جوتوں کی کارچوبی ودیگر بنانا
(۱۶) ۔۔۔۔چوڑیاں بنانا۔
(۱۷) چھوٹے بچوں کے کپڑے قطع کرنا اور سینا۔
(۱۸) چھپائی (یعنی بیل وغیرہ کی کپڑوں پر۔
(۱۹) خوشنویسی۔
(۲۰) دانت بنانا۔
(۲۱) دری بننے کے واسطے سوت کھولنا۔
(۲۲) دستانے بننا یا بنانا۔
(۲۳) ڈاکٹری پڑھنا۔
(۲۴) ڈبل روٹی۔ بسکٹ۔ کیک بنانا۔
(۲۵) رنگریزی۔
(۲۶) رنگ سازی۔
(۲۷) روشنائی بنانا۔
(۲۸) ریشم کے کیڑے پالنا۔
(۲۹) سگرٹ بنانا۔
(۳۰) شال دوزی۔ ۔ فوگری۔
(۳۱) شہد کی مکھیاں پالنا۔
(۳۲) صابون بنانا۔
(۳۳) علاقہ بندی (یعنی کمربند بنانا زیور پرونا۔ انگی ہڑیں باندھنا وغیرہ
(۳۴) عینکوں کے شیشوں کو جلا کرنا
عینکوں کو نظر کے مطابق کرنا
عینکوں کو بیچنا۔
(۳۵) غلہ وغیرہ کی تجارت۔
(۳۶) فوٹوگرافی
(۳۷) فینسی جاکٹیں بنانا۔
(۳۸) فیتہ بننا۔
(۳۹) قمیص بنانا۔ ان کا کاٹنا سینا۔
(۴۰) کاپی نویسی۔
(۴۱) کارچوبی۔ زردوزی۔
(۴۲) کارچوبی کے زیور بنانا۔
(۴۳) کاغذ کے پنکھے پھول بنانا گلدستے بنانا۔
(۴۴) کپڑوں کا قطع کرنا۔
(۴۵) کپڑوں کا سینا۔
(۴۶) کشیدہ کاڑھنا۔
سوزن کاری۔
(۴۷) کروشیہ لیس بنانا
(۴۸) کھانا پکانا۔
(۴۹) کھلونے۔ (مثل گڑیوں وغیرہ کے) کپڑے کے سینا۔
(۵۰) گلٹ کرنا۔
(۵۱) گلوبند (یعنی ٹائی) ریشمی اور اونی بننا۔ گوٹے کے ہار بنانا۔ گھڑی سازی
(۵۲) لیمپ کی بتیاں بننا۔
(۵۳) نواڑ بننا۔
(۵۴) مرغیاں پالنا۔
(۵۵) موزے۔ بنیاین بذریعہ مشین کے بنانا۔
(۵۶) نرس گری (یعنی مریض کی خدمت گذاری)
(۵۷) وارنشیں مختلف قسم کی بنانا

۳۶ و ۵۱ ہمارے نزدیک عورتوں کا فوٹوگرافی سیکھنا نہ صرف شرعاً ہی ناجائز ہے۔ بلکہ اخلاقی و تمدنی نقطۂ نظر سے بھی قابل اعتراض ہے۔
ہمیں یقین ہے ہم ناظرات اسوۂ حسنہ کو فوٹوگرافی سیکھنے کا مشورہ نہیں دینگے۔"

ایڈیٹر
اسوۂ حسنہ

اس فہرست پر نظر ڈالتے وقت بہت سے پیشوں کو دیکھکر گھبرانا نہیں چاہیئے کہ کیا کام کیا جائے اور کیا نہیں۔ جیسا کہ اکثر دستور ہے۔ بلکہ اپنے گرد و نواح کی حالت کے موزوں کوئی پیشہ اختیار کر لینا چاہیئے۔ (ایڈیٹر افادہ)

پردہ نشین بی بیوں کے لیے ایک نہایت موزوں پیشہ کی طرف میرا خیال رجوع کرایا گیا ہے۔ اور وہ اشتہاری دوا فروشی ہے۔ مثلاً منجن۔ چورن۔ نمک سلیمانی۔ سرمہ۔ بچوں کی کھانسی کے لعوق۔ رافع قبض جوب۔ جوڑوں کے درد کے لیے مرکب موم روغن۔ وغیرہ وغیرہ جو کم محنت۔ اور کافی نفع بخش ہیں۔ طب کی کتابیں ایسے نسخوں سے بھری پڑی ہیں جس کو ہر ایک خواندہ مگر سلیقہ والی بی بی پڑھ اور سمجھ کر اُن سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

قرابادین قادری جس کا غالباً اردو میں ترجمہ ہوگیا ہے ایک آسان اور مستند کتاب ہے۔ اگر اسمیں مہارت اور اسکا سلیقہ آجائے تو پیسوں سے اشرفیاں بن سکتی ہیں۔ اور پردہ مانع نہیں ہوگا۔
(افادہ ۱۳۔ مارچ ۱۹۱۲ء)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(یہ قرآن بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں)

معارف القرآن

تفسیر الفاتحہ

مقدمۃ التفسیر

(سلسلہ کے لیے دیکھیے اُسوۂ حسنہ بابت مارچ ۱۹۱۶ء)

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ تفسیر دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو خدا اور اسکے مقدس کلامات بعد پیدا کرتی ہے۔ جو محض الفاظ قرآن کے حل کرنے۔ جملوں کے اعراب بتانے اور عبارتوں کے معنوی اشارات و علمی نکات بیان کرنے کے لیے کیجاتی ہے۔ یہ حقیقتاً علوم نحو و معانی وغیرہ کی ایک شق ہے۔ جسکو لفظ تفسیر کے ساتھ تعبیر کرنا بھی مناسب نہیں۔

تفسیر کی دوسری قسم وہی ہے جس کی نسبت ہم ذکر کر آئے ہیں۔ کہ وہ لوگوں پر بطور فرض کفایہ واجب ہے اس تفسیر میں مرقومہ بالا شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ انکے ذریعہ سے اصلی غرض و غایت کو حاصل کیا جائے۔ اور وہ مقصد اصلی یہ ہے کہ مفسر حق سبحانہٗ تعالےٰ کے کلام مقدس کی مراد اور عقاید و احکام وغیرہ کے مشروع ہونے کی مصلحت و حکمت کو اسطرح ذہن نشین کرلے کہ وہ نفوس انسانی کو گمراہیوں سے نکالکر قرآن پاک کی تعلیم کردہ ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے لیے آمادہ کرسکے یہی وہ تفسیر ہے جس میں ہدیٰ و رحمۃ وغیرہ قرآنی اوصاف کے معانی متحقق ہوسکتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مقصود بالذات تفسیر سے وہ شرائط و فنون نہیں بلکہ اہتدا بالقرآن یعنی قرآن پاک سے ہدایت حاصل کرنا ہے۔

علامہ شیخ عبدہٗ نے فرمایا کہ میں اپنی تفسیر میں سب سے پہلے اسی مقصد کو مدنظر رکھوں گا پھر علامہ ممدوح نے موجودہ زمانہ میں تفسیر القرآن کی اہمیت و ضرورت کو ایک مثال دے کر سمجھایا کہ اسوقت عراق سے لیکر انتہائے بلاد مراکش تک جو عربی بولنے والے ہیں۔ ان کی زبان عرب کی اصلی زبان کے مقابلہ میں بالکل ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کوئی عجمی قوم عربوں میں آملی ہو اور اسکے میل جول کے باعث عربی کے بہت سے مفرد الفاظ ان کی زبان میں شامل ہو گئے ہوں پس ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو مسلمانان سابق کی بہ نسبت تفسیر کی زیادہ ضرورت ہے اور اگر قرن ثالثہ کے مسلمانوں کی نسبت سے دیکھا جائے جنہوں نے تفسیر القرآن کی سخت احتیاج محسوس کرکے اسکی کتابت و تحریر شروع کی تھی۔ تو اس زمانہ میں تفسیر کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور اسمیں بھی شک نہیں کہ اگر ہم اپنی موجودہ تنزل پذیر حالت پر قایم رہے تو ہماری آیندہ نسلیں ہمسے بھی زیادہ تفسیر کی ضرورتمند و محتاج ہونگی لیکن اگر توفیق ایزدی شامل حال ہوئی اور ہمیں اپنی زبان و دین کے زندہ کرنے کا احساس ہو گیا تو عجب نہیں کہ ہماری جانشین ہم سے بہتر حالت میں ہوں۔

آج بلکہ اب سے چند قرن پیشتر سے ہماری قوم میں تفسیر کے یہ معنی رہ گئے ہیں کہ بعض علماء نے جو کچھ رطب و یابس تفسیر کی کتابوں میں لکھدیا ہے۔ اسکا علم ہو جائے۔ باوجودیکہ ان علماء کے کلام میں تعارض و تخالف بھی ہے جس سے قرآن پاک منزہ و مبرا ہے :-

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ	اور اگر یہ کلام خدا کے سوا کسی اور کے
لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا	پاس سے آیا ہوتا۔ تو وہ ضرور اسمیں اختلاف پاتے "

جن لوگوں کو کتب تفسیر کے مضامین معلوم کرنے اور ان میں غور و خوض کرنے کا شوق ہے۔ کاش وہ تفاسیر کا مطالعہ اس نیت سے ہی کریں کہ وہ ان کے ذریعہ سے قرآن پاک کے معانی و مطالب کا علم حاصل کر سکیں تاکہ اِس علم سے وہ خود بھی مستفید ہوں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائیں۔ خود اسپر عمل کریں۔ اور دوسرونکو عمل کرنے کی رغبت دلائیں۔ لیکن افسوس وہ اِس نیت سے بھی ان کتابوں کو نہیں پڑھتے۔ بلکہ امیر صنعتیں تلاش کرتے ہیں۔ اور پھر فخر کرتے ہیں کہ ہم ان صنعتوں کے ماہر ہیں۔ اگر کوئی انہیں اس طلب کے سوا سے روکتا ہے۔ تو اوس سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور تحصیل صنایع و بدایع کی خوبیاں بیان کرنے میں مقاصد قرآن کے خلاف دور از کار تاویلات در عجیب وغریب باتیں گھڑ کر متقدمین مقلدین کے حکایات و اقوال ان کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سے یہ نہیں دریافت کرے گا کہ فلاں امر کے بارے میں لوگوں کے کیا کیا اقوال و خیالات تھے۔ بلکہ کچھ سوال ہوگا اس کتاب کی بابت ہوگا جو ہمارے ارشاد و ہدایت کے لیے نازل فرمائی گئی ہے۔ اور اس نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سنت کی بابت ہوگا جس نے نازل شدہ وحی کو ہم سے بیان کیا ہے:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

"اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے آپ اُسے لوگوں سے بیان کریں"

خداتعالےٰ ہم سے دریافت فرمائے گا: "کیا ہمارے رسول نے ہماری شریعت تمہیں پہنچائی؟" "کیا تم نے اسپر غور و تدبر کیا؟" "کیا ہمارے اطوار و نواہی کو تم سمجھے؟" "کیا تم نے قرآن پاک کے ارشاد و ہدایات پر عمل اور ہمارے نبی کی سنت کی پیروی کی؟" تعجب ہے کہ ہم ان سوالوں کے تو منتظر رہیں۔ اور قرآن مجید کی ہدایات سے ہمارے اعراض کی یہ کیفیت ہو۔ افسوس ہم کس قدر غفلت اور دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

ہمارا قرآن سمجھنا بھی ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ خدا کی معرفت حاصل کرنا۔ ہمارے یہاں خدا کی پہچان کے لیے سب سے پہلے بچوں کو جو تعلیم دیجاتی ہے۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پاک (اللہ یا خدا) کی ہوتی ہے۔ مگر کس طرح سے؟ بچہ اس مقدس نام کو جھوٹی قسموں کے ذریعہ سے سیکھتا ہے۔ کہ واللہ میں نے ایسا کیا اور خدا کی قسم میں نے ایسا نہیں کیا۔ وقس علی ہذا۔ یہی حال ہم نے قرآن مجید کا بھی کر رکھا ہے۔ بچے اپنے اعزا و اقارب سے یہ تو سن لیتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ خدا کا کلام کسے کہتے ہیں۔ اور اسکے کیا معنی ہیں۔

علیٰ ہذا وہ قرآن پاک کی عظمت و بزرگی کا اظہار بھی انہی طریقوں سے کرتا ہے جو آجکل عام طور پر مسلمانوں میں جنکے زیر اثر وہ تربیت پاتا ہے رائج ہیں۔ انہی میں ایک یہ اعتقاد ہے کہ قرآن مجید کی فلاں آیت اگر کاغذ وغیرہ پر لکھ کر اور پانی میں گھول کر فلاں مرض میں کسی مریض کو پلائی جائے تو اُسے شفا ہو جائے گی۔ یا یہ کہ جس شخص کے پاس قرآن پاک ہوگا جنات اور بھوت پلید اس کے قریب نہ پھٹکیں گے۔ اور فلاں فلاں معاملات میں بڑی برکت ہوگی۔ اسیطرح کی اور بہت سی باتیں ہیں جو زیادہ تر عوام اور کمتر خواص میں مشہور ہیں۔ قطع نظر اسکے کہ یہ باتیں صحیح ہیں یا غلط ہم مانتے ہیں کہ اُن سے قرآن پاک کی بے حد عظمت و بزرگی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ قرآن پاک کی یہ تعظیم اس نیت تعظیم سے زیادہ نہیں ہے۔ جو بعض بزرگوں سے فقط ان منافع و فوائد ہی کے حاصل کرنے کے لیے کیجاتی ہے۔ قرآن پاک کے مقاصد و فوائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے نزدیک یہ تعظیم "قرآن پرستی" ہے نہ کہ "خدا پرستی بذریعہ قرآن"۔

تعظیم و تکریم قرآن کا دوسرا طریقہ یہ رائج ہے کہ جب کسی قاری سے جسکی آواز دردناک اور لہجہ موثر ہو۔ جو الفاظ خوبی سے ادا کرتا۔ گانے کے ڈھنگ جانتا۔ اور قواعد موسیقی سے آگاہ ہو۔ قرآن پاک سنتے ہیں۔ تو کچھ مخصوص حرکتیں اور معین کلمات ہمسے صادر ہوتے ہیں۔ اس لذت و سرور کا باعث نغمہ اور خوش آوازی ہے بلکہ بڑا سبب یہ ہے کہ سامع فہم قرآن سے مس نہیں رکھتے۔ یعنی انہیں وہ ذوق سلیم حاصل نہیں ہوتا جس سے وہ قرآن پاک کے اسلوب بیان سے اسکے عجائبات معلوم کر لیا کریں۔ اور کلام مقدس کی نصیحتیں ان کے دلوں پر اسطرح چھا جائیں کہ انہیں ہمہ تن اپنی جانب متوجہ کر کے اور تمام باتوں سے غافل کر دیں۔ فہم قرآن سے ہماری مراد وہ نہیں ہے جو کتب تفسیر کی کورانہ تقلید سے حاصل کیا گیا ہو۔ اور ذوق سلیم اور اسکے ثمرات یعنی رقت و شعور اور لطف وجدان سے جنپر تعقل و تاثر اور فہم و تدبر کا مدار ہے خالی ہو۔ آجکل نافہمی اور کورانہ تقلید کا مرض اس قدر عام ہوگیا ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ موجودہ زمانہ کی جہالت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے گمراہوں کی جہالت سے بڑھی ہوئی ہے تو کچھ بے جا نہیں ہے۔ کیونکہ ان گمراہ جاہلوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی نسبت حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ "وہ حق کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ

اپنے بیٹوں کو "

اور حق الامر کی شناخت بڑی چیز ہے۔ گو حق بات معلوم ہونے پر اس کا انکار کرنے سے منکر سزا و عذاب کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ لیکن اسکا نفس ہمیشہ اسے اعراض عن الحق پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ اور اس ملامت سے باطل پر اڑے رہنے کی عادت کچھ کم ہوجاتی ہے۔

یہ محض رقت احساس اور لطف شعور ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ بکریاں چرانیوالا بدو جب قرآن مجید سنتا تھا۔ تو سجدہ میں گر جاتا تھا۔ کیا آج کسی طالب علم کی نسبت بھی یہ قیاس میں آسکتا ہے۔ کہ وہ ایسا کرے گا؟ تم جانتے ہو کہ قرآن کی قوت جاذبہ کے ذریعہ سے جزیرہ نمائے عرب کے باشندے اسلام کی طرف کیوں اس قدر جلد کھینچ آئے۔ اسلئے کہ ان میں وقت فہم پایا ایک مبنی تھی۔ جو انہیں حق کی جانب مایل کرنے کا باعث ہوئی۔ اس موقع پر علامہ سدوسی نے ایک بدوی لڑکی کا قصہ بیان کیا ۔۔۔ جسنے قرآن پاک کی ایک آیت کے متعلق سمجھ لیا تھا کہ اسمیں دو امر دو نہی۔ اور دو بشارتیں موجود ہیں۔ اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اصمعی نے ایک اعرابی کی لڑکی کو جو پانچ یا چھ سال کی تھی۔ یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:۔

استغفر اللہ لذنبی کلّہ قتلت انسانا بغیرحلہ
مثل غزال ناعم فی دلہ وانتصف اللیل ولم صلہ

اصمعی نے یہ اشعار سنکر تعجب سے کہا کہ لڑکی تو تو بڑی فصیح ہوگئی ہے تو وہ بولی واہ یہ بھی کوئی فصاحت ہے۔ فصاحت تو خدا تعالےٰ کے کلام میں ہے

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ۔ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔

اور ہمنے موسیٰ کے والدہ کی طرف وحی بھیجی کہ انکو دودھ پلاؤ پھر جب انکی نسبت تم کو (کسی طرح کا) خوف ہو تو ان کو دریا میں ڈالدینا۔ اور کچھ خوف و رنج نہ کرنا۔ کیونکہ ہم ان کو پھر تمہارے پاس پہنچاوینگے۔ اور آخرکار انکو پیغمبروں میں سے (ایک) پیغمبر بنائینگے "

کہ ایک ہی آیت میں دو امر دو نہی اور دو بشارتوں کو جمع کر دیا ہے۔

جب قرون اولے کے علمائے مسلمین نے یہ دیکھا کہ لوگوں کے قلوب کو اسلام کی جانب مایل کرنے میں قرآن پاک کی تاثیر کو اس قدر دخل ہے کہ بغیر اسکے مدد کے اسلام کی حفاظت کرنا ناممکن ہے۔ اور جب اہل عرب کا اہل عجم سے میل جول ہوا۔ اور عجمی مسلمان بھی علما عرب کیطرح قرآن کی باریکیاں سمجھنے لگے۔ تو سب کا اسپر اتفاق ہوگیا کہ زبان عربی کی حفاظت کرنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ اسی غرض کے لیے انہوں نے علوم و فنون وضع اور دیوان مرتب کیے۔ یہ سچ ہے کہ قوم کی زبان و آداب کی حفاظت میں مشغول رہنا فی نفسہ نہایت عمدہ چیز ہے۔ اور قومی زندگی کی ایک علامت ہے۔ کیونکہ جس قوم کی زبان فنا ہوجاتی ہے۔ وہ قوم زندہ نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن صرف اسی خیال نے سلف صالحین کو زبان عربی کی حفاظت یعنی لغات صرف و نحو اور معانی و بیان کی کتابیں لکھنے اور دیوان مرتب کرنے پر آمادہ نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ وہ اس خدمت کے لیے محض حفاظت دین کی غرض سے کمربستہ ہوئے تھے۔

علامہ اسفرائینی نے مسلمانوں کے فرقوں کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ جسے اہل سنت والجماعت کے ذکر پر ختم کیا ہے۔ اور اہل سنت کے ان فضایل میں جنکی وجہ سے وہ دوسرے فرقوں سے ممتاز ہیں۔ انکی زباندانی کو بھی شامل کیا ہے۔ نہ معلوم اب ان کا یہ ذوق سخن قرآن سمجھنے میں کہاں گیا۔ قرآن تو قرآن اب تو وہ کوئی دوسرا بلیغ کلام بھی نہیں سمجھ سکتے۔

ہم نے موجہ طور پر بیان کر دیا کہ تفسیر کے لیے ذوق عربی کا ملکہ پیدا کرنے کی کیوں ضرورت ہے اور علاوہ بریں ان امور کا بھی ذکر کر دیا جن پر قرآن مجید کا سمجھنا موقوف ہے

مسٹر طامس کارلایل۔ اپنی کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ کی جلد دوم میں لکھتے ہیں:۔

میرے نزدیک قرآن میں سچائی کا جوہر اسکے تمام معنی میں موجود ہے جسنے اس کو وحشی عربوں کی نظر میں بیش بہا کر دیا تھا

سب سے آخر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے آخر جو خوبیاں ہیں وہ اپنے اندر رکھتاہے اور ہر قسم کے اوصاف کا باعث بلکہ دراصل ہر قسم کے وصف کی بنا صرف اُس سے ہی ہوسکتی ہے "

زمین اور نفس

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید محض وجدانیات ہی کے متعلق نازل ہوا ہے یا اس میں زار روحانیات ہی کا ذکر ہے۔ وہ غور اور امعان سے کام نہیں لیتے محض سرسری نظر پر قانع ہو جاتے ہیں۔ اگر قرآن اور مطالب قرآن پر بالاستیعاب اور بہ غور و خوض نظر کی جائے تو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ معاشری اور تمدنی پہلو بھی اصولی رنگ میں قرآن مجید میں موجود ہے۔ معاملات و اقتصادیات۔ تمدن۔ معاشرت اور علوم و فنون وغیرہ کے متعلق جو باتیں قرآن مجید میں صراحتاً یا اشارتاً بیان کی گئی ہیں۔ وہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ قرآن مجید کے نزول کی غرض محض وجدانیات و روحانیات ہی میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس میں علمی۔ تمدنی اور معاشری اغراض بھی داخل ہیں۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید محض مذہبی باتیں سنا کر خاموش ہو جاتا ہے اور اس میں دوسری زندگی کے اثبات اور عذاب و ثواب پر ہی زیادہ زور دیا گیا ہے لیکن جب ہم بنظر امعان و توجہ قرآن مجید پڑھتے اور اس کے حقائق و معارف پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمیں خود بخود یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہمیں تلاوت قرآن کا ڈھنگ نہیں آتا۔ اور ہماری تلاوت محض عامیانہ رنگ کی ہوتی ہے قرآن مجید کی مختلف آیات اور عبارتوں کے ربط دینے سے ایک بڑی حد تک قاصر رہنے کی وجہ سے ہم یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ ان آیات و فقرات کی حقیقت کیا ہے۔ اور انہیں ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے۔

مضمون ہذا کے عنوان میں جو دو آیتیں درج کی گئی ہیں وہ ایک دوسرے سے ایسی وابستگی رکھتی ہیں کہ انہیں یکجا پڑھنے سے کلام الٰہی کے حقائق و مقاصد پر مفید روشنی پڑتی ہے۔ پہلی آیت میں الفاظ "آیات"، اور "موقنین"، اور دوسری میں "النفس"، اور "تبصرون" قابل غور و خوض ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے "یقین لانے والوں کے واسطے زمین میں خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں"

اس آیہ کریمہ کے بالمقابل دوسری آیت میں فرمایا جاتا ہے "تمہارے نفوس و ضمایر میں بھی قدرت کی نشانیاں ہیں"

اگر اس طور پر باہمی ربط کے ساتھ یہ دونوں آیتیں پڑھی جائیں تو پڑھنے والوں پر بادنےٰ غور یہ ثابت ہو سکے گا کہ "نفس" اور "ارض" میں بہ اعتبار مخفیات اور نشانیوں کے ایک خاص تعلق ہے۔ اور یہ دونوں نشانیاں اس قابل ہیں کہ انسان ان پر غور کرے اور دیکھے کہ قدرت کی جانب سے انہیں کیا کچھ جوہر اور رکھا گیا ہے۔ اور ان کی تہ میں جانے سے کن کن رموز کا انکشاف ہوتا ہے۔

ارض ایک ٹھوس چیز ہے جسم بھی ٹھوس ہے۔

ارض کے طبقات ہیں جسم کے بھی طبقات ہیں۔

ارض کی تہ میں مختلف مواد پائے جاتے ہیں جسم کی تہ میں بھی مختلف مواد موجود ہیں۔

ارض مختلف قوتیں اور مختلف جذبات رکھتی ہے جسم میں بھی مختلف قوتیں اور مختلف جذبات نظر آتے ہیں۔

ارضی مواد سے مختلف قسم کی دوسری طاقتیں وجود پذیر ہوتی ہیں۔ جسمانی مواد میں بھی یہی خاصیت ہے۔

ارض نشیب و فراز اور مختلف خصایص رکھتی ہے جسم بھی نشیب و فراز رکھتا۔ اور مختلف خاصیتوں کا مظہر ہے۔

ارض سے طرح طرح کے بخارات اٹھتے اور دنیا میں تغیرات و انقلابات پیدا کرتے ہیں۔ جسم کی بھی یہی کیفیت ہے۔

الغرض اسی قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں جو دونوں ہستیوں میں مشترک نظر آئیں گی۔ اور بعد از مزید غور یہ ماننا پڑے گا کہ مندرجہ بالا آیات میں نفس و ارض کے درمیان ایک اتم مشابہت اور خاص تعلق کا دکھانا مقصود تھا۔

لفظ "آیات"، سے محض معمولی نشانیاں مراد لینا وسعت قرآنی کو کم کرنا ہے۔ بلکہ یہ لفظ ہر قسم کی علمی عملی ظاہری اور باطنی نشانیوں پر حاوی ہے

اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جو لوگ زمین کو علمی رنگ میں دیکھتے ہیں یا کسی عملی غرض سے اسکا امتحان کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اسکے ظاہر و باطن میں ہزاروں ایسی نشانیاں ملسکتی ہیں جن سے وہ یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ اس قسم کی پراسرار اشیاء و اجسام کا بنانے والا ضرور کوئی طاقتور اور قادر علیم حکیم ہے۔ جسنے ان چیزوں میں اہل دنیا کے لیے ایسے ایسے منافع و فوائد رکھے ہیں۔ اور ایسی نتیجہ خیز اغراض کو مد نظر رکھکر انہیں مخلوق کیا ہے۔ لفظ موقنین سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو کسی چیز کو دیکھکر محض یہ کہدینا کافی سمجھیں کہ یہ چیز اللہ میاں نے بنائی ہے اور ہمارا اسپر ایمان ہے۔ بلکہ وہ علماء محقق مراد ہیں جو اپنی تنقیدی و اختراعی قابلیت سے علمی رنگ میں زمین کو دیکھتے اور پڑتالتے ہیں۔ اور تحقیق و تفتیش اور غور و خوض کے بعد ان رموز و مخفیات پر بوجوہ یقین کرتے ہیں۔ جو اسمیں قدرت نے رکھی ہیں۔

غور کرو کہ جو لوگ ان محققانہ نگاہوں سے زمین اور اسکے اجزائے مخفیہ کو دیکھیں گے ان کا علم کیا عظیم الشان اور پراسرار ہوگا۔ اور جب وہ اپنی تحقیق کے مراحل پر نظر ثانی کرکے انہیں شائع کرینگے تو دنیا اور اہل دنیا کے واسطے وہ کس قدر مفید ثابت ہونگے۔ انہی لوگوں کی مساعی جمیلہ کی برکت آج دنیا میں علم الارض یا جیالوجی کی ہستی پائی جاتی ہے جس کی بدولت دنیا والوں کو ہزاروں قسم کے فوائد و برکات حاصل ہو رہے ہیں۔

کاش مسلمان دیکھیں اور غور کریں کہ قرآن مجید اپنے مخصوص رنگ میں ہمیں ارضی تحقیقات یا علم الارض کے سیکھنے کی کس خوبی سے ہدایت کر رہا ہے۔ اور کس لطیف پیرایہ سے علمی اور عملی کوششوں کی جانب متوجہ ہونے کی رغبت دلا رہا ہے۔ ایک طرف ارشاد ہوتا ہے کہ زمین میں ہماری بہت کچھ نشانیاں ہیں۔ اور دوسری طرف فرمایا جاتا ہے کہ جو لوگ انکی تحقیقات کرتے ہیں وہی بوجوہ یقین لانے والے ہیں۔ کیا جو محقق ایسا یقین رکھے گا وہ ایماندار نہیں ہوگا۔ کیا اس کے ایمان میں کمزوری اور خامی رہے گی۔ کیا علم الارض کا سیکھنا قرآن مجید کے احکام میں سے ایک حکم بلیغ اور ایک ہدایت سعید نہیں ہے؟ کیا خدا کے پہچاننے اور قرآن کے سمجھنے میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی؟ تو پھر کیا وجہ کہ ہم صدرا، شمس بازغہ اور شرح سلم پر تو اس قدر فریفتہ ہوں اور علم الارض کو بہ این مغالطہ نظرانداز کردیں کہ وہ ہمارے دائرہ دینیات و وجدانیات سے خارج ہے؟

عزیزو! یہ علمی و عملی مشاغل بھی مقاصد قرآن اور دائرہ دینیات میں داخل ہیں۔ ان سے بھی وجدانیات ہی پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک رشتہ وحدت ہے جو وجدانیات اور مادیات دونوں کو ایک نقطہ پر ملا دیتا ہے۔

آؤ اب ہم ذرا دوسری آیت پر بھی غور کرلیں۔ کہ وہ کن حقایق پر روشنی ڈال رہی ہے۔

جسطرح ہم بغیر تحقیقات اور غور و خوض کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ زمین کے اندر قدرت کی کیا کیا نشانیاں ہیں۔ اور کیسی عجیب و غریب طاقتیں اسمیں پوشیدہ ہیں۔ اسیطرح ہم بلا غور و خوض اور تحقیقات و تجربہ کے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ عالم ضمیر اور کائنات نفس میں کیا کیا قوتیں اور کیسے کیسے جذبات مخفی ہیں۔ جب ہم اس عالم کی بھی علمی رنگ میں سیر کرتے ہیں۔ تو ہماری تحقیقات و اکتشافات کا نام علم النفس یا القویٰ ہوجاتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:۔

"تم اپنے دلوں کو کیوں نہیں ٹٹولتے۔ دیکھو تو سہی کہ انمیں کیا کچھ ہے"

کس لطیف پیرایہ اور موثر انداز سے انسان کو اسطرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ذرا اپنے دل کے درج لاثانی کو تو کھولکر دیکھو کہ اسمیں کیا کچھ رکھا ہے۔ اور ان مرتبوں کی حقیقت و قدر و قیمت کیا ہے۔ اور کائنات کو ان کی کس قدر ضرورت ہے۔ اللہ اکبر رب العزت تو ہمیں ارضی و نفسی خزانوں کی طرف توجہ دلا رہے ہیں اور ہم ہیں کہ ادھر نظر بھی نہیں کرتے۔

کیا اب بھی ہم یہ خیال کرسکتے ہیں کہ علم النفس یا القویٰ قرآنی نقطہ نزول سے باہر ہے۔ یا قرآن ہمیں ان علمی رستوں سے بچانا چاہتا ہے۔ ہم اس قسم کی آیات جلیلہ پڑھ کر یونہی گذر جاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے قرآن کی تلاوت کا حق ادا کردیا۔ افسوس۔

جن شارحین سلف نے تفسیر قرآن میں صرف وجدانیات و روحانیات ہی کا پہلو ملحوظ رکھا ہے وہ بھی منازل مقاصد پر اسی حالت میں فایز ہوئے ہیں کہ جب نفوس کی باریکیاں اور مخفیات پر انہیں ایک بڑی حد تک عبور ہوگیا ہے۔ ان کی معلومات بھی اپنے رنگ میں علم النفس والقویٰ ہی کی شان رکھتی ہیں۔ اور اب پھر بھی بہت کچھ مترتب ہوا اور بہت کچھ مترتب ہوسکتا ہے۔

جس طرح پردہ ہائے ارضی کی دریافت و تحقیقات سے ابتک صدہا رموز کا انکشاف ہوچکا ہے۔ اسیطرح نفس کی تحقیقات بھی ایک طرف حکمائے نفسیات نے اور دوسری طرف حکمائے وجدانیات نے

ہزاروں نکات دقایق وحقایق اور عجوبات پر روشنی ڈالی ہے۔ معدن نبوت کی برکات کے ماتحت اسلام نے اس رنگ میں جن کمالات تزکیہ اور عجائبات قلبیہ کا نقش عمل قائم کیا ہے۔ وہ کسی دوسرے مذہب کو نصیب نہیں رموز نفسیات اور نکات وجدانیات منکشفۂ صوفیائے کرام اور مشاہیر امت خیرالانام کو اگر ایک طرف رکھا جائے۔ اور حکمائے نفسیات کی بہنادات کو دوسری طرف تو تزکیۂ نفوس اور تہذیب قلوب کے اعتبار سے مشاہیر وجدانیات کا پلہ بھاری رہے گا۔

وجدانیات کے کمالات اس قسم کے نہ تھے کہ ہم انپر قانع ہو کر مظاہر وجدانیات اور مادیات کی چھان بین نہ کرتے۔ کون کہتا ہے کہ اسلام میں صحیح فلسفہ یا صحیح الدماغ فلاسفروں کی مخالفت کی گئی ہے؟ کون کہتا ہے کہ اسلام فلسفہ کا مخالف ہے یا فلسفہ کے آگے اسلام خم کھاتا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن اور اسلام جس رنگ میں فلسفہ سکھاتا ہے وہ ایک ایک اور پہلو رکھتا ہے۔ قرآن میں بمصداق لارطب ولا یابس الافی کتاب مبین مادی۔ اخلاقی۔ اقتصادی۔ تمدنی اور معاشری فلسفہ اصولی رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن ایسی کتاب کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ تفصیلات میں بھی پڑتا۔ اصولی رنگ میں یہ ہر پہلو قرآن مجید روشنی ڈال چکا ہے۔ ذرا تدبر و تفکر سے کام لو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کس کس رنگ میں اس قسم کی تعلیم دیتا ہے۔

جب ایک کتاب یہ کہتی ہے کہ زمین کی تحقیقات کرو نفوس کی چھان بین کرو۔ آسمان کی نسبت تدبر کرو۔ ہواؤں کی بابت تفکر کرو تو اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اگر وہ کتابی رنگ میں فلسفہ کا درس دیتا تو یہ ایک غلطی ہوتی۔ کیونکہ یہ بات اسکے دایرہ نزول سے خارج ہے۔ وہ ایک اصول بتا کر طبائع اور اذہان انسانی کو تحقیقاتی دوڑ میں لگانا چاہتا ہے۔ اگر سب امور سے وہ درسی رنگ میں آگاہ کرتا تو ذہانت اور ادراک کی رسائی کا امتحان کس طرح ہو سکتا۔ کوئی عقل اور کوئی فراست ترقی نہیں کر سکتی۔ اور نہ نشو و نما پا سکتی ہے تاوقتیکہ اسے کسی مجہول شئے یا راز کے ادراک و انکشاف کا موقع نہ ملے مجہولات ہی کے ادراک سے انسان کا ذہن۔ اور انسان کی قوتیں نشو و نما پاتی اور روشنی میں آتی ہیں۔ اگر ایک حسابی سوال کا جواب اور عمل بھی ساتھ ہی لکھ دیا جائے تو طالب العلم اور مجیب کی ذہانت طبع اور جودت ذہن کا امتحان کیسے ہو۔ یہی اصول تھا۔ جس کے ماتحت قرآن حکیم میں اشارات سے بالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ جب قرآن تدبر و تفکر کی تاکید کرتا ہے تو اس کا منشاء سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں یہ سمجھاتا ہے۔ کہ ہم کائناتی عناصر وجدانیات مادیات اور جذبات کا مطالعہ علمی و عملی رنگ میں کریں۔ خواہ اسکا نتیجہ فلسفہ مادی ہو۔ خواہ روحانی اور خواہ معاشی جب قرآن مجید کھلے الفاظ میں یہ کہتا ہے کہ ”سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق“

تو اسکا منشاء سوائے اسکے اور کیا ہے کہ حقایق الاشیاء کے ادراک کیلئے انتہائے عالم تک چلے جاؤ۔ کیا اس سے بھی واضح تر کوئی تعلیم علوم اور فنون کی ہو سکتی ہے۔ اور کیا قرآن مجید کے مفسروں کا یہ فرض نہیں کہ وہ اس رنگ میں بھی قرآنی حقایق کی تفسیری پہلو سے تبلیغ کریں۔

(سلطان احمد)

واعظین کے فرائض

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ (پ ۱۲۔ س ہود ع ۸)

”اور اہل مدین کی طرف ہمنے ان کے ہم قوم بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا انہوں نے ان سے کہا بھائیو! خدا ہی کی عبادت کرو۔ اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تم کو خوشحال دیکھتا ہوں۔ تو تم کو ناپ تول میں کمی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور میں

بھی بری حرکت سے باز نہ ہو گے تو مجھ کو تمہاری نسبت عذاب عام کے دن کا اندیشہ ہے جو تم سب کو گھیر لیگا۔ اور بھائیو! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ اور لوگوں کو انکی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اسکا دیا جو کچھ تجارت میں بچ رہے وہی تمہارے لیے اچھا ہے۔ اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔

مدینہ منورہ کے شمال مغرب کی طرف تبوک کے قریب بحیرہ قلزم کے کنارہ پر ایک شہر آباد تھا جسکو مدین کہتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپ نے اپنی قوم کو جو وعظ و نصیحت فرمائی وہ آیات مذکورہ بالا میں مذکور ہے اور اس آیت کا ملخص حسب ذیل ہے۔

(۱) خدا ہی کی عبادت کرو۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۲) ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔

(۳) لین دین میں عدل و انصاف ملحوظ رکھو۔

(۴) تجارت میں دیانت و امانت سے نظام تمدن خوشگوار ہوتا ہے اور اسکے فوائد و عوائد بے شمار ہیں۔

(۵) لین دین میں خیانت و ظلم موجب اختلال و باعث فساد ہے۔ اور اسکے عواقب و نتائج بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔

غور کرو جناب شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو سب سے پہلے کیا ہدایت فرمائی اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ۔ خدا ہی کی عبادت کرو اور اس کی دلیل یہ بتائی کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود حقیقی نہیں۔ اس سورہ مجیدہ میں اور قرآن مجید کے دیگر مقامات پر بھی بعض انبیا علیہم السلام کے مواعظ و نصائح مذکور ہیں سب میں اس اصول کی پابندی کی گئی ہے کہ اولین دعوت اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ۔ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ کافر انام میں یہ مرض عام ہوتا ہے کہ خدا کی عبادت و طاعت سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ہر نبی کی اول دعوت یہی ہوتی ہے کہ اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وعاظ و خطبا کو اسی اصول پر عمل پیرا ہونا چاہیئے کیا وہ فصحا و بلغا جن کے جبین نیاز ہر کس و ناکس کے آگے تو جھکتی ہے۔ لیکن آستانہ الوہیت میں پانچوں وقت جھکنے سے انہیں شرم آتی ہے۔ وعظ و نصیحت اور خطابت و ہدایت کے اہل ہیں؟

جناب شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو خدا کی عبادت و طاعت کیساتھ حسن معاشرت کا بھی وعظ فرمایا۔ آپ نے دیکھا کہ اہل مدین مرض تطفیف میں مبتلا ہیں۔ لوگوں سے تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب انکو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو پورا پورا نہیں دیتے۔ امانت میں خیانت کرتے ہیں لین دین میں عدل و انصاف ملحوظ نہیں رکھتے۔ بدمعاملگی ان کا مایۂ ناز ہے۔ چونکہ یہ امور باعث اختلال و افساد تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی اصلاح معاشرت کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمانا ایسا ہی اہم امر سمجھا جیسا کہ عبادت الٰہی کی دعوت ضروری خیال کی۔ آپ نے اپنے وعظ میں عبادت الٰہی اور حسن معاشرت اور خوش معاملگی کا اکٹھا بیان کیا۔ اور جب قوم نے انکو چڑھایا اور تمسخر کے طور پر کہا کہ شعیب! کیا تمہاری نماز تم سے متقاضی ہے کہ جن بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں۔ ہم انکو چھوڑ بیٹھیں۔ یا اپنے مال میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہیں نہ کریں۔ ہاں جی ہاں تم ہی تو معاملہ کے بڑے نرم اور راستباز رہ گئے ہو۔ تو شعیب علیہ السلام نے ان کے چڑھانے اور ہنسی اڑانے سے برا نہ منایا بلکہ اپنا عملی نمونہ پیش کیا۔ اور کہا۔ کہ تم جو یہ عذر کرتے ہو کہ اگر ہم ناپ اور تول میں خیانت نہ کریں۔ تو کام نہیں چلتا۔ دیکھو میں اپنے رب کا کہا مانتا ہوں مجھے تم سے عمدہ روزی ملتی ہے۔ قال یقوم ارءیتم ان کنت علی بینۃ من ربی ورزقنی منہ رزقا حسنا وما ارید ان اخالفکم الی ما انھکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

شعیب علیہ السلام نے کہا۔ بھائیو! بھلا دیکھو تو سہی اگر میں اپنے پروردگار کے کھلے رستہ پر ہوں اور وہ مجھ کو اپنے فضل سے عمدہ یعنی حق حلال روزی دیتا ہے۔ تو کیا اس طریقہ کو چھوڑ کر تمہاری طرح حرام کی کمائی کھانے لگوں اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ جس کام کے کرنے سے تم کو منع کرتا ہوں تمہارے برعکس آپ اسکو کرنے لگوں۔ میں تو حتی المقدور لوگوں میں معاملہ کی اصلاح چاہتا ہوں اور بس اور اپنے اس ارادہ میں میرا کامیاب ہونا تو بس خدا ہی کی تائید سے ہو سکتا ہے۔ میں تو اسی پر بھروسا رکھتا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ جھوٹ اور فریب کے بغیر کاروبار نہیں چلتا غور کریں۔ حضرات وعاظ بھی غور کریں کہ ان کے اپنے اعمال و افعال موافق مواعظ و نصائح ہیں۔

قرآن مجید نے جو فرائض واعظین کے مقرر فرمائے ہیں ان پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت کم ایسے واعظ ہیں جو اپنے فرائض کو مطابق احکام قرآن کے خشیتہ اللہ سے بجا لاتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے وعظ و نصیحت پر کبھی کسی قسم کا معاوضہ نہیں مانگا۔ بلکہ یوں فرمایا کہ

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اور میں اس وعظ کرنے پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہے۔ مگر آہ! اکثر واعظین کا ذریعہ معاش ہی وعظ ہے۔ اسی بنا پر وہ سامعین کو خوش کرنا اپنا فرض اہم و اقدم سمجھتے ہیں۔ تاکہ ان کے مداخل میں توسیع ہو۔ ان کے وعظ و تذکیر کا مایۂ ناز بیشتر یہودیوں کے افسانے اور مشرکوں کے توہمات و اباطیل ہوتے ہیں۔ بعض واعظین زمانہ قدیم کے حکما کے قصص اور مسایل حکمت و فلسفہ میں تضیع اوقات کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو غیر ضروری مسایل اور مہمل امور بیان کرتے ہیں۔ تاکہ حضار مجلس سے خراج تحسین و آفرین وصول کریں۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے وعاظ وعظ کی ضرورت و علت غائی سے ناواقف محض ہیں۔ ہر واعظ کا اہم اقوم فرض یہ ہے۔ کہ وہ مشاہدہ کرے کہ سامعین میں کس بات کی کمی ہے۔ کون سے امراض روحانی انہیں لاحق ہیں۔ اور حقوق معرفت اللہ و حقوق العباد کے متعلق کون امور میں تغافل کرتے ہیں۔ پھر ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کے لوگوں کو ان کی غلطیوں پر اور نیز ان کے عواقب و نتائج پر بلا خوف لومۃ لائم مطلع و متنبہ کرے۔ بلاشبہ جو واعظ موقع و محل کے اقتضا سے وعظ نہیں کرتا وہ عند اللہ قابل مواخذہ ہے۔

جس طرح واعظین میں غلطیاں ہیں اسی طرح مستمعین میں بھی ہیں۔ بعض لوگ حقیقی واعظوں پر اسلیے ناراض ہوتے ہیں کہ وہ اپنے وعظ و تذکیر میں ذکر حسنات ترک کر کے محض سیئات پر کیوں زور دیتے ہیں۔ اور ایک ہی عیب کا کیوں بار بار اعادہ کرتے ہیں۔ انہیں سمجھنا چاہیئے کہ سامعین کے اس قسم کے خیالات ان کی جہالت پر مبنی ہوتے ہیں۔ غور کرو اگر ایک شخص کا سارا جسم تندرست ہو مگر صرف ایک حصہ میں سقم ہو تو طبیب تمام سقیم کا علاج کریگا۔ اسی کی تشخیص کرے گا۔ اور اسی کی غور و پرداخت میں مصروف ہوگا۔ یہی حال واعظ کا ہے۔ جو حقیقی معنوں میں روحانی طبیب ہے۔ وہ سامعین کو جس روحانی مرض میں مبتلا پائے۔ اسکا فرض ہے کہ اسکی اصلاح میں جد و جہد کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف لوگ آکر ایک ہی سوال کرتے تھے کہ یا حضرت سب سے بڑی نیکی کیا ہے؟ تو ہر ایک کو آپ الگ الگ جواب دیا کرتے تھے۔ کسی کو ہدایت فرماتے تھے کہ ماں باپ کی خدمت کرو۔ کسی کو انفاق فی سبیل اللہ کا ارشاد فرماتے۔ ایک کو آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کہ اسکو قابو رکھو۔ ایک کو مغلوب الغضب ہونے سے ممانعت فرمائی۔ اس پر بعض صحابہ نے اعتراض کیا کہ سوال تو ایک ہی تھا مختلف جواب کیوں دیے گئے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام امت کے حکیم ہوتے ہیں۔ وہ جس شخص میں جس خلق کی کمزوری دیکھتے ہیں۔ اسی کی تکمیل و تہذیب کی تاکید کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ لوگوں کی نیکی کرنے کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی تو قوم اور برادری کے دباؤ سے نیک کام کرتا ہے۔ کوئی آبائی تقلید اور رسم و رواج کی پابندی سے کوئی حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ درحقیقت ان سب ذرائع و اسباب میں کوئی خوبی کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام وہ بات بتلاتے ہیں جس سے طبیعت تو مضائقہ کرے مگر شریعت اسکے کرنے کا حکم دے۔ پھر نفس پر زور دیکر وہ کام کرنا پڑے۔ اور یہی عند اللہ موجب ثواب و برکت ہوتا ہے۔ وعاظ اگر مطابق احکام قرآن حکیم و سنن انبیائے کرام علیہم السلام وعظ و تذکیر کریں تو ان کے مواعظ و نصائح مثمر برکات ہو سکتے ہیں +

(نور الدین)

عزتِ نفس

کسی قوم کی ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ اس کے ہر فرد کو من حیث القوم سلف ریسپکٹ یعنی خود اپنی عزت کرنے کا خیال دلایا جائے۔ اسلام اور قرآن پاک نے اپنی تعلیمات میں اس نکتہ کو بھی بوجہ اتم ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔ "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ" (تم تمام قوموں سے بڑھکر ہو) لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (عزت خدا کیلئے ہے اسکے رسول کیلئے اور مومنین کیلئے) قرن اول میں یعنی جب تک اسلام اسلام رہا یہ خیال تمام مسلمانوں میں اس قدر جاگزین تھا کہ قوم کا ہر ہر فرد من حیث القوم اپنے آپ کو افضل ترین عالم سمجھتا تھا یہی عزت نفس کا احساس تھا جو مسلمانوں کی ہر قسم کی حوصلہ مندیوں اولوالعزمیوں اور بلند خیالیوں کا باعث تھا۔

تاریخوں میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایک معمولی درجہ کا مسلمان بھی قیصر و کسریٰ کے دربار میں کیسی دلیری و آزادی سے سوال و جواب کرتا تھا۔ افسوس کہ اب مسلمانوں میں یہ مبارک احساس باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر جگہ ذلیل و رسوا نظر آتے ہیں +

(ماخوذ از الکلام)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیئے کامل کرچکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کردیا اور ہم نے تمہارے لیئے راضی ہو دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

مِعیارِ تقدس

ماہ جنوری ۱۹۱۶ء کے اسوۂ حسنہ میں عاجز نے ایک مضمون بعنوان معیار تقدس ہدیہ ناظرین کیا تھا جسمیں معیار تقدس کے اصول قرآن پاک و اسوۂ حسنہ جناب رسالت مآب صلعم سے ظاہر کئے تھے بیلکن میرے دوست ایڈیٹر صاحب اسوۂ حسنہ اور زیادہ مفصل بحث کرنے کے خواہشمند ہوئے۔ لہذا الامر فوق الادب پھر کچھ اوسی عنوان پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

خلاصہ پچھلے تمام بیان کا یہ ہے کہ اسلامی تقدس علی حسب مراتب پیروی و اتباع اسوۂ حسنہ سید الکونین رسول الثقلین علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا نام ہے جس قدر جو فرقہ یا جماعت یا شخص واحد اتباع و پیروی جناب رسالت مآب صلعم میں کمال بہم پہونچائے گا اوسی قدر زیادہ مقدس مانا جائے گا۔

یہ اصول صحیح قایم کرلینے کے بعد جو قصہ باقی رہجاتا ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ اسلام کی مختلف گروہ اپنے اپنے اعمال و افعال و عقاید و خیالات کو موافق سنت جناب رسالتمآب صلعم کے تصور کرتے ہیں اور دوسروں کے عقاید و اعمال کو خلاف سنت نبوی صلعم قرار دیتے ہیں جس کی وجہ سے ایک ایسے شخص کو جو ان تمام فرقوں میں واقعی اتباع و پیروی کا متلاشی ہو کس قدر سخت دشواری پیش آسکتی ہے۔ ہر فرقہ مدعی اتباع حقانی ہے۔ اور ہر ایک اپنے دعوے کے ثبوت میں احادیث و آیات پیش کرتا ہے۔ اور ہر فرقہ میں ذی علم و صاحب فضل حضرات موجود ہیں سب سے بڑا نقصان اس اختلاف کا تو یہ ہے کہ اگر بالفرض کوئی ذی علم و صاحب لیاقت شخص دوسرے مذہب والا آج اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو تو سب سے پہلا سوال اوسکا یہی ہو سکتا ہے کہ آپ کی اسلامی دنیا میں سے کونسا فرقہ سچا مسلمان اور صادق العقاید والاعمال ہے۔ آیا مجھ کو مسلمان ہونے کے وقت اہل سنت والجماعت ہونا چاہیئے یا شیعہ یا مقلد یا غیر مقلد یا وہابی جبری یا قدری نیچری یا قادیانی اور کیوں نہ اس قسم کا سوال واقع ہو جبکہ ہم تیرہ سو سال اسلام کے بعد خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد تک بھی آسانی سے نہیں بتا سکتی کہ کونسا فرقہ صحیح تعلیم اسلام پر کاربند ہے کسی فرقہ کی حقانیت و بطلان پر مذہبی اصول میں سے دو بڑے اولوالعزم اصول کتاب و سنت ہیں اور انہیں دونوں کو ہر فرقہ اسلامی مقدم مانتا چلا آیا ہے۔ اور اپنے اپنے اعمال و عقاید کو اپنے زعم پر انہیں دونوں سے مطابق کرتا ہے۔ آج اسلامی دنیا میں جو حشر کتاب و سنت کے معانی کا ہے وہ اسی سے ظاہر ہے کہ بہتر فرقے اپنے کو موافق کتاب و سنت ثابت کرتے ہیں۔ اور بر سر منبر اپنے عقاید کا وعظ فرماتے ہیں۔ اور نہایت خوش الحانی و درد آمیز لہجہ سے ..... قرآن پاک کی آیات کو تلاوت فرماتے ہیں اور اپنے مدعا ثابت فرماتے ہیں پر یہ ظاہر ہے کہ تمام فرقوں کے عقاید و اعمال جو ایک دوسرے کی نقیض و ضد بھی ہیں کسیطرح حق نہیں ہو سکتے۔ اور جو معانی و مطالب تعلیم قرآنی و مذہبی کے وہ سب حضرات بتاتے ہیں ان میں سے ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے۔ باقی نقصان فہم کی غلط فہمیاں ہیں۔ لہذا ایسے شخص کو جو اوس صحیح معیار تقدس اور سچے مقاصد مذہب تک رسائی کا خواہشگار ہے ہر ایک کے فرقہ کے دلایل و خیالات پر بالتفصیل نظر ڈالنا اور بحث کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ قریب قریب غیر ممکن ہے۔ گو ہمارے اسلامی علما نے اسطرف توجہ فرما کر بہت سی کتابیں مختلف فرقہائے اسلامی کے بطلان پر تحریر و تالیف فرما کر یک گونہ آسانی پیدا فرما دی ہے۔ لیکن اس پر آشوب زمانہ میں کہ مسلمانوں کو تفکرات و ترددات دنیاوی سے مرنے کی بھی فرصت نظر نہیں آتی۔ اتنا کثیر وقت صرف کرنا اور تمام مسلمانوں کا علم مذہبی پر عبور حاصل کرنا قرآنی تعلیم کو صحیح طور پر ذہن میں مستحضر کر لینا محال نہیں تو دشوار تر تو ضرور ہے۔

اور کسی مذہبی حقانیت یا بطلان کو محض تقلید و پیروی پر مدار رکھ لینا بھی کسی ذی ہوش
عقلمند شخص کا کام نہیں ہے۔ اگرچہ میرے خیال ناقص میں مذہب کی بنا کا مدار تو کچھ
تعلیم کا مدار ہی تقلید پر ہے۔ جسکو آئندہ پیش کروں گا لیکن وہ تقلید بھی کسی اصول
دینی پر مبنی ہونی ضرور ہے۔ نہ کہ بکریوں بھیڑوں کی سی چال کہ ایک نے جس طرف
منہ اٹھایا سب اوسی کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئیں۔

اسلئے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن پاک سے اور کلام پاک مورد مَا ینطق عن الھویٰ سے کوئی خاص اصول اسطرح کا نکالا جائے جو ہزاروں لاکھوں مدعیان اتباع میں سے معدودے چند سچے پیرو اور متبعوں کو تمیز دیکر علیحدہ دکھلا دے۔ اور صاف ظاہر کر دے کہ جب تک یہ دلیل موجود نہو اتباع و پیروی جناب رسالتمآب صلعم کا دعوے غلط ہے اور اُس متبع کو ہرگز تقدس اسلامی میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

ماہ جنوری کے مضمون میں ہم لکھ چکے ہیں کہ جس طرح تقدس کا معیار اتباع نبوی صلعم ہے۔ اسی طرح قرآنی تعلیم سے اتباع کا معلول اور نتیجہ محبوبیت خدا و رسول صلعم ہے جیسا کہ ارشاد باری عز اسمہٗ بالصراحت موجود ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اس آیت کریمہ میں پیروی اور اتباع نبوی صلعم کو محبت خدا کی غایت اور محبوبیت خدا کو اتباع کا نتیجہ کھلے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

آیاتِ قرآنی کی تفسیر بہترین خود جناب رسالتمآب صلعم کا کلام پاک ہے جس کی بارہ میں ارشاد ہو چکا ہے مَا ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔ خصوصًا وہ احادیث جو قدسی کہلاتی ہیں اون میں اور قرآن پاک میں وحی متلو و غیر متلو کا فرق ہے۔ جہاں تک میری یاد کام دیتی ہے یہ حدیث شریف قدسی اکثر کتب صحاح میں مروی ہے کہ اپنے حبیب پاک محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ کی زبان فیض ترجمان پر جناب باری عز اسمہٗ نے ارشاد فرمایا کہ میرا بندہ سب سے زیادہ میرا قرب بذریعہ فرائض حاصل کرتا ہے۔ اور جو بندہ میرا قرب بواسطہ نوافل حاصل کرتا ہے اوس کو میں محبوب بنا لیتا ہوں۔ اور اوسکی آنکھ میں ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکے کان میں ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اوسکے پاؤں میں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اوسکے ہاتھ میں ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ غرضکہ اعضا و جوارح حواس تک فرمایا گیا ہے کہ میں ہو جاتا ہوں۔ پس وہ بندۂ محبوب اس حالت میں مجھ سے ہی دیکھتا ہے۔ مجھ سے ہی سنتا ہے مجھ سے ہی چلتا ہے۔ مجھ ہی سے پکڑتا مجھ ہی سے سمجھتا ہے۔

حضرت یہ تفسیر ہے آیۂ کریمہ یحببکم اللہ کی۔ اور یہ وہ اصول صحیح ہے کہ لاکھوں مدعیان اتباع میں سے صادق کو کاذب سے جدا کر دیتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ خود خدائے پاک نے محبوبیت کو اتباع کا معلول قرار دیا ہے اور خود اُسکی تفسیر فرما دی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اندھیری رات میں جس وقت کرمک شب تاب چمک کر ہم کو روشن چراغ یا آگ کا جھوٹا دعویٰ سناتا ہے تو گو نظر میں کچھ فرق نہیں آتا۔ مگر ہم اوسپر ہاتھ رکھ کر دیکھ سکتے ہیں کہ آیا اسکا دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔ یہ اپنی جھوٹی روشنی کے ساتھ جلاتا بھی ہے یا نہیں۔ گرمی بھی ساتھ لایا ہے یا نہیں یا جس وقت سراب انا الماء کا نعرہ بلند کرتا ہے تو ہم ہاتھ پاؤں مار کر دریافت کر سکتے ہیں کہ اس کی صورت آب نما کے ساتھ دریا کی صفات مخصوصہ بہا دینا پاک کر دینا وغیرہ بھی ہیں یا نہیں۔ اور ہزاروں مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ جب ہمیں کسی دعوے کے چند مدعیوں میں صادق کو کاذب سے علیحدہ کرنا ہو تو ہم اوس دعوے کے آثار و لوازمات دیکھ لیا کرتے ہیں الشی اذا ثبت ثبت باٰثارہٖ و لوازمہ جب کوئی چیز موجود ہوگی تو اوسکی عوارض عامہ اور لوازم مخصوصہ ضرور پائے جائیں گے۔ اسی طرح ہمیں آج ظلمت فتن کے زمانہ میں چار طرف سے انا المومن و انا المتبع کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تسلیم سے قبل دیکھ لیں کہ لوازم اتباع اور نتائج پیروی اس مدعی میں موجود ہیں یا نہیں۔

آج اسلامی دنیا میں گو بہتر سے بھی زیادہ فرقے ہیں لیکن اہل سنت کے فرقے میں سے تین قسم کے حضرات کثیر التعداد پائے جاتے ہیں۔ انہیں سب سے زیادہ انہیں تین گروہوں میں سے حقانی متبع و پیرو نبوی صلعم کا معیار دکھانا ہے ایک جم غفیر نئی روشنی کے چاند تارے قوم کے فدائی۔ ترانۂ قومی کے مستغنی ہیں ان کا یہ حال ہے کہ مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ پیدائش کے وقت سے تعلیم کے زمانہ تک دو مسلمانوں (والدین) کی تعلیم و تربیت میں وقت گذرا ہوش کے ساتھ ہی ساتھ اسلام اور ایمان خدا اور رسول کے نام کان میں پڑے۔ گویا اسلام اور اوسکی محبت اُنکے ضمیر میں داخل ہو چکی۔ دماغ کی سادہ سطح پر جو تصویر اول تعلیم سے منعکس ہوئی وہ اسلام کی خوبیاں بھری تصویر تھی بعد چندے کسی اسکول یا کالج میں تعلیم کی غرض سے بھیجے گئے۔ وہاں پہنچکر نئی دنیا کی سیر پہلا سبق شروع ہوا تو خدا ایک ہے کی جگہ یہ کتا موٹا ہے یہ بلی دوڑی کے الفاظ اور جملے یاد ہوئے۔ لباس وہ ملا جسمیں وضو و نماز و خود نہیں تو سخت مشکل ضرور ہے تعلیم سے فرصت ہی نہیں اگر ہو تو کرکٹ فٹ بال ہاکی سے مہلت کسی استاد

وشاگردی کا فرق اسکول کے اندر سبق تک تو سمجھ میں آتا رہا۔ لیکن فٹ بال کی
میں جاکر معلوم ہوا کہ ہم کو استاد کو اچھا گالیاں لکھتے ہیں۔ جسنے بال پھینکی اسا و ستاد
فرو ٹ اٹھانے کو دوڑے۔ اگر بال لینے میں خیال رہا تو ماسٹر صاحب چاندنی
نما خوب نظر آئے۔ اور طلبانے تالی بجائی جن میں کچھ تہذیب و اخلاق تعلیم کا
اثر تھا۔ جنکے سایۂ تربیت میں تعلیم پائی تھی۔ وہ ہزاروں کوس دور وقت گذرا
تو انہیں لاابالی حضرات کی صحبت میں دن بھر کے تعلیم و کھیل کے مارے دوڑتے
دوڑتے کلیجہ مونہہ کو آگیا ہے۔ اسکول میں واپس آئے تو کھانا تناول فرمایا ابھی
فراغت نہیں ہوئے کہ صبح کا سبق یاد نہیں کا خیال دماغ میں چکر لگانے لگا۔
اٹھے سیدھے چار زانو کھسٹے اور کمرے پہنچکر یا زمین کی ناپ تول
عرض وعمق دریا اور پہاڑوں کی تعداد و طول اور تفاح جنگلوں کی سیر یا ریاضی
وغیرہ میں مصروف ہوئے۔ کون ہے ایسا اسلامی دوست جو عرض کرے
صاحبزادے چوبیس گھنٹہ میں بھول کر بھی خدا کا نام آپ کی زبان
پر نہیں آیا۔ کتاب پر نظر ہے اور کمر بستر پر جانا چاہتی ہے۔ جب وہ حصہ
ہو لیے تو مجبوراً اٹھکر لیٹے اور غافل۔ جس قدر مدارج تعلیم کی ترقی کرتی
گئی محنت اور مشقت کا اضافہ ہوتا گیا۔ خیر خدا خدا کرکے بی۔ اے یا ایم۔ اے
کی ڈگری حاصل کی۔ اگر کوئی ذریعہ معقول ملگیا تو کسی سروس میں ملازم ہوگئے۔
نائب تحصیلدار یا سب رجسٹرار یا زیادہ ترقی کی تو ڈپٹی کلکٹر اور اگر ملازمت کا
خیال نہ کیا یا ذریعہ بہم نہ پہونچا اور دماغ و آنکھیں بھی کار آمد رہگئیں تو وکالت کا
امتحان دے لیا۔ دونوں صورتوں میں کام سے ایک لمحہ کو فرصت نہ اور اسکول سے
زیادہ مشقت اور محنت موجود۔ اور اگر زیادہ ذہین ہوئے اور ڈاکٹری یا بالسٹری
کی سوجھ گئی تو ولایت کا سفر در پیش آیا۔ جمیع مراتب طے ہوگئے۔ اب تو خاصے
انگریز ہوگئے۔ عید کا دن ہے اور آپ سوال فرماتے ہیں کہ آج ہمارا
عید ہے۔ ان میں بعض حضرات خدا کی رحمت سے بعد تعلیم و ترقی کے پھر خدا
کی طرف متوجہ ہوئے۔ نماز و روزہ کے بھی پابند ہوگئے چونکہ ہر وقت ایک ایسی
قوم کی تاریخ اور تعلیم پیش نظر رہی ہے۔ جو قومی ترقی قومی مفاد قومی تعصب
کا نمونہ ہے۔ اگر اوس تعلیم میں اسلام اور اسلامی تاریخ کا ذکر و سلسلہ بھی ہے
تو تاریخی و قومی نقطہ نظر سے اونکے یہاں دین دنیا کا ذریعہ یا کلیہ سے زیادہ
وقعت نہیں رکھتا۔ جناب خلیفہ دوم مورد صحیح ان الحق ینطق علیٰ لسان
عمرؓ کا نام اسلام کا جرنیل حضرت خالد ولید رضی اللہ عنہ کا نام بہادر سپاہی
سے زیادہ نہیں۔ اسلامی مقدس لوگوں کی وہی حیثیت پیش نظر ہے کہ دنیاوی ترقیات
ملکی فتوحات کس قدر ہوئی۔ ظاہری انتظامات کیا کئے۔ خلافت سلطنت کی

ہم معنی اور نبوت شاہنشاہی کے مرادف مانی جاتی ہے۔ لہذا تمام اسلامی تعلیم کا
خلاصہ اور قرآن و حدیث کا ملخص اون کے خیال شریف میں القوم القوم
باقی رہجاتا ہے۔ نہ اونکو اس سے غرض کہ سب سے مقدم اپنے نفس کی دیکھ بھال
خدا کے حقوق رسول کا اتباع ہے۔ نہ جناب نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم کے
زہد و اتقا عبادت و ریاضت سے مطلب نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی عشق و
محبت جان نثاری عبادات معاملات اخلاق و عادات سے سروکار بلکہ نبی کو
ایسے رسول جانتے ہیں کہ ہمدردی قومی اونکی تعلیم کا ایک حصہ ہے۔ صحابہ کرام کو
ایسے افضل مانتے ہیں کہ باہم قوم سے روابط اتحاد و ایثار رکھتے تھے۔ غرض
قوم اسلام قوم ایمان قوم نماز قوم روزہ۔ الغرض یہ سب قوم قوم کے نعرے
محض دنیا طلبی اور وجاہت خواہی کے مقاصد کو پیش نظر رکھکر کوئی خدا کا
بندہ یہ کبھی نہیں کہے گا کہ قوم مسلمانان میں دین طلبی اور دینداری اس قدر کم ہوگئی
ہے۔ ایک انجمن اسلامی ایسی بھی قائم کیجائے۔ جس میں نقصانات دین دکھائے جائیں
اور اوسکی اصلاح و ترقی کی تدابیر سوچکر رزولیوشن پاس کئے جائیں۔ حاشا و
کلا۔ اور با این ہمہ اسکا نام رکھا گیا ہے۔ دین صحیح و اسلام صادق قرآن پاک
سے وہ آیات جن میں دنیا کے حسب ضرورت حاصل کرنے کی تدابیر کی اجازت دیگئی
ہے۔ جمع کرلی گئی ہیں۔ اور بہت سی آیات جن میں دنیا کو متاع الغرور اور حیوٰۃ
دنیا کو لہو و لعب فرمایا گیا ہے۔ توکل اور صبر نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ کی تعلیم ہے
نہ کسی تقریر میں آئیں نہ تحریر میں۔ اور اسپر یہ لطف ہے کہ یہ حضرات دین
کی ایک قسم کی تعلیم اخوت و ہمدردی قومی کے پابند ہوتے ہوئے دوسری قسم
کی دینی تعلیمات کو جو دین اور اسلام کا مقصد اور غایت ہیں نہایت مضحکہ خیز
و تمسخر آمیز الفاظ میں یاد فرماتے ہیں۔ علماء اسلام کا نام اون کے دربار میں
تنگ خیال اور محدود النظر رکھا جاتا ہے۔ اور صوفیا کرام اولوالعزم حضرات
کو رہبان اور ربانی رہبانیت قرار دیا جاتا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب
رسالتمآب صلعم کی اتباع و پیروی کے مدعی ہوتے ہوئے کیونکر کوئی شخص زہد
و اتقا عزلت و گوشہ نشینی مراقبہ و مجاہدہ کا نام رہبانیت رکھ سکتا ہے
الا یہ ہوسکتا ہے کہ اوسکو دینی تعلیم پر عبور نہو۔ حضور رسول مقبول صلعم
کے پورے اعمال و افعال اقوال و احوال کو نہ جانتا ہو۔ اور اوسپر کاربند ہونا
نہ چاہتا ہو۔ ورنہ اوسکو بچاہیئے وہ منظر روبرو نظر آئے گا کہ جناب ختمی مآب
صلعم جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے جنس چند لیکر غار حرا میں تشریف
لیجاتے ہیں اور مدتوں وہاں قیام فرماتے ہیں۔ ازواج مطہرات بذریعہ جنابہ
فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عرض رسان ہوتی ہیں کہ قریش کی مستورات کے ساتھ

ہیں بغیر زیور و اسباب دنیاوی جانا شرماتا ہے۔ اور خدا کی طرف سے مقرب فرشتہ نازل ہوکر عرض کرتا ہے کہ آپ پریشان نہوں۔ اپنی ازواج سے دریافت فرمایئے۔ اگر وہ ہماری حبیب کے ساتھ جنت میں رہنا چاہتی ہیں تو دنیاوی زینت سے ہاتھ اٹھائیں۔ ورنہ ہم جبل احد کو جبل طلا کر دیں اور وہ دنیا کی کامل فراغت حاصل فرمائیں۔ اور وہ حضرات ترک دنیا کو قبول فرماتی ہیں۔ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر ہوتے ہیں۔ اور حضور فخر دو عالم کی حالت پر آنسو بہاتے ہیں وجہ دریافت ہونے پر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلعم حضور خدا کی محبوب افضل عالم ہیں۔ اور حضور کا یہ حال ہے کہ بوریا بستر ہے۔ جسکے نشان جسم بے سایہ پر موجود ہیں اور بیت المال خزانہ شاہی میں سوا اسیر جو وغیرہ ہیں۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ اے عمر کیا تم خوش نہیں ہوتے کہ خدائے عزوجل نے کفار کو دنیا میں راحت و آسائش عطا فرمائی ہے۔ اور ہمیں عقبیٰ کا بادشاہ کیا ہے۔ یہ چند روزہ زندگی ہے اور وہ دائمی۔

حضرت محبوبہ رسولؐ عائشہ صدیقہ قسم کھا کر بیان فرماتی ہیں کہ کبھی عمر بھر جناب محبوب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر تین وقت برابر کھانا تیار نہیں ہوا۔

حضور رسول مقبول صلعم کو باایں ہمہ شان و شوکت ایک یہودی کے پاس زرہ رہن رکھنا ہوتا ہے۔ اور وہ شدید تقاضہ کرتا ہے حضور کی چادر مبارک کھینچتا ہے۔ جسکے کنارہ کے نشان حضور کی گردن مبارک پر پڑجاتے ہیں لیکن وہ خدا کے برگزیدہ رسول بجائے اسکے کہ کوئی انجمن یا لیگ دنیاوی ترقی کی غرض سے قایم فرماویں۔ شب و روز عبادت و ریاضت میں کثرت فرماتے جاتے ہیں۔ خدا کا فرمان واجب الاذعان غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر۔ جو مغفرت حقیقی کا سرٹیفکٹ ہے نازل ہوتا ہے اور وہ احب الخلق رات بھر عبادت میں صرف فرما کر قدموں کو متورم فرمالیتے ہیں۔ جب صحابہ عرض کرتے ہیں کہ آپکو اس قدر محنت کی کیا ضرورت ہے۔ تو ارشاد ہوتا ہے افلا اکون عبداً شکورا۔ کیا میں خدا کا شکرگذار بندہ نہ بنوں۔ اور فخریہ ارشاد فرماتے ہیں۔ میں غریب ہوں اور غریبوں میں پیدا ہوا۔ غریبوں میں مبعوث ہوا۔ غریبوں میں قیامت کے روز اٹھوں گا۔ خوشخبری ہو حبیبو غربا کو۔

اگر اس قدر ترک دنیا کا نام رہبانیت ہے تو سب سے زیادہ اس رہبانیت پر خود حضور رسالتمآب صلعم نے عمل فرمایا اور اپنی امت مرحومہ کے واسطے اسوۂ حسنہ قایم فرما گئے۔ اولیا میں سے جن حضرات نے دنیا کو ترک کیا عبادات و مجاہدات فرمائے کون اس زہد و عبادت محنت و مجاہدہ کی نظیر پیش کرسکتا ہے پھر کس طرح اسکو رہبانیت کہا جا سکتا ہے۔

کیا حضرت ابراہیم ادہم کا ترک جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مثال ہے جنہوں نے ایک ہی دفعہ میں بجز کمبل کے کوئی دنیاوی مال اپنے ملک میں نہ رکھا۔ کیا کسی بزرگ کا ادب جناب خلیفہ اول کے ادب کی نظیر ہو سکتا ہے جنہوں نے دہن پاک میں سنگریزے بھر لیے تھے تاکہ زیادہ کلام حضوری میں نہ کرسکیں۔

کیا جناب خلیفہ دویم رضی اللہ عنہ کا باوجود کثرت غنیمت دنیاوی آسائش کو ترک فرمانا اور تمام مسلمانوں کے ارمان پیل کو جو انہوں نے بذریعہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے آپکی خدمت میں پیش کیا تھا نہ قبول فرمانا بلکہ صاحبزادی صاحبہ سے فرمانا کہ اے حفصہ تونے مسلمانوں کی بات سنی اور مان لی۔ مگر اپنے باپ سے ہمدردی نہ کی اور اوسکو ہلاک کرنا چاہا۔ اے حفصہ میں کس طرح دنیاوی ترقی کو قبول کرسکتا ہوں جبکہ میرے دونوں پیشرو اسکی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ کیا تو یہ چاہتی ہے کہ جنت میں میں اونکے عیش میں شریک نہوں۔ رہبانیت کہا جاسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

کیا آپ ہی کا فتح بیت المقدس کے وقت حضرت خالد کے اصرار سے عمدہ کپڑے پہنکر عمدہ گھوڑے پر سوار ہونا اور غش آجانا اور پھر اوسی پھٹے پیوند لگے ہوئے لباس کو طلب فرمانا اور اسی اونٹ پر بیٹھنا نعوذ باللہ رہبانیت مانا جاتا ہے۔ حاشا وکلا کیا جناب شیر خدا کرم اللہ وجہہ کا بار بار سایلوں کے واسطے خود درخت ہونا اپنا اور اپنے اطفال گھائی چمن نبوی صلعم کا بھوکا سلانا اور محتاجوں کو کھانا دیدینا رہبانیت ہے۔ یا آپ کا ارشاد کوفہ کی مسجد میں کہ یہ میرے پیوند دار ہی چادر ہے جو میں مدینہ شریف سے لیکر آیا ہوں۔ یعنے اموال خلافت سے ایک چادر بھی نہیں لیکئی رہبانیت ہے۔ نعوذ باللہ۔

فدا جانی یہ حضرت کس شئے کو رہبانیت سمجھے ہیں۔ اولیا نے جو کچھ کیا ہے وہ اسوۂ حسنہ جناب رسالتمآب صلعم کے موافق صحابہ کرام علیہ الرضوان کے طریق پر۔ یہ تو قرآنی تعلیم میں نص صریح موجود ہے کہ انما اموالکم واولادکم فتنة و لا تلهکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر الله۔ یعنے اے مسلمانو تمہارے مال و دولت اولاد و اطفال تمہارے حق میں فتنہ و امتحان ہیں اور ایمان والو تمہیں خدا کی یاد سے تمہاری اولاد و اموال لہو میں نہ ڈالدیں۔ اگر کوئی مسلمان اپنا نفس اپنے پر قادر نہ سمجھکر اموال و اولاد میں مبتلا ہوکر خدا کی یاد حسب ہدایت خدا اور رسول کرسکیگا اور

وہ ان دونوں کو ترک کر دے تو اسکا نام رہبانیت کیونکر رکھا جا تا ہے۔ خدا نے بعض اجازتوں کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر اس رخصت و اجازت کو مانتے ہوئے دینی پہلو پورا نہو سکے تو اس اجازت پر عمل مت کرو۔ مثلاً نکاح کے واسطے چار تک اجازت صحیح موجود ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر تم عدل نکر سکو تو ایک سے زیادہ مت کرو۔ یہی صورت دنیا کے استعمال و اشتغال کی ہے۔ ضرور خدا نے اجازت عطا فرمائی ہے کہ دنیا ضرورت کے لایق حاصل کرنا چاہئے لیکن یہ بھی فرمادیا ہے کہ تمہیں لہو میں نڈال دے۔ تمہاری اولاد اور تمہارے اموال جو شخص لہو میں پڑنے سے نہ بچ سکے اوسکو فرض نہیں کہ ماسٹر صاحب و ڈاکٹر صاحب کی طرح دنیا کا طالب ہو اسکو رہبانیت نہیں کہا جا سکتا خیر یہ طویل بحث ہے اور انشاء اللہ عنقریب ایک جداگانہ مضمون "اسلام و رہبانیت" کے عنوان پر میں ہدیہ ناظرین کروں گا۔ اسوقت تو دکھلانا ہے کہ یہ فرقہ نئی روشنی والا ضرور اسلام کا ایک طبقہ ہے اور جو خدمت اسلام و اہل اسلام کی بلحاظ ترقی قومی دنیاوی کے یہ گروہ کرتا ہے وہ ضرور قابل شکوری ہے لیکن ساتھ ہی ان کا دوسرے فرقوں پر اعتراض کرنا یا محدود خیال و رہبان بتانا افراط ہے اس سے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں مشغول رہیں اور بہ نیت صحیح ہمدردی قوم اور کانفرنسیں و لیگیں کالج و یونیورسٹی بنائیں تعلیم دیں اور دلائیں لیکن پوری تعلیم دینے پر کاربندی کا دعوے اور اپنے سوا دوسروں کو غیر متبع فرمانا ترک فرمادیں۔ تو یہ بھی ضرور ایک خاص قسم کی دینی پہلو کے امام فن ہیں۔ دوسرا فرقہ علما کا ہے۔ یہ حضرات خود بھی شرعی اعمال پر کاربند ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی شریعت غرا پر وعظ و تلقین فرماتے ہیں۔ ہمیشہ قرآن و حدیث تفسیر و فقہ و اصول ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ تمام محض ان کی تعلیم اور خیالات کا پابندی شرع و اتباع سنت ہے۔ واقع میں ان حضرات نے مذہبی تعلیم کا بڑا حصہ حاصل کیا اور اوسکی تبلیغ کا بار اپنے ذمہ لیا ہے۔ اسلام اور اہل اسلام پر ان کے بڑے بھاری احسانات ہیں جسکا اعتراف ہر ذی عقل مسلمان کا فرض ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بلائے بے درمان انانیت و خودی کی ان میں بھی جلوہ گر ہے کہ محض دین کا پابند اور اسوۂ حسنہ کا متبع اپنے فرقہ کو جانتے ہیں اور شریعت مغز و غنا ان کی وہی ہے جو انہوں نے یا انکی قابل تقلید استادوں نے سمجھی۔ دوسرے مذہبی فرقے اور تعلیم اسلام کے پابند ان کے خیال میں کافر اور مشرک سے کہیں زیادہ درجہ رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرات غیر مقلدین جو اپنے زعم میں کتاب و سنت کے پابند ہیں وہ مقلدین سے لے کر ایمۂ فقہ تک کو اس قدر بے دھڑک سخت الفاظ میں یاد کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ مقلدین انکو خلاف اسلام فرماتے ہیں۔ یہ اون کو سب سے زیادہ کثیر التعداد فرقہ مغربی تعلیم یافتہ کو نیچری اور خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں ان کی قومی ہمدردی اور اسلامی ایثار کو نہایت حقیر نظر سے دیکھا جاتا ہے صوفیہ پر تو خدا کی عنایت سے پہلے اور دوسرے دونوں حضرات کا دانت ہے۔ وہ ان کو رہبان امت محمدی و بے کار خلاف طائل فضول وقت صرف کرنے والا فرماتے ہیں۔ تو یہ بعض گمراہ خلاف شرع کے القاب سے یاد فرماتے ہیں۔ انصاف کی عینک آنکھوں پر لگا کر یہ نہیں ہو سکتا کہ جناب مولانائے جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد فرمالیں ؎

ہر کسی را بہر کارے ساختند　　میل او اندر دلش انداختند

اور سچے دل سے اسکا اعتراف فرمادیں کہ نئی روشنی والے بھی ایک قسم کا کام دین متعلق کر رہے ہیں۔ اور فقرا بھی دینی تعلیم کا بہترین حصہ جس پر تمام مذہب کا مدار ہے حاصل فرماتے ہیں۔ ہم بھی ایک طریقہ تعلیم دینی کے حامی ہیں بلکہ اسکے خلاف سعی نہیں فرماتے ہیں کہ علمی دلایل سے اور تمام فرق اسلامی کے اعمال و عقاید باطل قرار دیے جائیں۔ اور اسلام کا دین ہونا محض ہماری گردن میں حایل نظر آئے۔ تیسرا فرقہ صوفیہ کا ہے۔ ان میں بھی دو قسم کے حضرات پائے جاتے ہیں ایک حقیقی صوفی اور سالک یا مجذوب مست جن کی شان ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم و لا ہم یحزنون۔ آج اگر ہم اونکی مثال پیش کرنا چاہیں تو بوجہ اس شور و غوغائی فرقہ بندی و استدلال حقانیت کے نہایت دشوار ہے۔ لیکن ہم سابقین میں صدہا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں اس فرقہ کے افراد شمار کرا سکتے ہیں۔ جن میں سے جناب غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ یا حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری نور اللہ مرقدہٗ جناب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح حضرت بابا فرید شکر گنج قدس سرہٗ حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس سرہٗ۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت ابو طالب مکی برد اللہ مضجعہ حضرت خاتم ولایت محمدی جناب شیخ محی الدین ابن عربی رح حضرت مجدد الف ثانی جناب امام ربانی قدس سرہٗ وغیرہ بہت سے حضرات وہ ہیں جن کی تصانیف منیف دنیا میں موجود ہے۔ اور اکثر جگہ دستیاب ہیں۔ اور ان حضرات میں سے اکثر کی سوانح و حالات کرامات و خوارق و اخلاق و اعمال کا بڑا حصہ قلم بند ہمارے سامنے ہے۔ ہم اس سے قبل کہ ان کی اتباع و پیروی پر مفصل نظر ڈالیں اور کوئی رائے ان حضرات کی دینداری و پابندی شرع پر قایم کریں وہ اصول جو ہمنے ابتدا مضمون میں معیار تقدس کا قرار دیا ہے۔ ناظرین کو یاد دلاکر دریافت کرتے ہیں کہ اوس میں محبت ربانی کا ظہور جیسا کہ حدیث قدسی میں مفصل موجود ہے

ان حضرات میں کامل واکمل موجود ہے یا نہیں۔ ان حضرات کے حالات وخوارق عادات اس کثرت سے مشہور ہیں کہ ان کا پھر تذکرہ کرنا تطویل سے خالی نہیں کون نہیں جانتا کہ انکی صفات وافعال پورا نمونہ وعکس خدائی صفات کا تھے۔ عالم حیات میں جو برکات وآثار ان حضرات سے ظاہر ہوئے وہ علیحدہ رکھتے ہوئے آج بھی کہ انکو صدہا سالہ زمانہ دنیا سے رحلت فرمائے ہو گیا۔ ان کے مزارات پر انوار مہبط رحمت الٰہی ودریائے فیضان ہیں۔ وہ دونوں فرقے اسلامی یعنی علماء ونئے تعلیم کے دلدادہ حضرات گو کتنا ہی انکو بیکار ومعطل رہبان وبدعتی قرار دیں لیکن وہ فیوضات باطنی وتصرفات باعدہ ان کے اس قدر ظاہر وبدیہی ہیں جسکا انکار مکابرہ ہے اور اون حضرات کو بھی ہر مشکل کے وقت ان سے توسل کرنا ضروری ہوتا ہے ان دربارو کے حاضر باش وخوام دیکھتے ہوں گے کہ کیسے کیسے اولوالعزم دنیادار علماء وفضلا سلاطین ونواب تک کس طرح یہاں سر نیاز جھکاتے ہیں۔ اور اپنی خودی کو اس خدائی دربار میں مٹاتے ہیں اسلامی نقطۂ نظر سے ان بزرگواروں کے مزارات اس قدر شوکت اسلامی کا باعث ہیں۔ جہاں مشرکین اور اہل کتاب تک سے بڑے بڑے سرکشوں کا سر جھک جاتا ہے۔ تیرہ سو سالہ اسلامی دنیا میں علماء ظاہر ومحبان قوم میں سے دس بیس ایسے حضرات نہیں دکھلائے جا سکتے جن کے مزارات بھی زندگی سے زیادہ مرجع خواص وعوام ہوں۔ محدثین میں سے علامہ ابن جوزی نے ایک رسالہ تلبیس ابلیس رد تصوف پر تحریر فرمایا ہے۔ اوس کے نتائج جو خود زندگی میں اٹھائے اون کا مفصل بیان حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب لمعات شرح مشکوۃ کے مقدمہ میں درج فرمایا ہے لیکن آج وہ دیکھیں کہ جنکے بطلان پر وہ کتاب لکھ گئے۔ اون کے سلاسل عالیہ وفیوضات سرمدیہ آجتک دنیا کو فیضیاب فرما رہے ہیں۔ بعد حرمین شریفین کثرہم اللہ برکاتہم کی اسلامی دنیا میں اگر کوئی شہر دریا مقدس مانا جاتا ہے تو نجف اشرف کربلائے معلی اور بغداد شریف۔ مسلمانوں کا کیا معنی اہل ہنود ودیگر اقوام کا لاکھوں روپیہ اوس ذات والا صفات غوث الثقلین محبوب سبحانی حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کے نیاز وایصال ثواب میں صرف ہوتا ہے۔ اور اون حضرات کا نام بجز محدثین وعلماء کے یا مناظرین کے عام مسلمان بھی نہیں جانتے۔ مانا کہ تقویٰ وپابندی شرع ظاہر میں علماء کا گروہ قوی وغالب ہے لیکن یہ مقبولیت خداداد ومحبوبیت مطلق بجز گروہ اولیاء اللہ کسیکو نصیب نہیں۔ اور یہی آثار تقدس میں اصل عظیم ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ البتہ صوفیہ کے گروہ میں ایک فرقہ مدعیان تصوف کا بھی شامل ہے جو سلوک وفقر کے کنارہ تک بھی نہیں جاتے۔ بلکہ رسم پرستی وتصوف کے الفاظ یاد کر لینے کے سوائے انکا حاصل زندگی کچھ نہیں ہے۔ کپڑے رنگ لیے اور بال بڑھا لیے نہ مراقبہ نہ مجاہدہ مختلف صورتیں بنا کر مخلوق کو اپنے دام میں پھانس لینا غرض طریقت ہے یہ نہ اوس حقیقی فقر سے آگاہ نہ انکو اس فرقہ کا جزو شمار کر کر تمام فرقہ کے اعمال واقوال پر سند لائی جا سکتی ہے۔ یہ جاہل اور انکا کام ہمارا مقصد بالمقابل علماء ظاہر ونئی روشنی والوں کے حقانی صوفی مشرب حضرات ہیں۔ اونکی تعلیم سب سے بڑھ کر ہدایت وہدایت سینہ بسینہ اسوۂ حسنہ جناب رسالتمآب صلعم پر عامل ہیں۔ اون کے نقطۂ خیال سے دین کی تعلیم کا نتیجہ خدارسی اور قرب الی اللہ کا حصول ہے۔ وہ سب سے پہلے فرض دینی کو ادا کرتے ہیں۔ اگر مشیت ایزدی سے اسکے حصول تک اون کا وقت چل آ گیا تو تعلیم وغیرہ سے کیا معنی خود حینوۃ دنیا سے ہی دستکش ہو جاتے ہیں اور اگر خدا نے ... وقت انکو میسر کیا جسکو وہ اپنے خیال میں تبلیغ وتعلیم ارشاد وہدایت کا وقت جانتے ہیں۔ ... جو یقینی صحیح امر ہے۔ مثلاً نبوت جناب ختمی مآب صلعم کی ایسی مسلمہ ہے کہ ... دنقیض بنیاد ہے۔ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین میں اسوقت نبی تھا کہ آدم علیہ السلام ابھی آب وگل کے خمیر میں تھے۔ چہ جائیکہ بعد ولادت شریف دنیا کے آپ نے چالیس سال کی عمر تک نہ دین کی تعلیم دی نہ کسی انجمن قومی میں شریک ہوئے نہ کوئی مدرسہ جاری کیا۔ نہ خود تعلیم پائی۔ اگر کیا تو غار حرا میں جا کر مراقبہ وتزکیہ وتخلیہ نفس فرمایا۔ حالانکہ جناب صدیق اکبر جیسے تصدیق کرنے والے ہر وقت کے حاضر باش تھے خود والدہ معظمہ جناب آمنہ صاحبہ زندہ تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ جیسی عاشق بی بی حضرت عبد المطلب جیسے دادا جنہوں نے صدہا معجزات وخوارق بچشم خود دیکھے تھے لیکن جبوقت تک بلغ ما انزل الیك کا پروانہ نہیں نازل ہوا آپ نے کسیکو تعلیم وتلقین نہیں فرمایا بلکہ تمام وقت عزلت وگوشہ نشینی مجاہدات باطنی ومکاشفات میں صرف فرمایا۔ ابتداء وحی کے بعد جب آپ پر فیوض وحی سے لرزہ واقع ہوا اور آپ نے غار حرا سے واپس ہو کر حضرت خدیجہ سے قصہ نزول وحی سنایا۔ اور وہ آپکو اپنے عزیز ذی علم کے پاس لیگئیں۔ اور انہوں نے آپکا اطمینان کیا۔ اوسوقت بھی آپ نے اون سے نہیں فرمایا کہ میں نبی ہو گیا تم ایمان لے آؤ۔ حضرت خدیجہ کو ایمان تلقین فرمایا تکمیل مرتبہ نبوت ورسالت کے بعد ارشاد فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ میں خدا کی طرف سے اسپر مامور ہوں کہ انسانوں سے مقاتلہ کروں جب تک وہ توحید خدا کا اقرار نہ کریں۔ یہ تمام تر واقعہ صاف بتلا رہا ہے کہ انسانوں کا سردار رسولوں کا امام نبیوں کا افتخار بھی سب سے پہلے اپنی ترقی باطنی اور قرب کے مراتب

کی تحصیل پر مامور ہے۔ اسکے بعد جب سلوک کے مراتب سے فراغ حاصل ہو جائے۔ اب دوسروں کو خدا کا راستہ دکھلانا اوسکا فرض خدائی ہے۔ دیکھو قرآن پاک میں صاف بتلا یا جاتا ہے۔ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی۔ اے مسلمانوں کیا وہ شخص جو مرتبہ ہدایت وارشاد رکھتا ہے زیادہ اتباع کا مستحق ہے۔ یا وہ شخص جو کہ خود بھی راہ یاب نہیں ہے۔ دوسروں کی ہدایت کا محتاج ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ قابل اتباع و پیروی وہی حضرات ہو سکتے ہیں جو اپنی اوقات عزیز کو اول اپنی ہدایت یابی میں صرف فرماکر ادی راہ بنچ گئیں۔ درجہ تکمیل ہدایت دعروج کے خواہاں نہوں اور دوسروں کو ہدایت کریں۔ وہ مستحق اتباع میں نہ مامور من اللہ۔ حضرات صوفیہ علیہم الرضوان اس اصول مستحکم کے پابند ہیں جسوقت سے طلب خدا پیدا ہوتی ہے۔ اوسوقت سے حصول مرتبہ ارشاد تک اون کا تمام ترخیال اپنے مراتب کی ترقی ہوتا ہے۔ اور جبکہ سلوک کے طے ہوجانے پر صاحب ارشاد وما مور من اللہ ہوجاتے ہیں۔ تو کوئی دقیقہ تبلیغ دین واسلام میں باقی نہیں رکھتے گیا۔ ان حضرات کی سوانح میں جابجا اون کا خانقاہوں میں دینی تعلیم دینا۔ درسوں میں پڑھانا۔ جہاد میں شریک ہونا وغیرہ وغیرہ وہ امور جو تبلیغ اسلام کے واسطے ضروری ہیں نہیں پائے جاتے۔ جناب غوث پاک محبوب سبحانی قدس سرہٗ کی مجالس وعظ کا مجموعہ آج مطبوعہ موجود ہے۔ ہندوستان میں تشریف لاکر جو کام جناب خواجہ صاحب اجمیری نوراللہ مرقدہٗ نے اشاعت دین کا کیا کسی پر مخفی ہے اور اگر بالفرض یہ حضرات زیادہ وقت اپنا کفار و مشرکین کے مسلمان بنانے میں صرف نہیں کرتے تو بھی مورد الزام نہیں ہو سکتے۔ ان وجہ سے اول یہ کہ ان کا کوئی فعل بغیر امر الٰہی نہیں ہو سکتا۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ انکی کتابوں میں جابجا یہ تذکرہ موجود ہے کہ بامر الٰہی یا ارشاد رسالت پناہی کتاب تحریر فرمائی یا فلاں کام کیا ممکن ہے۔ خدائے پاک نے اونکو اس ظاہری جہاد کی تکلیف سے بچا لیا ہو۔ دوسرے یہ کہ ایک وہ شخص جسنے سو کا فر مانی مسلمان بنا دئے اونکو ظاہری اعمال شرعی تعلیم دیدئے اور ایک وہ ذات والاصفات جسنے سو خدا رسیدہ برگزیدہ مقرب الی اللہ بنا دئے۔ بالمقابل اسی قدر فرق رکھتے ہیں۔ جتنا کہ راستہ دکھانے والے۔ اور منزل تک پہونچا دینے والے میں ہوتا ہے۔ غرضکہ اُن کا کوئی فعل خلاف سنت نبوی علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات نہیں ہوتا۔ وہ حسب ہدایت ہادی مطلق اوسی طریق پر ایک وقت معین تک اپنی تہذیب نفس وتخلق باخلاق اللہ تحصیل قرب خدا میں مصروف رہکر جب اتمام سلوک ہادی راہ خدا بنتے ہیں اور پھر تمام قیامت تک اس منصب کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ اس تفصیلی بیان سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ حسب تعلیم قرآنی کامل مقدس وہی فرقہ مانا جا سکتا ہے جسپر آثار قرب خدا و ولایت محبوبیت وارد ہوں۔ اور یہ بات تمام فرق اسلامی میں سے حقانی صوفیوں کے فرقہ کو حاصل ہے۔ رہا نفس تقدس وہ حسب مراتب اسلامی فرق میں موجود ہے۔ نئی روشنی والے حضرات بھی اس قدر مقدس ہیں کہ اپنا وقت اور مال وجاہت مسلمانوں کی ہمدردی دنیاوی میں صرف کرتے ہیں۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفت خاص ہے رحماء بینھم اور علماء کے تمام گروہ میں بھی تقدس کا وجود یوں ہے کہ وہ تعلیم اسلام پر قائم ہیں اور نایب ہیں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے شان تبلیغ وامر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اون کی شان ہے اشداء علی الکفار جیساکہ خود حضور رسول مقبول صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں کی نسبت زیادہ اشد ہے۔

اور صوفیہ علیہ الرضوان کامل تقدس کے مظہر اتم ہیں۔ اونکی شان تراھم رکعًا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں یہ سب شانیں مجتمع تھیں اسلیے کہ اونکو کسی کمال کے حصول میں جداگانہ پورا وقت صرف کرنے کی حاجت نہ تھی۔ اون کا استاد اون کا پیر اونکا سردار فوج اون کا مربی اون کا تہذیب دینے والا۔ تمدن سکھانے والا روبرو ہر وقت ایسی ذات جامع کمالات موجود تھا کہ اشاروں میں سلوک و مراتب فقر طے ہو جاتے تھے۔ جہاد کے وقت اوس دست مبارک سے گھاس کے تنکے تیر کا کام دیتے تھے۔ وہ کیوں ہتیار کا لیسنس حاصل کرتے۔ فنافی الشیخ وفنافی الرسول وفنافی اللہ ایک ہی فنا میں حاصل تھے۔ جو کچھ زبان فیض ترجمان سے فرمایا وہ خدائی تعلیم تھی۔ مدرسہ کی حاجت ہی کیا تھی۔ اونکو جو کام کرنا تھا وہ محض اسیقدر کہ اوس مظہر اتم ذات احدیت کو اپنا قبلہ وکعبہ قرار دے کر ہر آن اور ہر ادا پر جان نثار رہیں۔ اور حاصل یہ تھا کہ کسی کے واسطے ارشاد ہوتا ہے انت الصدیق اور کسی کو فرمایا جاتا ہے الحق ینطق علی لسان عمر کوئی سیف اللہ ہوگیا۔ ابھی تھوڑے دیر ہوئی کہ ایک شخص دشمن خدا اور رسول تھا قسم کھاکر حضور کا سر کاٹنے کا ناپاک ارادہ کرکر چلا ہے۔ اِس دریار فیضان نامتناہی کے کنارہ پہونچا کہ العمر سراج الجنۃ کا تمغہ لگا یا گیا۔ ایک ہے کہ حالت کفر میں احد کے

سیدان میں کفار کی طرف سے داد شجاعت دے رہا ہے مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچا رہا ہے۔ ادھر آیا اور سیف اللہ ہوا۔ کوئی اس قدر بیمار ہے کہ آنکھوں سے دیکھنا بند ہے۔ لیکن جو مرتبہ عطا ہوتا ہے اوسکے واسطے ایک منٹ بھی صرف نہیں ہوتا۔ لعاب دہن مبارک لگایا اور فتح خیبر کا علمبردار بنا دیا۔ غلام بادشاہ ہو گئے۔ اور بادشاہ غلام۔ ایسے دربار گہربار کے متوسلوں کی طرح آج تیرہ سو سال بعد کس طرح دنیا و دین کی طلب جہاد اکبر و اصغر تلاوت و عبادت فقر و دنیاداری ایک ہی ذات میں ایک ہی وقت میں جمع ہو سکتے ہیں۔ تعلیم مذہبی کی جو شق بھی لیجاوے اس قدر وسیع ہے کہ سالہا سال میں بھی اوسکا حصول و کمال دشوار ہے۔ عمر میں ساٹھ ستر کے درمیان وہ آفتاب روشن کنندۂ عالم گو ضرور موجود ہے اور حیات النبی کا نعرہ فرماتا ہے۔ لیکن نظروں سے پوشیدہ تو ضرور ہے جب یہ ارشاد ہے کہ ہمارے ایک صحابی کے ایمان کے وزن پر تمام عالم کی ایمان سبک ہیں۔ ہمارے صحابہ کے ایک صدقہ دینے کے مثل دوسرا کوئی احد کے برابر سونا دینا نہیں ہو سکتا۔ آخر وہ کیا چیز تھی جس نے ہر شخص کو اس قدر قوی و غالب بنا دیا تھا وہی آفتاب توحید کی بلا واسطہ صحبت تھی۔ پس آج اسلامی فرقوں میں جس قدر تقدس باقی ہے وہ بھی بسا غنیمت ہے۔ اور قدر کی نگاہ سے دیکھنے کے لائق ہے۔ خدا کرے یہ نزاعیں مٹیں اور رفع ہو جائے۔ ہر شخص ٹھنڈے دل سے مسلمان بھائیوں کے خیالات سنے اور اون کے اقوال و اعمال کا موازنہ کرے۔ ایک دوسرے کو خلاف اسلام ثابت کرنا ترک فرماویں۔ اسلام خود ایک ایسا تقدس ہے جسکا نتیجہ فرمایا جاتا ہے من قال لا الہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ جس مسلمان نے صدق دل سے خدا کے توحید کا اقرار کرلیا وہ جنت میں داخل ہو گیا پھر کیا وجہ کہ ہم کسی فرقہ میں اس سے زیادہ تقدس کے متلاشی ہوں۔ یہ تقدس اسلامی ہمارے اغراض و مقاصد کی تکمیل کو کافی ہے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اگر ضرورت باقی رہی تو آیندہ پھر کچھ عرض کروں گا۔ وَالسَّلَام

خاکسار

حکیم محمد اسرار الحق صدیقی۔ قادری۔ صابری۔ باروی)

رہبانیت اسلام میں نہیں ہے

عیسائیوں میں تارک الدنیا فقرا ہوتے تھے جنہیں راہب کہتے تھے۔ اور اسی سے رہبانیت کا لفظ مشتق ہوا ہے۔ لیکن یہودیوں میں رہبانیت کا وجود نہ تھا۔ ہندوستان میں رہبانیت تھی اور اب بھی ہے۔ اور مع شئے زائد ہے لیکن اسلام میں جو رہبانیت کی ممانعت ہے اُس سے عیسائیوں کی رہبانیت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جو رہبانیت عرب اور شام میں موجود تھی اُس سے پرہیز کرنے کی ہدایت اسلام میں کی گئی تھی۔ اگر ہندوؤں کی رہبانیت کی مثال ابتدائے اسلام میں موجود ہوتی تو اور بھی سخت الفاظ میں اسکی ممانعت کیجاتی حضرت عیسیٰ مسیح کی طرز زندگی سے رہبانیت کا استدلال عیسائی کرتے تھے لیکن عیسائیوں میں جو فرقہ پرٹسٹنٹ ہے وہ اسکے مخالف ہے۔ ایسی حالت میں حضرت عیسے کے طرز زندگی پر کچھ روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور حضرت عیسے کے وعظ و تلقین کے سمجھنے کے لیے حضرت موسے اور آپکے تابعین کے حالات بھی کچھ مختصر طور پر بیان کرنے مناسب ہیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملت ابراہیمی جاری ہوئی اور اسی کی پیروی ملت محمدی میں کی گئی۔ تمدن اور اخلاق کی درستی پران کی تلقین محدود تھی ملکی و پولٹکل معاملات میں ان کا دخل دینا ثابت نہیں ہوتا لیکن اسکے ساتھ ہی انہیں کوئی شخص تارک الدنیا بھی نہیں کہہ سکتا۔ آپکی دو بیبیاں تھیں اور ان دونوں سے نسل پھیلی۔ آپکے پوتے حضرت یعقوب (اسرائیل) کے بہت سے بیٹے تھے۔ اور آپ کی نسل بنو اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت یعقوب کے بیٹے حضرت یوسف کو مصر کی وزارت ملی اور اس طرح تمام بنی اسرائیل مصر میں پھیلے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ان کا لوحہ دنیوی میں کمی واقع ہوئی۔ جس کی تلافی حضرت موسے علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی لیکن ملکی معاملات میں کچھ مداخلت انکی نہ ہوئی صرف اتنا ہی ہوا کہ حضرت موسے تمام بنی اسرائیل کو ارض مصر سے نکال لے گئے اور دشمنی کے ساتھ حریت کا سبق انکو دیا۔ حضرت موسے نے چالیس برس سفر عرب کی طرف بنی اسرائیل جاکر اپنی حریت پھیلائیں۔ مگر سلطنت قائم نہیں کی۔ بعد وفات حضرت موسے کے البتہ بنی اسرائیل نے خود کچھ حکومت

نہ راست سلطنت کی کہ بنو اسرائیل کا زمانہ ترقی تاریخ میں ہمیشہ سے یادگار ہے اسی سلسلہ میں حضرت سلیمان کی بادشاہت ہے۔ جن کی نسبت تمام اہل کتاب متفق ہیں کہ وہ دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں پیشوائے انام تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ماسبق اور انکے معاصر نبیوں میں کہیں رہبانیت کا پتہ نہیں چلتا اور ان کے بعد حضرت سلیمان کے زمانہ تک بھی رہبانیت کی کہیں جھلک نظر نہیں آتی۔ اسکے بعد رہبانیت تو نہیں آئی خدا فراموشی البتہ یہودیوں میں پیدا ہوئی دنیاوی نعمتوں میں ایسا محو ہوئے کہ یاد خدا باقی نہیں رہی۔ حضرت عیسےٰ کی بعثت یہودیوں کی اصلاح حال کے لیے ہوئی تھی۔ اسوقت قوم میں خدا فراموشی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ حضرت عیسےٰ کا سارا زمانہ توحید خدا بتلانے اور بااثر لوگوں کے خلاف مذہبی وعظ کہنے میں صرف ہوگیا۔ نہ آپکو عقد نکاح کرنے کا موقع ملا۔ نہ ایک جگہ ٹھہر کر رہنے اور مکان بنانے کی فرصت ملی۔ آپنے اپنا زمانہ اپنے حواریوں کے ساتھ خانہ بدوشی میں صرف کیا۔ اور بالآخر اس عالم کو چھوڑا۔ حضرت عیسےٰ کے بعد حضرت عیسےٰ کے قدردان پیدا ہوئے۔ اور پھر بادشاہوں نے بھی آپ کا مذہب اختیار کیا اور عیسائیوں نے ایسی ترقی کی کہ بنی اسرائیل (یہودی) ان کے مقابلہ میں بہت کم بااثر رہ گئے عیسائیوں نے جب پولیٹکل حیثیت سے زور پکڑا تو بعض عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی تقلید میں ترک دنیا کرنا باعث ثواب تصور کیا۔ اور اسطرح رہبانیت کا وجود عیسائی دنیا میں قایم ہوا۔ خریستوم وغیرہ نے اسکے خلاف وعظ کہا اور سمجھا کر رہبانیت کی تحریص حضرت عیسیٰ نے کبھی نہیں دی تھی۔ ان کا مجرد اور بے خانماں رہنا خود انکی حالت خاص کا مقتضا تھا جو شخص انکی سی حالت میں ہو وہ مجبوری راہبانہ زندگی بسر کرسکتا ہے۔ لیکن ایسے زندگی بسر کرنے کو باعث ثواب سمجھنا غلطی ہے۔ عیسائیوں نے اُسوقت مجددوں کے اس وعظ کو پسند نہیں کیا اور جو عیسائی مسلمان نہیں ہوا وہ رہبانیت کو برابر محترم سمجھتا رہا۔ لیکن زمانہ مابعد میں عیسائیوں کے فرقہ پروٹسٹنٹ نے مسلمانوں کی یہ نصیحت پسند کی اور اب پروٹسٹنٹ رہبانیت کو بالکل عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ یہ ایک واقعہ ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں کے زمانہ وسطے کے بعد مسلمانوں میں رہبانیت کی قدر بڑھنے لگی۔ اور ہندوستان میں تو ہندوؤں کے اثر صحبت سے اور بھی اسکی قدر بڑھی۔ جس خیال نے رہبانیت کی عزت عوام میں قایم کی۔ اسی خیال نے دنیاوی ترقی سے مسلمانوں کو پیچھے کی طرف متوجہ کیا کیونکہ رہبانیت اور فلاکت و ادبار نتیجہ کے لازم و ملزوم ہیں۔ دنیا کا اصول خواہش مقابلہ پر مبنی ہے جس نے جتنی کوشش دنیا کی کی تو ضرور اس کا مستحق وہ شخص ہے۔ جو زیادہ کوشش کرتا ہے یہ غیر ممکن ہے کہ جو دنیادار ہو وہ غیر دنیادار کی آزادی کا مالک ہو جائے۔

غرضکہ جتنے نبی یا پیغمبر گذرے ہیں ان میں سے ایک نے بھی رہبانیت کی تعلیم نہیں کی۔ اور اگر وہ ایسا کرتے تو مقتضائے فطرت انسانی کے خلاف کرتے۔ انبیا کا آنا فرشتوں کی اصلاح حال کے لیے نہ تھا۔ بلکہ حیوان ناطق کی اصلاح حال کے لیے تھا۔ حیوان مطلق کی طرف اُن کی بعثت ہوتی تو شاید وہ اُن سے کہہ سکتے کہ تم چراگاہوں میں مطلق العنانی کے ساتھ یا وحدا میں زندگی بسر کرو۔ انسان جو بغیر مکانوں یا خیموں کے سردی و گرمی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ بغیر لباس کے اکثر ملکوں میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ بغیر اکتساب کے رزق حاصل نہیں کرسکتا۔ اگر اوس سے کوئی نبی یہ کہتا کہ تم کچھ نہ کرو۔ سب سامان خود بخود غیب سے ہو جایگا تو وس نبی کو لوگ دیوانہ سمجھتے۔ سچ پوچھیے تو راہبان نصاریٰ یا اوسکے مقلد بنکے ابنا مسلمان بھی رہبانیت کے صحیح اصول کے نہ کبھی پابند تھے۔ اور نہ پابند رہ سکتے ہیں۔ بلکہ گدائی یا کاہلی کی ایک شاخ کو رہبانیت کا جامہ مصنوعی لوگوں نے پہنا رکھا ہے۔ یہ اگر اپنے دعوے اور خیالات میں سچے ہیں تو کسب معاش کرنے والوں سے روپوشش کیوں نہیں رہتے۔ دنیاداروں کے ذمت کرتے ہیں اور پھر مالدار دنیاداروں اور بڑے بڑے شہروں کے قریب اوسیطرح چھپ کر بیٹھتے ہیں۔ جس طرح شیر کے پس خوردہ کے لیے لومڑیاں جھاڑیوں میں بیٹھی ہوئی نظر براہ ہوتی ہیں۔ تو پھر یہ ترک دنیا کیونکر ہوا؟

ہمارا روئے سخن اسلام وغیر اسلام کے ان گذشتہ یا موجودہ اشخاص کی نسبت نہیں ہے۔ جنکی شان میں شیخ سعدیؒ فرما گئے ہیں ؎

آن راکہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

کیونکہ ہم اون کے پایہ کو پہچان نہیں سکتے۔ اور نہ اُن کی نسبت کچھ کہہ سکتے ہیں۔ یہ انسانی حواس خمسہ کی دسترس سے باہر ہیں۔ اور ہمارے موضوع بحث سے بھی جدا ہیں۔ ہم صرف اُن لوگوں سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ جو دنیا کے تعلقات رکھتے ہیں۔ اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم نہیں رکھتے۔ ہم ایسے لوگوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پیغمبروں کی تعلیم کے خلاف ہے۔ ایسا ادعا۔ پیغمبروں کی تعلیم ہے دنیا کے ساتھ رہکر اپنی مقتضا و صفات کو اعتدال پر رکھنا نازک مسئلہ ہے۔ دفع دخل اگر نہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ ناظرین کے خیالات پریشان ہوں۔ اسلیے یہ لکھنا ضروری ہے کہ آنحضرت سے جو سلسلہ تعلیم باطنی جاری ہے ہم اُس سے منکر نہیں ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آنحضرت کی تعلیم تصفیہ روح کے متعلق نہ تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ ضرور تھی۔ لیکن جو اسکے اہل تھے ان کے ساتھ محدود تھی۔ اور اس تعلیم میں بھی رہبانیت کو دخل نہ تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ جو تعلیم میں آنحضرت اپنے طرز زندگی کو معیوب بیان کرتے۔ تعلیم باطنی کے ڈھونڈھنے

خلیفہ حضرت علی اور حضرت ابوبکر سمجھے جاتے ہیں لیکن ان کا طرزِ زندگی بھی کہیں سے ترک دنیا کی ترغیب نہیں دیتا۔ مولانا روم نے ایک جگہ فرمایا ہے ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دون
این محال است و محال است و جنون

آنحضرت کا اُسْوَۂ حَسَنَہ جو تمام احادیث کی کتابوں میں موجود ہے اُس کے مقابلہ میں مولانا کا یہ شعر ہرگز قابل استدلال نہیں ہے۔ اور یوں بھی تو یہ شعر ترک دنیا کا فتویٰ نہیں دیتا۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ دنیائے دون کو ناجائز و خلاف شرع طریقہ سے طلب کرنا۔ خدا سے دوری پیدا کرتا ہے۔ اس شعر کا مطلب مولانا کے ایک دوسرے شعر کو ساتھ ساتھ پڑھنے سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

شرع محمدی کی تمام تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کو خوب حاصل کرو مگر نہ اس طرح خدا کی یاد بھلا دو۔ ان دو متضاد باتوں کو ساتھ ساتھ نباہنا نہیں ہو سکتا۔ مگر اسطرح کہ آنحضرت کی طرزِ زندگی کو انسان اپنا رہنما بنا لے۔ دینِ محمدی تمام ادیان سے اسلیے بہتر ہے کہ دنیا داری کے ساتھ یادِ الٰہی بہترین طریقہ سے اس میں تعلیم کی گئی ہے۔ یعنی انسان کے سامنے جتنی صورتیں دنیا داری کی حالت میں پیدا ہو سکتی ہیں۔ سب کی سند وہ آنحضرت کی ذات مقدسہ میں جن سے دینِ محمدی قایم ہوا پا سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے پیغمبر کی سرگذشت زندگی کے مختلف مدارج پر لحاظ کریں تو بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ دیگر تمام پیغمبروں کی سرگذشتیں ہمیں اس جامعیت کے ساتھ رہنمائی کرنے کے لیے نہیں ملتیں جتنی کہ ہم اپنے پیغمبر کی ذات ستودہ صفات میں پاتے ہیں چند باتیں بطور نمونہ درج کرنا مناسب ہے۔ مثلاً :-

(۱) آنحضرتؐ غریب و گوشریف، گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ولادت کے قبل یتیم ہو چکے تھے۔ اور سن شعور کے پہلے ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا تھا۔ حالت بیکسی تھی۔ لیکن آپ کی خوش اخلاقی نے تمام گھر والوں کو آپ کا شیدا بنا رکھا تھا۔

(۲) آپ کو ایک غیر عورت نے دودھ پلایا تھا۔ آپ نے جس سلوک شستہ و معاملہ صفائی کے ساتھ سن شعور کو پہنچکر کیا۔ وہ بہترین نمونہ عمل جزاء الاحسان الا الاحسان پر عمل کرنے کا تھا۔

(۳) عسرت کی وجہ سے ۲۵ سال تک آپ نے عقد نکاح نہیں کیا لیکن جس پاکدامنی کے ساتھ یہ حصہ عمر آپ کا گزرا۔ وہ نوجوانوں کے لیے بہت اچھا نمونہ تھا۔ اور ہے۔

(۴) آنحضرت نے نبوت کے قبل تک کسب معاش کا بہترین ذریعہ تجارت رکھا۔ تجارت بہترین پیشہ ہے۔ آجکل تمام مہذب قوموں کی ترقی کا مدار اسی پر ہے۔ دیکھئے پیغمبر نے اپنے طرزِ عمل سے اپنی امت کے لیے کسب معاش کا کیسا اچھا نمونہ دکھایا۔

(۵) جب عمر پختگی کو پہونچی تو گوشہ نشینی اور یادِ الٰہی کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ ہوئے۔ غار حرا میں آپ کی گوشہ نشینی شروع ہوئی۔ جہاں تصفیہ روح کے بعد احکام الٰہی کا بطور وحی کے اترنا شروع ہوا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی حضرت خدیجہؓ سے آپ نے اپنا تعلق ترک نہیں کیا۔ جو نئی بات روحانیات کے متعلق سے آپ کو معلوم ہوئی پہلے اپنی بی بی سے آپ اسکا تذکرہ کرتے یہ ہے صریح مثال تاہل کے ساتھ لذت یادِ الٰہی سے لطف اٹھانے کی۔

(۶) اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا۔ یادِ الٰہی قریش کے نزدیک جرم قرار پایا۔ ایک عرصہ تک آپ شعب ابوطالب میں گویا مقید رہے۔ قید سے چھوٹے تو تمام مکہ میں نیا دشمن ڈھونڈھتے پھرے۔ پھر لاچار ہو کر آپ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ ان تمام مصائب کا جس بہادری سے آپ نے مقابلہ کیا۔ آپ ہی کا کام تھا۔ ان باتوں پر اگر کوئی غور کرے تو اچھے کام کے لیے مستقل مزاج رہنے کا یہ بہترین نمونہ ہے۔

(۷) مدینہ میں پہونچکر آنحضرتؐ کی حیثیت شہنشاہ عرب کی ہوئی۔ اس حالت میں تو آپ فوج میں ہتھیار لگائے ہوئے سپہ سالار کا کام کرتے ہیں کہیں پتھر اٹھا کر مزدوروں کا کام کرتے ہیں۔ کہیں حدود شرعی جاری کرنے کے لیے قاضی القضاۃ نظر آتے ہیں۔ اور عین جنگ کے وقت ایک گوشہ میں بیٹھ کر خدا سے دعائے نصرت کرتے ہیں۔ جب لڑائی۔ عبادت اور انتظام ملک سے فرصت پاتے ہیں تو اصحابؓ کے ساتھ لطف صحبت حاصل کرتے ہیں۔ اور اور زنان کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں سیدھے سادے دنیا دار نظر آتے ہیں۔ کبھی آپ گھوڑے پر سوار ہتھیار لگائے ہوئے میدان جنگ میں ہیں۔ اور کبھی مسجد میں خود حسینؓ کے گھوڑے بنے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔ دشمن مقابلہ میں ہے۔ فوج صف بستہ ہے یادِ الٰہی کا وقت آگیا تو یہ حکم ہے کہ باری باری سے آدھی فوج مقابلہ کرے اور آدھی نماز پڑھے۔ ایسا نہ ہو کہ کار دنیا کے مقابلہ میں یادِ الٰہی کا پہلو دب جائے۔ مَا شَآءَ اللہ۔ آنحضرتؐ نے کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جس کا نمونہ خود اپنے عمل سے اپنی امت کو آپؐ نے بہترین نمونہ نہیں دکھایا ہو۔

(۸) آنحضرت دس برس کے بعد مکہ واپس جاتے ہیں۔ جہاں سے ملزم قوم کی حیثیت سے نکلے تھے وہاں شہنشاہ عرب کی حیثیت سے داخل ہوتے ہیں اپنے سابق بیکسی یاد کر کے مکہ کے قریب اپنی گردن کو ہان شتر کی طرف جھکالی ہے گویا سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔ اور زبان پر اظہار شکر گذاری میں " تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر " جاری ہے مکہ میں پہنچکر اپنے تمام جانی دشمنوں کی خطائیں معاف کرتے ہیں۔ اور اُمت کو بتاتے ہیں کہ " با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا " پر مسلمانوں کو عامل رہنا چاہیئے۔

(۹) جب آپ انتقال کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ گھر میں جو کچھ تھوڑا بہت ہے اُسے خیرات کر دو۔ اسلیئے نہیں کہ ایک مسلمان کو مال چھوڑکر مرنا برا ہے۔ بلکہ اسلیے کہ پیغمبروں کی شان یہ نہیں ہے کہ اسکے مرنے پر اسکے گھر میں کچھ مال رہے۔ **سوال**۔ اگر کوئی مسلمان کوڑی کفن کو نہ چھوڑے تو کیا یہ اتباع سنت ہے؟ نہیں بلکہ پیغمبر کی برابری کرنا ہے۔ جس امر کو مقتضائے شان پیغمبری آنحضرت نے فرمایا اُنکی پیروی دوسروں کے لیے مناسب نہیں ہے اگر میں ان باتوں کا بھی بیان کروں تو زیادہ طوالت ہوگی۔ مفصلہ بالا چند باتوں سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی امت کی ہدایت کے لیے سب کچھ کر کے دکھا دیا ہے۔ مفصلہ بالا باتوں سے امر زیر بحث پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ دو ایک مثالیں میں خود دکھا دینا چاہتا ہوں تاکہ ناظرین کو غور و فکر کرنے کا پہلو نظر آجائے۔ مثلاً حضرت موسےٰ نے فرعون سے لڑائی نہیں کی۔ صرف اپنی قوم کو بچالے گئے۔ اور آنحضرتؐ نے برخلاف اس کے کفار قریش سے لڑکر عرب کو کفر کی ضلالت سے نکالا۔ حضرت موسےٰ فن جنگ کے متعلق کچھ بھی اپنی قوم کو تعلیم نہ کر سکے۔ اور آنحضرت نے ایسے ایسے نکات جنگ کے متعلق اپنے ساتھیوں کو بتائے کہ آنحضرتؐ کے بعد نئی قسم کی جنگ ہونے لگی۔ اور تمام مہذب قوموں نے اُس سے خوشہ چینی کی۔ دنیا کا مدار تاہل پر ہے۔ اور جیسے تمدن ایک بڑی ضروری چیز ہے۔ حضرت عیسےٰ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ نہ کہیں مستقل بود و باش اختیار کی۔ گھر والوں کے متعلق کیا سلوک ہونا چاہیئے۔ پڑوسیوں سے کیا برتاؤ رکھنا چاہیئے۔ اسکے متعلق وہ کوئی نمونہ دکھا سکے اور آنحضرت نے بہت زیادہ ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں مسلمانوں میں ایسی عظیم قومیت پیدا ہوئی جس نے دنیا کو حیرت میں ڈالدیا۔ اور مسلمانوں میں ایسی اخوت قائم ہوئی۔ کہ اس گری گذری حالت میں بھی جو اخوت مسلمانوں میں ہے دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے۔ ایک بات جو سب شاید تو حیرت میں ڈالنے والی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے جتنے مذاہب ہیں انہیں پیشوائے مذہب کی تقلید صرف علم الٰہی کے متعلق کیجاتی ہے۔ تمام عالم میں صرف محمدی ایسے ہیں جو اپنے تمام دینی و دنیاوی ملکی جنگی عدالتی تجارتی عبادتی معاملاتی امور میں صرف آنحضرت کے قول و فعل کو نمونہ قرار دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ خیال کرنا ہرگز درست نہیں ہے کہ آنحضرت صرف یاد الٰہی بتانے آئے تھے۔ دنیاوی کاموں میں اونکی تقلید ضروری نہیں ہے۔ یا اُنکی طرز زندگی کی تبعیت چھوڑکر یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ راہبانہ زندگی بسر کرنا یا دنیا و ما فیہا سے بے واسطہ ہوکر صرف یاد الٰہی سے تعلق رکھنا آنحضرت کا اتباع کرنا ہے ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

دنیا ایک گورکھ دہندا ہے۔ معلوم نہیں خدا کس میں راضی ہو جائے لیکن محمدیوں کی شان تو صرف یہ ہونا چاہیئے کہ جو راستہ آنحضرت نے دکھایا ہے اُسی پر آنکھیں بند کرکے چلے جائیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ علم باطنی سے جو مجھے فیض ملا ہے۔ میں اُسے خوب سمجھتا ہوں۔ تو ہم صرف یہ کہیں گے کہ جو لوگ آپکے درجہ تک نہیں پہونچے ہیں انہیں تو ہم لوگوں کے ساتھ رہنے دیجئے۔ شریعت ظاہری سے الگ ہوکر وہ آپ کا ساتھ دینگے۔ تو کسی طرف کے نہوں گے۔

ترک دنیا اپنے اصلی معنوں میں تو محال یا مشکل ہے۔ لیکن زمانہ وسطے میں بعض بزرگان دین ایسے گذرے ہیں جو حتے الوسع اس سے علیحدہ رہنا پسند کرتے تھے۔ اور ان کے تابعین اب بھی ہیں۔ اور صاف طور پر ترک دنیا کے یہ معنے سمجھتے ہیں کہ کسب معاش کا کوئی ذریعہ اختیار نہ کیا جائے اور خوراک اور پوشاک بہتر سے بہتر ملتی رہے۔ قرن اولے میں ایسے لوگوں کا وجود نہ تھا۔ پیشوایان علم ظاہری البتہ بیت المال سے اپنی روزی ایسلیے کہ وہ اپنے ذاتی کاروبار میں پھنسیں گے تو قومی کام نکرسکیں گے۔ حاصل کرتے تھے خود آنحضرت کار نبوت شروع کرتے ہی کاروبار تجارت سے دستکش ہوگئے تھے۔ حضرت ابوبکر نے خلیفہ ہوتے ہی حضرت عمر وغیرہ کے کہنے سے بادل ناخواستہ بند کر دیا تھا۔ عمال صدقہ و دیگر ملازمان و عہدہ داران کا بیت المال سے مشاہرہ پاتا اسی قبیل سے تھا۔ لیکن پیشوایان علم باطن کا اپنی پیشوائی کے صلہ میں کچھ بیت المال سے یا عوام سے پاتا ابتدائی زمانہ کا دستور نہ تھا

آیا علم باطنی کوئی ایسی شے ہے جسکے جاننے والوں کی عزت کرنا اُن لوگوں کے لیے کبھی مناسب ہے۔ جو اُس سے بے بہرہ ہیں؟ اس سوال کا جواب دینا بہت مشکل ہوتا۔ اگر آنحضرت اپنے اصحاب کو ہیت نکرتے کہ تم میں سے کوئی اویس قرنیؓ سے ملے تو میرا سلام کہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جب حضرت اویس قرنیؓ سے ملے تو حضرت اویس قرنیؓ نے کچھ بہت توجہ سے ان لوگوں سے ملاقات نہیں کی۔ اور جب حضرت عمرؓ نے بیت المال سے انہیں کچھ دینا چاہا تو انہوں نے فرمایا لاوٹ چالنگی ہورت مجھے احمال ہے ایسے مجھے ابھی کچھ کے ہو یا صرف کی ضرورت نہیں ہے ان حکایت سے ہماری زمانہ کے اہل سلوک مہاذب صدو دیلغان نکالا کرتے ہیں اور اسپیدا ہو فی ہو دہ تماشا بیان نہیں اور مسلہ ہیا نیت پر گردشنی پڑتی ہے وہ بھی ملکی تشریح کا نہیں ہے۔

(ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی)

آج کل کا تقویٰ

آجکل کی اصطلاح کے مطابق متقی سے مراد وہ شخص ہے۔ جو محنت اور کوشش اور تمام دنیوی کاروبار کو ترک کرکے آرام کے ساتھ گوشہ خمول و گمنامی میں بیٹھ گیا ہو، دنیا کی کوئی امید اسکے دل میں باقی نرہی ہو گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے حالات سے محض جاہل اور بالکل ناواقف ہو۔ اور جو ہر وقت گردن ڈھلکائے ہوئے بیٹھا رہتا ہو، اگر کوئی کام اُس کے سپرد کیا جائے۔ تو اوس کو خراب کر دے۔ اکثر مسلمانوں کے نزدیک ایک متقی آدمی کی اہم صفات یہی ہیں۔ اور یہ صفات جیسا کہ غور کرنے والوں کو معلوم ہے ہمارے سلف صالحین کی صفات اور حالات سے قطعاً مغائر اور خط مستقیم منافی ہیں۔ تاریخ سے بطور تواتر کے ثابت ہو چکا ہے۔ اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ رسول خدا صلعم اور آپکے صحابہ کرام جو اتقا اور پرہیزگاری اور دینی کمال کے نمونے تھے نہایت اولوالعزم، باہمت، محنتی، اور کوشش کرنے والے۔ قوم کی عزت اور عظمت کی بنیاد ڈالنے والے اُسکو رفعت اور برتری کے آسمان پہ لیجانے والے تھے انہوں نے حق کی تائید اور باطل اور گمراہی کی بیخ کنی میں جس قدر سر توڑ کوششیں کی ہیں۔ اُن کے حالات تواریخ و سیر کی کتابوں سے معلوم ہوسکتے ہیں یہ وہ اصلی تقویٰ ہے۔ جسکو اسلام نے پیروؤں کے لیے مقرر کیا ہے لیکن اگر آجکل کے اتقا کو اسلامی اتقا کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ وہ سراسر فسق و فجور اور قطعی حرام ہے۔

اتقا کے معنوں میں غلط فہمی سے (جس میں ہم بوجہ اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہونے کے مبتلا ہو گئے ہیں) ہم مسلمانوں کو دو قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔ ایک قسم کا نام ہم نے اہل دنیا رکھا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو قوم اور ملک کو اپنی دستکاریوں یا علمی بحثوں سے فائدہ پہونچاتے ہیں۔ اور دوسری قسم کا نام ہمنے اہل آخرت رکھا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنھوں نے دنیا اور اُسکے کاروبار کو ترک کرکے نماز روزہ نوافل اور چلوں اور عرسوں میں اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ چند صدیوں سے اس وہمی تقسیم کی بیخ و بنیاد تمام دنیائے اسلام میں مستحکم ہو گئی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اہل دنیا شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کو صرف ان علوم و فنون کے حاصل کرنے میں وقف کر رکھا ہے۔ جن پر دنیوی سعادت و فلاح کا انحصار ہے اور اہل آخرت صرف علوم عبادت و طہارت میں مصروف ہیں۔ پس پہلا گروہ مذہبی اعتبار سے جاہل محض ہے۔ جس کو مذہب کی نسبت طرح طرح کے شکوک اور شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ دنیوی معاملات سے اس قدر بے بہرہ ہے کہ اوس کو وسایل کسب معیشت سے بالکل واقفیت نہیں ہے۔ اور اسلیئے وہ سخت افلاس اور تنگدستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوکر دست سوال دراز کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ اگرچہ کسی خوبصورتی کے ساتھ ہو

دین و دنیا کی یہ تفریق تمام وجوہ سے اسلامی اصول کے بالکل منافی اور اُسکے احکام کے برخلاف بلکہ ان میں سے اکثر کو معطل کرنیوالی ہے۔

علامہ فرید وجدیؒ

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق والاعمال

تہذیب النفس — تدبیر منزل — سیاست مُدن

جنّت سے دُوسرا خط

(ایک معصوم بچی کی طرف سے اپنی ماں کے نام)

ہوں جسکی پژمردہ کلی اُس خشک ڈالی کو سلام
کھیلی ہوں جسکی گود میں اُس گود والی کو سلام

وہ جسنے دکھ سہکر بڑے ارمان سے پالا مجھے
بہتر سمجھکر جسنے اپنی جان سے، پالا مجھے

امّاں مجھے معلوم ہے میرے لیے روتی ہو تم
بے چین دن کو اور نہ شب کو نیند بھر سوتی ہو تم

ہر وقت میرا دھیان ہے ہر وقت میری یاد ہے
میرے خیالوں میں تمہاری زندگی برباد ہے

جب سے مُری ہوں میں، تمہیں رونیسے ہردم کام ہے
میرے نہ ہونیسے، بھرے گھر میں بپا کہُرام ہے

امّاں مرے غم میں نہ کچھ کھاتی نہ کچھ پیتی ہو تم
بیزار ہوکر جان سے دنیا میں اب جیتی ہو تم

بھرتی ہو آنسو آنکھ میں آغوش خالی دیکھکر
دیکھی مری جو چیز وہ فوراً اٹھالی دیکھکر

جب میری گڑیوں پر نظر پڑتی ہے روتی ہو تم
اور میرے کپڑوں کو کلیجہ سے لگالیتی ہو تم

ہاں ہاں مرے مرنے سے سینہ میں پڑا ناسُور ہے
ہر وقت چہرہ سُست ہے، ہر وقت دِل رنجور ہے

امّاں مگر یہ رنج و غم بیکار ہیں، بے سُود ہیں
جو سکھ مجھے دنیا میں تھے اُن سے سوا موجود ہیں

جنّت میں جیسا ہے دیا اللہ میاں نے گھر مجھے
ویسا نظر آتا نہیں دنیا کے پردے پر مجھے

حوریں مری ہمجولیاں، غلمان میرے بھائی ہیں
میری طرح دنیا سے لاکھوں لڑکیاں اور آئی ہیں

آپس میں ہم سب کھیلتے ہیں، پھول کلیاں چن کر
بھرتے ہیں اپنی جھولیاں حوروں سے موتی چھین کر

دنیا کی جتنی لڑکیاں فردوس میں آباد ہیں
آتی ہے جو لڑکی یہاں، اماں سے اپنی چھوٹ کر
شاید تمہیں یہ فکر ہو، اب گور میں تنہا ہوئیں
مٹی کی اک تصویر تھی، مٹی میں دفنا دی گئی
نکلی جو اپنے گھر سے تو، سیدھی خدا کے گھر گئی
زندہ اگر رہتی وہاں، ملتی نہ یہ راحت مجھے
تم بیاہ کر دیتیں مرا، پھر بھی تو تم سے چھوٹتی
آپا کی مجھ کو ہے خبر، گو زندہ و آباد ہیں
کپڑوں کا دکھڑا ہے کبھی، فاقوں کی زحمت ہے کبھی
دنیا کے لاکھوں مخمصے ہیں، اور انکی جان ہے
اماں، خدا کا شکر ہے، ہم اس مصیبت سے بچے
رونا خلافِ صبر ہے، اب صبر کرنا چاہیئے
تم یوں سمجھ لو میں تمہارے پاس آئی ہی نہ تھی
اب تم جو مجھ کو روؤگی، زندہ نہ میں ہو جاؤنگی
دنیا سے ہر آرام سے، آرام بڑھکر ہے مجھے
کیا ابرِ رحمت ہر طرف گھنگھور ہے چھایا ہوا
ہر وقت اک نزہت نئی، ہر دم نیا اک کیف ہے
جب ختم کر کے عمر تم اپنی، یہاں پر آؤگی
ہو جائے گا تازہ وہ دل، جو اب ہے مرجھایا ہوا
دامن پکڑ کر میں تمہیں فردوس میں لے جاؤنگی

وہ سب مری غمخوار ہیں، میری طرح دلشاد ہیں
جاتی نہیں واپس کبھی۔ لذت یہاں کی لوٹ کر
اماں وہاں تو لاش ہے، اور چین سے اچھا ہوں میں
جو سَت کے مٹی ہو گئی۔ مٹی میں ملوا دی گئی
اچھا ہوا اماں کہ میں بچپن میں اپنے مر گئی
کرتی ہزاروں غلطیاں، ہوتی نہ یوں فرصت مجھے
دولہا کے گھر کیا جانے کیا مجھ پر مصیبت ٹوٹتی
لیکن غمِ دنیا سے وہ مغموم ہیں ناشاد ہیں
جینے کا رونا ہے کبھی، مرنے کی حسرت ہے کبھی
مر جائیں تو جھگڑا چکے، تم کو بھی یہ ارمان ہے
مر کر گناہوں سے چھٹے، سو رنج و آفت سے بچے
جو مر گیا اس کے لیے تمکو نہ مرنا چاہیئے
مجھ کو مری روحِ رواں دنیا میں لائی ہی نہ تھی
جا کر کوئی آتا نہیں، کیونکر کہوں پھر آؤں گی
سرسبز دامانِ ارم، آغوشِ مادر ہے مجھے
اماں یہاں پر بھیج دو، جو دل ہو گھبرایا ہوا
دنیا کی میں خواہش کروں، پھر بھی تو مجھ پر حیف ہے
اماں پھر اپنی گود کی بچھڑی ہوئی کو پاؤ گی
ہوگا نظر میں ہر طرف اک نور سا چھایا ہوا
حوروں کو لیکر ساتھ استقبال کرنے آؤنگی

دیکھو گی جب جنت کو اماں تم بھی خوش ہو جاؤ گی
اللہ کرے آئے یقیں تم کو مرے آرام کا
کہتے ہیں جسکو زندگی، دھوکا ہے اماں جان وہ
سیماب

دنیا کا نام اپنی زبان پر پھر نہ ہرگز لاؤ گی
اور صبر سے جائے بدل رونا یہ صبح و شام کا
مر مر کے جو زندہ رہے، ہے واقعی نادان وہ
(صدیق الوارثی اکبرآبادی)

ماں

جسکو عربی میں اُم، انگریزی میں مدر، سنسکرت میں ماتا کہتے ہیں، ایک عورت ہے، ایک مرد کی بیوی ہے، ایک بھائی کی بہن ہے، باپ کی بیٹی ہے ماموں کی بھانجی ہے، چچا کی بھتیجی ہے، مگر ان سب رشتوں میں وہ اتنی یاد کرنے کے قابل نہیں جتنی اسوقت ہوتی ہے، جبکہ وہ کسی بیٹے یا بیٹی کی ماں بن جائے۔

آدمیت سے ہٹ جاؤ۔ جانوروں پر خیال کرو، ان کے ہاں بھی ماں ایک چیز ہے ایک نعمت ہے، ایک کرشمہ قدرت ہے۔ نر جانور کو وہ جوہر نہیں ملتا جو ماں کو دیا جاتا ہے۔ مادہ اپنے بچوں کی عاشق ہے، دیوانی ہے جب تک بچے با اختیار نہ ہو جائیں ماں اپنی جان چھڑکا کرتی ہے۔

آدمیوں میں ماں محبت کی پتلی ہے شفقت کی صورت ہے اور آرائش کا مگر ہے قدرت اسکا بار بار امتحان لیتی ہے، اور ماں کبھی فیل نہیں ہوتی۔

دنیا میں ہر محبت ایک غرض اور مقصد رکھتی ہے مگر ماں بچوں کو بغیر غرض اور مقصد کے چاہتی ہے باپ اپنے بیٹے کی کمائی چاہتا ہے، بہن اپنے بھائی کی قوت بازو مانگتی ہے، بہن بھائی پیار اپنے ساتھی کے جذبے سے نظر ڈالتی ہے۔ بیوی خاوند کو پرورش کنندہ سمجھ کر چاہتی ہے مگر ماں کچھ نہیں چاہتی۔ کچھ نہیں مانگتی کچھ نہیں سوچتی۔ بچوں سے کوئی امید نہیں رکھتی، اپنی جان، مال، سب قربان کرتی ہے۔ دیکھ دیکھ کر جیتی ہے۔

کچھ لوگ یاد دلایا کرتے تھے کہ اس بچہ کو نو مہینے پیٹ میں رکھا ہے اپ گیلے میں سوتی تھی اسکو سوکھے میں سلاتی تھی، آپ بھوکی رہ کر بچہ کو پلاتی رہی، آپ جاگی بچہ کو سلاتی رہی، آپ بھوکی رہی بچہ کو کھلاتی رہی،

مگر یاد دلانے والوں کو معلوم نہیں کہ ماں نے یہ سب کچھ بلا غرض کیا تھا اسکی محبت سادہ و صاف شفاف ہے۔ اے دنیا میں ایسی کونسی محبت ہے، جسکو ماں کی محبت کی مثال بنایا جائے؟

تم کو بہشت سلیم کی حکومت ماں کے عوض ملتی ہو تو حکومت پر تھوک دینا، حکومت میں کوئی خوشی ماں کی خوشی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

تم کو دنیا میں بہشت دیدی جائے اور اسکے بدلہ میں ماں کی شفقت لیجائے تو جنت سے منہ پھیر لینا۔ ماں کی گود میں فردوس سے زیادہ بہار ہے۔

آسمانی جنت ماں کے قدموں تلے مشہور ہے۔ میں کہتا ہوں وہ سراپا بہشت ہے اسکی آنکھوں میں جنت ہے اسکی باتوں میں جنت ہے۔ وہ ایسی جنت ہے جس کی نظیر آسمانی جنت میں بغیر ماں کے ملنی دشوار و محال ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری یتیم تھے ماں نے انکو ایسی تربیت دی کہ مقتدائے عالم بن گئے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بن باپ کے تھے۔ ماں ہی نے انکو بادشاہ فقر بنایا۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدا پرستی و بزرگی ماں کے طفیل مشہور جہاں ہوئی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی پانچ سال کی جان یتیم ہوئے والدہ ہی نے انکو اس درجہ بلند تک پہنچایا۔

نپولین ماں کے ہاتھوں سے دور اعظم بنا کیونکہ ترقیوں میں اسکی ماں والدہ کا بڑا دخل تھا خدا تیرے ماں باپ نہیں ہیں تو کسی کا ماں باپ نہیں ہے مگر تو نے یہ ماں کیا چیز بنائی ہے تو نے کیا وحی نازل کی ہے جو یہ اپنے بچوں پر رسولوں اور پیغمبروں کی طرح مہربان ہوتی ہے مجھے تو نے سب کچھ دیا۔ اگر دولت دی مجھے کہنے دے کہ کچھ نہیں دیا اگر ماں کا سایہ سر سے اٹھا لیا۔ ماں نہیں تو جینے کا مزا نہیں ہے۔ مرنے کا مزا نہیں ہے ہنسنے کا مزا نہیں ہے رونے کا مزا نہیں ہے وہ ہو تو دنیا کے ہر غم میں راحت ہے۔ ہر تکلیف میں آسائش ہے۔

مجھے بتاؤ تم میں کون شخص ایسا خوش نصیب ہے جسکی ماں زندہ ہو اسکو سارا کائنات صدقہ کر کے پھینک دوں۔ اور کون ایسا بدنصیب ہے جسکو ماں کی نعمت میسر تھی اور وہ اسکی قدر نہیں کرتا ہے میں اسکو دونوں جہان سے مٹا دوں۔ اے ماں اگر تو جیتی ہو تو تجھ پر سلام۔ مر گئی ہے تو بے شمار رحمت، میری ماں، میری اماں۔ میں تمہیں کیونکر یاد کروں ؟

(حسن نظامی)

کیا برات کا کھانا حرام ہے؟

بعض مولویوں کا خیال ہے کہ مولود کی مٹھائی اور نیاز کے کھانے یا ہندوؤں کے تیواروں میں جو کھانے پکتے ہیں۔ وہ متشرع مسلمانوں کو کھانا نہ چاہیے۔ مگر میں اس کی تائید میں کوئی دلیل نہیں پاتا۔ لیکن برات کے کھانوں کو اکثر صورتوں میں حرام سمجھتا ہوں۔ اور یہ سمجھتا ہوں کہ وہ جیسے سمجھے ہیں بالجبر حاصل کئے جاتے ہیں۔ تو تعزیرات ہند کے احکام کے مطابق مال مسروقہ کے حکم میں ہیں۔ اور شرعی نظر سے بھی ناجائز ہیں۔

دیگر بلاد اسلام یا ہندوستان کے تمام حصوں میں "برات کے کھانے" کا مرادف لفظ مجھے معلوم نہیں ہے۔ کہ کیا ہے۔ لیکن ممالک متحدہ کے شرقی اضلاع میں جب بیٹے والا عقد نکاح کے لیے بیٹی والے کے گھر جاتا ہے تو بہت سے احباب اور برادری والوں کو بے ضرورت اپنے ساتھ لیجاتا ہے اور ان ناخواندہ مہمانوں کو جو کھانا بیٹی والا دیتا ہے اُسے "برات کا کھانا" کہتے ہیں۔ اور دولہا کے ساتھ جانے والوں کو براتی کہتے ہیں۔ براتیوں کا دولہا کے ساتھ جانا۔ ہندوؤں کی رسم قدیم ہے۔ اور ممکن ہے کہ راستوں کے غیر مامون ہونے کے وجہ سے اسکی ابتدا ہوئی ہو۔ کسی زمانہ میں اس کی ضرورت رہی ہو تو عجب نہیں لیکن اب بالکل اسکی ضرورت نہیں رہی اور ہندوؤں کے اثر صحبت سے مسلمانوں میں بھی عقد نکاح کے لوازمات میں یہ شامل ہوگیا ہے۔ حتیٰ کہ جب شہر کے ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں۔ یا پڑوس ہی میں ایک گھر سے دوسرے گھر عقد نکاح کرنے کے لیے کوئی شخص جاتا ہے تو براتیوں کا جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ عروس کے گھر والوں کی طرف سے براتیوں کی کثرت کی تمنا کی جائے۔ اور ایسی حالت سے اس مضمون کو کوئی تعلق بھی نہیں ہے لیکن زیادہ تر یہ دیکھا جاتا ہے کہ عروس کے گھر والے برات کی قلت پر اصرار کرتے ہیں اور دولہا کے گھر والے کثرت پر مصر ہوتے ہیں۔ اور یہ قضیہ نامرضیہ ایسے تنگ وقت میں پیش ہوتا ہے کہ بمجبوری اپنی آبرو و عزت قائم رکھنے کے لیے عروس کے گھر والے ناخواندہ مہمانوں کی مہمانداری پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور اپنی خانہ ویرانی قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ شکستہ حال شرفا جب اپنے بزرگوں کے طریقے پر جو فارغ البال تھے ان براتیوں کی مہمانداری کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ تو بسا اوقات اپنی جائداد پر سودی قرض لیتے ہیں اور وہ جائداد کچھ دنوں میں دائنوں کے گھر چلی جاتی ہے۔ سودی قرض لینے کے معصیت جو عاید ہوتی ہے۔ اور خانہ بربادی کے علاوہ ایک دوسری زحمت ہے جو براتیوں کی وجہ سے عروس کے گھر والوں کو پیش آتی ہے۔ اور یہ ناکردہ گناہ خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ٹھیرتے ہیں۔

برات کا کھانا کھلانا۔ بہ حالت مجبوری شرعاً نہ زکوٰۃ ہے نہ ہدیہ ہے۔ نہ صدقہ ہے۔ تو پھر یہ کیا ہے؟ اسکا معقول جواب میری ناقص عقل میں کچھ نہیں آتا۔ وہ علمائے کرام جو براتوں میں شریک ہو کر غذائے لطیف تناول فرماتے ہیں۔ اسکی حلت کے وجوہ ظاہر فرمائیں۔ مجھے جب سے اسکی حرمت کا شبہ ہوا ہے۔ میں اس سے اجتناب کرتا ہوں۔

میں نے کسی زمانہ میں مسائل اسلام الاسلام میں جمع کئے تھے۔ اسکو دیکھتا ہوں تو صدقہ واجب زکوٰۃ ہے۔ عید الفطر اور عید الضحیٰ کے مواقع پر صاحب نصاب پر کچھ خیرات کرنا بصورت تقسیم غلہ یا قربانی واجب یا سنت ہے عقیقہ میں بھی قربانی مسنون ہے۔ عقد نکاح کے بعد شوہر کی طرف سے احباب کو کچھ کھلانا بھی مسنون ہے۔ ان مواقع کے علاوہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کچھ دے اور بدلہ ملنے کی توقع ہو تو وہ ہدیہ ہے۔ اور نہ ہو تو صدقہ ہے۔ ان صورتوں کے علاوہ کوئی صورت دینے کی شرع میں معلوم نہیں ہے۔ البتہ بابِ تعزیرات میں اور وہ ترک کرنے کی صورت میں بطور کفارہ گناہ بردہ آزاد کرنا یا مساکین کو کھانا کھلانا حکم ہے جھوٹی قسموں کی سزا یہ ہے کہ جھوٹی قسم کھانے والا مواخذہ آخرت سے بچنا چاہے تو ایک بردہ آزاد کرے یا دس مساکین کو کھانا کھلائے یا دس مساکین کو کپڑا پہنائے۔ اور اگر ناداری اجازت نہ دے تو پیہم تین روزے رکھے۔ اور اس عمل کو کفارہ گناہ کہتے ہیں۔

شرع میں کہیں حکم نہیں ہے کہ لڑکی پیدا کرنے یا لڑکی کے عقد کرنے کے جرم میں لڑکی کے باپ کو براتیوں کو کھلانا چاہیے۔ البتہ ہندوؤں کے دستور میں یہ داخل ہے کہ براتیوں کو کھلانا اور فاقہ کرنا بطور کفارہ گناہ لڑکی کے باپ پر واجب ہے۔

یہ تحریر میں نے بالقصد مختصر کی۔ یہ فتویٰ نہیں ہے۔ بلکہ استفتا ہے۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ علمائے کرام موافق یا مخالف تحریریں اپنی احادیث نبویؐ کے حوالہ سے اس کے متعلق شائع فرما کر اس مضمون پر روشنی ڈالیں۔

(ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی)

شہر خموشاں کی سیر

کل ہوا گور غریباں کی طرف میرا گذر   اور ملگیا آرام دل سے وہ سماں آیا نظر
ناامیدی بیٹھی تھی ایک مرقد کے قریب   حسرت و ارمان وہ تھے ماتم کناں اک قبر پر
تھا کوئی بیکس پڑا ایسا کہ [illegible] مزار   قبر کے رخنوں سے کھٹکتا تھا کہیں وہ جگر
قلب بھر آتا تھا جنگل اس قدر سنسان تھا   نامرادی کی بستی تھی ہر اک تودہ پہ
شمع بھی خاموش تھی ایک تکیے کے قریب   ایک جا سوتے پڑے تھے ساتھ [illegible]
مقبرے تھے جس قدر پر ہول تھے ہیبتناک تھے   ڈر کے مارے تھم نہ سکتا تھا [illegible]
وہ خموشی دیکھکر جاتے رہے میرے حواس   بڑھ چلا کچھ اور آگے اپنے [illegible] با چشم تر
ناگہاں یہ پاؤں کے نیچے سے آئی اک صدا   مت اٹھائے کس طرف جاتا ہے او غافل ٹھہر
شرم کر اللہ سے یوں چل نہ بستی کی چال   کاسۂ سر کو مرے مت ٹھوکروں سے چور کر
چار دن کی زندگی پر کس لیے اتنا غرور   ایکدن آنا ہے تجھکو بھی یہیں او بے خبر

چشم عبرت کھول کر یہ دیکھ عبرت کی ہے جا
ایک دن چکھے گا تو بھی ذائقہ اس موت کا

جب سنی مرقد سے میں نے یہ صدائے دردناک   ہوگیا بیہوش گرکر اسقدر کانپے قدم
ہوش جب آیا مجھے قائم ہوئے کچھ کچھ حواس   ڈرتے ڈرتے عرض کی اے ساکن [illegible]
جو کہا اسوقت تو نے سب بجا ہے ٹھیک ہے   قول میں تیرے نہیں گنجائش لا و نعم
پر مجھے اتنا تو بتلا موت یہ کیا چیز ہے   کس طرح ہوتی ہے پیدا کب یہ لیتی ہے جنم
کیا مزا اسکا ہے شیریں ہے کہ شور و تلخ ہے   یہ بھی بتلادے کوئی تریاق ہے یا کوئی سم
[illegible] قبر سے ظاہر ہوا شور و فغاں   بعد اک لحظے کے یوں آئی صدا اے مبتلائے غم
ذائقہ اسکا وہ حنظل سے فزوں تر تلخ ہے   میں بتلاتا ہوں مگر [illegible]
گو مجھے دنیا کو چھوڑے ہوگئے لاکھوں برس   تلخی موت ابتلک منہ میں ہے خالق کی قسم
آگے پیدائش کی صورت کیا خدا کا حکم ہے   ہے ہر اک ذی روح پر اسکا سدا یکساں کرم
صحبت الفت سے ہو ندامت کا خیال   اس سے بچ سکتے نہیں شاہ و گدا ہند و عجم

سب جگہ ہو قبضہ ہے یہ روم ہو یا روس ہو
چین ہو جاپان ہو یا سرزمین طوس ہو

گو جہاں میں [illegible] رہے تو لاکھوں برس   پر اجل انجام ہے آخر نہیں باقی ہوس
بیٹھے ہی رہتے تھے یہ سب [illegible] ہمیشہ   موت ہی ان کا بھی کچھ نہیں چلتا ہے بس
جب [illegible] قزاق اجل ہے لوٹتا   مل سکتا ہی نہیں پاسباں یا ہو عسس
اوج و رفعت سے گرے [illegible] پر وہ شاہ   [illegible] سوتے ہیں زیر کلس

ایک [illegible] ایک آب   قافلے چلتے رہیں گے حشر تک یوں پیش و پس
عمر بڑھنے کی دعا کرتے ہیں گو دنیا میں لوگ   پر یہ دن گھٹتا چلا جاتا ہے [illegible] ہر نفس
غیر ممکن ہے سدا کوئی یہاں قائم رہے   ہے عبث اس بات کی امید عالم میں ہوس
کوئی مر [illegible] پرواہ نہیں   یہ ہے ایسی منزل بالکل نہیں آثار بس
قافلے اس راہ میں جب جا پہنچتے ہیں وہاں   نہ صدائے [illegible] کوئی چیتا ہے نہ بجتا ہے جرس
نہ خدا کے خوف سے [illegible] نہ بھول   گر نہ اس شیریں دنیا پہ یوں مثل مگس

کام وہ کچھ کر جو باقی رہے دنیا میں نام
چھوڑ دے غافل [illegible] کر یہاں وہ نیک کام

کوئی غافل اسجگہ ایسا کبھی آیا نہ تھا   موت کو تیری طرح کوئی بشر بھولا نہ تھا
آ [illegible] کو دیکھ لے کیسے جواہر دفن ہیں   جن کی قیمت کوئی دنیا میں لگا سکتا نہ تھا
اس زمیں میں ہے سکندر سا وہ شاہ کجکلاہ   جس کی جانب دیکھنے کا مہر کو یارا نہ تھا
اس زمیں میں سو رہے ہیں حاتم و نوشیرواں   جنکا جود و عدل میں کوئی بھی ہم پایہ نہ تھا
اس زمیں میں دیکھ دارا و فریدوں دفن ہیں   دہر میں کوئی بھی جن کی برابر کا نہ تھا
صاحب تدبیر اکبر سا یہاں مدفون ہے   سامنے جسکے کسی کا مکر و فن چلتا نہ تھا
اس زمیں میں دفن ہے وہ قیس سا عاشق مزاج   جو ہوائے بیخودی میں آپ سے بیگانہ تھا
اس زمیں میں دفن ہیں وہ [illegible] جادو نظر   ہر ادا جنکی تھی دلکش ناز معشوقانہ تھا
ان حسینوں کے بھی منہ پر اس زمیں کی ہے نقاب   روئے انور ماہ نے جنکا کبھی دیکھا نہ تھا
سینکڑوں [illegible] خاک کے نیچے ہیں وہ نازک بدن   خواب جنکو فرش مخمل پر کبھی آتا نہ تھا

باغ عالم میں ہمیشہ یہ پریشانی رہی
قیصری قیصر کی نہ خاقان کی خاقانی رہی

مان لے میری نصیحت کو جہالت چھوڑ دے   ہوش میں آ ہوش میں دنیا سے الفت چھوڑ دے
جس طرح ہو چند روزہ زندگی کے دن گذار   دار فانی میں خیال [illegible] راحت چھوڑ دے
حوصلہ کر مار راہ سعی میں بڑھکر قدم   ناز استعداد پر زعم لیاقت چھوڑ دے
چاہئے ہر کام میں انساں کو فکر اعتدال   بخل سے پرہیز کر بیجا سخاوت چھوڑ دے
مذہب اسلام میں مذموم ہے بغض و عناد   صاف رہ ہر ایک سے کینہ عداوت چھوڑ دے
جو نہ ہو موجود پھر اسکی شکایت کیا ضرور   دیکھ اپنے عیب کو غیبت کی عادت چھوڑ دے
بھول کر بھی مت زباں پر لا کبھی کذب و دروغ   [illegible] ہے پہلی حماقت چھوڑ دے
چاہتا ہے گر بھلا اپنا بھلائی تو بھی کر   ترک کر شکوہ شکایت کو شماتت چھوڑ دے

[illegible]

انقلاب دہر کی نیرنگیوں پر کر نظر — اِس خمار و خواب غفلت کو و نادت چھوڑ دے
وقت رزمی سمجھتو نیں کر نہ غفلت کو خواب — ورنہ ہو جائے گا مر کر داخل نار عذاب

سیّد وزارت حسین اثیم

سو رہے ہیں خواب غفلت میں مسلماں آجکل

رنگ لایا ہے نرالا چرخ گرداں آج کل — سو رہے ہیں خواب غفلت میں مسلماں آج کل
اب کہاں ہو دعوتِ دین خدا و مصطفےٰ — ہاں ڈنر میں سینکڑوں ہوتے ہیں مہماں آج کل
اب کہاں بزم میلادِ حبیب کبریا — ہوتے ہیں ٹی پارٹی کو خوب ساماں آج کل
اب کہاں سر پہ عمامہ اب کہاں بر میں قبا — دوش پر کپ ہو عبائے نور افشاں آج کل
کوٹ بر جس ثانی کا ادیت مظفر بوٹ شوز — ہے مسلمانوں کی عزت کا یہ ساماں آج کل
اب کہاں صہبائے دین حق کا آنکھوں میں خمار — کیف ناجائز یہ جانِ دل میں ہیں ہاں آج کل
لیگ شا وِسکی - برانڈی شیری شمپین اور تمام — یہ نہوں تو خاک لطف زندگی ہاں آج کل
اب نہیں ہے نام کو پابندیٔ صوم و صلوٰۃ — ہو گئے آزاد دونوں سے مسلماں آج کل

خوف مرقد محض محشر کا خطر بے فائدہ — اصل میں کچھ بھی نہیں یہ راز پنہاں آج کل
کیوں یتیموں کی خبر لیں کیا غرض کیا فائدہ — کیوں غریبوں پر کریں الطاف و احساں آج کل
کیا غرض ہے کیوں نکالیں مال سے اپنے زکوٰۃ — کیوں کریں بیٹھے بٹھائے اپنا نقصاں آج کل
جسکو کہتے ہیں جہنم مرکز فرضی ہے وہ — وہم ہے بھی کچھ سوا ہی بلکہ ارماں آج کل
عورتوں کو ہوتی ہے اب ہر طرف بے پردگی — ہاں مزے سے دیکھیے حسن حسیناں آج کل
اے نبی محترم اے قبلہ بے چارگاں — دیکھتے ہیں آپ یہ حال پریشاں آج کل
لیجئے بہر خدا امت کی اپنی اب خبر — ورنہ بے نام و نشاں ہوتا ہے ایماں آج کل
اے خدائے انس و جاں اے خالق و رب غنی — یا وہ پر آ جائیں پھر سلسلے مسلماں آج کل

(ملک السلام) **قوی** امروہوی

اصلاحی غزلین

بجز توحید عبدیت کا دعویٰ ہو نہیں سکتا — نہ دے معبود کو دل عبد اصلا ہو نہیں سکتا
خدا کے کام سے ہے رکھ تو نہ خوفِ لومۃ لائم — ڈرے مخلوق سے خالق کا بندہ ہو نہیں سکتا
مخالف شرع کا اور خلد کا طالب یہ ہو کیونکر — خدا کو جو نہ چاہے وہ خدا کا ہو نہیں سکتا
متاعِ دین و ایمان مفت ہاتھ آتا نہیں ناداں — طلب ہو آخرت کی اور تقویٰ ہو نہیں سکتا
نہ ہو گر حبِ سنت دعوۂ حبِ نبی باطل — نہ ہو گر ترک بدعت دین سے رشتہ ہو نہیں سکتا
کہیں منہ سے مسلماں آپکو ہم لاکھ ہی لیکن — مسلماں شغل لایعنی پہ شیدا ہو نہیں سکتا

کوئی قیمت نہیں دیسکتا ہم ایمان کیوں بیچیں — بجز ذات الٰہی اس کا سودا ہو نہیں سکتا
دل ایمان کا اپنے حافظ ہر جگہ مخفی ہے — مگر راز دروں کا حق سے پردہ ہو نہیں سکتا
نجاست شرک ہو اور دل سکونت گاہ دلبر ہے — مکاں گر ہے نجس دلبر کا رہنا ہو نہیں سکتا
بنایا فعل کو تاہ میں نے بیگانہ یگانے کو — جو ہو محسن شناس ان سے بیگانہ ہو نہیں سکتا
غنی سرکار ہے جس کی بڑا دربار ہے جسکا — جو اسکو چھوڑ کر بیٹھے وہ بینا ہو نہیں سکتا
خطا ہے صدق دل کی ہوئے اگر تجھکو خداوندا — مگر یہ ہو گیا تیرا کسی کا ہو نہیں سکتا

ایضاً

قلب میں اپنے جب اونکی جلوہ آرائی ہوئی — بے حقیقت اس جہاں کی حسن زیبائی ہوئی
آشنا سے جو ہوا ناآشنا بدبخت ہے — ہے گھٹا ظلمت کی اسکے قلب پر چھائی ہوئی
چھوڑ کر باقی کو فانی پر جو ادلدادہ تو — بزم دنیا کی ہے آرائش تجھے بھائی ہوئی
کیوں نہیں توحید پر پکڑا ترے دن نے قرار — کیوں طبیعت تیری اے ناداں ہے جھرائی ہوئی
مدتیں اب انکی حالت پر جہاں تنگ ہوئے — چھوڑ کر حق جن کی باطل سے شناسائی ہوئی
کچھ نہ سوچا نیک و بد ظالم تجھے کیا ہو گیا — ہائے اے ناداں تیری معدوم بینائی ہوئی

گم ہوئے اخلاق تیرے اور شرافت مٹ گئی — جبکہ نا اہلوں سے تیری بزم آرائی ہوئی
کیا ہوئی تیری حمیت کیا ہوئی غیرت تری — بے مزہ وہ حسن اور بے لطف رعنائی ہوئی
کارِ عقبیٰ میں رہا ناداں تو اے بے خرد — کار دنیا میں تو بیہودہ صرف دانائی ہوئی
غیر پہ دل آئے کیونکر چھوڑ کر تجھ سا حبیب — میری رگ رگ میں تری الفت ہے گھلائی ہوئی

ہے تجھے محبوب ایماں بات ہے ایمان کی
بے بہا یہ جنس ہے اے صدر ہاتھ آئی ہوئی

(میر صدر الدین حسین خان صدر)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے

السیرۃ المحمدیۃ والخصائص النبویۃ

امین الرحمٰن مہبط القرآن

سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم

(۴)

محمد نیست امام و چراغ ہر دو جہاں — محمد است فروزندۂ زمین و زماں
خدا مگو مشں از ترس حق مگو جدا — خدا نما ست جو ذاتش مگو انی عالمیاں

ہم دیکھتے ہیں کہ وحشیوں کی وحشیانہ "اشیا پرستی" اور داناؤں کی دانایانہ خدا پرستی اسکے ڈانڈے یہاں آکر ایک دوسرے کے ساتھ ملگئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی حالت میں خوف محرک ہوا۔ اور دوسری حالت میں عقل کا گھمنڈ۔ مسئلہ "ادویت" ایک مشغلہ ہے فرصت کا۔ اور اسنے انہیں ملکوں میں جنم لیا اور فروغ پایا جنکے ذرایع پیداوار ضروریات زندگی کے لیے کافی سے زیادہ تھے۔

متخیلہ فلاسفی نے اسمیں جدت طرازیاں پیدا کیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں اسنے مذہب کی شکل اختیار کی جسکا نام "ویدانت" رکھا گیا۔ اس مذہب کے وعظوں نے ویدوں کی مقدس شرتیوں کی شرح میں اپنے مفید مطلب کیں اور اس مذہب کو "ویدانت" کے نام سے عامۃ الناس میں پھیلایا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی پولیٹکل اہمیت اور عملی قوت ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی وہ ایک قالب بیجان رہ گیا۔ اور بیرونی حملہ آوروں نے اپنی عملی قوت سے کام لیکر اسپر قبضہ کر لیا۔

ایران کے "ہمہ اوستیوں" کا بھی یونانیوں کے مقابلہ میں یہی حال ہوا۔ اور یونانیوں کو بھی جو "پان تھی ازم" میں مستغرق ہو گئے تھے اپنی نوبت میں رومانیوں کے مقابلے میں ذلیل ہونا پڑا۔

اس "ادویت" کی وجہ سے کوئی قومی مرکز قایم نہ ہوا۔ اگر ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی راجدھانیاں تھیں تو یونان میں بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایکدوسرے سے جدا۔ اور اشتراک فی العمل سے بے بہرہ تھیں۔ اب آریا سماج نے اس مذہب کی مخالفت میں جد و جہد شروع کی ہے۔ اور انکی جماعت روز بروز بڑہتی جاتی ہے وہ کہتے ہیں اور یہ کہنے میں حق بجانب بھی ہیں کہ مشت خاک کو ذات پاک سے کیا نسبت اور ایک انسان بڑکر اسے کیسے خدا ہو سکتا ہے۔

"ادویت" کے لطائف اور نکات کو بیان کرنے کے لیے علم "موسیقی" اور ملک کے شاعرانہ عالی خیال سے کام لیا گیا۔ کیونکہ بغیر موسیقی کی نزاکتوں اور شاعروں کی نکتہ سنجیوں کے ان کا بیان کرنا مشکل تھا۔

"ویدانت" ہیجانِ خیالات کی مقتضی ہے اور یہ خاصہ "راگ" میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

مصوری اور موسیقی اُن فنون لطیفہ میں شامل ہیں جنھوں نے عموماً عیاشی کے زمانہ میں ترقی کی۔ ہمیشہ اِن دو فنون نے ملکوں اور قوموں کی پولیٹیکل حالت پر مضر اثرات پیدا کیے ہیں۔

جو قومیں "ویدانت" یا "ادویت" کی دلدادہ ہیں وہ ہمیشہ راگ کی بھی شیدا ہیں۔ راگ کے ساتھ زیادہ تر ہیجان خیالات پیدا کرنے کے لیے "ناچ" اور مزامیر

سلہ ہندوستان میں موسیقی کو وید یا "گندہرب وید" [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کی بھی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ راگ اور ناچ میں ہندوستان زمانہ قدیم میں سب قوموں کا پیشرو تھا۔ اور اسکی یہی وجہ ہے کہ وہ "ہندو پانت" میں سب سے آگے تھا۔ ان نزاکتوں اور نازک خیالیوں نے "دو آہنسا پرم دہرم" جیسی ضرب الامثال کو پیدا کر کے قوت غضبی اور طاقت مدافعت کو ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا جسکا نتیجہ لازمی طور پر غلامی ہے۔ جو صدیوں سے ہندوستان اور ہندوستانیوں کے حصہ میں آئی۔ اور ہندوستان میں آنے والوں اور مستقل اقامت کرنے والوں کو بھی لے ڈوبی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مصوری اور جنگ جوئی دو متضاد چیزیں ہیں۔ رومانیوں نے جب مصوری میں ترقی کی تو پھر جنگ جو نہ رہے اُن کی پولٹیکل عظمت اور ملکی جلال مٹ گیا مدتوں تک وہ اپنا بے نظیر اقتدار ضائع کر کے آسٹریا کے ماتحت رہے تا آنکہ مزنی اور گری بالڈی نے اُن میں قومیت کی روح پھر از سر نو پھونکی اور وہ آسٹریا کی غلامی سے آزاد ہوئے۔

ڈاکٹر سموئل سمائلس اپنی کتاب "سیرت" نامی میں یوں لکھتا ہے کہ جوں جوں روم میں فن مصوری ترقی کرتا گیا قوم قعر تنزل میں گرتی گئی۔ پوپ لیو دہم کا زمانہ ترقی فنون کا زمانہ ہے مگر اسی زمانہ میں عیاشی، بدکاری اور شہوت پرستی کا دور تھا۔ اور سب ادنیٰ اعلیٰ امیر و غریب عوام و خواص پوپ و پادری سب عیاش اور لہو و لعب میں وقت گذارتے تھے۔

اللہ اکبر کیا عجیب تعلیم ہے کہ مصوری کے امتناع نے اسلام میں دلیر شجاع علیؓ اور خالدؓ جیسے جانباز پیدا کیے۔

ہم ابھی بیان کر آئے ہیں کہ فن موسیقی خیالات میں تہیج پیدا کرتا ہے اور یہی ان مختلف طبیعتوں پر مختلف اثرات پیدا کرتا ہے۔ نیک طینت انسان کا میلان نیکی کی طرف اور بد سرشت کا بدی کی طرف ہو جاتا ہے۔ برائیوں کو انسان آسانی اور جلدی سے قبول کرتے ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نیکی کی طرف رجحان بہت تھوڑے انسانوں کا ہوتا ہے۔ اسلیے ثابت ہوا کہ موسیقی کا عام اثر اچھا نہیں۔ قانون ساز قانون بنانے اور شارع تشریعی احکام جاری کرنے میں عام حالات اور عام موثرات کو دیکھتا ہے کہ استثنائیہ صورتوں کو استثنائیہ صورتوں کے لیے عام قانون معطل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں موسیقی کو بحیثیت فن حاصل کرنے کی ممانعت ہے۔

راگ، مصوری اور ناچ راحت و سرور کے سرچشمے ہیں اور وہ فی حد ذاتہ شہوت انگیز بھی نہیں۔ تاہم وہ بسا اوقات شہوت انگیزی پر اُن کا انجام ہوتا ہے۔

راگ اور پھر مزامیر کے ساتھ لڑنا دلی طاقتوں کو نہیں بڑھاتا۔ اور نہ عام طور پر سیرت عالیہ پیدا کرتا ہے۔

یہ بہت ہی مشتبہ امر ہے کہ مصوری اور موسیقی کی ترقی نے جو معمولی طور پر عیاشی کی طرف منجر ہے کبھی بنی نوع انسان کی ترقی میں وہ حصہ لیا ہے جو مغربی اقوام ان کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ راگ اور مصوری کا مذاق سیرت کو ترقی دینے کے بجائے الٹا اسے معدوم کر دے کیونکہ ان کے حلقۂ اثر میں اکثر حظوظ نفسانی سامنے آجاتے ہیں۔ جو تخیل کی بلند پروازیوں کے ساتھ کاہلی، سہل انگاری اور اکثر عیاشی میں منہمک کر دیتے ہیں۔ پھر ان سے جرأت اور دلیری کم اور سیرت فاضلہ ضعیف ہو کر انسان مطیع جذبات ہو جاتا ہے۔ اسی کا نام عجز و بے بسی ہے اور اسی کو دیوانہ اور مجنون بھی کہتے ہیں۔ اقوام کی تنزل پذیر حالت میں شخصی دولت، جو قومی دولت سے الگ چیز ہے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ دولت مصوری، راگ، مزامیر اور ناچ کی سرپرست بنتی ہے۔ چنانچہ مصوری اور راگ و رنگ اور بدکاریاں اکثر دوش بدوش اور ایک دوسرے کے ہمعصر رہی ہیں۔ زمانہ مارگی ہندوستان کے مزدکی ایران کے اپیکوری یونان کے ایسی ہی عہد کی یاد تازہ کرتے ہیں پومپی کے کھنڈرات سے جو فحش تصاویر نکلیں وہ اُنکی تہذیب پر شاہد ہیں۔

ڈاکٹر سمائلس لکھتے ہیں کہ فنون لطیفہ کے کرشمے اور کارسازیاں بلاشبہ مذاق انسانی کو بڑھاتی ہیں مگر ایک واحد اور اکیلا نیک نمونہ اعمال صالحہ جو اگلے کو عملی طور پر دکھایا جاوے۔ انسانی قلوب اور سیرت پر ایک فاعلانہ اور مستقل اثر پیدا کرے گا۔ جو بدرجہا اور بمراتب اُن اثرات سے بڑھ چڑھ کر ہوگا جو ایک وسیع احاطہ میں مجسموں اور تصویروں کے دیکھنے سے پیدا ہوگا۔ کیونکہ وہ چیز جو انسان کو عظیم الشان بناتی ہے۔ وہ اُسکا دل اور دماغ ہے۔ نہ کہ محض مذاق فنون لطیفہ۔

وہ کہتے ہیں اور بڑے زور سے کہتے ہیں کہ اگر مصوری اور راگ انسان کو نیک بنا سکتے۔ تو روم کی شجاعت اور قدیم نیکنامی معدوم نہ ہوتی اور فیڈیس اور اکٹینوس دو مشہور یونانی مصور اپنی عیاشی کی وجہ سے قید خانہ میں نہ مرتے اور نہ جلال ایتھنز معدوم ہوتا جنہیں سپاہیانہ والوں نے شکست دیکر نسیاً منسیاً کر کے اپنی فتح کی یادگار میں ایک پیمانہ پر قائم کی تھی۔ ڈاکٹر موصوف ان تمام واقعات سے نتیجہ نکالتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ اُن کی رائے میں تقدس اور صفائی دل و دماغ فنون لطیفہ سے بدرجہا اچھی ہیں۔ کیونکہ مصوری اور راگ سے بسا اوقات سہولت کے

اخلاق ذمیمہ ہو جاتے ہیں اور تزکیۂ نفس سے اخلاق حسنہ سیرت فاضلہ اور ہمت بلند پیدا ہوتی ہے

جب ہم حضرت نبویؐ میں حاضر ہونگے "دور مشرکانہ" کی ہر ایک سیئات کے مقابل "دور موحدانہ" کی ہر ایک حسنات کو لا رکھینگے مگر یہاں اس قدر کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ کہ اسلام نے مصوری کی قطعاً ممانعت کی ہے۔ ہاں موسیقی اور مزامیر کے ساتھ موسیقی کے متعلق فقہا اور بعض صوفیا میں اختلاف ہے میری رائے ناقص میں اسلام نے موسیقی کو بطور فن کے حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ انکی مضرتیں بہ نسبت فوائد کے زیادہ ہیں۔

مگر یہ بھی یاد رہے کہ یہ ایک فطری مادہ ہے۔ ہر ایک شخص اپنے لہجہ میں مختلف ہے اور کچھ نہ کچھ موزوں طریق پر خلوت و جلوت میں خوش آوازی کے ساتھ گاتا ہے اور اسلام فطری مذہب ہے اور وہ قوائے انسانیہ کی نشو و نما

اور ربوبیت کا متکفل ہے پس قربان جائیے نبی کریم صلعم کی تعلیم پر کہ جتنا زیادہ غور کریں اتنی ہی زیادہ عقیدت ذات والا سے بڑھتی جاتی ہے۔ آپ نے غنا کو معدوم نہیں کیا۔ ہاں نظام موسیقی کو مردود قرار دیا۔ غنا کا مزا ترتیل قرآن کریم میں ہے اور راگ کا مزہ "زینوا اصواتکم بالقرآن" میں ہو (بخاری) صبح شام اور عشا کے نمازوں میں غنا کا مزہ ہے اور یہی اوقات غنا کیلیے موزوں ہیں۔ کہ انسان روزمرہ کے کاروبار سے فارغ ہو کر اطمینان سے قرآن کریم سنتا اور محظوظ ہوتا ہے۔ ایسا ہی بلند ہمتی پیدا کرنے والے قومی اشعار آپ نے کعب بن زبیر اور حسان بن ثابت سے سُنے ہمیں بھی انکی اتباع میں اس سنت حسنہ پر پابند ہونا چاہیئے۔ مگر خرافات کے سننے سے اجتناب لازم ہے۔ قاری لشکر اسلام کے آگے قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے اور اپنی خوش الحانی سے جوش پیدا کر دیتے تھے۔ مگر سے فن کے طور پر حاصل نہ کرنا چاہیئے۔ (الفدین)

مکالمہ خالدؓ بن ولید و عکرمہ بن ابوجہل

معرکہ سے جو نبیؐ خیر سے واپس آئے — گمرہوں کے لیے جب بھی ہوئی راہنما
دل میں خالد کے ہوئی کفر سے پیدا نفرت — دعوتِ حق کی طرف میل طبیعت نے کیا
غور اور فکر کے آئینہ میں آیا یہ نظر — کام میں احمد مرسلؐ کے ہے تائید خدا
ظلمت کفر کو غلبہ نہ کبھی ہوگا نصیب — شمس اسلام کا دنیا میں رہیگا جلوہ
دشمنی حق سے ہوا کرتا ہے کو نفع نہیں — مجتمع ہو نہیں سکتی ہیں یہ ضدیں کہیں
مجمع قوم میں بے خوف کہا خالد نے — ہر ذوالعقل کے نزدیک یہ واضح تر ہے
نہ تو ساحر ہیں نہ شاعر ہیں محمدؐ لیکن — ان کی ہر بات میں تاثیر کا گویا گھر ہے
فرض ہر صاحب ادراک و خرد کا ہے یہی — پیروی کیجئے محمدؐ کی سعادت کلی
سن کے خالدؓ کی زباں سے یہ حقیقت کے کلام — ابن بوجہل ہوا دل میں بہت زار و حزیں
اور شاداں ہوا نقشہ سخن کی خاطر — تاکہ تقریر سے مرعوب ہو خالد کے کہیں
بولا اے ولید نہ تھی قوم کو تجھ سے امید — جو آبا کے طریقوں سے پھرے گا بیدین
ایسی باتوں کی تھی تیری ہی زباں کو طاقت — تجھ سا بیباک کوئی قوم میں فرزند نہیں
تیری کیسی غفلت دانستہ پہ خالد صد حیف — وائے کیا بدر کی ذلت بھی تجھے یاد نہیں
باپ بھی عتبہ و تیع محمدؐ سے ہوا — پڑگئی خاک شرافت پہ شرافت کے نگیں
کیا باپ بھائی ہیں برادر کا نہیں تجھ کو ملال — خون سے جس کے ہوئی بدر کی رنگین زمیں
کیا تجھ سا بھی ہے کو مسلماں کی ہے — کیا ترے خون میں بے شرم حمایت باقی نہیں
پھر بیٹھنا ہی محمدؐ کو نہ بیٹھے دیتا — تو قریشی "معرض عن عزت" لیتا

یہ وہ خطبہ تھا جہالت کا ملامت انگیز — جس کی تاثیر سے ہو خون فسردہ محرور
اور پھر عہد جہالت کے عرب ہو خطاب — جس کی خونریز زمانہ میں تھی غیرت مشہور
قطرۂ خون علیغان عرب کی ریزش — پشت در پشت اڑانے میں تھی گویا مشہور
حرمت خون اعزا کے تو پھر کیا کہنے — خوں بہا جسکا ہو قربانی عالم منظور
گرچہ خالدؓ کے بھی خون میں عربی حدت تھی — جس انگیز مطاعن سے مگر نفرت تھی
ابن بوجہل سے خالدؓ نے کہا پھر ہنسکر — یا اخی "جہل کا حامی ہے ترا حسن کلام
یہ مطاعن یہ دلایل یہ شکایت تیری — "عکرمہ" دلکو میرے کر نہیں سکتیں رام
واقعہ بدر کا ہے۔ یاد مجھے بھی اب تک — کہ چچا اور برادر کا ہوا کام تمام
حق یہ ہے "حق" کی عداوت کا نتیجہ پایا — اور مظلوم کا حامی ہے سراسر اسلام
کب محمدؐ نے کیا تم پہ خروج اور نزول — تم نے گو اون کو وطن سے بھی نکالا ناکام
بیشتر قوم نے یثرب پہ جو حملہ کرتی — جنگ کا احمد مرسلؐ بھی نہ کرتے اقدام
خون بہا مانگنا کیسا ہے میں محمدؐ کے لیے — خوں بہا دوں "تو بھی میرا ہی ہو خالد نام
جب یہ جاہل تھا تمہارا تھا انہیں ہمراز — کر دیا علم نے اب حلقہ بگوش اسلام
اب نہ تلوار مری جہل کی حامی ہوگی — مجھ کو مرغوب محمدؐ کی غلامی ہوگی
قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ — تحقیق ظاہر ہوئی سلامت روی گمراہی کے

انوار حسین (سوا)

(دیا نبوی)

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم اُن لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھا دیں گے اور اُن کی اپنے درمیان بھی یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآن) برحق ہے۔

بصارت و بصیرت

میری مقتول قمری

مجھ خالی پتلے کی خاک رخاکستری کہنے والی۔ لاڈلی قمری کو سفاک بلی نے قتل کر ڈالا۔ اٰٰنچی اس نیلی آنکھ کی سفید بلی کو ہمیشہ ملنا ہنستا رکھیو جس نے میری معصومہ کو پنجرے سے نکالکر کھا ڈالا بلی بہت بُرا جانور ہے حضرت اکبر الٰہ آبادی نے ایک شعر میں فرمایا تھا ؎

خواجہ حسن نظامی سے دلّی نہ چھٹ سکی
حضرت ابو ہریرہ سے بلّی نہ چھٹ سکی

آج مجھے بلی سے اس قدر نفرت ہے کہ اسکے ہم وزن قافیہ دلّی کو بھی چھوڑنے پر آمادہ ہوں سوا بی۔ خاک میں ملی بی۔ تیرے ہاتھ کیا آیا۔ میری کم سخن قمری کو ہلاک کرنے سے تجھے کیا مل گیا۔ اس بچاری میں گوشت ہی کتنا تھا۔ یاد الٰہی کرتے کرتے ہڈیوں کی مالا بن گئی تھی۔ ذرا دیکھو کیسی چور کی طرح آنکھ بچاتی سج سج پاؤں دھرتی۔ دُم ہلاتی۔ پنجرے تک آئی۔ اور کھڑکی پر ایسا پنجہ مارا کہ وہ کھل گئی۔ اور پھر پھڑپھڑاتی ہوئی ننھی سی جان کو نکالکر لے اُڑی۔

ہائے قمری کی بے کسی۔ ظالم بلی منڈیا کو منہ میں دبا کر لے چلی۔ اور اسکو پر ہلانے اور ٹھونگ مارنے کا بھی موقع نہ دیا

دیکھنا سارے صحن میں مقتول کے پر بکھرے پڑے ہیں۔ خدا نے اپنی عابدہ کو کیسا سُہانا خوشنما لباس دیا تھا جسکو ناسمجھ بلی نے اُتار ڈالا۔ اور پیروں میں روندنے کو رستہ میں ڈال گئی۔ بیٹھ کسی مولوی صاحب کو خبر دو۔ وہ اسپر کفر کا فتویٰ لگائیں۔ اس نے خدا کے عطیہ کی بڑی بے ادبی کی ہے۔

اری یہ طوطا نہ تھا۔ مینا نہ تھی۔ جو آدمیوں کو دنیا یاد دلاتے ہیں۔ یہ قمری تھی۔ جو خدا کا نام یاد دلاتی تھی۔ اور صبح سے اٹھتی تھی۔ حق سرّہٗ حق سرّہٗ کہہ کر جگاتی۔ اور کہتی۔ اٹھو جاگو۔ اسکو یاد کرو جس نے پیدا کیا ہے۔

ہائے یہ تو وہ جانور ہے جسکو دنیا پرست منحوس کہتے ہیں اسکی آواز میں ویرانہ پن سمجھتے ہیں۔ بلی تو نے اسکو کیوں مارا۔ یہ تو میرے ویران دل کی آبادی تھی۔ میرے چپ چاپ گھر کی رونق تھی۔ کسی اونچے محل میں گئی ہوتی۔ غفلت کی مستی میں سونے والوں کے طوطے مینا کو مارا ہوتا۔ میری قمری کو مار ڈالا۔ میرے ٹوٹے دل کو اور اجاڑ ڈالا۔

قمری مرگئی۔ اسکا نر پنجرے کے اندر نڈھال۔ خاموش بیٹھا ہے۔ نہ کھاتا ہے۔ نہ پیتا ہے۔ ستائے بیٹھا ہے۔ روتا بھی نہیں۔ ہنستا بھی نہیں۔ اسکو سمجھاؤ۔ دنیا فانی ہے آنی جانی ہے۔ قمری کا غم نہ کر۔ مرنے والی جان سے گئی۔ اب وہ نہیں آسکتی۔ تیرے ماتم سے کچھ نہ ہوگا۔

میرے دل میں تو جب آزادی کی محبت پھریری لیتی تھی تو ان قمریوں کی قید ناگوار ہوتی تھی۔ اور انکو آزاد کر دیتا تھا۔ مگر ان سے اُڑا نہ جاتا تھا۔ اڑتی تھیں لوٹ آتی تھیں۔ اور زبان حال سے کہتی تھیں۔ قید نے جسکے بازو شل کر دئے ہوں اُسکو آزادی دینا بلی کے منہ میں دینا ہے۔

میں پھر پکڑ کر پنجرے میں ڈال دیتا تھا۔ کیا خبر تھی۔ میرے جیل کے اندر بھی اس قاتل بلی کا حملہ ہو سکتا ہے۔ میں قمریوں کی جان کا ذمہ دار تھا خدا کو کیا جواب دوں گا جب وہ مجھ سے پوچھے گا کہ بے زبان جانور کو قید کرکے حفاظت نہ کی۔ اور دشمن سے ہلاک کرا دیا۔ کہدوں گا۔ پروردگار تو جانتا ہے۔ دو برس تک اپنے پلنگ کے پاس رکھا۔ اور بلی کے بے شمار حملوں سے انکو بچایا۔ آج ذرا کے ذرا غافل ہوا تھا جو سانحہ عظیم پیش آگیا۔ اب تجھے اختیار ہے جو چاہے سزا دے۔

مسلم لیگ و کانگریس سے درخواست

کمال ادب و انکسار کے ساتھ میں ارکان مسلم لیگ و کانگریس اور جماعت مرکزی کونسل و ممبران کونسل سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری قمری کے بچے کے لئے ماتمی ریزولیوشن اپنے جلسوں میں پاس کریں۔ کیونکہ یہ حادثہ ایسا ہے جس پر حق ملت ہونا چاہیے

بت اور ملک کے لوگ مجھ سے ہمدردی کریں۔
مانٹر کمیٹی کو چاہیئے کہ وہ اس المناک خبر کا اعلان تمام دنیا میں کر دے۔ کیونکہ
اس خبر سے بڑھکر کوئی خبر نہیں ہو سکتی جس سے کوئی برابر غم واندوہ ہو۔

قمری کا مزار

قلق اس کا ہے کہ بلی نے قمری کی لاش بھی کہیں برباد کر دی۔ ورنہ اسکو سرو کے سایہ تلے دفن کرتا۔ اسکی آرزو بھی کہ بعد موت دلربا کے میرا مزار ہوتا اور سرو اسکا محبوب تھا مگر غریب کو بہت جلاتا تھا۔ جب ہی تو شاعر نے جلکر کہا تھا ؎

دل قمری کو جرا سے سرو جلایا تو نے
یاشر ہے کہ ثمر تک بھی نہ پایا تو نے

قمری کا جنازہ دھوم سے اٹھتا۔ پھولوں کی گلیوں سے ہو کر سایۂ سرو میں جاتا۔ پھول بلبل سے کہتے تو اگر مر جائے تو ہماری گلی میں دفن ہونے آئے۔ مگر تو تو زندہ رہنے پھرتا ہے۔ بلبل اسپر رشک کرتا۔ اور قمری کے جنازہ کو پھولوں کی گلی سے گزرنے دیتا۔ مجکو اسکی خبر ہوتی تو میں حکیم جی کے پاس جاتا۔ وہ مجکو پولیس کی ایک جمعیت دیتے اور ایسے زور سے میں بلبل کی مزاحمت کو دور کرکے اپنی قمری کی میت سرو کے تلے دفن کر دیتا۔ اور سرہانے ایک تختی لگا دیتا جسپر مرقوم ہوتا:۔

ناشاد قمری کی تربت۔ جس کو جلا دیکی نے مارڈالا
سنہ ۱۹۱۶ء

کی سب سے بڑی مصیبت کی یادگار میں یہ تختی لگائی گئی
تاکہ سیاسیات اقتصادیات اور وہ تمام
خشکیات جنکو رسالہ اسوۂ حسنہ شائع
کرتا ہے کچھ دن کے لیے دلوں کو مردہ کرنے
سے باز رہیں۔

حسن نظامی

یہ تختی دیکھکر ناظرین اور پبلشر و پرنٹر اسوۂ حسنہ اینڈ پارٹی ناراض ہوتے اور میں اپنی قمری کا غم غلط کرنے کو اسپر ہنستا۔

حسن نظامی

عربی زبان سے بے اعتنائی

اجنبی زبانوں کے بجائے ملکی زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کا مسئلہ جس طرح ہندوستانی دلوں دماغوں کو پریشان کر رہا ہے۔ اسی طرح اہل مصر کو بھی اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ مصر میں ۱۸۸۹ء تک یہ کیفیت تھی کہ ۷۵ فیصدی طلبہ سرکاری مدارس میں فرانسیسی سیکھتے تھے۔ اسکے بعد رفتہ رفتہ انگریزی اثر غلبہ حاصل کرتا رہا۔ اور اب یہ حالت ہے کہ فرانسیسی زبان کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اور انگریزی زبان ہر جگہ اپنا سکہ بٹھا رہی ہے۔

اہل مصر کے عام میلان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غیر ملکی سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ میں سے ۸۹ فیصدی مصری ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مصری والدین عربی کے بجائے اپنے بچوں کو انگریزی کے ذریعہ تعلیم دلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ باایں ہمہ مصریوں کی ایک معتد بہ تعداد اس طریقہ کو نہ صرف عربی زبان کے تنزل کا موجب سمجھتی ہے بلکہ طلبہ کی ذہنی طاقت کے لیے بھی مضر خیال کرتی ہے۔ جو بالکل وہی خیال ہے جو ہندوستانیوں کا اپنی ملکی زبانوں کے متعلق ہے۔ لیکن مصر میں عربی کی حالت ہندوستان میں اردو یا دیگر ملکی زبانوں کی حالت سے کسی قدر بہتر ہے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری مدارس میں ذریعہ تعلیم عربی ہے۔ اگرچہ والدین کی خاص استدعا پر انگریزی و فرانسیسی کورس دوبارہ داخل نصاب کیے گئے ہیں۔ مدارس ثانوی میں بھی ابتدائی تعلیم چند سال سے بچوں کو دی جاتی ہے۔ گھنٹے تعلیم عربی کے لیے مقرر ہیں۔ اور دیہاتی مدرسوں میں تو قطعاً کوئی اجنبی زبان نہیں سکھائی جاتی۔

تاہم اس کلام میں نہیں کہ اگر مصر و ترکی کی ہمدردی کا یہی حال رہا جیسا کہ سطور بالا سے ظاہر ہے تو عربی زبان بہت جلد اپنی موجودہ حالت سے گر جائیگی۔ اور یہ کچھ کم افسوسناک بات نہ ہوگی۔ ترکی میں اپنی مذہبی علمی زبان کو ترک کرکے اور بیچاری ہندوستان میں عربی فراموش کی جا رہی ہے اور مصر میں اس قابل عزت زبان کی کیفیت ہے۔ اور بصورت مگر اہل نظر عربی زبان کے مستقبل کو نگاہ یاس سے دیکھیں تو بیجا نہ ہوگا۔ پولیٹیکل پہلو سے قطع نظر اگر اس مسئلہ کو محض مذہبی و قومی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو عربی زبان کا انحطاط نہ صرف مسلمانان مصر و عرب کے لیے بلکہ تمام مسلمانان عالم کے لیے افسوسناک نتائج کا موجب ہوگا۔ اس سے ہماری قومی روایات اور ہمارے آپس کے رشتوں کو صدمۂ عظیم پہونچیگا۔ وہ مشترکہ جذبہ جو افریقیہ کے بادیہ نشینوں اور چین و ہند کے مسلمانوں کے دلوں میں یکساں ولولہ پیدا کرتا ہے اور افرادوں کے باہمی تعارف و روشناسی کا موجب ہوتا ہے سرد پڑ جائیگا۔ اور وہ حبل المتین جو مشرق و مغرب کو باہم ملائے ہوئے ہے کمزور ہو جائے گی۔

ان نتائج خفیہ سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے جو یہ ہے کہ غیر ملکی زبانوں کو حسب ضرورت پوری مستعدی سے سیکھا جائے۔ علوم و فنون جدیدہ کے اکتساب میں کامل سرگرمی دکھائی جائے لیکن اپنی قومی و مذہبی زبان کا حق ہر حالت میں فائق سمجھا جائے اور اس کی ترویج اشاعت و ترویج کے لیے مساعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ لیکن جب تک

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق بات کو نہ چھپاؤ

تنقید وتقریظ

اتالیق خطوط نویسی

ہمارے نزدیک یہ بے تکلفی اور صاف ستھرے انداز میں خطوط لکھنا ایک صنف ہے جس کی صلاحیت ... بہت زیادہ مختلف ہے تو ہم طرز کے مولوی یا ادیب نہیں ... مثلاً ... رقعات مرزا قتیل اور انشائے ابوالفضل وغیرہ کے ذریعے سے خط نویسی کی تعلیم دی جاتی ہے ... جو کہ انسانی جذبات و طبائع میں ہے ... تبدیلی ہو گئی ہے ... آج کل بچے ... اصلی اور فطری زبان میں دیکھنے کی خواہش کی جاتی ہے تکلف تصنع ہونا پسند ہے ... ان پرانی قسم کے خطوط سے خط و کتابت کا اصلی مقصد بالکل فوت ہو جاتا ہے ... یہ بھی برا اثر پڑتا ہے ... اکثر سادہ مدارس میں بچوں کو ... خطوط نویسی سکھائی جاتی ہے ... ان میں خالی الفاظ ... زیادہ ... ہوتا ہے ... پڑھنے سے بچوں میں اپنے دلی جذبات کے اظہار کا ملکہ پیدا ہوتا ہے ... کی کوشش کیا کرتے ہیں ... اس کی بکثرت شائع ہونے کی ضرورت ہے جو مذکورہ بالا نقائص پاک ہوں اور ملک میں ... بے تکلف خطوط نویسی کا مذاق پیدا کر سکیں۔

ہمیں نہایت مسرت ہے کہ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب ... نے ... بچوں کی تعلیم کا احساس فرما کر اپنے بے نظیر خطوط کا ایک چھوٹا سا خوبصورت دلکش مجموعہ اتالیق خطوط نویسی کے نام سے ... شائع فرمایا ہے جو ہر اعتبار سے نہایت ... اور ... خواجہ صاحب کو ... ان کے جن لطیف شعبوں میں مخصوص کمال حاصل ہے ان میں ایک خطوط نویسی بھی ہے ... کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے نام یہ خطوط لکھے گئے ہیں یا جنہیں ان خطوط کو ... دیکھنے کا موقع ملا ہے ہم اپنی معلومات کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرزا غالب مرحوم کے بعد اردو کے کسی اہل قلم کے خطوط میں سلاست بیان، جدت ادا اور ندرت تاثر کی وہ شان نہیں پائی جاتی جو خواجہ حسن نظامی صاحب کے خطوط کا طغرائے امتیاز ہے۔

زیر نظر رسالہ "اتالیق خطوط نویسی" سے خطوط کا تحفظ مقصود نہیں ہے بلکہ وہ بچوں کی تعلیم کے لیے تالیف کیا گیا ہے۔ اسلئے اس میں بہت سے خطوط ایسے ہیں جو بچوں کے خیال سے قطع و برید بھی ہوئی ہے۔ اور سینکڑوں اعلیٰ درجہ کے مکتوبات اس میں شامل ہی نہیں کیے گئے۔ تاہم سخن فہمی کا ذوق رکھنے والوں کے لیے اس چھوٹے سے رسالہ میں بھی بہت کچھ ہے اور خواجہ صاحب کے کمال خطوط نویسی کے نقش ہر جگہ صاف نظر آتے ہیں۔ رسالہ کی ترتیب بھی مقصد تالیف کے لحاظ سے نہایت موزوں ہے۔ اول بچوں کو اصول خطوط نویسی کا علمی خاکہ دکھانے کے لیے چند فرضی خطوط بطور نمونہ کے دئے گئے ہیں۔ پھر چند خطوط خواجہ صاحب کے بچپن کے زمانہ کے ہیں۔ جو آپ نے اپنے بڑے برادر بزرگ جناب سید حسن علی شاہ صاحب مرحوم کو لکھے تھے۔ یہ خط اس غرض سے نقل کرائے گئے ہیں کہ بچے اپنے خطوں میں غلطیاں دیکھ کر دل شکستہ و مایوس نہ ہو جائیں۔ اور ان میں ترقی کرنے کا شوق پیدا ہو۔

بچپن کے حصوں کے بعد وہ خط شروع ہوتے ہیں جو اپنے قلم ہونے کے زمانہ میں خواجہ صاحب نے بعض لڑکوں یا عورتوں کو تحریر فرمائے ہیں ان خطوں میں اگرچہ کانٹ چھانٹ کی گئی ہے لیکن ان کا دلسوز اور البیلا انداز اب تک باقی ہے ... زیادہ تر وہ خطوط ہیں جو مرحومہ محمودہ فاطمہ صاحبہ ماہ بانو کو لکھے گئے تھے۔ رسالہ کے آخر میں ماہ بانو مرحومہ کے خطوط کا بھی نمونہ ... دیا گیا ہے۔ اور انہیں خطوط پر رسالہ ختم ہوتا جاتا ہے مسلمانوں اور دین کو خواجہ صاحب کی محترم صاحبزادی حور بانو صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انکی تحریک و تشویق سے خواجہ صاحب نے اپنے خطوط کا یہ دلکش مجموعہ مرتب فرمایا۔ جانثار اہم بچوں کو خطوط نویسی سکھلانے میں بے حد نافع ثابت ہوگا۔ اتالیق خطوط نویسی کی لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی ہے سرورق خوشنما ہے قیمت صرف ۲ آنہ مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کیجئے۔

کارکن حلقۃ المشائخ ڈاکخانہ عرب سرائے دہلی

تہذیب الاطفال

حافظ محمد ... صاحب ... دہلی نے یہ رسالہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہے جو مضامین نظم و نثر اس رسالے کے لیے منتخب کئے گئے ہیں ان میں بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت اور دلچسپی کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اردو کے مشاہیر اہل قلم مثلاً سر سید مولانا حالی مولانا نذیر احمد مولانا شبلی مولانا اکبر الہ آبادی وغیرہم کے دلچسپ اور عام فہم تحریرات سے اس رسالہ کو مزین کیا گیا ہے۔ تہذیب الاطفال کی لکھائی چھپائی عمدہ اور ضخامت ۴۴ صفحہ ہے

مذہبی علمی اور ادبی کتابیں

دو ترجموں اور دو تفسیروں والا عظیم الشان قرآن مجید

نمونہ دیکھنے سے اس بیش بہا قرآن مجید کی خوبیاں معلوم ہونگی

ہدیہ غیر مجلد [illegible] مجلد [illegible]

تنقید لطیف بر خیالات ظریف

اس کتاب میں علی گڑھ کالج کے ایک سابق پروفیسر مسٹر محمد ظریف ایم۔ اے (دہریہ) کی کتاب "اسلام اور عقلیت" کا نہایت ہی مدلل اور دلچسپ جواب ہے اور اسلامی عقاید کا عقلی، نقلی اور سائنٹفک دلائل سے زبردست ثبوت دیا گیا ہے قابل دید اور نہایت ہی مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت صرف چھ آنے (۶ر)

شریعت و طریقت

شریعت و طریقت کے متعلق جو غلط فہمیاں آجکل پھیلی ہوئی ہیں ان کو اس رسالہ میں نہایت خوش اسلوبی سے رفع کیا گیا ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ شریعت و طریقت کے درمیان کوئی تناقض نہیں ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مصنوعی صوفیوں کی قلعی کھلجاتی ہے قیمت صرف چار آنے (۴ر)

شفاء الاسقام فی الصلوٰۃ علی خیر الانام

یہ لاجواب کتاب چھ ہزار عربی درود شریفوں کا مجموعہ ہے جسکے فاضل مولف نے تمام مستند حدیث کی کتابوں کی چھان بین کرکے بڑی محنت و جانفشانی سے اس کو ترتیب دیا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تمام معلومہ خصوصیات یعنی اخلاق، عادات، خوارق و معجزات۔ سوانح و غزوات وغیرہ کا درود شریف ہی کے پیرایہ میں ذکر کردیا ہے ہر مسلمان کو خریدنی چاہیے قیمت صرف ۱۲ر

انتخاب توحید

میرٹھ کے مشہور و معروف اخبار توحید کی البیلی دستانی [illegible]وں کی یادگار ہیں اس کے منتخب مضامین کا نہایت ہی دلکش و دلنواز مجموعہ جس میں حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب اور دوسرے مستند انشاپردازوں کے قابل دید مضامین چھپے گئے ہیں قیمت صرف ۱۲ر

جنگ طرابلس یعنی خون ناحق

جنگ طرابلس کے ہولناک زمانہ میں اردو کے جادو نگار انشاپردازوں کے جو اعلیٰ مضامین اخبارات میں شائع ہوئے تھے ان کا بیش بہا مجموعہ جسکی ایک ایک سطر نہایت ہی موثر و عبرت انگیز ہے [illegible] کے جذبات کی گویا ترجمان ہے جسکے مطالعہ سے عبرت حاصل ہوتی ہے ایسی عمدہ [illegible] کتاب [illegible] بمشکل ملے گی۔ قیمت صرف ۱۲ر

آئینہ قیامت

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت کو نہایت دلکش اور جدید اردو میں قلمبند کیا گیا ہے۔ روایتیں نہایت مستند اور نظمیں بہت ہی موثر ہیں۔ قیمت ۴ر

نور ایمان مع مثنوی جوہر لطیف

یہ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل خلیفہ خاص حضرت مولانا حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا مشہور و معروف نعتیہ دیوان ہے جسکے اشعار نہایت دلپسند و مقبول ہیں۔ مولانا مرحوم کی نعتیہ غزلوں سے سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے قیمت ۶ر

شمائم امدادیہ

حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی سوانح و ملفوظات کا متبرک مجموعہ جس میں تصوف کے دقیق مسائل کو حل کیا گیا ہے۔ قابل دید ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

فرائض والدین

یہ اپنی طرز کا اردو میں پہلا رسالہ ہے جس میں والدین کو اولاد کی تربیت و تعلیم کے نہایت بیش بہا اور حکیمانہ اصول بتائے گئے ہیں۔ صاحب اولاد کیلئے اس مفید رسالہ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ قیمت صرف ۴ر

تذکرہ غوثیہ

اس کتاب میں پانی پت کے مشہور بزرگ حضرت مولانا غوث علی شاہ صاحب قلندری کی قلندرانہ اور درویشانہ زندگی کے نہایت دلچسپ و سبق آموز حالات اور صوفیانہ رموز و نکات سے بھرے ہوئے ملفوظات درج کیے گئے ہیں۔ خدا والوں کی باتوں میں جیسی کچھ کشش ہوتی ہے سب کو معلوم ہے پھر مولانا غوث علی شاہ صاحب کے عارفانہ چٹکلے اور ظریفانہ پیرایہ میں حقایق کی تشریح۔ ناممکن ہے کہ پڑھنے والوں پر گریہ و خندہ کی متضاد کیفیتیں نہ طاری کردے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد پھر بغیر ختم کیے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور پڑھنے والا گویا ایک خدا رسیدہ بزرگ کی صحبت میں بیٹھکر وہ لذت حاصل کرتا ہے جسکا بیان نہیں ہوسکتا۔ زبان ایسی پاکیزہ و دلچسپ ہے کہ سبحان اللہ۔ الغرض یہ کتاب ہر حیثیت سے نہایت دلکش اور پُر سوز و اثر ہے جس کو ظاہر پرست کچھ اور مطلب نکالتے ہیں اور اہل باطن کچھ اور۔ ضخامت ۴۷۶ صفحے تقطیع [illegible] چھپائی لکھائی اور کاغذ دیدہ زیب مگر قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنے۔ ۲؎

ملنے کا پتہ: مدیر مکتبہ قادریہ سعید منزل شہر میرٹھ

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کے لئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ہم مسلمان ہیں قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے یہی سبب ہے کہ ٹرکی۔ ایران۔ ترکستان۔ افغانستان میں ملکی زبانوں میں ترجمہ قرآن مجید شایع نہیں ہوا لیکن اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں کہ ذی علم ہے اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتا جتنے ترجمے ہیں مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنےٰ نہیں ہیں یہ صرف آج کل کا ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی کے سمجھنے سے قاصر ہیں اور اسی ضرورت پر لحاظ کرکے علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی نے جن کی جملہ تصانیف کی فہرست اس صفحہ پر درج ہے۔ پورے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ اردو ترجمہ عبارت قرآنی سے علحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شایع کردی ہے۔ اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت مبسوط لکھا ہے جس کی سرخیاں حسب ذیل ہیں:-

(۱) ترجمہ کرنے کا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا (۲) ہندوستان میں قرآن کی قدامت (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات مختلفہ (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ جو اردو میں اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلفہ (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) پچھلے کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت اور آنحضرت محمد (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے ترتیب پارے (۲۱) متضاد احکام قرآن میں نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) مکرر باتیں قرآن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ اسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآن مجید پر صرف یورپ کے مذہب لوگوں کا اعتراض ہے (۲۸) برکات اسلام کے لئے الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۹) معجزات (۳۰) مولف کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے ◆

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی گئی ہے اور جتنے مسائل [illegible] ان کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف قرأت میں علما حنفی المذہب و اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہو گئے ہیں اُن کی توضیح کی گئی ہے۔ ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا علما حنفی المذہب نے باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ زیریں میں سب کا بیان ہے۔ تاکہ ترجمہ سب مذاہب کے لئے یکساں مفید ہو لیکن متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہو کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے ◆

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کا مقابلہ کرکے نہایت محنت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ اسے کہہ سکتے ہیں۔ یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول ۱۸۹۴ء میں ڈھائی پارہ کا ترجمہ شایع کیا تھا اور اُس سے چار برس کے بعد ۱۸۹۸ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شایع ہوا تھا پھر اس کے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے ناظرین بالکل ترجمہ دیکھکر انشاء اللہ تعالیٰ یہی کہیں گے کہ دیر آید درست آید۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بذریعہ وی۔ پی طلب فرمائیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ تحریک ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کے ہاتھوں میں پہونچکر اشتہار کا باعث ہو۔ واضح رہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر جسکے لئے علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے

ہدیہ قیمت فی جلد مذہب تین روپیئے (۳ء) (نوٹ) جہاں سیکڑوں ہزاروں روپئے اور کاموں میں خرچ ہوتے ہیں اتنے روپیہ قرآن کے سمجھنے میں خرچ ہوں تو کیا [illegible]

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبرشمار	نام کتاب	بیان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو مکمل ۳۰ پارہ	اردو	مذہب اسلام	۱۲۰۰	۳	۳	مجلد
۲	تاریخ الاسلام	اردو	مذہب اسلام	۱۸۰۰	[illegible]	[illegible]	مجلد ثانی
۳	الاسلام	اردو	فلسفہ اسلام	۸۰۰	[illegible]	[illegible]	مجلد
۴	نماز	اردو	مذہب اسلام	۲۸۰	[illegible]	۱۰	[illegible]
۵	الحب	اردو	تصوف	۱۸۰	[illegible]	[illegible]	۰

نمبرشمار	نام کتاب	بیان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۶	[illegible]	اردو	[illegible]	۷۰	۱۰	۱۰	۰
۷	نشتر سخن	[illegible]	[illegible]	۵۰۸	[illegible]	[illegible]	۰
۸	زبان اردو	اردو	پالیٹکس	۳۲	۲	۲	۰
۹	[illegible]	[illegible]	۰	۱۸	۴	۲	۰
۱۰	[illegible]	۰	۰	۳۲	۴	۲	۰

نمبرشمار	نام کتاب	بیان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱۱	[illegible]	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۲	[illegible]	[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۰
۱۳	[illegible]	۰	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۰
۱۴	[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

ای بسا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

رسول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ،
حسن سیرت و معاشرت کا روحانی خطیب۔ اخلاقی و
تمدنی امراض کا مذہبی معالج۔ مسلمان مردوں کا رہبر۔ عورتوں کا
معلم۔ بچوں کا اتالیق۔ مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ
ہر شمسی مہینے کی پہلی تاریخ کو شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک
قسم اول عہ + قسم دوم ۲ر
قیمت فی پرچہ ۲ر

محال است سعدی کہ راہِ صفا + تواں رفت جز در پئے مصطفٰے
خلاف پیمبر کسے رہ گزید + کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

[illegible]

اُسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان حقیقی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی مسلمان ہونیکا ثبوت دیں قرآن پاک کی تعلیمات و سنت رسول اللہ کی صحیح تعلیم [illegible]
خوف خدا اور عظمت رسولؐ کو معاشرت و تمدن میں بنیاد بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پیش پیش ہوں۔ تعصب [illegible] تقلید [illegible] کمیں غیر مسلم اقوام کی [illegible]
باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کو چھوڑ دیں کیونکہ معیوب سمجھیں افراط و تفریط سے [illegible] اعتدال کا مسلک پر آجائیں اوقات و قت اور [illegible] کو [illegible]
کی اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل نہ کریں۔ خانہ جنگیوں، نااتفاقیوں اور بغض و عناد سے مخالفوں کو حوصلے نہ بڑھائیں اپنے شکستہ قومی قلعہ کو اتحاد و اتفاق اور ہمدردی و خلوص کی آہنی حصار [illegible]
میش پسندی، کاہلی اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں محنتی، جفاکش، اولوالعزم، آل اندیش، مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالیں اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں [illegible]
کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ صنعت و حرفت و تجارت کی طرف پوری توجہ کریں۔ اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنا چھوڑ دیں اپنے تئیں تمام [illegible] قابل اصلاح
تصور کریں۔ شراب خواری، عیاشی، نمود و نمائش، فیشن پرستی، مقدمہ بازی، بے محل خیرات، ورثہ دی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینوں اور [illegible] کو خلاف سنت تصور کریں
اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی نذریں بند کرکے اُن سے مفت خوری کی عادت چھڑوائیں ایسے مولویوں ایسے صوفیوں ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں
لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض ملت فروش اور نام نہاد خیرخواہ لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ سیاسی شور و شغب پر مفید قومی اور دینی کاموں کو
قربان نہ کریں خلاصہ یہ کہ اپنے کو ان تمام اوصاف محامد سے متصف کریں جو ایک اصلح انسان میں ہونے چاہئیں تاکہ زمین کی وراثت کے وہ مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ

قواعد و ضوابط

(۱) اُسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو (انشاء اللہ) شایع ہوا کرے گا اگر کسی صاحب کے پاس اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہنچے تو انہیں ۱۰ تاریخ تک مطلع فرمانا چاہیئے ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے۔
(۲) "اُسوۂ حسنہ" دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے۔ قسم اوّل کے پرچہ کی سالانہ قیمت ۲/ اور قسم دوم کے پرچہ کی ۱/ مع محصول ڈاک مقرر ہے جو بہر حال پیشگی آنی چاہیئے۔ (۳) جو حضرات بطور اعانت
و امداد اُسوۂ حسنہ کی سالانہ قیمت مبلغ پانچ روپے یا اس سے زائد عطا فرمائیں گے وہ معاونین خاص سمجھے جائیں گے۔ ان کے اسمائے گرامی اسوۂ حسنہ میں شایع ہوا کریں گے اور ان کو [illegible]
غیر مستطیع حضرات کے لیے اسوۂ حسنہ کی معمولی سالانہ قیمت میں رعایت کی جائے گی (۴) سال ختم ہونے پر اگر کسی خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع دفتر میں نہیں پہنچے گی تو ہم آیندہ سال
کا چندہ وصول کرنے کے لیے وی۔ پی بھیجنے کے مجاز ہوں گے اور خریدار کو یہ وی۔ پی قانوناً وصول کرنا ہوگا۔ (۵) اُسوۂ حسنہ کا نمونہ اس شرط پر مفت دیا جا سکتا ہے کہ اگر نمونہ دیکھنے کے بعد
رسالہ کی خریداری منظور نہ ہو تو اسے واپس کر دیا جائے ورنہ ایک سال کی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا وی پی ادا کر دی جائے (۶) جواب طلب اُمور کے لیے جوابی کارڈ آنا چاہیئے۔ شکایتی خطوط میں
نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے اور نام و پتہ صاف و خوشخط لکھنا چاہیئے ورنہ تعمیل نہ ہوگی (۷) اُسوۂ حسنہ میں اشتہارات چھپوانے والوں کے لیے مطبوعہ نرخنامہ موجود ہے دفتر سے منگا لیا جائے

مضمون نگاروں کیلئے

اُسوۂ حسنہ کے قلمی معاونین کو مندرجہ ذیل اُمور کا لحاظ رکھنا چاہیئے (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں اور منقول عنہ کا حوالہ ضرور دیں (۳) ایسے
مضامین اُسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری، بے نتیجہ اور غیر محققانہ ہوں یا اُسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحتہً یا کنایۃً منافی ہوں یا جنہیں لفاظی کم اور [illegible] زیادہ اور مفید علمی و اصلاحی مطالب کم [illegible]
یا جو مناظرہ و مجادلہ بازی کے رنگ میں لکھے گئے ہوں۔ (۴) اگر مضمون کسی دوسرے رسالہ یا اخبار میں شایع ہو چکا ہو یا شایع ہونے کیلئے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی
ورنہ مسالک کی بدنامی کی ذمہ داری اُن پر عاید ہوگی (۵) مضمون لکھنے سے قبل اُسوۂ حسنہ کے مقاصد کا پڑھ لینا ضروری ہے جو اس کے سر ورق پر چھپے ہوئے ہیں (۶) اُسوۂ حسنہ میں مختلف النوع مضامین کے [illegible]
ابواب و فصول مقرر ہیں مضامین میں ان کی مناسبت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ (۷) طویل اور غیر دلچسپ مضامین حتی الامکان اُسوۂ حسنہ کے لیے نہ لکھے جائیں چھوٹے چھوٹے [illegible]
و عربی رسائل کے مفید تراجم دلی شکریہ کے ساتھ قبول کیے جائیں گے بشرطیکہ وہ کوئی اصلاحی، علمی یا ادبی خصوصیت رکھتے ہوں (۸) دلکش اصلاحی اور تاریخی نظمیں بشرطیکہ [illegible]
اسقام سے پاک ہوں اُسوۂ حسنہ میں نہایت شوق سے شایع کی جائیں گی۔ **مینیجر**

معاونین اسوۂ حسنہ

کاغذ کی گرانی کی وجہ سے جو سخت ترین مالی مشکلات اسوۂ حسنہ کو پیش آ رہی ہیں ان سے متاثر ہو کر جناب ... بعض کرم فرماؤں نے قومی ہمدردی کے تقاضے سے تا اختتام جنگ اسوۂ حسنہ قسم دوم کی سالانہ قیمت بجائے ... کے ... ادا کرنی منظور فرمائی ہے۔ ہم ان معاونین مخلصین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دریا دلی و فیاضی کا نیک ثمرہ عطا فرمائے آمین۔ امید ہے کہ دوسرے ذی استطاعت احباب بھی اس نازک موقع پر اسوۂ حسنہ کی مالی دستگیری سے دریغ نہ فرمائینگے۔ ... روپے سالانہ قیمت منظور فرمانے والے معاونین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :-

(۱) جناب منشی ... حسین صاحب ... الہ آباد۔ (۲) جناب عبدالعزیز صاحب فیروزپوری (۳) جناب ... غلام محی الدین صاحب فقیہا احمد صاحب (۴) جناب مولوی ... صدیقی صاحب حقانی حیدرآباد دکن۔ (۵) جناب محمد عبدالستار صاحب۔ (۶) میاں نور محمد صاحب ... (۷) میاں مولوی حافظ قاضی ... صاحب ... (۸) جناب منشی ... علی صاحب ... (۹) جناب حاجی ... حسین نظام الدین صاحب (۱۰) جناب منشی عبدالرؤف صاحب (۱۱) جناب منشی ولایت حسین خان صاحب ... (۱۲) جناب منشی محمد بسم اللہ صاحب۔ (۱۳) جناب منشی بہا ... خان صاحب ... (۱۴) جناب مولوی شاہ ... صاحب سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ

... نے ... اسوۂ حسنہ کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائی ہے انکی قابل قدر مساعی بھی قابل شکرگزاری ہیں توسیع اشاعت ایک قومی رسالہ کی بھی خدمت ہے ... دونوں حصے ... اسوۂ حسنہ ... درخواست کرتے ہیں کہ وہ ... کم از کم ایک ... اسوۂ حسنہ کی مالی بنیادیں مستحکم ہونے پائیں۔ توسیع اشاعت کی کوشش میں حصہ لینے والے حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں :-

(۱) جناب مولانا مولوی ... علی صاحب ... آباد ۳ خریدار (۲) جناب مولوی عبدالرحیم صاحب نائب محاسب ۳ خریدار (۳) جناب منشی ... الرحمن صاحب ... ۳ خریدار (۴) جناب مولانا شاہ ... صاحب ... ۳ خریدار (۵) جناب منشی محمد انوار صاحب ... ۲ خریدار (۶) جناب منشی کریم بخش صاحب ... ۲ خریدار (۷) جناب محمد ابوتراب صاحب صدیقی ۳ خریدار (۸) جناب محمد عبدالکریم صاحب ۲ خریدار (۹) جناب مرشدی مولائی حضرت ... صاحب۔ ایک خریدار (۱۰) جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب ... ایک خریدار (۱۱) جناب حسن علی صاحب ... ایک خریدار (۱۲) جناب منشی فتح محمد صاحب ... ایک خریدار (۱۳) جناب ابوالخیر محمد ... صاحب۔ ایک خریدار (۱۴) جناب منشی محمود حسن صاحب ... ایک خریدار (۱۵) جناب ... محی الدین صاحب۔ ایک خریدار (۱۶) جناب محمد نصیر الدین شریف صاحب۔ ایک خریدار (۱۷) جناب قاضی ... الدین احمد صاحب۔ ایک خریدار (۱۸) جناب شیخ محمد ابراہیم صاحب وکیل۔ ایک خریدار (۱۹) جناب جی۔ ایم۔ محمد عثمان صاحب۔ ایک خریدار (۲۰) جناب محمد حفیظ اللہ خان صاحب ایک خریدار (۲۱) جناب محمد جمیل الدین صاحب ... ایک خریدار (۲۲) جناب آغا ... اسد خان صاحب ایک خریدار (۲۳) جناب مولوی غوث محمد صاحب ... ایک خریدار (۲۴) جناب مولوی عبدالغفور صاحب عابدی۔ ایک خریدار (۲۵) جناب مولوی مجیب خان صاحب ... ایک خریدار (۲۶) جناب مولوی ... الدین صاحب وکیل۔ ایک خریدار (۲۷) جناب مولوی فتح محمد صاحب انبالوی ایک خریدار (۲۸) جناب مولوی خیر الدین احمد صاحب ... ایک خریدار (۲۹) جناب محمد عبدالغنی صاحب ... گودام۔ ایک خریدار (۳۰) جناب منشی احمد حسین صاحب ایک خریدار (۳۱) جناب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ایک خریدار (۳۲) جناب منشی محمد خیر الدین خان صاحب۔ ایک خریدار (۳۳) جناب سید منیر الدین صاحب۔ ایک خریدار

درویش جنتری ... چھپکر تیار ہوگئی۔ الحمدللہ پہلے ہی سال اس قدر مقبول و مشہور ہوئی کہ قسم اول کی جنتریاں جو عمدہ کاغذ پر معقول تعداد میں چھاپی گئی تھیں وہ کل ختم ہوگئیں اور کئی سو فرمائشوں کی تعمیل نہ ہوسکی۔ قسم دوم کی جنتریاں تھوڑی سی باقی ہیں امید ہے کہ اسی مہینہ میں نکل جائیگی جن صاحبوں کو قسم اول کی جنتری مطلوب ہو افسوس کہ ہم ان کی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔ البتہ قسم اول کی بجائے قسم دوم کی جنتری انکو بھیج سکتے ہیں۔ مئی کے بعد ... غالباً قسم دوم بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ المشتہر منیجر درویش جنتری ...

اخبار البرید کانپور

کانپور کا سب سے پہلا شاندار او قابل قدر ہفتہ وار اسلامی اخبار ہے جو ہر اعتبار کا صحیح ترجمان اور قوم و گورنمنٹ کا مخلص مشیر ہے۔ اور اپنی مخصوص خوبیوں اور نرالی ترتیب مضامین کے باعث بیحد مقبول ہو رہا ہے۔ اخبار کیا ہے علوم و معارف کا گنجینہ اور مختلف دلچسپیوں کا خزانہ ہے جس میں ہر انسان کی دلچسپی کا کوئی نہ کوئی مضمون ضرور ملتا ہے۔ البرید ۲۰ × ۲۶ سائز کے کم از کم ۱۲ صفحہ مستقل پر عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ ہفتہ وار شائع ہوتا ہے جس کی ترتیب مضامین و عنوانات مقررہ کے ملاحظہ سے ہی آپ اندازہ فرما سکتے ہیں۔ کہ واقعی دریا کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے۔ جو یہ ہیں:۔

لطف سخن۔ فتاوی محمدیہ۔ مجلس احباب۔ معلومات۔ تفریح طبع۔ عجائبات صنعت و حرفت۔ مقالہ افتتاحیہ و ایڈیٹوریل نوٹس۔ مذہب۔ اقتصادیات سیاسیات۔ عالم خواتین۔ زراعت و فلاحت۔ حفظان صحت۔ مختصر نوٹس و تکی خبریں۔ مختلف جنگی خبریں۔ آج کی تازہ برقی خبریں (البرید کی یوم اشاعت پر اوسدن روزانہ پرچوں سے پہلے جنگی خبریں شائع کیجاتی ہیں) حالات کانپور وغیرہ وغیرہ۔ قیمت سالانہ باوجود ان خوبیوں کے للعہ نمونہ ار کا ٹکٹ آنے پر بھیجا جاتا ہے۔

المشتہر منیجر اخبار البرید کانپور

خبر آگہی

کہ حضرت مولنا خواجہ حسن نظامی صاحب کی مرتب کی ہوئی دونوں کتابیں تیار ہیں ایک اتالیق خطوط نویسی حصہ اول قیمت چار آنہ کی اتالیق دوسری حصہ دوم ۸ آنہ نامی مسلمانوں کے خطوط ۸ دونوں مفید ہیں۔ آسان اردو کا شاندار نمونہ ہیں۔ بچوں کے پڑھنے کے قابل ہیں نامی خطوط میں حضرت اکبر آبادی مولنا ابو الکلام علامہ شبلی۔ ڈاکٹر اقبال۔ نواب محسن الملک مولانا حالی مولانا ذکاء اللہ مرزا غلام احمد قادیانی جیسے مشہور آفاق لوگوں کے دلچسپ مکتوبات ہیں۔ دونوں حصوں کی قیمت دس آنہ ۱۰/

کارکن حلقہ المشائخ دہلی سے منگائیے

شرح دیوان حافظ

شرح مفصل مع سوانح بزبان اردو موسومہ لسان الغیب از میر ولی اللہ بی۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل۔ ایبٹ آباد۔ ایسی جامع شرح آپ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ صوفیانہ رنگ میں موجود ہے۔ اور ادبی پہلو بھی ملحوظ۔ کثیر التعداد۔ اردو فارسی۔ عربی اشعار سے معانی اور بھی واضح ہو گئے ہیں۔ جا بجا آیات قرآنی و احادیث نبوی مندرج کاغذ۔ لکھائی چھپائی نہایت اعلےٰ۔ جلد اول حجم ۴۰۰ صفحہ چھپکر تیار ہے +
قیمت ۲ سعہ محصولڈاک۔ باقی جلدیں عنقریب شائع ہو جائیں گی +

مصنف کے پتہ سے ملسکتی ہے

کنز المعانی

(فی تفسیر سبع المثانی)

اس زمانہ میں ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں قرآن حکیم کے ترجمے و تفاسیر اردو زبان میں شائع ہوں۔ کنز المعانی کے نام سے سورۂ فاتحہ کی جامع تفسیر فصیح اردو میں لکھی گئی ہے جو سینکڑوں دینی معلومات اور مذہبی ارشادات کا خزانہ ہے۔ سورۂ فاتحہ تمام قرآن پاک کا لب لباب ہے وہ خلاصۃ الفرقان ہے اسلیے اس کا نام ام القرآن ہے یہ تفسیر بھی تمامتر عربی تفاسیر سے ماخوذ ہوکر بیشمار مذہبی علوم کا ذخیرہ ہے اور گنجائش قلزم در کوزہ کی مصداق ہے اہل اسلام کو ایمان کی تازگی اور فرض عبادت و طاعت کی تکمیل کے لیے اس تفسیر کا مطالعہ ضرور ہے۔ اکثر علماء و فضلائے اسکو دل سے پسند فرمایا ہے اور یہ مان لیا گیا ہے کہ اردو میں ایسی جامع تفسیر سورۂ فاتحہ کی کوئی موجود نہیں ہے۔
ضخامت ۷۵ صفحے کاغذ ولایتی۔ چھپائی اعلیٰ درجہ کی۔ باوصف تمام خوبیوں کے ھدیہ رعایتی صرف چھ آنہ ۶/ محصولڈاک علاوہ +

حیات

آنحضرت صلعم کے بیان ولادت و رضاعت و اخلاق و معجزات وغیرہ میں مستند معلومات اور آداب و خلوص کے رنگ میں ڈوبی ہوئی نثر عبارتوں کا مجموعہ اسکے علاوہ فصیح و بلیغ اعلےٰ پایہ کی نظمیں مسدس مخمس وغیرہ کثرت سے اسمیں شامل ہیں اور کشمر موقع بموقع اسطرح کے اشعار نثر کے پہلو بہ پہلو ہیں جو خواہ مخواہ وجد میں لاسکیں اور دلوں پر گہرا اثر ڈال سکیں۔ ھدیہ رعایتی چھ آنہ ۶/
(علاوہ محصولڈاک)

ملنے کا پتہ شفیق رضوی حاجی پور ضلع مظفر پور

اعلان ثبات لبشت کی سینہ بسینہ مجربات کا

امروہہ کے مشہور خاندان کی مجربات میں سے چند ادویہ یا دو آزمائی ہوئی تجربوں کی خدمت میں پیش کیجاتی ہیں یکبار استعمال کرنے پر صد افسوس نتائج روشن ہو جائیگی +

قیمت ہیں کے علاوہ ہر قسم کے امراض کا یونانی علاج بذریعہ خط و کتابت ہو سکتا ہے زچکوں کے علاج کی حفاظت کا انتظام ہے +

حب جنسی قوت باہ کی ازدیاد و ترقی میں برقی اثر رکھتی ہیں۔ ہر اقسام کے ضعف و جگر گردہ و مثانہ قلب و دماغ کو قوت دیتی ہیں۔ **قیمت** فی درجن ایک روپیہ

حب جو ہم ہیضہ طاعون بخار استراقی و وبائی تحفظ و ضعف قلب و دماغ نقاہت بچوں کی پیاس اور اسہال کو از بس مفید ہے۔ **قیمت** فی تولہ چار آنہ علاوہ

تریاق مجیب عرصہ کی عرق ریزی و مرفکیشن کے بعد یہ عرق تیار ہوا ہے۔ قدیم کے امراض پر بارہا تجربہ ہو چکا ہے ہر قسم کے زہریلے جانور کا زہر ہر قسم کا بخار۔ درد دکھانی معدہ کی تمام امراض جلدی امراض اعصاب و شورہ ہر قسم کے درد اور شہمیات ہیضہ طاعون وغیرہ بار بار استعمال کیا ہے قیمت فی شیشی چھ ماشہ عرق ہوگا فی محصول

طلاء لیسو قوت باہ امساک لذت تینوں خوبیاں بارہا آزمایا گیا ہے **قیمت** سے

قیمت صرف تین روپے

معجون ابتداء عمر کی غلط کاریوں کا بہتر علاج ہے۔ طوبت نا قصہ کو دور کرتا ہے جسمی انتظار میں اضافہ کرتا ہے۔ **قیمت** فی تولہ دو روپے عام

اکسیر محلہ یعقوب جریان سوزاک قدیم وجدید کیلیے اکسیر مجرب ہے اولاد ان خرید کے قیمت ۱۲ تولہ

دوا ذیابطیس یعنی مسلک مرض کو جاتی ہیں گر دیتی ہے۔ ایک رتی خوراک ہے قیمت فی تولہ

حب اسرار بے نظیر مسک ہیں کوئی نشہ چیز شامل نہیں ہے اور کوئی نقصان اعضا کو نہیں کرتی۔ **قیمت** فی درجن ایک روپیہ (علاوہ محصول)

خضاب محمود آپ نے سینکڑوں اشتہار دیکھے ہونگے یکبار ہماری بھی منگا لیجیے۔ دو منٹ میں ریش مبارک سیاہ کیجئے نہ بار بار دھونے کی حاجت نہ لیپ کی ضرورت۔ یکساں سے دو تین بار بالوں پر لگا لیجیے۔ اچھے بال سیاہ۔ برسوں کی کوششوں میں یہ نسخہ عرق کا تیار ہوا ہے۔ استعمال کرنے سے خوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ خوبصورتی کی ضرورت نہیں۔ **قیمت** فی شیشی جس میں دو تولہ عرق ہوگا ۱۲ آنہ

درخواست آنی اور خط و کتابت کا پتہ

ابو المحمود حکیم محمد اسرار الحق صدیقی قادری میونسپل کمشنر امروہوی منزل امروہہ ضلع مرادآباد

اطلاع نامہ واسطے اظہار وجہ اس امر کے کہ حکم تیار ڈگری قطعی کیوں نہ صادر کیا جائے

بعدالت منصفی مظفر نگر نمبر مقدمہ ۱۹۱۶ء بنام فریقین منشی لال وغیرہ بنام رامجی لال وغیرہ۔ بعدالت منصفی مقام مظفر نگر ضلع میرٹھ باجلاس مسٹر اعجاز حسین بیرسٹر ایٹ لا منصف مظفر نگر مقدمہ متفرقہ نمبر ۱۹۱۶ء ڈگریدار

منشی لال ودیا لال پسران ہر سندل قوم مہاجن ساکن موضع قاضی کھیڑہ وارد حال مظفر نگر و منشی رام پسر ہر سندل و متصوی ولالہ بانی پسران ہر کشن بمعرفت مسماۃ سکھدیئی زوجہ حقیقی نام خود و بدہو نابالغ منشی رام برفاقت تلسی رام مذکور پسر خود قوم مہاجن ساکنان موضع قاضی کھیڑہ پرگنہ گھیرہ۔

نند لال پسر رام قوم مہاجن ساکن موضع جاگاکھیڑی پرگنہ گھیرہ میدان

ڈگری یافتہ فریق ثانی۔ بنام کنندہ اول۔ فریق ثانی

بنام چونکہ ڈگریدار مذکور الصدر نے درخواست صدور حکم قطعی واسطے نیلام جائداد مرہونہ ڈگری نمبری ۴۴ ۱۹۱۱ء کو جو بتاریخ ۔ ماہ اپریل ۱۹۱۶ء عدالت ہذا سے صادر ہوئی تھی بمطالبہ مبلغ صما ۱۲ گزرانی ہے لہذا تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر تم کوئی عذر نسبت صادر ہونے حکم قطعی نیلام جائداد مذکورہ کے ہو تو اس عدالت میں بتاریخ ماہ مئی ۱۹۱۶ء بوقت دس بجے دن کے اصالتاً یا وکالتاً یا بذریعہ مختار حاضر ہو کے پیش کرو۔

آج بتاریخ ۱۰ ماہ اپریل ۱۹۱۶ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا

(مہر عدالت) لچھمی نرائن منصف

نوٹس حسب آرڈر ۳۴ قاعدہ ۶۵

بحکم مسٹر اعجاز حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا منصف مظفر نگر عدالت منصفی مظفر نگر مقام مظفر نگر ضلع میرٹھ مقدمہ دیوانی نمبر ۴۸ بابت ۱۹۱۶ء متفرقات نمبر ۷۶ بابت ۱۹۱۶ء

بسبت رام پسر جگن قوم دیش اگروال ساکن قصبہ بھوکر ہیڑی ضلع مظفر نگر مدعی سائل

بیجا نند پسر کرپی لال قوم برہمن ساکن قصبہ بھوکر ہیڑی ضلع مظفر نگر۔ بنام بیجا نند۔

چونکہ ڈگریدار نے درخواست اس عدالت میں گذرانی ہے کہ ڈگری حسب آرڈر ۳۴ قاعدہ ۵ بغرض نالش قرقی جائداد تمہاری کے صادر ہو لہذا تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بتاریخ پندرہ مئی ۱۹۱۶ء بوقت دس بجے قبل دوپہر اس عدالت میں حاضر ہو کر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ۔ اگر ایسا نہ کروگے تو درخواست مذکورہ تمہاری غیر حاضری میں یکطرفہ سماعت ہوگی۔

آج بتاریخ ۱۹ ماہ اپریل ۱۹۱۶ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

(مہر عدالت) دستخط منصرم عدالت

فی شیشی حکیم صاحب کا حکمت کی تحصیل کر لی گئی۔ جواب امر کے لیے ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ بابت مئی ۱۹۱۶ء مطابق ۲۷ جمادی الثانی لغایۃ ۲۸ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

جلد ۳	فہرستِ مضامین	نمبر ۱

اشتات

معارف القرآن

السیرۃ المحمدیہ و الخصائص النبویہ

تعلیم الاسلام

اصلاح الاخلاق والاعمال

علم و ادب

ایک ضروری التماس معاونین اسوۂ حسنہ سے

موجودہ زمانہ میں اسوۂ حسنہ کو جس طرح چلایا جا رہا ہے۔ اُن پریشانیوں اور مالی حالت کی افسوسناک نزاکتوں پر نظر ڈالتے ہوئے ہم مجبور ہیں کہ بار بار اپنے معزز ناظرین کو اس کی اعانت کی طرف توجہ دلائیں۔ کاغذ روز بروز گراں ہوتا چلا جاتا ہے۔ چھپائی لکھائی۔ سلائی۔ کٹائی غرض ہر ایک امر میں جو اسوۂ حسنہ جیسے رسالہ کیلئے لابدی ہے۔ اخراجات کی روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔

کیا اسوۂ حسنہ کے ناظرین ایسے نازک موقع پر بھی ہماری مالی مشکلات میں ہمارا ہاتھ بٹانے میں تساہل و تجاہل سے کام لینا پسند کرتے ہیں؟ یا وہ گوارا کر سکتے ہیں کہ باوجود ان کو ششوں کے اسوۂ حسنہ کی حیثیت سے تسقط کر جائے؟ اگر نہیں تو اس وقت خاموشی اور بے پروائی سے قطع نظر کر کے اسوۂ حسنہ کے ہر خریدار کا فرض اولین ہے کہ وہ کم از کم ایک خریدار پیدا کر کے اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لے۔ اس صورت سے رسالہ کی مالی کمزوری کے ناگوار اثر کا بھی بہت کچھ سد باب ہو جائے گا اور اسوۂ حسنہ بھی ہمیشہ اسی آب و تاب سے اپنے معزز معاونین کی خدمت میں پہنچا کریگا (مینجر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسوۂ حسنہ

اشارات

دیباچہ

اسوۂ حسنہ پہلے دو سال سے جاری ہے اور ۲۱ ماہ کے اس طویل عرصہ میں صرف ایک دفعہ بعض ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے اسکی اشاعت میں ایک ہفتہ کی تاخیر ہوئی ہے۔ مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ باوجود ایسی غیر معمولی پابندی وقت کے جس کی نظیر اردو پرچوں میں کم ملیگی۔ ایک کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرا جس میں چالیس پچاس شکایتی خطوط پرچہ وقت پر نہ پہنچنے کے بارے میں دفتر کو موصول نہ ہوئے ہوں۔ جو لوگ موقت الشیوع پرچوں کے قواعد و ضوابط یا کم از کم ان کی قرارداد و تاریخ اشاعت پر نظر ڈالنے۔ اور انہیں مستحضر رکھنے کے عادی نہیں ہیں انکے خیال میں اسوۂ حسنہ کا آخری تاریخوں میں شائع ہونا ایک قصور ہے۔ اور ایسا قصور جسے وہ کسی طرح معاف ہی نہیں کر سکتے۔ جو پرچہ خریداروں کو معمولاً آخر ماہ میں ملنا چاہیئے یہ حضرات مہینہ شروع ہوتے ہی اسکے نہ پہنچنے کی پے درپے شکایتیں لکھکر دفتر کو پریشان کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ان فضول شکایتوں کے جواب دینے کی زحمت اور بے بنیاد الزامات کی کوفت سے بچنے کے لیے ہمارا عرصہ سے یہ ارادہ تھا کہ اسوۂ حسنہ کی تاریخ اشاعت بدل دیں۔ اور اسے بجائے آخر ماہ کے مہینہ کی ابتدائی تاریخوں میں شائع کیا کریں چنانچہ ہم نے کئی مرتبہ اپنے اس ارادہ کو عمل میں لانے کی کوشش کی۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن اتفاقاً اس مہینہ میں کچھ ایسے اسباب پیش آگئے کہ اپریل کا اسوۂ حسنہ وقت مقررہ سے پندرہ دن قبل ڈاک میں ڈالدیا گیا۔ اور ہمیں مئی کے رسالہ کے ذریعہ سے اپنی دیرینہ خواہش کے پورا کرنے کا پھر خیال پیدا ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس مرتبہ ہماری کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ اور اپریل کے آخری پندرہ دن مئی کے رسالہ کی تیاری کے لیے کافی ثابت ہوئے۔ چنانچہ یہ پرچہ جسے حسب معمول مئی کے آخری ہفتہ میں آپ کی خدمت میں پہنچنا چاہیے تھا۔ اب امید ہے کہ تقریباً ایک ماہ قبل یعنی ۴ مئی تک آپکو ملجائیگا۔ اور اگر کوئی امر اتفاقی مانع نہوا تو آیندہ ہر مہینہ کا رسالہ اسی مہینہ کی پہلی ۴ تاریخ کو آپکے ملاحظہ سے گزرا کرے گا۔ غالباً اسوۂ حسنہ کے اکثر ناظرین تاریخ اشاعت کی اس مستقل تبدیلی کو پسند فرمائیں گے۔

علامہ عبدہ مصری کی تفسیر سورۂ فاتحہ کا مقدمہ اپریل کے اسوۂ حسنہ میں ختم ہو چکا ہے اب اس پرچہ سے اصل تفسیر کا ترجمہ شروع کیا گیا ہے جو غالباً چار پانچ نمبروں میں ختم ہوگا۔ اور مقدمۃ التفسیر کی نسبت زیادہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ چونکہ عربی تفسیر نہایت مختصر اور بلیغ ہے۔ ایسے اختصار و بلاغت کو قائم رکھتے ہوئے اسکے اردو ترجمہ میں سلاست و روانی جیسی چاہیئے نہیں پیدا ہوئی۔ اطلاع دینا ہمیں مقصود نہیں۔ ورنہ شاید ترجمہ زیادہ سلیس الفاظ میں ہو سکتا۔

اس پرچہ میں تین مضمون ایسے ہیں جن کی طرف خصوصیت کے ساتھ ناظرین کی توجہ مبذول کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ خانکوشش صاحب کا مضمون مذہب و فلسفہ لیجیے

موضوع تحریر کے لحاظ سے نہایت مفید اور ارباب فکر کی توجہ کا مستحق ہے۔ جو علمائے دین فلسفہ کو مکش کر چھوڑ کر نوجوانوں کو ان سے گریز کرنے کی نصیحت کیا کرتے ہیں۔ وہ خواجہ صاحب کے مضمون سے یہ مفید نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ دین و مذہب کو نقصان فلسفہ سے نہیں بلکہ نیم فلسفیوں سے پہنچتا ہے۔ اور نیم فلسفی ہی ادیان و مذاہب کے انہدام کا باعث ہوتے ہیں۔ نہ کہ کامل فلسفی۔ پس جبکہ نیم ملاؤں کے خطرۂ ایمان ہونے کی وجہ سے لوگوں کو دینی تعلیم حاصل کرنے سے نہیں روکا جاتا تو نیم فلسفیوں کے ناشائستہ خیالات و افکار کی بنا پر غریب فلسفہ کو کیوں بدنام کیا جاتا ہے؟ اگر مسلمان ٹھنڈے دل سے اس نتیجہ کی صحت کو تسلیم کر لیں تو ان کی دماغی اور اجتہادی قوتوں میں جو عرصہ سے معطل پڑی ہوئی ہیں، از سر نو زندگی کی حرکت پیدا ہو سکتی ہے۔

ہمارے محب دیرینہ مولوی عبدالکریم خاں صاحب کیملپوری کا مضمون "علم و اسلام" دراصل میرٹھ کے نامور مقتدر رسالہ مرحوم عصر جدید کے لیے لکھا گیا تھا اور اس کا ایک حصہ شاید جولائی ۱۹۲۰ء کے عصر جدید میں شائع بھی ہو چکا ہے لیکن چونکہ عصر جدید کی اشاعت زمانہ کی نامساعدت اور مسلمانان ہند کی بدمذاقی کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لیے ملتوی ہو گئی ہے۔ اسلیے مولوی صاحب ممدوح نے ہم سے خواہش کی ہے کہ ان کا مضمون اسوۂ حسنہ میں چھاپ دیا جائے۔ چنانچہ اس طویل مگر مفید و دلچسپ مضمون کی پہلی قسط ہدیۂ ناظرین ہے۔ امید ہے کہ جن نیک نیت اور منصف مزاج غیر مسلم حضرات کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت علم و عقل سے دشمنی رکھنے کی شکایت ہے۔ وہ مولوی عبدالکریم خاں صاحب کا مضمون پڑھ کر حق و صداقت کے تسلیم کرنے میں تامل نہ فرمائیں گے۔ علی ہذا جو علمائے کرام اپنی محدود نظر یا دینی تعصب و تشدد کی وجہ سے کفار و مشرکین کے علوم و فنون کا سیکھنا معیوب سمجھتے ہیں وہ بھی اپنے واجب الاحترام اسلاف کے طریق عمل سے مستفید ہونے کی کوشش کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس پرچہ میں ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کا مضمون "تنقید قوالی" بھی اصلاحی نقطۂ نظر سے نہایت مفید اور قابل تعریف ہے۔ قوالی کو رنگ دینے کا جو معیوب طریقہ حضرات صوفیائے کرام کی محافل سماع میں آج کل جاری ہے اسکے اخلاقی و روحانی مفاسد پر خواجہ صاحب نے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے اور دلائل قطعیہ سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ معیوب رسم جو دنیا پرستوں کی تقلید میں جاری کی گئی ہے صوفیوں کے لیے نہ صرف موجب ننگ و عار ہے بلکہ ان کے اخلاق و عادات پر بھی برا اثر ڈالتی ہے۔ خوش قسمتی سے یہ گرانقدر مضمون ایک مقتدر صوفی کے جادو نگار قلم سے نکلا ہے اسلیے امید ہے کہ اسوۂ حسنہ کے بعض دیگر اصلاحی مضامین کی طرح اسپر توہین یا تحریف آمیز ہونے کا فتویٰ نہیں لگے گا اور نصیحت شعار صوفیوں کو خواجہ صاحب کے مشورہ پر عمل کر کے ایک بری رسم کے اٹھا دینے میں تامل نہ ہوگا۔ خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس بدعت سیئہ کی اصلاح کا عملی نمونہ خود قائم فرمائیں گے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔ اگر ایک فرقہ کے مقتدر اپنے فرقوں کی اصلاح دوسرے فرقوں کی اصلاح سے مقدم سمجھنے لگیں اور خود اصلاح کا عملی نمونہ بنکر سامنے آئیں تو بہت جلد مسلمانوں کی مجموعی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔ امید ہے کہ حضرت خواجہ صاحب اصلاح الصوفیہ کے مفید سلسلہ کو اسوۂ حسنہ میں جاری رکھ کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔ ۲۲ کتابیں اور چند موقت الشیوع پرچے ریویو کی غرض سے آئے ہوئے رکھے ہیں۔ اس رسالہ کے جلد طبع کرانے اور اپنی ناگفتہ بہ پریشانیوں کی وجہ سے اس مہینہ میں ہم ان پر ریویو نہیں لکھ سکے۔ اسلیے حضرات مصنفین و معاصرین سے معافی چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز جون کے رسالہ میں چند کتب و رسائل کا ریویو شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

واللہ الموفق

ہبہ یا وصیت بحق غیر مولود

(اسلامی نقطۂ نظر سے)

ایک مسودۂ قانون شرع اسلام کے مسئلہ ہبہ اور وصیت کے متعلق گورنمنٹ آف انڈیا کی کونسل میں پیش ہوا ہے اور یہ چاہا گیا ہے کہ ایسے بچے کے حق میں جو ہنوز پیدا نہیں ہوا ہے جائداد کا ہبہ یا وصیت کرنا جائز قرار دیا جائے۔ شرع میں ایسا ہبہ یا وصیت جائز نہیں ہے۔ بہت سے مسلمان ہیں جو اسکے طالب ہوتے ہیں۔ اگر کثرت رائے اس مسئلہ شرع کے خلاف ہوئی تو مسئلہ شرعی [illegible] بذریعہ ایکٹ امپیریل کونسل ترمیم کر دیا جائے گا۔

مسلمانوں کے نزدیک ان کا قانون نہایت مکمل ہے اسلیے کہ وہ قانون ربانی ہے اس میں رد و بدل کی گنجایش نہیں ہے اور نیز اسلیے کہ تیرہ سو برس تک تمام بلاد اسلام میں جاری رہ کر تجربہ سے بہترین قانون پایا گیا۔ کسی زمانہ میں مسلمان اپنے قانون کی وجہ سے بہترین قوم سمجھے جاتے تھے۔ برٹش گورنمنٹ نے اکثر بلاد اسلام پر قبضہ کیا تو جہاں تک معاملات میں صرف مسلمانوں کے باہمی تعلقات تھے وہاں ان کے قانون کو بجنسہ قائم رکھا

اور ہمیں اس گورنمنٹ کا اس خصوص میں شکر گزار ہونا چاہیئے۔ کہ اسلامی قانون کی حفاظت جس قدر اس گورنمنٹ کے عہد میں قایم رہی شاید وہ مسلمانوں کی طوایف الملوکی یا کسی غیر قوم کی حکومت میں قایم نہ رہتی۔ ہماری گورنمنٹ کے اصول عدالت کے لحاظ سے قوانین متعلقہ نکاح۔ طلاق۔ مہر۔ ہبہ۔ وصیت مسلمانوں میں بدستور زندہ ہیں بعض نا عاقبت اندیش آراء نے شخصی اثر اور وجاہت ظاہری سے کبھی کبھی ان میں رخنہ اندازیاں کیں لیکن انہیں ناکامیابیاں ہوئیں۔ مثلاً کسی نے یہ چاہا کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان نکاح جایز ہو جائے کسی نے یہ چاہا کہ مسئلہ وراثت ترمیم ہو جائے۔ مہر کے متعلق عورتوں کے حقوق کی پامالی بھی ایک مرتبہ چاہی گئی تھی۔ مگر عام مخالفت نے شخصی رایوں کو باوقعت نہ ہونے دیا۔

اب اس بل سے یہ چاہا جاتا ہے کہ مسئلہ ہبہ اور وصیت میں مداخلت یا ترمیم شروع کیجائے۔ مقدمات ہبہ اور وصیت کے بکثرت عدالتوں میں رہتے ہیں اور تمام عدالتیں اسمیں متفق ہیں۔ کہ وہ کہیں سے خلاف عقل و انصاف نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے ہبہ اور وصیت کے مقدمات پیچیدہ نہیں ہوتے۔ غیر قوموں میں ہبہ کے مقدمات نہایت پیچیدار صورت پکڑتے ہیں۔ اور قانون معاہدہ کے احکام متعلقہ فریب۔ دباؤ۔ جایز جبر فریقین کی غلط فہمیاں زیر بحث آکر سینکڑوں دروغ حلفیوں کا موجب ہوتی ہیں۔

ہبہ کے متعلق نہایت صاف شرائط اسلام میں ہیں یعنی غیر موجود شے کا اور غیر قابض واہب کا درست نہیں ہے اور واہب کے لیے اپنا قبضہ اٹھا کر موہوب لہ کو قابض کرا دینا لازم ہے۔ باستثنائے خاص خاص صورتوں کے واہب جب چاہتا ہے جائداد موہوبہ واپس لے لیتا ہے۔ تمادی ایام کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اسی طرح وصیت کے احکام بھی بہت صاف ہیں یعنی وارثوں کے حق میں جنکے حقوق شرع نے معین کر دئے ہیں۔ وصیت بالکل ناجائز ہے۔ اور دیگر رشتہ داروں یا غیر وارث کے حق میں صرف ایک ثلث تک وصیت جائز ہے۔ یہ احکام نہایت صاف ہیں اور منصفانہ ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں میں مقدمات باہمی ... یہ احکام ہیں اور مقدمات بین المسلمین میں ان پر عامل ہیں۔

ایسے غیر مولود کے حق میں جو شکم مادر میں بھی نہ ہو۔ ہبہ یا وصیت جائز ہے یا نہیں؟

شرع کا مسئلہ اس بارے میں نہایت صاف ہے کہ ایسا جائز نہیں ہے اور عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ یا وصیت کو خالص محبت یا حسن سلوک پر مبنی ہونا چاہیے غیر مولود سے کسی شخص کو محبت ہونا یا اسکے حسن سلوک کا خیال ہونا غیر ممکن ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی محبت کا مدعی ہو تو وہ جھوٹا ہے۔ سچا نہیں ہے۔ احکام شرعی جھوٹے مفروضات پر مبنی نہیں ہوتے۔ تمثیل کے طور پر یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ انسان کو کھانا کھانے کے وقت ایسی حالت میں کہ وہ سیر ہو کر کھاتا ہو۔ اگر پیاس معلوم ہو تو اس پیاس کو اطبا جھوٹی پیاس کہتے ہیں۔ اور ایسی حالت میں پانی پینا مضر صحت بتاتے ہیں۔ سچی پیاس کھانے کے دو گھنٹے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور اسوقت پانی پینا ہضم طعام میں مدد دیتا ہے۔ اصول شرع یہ ہے کہ جائداد خدا کی ہے اور فطرتی تعلقات کے لحاظ سے جو حقوق شرع میں معین ہو گئے ہیں۔ وہ بہت مناسب ہیں۔ فطرتی تعلقات کو چھوڑ کر کوئی شخص جھوٹی خواہش اور محبت سے غیر مولود کے حق میں کوئی انتقال کرنا چاہے تو شرع محمدی میں ایسا کرنا مستحقان موجودہ کے حق میں ظلم کرنا ہے اور نادرست ہے۔ اور کوئی مسلمان جب تک کہ احکام اسلام کا احترام دل میں رکھتا ہے ایسے فعل کو جائز نہ کہیگا جو اسکی شرع میں ظلم قرار پا چکا ہے۔ شرع نے بیشک یہ اجازت دی ہے اور سنیوں کا یہی مسلک ہے کہ جماعت مسلمانان کو نئے نئے مسائل کے متعلق قوت اجتہادی کا صرف کرنا نادرست نہیں ہے۔ یہ تنگ خیال ہونا اسلام کی شان نہیں ہے۔ بیشک اسلام میں آزادی ہے۔ مسلمانوں کو لکیر کا فقیر ہونا نہ چاہیئے۔ لیکن آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عقل اور اصول شرع اسلام کے خلاف آزادی برتی جائے اور بے ضرورت مسائل اسلام پر نظر ثانی کی جائے ✦

(ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی)

اس رسالہ کی کتابت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ اور یہ آخری کاپی لکھی جا رہی تھی جبکہ مولانا عباسی کا مندرجہ بالا مضمون ہمیں موصول ہوا۔ چونکہ یہ مضمون نہایت ضروری جلد سے جلد شائع ہونے اور تمام اسلامی اخبارات میں نقل ہونے کے قابل تھا اسلیے بعض ایڈیٹوریل نوٹوں کو خارج کر کے ہم اس کے لیے مجبوراً گنجائش نکالی ... غیر مولود کے حق میں ہبہ یا وصیت کے جواز کے قانون لیجسلیٹو کونسل میں عنقریب معرض بحث میں آنے والا ہے۔ اور قانون مذکور کے پیش کرنے والے آنریبل ممبر صاحب نے اپنی تمہیدی تقریر میں کونسل کو اس امر کا یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ ہبہ یا وصیت بحق غیر مولود شرع اسلامی کی رو سے بھی جائز ہے۔ اور اس مسئلہ میں ہندو و مسلمان دونوں متفق ہیں۔ اگرچہ بکثرت رائے نے ممبر موصوف کی اس تقریر کی تائید نہیں کی تاہم کونسل میں مسلمان ممبران کی قلت سے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ خلاف شرع اسلام قانون پاس نہ ہو جائے اور خدانخواستہ ترمیمات احکام شرعی کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ اسلیے بہت ضروری ہے کہ علمائے اسلام مسئلہ مذکورہ کے متعلق شرع اسلام کے احکام با وضاحت ظاہر فرمادیں اور اسلامی اخبارات اور انجمنیں انکی تائید کریں۔ امید ہے کہ معاصرین کرام جلد تر اس طرف توجہ فرمائیں ... کا مندرجہ بالا مضمون اپنے کالموں میں نقل کر کے اسکے متعلق اپنی رائے ظاہر کرینگے۔ مستند علماء کے مختصر فتاویٰ کی اشاعت کے لیے اسوۂ حسنہ بھی حاضر ہے ✦

(ایڈیٹر)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(ترجمہ) یہ بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

تفسیر الفاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (جو) نہایت رحم والا مہربان ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۭ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے نہایت رحم والا مہربان روز جزا کا حاکم۔ (اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے

نَسْتَعِيْنُ ۭ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ

مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو سیدھا رستہ دکھا ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنا فضل کیا نہ ان کا جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کا

اس سورۃ کا نام سورۂ فاتحہ ہے۔ اسلئے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں سب سے پہلی سورۃ یہی ہے۔ ایک نام اس سورۃ کا ام الکتاب بھی ہے اور جس حدیث میں اس نام کی ممانعت آئی ہے علماء کے نزدیک وہ حدیث موضوع ہے۔

سورتوں کے تذکرہ میں مفسرین ان کے مکی یا مدنی ہونے کا بھی ذکر کیا کرتے ہیں جس سے ناسخ و منسوخ کے معلوم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے لیکن سورۂ فاتحہ میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے اور نہ منسوخ اور بہ استثناء [illegible] کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے کیونکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ نماز کا سب سے پہلا فریضہ تلاوت فاتحہ کے ساتھ ادا ہوا [illegible] ہے۔

[illegible] کہا ہے کہ ارشاد الٰہی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ — اور بیشک ہم نے تمہیں سات چیزیں دی ہیں

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ — جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم

میں سبع مثانی سے سورۂ فاتحہ مراد ہے۔ اور آیت مذکورہ بالا [illegible] مکی ہے [illegible] بعض کا قول ہے کہ سورۂ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں جبکہ نماز فرض کی گئی۔ اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں جبکہ تحویل قبلہ کا حکم صادر ہوا۔ اس قائل کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کلاموں میں تطبیق ہو جائے لیکن یہ قول قابل اعتنا نہیں ہے۔

اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ پوری سورۃ سب سے پہلے یہی نازل ہوئی ہے لیکن علامہ عبدہ نے اس دوسرے قول کو ترجیح دی کہ سورۂ فاتحہ کا نزول صرف تمام و کمال نازل ہونے والی سورتوں سے بلکہ قرآن مجید کی سب آیات سے پہلے ہوا ہے۔ انہوں نے اس عمومیت سے اقراء کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا اور استدلال میں حکمت قرآنی اور فقہ دینی کے متعلق ایک عجیب و غریب تقریر بیان کی جس کا ملخص حسب ذیل ہے۔

ہر عالم میں خواہ وہ عالم ایجاد ہو یا عالم تشریع سنت الٰہی اس طرح پر جاری ہے کہ ہر ایک شے پہلے مجملاً ظاہر کی جاتی ہے۔ اور پھر تدریجاً اس کی تفصیل ہوتی ہے۔ قرآن اور سورۂ فاتحہ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسے کہ ایک عظیم الشان درخت [illegible] تخم [illegible] تمام حیات شجر کا ایک مادہ اور اس کے تمام اصول ہے

حاوی و مشتمل ہوتا ہے۔ پھر بتدریج بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ تناور ہو جاتا ہے تو اُس سے شاخیں پھوٹتی ہیں اور شاخوں میں پھل لگتے ہیں۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ قرآن مجید کے مضمون کو مجملاً اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہے۔ باقی تمام قرآن انہیں اصول کی تفصیل و تشریح ہے جو سورۂ فاتحہ میں مقرر کئے گئے ہیں اس کہنے سے ہماری مراد وہ نہیں ہے جسے آجکل لوگ اشارت و دلالت حروف سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے اسرار سورۂ فاتحہ میں ہیں اور سورۂ فاتحہ کے اسرار بسم اللہ میں اور بسم اللہ کے اسرار اسکی ب میں اور ب کے اسرار اسکے نقطہ میں۔ یہ عجیب و غریب مضمون تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے اور نہ عقل و قیاس ہی میں آتا ہے۔ بلکہ وہ دین میں غلو کرنے والوں کے اختراعات کا نتیجہ ہے۔ جنکے ذہنی غلو نے قرآن مجید کے حقیقی مقاصد نزول کو معدوم و مفقود کر دیا ہے۔

سورۂ فاتحہ کے مضمون قرآن پر مشتمل و حاوی ہونے سے یہ مراد ہے کہ جن اغراض و غایات کو مد نظر رکھ کر قرآن پاک نازل کیا گیا ہے وہ سب مجملاً و اصولاً سورۂ فاتحہ میں موجود و مرکوز ہیں۔ نزول قرآن مجید کے اغراض و غایات حسب ذیل ہیں:۔

(اول) **توحید**۔ کیونکہ نزول قرآن کے زمانہ میں تمام لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے گو ان میں سے بعض توحید کے مدعی تھے۔

(دوم) **قرآن مجید** پر عمل کرنے والوں کو ثواب اور نیک انجام کے وعدوں کی خوشخبری دینا اور عمل نہ کرنے والوں کو عذاب اور برے انجام کی وعیدوں سے ڈرانا۔

خدا تعالےٰ کے وعدے صرف اشخاص و افراد ہی کے لیے نہیں بلکہ امم و اقوام کے لیے بھی ہیں۔ اسلیے ثواب اور حسن انجام میں دنیا و آخرة دونوں جہان کی نعمتیں اور سعادتیں داخل ہیں۔ ایسے ہی عذاب و عتاب کی وعیدیں بھی دونوں ہی جہان کی شقاوت و بدبختی پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے مومنوں کو دنیا میں سلطنت و حکومت عزت و غلبہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور مخالفین و کفار کو دنیا میں ذلیل و خوار اور غلام و محکوم رہنے کی عقوبت سے متنبہ کیا ہے۔ جسطرح کہ آخرة میں مومنوں کو **جنات النعیم** کی خوشخبری اور کافروں کو **نار جحیم** کی دھمکی دی گئی ہے۔

(سوم) **عبادت** جس سے توحید دلوں میں زندہ رہتی اور نفوس میں جذب و مستحکم ہو جاتی ہے

(چہارم) **سعادت** و نیک بختی کے اُن راستوں کی جانب رہنمائی جن پر چلنے سے دنیا و آخرة کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

(پنجم) ملک اُن لوگوں کے قصے اور واقعات بیان کرنا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر رہکر دین الٰہی کے احکام کی پابندی کی یا جنہوں نے حدود خداوندی کی پرواہ نہ کرکے احکام دین و شرائع الٰہی کو پس پشت ڈالدیا۔

یہ قصص و واقعات اسلیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ لوگ ان سے عبرت حاصل کرکے صلحاء و محسنین کی روش اختیار کریں اور بنی نوع انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے جو قوانین مقرر ہیں ان سے واقف ہو جائیں۔

یہی وہ باتیں ہیں جو قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں اور جن پر لوگوں کی حیات اور دنیوی و اخروی سعادت و فلاح کا دار و مدار ہے۔ سورۂ فاتحہ میں یہ جملہ امور بلا شک و شبہ مجملاً اور اصولاً موجود ہیں۔

مضمون توحید تو پہلی ہی آیت «الحمد للہ رب العالمین» میں ہے کیونکہ یہ آیت کہہ رہی ہے کہ کائنات کی ہر ایک نعمت کی تعریف و توصیف حق سبحانہ تعالےٰ ہی کی حمد و ثنا ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اللہ عزوجل کائنات کی اُن تمام نعمتوں کا جو تعریف و توصیف کی مستحق ہیں مصدر اور سرچشمہ ہو۔ ایجاد و خلق اور پرورش و تربیت بھی نعمتیں ہی ہیں۔ لیکن چونکہ **الحمد للہ** سے معنی توحید صراحتاً نہیں بلکہ لزوماً نکلتے تھے۔ اسلیے محض اسی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ **رب العالمین** سے اسکی تصریح کر دی رب ہر ایک مالک یا آقا کو نہیں کہتے بلکہ اسکے معنی ہیں ایسا مالک و آقا جو مربی اور پرورش کنندہ بھی ہو۔ اسلیے **رب العالمین** میں تصریح ہے اس امر کی کہ انسان اپنے نفس اور دیگر کائنات میں جس قدر نعمتوں کا مشاہدہ کرتا ہے وہ سب منعم حقیقی اللہ جل شانہٗ ہی کی طرف سے ہیں۔ اور کائنات عالم کے ہر ذرہ ذرہ کی خلق و تربیت میں اسی کا تصرف ہے۔

توحید چونکہ دین کا سب سے اہم و اقدم مقصد ہے۔ اسلیے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایسے ضروری امر کی جانب محض اشارہ ہی کرنا کافی نہیں سمجھا۔ بلکہ اپنے ارشاد پاک **ایاک نعبد و ایاک نستعین** سے اسکی تکمیل فرما کر اُس شرک و بت پرستی کی قلعی کھول دی جو دنیا کی تمام قوموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ کہ لوگوں نے خدا کے سوا اور بہت سے مددگار بنا رکھے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ انہیں غیبی تسلط حاصل ہے اسلیے خدا کو چھوڑ کر انہیں پکارتے۔ دنیاوی حاجات کے پورا کرنے میں ان سے مدد چاہتے اور ان کے ذریعہ سے تقرب الٰہی حاصل کرنے کی خواہش کیا کرتے تھے۔ سورۂ فاتحہ کی آیۂ کریمہ "ایاک نعبد و ایاک نستعین" نے ان تمام عقائد باطلہ کا قلع قمع کر دیا۔ قرآن مجید میں جس قدر آیات توحید کے ثبوت یا مشرکین کی تردید کے بارے میں [illegible] سب اسی اجمال کی تفصیل کر رہی ہیں۔

نزول قرآن کا سب سے بڑا مقصد و مدعا توحید ہے [illegible] بیان کیا گیا ہے [illegible]

تعالیٰ نے اپنی اُس رحمت واسعہ کا اظہار فرمایا ہے جو ہر چیز پر سایہ کئے ہوئے ہے اور گویا الحمد جو اظہار شکر نعمت ہے بندوں کے لیے احسان کا وعدہ ہے۔ سورۂ فاتحہ میں الرحمٰن الرحیم کے بعد لانے سے خصوصیت کیساتھ یہ جتانا مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو ہمیں توحید و عبادات کا حکم دیا ہے یہ بھی ہم پر اس کا فضل و کرم ہے کیونکہ توحید و عبادات کا حکم بھی درحقیقت ہماری ہی منفعت و بہتری کے لیے ہے۔ مالک یوم الدین میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی کیونکہ دین کے معنی جزا کے ہیں اور اس دن اقتدار مطلق اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو اپنی شہنشاہی و سیادت میں حقیقۃً یا ادعاءً شریک کرنے اور دم مارنے کی مجال نہ ہوگی۔ اُس روز تمام دنیا ظاہرًا اور باطنًا عظمت خداوندی کے سامنے عاجز، اسکے رحم و کرم کے امیدوار اور اسکے عذاب و عتاب سے ترساں اور خائف ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ مضمون وعدہ و وعید دونوں کو متضمن ہے۔ دین کے معنی جزا کے ہیں اور جزا نیکوکار کی بصورت ثواب اور بدکار کی بصورت عذاب ہوتی ہے اور اسیکو وعدہ و وعید کہتے ہیں۔ علاوہ الرحمٰن مالک یوم الدین کے بعد صراط مستقیم کا ذکر ہے اور صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر چلنے والا کامیاب اور جس سے بھٹکنے والا خاسر و ہلاک ہوتا ہے اس طرح بھی وعدہ و وعید کا مضمون لزومًا نکلتا ہے۔

نزول قرآن کا تیسرا مقصد عبادت ہے جسکا ذکر ایاک نعبد و ایاک نستعین میں ضمنًا آچکا ہے۔ اور اسکی مزید توضیح اہدنا الصراط المستقیم میں کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ آیہ مبارکہ نزول قرآن کے چوتھے مقصد کے متعلق ہے جو عبادات، معاملات اور سیاسیات سب پر حاوی ہے۔

صراط مستقیم جس کی تعریف عنقریب بیان ہوگی وہ راستہ ہے جسے پروردگار عالم نے ہمارے لیے مقرر و تجویز فرمایا ہے۔ اور جس پر قائم رہنے میں ہماری فلاح و سعادت اور جس سے منحرف ہونے میں ہلاکت و شقاوت ہے۔ صراط مستقیم پر قائم رہنا ہی روح عبادت ہے جسکی تائید سورۂ العصر سے بھی ہوتی ہے:-

والعصر ان الانسان لفی خسر	عصر کی قسم کہ بیشک انسان خسارے میں ہے
الا الذین آمنوا	مگر وہ لوگ جو ایمان لائے جنہوں نے
وعملوا الصلحت وتواصوا	نیک عمل کئے اور جو ایک دوسرے کو حق کی
بالحق وتواصوا بالصبر	اور صبر کی نصیحت کرتے رہے۔

معلوم ہوا کہ توحید کے بعد حق اور صبر کی نصیحت کرنا ہی کمال عبادت ہے۔ جسے دوسرے الفاظ میں صراط مستقیم پر قائم رہنے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] تحریر کو بعد غور کرتے ہیں۔ انہیں کس پوری سورۃ سے روح عبادت ہمیں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے کیونکہ روح عبادت دلوں پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت کے طاری ہونے اور اسکے فضل و کرم سے امید پیدا ہونے کا نام ہے۔ اور اُن اعمال معروفہ کا جو اوامر کے بجالانے اور نواہی سے محترز رہنے کے لیے زبان و اعضا کی حرکات وغیرہ کے ذریعہ سے کیے جاتے ہیں۔ قانونی طور پر ان کے احکام و اوقات کے بیان کرنے سے پہلے سورۂ فاتحہ میں عبادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسلیے کہ روح عبادت مسلمانوں میں ان جسمانی اعمال کے متعلق ہونے اور ان احکام کے نزول سے قبل موجود تھی۔ جن کی تفصیل قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ اعمال و حرکات تو حقیقی عبادت تک رسائی کا محض ایک وسیلہ ہیں۔ مغز عبادت جسے کہنا چاہیئے وہ فکر و عبرت ہے۔

نزول قرآن کے پانچویں مقصد یعنی اخبار و قصص کا ذکر صراط الذین انعمت علیہم میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تم سے پہلے بھی قومیں گزری ہیں۔ جن کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے شریعتیں بھیجی تھیں لہٰذا تم بھی اُن قوموں کی عام کیفیات پر نظر ڈالو اور انکے حالات سے عبرت حاصل کرو جیسا کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی کو انبیاء سابقین کی روش پر چلنے کی اس آیہ کریمہ میں ہدایت فرمائی ہے:-

اولئک الذین ھدی اللہ	وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے سیدھی راہ دکھائی
فبھدٰھم اقتدہ	پس انہیں کی پیروی کرو۔

ارشاد پاک غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں اس امر کی تصریح ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام کے مستحق نہیں سمجھے گئے ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اللہ کریم کے بتلائے ہوئے راستہ سے بھٹک گئے اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے صراط مستقیم پر چلنے سے انکار کیا اور پیغمبران خدا سے دشمنی باندھی جو انہیں راہ راست پر لانا چاہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غضب الٰہی میں گرفتار اور دنیا میں ذلیل و خوار ہوگئے۔

قرآن مجید میں جس قدر قصے اور واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ سب سورۂ فاتحہ کے اس اجمال کی تفصیل اس طریقہ پر کر رہے ہیں۔ جس سے عبرت و بصیرت حاصل ہو اور اُن ظالموں کے حالات لوگوں کو معلوم ہو جائیں۔ جنہوں نے حق کے خلاف دشمنی و عداوت پیکر باندھی تھی۔ یا جو راہ راست سے بھٹک کر سخت ترین گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ نیز ان مقدس نفوس کے حالات بھی جنہوں نے حق کی حمایت میں تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں اور سب کچھ سہے۔

مضمون مندرجہ بالا سے واضح ہو گیا کہ سورۂ فاتحہ مجملاً اُن تمام اصول پر مشتمل ہے جن کی قرآن پاک میں تفصیل و تشریح کی گئی ہے۔ پس خلق عالم یا دو کے مطالعہ [illegible]

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیے پیروی کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے

السیرۃ المحمدیہ والخصائص النبویہ

سادہ زندگی۔ فقر وفاقہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا (س الاحزاب۔ ع ۴/۲۰)

اے پیغمبر! اپنی بی بیوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکے سازو سامان کی طالب ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور عاقبت کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کے لیے خدا نے بڑے بڑے اجر تیار رکھے ہیں۔

جب فتوحات کے متعلق پیشین گوئیوں کی آیات نازل ہوئیں تو طبعاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ جب اس قدر فتوحات ہوں گی اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آئے گا اور قیصر وکسریٰ کے خزائن مدینہ منورہ میں آجائیں گے تو ہم کو بھی بڑا مال و دولت ملے گا۔ اور بڑے عیش و آرام سے زندگی بسر کریں گے لیکن برخلاف اسکے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے واسطے کچھ جمع کرنا اور مال و دولت سے دل لگانا گناہ سمجھتے تھے اسی بنا پر ازواج مطہرات کا دل بھی پہلے سے ہی اس قسم کے خیالات سے پاک کر دیا گیا۔ اور صرف اللہ اور اسکے رسول کی خاطر فقر وفاقہ میں سادہ زندگی بسر کرنا۔ اور آستانۂ نبوت میں رہنا انہوں نے منظور کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات کے دنیا یا آخرت کو پسند کرنے کا اختیار دیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ مگر تم اپنے ماں باپ کے مشورہ کے بغیر اسکے جواب میں جلدی نہ کرنا۔ اس کے بعد آپ نے مجھے یہ آیات سنائیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو اللہ اور اسکے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔ ایک روایت میں اس قدر اور بھی زیادہ ہے کہ اس کے بعد آپ کی سب ازواج مطہرات نے بھی ایسا ہی کیا۔ جیسا کہ میں نے کیا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والد ماجد حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ جب دیار و امصار سے مال غنیمت آیا کرے تو آپ لباس سے بہتر لباس زیب تن فرمایا کیجئے۔ اور اس طعام سے عمدہ طعام کھایا کیجئے۔ اور اپنے رفقا و جلساء کے ساتھ تناول فرمایا کیجئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکا جو کچھ جواب دیا وہ نہایت غور و تعمق سے پڑھنے کے قابل ہے۔ اور اس کا ماحصل حسب ذیل ہے:۔

اے حفصہ! شوہر کا حال جورو سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ تم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حال خوب جانتی ہو۔ تمہیں خدا کی قسم ہے۔ بیان تو کرو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کئی برس نبوت میں گذرے کہ آپ اور آپکے اہلبیت جب صبح کو سیر ہو کر کھاتے تو رات کو بھوکے رہتے۔ جب رات کو آسودہ ہو کر کھاتے تو صبح کو بھوکے رہتے۔ اور تمہیں قسم ہے خدا کی تم جانتی ہو کہ فتح خیبر کے دن تک کبھی پیٹ بھر کر آپ کو چھوارے نہیں ملے۔ اور تمہیں قسم ہے خدا کی تم یہ جانتی ہو کہ ایک دن آپ کے سامنے کھانا رکھا گیا تھا آپ کو یہ امر ایسا غیر مستحق معلوم ہوا کہ آپکے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا حتی کہ آپکے ارشاد و اجب الانقیاد کے مطابق کھانا زمین پر رکھ دیا گیا۔ اور تمہیں خدا کی قسم ہے کیا تم جانتی ہو کہ شب کو جب آپ سوتے تو کملی کو دو تہ کر کے اس پر سوتے ایک دن چادر کو چار تہ کر کے کملی بچھائی گئی۔ صبح ہوئی تو فرمایا کہ تم نے مجھ کو [illegible]

وفا آپ نے فرمایا کہ مات کو آنکی نرمی نے نماز شب سے مجھے باز رکھی جس طرح بچھایا کرتے تھے اسی طرح دو تہیں کر کے بچھایا کرو۔ دو سے زیادہ تہیں نہ بچھایا کرو۔ اور تمہیں قسم ہے خدا کی تم جانتی ہو کہ آپ کپڑا دھونے میں مصروف ہوتے کہ اتنے میں بلال رضی اللہ عنہ اذان کہہ دیتے۔ جب تک وہ کپڑا خشک نہ ہو جاتا آپ باہر نہ نکل سکتے۔ کیونکہ آپکے پاس کوئی دوسرا کپڑا موجود نہ ہوتا تھا۔ اور تمہیں خدا کی قسم تم جانتی ہو کہ قبیلہ بنی ظفر کی ایک عورت آپ کا تہبند اور چادر بنتی تھی۔ دونوں کپڑے انہیں ہوئے تھے باہر سے ایک نے آپکے پاس بھیج دیا آپ اسی کو باندھے اور اوڑھے ہوئے باہر تشریف لائے کہ آگے کی طرف گرہ لگی ہوئی تھی اور پشت مبارک پر بھی اسی کو ڈالے ہوئے تھے اسکے سوا آپکے پاس کوئی دوسرا کپڑا موجود نہ تھا۔ حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ ہاں میں یہ سب حالات جانتی ہوں کہ حرف بحرف صحیح ہیں۔ پھر حضرت عمر اور بی بی حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں اتنا روئے کہ بیہوش ہوگئے۔ بالآخر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ میرے دو دوست یعنی حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ چل بسے ہیں۔ میں اگر ان کی راہ پر چلوں گا تو ان کے پاس پہنچوں گا۔ ورنہ مجھے اور ہی راہ لیجائیں گے۔ مجھے چاہیئے کہ میں بھی انہیں کی طرح سادہ زندگی فقر و فاقہ صعوبت کے ساتھ بسر کروں تاکہ ان کے ساتھ راحت جاوید پاؤں۔

غرضکہ اسلام کے مقدس شہنشاہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کیسی سادہ زندگی فقر و فاقہ میں صعوبت کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ کیا مالک قلاع و خزائن ہو کر ان کا اس قسم کی زندگی بسر کرنا بخالت کی راہ سے تھا؟ حَاشَا وَكَلَّا۔ آپ تو بخالت کو اسفل الرذائل جانتے تھے۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ حق سبحانہٗ وتعالٰی نے بخل کے متعلق وعید شدید فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ	اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل و کرم
بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ	سے مقدور دیا ہے۔ اور وہ اس میں بخل
خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ	کرتے ہیں اس بخل کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں
سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ	بہتر نہیں بلکہ وہ انکے حق میں بدتر ہے کیونکہ
الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ	جس مال کا بخل کرتے ہیں عنقریب قیامت
وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ	کے دن اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں
(پ۴۔ س آل عمران۔ ع ۱۸)	پہنایا جائے گا۔ اور آسمان و زمین کا

سب کا وارث اللہ ہی ہے اور جو کچھ بھی تم لوگ کر رہے ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے۔

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم اجود الناس تھے۔ جو چیز کوئی مانگتا تھا وہی اسکو عطا فرماتے تھے۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا۔ تو اتنی بھیڑ بکریاں اسکو دیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان میں بھر جائیں۔ وہ شخص اپنی قوم میں جب واپس گیا تو سبکو شرف باسلام ہونے کی ترغیب دلائی۔ اور بیان کیا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم اس شخص کی طرح عنایت فرماتے ہیں جو فاقے سے نہ ڈرتا ہو۔ آپ سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کا جواب آپ نے نفی میں دیا ہو۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں نوے ہزار درم آئے۔ آپ نے انکو بورئے پر رکھدیا پھر انکو تقسیم کرنا شروع کیا۔ اور کسی سائل کو آپ نے محروم نہیں پھیرا حتٰی کہ کل تقسیم فرما دئے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ موجود نہیں۔ تجھے جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ کسی شخص سے میرے نام پر قرض لے لے۔ جب ہمارے پاس کچھ آئے گا ہم ادا کر دینگے۔ الغرض آپ کے جود و سخاکی داستان بے پایان ہے۔ پھر بخالت سے جو روحانی نجاست ہے آپکا مطہر و منزہ وجود باوجود کیونکر آلودہ ہو سکتا تھا؟ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کا فقر و فاقہ میں صعوبت کے ساتھ سادہ زندگی بسر کرنا بخالت کی راہ سے نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ بوجہ ایثار و مروت اور جود و سخا تھی۔ آپ بھوکے رہ کر بھوکوں کو کھلاتے تھے۔ آپ سیدھے سادے کپڑے سے ستر جسم کی قناعت فرما کر ننگوں کو پہناتے تھے۔ جو کچھ آپکے پاس آتا تھا قوم کے واسطے وقف تھا آپ بادشاہ تھے۔ مگر خود فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ تاکہ قوم میں کوئی فقیر نظر نہ آئے۔ آپ ابنائے جنس کو راحت پہنچانے کے لیے مصائب اٹھاتے تھے۔ آپ مساکین کی دستگیری فرمانے کے لیے خود مسکنت میں رہنا بنظر استحسان دیکھتے تھے۔

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ وَلِلّٰهِ دَرُّ مَنْ قَالَ ؎

چو مرواں بیرنج و راحت رساں +

(نور الدین تاجر حرم)

رُباعیات محسن کاکوروی رح

میلاد کی ... نہاں کھلتی ہے
... ہے ...

عزت میری ... بیاں کھلتی ہے
مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے

۳
مختار تہہ زیر و بالا تو ہے
گرداب بلا میں ڈوبتا ہے محسن

محبوب جناب حق تعالٰی تو ہے
ہر کشتی کا پار کرنے والا تو ہے

امینُ الرَّحمٰن وَھبیطُ القُرآن

سرورِ عالمیاں صلے اللہ علیہ وسلم

(۵)

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدہ ہر چند کہ آخر بظہور آمدہ

اے ختمِ رسل قرب تو معلوم شد دیر آمدہ ز راہ دور آمدہ

ہم نے دکھالی حصہ پر ثابت کیا ہے کہ بیرونی طاقتوں کے تعبد یعنی "شرک" سے فطرت انسانی کے ذمائم اخلاق پیدا ہوئے۔ اب ہم بتائیں گے کہ اندرونی طاقت کی اطاعت یعنی "ایمان باللہ" ہی مکارم اخلاق کا سرچشمہ ہے۔

ہم نے ثابت کیا ہے کہ "شرک" کذب و افترا ہے اور منبع سیئات اب ہم دکھائیں گے کہ "توحید" صدق و صفا ہے اور سرچشمہ حسنات۔ پیشتر اس کے کہ ہم ذکر خیر خیر الانام سے بہرا اندوز سعادت ہوں۔ جناب والا کے ابتدائی حالات سے چند نتائج اخذ کرتے ہیں۔ جو ہر ایک انسان کو اسکی زندگی میں رہنمائی اور نور ہدایت کا کام دیں۔

(۱) کسب معاش کے لیے تجارت کو پسند فرمایا۔ جسکے اتباع میں مسلمانوں میں یہ ضرب المثل مشہور تھی کہ اسلام و تجارت لازم و ملزوم ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اعلیٰ یا ادنےٰ درجہ کی تجارت نہیں کیا کرتا تھا۔ تو لوگ تعجب سے کہا کرتے تھے کہ کیا فلاں شخص مسلمان ہے۔ اور تجارت نہیں کرتا۔

(۲) اندرونی امن قائم کرنے اور بیرونی حملوں سے حفاظت کے لیے ایک انجمن حلف الفضول نام بنائی جسکا مدعا یہ تھا کہ قوم اتفاق و یکجہتی سے کام لیکر اپنی جان و مال کی حفاظت اور امن و امان سے بسر کرے۔ اس انجمن نے نہایت ہی مفید کام کیا کہ عرب بیرونی حملوں سے محفوظ ہو گیا۔ دیکھو سپرٹ اوف اسلام مصنفہ سید امیر علی۔

یہ جماعت اشتراک فی العمل کا ایک عملی نمونہ تھا۔ جسپر آئندہ "امت وسطیٰ" کی بنیادیں قائم کی گئیں۔ اور جماعت اسلامیہ کا طرز گفتار اور کاروان بنائی گئی چنانچہ ہم مناسب موقعہ پر نماز، نماز جماعت، حج اور روزہ کی نسبت ثابت کریں گے کہ ان کا مقصد اصلی یہی تھا کہ جو دین جہاں روحانیت میں پیش پیش ہو۔ وہاں انکی جسمانیت بھی سب قوموں سے اعلیٰ اور ارفع ہو۔

اگر ان کے ایک طرف "وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی" کا منظر ہے تو دوسری طرف "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کی حقیقت بھی پیش نظر ہے۔

(۳) زید بن حارث ایک غلام تھا جسے سیدۃ النساء حضرت خدیجہ کے بھتیجے نے انہیں بخشدیا تھا۔ اور حضرت خدیجہ نے جناب والا کو بروقت نکاح [illegible] میں دیدیا تھا آپ نے اُسے آزاد کر دیا جس میں یہ بصیرت موجود ہے کہ انسان انسان کا غلام بنکر نہیں رہ سکتا۔ وہ آزاد ہے۔ اور اپنے ذوی القربیٰ سے کام لیکر آزادی کے ساتھ ترقی دینی و دنیوی کر سکتا ہے۔ اس غلام نے مرتے دم تک آستانہ عالیہ نہیں چھوڑا۔ جنگ موتہ میں عیسائیوں کے مقابلہ میں شہید ہوا۔ اسکا بیٹا اُسامہ بڑے پایہ کا محدث اور صحابہ میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں جناب رسالتمآب نے سنہ ۱۱ھ میں سپہ سالار منتخب کیا کہ اُن کے ماتحت ایک لشکر عراق عرب میں عیسائیوں کے ساتھ لڑنے کو جائے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ایسے جلیل القدر صحابہ اُس کے ماتحت کر دئے۔ اسلام میں ایسے تھے غلام۔ اور ایسے تھے غلام زادے جنپر امیر اور امیر زادے رشک کر سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس واقعہ سے جناب والا کی رائے نسبت غلامی معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ انہوں نے یکدم غلامی کے عالمگیر رواج کو منسوخ نہیں فرمایا۔ مگر وہ بنفس نفیس اسکو مستحسن نہیں سمجھتے تھے۔

(۴) جب عمر مبارک پینتیس سال کی تھی۔ قبائل عرب میں حجر اسود نصب کرنے کے متعلق ایک جھگڑا برپا ہوا۔ غالب تھا کہ جنگ چھڑ جائے اور عرب خانہ جنگی میں تباہ ہو جائے کیونکہ ہر ایک قبیلہ حجر اسود کو اٹھانے اور نصب کرنے کے لیے اپنا حق دوسرے قبائل سے فائق بتاتا تھا۔ اتفاق حسنہ سے جناب والا کا گذر اُدھر ہوا سب کا منشا ہے کہ وہ "امین" آگئے جو کچھ وہ فیصلہ فرمائیں تسلیم کریں۔

آپ نے چادر مبارک فرش زمین پر بچھائی اور حجر اسود کو اٹھا کر چادر کے بیچ رکھ کر ہر ایک قبیلہ متخاصم کو کہا کہ چادر کے چاروں کونے پکڑ کر اٹھائیں اور حجر اسود کو کعبہ کی طرف لے چلیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور پاس پہنچکر دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر کعبہ میں موقعہ مناسب پر نصب کر دیا۔

اللہ اکبر کیسی تھی بالغ نظر کیسی تھی ذکاوت۔ اور کیا تھی قوت فیصلہ کہ عرب ایک خونریز اور شدید جنگ سے بچ گیا۔

(۵) اسکا غیر مذہب مقدمہ تھا کہ صدق و صداقت کی وجہ سے قوم نے آپ کا حضرت لقب دیا۔ جو آج تک عرب میں کسی کو نصیب نہ ہوا تھا۔ وہ عرب میں "الامین" [illegible]

کے خطاب سے پکارے جاتے تھے۔

اگر بعض مسلمان اس صادق و صداقت باز نہیں تو وہ ہرگز مسلمان کہلانے کے حقدار نہیں صداقت صورت کا سنگ بنیاد ہے۔ جمہوری اور دنیاوی خوبیاں تفریح ... کو جناب ... خطبہ میں فرمایا کرتے تھے لا ایمان لمن

(باقی دارد)

"لا صدق لہٗ" تو توحید صداقت ہے اور شرک کذب۔ توحید حق ہے اور شرک باطل۔ باطل کو نیست و نابود کرنا چاہیے ...

صداقت سے اعتقاداً و اعتباراً مال ملا۔ مال سے فراغ خاطر اور فراغ خاطر سے حضور قلب ... ہو گیا۔

(الف دین)

خَصَائِصُ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ فِی الْقُرْآنِ

خطاب مخصوص محبوبیت کی اعلیٰ شان یہ ہوتی ہے کہ محب اپنے محبوب کو تمام لوگوں کے پکارنے کے برعکس خاص خطاب سے پکارے۔ قرآن پاک میں خداوند قدوس تمام انبیاء علیہم السلام کو یَا مُوْسٰی یَا عِیْسٰی یَا یَحْیٰی کہہ کر نام سے پکارتا ہے لیکن نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کو یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ کہہ کر پکارنے کے علاوہ یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے نئے لباس پہننے والے یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اے کالی کملی اوڑھنے والے۔ وغیرہ پیارے خطابات سے بطور امتیاز ممتاز فرماتا ہے۔

عبدیت عظمیٰ انسان کامل و فرد اکمل آپ کے سوا اور کون ہے۔ جس کی عبودیت خدائے واحد کی الوہیت کی طرح وحدہٗ لا شریک ہو۔ دیکھو قرآن پاک میں خدا نے بہ کثرت انبیاء علیہم السلام کو ان کے ناموں کے ساتھ عَبْد کہہ کر یاد کرتا ہے

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوْبَ

(سورۂ ص) (وغیرہا من الآیات)

لیکن نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کو جہاں کہیں عَبْد کے لقب سے ممتاز کیا ہے نہ نام لیا ہے اور کوئی نشان بتایا ہے۔ اس لیے کہ جب کہ سوا دوسرا کوئی عبد ہو صرف عَبْد ہی کہنے سے پہچان لیا جاتا ہے۔ (الآیات)

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى (سورۂ بنی اسرائیل)

وہ ذات پاک ہے جس نے ایک رات اپنے "عَبْد" کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (سورۂ کہف)

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے عَبْد پر کتاب نازل کی۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (سورۂ فرقان)

بابرکت ہے وہ جس نے اپنے عبد پر کتاب فرقان اتاری۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (سورۂ نجم)

پیغام پہنچا دیا اپنے عَبْد کو جو پیغام پہنچانا تھا

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا (سورۂ جن) اور بیشک "اللہ کا عَبْد" جب کھڑا ہوا کہ انہیں دعوت حق دے تو کفار اسے گھیر لیتے ہیں۔ ٹھٹ کے ٹھٹ

هُوَ الَّذِیْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(سورۂ حدید) وہی ہے جو اپنے "عَبْد" پر کھلی کھلی آیتیں اتارتا ہے کہ تمہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لائے۔ اور بیشک اللہ تم پر رؤف و مہربان ہے۔

اتحاد صفاتیہ اس اتحاد صفاتی کو دیکھئے کہ حبیب کریم کو اپنے ہی ناموں سے یاد کیا ہے۔ جس طرح اپنے لیے فرمایا وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ محبوب کے لیے بھی ارشاد ہوا حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

عظمت مخصوصہ نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کی عظمت وہ شان رکھتی ہے جس سرزمین پر وہ وجود اطہر چلا پھرا جہاں اس کی بودوباش تھی وہ سرزمین بھی خدائے آسمان و زمین کے نزدیک ایسی عزت والی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ترجمہ

اس شہر مکہ کی قسم اس لیے کھاتا ہوں کہ تو اس شہر میں رہتا ہے۔

(قَالَ الْمَوْلَوِیُّ الْمَعْنَوِیُّ)

گفت معشوقے بعاشق اے فتا | تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس کدامیں شہر زانہا خوشتر است | گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

تبلیغ عامہ جتنے انبیاء علیہم السلام تبلیغ رسالت اور خلق کی ہدایت کو آئے اپنی اپنی قوموں یا اپنے اپنے ملکوں کی طرف بھیجے گئے ...

پڑھ جاؤ۔ سیرت کی بحث کسی محدود خطے یا خاص قوم ہی تک منحصر پاؤ گے۔ اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ہم نے قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ اور بیشک ہم نے موسٰے کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو تاریکی سے روشنی کی طرف لائیں۔" اب اُن آیتوں پر غور کرو جو نبی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر تبلیغ و عام منادی پر صاف صاف روشنی ڈالتی ہیں۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (اعراف۔ پ ۹) — کہدو کہ میں تم سب لوگوں کی طرف (بلا تخصیص ملک و قوم) خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا پ ۲۲) — اے پیغمبر ہم نے تم کو تمام دنیا کے لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (فرقان۔ پ ۱۸) — برکت والا ہے وہ خدا۔ جس نے اپنے بندہ پر کتاب فرقان اُتاری تاکہ سارے جہان والوں کو ڈرانے والا ہو

حیثیت جامعہ قرآن پاک کی تمام آیات جن میں ایمان و کفر، تصدیق و تکذیب، اطاعت و معصیت، محبت و عداوت، امر و نہی، وعدہ و وعید، وغیرہ کا ذکر ہے اُن سب میں خداوند برتر نے لفظ اللہ سے (یعنی الوہیت) اور لفظ رسول سے آپکی رسالت کو ساتھ ساتھ ظاہر کیا ہے۔ اس سے زیادہ قرب اس سے بڑھ کر حیثیت کیا ہو سکتی ہے کہ ہر موقع و محل پر اللہ کے ساتھ ساتھ رسول کا خطاب آپ کی رسالت کاملہ کو واضح کر رہا ہے۔ ان آیات کو پڑھو۔

آیات	ترجمے
اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ
اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ	اللہ اور اسکے رسول کا حکم بجالاؤ
مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ	جو اللہ اور اسکے رسول کا فرمانبردار ہے
مَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ	جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرتا ہے
اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ	اللہ اور اسکے رسول کی پکار سنو۔
یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ	اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں
فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	(سود خوار) تو خدا اور اسکے رسول سے لڑائی کیلئے تیار ہو جاؤ
یَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ	(مہاجرین) اللہ اور اسکے رسول کی مدد کرتے ہیں۔

صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ	اللہ اور اُسکے رسول نے سچ کہا
قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ	کہدو کہ مال غنیمت اللہ اور اسکے رسول کا ہے
فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ	(جب تم کسی بات میں جھگڑو) تو اللہ اور اسکے رسول کی طرف رجوع کرو
لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ	اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو
اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	سب سے بڑھکر تمہیں اللہ اور اسکے رسول کی محبت کرنی چاہئیے
اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ	اللہ اور اسکے رسول نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا
وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ	اگر وہ لوگ راضی ہو جاتے جو کچھ انہیں اللہ اور اسکے رسول نے دیا اور کہتے ہمکو اللہ کافی ہے

رحمت عامہ جس طرح آپ کی رسالت سارے عالم کے لیے تھی اسی طرح آپ کی رحمت بھی رحمت الٰہی کی طرح سارے جہان کے لیے عام ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اور نبیوں کی طرح کفار کے لیے دعائے بد نہ فرمائی نہ کسی قوم پر کوئی خاص عذاب آپ کی بددعا کے سبب نازل ہوا۔ آپ سوائے دعائے ہدایت اپنے سخت سے سخت دشمن کے حق میں بھی کچھ نہ فرماتے تھے۔ یہی خصوصیت تھی جو آپ تمام عالم کے لیے سراسر رحمت ثابت کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور (اے نبی اُمّی) ہم نے آپ کو صرف اسلیے بھیجا کہ تمام عالم کے لیے رحمت ہوں۔ یہاں تک کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ رؤف رحیم دو لقب اپنے خاص لقب آپ کے خدا نے رحمٰن و رحیم نے مرحمت فرمائے ہیں۔

ختم نبوت جتنے انبیا علیہم السلام آئے اُن سب میں نبی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی شریعت ایسی جامع نہ تھی جو قیامت تک تمام عالم کیلئے کافی و وافی ہو۔ اسی لیے توریت میں موسیٰ علیہ السلام نے شریعت محمدیہ کو "روشن شریعت" کہا۔ جب روشن شریعت والے نبی کی نبوت مکمل ہو بات ٹھیری تو ضروری ہوا کہ سلسلۂ نبوت تمام ہو جائے۔ اسلیئے قرآن پاک نے صاف لفظوں میں کہدیا:۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ترجمہ: "اے لوگو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تمہارے جوان مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے بھیجے ہوئے اور ختم تمام نبیوں کے ہیں اور اللہ ہر چیز کا واقف جاننے والا ہے" چونکہ اس آیت میں ختم نبوت کے خاص مرتبہ جلیل کا اعلان [illegible] کنائے سے نہیں بلکہ صاف نام لیکر کہدیا کہ محمد خاتم النبیین [illegible]

میثاق و اقرار انبیا خصوصیت [illegible] ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام سے عہد میثاق آپ کی نبوت کا اقرار [illegible]

[illegible] تاکہ وہ بشارت دیں۔ تصدیق کریں ایمان لائیں۔ (سورۂ آل عمران پ ۳)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ — اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ

لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ — جو تم کو کتاب و حکمت دی ہے تمہارے پاس

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ — اگر وہ رسول آئے جو تمہاری کتابوں کی

لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ — تصدیق کرے گا تو تم اس کے ساتھ ایمان

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى — لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ خدا نے کہا کیا

ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ — تم نے اقرار کر لیا؟ اور جن باتوں پر عہد

فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ — لیا ہے انہیں مان لیا؟ تو پیغمبر بولے

الشّٰهِدِيْنَ ۞ — ہم سب اقرار کرتے ہیں۔ خدا نے فرمایا

پس اس اقرار کے گواہ رہو۔ اور ہم بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہیں۔

سبحان اللہ! ایک تو خداوند قدوس نے سب پیغمبروں سے تصدیق و اقرار کے ساتھ شہادت دلوائی۔ دوسرے خود بھی شاہد اور تصدیق کرنے والوں میں شامل ہو کر گویا دعوے کو حق کر دیا۔ وصدق اللہ العظیم وصدق النبی الکریم۔

لقب امی و بشارت سماویہ ہم نے یہاں صرف انہیں حضرات کو [illegible] لکھا جو قرآن مجید فرقان حمید سے تعلق رکھتی ہیں اور کتب سماویہ تورات و انجیل [illegible] بشارات علیحدہ مضمون میں [illegible] ہوں جو آپ کے لقب امی کو بتلانے کے علاوہ بشارات صحائف سماویہ کی خبر دیتی ہے جو تورات و انجیل میں آپ کے نام نامی و اسم گرامی تک درج ہے [illegible] آیہ کریمہ

اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ (آل عمران)

(مولانا روم کہتے ہیں)

بود در انجیل نام مصطفےٰ — آن سر پیغمبران باصفا

بود ذکر حلیہ ہا و شکل او — بود ذکر غزو و صوم و اکل او

باوجود تحریف و تبدیل سالہا سال اب تک موجودہ تورات و انجیل میں کچھ بشارتیں باقی ہیں جنہیں دیکھنے والے دیکھتے ہیں۔ اور چھپنے والے چھپا کر نکال لیتے ہیں۔ صلی اللہ علی النبی الامی الامین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

(شفیق رضوی کان اللہ لہ)

خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

جود و کرم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سائل کو کبھی رد نہ فرماتے تھے۔ زبان مبارک پر حرف انکار نہ لاتے۔ اگر کچھ بھی دینے کو پاس نہ ہوتا۔ تو سائل سے عذر کرتے۔ گویا کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔

ایک نے آکر سوال کیا۔ فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لے لو۔ پھر جب آئے گا ادا کر دوں گا۔ عمر فاروق نے کہا کہ خدا نے آپ کو تکلیف نہیں دی کہ قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ ایک انصاری صحابی نے کہا یا رسول اللہ خوب دیجئے۔ رب العرش مالک ہے تنگی کا کیا [illegible] صلے اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار ہویدا ہو گئے۔ [illegible]

[illegible] ایک وسق غلہ قرض لے کر دیا۔ قرض خواہ تقاضا کے لیے آیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے ایک وسق غلہ دے دو۔ آدھا تو قرض کا ہے اور آدھا [illegible] کا ہے۔

فرمایا کرتے کہ اگر کوئی شخص مقروض مر جائے اور مال نہ چھوڑے تو ہم سے [illegible] اور جو مال چھوڑ مرے تو وہ حق وارثوں کا ہے۔

شرم و حیا ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں حیا تھی جب کوئی ایسی بات حضور کے سامنے کی جاتی جس سے حضور کو کراہت ہوتی تو چہرہ مبارک سے فوراً معلوم ہو جاتا تھا۔

عائشہ صدیقہ کا بیان ہے۔ اگر کسی شخص کی کوئی حرکت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے۔ بلکہ عام الفاظ میں اس حرکت و فعل کی نہی فرما دیتے۔

عادات و معاملات میں اپنی جان پر تکلیف اٹھا لیتے۔ مگر دوسرے شخص کو ازراہ شرم کلام کرنے کو نہ فرماتے۔

جب کوئی عذر خواہ سامنے آکر معافی کا طالب ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شرم سے گردن مبارک جھکا لیتے۔

عائشہ صدیقہ کا قول ہے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کبھی [illegible]

صبر و حلم زید بن سعنہ ایک یہودی تھا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا قرض دینا تھا۔ ایک روز آیا اور آتے ہی چادر پکڑ لی اور کپڑے پکڑ لیے اور کہنے لگا کہ عبد المطلب کی اولاد ہوتے ہی [illegible] عمر فاروق [illegible] نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ فرمایا عمر [illegible] لازم تھا کہ میرے ساتھ [illegible]

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

علم و اسلام

(جناب لالہ منشی رام جی صاحب پرنسپل گروکل ہردوار کی تعلیمی تقریر پر اڈیشن آف ایجوکیشن کے بعض حصوں کا جواب)

قل ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون

کیا اہل علم اور بے علم برابر ہیں؟

بنی آدم از علم یابد کمال نہ از حشمت و جاہ و مال و منال
بے علم چوں شمع باید گداخت کہ بے علم نتوان خدا را شناخت

تمہید

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بدا سے فرزند ایک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند
کچھ نقص اتار کی لطافت میں نہیں ہوں اس میں اگر گلے سڑے دانے چند

تحریر بالا کے متعلق مجھے توضیح و تصریح کے ساتھ پیشتر یہ امر جتا دینا چاہیئے کہ اسکا منشا مناظرہ یا مکابرہ ہرگز نہیں ہے۔ مدعا محض تحقیق حق ہے آریہ سماج کے چوتھے اصول :-

"سچ کے گرہن کرنے اور جھوٹ کے چھوڑنے میں ہمیشہ مستعد رہنا چاہیئے"

کو میں نہایت عزت اور وقعت سے دیکھتا بلکہ جوہر انسانیت و زیور آدمیت سمجھتا ہوں۔ اعلیٰ زندگی، شائستہ دماغ، روشن خیال، عقل صحیح، قلب سلیم کا دستور العمل حق حق پسندی ہونا چاہیئے۔ غالباً اِس امر کے معلوم ہونے سے جناب لالہ منشی رام جی صاحب پرنسپل گروکل ہردوار) کو مسرت ہوگی کہ اپنا اصول ہے قولوا الحق ولو علیٰ انفسکم یعنی سچ کہو اگرچہ اپنے خلاف ہو۔

حقیقت مضمون کی طرح آشکارا ہے کہ

اے ذوق اس چمن کی ہے زیب اختلاف سے

خیر و شر، نور و ظلمت، علم و جہل، عدل و ظلم ہمیشہ ساتھ ساتھ ہیں۔ گویا دنیا کا قیام ہے ... معصوم ... سہو و نسیان سے بری نہیں۔ پس بحث

ممکن ہے کہ :-

"اوا نتاپوری کا کتب خانہ جلایا گیا الخ" "اور مسلمانوں نے ہماری بیشمار کتابیں آگ کے شعلوں کے نذر کر دیں وغیرہ"

الزامات بالکل صحیح ہوں کیونکہ مشرقی نظام سلطنت استبدادیت وخود مختاری کے لیے بدنام ہے۔ فاتحین کا طبقہ بالعموم اپنی وحشیانہ ہوا و ہوس پوری کرنے کا آلۂ ہوتا ہے۔ حملۂ و جوش کے وقت حالت غیظ و غضب میں جو کچھ بھی اُس سے سرزد ہو جائے کم ہے۔ اور اگر مزاج بھی ظالمانہ ہو تو پھر "کریلا نیم چڑھا" کا سماں نظر آنے لگتا ہے۔

شخصی مظالم کا انکار گویا اپنی جہالت کا اظہار ہے ایسی مکروہ و قابل نفرین مثالیں کم وبیش جملہ اقوام و ممالک میں پائی جائینگی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا عام دستور العمل کیا تھا۔ یورپ کے ارباب تحقیق کا فیصلہ یہ ہے :-

غیر مسلموں کے ساتھ اسلامی حکومتوں کا برتاؤ

"سپین کے بنی امیہ خلفا کی حکومت کی ایک مشہور و معروف بات قابل بیان کے ہے۔ کیونکہ اس سے سپین کے ہمعصر عیسائی، اور پچھلے مسلمان بادشاہوں کے مقابلہ میں بلکہ اس انیسویں صدی کے زمانہ تک ... فوقیت ثابت ہوتی ہے یعنی ان کا علم طور سے دوسرے مذاہب کے پیروں کو ... میں آزادی دینا" (چیمبرز انسائیکلوپیڈیا)

"تعصب کا ادعا عجیب زعم اور محض ریاکاری ہے ایک نہایت ... غیر متعصب مؤلف نے مسلمانوں کی نسبت بیان کیا ہے کہ ... تھے یہودی عیسائی سب خوش و خرم تھے ...

نسے عمادیونانی۔ ایرانی۔ خواہ ہندو قتل نہیں کئے جاتے تھے۔ ایک مثال بھی
ایسی نہیں پائی جاتی کہ کوئی شخص اپنا مذہب چھوڑنے کے سبب جلا دیا گیا ہو۔ نہ
یقین ہے کہ شاذ ایسی ہی صرف اس وجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ اس نے مذہب اسلام
نہیں کیا۔ بلکہ فتح ہوتے ہی وہ سب پرامن ولمان اپنی ملکیت اور اپنے مذہب
ان چھوڑ دئے جاتے تھے" (گاڈ فرے ہگنز)
حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قایم
یاں سے خلفا نے دوسرے مذاہب کو آزادی دینے کی نصیحت پائی" (گبن)
حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قومی معاملات میں حق رسانی، فتح کرنے میں رحم
ربانی کرنے میں اعتدال اور حب مقدم دوسرے مذہب کی عدم مزاحمت کی تاکید کی
اسلام نے کسی مذہب کے مسایل میں دست اندازی نہیں کی کسی کو ایذا نہیں پہنچائی
مذہبی عدالت دوسرے مذہب والوں کو سزا دینے کے لیے قایم نہیں کی کبھی اسلام
لوں کے مذہب کو بجبر تبدیل کرانے کا قصد نہیں کیا۔ ہاں اس نے اپنی تعلیم کا
پھیلانا چاہا۔ مگر اسکو جبراً جاری نہیں کیا۔ اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو فتحمند و
بہ حقوق حاصل ہو جاتے تھے۔ اور مفتوحہ قومیں ان شرائط سے بھی آزاد ہوتی
ہیں جو ہر ایک فتحمند نے ابتداء دنیا سے حضرت محمدؐ کے زمانہ تک مقرر دی ہیں"
اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے مذاہب کو غیر آزاد
کے بالکل برخلاف ہے۔ اسلام کی تاریخ کے ہر ایک صفحہ میں اور ہر ایک ملک میں
اسکو وسعت ہوئی۔ دوسرے مذہب کے مزاحمت نہ کرنے کی خصوصیت موجود
یہاں تک کہ ایک عیسائی شاعر فلارین نے علانیہ یہ کہا تھا کہ "صرف مسلمان
روئے زمین پر ایک قوم ہیں جو دوسرے مذہب کی آزادی سلب نہیں کرتے"
اب انگریز سیاح سٹیفن نے مسلمانوں پر یہ طعنہ کیا ہے کہ وہ "حد سے زیادہ
دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں" ایسٹ اینڈ ویسٹ۔
ان سبب اس تمام بیان کو "تحسین ناشناس" کہکر "دعویٰ بے معنی" قرار دیا
ہے۔ ایسے کسی عملی مثال کا پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ اور وہ بھی ہندوستان
متعلق۔
ان سبب کسی ظالم و جاہل نے کتب خانے برباد کیے ہوں لیکن اہل انصاف و
نظر کو مسلمانوں کے اس علمی شغف سے آنکھ بند نہ کرلینی چاہیئے۔ جوان کا
آئینہ دار رہا ہے۔

ہندی علوم کے ساتھ مسلمانوں کا علمی شغف

انہوں نے نہ صرف ہندوؤں کے علوم و فنون کو بلکہ ہندوستان کی سرزمین کو
عقیدت کی نگاہ سے دیکھا کہ کسی مفتوح قوم سے کبھی ایسی توقع نہیں ہوسکتی تھی

کہ ہندوستان کی فضیلت نے مذہبی حیثیت پیدا کرلی۔ حدیث و تفسیر کی متعدد
کتابوں میں اس قسم کی روایتیں درج کی گئیں۔ علامہ سیوطیؒ نے در منثور میں ابن جریر
حاکم بیہقی اور ابن عساکر کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ
اطیب ریحا الارض الھند۔ سب سے زیادہ خوشبودار سرزمین ہند کی ہے
اسی کتاب میں متعدد روایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ حضرت آدمؑ بہشت سے نکل کر
ہندوستان میں آئے۔ اور اپنے ہمراہ وہاں کی خوشبو اور یاسمین بھی لیتے آئے
ایک شاعر نے اس مضمون کو اس پیرایہ میں ادا کیا ہے ؎

ہندوستان کہ نعم البدل فردوس است
آدم ز بہشت ہین کہ افتاد بہ ہند

اگرچہ یہ واقعیں قطعاً موضوع ہیں۔ لیکن ان سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے
کہ ہندوستان کی خوبی و لطافت کے متعلق مسلمانوں کا کیا خیال تھا۔
ہندوستان کے علوم و فنون کو مسلمانوں نے جس نگاہ سے دیکھا۔ اس کی کیفیت
ہے کہ آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں شیخ علی ردمی کی کتاب محاضرۃ الاوائل
و مسامرۃ الاواخر سے یہ فقرہ نقل کیا ہے (ترجمہ) سب سے پہلے جس سرزمین میں
کتابیں تصنیف کی گئیں اور جہاں سے حکمت کا چشمہ نکلا وہ ہندوستان ہے۔
حضرت امیر خسرو دہلویؒ نے اپنی مثنوی "نہ سپہر" میں ایک مستقل باب ہندوستان
کے فضائل کا قایم کیا ہے۔ فضیلت کے مختلف وجوہ قرار دئے ہیں۔ ان وجوہ
میں سے ایک فضیلت علمی قرار دی ہے اور اسپر دس دلیلیں قایم کی ہیں ہندوستان
کی صرف علمی فضیلت ہی کے ثابت کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ان کے مذہب کو بھی
اسلام کے علاوہ اور تمام مذاہب سے مقابلہ کیا ہے اور ترجیح دی ہے۔
سنسکرت کی علمی تصانیف منصور کے عہد میں بغداد پہنچ چکی تھیں۔ محمد بن ابراہیم
فزاری نے اسکے حکم سے ایک مشہور زیچ کا ترجمہ کیا۔ ہارون کے وقت تک ہندی
تصنیفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا لیکن اسکے عہد میں نئے سامان پیدا
ہوگئے۔ ہندوستان کا ایک مشہور طبیب و فلاسفر طلب کیا گیا جو ہسپتال
کا افسر و مہتمم مقرر ہوا سنسکرت کی علمی کتابیں اس نے ترجمہ کرائیں چنانچہ ششرت
کی کتاب اور "سا سا آمیکا" کا ترجمہ ہوا۔ ہارون کے دربار میں اور بھی ہندو طبیب تھے
جن کی دیدک کی معلومات عربی زبان میں منتقل ہوئیں۔ ہارون اور مامون کی قدردانی
نے ہندوستان کے اہل کمال کو بغداد کی طرف متوجہ کیا تھا۔ برمکی نے ہندوستان
کے پنڈتوں فلاسفروں طبیبوں کو طلب کیا۔ اور سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے
کرائے۔ کلیلہ و دمنہ کا دوسرا ترجمہ عبداللہ بن ہلال اہوازی سے کرایا۔
قاضی رکن الدین سمرقندی نے سنسکرت میں کمال حاصل کر کے ایک کتاب کا

ترجمہ کیا، ایک اور سنسکرت داں عالم نے اُسے ایک پنڈت سے پڑھا اور اسکا دوبارہ ترجمہ کیا اور "مرآۃ المعانی لادراک العالم الانسانی" نام رکھا۔ معلوم ہوتا ہے مسلمانوں میں سنسکرت و بھاشا کی تعلیم اس حد تک وسیع ہوگئی تھی کہ مدت تک ایک گروہ ایسا موجود رہا جو ان زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ جب غزنوی کی فتوحات آیا اور وہاں کے حالات سے واقفیت پیدا کی، تحریک تحصیل تو خود ہندوستان کا سفر کیا۔ اور برسوں رہ کر تحصیل کیا۔ ابو معشر فلکی نے دس برس ہندوستان میں سنسکرت کے علوم حاصل کئے۔ اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں لیکن علامہ ابو ریحان بیرونی کا نام سب سے آگے ہے جو ہندی علوم میں سب سے بڑا ماہر تھا۔ سولہ برس کی مدت میں سنسکرت میں کمال پیدا کیا۔ اور ہندوؤں کے علوم و فنون پر مبسوط کتاب لکھی۔ اس نے جو بحثیں اٹھائیں وہ تعجب انگیز ہیں۔ بہت سی مفید کتابوں کے ترجمے اور خلاصے کئے۔ اور بعض عربی تصنیفات کو ہندوؤں کے لیے ترجمہ کیا۔

اکبر سے سینکڑوں برس پہلے سلطان زین العابدین فرمانروائے کشمیر نے علمی صیغہ کی بنیاد ڈالی "شاہ بہ جمیع زبانہا از فارسی و ہندی و تبتی و عربی مروجہ کمال مہارت داشت زمرہ آنہا حرف میزد و وفور میلش تا اکثر کتاب کتب فارسی و عربی بزبان ہندی و کتب ہندوی بفارسی ترجمہ کردند و کتاب مہابھارت کہ از کتب مشہورہ ہند است بفارسی ترجمہ کردند و کتاب راج ترنگی کہ عبارت از بادشاہان کشمیر است در عہد او تصنیف شدہ" (فرشتہ)

سلطان فیروز نے جب جوالا مکھی کی سیر کی تو وہاں کے کتب خانہ کو بھی دیکھا معلوم ہوا یہاں کے کتب خانہ میں ۱۳۰۰ قدیم تصنیفات موجود ہیں ان میں سے چند طلب کیں۔ اور ترجمے کا اہتمام کیا "در آں مکان کتب بسیار (مطابق فرشتہ ۱۳۰۰) از براہمہ سلف یافت سلطان علمائے آں طائفہ را بحضور خویش طلب داشتہ مضامین آں را شنید و مخفوظ گردید و فرمود کہ بعضے از آں کتب را بفارسی کنند تا مطلب آں درست و آسان فہمیدہ شود مولانا عزالدین حسب الامر کتابے در حکمت طبعی از آں کتب دیدہ مطالب آں را در سلک نظم کشیدہ و بکتاب فیروز شاہی موسوم گردانید سلطان تغلق پسندیدہ۔ در صلۂ آں نقود بسیاری از طلا و نقرہ بہ اضافہ جاگیر مرحمت کرد و مضمون آں اکثر اوقات محفل سلطانی مے شد" (سیر المتأخرین)

ابراہیم عادل نے تو یہاں تک دلچسپی کا اظہار کیا کہ فارسی دفتر کو ہندی میں منتقل کر دیا "ابراہیم عادل دفتر فارسی برطرف ساختہ بہ ہندی راصاحب دخل گردانید" (فرشتہ)

مسعود سعد سلمان سلطنت غزنویہ کے مشہور شاعر نے ہندی کا ایک دیوان لکھا حضرت امیر خسروؒ نے سنسکرت و بھاشا میں کمال پیدا کیا۔ شیر شاہی عہد میں ملک محمد جائسی پیدا ہوئے۔ وہ بھاشا زبان کے ایسے بڑے زبردست شاعر تھے کہ خود ہندوؤں میں آج تک کوئی ان کا ہمسر پیدا نہیں ہوا۔ پدماوت آج بھی مشہور ہے۔

اکبر کو سنسکرت کی کتابوں و تراجم کا جو اہتمام تھا۔ وہ عام طور سے مشہور ہے اس نے اپنے دربار میں بڑے بڑے نامور پنڈتوں کو جمع کیا اور بہت سی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ افضل خان گجراتی نے تاجک کو فارسی قالب پہنایا۔ کنہیا جی کے حالات میں ہرنیش ایک کتاب ہے۔ مولانا شیری نے اسکا ترجمہ کیا عربی و فارسی کی کتابیں سنسکرت میں ترجمہ کرائیں۔ ہر قسم کے علوم و فنون کے متعلق سنسکرت کی تصنیفات فارسی عربی میں ترجمہ ہوئیں (علامہ شبلی نعمانی)

بہت سی کتابوں کا سنسکرت سے فارسی و ہندی میں ترجمہ ہوا۔ مہابھارت کا باہتمام نقیب خاں و مولانا عبد القادر بدایونی شیخ سلطان تھانیسری نے فارسی میں خلاصہ کیا۔ نام اسکا رزم نامہ رکھا۔ رامائن و اتھروید کا ترجمہ حاجی ابراہیم سرہندی نے کیا۔ فیضی فارسی و سنسکرت دونوں کا فاضل تھا۔ اس نے لیلاوتی کا جو سنسکرت میں مشہور کتاب علم حساب کی ہے ترجمہ کیا۔ مہابھارت کے بعض حصوں کو بھی فارسی میں لکھا۔ مگر اس کی سب سے مشہور کتاب جو سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔ قصہ نل دمن ہے۔ فیضی کا ترجمہ بھگوت گیتا نہ صرف صحیح ہے بلکہ مترجم نے اپنی ابیات کی نیکی و خوبی کو برابر دکھایا ہے" (بابو بھگوانتہ بی۔ اے)

اکبر کے دربار نے سنسکرت کے ترجمہ کرانے میں جو شاہانہ فیاضیاں دکھائیں تو ہندی کو اور بھی قبول عام حاصل ہوا۔ امرا شاہزادے تک ہندی زبان میں شاعری کرتے تھے "وا آنہا بزبان اہل ہندو اصطلاح ایشاں شعر می گفتند۔ عبد الرحیم خان خاناں از علوم ہندی بہرہ وافر داشت و در زبان ہندی شعر نیکو گفتے" (تزک جہانگیری)

"در زمان اکبر شاہ ترجمہ مہابھارت کہ بہ عبارت بود باردیگر بعبارت فصیح آوردہ تاریخ کشمیر را نیز بفارسی ترجمہ کردند" (فرشتہ) قاسم فرشتہ نے اختیارات بدیعی لکھ کر ہندوؤں کے علم طب کو فارسی میں منتقل کیا۔

جہانگیر کا یہ حال کہ جو بڑے بڑے پنڈت اور سنیاسی جنگلوں اور کھوؤں میں رہتے تھے وہ دشوار گذار راستے طے کرکے ان کے پاس جاتا اور شوق و اعتقاد کے ساتھ ہندو مذہب کے حقایق و معارف سیکھتا تھا۔ حالانکہ وہ ضعیف المذہب اور سست عقیدہ نہ تھا۔ اسکے زمانہ میں خود بھی شاعری کی عادت تھی [illegible]

ہوسکتی ہے کہ اس میں شعوری نامکمل ہر طرح نظر کیا کہ ایک مصرعہ فارسی اور دوسرا ہندی میں تھا۔ بعض زمانہ میں سلطان فیروز بھی ہندی میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ اکبری جہانگیری دور میں بہت زیادہ مشہور شیخ شاہ محمد تھے۔ تیموری سلاطین بھاشا زبان کی شاعری کی اسی طرح قدردانی کرتے تھے جس طرح شاہی زبان کے قدرداں تھے ہندی کے ساتھ توجہ کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ مشہور کتابوں کو زبانی یاد کرتے تھے۔

عالمگیر کے زمانہ میں بھاشا زبان پر جس قدر توجہ ہوئی پہلے نہیں کی گئی تھی۔ ضمیر مشہور شاعر نے جو منصبدار بھی تھے۔ بھاشا زبان میں انتہا درجہ کا کمال پیدا کیا۔ عالمگیر ہی کے متوسلین میں ایک شاعر قادا کو نظم ہندی میں خوب مہارت تھی۔ بھاشا کی زباندانی و شاعری کا ذوق اس زمانہ میں اس قدر عام تھا کہ بڑے بڑے علما وصوفیہ اس میں کمال پیدا کرتے تھے۔ شیخ غلام مصطفےٰ متخلص بہ ... منصبدار دکن فنون جنگ خوشنویسی نجوم طب، تصوف میں کمال رکھتے تھے "علم ہندی بہ حیثیتے کہ اکثر براہمہ حل غوامض از ایشان میکردند و شعر ہندی نیز خوب میگفت و اکثر شعراء ہندی در حضور ایشاں آمدہ اصلاح کتب از و میگرفتند (سرو آزاد) عبدالجلیل بلگرامی درباری عالمگیر ہندی زبان کے ممتاز شاعر تھے۔ دارا شکوہ کی تصانیف شہرۂ آفاق ہیں۔

محمد شاہ کے زمانہ میں علماء اسلام نے راجہ جے سنگھ والی جے پور کے حکم سے شرح چغمینی جیسی دقیق کتاب اور بہت سی اور کتابوں کا ترجمہ بھاشا زبان میں کیا۔ اسی زمانہ میں سید نظام الدین بلگرامی نے بنارس میں رہ کر علم کی تکمیل کی اور سنسکرت و بھاشا کے علم و ادب میں نہایت شہرت حاصل کی رحمۃ اللہ پسر سید خیر الدین بلگرامی بھاشا کے مشہور استاد تھے یہاں تک کہ انھوں نے اپنے وقت کے مشہور ہندو شاعر چنتامنی کو اصلاح دی۔ اور اسنے انھیں استاد تسلیم کیا۔

سید غلام نبی اور نواب سید عبدالجلیل بلگرامی نے بھاشا کی شاعری میں کمال پیدا کیا تمنا بلگرامی نے ہندی صنائع بدائع پر مضامین لکھے۔ سید برکت اللہ جو بہت بڑے صوفی تھے بھاشا میں شعر کہتے تھے۔ ان بزرگوں کے سوا بہت سے اہل کمال گزرے ہیں۔ جنہوں نے بھاشا میں ناموری حاصل کی۔" (علامہ شبلی نعمانی)

مسلمانوں سے پہلے ہندوستان کی نسبت تاریخ خاموش ہے کہ یہ ہفت اقلیم کا خطہ کس حال میں تھا۔ یہاں کے تمدن کی کیا کیفیت تھی۔ باشندے کس طرح زندگی بسر کرتے تھے لیکن اسلامی حکومت کا دور دورہ ہوتے ہی مبسوط و مستند تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا ... ہندوستان میں نظر آنے لگا۔ اسلامی علوم و فنون کے علاوہ ہمیشہ مسلمانوں میں ہندی کی تعلیم و تدریس کا بھی چرچا رہا۔ جو اس بات کا مثال ہے کہ ایک مسلم ادبیات میں اختلاف رنگ و نسل کا روادار نہیں اور اپنے ہادی برحق کے ... تعمیل کا پابند ہے کہ علم حاصل کرو خواہ چین میں ملے۔

چنانچہ مسلمانوں کے ایک مشہور مورخ اعظم خان نے ۱۴۳۰ء میں منسکار درپن نامی کتاب ہندی میں لکھی ۱۵۳۷ء میں یوسف خاں نے رشک پریا کی ٹیکا نامی کتاب تصنیف کی۔ ۱۸۰۰ء میں سار چندرکا قلمبند کیا۔ ۱۸۰۱ء میں کاظم علی نے سنگھاسن بتیسی لکھی اور قصہ ہنس جواہر ۱۷۳۶ء میں قاسم شاہ نے تیار کیا۔ بختیار خان نے ستی سار نامی کتاب تصنیف کی۔"

مسلمانوں پر اعتراض

ظلم و جہل کے امکان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان فاتحین ہند کا گروہ اسلام کا بہترین نمونہ تھا اور شاید دنیا کے برتاؤ کے لحاظ سے

چو از قومے یکے بیدانشی کرد — نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

بھی بالکل صحیح ہے لیکن صادق محقق "بدنام کنندہ نیکو نامے چند" کو کبھی اپنی بسر نہیں بناتا اسیٹے جناب کی یہ تحریر کہ

"کتب خانوں کے مسلمان حملہ آوروں کے ہاتھ سے جلائے جانے کا ذمہ دار قرآن شریف یا حضرت محمد صاحب یا اسلام نہیں۔ بلکہ اس پاپ کی ذمہ دار وہی شخصیتیں ہو سکتی ہیں جنہوں نے ایسا کیا۔"

نہایت صحیح و نہایت معقول ہونے کے سبب ایک سچا اور سنہرا اصول ہے لیکن پہلی ضرورت یہ ہے کہ حقیقت واقعیت سے کما حقہ خبردار ہونے کے علاوہ تصویر کے دونوں رخ ہمارے پیش نظر ہوں۔

میں اس امر سے ناواقف نہیں ہوں کہ

"موجودہ مورخین کا ایک گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ اسلام سائنس کے خلاف رہا ہے"

لیکن سوال یہ ہے کیا راستی پسند محقق و مصنف کے یہ شایان شان ہے کہ وہ بغیر تحقیق و تنقید محض "ایک گروہ" کے بیانات کو صدقنا وسلمنا کہنے کے لیے تیار رہے۔ انسانیت کے مایۂ ناز جوہر عقل و تحقیق کو قطعاً معزول و پامال کر دے اور محققین کے فیصلہ کو نظر انداز کر جائے۔

ہر ایک محب ہند و محب انسانیت کا آئینۂ قلب اس صدمہ سے ضرور پاش پاش ہو گا کہ علمی جلسہ میں اور تعلیمی تقریر "آؤٹ لائنس آف ایجوکیشن" کے ضمن میں بے قرینہ اور نہایت شدومد سے غیروں پر نکتہ چینی کرنا فخر سمجھا جائے اور جبکہ وہ نکتہ چینی نفس باطل ہو تو صداقت کے دامن پر نہایت مکروہ و بدنما داغ لگجاتا ہے۔ اور واضح ہو کہ ایسا طریق عمل اس برگزیدہ طبقہ کے لیے علمی توہین ہو جن کے ہاتھ میں ملک و قوم کی آئندہ باگ ہوگی۔ تو اسکو مستحسن یا بے پروائی کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ جناب کو اس ارشاد کہ

"یہ ایک واقعہ ہے جس کی تکذیب نہیں ہو سکتی کہ محمد قاسم

ہمیشہ سائنس کی دشمن رہی ہے" میں محو نزہت مراد اسلام ہے یا تاریخ اسلام (یعنی مسلمان) قرینہ سے اس اعتراض کا نشانہ اسلام ہاں خالص و صحیح اسلام معلوم ہوتا ہے۔ اور دعوے کا جو ثبوت دیا گیا ہے اس سے صریح طور پر ثابت ہے کہ آسمان خلافت کے ممتاز و درخشندہ آفتاب کی سیاہ تابی نے تہذیب و تمدن کی حقیقی روح کو جلا کر فنا و معدوم کر دیا اور خیر القرون میں نامور مقتدر خلیفۂ رسول ؐ نے تعصبِ جہالت وحشت و بدویت کا وہ مکروہ قابل نفرین منظر دکھایا کہ الامان!

میرا یہ ادعا پر مبالغہ بلکہ باطل ہوگا کہ تحریر پر حقیر کا منشاء تحقیق و تبدیل رائے کی پر معنے استدعا نہیں ہے۔ مگر جناب کو یقین کرنا چاہیئے کہ تحقیق حقیقت کیش مخلص و صادق کو ہمیشہ تسلیم صداقت میں مستعد و پیش پیش پایئے گے۔ ارباب فضل و کمال کے چمنستان تحقیق نے بے شبہ مجھے معطر و مسرور بنا رکھا ہے۔ اسی بے بضاعت حالی میں اس چمن کا گلدستہ ہدیۂ ابلاغ خدمت ہے لیکن اگر جناب کی تحقیق و تنقید نے ان من البیان لسحرا کے آثار کا کوئی مؤثر و تجانس پیش کیا تب مجھے عقاید باطلہ کی گندگی سے شُدہ ہونے میں کوئی خوف یا توقف نہ ہوگا تحقیق کتبخانہ اسکندریہ سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اساس اسلام و تاریخ اسلام کی اندرونی شہادت اور اسکے متعلق محققین یورپ کے فیصلہ پر بھی ایک غایر نظر ڈالی جائے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ (باقی آئندہ)

(عبد الکریم خان)

مِعیارِ تقدُس

"اسوۂ حسنہ" میں کچھ عرصے ایک سوال "معیار تقدس" کے موضوع پر چھیڑا گیا ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ در اصل یہ ایک سوال نہیں بلکہ تین مختلف رنگ کے سوال ہیں۔ پہلے سوال کا جواب قرآن کریم اور حدیث شریف سے طلب کیا گیا ہے جس میں مسلمانوں کے لیے اوامر و نواہی ہیں تو دوسرے کا تاریخ سے اور تیسرے کا مسلمانوں کی موجودہ روش سے۔ اسلیے میں اسکو ایک سوال نہیں بلکہ تین سوال سمجھنے پر مجبور ہوا ہوں ممکن ہے کہ "اسوۂ حسنہ" سے ضیاء باری کرنے والے بزرگوں کے نقطۂ خیال میں ایک سوال تین شقوں میں منقسم ہو لیکن میری سمجھ میں جو کچھ آیا ہے مجھے اسی شاہراہ پر اشہب خیالات کو چلانا ہے۔ اسیئے میں تین سوال سمجھ کر نمبروار ذیل میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ وھو ھٰذا۔

"قرآن کریم و حدیث شریف میں معیار تقدس کیا ہے؟" "مِعیار" کا لفظ بنا ہے عَیار سے جسکے معنے لغت میں کسوٹی لگانا اور آزمانا ہیں۔ اور سونے و چاندی کے کھرے و کھوٹے کی جانچ و پرتال کرنے کے بھی اسکے معنے آتے ہیں۔ "تقدس" کے معنے پاک کرنا اور پاک ہونا۔ مذکورہ بیں جس سے معیار تقدس کے معنے یہ قرار پائے کہ "پاک ہونے یا پاک کرنے کی کسوٹی کیا ہے؟" اس امر کی طرف غور کرنے کے وقت ہماری آنکھوں کے سامنے وہ زمانہ آجاتا ہے جبکہ دنیا پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور کل انسان قسم قسم کے فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ بلکہ ثواب اور گناہ کی حقیقت نیکی و بدی اور انکے نفع و ضرر کے اثر کے بھی قایل نہیں تھے۔ اس حالت میں رب کریم نے ایک کامل انسان (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرمایا۔ اور اسکا جو کچھ کام قرار دیا اسکا قرآن کریم نے یوں ذکر فرمایا ہے:۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ق۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک ہے کہ جس نے امیوں یا ام القریٰ کے رہنے والوں میں اُن ہی میں کے ایک انسان کو رسول مبعوث فرمایا جو ان پر آیات الٰہی تلاوت کرتا ہے اور اُنکو پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے (یا اُن میں پاک ہونے کی روح پھونکتا یا انکو پاک کرنے کی لو لگاتا ہے) اور اُنکو کتاب اور حکمت سے واقف و آگاہ کرتا ہے

(سورۂ جمعۃ الجزو ۲۸)

اس آیت میں یُزَكِّيهِمْ، کا لفظ خاص طور پر قابل غور ہے۔ جو زکاء سے نکلا ہے جسکے معنے حسب بیان مفردات راغب "دنو" یعنے بڑھنے کے ہیں جس نے يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کی اصل حقیقت کو بیّن طور پر واضح کر دیا ہے۔ یعنے یہ بتلادیا کہ آیات الٰہی کا پڑھنا اور کتاب و حکمت سے آگاہ کرنا تزکیہ نفس۔ یعنے اُسکے بڑھانے اور مراتب کمالیہ کی سیر کرانے کیواسطے تھا (اور اب بھی ہے) راغب نے زکا کے معنے بیان کرتے ہوئے اس امر کا بھی اظہار کیا ہے کہ "زکاء" میں دو امور شامل ہیں (۱) اُن تمام نقائص کا مٹانا جو کسی چیز کی نمو یعنے بڑھنے میں روک کا موجب ہوں۔ (۲) اُن امور کا موجود کرنا جو بڑھنے اور ترقی کرنے میں مدد دے۔

سو اس لحاظ سے نبی کریم صلعم کا مخلوق خدا پر نہ صرف یہ احسان ہے کہ آپ نے

منقاش کو بعد کر دیا جو نوع انسان کی ترقی کی راہ میں سد راہ تھے بلکہ تہذیب و ترقی کرنے اور بڑھنے کی راہ پر بھی لگا دیا جس کا نتیجہ چند روز میں یہ نظر آیا کہ حضرت نبی کریم کے تربیت یافتہ حضرت نے تھوڑے ہی عرصہ میں علم و فضل میں اعمال و اخلاق میں عقل و انصاف میں خوف و خشیت اللہ میں ہمدردی و غمخواری خلق خدا میں ایسے بلند تر مقام کی سیر کی کہ حضرت احدیت جل شانہٗ کی جناب سے ان کو سرٹیفکیٹ امداد ہونے کی سند رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے زریں الفاظ میں مرحمت ہوئی۔

حضرت اقدس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو امر صحابہ کرامؓ کے ذہن نشین کر دیا وہ ایک خاص پیس ہے۔ اور باقی انکی شاخیں۔ اور وہی در اصل کل نیکیوں کا محرک اور بدیوں و گناہوں سے پرہیز کرانے والا ہے جسکو "تقوی اللہ" کہتے ہیں تقوی اللہ کے معنی لغت اور عارفان الٰہی نے دو کیے ہیں (۱) تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا (۲) اُس سے ڈر کر پارسائی و پرہیزگاری اختیار کرنا۔ ایک تیسرے معنی یہ بھی سمجھے جاتے ہیں کہ اسکی محبت و الفت میں فنا ہو کر اسکی خوبیوں پر فریفتہ ہو کر ایسے ہی کام کرنا جو اسکی نظر میں حسن ہوں۔ جسکے معنے یوں ذہن نشین کر لو کہ اللہ تعالےٰ سے ڈر کر ان امور سے پرہیز کرنا جنکے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ان امور کا بجا لانا جن کے کرنے کا ارشاد خداوندی ہے۔ تقوی اللہ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جسکا کل قرآن میں اور بہت سی حدیثوں میں ذکر ہے۔ اور جسکے اختیار کرنے کی سخت تاکید کلام اللہ اور کلام رسول اللہ صلعم میں کی گئی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْن کا کہیں حکم ہے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ الخ کا کہیں ارشاد ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ "تقوی اللہ" اختیار کرنا یعنے ہر کام میں خدا تعالےٰ کے خوف اور زبردست تصرف کا خیال زیر نظر رکھنا اور ایسا کہ گویا وہ سر پر کھڑا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ قرآن کریم و حدیث نبوی نے "معیار تقدس" مقرر فرمایا ہے جسکا ثبوت ہم کو قرآن کریم کی ایک اور نہایت واضح اور روشن آیت میں ان الفاظ میں ملتا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ جس کا مطلب اسکے قبل کے جملہ کو ملا کر یہ ہے کہ لوگو تمہارے قبیلے و سلسلے نسب تو محض اسلیے ہیں کہ تم دنیا میں اسکے ذریعہ شناخت کیے جاؤ۔ مگر خدا تعالےٰ کے نزدیک شریف و نجیب کا مستحق وہ ہے کہ جو "متقی" ہے۔

جس سے نتیجہ نکلا کہ معیار تقدس صرف تقویٰ ہے جسکو پاک بھنے۔ اور ایک سنہرا اصل کہو۔ یا کسوٹی کہنا انسان کے فرائض میں سے ہے۔

"قرون اولیٰ اور قرون وسطےٰ میں معیار تقدس کیا تھا؟"

خیال میرے خیال میں دو نمبروں میں یوں تقسیم ہونا چاہیے۔

(۱) قرون اولیٰ میں معیار تقدس کس امر کو سمجھا جاتا تھا (۲) اور قرون وسطےٰ میں کس امر کو؟

(۱) میری اپنی تحقیق کی رو سے قرون اولےٰ میں معیار تقدس وہی تھا۔ جس کا جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سبق پڑھایا یعنے "اتقا" حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا اسی معیار سے انتخاب ہوا تھا سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ ہمیشہ اسی اصل پر کام کرتے تھے۔ ظاہری لیاقت اور اتقا کے بغیر کسی کو حاکم اور سردار نہیں بنایا جاتا تھا غلام اور غلام زادے بھی اتقا کے معیار میں پورے اترنے پر ان اشرف قبیلوں کے افراد پر حکمرانی و سرداری کیا کرتے تھے۔ کہ جنکو اہل ملک جاہلیت کے زمانہ سے اشرف یقین کرتے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے غلام کو اپنے برابر سمجھنے اور حضرت بلالؓ کو اپنا آقا و سید تسلیم کرنے کا بارہا اعلان فرمایا۔ غرضکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرون اولیٰ میں "معیار تقدس" محض اتقا تھا۔ نہ کہ کسی انسان کی مادی اور دنیاوی حیثیت جاہ و جلال و منال وغیرہ۔

(۲) قرون وسطےٰ میں یہ معیار تقدس البتہ قایم نہیں رہا۔ بلکہ مادی وجاہت اور شخصی حیثیت کو اتقا سے بہتر و برتر سمجھنے کا مرض پیدا ہو گیا جس سے قوم کا رخ ترقی سے تنزل کی طرف ہو گیا۔ گو عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لیے مادی ترقی کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ مگر اسکو جسم بغیر روح کے کہنا لازم و موزوں ہے۔ کیونکہ یہی جڑ خرابی و بربادی قوم کی قرار پائی ہے۔

"فی زمانہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں معیار تقدس اور اسکی اصلاح"

اسوقت کی حالت زار کو حوالۂ قلم کرنا سورج کو چراغ دکھلانا ہے "عیاں را چہ بیان" اسوقت معیار تقدس۔ مال و دولت جاہ و جلال شان و شوکت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا جسکے پاس دولت زیادہ ہے اور جس نے دنیاوی عروج زیادہ حاصل کر لیا ہے اسکو بڑا اور افضل سمجھا جاتا ہے "تقویٰ" و پرہیزگاری کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی۔ ہر ایک کو دنیوی مراتب حاصل کرنے اور جاہ و جلال کی محبت ہے۔ دینی امور سے نہ الفت ہے نہ محبت اور نہ شوق الا ماشاء اللہ جو امر قرآن کریم اور حدیث شریف کے رو سے معیار تقدس ہے۔ اسکی طرف توجہ کرنے والے بہت کم نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں معیار تقدس اسوقت کچھ نہیں نظر آتا۔ بلکہ ہر ایک اپنی اپنی ڈفلی بجا رہا ہے۔ یہاں بالی جیح خرچ کا میدان ہر جگہ وسیع ہے جسکی زیادہ تشریح کرنے سے مجلس شرم آتی ہے۔ اور دل میں درد بھی ہوتا ہے۔ اسلیے ایڈیٹر صاحبان سے حسنہ مجلسوں اسی بارے

میں معذور سمجھ کر معاف فرماویں۔

ہاں انکی اصلاح کے سوال کے جواب میں یہ گذارش کرنا شاید موزوں ہو کہ قرآن کریم کے ارشادات اور سنت نبوی علیہ التحیات کو مختصر طریقت عملی رنگ میں بنایا جاوے اور رسم و رواج کی زنجیروں کو ایک دم توڑ دیا جائے کسی کلمہ گو اور سلام علیک کرنے والے کو کسی فروعی اختلاف کی وجہ سے کافر ملت اور خارج از اسلام نہ سمجھا جاوے۔ اس ارشاد خداوندی کو زیر نظر رکھا جاوے کہ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ شخصی ارادے کو خدا اور رسول کے احکامات کے سامنے ہیچ سمجھا جائے۔ میرے خیال میں ذاتی آراء کو ... احکامات کے بالمقابل وقعت دینے اور انکی عزت کرنے میں ہماری قوم ... اگر اس حالت میں بھی قرآن کریم کو عملی رنگ میں ... جبتک قرون اولی کے مسلمانوں کا سا رنگ ہم پیدا نہ کریں گے ... پنجہ سے رہائی نہ پا سکینگے۔ اور قرآن تو اب بھی زور سے منادی ... وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ...

(راقم ایک فدائی قوم)

مذہب فلسفہ

حقایق و معارف مذہب کے ڈھونڈنے والے جب اپنی جستجو میں روایات مذہبی، احکام قرآنی اور سنت پیغمبری کی شمع لیکر نکلتے ہیں تو اس وادی پر خار کے بہت سے کانٹوں میں کوئی کانٹا اس قدر تکلیف نہیں دیتا جس قدر کہ عہد جدید کا فلسفیانہ تمدن یا تمدنی فلسفہ۔ عقل و مذہب کا یہ معرکہ اس چلنے والے کو روز اور ہر قدم پر پیش آتا ہے۔ اور سوائے بعض نفوس قدسیہ کے بہت کم خوش نصیب ہیں جو شکست فاش سے بچنے کے لیے عجلت کے ساتھ بازگشت یا اصطلاح جدیدہ میں "واپسی" کو ترجیح نہ دیتے ہوں۔ ان کی زندگی میں یہ گردش پرکار اسی طرح جاری رہتی ہو۔ اور تجسس و جستجو کا دائرہ نہایت ہی محدود نہ ہو جاتا ہو۔ جس طرح دریا کی شفاف سطح پر ہوا سے اٹھنے والی چھوٹی چھوٹی لہریں اعماق دریا سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ اسی طرح انسان کے حسیات، لذایذ، کوائف اور اس قسم کے تمام گوناگوں اضطراری کیفیات اوسکی روح سے بالکل جدا ہوتی ہیں جس طرح موسم کے عارضی تغیرات کا علم اس چھوٹی مچھلی کو نہیں ہو سکتا جو ہمیشہ دریا کی تہ میں رہتی ہے۔ اسی طرح ان اعصابی کیفیات کا قابو عقاید و ایمان کے ان موتیوں اور جواہر ریزوں پر کچھ بھی نہیں چلتا جو روح کی گہرائی میں پڑے چمکتے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر دریا گہرا نہ ہو۔ سطح آب ریگ کی تہ سے کچھ دور نہ ہو۔ تو ہوا کی ایک ہلکی سی جنبش بھی اعماق دریا تک پہنچ سکتی ہے۔ اسی طرح اگر روح وہ گہری نہیں ہے تو موسم کے عارضی تغیرات عقاید کی ننھی مچھلیوں کو منتشر و پریشان کرنے کے لیے بہت کافی ہیں۔

فلسفہ ایک ظنی اور فروعی چیز ہے۔ اس کا روح کی کیفیات سے مقابلہ کرنا خود اپنی روحانیت کی توہین کرنا ہے۔ یہ ایک عام غلطی ہے کہ مذہب اور دنیا دو مختلف چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ اور زندگی کے تمام جزوی اور ضمنی کیفیات کو مذہب کا اس قدر تابع سمجھا جاتا ہے کہ رفتہ رفتہ طبیعتوں میں یہ بات جم جاتی ہے کہ روحانیت اور مادیت ایک دوسرے کے ازلی اور ناقابل انکار دشمن ہیں اور یہ کہ دونوں کی کشمکش اسوقت تک باقی رہے گی جب تک کہ دنیا ہے۔

میں اسلام کے حقایق و معارف پر ایک "ماہر" کی حیثیت سے بحث کرنے کا اہل نہیں ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اسلام خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کا مذہب ہے جو معمولی فہم و ادراک رکھتے ہیں۔ اور رسالت پناہ نے خود اپنی ذات قدسیہ کو گرد و پیش کے حالات کے مطابق ہمیشہ اسی سطح پر رکھا تھا جس پر کہ آنحضور بادیہ نشینان عرب کو دیکھتے تھے۔ چنانچہ سرور عالم اپنی روحانی کیفیات صرف اسی قدر ظاہر فرماتے تھے۔ جتنا کہ عرب قبایل سمجھ سکیں۔ اور پیغام ربانی کو اس قدر تیز روشنی میں کبھی پیش نہ فرماتے تھے کہ ظلمت کدہ عرب کے رہنے والوں کی نگاہ خیرہ ہو جائے۔ وہ ہیبت سے لرزا دینے کی بجائے شفقت و محبت کے ساتھ آغوش رحمت میں لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ:-

فانی لست بملک۔ انما انا	میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ ایک غریب عورت
ابن امراۃ من قریش۔ تاکل	کا فرزند ہوں۔ جو سوکھی گوشت کھایا
القدید (صحیح بخاری)	کرتی تھی۔

آج یہ روشن حقیقت ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے اور ہم مذہب کو اتنا بلند اور اس قدر عسیر الحصول دیکھنے کے عادی ہیں کہ زندگی کے ... پر بھی غور کرنا یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا مذہب کے خلاف ... ہے کہ وہ نماز پنجگانہ اور روزہ و حج کی حدود سے باہر قدم ڈالے ... میں وسعت نظر پیدا کرے۔ تو وہ فلسفی کہا جاتا ہے۔ گویا فلسفی ... قابل اعتراض حیثیت ہے۔ اور گویا کہ اس میدان کو عقل کی جولانگاہ بنانا گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔ آج ہم روایات سے استدلال کرکے ...

اُسکی تشریح کرنے میں فرائض کی فہرست میں درج کرتے ہیں۔ مگر احکام ربانی کی تشریح دو ہزار سال پہلے کی گئی تھی تو آج انسانی زندگی کے پردوں کو اُٹھانے کے لیے عقل کی جد و جہد کیوں قابل اعتراض ہے۔

فاقم وجهك للدين حنيفا۔ اپنا منہ سب کی طرف سے موڑ کر دین کی
فطرة الله التي فطر الناس عليها طرف کر، یہ وہ خدا کی فطرت ہے جس پر
لا تبديل لخلق الله ذلك الدين خدا نے انسان کو مخلوق کیا۔ خدا کی
القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون خلقت میں تبدیلی نہیں۔ یہی ٹھیک دین
ہے لیکن اکثر لوگ ناواقف ہیں۔"

"فطرت اللہ" موجوداتِ عالم کی اصل حقیقت ہے۔ اور یہ حقیقت ہمیشہ دیکھنے والا مانگتی ہے۔ کبھی پچاس میل کے فاصلہ سے پہاڑ کو دیکھا ہوگا۔ ایک خشک سیاہ دیوار نظر آتی ہے۔ جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیدھی زمین سے اٹھ کر آسمان کے کناروں سے جا لگی ہے۔ جسکے پار کرنے کا کوئی راستہ، کوئی ذریعہ اور کوئی وسیلہ حیطۂ امکان میں نہیں ہے لیکن چند میل آگے بڑھ جاؤ۔ اور پھر دیکھو تو اُسی پہاڑ کی ہیئت مجموعی میں ایک بیّن فرق نظر آنے لگیگا۔ خشک و سیاہ دیوار اونچی نیچی نظر آتی ہے! دس میل بڑھ کر دیکھو تو آسمان کی نیلگوں چادر کے کنارے پر ظلمت زدہ سیاہی کے بجائے سبزی اور اونچی نیچی سطح کے بجائے ما بہ الامتیاز چوٹیاں صف در صف پہاڑوں کی قطار صاف نظر آتی ہے۔ چند فرسنگ آگے چلو تو پہاڑ اپنی پوری ہیئت ترکیبی کے ساتھ اپنے پورے جلال اور اپنی پوری رعنائی کے ساتھ سرسبز درختوں کے غیر محدود جھنڈ اور برف پوش سفید چوٹیوں کی مسلسل قطاروں سے تمہاری نگاہ کو طلسم بند کر دیتا ہے۔ اسی دیوار میں جس میں راستہ کا ہونا اور جسپر گذر کر پار جانا تمہاری امیدوں سے بعید تھا مسلسل راستے نظر آتے ہیں جن سے تم پہاڑ کی اونچی سے اونچی چوٹی تک جا سکتے ہو۔ سبزہ زار نظر آتے ہیں جن میں تمہارے لیے فرش مخمل موجود ہے۔ درخت ہیں جو تمہارے لیے شاہانہ قدرت کا سایہ بہم پہنچاتے ہیں۔ دریا ہیں جو تمہاری پیاس بجھاتے ہیں۔ اور لذیذ سے لذیذ ثمر ہیں جو تمہاری بھوک کا علاج ہیں۔ اب وہ خشک و سیاہ دیوار کہاں ہے۔ جو تم نے پہلے روز دیکھی تھی!

مذہب کو ایک "خشک سیاہ دیوار" بنانے کی بجائے وسعت نظر حاصل کرنے کی کوشش انسانیت کا ایک فرض ہے۔ جسکو فلسفی نے اپنا مذہب بنا لیا ہے۔ جزئی غلطیاں ممکن ہیں لیکن کیا مذاہب عالم کے مجتہدین غلطی نہیں کرتے؟ بات کی جاتی ہے — نا ہموار راستہ چلنے والوں کو منزل مقصود سے دور پھینک دیتی [illegible] ظاہر پرستوں سے تو یقیناً اچھے ہیں جو سچ کی

روشنی کو روکنے کے لیے دو پہر تک پردوں کے پیچھے خواب غفلت میں سوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے صرف اس قدر معلوم کر لینا کافی ہے کہ اس وقت سورج نکلا اور اس وقت غروب ہوا۔ ہمیں اس حقیقت سے انکار تو نہیں پھر پردوں کے اُٹھانے کی کیا حاجت ہے؟ ایک فلسفی سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر پانی کی چادر سے سورج کا نکلنا دیکھتا ہے۔ اور اپنی فہم کی کشتی کو طوفانی سمندر میں ڈال دیتا ہے۔ تاکہ جائے اور دیکھے کہ سورج کیوں نکلا۔ کہاں سے نکلا اور کیسے نکلا! وہ پانی کی گہرائی کو دیکھتا ہے اور ان موتیوں کو نکالنا چاہتا ہے۔ جو ریت پر پڑے ہوئے ہیں! جس طرح کسی میلہ کے رنگا رنگ تماشائیوں میں اُن لوگوں کے جمگھٹے ہیں۔ جو خرید و فروخت کی غرض سے پھر رہے ہیں۔ اُن لوگوں کے مجمع میں جنکو نمود و نمائش کا خیال خلقت کے ہجوم میں لیے پھرتا ہے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو محض میلہ کی کیفیات کا مشاہدہ کرنے کے لیے آتے ہیں۔ ان چیدہ اور عالی ظرف لوگوں کے لیے دنیا کی تمام مسرتیں اور ساری خوشیاں محض مشاہدۂ فطرت پر موقوف و محدود ہوتی ہیں۔ اور اسطرح وہ فطرت اور اسکے رموز و نکات کو محض مقررہ ضرب و تقسیم کے قاعدوں سے نکالنا نہیں چاہتے بلکہ اسرار کائنات کی عقدہ کشائی کے لیے اجتہادِ عقلی کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری سمجھتے ہیں کسی شخص نے فلسفی کی کیسے اچھے الفاظ میں تعریف کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

"فلسفی مشاہدہ قدرت کے لیے انسانی قویٰ کی ایک مشین ہے جس میں روحانی اور دماغی طاقتیں بالکل مخلوط ہیں۔ اور جس میں روحانی اور دماغی حسیات بالکل ایک درجہ پر محدود ہیں"

دنیا کا ہر ہوسناک فلسفہ کی کتابیں پڑھ لینے سے فلسفی نہیں ہو سکتا۔

(۱) مطالعہ قدرت کے سوا جس فلسفی کی زندگی کا کوئی دوسرا مقصد بھی ہو وہ کامل فلسفی نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) جو فلسفی لذائذ حیات و کوائف زندگی سے متاثر ہو سکتا ہو وہ فلسفہ کی حقیقت سے بہت دور ہے۔

(۳) جس فلسفی میں زبان اور اعمال کی سنجیدگی اور متانت بدرجہ اعلیٰ نہ پائی جائے اور جس کی زندگی کی روش اور معاشرت کا طریقہ ثقاہت اور اعمال صالحہ سے خالی ہو۔ وہ فلسفی نہیں بلکہ ایک نقلی جواہر ہے ایک کھوٹا سکہ۔ اور مصنوعی مال ہے جو فلسفیانہ زندگی کے معیار پر چڑھ کر ہمیشہ کھوٹا ثابت ہوگا۔ اور حقیقی [illegible] کی صلاحیت انکی طبیعت میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ نفس نفسانیت کی آلودگیوں سے پاک نہ ہو۔ احساس قدرت ہو نہیں سکتا جب تک کہ علائق دنیوی زنجیر پا ہوں۔ اور اسرار کائنات کی عقدہ کشائی ناممکن ہے تاوقتیکہ

شہرت و عزت۔ دولت اور تفریح کے عارضی جذبات کے غلام نہ ہوں اور ہونا نصیب نہ ہو۔

فلسفی جو آج تک دنیا کی علمی مجلسوں کے شمع محفل ہیں۔ انکی زندگی کے عجیب و غریب افسانے عام نگاہوں میں مجنونانہ اور مجذوبانہ کہے جائینگے لیکن انکی زندگیاں نفس کشی کے ایسے عدیم المثال نمونے ہیں جن کا پورا ادراک معمولی دماغ کی قدرت سے باہر ہے۔ پھر کیا نفس کشی مذہب کی سب سے پہلی تعلیم نہیں ہے؟

ھرقلیطس نے جاہ و دولت کو لات مارکر حکومت کے عتاب کا شکار ہونا گوارا کیا۔

ھرمس نے اپنی آبائی دولت و عزت کو خیرباد کہہ کر اپنی تمام عمر تلاش حقیقت میں گذار دی۔

انکساغورث نے اپنی تمام ذاتی وجاہت اور آبائی جائداد حقایق زندگی کا لازوال دولت حاصل کرنے پر قربان کر دی اور پیشانی پر بل بھی نہ لایا۔

دیمقراطیس نے جب باپ دادا کو کسرے جیسے شہنشاہ کی مہمانداری کا فخر حاصل تھا اپنی ساری املاک کو خیرباد کہہ کر مصری مدرسوں میں اپنی عمر صرف کر دی۔ اور جب وطن واپس آیا تو نان شبینہ سے بھی محتاج تھا!

دیوجانس کی متاع کائنات ایک عصا اور ایک پیالہ تھا لیکن جس دن سے ایک بچہ کو اوک سے پانی پیتے دیکھا۔ تو اس پیالہ کو پھینک دیا۔ اور یہ خیال کیا کہ "دیوجانس! جب تیری پیاس چلو سے بجھ سکتی ہے۔ تو پیالہ کا رکھنا نفس کی تعیش کو قایم رکھنا ہے۔ اسلیے تن آسانی کا یہ ذرا سا سلسلہ بھی کیوں قایم رہے" ان حکما کی زندگی میں تزکیۂ نفس کے عجیب عجیب مثالیں نظر آتی ہیں۔

فیثاغورث اپنے شاگردوں کو تزکیۂ نفس کا اولین اصول اس طرح سکھایا کرتا تھا کہ پانچ سال تک بات چیت کرنے کی ممانعت کر دیتا تھا۔

افلاطون کو تمام عمر میں صرف ایک دفعہ ہنسی آئی۔

دیمقراطیس نے یہ دیکھ کر کہ اس کے محسوسات خارجی اس کے قوائے متفکرہ کی راہ میں حائل ہیں اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھیں نکال ڈالیں +

یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلام کا پیغام یونان اور روما تک نہ پہنچا تھا تاہم وہ لوگ تھے جو عقلی ترقی کے ذریعہ سے اکتساب روحانیت کرتے تھے۔ خدا کی ذات سے ایک غیر مشروط عقیدت وہ جانتے بھی نہ تھے کہ کیا ہے۔ تاہم وہ ایک راستہ چلتے تھے گو کافی زاد راہ ان کے پاس نہ تھا۔ میں ان حقایق سے نتایج اخذ کرتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ لیکن اتنا تو ماننا پڑے گا کہ دماغی اور روحانی ترقی دو مختلف چیزیں ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کی دشمن نہیں ہیں۔ بلکہ کسی حد تک ایک دوسرے کی محتاج ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ لوگ مجھے کیا کہینگے۔ لیکن میرا ایمان ہے کہ "مذہب فلسفہ اسلام سے دور نہیں ہے۔ گو غلو اور افراط و تفریط اختلافات پیدا کرتی ہو تاہم ان دونوں درختوں کی شاخیں ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی ہیں۔ انسان کا الگ کر دینا کائنات عالم پر ظلم کرنا ہے۔

ایک بڑی غلطی کی جاتی ہے جو اگر نہ کیجائے تو اس قسم کے شبہات بھی پیدا نہ ہوں اور فلسفہ اور مذہب کے موازنہ کرنے میں ٹھوکریں کھانے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ غلطی یہ ہوتی ہے کہ ہم اول مذہب کے اصل کام اور حقیقی منشار کو نہیں سمجھ لیتے اور بلا تکلف صرف یہ کہہ دینا اپنے مذہبی جوش کے اظہار کے لیے کافی سمجھتے ہیں کہ مذہب دنیا کی ہر چیز پر حاوی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسا کہنا مذہب کی اصلی وقعت کو بڑھاتا نہیں بلکہ گھٹاتا ہے۔ مذہب کا ایک خاص مقصد ہے۔ ایک خاص منشا ہے جس کی تکمیل کے لیے دنیا میں مذہبی تعلیم پھیلائی گئی ہے۔ وہ نقص جو پچھلے مذاہب میں اچھی طرح رفع نہ ہو سکے۔ انکو رفع کرنا اور انکو دفع کر کے انسان کے قوائے عقلیہ اور جذبات کو ایک سیدھے راستہ پر لگا دینا یہی اسلام کا اصلی منشا اور پہلا مقصد تھا۔ فلسفہ اور منطق علوم عقلی سے تعلق رکھتے ہیں اور روح صفائی اور برگزیدگی مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس طرح روحانیت اور مادیت دو مختلف چیزیں ہیں لیکن مجھے اقرار ہے کہ مذہب مادیت پر بھی حکومت کرتا ہے۔ مگر اوس کی صورت صرف یہ ہے کہ جب کبھی عقل ٹھوکر کھاتی ہے یا جذبات اپنی حد سے متجاوز ہوتے ہیں۔ تو انسان کی قوئ ترکیبی میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور اسکی زندگی انسانیت کے معیار سے گر کر حیوانیت کی طرف رجوع کرنے لگتی ہے۔ ایسی حالت میں مذہب اپنی روشنی دکھا کر گمگشتہ راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور یہی اسکا حقیقی غرض ہے کہ افراط و تفریط کو روکے اور عقل جذبات کو ساتھ ساتھ اور برابر چلا کر باہم اعتدال قایم رکھے۔ اور قوت حیوانی کو دماغی اور احساسی حصہ جسم کے ہر شعبہ میں یکساں صرف کرے۔ جہاں یہ نہیں ہوتا جہاں عقل جذبات کو یا جذبات عقل کو مغلوب کر لیتے ہیں۔ وہاں دماغی ترقی خود بربادی کا باعث ہوتی ہے

یونان قدیم جذبات اور عقل میں اعتدال قائم نہ کر سکا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج یونان کا نام بھی اقوام عالم کی فہرست میں مشکل سے لایا جاتا ہے۔ یہی حال دولت روما کا ہوا جہاں جذبات نے عقل پر حاوی ہو کر ساری عظمت کو چند روز میں تہ خاک پہنچا دیا۔ پس یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ مذہب کا اصلی کام انجن کے اس خاص پرزے کی طرح ہے جو اسٹیم کو مناسب مقدار سے زیادہ صرف نہیں ہونے دیتا۔ اور جب کبھی یہ پرزہ صاف اور صحیح نہیں ہوتا تو بائلر کے پھٹ جانے یا انجن کے بالکل سرد ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک علت اعلیٰ کا خیال جو انسان کی پرستش اور عقیدت کا مرکز بن جائے **مذہب** ہے لیکن اگر عقل کا پلہ بھاری ہو تو وہ **دہریت** ہے، اگر جذبات حاوی ہو جاویں تو وہ **توہم پرستی** ہے۔ مذہب کا اصل اصول ایک مرکب ہے۔ فلسفہ، عقل۔ اور جذبات اس کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ان میں سے ایک جزو کو الگ کر دیجئے نسخہ نہ صرف بے اثر بلکہ مضر ثابت ہو گا۔ جب محض استدلال اور مشاہدہ نظری اخلاق کا معیار قرار پاتا ہے تو **ارسطو** جزئیات سے کلیات اخذ کرنے لگتا ہے **زینو** خدا سے منکر لیکن ایک غیر مرئی جوہر اور ایک زندہ طاقت کا مقر ہوتا ہے۔ **افلاطون** محض تخیل پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتا ہے۔ غرضکہ اس محشر انتشار میں کائنات مرئی کے جملہ شواہد روح کو مس کرنے کے بجائے محض مادیت کو ترقی دیتے ہیں۔ اور عقاید کی راہ میں موشگافیاں ہونے لگتی ہیں۔ اور وہ عریاں حقیقت جو دنیا کے ہر ذرہ میں اپنے ملکوتی جلوے دکھا رہی ہے۔ نگاہوں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ دماغ ترقی کرتا ہے اور روح محبوس و سرد رہ جاتی ہے۔

ایک بچہ جو اپنے کھیل میں محو ہو جائے۔ اور آگ کو آگ نہ سمجھ سکے یا ایک جوان جو نظارہ بازیٔ حسن میں اپنے کو بھول جائے اچھا کہ دونوں کا ایک پہلو محض اسباب مختلف ہیں اور نتیجے مختلف ہیں۔ ایک پاگل جو کسی کو مار بیٹھتا ہے اور ایک مغلوب الغضب جو اپنے ہوش و حواس سے باہر ہو کر کسی کو قتل کر ڈالتا ہے بعد ازاں یہ دونوں ایک ہی فعل کرتے ہیں۔ لیکن دونوں کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں۔ یہی مثال ہے ایک لامذہب فلسفی اور ایک فلسفہ سے نفرت کرنے والے مذہب پرست کی۔ دونوں کام کرتے ہیں لیکن دونوں نقص سے پاک نہیں۔

دور جدید میں جبکہ ہم یورپ کی خوشہ چینی کر رہے ہیں ہم اُن بچوں کی طرح ہیں جو ہر چمکتی ہوئی چیز کو عزیز رکھتے ہیں اور سونے اور پیتل میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ تحقیق اور مطالعہ فطرت کی وہ اسپرٹ جو کبھی مسلمانوں کی علمی ترقی کی روح رواں تھی۔ اب ہم میں موجود نہیں۔ اسلامی علوم حرف غلط کی طرح مٹا دئے گئے ہیں۔ جامعہ ازہر کا ایک نام ہی نام ہے ورنہ سچ تو یہ ہے کہ خستہ شکستہ ٹیلوں پر کمخواب اطلس منڈھا گیا ہے لیکن ٹیلیاں اب بالکل گل چکی ہیں۔ ہندوستان میں اسلامی یونیورسٹی کی تمنائیں اسطرح بار آور ہونے والی ہیں جسطرح پہاڑ کے اندر سے چوہا نکلتا ہے۔ اسوقت ایک بہت بڑے جامعہ اسلامی کی ضرورت ہے جو عالم و حکیم پیدا کرے۔ اور جو یورپین فلسفہ اور مذہب دونوں کی تعلیم ساتھ ساتھ دے اور علوم کے محقق اور متقن پیدا کرے لیکن تقلید کی بجائے پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی ہیں۔ اور ایک طرف تو یہ مذہب فلسفہ جو کسب معاینت اور تزکیۂ نفس کی تعلیم دیتا ہے کفر ہو گیا۔ اور دوسری طرف تقلید مذہب کا ایک جزو بن گئی اس مسافر خستہ منزل دور رہرو کا خدا حافظ ہو اسکا کچھ نقش پا کچھ اور کہتی ہے ☙ (باقی‌دارد)

"خاموش"

کفایت شعاری اور میانہ روی

اور تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بھی جوڑا رکھ اور اسکو بالکل کھول بھی دے۔ کہ ملامت کا مارا تنگ حال ہو بیٹھے ☙

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ ۱۵/۲۹

اس کے بعد مسرف یا افراط کی اصلاح مد نظر ہے جو حق ۲۶ تا ۲۲ میں اسطرح پہونچی ایک دولت مند نے حضور کے پاس حضرت ابو الدرداء کی یادداشت میں دخل ہونا چاہا اسے حکم دیا۔ تمام مال و اسباب دے ڈال تب میرے ساتھ رہ سکتی ہیں میں بچے مال اپنے لئے آسمان پر جمع رکھ جہاں کیڑا نہ مورچہ خراب کرتا ہے چرائے جہاں نقل بیچھا رہا ہے۔ ایسے احکام ہیں کہ اپنے عمل بھی اسی ہو سکتا ہے اس خاص مسترد یوں کی تقیل ہو تو مضایقہ نہیں۔ مگر ایسے حکم ابدی نہیں ہو سکتے۔ اور آیات قرآنیٔ اس مسئلہ میں حسب ذیل ہیں:-

کھاؤ اور پیو۔ اور فضول خرچی مت کرو یحقیق اللہ فضول خرچوں کو دوست نہیں رکھتا۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۱۶/۳۱

بیشک فضول خرچ شیطان کے بڑے بھائی ہیں۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۱۵/۲۷

تمام مہذب یورپ کا عمل انجیل مقدس کے خلاف اور قرآنی آیات کے موافق ہے جو عیسائی بھی ہو اور انجیل پر عمل کرتے ہیں اس حکم انجیلی کے موافق اپنا مال و اسباب غیروں کو دے ڈالتے۔ علم اقتصاد کے اصول

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق و الاعمال

تہذیب النفس — تدبیر منزل — سیاست مدن

جنت سے تیسرا خط

(ماں کی طرف سے بچوں کے نام)

مرے غمگسار بچو، مرے بیقرار بچو
تمہیں صبر دے الٰہی مرے سوگوار بچو

ابھی چند روز سے میں تمہیں چھوڑ کر ہوں آئی
یہ ہے سچ تمہارے دل کو نہیں طاقتِ جدائی

مگر اے پیارے بچو، تمہیں کیا خبر نہیں ہے؟
جسے جانتے ہو دنیا، وہ کسی کا گھر نہیں ہے

وہ جہان جس میں تم ہو، ہے فقط سرائے فانی
نہ قیام ہے دوامی، نہ حیات جاودانی

نہ ٹھہرنے کا ٹھکانہ، نہ پتہ ثبات کا ہے
کہ قیام اُس سرا میں فقط ایک رات کا ہے

نہیں کوئی ایسی ہستی کہ جو جاوداں رہی ہے
نہ رہا کسی کا بیٹا، نہ کسی کی ماں رہی ہے

جو ہوا جہاں میں پیدا، وہ فنا ضرور ہو گا
جو ہے زندہ اوسکو چکھنا یہ مزہ ضرور ہو گا

پس ازین رہین درمان، نہ کیا مجھے قضا نے
کرو شکر تم خدا کا کہ لگا دیا ٹھکانے

پس مرگ میں نے مانا نہیں کوئی چیز ہستی
کیا دفن تم نے لیکن، تو ہوئی عزیز ہستی

میں ابھی وہیں ہوں باقی کہ ہو تم مری نشانی
مجھے کب ہے اور کیوں ہو، غمِ مرگِ ناگہانی

مری قبر پر اب آ کر جو پڑھو گے فاتحہ تم
مری روح شاد ہو گی، ہو خود اس سے آشنا تم

دمِ صبح پڑھ کے قرآں جو کرو گے تم دعائیں
تو ارم میں گھیر لیں گی مجھے رحم کی گھٹائیں

ہوئی میں جہاں سے رخصت یہ بڑا فراغ لیکر — کہ نہ آئی پیارے بچو میں تمہارا داغ لے کر
جیو تم جہان میں جُگ جُگ۔ نہ رہے ملال تمکو — مری موت کا رہے گا کوئی دن خیال تم کو
وہ قریب ہے زمانہ۔ مجھے بھول جاؤ گے تم — مری یاد آئے گی بھی تو اُسے بھلاؤ گے تم
ابھی تازہ سانحہ ہے۔ ابھی تازہ واقعہ ہے — کرو صبر پیارے بچو۔ کہ اسی میں کچھ مزہ ہے
مری موت کیا نئی ہے؟ یونہی مرتے آئے ہیں سب — گذران ہے دار فانی۔ کہ گذرتے آئے ہیں سب
کوئی اور ماں بھی ایسی کہیں تم نے کیا سُنی ہے — نہ ہو جس کو موت آئی۔ جو سدا جہاں میں جی ہے
میں انوکھی کیا مری ہوں۔ کہ ہے میرا سوگ تم کو — کہ نصیر ایسے لاکھوں ہی ملیں گے لوگ تمکو
تمہیں صرف یہ الم ہے۔ کہ ہماری ماں نہیں ہے — مگر اُن کو دیکھو جن کا کوئی مہربان نہیں ہے
ہیں بہت سے ایسے بچے کہ جہاں میں ہیں اکیلے — نہ پدر کہ حال پوچھے۔ نہ بہن کہ ساتھ کھیلے
نہ عزیز و آشنا ہیں۔ نہ ہیں دوست اور نہ بھائی — کوئی اُن کے دل سے پوچھے کہ ہے کیا غم جدائی
جو ہیں تم سے بڑھ کے بیکس۔ جو تم اُن کا حال دیکھو — تو ہمہ اس ہو نہ اتنا۔ نہ غم و ملال دیکھو
مرے بیقرار بچو۔ کرو صبر و شکر ہر دم — کہ سب الجھنوں سے چھُٹکر سوئے خلد آگئے ہم
یہ ہماری زندگی کا تھا حصول پیارے بچو — کیا پرورش اٹھا کر غم صد ہزار تم کو
تمہیں تربیت دلائی۔ تمہیں آدمی بنایا — جو نہ آتا تھا بتایا۔ جو نہ یاد تھا سکھایا
نہ رہا غرض اُدھورا کوئی اور کام باقی — فقط اِک اجل رہی تھی، پئے انصرام باقی
جسے کہتے ہیں قضا سب وہ کمال زندگی ہے — اِسے کیا سمجھ رہے ہو یہ مآل زندگی ہے
رہے یاد جینا مرنا۔ تو خدا کے ہاتھ میں ہے — نہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ نہ تمہارے ہاتھ میں ہے

یہ تمام رشتے ناتے عدمِ حیات تک ہیں،
یہ دکھاؤ خواب کچے سے فقط ایک رات تک ہیں،

سیماب
(صدیقی الوارثی اکبرآبادی)

نذرِ قوالی

ایک بُری بدعت کے ترک کا مطالبہ

دہلی اور لکھنؤ کے اطراف میں جتنی خانقاہیں ہیں۔ وہاں ایک رسم کا رواج ہے۔ کہ قوالی میں مشائخ اور بزرگوں کو نذریں دکھائی جاتی ہیں۔ اور وہ بزرگ اپنے ہاتھ سے قوالوں کو یہ نذر دیتے ہیں۔

اس رسم کی تاریخ بہت پرانی نہیں ہے۔ یہ بدعت سیئہ بہت چھوٹی عمر کی ہے اور اس قابل ہے کہ جلدی اسکو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے۔

قدیمی ملفوظات اور تذکروں میں کہیں دستیاب نہیں ہوتا کہ مشائخ متقدمین کو انکے مریدوں یا معتقدوں نے نذریں دکھائی ہوں۔ اور ان کے ہاتھ سے قوالوں کو دیا ہو یہ سب بعد کی ایجاد ہے۔ دنیاوی بادشاہوں اور امیروں کی دیکھا دیکھی اس کا رواج ہوا ہے گویا یہ ان دولت مندوں کی تقلید ہے۔ جن کی زندگی غرور و نمود میں بسر ہوتی ہے۔ اور جن کی مذمت سے تصوف کا لٹریچر بھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس رسم کا وجود انہی مقامات میں پایا جاتا ہے۔ جہاں حکومتوں کے پایۂ تخت تھے اور امرا کے جاہ و جلال کی نمود کاری پھیلی ہوئی تھی۔

مغلوں کی سلطنت سے پہلے شاہانِ دہلی اور ان کے دربار بہت سادہ اور تکلفات کی رسموں سے پاک تھے۔ مغلوں خصوصاً آخر زمانہ کے مغل بادشاہوں نے عموماً تکلفات اختیار کیے اور اس کا نام تمیز و شائستگی۔ آداب و سلیقہ رکھا عوام ہر جگہ بادشاہوں کے مقلد ہوا کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی ان ہی عادتوں کو اختیار کر لیا یہاں تک کہ علما و مشائخ بھی رفتہ رفتہ اس رنگ سے رنگین ہو گئے۔ اجمیر شریف میں ہم دیکھتے ہیں۔ محفلوں کا ڈھنگ بالکل بادشاہی درباروں کا سا ہے۔ چوبدار چاندی کی چوبیں لیکر کھڑے ہوتے ہیں نگاہ روبرو کی صدا لگاتے ہیں۔ اور نمائش و نمود کی وہ سب رسمیں ادا کرتے ہیں۔ جو دنیا داروں کا شیوہ ہیں۔ اور تارک دنیا فقرا کی شان سے سراسر بعید ہیں۔ ایسا ہی پاک پٹن شریف میں پایا جاتا ہے۔ دیوان صاحب کے آگے نقیب صدا لگاتا ہے۔ گو یہ صدا بالکل دینی ہے۔ اور عوام میں دینی اثر پیدا کرنے والی ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اسکو ہمیشہ قائم رکھا جائے۔ مگر میرا مقصود یہ بتانا ہے کہ اس رسم کی ابتدا بھی امرا اور بادشاہوں کی دیکھا دیکھی ہوئی ہے۔ اور مشائخ نے سب شاہی رسمیں امیروں کی اختیار کر لی ہیں۔

پاک پٹن شریف کے دیوان جی کے آگے نقیب یہ صدا لگاتا ہے "اللہ محمد چار یار۔ حاجی قطب فرید۔ فرید۔ فرید"۔ اس میں چند الفاظ بھی ہیں جو اسوقت مجھکو یاد نہیں یہ صدا جب گونجتی ہے خلقت کو دل حرارت ایمان سے گرما جاتے ہیں۔ دو دیوارے یہ صدا آنے لگتی ہے اور تمام حاضرین یہ فقرہ کہہ کر ایک عجیب عالم پیدا کر دیتے ہیں۔

یہ بدعت ہے مگر حسنہ ہے۔ ضرورت ہے کہ باقی رکھی جائے۔ مگر اجمیر شریف کے شاہی دربار کے مراسم میں کوئی بات مذہبی شان کی نہیں ہے۔ سب امرا کی تقلید ہے جسکو ترک کرنا لازمی ہے۔

دہلی اور لکھنؤ بادشاہوں کے پایۂ تخت تھے۔ اسواسطے یہاں اور ان کے اطراف کی خانقاہوں میں بکثرت ایسی مراسم پائی جاتی ہیں۔ جو اُمرا و سلاطین کے درباروں میں مروج تھیں۔ نذر دکھانا بادشاہوں اور امیروں کا مشہور قاعدہ تھا جس سے ان کے ماتحت ان کا اعزاز و وقار ظاہر کرتے تھے۔ جب یہ امیر اور ان کے پیر مشائخ کی مجلسوں میں آئے تو انہوں نے یہاں بھی یہ رسم جاری کر دی۔ اور قوالوں کو انعام دیتے وقت خلاف ادب سمجھا۔ کہ خود اپنے ہاتھ سے دیں۔ اسواسطے میر مجلس اور ممتاز مشائخ کو نذر دکھا کر یہ انعام ان کے ہاتھ سے قوالوں کو دینے شروع کیے۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ یہ دستور عام ہو گیا۔

فلسفیانہ تہ

اِن شاہانہ مراسم کی تہ میں جو ہماری درگاہوں اور خانقاہوں میں رائج ہیں ایک فلسفیانہ راز بھی ہے جس کا بیان کرنا اور جواب دینا میرا اسوقت ضروری غرض ہے فقرا اور مشائخ کا مشن خیالات کی اصلاح ہے۔ ہر زمانہ میں جس قسم کے خیالات خلقت کے ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے پیرایہ سے اصلاح کے طریقے ایجاد کیے جاتے ہیں جس وقت ہماری سلطنت قائم تھی۔ دولت کے نشہ سے ہماری قوم کے افراد سرشار تھے۔ کبر و نخوت جو حکومت و دولت کا خاصہ ہے طبائع میں بھری ہوئی تھی۔ تو فقرا نے اپنی مجالس میں ان رسموں کو جاری کیا۔ جو دنیاوی درباروں میں پائی جاتی تھیں۔ تاکہ عوام دیکھیں کہ جو دنیا کو ترک کرکے خدا کا بن جاتا ہے اس کی شان بھی بادشاہوں کی سی بلکہ اس سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ کیونکہ بادشاہ دولت اور حکومت کے زور سے دربار آراستہ کرتے ہیں اور فقرا بغیر کچھ خرچ کیے یہ شان دکھا دیتے ہیں۔ اسکو دیکھ کر انسان کی طبیعت پر یہ اثر ہوتا تھا کہ فقیری اور خدا پرستی میں ذلت و بے وقعتی نہیں ہے بلکہ عزت و عروج ہے۔ ذہن و طبیعت کا صوفیانہ پرورش کے لیے اور اسکو خدا پرستی کی طرف جھکانے کے واسطے یہ نہایت

فقیرانہ تربیت تھی۔ جیسا کہ گزشتہ زمانہ کی خانقاہوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ان کے حجروں کے دروازے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ فقیر کے پاس بادشاہ بھی آتا ہے تو سر جھکا کر آتا ہے۔ اور اس سے متوکل اور سرمایۂ دنیا سے ہاتھ خالی درویشوں کی وقعت بڑھتی تھی۔ اور اس وقعت کے بڑھنے سے خدا پرستی کا اعزاز بڑھتا تھا جس کی از حد ضرورت تھی۔ اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں۔ جنہوں نے آجکل یورپ کے فلاسفروں کی تصنیفات علم النفس پر پڑھی ہونگی۔ مگر اب وقت بدل گیا۔ حکومت بدل گئی۔ حالات تبدیل ہوگئے۔ خصائل وطبائع کچھ سے کچھ ہو گئے۔ اسوقت ضرورت یہ ہے کہ مشائخ چشم علم النفس سے غور کرکے طریق اصلاح میں تغیر و تبدل کریں۔ اور خلقت کے جذبات وحالات کے مطابق ہدایت کا بندوبست کیا جائے۔

قوالی میں نذر دینے کے نقصانات

میں کاس رسم کو بیہودہ اور قابل اصلاح اسواسطے کہتا ہوں کہ اسمیں نقصانات بہت زیادہ ہیں اور فائدہ کم ہے۔

فائدہ صرف یہ ہے کہ صاحب مجلس یا ان بزرگوں کا وقار ثابت ہوتا ہے جنکو نذر دی جائے۔ اور حاضرین بزم کا شوق عقیدت و محبت اس رسم سے مکمل ہوجاتا ہے۔ یا اجنبی لوگوں کو امتیاز ہوتا ہے کہ اس محفل میں فلاں فلاں حضرات باوسوخ و بزرگ ہیں۔

لیکن نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض اوقات جبکہ کسی بزرگ پر حالت کیف طاری ہو۔ اور اسکا انتہا۔ ظاہر میں نہو تو نذر دینے سے اسمیں برہمی ہوتی ہے۔ خیالات کا یکسو رہنا فقرا کے ہاں ہر کامیابی کی کنجی ہے۔ مگر نذر دکھانے اور باربار دکھانے سے خیالات پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اور قوالی کا اثر غارت ہوجاتا ہے۔

کسی پر کیفیت طاری ہو۔ اور بیچ میں کسی قسم کا کوئی رخنہ پڑ جائے تو صوفی کو علاوہ تکلیف باطنی کے جسمانی علالت بھی ہو جاتی ہے۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ کیفیت رُک جانے سے فقرا بیمار ہوگئے سرسام ہوگیا۔ اعضا شکنی ہونے لگی پس یہ رسم ایک ظاہری و باطنی زہر ہے جس سے بچنا لازمی ہے۔ دوسرا نقصان اس رسم میں یہ ہے کہ اگر ایک مجلس میں کئی بزرگ جمع ہوں تو ان کے مریدوں میں رقابت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایک اپنے شیخ کو نذر دکھاتا ہے۔ دوسرا اپنے شیخ کو تیسرا اپنے مرشد کو۔

بیشک ایک پیر کے واسطے چند مرید مستعد موجود ہیں۔ اور دوسرے کے لیے نہیں ہیں تو ضرور اس نفسانیت پیدا ہوتی ہے جو حیثیت اور بساط سے زیادہ غریب لوگ خرچ کر دیتے ہیں۔ اور ایسا نہیں کر سکتے تو ان کے دل میں دوسرے پیر اور اُسکے مریدوں سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔

مریدوں کے علاوہ خود پیروں میں نفسانیت بھڑکتی ہے اور بشریت کے تقاضہ سے وہ دوسرے کا اعزاز اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔

مجکو بارہا اسکا تجربہ ہوا ہے۔ ابھی حال میں حیدرآباد کا ذکر ہے مہاراجہ کرشن پرشاد کے ہاں محفل تھی، جناب سید شاہ احمد صاحب متولی اجمیر شریف میرٹھ اور چند دیگر ممتاز مشائخ شریک بزم تھے۔ مہاراجہ بہادر نے صرف مجکو اور متولی صاحب کو نذریں دیں۔ کیونکہ نسبی عزت اور ان دنگا ہونکے تعلقات کی بنا پر جنسے میرا اور متولی صاحب کا واسطہ تھا۔ ہم ہی دونوں دیگر مشائخ سے زیادہ ممتاز تھے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے مشائخ کو اسکا بہت بُرا مانا۔ اور مہاراجہ تک اپنے شکوے پہنچائے ظاہر ہے کہ مہاراجہ جیسے نقیر دوست شخص کو ان عزت طلب فقرا کے مطالبہ سے کیا کیا خیال پیدا ہوئے ہوں گے۔ لہذا اگر یہ نذر کا دستور نہ ہوتا۔ تو رنجش کہاں سے پیدا ہوتی۔

جو لوگ دنیا سے عداوت اور نفسانیت دور کرنے آئے ہوں۔ وہی اس کا باعث بنیں تو کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ اور یہ محض ان فضول رسموں کا طفیل ہے۔

تیسرا نقصان اس نذر دکھانے کا یہ ہے کہ سامعین کے لطف میں رخنہ پڑتا ہے، جب لوگ نذریں دکھانے کے لیے بار بار کھڑے ہوتے ہیں۔ تو حاضرین کی توجہ ادھر جاتی ہے۔ اور سماع کا مزہ خاک میں ملجاتا ہے۔ بلکہ خود نذر دینے والے قوالی کی اصلی لذت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل میں نذر دکھانے۔ اور اُٹھ کر اپنے پیر تک جانے کے لیے بڑی کشمکش رہتی ہے۔ مجلس کا رعب روکتا ہے۔ کبھی چاہتے ہیں اُٹھیں۔ کبھی خیال کرتے ہیں ابھی موقع نہیں ہے۔ اس خلجان میں سارا وقت بیت جاتا ہے۔ اور وہ نہیں جانتے کہ مجلس میں کیا کیا رنگ پیدا ہوئے۔

چوتھا نقصان نذر دکھانے کا یہ ہے کہ نذر دکھانے والوں کو اگر مجلس میں کئی بزرگ ہوں۔ اور سب سے محبت ہو۔ انتخاب کرنے کی مشکل پیش آتی ہے۔ اگر سب کو نذر دکھائے تو خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ اور تقدیم و تاخیر کا بھی خیال رہتا ہے۔ یعنی پہلے کسکو دکھائے۔ اور اس طرح اسکے دل کی محفل کا سکوت وسکون برباد ہو جاتا ہے۔ اور سماع سے اسکو خاک فائدہ نہیں ہوتا الغرض اس قسم کے صدہا چھوٹے بڑے ضرر اس رسم نذر میں پیدا۔

صوبہ بہار۔ اور صوبہ دہلی۔ دکن میں نذر کا رواج زیادہ ہے پنجاب میں بہت کم ہے۔ اور بعض جگہ جہاں امرا کا درباری اثر نہیں پہنچا یہ رسم بالکل نہیں ہے۔

تونسہ شریف کی خانقاہ میں یہ رسم ناپید ہے۔ وہاں میر مجلس قوال کو بلا کر انعام دیتے ہیں۔ اسکے بعد قوال ساری مجلس کا چکر لگاتا ہے۔ اسوقت جسکا جی چاہے اسکی جھولی میں کچھ ڈالدیتا ہے۔

یہ طریقہ بہت مناسب ہے۔ قوال کو گھڑی گھڑی اُٹھنا نہیں پڑتا۔ اور ایک ہی دفعہ میں اسکو بہت کچھ مل جاتا ہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب سجادہ نشین تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازیخان کا دیکھا کہ اگر کوئی ناواقف اور ہمارے علاقے کا تکلفی مرید قوالی میں انکو نذر دکھاتا تو وہ نذر لیکر اپنی جیب میں ڈال لیتے تھے۔ قوال کو نہ دیتے تھے۔ گویا اس طرح وہ آیندہ کی روک تھام کر دیتے تھے۔ اور اس بری بدعت کو بڑھنے نہ دیتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب موصوف اپنے مشائخ طریقت کے ایسے پکے مقلد تھے کہ انہوں نے اپنے پیشواؤں کی ہر کام میں تقلید کی۔ اگر ان کے بزرگوں میں قوالی کی نذر کا دستور ہوتا تو وہ بھی اسپر عمل کرتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے بزرگوں نے حضرت مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک اس رسم کو جائز نہیں رکھا تھا کیونکہ تونسہ شریف ہی کی ایک ایسی خانقاہ ہے جہاں حضرت مولانا فخر صاحب کے طریقے جوں کے توں رائج ہیں۔

چشتیہ خاندان کے ملفوظات پڑھنے اور تذکروں کے دیکھنے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے نذر دکھانے کا کسی خانقاہ میں رواج نہ تھا۔ اور یہ بدعت آخر زمانے کے مغلئی درباروں نے پھیلائی ہے۔

علاج

میں چاہتا ہوں کہ صرف ایک مضمون سے اسپر اکتفا نہ کروں اور اس رسم کا قلع قمع عملی طور سے کروں اسلئے میں اپنی ذات سے پہلے اسکا عمل شروع کروں گا یعنی میرے سالانہ عرس حضرت محبوب الٰہیؒ کے موقع پر جو میر محفل ہوتی ہے اس میں اس رسم کو قطعاً بند کر دوں گا۔ اسکے بعد جہاں جہاں مجکو اپنی بات کے موثر ہونے کی توقع ہوگی۔ وہاں اس خیال کو پہنچاؤں گا۔ قوال کو دینے کا یہ طریقہ اچھا ہے کہ پہلے میر مجلس کچھ دے پھر قوال چپ چاپ بغیر ہاتھ پھیلانے کے ساری محفل کا گشت لگائے جسکو دینا ہوگا خود قوال کو دیدیگا۔ (حسن نظامی)

تصرفاتِ رُوحی

قدیم یونان میں ایک زمانہ ایسا آیا تھا۔ کہ ایک حکیم وقت نے وجود روح مجرد عن الجسم سے انکار کیا۔ اور علانیہ اسپر وعظ کہنا اپنا دستور قرار دیا۔ دیگر حکیموں نے مباحثہ کرنا چاہا تو اس نے ان لوگوں کو یوں سمجھایا کہ میں کوئی دلیل اپنے قول کی پیش نہیں کر سکتا لیکن مصلحت وقت اسکی مقتضی ہے کہ عوام کو میں تصرفات روحی کے معتقدات پر عمل کرنے سے روکوں۔ تاکہ وہ گمراہیوں سے بچیں اور اشیائے خارجی کی تاثیرات پر غور کرنے کی عادت ڈالیں۔ عرب کے زمانہ جاہلیت میں تمدن کا مدار تصرفات روحی پر آرہا تھا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ قرآن کی نص صریح قل الروح من امر ربی بھی اسی اصول پر مبنی ہے تو چنداں بیجا نہیں ہے۔ میرا اعتقاد یہ نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے خاص خاص اصحاب میں اسکے متعلق کوئی خاص تعلیم نہیں کی لیکن اسکے ساتھ ہی میں یہ ضرور کہوں گا کہ وہ تعلیم باطنی آنحضرتؐ نے کی اسکا سلسلہ باطنی خاص خاص قلوب تک محدود رہنا چاہئے۔ اس کی تعلیم ظاہری اسوقت علانیہ طور پر اگر جاری کی جائے۔ تو خلاف سنت نبوی ہے اس زمانہ میں روح کے تصرفات باطنی پر جو عام اعتقادات ہیں۔ ان کا مٹانا علماء شرع محمدی کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص مافوق العادت باتیں دکھا کر مسلمانوں میں پیشوائے مذہب اسلام بنا چاہے تو اسکی پیشوائی کا تسلیم کرنا خلاف شرع ہے۔ اور ہرگز اسلامی نظر سے وہ کسی عزت کا مستحق نہیں ہے عزت کے مستحق صرف وہ نفوس کرام ہیں۔ جن کے ذریعہ سے معتقدین میں احیائے سنت نبوی کا شوق پیدا ہو۔ مرادوں کے حاصل کرنے میں امراض سے شفا پانے میں روحی تصرفات سے مدد چاہنا۔ یا کسی کام کے شروع کرنے کیلیے روحی تصرفات کے ذریعہ استعانت چاہنا یا ساعت نیک و بد دریافت کرنا اگر اسلامی اعتقادات کے پیرائے میں ہے۔ تو یہ سب باتیں اسلامی اصول کے لحاظ سے باعث سخت گمراہی ہیں۔ اور بعض اوقات دایرہ اسلام سے خارج کرنے والی ہیں۔ انسان نہایت کمزور پیدا ہوا ہے۔ جب تک اسکے سامنے کوئی نمونہ پیش نہ ہو وہ سمجھانے سے سمجھ نہیں سکتا۔ آنحضرتؐ اور ان کے اصحاب کے عملی نمونے ہمارے سامنے نہیں ہیں کہ ہم عوام کو دکھا سکیں کہ دیکھو ان پر عمل کرنے والے کیسی راحت سے بسر کرتے ہیں۔ اگر سابق بزرگان دین اس وقت ہمارے سامنے ہوتے تو ہم اونہیں دیکھکر گمراہی اور وہم سے نفرت کرتے۔ لیکن ہمارے سمجھنے کیلیے ایک مثال دنیاوی مذہب والوں کی

موجود ہے۔ مسلام بہت آزاد ہے۔ اور تعصب سے بالکل بری ہے۔ آنحضرتؐ کا مقولہ ہے۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصین۔ علم چین میں بھی ہو تو اسے حاصل کرو۔ علم کے معنی فلسفہ یعنی حکمت ہے۔ اگر ہم اس حدیث کے مطابق یہ جانیں کہ مہذب قومیں جو معراج ترقی پر ہیں ان کی زندگی کے طرز عمل میں تصرفات روحی کو کچھ دخل نہیں ہے اور پھر وہ دنیا داری کا سب بڑی ہیں تمام ایشیائی قوموں اور باشندگان افریقہ پر فوقیت رکھتے ہیں تو کیا یہ نمونہ ہمارے لیے قابل تقلید نہیں ہے؟ ہم کو چاہیے کہ اپنی

دنیاوی کاموں میں تصرفات روحی کا ذرا دخل دینا کسی پیرایہ میں بھی پسند نہ کریں۔ بھائیو! نظریں کھولو اور مہذب قوموں کے دستور کو اپنی اصلاحی کسوٹی پر پرکھو اور جو تمہاری شرع کے مطابق ہو اس پر ضرور عمل کرو۔ کس قدر قابل افسوس بات ہے کہ ہم لوگ نئی تعلیم اور نئی صحبتوں کی بدولت مہذب قوموں کی صرف بری باتیں اختیار کرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی برائیوں پر اور اضافہ کرتے ہیں۔

(ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی)

دلی کی گالیاں

خدا بخشے انکو جو دلی کی ٹکسال تھے۔ مگر کھپ گئے۔ یا دیس سے پردیس بکھر گیے۔

اب دیہاتی قصباتی بے تمیزوں سے یہ شہر آباد ہو رہا ہے۔ نام ہے نام دلی والوں کا۔ اور بیہودگیاں کریں یہ دیہاتی۔ اخلاق انہیں نہیں۔ مروت انہیں نہیں۔ باہر والے آتے ہیں ان سے ملتے ہیں، بات چیت کرتے ہیں۔ تو حیران رہ جاتے ہیں، کہا دلی کی وہ ٹکسالی کہاں کی یہ تین بات۔

پرانی دلی کی کھرچن جو لوگ بچ گئے ہیں۔ ان کی حالت بھی ان گنواروں کی صحبت سے تباہ ہے حضرت میر کا قصہ مشہور ہے۔ سفر کو چلے، کسی قصباتی کے ساجھے میں گاڑی کرلی۔ سوار ہوئے تو اس سے پیٹھ موڑ کر خاموش بیٹھ گئے۔ ساتھی نے رستہ میں حسب قاعدہ باتیں شروع کیں۔ یہ بگڑ کر بولے۔ میں نے دام کم خرچ ہونے کو گاڑی میں شریک کیا ہے۔ باتیں کرنے کو نہیں۔ یہ بات نہیں کہ چلے گا میری زبان خراب ہوتی ہے۔

آجکل کے دلی والے میر کی سی احتیاط کہاں سے لاتے۔ مزدور اور فلاں آدمی سے سب کچھ کا تا ہے۔ سوداگروں کی نوکریاں کیں، کارخانوں میں کام کیا۔ رفتہ رفتہ چند روز میں زبان کا ستیا ناس ہو گیا۔

ذرا خیال کرنا اندرون دلی کے بازار میں جو روزمرہ بولی جاتی ہے کس شان کی بولی جاتی ہے۔

"ابے ممو۔ یار میرا قبوتر اڑ گیا۔ بڑا حریا ان کی رشتہ بڑا ہی کاوا.. گالی ہے پلے ...گالی۔ پر سکڑا پالتا ہے میں نے اڑا کر رو جڑ گیا تھا۔ پچکار دست دست پکڑ لیا۔ دام خرچ ہو سکے یا د ان نے یہ بیٹا مفت میں چھا غپ جھپک کے سے اڑ سے میں آئی کر گیا نہیں تو ایسی چپت کی آتا کر لقوہ ہو جاتا"

دوسرے صاحب جواب میں فرماتے ہیں:-

"چل بے چل۔ سالا قبوترے کہ کیہ چار پیسہ کا جناور ہے کے لیکر تا۔ خدا اس کی ماں کی ...گالی ...قبوترے [illegible] کیا لگ سے اپنی تقریر کو پھر سے چھوڑ۔ آجکل

قبوتر سے نامحرم ہو اکل دیکھیو گلدم بی سے بنے گی۔ اتنی گرما گرم گفتگو کے بعد دونوں یار بن گئے۔ نہیں خبر بھی نہ ہوئی کہ کس قدر مغلظات انکی زبان سے نکل گئیں۔ اور کتنے لفظ انہوں نے غلط بولے۔

گفتگو کا سلسلہ گلدم پر آگیا۔ اور بہت محبت سے بحث ہونے لگی۔

"یہ یار یہ خوب یاد دلایا۔ کہو کل گلدم کی پالی کیسی رہی۔ کر خندار (کارخانہ دار) تو کٹنے تھے چھپیں خوب کیں۔ وہ ہماری جورو اماں صاحب گلدم کے شوق کی صیدی ہیں۔ روز جھتی پیر کر کرتی ہیں۔ ہم نے کہہ دیا۔ نیک بخت زنانہ روٹی کپڑا لیے جا۔ تجھے کیا ہم کیں ...گالی۔ پھر بن یہ"

یار جواب دیتے ہیں:-

"ابے کچھ نہ پوچھ۔ میری والی تو ایسی سور کی بچی ...گالی۔ ہے کہ سلفہ کا دم تک نہیں لگانے دیتی۔ چھپکے چھپے چنڈو خانہ میں جا نکلے اور اسے خبر ہوگئی تو ...گالی۔ میں مرمیں لگاتی ہے" یہ سنکر یار کو بہت ہنسی آئی۔ قہقہہ لگا کر لوٹ گئے۔ اور بولے

"ہاں ہاں ایک دن کی میری سن۔ خوچی والوں کے اکھاڑے میں ٹھٹا کی دبنگ زیادہ پی گیا تھا۔ طوطہ پر مارنے لگا۔ جاتیوں کو (جاتے وقت) ٹھاٹھر رجو۔ آتی کالیا سامنے تھے۔ آتیوں کو (آتے وقت) یار اکیلے تھے۔ بڑے تنگ رہے۔ گھر میں گھسا تو جورو حرام کھانی نے ٹانگ لی۔ کہاں مرگیا تھا گھر میں نہ تیل ہے نہ ایندھن ہے باہر میاں ہفت ہزاری۔ گھر میں جورو فاقوں کی ماری"

سنتے ہی تاؤ آگیا۔ ایک کہی نہ دو۔ لیکر جتی۔ خبری کے اتنی لگائیں کہ چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ وہ تو ہمسائی آگئی۔ نہیں تو بھرکس نکال دیتا جب بھی نکلے سے بل نکلے

الغرض آجکل دلی میں جھگڑے کی بات ہو یا معمولی ہر دو لفظوں کے بعد ایک گالی ضرور بولی جاتی ہے۔ قسم قرآن کی۔ ایمان سے کہتا ہوں۔ تو لکھنو کی واللہ سے بڑھ کر ہے ان لوگوں کو بولتے وقت بالکل خیال نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا نکل رہا ہے۔

گلیوں میں دیکھو مسلمان بچے گیڑیاں۔ گلی ڈنڈا۔ کچھی پالا۔ کوڑیاں کھیلتے ہوں گے اور بے تحاشا گالیاں بک رہے ہوں گے۔ بنیاد یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ بچہ کو بولنا آتا ہے تو پیار سے پہلے اسکو گالیاں سکھاتے ہیں۔ اور جب وہ ماں باپ کو چھوٹی باتیں سنا کر تو خوب خوش ہوتے ہیں۔ ماں چیل! آپ کو ا... سنکر باچھیں کھل جاتی ہیں۔ الف بے تے نقارا۔ میاں جی کو پہنچے کے کھیت میں کچھ اڑا اماں جان خود تعلیم کرتی ہیں۔ یہ بیج پھوٹ آتا ہے تو گلیوں کی بری صحبت اسمیں پانی دیتی ہے۔ ذرا اور ہوشیار ہوئے تو دکھتی۔ نند دوزی۔ زرکوبی۔ چھپی کے کارخانوں میں گئے۔ وہاں سارے جہان کے شہر کے لفنگے جمع ہوتے ہیں۔ ہر وقت گالم گلوچ رہتی ہے۔ کارخانے سے باہر نکلے تو پھاٹک کے اکھاڑے ہیں۔ وہاں بھی یہی آسمان و زمین ہیں۔ پھر غریبوں کی اصلاح کیونکر ہو۔

ان پر اعتراض فضول ہے۔ ان میں اصلاح کا مادہ ہے۔ مگر اصلاح کرے کون۔ جن کا یہ منصب ہے انکو ادھر توجہ نہیں۔ جنکو خیال ہے ان کا اثر نہیں۔

یہ کام دلی کے واعظوں کا ہے۔ جنکے وعظ جمعہ کے جمعہ عوام سنتے ہیں۔ اور ان کی عورتیں بھی سنتی ہیں۔ واعظین کو چاہیے جب عورتوں مردوں کو وعظ کیا کریں تو بتائیں۔ خاصکر عورتوں کو نصیحت کریں کہ وہ بچوں کو گالیاں نہ سکھایا کریں بچے جو بکتے ہوں سکے میاں جی کا فرض ہے کہ وہ ہر روز بچوں کو گالیاں بکنے کی برائیاں سنایا کریں۔ اور جو بچہ گالی بکے۔ اسکو پوری سزا دیں۔

ایسا ہی کارخانہ داروں کو سمجھایا جائے کہ وہ کارخانوں میں فحش کلامی سے کاریگروں کو روکیں۔ جتنا اثر انکے کہنے کا ہوگا کسی کا نہیں ہو سکتا۔

ہر مسلمان کا مسلمان پر حق ہے۔ میں نے یہ مضمون لکھ کر اپنا حق ادا کیا۔ اب دیکھوں اس پر عمل کون کون کرتا ہے۔ دلی پر کیا مخصوص ہے۔ ہر شہر میں یہی حال ہے۔ واعظین کو چاہیے کہ ایک ایک محلہ کام کے لیے منتخب کر لیں۔ اور ایک گھنٹہ روزانہ بچوں کو زبان کی صحت کرادیا کریں۔ اسوۂ حسنہ کے نامہ نگاروں میں جو صاحب اچھا اور سب سے پہلے بہتر مضمون لکھیں۔ انکو میں ایک اچھا سا خطاب دوں گا۔

(حسن نظامی)

اصلاحی غزل

غیرت قومی کا اب ہم میں نشاں کچھ بھی نہیں — گم ہوئے علم و ہنر وہ خوبیاں کچھ بھی نہیں
کچھ خبر ہم کو نہیں ہم کیا تھے اور کیا ہوگئے — نام پر ہے ناز نقشا نازداں کچھ بھی نہیں
دیکھو غیر اقوام کرتی ہیں فدا جاں قوم پر — ہم کو اپنی قوم سے ہمدردیاں کچھ بھی نہیں
قومی عزت کے تفکر میں گھلا کرتے ہیں جو — وہ فدائی قوم ہم میں اب کہاں کچھ بھی نہیں
جیسے ہیں نخیاں باہمت و مردانگی — ہم میں غیر اقوام کی سرگرمیاں کچھ بھی نہیں
باعث توقیر و عزت ہیں جو وہ ایسے کہاں — قوم پر یاں صرف میں فیاضیاں کچھ بھی نہیں
ہوگیا قحط الرجال اب عقل و دیں کا کیا پتہ — دولت و عزت کا کیا ذکر یاں کچھ بھی نہیں
ہم مخالف ہیں کرے جو قوم سے نیکی کا قصد — گر کریں تائید تو دشواریاں کچھ بھی نہیں
ناتواں کمزور ہیں ہم اپنے ہی اعمال سے — متفق ہوں گر تو پھر کمزوریاں کچھ بھی نہیں
ہم میں مدہوشی ہے اور فرزانگی ہے منہزم — کامیاب ہو کر ہیں ناکامیاں کچھ بھی نہیں
ہم سلف کے کارناموں سے نہیں لیتے سبق — انکے کہتے ہیں یہ ہے اک داستاں کچھ بھی نہیں
صدر کی جب بات ہم سنتے نہیں تو کیا علاج — ہو چکی ہم ختم جب ... درمیاں کچھ بھی نہیں

(میر صدر الدین حسین) بڑودہ۔

رباعیات اوج

آنکھوں سے وہ جشن خسروانہ دیکھا — اقبال و ادبار کا زمانہ دیکھا
شادی کو قرار ہے نہ غم ہی کو قیام — سب نقش بر آب کارخانہ دیکھا

ناداں بنا تو اپنی حالت اچھی — اچھوں کی ہوا کرتی ہے صحبت اچھی
کڑوی ہوتی ہیں ان کی باتیں لیکن — ہوتی ہے بزرگوں کی نصیحت اچھی

اک مرغ کو دیکھا جو اسیر صیاد — ہنس کر یہ کہا کہ بھائی کیوں ہے ناشاد
اس دام میں ہے حصول آب و دانہ — بیکار ہے اب نالہ و شیون فریاد

احباب میں رسم دوستداری نہ رہی — لطف و اخلاق و غمخواری نہ رہی
اب خلق و مروت کا نہیں نام کا اوج — اس الفت و خاکساری نہ رہی

(حافظ محمد یعقوب اوج گیاوی)

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں

علم و ادب

خلوت درجلوت

مطمئن ہو سکے گی مجھے پر تو یہ انتہائی مشکل ہے لیکن جب میں آمادہ بیٹھ ہی رہتی ہے کہ جب ایسا اتفاق ہو تو صرف اپنی ہی معیت میں سفر کروں۔ ایک گوشے اور توا سباب ساتھ ساتھ ہی اٹھا سکتا ہوں لیکن وہ واز رستے باہر قدم نکالنے کے بعد "فطرت" اور اُس کے دلنشین مناظر میرے لیے کافی ندیم ہیں۔ وسیع فضا سامنے، کھلا ہوا صحیفۂ قدرت پیشِ نظر ہو۔

اور کیا چاہیے؟

مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وقت واحد میں چلوں بھی اور باتیں بھی کروں۔ میں جب باہر کسی گاؤں میں جاتا ہوں تو میری خواہش یہ ہوتی ہے کہ میں گاؤں والوں کی طرح رہوں بھی یہ کہ لوگ خیال کریں کہ میں وہاں کی جھاڑیوں، وہاں کے اوضاع و مذاق پر تنقید بھی کروں۔ کیونکہ میں شہر سے باہر جاتا ہوں صرف اسلیے کہ اُس شہر کو اور جو کچھ اُس شہر میں ہے بھلا دوں۔ ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو ایک آباد و متمدن مقام سے بیزار ہو کر کوئی غیر آباد پر فضا جگہ تلاش کر لیتے ہیں لیکن مجھے ہنسی آتی ہے۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہاں بھی وہ اک آبادی اور اک شہر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ میں تو ایک خلوت، ایک مکمل خلوت چاہتا ہوں۔ تاکہ میں اپنے تئیں صرف اُسی خلوت کی غرض سے اُس کی آغوش میں سپرد کر دوں، یہاں تک کہ مجھے کسی ایسے دوست کی بھی ضرورت نہیں، جس سے میں یہ کہوں کہ دیکھو خلوت کیسی شیریں چیز ہے!

آزادی، آزادی ذہن کے ساتھ سوچنے اور محسوس کرنے کا نام روحِ سفر ہے ہم سفر کرتے ہیں صرف اسلیے کہ ناگوار واقعات و غیر مطبوع اسباب کلفت سے آزاد ہو جائیں۔ اس طرح نہیں کہ وہ ہم سے دور ہو جائیں بلکہ ہم کہیں اپنے کو چھوڑ کر نکل جائیں۔ پھر کسی کی معیت کا سوال کیسا؟

ایک مختصر سا مقصد ساتھ لے کر چل دیجئے لیکن تنہا ہمارا تخیل اپنے پژمردہ پر و بال آسانی و آزادی کے ساتھ پھیلا سکے۔ معاف کیجئے مجھے اپنے ہمراہ کسی ایسے دوست کی بھی ضرورت نہیں جس سے میں اپنے مقالاتِ تخیل کی داد لوں۔

مجھے تو ایک صاف شفاف نیلگوں آسمان دیدو، ایک سبز مرغزار میں پر پیچ و خم راستہ اور تین گھنٹے کی مہلت سفر میں میرے تخیل کو آزاد چھوڑ دو۔ میں ہنستا ہوں دوڑتا ہوں، گانے لگتا ہوں۔

وہ، وہ دُور افق میں دوڑنے والے ذی حیات بادلوں کے ٹکڑے، آہ میں اُس منظر سے اپنے حیات اضیہ میں غرق ہو جاتا ہوں۔ کون جانتا ہے کہ اس طرح کا غیر منقطع مسلسل سکون قلب میرے لیے تو ایک مکمل بلاغت ہے!!

مجھے زیادہ تشبیہات، استعارات و کنایات کا دلدادہ اسکون ہو گا لیکن بسا اوقات میں اُن سے بے نیاز رہنا چاہتا ہوں کیونکہ اُس وقت میں ایسا مشغلہ اپنے پیش نظر پاتا ہوں جو ہر چند آپ کے لیے مجہول و بیکار ہو۔ لیکن میرے لیے تو وہ سرمایۂ ضمیر ہے۔ کیا یہ جنگلی گلاب بغیر کسی تفسیر و تنقید کے شیریں و جاذبِ نظر نہیں ہے؟ کیا یہ گل بہار بغیر کسی حسنِ بیان کی وساطت کے اپنے زمردیں ملبوس میں میرے قلب کے اندر پیوست نہیں ہو جاتا؟ لیکن اگر میں آپ سے وہ اسباب بیان کروں جنہوں نے انکو اس درجہ عزیز و محبوب میرے لیے بنا دیا ہے۔ تو شاید آپ ہنس پڑینگے اسلیے کیا یہ مناسب نہیں کہ میں اس راز کو اپنے ہی تک محدود رکھوں۔ اور اُس افق بعید تک جو کار گاہِ خیال پھیلا ہوا ہے۔ اُسے برباد نہ ہونے دوں؟ ایک مغربی فاضل کا قول ہے کہ ہمیں اپنے ہم مذاق کا ایک ندیم چاہیئے۔ خواہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہو کہ دیکھو آفتاب جس قدر ڈھلتا ہے۔ سایہ اُتنا ہی طویل ہوتا جاتا ہے" یہ نہایت معقول بات ہے لیکن میری رائے میں اُس حس کے لیے جو بالکل بے اختیار ہو کر اک اضطراری بیساختہ پن کے ساتھ مظاہر دل آفریں سے متاثر ہونا پسند کرتی ہے

یہ بھی ناگوار ہے۔

دوران سفر میں کوئی دوست اپنے ساتھ ہو اور ہم اپنے تخیلات و تاثرات کا اظہار اُس سے کرتے جائیں۔ اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ ہم تنہا رہیں اور اپنے جذبات کا مرقع دماغ میں محفوظ رکھیں۔ اور پھر جب کبھی فرصت ہو تو اُس کے نشہ میں مصروف ہو جائیں تخیل رسیدہ ہی اچھا۔ اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب آپ تنہا ہوں۔ آپ ایک سڑک پر چلتے ہوئے جنگلی پھولوں کی خوشبو محسوس کرتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ آپ کے ہمسفر دوست کی قوتِ شامہ اُس سے بے خبر ہو، آپ ایک دُور کی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جو آپ کے تخیل کو متاثر کر رہی ہے لیکن شاید وہ دوست اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ ہوا میں ایک کیف ہے۔ بادلوں کے رنگ میں اک نغمہ ہے۔ آپ بیتاب ہوئے جاتے ہیں۔ آپ کا ہمرکاب اُن سے بے خبر ہے آپ ذکر کرتے ہیں، وہ مانتا نہیں، یہ بدمزگی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور جب میں تنہا ہوں تو پھر مجھے کسی بحث طلبی کی ضرورت نہیں، جو کچھ محسوس کرتا ہوں، محسوس کرتا چلا جاتا ہوں۔ اور اپنے حسیات کی صداقت کو تسلیم کرتا جاتا ہوں۔ سودا کہ تو اُسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب میرے حسیات کی زبان ہو، کوئی صورت نہیں کہ تاثرات کا حقیقی اظہار الفاظ سے ہو سکے، ورنہ میں کوشش کرتا کہ اُن تخیلات کو جو شفقی بادلوں کے زرین کناروں میں خوابیدہ نظر آتے ہیں جگا دوں اور سب کو دکھا دوں لیکن میرا تخیل تو اس درجہ ناتوان ہے کہ وہ مناظرِ قدرت سے متاثر ہو کر شام کے پھول کی طرح کمہلا کر رہ جاتا ہے۔ میں تو جو کچھ سمجھتا ہوں وہیں مجمل سمجھ لیتا ہوں۔ کیونکہ اس کے بعد تو پھر مجھے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اپنے حواس یکجا رکھنے کی کوشش کروں۔ پھر اس آوارگی کا ساتھ دینے والا تو ایک ایسا وجود ہونا چاہیے جو میری طرح خانہ بدوشوں کی صحرائی زندگی کو دیکھ کر اُن میں مل جانے کی تمنا اپنے اندر رکھتا ہو۔۔۔ ورنہ طبیعتوں میں تباینِ خفیف بھی روحانی اذیت ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ سوائے پیش نظر اشیاء و واقعات کے کسی دوسری چیز کی طرف راغب نہ ہوں اور وہ کمبخت دیرینہ کا قصہ لیکر بیٹھ جاتا ہے، کچھ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو میری معاش و معاد سے متعلق ہیں، غرضکہ وہ سخت ناگوار طریقہ سے میرے اور اُس تخیلی مُصوّر (فطرت) کے درمیان مداخلت کر کے ساری لذتوں کو غارت کر دیتا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بار ہم نے ایک مسافر خانہ کے کمرہ میں ایک تصویر دیکھی۔ شام کا وقت اور صرف ایک دوشیزہ میرے اور شفق کے درمیان کھڑی ہوئی۔ کیا بتاؤں کہ اس منظر میں کیسی دلفریب غیر یکسانیت تھی۔ تنہا تھا، اپنے وقت تخیل کا تنہا مالک۔ پھر کتنے ایسے ہیں جو اس تصویر میں اک دفتر جذبات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں باغ ہو، شب ماہ ہو، مجمع احباب ہو۔ اس آخری شرط نے سارا لطف خراب کر دیا۔ باغ ہو یا نہ ہو۔ جنگل ہی ہو، شب ماہ ہو یا نہ ہو۔ تاریکی ہی ہو لیکن ہو اک سکون، اک خلوت تامہ۔ اپنی آوارگیوں پر کوئی ہنسنے والا نہ ہو اور نہ منظر کو کوئی جھوٹا کرنے والا ہو۔ اچھوتی فضا ہو۔ اور صرف ایک دھڑکنے والا دل۔ غیر آلودہ نقوشِ قدرت ہوں، اور صرف ایک حریص آنکھ۔ تخیل فطرتاً دوشیزگی پسند ہے۔ اور مناظر کی دوشیزگی یہی ہے کہ اپنے روبرو اور کوئی اُن سے لطف اُٹھانے والا نہ ہو۔

بچوں کے سامنے تصویریں رکھ دیجئے۔ ہر بچہ کوشش کرے گا کہ پہلے میں دیکھ لوں پھر دوسرے کو دوں۔ اور اگر کوئی بچہ دوسری تصویر اٹھا لیتا ہے تو پہلا ہاتھ سے چھین لیتا ہے کہ سب تصویریں ایک ساتھ دیکھے حالانکہ اُس کا مطلب یہی ہے کہ پہلے میں تنہا اس کا لطف اُٹھا لوں۔ پھر کسی دوسرے کو دوں۔ نمائش الہ آباد میں جب جانے کا اتفاق ہوا۔ اور دروازہ کے اندر داخل ہوا تو لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا کوئی کسی چیز کو دیکھ رہا ہے، کوئی کسی طرف مخاطب ہے۔ بس فوراً یہ جی چاہا کہ کسی طرح تمام چیزوں کو وقت واحد میں سب سے پہلے دیکھ لوں۔ مجھ سے آگے بڑھ کے جو کوئی شخص چلا جاتا تھا۔ تو ناگوار ہوتا تھا۔ یہ آخر کیوں؟ اسلئے کہ طبیعت ہر دلکش چیز پر بلا کسی شرکت کے تنہا مستولی ہونا چاہتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں سفر میں تنہائی پسند کرتا ہوں۔ کہ جو کچھ نظر آیا تنہا جس چیز سے متاثر ہو سکا کیلئے، ممکن ہے کہ صنفِ نازک کے کسی فرد کی معیت شاق نہ ہو لیکن اُسکی وجہ یہیں ہے کہ ہمارے خیال آباد تنہائی پہ اُسکا اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ جب خلوت کاملہ جاتی رہی تو اسکے لذات بھی ضائع ہو گئے۔ مگر ہم ان کے ضائع ہونے کو محسوس نہیں کرتے جبکہ ہمارے پاس، ہماری نگاہوں کے روبرو ایک دلکش ہدف تخیل، اک خوبصورت آماجگاہِ نظر، اک پاکیزہ ما فوق جذبات موجود ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ تنہائی کے جذبات میں اور ان جذبات میں جو صنفِ لطیف کی معیت سے پیدا ہوتے ہیں بہت فرق ہے ان میں وجدان ہے اور ان میں ہیجان، ان سے صرف روح متاثر ہوتی ہے اور ان سے روح کم قلب زیادہ، اُن کی نہایت حیرت و استغراق ہے۔ ان کی مُسکر محویت، وہ کیف سے معمور ہیں اور بے خبر، یہ ذوق سے مسحور ہیں اور غافل، وہ صرف تخیل کے ممنون۔ یہ حسن و نظر کے، ان کا سرچشمہ سادگی و متانت میں پنہاں ہے۔ ان کا شوخی و بے حجابی میں، وہ لطیف ہیں مگر بلیغ، ان میں جسارت و آمد ہے۔ مگر فصاحت کیساتھ، اُن میں ہماری روح کھو جاتی ہے۔ اور ان میں غرق اُن سے ہماری حسیات تازہ دم ہو کر نکلتی ہیں، ناتوان و سرد، ان سے ہماری حسیات تھکی ہوئی نکلتی ہیں مگر قوی و گرم، اُن سے متاثر ہو کر نشر کھلنے کو جی چاہتا ہے۔ اور ان سے نظم کی لیکن حقیر اور نفیس لیکن

فرق صرف یہ ہے کہ وہ ہر وقت ہیں۔ اور عسیر الحصول اور گاہ گاہ ہیں اور عسیر الحصول سے خوب مشقت ہوشیاری سے حاصل ہوتے ہیں اور یہ جستجو سے۔ پھر اگر کسی شخص کو دماغ تلاش میسر نہیں ہے تو اسکو خلوت پسندی پر معذور سمجھئے۔ اور یونہی مثال ہے وہ جسکے میں اگر ایک گوشہ میں بیٹھکر ساری کائنات کی لذتیں لوٹ رہا ہوں۔ تو بھی کسی کا حق غصب نہیں کرتا۔ پھر سرشار جمال ہیں۔ تو کم از کم میری جانب سے تو اطمینان رکھئے۔ کیونکہ خدا نے صرف ایک ہی دل دیا ہے۔ اور وہ بھی اس قدر چھوٹا کہ اگر ساری دنیا یوسف نار ہو کر چھوٹے سے چھوٹے ذرہ میں تبدیل ہو جائے۔ تو بھی وہ ذرہ اسکے اندر نہیں سما سکتا۔ وہ زمانہ بھی کبھی تھا جب کہ چشم وا کردن زمین تا آسمان آغوش داشت "

لیکن اب تو صرف ایک دھندلی سی تصویر گوشہ قلب میں باقی ہے۔ اور وہ بھی قصداً اس غرض سے لگا رکھی ہے کہ اگر مجالس حسن و شباب میں کبھی جانے کا اتفاق ہو تو نکال نہ دیا جاؤں۔

کوئی دوست آکر اپنا کسی کی نگاہ سے زخمی ہونا بیان کرتا ہے تو میں اک آہ سرد کے ساتھ اسکی ہمدردی کرتا ہوں۔ وہ پوچھتا ہے۔ کیا کروں؟ میں کہتا ہوں۔ خاموش رہو۔ کوئی گواہ نہیں۔ تماشا نہیں۔ اُسکے پاس فریاد لیکر جاؤگے اور دو چار چوٹیں کھاؤگے یہ سنکر وہ برہم ہو جاتا ہے لیکن کم بخت یہ نہیں سمجھتا کہ آخر کہوں کیا۔ اُسے کس طرح سمجھاؤں کہ زخم نگاہ کھانے کے بعد اسکا بیان ساری لذت ضایع کر دیتا ہے اُسکی مراد یہی ہے کہ تنہائی اختیار کرو اور لطف اٹھاؤ۔ اگر کسی اچھی آنکھ نے تمہیں گھایل کیا ہے تو اسکا شکر ادا کرو کہ تمہاری حیات رنگین ہو گئی۔ خلوت تلاش کرو، گردوپیش اگر کوئی آ جائے تو سوتے بن جاؤ۔ تخیل کو وسیع کرو اور سارے عالم کو یوسف زار بنا لو۔ یہ شکوہ و شکایت کیا۔ غرضکہ اس بد مذاقی نے مجھے حسن کی جانب سے بالکل سرد مہر کر دیا ہے۔ مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جمال، محض جمال اس قدر عامیانہ طریقہ سے سراہا جائے۔ کیا کروں مجبوراً یہی فیصلہ کر لیا کہ اسکا ذکر ہی فضول ہے۔ اب تو ہم ہیں اور خلوت کی نعمت خواہ سفر ہو یا حضر +

(نیاز فتحپوری)

قوانین حفظِ صحت

حفظ صحت کا علم جو سائنس کی ایک نہایت ضروری اور مفید شاخ ہے۔ اس کا جاننا ہر ایک آدمی کے لیے ازبس ضروری ہے۔ قوانین حفظ صحت کا علم نہ صرف حیات انفرادی کے قیام میں مفید ہوتا ہے بلکہ حیات شخصی کی مانند حیات اجتماعی کی بقا بھی ایک بڑی حد تک ان قوانین سے مشروط ہے۔ حفظ صحت کے قوانین کا علم ایک حد تک ہر ایک آدمی کو ہوتا ہے۔ اور اسلیے بعض آدمی یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسے قوانین کے لیے محنت کے ساتھ مطالعہ کرنے یا ان کے متعلق تحقیقات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال دراصل ان قوانین کی اہمیت کو کم کرنا چاہتا ہے لیکن یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ قدرت اپنے قوانین کی خلاف ورزی ہرگز گوارا نہیں کرتی۔ قانون تعزیرات ہند کی خلاف ورزی کرنے کے بعد دھوکا فریب یا پولیس کی غلطی سے کوئی مجرم سزا سے بچ جائے تو بچ جائے۔ لیکن قدرت کے قوانین اٹل ہیں قدرت کبھی سزا دینے سے نہیں ٹلتی۔ ہر ایک انحراف کی سزا یقینی طور پر مل جاتی ہے فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ارتکاب جرم یعنی خلاف ورزی قانون قدرت اور سزا میں اتنا لمبا وقفہ حائل نظر آتا ہے کہ دونوں آپس میں بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ بلطائف الحیل ہر طرح قدرت کے قوانین کی ہر ایک خلاف ورزی اپنا اثر ضرور کرتی ہے۔ اور عام طور پر قدرت کی تادیب ایسے صریح اور کھلے پیرایہ میں ہوتی ہے۔ کہ اسمیں غلط فہمی کا امکان ہی نہیں ہوتا۔

حفظ صحت کے موٹے موٹے اصول ہر کوئی جانتا ہے لیکن ہم قند مکرر کے طور پر چند ضروری نکات ناظرین کی تفنن طبع کے لیے بیان کرتے ہیں۔ عام الناس کے نزدیک سب سے پہلی ضرورت خورد و نوش ہے اور سب جانتے ہیں کہ قوت صرف کرنے سے بدن میں جو کمی پیدا ہوتی ہے۔ اسکا بدل خوراک سے ہوتا ہے۔ اور خوراک کی علت غائی بدل ما یتحلل ہے لیکن عارضی لذات کے لیے ہم سب حاجت سے زیادہ اور بعض اوقات غیر ضروری ماکولات کھانے سے دریغ نہیں کرتے۔ خوراک کا سارا فلسفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان دو عربی ابیات میں بند ہے ؎

تَجَنَّبْ فَالشِّفَاءُ فِي الْإِنْهِضَامِ ... شُرْبٌ إِنْ أَكَلْتَ وَبَعْدَ أَكْلٍ

(جب کھاؤ تھوڑا کھاؤ۔ اور کھانے کے بعد پرہیز سے کام لو حقیقی صحت کا راز کھانا ہضم ہونے میں مضمر ہے) ؎

يَشْفَاءُ الْمَرْءِ عَنْ أَكْلِ الطَّعَامِ ... فَعَارٌ ثُمَّ عَارٌ ثُمَّ عَارٌ

(زیادہ کھانے سے انسان کا بیمار پڑنا پہلے درجہ کی شرمناک بات ہے)

یورپ میں ایک فرقہ گذرا ہے جسے اُسکے بانی کے نام سے ایپی کیورین کہتے ہیں۔ اپنے بانی کے ایک صحیح اصول کی غلط فہمی سے یہ بلا نوش پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔ اور چونکہ کھانے کی لذت دائمی نہیں ہے۔ اسلیے کھا چکنے کے بعد

کی حسرت ملنے کی بجائے وہ دوبارہ اس لذت کے حصول کی جستجو کرتے ہیں اور زبردستی کرتے ہیں اور اس طرح معدہ خالی ہونے کے بعد کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ ولی جدا الفیاس ان کی شان میں کسی نے کہا ہے کہ "یہ جینے کے لیے کھاتے ہیں اور کھانے کی خاطر جیتے ہیں"۔ بس جس طرح سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

کھانے کو قوت لا یموت سے تعبیر کرنا چاہیے۔ اور کھانے کی غرض بقائے حیات سمجھنی چاہیے۔ نہ کہ اس کے برعکس زندگی کا تمام کھانے پینے کے لیے منصوب کیا جاوے۔ اب پیغمبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک کا ایک واقعہ کیسا سبق آموز ہے۔ واقعہ کا لب لباب یہ ہے کہ ایک حکیم حاذق رسالت مآب کی خدمت میں آپ کے اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے علاج معالجہ کے لیے کامل ایک برس رہا لیکن اس عرصہ میں ایک صحابی بھی بیمار نہ پڑا۔ ایک سال بیکار رہ کر حکیم نے آنحضرت سے دست بستہ عرض کی کہ اس کا مزید قیام فضول ہے۔ کیونکہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اس کی مطلق ضرورت نہیں پڑی۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کھانے کے لیے صرف اس وقت ہاتھ بڑھاتے ہیں جب بھوک ان پر غالب آتی ہے اور ابھی اشتہا باقی ہوتی ہے کہ خوان سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے حدیث پاک کے اسی مضمون کو ایک فارسی شعر میں ادا کیا ہے ؎

نہ چندان بخور کز دہانت برآید

نہ چندان کہ از ضعف جانت برآید

غذا کے متعلق اعتدال کے فوائد پر زیادہ زور دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہر ایک صاحب عقل اس نکتہ کو بخوبی سمجھتا ہے کہ زیادتی غذا فائدہ کی بجائے نقصان پہنچاتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ امور کہ غذا مقوی اور صحیح ہونی چاہیے۔ دن میں دو دفعہ کھانا کھانے کی بجائے کم از کم تین چار مرتبہ تھوڑی تھوڑی کر کے کھانی چاہیے اور یہ کہ پرہیز علاج سے بہتر ہوتا ہے۔ عام فہم باتیں ہیں۔ اور کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔

ہم نے اوپر ذکر کیا کہ عوام الناس کے نزدیک خوراک سب سے ضروری چیز مد حیات ہے لیکن حکما کے نزدیک پاک اور صاف ہوا خوراک سے کہیں زیادہ ضروری چیز ہے۔ خوراک کے متعلق تو خود ایک معمولی عقل کے آدمی کو اتنی خبر ہوتی ہے کہ بالکل فاقہ یا بہت زیادہ کھا جانے سے معدہ خراب ہوتا ہے لیکن ہوا کے متعلق تھوڑی سی بصیرت کی ضرورت ہے۔ بہت سے آدمی گندی ہوا کھانے اور صاف ہوا نہ ملنے کے باعث زرد رو اور کمزور رہتے ہیں۔ لیکن ان کو خیال بھی اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ سستی اور پریشانی ہمارے خود کردہ گناہ ہوا کی گندگی کا حرف تازیانہ تادیب ہے۔

دیہات کے لوگ شہروں سے نسبتاً زیادہ تندرست ہوتے ہیں۔ [illegible] طبعی کے تازہ ہوا میں ہر وقت سانس لینا ان کی صحت کے اچھا ہونے کا ایک سبب ہے۔ ہوا کے گندہ ہونے کے بہت سے اسباب ہیں۔ مختصر حیوانات کا سانس لینا چیزوں کا جلنا سڑنا ہوا کی باقاعدہ آمد و رفت کا نہ ہو سکنا۔ کثافت کے اصلی سبب ہیں شہروں میں یہ تمام اسباب بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔ اسی لیے شہروں کی ہوا مضافات اور دیہات سے زیادہ گندی ہوتی ہے۔ ہوا کی کثافت کو ایک گیس کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کی موجودگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ گیس تنفس اور چیزوں کے جلنے سڑنے وغیرہ سے بمقدار کثیر پیدا ہوتی ہے۔ خالص ہوا میں بھی اس گیس کی ایک قلیل مقدار ہمیشہ موجود رہتی ہے لیکن جب یہ اپنی اصلی مقدار سے بڑھ جاتی ہے تو ہوا سانس لینے کے قابل نہیں رہتی۔ دوران خون جسم میں سست پڑ جاتا ہے اور خون کی صفائی کا عمل ایک حد تک مسدود ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ گیس کیا ہے؟ انسانی جسم کی نشوونما کرنے کے لیے ایک بطئی الاثر زہر ہے۔ جو کہ خاموشی کے ساتھ لیکن لگاتار طور پر قوائے انسانی کو مضمحل اور مردہ بناتا رہتا ہے۔

تمدن کے ساتھ آدمیوں کا ایک جگہ شہر بسا کر رہنا لازمی ہے۔ لہٰذا شہری زندگی سے گریز نہیں ہو سکتا۔ سوال صرف یہ ہے کہ شہروں میں رہ کر کس طرح ممکن ہے کہ انسان اس موذی کثافت کے زہریلے اثر سے بچا رہے۔ شہروں کی ہوا کو صاف کرنے کے لیے سب سے زیادہ کارگر تجویز گھروں میں درختوں اور پودوں کی روئیدگی ہے۔ (باقی آئندہ) منقول از رسالہ شفا سیالکوٹ

فیروزالدین مراد

معاملہ کی بات

جن حضرات کا سال خریداری اس پرچہ پہنچنے پر ختم ہو جائے گا۔ وہ آئندہ سال کے لیے خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں تو براہ کرم [illegible] فرمائیں آخیر [illegible] تک سال آئندہ کی قیمت موصول نہ ہوئی اور کوئی انکاری اطلاع بھی دفتر میں نہ پہنچی تو [illegible] قیمت [illegible] خریداروں [illegible] کے خریداروں سے وصول کی جائے گی۔ اگر آپ کسی مجبوری سے آئندہ سال کے لیے رسالہ نہیں خرید سکتے تو [illegible] آئندہ [illegible] کا کارڈ لکھ دیں [illegible] نقصان نہیں [illegible] وی پی کے واپس آنے سے ہم کو تکلیف اور [illegible] ہوگی [illegible] تعلق کا خیال کریں گے۔ اور وی پی واپس کر کے خواہ مخواہ ہم کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ (منیجر)

وَمَن یُّؤتَ الحِکمَةَ فَقَد اُوتِیَ خَیرًا کَثِیرًا

جسکو حکمت دی گئی بے شک اس نے بڑی دولت پائی ۔

حکمت و موعظت

شذرات الحکم

زیرک کون ہے اور احمق کون ہے؟ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ زیرک وہ شخص ہے جو اپنا حساب کیا کرے۔ اور موت کو دیکھتا رہے۔ اور احمق وہ شخص ہے جو خواہش نفس کی پیروی کرے۔ اور مغرور رہے۔ اور سمجھے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ مجھ سے درگذر کرے گا ۔

وظیفہ کشائش رزق ایک اہل اللہ اپنے معتقدین و متبعین کو کشائش رزق کے لیے وظیفہ بتایا کرتے تھے۔ من یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب (پ ۲۸۔ س الطلاق۔ ع ۱۷) اور جو شخص خدا سے ڈرتا رہے گا خدا اسکے لیے نجات کی شکل نکال دے گا۔ اور اسکو وہاں سے رزق پہنچائے گا جدہر سے اسکو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ غور کرو یہ وظیفہ صرف سننے کے لیے نہیں بلکہ عمل کرنے کے لیے ہے۔ بلا شبہ اس وظیفہ میں یہی نکتہ ہے کہ متقی بن جاؤ۔ رزاق مطلق اپنی جناب سے رزق دے گا۔ لیکن یہ افسوس و اندوہ کا مقام نہیں ہے کہ آیات قرآنی پر عمل پیرا ہونے کی پرواہ نہیں کی جاتی بلکہ ان سے جنتر منتر کا کام لیا جاتا ہے انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ ۔

تفویض امر الی اللہ ایک اہل اللہ کے یہاں مہمان نو وارد تھے۔ ایک دفعہ ان کے ہاں ایک مہمان آیا۔ آپ کے گھر میں اس وقت کوئی چیز کھانے پینے کی موجود نہ تھی۔ عشاء کی نماز کا وقت قریب تھا۔ پاس ایک حبہ نہ تھا کہ بازار سے ہی کچھ خرید لائیں۔ اور سامان بستر بھی بالکل مہیا کریں۔ مہمان سے کہا کہ آپ ذرا لیٹ جائیں۔ میں آپکے کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ اسکے بعد انہوں نے دعا کی طرف توجہ کی اور نہایت خشوع و خضوع سے کہا کہ افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد (پ ۲۴۔ س المؤمن ع ۵) میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ اپنے بندوں کا نگران حال ہے۔ میرے مولا! یہ تیرا ہی مہمان ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے آواز دی۔ اور ایک تھا ب پلاؤ کا حاضر کیا۔ اور کہا کہ جلدی لیجئے میرے ہاتھ جل گئے۔ اہل دل اپنے مشکل پیش آنے پر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیونکہ انکو کامل یقین ہوتا ہے کہ ان ربی قریب مجیب (پ ۱۲۔ س ہود۔ ع ۶) بے شک میرا پروردگار ہر ایک کے پاس ہے۔ سب کی سنتا اور دعا قبول کرتا ہے ۔

عقاب کبر و نخوت حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کے جسم کی برابر آدمی کی صورت میں اٹھیں گے۔ اور تمام مخلوقات کی روندن میں آئیں گے۔ تاکہ سب مخلوقات میں ان کی تذلیل و تحقیر ہو۔ یہ جزاءً وفاقاً ہے کامل جزا و سزا کا وقت تو یوم القیامت ہے مگر ظلی طور پر جزا و سزا کے اظلال و آثار اس دنیا میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ قانون ردعمل یا جزاءً وفاقاً دنیا میں جاری و ساری ہے۔ یعنی جس قسم کے اعمال کسی شخص سے سرزد ہوتے ہیں۔ قدرت ان پر اسی قسم کے نتائج مترتب کرتی ہے۔ جو شخص ناجائز لذت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ قدرت اسکو جائز لذت سے محروم کر دیتی ہے۔ چور جو مال و زر کے لیے چوری کرتا ہے قدرت اسکو ہمیشہ مفلس و قلاش رکھتی ہے۔ متکبر آدمی شیوہ کبر و نخوت اختیار کرتا ہے کہ لوگ اس کا اعزاز و اکرام کریں۔ مگر قدرت اسکو لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار کر دیتی ہے اور وہ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن بھی اس کی تذلیل و تحقیر ہوگی جیسا کہ حدیث شریف مندرجہ بالا میں وارد ہے۔ اسی بارہ میں قرآن مجید فرماتا ہے ویوم یعرض الذین کفروا علی النار اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون (پ ۲۶ س الاحقاف۔ ع ۲) اور قیامت کے دن جب کافر دوزخ کے سامنے لائے

جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی دنیا کی زندگی میں اپنے حصے کے مزے اڑا چکے۔ اور ان سے خاطر خواہ فائدہ بھی اٹھا چکے ہو تو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ یہ اسکا بدلہ ہے کہ تم ناحق ناروا زمین میں اکڑا کرتے تھے۔ اور یہ اسکا بدلہ ہے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مناظرہ میں بعض کبیرہ گناہ ہونکو لکھ ہے۔ اور ایک جگہ یہ بتایا ہے کہ تعصب دل سے جو آخری گناہ نکلتا ہے وہ کبر ہے۔ فقد بروا یا اولی الابصار +

آداب احتساب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالے عنہ ایک شخص کو قتل مارنے لگے تھے۔ اس نے بیجا۔ بد کرداری آپ کو سب و شتم دیا۔ آپ نے مارنا موقوف کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے مارنا کیوں موقوف کیا؟ فرمایا کہ اب تک میں اسکو خدا کے واسطے مار رہا تھا۔ اب جو اس نے مجھے گالی دی تو مجھے غصہ آیا۔ پس اس کے بعد میرا مارنا غصہ کی وجہ سے ہوتا نہ حق تعالی کے واسطے۔ غور کرو آداب احتساب میں ... لازم و اقوم یہ ہے کہ محتسب صابر و حلیم ہو تاکہ ضبط نفس اور تلخ سہنے پر قادر ہو۔ لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں۔ جنکو خداوند تعالے نے متبعین کی ہدایت کے لیے قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے:۔

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ

(پ ۲۱ س لقمان ع ۲) (اور لوگوں کو اچھے کاموں کے کرنے کی نصیحت کیا کر۔ اور برے کاموں سے منع کیا کر۔ اور تکلیف پر صبر کر) جبیل حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ احتساب نہ کرے مگر وہ شخص جو جس کام میں امر یا نہی کرتا ہے۔ اس کا عالم ہو۔ اور اس میں حلیم ہو اور اسمیں نرمی کرنے والا ہو +

(نور الدین تاجر چرم)

مذہب کا اثر دلوں پر

مذہب نے دنیا میں جس قدر ترقی پھیلائی اور جس قدر اخلاق حسنہ مذہب نے اشاعت پیدا کیے۔ اس سے دنیا بے خبر نہیں ہے۔ اور وہ قومیں جو بد تر حالت میں پڑی تھیں مذہب کے اثر نے ان میں شجاعت اور دلیری پیدا ہوگئی۔ بزدل اب بہت بہادری کا دم بھرنے لگے۔ جو لوگ غلامی کی حالت میں تھے مذہب نے ... وحشی اور خونخوار قومیں مہذب شائستہ ہوگئیں۔ مذہب سوا اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو انسان میں یکایک ایسی تحریک پیدا کر دے ... اور انکو کامیاب ...

جہاں قانون کی دسترس نہیں وہاں مذہب ہی مدد دست ہو سکتا ہے۔ اور کہہ سکتا ہے انسان کو ایسے ہزاروں موقع ملتے ہیں۔ کہ اگر وہ انکو گناہ کرے تو قانون نہیں جان سکتا۔ اور قانون کی نظر انکو کبھی ان موقعوں پر باز نہیں رکھ سکتی۔ مگر صرف خدائے تعالی کے علیم و بصیر ہونے پر ایمان، ورنہ جزا کا یقین ہی جو منکشف اور کوشش جن امور کو صحیح و غلط بتاتا ہے۔ ان پر عمل صرف مذہب ہی کرا سکتا ہے خفیہ باتوں اور ارادوں پر صرف مذہب ہی کا قابو چل سکتا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (اور اللہ جانتا ہے جو دلوں میں ہے) صرف مذہب ہی ابنائے جنس کے ساتھ عدالت، محبت، مروت، ہمدردی سکھاتا ہے۔ خود مذہب عصمت و پاکدامنی پر قائم رکھ سکتا ہے اگر مذہب ہو تو قانون ہیچ ہے نہ کبھی قانون کی روک کافی ہو سکتی ہے۔ اگر مذہب اٹھ جائے تو انتظام دنیا کا بالکل ابتر ہو جائے۔ قانون اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جو لوگ خاص معاملہ میں مذہب کے قانون بتاتے ہیں ... کریں اور انکو اپنی دسترس میں ... واقعی درست کرے۔ مذہب تمام اخلاق کی جڑ ہے۔ اور سچی مسرت صرف مذہب ہی سے حاصل ہو سکتی ہے مذہب دنیوی مشغلوں میں۔ تحاد لوگوں میں اخوت، دوستوں میں محبت و یگانگت مصیبتوں میں استقلال اور آرام۔ صبر و شکر و غم و الم میں تسکین و مدد معاملات میں عدالت غرض نیکی میں نور اور موت میں امید پیدا کرتا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ نکالتا ہے انکو تاریکیوں سے روشنی کی طرف) جب دنیا کے کاموں میں ناامیدیوں کی انتہا نہیں رہتی اور تکلیفیں اور مشکلیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں تو خداوند عز و جل کی ذات پاک کا یقین اور اسکے احسانات کے وعدوں پر بھروسہ ہی زندگی کا وسیلہ رہتا ہے

الغرض مذہب ہادی اور رہبر حقیقی چیز ہے اور اصلاح امور معاش و معاد و اخلاق و تمدن میں اوس سے بڑھ کر ہمارا اور اس سے عمدہ معلم اور اس سے قوی حاکم اور کوئی نہیں۔ اور خداوند عز و جل پر ایمان اور اوس کی عظمت و محبت و سپاس گذاری کا اثر طبیعت کو مجلی اور منور کرتا ہے۔ خداوند تعالے انسان کے افعال و اقوال کو دیکھتا اور سنتا ہے مضطروں کی مدد اور حفاظت کرتا ہے۔ اور ان پر رحمت نازل کرتا ہے۔ اور ہم اوسکی مدد کے خواہاں ہیں۔ وہی مدد فرماتا ہے وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا (اور بس کرتا ہے خدا کام بنانے والا) +

(ماخوذ از حکمت عملی)

ترجمہ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کے لیے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ترکی۔ ایران۔ ترکستان۔ افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمہ قرآن مجید شایع نہیں ہوا لیکن اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہیں کہ ذی علم ہو اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتا۔ چین کے مسلمان بھی اس بلا سے مستثنے نہیں ہیں۔ یہ صرف آج کل کا ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسی ضرورت پر لحاظ کر کے علامہ **ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی** نے جن کی جملہ تصانیف کی فہرست اس صفحہ پر درج ہے پہلے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ ترجمہ عبارت قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شایع کر دی ہے۔ اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت بسیط لکھا ہے جس کی سرخیاں حسب ذیل ہیں:-

(۱) ترجمہ کرنے کا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا۔ (۲) ترجمہ قرآن کی ... (۳) زمانہ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت در آنحضرت محمد (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے ... (۲۱) احکام قرآن میں نسخ نہیں ہے (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) کرر بیانات۔ آن میں (۲۴) قرآن کے مضامین کا بحث۔ (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ ... (۲۶) ... دیکھنا چاہیئے۔ (۲۷) برکات اسلام (۲۸) چند احکام قرآن مجید پر مرف یورپ کے مذہب دانوں کا حملہ ہے (۲۹) برکات اسلام کے لیے الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۳۰) معجزات (۳۱) ... کی معذرت (۳۲) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۳) درخواست مسلمانوں سے ٭

اس ترجمہ میں توضیح سی کی گئی ہے اور جتنے مسائل شرعی قرآن سے ... کیا گیا ہے اور ... علماء حنفی المذہب و اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہو گئے ہیں اُن کی توضیح کی گئی ہے۔ ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ مختلف فیہ ہیں ... اختلافات کئے ہیں حاشیہ ... کا بیان ہو۔ تاکہ ترجمہ سب کے مذاہب کے لیے یکساں مفید ہو لیکن متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہو کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے ٭

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کر کے نہایت محنت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ اسے کہنا بجا ہے۔ یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اوائل ۱۸۹۲ء میں ڈھائی پارہ کا ترجمہ شایع کیا تھا اور اس سے چار برس کے بعد ۱۸۹۶ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شایع ہوا تھا پھر اس کے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا ہے ناظرین اس مکمل ترجمہ کو دیکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ یہی کہیں گے کہ دیر آمد درست آمد۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بذریعہ وی۔ پی طلب فرمائیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ تحریر ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کے ہاتھوں میں پہونچکر اشتہار کا باعث ہو ... یہ ترجمہ سلیس اور زبان میں عام فہم طریقہ پر جسکے لیے علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے

ہدیہ قیمت فی جلد مذہب تین روپیے (سے ر) (نوٹ) جہاں سیکڑوں ہزاروں روپیے اور کاموں میں خرچ ہوتے ہیں اُن کے مقابلہ میں قرآن کے سمجھنے میں خرچ ہوں تو کیا بیجا ہے

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبرشمار	نام کتاب	بیان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱	[illegible]	اردو	مذہب اسلام	۱۲۰	۱ے	۱ے	[illegible]
۲	تاریخ الاسلام	اردو	تاریخ اسلام	۹۸۰	۶ے	[illegible]	[illegible]
۳	الاسلام	اردو	[illegible]	۸۰۰	۶ے	ع	[illegible]
۴	زاہدہ	اردو	مذہب اسلام	۲۶۸	۱۲	۱۰	طبع ثانی
۵	المباحثہ	اردو	[illegible]	۱۸۰	[illegible]	[illegible]	۰

نمبرشمار	نام کتاب	بیان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۶	[illegible]	اردو	[illegible]	۲۰	۱	۱	۰
۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۰
۸	[illegible]	اردو	[illegible]	۳۲	۲	۲	۰
۹	[illegible]	[illegible]	۰	۱۸	۳	۲	۰
۱۰	[illegible]	۰	۰	۴۴	۴	۲	۰

نمبرشمار	نام کتاب	بیان	موضوع	صفحہ	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	کیفیت
۱۱	[illegible]	اردو	قانونات	[illegible]	[illegible]	[illegible]	مجلد
۱۲	[illegible]	انگریزی	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۰
۱۳	[illegible]	۰	۰	۲۰۴	[illegible]	[illegible]	۰
۱۴	[illegible]	۰	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۰

المشتہر عبد الواحد خان منیجر قاضی اینڈ کمپنی گورکھپور


لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ،
حسن سیرت و معاشرت کا روحانی خطیب۔ اخلاقی و
تمدنی امراض کا مذہبی معالج مسلمان مردوں کا رہبر عورتوں کا
معلم بچوں کا اتالیق مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ
ہر شمسی مہینے کی پہلی تاریخ کو شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے
سالانہ چندہ مع محصول ڈاک
قیمت فی پرچہ
محال است سعدی کہ راہِ صفا + تواں رفت جز در پئے مصطفٰے
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید + کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان واقعی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں قرآن پاک کی تعلیمات و ہدایات اور اسلام کی صحیح تعلیم کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں [illegible] اور عزت سے سوسائٹی کو معاشرت و تمدن میں اپنا پیشوا بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پیش پیش رہیں تعصب اور بے جا تقلید سے بچیں [illegible] اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کو چھوڑ دینے کو معیوب نہ سمجھیں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال [illegible] وقت اور قوت [illegible] قومیت کی بنیادوں کو متزلزل نہ کریں۔ خانہ جنگیوں، نااتفاقیوں اور بغض و عناد [illegible] شکستہ قومی قلعہ کو اتحاد و اتفاق اور ہمدردی و خلوص [illegible] عیش پسندی، کاہلی و خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں [illegible] کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں صنعت و حرفت و تجارت کی طرف [illegible] اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنا چھوڑ دیں [illegible] تصور کریں، شراب خواری، عیاشی، سود، نمائش، فیشن پرستی، مقدمہ بازی، بے محل خیرات، شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینوں [illegible] اور ہرگز قابل اتباع نہ سمجھیں پیرزادوں کی نذریں بند کر کے ان سے مفت خوری کی عادت چھڑا دیں ایسے مولویوں ایسے صوفیوں ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس کی [illegible] اپنی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضائع کرتے ہیں۔ خود غرض [illegible] نام نہاد لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں سیاسی شور و شغب [illegible] قومی [illegible] زبان نہ کریں خلاصہ یہ کہ اپنے اندر تمام اوصاف حمیدہ متصف کریں جو ایک صالح [illegible] میں ہونے چاہئیں تاکہ زمین کی وراثت کا وہ مستحق سمجھے جائیں۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ

قواعد و ضوابط

(۱) "اسوۂ حسنہ" ہر انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو انشاء اللہ شائع ہوا کرے گا۔ اگر [illegible] اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو [illegible] تاریخ تک منگا لینا چاہیے ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے۔ (۲) "اسوۂ حسنہ" [illegible] سالانہ قیمت [illegible] (۳) جو حضرات بطور امداد "اسوۂ حسنہ" کی سالانہ قیمت مبلغ پانچ روپے یا اس سے زائد عطا فرمائیں گے وہ معاونین خاص سمجھے جائیں گے۔ ان کے اسمائے گرامی اسوۂ حسنہ میں شائع ہوا کریں گے [illegible] غیر مستطیع حضرات کے لیے اسوۂ حسنہ کی معمولی سالانہ قیمت میں رعایت کی جائے گی (۴) سال ختم ہونے پر اگر کسی خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع دفتر میں نہیں پہونچے گی تو آئندہ سال کا چندہ وصول کرنے کے لیے وی پی بھیجنے کے مجاز ہوں گے [illegible] (۵) اسوۂ حسنہ کا نمونہ [illegible] رسالہ کی خریداری منظور نہ ہو تو واپس کر دیا جائے [illegible] (۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ آنا چاہیے۔ شکایتی خطوط میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیے اور نام و پتہ صاف و خوشخط لکھنا چاہیے ورنہ تعمیل نہ ہوگی (۷) اسوۂ حسنہ میں اشتہارات چھپوانے والوں کے لیے مطبوعہ نرخ نامہ موجود ہے دفتر سے منگا لیا جائے

مضمون نگاروں کیلیے

اسوۂ حسنہ کے قلمی معاونین کو مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا چاہیے (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں اور منقول عنہ کا حوالہ ضرور دیں (۳) ایسے مضامین اسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری، بے نتیجہ اور غیر محققانہ ہوں یا اسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحتہً یا کنایۃً منافی ہوں یا جن میں لفاظی و تخیل زیادہ اور مفید علمی و اصلاحی مطالب کم ہوں یا جو مناظرہ و مجادلہ بازی کے رنگ میں لکھے گئے ہوں (۴) اگر مضمون کسی دوسرے رسالہ یا اخبار میں شائع ہو چکا ہو یا شائع ہونے کیلئے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی چاہیے ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری ان پر عائد ہوگی (۵) مضمون لکھنے سے قبل اسوۂ حسنہ کے مقاصد کا پڑھ لینا ضروری ہے جو اسی صفحہ پر چھپے ہوئے ہیں (۶) اسوۂ حسنہ میں مختلف النوع مضامین [illegible] (۷) طویل [illegible] (۸) دلکش اصلاحی اور تاریخی نظمیں [illegible] اسلام [illegible] اسوۂ حسنہ میں نہایت شوق سے شائع کی جائیں گی۔

مینیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز الخطب

یعنی

مجموعۂ خطب خاندانِ عزیزیہ

جسمیں

حضرت مولٰنا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی

کے تصنیف فرمودہ خطبے جو مروج عام ہیں نہایت صحت کے ساتھ تمام و کمال نیز ہم

ابو الفخر مولٰنا مولوی شیخ عاشق حسین صاحب سیماب

صدیقی الوارثی اکبر آبادی نے ترجمہ نظم سے آراستہ کیا ہے

نماز جمعہ سے پہلے خطبہ خوانی کا رواج عہد نبی کریم سے آجتک بدستور چلا آتا ہے ضرورت زمانہ کے لحاظ سے مضامین خطب میں ضروری ترمیمیں بھی ہوئیں جنھوں نے مناسب اثرات سامعین پر ڈالے خطبے عموماً زبان عربی میں مروج ہیں لیکن سامعین میں فیصدی ۹۹ - اس زبان کے دقایق و حقایق معانی و مطالب سمجھنے سے قاصر دیکھے گئے اسلئے ضرورت پیش آئی کہ تجدید کی اور خطبوں کا ترجمہ اردو میں ہونے لگا ترجمہ تو ہوگیا مگر ترجمہ خوانی کا رواج نہ ہوا اور جو ضرورت درپیش تھی وہ باقی رہی سچ بھی تو ہو اگر ایک خطبہ بجائے عربی کے اردو میں نصیحتیں کرتا چلا جائے تو لوگ اسی کو خطبہ کی بجائے وعظ کہیں گے حالانکہ خطبہ ایک جامع موعظت ہی کا نام ہے سیدھی نثر عبارت کا اثر عبارت عربی کیسی عربی کا لفظی ترجمہ خراش سامع سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا اسلئے نثر ترجمہ کسی خطیب نے نہ پڑھا اور نہ اسکا ملک میں رواج ہوا اور ہندوستان نے یہ تجویز سوچی کہ اگر خطب مروجہ کا ترجمہ نظم ہوجائے تو وہ عام پسند مروج ہو اور ضرور تبلیغ کے لئے زیادہ ثابت ہوسکتا ہے اور یہ تجویز ذہن میں آئی اور تائید غیبی نے آغاز اسباب کیلئے احساس میل کو حرکت دی جسمیں ذیل کے خطبے ہیں حضرت شیخ الہند مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا خطبہ نکاح سوا حضرت مولٰنا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی مولٰنا شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی مولٰنا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی کے کتب عقاید جن میں خطبے درج ہیں ازالۃ الغبات و فضیلت قرآن و تفسیر عزیزی کے ایک ایک خطبہ کا اس کتاب میں شامل کیا گیا ہو نیز مولٰنا اسمٰعیل صاحب شہید محدث دہلوی اور مولٰنا یحییٰ صاحب مرحوم و حضرت مولٰنا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی و مولٰنا قاضی شاہ سلیمان صاحب پھلواری و مولٰنا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی و مولٰنا شوکت الاسلام و مولٰنا آزاد و مولٰنا سید محمد صاحب سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف مولٰنا مولوی محمد عبد الحمید صاحب آئیں الہ کی تمام خطب جو ہر جمعہ میں خطبہ عیدین جمعۃ الوداع رمضان المبارک خطبہ نکاح ہیں شامل خطبہ بہ ترتیب تحریر کیا ہو اور چھپائی عمدہ ہو علاوہ مولٰنا سید عاشق حسین صاحب سیماب اکبر آبادی جیسے شاعر نے ترجمہ نظم میں کیا ہو اسلئے خوبیوں کا مجموعہ کی قیمت صرف (۱۰) محصول ڈاک ۱۳؍

مجلد مع محصولڈاک ۱۵؍ سرورق نہایت شاندار ہے ملنے کا پتہ

کے حاجی محمد محی الدین سوداگر و تاجر کتب نمبر ۳۹۹ سپچی بازار بمبئی نمبر ۳

شریف بیبیوں کے پڑھنے کی خاص کتابیں

بنت الرسول ۔ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا کی پاک زندگی کے حالات ۔ ۵؍
نیک متیرا ۔ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ بیبیوں کا مقابلہ دیکھنے کے قابل ہے ۴؍
حوران جنت ۔ عرب کی بڑی بڑی عالمہ اور فاضلہ بیبیوں کے حالات ۔ ۔ ۴؍
صبر کی دیوی ۔ سوتیلا ماں کی دردناک داستان مؤثر پیرایہ میں بیان کی گئی ہے ۴؍
جمیلہ خاتون ۔ ایک ضدی و ناسمجھ خاتون کا راہ راست پر لانا ۔ ۔ ۴؍
آداب نسواں ۔ عورتوں کیلئے خاص خاص آداب اور معاشرت کی باتیں ۔ ۴؍
حلیمہ خانم ۔ ایک غیر خاندان کی لڑکی کا لیڈی ڈاکٹر بننا ۔ ۔ ۔ ۸؍
دایہ ۔ بچے کے رکھ رکھاؤ کا طریقہ زچہ اور بچہ کی نگہداشت ۔ ۔ ۶؍
چپ کی داد ۔ طبقہ نسواں کی حقیقی تعریف صحیح الفاظ میں بیان کی گئی ہے ۱۰؍
حالات زمین ۔ طالبعلم لڑکیوں کے واسطے جغرافیائی معلومات بڑھانیوالی کتاب ۶؍
علم کی دیوی ۔ ایک مسلمان خاتون کا ایک عیسائی خاتون سے قابل دید مباحثہ ۵؍
رباعیات حالی ۔ مولٰنا حالی کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دلچسپ رباعیاں ۔ ۳؍
ناصح مشفق ۔ نصیحت کی پوری ایک سو سچے موتی بچوں کے پڑھنے کے قابل ۔ ۳؍
قومی گیت ۔ بچے اور بچیوں کے یاد کرنے کے قابل دلچسپ قومی گیت ۔ ۔ ۴؍
زنانہ خطوط ۔ عورتوں کو خطوط نویسی کا طریقہ بتلانیوالی کتاب ۔ ۔ ۵؍
تاثیر صحبت ۔ نصیحت خیز اور پر درد قصہ اپنی کم عمر اولاد کو ضرور پڑھائیے ۔ ۱۰؍
چڑیا چڑے کی کہانی ۔ انسان کی بیمروتی کی تصویریں ایک ننھے سے حیوان کی زبانی ۔ ۳؍
سوانح عمریاں ۔ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین کی علیحدہ علیحدہ ۔ ۲، ۲؍
گلدستہ نعت ۔ بہت اچھی اچھی تازہ نعتیہ غزلیں جمع کی ہیں ۔ ۔ ۔ ۳؍
لیکچر اسلام ۔ مسز اینی بسنیٹ صاحبہ کا لیکچر اسلام کے متعلق ۔ ۔ ۳؍
اصلاح الرسوم ۔ بری رسموں کے دور کرنیکے لئے مفید اسباب ۔ ۔ ۔ ۲؍
سولہ کہانیاں ۔ ایک شریف خاتون کی جمع کی ہوئی دلچسپ کہانیاں ۔ ۸؍
زنانہ نصاب ۔ قاعدہ ۔ اردو کی پہلی ۔ دوسری ۔ تیسری ۔ چوتھی ۔ پانچویں
قاعدہ ۱؍ پہلی ۲؍ دوسری ۲؍ تیسری ۳؍ چوتھی ۴؍ پانچویں ۵؍

مہتمم پردہ نشین (زنانہ) لائبریری آگرہ

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ بابت ماہ جون ۱۹۱۶ء مطابق [illegible] رجب [illegible]

جلد ۳ | فہرست مضامین | نمبر [illegible]

مضمون خاص

معارف القرآن

السیرۃ المحمدیہ والخصائص النبویہ

تعلیم الاسلام

حکمت و موعظت

القصص

اصلاح الاخلاق والاعمال

علم و ادب

بصارت و بصیرت

اسوۂ حسنہ اور اسکے معزز معاونین۔ [illegible]

تحفۂ عید

یا

علمی پھولوں کا گلدستہ

جسے

شمس العلماء مولانا حالی۔ خان صاحب مولانا محمد اسمٰعیل۔ مصور فطرت حضرت خواجہ
حسن نظامی۔ مولانا اکبر الہ آبادی۔ ڈاکٹر اقبال۔ مولانا ابوالکلام آزاد و شیخ نور الدین صاحب
مولانا شفیق عماد پوری۔ مولانا نیاز فتحپوری۔ سیماب اکبر آبادی وغیرہ وغیرہ
ملک کے مشہور و معروف جادو نگار انشا پردازوں کی نہایت موثر و دلکش نظم و نثر مضامین کے خوشنما پھولوں سے
سجایا گیا ہے۔ غیر ممالک کے چھپے ہوئے عید کارڈوں میں آپ اپنا روپیہ ضائع کیوں برباد کرتے ہیں۔ اپنے
عزیز بچوں اور معزز دوستوں کو بھیجنے کیلئے عید کا تحفہ منگائیے جسے دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے جس کے پڑھنے سے
قومی شعور حاصل ہوتا ہے جس کے مطالعہ سے اسلامی روح کو تقویت پہنچتی ہے جس کی تعلیم بچوں
کی عادات اخلاق کو درست کر دیتی ہے۔ عید کے تحفہ کا ٹائٹل نہایت دلکش چھاپا گیا ہے جس پر عید کی مبارکباد
لکھ کر تحفہ بھیجنے والے کے نام کیلئے جگہ چھوڑ دی گئی ہے یعنی جو غرض عید کارڈ سے وابستہ تھی وہ اس
سے بھی پوری ہو جاتی ہے اور جو بعید کارڈوں سے صرف آنکھوں کی تفریح ہوتی ہے اس کتاب سے آنکھ اور دل
دونوں کو فرحت ملتی ہے۔ قیمت فی تحفہ ۵/ خریداران رسالہ اسوۂ حسنہ سے ۴/ ۵ جلد کے
خریدار کو بجائے ۲/ کے صرف ۱/۸ المشتہر مدیر مکتبہ قادریہ سعیدیہ منزل میرٹھ۔

دو ترجموں اور دو تفسیروں والا عظیم الشان

قرآن مجید

غیر مجلد ۹ اور مجلد ۱۱ روپیہ

[illegible] ایمان - ایمانداروں کی جان - اہل اسلام کے دل کا آرام - خدائی حق کا وہ مقدس کلام جو جبریل امین کے
ذریعے حضرت خاتم المرسلین (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور انہوں نے اسکے بندوں تک پہونچایا
[illegible] رمضان المبارک میں نازل ہوا تھا ہم بھی رمضان المبارک میں آپکو پاس پہونچانا چاہتے ہیں
[illegible] روپیہ کے حساب سے یہ پہلا بیس ۳۰ روپیہ ہدیہ مقرر کیا گیا اور اب تک بعض تاجران
[illegible] روپیہ بیچتے ہیں لیکن ہم آپکو صرف ۹ روپئے میں غیر مجلد اور ۱۱ روپئے میں مجلد پیش کرتے ہیں
[illegible] درخواست کے ہمراہ چار روپیہ کا منی آرڈر روانہ فرمانا ضروری ہے نمونہ مفت روانہ کیا جائیگا
[illegible] جلد طلب فرما کر اس نعمت عظمیٰ کی زیارت فرمائیے۔ ورنہ افسوس کرنا پڑیگا کیونکہ ایسا قرآن
شریف دوبارہ چھپنا غیر ممکن ہے اور اس قیمت پر دستیاب ہو سکیگا اس قرآن مجید کی تقطیع بہت بڑی
ہے نہایت خوشخط - جلی قلم - ہر صفحہ میں صرف ۹ سطریں - ہر پارہ علیحدہ - حاشیہ پر دو تفسیریں
[illegible] دو ترجمے ہیں - فی الواقع یہ وہ نعمت ہے جو بار بار میسر نہیں آسکتی فوراً درخواست خریداری روانہ
فرمائیے وزن غیر مجلد کا ۹ سیر اور مجلد کا ۱۱ سیر ہے لہذا اپنے سب قریب ریلوے اسٹیشن کا پتہ تحریر فرمائیے
اس قرآن مجید کا کاغذ ولایتی اور سفید چکنا ہے لیکن اب کاغذ کی آب و تاب میں کچھ کمی آگئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم
اسکے ہدیہ میں ۳۰ روپیہ لینا انصاف اور ایمان کے خلاف سمجھکر ایک عظیم الشان رعایت سے کام لے رہے
ہیں لیکن اس سے زیادہ کسی قسم کی رعایت کرنے سے ہم بالکل مجبور ہیں - اور اسلئے مزید رعایت کیلئے
خط و کتابت کرنے کا کوئی نتیجہ سوائے تضیع اوقات کے مرتب نہیں ہو سکتا۔ **پتہ:- مدیر مکتبہ قادریہ میرٹھ**

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

اُسوۂ حسنہ

مضمونِ خاص

سُنیوں اور شیعوں کا اختلاف

۲۵ اپریل ۱۹۱۱ء کے اخبار مشرق میں چند سوالات شیعوں کے متعلق شائع ہوئے تھے ان کے جوابات ۱۶ مئی کے مشرق میں کسی نے دئے ہیں۔ سوالات میری نظر سے نہیں گذرے لیکن جوابوں پر قیاس کر کے کہا جا سکتا ہے کہ سوالوں میں شیعوں کی [illegible] بیان کی گئی ہیں۔

ان تحریروں کے پڑھنے سے مجھ کو سخت افسوس ہوا کہ [illegible] سے مسلمانوں کو ہمیشہ [illegible] ہندوستان کے شیعہ اور سنی باہم کیسے جھگڑتے ہیں [illegible] شافعیوں، حنبلیوں اور حنفیوں کے [illegible] شافعی، حنبلی [illegible] حنفی [illegible] مالکی [illegible] ہیں [illegible]

شافعی ایک جگہ [illegible] علما دونوں فریق کو فقہی مسائل سے واقفیت [illegible] کوئی شخص ایسا کوئی مذہبی مسئلہ پوچھتا ہے تو [illegible] کہ جواب شافعیوں کی فقہ کے مطابق دیا جائے یا حنفیوں کی رائے بتائی جائے۔ ای کاش ہندوستان کے علما فریقین کے معتقدات کا احترام اپنی مجلس میں [illegible] کہ محض اختلاف آرا کے باعث [illegible] میں جگہ دیں تو کیا اچھا ہو۔

جواب جو مشرق میں شائع ہوا ہے اس کا ماحصل یا تو یہ ہے کہ [illegible] یا یہ ہے کہ [illegible] یہ طرز جواب پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ یہ [illegible] بحث کرنے کے بجائے ہمیں چند واقعات تاریخی کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ فریقین آسانی کے ساتھ [illegible] سکیں۔

ہندوستان میں شیعوں کی تعداد کم ہے [illegible] اپنے خیالات کا بحث [illegible] پسند نہیں کرتے [illegible] اہل بیت [illegible] رقیق القلب ہوتے ہیں اور جھگڑوں سے الگ رہنا پسند کرتے ہیں۔ حضرت انیس مرحوم فرماتے ہیں ؎

خیال خاطر احباب چاہیئے ہر دم — انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

[illegible] سنیوں کو خاص ملاحظات کرنا لازم ہے۔ اگر [illegible] چاہتے ہیں کہ

خصوصاً جب کہ ... قیمت بڑھانا ہی تو پھر وہ ایسے افعال بھی کریں جن سے شیعوں کو سنیوں سے
وحشت ہو سنیوں کو بڑی شکایت ہے کہ حضرات شیعہ خلفاء جیسے بزرگان دین کو نہیں مانتے۔ نہیں
اہل سنت والجماعت برگزیدہ سمجھتے ہیں سنیوں کو وسعت نظر سے کام لینا چاہیے۔ شیعہ جب قرآن کو منجانب
اللہ ... سمجھتے ہیں ان کے نزدیک صحیح ایمان بارہ اماموں کے بھی قائل ہیں جنہیں اہل سنت
جماعت نہیں ... ہیں ... اخوت اسلامی قائم رکھنے کے لیے کافی ہے۔ اگر بعض بزرگان دین کی قدر شیعوں کے
دلوں میں نہیں ہے تو اہل سنت والجماعت میں بتا ئیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کے ... برس کے بعد کونسا زمانہ
ایسا گذرا ہے جس میں کسی ایک شخص پر تمام بلاد اسلام میں اتفاق کیا گیا ہو حتیٰ کہ بارہ امام اطہار جو
سنیوں اور شیعوں میں مشترک ہیں ان پر بھی تمام مسلمانوں کا متفقہ ... شیعوں کا ایک فرقہ ہے جو باطل ...
میں صرف سات اماموں کا قائل ہے غرضیکہ جزئیات میں اختلاف ہونے سے اسلام کی تفریق لازم
نہیں آتی۔ عوام میں جب یہ لطیفیاں کبھی کبھی ہو جاتی ہیں حضرات سنی اس بارہ میں بالکل بے تعلق
نہیں ہیں اپنے کام سے کام رکھنا شان دانشمندی ہے۔ ایک کو شاغل ہے دوسرے کو
کیا واسطہ؟ یاد ہے کہ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی امر سے ایک کا چڑھنا دوسرے کے لیے چڑھانے کی
تحریک پیدا کرتا ہے اور بات بڑھتے بڑھتے بڑھ جاتی ہے یہ شیعہ ... ہنا اور ... تو ... کہا گیا۔
شیعہ کالج جو بنتا ہے تو مسلمانوں میں ایک ذریعہ ... اختلاف کی جڑ ضرور مضبوط ہوگی۔ لیکن سنیوں کے
شیعوں کے پیچھے پڑ جانا کہ "تم شیعہ کالج نہ بناؤ!!" اس سے یا وہ اختلاف پیدا کریگا جو شیعہ کالج کے
قائم ہونے سے خیال کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی پوچھنا کہ شیعہ کالج کیوں بنتا ہے۔ فی الواقع شیعہ کالج کی بنیاد
مضبوط کرتا ہے۔ الانسان حریص فیما منع۔ شیعوں میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو شیعہ کالج کی ضرورت
کا احساس کرتے ہیں۔ بہتر ہو کہ یہ لوگ باہم مباحثہ کرتے اور سنی بالکل خاموش رہتے۔
مسلمانوں میں اختلاف کی بنیاد بیشک آنحضرتؐ کی وفات کیساتھ ہی قائم ہوئی جسے نامہ نگار مشرق
نے دوستانہ غلط فہمیوں سے تعبیر کیا ہے۔ اب کالج پر مباحثہ کرتے ہوئے ساڑھے تیرہ سو برس کے
پرانے غلط فہمیوں کا ذکر کسی طرح مناسب حال نہ تھا لیکن جب تذکرہ آ گیا ہے تو اس کی تشریح اور توضیح
کر دینا مناسب ہے۔ آنحضرتؐ کے بعد جو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں ان کی نسبت سنیوں کا یہ خیال ہے
کہ وہ جلد مٹ گئی تھیں البتہ شیعہ کہتے ہیں کہ وہ دلوں میں قائم رہ گئی تھیں۔ جیسا ہی ہوا ہو لیکن سب فریق
متفق ہیں کہ حرف شکایت لبوں ... پر نہ آیا ... تک ... نہیں رہا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ابتدا
زمانہ میں جو شعلہ فساد پیدا ہو کر جلد ترجھ گیا تھا عربوں کی سلطنت کے ضعف کی حالت
میں یعنی چوتھی صدی ہجری میں دیالمہ کی عہد حکومت میں پھر کچھ اس میں روشنی پیدا ہوئی
تھی یا پیدا کی گئی تھی لیکن اس وقت محض پولیٹکل حکمت عملیوں کی علمداری تھی مذہبی اختلاف
کی بصورت ... جدا ہیں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بنو امیہ کے
زمانہ میں جو مظالم آل رسولؐ پر ہوئے یا بنو عباس کے عہد میں جو بنو فاطمہ پر
سخ درست کی گھڑیاں گذری ہیں۔ وہ نظرانداز کئے جانے کے قابل ہیں یا اتفاق
دنیا کے اہم ترین ... اتفاقات سے ہیں۔ اور ... یا ... میجے ... ان ... اقتدارات

نے بھی شیعوں اور سنیوں کے گروہ دو جدا جدا قائم نہیں کئے تھے دیالمہ کی حکومت میں
بھی تفریق ایسی نہ تھی جیسی کہ اب ہے۔ دیکھو بخاری شریف کے راویوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو حضرت
عمرؓ کو برا کہتے ہیں۔ روضۃ الاحباب زمانہ بعد کی تالیف ہے لیکن شیعہ اور سنی دونوں اس سے سند لیتے
ہیں کیا اس سے یہ پیدا نہیں ہے کہ ان کتابوں کے زمانہ تالیف تک شیعوں اور سنیوں کی مذہبی تقسیم
ہوگئی تھی جس طرح آج جو اختلاف ہے اگر یہ شیعہ ... ہیں تو یقیناً شیعوں کی اصل میں حضرت علیؓ کے دو حصے کے
ایام میں حضرت عثمانؓ کا جمع کیا ہوا قرآن ہے بیشک یہ صحیح ہے کہ شیعوں کا وجود پیغمبر خداؐ کی وفات
سینکڑوں برس بعد تک تھا لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی جاننا چاہیے کہ جب تک شیعوں کا وجود نہیں ہوا
سنیوں کا وجود بھی نہیں ہوا دونوں کا وجود ساتھ ساتھ آنحضرتؐ کی وفات سے صدیوں کے بعد ہوا
جب وقت تفریق کا آیا تو ایک نے اپنے آپکو شیعہ کہا اور دوسرے نے اپنے آپ کو سنی کہا یا جب
ایک نے اپنے آپکو سنی کہا تو دوسرے نے اپنے آپکو شیعہ کہا۔ ابتدائی صدیوں میں نہ کوئی اپنے آپکو
شیعہ کہتا تھا اور نہ کوئی اپنے آپکو سنی کہتا تھا۔
شیعہ شریعت قرآن پاک کی مختلف معنی لگانیا مختلف قرأتوں سے پڑھنے میں محض نیک نیتی کا اختلاف
آزادانہ ... کی وجہ باہم اختلاف کرتے ہیں ایک ... بجھنے ... ایک ذہن ... جدا گانہ
رائیں رکھتی ہیں تو اس سے ان میں کوئی ذاتی اختلاف پیدا نہیں ہوتا ... اور ... گلا ... کہنا ...
اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ اختلافی مسائل کی بنیاد جن علمائے دین کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ سب قابل احترام
ہیں اختلاف العلماء رحمۃ انہیں سے کسی کی یہ کہنا کہ کسی خود غرضی سے انہوں نے کوئی ٹیڑھی راہ نکالی غلطی ہے۔
دیالمہ خلفائے عباسیہ کا زور توڑنے کیلئے آل رسولؐ کو مقتدا بنائے ہوئے تھے۔ اور اس حدیث نبوی کی ترجمانی
دیتے تھے جس میں ... اہل بیت اور اولاد اہل بیت کے کسی دوسرے کا واسطہ ... اولاد رسولؐ جیسا
تھی نہایت محترم تھی اور دیالمہ کا اپنے آپکو ان کا شیدا بنانا محض مصالح اور خود غرضیوں پر مبنی تھا مذہب
کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس زمانہ تک بھی حالت غنیمت تھی۔ موجودہ تفریق کی تلاش میں ہمیں تاریخ کی تحقیق
گردانی کچھ اور کرنا چاہیے۔ شاہان صفوی تک جب ہم پہنچتے ہیں تو اس موجودہ تفریق کے آغاز کا نشان ملتا ہے
نویں صدی ہجری میں شاہ اسمٰعیل صفوی بانی سلطنت خاندان صفویہ ایک ... سید تھے۔ ... سنت مذہب کے
ملک تھے ایران کے متعدد شیعوں اور سنیوں کی تفریق اس وقت تک اصطلاحی طور ہوئی تھی کہ یہ ...
کر دیا تھا لیکن تفریق کے اسباب جمع ہو چکے تھے شاہان صفویہ نے ترکوں کے مقابلہ میں جو خلفاء ... تھے تمام
اپنے آپکو یکجہتی ... اعلائی عثمانی ایرانیوں اور ترکوں کے مقابلہ کے ساتھ معتقدات مذہبی ...
ترکی کا بھی مقابلہ ہو گیا ... شاہ صفوی کے خیالات پر ایرانی تحریک قائم ہو کر پھر ... ترکی
کے خیالات سے ان کے خیالات جدا ہوگئے ... ان ... شروع ہو ... تھا ... پہ
ایک شیعہ اور دوسرے نے ترک کو اہل سنت والجماعت یعنی سنت ... یہ اختلافات ... کی ...
کر ... مشہور ... ایرانیوں ... ترکوں ... کے ... تفریق ... کے
گئے تھے۔ یہ ... تھی ... قبل ... شمال ... تھی ...
تو ... سنیوں اور شیعوں کی تفریق قائم ...

پھر بھی فرقہ شیعہ ہر جگہ پہنچے جہاں شیعوں کا اثر تھا وہاں اس اختلاف نے نا موافق نتیجے پیدا کئے لیکن غنیمت تھا کہ اخوت اسلامی کا پاس اتنا مسلمانوں میں قائم تھا جو کہ اس سے علیحدہ تھے ان میں سلسلہ مناکحت کا برابر قائم رہا بنا بریں اسلامی کی یکجہتی ہے۔ اب آج سو دو برس صدیوں میں اس سلسلہ کو مٹانے کی بھی کوشش ہو رہی ہے بہی خوا ہان قوم اس صدمہ کو بیوقوفی سمجھتے تھے کہ دونوں کی تعلیم گاہیں الگ جدا ہونے کی خبر آ رہی ہے مبادا مذہبی مباحثے ترک کرو۔ دنیوی مصالح پر غور کرو۔ نفاق دور کرو۔ اور جلدی کرو ابھی تدارک ممکن ہے سر چشمہ باید گرفتن بہ بیل چو شیعوں اور سنیوں کا ہندوستان میں جدا جدا صورتوں میں ظاہر ہونا بھی پولیٹیکل واقعات کا نتیجہ ہے شاہ عباس صفوی نے ہمایوں بادشاہ کو اپنی فوج کی مدد دی بظاہر تو اسکی شان ہمدردی پر تھی یہ کے احسانات تھے جنکا اتمام مقصود تھا لیکن فی الواقع ایسے کہ اسکا اثر ہندوستان پر پڑا اثر پیدا ہونا نا گزیر تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کی فوج کیساتھ اہل تشیع بھی ہندوستان میں آئے شیعوں اور سنیوں میں شاہان مغلیہ کے زمانہ میں مذہبی جھگڑے نہیں ہوئے ہر ایک اپنے خیالات کے متعلق بالکل آزاد تھا اور دوسرے سے غیر متعرض رہا آخر پھر اور دور مرشد آباد میں شیعہ رئیس مقرر ہوئے اور ان بلاد شیعوں کی مستقل سلطنتیں قائم ہوئیں۔ ان میں سے شیعوں اور سنیوں کی مسجدیں جدا کر دیں لیکن چند زمانہ پیشتر بھی ختم شد قوم میں ایسی تنگ خیالی نہ آئی تھی کہ سلسلہ مناکحت منقطع ہو جائے اکثر اوقات میں مسجدیں گو جدا جدا تھیں لیکن اتنا غنیمت تھا کہ جہاں شیعوں کی تعداد کم تھی وہاں سنیوں کے ساتھ وہ عیدین کی نمازیں پڑھ لیتے تھے اب حال میں چند لوگوں نے یہ تحریک پیش کی کہ سلسلہ مناکحت سنیوں اور شیعوں میں جاری نہ رہے۔ زمانہ اور بار میں تنگ خیالی لازم ہے۔ تنگ خیالی نے اس تجویز کا خیر مقدم بڑی گرمجوشی سے کیا جیسے خیال میں یہ تحریک ایک قومی گناہ ہے اسکے مٹانے میں جو لوگ کوشش کرینگے عند اللہ ماجور ہونگے شیعہ کالج کا قائم ہونا بھی اسی تحریک سے ہے سنیوں اور شیعوں کی جدا جدا تعلیم گاہیں بنا اثر پیدا کرینگی اخوت اسلامی کی بیخ کنی ہو جائیگی مسلمانوں کا رہا سہا اتفاق بھی جاتا رہیگا مسلمانوں کی حالت جو ہندوستان میں ہے وہ ہرگز مقتضی اسکی نہیں ہے کہ جو اختلافات علمی مذہبوں سے پیدا ہو گئے تھے ان پر از سر نو نظر ڈالی جائے یا وہ قائم رکھے جائیں۔ انگریزی تعلیم نے اور انگریزی مدارس نے اس بارہ میں بہت کچھ اصلاح کی تھی علی گڑھ کالج نے تو اس خصوص میں بہت ہی اچھا اثر ڈالا ہے علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ حضرات اس بارہ میں جو نمونہ دکھلاتے تھے اس سے آثار بہبود نظر آتے تھے مگر اب یہ کیا ترقی معکوس شروع ہوئی کہ کہیں باہمی مناکحت نا جائز سمجھی جاتی ہے اور کہیں مذہبی تعلیم گاہیں جدا جدا قائم ہونیکی تجویزیں پیش ہیں۔

نامہ نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "علیگڑھ کالج جو کہ مسلمانوں کے مشترکہ سرمایہ سے قائم ہوا ہے شیعوں کی مذہبی تعلیم کا بلا نام بھی بند و بست نہیں یہ اور نہ کوئی مسجد ہے اور نہ کوئی الگ جگہ مسجد میں داخل نہیں ہوتی انکو داخلی جرم ہو رہا ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ تحریر صحیح نہیں ہے۔ اسکول کے مخصوص گھنٹوں میں وہاں سنیوں کی مذہبی تعلیم ہوتی ہے اور شیعوں کی بھی۔ دونوں فریق کے مستند علما وہاں موجود ہیں اور نہایت خوشی کا یہ مقام ہے کہ سنیوں اور شیعوں کی مسجد وہاں مشترک ہے شیعوں کیلئے کبھی بجز علاحدہ کوئی جھگڑا نہیں ہوا سنی پیش امام اسی مسجد مشترک میں سنیوں کی نماز پڑھاتے ہیں اور [illegible] اوقات میں شیعوں کی نماز پڑھاتے ہیں دونوں فریق کی مذہبی نماز کے وقت الگ الگ ہیں مولوی صاحب [illegible] صاحب اگر کسی وقت جماعت میں شریک نہیں ہوتے تو شیعہ طلبا

فرقہ فرقہ نماز پڑھتے ہیں شیعہ اور سنی طلبا میں جو ایسا اتفاق نمایاں ہے اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ سنیوں اور شیعوں کی مسجدیں علیگڑھ کالج میں جدا جدا نہیں ہیں کالج میں عبادتگاہ کا ایک ہونا باہمی اتفاق پیدا کرنے کے لیے ایک نہایت اچھا نمونہ قائم ہوا تھا اور امید تھی کہ دیگر مقامات پر بھی اسکی تقلید کیجائے گی لیکن افسوس کہ بعض خواہان قوم نے اسکی قدر نہ کی یکجا نماز پڑھنا کیسا یکجا تعلیم پانا بھی پسند نہیں کیا جاتا میں تو یہ تجویز پیش کرنے والا ہوں کہ سنیوں اور شیعوں کو یہ بتایا جائے کہ جہاں کہیں جماعت میں کوئی قید نہیں ہے تو ہاتھ باندھکر شیعوں کے پیچھے نماز پڑھیں۔ مولانا عبد الحی صاحب قبلہ کو یاد ہوگا کہ میں اپنے زمانہ طالبعلمی میں چند بار انکو اور انکے والد ماجد مولانا جعفر علی صاحب قبلہ کے پیچھے نماز جمعہ ہاتھ باندھکر پڑھ چکا ہوں اس وقت میں حنفی فقہ کی کتابیں پڑھ چکا تھا اور مسائل حنفی سے واقف تھا لیکن ضروریات ملکی پر میری نظر وسیع نہ تھی۔ اگر وسیع ہوتی تو میں اپنے خیالات کو سنی لڑکوں اور سنی مولویوں میں پھیلانے کی کوشش کرتا ہم سب مانتے ہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے طرز عمل پر لیکن اسکی تقلید نہیں کرتے سنیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ فاسق اور فاجر کے پیچھے بھی وہ نماز پڑھ سکتے ہیں پس اسی عقیدہ پر شیعوں کے پیچھے عمل کرنا بے شیعوں کے مجتہد یا پیش امام پر سنیوں کا یہ خیال ہے کہ بغیر پاؤں دھوئے ہوئے وضو درست نہیں تو شاید کوئی مجتہد یا پیش امام ایسا نہ ہوگا جو سنیوں کی اقتدا پر سنیوں کو مقتدی بنانے کی غرض سے پاؤں دھو ڈالنا منظور نہ کرے گا گو حضرت شیعہ پاؤں کا دھونا جزو وضو نہیں سمجھتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ پاؤں کبھی نہیں دھوتے۔ شیعہ نجاست میں بالالتزام اور ٹھنڈک اور تفریح حاصل کرنیکی غرض سے کبھی کبھی وہ وضو کے سلسلہ میں پاؤں بھی دھو ڈالتے ہیں۔

نامہ نگار جیسا کہ یہی فرماتے ہیں کہ شیعہ طلبا کا علیگڑھ کالج میں بہت ہی مشکل سے گذارا ہوتا ہے اسکے متعلق کچھ کلام نہیں چاہتا اسکے متعلق صرف شیعہ طلبا کا بیان مستند ہونا چاہیے جن کو تجربہ ہو چکا ہے لیکن اگر اس حال کی اصلیت ہے تو سنیوں کو توجہ کرنا چاہیے۔ اگر میرے اختیار میں انتظام ہوتا تو میں نظر بقلت تعداد شیعہ شیعوں کو سنیوں پر ترجیح دیتا تاکہ انہیں بدگمانی کا موقع نہ ملتا اور اتحاد فریقین میں خوب ترقی ہوتی۔ سنی حضرات کو بوجہ تعداد میں زیادہ ہونے شیعہ بھائیوں کی دلجوئی کا ہر دم خیال کرنا چاہیے۔ انہیں ہرگز یہ فکر نہ ہونا چاہیے کہ شیعہ حضرات کیا کہتے ہیں یا کیا کرتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا تدابیر ہیں جن سے ان کے دل ہاتھوں میں آ جائیں اور رشتہ اخوت اسلامی مضبوط ہو۔ ہم میں جب کوئی ملکی معاملہ درمیان میں تفرقہ نہیں ہے تو ہم نہایت آسانی سے اتفاق اور مصالحت کے تمام تدابیر پر بآسانی عمل کر سکتے ہیں

یہاں ہم ایک اور تاریخی واقعہ سے کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو موضوع بحث سے یہ جدا نہیں ہے اسلئے اسکا لکھنا بے موقع نہ ہوگا وہ یہ کہ قرون صدر اول ہجری کے اواخر میں چار مسلک سے جدا جدا نہ کیے گئے حنفی شافعی حنبلی۔ اور مالکی سب ہی قائم تھے پر ان تقسیم سے اب جو علما یہ سمجھتے ہیں کہ یہی چار مستند فرقے اسلام کے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے جب مصر کے شاہ ملک ناصر فرخ نے یہ چار مصلے قائم کئے تھے تو بعض مسلمانوں نے اسپر بدعت سیئہ کا فتویٰ دیا تھا۔ شروع شروع میرا بھی یہی خیال تھا لیکن مزید غور کے بعد میں نے اپنی رائے بدل دی۔ اب میں خیال کرتا ہوں کہ یہ نہایت عمدہ حکمت

عملی تھی۔ اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہوا کہ آج حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کو برا نہیں کہتے۔ اس وقت اگر شیعوں کا گروہ علیحدہ قائم نہیں ہوا تھا اور نہ ان کی فقہ جدا ہوئی تھی اگر ایسا ہوتا تو ضرور ایک پانچواں مصلّے ان کا بھی قائم کر کے پانچ سمتیں مقرر کی جاتیں یا کسی ایک سمت میں دو قلیل الجماعت فرقہ کو جگہ دے دی جاتی۔ اے کاش ایسا ہو گیا ہوتا تو اختلاف کی یہ صورت نہ ہوتی جو آج ہے۔ ستّی حضرات اگر اس طرف توجہ کریں اور ان کا بھی ایک مصلّی خانہ کعبہ میں جدا قائم ہو جائے تو نہایت اچھا ہو۔ یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ شیعوں اور سنیوں کے اعتقادات میں کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ غلط فہمیوں نے ان اختلافات کو بڑھا رکھا ہے اور یہی وجہ تھی کہ زمانہ وسطی کے مسلمانوں کی نماز کی جماعتیں جدا نہ تھیں اور عبادات الٰہی میں تمام مسلمان شیر و شکر کی طرح ملے جلے ہوئے تھے۔ اور فقہی مسائل کو پہلے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ مالکی، شافعی، حنبلی، حنفی ان چار فرقوں کی فقہوں کی مذہبی بنیاد پر جدا اختلافات جزوی اور قوت علام میں مشہور ہیں۔ محققین شیعہ اور سنی کے نزدیک مسائل مختلف فیہ کا درجہ ہرگز نہیں رکھتے۔ مسائل اختلافی صرف دو ہیں۔ **ایک** تو مسئلہ لقائے باری ہے جو چنداں اہم نہیں ہے۔ یعنی سنی کہتے ہیں کہ بعد حشر مومنین کو لقائے باری تعالیٰ نصیب ہوگا اور شیعہ کہتے ہیں کہ حجاب حائل ہوگا۔ اس اختلاف کو میں کبھی تاریخی حیثیت سے علیحدہ جانچتا ہوں یہ کہنے کو طیار نہیں ہوں کہ مسلمانوں میں یہ مسئلہ شروع سے زیر بحث رہا یا زمانہ بعد میں فلسفہ یونانی کے تراجم نے غیر ضروری مباحث کے ضمن میں اسے بھی پیش کیا۔ **دوسرا** اختلاف سنیوں اور شیعوں کا عبادات اور معاملات میں درمیان حدیث کے متعلق ہے۔ سنی کہتے ہیں کہ ہم حدیث نبوی ہر اصحاب رسول کے ذریعہ سے لینگے جو ورع اور تقویٰ میں ممتاز تھے اور درمیانی راوی کو بھی ورع اور تقویٰ کے لحاظ سے جانچ لینگے۔ اسی خیال کا ایک شعبہ یہ ہے کہ سنی اجماع امت کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کرتے۔ حضرت شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف ان احادیث کو لیں گے جو اہل بیت کے ذریعہ سے ہم تک پہنچیں۔ غور کیجئے تو مخالفت کی کوئی وجہ پیدا نہیں ہوتی۔ سنی بیشک یہ کہتے ہیں کہ ہم حدیثوں کو محدود کرنا اور صحابہ رسول کو پیغام رسانی حدیث کا نا قابل سمجھنا پسند نہیں کرتے لیکن اس کے ساتھ ہی کوئی سمجھدار سنی کسی شیعہ کو اسلیے برا نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان حدیثوں پر جو اہل بیت کے ذریعہ سے انہیں نہیں پہنچیں عمل نہیں کرتے۔ ان دو امور کے علاوہ اور جتنے اختلافات ہیں جزئیات میں ہیں۔ اور ملکی معاملات کے سلسلہ میں ہیں ان کا سارھے تیرہ سو برس کے بعد بھی زیر بحث رکھنا کار غیر ضروری ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے مجلس خاص میں اس پر بحث کرے تو دوسروں کو اعتراض کرنا اور بھی غیر ضروری ہے کیونکہ جزئیات کو اہمیت دینا دانشمندانہ فعل نہیں ہے۔

زمانہ اور بار ہے اور اب آپس میں نفاق لازمی ہے۔ لڑنا جھگڑنا مقتضائے زمانہ ہے جب تک فیضان آلہی کی بادبہار گلشن اسلام میں نہ چلیگی۔ گلہائے اتفاق کا کھلنا مشکل ہے لیکن جو لوگ بھلے دل سے یا سچے دل سے قومی اتفاق کا نعرہ ہر وقت ورد زبان رکھتے ہیں۔ انکی آگاہی کے لیے اپنے عقاید کے مطابق یہ چند سطریں لکھیں۔ جو ان سطروں کو لغو سمجھے اس سے درخواست ہے کہ وہ ہمیشہ میری جہالت پر محمول کر کے خموشی اختیار کرے اور جو سمجھے کہ نیا اور فرقہ ان سطروں میں وہ ہدایات ہیں جو قومی نفاق کو مٹا سکتی ہیں تو وہ محض اظہار پسندیدگی کر کے خاموش نہ رہ جائے بلکہ جہاں تک ہو سکے نفاق مٹانے کی عملی کوشش کرے۔ یہ مضمون اظہار معلومات کے لیے نہیں ہے نہ کسی فرقہ کی طرف روئے سخن ہے اور نہ کسی کی ذاتیات سے بحث ہے۔ میرو لیس جو ایک قومی درد ہے اور اختلاف غیر ضروری پر جو تعجب ہے محض اسکا اظہار ہے۔ اور قوم سے درخواست ہے کہ فریقین کو چاہئے کہ وسعت نظر کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف مائل ہونے کی راہیں پیدا کریں۔

اس مضمون کو ختم ہونے پر مجھے یہ خیال گذرا کہ مسلمانوں میں مشہور ہے کہ مسلمانوں میں بہتر فرقے ہونگے اور ان میں سے صرف ایک ناجی ہوگا۔ اور بقیہ ناری ہونگے۔ اسلیے میں یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں سمجھتا کہ میں بہتر فرقے کا قایل اس طرح نہیں ہوں کہ مثلاً میں حنفی ہوں تو میں یہ سمجھوں کہ سب غیر حنفیوں کا اور سب ناری ہیں مگر یہ حدیث کا مضمون ہے تو اسکا مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ مرور زمانہ سے مسلمانوں میں بھی مثل یہود و نصاریٰ کے فرقہ بندیاں ہونگی۔ اور ان تمام فرقوں میں راہ راست پر صرف ایک فرقہ ہوگا۔ **سوال**۔ اب راہ راست پر کون لوگ ہیں؟

ہر ایک اپنے آپ کو راہ راست پر چلنے والا بتلائے گا۔ میں کہوں گا کہ تہتر واں فرقہ ناجی وہ ہے جو ہمیشہ تمام فرقوں کا احترام دل میں رکھے اور تمام کلمہ گویوں کو اپنا بھائی سمجھے۔ ابتدا میں ایسے لوگ بہت تھے مگر اب کم ہوتے جاتے ہیں۔ آنحضرت کے وقت میں مسلمان دو قسم کے تھے مومن اور منافق۔ مومن وہ تھا جو دل سے قرآن کو برحق جانتا تھا اور منافق وہ تھا جو محض دکھلانے کے لیے ایسا کہتا تھا اور دل سے قایل نہ تھا۔ وہی دو قسمیں اہل اسلام کے اب بھی دنیا میں ہیں فرق اتنا ہے کہ آنحضرت کے وقت میں منافق کم تھے اور اب نسبتہً زیادہ ہیں۔ آنحضرت سے جتنا بعد ہوتا گیا منافقوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ مالکی، شافعی، حنبلی، حنفی، شیعہ، سنی، بدعتی، اہل حدیث، صوفی وغیرہ وغیرہ جتنے فرقے اسلام کے کہے جاتے ہیں ان سب میں مومن اور منافق موجود ہیں۔ شاگرد استاد کا مذہب اختیار کرتا ہے اسلیے جزئیات میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ یہ مدرسوں کا اختلاف ہے نہ کہ مذہب کا۔ مثلاً میرے استاد سنی حنفی تھے اسلیے میں بھی سنی حنفی ہوں۔ میرے پاس علم دین نہیں ہے کہ خود مجتہد کی حیثیت سے اپنے آپ کو حنفی نہ کہتا۔ میں نے محض سہولت کے لحاظ سے ایک طریقہ اختیار کیا ہے۔ دیگر ائمہ کے اقوال کو میں حقیر ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ اگر کوئی شخص اسلامی ہو کر وہ تمام اصول فقہ کی نکات پر حاوی ہو کر اور مستند حدیث کی کتابوں سے اصل مقابلہ کر کے اپنے آپ کو آزاد رائے دینے کا مجاز سمجھتا ہو تو میرے نزدیک اسے حقیر سمجھنا بے دانشی ہے۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسی حالت میں کہ وہ قرآن مجید کو برحق جانتا ہے اور شرعی امور کا احترام دل میں رکھتا ہے برا کہے کر امتیان محمدی میں تفرقہ ڈالے گا۔ اس سے بروز حشر اس افترا پردازی و تفرقہ اندازی کی باز پرس اور سخت باز پرس ہوگی۔

فقیر ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(یہ) کتاب (قرآن) بڑی بابرکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

تفسیر الفاتحہ

(سلسلہ کے لیے دیکھئے اسوۂ حسنہ بابت ماہ مئی ۱۹۱۶ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

بسم اللہ کے اعراب و الفاظ کے متعلق اور اس مسئلہ میں کہ آیا وہ پوری آیت ہے یا جزو آیت اور آیا وہ سورۂ فاتحہ ہی کا جزو ہے یا اس سے علیحدہ ہے۔ علامہ شیخ محمد عبدہٗ نے جو بحث کی اُسے ہم یہاں ذکر نہیں کرینگے۔ کیونکہ یہ مشہور باتیں ہیں اور خود شیخ نے بھی ان امور کو بہ اختصار بیان کیا ہے۔

چونکہ بسم اللہ بہرحال قرآن پاک ہی کی آیت ہے اسلیے شیخ نے اور آیتوں کی طرح اسکی بھی تفسیر فرمائی۔ جو حسب ذیل ہے:۔

قرآن ہمارا رہنما اور مقتدا ہے۔ پس اسکا کلمہ بسم اللہ سے شروع کیا جانا ہمیں اس امر کی ہدایت کرتا ہے کہ ہم اپنے کاموں کو بسم اللہ ہی سے شروع کیا کریں۔ مگر اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ جب ہم کسی کام کے کرنے کا ارادہ کریں تو پہلے خدا تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام تبرکاً و تیمناً پڑھ لیا کریں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ ہم پوری عبارت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی کو پڑھیں کیونکہ خاص اسی عبارت کا پڑھا جانا مقصود ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم یعنی عزیز یا حکیم وغیرہ کا ذکر کرتا ہوں تو اس کہنے سے اسکا منشاء یہ ہوگا کہ لفظ "اسم" بھی اسکی زبان سے نکلتا ہے پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے سے غرض اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت و مدد حاصل کرنا ہے۔ اگر ان کی رائے کو صحیح مان لیا جائے تو بندوں کے قول باسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور خدا کے کلام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا میں حقیقتاً کوئی فرق نہ ہونا چاہیے حالانکہ کلام الٰہی حشو و زوائد سے پاک ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بسم اللہ میں اضافت اضافت بیانیہ ہے مگر اس صورت میں لفظ الرحمٰن الرحیم کا لفظ پر وارد ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اسی طرح جو لوگ اسمائے ثلثہ یعنی اللہ۔ رحمٰن۔ اور رحیم کو لفظ اسم کا مبیّن قرار دیتے ہیں وہ بھی صریحاً تکلف سے کام لیتے ہیں۔ اگر واقعی اسمائے ثلثہ لفظ اسم کے بیان ہی کے لئے گئے ہیں تو پھر اس طریقۂ تعبیر کے اختیار کرنے کا فائدہ ہی کیا ہوا۔ حالانکہ یہ وہ طریقۂ تعبیر یا طرز بیان ہے جو تمام قوموں میں حتیٰ کہ اہل عرب میں بھی مقبول و مروج ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی امیر یا حاکم کی وجہ سے کوئی کام کرنے کا قصد کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُسے اپنی طرف منسوب نہ ہونے دے۔ یا اُس سے اپنے نام کو علیحدہ رکھے تو وہ اُس امیر یا حاکم کا نام لیکر کہا کرتا ہے کہ یہ کام میں فلاں شخص کے نام سے کرتا ہوں۔ کیونکہ نام اپنے مسمّٰی کے لیے دلیل و عنوان ہوا کرتا ہے۔ اگر ہم کسی حاکم کے حکم سے کوئی ایسا کام کریں جسکا وجود پذیر ہونا وجود حاکم پر موقوف و منحصر ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ کام فلاں حاکم کا ہے۔ اور اسکے نام سے معنون ہے یعنی اگر وہ حاکم نہ ہوتا۔ تو ہم بھی اس کام کے انجام دینے سے قاصر رہتے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے یہ معنی ہوتے کہ میں اس کام کو خدا کے حکم سے شروع کرتا ہوں اور اسی کے لیے کرتا ہوں نہ کہ اپنے لیے۔ یعنی میرا یہ عمل خالصاً لِلّٰہ ہے اور مجھے اس سے حظ نفس مقصود نہیں۔

بسم اللہ میں لفظ اسم کے ملحوظ و مراد ہونے کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ بندہ جس طاقت اور قوت کے بھروسہ پر کسی کام کے کرنے کا قصد کرتا ہے۔ وہ اُسے خدا ہی کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے بندہ کو طاقت و قوت مرحمت نہ فرمائی تو اُس سے وہ کام نہ ہو سکتا۔ گویا کام کرنے والا حقیقتاً بندہ نہیں ہے بلکہ

خدا ہے۔ اور اس لیے کام کے وجود پذیر ہونے کی نیک نامی دراصل خدائے عزوجل ہی کو ملنی چاہیے۔ نہ کہ بندۂ عاجز کو۔ یہ معنی الرحمٰن الرحیم سے زیادہ واضح اور مکمل ہو جاتے ہیں۔ اس توجیہ کے اعتبار سے کاموں کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کے یہ معنے ہوئے کہ میں اس کام کو شروع کرتا ہوں۔ اور اپنے نام سے نہیں بلکہ خدا کے نام سے کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ میں اسکی توفیق و امداد اور فضل و اکرام کا محتاج و امیدوار ہوں۔ اگر وہ میری دستگیری نہ فرمائے اور مجھے طاقت و قوت میسر نہ ہو تو میں اس کام کے انجام دینے سے قاصر رہوں گا بلکہ طاقت و قوت کے حاصل ہونے پر بھی یہ کام مجھ سے انجام پذیر نہ ہو سکیگا۔ تاوقتیکہ اسکا حکم اور اسکی رحمت کی امید نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ بسم اللہ میں لفظ اسم اور لفظ اللہ دونوں ہی کے معنی مراد و ملحوظ ہیں۔ اور علی ہذا الرحمٰن اور الرحیم کے بھی۔ اس قسم کا استعمال یا طریقۂ تعبیر سب زبانوں میں مشہور و مروج ہے۔ فی زمانا اسکی عمدہ نظیر یہ پیش کیجا سکتی ہے کہ سلطنت کے انتظامی اور عدالتی محکموں سے جو تحریری یا زبانی احکام جاری ہوتے ہیں وہ کسی سلطان یا خدیو کے نام سے شروع کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے: "باسم السلطان فلان" یا "باسم الخدیو فلان"

سورۂ فاتحہ میں بسم اللہ کے معنی یہ لیے جائیں گے کہ جس قدر آیات و احکام وغیرہ قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں وہ سب خدائے عزوجل ہی کی طرف سے اور اسی کے لیے ہیں۔ یعنی کسی دوسرے کا ان میں دخل و تصرف نہیں ہے۔

لفظ اسم اور لفظ اللہ کی بحث چونکہ مشہور و معروف تھی اسلیے شیخ نے سرسری طور پر اسکا ذکر کر کے الرحمٰن الرحیم کی بحث کو چھیڑا اور فرمایا کہ یہ دونوں لفظ رحمٰن اور رحیم رحمۃ سے مشتق ہیں اور رحمۃ ایک کیفیت کا نام ہے جو دل سے تعلق رکھتی اور آدمی کو احسان کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ (ان معنوں میں رحم انسانی دنیا میں مشہور ہیں)، رحمۃ اور اسکے مشتقات یعنی رحمٰن اور رحیم کا باری تعالیٰ کی طرف منسوب ہونا محال ہے کیونکہ ہم لوگ رحمت اس رنج و قلق کو کہتے ہیں جو کسی کو دیکھ کر بشری طبیعت میں پیدا ہوتا اور اسے احسان کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رنج و الم اور تاثرات سے پاک و منزہ ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف جو رحمت منسوب ہوتی ہے۔ اس سے مراد اسکا اثر و نتیجہ یعنی احسان و اکرام ہے۔

صاحب جلالین اور انکی تقلید میں صبان نے رحمٰن اور رحیم دونوں کو ایک ہی معنی میں بتایا ہے اور رحیم کو رحمٰن کی تاکید قرار دیا ہے لیکن یہ محض ایک سہو ہے اور ایسے مسلّم عالم سے اس قسم کی غلطی کا سرزد ہونا جائے تعجب ہے۔ خدا تم معاف فرمائے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میں ایک مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے دل یا زبان سے یوں کہے کہ قرآن میں کوئی کلمہ بھی ایسا ہے جو دوسرے کلمہ کے مغایر ہونے اور فی نفسہ کوئی مستقل معنی نہ رکھنے کے باوجود محض اسکی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک کلمہ دوسرے کلمہ کے معنی کو زیادہ واضح و مشرح کرتا ہو لیکن اسے میں تسلیم نہیں کروں گا کہ ایک کلمہ کے معنی بغیر کسی زیادتی یا کمی کے بعینہ اور من وعن وہی ہوں جو دوسرے کلمہ کے ہیں یعنی وہ بالکل ویسا ہی ہو جسے اصطلاح نحو میں مترادف بولتے ہیں۔ اور پھر بھی اسے محض بغرض تاکید استعمال کیا گیا ہو۔ ایسے کلمات تو کسی شخص کے کلام میں پائے جا سکتے ہیں جن کا لفظی آرائش و زیبائش کے سوا اور کچھ مقصد نہ ہو۔

علاوہ ازیں عربی زبان میں تاکید کے لیے جو طریقے مقرر ہیں یہ طریقہ ان میں نہیں ہے۔ تاکید کے لیے حرف "ان" بیشک آتا ہے۔ مگر وہ درحقیقت تاکید ہی کے لیے وضع کیا گیا ہے یعنی اسکے معنی ہی تاکید کے ہیں۔ حرف زائد جس کلمہ کی تاکید کے لیے لایا جاتا ہے اس کلمہ کے معنی حرف کے معنی سے مغایر ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے ارشاد وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا میں حرف "با" خدا تعالیٰ کے لیے ثبوت کفایت کے معنی کی تاکید کرتا ہے۔ اور یہی اسکے معنی موضوع ہیں۔ اسکو حرف زائد کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ترکیب نحوی کے لحاظ سے وہ زائد ہے۔ اسی طرح آیۂ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ میں "مِنْ" کو سمجھنا چاہیے وعلی ہذا القیاس۔

مخاطب کو تاکید کرنے یا ڈرانے اور دھمکانے کے لیے کسی لفظ یا جملہ کو حسب موقع محل بار بار ذکر کرنے کا طریقہ بلیغ کاموں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیۂ مبارکہ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ہے کہ ہر ہر نعمت کے ذکر کے بعد اسکا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ آیۂ مکرر نہیں ہے کیونکہ اسکے معنی دراصل یہ ہیں کہ "کیا اس نعمت کو تم جھٹلاؤ گے"۔ قرآن مجید کے اور جن جن مقامات میں یہ روش اختیار کی گئی ہے۔ انکو بھی فبای الاء ربکما تکذبان ہی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ رحمٰن سے جلیل نعمتوں کا بخشنے والا مراد ہے اور رحیم سے دقیق نعمتوں کا دینے والا۔ بعض کا قول ہے کہ رحمٰن اس منعم کو کہتے ہیں۔ جس کی بخشش عام ہو یعنی اسمیں کافر و غیر کافر کی کوئی تخصیص نہ ہو۔ اور رحیم اس محسن کو جسکا انعام مومنوں کے لیے مخصوص ہو۔ یہ تمام باتیں محض زبردستی اور کھینچا تانی سے لغت میں داخل کی گئی ہیں اور اس اصل پر مبنی ہیں کہ حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کیا کرتی ہے۔ اصول تو صحیح ہے۔ مگر اسے غلط طریقہ سے

استعمال کیا گیا ہے۔ حروف کی زیادتی ہر قسم کی معنوی زیادتی پر نہیں بلکہ مطلقاً معنی وصفی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ پس رحمٰن کی صفت عطا کنندہ کے کثرت احسان پر دال ہے۔ خواہ وہ احسان قلیل ہو یا دقیق اور خواہ اُس احسان کے افراد کے مقابلہ میں جو قلیل الحروف لفظ رحیم کا مدلول ہے۔ اس احسان کے افراد جو کثیر الحروف لفظ رحمٰن کا مدلول ہے۔ زیادہ ہوں یا کم۔ کیونکہ یہاں افراد احسان سے تو بحث ہی نہیں ہے۔ صرف رحمت کا ذکر ہے۔

جن مفسرین نے رحمٰن سے معنی باحسان عام مراد لیا ہے وہ ہمارے منشا کے قریب پہنچگئے ہیں۔ لیکن انھوں نے یہ غلطی کی ہے کہ رحیم کے مدلول کو مومنوں کے واسطے مخصوص کر دیا ہے جن لوگوں نے رحیم کو رحمٰن کی تاکید بتایا ہے شاید انہی مفسرین کے اقوال دیکھ کر وہ اس غلط فہمی میں پڑے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مفسرین نے رحمٰن و رحیم میں امتیاز و تفریق کے لیے جو باتیں بیان کی ہیں قائلین تاکید کی ان سے تسلی نہیں ہوئی۔ اور ان سے بہتر کوئی بات ان کے ذہن میں نہیں آئی۔ اسلیئے انھوں نے خیال کر لیا کہ رحمٰن و رحیم کے معنی ایک ہی ہیں۔ اور رحیم سے رحمٰن کی تاکید مقصود ہے۔

شیخ نے فرمایا۔ میرا خیال یہ ہے کہ صیغہ فعلان ایسے وصف فعلی کو ظاہر کیا کرتا ہے جس میں مبالغہ کے معنی بھی ہوں جیسے فعّال ہے۔ اور لغوی استعمال میں یہ عارضی صفات کے لیے آتا ہے۔ مثلاً عطشان و غرثان و غضبان وغیرہ اور صیغہ فعیل لغوی استعمال میں ایسے معنی وصفی پر دلالت کرتا ہے جس میں ثبات اور پائداری ہو مثلاً انسان کے اخلاق و عادات وغیرہ پر جیسے الفاظ علیم و حکیم و حلیم و جمیل وغیرہ ہیں کہ علم، حکمت، حلم اور جمال وغیرہ جیسی پائدار صفات کو ظاہر کرتے ہیں اور قرآن مجید نے چونکہ صفات الٰہی کے بیان کرنے میں جو مخلوق کی صفات سے برتر و اعلیٰ ہیں۔ بلیغ عربی کے اسلوب کو ملحوظ و مدنظر رکھا ہے اسلیئے لفظ رحمٰن اُس ذات پر دلالت کرے گا جس سے آثار رحمت بالفعل صادر ہوں یعنی جو فضل و کرم کی بارش کر رہا ہو اور لفظ رحیم دلالت کرے گا رحمت و احسان کے منشا۔ اور سرچشمہ پر۔ اور اس امر پر کہ صفت رحیمی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک قدیم اور ضروری صفت ہے۔ جب رحمٰن و رحیم کے معنی یہ ہوئے تو ایک لفظ کا کام دوسرے سے نہیں نکل سکتا اور رحیم رحمٰن کے لیے تاکید بن سکتا ہے۔ پس جب کوئی عرب کا باشندہ اللہ عزوجل کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ سنیگا تو وہ سمجھیگا کہ خدا تعالےٰ بالفعل نعمتیں عطا فرما رہا ہے لیکن وہ یقین نہیں کرے گا کہ رحمۃ خدا تعالےٰ کی ایک دائمی اور لازمی صفت ہے کیونکہ جو فعل کسی لازمی یا دائمی صفت کا نتیجہ نہ ہو وہ کبھی منقطع بھی ہو جاتا ہے۔ خواہ کتنا ہی بکثرت کیوں نہ ہو۔ اسلیئے وہ محض رحمٰن کو سنکر دوام و لزوم صفت کا نتیجہ نہیں نکالیگا۔ البتہ جونہیں کہ وہ لفظ رحیم کو سنے گا۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق اسکا اعتقاد ویسا ہی کامل ہو جائے گا جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ اور جیسا کہ بارگاہ قدس میں مقبول و پسندیدہ ہے۔ اور اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی دائمی اور لازمی صفات میں سے ایک صفت رحمت بھی ہے۔ جس کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور جو مخلوق کی صفات سے بالاتر ہے کیونکہ حقیقی دوام و ثبات رحمت باری ہی کو حاصل ہے۔

اس صورت میں رحمٰن کے بعد رحیم کا ذکر ایسا ہے۔ جیسا کہ مدلول کے بعد دلیل کا ذکر ہوتا ہے۔ تاکہ صفت رحیم صفت رحمٰن کے لیے بطور ایک برہان کے ہو جائے۔

(باقی آئندہ)

تلاوت قرآن

یتلونہ حق تلاوتہ۔ یہ آیت خواہ توریت و انجیل کی تلاوت کے متعلق ہو یا قرآن مجید کی تلاوت کے بارہ میں دونوں صورتوں میں ہم مسلمانوں کے لیے تنبیہ عظیم ہے اسلیئے کہ مسلمان حق تلاوت قرآن مجید کی تلاوت جیسی کرنی چاہیئے نہیں کرتے کم ہیں۔ ایسے خدا کے بندے جو حق تلاوت ادا کرتے ہوں۔ قرآن کو بہت پڑھتے ہیں مگر بغیر غور و تدبر بلکہ اکثر تو غور و تدبر کو گناہ سمجھتے ہیں اور افلا یتدبرون القرآن کو نہیں دیکھتے۔ قرآن اصل اسلام اور سرچشمہ ہدایت ہے مگر صرف اسی صورت میں کہ سمجھکر تلاوت کی جائے۔ ورنہ لفظوں کے پڑھ جانے سے کوئی معتدبہ فائدہ نتیجہ مترتب ہوتا بلکہ حق تو یوں ہے کہ اسلوں محض گھمنڈ پیدا ہو جانے کا باعث ہو جاتا ہے معاذ اللہ ملاکو۔ عوام تو خدا جانے کیا سمجھتے ہیں لیکن وہ بھی اپنے آپ کو اتنا خیال کرنے لگتی ہیں جس کے وہ ہرگز اہل نہیں ہوتے کاش یہ حضرات تو قرآن مجید کو سمجھکر پڑھیں تاکہ فرقہ بندی انکی ذمہ سمجھ جانے میں پیدا ہو رہے ہیں انکو دور کرنیکے قابل ہو کر قوم کے سچے واعظ و ناصح بن سکیں۔

تلاوت کے معنی ہیں پیچھے پیچھے چلنا جو لوگ قرآن کو غور و تدبر پڑھتے ہیں خود ہی کا احکام قرآنی کی پیروی کریں اس لیے قرأت قرآن کو تلاوت کہتے ہیں اور چونکہ وہ مسلمان جن کی زبان عربی نہیں ہے قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اسلیئے فرض نہیں تو ایسا امر واجب ضرور ہے کہ اپنی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی اصل قرآن کے ساتھ پڑھیں ورنہ جیسے یہود و نصاریٰ کی توریت و انجیل کی لفظی تلاوت کو ایمان نہیں گا اور خدا تعالیٰ نے بے سود بتایا ہے ویسا مسلمانوں کی تلاوت قرآن بھی وہی حکم رکھتی ہے وہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قرآن پر سچا ہی ایمان رکھتے ہیں۔ جیسا کہ رکھنا چاہیئے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
تمہارے لیئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے

السيرة المحمدية والخصائص النبوية

اُمّی نبی

چلاو اتبع کنم تقلید مجنون کہ من در عشق صاحب اجتہادم

جمہور مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صلعم اُمّی تھے۔ یعنی کسی تعلیمگاہ میں داخل ہوئے اور نہ کسی انسان یا استاد بشری سے تعلیم پائی۔

بعض لوگوں کے خیال میں نبی کا اُمّی ہونا ایک نقص ہے۔ اور کبھی بعض مسلمان بھی یہ خیال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ شاید حضور محمد صلعم کسی حد تک تعلیم یافتہ ہوں۔ کیونکہ اون کے نزدیک رسالت یا نبوت کے واسطے عرفی یعنی یا انسانی اور درسی تعلیم لازمی ہے۔ اور بغیر اسکے نبوت کامل نہیں ہوتی۔

بعض وقت ہم صرف اس خیال سے تاویل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ کسی معترض کی جانب سے جو اعتراض اور جو شبہ کیا جاتا ہے وہ اس طرح رفع ہو جاوے یا کمزور پڑ جاوے۔ اگرچہ بعض اوقات تاویلی پہلو صداقت کا پہلو لیتا ہے لیکن بسا اوقات ایسا پہلو صلیت سے سخت مغایر ہوتا ہے۔ اور تاویلی رنگ میں ایک مسلمہ امر چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ معترضوں میں سے بعض معترض مطمئن نہوں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک معترض کی طمانیت کے ہم ذمہ دار ہو سکیں۔ ازالہ اعتراض اور شئے ہے۔ و طمانیت معترض چیزے دیگر۔

اس بات سے انکار کرنا کہ محمد صلعم اُمّی نہ تھے اون اسلامی مسایل سے انکار کرنا یا اعراض ہے جو تقریبًا بالاتفاق مانے جاتے ہیں۔ اور جن میں تاویل کی بہت ہی کم گنجایش ہے۔

اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ تکمیل نبوت کے واسطے تعلیم یا انسانی تدریس اور رسمی و عرفی تعلیم لازمی ہے تو اس بحث کے اول میں ہمیں یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ

(۱) کیا ملکہ نبوت وہبی اور فطری ہے۔

(۲) یا کسبی اور کیا۔

(۳) عقل و دانش اور فراست وہبی اور فطری ہے۔

(۴) یا کسبی۔

تین سوالات ہیں جو اس بحث میں قابل بحث ہیں۔ قبل اسکے کہ ہم سوالات نمبر (۱) کی نسبت بحث کریں سوال نمبر (۳ و ۴) کی بابت بحث کرتے ہیں۔ ہماری دانست میں عقل و فراست و دانش و بینش وہبی اور فطری ہے۔ اگرچہ کسی ظاہری یا خارجی تعلیم و تدریس یا صحبت اور مشاہدہ و تجربہ سے وہ جلا پاتی ہے لیکن کسبی نہیں ہے۔ تعلیم و تدریس سے بے شک معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ یا معلومات سے آشنائی ہوتی ہے لیکن تعلیم اور تدریس سے عقل و فراست پیدا نہیں ہوتی ہاں اوس کا تزکیہ اور تصفیہ کسی حد تک ہوتا یا ہو سکتا ہے۔ ایک پرانی مثال ہے۔

"قسمت کی ایک رتی۔

عقل کی کچھ مقدار۔

۹۰ من علم سے بڑھ کر ہے"

جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ کہاوت فی الواقع ایک صداقت ثابت ہوتی ہے۔ ایک نوزایدہ بچہ۔ ایک کم عمر لڑکا لڑکی یا مولود عقل و ساتھ جو اُس میں شعور و فراست تو ایک حد تک پائی جاتی ہے۔ اور اوس سے وہ اپنے حوصلہ کے مطابق کام بھی لیتا ہے۔ لیکن علم سے محض بے بہرہ ہوتا ہے۔ اسکول یا مدرسہ میں جانے سے پہلے ہمیشہ وہ اپنی عقل و دانش اور فہم و فراست سے کام لیتا ہے اور وہ عقل و دانش اور فہم و فراست طبعًا قریبًا اسکی رہبری کے واسطے ایک بڑی حد تک کافی ہوتی ہے۔ جب وہ اسکول اور مدرسہ میں داخل ہوتا ہے تو معلوم نہیں قوت اور ملکہ ہے جو اسکا رہبر ہوتا ہے۔ اور کس طاقت کے ذریعہ وہ اوستاد

کے اشاروں اور ماسٹروں کے رموز کو سمجھتا اور حل کرتا ہے۔

یہ وہی ملکہ اور وہبی قوت ہے جسے بالفاظ دیگر عقل و فراست کہا جاتا ہے اور جو ہر فرد بشر کو طبعاً و فطرتاً حاصل ہے۔ اور جو ہر طبیعت میں موجود ہے۔ نہ صرف حضرت انسان ہی کی طبائع میں یہ ملکہ اور یہ قوت موجود ہے بلکہ دیگر حیوانات کو بھی کچھ نہ کچھ شعور دیا گیا ہے۔ چاہے اوسکی مقدار اور نوعیت کچھ ہی ہو۔ ہے گو کہ لا مکان۔ لیکن　ہر چیز میں ہے ظہور اوسکا

دیگر حیوانات کا شعور بہ دیگر الفاظ تمیز و دانش مسلّم کیا گیا یہ ملکہ اور یہ قوت اونہیں کسی رسمی تعلیم گاہ سے ملی ہے۔ اور کیا یہ نعمت کسی کسبی کوشش کا اثر اور نتیجہ ہے اور کیا کسی انسانی یا عرفی اوستاد اور رسمی تعلیم کی محنت اور ذہانت کا یہ اثر ہے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ملکہ کسی خارجی کوشش کا اثر ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہبی اور طبعی نہیں ہے۔ یا فطرت ہی میں یہ نہیں رکھا گیا۔ جب دیگر حیوانات بھی اس سے خالی اور معرا نہ ہے تو پھر افضل الکائنات حضرت انسان کیونکر اس سے محروم رہتا۔

عقل و فراست ہی ایک ایسا ملکہ اور ایک ایسی قوت ہے کہ تمام انسانی کمالات اور انسانی فضائل کی... ایک کلید ہے۔ علم و فن کی ہستی بھی یہی عقل و فراست ہے عقل و فراست مستلزم علم ہے۔ علم مستلزم عقل نہیں ہے۔ بہت سے عالم و فاضل باوجود جاننے فنون و علوم کے عقل و فراست کے بغیر ناقص شمار ہوتے ہیں۔ اور بہت سے عقیل و فہیم باوجود کمی معلومات اور کمی علم کے بعض عالموں کے مقابلہ میں فراستی بازی لے جاتے ہیں۔ کوئی عقیل و فہیم صاحب دانش و فراست بے وقوف نہیں کہا جا سکتا لیکن بعض علم کے دھنی عقل و فراست کے نہ ہونے کی وجہ سے کم عقل یا بیوقوف کہے جاتے ہیں۔ یہ ایک عقیل و فہیم ایک کم عقل عالم پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور ایک عالم ایک عقلمند کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

این سعادت بزور بازو نیست

انسان دیگر قوتوں کی طرح عقل و فراست ساتھ ہی لاتا ہے لیکن علم ساتھ نہیں لاتا۔ قوت متفکرہ قوت مدرکہ اور قوت متخیلہ کسبی نہیں ہیں بلکہ طبعی اور وہبی ہیں۔ کیا کبھی تعلیم یا علم سے قوت مدرکہ۔ قوت ممیزہ اور قوت حافظہ میں ترقی ہو سکتی ہے۔ کیا جس کا حافظہ قدرتاً ہی ضعیف ہے۔ وہ کسی درجہ تک میں جا کر پڑھ سکتا ہے یا اوسکے علم میں کوئی مناسب اضافہ ہو سکتا ہے۔ کیا تعلیم سے قوت سماعت اور قوت بصارت بڑھ سکتی ہے۔ کیا علم۔ یا عالموں نے ایسا کوئی علاج پیش کیا ہے۔ اگر ایسا کوئی علاج پیش نہیں کیا گیا تو سمجھ لو کہ وہبی اور طبعی قوتوں اور طبعی جذبات کا تفوق اور کمال کسبی کیفیات ثابت ہے۔ علم ایک کیفیت اور ایک اضافی سرمایہ ہے۔ عقل و فراست اور دانش و بینش ایک طبعی جوہر اور فطری اثاثہ ہے۔ علم سے اکثر بے بہرہ اور ناآشنا رہتے یا رہ سکتے ہیں۔ لیکن عقل و فراست سے کوئی بھی خالی نہیں ہوتا کمی بیشی کا سوال الگ ہے۔

جواب۔ سوالات سوئم اور چہارم کے بعد ہم یہ کہیں گے کہ نبوت اور رسالت بھی ایک وہبی ملکہ ہے اور فطرتی امتیاز کے ماتحت نشو و نما پاتا ہے جو شخص خلعت نبوت سے مفتخر کیا جاتا یا مفتخر ہوتا ہے وہ اپنی کوششوں اور اپنی تجویزات کے طفیل نہیں ہوتا۔ بلکہ قدرت اوسے خود اس منصب اور اس خدمت کے لیے منتخب اور تیار کرتی ہے۔

جس پتھر اور جس وجود سے آگ نکلتی ہے وہ اسکی ذات میں ہی موجود ہوتی ہے کسبی نہیں ہوتی۔ اور کسبی ساخت اور تدبیر کی محتاج۔ اگر ہم چاہیں کہ مصنوعی طور پر کسی پتھر میں آگ یا شرارہ پیدا کر دکھائیں۔ تو یہ مشکل ہوگا جس طرح قدرت ہی نے بعض اجسام میں آتش کا شرارہ رکھدیا ہے اسی طرح بعض انسانوں کو بھی یہ ملکہ نبوت دیا گیا ہے۔ دیکھو خوش الحانی اور خوش گلوئی کسبی نہیں ہوتی۔ بے شک موسیقی کا کمال اور تفوق کسبی ہے لیکن خوش الحانی اور خوش گلوئی ایک وہبی عطیہ ہے۔ خوبصورتی اور حسن وہبی ہوتا ہے۔ تزکیہ اور تصفیہ ظاہری کسبی ہے اور اس سے حسن میں ایک اوپری شان پیدا ہو جاتی ہے لیکن کوئی قدرتی بدصورتی محض تزکیہ اور تصفیہ سے حسن کا درجہ نہیں لے سکتی۔ بے شک ریاضت اور بندگی سے ایک مرتاض اور ایک بندہ تزکیہ قلب کرسکتا ہے لیکن نبی نہیں ہو سکتا جس طرح ایک طالب علم اضافہ معلومات سے بہت کچھ واقفیت تو پیدا کرسکتا ہے لیکن عقل و فراست طبعی رنگ میں نہیں پا سکتا حقیقت اور مجاز میں ہمیشہ فرق ہوگا۔ جس طرح ایک موتی اور ایک لعل بحر اور معدن ہی سے موتی اور لعل بن کر نکلتا ہے اسی طرح ایک مرسل اور ایک نبی بھی بحر فطرت اور معدن قدرت ہی سے نبی اور مرسل ہو کر مبعوث ہوتا ہے۔ اوسکی ریاضت اور اوسکی عبادت ہمیشہ دوسروں کے واسطے ایک تحریص اور عملی رنگ میں تبلیغ ہوتی ہے ورنہ اسکی سرشت اور اسکی فطرت پاکیزگی اور معصومیت ساتھ ہی لاتی ہے۔ اوس کا وہبی ملکہ نبوت اور طبعی قوت رسالت وہ سامان اور وہ مواد ساتھ ہی لاتی ہے جو اس مشن کے واسطے لازمی ہے۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

جس طرح عقل و دانش فہم فراست ایک جداگانہ قوت اور جداگانہ ملکہ ہے۔
اسی طرح قوت نبوت اور جذبۂ رسالت بھی ایک جداگانہ ملکہ ہے بہ دیگر الفاظ
ہم یہ کہیں گے کہ
انبیا علیہم السلام کو بھی ایک قسم کی عقل و فراست دی جاتی ہے جو نبیانہ
رنگ میں مذہبی مراحل میں کام دیتی ہے۔ یا جس کی رہبری اور تائید سے مذہبی
مراحل اور روحانی منازل پر روشنی پڑتی ہے عقل و دانش ایک دنیوی فلسفہ
ہے۔ یا نمائندۂ فلسفہ فلسفہ کی تعریف یہ بھی ہے کہ
وہ ایک شوق فراست اور خواہش عقل و دانش ہے۔ مذہب اور
روحانیت بھی ایک فلسفہ ہے بالفاظ دیگر ایک وجدانی عقل اور روحانی فراست
اور اگر ہم غور سے دیکھیں گے۔ تو ہمیں معلوم ہو سکے گا کہ
ان دونوں عقول میں ایک نسبت بھی ہے۔ معمولی عقل و فراست دنیا میں
اگر فلاسفر پیدا کرتی یا بناتی ہے تو وجدانی عقل و دانش مذہبی دنیا میں
مرسل علیہم السلام پیدا کرتی ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ہستی انسانی
کو بارگاہ ایزدی سے خلعت نبوت بخشا گیا ہے تو اوس کا دوسرے الفاظ
میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ
اپنے وقت پر اون ملکات نبوت اور قوتِ رسالت کا عملی رنگ میں
اظہار اور انکشاف کیا گیا ہے۔ جو ایک خاص ہستی میں موجود تھے۔ یا یوں کہو کہ
ایسے ملکات نبوت کا اعلان کیا گیا اور ایسی ہستی کو یہ موقعہ دیا گیا ہے کہ ان
ملکات کے ماتحت اپنی حدود میں رہ کر انبیانہ تبلیغ کرے۔
بیشک کسبی رنگ میں بھی ایک حد تک تزکیہ نفوس ہوتا یا ہو سکتا ہے اور اس سے
بھی انسان کی قوتوں اور جذبات میں ایک قسم کا ممتاز نشوونما ہونے لگتا ہے۔
لیکن یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک عقیل و فہیم تحصیل علم سے مستفید ہوتا یا ہو سکتا ہے تو
عقول اور افہام میں جس طرح امتیاز اور فرق ہے۔ اسی طرح ملکات وجدانی
میں بھی امتیاز ہے کیا سب انسانوں کی عقلیں ایک ہی مقدار رکھتی ہیں اور کیا سب
عقلوں کے تصرفات اور سب قوتوں کے افعال ایک ہی اثر اور ایک رنگ رکھتے
ہیں۔ اسی طرح وجدانی قوتوں اور روحانی ملکات کی بھی مختلف صورتیں اور مختلف
تصرفات ہوتے ہیں۔ روحانیات میں اگر بعض ایک درجہ رکھتے ہیں تو بعض دوسرے
درجہ بدرجہ ملکات کا عمل ہوتا ہے جنہیں ملکہ نبوت دیا گیا ہے اور جن کے
ذمہ بہت پر رسالت کے فرائض لگائے گئے ہیں اونکی روحانیت دوسروں سے
ہمیشہ جداگانہ اور ممتاز ہوتی ہے۔
اونہیں ایزد تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کام کے واسطے خصوصیت کے
ساتھ انتخاب کر لیتا ہے۔ اور اپنے ہی درس سے تراج۔ روحانیات اونہیں تعلیم
دیتا اور اُن کے روحانی مبلغ علم کو واضح اور وسیع کرتا ہے۔ ایسے طور پر کہ اونہیں
ظاہری تعلیم کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ضرورت اوس حالت میں ہو جب اونہیں اپنی طرف
سے تبلیغ رسالت کرنی ہو۔ اون کی تعلیم گاہ اور اون کا مدرسہ وہی روحانی مکالمہ اور
روحانی مکاشفہ ہوتا ہے۔ جو ہر وقت اونہیں حاصل ہے۔ اون کی کتاب اور انکی
نصاب وہی صحیفہ ہوتا ہے جو اون پر بذریعہ الہام وقتاً فوقتاً نازل کیا جاتا ہے
الہام اون کے واسطے روزانہ سبق اور لگاتار تعلیم ہے الہام ہی کے ماتحت
اون پر تمام احکام اور تمام ہدایات نازل ہوتی ہیں۔ اور الہامی مدرسہ میں
ہی اون کی تفصیل اور تعبیر کی جاتی ہے۔
حضرت رسول کریم صلعم کا مدرسہ اور تعلیم گاہ بھی وہی الہام تھا جو بعثت کے بعد
اون پر نازل ہوتا تھا۔ اور جس میں وہ نظری مقتضیات کے ماتحت داخل کیے گیے
تھے۔
اگر یہ کہا جاوے کہ:۔
ان حالات میں بھی ہمارے رسول کے واسطے تعلیم عرفی یا تعلیم رسمی ضروری تھی
تو ہم اوسکے ساتھ یہ سوال کرینگے کہ:۔
مدکیا نبی عربی نے کسی سے الہام کی تعلیم پائی تھی یا یہ سیکھا تھا کہ کس طرح پر کوئی شخص
نبی بن سکتا ہے یہ اور کس طرح اوس پر الہام کی بارش ہو سکتی ہے۔ اور کیا اوس وقت
کوئی ایسا مدرسہ جاری تھا اور رسمی رنگ میں ایسی تعلیم دیجاتی تھی۔
ان سوالات کا جواب قطعاً نفی میں ہوگا نہ تو کوئی ایسا مدرسہ کھلا تھا۔ اور نہ کبھی
تعلیم گاہ میں ایسی تعلیم دیجاتی تھی نہ کوئی رسمی تعلیم یا رسمی مجاہدہ سے نبی بن سکتا ہے
جب ایسی کوئی بات نہ تھی تو پھر حضرت کے واسطے تعلیم کی کیا ضرورت تھی اور رسمی
تعلیم پا کر اونہیں کیا کچھ مل جاتا۔ جو شخص دنیا میں لیکر وہ آئے تھے اوکی تبلیغ
اور تعلیم کسی اور ہی درس سے براہ راست ہوتی تھی۔ اوسکے ایک شوشہ سے بھی
گرد و نواح کے لوگ آشنا نہ تھے۔ اور نہ کسی رسمی تعلیم میں کوئی ایسا نصاب تھا
- - - - - - - - - اس قسم کی روحانی تعلیم کی تو اوس
شخص کو ضرورت ہے جو وہبی رنگ میں اس سے آشنا نہ کیا گیا ہو۔ جب فطری رنگ
میں ہی یہ تمام سامان دیا گیا تھا تو پھر اس سرمدی کی ضرورت ہی کیا تھی۔
اگر یہ کہا جاوے کہ کوئی شخص اس دنیا میں سوائے ..... رسمی تعلیم کی فوقیت
اور امتیاز نہیں پا سکتا۔ تو یہ ایک استدلالی مباحث ہے۔ اگر وہبی رنگ میں انسان
عقل و فراست کا مالک ہو سکتا ہے اور رسمی تعلیم اسمیں کچھ بھی اضافہ نہیں کرتی۔ تو
پھر رسالت اور نبوت کے واسطے بھی آنحضرت کو تعلیم رسمی اور کسی تعلیم گاہ کی ضرورت نہ تھی

کیا رحانی فیضان اور روحانی اور اک کسی بیرونی اور رسمی تعلیم کا محتاج ہے میری رائے میں ہرگز نہیں۔ انسانی روایات اسکے خلاف ثابت کرتی ہیں۔ ہر شخص عقلمند ہے کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ عقل کس مدرسہ رسمی سے حاصل کی گئی ہے۔ کوئی شخص بھی اسکی مثال نہیں دے سکتا۔ ہر شخص علے قدر مختلف ذہنی مدرسہ ہی کی تدریس سے عقل رکھتا ہے۔ علم کی یہ طاقت نہیں کہ عقل فراست کا ڈپلوما دے سکے اں عقل و فراست کے طفیل علوم و فنون کا ظہور ہوا ہے ۔ اگر عقل نہ ہوتی تو یہ علم بھی نہ ہوتا۔

اگر یہ کہا جاوے کہ کیوں حضرت محمد صلعم کو امی رکھا گیا تو اسکا یہ جواب ہے کہ یہ رسم یا طریق عمل دنیائے رسالت میں کوئی نیا نہیں۔ شروع ہی سے اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ دیکھو ابو المرسلین حضرت بابا آدم علیہ السلام نے باوجود ایکہ ابتدائی اور مقتدر نبی اور مرسل ہونے کے کسی مدرسہ یا مکتب میں تعلیم نہیں پائی اور نہ انہیں ابو البشر ہونے کی صورت میں کوئی ایسا موقع ہی تھا۔ وہ بھی رنگ میں ہی تعلیم دے گئے۔ اور طبعی فطری رنگ میں ہی اون کے ملکات نبوت نے نشو و نما پایا حضرت آدم علیہ السلام کی روایت ، ممکن ہے شاید یہ کہا جاوے کہ یہ بھی ایک اسلامی روایت ہے۔

اوّل تو ہم یہ کہیں گے کہ ان روایات امیت کے بیان اور تصدیق کرنے والے نہ صرف مسلمان ہیں بلکہ یہودی اور نصاریٰ بھی ہیں۔ یہود اور نصاریٰ نے بھی کبھی یہ بیان نہیں کیا کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو فلاں درسگاہ رسمی سے تعلیم ہوئی یا فلاں اوستاد سے تعلیم پائی۔ وہ ایسا لکھ ہی کب سکتے ہیں۔ کیونکہ اون کے خیال میں بھی نسل انسان کا شروع تو وہی تھے۔ جب کوئی اور انسان موجود اور مخلوق ہی نہیں تھا تو پھر حضرت آدم علیہ السلام تعلیم کس سے پاتے۔ اور اون کا اوستاد کون بنتا۔

اب ہم ایک دوسرے رخ سے یہ سوال زیر بحث لاتے ہیں مسلمانوں یہود اور نصاریٰ کو چھوڑ کر اور جتنی مذہبی قومیں دنیا میں گذری ہیں۔ اور جن کی ندیات بتک مذہبی پیرایہ میں موجود ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ :۔

اون کے مورثان اعلےٰ نے جو مذہبی مورث شمار ہوتے ہیں کس کس سے تعلیم پائی۔ اونہوں نے مذہبی مشن میں اول اول ظہور کیا۔ ہم درمیانی مذہبی بانیان اور اوتاروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارا روئے سخن ابتدائی ہستیوں کی طرف ہے۔ آخری اور درمیانی روحانی کڑیاں ۔ ۔ ۔ ۔ چھوڑ کر اوپر کی یا ابتدائی کڑی پر ہاتھ ڈالکر کہو کہ :۔

اس کی تعلیم گاہ رسمی کون سی تھی۔

یا اسنے کس سے اور کس اور میں رسمی تعلیم پائی۔ اور یہ بھی کہ :۔

کیا اوس رسمی تعلیم کی وجہ سے اُسے یہ رتبہ روحانیت اور مکالمت الٰہی یا روحانی شخصیت اور روحانی کمال کا ..... حاصل ہوا۔

اِن سوالات کے جوابات ہی سے نکل آوے گا کہ ابتدائی مراحل میں امیت شروع ہی سے شامل حال رہی ہے۔ یہود۔ نصاریٰ اور مسلمانوں کے حضرت آدم علیہ السلام یا ابو البشر ہی۔ اور اقوام اور دیگر مذاہب کے ابو البشر ہی کو مقابل میں رکھ کر یہ کہو کہ :۔

"اُنکی تعلیم گاہ رسمی کون سی اور کہاں تھی"

"اور اسکا اُستاد اور پڑھانے والا کون تھا"

بادی النظر میں اسکا جواب بھی نفی میں ہوگا کہ جب روایات دیگر مذاہب سے بھی اپنے اپنے رنگ میں سلسلہ امیت ثابت ہے تو پھر وہ اعتراضات امیت جو رسول عربی پر کیا جاتا ہے باقی نہ رہا۔ اب یہ سوال باقی رہ گیا کہ :۔

آنحضرت صلعم نے بحالت امیت کس قسم کی تعلیم دی۔ اور اوس کا تبلیغی پہلو اثر کیا ہوا۔ کیونکہ اگر اوس میں کوئی کسر، کوئی کمزوری واقعتًا ایسی باقی رہی ہے جو علم رسمی کی محتاج ہے تو کہا جاوے گا کہ اونہیں علم رسمی کی ضرورت تھی اور اگر تعلیم رسمی کے بغیر ہی اون کا مشن پورا ہو گیا۔ اور رسمی تعلیم گاہیں بھی اون کی دینی تعلیم کی گرویدہ اور محتاج ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ اون کے مشن کے واسطے وہی تعلیم کافی اور جامع تھی۔ اور اونہیں کسی رسمی تعلیم کی ضرورت نہ تھی۔ اور خدا کا الہام اون کا مکمل اور مہتمم تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :۔

الیوم اکملت لکم دینکم الخ

اِس آیت کریمہ ہی سے معلوم اور ثابت ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کے مشن کا ذمہ وار کون تھا اور اونہیں کس درسگاہ سے تعلیم دیگئی تھی۔ اور وہ کیسی جامع اور شاندار اور محترم تھی۔ ایک انسانی اوستاد کی تعلیم رسمی پر اس قدر فخر کیا جاتا ہے جو محض غیر جامع ہوتی ہے۔ اور جسے خود خدا تعلیم دیتا ہے اور جس انسان کی فطرت پہلے ہی ایسی روشن اور اعلیٰ بنائی گئی ہو اوس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ :۔

"اوس کا شروع کسی رسمی درسگاہ سے نہیں ہوا۔ اور اسکا بانی اور شارع کوئی انسان نہیں ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کیوں یہ بھی قرار دیا جاتا ہے کہ اون کے قویٰ اور ملکات بھی جو انسان کو قدرت کی جانب سے بخشے گئے ہیں کسی رسمی درسگاہ کے محتاج نہیں۔ کیوں نہ یہ کہا جاوے کہ اون کی ہستی بھی بلاشبہ ہے کیونکہ وہ کسی انسان کی ساخت اور مخلوق نہیں ہیں یا اونہیں کسی انسانی کارخانہ اور مکتب سے وابستگی اور نسبت نہیں۔

عقل و فراست دانش و بینش کی اس صورت میں کچھ بھی قیمت نہیں ہوتی

چاہیئے۔ کیونکہ وہ زید وبکر کی بدولت انسانی طبائع میں موجود نہیں ہے۔ یا اونہیں ہم میں سے کسی انسان نے نہیں بنایا۔ اگر ان کی کچھ وقعت اور احترام ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ کیوں نہ ۔۔

"ملکہ نبوت اور فراست رسالت کی بھی ایسی ہی وقعت اور احترام ہو"۔ اور کیوں نہ اوسے بھی الہام ایزدی کے ماتحت ایک ضابطہ سمجھا جاوے اور کیوں نہ ایک ملہم ربانی کو رنگ رسول عربی ایک مکمل اور جامع انسان قرار دیا جاوے۔

ہر مذہب میں کانشنس یا ضمیر کو ایک حد تک ہادی اور رہنما مانا گیا ہے یہاں تک کہ بعض کے نزدیک صرف انسان کا ضمیر ہی رہبر اور قابل رہنمائی کے ہو سکتا ہے۔ اور اسی کی ہدایات قابل عمل ہیں بعض لوگوں کے خیال میں وہی شریعت اور ضمیری قانون ہی ایک جامع قانون اور مقدم و محترم شریعت کیا ضمیر اور کانشنس کے واسطے بھی کوئی رسمی درسگاہ تجویز کی گئی ہے۔ اور کیا صحیح فطرت کا یہ فتویٰ نہیں ہے کہ ضمیر اور کانشنس کے واسطے کسی رسمی درسگاہ کی ضرورت نہیں ہے۔

کیا کبھی کوئی شخص محض تعلیم سے صحیح پہلو لیکر شاعر اور فلاسفر ہوا ہے وہی شخص صحیح رنگ میں طبعی شاعر اور طبعی فلاسفر ہوتا ہے جو قدرتاً ہی ایسا ملکہ اپنے اندر رکھتا ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگ رسمی تعلیم کے تابع بھی شاعر اور فلاسفر ہوتے ہیں۔ مگر ان دونوں میں جو کچھ فرق اور امتیاز ہوتا ہے اوس سے مبصرین ناواقف نہیں۔ جب شاعری اور فلاسفری بھی ایک حد تک طبعی رنگ رکھتی ہے تو ملکہ نبوت کو کیوں نہ طبعی اور فطری کہا جاوے مادی سکولوں میں تعلیم پانے کی اس حالت میں آنحضرت کو ضرورت ہوتی کہ جب اون کے کمال رسالت کا مدار تعلیم رسمی پر ہوتا۔ اور رسمی رنگ میں اونہیں تبلیغ کی ضرورت پڑتی۔ جب خود خدا اون کا معلم اور رہبر تھا تو اونہیں کوئی ضرورت رسمی تعلیم کی نہ تھی۔ رسمی تعلیم کی بدولت وہ فائدہ اور عرفان کب ہو سکتا ہے۔ جو اس وہبی تعلیم کی بدولت دنیا کو نصیب ہوا ہے۔

کتنے بڑے بڑے لوگ باوجود اس قدر تعلیم اور رسمی معلومات کے آنحضرت کی بعثت کے وقت شرک و بدعت اور دہریت میں مستغرق تھے۔ اسی امی کے آنے پر توحید کا دروازہ کھلا۔ اور دوبارہ وہ منزل دکھائی گئی جو مدتوں سے خستہ اور بند ہو چکی تھی۔ کاش اس قسم کے دو چار امی بھی اس دنیا میں آتے کاش امی کی برکات سے ساری دنیا مستفیض ہوتی۔ کاش اس امی کی تعلیمات کی قیمت لگانے میں دنیا کی روحیں دھوکا نہ کھاتیں۔

درخت میٹھا اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ احمد عربی صلعم کا پھل قرآن ہے ذرا انصاف سے اوسے دیکھو اور پڑھو کہ وہ کس جامعیت سے تعلیم دیتا ہے۔ اور کس خوبصورتی سے تبلیغ کرتا ہے۔ جس کی معرفت یہ ہم پر نازل ہوا وہ امی ہو کر یہ لایا ہے ہم آنحضرت کو اس پہلو سے امی نہیں کہتے کہ وہ تعلیم گاہ صمدی کے بھی تعلیم یافتہ نہ تھے۔ بلکہ اس خیال سے کہ اون کی تعلیم گاہ کسی انسان کے ماتحت نہ تھی۔ اور وہ رسمی تعلیم یافتہ نہ تھے۔ ہمیں یہ فخر ہے کہ ہمارا رسول درس صمدی کا درس یافتہ تھا اور اوس کا ذہن فطرتاً ہی منزل کے مجلے تھا اوسے رسمی تعلیم اور رسمی تعلیم گاہ کی ضرورت نہ تھی۔ اوس کی تعلیم اور اوس کی معلومات طبعی اور وہبی تھیں اوس کو جو ڈپلوما اور سند ملی تھی اوس پر بارگاہ صمدی کی مہر تھی

یہی رہبر وہمارا ہادی اور پیشوا ہے

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا ۔۔۔ نام اوس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر ۔۔۔ لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے ۔۔۔ اوس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
پہلے تو رہ میں ہارے پار اوس نے ہیں اتارے ۔۔۔ میں جاؤں اوس کے وارے بس ناخدا یہی ہے
پردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے ۔۔۔ دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے
وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی ۔۔۔ دیکھا ہے ہم نے اوس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے ۔۔۔ وہ طیب و امیں ہے اوس کی ثنا یہی ہے
حق سے جو حکم آئے اوس نے وہ کر دکھائے ۔۔۔ جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے
آنکھ اوس کی دوربیں ہے دل یار سے قریں ہے ۔۔۔ ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیا یہی ہے
جو راز دیں تھے بھارے اوس نے بتائے سارے ۔۔۔ دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اوس کا ہی میں ہوا ہوں ۔۔۔ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
سب ہم نے اوس سے پایا شاہد ہے تو خدایا ۔۔۔ وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے
ہم تھے دلوں کے اندھے سو سو دلوں پہ پھندے ۔۔۔ پھر جس نے قفل کھولا وہ مجتبیٰ یہی ہے
دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں ۔۔۔ قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے
امی لقب تھا جس کا ملہم خطاب جس کا ۔۔۔ تلمیذ حق یہی ہے شان خدا یہی ہے
امی کو خود پڑھایا الہام سے سکھایا ۔۔۔ مخصوص انبیا میں خیر الوریٰ یہی ہے
حرف و فا نہ چھوڑیں اس عہد سے نہ موڑیں ۔۔۔ قرآن اور خدا نے ہم کو کہا یہی ہے
امی تھا مگر غالب تعلیم یافتوں پر ۔۔۔ اپنا تو سارے جگ میں اک رہنما یہی ہے
عرفاں ہے گو وہ امی باطن میں غیب داں ہے ۔۔۔ عقل و خرد یہی ہے فہم و ذکا یہی ہے

وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

اور قرآن مجید کو غور سے پڑھ کر دیکھو کہ اس امی کی معرفت دنیا والوں کے سامنے کس قسم کی فطری تعلیم پیش کی گئی ہے۔ فطری رنگ میں جو تعلیم اسلام اور قرآن دیتا ہے وہ ایک معجزہ اور نرالی تعلیم ہے۔ اس امی محترم نے پہلوں اور گذشتگان کی تعلیم و تکریم اور تصدیق و حمایت جس فراخ دلی اور جس متانت سے حصہ لیا ہے سارے انبیاء علیہم السلام میں سے اس کی کوئی نظیر نہیں کر سکتا۔ کیسے صاف الفاظ میں کہا گیا ہے

لا نفرق الخ

اللہ اکبر یہ امی امی کا حوصلہ تھا۔ ذرا دوسری کتابیں اٹھا کر دیکھو تو سہی کہ ان میں کیا کچھ کہا گیا ہے۔ دیکھیے یہ بے نفسی کشادہ دلی اور اخلاق اس کا نام ہے۔ اور پھر یہ کہہ کر خود کو کیسا نکالا ہے فان اجری علی اللہ

سبحان اللہ عربی امی اور فطری تعلیم یافتہ کے اخلاق کیا شان رکھتے ہیں۔ کیا بایں حالات بھی کسی رسمی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اور کیا ہمارے اور دنیا کے واسطے وہی وہبی اور فطری تعلیم کافی نہیں ہے۔

ہمارے واسطے وہی ہادی کافی ہے جو اوس کے درس محمدی کا تعلیم یافتہ اور الہامی نصاب اپنے ہاتھ اور اپنی بغل میں رکھتا ہے رسمی تعلیم اور رسمی تعلیم یافتہ کی پرستش ہم کسطرح کر سکتے ہیں۔ ہمیں وہ ہادی چاہیئے جو باعتبار اپنی شان اور آن کے دوسروں سے ممتاز ہو ؎

ترا آنچہ است کاں بار ہیچکس نیست تا من از پئے آن مے پرستم

(سلطان احمد۔ جہلم)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عفو و صفح

کسی نے حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ کے اخلاق کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا۔ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن۔ اس بنا پر قرآن حکیم میں جن محاسن و فضایل کی تعلیم و تلقین مندرج ہے آپ ان سب سے متصف و متحلی تھے۔ پس آیات قرآنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے واقعات پر مشتمل ہیں۔ اور آپ کی مبارک زندگی کے واقعات آیات قرآنی کی عملی تفسیر ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے آیات قرآنی سے آپ کی تادیب فرمائی اور آپ نے پورے انشراح صدر سے امتثال اوامر الٰہی فرمایا شلاً قرآن مجید میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے آپ کو عفو و صفح کی ہدایت فرمائی آپ نے اس کی تعمیل ایسی خوش اسلوبی سے کی کہ اپنے مخالفین و معاندین بلکہ جانی دشمنوں کو بھی عفو و صفح سے محروم نہ فرمایا۔ اس کا نتیجہ نہایت عمدہ نکلا۔ آپ کے بدخواہ آپ کے حلقہ بگوش بن گئے۔ اور آپ کے خلق عظیم کا ان کو اعتراف کرنا پڑا۔ اس مضمون میں پہلے ہم وہ آیات لکھیں گے جن میں آپ کو عفو و صفح کی ہدایت فرمائی گئی۔ پھر تاریخی واقعات سے ثابت کریں گے کہ آپ نے کیسی خوبی و خوش اسلوبی سے انکی تعمیل فرمائی۔

(۱) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (پ ۴ س آل عمران۔ ع ۱۷) — اے پیغمبر! یہ بھی اللہ کا بڑا ہی فضل ہوا کہ تم ان کو نرم دل سردار ملے ہو۔ اگر خدانخواستہ تم مزاج کے اکھڑ اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ کبھی کے تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔ تو تم اپنی جبلی عادت کیوں چھوڑو۔ اس جنگ احد کے معاملہ میں بھی ان کے قصور معاف کر دو اور خدا سے بھی ان کے گناہوں کی مغفرت چاہو۔ اور معاملات صلح و جنگ میں بدستور سابق ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو۔

(۲) وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (پ ۶ س المائدہ ع ۳) — اور اے پیغمبر اب ان کا حال رہ گیا ہے کہ ان میں سے چند لوگوں کے سوا سب کی کسی نہ کسی چوری کی اطلاع تم کو ہوتی ہی رہتی ہے تو ان لوگوں سے پرخاش نہ کرو بلکہ ان کے قصور معاف کرو احسان سے درگذر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۳) فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ (پ ۱۴ س الحجر ع ۶) — اے پیغمبر کافروں کی شرارتوں سے وضعداری کے ساتھ درگزر کرو۔

(۴) فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ (پ ۲۵ س الزخرف۔ ع ۱۴) — اے پیغمبر! تم ان سے درگذر کرو اور کہو کہ میرا تو تم پر سلام ہے یعنی وضعداری کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔ اور ان کے پیچھے نہ پڑو۔

جنگ احد میں مسلمانوں کی پشت پر جو گھاٹی تھی۔ اس سے مخالفین و معاندین اسلام کو مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرنے کا بالکل موقع نہ تھا۔ اس بنا پر حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس گھاٹی کی حفاظت کے لیے عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں پچاس تیر انداز پشت پر کھڑے کر دئے اور انکو آپ نے حکم دیا کہ تم اپنے

تیروں سے سواروں کو ادھر آنے سے روکو کہ وہ ہم پر پیچھے سے حملہ نہ کریں اور خواہ ہم کو فتح ہو یا شکست مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہلو۔ مگر جب قریش کے پاؤں کو لغزش ہوئی اور وہ میدان میں جم نہ سکے۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے تو جو تیر انداز درہ کی حفاظت پر متعین تھے انھوں نے موقع کو چھوڑ دیا اور غنیمت پر لپکے۔ ہر چند عبداللہ بن جبیر جو تیر اندازوں کے افسر تھے انہوں نے کہا کہ کہاں جاتے ہو؟ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے تمہیں یہاں سے ہٹنے سے ممانعت شدید فرمائی ہے۔ مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ قریش کے سواروں نے جب دیکھا کہ گھاٹی نگہبانوں سے خالی ہے۔ وہ مڑ کر گھاٹی کی راہ سے مسلمانوں کی پشت پر آگئے۔ اور ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مسلمانوں میں بدحواسی پھیل گئی۔ جنگ کا بنا بنایا نقشہ بگڑ گیا۔ قریش گھستے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور ان پر پتھر برسائے۔ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ اگلا دانت ٹوٹ گیا خود کی کڑی سر میں گھس گئی۔ خون زخم سے جاری تھا۔ بالآخر آپ پہلو کے بل ایک گڑھے میں گر پڑے۔ غور کرو میدان کارزار میں افسر کے حکم کی خلاف ورزی کیسا سخت جرم ہے۔ اور اس جرم کی سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے۔ مگر جناب سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ نے تیر اندازوں کو معاف فرمایا۔

حدیبیہ کے میدان میں حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ کہ ستر اسی آدمی مشرکین مکہ میں سے چپکے سے کوہ تنعیم سے اترے۔ اس ارادہ سے کہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے قتل کر دیں۔ مگر وہ سب گرفتار ہو گئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سب کو معافی دی۔ اور بغیر کسی قسم کی سزا کے رہا فرمایا۔

ایک دفعہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تبلیغ کے لیے طائف تشریف لیگئے اور امیر و غریب سب کو دعوت اسلام دی۔ مگر ان ناداںوں نے آپ کی ذراقدر نہ کی اور غلاموں اور لڑکوں کو لگا دیا کہ آپ پر سب و شتم کریں اور پتھر برسائیں پیچھا کر کے پہنچا آپ کو اور آپکے ہمراہی زید بن حارثہ کو زخمی کر کے آبادی سے باہر کر آئے۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے اتنی چوٹیں لگیں کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ زید نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔ آبادی سے باہر لے گئے اور پانی کے چھینٹے دیئے۔ جب آپ کو ذرا ہوش آیا۔ اُسوقت ملک الجبال نے عرض کیا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ان پر پہاڑ گرا کر ان کو کچل دوں۔ آپ نے فرمایا میں ان کی تباہی نہیں چاہتا۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو مضائقہ نہیں ان کی اولاد وحدہٗ لاشریک پر ایمان لائے گی۔ اور مشرف باسلام ہوگی۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کیا جب آپنے مراجعت فرمائی تو جابر بھی آپکے ساتھ لوٹے۔ اتفاق سے ایک جنگل میں دوپہر ہو گئی۔ جس میں ببول کے درخت بیشمار تھے آپ وہاں اتر پڑے لوگ بھی ادھر اُدھر درختوں کے سایہ میں اترے۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے ٹھیرے۔ اور تلوار درخت سے لٹکا دی۔ سب لوگ سو رہے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو بلا رہے ہیں۔ آپکے پاس ایک گنوار جس کا نام غورث تھا بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا اس گنوار نے میری تلوار مجھ پر سونت لی۔ میں سوتا تھا جب میں جاگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ننگی تلوار اسکے ہاتھ میں ہے۔ اور مجھ سے کہتا ہے کہ اب میرے ہاتھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے؟ میں نے تین بار کہا اللہ پھر آپ نے اس گنوار کو کچھ سزا نہ دی بلکہ درگذر کی۔ اور وہ بیٹھا رہا۔ کہتے ہیں کہ غورث مشرف باسلام ہوا۔ اور اپنی قوم میں جاکر اُن کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو زینب بنت حارث یہودن نے حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کیلیے ایک بھونی ہوئی بکری بھیجی۔ جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہاں جتنے یہودی ہیں سب کو اکٹھا کرو۔ جب سب یہودی جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ سچ بتاؤ گے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں سچ بتائیں گے۔ آپ نے فرمایا دیکھو تم نے اس بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟ انھوں نے کہا۔ ہاں ملایا تھا۔ آپ نے پوچھا کیوں ملایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ اگر آپ جھوٹ موٹ پیغمبری کا دعوےٰ کرتے ہیں تو آپ سے خلاصی ہوگی۔ اور اگر آپ سچے پیغمبر ہیں تو اس زہر سے آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا آپ نے اس یہودن کو جس نے زہر ملایا تھا کچھ سزا نہ دی۔ زہری نے کہا کہ وہ یہودن مشرف باسلام ہو گئی۔ اس قسم کے واقعات بے شمار وقوع میں آئے ہیں جنمیں جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے انتقام لینے اور سزا دینے پر قادر ہو کر اپنے جانی دشمنوں سے تعرض نہیں فرمایا۔ اور اپنے جبلی عفو و صفح سے کام لیا۔ فتح مکہ کے دن جو عفو و صفح آپ سے ظہور پذیر ہوئی اُس کی نظیر تاریخ عالم کے اوراق میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ بلاشبہ آپکے عفو و صفح کی مثالیں ایک بحر ناپیدا کنار ہیں۔ ان سب کا استقصا ایک مختصر مضمون میں مشکل ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عفو و صفح سے اس قدر دلبستگی تھی کہ اگر کسی صحابی کا طریق عمل اس کے برخلاف دیکھتے تھے۔ تو اس پر عتاب فرماتے تھے چنانچہ حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے۔ اس حالت میں کہ اپنے کپڑے کا کونا اٹھائے اور اپنے گھٹنے کھولے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے صاحب (یعنی حضرت ابوبکرؓ) کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔ انہوں نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ پھر عرض کیا مجھ میں اور خطاب کے بیٹے (یعنی حضرت عمرؓ) میں کچھ تکرار ہو گئی تھی میں نے جلدی میں انکو سخت سست کہہ دیا۔ پھر میں شرمندہ ہوا۔ اور ان سے معافی مانگی۔ مگر انہوں نے انکار کیا۔ اب میں آپ پاس آیا ہوں۔ آپ انکو سمجھائیں۔ یہ سنکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکر! اللہ تم کو بخشے تین بار ایسا ہی فرمایا۔ بعد میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شرمندہ ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پر آئے اور پوچھا ابوبکر اندر ہیں۔ لوگوں نے کہا اندر نہیں ہیں۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ کو سلام کیا۔ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ڈرے کہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ناراض نہ ہوں۔ وہ دوزانو مودب ہو بیٹھے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ خطا میری تھی خطا میری تھی میں ہی نے پہلے عمرؓ کو سخت سست کہا تھا۔

غور کرو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم گنہگاروں سے درگذر فرماتے تھے۔ باوجود انتقام لینے اور سزا دینے پر قادر ہونے کے عفو و صفح سے کام لیتے تھے۔ اس کے برخلاف کسی کا طریق عمل بہ نظر استحسان نہیں دیکھتے تھے حق سبحانہٗ و تعالیٰ عفو و قدیر ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا (پ۔ س النساء ع ۲۱)　اگر تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کھلم کھلا کرو یا چھپا کر کرو یا تمہارے ساتھ کوئی برائی کرے اور تم برائی سے درگذر کرو کہ یہ بھی ایک قسم کی بھلائی ہے۔ تو اللہ بھی لوگوں کے ساتھ بھلائی کیا کرتا ہے کہ باوجود قدرت کے درگذر کرتا ہے تم بھی درگذر کیا کرو۔ اگر کوئی شخص تمہارا قصوروار ہو پھر نادم و شرمسار ہو کر معافی مانگے تو اسکی خطا سے درگذر کرو۔ لقد كان لكم في رسول الله اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ✦　(نورالدین)

خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

صبر و حلم　ایک اعرابی آیا۔ اس نے زور سے آنحضرتؐ کی چادر کو جو موٹے کنارہ کی تھی جھٹکا دیا۔ وہ کنارہ آنحضرتؐ کی گردن میں گڑ گیا۔ اور نشان پڑ گیا۔ اعرابی نے اپنی زبان سے کہا "محمدؐ یہ مال خدا جو تمہارے پاس ہے جو نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے اس میں سے ایک بار شتر مجھے بھی دلاؤ"۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ذرا خاموشی کے بعد فرمایا۔ مال بیشک خدا کا ہے اور میں اسکا غلام ہوں۔ بالآخر حکم فرمایا کہ ایک بار شتر جَو اور بار شتر اُسے کھجوریں دی جائیں۔

طائف پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وعظ اور تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تھے وہاں کے باشندوں نے حضور پر پتھر پھینکنا شروع کیے۔ اتنے پتھر مارے کہ حضور لہو سے تر بہ تر اور بیہوش ہو گئے پھر بھی یہی فرمایا۔ کہ میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا کیونکہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی اولاد مسلمان ہو جائیگی۔

عفو و رحم　(۱) عائشہ طیبہؓ کا بیان ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مبارک کی بابت کسی سے انتقام نہیں لیا۔

(۲) جنگ احد میں کافروں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دانت توڑے سر پھوڑا۔ حتیٰ کہ ایک غار میں بھی گر گئے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ کہ ان پر بددعا فرمائیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں بنایا گیا۔ خدا نے مجھے لوگوں کو اپنی بارگاہ میں بلانے کے لیے بھیجا ہے۔ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اسکے بعد یہ دعا فرمائی۔ اے خدا میری قوم کو ہدایت فرما۔ وہ (مجھے) نہیں جانتے ہیں۔

(۳) ایک درخت کے نیچے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ تلوار شاخ سے آویزاں کر دی۔ غورث بن الحرث آیا۔ تلوار نکال کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو گستاخانہ جگایا۔ بولا۔ اب تم کو کون بچائے گا۔ فرمایا۔ اللہ۔ وہ چکر کھا کر گر پڑا۔ آنحضرتؐ نے تلوار اٹھالی۔ فرمایا۔ اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ وہ حیران ہو گیا۔ فرمایا جا۔ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔

(۴) ہبار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینبؓ کے نیزہ مارا۔ وہ ہودج سے نیچے گر گئیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ اور بالآخر یہی صدمہ انکی موت کا باعث ہوا۔ ہبار نے عفو کی التجا کی اور اُسے معاف فرمایا۔

(۵) فرمایا۔ تمام جاہلیت سے لیکر جس قدر خون ہیں۔ ان کا بدلہ لینا چھوڑتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے خون کا دعویٰ معاف کرتا ہوں۔

صدق و امانت　جانی دشمن بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی امانت اور صداقت کے قائل تھے۔ صادق و امین بچپن سے ہی آنحضرتؐ کا خطاب پڑ گیا تھا۔ امانت و صداقت کی وجہ سے قبل نبوت بھی لوگ اپنے مقدمات کو فیصل کرنے کے لیے آنحضرت صلعم کے پاس لایا کرتے تھے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیے (اس) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

علم و اسلام

قرآن اور علم و حکمت کے تعلقات کی نسبت محققین یورپ کا فیصلہ

دمن بر آں گل عارض غزل سرایم و بس کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

(۱) اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے۔ جو تمدن کا جھنڈا اٹھاتا ہے۔ جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اسکو سیکھے جو بتاتا ہے کہ صاف کپڑے پہنو۔ اور صفائی سے رہو حکم دیتا ہے کہ استقلال استقامت و عزت نفس نہایت لازمی ہے بیشبہ دین اسلام کے فوائد و منافع یقینی ہیں اور اسکی خصوصیات شائستگی و تمدن کی سب سے بڑی بنیاد بلکہ ارکان اعظم ہیں۔

(مشہور پادری ڈاکٹر کینن آئزک ٹیلر)

(۲) جدید علمی اکتشافات میں یا ان علمی مسایل میں جنکو ہم نے اپنے علم کے زور سے حل کیا ہے۔ یا جو ہنوز زیر تحقیق و نظر ہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو تعلیمات قرآنی کے مخالف ہو۔ ہم عیسائیوں نے عیسائیت کو علم و سائنس کے ہم آہنگ و ہم نشین بنانے میں اب تک جتنی کوششیں کی ہیں اسلام و قرآن میں یہ سب پہلے ہی موجود ہے۔ اور پوری طرح سے موجود ہے۔

"قرآن جسکو خدا نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دل پر انسانوں کی رہنمائی کے لیے نازل کیا ہے بیشک ایک روشن و پر حکمت کتاب ہے۔ اسکی انشاء و حکمت کو ایک بین معجزہ مانا جاتا ہے۔ اور خود اسکے مخاطبین نے بطور معجزہ پیش کیا ہے"

(مشہور فرنچ ڈاکٹر پادری سیزان)

(۳) قرآن کی ترتیب و ارکان اساسی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں سچے شریفانہ احساسات اور کریمانہ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔

(پامر لینڈ پیرا ڈاکس)

(۴) قرآن کے احکام اس قدر مطابق عقل و حکمت واقع ہوئے ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لیے کفیل ہو سکتے ہیں۔ شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا)

(۵) قرآن کی اخلاقی تعلیم بالکل خالص ہے۔ اور جو شخص پوری طرح اس پر کاربند ہو وہ نیک زندگی بسر کر سکتا ہے (پاپولر انسائیکلو پیڈیا)

(۶) اسلامی قانون قابل تعریف اصول پر مبنی ہے اور زیادہ قابل تعریف یہ ہے کہ اسے ان اصول کی تعمیل و انجام وہی کی زبردست حمایت میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ (ہربرٹ لکچرز)

(۷) قرآن میں نہایت بلند و مفید و پر از اخلاص خیالات مندرج ہیں۔

(واشنگٹن اروِنگ)

(۸) اسلامی قانون ایک تاجدار سے لیکر ادنے ترین افراد رعایا تک کو حاوی ہے یہ ایک ایسا قانون ہے جو ایک معقول ترین علم فقہ پر مشتمل ہے۔ جس کی نظیر اس سے پیشتر دنیا پیش نہیں کر سکی۔ (راڈ منڈ برک)

(۹) ہم اس عجیب کتاب کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان۔ اور روم کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کر لی۔ اور جس قدر زمانہ روم کو اپنی فتوحات حاصل کرنے میں صرف ہوا تھا۔ اسکا دسواں حصہ بھی انکو نہ لگا۔ ایسی کتاب جس کی اعانت سے جلد ہی سام میں عرب لوگ بحیثیت سلاطین یورپ میں آئے تھے جہاں کہ اہل فنیقیہ

تاجروں کی حیثیت سے اور جہاں پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح آئے تھے یہی لوگ ان پناہ گیروں کے (قرآن کی مدد سے) یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانے کے واسطے نمودار ہوئے تھے۔ یہی لوگ جبکہ تاریکی محیط ہو رہی تھی یونان کی مُردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب و اہل مشرق کو فلسفہ طب ہیئت اور نظم لکھنے کا خوش نما اور دلچسپ فن سکھلانے کے لیے آئے۔ اور علوم جدیدہ کے بانی مبانی ہوئے تھے۔“ (کوارٹرلی ریویو)

(۱۰) وہ آداب و اصول جو فلسفہ و حکمت پر قائم ہیں جن کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے جو دنیا کو بھلائی و انصاف کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک جزئیہ بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ وہ اعتدال وہ میانہ روی کا راستہ سکھاتا ہے۔ گمراہی سے بچاتا ہے۔ اخلاقی کمزوریوں کی تاریکی سے نکالکر فضائل کی روشنی میں لاتا ہے۔ اور انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات سے بدل دیتا ہے۔

(موسیو سیدیو)

(۱۱) قرآن کی نسبت بحر اطلانتک سے لیکر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے۔ کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے۔ قانون اساسی ہے۔ اور صرف اصول مذہب ہی کے لیے بلکہ ان قوانین کے لیے بھی جن پر نظام عمران کا مدار ہے جن سے نوع انسان کی زندگی وابستہ ہے۔ جنکو ہیئت اجتماعی کی ترتیب و تنسیق سے تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ وہ اپنے تمام احکام میں بڑے بڑے شہنشاہ سے لیکر چھوٹے چھوٹے فقیر و گدا تک کے لیے مسائل و احکام رکھتی ہے۔ یہ وہ شریعت ہے کہ ایسے دانشمندانہ اصول اور عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔

(گبن)

(۱۲) اس میں کچھ شک نہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ان مصلحین میں ہیں جنہوں نے ہیئت اجتماعیہ کی شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ وہ سب سے بڑا اور عظیم الشان مصلح تھا۔ اسکا یہ کارنامہ انتہائی فخر کے قابل ہے کہ اس نے جاہل ترین قوم کو نور ہدایت سے منور کر کے صلح امن کا گہوارہ و مأویٰ بنا دیا (ٹالسٹائی)

(۱۳) میرے نزدیک قرآن کے تمام معانی میں سچائی کا جوہر موجود ہے یہ کتاب سب سے اول اور سب سے آخر جو خوبیاں ہو سکتی ہیں۔ اپنے میں رکھتی ہے بلکہ وہ اصل ہر قسم کی توصیف صرف اسی سے ہو سکی ہے۔ (کارلائل)

محققین کے فیصلہ پر دیدۂ بصیرت سے نگاہ ڈالکر چشم انصاف سے دیکھو اور آراء مقابل پر غور کرو۔

[illegible] تمہاری تہذیب و تمدن کا مقدمہ ہوگا (گلیڈ سٹون)

”یہ کتاب بجا تنزل عاد بارکی بنا ہے“ (ڈاڈ گرومر)

”یہ کتاب وحشی و توہمات کا مجموعہ ہے“ (سوامی دیانندجی)

آزادی رائے کے لحاظ سے ہر شخص اپنی رائے کا مختار ہے اور محض رائے کی بنا پر اگر موجودہ مورخین کا ایک گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ اسلام سائنس کے خلاف رہا ہے“

ایک دلفریب پر رعب منطقی مغالطہ اور فی نفسہ غیر معقول سمجھا جائے تو صداقت کے فیصلہ کو بھی اسی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ محض رائے صداقت کا کوئی صحیح اور حقیقی معیار نہیں۔ کیا سچا قول ہے امام غزالیؒ کا یہ ”جو شخص حق کو آدمیوں سے پہچانتا ہے وہ گمراہی کے جنگلوں میں خاک چھانتا ہے اول حق کو جانو تب اسکے اہل کو پہچانو“

ایسی ہی پُر مغز ہدایات حضرت علیؓ نے فرمائی ہیں۔

”حق کو مردوں سے مت پہچانو۔ بلکہ حق کو معلوم کرلو پھر حق والوں کو خود جان جاؤ گے“

پس صداقت کا معیار واحد صرف یہی قرار دیا جا سکتا ہے کہ ہر ایک گفتنی و پیش کردہ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود اسلام سے دریافت کیا جائے۔ اسکی مدلل و معقول شہادت اہل انصاف و ارباب تحقیق کی نظر میں یقیناً معتبر و قابل ثابت ہوگی کیونکہ صَاحِبُ الْبَيْتِ يَدْرِي بِمَا فِيهَا۔

قرآن

مجھ کو ہر ذرّے میں خورشید نظر آتا ہے
آپ بھی دیکھئے صاحب نظران ہر کہیں

قرآن کا وارد ماحصل کہ تعلیم کتاب و حکمت ہو وحی الٰہی نے سب سے پہلا حکم جو سنایا وہ یہ تھا۔

(۱) ”پڑھ اپنے پروردگار کے حکم سے جس نے پیدا کیا“

(۲) ”پڑھ اور تیرا رب بہت کرم کرنے والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا انسان کو سکھایا جو نہیں جانتا تھا“

علم ایک ایسی اعلےٰ صفت ہے جو خالق و مخلوق میں مشترک ہے اور اس سے وہی متصف ہو سکتا ہے۔ جس میں خلافت الٰہی کے منصب کی اہلیت ہو۔ خدا کا صرف ارادہ ہی نہیں ہوا۔

”میں ہونے زمین پر اپنا ایک خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں“ بلکہ اس نے

اپنا منشا پورا کیا۔

(۳) "وہ خدا ہے جس نے اپنی خلافت سے تمہیں سرفراز کیا"

مسند خلافت کیا عطا ہوئی، خلافت الٰہی وسکرمت انسانی کا تاج ایسا بخشا کہ "تسخیر کائنات" کے دروازے کھل گئے۔ خدا نے آدم کو تمام چیزوں کے نام بتا کر ان کا علم دیدیا۔ اسمیں ایک لطیف اشارہ ہے اہل فلسفہ کے اِس قول کیطرف کہ تمام انسانی علم اضافی و نسبتی ہے حقیقت و ماہیت کسی شے کی معلوم نہیں ہو سکتی دکھا یا۔ تمام سے ثابت ہے کہ ایسی تعلیم بجز تعلیم جملہ علوم کائنات ممکن نہیں علم کے متعلق کس اختصار سے بتایا گیا ہے۔

(۴) "تو کہدے علم والے اور بے علم ہرگز برابر نہیں ہیں"

(۵) "تم میں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور دولت علم سے مالا مال ہیں۔ اللہ انکے درجے بلند کرتا ہے"

(۶) "بندگان الٰہی میں صرف اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں" آیات الٰہی کو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(۷) "یہ آیتیں ہیں صاف سینہ میں اُن کے جنکو علم ملا ہے" علم لدنی سے ہی ہدایت ہوتی ہے۔

(۸) " (خدا سے یہی دعا کیا کر) پروردگار! میرے علم میں ترقی دے"

خداوند تعالےٰ نے بقول امام غزالیؒ منبع علم یعنی عقل کو نور وحی - حیات سے تعبیر کیا ہے اور اک سے کام نہ لینے کا نتیجہ دوزخ بیان کیا ہے۔ دوزخی قیامت کے دن کہیں گے۔

(۹) "اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے دوزخ والوں میں نہ ہوتے" قرآن مجید میں عقل وفہم سے کام لینے کی تائید و تاکید جابجا کی گئی ہے رسول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"آج کی رات مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو شخص اسپر غور نہ کرے اُس کے لیے سخت عذاب ہے اور وہ ہلاکت میں پڑے گا پھر آپ نے پڑھا۔

(۱۰) بے شک زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں رات دن کے اول بدل میں جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں لیکر سمندر میں چلتے ہیں۔ مینہ جس کو اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اسکے ذریعہ زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ شاداب کرتا ہے۔ ہر قسم کے جانوروں میں جو خدائے تعالےٰ نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں۔ ہواؤں کے چلنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (غرض ان سب چیزوں میں) اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں ہیں"

(۱۱) "کہدو جو کچھ آسمان و زمین میں ہے ذرا اسکی طرف نظر تو کرو"

(۱۲) "کیا ان لوگوں نے زمین و آسمان کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی بے شک ایمان والوں کے لیے آسمانوں میں اور زمین میں (قدرت خدا کی بہتیری) نشانیاں ہیں اور (لوگو!) تمہارے پیدا کرنے میں اور (نیز) جانوروں میں جنکو وہ پھیلاتا رہتا ہے (قدرت خدا کی بہتیری) نشانیاں ہیں ان لوگوں ہی کے لیے جو یقین لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور رات دن کی آمد وشد میں اور (سرمایہ رزق یعنی پانی) میں جسکو خدا آسمان سے اُتارتا ہے پھر اُسکے ذریعہ سے زمین کو اسکو مرے پیچھے زندہ کر دیتا ہے اور ہواؤں کے ردوبدل میں قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں ہیں دیگر ان ہی لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں حقیقت میں یہ خدا کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو پڑھکر سناتے ہیں تو اب اللہ اور اُس کی آیتوں کے بعد کونسی بات ہوگی جسے سن کر ایمان لائیں گے"

(۱۳) "اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں ہیں۔ اور خود تم میں بھی تو کیا تم کو سوجھ نہیں پڑتا۔

(۱۴) "آسمان و زمین میں خدا کی قدرت کی ایسی کتنی نشانیاں ہیں۔ جن پر لوگ ہو کر گزر جاتے ہیں اور انکی کچھ پرواہ نہیں کرتے"

(۱۵) "عنقریب ہم اُن لوگوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا کے اطراف میں بھی اور ان کے اپنے درمیان میں بھی دکھلائیں گے"

(۱۶) "کچھ شک نہیں آسمان و زمین کی بناوٹ رات دن کے ردوبدل میں عقلمندوں کے سمجھنے کے لیے بہتیری نشانیاں ہیں جو کھڑے بیٹھے لیٹے خدا کو یاد کرتے اور آسمان و زمین کی ساخت پر غور کرتے اور بے اختیار بول اٹھتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار تو نے کارخانہ عالم کو بے فائدہ نہیں بنایا۔ تیری ذات فعل عبث سے پاک ہے"

ایک دوسرے عالم کے قول کے مطابق قرآن مجید میں ۷۵۰ سو کے درمیان ایسی آیتیں ہیں جو اسرار کائنات پر مطالعہ کرنے کی تاکید کرتی ہیں۔

(باقی آیندہ)

(عبد الکریم خان)

اِنَّ نَازُكٌ زَمَانِهِ مَیْنِ

اسلاحسنہ کی توسیع اشاعت کی طرف سے بے فکر نہ ہوجیئے اور اپنے عزیز وقت کا تھوڑا سا حصہ اس قومی خدمت کے لیے وقف کر دیجئے (منیجر)

چندین شکل برائی اکل

آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیتیں مختلف تھیں۔ ایک حیثیت آپکی معاشی تعلقات سے بھی وحی۔ الہام اور ملائک سے تھا۔ اور اسی ضمن میں علم باطنی کی بھی ایک شاخ تھی۔ جس طرح آنحضرتؐ کے تعلقات ملائک کے ساتھ ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ اور انکو زیر بحث لانا کار عبث ہے اُسی طرح یہ سمجھنا کہ تعلیم باطنی آنحضرتؐ کی کیا تھی۔ اُن اشخاص کے لیے جو اس سے بے بہرہ ہیں مشکل ہے۔ اور جب سمجھنا مشکل ہے تو اُسے موضوع بحث قرار دینا قوت دماغی کا مسرفانہ استعمال ہے۔ اور جنہیں اس کی لذت ہے اُن کے لیے بھی جب وہ اپنی لذت سے اپنے ساتھیوں کو بہرہ یاب نہیں بنا سکتے اور نہ کچھ سمجھا سکتے ہیں۔ پھر خاموشی زبان پر رکھنا اولی ہے۔ شریعت ظاہری سب ہے۔ اور شریعت ظاہری سے منہ موڑنے والے زمانہ سلف میں کافۃ المسلمین میں کبھی محترم نہیں سمجھے گئے۔ محترم وہی سمجھے گئے جن کی ذات سے شریعت ظاہری کی اشاعت ہوئی۔ اور اب کہ بازیگری مسیحزم علم طبعیات (سائنس) کے حیرت انگیز مخترعات تمام باشندگان عالم کی آنکھوں کو چکا چوند میں ڈال رہے ہیں۔ کسی پیشوا سے مذہب کا خرق عادات دکھا کر عوام پر کوئی اچھا اثر ڈالنا بے سود ہے۔ اور اسکے ذریعے سے اسلام کی اشاعت کرنا تو گویا کسور اعشاریہ اسلام میں بائیں جانب صفر وں کا اضافہ کرنا ہے طریقہ تقدس کرام پہلے یہی تھا اور اب بھی یہی ہے بلکہ اب زیادہ تر اسی کی ضرورت ہے کہ مسائل اسلام (یعنی شرع محمدی ظاہری) کی خوبیاں عملاً اور قولاً دکھائی جائیں اور شرع کے ہر ہر مسئلہ سے یہ بتا یا جائے کہ دین یا دنیا کا کیا فائدہ اس میں ہے کیونکہ شرع محمدی کا کوئی امر یا نہی ایسا نہیں ہے جو انسان کو انسانی حیثیت میں فائدہ پہونچانے والا نہیں ہے۔ ہمیں گذشتہ یا موجودہ اکابر دین کے اعمال و اقوال کی پیروی صرف اُس حالت میں کرنا چاہیئے۔ جب آنحضرتؐ کے اعمال و اقوال کے وہ مطابق ہوں۔ ملائک کے مدبر مطلوبیت میں کلام نہیں ہے۔ اور ہمیں بھی کلام نہیں ہے کہ عزازیل بھی ایک ملک تھا۔ اور آدمؑ کی تعظیم نہ کرنے میں اُس نے جناب باری کے حکم کی نافرمانی کی اور بالکل قابل احترام باقی نہیں رہا۔ بلکہ مستوجب لعنت ٹھیرا۔ اسی طرح گذشتہ یا موجودہ مسلمانوں میں کوئی شاعر ہو یا اہل علم کوئی رند مشرب کیسا ہی ذی علم باکمال اور قابل مشہور ہو لیکن اگر وہ شریعت محمدی کا زندہ رکھنے والا نہیں ہے۔ تو اسکے لیے وہ کچھ ہی ہو لیکن ہمارے لیے کچھ نہیں ہے۔ ہمکو اپنے بزرگان دین کی تعظیم محض اسلیے نہیں کرنا چاہیئے کہ اُن سے کیا کیا خرق عادات ہوئی

اور کیا کیا عجائبات ظاہر ہوئے۔ یہ صنعت اعتقاد ہمارا پیغمبرؐ کے ساتھ ہماری عقیدت کم کر دے گا۔ کیونکہ امتیان محمدؐ کے خرق عادات خود آنحضرتؐ کے خرق عادات سے بہت زیادہ بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ کہنا کہ "اگر امتیان محمد سے خرق عادات زیادہ ہوئے تو کچھ پروا نہیں۔ آخر اُسی قوت کی تو یہ برکت تھی" بالکل دھوکا دینے والی بات ہے۔ اور تمام رطب ویابس حکایات کا اعتقاد کرنا آفتاب اسلام کو تاریکی توہمات میں چھپاتا ہے۔ میں اسلام کا سچا عقیدہ یہاں لکھتا ہوں۔ وہ یہ کہ اپنے تمام بزرگان دین کی عزت اور وقعت اسلیے کرنا چاہیئے کہ قرآن اور حدیث اور فقہ کے علوم اُن کے ذریعہ سے زندہ رہے۔ اور انکی وساطت سے ہم تک پہونچے۔ انکی کتابیں اور اُن کے اقوال ہمارے اوستاد ہیں۔ اُن کے اعمال و افعال ہمارے رہنما ہیں۔ اگر وہ درمیان میں نہ ہوتے تو قرآن ہم تک کیونکر پہونچتا؟ وہ رسول نہیں ہیں۔ نائب رسول ہیں۔ لیکن یہ احترام اُن کا کس مد میں ہے؟ یہ ایک شان سپاس مندی اور شکر گذاری ہے۔ شاگرد اوستاد کا ادب کیوں کرتا ہے؟ اسلیے کرتا ہے کہ شکر گذاری کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ اگر کسی کی نسبت کہا جائے کہ وہ نعلین چوبی پہن کر دریا پار ہو گیا۔ اور پانی کے ایک قطرے سے اُسکا جسم آشنا نہ ہوا۔ یا اپنے مصلے پر بیٹھا ہوا آج کل کے آلہ پرواز کی طرح ہوا پر اڑتا رہا۔ تو میں اپنے عقیدے میں اسے مشکل سمجھوں گا۔ لیکن غیر ممکن نہ سمجھونگا کیونکہ اسے غیر ممکن سمجھنا آیہ کریمہ ان اللہ علی کل شیئٍ قدیر پر یقین نہ کرنا ہے۔ میں آنکھ سے ایسا دیکھ لوں۔ اور پھر مجھے حق الیقین کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اور اس فعل سے فاعل کی عظمت بھی میرے دل پر جمے یہ سب ہو سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس فعل سے فاعل کا شرعی احترام بھی میرے دل پر قایم ہو۔ کیونکہ ایسا کرنے والے نے اپنا کمال دکھا کر ہمپر کوئی دینی یا دنیاوی احسان نہیں کیا۔ اور ایک شخص ایسا ہے۔ جس نے مواعظ شرعی کی ایک کتاب لکھی۔ میں نے اُس سے پڑھا۔ میری قوم نے اُسے پڑھا۔ اللہ اور اللہ کے رسول کا راستہ مجھے معلوم ہوا۔ دین اور دنیا میری درست ہوئی۔ تو اُس کا احسانمند اور شکر گذار ہونا مجھپر لازم آیا۔ موجد آلہ پرواز کا تو میں شکر گذار ہو بھی سکتا ہوں کہ اس نے اپنے اختراع جدید سے معلومات علمی میں ایک اضافہ کرکے نوع انسانی پر احسان کیا۔ لیکن سجادہ کو ہوا میں اڑانے والے نے بہت ممکن ہے کہ اپنے دیگر افعال حسنہ سے ہمیں زیر بار منت کیا ہو لیکن اُس نے ہوا میں اُڑ کر

ہم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اور اسلیے ہرگز وہ محض اس فعل سے شرعاً مستحق تعظیم نہیں ہے۔

آنحضرتؐ کے زمانہ پر نظر ڈالی جائے تو کرامات یا معجزات دیکھنے کے مشتاق لوگ جوق جوق آتے تھے۔ اور فرمایش کرتے تھے۔ لیکن آنحضرت حتی الوسع انحراف کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ جو اعتقاد اس طرح قائم ہوگا ناپائدار ہوگا۔ اور مسایل اسلام سے محبت دلوں میں پیدا نہ ہوگی۔ اسلام کی محبت صرف اس حالت میں پیدا ہوسکتی ہے کہ مسایل اسلام کی خوبیاں دل نشین ہوں۔

آنحضرتؐ کی زندگی پر نظر ڈالیے بیبیاں تھیں اور اولاد تھی گھر تھا اور تجارت کا بھی تعلق تھا جب تک اشاعت اسلام اور شاہنشاہی عرب سے فراغ نہیں ہوئی آنحضرت کے ساتھی بھی سب کے سب دنیادار تھے اور جو لوگ ابتداءً بوجہ افلاس کے دنیاداری کے فرائض ادا نہیں کرسکتے تھے وہ بھی آگے چلکر جب قوم میں دولت آئی (اور وہ محض احکام اسلام کی پیروی کیوجہ سے آئی) تو حسب حیثیت مالدار اور دنیادار ہوگیے۔ اسوقت جو پیشوایان دین دنیا پر لات مارکر پیشوا بننا چاہتے ہیں۔ اگر ان کے افعال ریاکاری پر مبنی ہیں تو نہایت مذموم ہیں۔ اور اگر ریاکاری پر مبنی نہیں ہیں جب بھی آنحضرت اور اُن کے اصحاب کبار اور ائمہ اطہار کے طرز زندگی کے جتنا ہی خلاف ہیں اتنا ہی اُنمیں ذم کا پہلو ہے۔ اسوقت علم دین کی تحصیل مشکل نہیں ہے قرآن کے ترجمے ہر جگہ موجود ہیں۔ حدیث کی کتابوں کے بھی ترجمے بکثرت ہوگئے ہیں علم سیر کی کتابیں بھی بہت کچھ ترجمہ ہوچکی ہیں مسلمان ان کتابوں کو پڑہیں۔ بار بار پڑہیں اور آخیر عمر تک پڑہیں۔ اور بار بار پڑہنے کو فقد سمجھیں تو بآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ اسلام کے طریقے کیا ہیں۔ نور ایمان سے جب اس طرح سینے منور ہوں گے تو خود بخود سمجھ میں آجائیگا کہ اسلام ایک نعمت الٰہی اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ بغیر ایسا کیے ہوئے اگر کوئی اتباع سنت نبوی کا مدعی بنے تو اس کا ادعا باطل ہے۔

یہاں ایک واقعہ تاریخی کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اکبر جب ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تو باوجودیکہ محض بے پڑھا تھا مذہب اسلام کا خاص احترام اُسکے دل میں تھا اور فرائض مذہبی پورے طور پر وہ انجام دیتا تھا۔ لکھنے پڑہنے کا وقت باقی نہ رہا تھا لیکن تحصیل علم کا اُسے شوق تھا اور اسلیے بہت سے علماء کبار تھوڑے عرصہ میں اُس کے دربار میں جمع ہوگئے ایک وقت خاص پر علماء کا جلسہ ہوتا تھا۔ اور علماء اپنے مواعظ حسنہ سناکر اکبر کی مذہبی تعلیم کرتے تھے جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہ عالموں میں مباحثہ کراکر تماشہ دیکھتا تھا ان کی بدگمانی بیجا ہے۔ اکبر کی غرض ابتدا میں محض تحصیل علم تھی اور اُس نے اس ذریعے سے بیشک تحصیل علم کی لیکن تھوڑے دنوں کے بعد جو عیب پیدا ہوا وہ محض سوء اتفاق تھا۔ کیا معنی کہ جب بہت سے علماء یکجا ہوئے تو ایک نے دوسرے پر اپنی فضیلت دکھانے کا ارادہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جلسۂ وعظ جلسہ مجادلہ ہوگیا۔ کچھ دنوں تک اکبر اسے ذریعہ تفریح سمجھا اور پھر گھبراکر مشایخ کے کلفۂ مرجع مرتاض کی طرف متوجہ ہوا۔ اب مشایخ آنا شروع ہوئے اور اہل دربار مشایخ کے لانے پر متوجہ ہوئے۔ شعراء کے پاس جاکر جس طرح بہتیں عمدہ اشعار سننے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ اسی طرح مشایخ سے ملنے والے کرامت دیکھنے کے لیے بیتاب ہوتے ہیں۔ بادشاہ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھا۔ جبتک وہ مشایخ کا متلاشی رہا۔ خرق عادات دیکھنے کا متمنی رہا۔ اور بالآخر شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک جب اس نے اپنے خیال کے مطابق کوئی کامل فقیر نہیں پایا تو تلاش مشایخ کی دُھن اُسکے دماغ سے جاتی رہی۔ اسی زمانہ کی ایک حکایت مشہور ہے کہ شیخ کمال بیابانی محل شاہی کے قریب دریائے راوی کے کنارہ پر لاکر بٹھلائے گئے اور مشہور ہوا کہ یہ چشم زدن میں بلا کشتی پیادہ پا دریا کو عبور کرجاتے ہیں یہ وہ وقت تھا کہ بادشاہ فقرا کا امتحان لیتے لیتے فقرا سے دل برداشتہ ہوچکا تھا بادشاہ یہ خبر سنکر شیخ کمال کے پاس پہونچا اور جاتے ہی حکم دیا کہ انہیں دریا میں پھینکدو اگر یہ باکمال ہیں تو پار اتر جائیں گے۔ اور شعبدہ باز ہیں تو غرق دریا ہوکر اپنے اعمال ریائی کی سزا پائیں گے۔ فقیر نے یہ حکم سنکر سر تسلیم خم کیا۔ اور پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ انسان پیٹ بھرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا۔ اور زبان حال سے کہا کہ "بادشاہوں کو ان جزئیات پر خیال نہ چاہیے۔ یہ باتیں عوام کے دکھانے کے لیے ہیں جو کالانعام ہوتے ہیں"۔ اس حکایت سے ایک بات یہ ظاہر ہوئی کہ علمائے دین کا مسایل جزئیہ میں یا مسایل غیر متعلقہ مذہب میں مباحثہ بصورت مجادلہ یا مکابرہ کرنا اغراض مذہب کے خلاف نتیجے پیدا کرتا ہے لیکن یہ اس مضمون سے غیر متعلق امر ہے۔ دوسرا نتیجہ جو اس مضمون سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ جب اکبر ایسے بادشاہ کو کوئی کامل فقیر نہ ملا تو ہم لوگوں کے لیے کہ ہمارا دائرہ تلاش نہایت محدود حالت میں ہے کسی کامل فقیر کا ملنا جن معنوں میں ہم کمال کو محدود سمجھتے ہیں یعنی خرق عادات کا نظارہ دکھانے والوں کا ملنا مشکل ہے۔ ایسے لوگوں کی تلاش۔ کیمیاگروں کی تلاش کی طرح کار عبث اور طریقہ شریعت محمدی سے دور لیجانے والی بات ہے اس نتیجہ میں ایک ضمنی بات یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ جو تماشے قوت نفس وغیرہ کے ذریعہ سے دکھائے جاتے ہیں۔ اُن کا اثر بے علم یا کم طاقت نفس والے انسان ہی پر پڑسکتا ہے۔ اکبر ایسے قوی النفس انسان پر کسی کے طاقت نفس کا اثر نہ پڑسکا ✦

(ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی)

وَمَن یُؤتَ الحِکمَۃَ فَقَد اُوتِیَ خَیرًا کَثِیرًا

جسکو حکمت دی گئی بے شک اُس نے بڑی دولت پائی +

حکمت و موعظت

غم کوئی چیز نہیں

آدمی کو خدا کی سنوار عجیب تراش خراش کا پتلا بنا ہے۔ دنیا میں آتا ہے۔ یہاں کی چیزوں کو دیکھتا ہے تو ان پر رائے زنی کرتا ہے۔ جو سمجھ میں آتا ہے۔ کہتا ہے لکھتا ہے۔ اور پھر اسکی قدر ہوتی ہے کہ جو میں نے سمجھا ہے۔ وہی درست ہے کوئی اسکے خلاف جنبش نہ کرے۔

فطرت پیدا ہوتی ہے۔ پیدا کرتی ہے۔ پیدا کی جاتی ہے۔ اور اسکی قوت انسانی ذہن کے ہاتھوں میں قید رہتی ہے۔ وہ بدلتی رہتی ہے کہ ہر حادث و مخلوق کا یہی خاصہ ہے۔ مگر ابن آدم ان قدرتی تبدیلیوں سے نتائج نکالتا ہے۔ اور ان کو خواہ مخواہ اپنی زندگی میں شریک کرتا ہے۔

غم در اصل کوئی چیز نہیں تھا لیکن انسان نے اسکو خود بخود گھڑ لیا اور حیات کی لذتوں کو آپ ہی کرکرا بنا لیا۔

فطرت کے تغیرات میں ازل سے یہ بات موجود ہے کہ وہ دنیائے عالم کو ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ سورج نکلتا ہے۔ اور چھپ جاتا ہے۔ چاند چھوٹا نکلتا ہے بڑھتا ہے۔ پورا ہوتا ہے۔ پھر گھٹتا ہے۔ اور گھٹتے گھٹتے ناپید ہو جاتا ہے۔ دریا چڑھتے ہیں اور اتر جاتے ہیں۔ سمندر جوش میں آتا ہے اور ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ گرمیاں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔ سردیاں نمودار ہوتی ہیں۔ مگر باقی نہیں رہتیں۔ برسات برستی ہے پر ہمیشہ نہیں برستی۔ مہینوں غائب رہتی ہے۔ زمین سرسبز ہو کر خشک اور اجاڑ بھی ہوا کرتی ہے۔ باغ لہلہا کر تاراج بھی ہوا کرتے ہیں۔

یہ سب زمین کے اوپر ہوتا ہے۔ آدمی بھی زمین پر آباد ہے اس کے افراد تغیرات فطرت سے کیونکر بچے رہتے انکو بھی یہ تبدیلی پیش آتی ہے۔ بچپن سے جوانی۔ جوانی سے بڑھاپا۔ بڑھاپے سے موت۔ تندرستی سے بیماری۔ فارغ البالی سے خستہ حالی۔ عروج سے زوال۔ زوال سے عروج۔ نیند سے بیداری۔ بیداری سے نیند۔ اسی طرح اور صدہا حالات ہیں جو زندگی کے ہنڈولے میں جھول رہے ہیں۔ کبھی اوپر آتے ہیں۔ کبھی نیچے جاتے ہیں۔

کبھی نہیں سُنا کہ سورج نے اپنے غروب ہونے۔ چاند نے گھٹنے بڑھنے۔ دریا نے سوکھنے۔ باغ نے مرجھانے پر غم کیا ہو۔ اگر کہو ان کی زبان نہیں ہے تو جانوروں کو دیکھو جو اپنے غصہ۔ اور اپنی خوشی کو ظاہر کرنے پر قادر ہیں۔ ان کے افراد میں جب یہ تغیرات ہوتے ہیں تو وہ کبھی غم نہیں کرتے یعنی ہم ان کو غمزدہ نہیں پاتے۔

چیونٹیاں پیروں میں روندی جاتی ہیں۔ ان کی لاشیں پڑی رہتی ہیں اور کوئی چیونٹی اس کی پرواہ نہیں کرتی۔ گھوڑے ہاتھی گدھے اونٹ بیل آدمیوں کی سواری میں آتے ہیں۔ اور ان پہ سخت محنت پڑتی ہے۔ مگر انہیں اس کا غم نہیں ہوتا۔ جانوروں کے بچے قدرتی موت مر جاتے ہیں۔ تو وہ کبھی ماتم نہیں کرتے۔ ہاں کوئی دشمن ہلاک کرے تو وہ انتقام یا حفاظت کے لیے غل مچاتے اور جدوجہد کرتے ہیں۔

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پہلے غم و الم کا نام و نشان نہ تھا۔ آدمی نے اسکو ایجاد کیا ہے۔ اور بیچارہ اپنی ایجاد کے ہاتھوں آجکل اکثر غمگین رہتا ہے۔ اگر کوئی آدمی بیمار ہو تو اسکے رشتہ دار اور دوست غم میں پڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کا غم بیماری کو دور نہیں کر سکتا۔ نہ یہ غم کچھ اصلیت رکھتا ہے کیونکہ مرض مریض کی بے احتیاطی کے سبب آیا ہے۔ اور جسم انسان کا خاصہ ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی بیمار ہو۔ ایک فطری خاصہ کے ظہور سے ہم لوگ خواہ مخواہ غم میں الجھتے ہیں۔ غم کی جگہ مرض کے علاج اور آئندہ کی حفاظت کا خیال کرنا چاہیئے اور ایک معدوم چیز کو جس سے کچھ نتیجہ نہیں دل سے نکال ڈالنا واجب ہے۔

کوئی آدمی مرجاتا ہے تو آدمیوں کو غم کا طوفان آجاتا ہے۔ مگر یہ غم نہ مردہ کو واپس لاسکتا ہے۔ نہ غم کرنے والوں کو کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتا ہے بلکہ ایک طرح سے ان غم کرنے والوں کو احمق بناتا ہے کہ قدرت کے مقررہ دستور اور قاعدہ کی تکمیل سے یہ لوگ رنجیدہ ہوتے ہیں اور بیکار رنجیدہ ہوتے ہیں

صبر کیا چیز ہے

یہ ایک فلسفہ غم کے بے اصل ثابت کرنے کا ہے۔ خدائے فطرت کی زبان میں اس پر ترد یا غم نہ کا نام صبر رکھا ہے۔ قرآن شریف میں بار بار اسکی تاکید ہے کہ صبر کرو مطلب اسکا یہ ہے کہ غم کو بے وجود سمجھو اور عقل سے کام لیکر غم کے باعث حوادث کا ظاہر ہونا مقتضائے فطرت ہے تو انہیں تم کو تلخ نہ ہوگا۔ اور تم فضول غم میں اپنی زندگی کا قیمتی وقت برباد نہ کروگے۔

خیال کرو چیونٹیاں طلب معاش کے لیے قطار بنائے دوڑی چلی جاتی ہیں۔ راستہ میں کسی کا پاؤں ان پر پڑتا ہے۔ اور بہت سی کچلی جاتی ہیں۔ مگر قطار کیا حادثہ سے اپنی رفتار نہیں چھوڑتی وہ برابر چلتی رہتی ہے اور طلب معیشت کی سعی جاری رکھتی ہے۔ پچھلے حصہ کی چیونٹیاں جب ان مردوں کے پاس آتی ہیں تو انکو دیکھ کر سونگھ کر کتراتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ کیا مجال کہ ایک سکنڈ بھی ٹھیریں اور اپنا وقت ضائع کریں۔

انسان دعویٰ کرتا ہے اشرف المخلوقات ہونے کا۔ اور نادانی کا یہ عالم کہ حقیر حیوانوں سے بھی گیا گذرا۔ دنوں، مہینوں، برسوں، مرنے والا کا سوگ کرتا ہے اور اپنی زندگی کے فرائض کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔

مرنے کی آیت

مسلمانوں کو جب کسی کے مرنے یا کسی بڑے حادثہ کی خبر ملتی ہے تو وہ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم خدا کے ہیں۔ اور خدا ہی کے پاس ہم کو جانا ہے۔

اِس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا بندوں کو تغیرات فطرت کا لزوم یاد دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ جس حادثہ سے تم غمگین ہوتے ہو ایک دن تم کو بھی یہ پیش آنا ہے۔ پھر اسکا غم کیا کرنا۔

ہم سب خدا کے ہیں۔ اور خدا کی مشیت۔ فطرت کی نیرنگیاں دیکھکر ایک دن آخر اسی کے پاس چلے جائیں گے۔

اِس آیت سے غم کے بے وجود ہونے کا خیال صاف مترشح ہوتا ہے۔ خدا بندوں کے غم کو غم نہیں سمجھتا۔ غم سمجھتا تو ماتم پرسی کی بات کہتا۔ اس نے تو فطرت کا قاعدہ اِس آیت میں کہہ دیا جس سے ثابت ہوا کہ وہ اِس حادثہ کو قابل غم نہیں بلکہ سلوک الی اللہ کی مثال فرماتا ہے۔

عقلمند وہ ہے جو کسی کے مرنے پر دل میں غم پیدا نہیں کرتا۔ اور اسکے دل پر اگر کچھ اثر نہیں ہوتا تو تم کو بھی چاہیئے کہ افسوس اور ماتم پرسی کو بھول جاؤ۔ اپنی اچھی بھلی جان کو خود ساختہ غم کا آزار نہ لگاؤ۔ مردے کی ہمدردی یہ نہیں ہے۔ اپنی اور اس کے وارثوں کی دشمنی ہے۔ تم ماتم پرسی کرکے کیوں ایسے الفاظ کہتے ہو جن سے مرنے والے کی یاد وارثوں کو تکلیف دے۔ خدا سے اس کی مغفرت کی دعا مانگو۔ مگر وہ بھی دل میں۔ زبان سے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

ہندو بڈھے کی موت پر خوشی کرتے ہیں کہ اس نے طبعی موت پائی۔ اور زندگی کا فرض پورا کیا۔ تم بھی کوشش کرو کہ طبعی عمر پوری ہو۔ اور اس سے پہلے موت نہ آئے اور وہ تمہاری پرہیزگاری اور احتیاط پر منحصر ہے۔ غم سے تمہاری نقد زندگی کو گھن لگ جاتا ہے۔ اسکو اپنے دل سے نکال دو۔ اور کبھی اسکا خیال نہ کرو۔

یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ خیال نے غم پیدا کیا تھا۔ خیال ہی اسکو فنا کرسکتا ہے۔ مفلسی بیماری یا دنیا کی کسی اور مصیبت سے بھی غمگین نہ ہو۔ کیونکہ یہ سب چیزیں لازمۂ فطرت ہیں جو ہر آدمی کو پیش آتی ہیں۔ تدبیر سے عقل سے۔ توکل خدا سے ان مصیبتوں کو دور کرسکتے ہو۔ غم واویلا سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

کام سب سے بڑی چیز ہے

عمل سے محبت کرو۔ کام میں لگے رہو۔ جو ایسا کرتے ہیں۔ انکو غم کی فرصت نہیں ملتی۔ غم ان کے پاس نہیں آتا۔ غم کو وہ نابود و بے وجود تصور کرتے ہیں۔

دنیا میں کام کرنے آئے ہو تم کو زندگی ملی ہے جس میں تکلیف۔ بیماری۔ بڑھاپا موت شامل ہیں۔ ان کی پرواہ نہ کرو اور کام کیے جاؤ۔

پروفیسر آرنلڈ اور علامہ شبلی ایک جہاز میں سوار تھے۔ طوفان آیا۔ اور جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ ہوا۔ بے وقوف غمگین تھے۔ اور عقلمند آرنلڈ کتاب دیکھ رہا تھا۔ شبلی نے کہا یہ وقت کتاب دیکھنے کا نہیں ہے۔ ہم سب مرتے ہیں۔ آرنلڈ بولا۔ مرنے تک جتنا وقت ہے اس سے کام لے لوں۔ فکر اور غم کروں گا تو جہاز بچ نہیں سکتا پھر کام کیوں چھوڑوں۔

اے آدمیو! تم بھی اپنے جہاز زندگانی کو دنیا کے طوفانی سمندر میں ہر وقت ڈوبتا تصور کرو اور بے پروائی سے کام کرتے رہو۔ کہ وقت جاکر آیا نہیں کرتا۔ ڈوبنے سے پہلے جو کچھ ہوسکے عمل کرلو۔

غم کچھ نہیں ہے۔ یہ تو ایک خیال ہے۔ اور خیال ہمارے اختیار کا محکوم ہے اپنے اختیار سے خیال پر حکومت کرو۔ اور اسکو دلی تکلیفوں سے محفوظ رکھو کہ ہر حاکم اپنی رعایا کی ذمہ داری رکھتا ہے۔ اور خدا کے سامنے اسکو اس کا جواب دینا ہوگا۔

غم نے دماغوں کو معطل کردیا ہے عقلیں اس کے ہاتھوں سے سراسیمہ ہیں غم کو

ٹال دو۔ اور اپنے دماغ و عقل کو بچالو۔
مجھے اسکا غم نہیں ہے کہ تم میری بات دیر میں سمجھو گے یا نہیں مانو گے۔ کیونکہ عادت سے لاچار ہو۔ میں یہ غم کیوں کروں۔ غم کے وجود سے مجھے انکار ہے۔

میں عمل نتیجہ کے خیال سے نہیں کرتا۔ اپنا فرض سمجھتا ہوں اور یہ سمجھکر اسکو پورا کرتا ہوں۔ کوئی مان لے تو بے غم۔ نہ مانے تو بے غم۔

(حسن نظامی)

شذرات

احتساب میں نرمی و ملائمت ضروری ہے ایک نوجوان حضرت سرور انبیا علیہ افضل الصلوٰۃ والثنا کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں زنا کر دوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی اس بیہودہ درخواست اور گستاخی سے سخت اشتعال آیا اور اسکو زد و کوب کرنا چاہا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے سے منع فرمایا۔ پھر اس نوجوان کو اپنے پاس بلایا۔ زانو سے زانو ملاکر بٹھایا۔ اور پوچھا کہ اے نوجوان! کیا تو اس امر کو روا رکھتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں کے ساتھ ایسا فعل کرے؟ اس نے عرض کی نہیں۔ آپنے فرمایا کہ اور لوگ بھی اس امر کو روا نہیں رکھتے۔ پھر پوچھا۔ کہ بھلا تو گوارا کر سکتا ہے کہ تیری بیٹی کے ساتھ کوئی شخص اس فعل شنیع کا ارتکاب کرے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ اور لوگ بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ پھر پوچھا بھلا تو اس امر کو مستحسن سمجھتا ہے کہ کوئی شخص تیری بہن کے ساتھ بھی یہ فعل کرے۔ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ فرمایا کہ اور لوگ بھی اسے بنظر استحسان نہیں دیکھتے۔ الغرض دیگر رشتوں کے متعلق بھی آپنے اسی قسم کے سوال کیے۔ اور اس نوجوان نے ہر ایک سوال کا جواب نفی میں دیا۔ اور اسی طرح حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس امر کو نہایت نرمی و ملائمت سے سمجھایا کہ اور لوگ بھی اس امر کو جائز نہیں سمجھتے ہیں پھر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی یا خدایا! اس کے دلکو پاک کر۔ اسکی شرمگاہ کو بچائے رکھ۔ اور اسکے گناہ بخشدے۔ بالآخر وہ نوجوان آپ کی خدمت فیضدرجت سے واپس گیا۔ اور مدت العمر زنا سے محترز و مجتنب رہا۔ اور اسکو اکبر الکبائر گناہ سمجھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ احتساب کی اصل یہ ہے کہ محتسب اس بدکردار کے واسطے جو ارتکاب معاصی و مناہی کرتا ہے۔ دلسوز ہے اور اسکو ہمدردی و شفقت کی نگاہوں کے ساتھ دیکھے۔ اور اسکو اس طرح نہی عن المنکر کرے جسطرح کوئی اپنے فرزند کو کرتا ہے اور نہایت نرمی و ملائمت اختیار کرے۔ واعظ و خطبا اس امر اہم و اقدم پر غور کریں۔ اور اسوۂ حسنہ حضرت رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین کی پیروی کریں۔

دعوت الی الخیر ابن مردویہ نے حضرت امام جعفرؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیہ مجیدہ پڑھی۔ وَلتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون (پ ۴۔ س آل عمران ع ۱۱) ترجمہ اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہئے جو لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائیں اور اچھے کام کرنے کو کہیں۔ اور برے کاموں سے منع کریں۔ اور آخرت میں وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے۔" اور اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں فرمایا کہ مراد خیر سے قرآن و حدیث ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو واعظ اپنے وعظ کو ادھر ادھر کے بے سند قصص نقلوں اور حکایتوں میں پورا کر دیتے ہیں۔ اور اسی کو اپنا مایہ ناز سمجھتے ہیں۔ ان کا وعظ اس آیت کے برخلاف ہے اور اس سے عقبیٰ کے مواخذہ کا بھی اندیشہ ہے۔ کیونکہ اگر کوئی انجان آدمی اس طرح کی وعظوں میں بے سند باتیں سُن کر انہی کو احکام اسلام سمجھ بیٹھیں۔ تو اسکا وبال واعظ کی گردن پر ہوگا

فاعتبروا یا اولی الابصار

توہمات مشرکین ایک مشرک عورت کا ذکر ہے کہ وہ اس قسم کے شرک میں مبتلا تھی کہ کسی کے خیال و گمان اور قیاس و وہم میں نہیں آسکتا۔ وہ عورت ہر روز بلا ناغہ صبح کے وقت پاخانہ کو سجدہ کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ " قدمچہ بابا! اگر میرے بیٹا ہو تو اسکو تجھ ہی پر بٹھایا کرونگی " غرضکہ اگر اس قسم کی عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں آجائیں تو اولاد پر بہت برا اثر پڑے جو مدت العمر زائل نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر اسلام نے اپنے متبعین کو مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے ولا تنکحوا المشرکٰت حتی یومنّ ولامۃ مومنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم (پ ۲۔ س البقرہ ع ۲۷/۱۱) اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور شرک کرنے والی عورت کیسی ہی تم کو بھلی کیوں نہ لگے اس سے مسلمان لونڈی بہتر ہے۔ مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کے لڑکوں کے نکاح میں ایسی عورتیں آئیں جو بجہ اوصاف حمیدہ متصف ہوں۔ کیا کبھی کسی کو اس بات کا بھی خیال آیا ہے

کرتوجات مشرکانہ سے بھی وہ منزہ ہیں۔ اور شعائر اسلام صوم وصلوٰۃ کی پابندی لازم و واجب جانتی ہیں؟

عواقب و نتائج حسد بعض جہال یہود و نصاریٰ و مشرکین اذان کی آواز پر ہنستے تھے یہ ان کی صریح حماقت تھی۔ کیونکہ کوئی دین و مذہب ایسا نہیں جس میں اسکی بڑائی بہ نظر استحسان نہ دیکھی جاتی ہو پس جو شخص حق سبحانہ وتعالیٰ کی بڑائی پر تمسخر کرے۔ اس سے زیادہ احمق کون ہوگا؟

مدینہ منورہ میں ایک نصرانی رہتا تھا جب مؤذن اذان کہتا تو وہ تمسخر کرتا اور جب اشهد ان محمدا رسول الله مؤذن کی زبان سے سنتا تو آتش حسد سے جل جاتا۔ اور کہتا خدا کرے یہ جھوٹا جل جائے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ رات کے وقت اس کا نوکر آگ لے کر گھر میں آیا تو اس میں سے ایک چنگاری اڑی اور سارے مکان میں آگ لگ گئی۔ وہ نصرانی مع عیال واطفال کے سوتا ہی تھا کہ اسکا تمام گھر بار اور سائر املاک جلکر خاکستر ہو گئے بعد وفات بستر زمش بعاکستر گرش نشاندہ غور کرو آتش حسد قانون قدرت جزاءً وفاقاً کے منشاء و اقتضاء سے خود حاسد ہی کو جلاتی ہے ولنعم ما قیل ؎

بمیر تا برہی ای حسود کین رنجے است
کہ از مشقت آن جز بمرگ نتوان رست

اعمال بغیر نیات کے صحیح و کامل نہیں ہوتے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عہد معاہدہ میں ایک شخص ایک عورت سے جس کا نام قیس تھا نکاح کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ عورت اس کے ساتھ نکاح کرنے پر صرف اسی صورت میں راضی ہو سکتی تھی کہ وہ ہجرت کرے۔ بالآخر اس نے ہجرت کی اس وقت جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی۔

انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ ما نوى فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او الى امراة ينكحها فهجرته الى ما هاجر اليه

اس میں کچھ شک نہیں کہ جتنے کام ہیں وہ نیتوں ہی سے تحقق ہوتے ہیں اور آدمی کو وہی ملے گا جو وہ نیت کرے گا۔ اس بنا پر جس نے دنیا کمانے یا کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی۔ اس کی ہجرت اسی کام کے لیے ہوگی۔ غور کرو جتنے ثواب کے کام ہیں وہ بغیر نیت کے صحیح و کامل نہیں ہوتے۔ پس اعمال حسنہ خیر محض ہوں۔ محض ابتغائے مرضات اللہ کے لیے ہوں۔ اور شائبہ اغراض سے پاک وصاف ہوں۔ تو بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل کر سکتے ہیں۔ والا فلا

حقیقت تقویٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ لا یبلغ العبد حقيقة التقوى حتى يدع ما حاك في الصدر۔ انسان حقیقت تقویٰ کو نہیں پہنچ سکتا

جب تک وہ بات جو دل میں کھٹکتی ہو چھوڑ نہ دے۔ غور کرو بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو انسان دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ اور اسکو اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کوئی اس پر آگاہ نہ ہو۔ اور یہی دل کا کھٹکا ہے۔ پس جو بات دل میں کھٹکتی ہو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ بعض امور کے جواز و عدم جواز میں شبہ ہوتا ہے۔ انکو بھی چھوڑ دینا چاہیے۔ اصل یہ ہے کہ آدمی پرہیزگاروں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ان کاموں کو نہ چھوڑے۔ جن میں قباحت نہیں ہے۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں ان کاموں میں نہ پڑ جائے جن میں قباحت ہے۔ فتدبروا یا اولی الالباب +

نوکروں اور ماتحتوں سے حسن سلوک کی تاکید ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ معرور ابو ذر سے ربذہ میں جو ایک گاؤں ہے مدینہ منورہ سے تین منزل پر ملے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ جیسا لباس ابو ذر زیب تن کیے ہوئے ہیں ویسا ہی لباس ان کا غلام پہنے ہوئے ہے۔ معرور نے اسکی وجہ پوچھی تو ابو ذر نے جواب دیا کہ میں نے ایک شخص کو سب وشتم کیا۔ اسکو ماں کی گالی دی۔ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اسکو ماں کی گالی دی ہے۔ تو وہ آدمی ہے جس میں ابھی جاہلیت کی خصلت باقی ہے اور ارشاد فرمایا اخوانكم خولكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن كان اخوه تحت يده فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم فان كلفتموهم فاعينوهم۔ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں وہ تمہارے کاموں کی اصلاح کرتے ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنایا ہے۔ پھر جس کا ماتحت اس کا بھائی ہو اس پر لازم وواجب ہے کہ اپنے ماتحت کو وہی کھلائے جو آپ کھائے اور وہی پہنائے جو آپ پہنتا ہے۔ اپنے ماتحتوں اور نوکروں سے وہ کام نہ لو جو ان سے نہ ہو سکے۔ اگر ایسا کام لینے کی ضرورت پڑے تو خود بھی ان کی امداد واعانت کرو۔ غور کرو اسلام نے اپنے متبعین کو ماتحتوں اور نوکروں سے حسن سلوک کی کیسی تاکید شدید فرمائی ہے۔ فلسفہ اخلاق کا یہ مسلم الثبوت مسئلہ ہے کہ انسان کے خدام بمنزلہ اس کے اپنے ہی اعضاء وجوارح کے ہیں۔ کیونکہ نوکر اپنے آقا کے وہ کام کرتا ہے۔ جو آقا کو نوکر کی عدم موجودگی میں اپنے ہی اعضاء وجوارح سے کرنے پڑتے۔ اس بنا پر نوکروں اور ماتحتوں کی خور و پرداخت ایسی ہی ضروری لابدی ہے جیسی اپنے اعضاء وجوارح کی۔ فهل من مدكر +

اعمال و افعال کی جوابدہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ چار باتوں کی جوابدہی کے لیے ہر شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور دیر تک کھڑا رہنا پڑے گا۔ (۱) تمام عمر کن کاموں میں صرف کی؟ (۲) جوانی میں کیا کیا؟ (۳) مال کہاں سے

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

لوگوں کو قصے سنایا کرو تاکہ وہ غور و فکر کریں

القصص

بھائی کے ہاتھوں بھائی کا قتل

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○

(النساء ع ۱، پ ۴ ع ۱۲)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو نفس واحد (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اور تم اس خدا سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت کا لحاظ رکھو (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارا نگران حال ہے۔

جب بمقتضائے آیت فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○

سیدنا حضرت آدمؑ اور بی بی حوا علیہما السلام کے اولاد ہونے کا وقت آیا تو سب سے پہلے حمل میں قابیل اور اس کی بہن اقلیما اور دوسرے حمل میں ہابیل اور اس کی بہن لیودا پیدا ہوئی۔

چونکہ اس زمانہ میں سیدنا حضرت آدمؑ کی صلبی اولاد کے علاوہ دوسرے مردوں اور عورتوں کا وجود نہ تھا اسلیئے شادی کے متعلق یہ قانون مقرر کیا گیا کہ ایک بطن کا لڑکا دوسرے بطن کی لڑکی سے اور دوسرے بطن کا لڑکا پہلے بطن کی لڑکی سے بیاہ دیا جائے۔ اور آدم علیہ السلام کی شریعت میں افتراق بطن بمنزلہ اختلاف نسب کے قرار دیا گیا۔ بدیں وجہ جب معمول ہابیل کی شادی قابیل کی بہن اقلیما کے ساتھ تجویز ہوئی۔ اور قابیل کی شادی ہابیل کی بہن لیودا کے ساتھ ہونی قرار پائی بی بی اقلیما (قابیل کی بہن) حسین تھیں۔ اور لیودا (ہابیل کی بہن) سے خوبصورتی میں گھٹی ہوئی تھیں۔ یعنی بی بی لیودا اقلیما کی طرح خوبصورت نہ تھیں۔

اسلیئے قابیل کو یہ امر ناگوار گذرا۔ اس نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے درخواست کی۔ کہ اقلیما میری بہن ہے۔ ہم دونوں ایک ہی بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔ بدیں وجہ ہر طرح سے میں ہی اس کا مستحق ہوں۔ ہابیل کا کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے نکاح میں میری بہن کو لائے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا! اقلیما تمہاری بہن ہے تمہارے ساتھ پیدا ہوئی ہے۔ اس احترام کی وجہ سے وہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ۔

قابیل نے کہا۔ ابا جان! تم ہابیل کو مجھ سے زیادہ پیار کرتے ہو اسوجہ سے تم ہابیل کی طرفداری کرتے ہوئے میری حق تلفی پر آمادہ ہو۔ اور یہ حکم تم کو کچھ خدا نے نہیں دیا محض اپنی رائے سے کہتے ہو۔

چونکہ آدم علیہ السلام کو کامل یقین تھا کہ ہابیل حق پر ہے۔ اور اسکی نیاز بھی مقبول ہوگی۔ اس لیے قطع محبت کے لیے یہ فیصلہ فرمایا کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ نذر و نیاز گزرانو۔ اور تمہارا اسی بات پر فیصلہ ہے کہ تم دونوں میں سے جس کی نیاز بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو جائے گی۔ اسی کی شادی میں اقلیما کے ساتھ کر دوں گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے حکم کے موافق دونوں نے نیاز چڑھائی۔ ہابیل نے (جو مویشیوں کا مالک تھا) اپنی نیاز میں ایک نہایت عمدہ دنبہ ذبح کر کے رکھا۔ اور قابیل نے (جو کھیتی کرتا تھا) تھوڑا سا ردی و ناکارہ اناج لا رکھا۔ اور نیت یہ رکھی کہ میری نیاز قبول ہو یا نہ ہو۔ بہر حال میں اقلیما ہی سے نکاح کروں گا۔ اس زمانہ میں نیاز کے قبول ہونے کی یہ نشانی تھی۔ کہ جو نیاز مقبول ہوتی تھی اسے آسمان سے سفید آگ آ کر جلا جاتی تھی۔ جب ہابیل و قابیل اپنی اپنی قربانیاں

کھاتے۔ تو آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی۔ اور حق شناس ہابیل کی نیاز مقبول ہو گئی۔ اور قابیل کی نیاز۔ اسی طرح بدستور رکھی رہی۔

اسوقت سیدنا حضرت آدمؑ نے قابیل سے کہا۔ بیٹا! اقلیما ہابیل ہی کا حق ہے اسی کے نکاح میں آسکتی ہے۔ تمہارے لیے کسی طرح حلال نہیں ہو سکتی۔

الغرض ہر طرح سے قابیل رہ گیا تو اس کے دل میں حسد و عناد کی آگ بھڑک اٹھی

چو حجت نماز جفا جوئے را بہیر خاش درہم کشد روئے را

حسد و حسرت نے چشم بصیرت کو تیرہ و تاریک کر دیا اور بیچارے ہابیل کی جان کا لاگو ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ میں تو تجھے ضرور قتل کر ڈالوں گا۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ (مائدہ ع ۵ پ ۶)

(اے حبیبؐ) اہل کتاب کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجئے جبکہ ان دونوں نے اللہ کے نام کی نیاز پیش کی۔ اور ان میں سے ایک کی قبول کی گئی۔ اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی اس دوسرے نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں تجھ کو ضرور مار ڈالوں گا۔ اس نے کہا اللہ تو صرف پرہیزگاروں ہی کی نیاز قبول کرتا ہے۔"

ہابیل نے کہا کہ تو مجھ کو کیوں قتل کرتا ہے۔ قابیل نے کہا۔ کہ خدا نے تیری قربانی قبول کر لی۔ اور میری نیاز کو قبول نہ فرمایا۔ نیز تو میری خوبصورت بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی بدصورت بہن میرے نکاح میں دینا چاہتا ہے۔ ہابیل نے اسکے جواب میں کہا کہ بھائی جان میرا قصور۔ اسمیں کچھ نہیں اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اعمال کا دارومدار تو صرف نیتوں ہی پر ہے۔ اور پرہیزگار متقی کی قربانی خلوص نیت کی وجہ سے مقبول ہوتی ہے۔ اگر تمہاری نیت بخیر ہوتی۔ تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ نیاز گذرانی جاتی۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور مقبول فرماتا إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝

پس اگر اب بھی تمہارا ارادہ مجھے قتل کرنے کا ہے تو تم جانو۔ میں تو پھر بھی یہی کہوں گا۔ مجھے قتل کرنا کسی طرح روا نہیں۔ تمہیں خدا سے ڈرنا چاہیے مجھ پر تم خواہ کتنا ہی ظلم و ستم روا رکھو۔ مگر میں اپنے بچاؤ کی خاطر تم پر ہرگز دست درازی نہیں کروں گا۔

لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ (مائدہ ع ۵)

اگر تو مجھ پر قتل کے لیے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کے لیے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں میں تو پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔

عقلاً و شرعاً دشمن کے حملے کو روکنا۔ نیز اپنے نفس کی حفاظت کرنا ازبس ضروری ہے۔ مگر ہابیل نے ایسا نہ کیا۔ اس کے دو سبب ہیں۔ **اوّل** تو یہ کہ اسوقت تک روئے زمین پر کوئی قتل واقع نہیں ہوا تھا۔ ایسے ممکن تھا کہ دفعیہ کی صورت میں ہابیل کے ہاتھوں قابیل مارا جاتا۔ لہٰذا ہابیل یہ نہیں چاہتا تھا کہ اقدام قتل کر کے دنیا میں قتل کی سنت کو جاری کرے۔

دوسرے یہ کہ اس کہنے میں یہ فائدہ تھا۔ کہ شاید قابیل اس تقریر سے متاثر ہو کر قتل سے باز آجائے۔

بعض لوگوں نے اس کا مطلب بیان کیا ہے۔ کہ اگر تو نے میرے قتل کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں اسوقت بھی تیرے قتل کی نیت سے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ تو حملہ روکنے کے لیے مجھے ہاتھ بڑھانا پڑے۔ یہ مطلب کچھ قرین قیاس معلوم ہوتا کیونکہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ دست درازی نہ کرنے کی علت ہے یعنی یہ کہ قتل بہت بری چیز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔ اگر میں نے خود کو معذور سمجھ کر تجھے قتل کر دیا تو پھر بھی مجھے خدا کے مواخذے سے ڈر لگتا ہے۔

إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ

میں تو یہ چاہتا ہوں۔ تو میرا اور اپنا دونوں کا گناہ سمیٹے۔ اور پھر تو دوزخیوں میں ہو جائے۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ (مائدہ)

الغرض ہابیل نے خوف خداوندی کی وجہ سے تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کیا اور اخوت و بھائی چارے کے رشتے کو یہاں تک نبھایا کہ اپنے نفس کی بچاؤ کی خاطر ہاتھ بڑھانے سے بھی انکار کر دیا۔ مگر قابیل نفسانی خواہشات۔ دلی شرارت کی وجہ سے بھائی کے قتل پر آمادہ رہا۔ وقت کا منتظر تھا کہ کب موقع ملے اور میں اسے قتل کر ڈالوں۔

ایک دن مسلمانوں کا دشمن ابلیس (علیہ اللعنت) انسانی شکل میں قابیل کے سامنے آیا۔ اور ایک پرندے کو پتھر پر رکھ کر کچل ڈالا۔ قابیل نے یہ طریقہ اپنے ذہن میں محفوظ رکھا۔

ایک روز ہابیل جب جنگل سے واپس آیا اور کسی درخت کے سایہ میں آرام لینے کی غرض سے بیٹھ گیا۔ قضا عند اللہ آنکھ لگ گئی۔ قابیل چونکہ اسوقت کا منتظر تھا فرصت کو غنیمت جان کر ہابیل کے سر پر اس زور سے پتھر مارا کہ مظلوم بھائی کا سر پاش پاش ہو گیا۔

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ پھر اسکے نفس نے اسکو اپنے بھائی کے

فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (مائدہ) قتل کرنے پر آمادہ کیا چنانچہ اس نے اسکو قتل کر دیا۔ اور پھر نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔

یعنی دین و دنیا دونوں جہان میں قابیل کو سخت نقصان ہوا۔ دنیا میں تو اسنے اپنا قوت بازو۔ راحت روح گم کر دیا۔ والدین کی تمنا و آرزو پر پانی پھیر دیا۔ ان کو ناراض کیا۔ اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

جب قابیل اپنے بیگناہ بھائی کے خون سے ہاتھ رنگ چکا تو اپنے عزیز بھائی کے مردہ جسم کو درندوں سے بچانے نیز اس راز کو چھپانے کی غرض سے ایک عرصہ تک اپنی پیٹھ پر لاش کو لادے لادے پھرتا رہا۔ کیونکہ یہ سب سے پہلی موت تھی جو سرزمین دنیا پر واقع ہوئی تھی۔ اور اسوقت تک میت کے دفن کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے۔ ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور قاتل نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کریدی۔ ایک گڑھا بنایا۔ اور مقتول کوے کو اس میں ڈالکر مٹی سے چھپا دیا۔ (روح المعانی)

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ — پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدتا تھا
لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ — تاکہ اسکو دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیونکر چھپائے۔

قابیل نے اس تمام کیفیت کو دیکھا۔ اور جب کوے سے دفن کرنے کا طریقہ سیکھ لیا۔ تو اسکو اپنی حالت پر سخت ندامت ہوئی۔

قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ — (قابیل نے) کہا ہائے میری شامت!
مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ — مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ میں اس
سَوْءَةَ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ — کوے ہی جیسا ہو جاتا کہ اپنے بھائی
(مائدہ۔ ع ۵ پ ۶) — کی لاش کو چھپا دیتا۔ پس وہ بہت پشیمان ہوا

نتیجہ کلام

اہل کتاب کفار و مشرکین تفاخر بالنسب و ما بہ افعال قبیحہ نیز حسد و بغض میں مبتلا تھے۔ اپنے خیال باطل میں سمجھے ہوئے تھے۔ کہ ع

"ہمچو من دیگرے نیست"

اللہ تعالیٰ نے اس گھمنڈ کو اور باپ دادوں پر فخر کرنے کو اس مبارک قصے کے بیان کرنے سے باطل ٹھیرایا ہے کہ قابیل بھی خلیفۃ الارض خدا کے نائب کا صاحبزادہ اور اولوالعزم پیغمبر کا بیٹا تھا لیکن نسب اور باپ کی بزرگی و تقدس نے اسکو کچھ نفع نہ دیا۔ اور حسد کی وجہ سے اس سے ایک فعل سرزد ہوا۔ جو والدین کی ناخوشی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہوا اور قیامت تک جس قدر ناحق طور پر خون ہوں گے وہ بمقتضائے من سن سنۃ سیئۃ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔ ؎ چونکہ ماطبیعت

بے ہنر بود + پسر زادگی قدرش نیفزود + تینہ شمار اگر داری نہ گوہر + گل از خارست و ابراہیم از آزر +

(بندہ محمد عبد التواب غفرلہ)

حکایت

مثنوی میں ہے کہ ایک شخص ایک عورت کے پیچھے چلا اس نے پوچھا کہ تو میرے پیچھے کیوں آتا ہے۔ کہنے لگا کہ میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا کہ میرے پیچھے میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ ہوسناک تو تھا ہی فوراً پیچھے لوٹا جب یہ لوٹنے لگا تو اس نے ایک دھول اسکے رسید کیا اور کہا ؎

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی — در بیان دعوی خود صادقی
پس چرا بر غیر افگندی نظر — این بود دعوی عشق ای بے ہنر

کہ مردود اگر تو عاشق تھا تو غیروں پر کیوں نگاہ کی محبت تو وہ چیز ہے کہ ؎

ہمہ شہر پر ز خوبان منم و خیال ماہی — چہ کنم کہ چشم یکبین نکند بکس نگاہے

جسکو خدا سے تعلق ہو جاتا ہے پھر چاہے تمام دنیا بھی حسینوں سے بھر جائے مگر وہ اپنے محبوب حقیقی کو چھوڑ کر کبھی دوسری طرف متوجہ نہ ہو ؎

این نہ عشقست آنکہ بر مردم بود — این فساد خوردن گندم بود

یہ کیسی محبت کہ دعوے خدا کی محبت کا اور دوسروں سے تعلق ہے اگر چار دن کھانے کو نہ ملے تو سب بھول جائیں۔ یہ سب نفس کی شرارت ہے اور یہی وجہ ہے کہ عشق ان ہی کو ہوتا ہے جنکو خوب فرصت و فراغت ہے۔ ورنہ جو لوگ کام میں لگے ہوتے ہیں انکو کبھی ایسی لغویات کی نہیں سوجھتی۔ افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو فراغت اسلئے دی تھی کہ دین کا کام کریں مگر زیادہ تر ایسے ہی لوگ محروم ہیں۔ خوب کہا ہے ؎

خوشا روزگارے کہ دارد کسے — کہ بازار حرصش نہ باشد بسے
بقدر ضرورت یسارے بود — کند کارے از مرد کارے بود

کہ بڑا خوش نصیب ہے وہ کہ اسکو حرص نہ ہو۔ اور ضرورت کے موافق کھانے کو ہو لیکن افسوس ہے کہ ہم قدر نہیں کرتے اور اس بیکاری میں اپنے پیچھے یہ علتیں لگا لیتے ہیں اور افسوس یہ ہے کہ بعض سالکین کہتے ہیں کہ امردوں کے حسن میں خدا کا حسن جلوہ گر ہے۔

(ماخوذ از الامداد)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے

اصلاح الاخلاق و الاعمال

تہذیب النفس — تدبیر منزل — سیاست مدن

پڑھے لکھے لٹیرے

زمانہ مغرورمنہ ترقی تو ضرور کرتا جاتا ہے۔ مگر ایمانداری سے سب ایمانی کا تناسب دن بدن گھٹتا جاتا ہے۔ یہی حال رہا تو گذشتہ پچیس برس کا قیاس بہانگ دہل کہتا ہے کہ خدا چاہے آیندہ پچیس برس میں بالکل دیانت کا صفایا اور اخلاق و دیانت کا فیصلہ ہو جائیگا۔ اور اس جوار سینے کی مینہ یعنی کرۂ ارض پر بہ زیادہ عیار ہو گا۔ وہی پہلے بھولی گا دین سے بے تعلقی اور دنیا سے عشق کے سبب روز بروز معاشرت میں بدنیتی کا جزو بڑھتا جاتا اور خوش خلقی کا عنصر گھٹتا جاتا ہے۔ بجز اس افراد اس فساد تمدن پر آٹھ آٹھ آنسو روتی اور جائز ناجائز کے قید توڑنے والے حیوان سیرت انسان صورت جانور خوش ہوتے ہیں۔ تجارت کے مختلف شاخوں میں فقط ایک کتابی تجارت اور قلمی سوداگری کے ابواب و فصول کی سیر کیجئے۔ تو عجیب عجیب پر فریب نکتے اور دغا آمیز لطیفے نظر آئینگے کہ الامان پرانی دیسی روشنی میں فقط ایک فرقہ عاقبت فروش تماشی مشایخوں کا تھا۔ جو بے سرمایہ تجارت سے پورا فائدہ اٹھاتا۔ اور پرائی کھری کمائی بے محنت کھاتا تھا۔

مگر اس نئی ولایتی روشنی میں صدہا فرقے ایسے پیدا ہو گئے۔ جیسے دلالوں کا گروہ اور خالی ہاتھ بے سرمایہ کاغذی سوداگروں کا فرقہ۔ نہ کچھ ہاتھ میں جیب میں نہ گھر میں لاکھ یا لکھیرے کی دوکان میں یا ان کی مطبوعہ فہرست میں لمبے علاقہ قلم کیا رکھے مرچنٹ اور کمیشن ایجنٹ پھر ایک اور فرقہ اشتہاری حکیموں کا۔ دوا فروشوں کا نکلا جن میں فیصدی دس بھی حکیم نہیں یعنی نہ عربی میں موجز کلیات نفیسی معالجات سدیدی۔ حمیات قانون شرح اسباب وغیرہ پڑھی دکم انکم فارسی میں میزان الطب مفرح القلوب طب اکبر دیکھی محض نا خدا ترس عطائی لیٹرے۔ موت کے نائب قضا کے گماشتے اجل کے ایجنٹ گورکن کے مربی۔ قبرستان کے آباد کار۔ مصائب زندگی سے سبکدوش کرنے کے ٹھیکیدار ایک دوا سو مرض نو شفا۔ ایک بوتل چشمۂ آب بقا۔ ایک پیکٹ اعجاز مسیحا سرمہ ہے تو تیر بہدف (واہ رے محافظ چشم) اور مرہم ہے تو ہر ہمال کی دوا ہے۔ تو تلی کو کاٹ کاٹ کر بالکل نکال دینے والی (واہ رے علم تشریح اجسام) پھر کوئی مینہ بینہ کا مدعی کوئی جوگی بیراگی کا بالکہ کوئی سیناسی کا چیلا کوئی کسی حضرت کا فیض یافتہ۔ غرض مبالغوں کی بھرمار جیبوں کے انبار اگرچہ زمانہ اس مرض کا خود علاج کرے گا۔ اور اس دروازہ پر طبی سند کا تیغا کسی دن لگیگا مگر اب تو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اسی قسم کے لوٹیروں میں سے ایک اہل قلم کا فرقہ ہے جن کا لقب۔

کتابی ڈاکو اور قلمی ٹھگ

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ کتابت و کاغذ کے ذریعہ سے دنیا کو آسانی بناتے ہیں اور اپنی مٹھی گرماتے ہیں۔

(۱) اول مشروط الامتحان سرکاری کتابوں کی وہ شرح ترجمہ اور فرہنگ نویس جو ایک کی جگہ دس گونہ قیمت رکھ کر غریب طلبہ کے وارثوں کا کلیجہ چاٹتے اور پیٹ کاٹتے ہیں۔

(۲) بدکاری کا سبق بد اطواری کی تعلیم دینے والے حیاسوز آموز مصنف جو کوک شاستر اور مجربات بو علی سینا کو نئی نئی ترمیموں اور جدید جدید پیرایوں کے ساتھ قانونی گرفت سے بچی ہوئی یا بار بار طبع میں پیش کر کے نوجوانوں کو چالبازی کا گر سکھاتے اور معاوضہ حلیم میں اول نمبر پر اپنا نام درج کراتے ہیں۔

(۳) مخرب اخلاق ناول نویس جو اپنی تحریروں کو بدکاری کی شرح عیاشی کا روز نامچہ۔ رنڈی بازی کی ڈائری بنا لینے پر تلے رہتے۔ اور بہا کی مجربات کو سلجھاتے اور جھگا لیجانے کی نت نئی ترکیبیں پبلک میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اب کہ تعلیم نسواں کی بھی ابتدا ہے یہ ناول سرداد سے زنانہ میں بھی خرمن عصمت کے لیے برق تپاں ثابت ہونگے

(۴) بعض حیا سوز عزت فروش جو کتاب شائع ہوتی ہے اس نے قباحت کیساتھ اسی کتاب کی نقل چھاپ کر اپنے نام سے اس ناں بیچکر روپیہ کماتے ہیں۔ کشتہ جات۔ خضاب۔ علاج مستورات۔ شعبدات۔ صنعت و حرفت۔ امراض خبیثہ کے رسایل میں اکثر ایسی مثالیں پیش نظر ہیں۔

(۵) صنعت و حرفت کے اکثر بیہودہ اور فضول مجموعے ہیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس قسم کے مصنف فیصدی پچانوے خود اپنے پیش کردہ پیشوں سے ناواقف یا غیر ماہر ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو خود کسی فن پر عملاً قادر نہیں وہ اوروں کو کیا تعلیم دیگا اور خفتہ کو خفتہ کب بیدار کر سکے گا۔ پھر نام ایسے ایسے عمدہ اور دعوے ایسے عالیشان کہ پناہ بخدا۔ پھر اوس پر بحالت غلطی دس یا پانچہزار روپیے تاوان کا وعدہ اور صداقت کا طرہ البتہ بعض کتابیں جو واقف کار اہل علم نے ایک سو ایک فن میں مستقل لکھی ہیں کچھ واقف کار شوقین کے لیے بہت مفید ہیں۔ اور بالکل ناواقف کو ان سے بھی فائدہ نہیں۔ کیونکہ ہنر میں زیادہ حصہ عملی ہوتا ہے۔ اور عمل اوستاد کے ہاتھ سے دیکھیے۔ اور استاد کے روبرو بار بار کیے بغیر نہیں آتا ہے۔ اور عملی فنون تو بڑی چیز ہیں۔ اگر کوئی شخص کتاب کے ذریعہ سے مونگ کی کھچڑی ہی پکانی سیکھے تو خدا چاہے دال بھی کچی رہ جائے گی۔ کبھی جلجائے گی۔ کبھی کنی باقی اور کبھی گھتھی تو کبھی نمک زیادہ پڑگیا اور کبھی ڈالنا یاد نہ رہا۔ پس جب مونگ کی کھچڑی بھی مشاہدہ اور تجربہ کی محتاج ہے۔ تو ہارمونیم ستار فوٹو۔ نقاشی۔ طبع۔ آتش بازی۔ صابون۔ ربڑ کی مہر۔ کپڑے کی تراش۔ رنگ سازی وغیرہ تو بڑے کام اور زیادہ محنت و واقفیت لعیتا اوزار و آلات و مشق چاہتی ہیں۔ پھر ایک ایک ہنر کے لیے کئی کئی کتابیں کلر ہیں سنہ کہ ایک کتاب اور پانسو بیوپار۔ ہزار ہنر اللہ اکبر۔ ہنر نہ تیر لگا نہ کھودنا تیرا اس قسم کی کتابوں نے ہزارہا کا نقصان۔ اور ہزارہا کا تجربات میں خسارہ دیا ہے۔ اور بعض دفعہ صحت و عافیت تک کو نقصان پہونچا دیا ہے۔

(۶) لعنت ملامت سے معمور کتب مناظرہ لکھنے والے مفسدہ پرداز انھوں نے اس چوتہائی صدی میں ایسا فحش اور خلاف تہذیب لٹریچر کا نامعقول اضافہ کر دیا ہے کہ وہ دو غزل گو شاعروں اور ہجو نویس انشا پردازوں نے دو سو برس میں بھی تیار نہ کیا تھا۔ ان مناظروں اور مناظرہ نویسوں نے سفیہانہ جنگ بزدلانہ رزم کے میدان عجیب بھولی گلی گھوشے دوڑائے اور کاغذی کارتوسوں سے متعصبانہ چاندماری کے رنگ جمائے۔ اور خوب پرلٹے مال اُڑائے۔

(۷) وہ کتب فروش جو سوایئی قیمت کے اشتہار دیتے ہیں اور صفت میں دھوکہ بازی سے خلق خدا کو لوٹتے ہیں۔ یعنی اصل کے خانہ میں ڈبل قیمت اور سوایئی قیمت کے خانہ میں اصلی قیمت درج کر دیتے ہیں۔

(۸) وہ اشتہاری مصنف یا کتب فروش یا مطبع والے جو کتاب کی اجمالی تعریف تو بے حد چھاپتے ہیں۔ مگر تقطیع تعداد اوراق مصنف کا نام اور دیگر ضروری مراتب کی تشریح نہیں کرتے۔ اس سے اکثر خریدار دہوکا کھا جاتا ہے۔ اور صداقت تجارت کا اعتبار اوٹھتا جاتا ہے۔

(۹) وہ نمونہ رسان گندم نما جو فروش جو ایک ورق نہایت خوشخط بھیجتے ہیں اور تمام کتاب اُس کے مطابق نہیں ہوتی۔

(۱۰) وہ مترجم جو کتاب کے ترجمے کا اشتہار مع قیمت دیدیتے ہیں۔ اور مطلق لفظ کتاب سے پوری کتاب کا یقین ہوتا ہے۔ اور اس یقین پر قیمت ناگوار نہیں معلوم ہوتی مگر وہی چھوٹا سے پر سرورق پر پہلی جلد یا نصف اول یا حصہ اول لکھا ہوا ہوتا ہے مگر علاج کیا۔ پوسٹ میں پیکٹ کھولنے سے پہلے قیمت وصول کر چکا اور ہم کو پوری کتاب کے عوض ایک جزو نصیب ہوا۔

(۱۱) حاشیہ نویس شارح وغیرہ جو نمونہ کے ورق پر حاشیہ یا شرح زیادہ لکھتے ہیں سو اسی پر تمام کتاب کا قیاس کیا جاتا ہے۔ کتاب آنے پر معلوم ہوتا ہے کہ بہت کم اوراق پر اس قدر حاشیہ یا شرح اس قدر تنہا لکھی گئی ہے۔ وہ تو نمونہ تھا۔ افسوس حدیث قرآن شریف تفسیر تک کے معاملہ میں بھی یہ افسوسناک برتاؤ دیکھا جاتا ہے۔

(۱۲) وہ ڈایری فروش جو ڈایری کے نام سے ردی کا مجموعہ اپنی دکان کی فہرست اپنے مال کا زخنامہ بھیجکر ڈایری کے نام سے ایک دو آنہ قیمت کا اشتہار دیتے ہیں یا صرف محصول ڈاک کو ۲ دو آنہ کو ٹکٹ طلب کر کے فضول مجموعہ بھیجدیتے ہیں۔ بلکہ بعض تو پتہ چھاپنے کی دعا مانگتے۔ بہتے ہیں۔

(۱۳) وہ اشتہاری دغاباز جو بالکل غیر مجسم اور ایثار محض بنکر اخبارات میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کسی مرض کے مجرب علاج کو رسالہ کی صورت میں مفت تقسیم کرنے کی صلائے عام کر کے اپنی ساختہ دواؤں کا مدح نامہ بھیجدیتے ہیں غرض کہاں تک عرض کروں۔ اور بہت سے ایسے بھلے آدمی بھی نکلیں گے۔ کاش خدا ان کو ہدایت نیک دے۔ اور ہم کو ان کی شر سے بچائے۔ مگر حیرت یہ ہے کہ باوجود اس بدنامی کے ان کے نصیب سے ناواقفوں کی تعداد ہمیشہ اتنی زیادہ رہتی ہے کہ ان کا کام بخوبی چلا جاتا ہے۔ اور خدا جانے کب تک چلا جائے گا۔ فقط

خاکپائے نظیر حسن سخا

(منقول از عصر جدید)

مِعیارِ درویشی

کل خواب میں جاگا جو مرا طالعِ بیدار — اک مستِ مئے فقر کا حاصل ہوا دیدار
ظاہر میں تو ناجی بہت حضرتِ اقدس — اور جسم پہ ملبوس تھا اک خلعتِ زرتار
رنگین عصا ہاتھ میں تھا قد کے برابر — زیبِ سرِ اقدس تھی بڑی شان کی دستار
گو اس کا بڑا قیمتی تھا پاؤں میں جوتا — انگشتریاں سونے کی تھیں ہاتھ میں دو چار
چہرے سے عیاں شوکت و انوارِ تقدس — حالت سے نمایاں شرفِ فطرتِ اطوار
دلچسپ بیاں وہ کہ مسخر ہو سماعت — آتا تھا اثر دوڑ کے گویا دمِ گفتار
تھا شانہ کچھ ایسا ہی کہ مرعوب تھی محفل — شاہی کا گماں ہوتا تھا درویش پہ ہر بار
تھے جمع وہاں اور بھی کچھ مردِ مسلمان — "درویشی کے معیار" پہ تھی بحثِ بسیار
اک شخص نے ناگاہ کہا مجھ سے کہ سیماب — اس وقت بہت ہوں میں سراسیمۂ افکار
سنتا تھا کہ درویش وہ ہے جس کو نہ ہو کام — بالذّتِ دنیا و بہ آرائشِ دستار
کمبل جو لباس اُس کا کئی جس میں ہوں پیوند — ہو برہنہ پا اور کھلے سر وہ سرِ رفتار
ہوں بال پریشان، نہ ہو پوشش سراپا — جلوت میں ہو خاموش تو خلوت میں ہو سرشار
ستّو ہو خوراک اس کی نہ ہو جس میں حلاوت — جَو اس کی غذا ہوں، نہ مقشّر نہ مزے دار
یہ ذاتِ شریف آج جو ہیں مدعیِ فقر — ان میں نظر آتی ہی نہیں شان وہ زنہار
یہ سن کے میں خاموش ہوا صورتِ تصویر — لیکن دلِ درویش پہ تھا حال نمودار
اس شخص کو فی الفور کیا ہنس کے مخاطب — فرمایا کہ او ظاہری صورت کے پرستار
تو جوہرِ حقیقت کا نہیں آشنا ورنہ — کس طرح ترے ہاتھ پھر آئے دُرِ شہوار
اے بے خبر نہیں صورتِ معنی سے تو آگاہ — سن غور سے درویشی و درویش کا معیار
کپڑوں میں نہفتہ نہیں انوارِ طریقت — ملبوس میں پنہاں نہیں درویش کے اسرار

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

سیماب (صدیقی الراقی اکبرآبادی)

ایک منظرِ اوہام

اک مردِ ضعیف کل جو دیکھا — تھا یاس سے سر خمیدہ بیٹھا
میں نے جو کہا "یہ حال ہو کیا" — نومیدی سے آہ بھر کے بولا

کیا پوچھتا ہے جواں ہم سے
جس حال میں ہیں "یہ زبوں ہے"

صورت سے عیاں ہو دل کی حالت — ظاہر کو ہے کیا بیاں کی حاجت
ناداری نے کی ہے یہ بری گت — فاقوں سے ہوئی ہے طاق طاقت

غم خانہ بنا ہے گھر ہمارا
افلاس سے خم ہے سر ہمارا

راحت ہے ہمارے حق کی مفقود — اس حال سے زندگی ہے مردود
دن آئے ہیں ایسے غیر مسعود — مانگیں جو دعا تو ہو وہ بے سود

کیا جانیے کیا خطا ہوئی ہے
تجویز جو یہ سزا ہوئی ہے

ہشیار رہا ہوں جس گھڑی سے — کرتا تھا ادا نماز جی سے
اب حال زبوں ہے مفلسی سے — شاید کہ یہ پھل ملا اسی سے

خوش حال رہیں جہاں میں زانی
زاہد پہ ہو بند دانہ پانی

انصاف عجب یہ ہے خدا کا — دشمن کو کھلائے تر نوالا
اور دوست کو ہو نصیب فاقہ — شاکی بھی نہ ہو یہ اس پہ طرّہ

جی جلتا ہے غم سے کیا کہوں میں
پیتا ہوں جگر کا اپنے خوں میں

قزاق و لٹیرے جس قدر ہیں — اور چور اچکے جو بشر ہیں
خوش حال یہ سارے گھر بگھر ہیں — دریوزہ منش اک ہم مگر ہیں

تثلیث پرست بھی ہیں خورم
مسرور ہیں بت پرست بے غم

القصہ یونہی وہ پیرِ ناداں — غصہ میں بھرا ہوا پریشاں
خلاق کے سب بھلا کے احساں — بکتا رہا لام و کاف ہذیاں

آخر کو نہ ضبط کر سکا میں
نرمی سے یہ پوچھنے لگا میں

اے مرد پلنگ غم کے مارے اک بات مری بھی سنیئے بارے
شکوے جو کیے ہیں اتنے سارے الزام خدا پہ ہیں تمہارے
بیجا بھی ہیں کچھ کہ سب بجا ہیں
انساں کے خیال ہی "بلا" ہیں
شادی میں خدا کو یہ بھلائے گر غم ہو ذرا تو سو سنائے
ہر حال میں خود "خودی" جتائے لب پر نہ کبھی یہ شکر لائے
کرتوت "تو" آپ سارے کرنے
تقدیر کے سر پہ جرم دھرنے
ممکن ہے اسی طرح سے تم بھی ناراستی سے ہوتے ہو شاکی
عیبوں سے بری ہے ذات باری حاجت نہیں اس کو کچھ کسی کی
ہیں دشمن و دوست اسکو یکساں
ہوں گبر و یہود یا مسلماں
اک سانچے کے سب ڈھلے ہوئے ہیں اک راہ کے سب چلے ہوئے ہیں
اک گود کے سب پلے ہوئے ہیں اک شمع کے سب جلے ہوئے ہیں
قدرت نہیں بیش و کم کسی میں
جو بات ہے وہ ہے "ہر اک جی میں"
اعضائے بدن یہ جس قدر ہیں اک شکل سے پائے کل بشر ہیں[1]
ظاہر میں جو اختلاف پر ہیں اس میں بھی نکات جلوہ گر ہیں
ہوتا جو نہ فرق صورتوں میں
پہچان نہ ہوتی مورتوں میں
اے مرد خدا بس اب یہ بتلا کیا ہے تو جنم کا یوں ہی دکھیا
افلاس میں گذرا کل زمانا اک دن بھی نہ تو نے چین پایا
اک حال میں زندگی بسر ہو
ممکن نہیں یوں کبھی گذر ہو
ہر شے کو ہے انقلاب ہردم اک چال پہ کب ہے کوئی قائم
پایا نہ کسی کو اس سے بے غم خود آپ کو دیکھئے مکرم
بچپن ہے نہ اب رہی جوانی
پیری کے سبب ہے ناتوانی
سن کر یہ کلام پھر وہ بولا جس وقت میں خیر سے جواں تھا
اُس وقت کئے ہزاروں پیدا محتاج نہ یوں ہوا کسی کا

میں نے کہا پھر بھلا وہ دولت
کیا ہو گئی اتنے دن میں حضرت
کی صرف کہاں کہاں مکرم کہنے لگے رسم شادی و غم
پیش آئیں جو ہم کو بیش اور کم کی صرف اونہی میں ہو کے بے غم
لڑکی کو دیا جہیز ایسا
ہے شور برادری میں جسکا
ختنوں میں بھی دھوم دھام کی تھی دعوت بھی ہوئی برادری کی
شادی میں نچائی خوب رنڈی چھوچک دیا جب ہوئی نوجی
ہنسلی بھی کڑے بھی اور گھنگرو
سونے کے دئے جواں خوشخو
جتنے ہوئے دل لگی کے جلسے بیٹھے نہ کسی میں منہ چھپا کے
ہر کام بڑا تھا حیثیت سے اور ہو جس کو چلکے پوچھے
شاہد ہیں برادری کے بھائی
کی نام پہ صدقہ سب کمائی
ماں باپ نے اپنے جب قضا کی کی رسم ادا جو فاتحہ کی
چہلم پہ عزیز و اقربا کی دعوت وہ ہوئی کہ واہ وا کی
باہر تھا رکابیوں سے روغن
افراط سے کھانا تھا مُرغن
ششماہی سہ ماہی اور برسی دل کھول کے کی تھی ہم نے ایسی
شہرت ہے برادری میں جس کی کیا کیا میں کہوں سناؤں اُنکی
ایسے ہی نہیں ہیں ہم سدا کے
قسمت نے بگاڑا ہے بنا کے
ٹکڑوں کو جو منہ ہے اب ترستا کھاتا تھا کبھی پلاؤ زردا
اسباب طرب تھا سب مہیا اور دل میں جو غم ہے سب شگفتہ
ہے اب جو غریبخانہ اپنا
تھا عیش کدہ کبھی ہمارا
جب دونوں کی سن چکے وہ حضرت گویا ہوا میں بھی پھر بجھت
کی تم نے بیاں جو پہلی حالت ظاہر ہے کہ تھی خدا کی رحمت
پر آپ نے قدر کی نہ اُنکی
غفلت سے تمام عمر کھوئی
کرتا ہے زمانہ شادی و غم پھر یا کہ کہاں نہیں ہے قائم

[1] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۱۲

چلتا ہے اسی پہ کار عالم ہوتا نہیں کوئی ایسا بے غم
بربادی تم نے جسے دولت
ماتا کہ ہے نام ہی سے عزت
پر کہئے جو شکر عاقبت بھی یہ حال نہ ہوتا حسبِ گاہی
اسراف نے گت یہ ہے بنائی کیا اس میں خطا ہوئی خدا کی
کی حکم شرع کی تم نے تعمیل
ان رسموں میں جو کی تھی وہ تفصیل
ششماہی، سہ ماہی، اور برسی کی آپ نے گو بہت انوکھی
پر یہ تو بتائیے شتابی تقلید تھی اس میں کس نبی کی
ارمان تو نکالو اپنے جی کے
بد نام ہوں مفت مرنے والے
رسموں میں یہ سب فضول خرچی تھی نام کے واسطے تمہاری
محتاج و غریب تھے جو بھائی فرمائیے بات ان کی پوچھی
تم گھر میں مناؤ عیش و عشرت
ہو فاقہ کشی کی ان پہ نوبت
سرمایہ جو آپ نے لٹایا تنویر کے نیگ سب لگایا
اولاد کو بھی نہ کچھ پڑھایا کرتوت کا پھل حضور پایا
افسوس رہے نہ اب کہیں کے
دنیا کے ہوئے نہ آپ دیں کے
اتنا جو سنا تو آگ ہو کر کہنے لگے، کیوں پھرا دیا سر
خاموش بس ہو جیئے برادر یہ پند بہت گراں ہیں ہم پر
کرتا ہے اسی طرح زمانا
بد نام نہیں ہے اک ہمارا
عالم ہیں جو دیں کے آج مشہور ان کا بھی یہی ہے طور و دستور
اسراف کے ہیں نشہ میں سب چور کچھ دیکھا ہے جب تو ہیں وہ مجبور
خواہ مخواہ نہیں کچھ ایک ہم ہی
تم کو نہیں کچھ تمیز اس کی
القصہ وہ منہ ہی منہ میں کیا کیا کہتے رہے ضد میں جا و بیجا
نادم ہوئے کیجئے پہ اصلا تب میں نے یہ اپنے دل میں سمجھا
کھو کر بھی نہ آئے عقل جس کو
اولاد بشر نہ اس کو سمجھو
اے میرے عزیز و آشناؤ اسراف سے اب نہ دل لگاؤ
کوڑی بھی نہ بے سبب اٹھاؤ بے ہودہ رسوم کو مٹاؤ
گر اہل نصاب خیر سے ہو
احکام خدا کو پورا کردو
وہ کام کرو جو کام آئے عقبیٰ میں عذاب سے بچائے
بگڑی ہوئی بات کو بنائے آرام سے خلد میں بسائے
مفلس جو عزیز و آشنا ہو
رسوا اسے دو کہ خوش خدا ہو

(انوار حسین رسوا)

کاش ذلت کا تواتر، زندگی بخشے ہمیں

لو ضیاء دین بیضا بیکون مرگ خیز پھیل جا چاروں طرف ہو تجبر و بر میں جلوہ ریز
زندگی لوہے پہ طل یا شرک سے انوار میں شمع رخصت ہو چکی، فانوس ہی فانوس میں

آہ

ہائے عصبیاں کا وہ توکل اب کہاں کفر ہے معبود، خالق ہے توسل اب کہاں
وہ حمیت وہ شہ کی بیداری کہاں دین کی الفت میں اب دنیا سے بیزاری کہاں
احتساب نفس تحریص نکو کا عکس کہاں بے غرض ایثار، دماغ کی غمخواری کہاں

اب تو

خود سفر ہے جلیں درت سے عہد نجات اس جمود و علم میں گم ہو گئیں ذوقیات
ہستی مسلم کو کر ممنون بیتابی خدا دیکھنا پھر تو، تماشائے عناں تابی خدا

ہاں

نیند کے ماتوں کو پھر اک بار تو بیدار کر سونے والوں کو ذرا غفلت سے پھر ہشیار کر
جم گیا ہے خون رگ رگ میں، دلیں غیرت نہیں ذلتوں پہ ہے قناعت خواہش عزت نہیں

بس

کر دیا غارت سکون عام نے علوی ہمیں
کاش ذلت کا تواتر، زندگی بخشے ہمیں

(سید ظفر احسن علوی)

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں

علم و ادب

جگر زخ کے ٹکڑے

کاغذ کی گرانی۔ ہندوستان میں جتنے کارخانے کاغذ بنانے کے ہیں۔ وہ ملت دن بچاری کلوں کو چلاتے ہیں۔ پل بھر کا آرام انکو نہیں لینے دیتے۔ گھاس اور گودڑ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ جتنے کاغذ بنایا جاتا ہے۔ اسپر بھی پوری نہیں پڑتی۔ کاغذ کا بھاؤ دن بدن۔ گھڑی بہ گھڑی۔ منٹ بہ منٹ۔ سکنڈ بہ سکنڈ بڑھتا جاتا ہے غریب اخبار والے۔ رسالے والے۔ اور سب کاغذ چھاپ کر قومی ملکی اور شکی خدمت کرنے والے حواس باختہ ہیں۔ بٹوہ سے۔ روپے نوٹ نکال نکال کر دے رہے ہیں اور کاغذی بس نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اور لاؤ۔ کوئی کہے لالہ صاحب۔ میاں جی کے دل پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھو وہ کم بخت دھڑک رہا ہے۔ ہو کاغذ کی گرانی سے سہما جاتا ہے کاغذ کا بھاؤ یہی رہا یعنی اسکی تیزی بڑھتی رہی تو اخباروں اور رسالوں کا چھپنا دوبھر ہو جائے گا۔ اور عنقریب جو ایجاد کی ماں کہلاتی ہے حسب ذیل ایجادیں کرینگی۔

(۱) ہر دفتر اخبار کا ایک ایجنٹ ہر شہر میں مقرر ہوگا۔ جسکو خبریں اور مضامین خطوں میں لکھکر بھیجے جائیں گے۔ وہ سب خریداروں کے پاس جا جا کر مضامین اور خبریں سنا دیا کرے گا۔

(۲) کپڑے پر اخبارات چھپیں گے۔

(۳) کونسلوں میں آنریبل ممبر سوال کر کے گورنمنٹ سے یہ حق حاصل کریں گے کہ گاؤں کے چوکیدار پٹواری پوسٹماسٹر اسکول ماسٹر ڈاکٹر حکیم وید۔ امام پیش نمازانہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے ہاں حاضر ہوں۔ اور ان سے تازہ خبریں اور مضامین حاصل کر کے پبلک کو سنائیں۔ اور جس قدر اخبارات دو سلسلے ہیں انکے مالکوں کو جنگ کی کسر پٹ سے راشن مل جایا کرے ✤

دواؤں کی گرانی۔ ولایت کی بعض دوائیں اس قدر گراں ہو گئی ہیں جن کے سننے سے بخار چڑھ آتے۔ ایک روپیہ قیمت کے عوض بعض دوائیں چالیس روپے تک پہنچ گئی ہیں۔

ولایت پر حصر نہیں ہندوستان کی یونانی ویدک ادویات کا بھی یہی عالم ہے مشہور دواخانہ ہندوستانی دہلی نے بھی سوائی ڈیوڑی اور بعض دواؤں کی دوگنی تگنی قیمت کردی ہے۔

ایسی حالت میں سوائے اسکے کیا چارہ ہے کہ ملک کے نامی حکیم وید۔ ڈاکٹر جمع ہو کر عمل مسمریزم سیکھ لیں۔ اور اسکے ذریعہ امراض کا علاج کریں یا وحشیانہ معالجے کا رواج جاری کیا جائے۔ اب وہ داغنا۔ خون نکالنا ہے کیونکہ ہر زمانہ میں تہذیب وحشت کا اسی طرح سے مقابلہ ہوتا آیا ہے۔ کبھی تہذیب کا غلبہ ہوتا ہے کبھی وحشت کا ✤

کپڑے کی گرانی۔ روئی کت رہی ہے۔ سوت بُنا جا رہا ہے۔ کلف کھانوں سے نکلے مل رہے ہیں۔ پھر بھی غل ہے کہ کپڑے کا بھاؤ چڑھتا جاتا ہے۔ غریب لوگ ایسا مہنگا لباس نہیں خرید سکتے۔

کیا مضائقہ ہے آدمی برہنہ پیدا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ فطرتی اور نیچرل لباس برہنگی ہے۔ نیچر انسان کو ہمیشہ اصلیت کی طرف لاتی ہے پس رفتہ رفتہ وہ مجبور ہو جائے گا۔ اور اپنے مصنوعی لباسوں کو جو باعث تکلیف ہیں خیرباد کہدے گا۔ یہ حالت اُسی وقت کا پیش خیمہ ہے ✤

ایمان کی گرانی۔ ہندوستان والے۔ ہندوستان والوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہم ملک کی خدمت کے واسطے روپیہ جمع کرتے ہیں مگر اس اقتصادی مسئلہ پر غور نہیں کرتے کہ اس میں ایمان ارزاں ہوتا ہے۔ اور روپیہ بہت ہی گراں۔ انہوں نے جنس ایمان کو فساد مچا کر مہنگا کر دیا ہے۔ ایمان ہی ہاتھ نہ آیا۔ تو ملک کی ترقی کس کام آئے گی۔

مذاہب نے غدر۔ فساد۔ ڈاکہ زنی کو بہت معیوب قرار دیا ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ اپنے دین و دہرم کے ایمان کی جڑ کاٹتے ہیں۔ یہ کیفیت رہی تو ایمان اور بھی مہنگا ہو جائے گا +

خوشی کی گرانی ۔ ساری زندگی کی بنیاد اطمینان اور خوشی پر ہے۔ آجکل یہ ساری دنیا میں گراں پائی جاتی ہے۔ سونے کی گنی پر چند آنے بڑھے ہیں اور خوشی کی نیند پر کروڑوں اشرفیوں کا اضافہ ہو گیا۔

بچے ہر قوم کے ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ اور کسی غم کو پاس نہیں آنے دیتے مگر اس وقت نے لاکھوں بچوں کی خوشی بھی چھین لی۔ لڑائی میں ان کے باپ مارے گئے۔ تب بھی وقت نے انکو خوشی نہ دی یعنی انکو امن نہ ملا۔ مسافر جہازوں میں گولے مار مار کر ان بچوں کو ڈبو دیا۔

یہ وقت چھوٹی قیامت ہے۔ جہاں ماں باپ بچوں کو اور بچے ماں باپ کو اپنے غم میں بھول گئے ہیں۔

غم کی ارزانی ۔ غم بہت سستا ہو گیا۔ محرم آنے سے پہلے اس کو خرید کر گھروں میں بھر لینا چاہیئے۔

عاشق مزاج تلاش غم میں سرگرداں پھرتے تھے۔ آج بازار دہر میں یہ جنس اتنی ارزاں ہے جس کی کچھ حد نہیں۔ کوئی ان کو خبر دیدے۔

غم اور فکر سنگدل آدمیوں کا قدرتی علاج ہے۔ بڑے بڑے سرکش فرعون غم دہر کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ آجکل غم اتنا سستا ہے کہ شاید دنیا سے کبر و نخوت دور ہونے کا وقت آیا ہے +

بے حیائی کی ارزانی ۔ ہر چیز کی گرانی نے حیا فروش فرقہ کی ارزانی کر دی ہے۔ یہ خطرناک ارزانی ہے۔ حکومت۔ سوسائٹی۔ اہل شریعت کو اس طرف جلدی متوجہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ ارزانی پرست ہندوستان اس ملاکر جماعت کے جال میں کثرت سے پھنس جائے گا +

مکر و دغا کی ارزانی ۔ ایمان کی گرانی کا نتیجہ عکسیہ یہ نکلا کہ ہندوستان میں مکر و دغا کا مول گھٹ گیا۔ مکاری کو پالیسی اور عقلمندی کہتے ہیں۔ اور دغا دینے والے بھی جو ہمیشہ صاف کھرے ہوا کرتے تھے۔ مذہبی منافق بنتے جاتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اس کو جائز اور شان ہوشمندی سمجھتے ہیں۔ یہ ارزانی اصلاح اور روک تھام کے قابل ہے۔ ایسا نہ ہوا تو مرض بے دوا اور لاعلاج ہو جائیگا +

(حسن نظامی)

یہ محد کی حویلی

میرے ۔۔۔۔ کی ام محترم کی ہے جنہوں نے بتاریخ ۔۔۔۔ غمخانہ دنیا سے آنکھ پھیر لی۔ اور بعد ۔۔۔۔ اس خاکی محل میں آباد ہوئیں۔

اس غبار میں ۔۔۔۔ کی صاحبزادی اور ۔۔۔۔ کی خواہر معظم آرام فرماتی ہیں ایک بھرے پڑے گھر کی ملکہ اس سنسان قبرستان میں آتی ہیں جن کے بچوں کو درد فراق سے نیند نہیں آتی۔

موت نے ایک ہرے بھرے باغ کا مالی زندگی سے چھین کر زیر خاک میں چھپا دیا ہے اور باغ کے پھول اسکے نہ ہونے سے کملائے جاتے ہیں۔

شفقتوں کے خزانے یہیں مدفون ہیں۔ ماستا کی پوٹ کو کفنا کر اسی جگہ دفنایا ہے۔ انکی زندگی کا کام پورا ہو گیا۔ مگر جن کی زندگی ان کے دم سے تھی وہ بیدم ہوئے جاتے ہیں یہ کشتی طوفان زیست سے نکلکر کنارہ آن لگی۔ اور اپنے رکھوں کو آنسوؤں میں تنہا چھوڑ دیا۔

تمہارے ۔۔۔۔ تم کو یاد کرتے ہیں۔ مٹی کا آنچل منہ سے ہٹاؤ۔ اپنے لاڈلے کو دلاسا دو۔ وہ تمہاری اکیلی تربت پر کھڑے ہچکیاں لیتے ہیں۔ ان کو ادھر میں تنہا چھوڑ کر چلی آئی ہو کفن کے رومال سے ان کے آنسو تو پونچھ دو +

جن کو ایک دن نہ دیکھنے سے بے قرار ہو جاتی تھیں۔ وہ محد کے پائنتی آئے ہیں۔ جی بھر کے پوچھو۔ تمہارے فراق کے بیمار ہیں۔

اپنے حسن نظامی کی مہمانداری کس کے سپرد کی۔ وہ تمہارے مرقد پر لوح الم لگانے آیا ہے۔

یہ حسرتوں کا مزار ہدایت ہے۔ حسرت والی ناؤ کے لیے کہ ایک دن سب کو یہاں آنا ہے۔ یہ چپ چاپ گورخانہ عبرت ہے۔ دنیا کے ان گھروں کے واسطے جہاں ہر وقت چہل پہل رہتی ہے کہ اس گہما گہمی کو بھی کسی دن مرجانا ہے۔ یہ سارا گورستان بے شمار بجھے ہوئے چراغ گود میں لیے پڑا ہے اور کہتا ہے کہ فانی دنیا کے چراغوں پر گھمنڈ نہ کرنا۔ موت کے جھونکے ہر روشنی کو گل کیا کرتے ہیں۔

اے خدا رحمت برسا اس مٹیا محل پر۔ جس کے اندر تیری تابعدار بندی مہمان آئی ہے۔ اور قیامت تک ایسا کر کہ قبر میں ٹھنڈک دے۔ مغفرت ان کو۔ صبر ہم کو +

(حسن نظامی)

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھائینگے اور انکے اپنے درمیان بھی یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے۔

بصارت و بصیرت

سیر حوادث

ریاست انبہ میں اصلاح ائمہ مساجد ریاست انبہ میں ائمہ مساجد کی تعلیم کا خاص انتظام کیا گیا ہے۔ ریاست نے قاضی محمد عبد اللہ صاحب کو اس بات کے لیے مقرر فرمایا ہے کہ وہ مساجد کے اماموں کا امتحان لیں۔ اور جو امام ضروری امور سے واقف نہیں ان کو امامت سے الگ کردیں۔ چنانچہ قاضی صاحب موصوف نے ٹیسٹ کرکے ایسے تمام اماموں کو الگ کردیا ہے۔ اور آیندہ کے لیے الگ الگ مسجدوں کے لحاظ سے خاص معیار اور امتحان مقرر کردیا ہے۔ مسلمانوں کی جہالت اور بالخصوص دینی جہالت کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کے علما یا وہ لوگ جو مساجد میں امامت کراتے ہیں خود دین سے ناواقف ہیں۔

لغت عرب میں امام کے معنی پیشوا کے ہیں۔ اسکا اطلاق بادشاہ۔ ہادی اور اکابر قوم پر ہوتا ہے۔ مساجد کے ملاؤں کو بھی امام کہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے امام بننے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ (پ ۲۱۔ س السجدہ۔ ع ۳) اور ہم نے ان میں سے دین کے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے۔ اور یہ منصب امامت انکو اسوقت ملا جبکہ وہ کافروں کی ایذاؤں پر صبر کیے بیٹھے رہے۔ اور اسکے علاوہ ہماری آیتوں کا یقین بھی رکھتے تھے۔ دوسرے مقام پر ہے:۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (پ ۱۔ س البقرہ۔ ع ۱۵) اور جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے انکو پورا کر دکھایا تو خدا نے رضامند ہوکر فرمایا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام یعنی پیشوا بنانے والے ہیں۔

غور کرو آیات مرقومہ صدر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ائمہ مساجد کے مناصب جلیلہ پر ایسے اشخاص سرفراز ہونے چاہئیں جو اوصاف مندرجہ ذیل سے متحلی و متصف ہوں:۔

(۱) احکام الٰہی بجا لائیں۔

(۲) خدا کے حکم سے لوگوں کو ہدایت کریں۔

(۳) لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کریں۔ اپنے آپ کو بدیوں سے بچانے کے لیے طعن و تشنیع سننے پر دلیر اور خدا کے احکام پر ثابت قدم ہوں۔

(۴) اللہ کی آیات پر کامل یقین رکھتے ہوں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ دینیات کا علم نہیں رکھتے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند نہیں۔ شعائر اللہ کی توہین کرتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غافل ہیں۔ رسوم و رواج کو قوانین شریعت پر ترجیح دیتے ہیں اور اسکی بنا پر اللہ کی آیات پر کامل یقین نہیں رکھتے۔ اور نہ خدا کے احکام پر ثابت قدم ہیں صرف حقوق توریث کے بل پر مساجد پر قابض و متصرف ہیں۔ اور اپنی نالائقی اور فرائض مفوضہ کی عدم توجہ سے مساجد اللہ کی تخریب و بے رونقی کے درپے ہوکر مانع و مزاحم ذکر اللہ ہو رہے ہیں۔ اور خدا اور رسول کے نزدیک ان سے اظلم اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ ہرگز منصب امامت پر متمکن رہنے کے قابل نہیں۔ لہٰذا تمام اہل اسلام کا فرض ہے کہ ریاست انبہ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوکر ایسے جہل و ظلم اماموں کو امامت سے علیحدہ کریں اور ان کی جگہ قابل و مستحق آدمی مقرر کریں۔ اسلامی مجالس کا فرض ہے کہ ائمہ مساجد کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی اپنی فوری توجہ مبذول کریں +

ایک جھیل میں تین قسم کا پانی جزیرہ مگڈن (واقع روس لیپ لنڈ) میں ایک جھیل ہے۔ جس میں تین قسم کا پانی موجود ہے۔ اوپر کا پانی ہاضم و شیریں ہے

نیچے کا پانی شور بدمزہ۔ اور تیسری تہ کا پانی بدبودار اور بدمزہ گندھک کا جوشاندہ۔ اس جھیل میں جانور بھی اسی ترتیب سے رہتے ہیں۔ اوپر خوشنما مچھلیاں۔ بیچ میں کچھوے۔ سب سے نیچے وہ جانور جو بھریوں میں رہتے ہیں

وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا (پ ۱۹ س الفرقان ع ۵/۴) اور وہی قادرِ مطلق ہے جس نے دو ندیوں کو آپس میں ملایا۔ ایک کا پانی میٹھا مزیدار۔ اور ایک کا کھاری کڑوا۔ اور دونوں میں ایک روک اور اٹل آڑ بنادی +

بنکورا میں شدید طوفان

بنکورا میں آندھی اور ژالہ باری کا شدید طوفان آیا۔ آندھی بے حد شدید تھی۔ اور ژالہ باری بھی نہایت سخت تھی۔ ایک گھنٹہ تک طوفان رہا۔ اس سے مال وجان کا سخت نقصان ہوا درخت اکھڑ گئے۔ گھروں کی چھتیں اڑ گئیں۔ جھونپڑیاں پیوند خاک ہوگئیں بے شمار مویشی ہلاک ہوگئے۔ اس قسم کے حوادث و نوازل غافل انسان کو متنبہ کرنے کے لیے ظہور پذیر ہوتے ہیں چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون ولا ھم یذکرون (پ ۱۰ س التوبہ۔ ع ۵/۱۶)

کیا یہ لوگ اتنی بات بھی نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار مبتلائے مصیبت ہوتے رہتے ہیں اس پر بھی نہ توبہ ہی کرتے ہیں۔ اور نہ نصیحت ہی پکڑتے ہیں۔ فھل من مدکر +

(**نور الدین** تاجر چرم)

نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

ایکدن مذہب اسلام سے میں نے پوچھا — کس لیے مٹ گئے تیرے وہ منور اوراق
تو تو گلشن کا سرسبز تھا ... — تو تو پیغام تھی دنیا کو بتانا تھا جو حق
تجھ سے تو فیض اٹھاتا تھا ... — تجھ سے ... خوش تو ہی نا ...
تو تھا آئینۂ اسرارِ خدا وندِ ازل — تجھ میں آتا تھا نظر نورِ خدا سے برحق
تو نے تو قعرِ ضلالت سے دلائی تھی نجات — تو نے تو عمل کے ... اسرار ...
آج کیوں تیری کسی کو نہیں پروا مطلق — تن ... ہے ... سارے ...
مردنی چھا گئی اب کیوں رخِ زیبا پہ ترے — دیکھ کر منہ ترا ہوتا ہے کلیجہ صد شق
شکوہ اسے سنا کے مجھے شعرِ غالب — وہ جو دفترِ عبرت کا تھی ایک ورق
ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق — نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

(**ملک الکلام**) (ایڈیٹر راز و نیاز)

طاقتِ ایمانی

سنو اک واقعہ اس وقت میں کرتا ہوں بیان — رنگ اسلام کی تعلیم کا ہے جس سے عیاں
کیسی تعلیم تھی سچی کہ اثر جاتی تھی — قلبِ مومن تھا جو قالب تو یہی روحِ رواں
مومنہ اُمّ حبیبہ تھیں کنیزِ حضرت — روحِ اسلام کا ظاہر تھا جب ان میں نشان
فیضِ صحبت نے بنایا تھا یہ صادق انکو — مثلِ کندن کے دمکتا تھا طلائے ایمان
اپنے بیگانے کی تھی دل سے محبت کافور — غالب ہر چیز پہ دنیا کے تھا حبِ ایمان
تھا انہیں خدمتِ سرور کی کنیزی کا فخر — ساری دنیا کو بھلا رکھا تھا جس نے ہر آن
باپ سے انکو چھٹے اپنے ہوئی تھی مدت — کیونکہ وہ مشرک و کافر تھے یہ تھیں باایمان
آگئے پھر ملاقات کو وہ اک دن ناگاہ — بیٹھے پھر ایک چٹائی پہ وہ با صد ارمان
بوریا بیٹی نے لیکن وہ ہٹایا فوراً — ہوگئے چیں بجبیں دیکھتے ہی یہ بوسفیان
بولے کیا میں نہیں اس چیز کے بھی قابل ہوں — ہائے بے دید مروت کا نہیں تجھ میں نشان
بولیں یہ اُمّ حبیبہ کہ سنو اے کافر دین — تو ہے ناپاک یہ ہے مسندِ شاہِ ذیشان
نورِ ایمان سے تو کر دل کو منور اپنے — کفش برداری حضرت نہیں ایسی آسان
کب بھلا ان کی صداقت سے بھلا سکتی تھی — فیضِ اسلام سے تھا ظاہر و باطن یکساں

(**ایوب احمد صبر**)

رباعیاتِ اوجؔ

دنیا میں ہوئی ہے مہر و الفت عنقا — بیجا ہے کسی سے چشمِ اخلاص و وفا
سچ ہے کسی دانا کا یہ کہنا اوجؔ — یار نادان سے دانا دشمن اچھا

ترجمۂ قرآن مجید پانچ مذاہب [illegible]

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کے لئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین وایمان جانتا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے صحیح ہے کہ ٹرکی۔ ایران۔ ترکستان۔ افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمۂ قرآن مجید شایع نہیں ہوا لیکن اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہ ہوگا کہ ذی علم ہے اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتا مگر چین کے مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ یہ صرف آج کل کا ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں اور اسی ضرورت پر لحاظ کرکے علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی نے جن کی جملہ تصانیف کی فہرست اس صفحہ پر درج ہے۔ پورے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ اردو ترجمہ عبارات قرآنی سے علیٰحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ اور مضامین کی ایک فہرست نہایت مکمل شایع کر دی ہے۔ اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت مبسوط لکھا ہے جس کی سرخیاں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ترجمہ کرنے کا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا۔ (۲) ترجمہ قرآن کی ضرورت زمانۂ وسطی اور زمانۂ اخیر میں (۳) زمانۂ حال میں ترجمہ کی ضرورت (۴) ترجمہ کے متعلق مترجم کے خیالات مختلف (۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں (۸) مختلف ترجمے (۹) مذہبی کتابوں کی ضرورت (۱۰) اصول مذاہب مختلف (۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل اور نزول قرآن (۱۵) رسالت اور آنحضرت محمدؐ (۱۶) قرآن مجید کا نزول (۱۷) قرآن کی سورتیں اور آیتیں (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) ابواب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) متضاد احکام قرآن میں نہیں ہیں (۲۲) مضامین قرآن کا اجمالی ذکر (۲۳) کرر بیان کرنا آن میں۔ (۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا۔ (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے۔ (۲۶) برکات اسلام (۲۷) چند احکام قرآنی جن پر صرف یورپ کے مہذب لوگ عامل ہیں (۲۸) برکات اسلام کے لئے الاسلام بھی دیکھنا چاہیئے (۲۹) معجزات (۳۰) مولف کی معذرت (۳۱) آیات قرآنی میں علماء کا اختلاف (۳۲) درخواست مسلمانوں سے۔

اس ترجمہ میں توضیح معنی کی گئی ہے اور جتنے مسائل شرعی قرآن سے نکلے ہیں ان کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف قرأت سے علماء حنفی المذہب و اہل تشیع میں جو مسائل فقہ مختلف فیہ ہوگئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے۔ ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا علماء حنفی المذہب نے باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیہ زیریں میں سب کا بیان ہے۔ تاکہ ترجمہ سب مذاہب کے لئے یکساں مفید ہو لیکن متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی المذہب کے موافق ہے۔ کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی واردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کرکے نہایت محنت واہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ اسے کہنا بیجا ہے یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اوّل اوّل [illegible] میں ڈھائی پارہ کا ترجمہ شایع کیا تھا اور اس سے چار برس کے بعد [illegible] میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شایع ہوا تھا پھر اس کے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے [illegible] ناظرین بالکل اس ترجمہ کو بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ یہی کہیں گے کہ دیر آید درست آید۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بذریعہ وی پی طلب فرمائیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں۔ اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ ترجمہ ایک مسلمان پیرو دوسرے مسلمان کے ہاتھوں میں پہونچ کر اشتہار کا باعث ہو۔ واضح رہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر جیسا کہ علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے

ہدیہ قیمت فی جلد مذہب تین روپیہ (ے۳) (نوٹ جہاں سیکڑوں ہزاروں روپیہ اور کاموں میں خرچ ہوتے ہیں [illegible] قرآن [illegible])

تالیفات وتصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	[illegible]	[illegible]	کیفیت	نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	[illegible]	[illegible]	کیفیت	نمبر شمار	نام کتاب	زبان	موضوع	صفحہ	[illegible]	[illegible]	کیفیت
۱	[illegible]	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۶	[illegible]	اردو	[illegible]	۲۰	۱۰	۱۰	•		[illegible]						
۲	تبلیغ الاسلام	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۷	نشتر سخن	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	•	۱۱	[illegible]	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۳	الاسلام	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۸	زبان اردو	اردو	[illegible]	۳۲	[illegible]	[illegible]	•	۱۲	[illegible]	[illegible]	•	[illegible]	[illegible]	[illegible]	•
۴	[illegible]	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۹	[illegible]	[illegible]	•	۱۸	[illegible]	[illegible]	•	۱۳	[illegible]	•	•	[illegible]	[illegible]	[illegible]	•
۵	[illegible]	اردو	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	•	۱۰	[illegible]	•	•	[illegible]	[illegible]	[illegible]	•	۱۴	[illegible]	[illegible]	•	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

المشتہر عبد الواحد خان مینیجر قاضی اینڈ کمپنی گورکھپور

ای بسا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة

اُسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا آئینہ ،
حسنِ سیرت و معاشرت کا روحانی خطیب۔ اخلاقی و
تمدنی امراض کا مذہبی معالج۔ مسلمان مردوں کا رہبر۔ عورتوں کا
معلم۔ بچوں کا اتالیق۔ مفید اصلاحی مضامین کا دلکش مجموعہ
ہر شمسی مہینے کی پہلی تاریخ کو شہر میرٹھ سے شائع ہوتا ہے

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک
قسم اول عہ + قسم دوم ع،
قیمت فی پرچہ ۲ ر

محال ست سعدی کہ راہِ صفا + تواں رفت جز در پے مصطفےٰ
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید + کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

محمد انوار ہاشمی پرنٹر و پبلشر نے عصر جدید پریس میرٹھ میں چھپوا کر شائع کیا

اُسوۂ حسنہ کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ مسلمان حقیقی اور سچے مسلمان بن جائیں یعنی محض زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اخلاق و اعمال اور کردار و اطوار سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں قرآن پاک کے حقایق و معارف اور اسلام کی صحیح تعلیم کو سمجھیں اور اُن پر عمل کریں خوفِ خدا اور عظمتِ رسول کو معاشرت و تمدن میں اپنا رہنما بنائیں۔ اسلام کی رسی کو مضبوط تھام کر دنیاوی ترقی حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کریں تعصب اور گروہ بندی تقلید سے بچتے ہوئے تئیں پاک صاف رکھیں غیر مسلم اقوام کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے اور آباؤ اجداد کی مضر اور جاہلانہ رسوم کو چھوڑ دینے کو معیوب نہ سمجھیں افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کے مسلک پر آ جائیں دولت وقت اور قوت جیسی بیش بہا نعمتوں کو بیہودہ نمایش میں ضایع نہ کریں اور اپنی قومیت کی بنیادوں کو متزلزل نہ کریں۔ خانہ جنگیوں، نااتفاقیوں اور بغض و عناد سے مخالفوں کے حوصلے نہ بڑھائیں بلکہ اپنے قومی قلعہ کو اتحاد و اتفاق اور ہمدردی و خلوص کی آہنی حصار سے مستحکم و محفوظ کر لیں عیش پسندی، کاہلی اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت چھوڑ دیں۔ محنتی، جفاکش، اولو العزم، مآل اندیش، مستقل مزاج اور کفایت شعار بن جائیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالیں اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ صنعت و حرفت و تجارت کی طرف پوری توجہ کریں۔ بشیخیت اجداد اور اسلاف کے کارناموں پر گھمنڈ کرنا چھوڑ دیں اپنے تئیں تمام خلایق سے نالایق اور سب سے زیادہ قابلِ اصلاح تصور کریں۔ شراب خواری، عیاشی، نمود و نمایش، فیشن پرستی، مقدمہ بازی، بے محل خیرات اور شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسوم کو ترک کریں۔ گوشہ نشینوں اور دولت گزینوں کے راہبانہ رویہ کو خلافِ سنت تصور کریں اور ہرگز قابلِ اتباع نہ سمجھیں۔ پیرزادوں کی نذریں بند کر کے اُن سے مفت خوری کی عادت چھڑوائیں ایسے مولویوں، ایسے صوفیوں، ایسی انجمنوں اور ایسے مدرسوں کو چندہ دینا بند کر دیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور ان کی گاڑھی کمائی کو مناظرہ و مجادلہ بازی میں ضایع کرتے ہیں۔ خودغرض ملت فروش اور نام نہاد خیرخواہ لیڈروں کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ سیاسی شعبدہ بازوں پر مفید قومی اور دینی کاموں کو قربان نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو ان تمام اوصافِ حمیدہ سے متصف کریں جو ایک صالح انسان میں ہونے چاہئیں تاکہ زمین کی وراثت کے وہ مستحق سمجھے جائیں اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

قواعد و ضوابط

(۱) اُسوۂ حسنہ ہر انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو (انشاء اللہ) شایع ہوا کرے گا۔ اگر کسی صاحب کے پاس اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہونچے تو انہیں ۱۰ تاریخ تک منگا لینا چاہیئے ورنہ پھر شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے۔ (۲) "اُسوۂ حسنہ" دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا ہے۔ قسم اوّل کے پرچہ کی سالانہ قیمت عہ اور قسم دوم کے پرچہ کی ۸، مع محصول ڈاک مقرر ہے جو بہرحال پیشگی آنی چاہیئے۔ (۳) جو حضرات بطور اعانت و امداد اُسوۂ حسنہ کی سالانہ قیمت مبلغ پانچ روپیہ یا اس سے زائد عطا فرمائیں گے وہ معاونینِ خاص سمجھے جائیں گے۔ ان کے اسمائے گرامی اسوۂ حسنہ میں شایع ہوا کریں گے اور ان کے عطیہ سے غیر مستطیع حضرات کے لیے اُسوۂ حسنہ کی معمولی سالانہ قیمت میں رعایت کی جائے گی (۴) سال ختم ہونے پر اگر کسی خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع دفتر میں نہیں پہونچے گی تو ہم آیندہ سال کا چندہ وصول کرنے کے لیے وی۔ پی بھیجنے کے مجاز ہوں گے اور خریدار کو یہ وی۔ پی قانوناً وصول کرنا ہوگا۔ (۵) اُسوۂ حسنہ کا نمونہ اس شرط پر مفت دیا جا سکتا ہے کہ اگر نمونہ دیکھنے کے بعد رسالہ کی خریداری منظور نہ ہو تو اُسے واپس کر دیا جائے ورنہ ایک سال کی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا وی پی ادا کر دی جائے (۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ آنا چاہیئے۔ شکایتی خطوط میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے اور نام و پتہ صاف و خوشخط لکھنا چاہیئے ورنہ تعمیل نہ ہوگی (۷) اُسوۂ حسنہ میں اشتہارات چھپوانے والوں کے لیے مطبوعہ نرخنامہ موجود ہے دفتر سے منگا لیا جائے

مضمون نگاروں کیلیئے

اُسوۂ حسنہ کے قلمی معاونین کو مندرجہ ذیل اُمور کا لحاظ رکھنا چاہیئے (۱) مضمون صاف اور خوشخط لکھیں (۲) آیات و احادیث پر اعراب لگائیں اور منقول عنہ کا حوالہ ضرور دیں (۳) ایسے مضامین اُسوۂ حسنہ کے لیے نہ بھیجیں جو غیر ضروری۔ بے نتیجہ اور غیر محققانہ ہوں یا اُسوۂ حسنہ کے مقاصد کے صراحتاً یا کنایۃً منافی ہوں یا جن میں لفاظی و تخیل زیادہ اور مفید علمی و اصلاحی مطالب کم ہوں یا جو مناظرہ و مجادلہ بازی کے رنگ میں لکھے گئے ہوں۔ (۴) اگر مضمون کسی دوسرے رسالہ یا اخبار میں شایع ہو چکا ہو یا شایع ہونے کیلیئے بھیجا گیا ہو تو مضمون نگار صاحب کو اپنے خط میں اس کی تصریح کر دینی چاہیئے ورنہ رسالہ کی بدنامی کی ذمہ داری اُن پر عاید ہوگی (۵) مضمون لکھنے سے قبل اُسوۂ حسنہ کے مقاصد کا پڑھ لینا ضروری ہے جو اسی صفحہ پر چھپے ہوئے ہیں (۶) اُسوۂ حسنہ میں مختلف النوع مضامین کے لیے ابواب و فصول مقرر ہیں مضامین میں ان کی مناسبت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ (۷) طویل اور غیر دلچسپ مضامین حتی الامکان اُسوۂ حسنہ کے لیے نہ لکھے جائیں چھوٹے چھوٹے دلچسپ مضامین یا انگریزی و عربی رسائل کے مفید تراجم مع شکریہ کے ساتھ قبول کیے جائیں گے بشرطیکہ وہ کوئی اصلاحی، علمی یا ادبی خصوصیت رکھتے ہوں (۸) دلکش اصلاحی اور تاریخی نظمیں بشرطیکہ لفظی و معنوی اسقام سے پاک ہوں اُسوۂ حسنہ میں نہایت شوق سے شایع کی جایا کریں گی۔

مینیجر

اخبار البرید کانپور

کانپور کا یہ سب سے پہلا شاندار اور قابل قدر ہفتہ وار اسلامی اخبار ہے جو رائے عامہ کا صحیح ترجمان
اور قوم و گورنمنٹ کا مخلص مشیر ہے اور اپنی مخصوص خوبیوں اور نرالی ترتیب مضامین کے باعث
بیحد مقبول ہو رہا ہے۔ اخبار کیا ہے علوم و معارف کا گنجینہ اور مختلف دلچسپیوں کا خزانہ ہے
جس میں ہر انسان کو دلچسپی کا کوئی نہ کوئی مضمون ضرور ملتا ہے۔ البرید ۲۰×۲۶ سائز کے
کم سے کم ۱۶ صفحے مستقل پر عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ ہفتہ وار شایع ہوتا ہے جس کی ترتیب
مضامین و عنوانات مقررہ کے ملاحظہ ہی سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ واقعی دریا کو کوزہ میں
بند کیا گیا ہے۔ جو یہ ہیں :-
لطف سخن۔ فتاوی محمدیہ مجلس احباب۔ معلومات۔ تفریح طبع۔ عجائبات صنعت و حرفت
مقالہ افتتاحیہ۔ ایڈیٹوریل نوٹس۔ مذہب۔ اقتصادیات۔ سیاسیات۔ عالم خواتین۔ عبرت زراعت
و فلاحت۔ حفظان صحت۔ مختصر نوٹس و ملکی خبریں مختلف جنگی خبریں۔ آج کی تازہ برقی
خبریں (البرید کی یوم اشاعت پر اُس دن روزانہ پرچوں کو پہلے جنگی خبریں شایع کی جاتی ہیں) حالات
کانپور وغیرہ وغیرہ قیمت سالانہ باوجود ان خوبیوں کے للعہ۔ نمونہ امر کا ٹکٹ آنے پر بھیجا جاتا ہے

المشتہر منیجر اخبار البرید کانپور

شرح دیوان حافظ

مع مفصل سوانح بزبان اُردو موسومہ لسان الغیب از میر ولی اللہ بی اے ایل ایل بی وکیل میرٹھ
ایسی جامع شرح آپ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ صوفیانہ رنگ بھی موجود ہے اور ادبی پہلو بھی ملحوظ۔ کثیر
التعداد اُردو فارسی۔ عربی اشعار سے معانی اور بھی واضح ہو گئے ہیں جابجا آیات قرآنی واحادیث
نبوی مندرج۔ کاغذ لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ۔ جلد اوّل حجم ۴۰۰ صفحہ چھپکر تیار ہے قیمت
عہ مع محصولڈاک۔ باقی جلدیں عنقریب شایع ہو جائیں گی +

مصنف کے پتہ سے مل سکتی ہے

خالد بن ولید رضؓ

حضرت خالد بن ولید سیف اللہ مسلمانوں کے مشہور سپہ سالار کے حالات مختلف
اسلامی تاریخوں سے مرتب کیے ہیں۔ تاریخ اسلام کے اس نہایت پرجوش اور خالص
کے زمانہ کے حالات اور مہمات۔ فوج کشی اور میدان ہائے کارزار کا نقشہ کھینچ دیا
گیا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) اس کے علاوہ ہر قسم
کی کتابیں ذیل کے پتہ سے مل سکتی ہیں +

مہتمم کتب خانۂ نظامیہ مزنگ لاہور

سات پشت کی سینہ بسینہ مجربات کا اعلان

امروہہ کے مشہور خاندان کے مجربات میں سے چند اور یہ زیادہ آزمائی ہوئی ناظرین کی خدمت
میں پیش کی جاتی ہیں ایک بار استعمال کرنے پر صداقت مثل آفتاب روشن ہو جائیگی۔
نوٹ ان کے علاوہ ہر قسم کے امراض کا یونانی علاج بذریعہ خط و کتابت ہو سکتا ہے۔ مریضوں
کے خطوط کی حفاظت کا انتظام ہے۔

حب مشکی | قوت باہ کو از دیاد ترقی میں برقی اثر رکھتی ہیں نیز ساتھ ہی معدہ و جگر و گردہ
و مثانہ اور قلب و دماغ کو قوت دیتی ہیں قیمت فی درجن ایک روپیہ

حب جواہر | سینہ طاعون بخار، حراری و بائی اختلاج ضعف قلب و دماغ۔ نقاہت
بچوں کی پیاس و اسہال کو از حد مفید ہے۔ قیمت فی تولہ چار روپیہ۔

[illegible] | عرصۂ دراز کی عرقریزی و صرف کثیر کرکے یہ عرق تیار کیا گیا ہے۔ ذیل کے
امراض پر بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔ ہر قسم کے زہریلے جانور کا زہر۔ ہر قسم کا بخار، درد
کھانسی معدہ کے تمام امراض جلدی امراض اورام و شور ہر قسم کے درد اور شیاف
سینہ و طاعون وغیرہ شربا و طلاءً استعمال ہوتا ہے قیمت فی شیشی جسمیں ۵ ماشہ عرق ہے عہ

[illegible] | قوۃ باہ۔ امساک۔ تلذذ۔ تینوں خواص میں بارہا آزمایا گیا ہے قیمت
صرف تین روپیہ (سے)

طلا مجلوقے | ابتدائے عمر کی غلط کاریوں کا بہتر علاج ہے۔ جلوت ناقصہ کو دور کرتا ہے
جسمی اقطاب میں اضافہ کرتا ہے قیمت فی تولہ۔ دو روپیے۔

اکسیر جریان یہ سفوف جریان سوزاک قدیم و جدید کیلئے ازبس مجرب ہے اور ارزاں۔ خوراک ۳ ماشہ فی تولہ
دوا ذیابطیس۔ بسیر مہلک مرض کو ۴۰ روز میں دور کر دیتی ہے ایک ہی خوراک ہے قیمت للعہ تولہ

حب اسرار | بے نظیر ممسک ہیں کوئی نشہ دار چیز شامل نہیں ہے۔ اور کوئی نقصان
اعصاب میں پیدا نہیں کرتیں۔ قیمت فی درجن (عہ) ایکروپیہ۔

[illegible] | آپ نے سینکڑوں اشتہار دیکھے ہوں گے ایک بار ہماری شیشی بھی منگا لیجیے
دس منٹ میں ریش مبارک سیاہ کیجیے۔ نہ باندھنے کی حاجت نہ لیپ کی ضرورت
برش سے دو تین بار بالوں پر لگا لیجیے اور بال سیاہ۔ برسوں کی کوشش سے یہ نسخہ
عرق کا تیار ہوا ہے استعمال کرنے سے خوبی معلوم ہو سکتی ہے خود ستائی کی ضرورت نہیں
قیمت فی شیشی جسمیں ۵ تولہ عرق ہوگا۔ بارہ آنے (۱۲؍)

نوٹ :- ایکروپیہ سے کم کی درخواست کی تعمیل نہ ہوگی۔ جوابی امور کیلئے ٹکٹ آنا ضروری ہے

ابو المحمود حکیم محمد اسرار الحق صدیقی قادری میونسپل کمشنر امروہہ
ہادی منزل۔ امروہہ ضلع مراد آباد

معاونین اسوۂ حسنہ

جون اور جولائی میں جن معاونین کرام نے اپنے اسوۂ حسنہ کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائی اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں ہم ان سب حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کے مساعی کو مشکور فرمائے اُمید ہے کہ دوسرے ارباب ہمم بھی اس طرف توجہ فرما کر داخل حسنات ہوں گے +

جناب فقیر محمد صاحب ایبٹ آباد ۱ ۔ جناب محمد نواز حق صاحب ۲ ۔ جناب منشی محمد حسین صاحب پسرور ۱ ۔ جناب ڈاکٹر بدرالدین صاحب اسسٹنٹ سرجن ۲ جناب مولوی محمد صدیق صاحب حقانی ۱ ۔ جناب مولوی محمد ممتاز نبی صاحب داروغہ جیل ۹ ۔ جناب مولوی وصی احمد صاحب ۱ ۔ جناب بابو شریف حسین صاحب سگنیلر ۱ جناب مولوی محمد عبید الرحمن اطہاں صاحب ۲ ۔ جناب بابو کریم بخش صاحب اوورسیر ۱ ۔ جناب محمد عمر صاحب اہلحدیث ۲ ۔ جناب محبوب رضا خاں صاحب ۱ جناب ظریف صاحب ۱ ۔ جناب محمد عمر صاحب بکسرا ۔ جناب مولوی احمد نبی الدین صاحب ۲ ۔ جناب منشی حامد میاں صاحب کوتیانہ ۳ ۔ جناب مقبول احمد صاحب گوجرہ ۱ ۔ جناب حیدر علی خاں صاحب نواب گنج ۱ ۔ جناب شریف حسین صاحب ترن تارن ۲ ۔ جناب مولانا مولوی محمد عظیم صاحب ۱ ۔ جناب منشی داد امیاں صاحب پونہ ۱ ۔ جناب محمد متین صاحب ۱ ۔ جناب سید عنایت احمد صاحب ۱ ۔ جناب الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ سانگور ۱ +

اُسوۂ حسنہ کی مدد آپ کن کن طریقوں سے کرسکتے ہیں ؟

جو حضرات اُسوۂ حسنہ کو عزیز رکھتے ہیں اور اس کی ترقی کے خواہاں ہیں اُن کے سامنے ہم وہ وسائل و ذرائع پیش کرتے ہیں جن سے زندہ اور متمدن قومیں اپنے قومی اخبارات و رسائل کی امداد و استعانت کرتی ہیں۔ ان ہی وسائل و ذرائع سے ہندوستان میں بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ رضاکاروں کی ایک معقول تعداد اس طرف متوجہ ہو جائے +

(۱) رسالہ خود خرید کر +

(۲) اعزّا و احبّا اور متوسلین کو خریدار بنا کر +

(۳) مُریدوں، شاگردوں، معتقدوں اور دوستوں کے نام ایک کھلا خط لکھکر کہ اسوۂ حسنہ ایسا رسالہ ہے اور مسلمانوں کی ایسی خدمت کر رہا ہے۔ لہذا اسکو خریدنا چاہیئے۔ (یہ خط قلمی ہمارے پاس بھیجدیجئے ہم اسکی نقلیں نمونوں کے ساتھ روانہ کردیا کریں گے)

(۴) علمی مجالس اور خطبۂ مواعظ میں اُسوۂ حسنہ کی قومی خدمات کا تذکرہ کرکے +

(۵) غیر مستطیع اصحاب کے نام رسالہ رعایتی قیمت میں جاری کرا کر +

(۶) اپنے شہر کے کتب فروشوں یا دیگر متلاشیان ملازمت و روزگار کو اس بات پر آمادہ کرکے کہ وہ ہر مہینے اُسوۂ حسنہ کی دس بیس کاپیاں منگا کر متفرق طور پر کمیشن پر فروخت کریں اور نفع اُٹھائیں ۔

(۷) ہر قسم کے تاجروں کو اس امر کی ترغیب دیکر کہ وہ اپنے اشتہارات اسوۂ حسنہ میں بھی چھپوائیں کیونکہ یہ رسالہ کثیر الاشاعت اور مقبول و ہردلعزیز ہے اور اشتہارات کی اُجرت طبع و اشاعت بھی بہت کم لیتا ہے۔

(۸) جن چیزوں کا اشتہار اسوۂ حسنہ میں شایع ہو اُن کی فرمایشوں میں اسوۂ حسنہ کا حوالہ دیکر۔ تاکہ تاجروں کو اسوۂ حسنہ میں اشتہار دینے کا نفع بین طور پر معلوم ہو۔

(۹) ملک کے مشہور و معروف اور ذی علم مضمون نگاروں کو اسوۂ حسنہ کیلئے مضامین لکھنے پر آمادہ کرکے

(۱۰) اس امر کا اعلان کرکے کہ فلاں موضوع یا فلاں عنوان پر اُسوۂ حسنہ کی فلاں ایک جلد میں جس قدر مضامین چھپیں گے اُن میں جو مضمون سب سے بہتر ہوگا اُس کے لکھنے والے کو اتنا انعام دیا جائے گا۔ (یہ طریقہ نہایت مفید ہے اور متمدن ممالک نے اس سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے، موضوع و عنوان کے انتخاب میں رسالہ کے مقاصد کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے +

ضرورت ہے

ہر شہر میں ایسے ایجنٹوں کی جو اُسوۂ حسنہ کے لئے محنت و کوشش کیساتھ اشتہارات فراہم کریں !

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء مطابق ۲۹ شعبان سنہ ۱۳۳۴ھ لغایۃ ۳۰ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۴ھ

جلد ۳ | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

نہایت ضروری اعلان

چونکہ اسوۂ حسنہ کی سالانہ قیمت میں آٹھ آنے کا اضافہ ہوگیا ہے اس لئے جن حضرات کا سال خریداری پرچۂ مذا کے پہونچنے پر ختم ہوا اور وہ آیندہ سال کے لئے بھی خریداری جاری رکھنا چاہیں تو براہ مہربانی وہ مبلغ عہ؎ بواپسی ڈاک بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں ورنہ دفتر کو مطلع فرمائیں کہ آیندہ اُن کے نام پرچہ وی۔پی نہ بھیجا جائے۔ اگر ایک ہفتہ تک قیمت یا انکاری اطلاع موصول نہ ہوئی تو ضابطۂ دفتر کے بموجب اگست کا رسالہ وی پی بھیجکر سالانہ قیمت مبلغ عہ؎ قسم دوم خریداروں سے اور مبلغ سے؎ قسم اول کے خریداروں سے وصول کی جائیگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولقد اهلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاءتهم رسلهم بالبینٰت وما کانوا لیؤمنوا کذلک نجزی القوم المجرمین ثم جعلنٰکم خلٰئف فی الارض من بعدهم لننظر کیف تعملون

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم و معاصی پر کمر ... ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لیکر آئے مگر انہیں ایمان لانا نصیب نہیں ہوا ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں پھر ان کو ہلاک کرکے ان کے بعد ہم نے زمین میں تم کو جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو *

اسوۂ حسنہ

اشتات

خاتمہ جلد سوم

حق سبحانہ تعالیٰ عز اسمہٗ کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس کے فضل و کرم اور توفیق و تائید سے اسوۂ حسنہ کی یہ تیسری جلد اختتام کو پہونچی ماشاءاللہ آئندہ پرچہ سے چوتھی جلد شروع ہوگی اور حتی الامکان اس امر کی کوشش کی جائیگی کہ شروع ہونے والی جلد بھی اسوۂ حسنہ کی خصوصیات معلومہ سے مزین ہو کر شایع ہو اور قوم و ملت کو اس سے نفع پہونچے واللہ الموفق وھو المستعان *

جلد دوم کے خاتمہ میں ہمنے بادل ناخواستہ اضافۂ قیمت کا اعلان کرتے وقت یہ اُمید ظاہر کی تھی کہ اگر خریداران مستقل کی تعداد میں حسب سابق ترقی ہوتی رہی تو قیمت میں آٹھ آنہ کا اضافہ ہوجانے سے اسوۂ حسنہ کی مالی حالت کسی قدر درست ہوجائیگی اور ہمیں زیادہ دلجمعی و اطمینان کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل سکے گا۔ لیکن جنگ یورپ کی غیر متوقع طوالت اور کاغذ کی اضطراب افزا گرانی نے ہماری تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا اور یہ سال ہمارے لیئے غیر معمولی طور پر تشویشناک و تکلیف دہ ثابت ہوا۔ سچ ہے کہ بُرے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ جب اسوۂ حسنہ کو کاغذ اور سامان طباعت کی گرانی سے سخت ترین مالی مشکلات پیش آنے لگیں تو بہت سے احباب و معاونین نے بھی اُس سے کنارہ کشی اختیار کرنی شروع کردی اور اکثر وہ حضرات جو توسیع اشاعت کی کوشش میں گہری دلچسپی لیا کرتے تھے یکایک ایسے خاموش ہوگئے گویا اسوۂ حسنہ سے کبھی ان کو تعلق ہی نہیں تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس مصیبت کے وقت میں ایک بڑی ہمدردی ہمارے ساتھ یہ کی گئی کہ سابق خریداروں نے پچھتر فی صدی وی۔پی واپس کردیے۔ اور ہمیں بلاوجہ محصول ڈاک وغیرہ کا زیر بار کیا۔ حالانکہ کوئی سلیم المذاق اور منصف مزاج شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ ہم نے ایسی پریشانی کے زمانہ میں بھی خریداران اسوۂ حسنہ کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھا۔ اور رسالہ کو کبھی اسکی موقر حیثیت سے گرنے نہیں دیا۔ جس حالت میں کہ کاغذ کی گرانی سے بڑے بڑے متمول اور پُرانے پرچے بھی چیخ اُٹھے ہوں اور خریداروں کی حوصلہ افزائی کی یہ کیفیت ہو کہ ۷۵ فی صدی وی۔پی واپس آرہے ہوں تو آپ خیال کرسکتے ہیں کہ دو برس کا غریب پرچہ اسوۂ حسنہ جس کی آمدنی کبھی اس کے ضروری اخراجات کے لیئے بھی کافی نہیں ہوئی کیونکر زندہ رہ سکتا تھا۔ مگر اس کی بنیاد چونکہ بے ریا اور پُرخلوص قومی ہمدردی پر رکھی گئی تھی اس لیئے مولٰے تبارک و تعالےٰ نے دستگیری فرمائی اور آفات و مصائب کے تیز و تند جھونکے اس کو متزلزل نہیں کرسکے۔ بلکہ ربّ ذوالاکرم کی توفیق سے "اسوۂ حسنہ" کی یہ جلد

بعض باتوں میں اپنی اسبق جلدوں سے سبقت لے گئی۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم +

اب اسوۂ حسنہ تیسرے سال میں قدم رکھتا ہے۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ تیسرا سال ہمارے لیئے کیسا ثابت ہوگا۔ بظاہر جنگ یورپ کے جلد ختم ہونے کی کوئی امید نہیں معلوم ہوتی۔ اور جب تک جنگ جاری ہے کاغذ اور سامان طباعت کے ارزاں ہونے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ اس لیئے مناسب نہیں بلکہ ضروری ہے کہ سال آیندہ کے لیئے ابھی سے ایسے انتظامات کرلیئے جائیں کہ ہمیں پھر اُن ہمت شکن واقعات سے سابقہ پڑے جن سے اسوۂ حسنہ کی مالی حالت روز بروز کمزور و سقیم ہوتی جاتی اور خادمان و محبان اسوۂ حسنہ کی روح کو تکلیف پہونچتی ہے۔ تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہمارے خیال میں آیندہ خطرات کا تدارک صرف اس طریقہ سے ہوسکتا ہے کہ تا اختتام جنگ اسوۂ حسنہ کی سالانہ قیمت میں آٹھ آنے کا مزید اضافہ کردیا جائے اور تمام معاونین اس امر کی کوشش کریں کہ خریداروں کی تعداد کم از کم ڈھائی ہزار تک پہونچ جائے۔ لہٰذا بلا کسی لمبی چوڑی تمہید کے ہم مجبوراً یہ اعلان کرتے ہیں کہ جب تک جنگ جاری ہے موجودہ اور آیندہ خریداروں سے اسوۂ حسنہ قسم دوم کی سالانہ قیمت ۲/۸ اور قسم اوّل کی تین روپئے لی جائے گی جن صاحبوں کو اس قیمت میں اسوۂ حسنہ گراں معلوم ہو وہ براہ نوازش و کرم ہمیں مطلع فرمائیں کہ سال آیندہ کا چندہ وصول کرنے کے لئے رسالہ اُن کے نام وی۔ پی نہ بھیجا جائے اور جو حضرات اسوۂ حسنہ کی خدمات ۲/۸ پائے، سالانہ معاوضہ سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہوں وہ از راہِ ہمدردی توسیع اشاعت میں بھی کوشش فرماکر عنداللہ ماجور ہوں کہ بغیر باہمی معاونت و ہمدردی کے اسوۂ حسنہ جیسے رسالوں کا اپنی قابل تعریف خصوصیات کے ساتھ زندہ رہکر قوم و ملت کی خدمت کرنا مشکل ہے۔ یقین کیجیئے کہ اگر یورپ کی مسیحی مشنریوں کی طرف سے کوئی اس قسم کا رسالہ نکلتا اور اُس کی سالانہ قیمت چار روپئے ہوتی تو اُس کے لیئے ایک لاکھ خریدار بہت آسانی سے فراہم ہوجاتے۔ مگر غریب اُسوۂ حسنہ جس کا چندہ پہلے عہ تھا پھر دو روپیہ ہوا اور اب (۲/۸) ہے دو برس سے چیخ رہا ہے اور ڈھائی ہزار مسلمان بھی اُس کو ایسے نہیں ملتے جو اُس کی خدمات کی قدر کرکے تین آنے مہینہ اس کے لیئے خرچ کردیا کریں۔ العجب ثم العجب۔

نہ معلوم ہمارے مسلمان بھائی کس خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں کہ اُن سے اُسوۂ حسنہ جیسے رسالہ کی خریداری کے لیے ہمیں خود تحریک کرنی پڑتی ہے۔ امید ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ رسائل و اخبارات پر ہر طرف سے آفات و مصائب کے تیر برس رہے ہیں "اُسوۂ حسنہ" کے مخلص قدر دان اس کی مالی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی کوشش فرمائیں گے اور ہمیں اپنے بے اعتنایانہ طرز عمل سے مایوس نہیں کریں گے +

سال حال میں اسوۂ حسنہ کو تقریباً نو سو (۹۰۰) روپیے کا نقصان ہوا ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ ہم نے اپنی ذاتی خدمات کا ایک پیسہ معاوضہ نہیں لیا۔ آپ ہی انصاف فرمایئے کہ ہم اس کثیر نقصان کو کیونکر اور کب تک برداشت کرسکتے ہیں۔ ایک نہ ایک دن ہماری ہمت ٹوٹ جائیگی اور ہم دل شکستہ ہوکر اس قومی خدمت سے کنارہ کش ہوجائیں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ بہت سے مسلمانوں کو اسوۂ حسنہ کے بند ہونے کا افسوس ہوگا لیکن اگر وہ ابھی سے اُسوۂ حسنہ کیلیئے خریدار فراہم کرنیکی کوشش کریں تو بہت آسانی سے اُس ناخوشگوار نتیجہ کو ٹال سکتے ہیں جس کا تصور سے خیر خواہان قوم و ملت کو تکلیف پہنچتی ہے۔

تیسری جلد پر ایک سرسری نظر

لکھائی، چھپائی اور کاغذ اس زمانہ میں جب کہ کاغذ کی قیمت سہ چند سے بھی کچھ زائد ہوگئی ہے اور جبکہ چھاپہ کے متعلق ہر ایک چیز غیر معمولی طور پر گراں ہے ہم نے سخت ترین مالی مشکلات کے باوجود کبھی اسوۂ حسنہ کو ردی کاغذ پر شایع کرنا اور کوئلہ کی سیاہی سے چھپوانا پسند نہیں کیا حالانکہ صرف اسی مد میں اگر تاجرانہ کفایت شعاری سے کام لیا جاتا تو نو سو روپیہ کے نقصان میں بہت کچھ کمی ہوسکتی تھی۔ تیسری جلد کے بارہ پرچوں میں باستثناء دو تین کے باقی کل رسالے اچھے چھپے ہیں اور بہتر سے بہتر کاغذ جو میرٹھ میں دستیاب ہوسکتا تھا ان میں لگایا گیا ہے۔

ضخامت اس جلد کا کوئی پرچہ چالیس صفحات سے کم پر شایع نہیں ہوا اور بعض پرچوں کی ضخامت تو چھپن (۵۶) اور ساٹھ (۶۰) صفحے تک پہونچ گئی۔ حالانکہ ہم نے دو روپیہ سالانہ قیمت میں صرف چھتیس (۳۶) صفحے ماہوار دینے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا اس قحط القرطاس کے زمانہ میں ہمارا یہ طرز عمل قابل اعتنا نہیں ہے۔ کہ جس حالت میں اکثر موقت الشیوع پرچوں نے اپنا حجم کم کردیا ہے اُسوۂ حسنہ کے خریداروں کو ہمیشہ چار آٹھ سے لیکر سولہ صفحے تک مقررہ ضخامت سے زائد دیئے جاتے ہیں۔ اگر ہم بھی چھتیس ہی صفحے کا رسالہ ماہوار شایع کرتے تو غالباً ڈیڑھ دو سو روپیہ کی نقصان میں کمی ہوجاتی۔ اسوۂ حسنہ کے چالیس صفحے بھی معمولی صفحے نہیں ہیں اس میں چھوٹی تقطیع کے رسالوں کے کم از کم اسّی صفحات کا مضمون کھپ جاتا ہے

انصاف کیجیے کہ کیا ڈھائی روپئے سالانہ قیمت میں ایک ایسا رسالہ جو اتنی صفحوں کے مضمون پر مشتمل ہو مہنگا کہا جا سکتا ہے ؟ -

وقت اشاعت اس جلد کے گیارہ پرچے حسب معمول وقت مقررہ پر شائع ہوتے رہے البتہ جون کے پرچے میں بعض افسوسناک حوادث کی وجہ سے تقریباً چند روز کی دیر ہوگئی جس کا ہم کو نہایت افسوس ہے۔

مضامین اس جلد کے مضامین کی مفصل و مکمل فہرست تیار ہو رہی ہے اور حسب معمول انشاء اللہ آیندہ جلد کے پہلے نمبر کے ساتھ بھیجی جائے گی۔ جلد رواں کو مضامین کی صحیح تعداد تو ہم اس وقت نہیں بتا سکتے۔ تخمیناً ڈھائی سو مضامین نظم و نثر اس جلد میں درج ہوئے ہیں اور کسی ایک مضمون کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ غیر مفید یا غیر دلچسپ تھا۔ بعض مضمون اس جلد میں ایسے اعلیٰ درجہ کے شائع ہوئے ہیں جو مسلمانوں کے مذہبی لٹریچر میں ہمیشہ وقیع سمجھے جائیں گے۔ اس جلد کے متعلق اکثر معاصرین نے اپنے جرائد میں نہایت حوصلہ افزا رائیں ظاہر کی ہیں جنھیں دیکھکر ہر شخص اس امر کا اندازہ کر سکتا ہے کہ اسوۂ حسنہ کی خدمات اعلیٰ طبقہ میں کس نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور قوم وقت کے حق میں کس قدر مفید ہیں -

چوتھی جلد میں ہمیں جن کرمفرماؤں سے قلمی اعانت ملنے کا فخر حاصل ہوا ہے اُن کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔ ہم ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ سال آئندہ بھی وہ اُسوۂ حسنہ کو اپنے رشحات قلم سے محروم نہیں کریں گے -

(۱) مولنٰنا ابو الفضل محمد احسان اللہ صاحب عباسی (آپ کو اُسوۂ حسنہ کو سال حال میں نہایت بیش قیمت قلمی مدد ملی ہے) (۲) خان بہادر مرزا سلطان احمد خاں صاحب (۳) مصور فطرت حضرت مولنٰنا خواجہ حسن نظامی صاحب (۴) مولنٰنا مولوی محمد عظیم صاحب حنفی نقشبندی۔ (۵) مولنٰنا حکیم محمد رکن الدین صاحب داناؔ۔ (۶) مولانا حافظ محمد عبد التواب صاحب (عالم فاضل) (۷) مولانا مولوی شیخ نور الدین صاحب تاجر چرم (۸) مولوی الف دین صاحب بی۔ اے پلیڈر (۹) مولنٰنا خواجہ عبد الحی صاحب فاروقی پروفیسر (۱۰) مولوی حکیم سید فرید احمد صاحب عباسی امروہوی (۱۱) پروفیسر شیخ فیروز الدین صاحب مراد بی۔ اے۔ بی ایس سی۔ (۱۲) مولوی عبد الکریم خاں صاحب کسیلوی (۱۳) مولوی مرتضی حسن صاحب متخلص عماد پوری (۱۴) مولوی شیخ عاشق حسین صاحب سیماب اکبر آبادی (۱۵) مولوی حکیم محمد اسرار الحق صاحب امروہوی (۱۶) حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی (۱۷) مولوی نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتحپوری (۱۸) مولوی عرفان علی صاحب رضوی بیسلپوری (۱۹) مولانا مولوی سید نواب علی صاحب ایم اے (۲۰) مرزا محمد اشرف صاحب نظامی گورگانی بی۔ اے (۲۱) مولوی محمد حسین صاحب کلرک لاہور (۲۲) نواب مولوی صدر الدین حسین خاں صاحب (۲۳) مولوی رحمت اللہ خاں صاحب شاکر (۲۴) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مخدوم مدراسی (۲۵) مولوی عبد الغفور صاحب عابد نقشبندی (۲۶) شاہ وجیہ حسین صاحب نامی کوہ سوار نظامی (۲۷) منشی امان اللہ خاں صاحب (۲۸) منشی ابن عیسٰی صاحب جالندھری (۲۹) مولوی قاضی فتح محمد صاحب بٹالوی (۳۰) حکیم غلام غوث خاں صاحب بہاولپوری (۳۱) مولوی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نظامی (۳۲) ملک الکلام سید محمد لائق حسین صاحب قوی امروہوی (۳۳) سید زائر حسین صاحب قیم (۳۴) منشی محمد صدیق صاحب آرج (۳۵) منشی شمس التوحید صاحب (۳۶) حافظ امام الدین صاحب۔

ناظرین اسوۂ حسنہ سے درخواست ہے کہ وہ مندرجۂ بالا قلمی معاونین کے لئے جن سے اسوۂ حسنہ کو گرانقدر قلمی امداد مل رہی ہے دعائے خیر فرماتے رہیں کہ خدائے تعالے ان حضرات کو قائز المرام اور ان کے مساعی کو مشکور فرمائے - آمین -

انعامی مضمون اس جلد کے پہلے پرچہ میں شیخ غلام زین العابدین صاحب رئیس میرٹھ کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ جو صاحب "معیار تقدس" پر بہترین مضمون اسوۂ حسنہ کی جلد رواں میں تحریر فرمائیں گے اُن کی خدمت میں مبلغ صہ نذر کیے جائیں گے اس وقت تک کل سات مضمون مذکورۂ بالا انعامی موضوع پر موصول ہوئے ہیں جو اُسوۂ حسنہ میں چھپ چکے ہیں۔ انعامی مضمون کا انتخاب اس مہینے میں ہوگا اور نتیجہ سے آیندہ پرچہ میں اطلاع دی جائیگی۔ ذوق سلیم رکھنے والے ناظرین کرام بھی اپنی رایوں سے مطلع فرمائیں کہ اُن کے خیال میں کس صاحب کا مضمون سب سے اچھا اور قابل انعام ہے +

آخری التماس

مندرجۂ بالا سطور کو پڑھکر غالباً آپ نے اس امر کا اندازہ کر لیا ہوگا کہ ہمنے اپنے فرائض اور محترم ناظرین و معاونین کے حقوق ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور نفع نقصان کے خیال کو نظر انداز کر کے ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ کسی طرح اسوۂ حسنہ کی خدمات سے ملک و قوم کو معتدبہ نفع پہونچے اور خریداروں کو اُس کے متعلق کسی قسم کی شکایت کرنے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ہمیں اپنی مخلصانہ کوشش میں بہت کچھ کامیابی ہوئی اور امید ہے کہ مولیٰ عزوجل کے فضل و کرم سے ہماری آیندہ مساعی بھی ضرور بار آور ہوں گی۔ اور آپ دیکھیں گے کہ (انشاء اللہ) جلد چہارم جلد رواں سے بھی زیادہ آب و تاب کے ساتھ شائع ہوگی بشرطیکہ آپ بھی ہماری اعانت و سرپرستی فرماتے رہے اور سال حال کی طرح وی پی پیکٹوں کی واپسی سے ہمیں مالی مشکلات کا مقابلہ کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ امید ہے کہ محترم معاونین ہمارے ان آخری الفاظ پر ضرور توجہ فرمائیں گے کہ بغیر اُن کی اعانت کے اُسوۂ حسنہ کا شائستگی کے ساتھ زندہ رہنا اور کامیابی کے ساتھ قوم کی خدمت کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے +

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

قرآن بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تم پر اُتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ سمجھ رکھنے والے (اسکو مطالب سے) نصیحت حاصل کریں

معارف القرآن

تفسیر الفاتحہ

(سلسلہ کیلئے دیکھو اسوۂ حسنہ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۭ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

حمد اُس تعریف کو کہتے ہیں جو زبان سے کی جائے۔ حمد اور ثنا میں یہ فرق ہو کہ حمد تعریف کیلئے مخصوص ہو۔ اور ثنا مدح و ذم دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ محاورۂ عرب میں جیسا کہ اثنی علیہ خیراً آتا ہو' ایسے ہی اثنی علیہ شراً بھی بولا جاتا ہے +

الحمد میں "ال" استغراقی اور عہدی نہیں، بلکہ جنسی ہے۔ کیونکہ جبتک کوئی دلیل یا قرینہ موجود نہ ہو فہم کلام میں ذہن استغراقی یا عہدی معنوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ پس آل کو جنسی ماننے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے یہ معنی ہوں گے کہ "حمد خواہ کسی قسم کی ہو حق سبحانہ تعالیٰ ہی کے لیئے ہے" کیونکہ جو چیزیں واقعی تعریف و توصیف کے قابل ہیں، ان سب کا مصدر و مرجع وہی ہے۔ اس لیئے ہر حالت میں حمد اُسی کے شایان شان ہے +

الحمد للہ جملۂ خبریہ ہے گر انشائیہ کے موقع پر استعمال ہوا ہو۔ جملۂ خبریہ ہونیکی صورت میں الحمد للہ کے یہ معنی ہوں گے کہ اچھی ثنا یعنی حمد خواہ کسی قسم کی ہو حق سبحانہ تعالیٰ کے لیئے ثابت اور اُسی کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ تعریف کرنے والے جن خوبیوں کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ سب ذات باری عز اسمہ میں موجود ہیں۔ بلکہ اُس کی صفات تمام صفات سے اجل و اعلیٰ ہیں۔ اور اُس کے احسان و کرم سے تمام کائنات فیضیاب ہو علاوہ ازیں خدا تعالےٰ کیلئے ثبوت حمد مطلق کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ممکنات میں جتنی بھی چیزیں تعریف و توصیف کے قابل کہی جا سکتی ہیں وہ سب خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں کیونکہ تمام کائنات کا مصدر و خالق وہی ہے۔ پس مخلوقات کی حمد اولاً اور بالذات خدا ہی کی حمد ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ تعریف خواہ کسی قسم کی ہو اور کسی چیز کی بھی کیوں نہ کی جائے۔ ہوگی وہ خدا ہی کی تعریف۔ خواہ ثناخواں نے خدا کے محمود ہونے کو اُس تعریف میں ملحوظ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو +

اگر الحمد للہ کو جملۂ انشائیہ مانا جائے تو اُس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ ثناخواں اس وقت حق سبحانہ تعالیٰ کی جو تعریف کر رہا ہو اُس تعریف کی تعبیر وہ اس جملۂ الحمد للہ سے کرتا ہے +

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

باری تعالےٰ کے لیئے حمد مطلق کے ثبوت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ربّ العالمین ہے۔ چنانچہ یہاں اس وصف کے ذکر کرنے سے بیان سابق کی تائید مقصود ہے۔ ربّ اُس پرورش کرنے والے آقا کو کہتے ہیں جو اپنے ماتحتوں اور محکوموں کی تربیت و تدبیر اور نگہداشت کرتا ہے +

الْعَالَمِيْنَ :- عالَم کی جمع ہے اور چونکہ عالم کی تمام جزئیات میں انسان اور اُن میں خصوصاً مرد افضل ہیں اس لیئے اس کی جمع بنانے میں تغلیباً جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اُس سے محض انسان ہی نہیں بلکہ تمام موجودات مکنہ مراد ہیں۔ یعنی لفظ عالَم کے مفہوم میں جتنی بھی چیزیں داخل ہیں حق سبحانہ تعالیٰ اُن سب کا رب ہے۔ عربی میں جو عالَم کی جمع عالَمین کیجاتی ہے اس میں ایک خاص نکتہ قابل غور ہے وہ یہ کہ اہل عرب کے نزدیک ہر اُس چیز کے لیئے جو کہ موجود اور محسوس ہو مثلاً مٹی اور پتھر وغیرہ لفظ عالَم کا اطلاق صحیح نہیں ہے بلکہ یہ لفظ اُن خاص انواع پر بولا جاتا ہے جن کے افراد ذی عقل ہوں یا اُن میں قریب قریب

عقلاہی کی سی صفات پائی جائیں۔ جیسے کہ عالمِ انسان۔ عالمِ حیوان اور عالمِ نباتات وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں وہ ہیں جن میں اُس تربیت کے اثرات پائے جاتے ہیں جو لفظ رَبّ کی مدلول ہے۔ کیونکہ ان چیزوں میں مبدءِ تربیت یعنی حیوٰۃ۔ تغذی اور توالد موجود ہے اور جانداروں میں تو وہ کھُلم کھُلا پایا جاتا ہے۔ سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حیوان ایک درخت ہے جس کے پاؤں زمین سے جُدا کر دیئے گئے اس لیئے وہ چلنے پھرنے لگا۔ اور درخت ایک حیوان ہے اس کے پاؤں زمین میں گاڑ دیئے گئے اس لیئے وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکا۔ وہ کھاتا ہے پیتا ہے۔ اگرچہ سوتا اور سمجھتا نہیں +

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رحمٰن اور رحیم کے معنی تو بسم اللہ کی تفسیر میں بیان کر دیئے گئے۔ اب بحث طلب یہ امر ہے کہ ان کو مکرر کیوں لایا گیا؟ اس میں یہ نکتہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا تمام عالم کی تربیت فرمانا کسی اپنی ضرورت یعنی حصولِ منفعت یا دفعِ مضرت کے لیئے نہیں ہے بلکہ وہ ربُّ العالمین اس وجہ سے ہے کہ اُس کی رحمت تمام کائنات کے لیئے عام اور اس کے فضل و احسان کا دروازہ ہر موجودِ ممکن کے لیئے کھُلا ہوا ہے دوسرا نکتہ یہ ہے کہ شاید کوئی رَبّ کے معنی یہ سمجھ لے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ محض جابر و قاہر ہے اس لیئے اللہ تعالےٰ نے انھیں اپنے فضل و کرم اور رحمت و احسان کو بھی یاد دلا دیا تاکہ وہ اپنے اعتقاد میں خدائے عز و جل کی دونوں شانیں جلالی و جمالی دونوں کو ملحوظ و مدِّ نظر رکھیں۔ چنانچہ رحمٰن کا ذکر کر کے بتایا کہ اس کا فیضانِ کرم اس قدر وسیع ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور وہ بالفعل نعمتوں کی بارش کر رہا ہے۔ اور رحیم سے ظاہر کیا کہ یہ صفت رحمتِ خدا کی ایسی پائدار صفت ہے جو کبھی معدوم و زائل نہیں ہو سکتی۔ گویا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو بندوں کی نظر میں محبوب بنانے کے لیئے انھیں سمجھایا ہے کہ (نعوذ باللہ) میری ربوبیت کسی خود غرضی پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ وہ میری غیر متناہی رحمت اور احسانِ عام کا نتیجہ ہے۔ تاکہ بندوں کو معلوم ہو جائے کہ رحمت و احسانِ عام خدائے عز و جل کی ایک ایسی صفت ہے کہ اکثر صفاتِ الٰہیہ اس کی طرف راجع ہوتی ہیں اور تاکہ وہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے بکشادہ دلی و اطمینانِ قلبی متوجہ ہو جائیں۔

واضح رہے کہ جو لوگ حدودِ خداوندی سے تجاوز کرتے ہیں اور ممنوعات کے ارتکاب سے باز نہیں آتے اللہ پاک نے اُن کے لیئے دُنیا و آخرت میں جو سزائیں اور عذاب مقرر کیئے ہیں وہ اس کی وسعت و عمومِ رحمت کے منافی نہیں ہیں۔ اس لیئے کہ یہ باتیں گو اپنی صورت اور ظاہری حالت کے لحاظ سے قہر معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ان کی حقیقت اور غرض و غایت پر نظر کی جائے تو وہ بھی رحمت ہی ہیں۔ کیونکہ ان کا منشا بھی یہی ہے کہ لوگوں کی تربیت ہو اور اُنہیں تنبیہ ہو تاکہ وہ حدودِ شرعی کی تجاوز نہ کریں اور شریعت کی صراطِ مستقیم سے منحرف ہو کر شقاوت و مصیبت میں نہ پھنسیں۔ بلکہ حدودِ شرعیہ میں رہکر سعادت اور نعمتوں سے فائز اور بہرہ اندوز ہوں۔ دیکھو۔ ایک مہربان باپ اپنے بچّے کی تربیت کے لیئے اس کو ایسی باتوں کی ترغیب دیتا ہے جس میں اُس کا نفع ہو اور جب بچّہ اُن باتوں کو کرنے لگتا ہے تو باپ اُسکی ساتھ محبت و مہربانی سے پیش آتا ہے۔ لیکن اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ باپ کو بچّے کے دھمکانے اور سزا دینے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس میں بھی اُسے بچّے ہی کا نفع مدِّ نظر ہوتا ہے + وَلِلّٰہِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی۔ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ۝

مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ

مٰلِكِ :- اس لفظ کو عاصم۔ کسائی۔ اور یعقوب نے مالک پڑھا ہے۔ اور باقی قرا نے مَلِک اور یہی اہلِ حجاز کی قرأت ہے۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ مالک مِلک یعنی ملکیت رکھنے والے کو کہتے ہیں اور مَلِک مُلک رکھنے والے کو۔ قرآن مجید میں دونوں قراتوں کے لیئے شہادت موجود ہے۔ چنانچہ قرأت مالک کی تائید یوم لا تملك نفس لنفس شیئًا سے ہوتی ہے اور قرأت مَلِک کی لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡیَوۡمَ سے۔ بعض نے مَلِک کی قرأت کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ اس میں غلبہ قوت اور تدبیر کے معانی پائے جاتے ہیں۔ اور بعض نے مالک کی قرأت کو زیادہ بلیغ بتایا ہے کیونکہ بادشاہ اپنی عام رعایا کے اعمال کا مدبّر ہوتا ہے مگر ان کے خاص حالات اور شخصی معاملات میں اس کا دخل و تصرف نہیں ہوتا۔ یہ فرق اس سلطنت میں خوب معلوم ہو سکتا ہے جہاں کوئی مملوک غلام بھی ہو۔ اور حکمران بادشاہ بھی۔ ایسی صورت میں غلام کی تمام باتوں کا متولی اس کا مالک ہوگا نہ کہ بادشاہ۔

یَوۡمِ الدِّیۡن :- لفظ دین کے کئی معنی آتے ہیں :-

۱۔ مکافات۔ جیسا کہ محاورۂ عرب کما تدین تدان اور قولِ شاعر ؎

ولم یبق سوی العدوان دناھم کما دانوا

میں دین انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ جزا۔ جزا اور مکافات دونوں کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں۔

۳۔ طاعت۔ ۴۔ عاجز کرنا۔ ۵۔ سیاست۔ مثلاً دین فلان فلانًا سیاست اور اخضاع یعنی عاجز کرنے کے معنوں میں تھوڑا ہی سا فرق ہے۔ ۶۔ شریعۃ۔ ۷۔ وہ امر جس کا بندوں کو مکلف بنایا جائے۔

اس موقع پر مذکورۂ بالا معانی میں سے جزا اور خضوع کے معنی زیادہ مناسب ہیں

ملک الدین کی بجائے مالک یوم الدین اس لیئے فرمایا ہے کہ دین کے لیئے ایک دن مقرر ہے جو اور تمام دنوں سے ممتاز ہے۔ یہ وہ دن ہو جب کہ ہر ایک عامل کے اعمال اُس کے سامنے آئیں گے اور وہ ان کا صلہ پائے گا۔

اگر یہ کہا جائے کیونکر ہر ایک دن روز جزا ہی ہو۔ کیونکہ اس زندگی میں لوگوں کو جو مصیبتیں پیش آتی ہیں وہ ان فرد گزاشتوں ہی کا نتیجہ ہیں جو اُن سے حقوق ادا کرنے اور واجبات شرع پر قایم رہنے میں سرزد ہوئی ہیں تو جواب یہ ہوگا کہ بیشک کبھی ہمیں اس دُنیاوی زندگی ہی میں ہمارے اعمال کی جزا مل جاتی ہو لیکن بجز معدودے چند کے تمام عاملوں کو اس جزا کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں عمل واجب میں کوتاہی کرنے کی سزا اس دُنیا میں پورے طور پر تو صرف اقوام ہی کو ملتی ہو نہ کہ فرداً فرداً ہر شخص کو۔ چنانچہ جب کوئی قوم صراط مستقیم سے منحرف ہوتی اور سنن الٰہیہ کا دڑدل سے نکال دیتی ہے تو خدا تعالیٰ کی عدالت سے اس کے لیئے فقر و فاقہ اور ذلتِ محکومی وغیرہ کی وہی سزا تجویز ہوتی ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ برخلاف اس کے جب ہم اشخاص و افراد پر نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بہت سے مُسرف و ظالم شہوات و لذات میں ڈوبے ہوئے آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کا ضمیر کبھی کبھی اُنکی بداعمالیوں پر ان کو لعنت ملامت کر دیتا ہے۔ اور ان کو بھی اپنی حالت پر افسوس ہوتا ہو بلکہ کبھی ان کے مال و دولت صحت بدنی اور قوائے عقلی کو بھی نقصان پہونچتا ہے۔ مگر یہ تمام باتیں ان کے بعض اعمال قبیحہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں خصوصاً امرا اور بادشاہوں کی بداعمالیوں کے مقابلہ میں جنکی بدولت قوموں کی قومیں اور قبیلے کے قبیلے شقی و بدبخت ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت ہم نکوکاروں کی دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے حقوق غصب کر لیے جاتے ہیں اور اُن مصیبت زدوں کو اپنی حق تلفی کی کوئی جزا جس کے وہ مستحق ہیں نہیں ملتی۔ اگرچہ کبھی مسرت نفس۔ سلامتی۔ اخلاق اور صحت ملکات کی صورت میں ان کو صلہ ملتا ہے مگر یہ صلہ ان کے استحقاق کے مقابلہ میں کم ہے اس لیئے ایک دن ایسا ہوگا جبکہ ہر شخص کو فرداً فرداً اُس کے اعمال کی کامل جزا مل جائے گی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ	تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی (ہوگی) وہ اُس (نیکی) کو (بچشم خود) دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی (ہوگی) وہ اُس (بُرائی) کو (بچشم خود) دیکھ لے گا۔

خدا تعالےٰ نے اپنے رحمٰن و رحیم ہونے کی اطلاع اس لیئے دی تھی کہ ہمارے قلوب اُس کی طرف متوجہ ہو جائیں لیکن چونکہ ہم میں سے ہر ایک شخص ایسا نہیں ہے جو اس احسان کا احساس کر کے حق سبحانہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے اس کی طرف اپنی توجہ کو منعطف کر لے۔ اور راستہ کے ٹیڑھے یا سیدھے ہونے کا چلتے وقت خیال رکھے اسلیئے اللہ عزّ اسمہٗ نے اپنی رحمت کا ذکر کرنے کے بعد یوم دین کا ذکر کیا ہے اور ہمیں جتا دیا کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جبکہ بندوں کو اُن کے اعمال کی پوری پوری جزا ملیگی یعنی جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ یہ بھی خدا کی ایک رحمت ہے کہ وہ تربیت کی دونوں قسموں یعنی ترغیب و ترہیب سے اپنے بندوں کی تربیت فرماتا ہو۔ بکثرت آیات قرآنی اس مضمون پر شاہد ہیں

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ‌+	ہمارے بندوں کو آگاہ کر دو کہ ہم غفور و رحیم ہیں اور ہمارا عذاب (بھی) بڑا تکلیف دہ عذاب ہے۔

(باقی آیندہ)

دعا اور کسب

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ٥	انہیں کیلئے اُن کی کمائی کا حصہ ہو اور اللہ جلد حساب کر دینے والا ہے +

ان آیات مبارکہ میں حق سبحانہ تعالیٰ ان لوگوں کو دعا کی قبولیت کی خبر دے رہا ہے جو اپنی دعا میں دُنیا و آخرت دونوں جہان کی فلاح کے طالب ہیں۔ مگر قبولیت دعا کی خبر ایسے انداز سے دی جا رہی ہو جس سے مسلمان یہ نہ سمجھ لیں کہ دعا اور صرف زبان ہلا دینے ہی سے دنیا و آخرت حاصل ہو جاتی ہو چنانچہ فرمایا لهم نصيب مما كسبوا یعنی بندے جس قدر کوشش کرتے ہیں اور حصول دعا کیلئے انکے اسباب و وسائل سے کام لیتے ہیں اور ساتھ ہی اپنی کوشش پر مغرور نہ ہو کر خدا سے دعا بھی کرتے رہتے ہیں انکو اپنی کوشش کا نتیجہ ملتا ہے اور جو کچھ کرتے ہیں اُسکا صلہ پاتے ہیں +

کس قدر حیرت کی بات ہو کہ مسلمان عموماً ادعونی استجب لکم اور اجیب دعوة الداع اذا دعان کو تو ہمیشہ یاد رکھیں کہ جاہل سے جاہل تک جانتا ہو کہ اللہ دعا کو قبول کرتا ہے اور اسی عقیدہ کی بنا پر یہ امید رکھتا ہو کہ میں جو کچھ دعا مانگونگا۔ اگرچہ حصول دعا کے اسباب و وسائل سے کام نہ لوں۔ خدا اُسکو قبول کر کے مجھے چھپّر پھاڑ کے دیگا اور لھم نصیب مما کسبوا سے مدعیان علم و دین بھی بے خبر ہوں اور حصول دعا کیلئے طرح طرح کے اوراد و وظائف پڑھتے اور دوسروں کو بتاتے ہوں یہ قرآن سے بیخبر ہونے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ناممکن ہو کہ آیۂ مذکورہ کا مفہوم کو سمجھنے کے بعد کوئی صحیح دماغ پر آسرا لگائے بیٹھا رہے اور کسب و عمل سے کام نہ لے + (ماخوذ از تفسیر القرآن)

قصص القرآن

اور

ایک لمحۂ فکریہ

قرآن حکیم مسلم قانت کی حیات ملی و اجتماعی کے لیۓ ایک بہترین دستور العمل امام مبین اور رشد و ہدایت، فوز و نجاح اور کامیابی و کامرانی کا کفیل و ذمہ دار ہے جب تک مسلمان اس چراغ ہدایت سے اقتباس نور کرتے رہے۔ دُنیا میں سربلند رہے۔ انھوں نے سب سے رشتہ توڑا تاکہ ایک سے جُڑ جائیں۔ وہ صرف ایک کے آگے جھک گئے۔ تو اُنھوں نے سب کو اپنے آگے مسجود دیکھا مگر افسوس کہ آج وہ قرآن سے منحرف ہو چکے ہیں۔ اس کتاب عزیز سے روگردانی کر چکے ہیں چاروں طرف سے یہ صدائے ہوش افگن کانوں میں آرہی ہے: اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝

قرآن کوئی مشکل کتاب نہیں، وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کی آیت تمہارے پیش نظر ہے۔ قرآن کو اس کی اصلی روشنی میں دیکھو، اسکی بہترین تفسیر تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیات طیبہ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال و اقوال میں ملیگی۔ قرآن تو ایک مجموعہ ہے جو بین الدفتین تمہارے سامنے ہے اور جسکی شاید روزانہ تلاوت بھی کرتے ہو لیکن اگر تم اسی قرآن کو ایک مجسم شکل و صورت میں حی و قایم دیکھنے کی تمنا رکھتے ہو تو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقدس وجود کو پیش نظر رکھو کہ آپ کے اوامر و نواہی، امیال و عواطف، جذبات و حرکات سب کے سب قلم الٰہی کے تابع ہیں وَلَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اسی کے ساتھ اس حدیث صحیح کو بھی یاد کر لو جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ آیت وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کا کیا مطلب ہے تو اُنھوں نے جواب میں کہا۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ ؛

ضرورت ہے اسی طریق سے قرآن میں غور و فکر کیا جائے، اسرائیلیات نہ مسلمانوں کو صراط مستقیم پر قایم رکھ سکتی ہیں اور نہ کسی مسلمان کی تسکین کر سکتی ہیں آؤ۔ سورۂ نمل کو اُٹھا کر اسکی ایک آیت میں اپنا کچھ وقت صرف کریں، حضرت سلیمان علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ بلقیس سبا کی ایک عظیم و جلیل حکمران ہے۔ یہ سلطنت تمدن کے پورے اوج و رفعت پر ہے۔ مگر ملکہ اور اُس کی قوم کا مذہب سورج پرستی ہے

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ	میں نے ایک عورت کو اس قوم کی حکومت کرتے ہوئے
وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا	پایا جسے ہر چیز حاصل ہے اور اُس کے پاس ایک بڑا
عَرْشٌ عَظِيْمٌ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا	تخت بھی ہے۔ میں نے اُسکو اور اُسکی قوم کو خدا کے
يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	سوا آفتاب کا سجدہ کرتے پایا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو دعوت دی۔ جب وہ آئی تو حضرت سلیمانؑ نے اُس سے فرمایا کہ محل کے اندر چلی آ۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ	اُس سے کہا گیا کہ محل کے اندر آ۔ اُس نے جو دیکھا
حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ	تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے تو گزرنے کیلئے اپنی پنڈلی
عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ	پر کپڑا نیچے اُٹھا لیے حضرت سلیمان نے بتایا کہ یہ
مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ قَالَتْ رَبِّ	تو شیشوں سے منڈھا ہوا محل ہے اسپر وہ بول اُٹھی
اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ	اے میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں
مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	سلیمان کیساتھ پروردگار عالم کی مطیع ہوئی۔

اس وقت زیر بحث صرف یہی آیت ہے۔ اس کو پڑھو اور پھر پڑھو۔ بلقیس کا محل میں داخل ہونا اور کشف ساقین کچھ بھی تعجب انگیز نہیں کیونکہ اس نے غلطی سے شیشوں کی چمک کو پانی سمجھ لیا تھا حضرت سلیمانؑ نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا۔ یہ بھی درست مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنی غلطی سمجھنے کے ساتھ ہی بلقیس چلا اُٹھی رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ خدایا میں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اول تو شیشے کو پانی سمجھنے پر بلقیس نے اپنی زندگی پر کون سا ظلم کیا تھا کہ وہ ضبط نہ کر سکی۔ پھر اسی پر بھی بس نہیں، اس غلطی کا احساس اتنا شدید اور زبردست ہوا کہ وہ فوراً اسلام لے آئی۔ اس غلطی اور قبولیت اسلام میں باہم کیا ربط و تعلق ہے، یہ کوئی بے جوڑ تو بات ہو نہیں سکتی، اللہ کے کلام میں بیہودگی کا نام و نشان نہیں لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ یہ سراسر حق ہے۔ صداقت ہے۔ نور ہے۔ رشد و ہدایت ہے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔

اللہ کا کلام مربوط و مسلسل ہے۔ آیات قرآنیہ میں نظم و ترتیب یقینی ہے اس لیے

اس قصہ کے آخری حصّے میں بھی ضرور کوئی نہ کوئی نہایت دلفریب ربط ہوگا۔ اگر تم اسرائیلی روایات کو دیکھنا چاہتے ہو تو خود تمہارے گھروں میں کوئی نہ کوئی تفسیر ہوگی اُٹھا کر دیکھ لو۔ لیکن جو کچھ میں تم کو سُنانا چاہتا ہوں۔ وہ اس سے بہت دور کی چیز ہے ٭

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم	نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

یہ بصائر و عوارف مخصوصہ محض مشکوٰۃ نبوّت سے مقتبس ہیں، اور جب تک ہدایت ربانی و توفیق الٰہی چارہ سازی نہ فرمائے اس مقام کا حصول و وصول ممکن نہیں۔

اصل مقصود بیان کرنے سے قبل ضرورت ہے اس قصہ کی چند آیات ماقبل کی تلاوت کی تاکہ مقصد بالکل واضح ہو جائے۔ جس وقت ہدہد نے ملکۂ سبا اُس کے مُلک اور اُس کی قوم کا حال بیان کیا تو حضرت سلیمان علیہ السّلام نے بلقیس کے پاس ایک خط بھیجا۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ ۝	بلقیس نے کہا اے ارکانِ سلطنت! مجھے اس امر عظیم میں مشورہ دو کہ کیا کروں، و میرا قاعدہ چلا آتا ہے کہ تمہارے صلاح و مشورہ بغیر میں کچھ نہیں کرتی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نو صدی قبل حضرت مسیح علیہ السّلام میں تھے یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہے کہ سبا کی یہ عظیم الشان سلطنت جمہوریت کے اصول پر چل رہی ہے۔ چنانچہ دوسری آیت اس دعوے کو اور بھی واضح کرتی ہے ان لوگوں نے جواب دیا:۔

قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ٭	اُنھوں نے کہا ہم طاقت والے اور سختی کرنے والے ہیں اس امر کا قطعی فیصلہ تیری رائے پر منحصر ہے۔ تم غور کرلو ٭

یہ تو اس کا نظام حکومت تھا، خود ملکہ کی عقل و فراست، حزم و احتیاط، تجارب و معلومات اور واقفیت انقلابات کو دیکھئے۔ وہ جواب میں کہتی ہے:۔

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝	ملکہ نے کہا کہ سلاطین جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُسکو تاراج بنیان کو خراب و برباد کر دیتے ہیں اسکے عزیز شہریوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں اسی طرح یہ بھی کریں گے۔

ایسی دانا اور عقلمند عورت کو حضرت سلیمان (علیہ السلام) اسلام کی دعوت دیتے ہیں:۔

أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ٭	مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس چلی آؤ ٭

ملکہ کا مذہب سورج پرستی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دلی آرزو ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ مگر جب تک شکوک و شبہات زائل نہ کیے جاویں، ظلمت کے پردوں کو چاک چاک نہ کیا جائے حقیقت مستور و محجوبہ کو مکشوف نہ کیا جائے اُسوقت تک نہ حق ظاہر ہو سکتا ہے نہ صداقت اپنی جلوہ فرمائی کر سکتی ہے اور نہ باطل کو شکست ہو سکتی ہے حضرت سلیمانؑ ملکہ کے اعماق قلب تک پہونچ چکے ہیں اور اس غلطی کو دور کرنے کے لیے بلقیس کو دعوت دیتے ہیں۔

اب ذرا ہمہ تن گوش ہو کر ہمہ تن کان بن جاؤ۔ اور کامل انہماک کیساتھ میری بات کو سُنو۔ بلقیس آتی ہے تو محل میں داخلہ کے وقت کیا دیکھتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ تک پہونچنے کے لیے پانی کا حوض حائل ہے اس کو وہاں جانا ہے اس لیے مجبور کرنے کی غرض سے پائنچوں کو اُٹھا لیتی ہے تاکہ پانی میں تر نہ ہو جائیں ٭

حضرت سلیمان (علیہ السلام) اس تماشا کو ملاحظہ فرما رہے ہیں جس وقت اسنے کپڑا اوپر کر لیا اور قریب تھا کہ اس میں پاؤں رکھے۔ اُنھوں نے فرمایا، ملکہ جس کو تم پانی سمجھ رہی ہو یہ پانی نہیں بلکہ شیشے کا فرش ہے تم نے اس کو غلطی سے پانی قرار دیا۔ جس وقت بلقیس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ یہ تو پانی نہیں بلکہ شیشہ ہے، دور سے بظاہر پانی کا ایک جلوہ سا نظر آتا تھا اور میں اسکو حقیقتاً پانی سمجھ گئی، یہ تو ایک عکس سا تھا درحقیقت پانی نہ تھا۔ جب یہ اصل حقیقت اسپر واضح ہو گئی تو اس کا ذہن رسا اپنے مذہب پر غور کرنے لگا کہ میں سورج کو پوجتی ہوں۔ اُس کو اپنا خدا اور مسجود قرار دیتی ہوں حالانکہ اس میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں تو محض اللہ تعالیٰ کی ایک تجلّی کام کر رہی ہے۔ اسکا ایک عکس کارفرما ہے۔ یہ تمام عمر میں کیا غضب کرتی رہی کہ ایک تجلّی کو حقیقتاً خدا سمجھکر اسکی پرستش کرتی رہی افسوس میں نے اپنے آپ کو بھی تباہ و برباد کیا اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبی۔ اس غلطی کا احساس ہونا تھا کہ اُسکی زبان سے نکلا ربّ انی ظلمت نفسی خداوندا میں نے اپنی تمام عمر تباہ کی کہ ایک جلوہ کو حقیقتاً خدا سمجھتی رہی وہاں تو تیرا ایک نور جلوہ افروز عالم تھا تو اس سے وراء الورا ہے میں نے تو بڑا ظلم کیا جب حق ظاہر ہو گیا تو معاً حقیقت اسلام بھی اُسپر طاری ہو گئی۔

پس میں کہتا ہوں کہ آؤ تم بھی اپنی حیات انفرادی وملّی کی ہر شاخ میں مسلمان بنجاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ (عبدالحیٔ فاروقی پروفیسر میرٹھ کالج)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

تعلیم الاسلام

معیار تقدس

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۴۔ پ ۱)

(اے حبیب) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے جواب دیا کہ کیا تو زمین میں ایک ایسے شخص کو نائب مقرر کریگا جو اُس میں طرح طرح کے فساد پھیلائے اور خونریزیاں کریگا حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ خدا نے فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

فرشتوں کا تقدس

یہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کا ذکر ہے۔ اس وقت بجز فرشتوں کے اور کوئی مخلوق بارگاہ ایزدی میں مقرب مقبول نہ تھی۔ تمام کاروبار کا انصرام اسی برگزیدہ جماعت کے سپرد تھا۔ یہ معصوم مخلوق فرمانِ خداوندی سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتی۔ جو حکم ایزدی ہوتا ہو بسر و چشم اُس کی تعمیل بجالانا اس کے لیے مایۂ ناز اور باعث افتخار ہے۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ (خدا جو انہیں حکم دے اُسکی نافرمانی نہیں کرتے اور جو انکو حکم دیا جاتا ہے (بے چون و چرا) اُس کی تعمیل کرتے ہیں)

خدا کی عبادت و پرستش۔ خشیہ و تقویٰ۔ تسبیح و تقدیس ہی ان کی غذا ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر ملائکہ مقرب اور مخلوقات باری میں مقدس و معصوم کہلاتے ہیں۔

پس ایک ایسی برگزیدہ عبادت گزار۔ اطاعت شعار۔ معصوم و مقدس مخلوق کے ہوتے ہوئے۔ جناب رب العزت عزّ اسمہٗ کا بنی نوع انسان کو پیدا کرنا اور پھر خلعت وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی و عزت دی) سے مشرف فرمانا۔ یہی معنی رکھتا ہے۔ کہ وہ ذات واحد مخلوقات کی عبادات و طاعات سے بالکل بے نیاز و بے پروا ہے۔ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۝ (اللہ تو (بس) بے نیاز ہے اور تم (اُسکے) محتاج ہو)

بری ذاتش از تہمت ضد و جنس غنی مُلکش از طاعت جن و انس

اگر اُس ذات مقدس کو مخلوقات کی طاعات و عبادات کی کچھ ضرورت و حاجت ہوتی تو اس فرض کو ملائکہ بخوبی انجام دے سکتے تھے ع پھر طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں۔ پس انسان کو پیدا کرکے اسے اُس امانت کا سونپنا (جس کے لینے سے آسمانوں نے انکار کر دیا جسکی وجہ سے زمین اور پہاڑوں کو زلزلہ آگیا تھا) ضرور اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انسان پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۝ (احزاب ع ۹ پ ۲۲)

ہم نے ذمہ داری کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو اُنھوں نے اُسکے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اُس کو اُٹھا لیا۔

پس یہ ذمہ داری کیا محض ہاتھ پاؤں توڑ کر دینی و دُنیاوی تعلقات سے علیحدگی اختیار کرکے دوسروں کے سہارے پر عبادت کرنے۔ راہبوں اور تارک الدنیا لوگوں کی طرح رات دن کی گوشہ نشینی اور چلہ کشی کے برتنے پر اور محض تسبیح و مالا جپنے سے پوری ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس جب یہ ارشاد نبوی ہر مسلم کے پیش نظر ہے کہ لَا رَهْبَانِیَّةَ فِی الْاِسْلَامِ (اسلام میں رہبانیت (ترک دُنیا) نہیں ہے) تو پھر کب کوئی مسلمان

راہبوں تارک الدنیا لوگوں کی سی عبادت و پرستش کو "معیار تقدس" اور بزرگی سے تعبیر کرسکتا ہے۔ اسی طرح کوئی مسلمان۔ عالی نسبی۔ خاندانی وجاہت و شرافت نیز بزرگوں کی اولاد ہونے یا کسی مولوی۔ صوفی۔ پیر و مرشد کو محض سلسلے میں داخل ہونے کو "معیار تقدس" ٹھیرا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ تقدس یہ فخر اور یہ گھمنڈ جائز اور عند الشرع باعث نجات و فلاح ہوتا تو سب سے زیادہ اس تقدس و بزرگی سے قابیل و کنعان کو فائدہ پہونچتا۔ لیکن ان کی عالی نسبی اور پیغمبر کی اولاد ہونے نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ ارشاد نبوی ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَبْطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ۔ أُنْظُرْ إِلَى ابْنِ آدَمَ قَابِيلَ وَابْنِ نُوحٍ كَنْعَانَ هَلْ نَفَعَهُمَا نَسَبُهُمَا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کو عمل نے پیچھے ڈال دیا ہو اُسکو نسب کچھ نہیں بڑھا سکتا۔ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کو دیکھو کیا ان کے نسب نے ان کو کچھ نفع دیا۔
(مشکوٰۃ شریف)	(ہرگز نہیں)

اس سے واضح ہوگیا کہ بزرگی۔ نبوت و رسالت کسی کو ورثہ میں نہیں مل سکتی اللہ تعالیٰ جس کو اس امانت کے لایق اور قابل سمجھتا ہے اُس کو یہ مرتبہ مرحمت فرماد یتا ہے۔ اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر بت تراش تھے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے موحد اور ایک جلیل القدر پیغمبر ہوئے۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے طوفان میں غرق کر دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بتقاضائے شفقت پدری بیٹے کے حق میں دعا کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ کہکر کہ إِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (اس کے عمل اچھے نہیں) دعا کرنے سے روک دیا +

پسر نوحؑ با بداں بنشست   خاندانِ نبوتش گم شد
چو کنعاں را طبیعت بے ہنر بود   پیمبر زادگی قدرش نیفزود
ہنر بنمائے اگر داری نہ گوہر   گل از خار است و ابراہیم از آزر

یہ تو امم سابقہ کے پیغمبروں کی اولاد کا مذکور ہے۔ اسی طرح خود جناب رسالتمآب سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کنبے والوں کو جمع فرما کر تمام بنام سب سے فرماتے ہیں کہ "لوگو! اپنی جان کو قہر الٰہی اور جہنم کے عذاب سے بچانے کے لیئے خود فکر کرو" پھر اسی دوران میں اپنی لخت جگر پیاری بیٹی حضرت سیدۃ النساء بی بی فاطمہ زہراء رض سے مخاطب ہو کر یہ فرمائے ہیں

يَا فَاطِمَةُ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي فَإِنِّي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا +	اے فاطمہ! میرے مال میں سے تمہیں جو کچھ چاہو مانگ لو لیکن خدا تعالیٰ کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا (یعنی اُس وقت تمہارے اعمال نیک ہی کام آئیں گے)
(مشکوٰۃ شریف)	

پس بمقتضائے صحیح حدیث مَنْ سَلَكَ سُنَّتِي فَهُوَ آلِي (جو شخص میری اتباع و پیروی کرے وہ میری اولاد میں سے ہے) ہر نیک مسلمان اس حدیث کے تحت میں داخل ہوسکتا ہے۔ اور آپ کی شفاعت کا اُمیدوار ہوسکتا ہے۔ لیکن جو شخص حضور کے فرمان کو نہیں مانتا اور اتباع سنت نبوی سے گریز کرتا ہے گو وہ نہایت ہی عالی نسب ہو مگر ایسے شخص کو حضورؐ کی شفاعت پر بھروسا نہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس امر کی تصریح آچکی ہے۔ جو لوگ آپ کی اتباع و پیروی کرتے ہیں آپ کی سنت کے موافق عمل کرتے ہیں۔ وہی حضور کی معیت و مصاحبت اور سفارش و شفاعت کے مستحق ہیں۔

پس عالی نسبی ذات پات کی بڑائی بھی "معیار تقدس" نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا	لوگو! ہمنے تم (سب) کو ایک مرد (آدمؑ) اور ایک عورت (حواء) سے پیدا کیا اور پھر تمہاری آپس میں ذاتیں اور برادریاں مقرر کردیں تاکہ ایک دوسرے کو آپس میں شناخت کر سکو
(حجرات۔ ع ۱۴۔ پ ۲۶)	

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ ذات پات تو محض آپس میں پہچان و تعارف کے لیئے ایک آلہ ہے۔ پس اب قابل غور یہ امر ہے کہ جب راہب و زاہدوں کی عبادت۔ عالی نسب۔ اونچی ذات والوں کی ذات پات باعث تقدس نہیں ہوسکتی تو دُنیاوی حکومت و ثروت علم و فضل۔ صنعت و حرفت۔ مالداری و وجاہت بھی تقدس کا معیار نہیں بن سکتی۔

پس تقدس و بزرگی کا انحصار اور اس کا دار و مدار محض تقویٰ و پرہیزگاری پر ہے چنانچہ ارشاد باری ہے :-

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ (حجرات ع ۱۴ پ ۲۶)	خدا کے نزدیک تم میں سب سے بڑا مقدس اور شریف آدمی وہی ہے جو تم میں پرہیزگار ہے

کلام مجید فرقانِ حمید میں متعدد آیتیں تقویٰ کے اوصاف اور متقیوں کی تعریف میں نازل ہوئی ہیں۔ ان آیات کے شانِ نزول اور اُن کی تفاسیر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "معیار تقدس" محض اتقاء و پرہیزگاری ہی کو قرار دیا ہے +

تقویٰ کیا ہے؟

اَلتَّقْوٰی مُنْتَھٰی دَرَجَاتِ السَّالِکِیْنَ وَھُوَ التَّبَرِّیْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سِوَی اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی (بیضاوی)	سالکین کے انتہائی مراتب کا نام تقویٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام چیزوں کو بیزار ہو کر صرف خدائے واحد کا ہو رہے +
اَلْمُتَّقِیْ :۔ اِسْمٌ لِّمَنْ یَّقِیْ نَفْسَہٗ عَمَّا یَضُرُّھَا فِی الْاٰخِرَۃِ (بیضاوی)	علامہ بیضاوی رح فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کو ان چیزوں سے جو آخرت میں مضرت رساں ہونگی بچائے وہ متقی ہے

متقیوں کی شان میں ارشاد باری ہے:

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ (یوسف۔ ع ۱۲۔ پ ۱۳)	اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو لوگ پرہیزگار ہیں ان کے لیے عاقبت کا گھر بہت اچھا گھر ہے۔

پس تقویٰ اور متقیوں کی تعریف سے صاف طور پر واضح ہو گیا کہ اگر کوئی شخص رات دن عبادت الٰہی میں منہمک رہے۔ لیکن اعتقاداً یا عملاً کفر و شرک سے اجتناب نہ کرتا ہو۔ معاصی کا مرتکب ہو۔ یا خدا کی وحدانیت۔ رسول کی رسالت کا قائل نہ ہو۔ کتب مقدسہ کو برحق نہ جانتا ہو۔ یا اس کے اعمال و افعال شریعت غراء کے مطابق نہ ہوں۔ قبروں اور مزارات کو سجدہ یا طواف کرتا ہو۔ تعزیوں اور مقبروں کو حاجت روا مشکل کشا جانتا ہو۔ رنڈیوں اور عورتوں کا گانا سنتا اور ان کو بے حجابانہ اپنے پاس بٹھلا کر تعویذ گنڈے دیتا ہو اور خلوت میں مقام سلوک طے کراتا ہو۔ الغرض یہ اور اس قسم کی وہ تمام باتیں جو اعتقاداً۔ عملاً۔ شرعاً۔ اخلاقاً ذرہ برابر بھی انسان کے لیے مضرت رساں ہیں یا جو باتیں خدا اور رسولؐ خدا کی ناراضگی۔ غضب و غصے کی موجب ہیں ان سے پرہیز نہیں کرتا تو یہ شخص کبھی متقی و مقدس کہلانے کا حقدار و مستحق نہیں ہے گو وہ ساری عمر روزے رکھنے اور عبادت کرنے میں صرف کر دے۔ ان لوگوں کا نماز و روزہ اور تسبیح و تہلیل خدا کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی وقعت نہیں رکھتی کہ ؎

پارسایان روئے در مخلوق — پشت بر قبلہ می کنند نماز

ارشاد باری ہے:۔

وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا (النساء ع ۲۱ پ۵)	اور یہ لوگ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو الکسائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں اور (دل سے) اللہ کو یاد نہیں کرتے۔ مگر محض یوں ہی سا۔

زباں در ذکر دل در فکر خانہ — چہ حاصل زیں نمازِ پنجگانہ

اے درونت برہنہ از تقویٰ — کز بروں جامۂ ریا داری

پردۂ ہفت رنگ در مگزار — تو کہ در خانہ بوریا داری

(سعدیؒ)

تقویٰ کے درجات

مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے تقوے کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔

اوّل یہ کہ شرک و کفر سے تنفر و بیزاری ظاہر کر کے خود کو عذاب مخلد (ہمیشگی کے عذاب) سے بچایا جائے۔ یہ تقویٰ کی ابتدائی حالت ہے۔ بجز اس درجے کے طے کیے اور درجات حاصل نہیں ہو سکتے۔ مندرجۂ ذیل آیت میں تقوے کے یہی معنی مراد ہیں۔

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی وَکَانُوْا اَحَقَّ بِھَا [الفتح ع ۳ پ ۲۶]	پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو اپنی طرف سے (دلوں کو) اطمینان قلب عطا کیا اور ان کو پرہیزگاری پر جمائے رکھا اور وہ اسکی سزاوار اور لائق بھی تھے +

دوسرا درجہ یہ ہے کہ خود کو ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے محفوظ رکھا جائے۔ اہل شرع کی اصطلاح میں اسی مرتبہ کا نام تقویٰ ہے۔

ارشاد باری ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ [اعراف ع ۱۲ پ ۹]	اور اگر اس بستی کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو بیشک ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے +

تیسرے یہ کہ انسان ہر قسم کے شبہات نیز ان مباحات چیزوں سے بھی جو ارتکاب گناہ یا عبادت الٰہی میں رکاوٹ کا باعث ہو سکتی ہوں ہر طرح پرہیز کرتا رہے۔ اور اپنے ضمیر اور باطن کو کسی وقت اور کسی حال میں بھی غیر اللہ کی طرف مائل نہ ہونے دے یہی ولایت کا مرتبہ ہے۔ اور یہی تقویٰ حقیقی ہے۔ اور یہی حضرات سالکین کے لیے آخری و انتہائی درجہ ہے۔ قَالَ الْبَیْضَاوِیُّ

وَھُوَ اَنْ یَّتَنَزَّہَ عَمَّا یَشْغَلُ سِرَّہٗ وَیَتَبَتَّلَ اِلَیْہِ ...

وَھُوَ التَّقْوَی الْحَقِیْقِیُّ الْمَطْلُوْبُ (بیضاوی شریف)

اسی کی طرف ارشاد باری ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ	مسلمانو! اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور دیکھ مرد تو)

اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران پ ۴) اسلام ہی پر مرنا۔

معیار تقدس

از حدیث و اقوالِ سلف رح

(۱) امام احمد۔ امام ترمذی اور دوسرے محدثوں نے اس حدیث کو بالاتفاق بیان فرمایا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اُسوقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ گناہوں کے خوف سے ان مباحات اور حلال چیزوں کو بھی ترک نہ کر دے۔ جن میں ذرہ برابر بھی خطرۂ شرعی یا شبہ ہو۔ انتہیٰ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں مَازَالَتِ التَّقْوٰی بِالْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی تَرَکُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الْحَلَالِ مَخَافَۃَ الْحَرَامِ۔ یعنی تقویٰ اُسی وقت تک قایم رہ سکتا ہے کہ جب متقی بہت سی حلال چیزوں کو حرام میں پڑنے کے خوف سے ترک کر دیں۔

حلال و مباحات کے ترک کی ایک مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شکم سیر ہو کر مطاعم لذیذہ کھانا جائز و مباح ہیں۔ لیکن ایک متقی و پرہیزگار کبھی ایسے کھانوں کی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ جو دل کو سخت اور فیضان الٰہی کو باطل کر دیں۔ ایک متقی اُسی قدر کھانا کھاتا ہے۔ جس سے کسی قسم کی خرابی سستی اور کاہلی پیدا ہو کر نماز و عبادت ذکر الٰہی میں خلل واقع نہ ہو۔ چنانچہ صحیح حدیث ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "دلوں کو زیادہ کھانے پینے سے مردہ نہ بناؤ" (منہاج العابدین للغزالی) ؎

اندروں از طعام خالی دار　تا درو نورِ معرفت بینی

(۲) حضرت معاذ بن جبل رض سے روایت ہے کہ قیامت کے دن تمام بنی نوع انسان کو ایک وسیع میدان میں جمع کیا جائے گا۔ پھر ایک منادی یہ کہکر پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ یہ آواز سنتے ہی متقی رحمت ایزدی کے سایہ میں کھڑے ہو جائیں گے۔ تجلیات و انوار الٰہیہ سے مستفیض ہوں گے ایک لمحہ کے لیئے بھی انوار و برکات خداوندی ان سے علٰحدہ نہ ہوں گے۔

اس کے متعلق لوگوں نے حضرت معاذ بن جبل رض سے دریافت کیا کہ متقی کس گروہ کا نام ہے؟ آپ نے فرمایا متقی وہ لوگ ہیں جو شرک و بت پرستی سے بچتے ہیں اور رحمت خدائے واحد کے لئے خلوص دل سے عبادت کرتے ہیں (فتح العزیز)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رض سے کسی شخص نے تقوے کے معنی دریافت کیئے۔ آپ نے فرمایا کہ میاں تمہارا گزر کبھی پُرخار راستوں کی جانب ہوا ہی؟ اُسنے کہا ہاں۔ آپ نے کہا۔ پھر تم نے کیا عمل کیا۔ اُسنے جواب دیا کہ جس جگہ میں کانٹے دیکھتا وہاں سے بچکر نکل جاتا تھا۔ اور دوسرے راستہ سے ہو لیتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رض نے فرمایا بس یہی حقیقت تقوے کی ہے۔ جب تم دین کے معاملات میں اس قسم کی احتیاط عمل میں لاؤ گے تو تم متقی ہو جاؤ گے۔ (کتاب التقوی لابن ابی الدنیا رح)

(۴) حضرت عون ابن عبد اللہ رض سے روایت ہے کہ کامل تقویٰ یہ ہے کہ انسان ہمیشہ تقویٰ کی تلاش و جستجو میں منہمک رہے۔ اور اپنی دانست اور علم پر اکتفا نہ کرے۔ جیسا کہ حفظانِ صحت کا خواہشمند اور خائف مرض ہمیشہ مرض کے اسباب و علاج کو تلاش کرتا رہتا ہے اور اپنی دانست اور فہم پر اکتفا نہیں کرتا

(۵) حضرت عبد اللہ ابن مبارک رض سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص ننانوے گناہوں سے پرہیز کرے۔ در صرف ایک گناہ کا مرتکب ہو تو وہ مقدس و متقی نہیں ہو سکتا۔

ان ہی (رض) سے ایک اور روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رض نے ایک شخص کو نصیحت کے طور پر یہ لکھا تھا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ لِاَهْلِ التَّقْوٰی عَلَامَاتٌ یُعْرَفُوْنَ بِهَا صَبْرٌ عَلَى الْبَلَآءِ وَرِضًی بِالْقَضَآءِ وَشُکْرٌ لِلنَّعْمَآءِ وَذُلٌّ لِحُکْمِ الْقُرْاٰنِ	بعد حمد و ثنا (کے معلوم کرو) کہ متقیوں کی یہ علامات ہیں جنکی وجہ سے وہ پہچانے جا سکتے ہیں مصیبت کے وقت صبر کرنا قضاء الٰہی پر ہر وقت رضامند رہنا۔ نعمتوں پر شکر بجا لانا احکام قرآن کی اطاعت و تابعداری کرنا ۔
[تفسیر فتح العزیز]	

انہی سے دوسری روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان ع سے تقویٰ کے متعلق فرمایا کہ متقی تین علامتوں سے پہچانا جا سکتا ہے حسنِ توکل۔ حسنِ رضا۔ حسنِ زہد۔

(۶) حضرت سعید مقبری رض سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا۔ کہ اے معلم الخیر! مجھے بتلایئے کہ انسان کیونکر متقی ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو نہایت آسان بات ہے۔ جو یہ ہے کہ تمہارے دل میں خدائے واحد کی کامل طور پر محبت مرکوز ہو بعد ازاں اپنی قوت و قدرت کے موافق خدائے واحد کے لیئے خلوص دل کے کام کرتے رہو اور بنی نوع انسان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور جو چیزیں تم اپنے نفس کے لیئے پسند کرتے ہو وہ اوروں کے لیئے بھی پسند کرو اور جس چیز کو تم اپنے لیئے پسند نہیں کر سکتے اُسے تم دوسروں کیلئے

کبھی پسند نہ کرو۔ اگر تم ان طریقوں پر عمل کروگے تو بیشک تم حق تقویٰ ادا کر رہے ہو +

(۷) حضرت محمد بن یوسف فاریابی رحؒ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن حضرت سفیان ثوری رحؒ سے عرض کیا کہ جناب کا اسم گرامی تمام مخلوق نہایت تعظیم و تکریم سے لیتی ہے۔ اور ہر شخص سے ہر ایک معاملہ میں سفیان ثوری ہی سُنا جاتا ہے۔ اسکا کیا باعث ہے؟ میں تو بظاہر آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ رات کو سوتے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت سفیان رحؒ نے فرمایا۔ کہ خاموش رہو۔ اس معاملہ کا دار و مدار محض تقویٰ پر ہے۔

(۸) حضرت محمد ابن یزید رحبی رحؒ سے روایت ہے کہ ایک روز میں نے حضرت ابو درداء رضؓ سے عرض کیا کہ جناب! انصاریوں میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ جو شعر نہ کہتا ہو۔ مگر آپ کبھی شعر نہیں کہتے۔ حضرت ابو درداء رضؓ نے فرمایا۔ بھائی! شعر تو میں بھی کہتا ہوں مگر وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ شعراء زمانہ کی مجلس میں پیش کیے جاسکیں۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھے

يُرِيدُ الْمَرْءُ أَنْ تُعْطَى مُنَاهُ ۔ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا مَا أَرَادَا

انسان اپنی مرادوں کے حاصل کرنے کی آرزو کرتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہوتا سوائے اس کے جو وہ چاہے

يَقُولُ الْمَرْءُ فَائِدَتِي وَذُخْرِي ۔ وَتَقْوَى اللّٰهِ أَفْضَلُ مَا اسْتَفَادَا

انسان اپنا سود و نفع اور فائدہ ہی ڈھونڈتا ہے ۔ مگر حاصل یہ ہے کہ تقویٰ (اللہ تعالیٰ) سے ڈرنا سب سے بڑھ کر ہے

(۸) حضرت امام فخر الدین رازی رحؒ آیت هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ متقیوں سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو حق کی تلاش و جستجو میں صاف نیت ہیں۔ حق کے مقابلہ میں نفسانیت کو دخل نہیں دیتے۔ حق پر ور نہیں ہیں۔ ان کی عقل اور ان کا فہم آبائی اور بزرگوں کی تقلید سے پاک و صاف ہے۔ پس یہی جماعت قرآن کریم کی ہدایت سے بہرہ یاب ہوسکتی ہے [تفسیر کبیر]

(۹) حضرت ابن ابی شیبہ رحؒ سے اور ابو نعیم رحؒ سے روایت ہے کہ کوئی شخص متقیوں کے درجے کو نہیں پہونچ سکتا۔ تاوقتیکہ وہ ہر روز اپنے نفس سے محاسبہ نہ کرے جیسا کہ وہ اپنے شریک سے محاسبہ کرتا ہے تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ میرا کھانا کہاں سے ہے اور میرا پینا کہاں سے ہے۔ اور میرا لباس کہاں سے ہے۔ حلال سے ہے یا حرام سے ہے؟ -

(حلیۃ الاولیاء)

(۱۰) خلیفہ عبد الملک بن مروان کی مجلس میں ایک روز ایک حکیم حاذق آیا۔ خلیفہ نے اُس سے دریافت کیا کہ متقی کی کیا تعریف ہے؟ حکیم نے جواب دیا کہ متقی وہ شخص ہے کہ جو خدائے واحد کو مخلوق پر اور آخرۃ کو دُنیا پر ترجیح دے کر فضول مطالب و مطامع سے دست بردار ہو اور چشم دل سے روح کے مراتب عالیہ کو ملاحظہ کرتے ہوئے اُس کے کمال کی طرف متوجہ ہو۔ خلق خدا سو رہی ہو اور یہ ترقی اور کمال روح کے غم میں بیدار ہو۔ اس کے لیے صرف قرآن ہی باعث شفاء ہو اور دوا حکمت و نصیحت کی باتیں ہوں اس نعمت بے بہا کے بدلے دُنیا کو پسند نہ کرتا ہو اور اس سے بڑھ کر کسی اور لذت کو نہ سمجھتا ہو۔ خلیفہ کی مجلس میں اس وقت بہت سے بڑے بڑے تابعی رحؒ موجود تھے۔ سب نے ان کلمات کو بیحد پسند فرمایا۔ [فتح العزیز]

(۱۱) امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے فوجی سپہ سالار حضرت سعد بن وقاص غازی رضؓ کو جنگ کے متعلق ہدایات فرماتے ہیں۔ ان ہدایات میں سب سے زیادہ اہم و ضروری جو فرمان ہے وہ تقویٰ کے متعلق ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ "اے سعد! آج تک مذاہب باطلہ میں دین اسلام کو جو فتح و کامیابی حاصل ہوئی ہے اُس کا اصلی راز محض تقویٰ (خوف الٰہی) ہی تھا۔ ورنہ مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں کی افواج کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ اور مسلمانوں کا سامان حرب اور ان کی تیاری مخالفین اسلام کی مستعدی و تن دہی کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھی۔ جنگ بدر کا واقعہ تمثیل کے طور پر مسلمانوں کے لیے کچھ کم عبرت خیز نہیں۔ اُس وقت صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ مجاہد تھے اور وہ بھی فنون جنگ سے ناواقف اور محض بے سروسامان تھے۔ تمام لشکر میں کُل ستر اونٹ اور دو گھوڑے اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ مقابلہ میں نو سو پچاس ۹۵۰ جانباز مشرک جنگجو سب مسلح و ہتھیار بند۔ اور تمام ملک عرب ان کی پُشت پر۔ د کے لیے تیار تھا۔ پھر بھی فتح و نصرت مسلمانوں ہی کے شامل حال رہی۔ اس کا سبب محض تائید الٰہی اور تقویٰ ہی تھا"

قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے حضرت عمرؓ کا فرمان ذیل میں درج کیا جاتا ہے چونکہ محض ترجمہ سے واقعی لطف و خوبی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اصل عربی فرمان مع ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کا فرمان

كِتَابُ عُمَرَ إِلَى سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍؓ

(حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا فرمان سعد ابن ابی وقاصؓ کے نام

أما بعد فإني آمرك ومن معك من الأجناد بتقوى الله على كل حال. فإن تقوى الله أفضل العدة على العدو وأقوى المكيدة في الحرب وآمرك ومن معك أن تكونوا أشد احتراسا من المعاصي منكم من عدوكم. فإن ذنوب الجيش أخوف عليهم من عدوهم ولولا ذالك لم يكن لنا بهم قوة لأن عددنا ليس كعددهم ولا عدتنا كعدتهم فإن استوينا في المعصية كان لهم الفضل علينا في القوة وإلا ننصر عليهم بفضلنا لم نغلبهم بقوتنا فاعلموا أن عليكم في سيركم حفظة من الله يعلمون ما تفعلون فاستحيوا منهم. واسألوا الله العون على أنفسكم كما تسألونه النصر على عدوكم أسأل الله ذالك لنا ولكم وترفق بالمسلمين في سيرهم. ولا تجشمهم مسيرا يتعبهم. ولا تقصر بهم عن منزل يرفق بهم حتى يبلغوا عدوهم. والسفر لم ينقص قوتهم فإنهم

بعد حمد و صلوٰۃ کے میں تم کو اور اُن فوجی سپاہیوں کو جو تمہارے ساتھ ہیں حکم دیتا ہوں کہ ہر حالت میں تقویٰ کو نہ چھوڑیں کیونکہ تقویٰ (خوف خدا) دشمن کے مقابلہ میں تمام تیاریوں سے بڑھکر ہے اور میدان جنگ میں نہایت ہی عمدہ چال ہے۔ اور میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو یہی حکم دیتا ہوں کہ تم اپنے دشمن کی بہ نسبت اپنے گناہوں کے زیادہ نگہبان رہو۔ کیونکہ لشکریوں کے گناہ ان کے دشمن سے زیادہ خوفناک ہوتے ہیں اور اگر ہم متقی و پرہیزگار نہ ہوتے تو ہمیں کبھی کسی قسم دشمنوں کے مقابلہ میں قوت حاصل نہ ہوتی کیونکہ ہماری تعداد ان کی تعداد (بے شمار) کے موافق نہیں ہے۔ اور ہمارا سامان حرب بھی ان کے سامان کی برابر نہیں ہے۔ پس اگر ہم معصیت و گناہگاری میں مخالفین اسلام کی برابر ہو جاویں تو اُن کو تعداد و قوت کے لحاظ سے ہم پر فضیلت و فوقیت ہوگی۔ اور جس صورت میں ہم نیک ہونگے تو ہم اپنی فضیلت و بزرگی کی وجہ سے ان پر فتح پائیں گے کیونکہ تعداد و قوت کے باعث ہم ان پر غالب نہیں ہو سکتے تمہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفر کی حالت میں بھی تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں جو تمہارے کاموں کو جانتے ہیں پس تم ان سے شرم کرتے رہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے نفسوں کے خلاف مدد طلب کرتے رہو جیسا کہ تم اپنے دشمن پر فتح مندی کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہو میں بھی اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے اور اپنے لئے یہی دعا مانگتا رہتا ہوں۔ اور سفر اور کوچ کی حالت میں تم مسلمانوں کے ساتھ نرمی اختیار کرو اور انہیں ایسے ناقابل برداشت سفر کی تکلیف نہ دو جو انہیں تھکا دے اور ان کو ایسی منزل سے نہ روکو جو انکو آرام دے پس اس صورت میں وہ اپنے دشمن تک ایسی حالت میں پہونچینگے کہ سفر نے ان کی قوت کو کم نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ ایسے دشمن کی طرف چلے جا رہے

سائرون إلى عدو مقيم حامي الأنفس والكراع. وأقم بمن معك في كل جمعة يوما وليلة حتى تكون لهم راحة يحيون فيها أنفسهم ويرمون أسلحتهم وأمتعتهم. ونح منازلهم عن قرى أهل الصلح والذمة فلا يدخلها من أصحابك إلا من تثق بدينه. وليكن عندك من العرب أو من أهل الأرض من تطمئن إلى نصحه وصدقه فإن الكذوب لا ينفعك خبره وإن صدقك في بعضه وليكن منك عند دنوك من أرض العدو أن تكثر الطلائع وتبث السرايا بينك وبينهم. ثم أذك أحراسك على عسكرك وتيقظ من البيات جهدك والله ولي أمرك ومن معك وولي النصر لكم على عدوكم والله المستعان

(عمر الفاروق)

ہیں جو مقیم ہے اور جو جانوں اور گھوڑوں کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اور جمعہ کے دن تم تمام دن رات مع اپنے ہمراہیوں کے ٹھہرے رہو۔ تاکہ یہ اقامت اُن کے لئے باعث آرام ہو جس کے اندر وہ اپنی جانوں سے محبت کریں (یعنی اپنے نفس کو آرام دیں) اور ہتھیار و اسباب کو اُتار کر رکھدیں۔ اور اُن کے پڑاؤ اور اُن کے منازل کو اہل ذمہ اور اہل صلح والے لوگوں کی بستیوں سے دور رکھو۔ نیز ان بستیوں میں اپنے ساتھیوں میں سے بجز اُس شخص کے اور کوئی داخل نہ ہو جسکے دین پر تمکو بھروسا ہو نیز تمہارے پاس عربوں یا دوسری سرزمین کے لوگوں میں سے خبر رسانی کیلئے ایسے نیک آدمی ہونے چاہئیں جن کی سچائی اور خیر خواہی کی بابت تمکو کامل اطمینان ہو۔ کیونکہ جھوٹا آدمی کبھی مفید نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ بعض خبروں میں سچا ہی ہو نیز جب تم دشمن کی سرزمین کے قریب پہونچو تو سب سے پہلا تمہارا یہ فرض ہونا چاہئیے کہ تم بہت سے جاسوس روانہ کرو اور اپنے اور اپنے دشمن کے درمیان بکثرت فوج کے دستوں کو پھیلا دو پھر پہرہ داروں کو اپنے لشکر کی حفاظت کیلئے مقرر کر دو اور شبخون سے اپنی کوشش کو بیدار رکھو (اور ہر ممکن احتیاط کرو) اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا حقیقی مددگار ہو اور دشمن پر تمہاری فتح کا ذمہ دار و حامی رہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سے ہر حال میں اپنی مدد چاہی جاتی ہے۔ فقط +

اِس سے واضح ہے کہ ایک مسلمان جنگ و امن۔ سفر و حضر کسی وقت اور کسی حال میں تقویٰ اور خوفِ الٰہی کو ترک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بجز تقویٰ و پرہیزگاری کے دینی و دُنیوی کسی قسم کی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی ہے

وَ إِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا

(اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو اُن (دشمنوں) کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دیگا)

امام حجۃ الاسلام

حضرت محمد بن الغزالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ تقویٰ ایک بہت نایاب خزانہ ہے۔ جسے یہ حاصل ہوگیا اُس نے دین و دنیا کی تمام بھلائیاں جمع کرلیں تقویٰ سے بھولکر بھی بے نصیب نہ ہونا چاہیئے۔ تمام عابد تقویٰ کی خواہش کرتے ہیں اور اس کے لیئے ہمیشہ بارگاہ رب العزت میں عاجزی کیا کرتے ہیں۔

پس اگر تم عبادت گزار اور عابد بننا چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو۔ کیونکہ بجز تقوے اور پرہیزگاری کے انسان کا کوئی عمل مقبول نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (اللہ تعالیٰ تو متقیوں کے سوا اور کسی کے اعمال قبول ہی نہیں کرتا)۔

پس عبادت کی قبولیت کا دارومدار تقوے پر ہے۔ اگر تم نے تمام عمر عبادت کی بیحد تکلیف اُٹھائی۔ مگر تقویٰ نہیں تو ساری عبادت ہیچ ہے۔

حکایت

ایک بزرگ نے اپنے پیر سے عرض کیا کہ جناب مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ پیر نے کہا۔ میں تم کو وہ وصیت کرتا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمام اگلی پچھلی اُمتوں کو وصیت فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے۔ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ (جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں) اُن کو اور تم کو ہم نے وصیت کی ہے کہ تقویٰ اختیار کرو)

پس سب خوبیوں کو جامع۔ ثواب میں زیادہ۔ عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت۔ جہان بھر کی تمام خصلتوں میں بہتر۔ بندے کے لیئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ ہی ہے (اختصار از منہاج العابدین الغزالیؒ)

سند رجۂ بالا تقریر سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ خدا اور رسول خدا ائمہ کرام بسلف صالحین کے نزدیک سب سے زیادہ مقدس بزرگ وہ شخص ہے جو متقی و پرہیزگار ہے۔

پس واعظ ہو۔ یا مولوی۔ صوفی ہو یا بزرگ۔ پیر ہو یا مرید۔ اُستاد ہو یا شاگرد۔ جب تک کوئی شخص قرآن شریف کی رسی کو مضبوط نہ پکڑے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار نہ کرے۔ فرمان نبوی کے مطابق عملدرآمد نہ کرے۔ ہرگز فلاح و کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ اور نہ مقدس بزرگ کہا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اسکے رسول کی پیروی کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے اور تقویٰ وَيَخْشَى اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ کرتے ہیں وہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے حالات

ایک تاریخ داں سے مخفی نہیں ہے۔ آپ کی بعثت و نبوت سے پیشتر اہل عرب طرح طرح کی رسمیات و بدعات۔ بت پرستی و شرک و خود ستائی و خویشتن بینی دخترکشی۔ تفاخر بالنسب وغیرہ مذمومات کے مرتکب اور انہی کو باعث تقدس سمجھتے تھے۔ اور یہی چیزیں ان کے لیئے مایۂ ناز تھیں۔

اسلام نے سب سے پہلے ان ذمائم و قبائح کی بیخکنی کے لیئے بیڑا اُٹھایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برائیوں کی تردید اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا تو تمام عرب آپ کے مقابلہ کے لیئے کمربستہ ہوکر کھڑا ہوگیا قتل کرنے۔ وطن سے نکالنے۔ غرض آپ کے لیئے طرح طرح کے منصوبے باندھے جاتے۔ اور قسم قسم کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذائیں پہونچائی جاتیں۔ آپ کی قوم نے آپ کی قومیت کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ خود آپ کے حقیقی چچا ابوجہل نے نہایت بے دردی سے آپ کو ستایا ہے۔ ابوجہل ہی نے حضورؐ کے قاتلوں کے لیئے انعام دیئے جانے کا اعلان کیا تھا۔ کفار و مشرکین مرتدین و منافقین۔ کلام الٰہی اور فرمانِ رسولؐ کی بُری طرح توہین کرتے بے پروائی سے اس کان سنکر اُس کان اُڑا دیتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے (نعوذ باللہ منہا) قرآن شریف محض پرانی داستانوں کا ایک ڈھکوسلا ہے وَقَالُوْا إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ (کفار کہا کرتے تھے یہ قرآن شریف تو کچھ نہیں۔ مگر اس میں تو پہلے لوگوں کے محض افسانے ہی افسانے ہیں)

پس اگر مقدس اسلام کا سچا مصلح تقویٰ کے انتہائی درجات کمال کو پہونچا ہوا نہ ہوتا۔ پرہیزگاری کے شعار سے آراستہ نہ ہوتا تقدس و زندگی کے اوصاف حمیدہ سے خالی ہوتا۔ اور آپ کی کوشش و تبلیغ محض ذاتی وجاہت آبائی عزّ و وقار اور خودغرضی پر مبنی ہوتی تو کبھی آنحضورؐ عزم بالجزم اور استقلال کے ساتھ کام نہ کرسکتے۔ اور اتنی بڑی کامیابی کبھی نصیب ہوتی وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ +

وہ مقدس رسول روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کی تکذیب و توہین اور اُن کے سب و شتم لعن و طعن کی کچھ پرواہ نہ کرتا تھا۔ ابتدائی حالت میں آپ کا کوئی معین و مددگار نہ تھا۔ تقویٰ اور تائید الٰہی ہی آپ کی ہمت

پڑھاتی رہی +

سب سے پہلے آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق آنحضورؐ کی پیاری بیوی اُمّ المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے کی - آپ ہمیشہ اپنے مقدس و برگزیدہ شوہر کے عزائم و ارادوں کو مستحکم کرنے کے لیے یہ الفاظ فرمایا کرتی تھیں۔

وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ [صحیحین]

(خدا کی قسم - اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا (کیونکہ میں دیکھتی ہوں) کہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں - سچ بولتے ہیں (لوگوں کے لئے) مصیبت جھیلتے ہیں - مفلس و بیکسوں کی اعانت و دستگیری کرتے ہیں - مہمان نوازی کرتے ہیں - مصیبت کے وقت حق بجانب لوگوں کی مدد کرتے ہیں)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کی ابتدائی حالات پر نظر دوڑائی جاتی ہے تو واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ کے پاس نہ تو سامان حرب تھا - نہ بہت بڑا جرار لشکر - آپ محض تن تنہا تھے تمام زمانہ آپ کا دشمن - آپ کے ایمان و اسلام کا دشمن - تمام قومیں آپ کو اور آپ کے مقدس اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتی تھیں

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ (کفار یہ چاہتے تھے کہ خدا کے نور (اسلام) کو اپنے مُنہ کی بھاپ سے بجھا دیں)

پھر بھی تمام مخالفین اسلام کے خلاف حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی بڑی ترقی نصیب ہوئی - یہ کیوں؟ محض اتقاء و پرہیزگاری کی وجہ سے -

جب مکہ مکرمہ (زاد اللہ شرفاً وتعظیماً) سے کفار کی ایذا دہی کے باعث آپؐ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تو سب سے پہلا خطبہ اور سب سے پہلا وعظ جو اہل مدینہ کو آپؐ نے فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ لوگو! تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو - آپؐ فرماتے ہیں :-

وَاُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَاِنَّهٗ خَيْرُ مَا اَوْصٰى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ اَنْ يَّحُضَّهٗ عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنْ يَّأْمُرَهٗ بِتَقْوَى اللّٰهِ +

مسلمانو! میں تمہیں تقویٰ - اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں - کیونکہ سب سے بڑھکر وصیت جو مسلمان مسلمان کو کر سکتا ہے یہ ہے کہ اسے آخرت کے لئے آمادہ کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بابت حکم کرتا رہے -

پھر اسی خطبہ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

وَاِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ لِمَنْ عَمِلَ عَلٰى وَجَلٍ وَّمَخَافَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ عَوْنُ صِدْقٍ عَلٰى مَا تَبْتَغُوْنَ مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ +

اور بے شک جو شخص آخرت کے کام میں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرکے ڈر کر کام کر رہا ہے اُسکے لئے پرہیزگاری معین و مددگار ثابت ہوگی +

پھر تیسری جگہ اسی خطبہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَاِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُبَيِّضُ الْوُجُوْهَ وَيُرْضِي الرَّبَّ وَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ (تفسیر قرطبی)

بیشک تقویٰ ہی چہروں کو درخشاں اور پروردگار کو خوشنود اور مرتبہ کو بلند کرتا ہے -

پس ہر طرح کی تائید و کامیابی - ہر طرح کی فلاح و بہبودی متقیوں ہی کو حاصل ہوسکتی ہے - اگر ہم دین و دُنیا میں عزت و برتری کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو تقوے اختیار کریں - ارشاد باری ہے

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۵ [نحل - ع - پ]

اللہ تعالیٰ تو بس ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو نیک کام کرتے ہیں)

ضروری بات

اس جگہ یہ امر بھی واضح کر دینا نہایت ضروری ہے کہ تقویٰ کے لئے کوئی خاص وقت - خاص زمانہ یا خاص جماعت اور خاص گروہ کی ضرورت نہیں ہر ایک مسلمان بجائے خود قرآن و حدیث کے موافق عملدرآمد کرکے متقی و پرہیزگار بن سکتا ہے - چنانچہ ایک سوداگر کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ معاملات بیع و شریٰ خرید و فروخت میں دیانتداری برتتا ہوا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے نماز روزہ کا پابند خدا اور رسول خدا کی اطاعت و پیروی سے کبھی انحراف نہیں کرتا جو کچھ کماتا ہے اُس سے غربا و مساکین اور اپنے عزیزوں کی خبرگیری کرتا ہے پس یہ سوداگر یقیناً متقی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات و برکات کا مستحق ہے کہ اس کی غیب سے مدد کی جائے - ارشاد باری ہے :-

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ [طلاق - ع - پ]

جو شخص تقویٰ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکو تمام سختیوں سے نجات دیتا اور اُس کو ایسی جگہ سے روزی پہونچاتا ہے کہ جہاں سے اُسکو گمان بھی نہیں ہو سکتا)

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضہ

خلیفۂ اوّل بزازی کرتے تھے - بازار جاکر خود کپڑا فروخت کرتے تھے - ایک روز حسب معمول آپ تجارت کی غرض سے چادریں لیے ہوئے بازار جارہے تھے تو راستے

میں حضرت عطا، ابن سائب صحابی رضہ مل گئے۔ حضرت ابوبکر رضہ سے فرمانے لگے۔ اے جناب! آپ مسلمانوں کے بادشاہ ہو کر بھی چادریں بیچتے رہیں گے اَتَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ وُلِّيْتَ اَمْرَ الْمُسْلِمِيْنَ (کیا یہ کام مسلمانوں کے حاکم ہو نیکے بعد بھی کرتے رہوگے) امیرالمومنین حضرت ابوبکر رضہ نے جواب دیا کہ اگر میں بزازی نہ کروں۔ کپڑے کی سوداگری چھوڑ دوں تو پھر اپنے بچوں کو کہاں سے کھلاؤں۔ فَقَالَ فَمِنْ اَيْنَ اُطْعِمُ عِيَالِيْ [تاریخ الخلفاء]

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن الخطابؓ

خلیفۂ ثانی خشت پزی کیا کرتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے اینٹیں پاتھا کرتے تھے ایک روز کا ذکر ہے کہ اسی حالت میں تھک کر آرام لینے کی غرض سے دوپہر کے وقت کسی درخت کے سایہ میں ذراسی دیر کے لیے لیٹ گئے۔ تھکان کی وجہ سے نیند آگئی مسلمانوں اور اسلام کا دشمن خونخوار و سفاک انعام کے لالچ میں تیغ براں لیے ہوئے آپ کی طرف بڑھا چلا آتا ہے۔ امیرالمومنین کو بیخبر پاکر اس کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ مگر جوں جوں قریب آتا جاتا ہے۔ اس کی بسالت و بہادری شجاعت و مردانگی۔ جبن و بزدلی سے بدلتی جاتی ہے۔ آخرکار ہیبت و خوف و ہراس کی وجہ سے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

پس وہ کونسی قوت و طاقت تھی کہ جس نے ایک نہتے اور بے سروسامان مسلمان پر ایک مسلح بہادر کو حملہ آور نہ ہونے دیا۔ وہ محض امیرالمومنین کا تقویٰ اور آپکا تقدس تھا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ [بقرہ] پرہیزگاروں ہی کیساتھ ہے۔ ۱۲ اسی طرح ہر ایک پیشہ ور ہر ایک حاکم و محکوم علی قدر مراتب متقی و پرہیزگار رہ سکتا ہے

ایک حاکم کا تقدس و تقویٰ

یہ ہے کہ عزیزین میں سے کسی اہل غرض کی رو رعایت نہیں کرتا۔ جو خدمت اسکے سپرد ہے بمقتضاء آیت فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ اس کی بجا آوری میں دل و جان سے سعی و کوشش کر کے حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھاتا ہے۔ خدا کے بندوں پر کبھی تشدد و ظلم نہیں کرتا۔ اپنے محکوموں کو اپنا قوت بازو خیال کر کے ان کی عزت و حرمت کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بھی عام انسانوں کی طرح ایک عاجز انسان ہوں۔ افسری و حکومت عطیۂ الٰہی ہے۔ پس میرا فرض ہے کہ اس عطیہ کے شکریہ میں کبھی بنی نوع انسان پر ظلم و ستم جبر و اکراہ روا نہ رکھوں۔ یہ حاکم کبھی کسی سے رشوت نہیں لیتا۔ الغرض احکام خداوندی اور فرامین شریعت کی کماحقہ رعایت رکھتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے راستی و دیانت کا خیال رکھتا ہو تو یہ حاکم بیشک ایک بہت بڑی خدمت انجام دے رہا ہے اور مقدس و متقی کہلانے کا مستحق ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ (انصاف کرو کیونکہ انصاف کرنا ہی تقوے کے بالکل قریب ہے۔

عالم و واعظ

پیر و مرشد۔ مضمون نگار اور ایک ایڈیٹر ان لوگوں کا تقویٰ و تقدس یہ ہے کہ کسی کے دباؤ یا ذاتی اغراض کی وجہ سے ضمیر فروشی نہیں کرتے۔ ہمیشہ وہی کہتے ہیں جو خلق خدا کے لیے سودمند ہو۔ جو کچھ یہ کہتے ہیں۔ اس پر خود بھی عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ (ہم بے فائدہ علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں) ان لوگوں کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ ان کی زبان ان کے دل کی موافقت نہ کرے۔ ان بزرگوں کو مندرجہ ذیل آیت کا مصداق نہ بننا چاہیئے۔ ارشاد باری ہے

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ کیا تم دوسرے لوگوں سے نیکی کرنے کو کہتے ہو
وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ اور اپنے نفسوں کو بھولے بیٹھے ہو۔ حالانکہ تم
وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ کتاب الٰہی بھی پڑھتے رہتے ہو۔ کیا تم
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ [بقرہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ؟۔
ع ۵۔ پ ۱]

جب یہ امر مسلم ہے کہ بجز تقویٰ اور پرہیزگاری کے ہم کسی قسم کی ترقی نہیں حاصل کر سکتے۔ نیز دین و دنیا کی بھلائیاں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی۔ رسول اللہ کی رضامندی بھی محض تقویٰ پر موقوف ہے۔ ارشاد باری ہے :۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ جو لوگ ایمان والے اور متقی ہیں۔ انہی
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ کے لیے دنیا و آخرۃ میں خوشی و خوشخبری
الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۝ ہے ۝

تواب جناب باری میں صدق دل سے ہماری یہ دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے نیک۔ متقی و مقدس بندوں کے قدم بقدم چلنے۔ تقویٰ اور اطاعت شعار۔ عبادت گزار ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

اُحِبُّ الصّٰلِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ[1]
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

واٰخر دعوانا اَنِ الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وّاٰلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ۝

فقیر **عبدالتواب** غفر اللہ لہ ولوالدیہ

[1] میں نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہوں اگرچہ میں ان میں سے نہیں ہوں مگر اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے بھی صلاحیت و تقویٰ عطا فرمائے ۱۲

پختہ مقبرے اور خانقاہیں

بُرا وقت آتا ہے تو اچھی تدبیریں بھی اُلٹا اثر دکھاتی ہیں۔ مسلمانوں میں ادبار ہے تو جو صورتیں اصلاح کے لیئے اختیار کی جاتی ہیں وہ اُلٹا نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ اس وقت قریب قریب تمام شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم ہوئی ہیں۔ لیکن انکے ساتھ باہمی اختلافات کی بنیادیں بھی قائم ہوگئی ہیں۔ حال میں غازی پور کے اختلافات نے نہایت خطرناک صورت اختیار کی ہو۔ ع - شربت سرکنگبیں صفرا افزود۔

کہا جاتا ہے کہ "مزارات کو مسمار نہ بنانا چاہیئے" یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے مگر اس بُرے طور سے زیر بحث آیا کہ قبہ شریف مزار آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی گو زیر بحث نہیں آیا لیکن زیر تذکرہ آگیا۔ اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہو کہ کچھ تاریخی حالات بیان کرکے اس پر روشنی ڈالی جائے +

آنحضرت ؐ نے جو روح عرب میں پھونکی تھی اُس کا نتیجہ لازمی تھا کہ عرب کو تمام دُنیا کی شہنشاہی حاصل ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آنحضرت امرائے عرب سے برابر کہتے تھے کہ تم مساکین عرب کو صدقات دینے میں جلدی کرو۔ کیونکہ عنقریب وہ وقت آنیوالا ہے کہ عرب میں کوئی صدقہ لینے والا نہ ملے گا۔ اس سے صریح ظاہر ہو کہ آنحضرت ؐ کو یقین تھا کہ عربوں کی مالی حالت میں عنقریب تمول ایک انقلاب عظیم پیدا کرنے والا ہے۔ آنحضرت ؐ کو یہ بھی معلوم تھا کہ تمول عرصہ تک ایک ہی قوم میں نہیں رہتا اس لیئے آنحضرت ؐ نے اپنی قوم کو وہ طریقے بھی تعلیم کیئے جن پر چلنے سے تمول کو پائداری ہو۔ وہ طریقے یہ تھے :-

(۱) کھانے سادے ہوں۔ آٹے سے چوکر جدا نہ ہو کھانے کئی قسم کے نہ ہوں۔ تاکہ ہضم میں فتور نہ ہو جسم میں طاقت رہے۔ محنت اور مزدوری کرنے کی عادت باقی رہے عیش پسندی کی طرف طبیعت راغب نہ ہو کیونکہ کسی قوم میں آرام طلبی اور عیش پسندی جب آتی ہے تو پھر آزادی باقی نہیں رہتی - اور کسی غیر قوم کی غلامی اُس کے لیئے لازم ٹھہرتی ہے۔ عیش پسندی خدا کو بھلا دیتی ہے اور خدا کو بھولنے والی قوم وراثت ارض کے قابل نہیں رہتی۔ ممکن ہے کہ نتیجہ جلد ظاہر نہ ہو مگر اس مقولہ میں کبھی فرق نہیں پڑتا۔

(۲) مکانات کو بہت شاندار بنانا نہ چاہیئے۔ کیونکہ یہ بھی آرام طلبی اور عیش پسندی میں مدد کرتا ہو اور خدا سے دوری پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت ؐ کے مکانات بہت سادے تھے اور آنحضرت ؐ کے اصحاب کے مکانات بھی سادہ اور بقدر ضرورت وسیع ہوتے تھے حضرت عمر کے زمانہ میں عامل کوفہ نے ایک شاندار مکان بنایا تھا جب حضرت عمرؓ نے گروا دیا اور جب ظاہر کی کہ ایسے شاندار مکان تک مظلوموں کی فریاد بآسانی نہ پہونچیگی مگر اصولاً یہ وجہ مفصلہ بالا وجوہ میں داخل ہو:-

(۳) ملبوسات میں تامدانی اور ریشمی کپڑوں سے اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ عیش پسندی کی طرف مائل کرتے ہیں اور یاد خدا سے دور لے جاتے ہیں +

(۴) عبادتگاہوں کی زینت نقش و نگار اور فرش سے نہیں ہوتی بلکہ عابدان باصفا کی جبہ سائی سے ہوتی ہے مسجد نبوی کی چھت کھجور کی لکڑیوں اور پتوں کی تھی اور فرش کنکریوں کا تھا حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کو شاندار بنایا تو حضرت ذوالنون مصری نے اُسے دیکھکر گریہ کیا۔ اور شیعوں میں سجدہ گاہ پر پتہ یا مٹی رکھ لینا اُسی خیال کی تائید میں کہا جاسکتا ہو جو حضرت ذوالنون مصری نے ظاہر کیا تھا لیکن جمہور نے حضرت عثمانؓ کی رائے سے اختلاف نہیں کیا اور اجتہاد عثمانی کی تبعیت کی۔

ہر حالت کا ایک مقتضا ہوتا ہے۔ جب بجائے مدینہ تمام عرب شام۔ مصر۔ ایران وغیرہ وغیرہ ممالک کے لوگ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لیئے آتے تھے تو کیا ایسی حالت میں مسجد نبوی کا وسیع تر کرنا اور مستحکم بنانا مناسب وقت نہ تھا۔

(۵) آنحضرت ؐ کے زمانہ میں قبریں بہت سادہ طور پر بنتی تھیں اگر آنحضرت قبروں کو مزین کرتے تو پہلے شہدائے بدر کے مقبرے بنواتے۔ خود آنحضرت ؐ اور خلفائے اربعہ کی قبروں کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ ان قبروں کی سادگی کچھ تو اس اُصول پر تھی کہ مسلمانوں کو اپنی تمام چیزوں کو سادہ رکھنا چاہیئے اور کچھ اس خیال سے بھی تھی کہ لوگ قبروں کی پرستش نہ کریں اور سمجھیں کہ روح خدائے پاک کے حضور میں یا علیین میں پہونچی اور جسم خاکی خاک میں مل گیا لیکن زمانہ مابعد میں آنحضرت کا قبہ شریف اہتمام بلیغ سے بنایا گیا۔ گو کعبہ شریف میں کچھ زیادہ ردوبدل نہیں ہوا۔ لیکن اسکے متعلقات میں بجید رونق بڑھائی گئی اور جمہور اسلام نے اسے پسند کیا جمہور اسلام کی پسندیدگی اہل سنت الجماعت کے نزدیک ایک اہم اور محترم امر ہے۔ بہرحال آنحضرت ؐ کے بعد مسلمانوں کی زندگی روز بروز شاندار ہوتی گئی اور زمانہ مابعد میں مقابر کے پختہ اور شاندار بنانے کا دستور یہاں تک بڑھا کہ مشہور بزرگان دین کے مزار کہیں بھی ایسے نہ ہوں جو پختہ نہ ہوں اس خواہش میں عام و خاص کی حالت یکساں ہو۔

قول فیصل

کھانا سادہ رکھنا چاہیئے کہ انگلیوں سے کھایا جائے لیکن کھانا جب فرنچ ہوا تو انگلیوں کو آلودگی سے بچانے کے لیئے کانٹے اور چمچے کا استعمال ہو تو کیا بُرا ہے۔ اسی طرح جب ہمارے مکانات موتی محل ہیں اور ہماری مسجدیں سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی ہیں تو ہمارے بزرگوں اور اولیاء کے مقبرے بھی شاندار ہوں تو اُصول تناسب کے باہر نہیں ہیں اور قابل قربانی ہیں بشرطیکہ وہ معابد نہ بنائے جائیں + (ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ ہے

السیرۃ المحمدیہ و خصائص النبوۃ

افادۂ انام

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ [پ ۱۹۔ النمل ع ۱۶]

اے پیغمبر! لوگوں کو وہ واقعہ یاد دلاؤ جب موسیٰ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھکو آگ سی دکھائی دیتی ذرا ٹھہرو تو میں وہاں سے تمہارے پاس رستہ کی کچھ خبر لاؤں یا ہو سکے تو ایک سلگتا ہوا انگارا تمہارے پاس لے آؤں تاکہ تم تاپو سینکو۔ آرام پاؤ +

غور کرو امراء و عظما خود کام کرنا کسر شان سمجھتے ہیں بلکہ عام دستور کہ اپنے رفقا۔ غربا۔ ماتحتوں اور ادنیٰ درجہ و رتبہ کے لوگوں کو کام کے لیئے بھیجتے ہیں مگر انبیاء کرام علیہم السلام ہر مفید مشکل اور ضروری کام کا سرانجام اپنے ذمہ سمجھتے ہیں۔ ان کی زندگی کے مقاصد و اغراض ہی یہ ہیں کہ ہر فرد بشر کو آرام پہونچائیں۔ اسی بناء پر ان کو خود کام کرنے سے عار نہیں ہوتی۔ جناب موسیٰ علیہ السلام سردی کے موسم میں رات کے وقت اثناء سفر میں رستہ سے ناآشنا ہیں۔ آگ سی نظر آتی ہے۔ ہمراہیوں کو نہیں کہا کہ جاؤ وہاں سے آگ لاؤ کہ سینکیں۔ اور جو آدمی آگ جلا رہے ہیں ان سے رستہ بھی دریافت کراؤ یہ ایک ضروری و مفید کام تھا۔ پر مشکل بھی۔ خود کمر ہمت باندھی۔ اور سرانجام دینے کے لیئے روانہ ہوئے۔

حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا سرور انبیاء ہیں۔ آپکو ظاہری اور باطنی طور پر انتہائی درجہ کا ارتفاع حاصل ہے۔ آپ کا وجود باجود خیر مجسم اور مقربین سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ آپ بادشاہ ہیں پیغمبر ہیں سپہ سالار ہیں۔ آقا ہیں۔ تاہم آپ کی مبارک زندگی میں اس قسم کے بیشمار واقعات وقوع پذیر ہوئے جن میں آپ نے خدام و رفقاء کو کام کے لیئے ارشاد نہیں فرمایا۔ بلکہ خود اپنے ہاتھ سے کام انجام دیا۔ اور متعلقین کو آرام و راحت پہنچانے میں مسابقت فرمائی۔ چند واقعات قارئین کرام کی رشد و ہدایت کے لیئے ذیل میں درج ہیں۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت میں داخل تھا کہ معمولی سے معمولی کاروبار میں بھی کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔ بلکہ اپنے خادم کو اس کے کام میں مدد دیتے گھر میں صفائی تک اپنے ہاتھ سے کر لیتے۔ بازار سے سودا سلف خود جاکر خرید لیتے مویشی کو چارہ خود ڈالتے۔ اونٹ کو خود باندھتے۔ اپنے خادم کے ساتھ بیٹھکر کھانا تناول فرماتے۔ اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے۔ بکری دوہ لیتے۔ اپنے کپڑوں سے جوئیں خود دیکھتے۔ اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے +

ایک دفعہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ جنگل میں تھے۔ کھانا پکانے کے وقت تمام صحابہ پر کام تقسیم کر دیا۔ بالآخر فرمایا کہ اب اور تو سب کام تقسیم ہوگئے ہیں۔ صرف لکڑیاں کاٹکر لانا باقی رہ گیا ہے۔ یہ کام میں خود کر دونگا۔ میں لکڑیاں کاٹکر لاؤنگا اس سے سب لوگوں پر حالت حیرت و استعجاب طاری ہوگئی کہ سب سے مشکل کام آپ نے اپنے لیئے رکھا۔ کیسا پاک نمونہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ +

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ کے پاس کوئی خادم نہ تھا۔ ابو طلحہ (حضرت انس کی ماں کے دوسرے خاوند تھے) نے میرا ہاتھ پکڑا اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! انس فہیم و باتمیز لڑکا ہے۔ آپ کی خدمت میں رہے گا۔ اور جو کچھ آپ ارشاد فرمائینگے بجا لائے گا۔ حضرت انس کہتے ہیں اس کے بعد میں سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا۔ آپنے دس برس کی مدت میں کبھی مجھے نہیں فرمایا کہ تونے یہ کام ایسا کیوں کیا ہے؟ جب میں کوئی کام کر چکا۔ اور جس کام کو

میں نے نہیں کیا۔ اُس کی نسبت یہ نہیں فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ غور کرو کیا کوئی فرد بشر اتنی نفس کشی پر قادر ہو سکتا ہے۔ آقا کو کسی نہ کسی وقت اپنے خدام پر غصہ آہی جاتا ہے۔ اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر باز پرس کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دس برس تک خدمت کرنے کا شرف حاصل رہا۔ اس عرصہ میں کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُف تک نہ فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ ؕ

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح حسن وجمال اور جود وسخا میں سب لوگوں میں ممتاز تھے۔ اسی طرح آپ اشجع الناس بھی تھے۔ چنانچہ ایک کتاب میں ہے کہ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ اہل مدینہ رات کے وقت ایک آواز سنکر ڈر گئے کہ کہیں کوئی غنیم تو حملہ آور نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک ننگے گھوڑے پر سوار ہوئے اور یکہ و تنہا بنفس نفیس اُس کو دوڑاتے ہوئے تفتیش وتحقیق کے لیئے بستی سے باہر نکل گئے۔ لوگ بھی پیچھے پیچھے سوار ہو کر گھوڑے دوڑاتے چلے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر ننگی پیٹھ سوار ہیں اور تلوار لٹکائے ہوئے واپس تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ ڈر نہیں۔ غور کرو۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ رعایا و برایا کو دن رات دشمن کے حملے کا ڈر ہے بلا دھڑک اپنی جان جوکھوں میں ڈالکر راعی کا دریافت حال کے لیئے خود تشریف لیجانا اور رعایا کے کسی فرد کو تکلیف نہ دینا کمال شجاعت پر دال ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اسلام کے اولین مقدس بادشاہ کو کافۂ انام کے آرام کا کس قدر خیال تھا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

ہجرت کے چوتھے برس ابو سفیان مخالفین و معاندین اسلام کے بہت سے گروہوں کو بہکا کر مدینۂ منورہ پر چڑھا لایا تھا اسی بنا پر اس کو جنگ احزاب کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے اس لڑائی میں مسلمانوں کی حفاظت کے لیئے مدینہ کے گرداگرد خندق کھدوائی تھی۔ اسی وجہ سے اس کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں۔ خندق کے کھودنے میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس بھی شریک رہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح مذکور ہے کہ ہم خندق کے دن زمین کھود رہے تھے۔ اتنے میں ایک قطعہ زمین کا بہت سخت نکلا جو کدال سے کھد نہ سکا۔ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ خندق میں ایک بڑا سخت قطعہ نکل آیا ہے اب کیا کریں؟ فرمایا ٹھہرو میں خود اُترتا ہوں اور اس کو کھود دیتا ہوں۔ پھر آپ کھڑے ہوئے۔ بھوک کی وجہ سے آپ کے پیٹ پر پتھر بندھا تھا اور ہم لوگوں نے بھی تین دن سے کھانے کی کوئی چیز چکھی تک نہ تھی۔ پھر آپ نے کدال ہاتھ میں لی۔ اور اس قطعہ پر ماری وہ بہتی ریت ہوگیا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ احزاب کے دن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خندق کی مٹی ڈھوتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کی پیٹھ کی کھال گرد میں چھپ گئی تھی۔ اور آپ کے سینۂ مبارک پر بال بہت تھے۔ آپ عبد اللہ بن رواحہ کے مندرجۂ ذیل اشعار پڑھ رہے تھے :۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃً علینا وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الاولیٰ قد بغوا علینا وان ارادوا فتنۃً ابینا

ایک دفعہ واشنگٹن گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کارزار میں افواج کی نگرانی کو گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ چند مزدور ایک بڑا شہتیر اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور جماعہ دار چپ چاپ پاس کھڑا ہے واشنگٹن نے کہا۔ تم کیوں نہیں مدد دیتے؟ اس نے جواب دیا جناب میں جماعہ دار ہوں۔ واشنگٹن نے گھوڑے سے اُتر کر خود مدد دی اور جب شہتیر اُٹھایا جاچکا تو جماعہ دار سے کہا۔ کہ جماعہ دار صاحب جب کبھی تمہیں کوئی ایسا مشکل کام درپیش آئے اور اُس کے انجام دینے کے واسطے تمہارے پاس کافی مزدور نہ ہوں تو اپنے سپہ سالار واشنگٹن کو بلا بھیجنا۔ میں فوراً آپ کی امداد کے لیئے حاضر ہوں گا۔ بلا شبہ واشنگٹن کا طریق عمل سزاوار تحسین و آفرین ہے۔ مگر اسلام کے اولین مقدس بادشاہ اور سپہ سالار وقتاً فوقتاً افواج کی نگرانی کے لیئے اپنے دور و دراز فاصلہ پر نصب کیے ہوئے خیمہ سے میدان کارزار میں تشریف نہیں لاتے اور نہ بیسیوں میلوں سے حرب و ضرب کے احکام و ہدایات نافذ فرماتے ہیں بلکہ افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لیکر فرائض سپہ سالاری بھی بجالاتے ہیں اور ہر وقت سپاہیوں میں بھی موجود رہتے ہیں۔ اور عامی سپاہیوں اور بیلداروں کی طرح خندق کا سخت ترین قطعہ خود کھودتے ہیں۔ خود مٹی ڈھوتے ہیں۔ اُس حالت میں جبکہ فاقہ کشی سے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ کیا اوراق تاریخ عالم میں اس کی مثال مل سکتی ہے؟ حاشا وکلا۔ اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد و بارك وسلم

آیۂ مجیدہ مرقومۂ بالا کا مفاد یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام مفید، ضروری اور مشکل کام خود کرتے ہیں اور دوسروں کو آرام پہونچاتے ہیں۔ حضرت سرور انبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثنا خدام کی موجودگی میں ان کی خدمات سے مستغنی تھے۔ گھر کے کام کاج خود انجام دیتے تھے بحیثیت راعی کے شب و روز رعایا کا آرام پیش نظر رکھتے تھے۔ مواقع خوف و خطر پر بنفس نفیس موجود ہونے اور اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے سے دریغ نہ فرماتے تھے۔ افواج کی کمان ہاتھ میں لیکر ایک سپاہی اور رہبر ار کے مشکل سے مشکل فرائض خود انجام دیتے تھے۔ احباب و اصحاب پر اسقدر لطف و کرم مرعی فرماتے تھے کہ جنگل سے لکڑیاں تک خود کاٹکر لانے کے لیئے آمادہ و مستعد تھے۔ الغرض اپنی زندگی کے مختلف شعبوں میں مختلف فرائض منصبی ادا کرنے کے ساتھ ہر وقت یہی خیال مد نظر رکھتے تھے کہ دوسروں کو آرام پہونچا ئیں۔

پیروانِ اسلام کے لیئے یہ امر قابل غور اور لائق تقلید ہے
لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔

نورالدین

دلِ زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

(از حضرت مولٰنا مولوی مفتی قاری حاجی شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی ظلہم)

محمد مظہر کامل ہے حق کی شانِ عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

گدا بھی منتظر ہے خلد میں نیکوں کی دعوت کا
خدا دن خیر سے لائے سخی کے گھر ضیافت کا

بڑھا یہ سلسلہ رحمت کا دورِ زلف والا میں
تسلسل کالے کوسوں رہگیا عصیاں کی ظلمت کا

سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب
نظارہ روئے جاناں کا بہانہ کرکے حیرت کا

ادھر امت کی حسرت پر ادھر خالق کی رحمت پر
نرالا طور ہوگا گردشِ چشمِ شفاعت کا

یہاں چھڑکا نمک واں مرہم کافور ہاتھ آیا
دلِ زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخوابِ بصارت کا

نہ ہو آقا کو سجدہ آدم و یوسف کو سجدہ ہو
مگر سدِ ذرایع داب ہے اپنی شریعت کا

زبان خار کس کس درد سے ان کو سناتی ہے
تڑپنا دشتِ طیبہ میں جگر افگارِ فرقت کا

جنھیں مرقد میں تا حشر امتی کہکر پکارو گے
ہمیں بھی یاد کرلو ان میں صدقہ اپنی رحمت کا

رضائے خستہ جوشِ بحرِ عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن ان کی رحمت کا

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے +

اِصلاح الاخلاق والاعمال

تہذیب النفس — تدبیر منزل — سیاست مدن

نذر و نیاز

الٰہی توبہ۔ میں وہ نہیں ہوں جس کو وہابی کہتے ہیں۔ اور جس کا شیوہ نذر نیاز سے انکار دنیا میں مشہور ہو گیا ہے۔

میری تو گھٹی میں نذر نیاز پڑی ہوئی ہے۔ ہمارے ہاں درگاہ میں قاعدہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُسے ماں کا دودھ نہیں دیتے جب تک کہ شکر مزار مبارک حضرت محبوب الٰہی کے سامنے لیجا کر بابا شکر گنج کی نیاز نہ دلوادیں اور اس شکر کی گھٹی بچہ کو نہ دیدیں۔ دُنیا میں آنکھ کھولکر پہلی چیز جو میرے پیٹ میں گئی وہ نیاز کی شکر تھی۔ پھر بھلا میں نذر نیاز کی مخالفت کیسے کر سکتا ہوں۔ پیرزادہ ہوں۔ نذروں پر تو مدتوں گزارہ رہا ہے۔ گو میرے والد جلد سازی کرتے تھے اور میرے جسم کی نشو و نما کسب حلال اور اُجرت جلد سازی سے ہوئی ہے۔ تاہم نذر نیاز کا بھی ایک حصہ میرے تن کا شریک ہے +

نیاز نذر کو گناہ اور بدعت نہیں سمجھتا۔ اگر وہ مناسب اُصول پر ہو۔ اسوقت اس مضمون کا مقصد بھی انہی مناسب اُصول کا بتانا ہے کیونکہ دیکھتا ہوں کہ ہمارا فرقہ صوفیہ نذر نیاز کی افراط تفریط سے بدنام بھی ہو رہا ہے۔ اُصول مذہب اسلام کو بھی زخمی کر رہا ہے۔ اور نذر نیاز کے طفیل مقروض و مفلس بھی ہوتا جاتا ہے جس کا جی چاہے اس مضمون پر غور کرے اور اصلاح پر آمادہ ہو ورنہ میرا کسی پر زور نہیں ہے۔ نہ میں عقائد میں دخل انداز ہونا چاہتا ہوں +

نیاز کی اقسام

پہلی نیاز اللہ میاں کی ہوتی ہے۔ اس کے طریقے شہروں میں الگ الگ مروّج ہیں۔ دلّی میں عورتیں منّت مانتی ہیں اور مُراد پوری ہونے پر مسجد میں چراغ جلاتی ہیں منبر کا طاق بھرتی ہیں۔ یا شادی کے موقع پر "اللہ میاں کا رحم" بنایا جاتا ہے۔ اور وہ چاولوں کے آٹے اور شکر سے بنتا ہے۔ اس کی شکل مخروطی ہوتی ہے نیچے سے چوڑا اوپر سے پتلا نوکدار۔ وزن نصف چھٹانک کے قریب ہوتا ہے یہ رحم اللہ کے نام پر مسجد میں بھیجدیا جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ اللہ میاں کی نیازوں میں کچھ اور مراسم بھی ہوں جن کا حال مجھے معلوم نہیں۔ جتنا معلوم ہے اُس میں تو کوئی فضول خرچی کی یا بری بات نہیں ہے خدا کی ذات سے بھولین کی ایک محبت اور عقیدت ان رسموں سے ظاہر ہوتی ہے۔ مشایخ کو اس قسم کی نیازوں کو رواج دینا چاہیئے تاکہ شرک اغیار کا ڈر کم ہوجائے۔ جسکا خطرہ غیر خدا کی نیازوں میں ہر وقت لگا رہتا ہے۔

دوسری نیاز رسولِ خدا صلعم کی ہے۔ ربیع الاول کے مہینے میں عام طور پر یہ نیازیں ہوتی ہیں۔ مگر اب رسولوں کی نیاز مولود شریف کی محفلوں میں سماگئی ہے رسول کا عرس کوئی نہیں کرتا۔ دلّی میں بدرگاہ قدم رسول عرس نما میلہ ہوتا ہے مگر وہاں بھی میلاد شریف پڑھا جاتا ہے۔ گویا رسول کی نیازیں ابتو مولود شریف کے ذکر میں مخفی ہو گئی ہیں۔

میلاد شریف کا رواج سنی فرقوں میں بہت زیادہ ہے۔ کوئی گھر مسلمانوں کا ایسا نہ ہوگا جہاں دو چار دفعہ میلاد کی محفل نہ ہوئی ہو۔

مجھے حساب کرنا تو نہیں آتا۔ اندازے سے کہتا ہوں کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں تخمیناً ایک کروڑ مسلمان محفل میلاد ضرور کرتے ہیں۔ اور کم سے کم اوسط لگائی جائے تو ایک روپیہ فی محفل یقیناً خرچ ہوتا ہے۔ میں نے جو اپنی بستی میں پیرزادہ زنانہ اسکول قایم کر رکھا ہے اُس میں ہر جمعرات کو میری

لڑکی حور بانو میلاد پڑھتی ہے اور آٹھ آنے کی مٹھائی خرچ ہوتی ہے۔ گویا اس طرح دو روپیہ ماہوار اس میں خرچ ہوتے ہیں۔ میں اگر کہوں کہ مٹھائی کی ضرورت نہیں ذکر رسولؐ کافی ہے۔ یہ دو روپیہ کسی اور نیک کام میں رسولؐ کے نام پر خرچ کیے جائیں تو خود میری بچی مجھ کو وہابی نیچری کہے۔ اور ہرگز نہ مانے۔ اس واسطے میں چپکا بیٹھا تماشا دیکھتا ہوں، اور بچوں کی اس اچھی عقیدت میں دخل نہیں دیتا۔

بمبئی، حیدرآباد کے علاقوں میں تو میلاد شریف برادری کی ایک بھاجی ہو گئی ہے محفلیں بہت دھوم دھام سے ہوتی ہیں۔ روشنی اور مٹھائی میں بے انتہا روپیہ خرچ ہوتا ہے اور نمود و نمائش میں حبِّ رسول نہیں برادری کی ناک کو دخل ہوتا ہے +

ان نیازوں میں سوائے اس کے کہ بعض میلاد خوان مشرکانہ مضامین پڑھتے ہیں یا فضول خرچی و اسراف ہوتا ہے اور کوئی خرابی نہیں۔

تیسری نیاز اہلِ بیت اور شہیدانِ کربلا کی ہے۔ اس میں شیعہ سُنی شریک ہیں مگر شیعوں کی نیاز سنیوں سے بالکل مختلف ہے۔ وہ مجلسیں کرتے ہیں۔ مرثیے پڑھتے ہیں اور ان میں مٹھائی۔ کھانا تقسیم کرتے ہیں۔ اور سُنی گھروں میں نیاز دلواتے ہیں پیاسوں کے نام پر جھنگھڑیں بھرتے ہیں جھنگھڑ کوری مٹھیا کا نام ہے۔ مٹی کے کورے کورے برتن پانی سے بھرے جاتے ہیں اور شہیدوں کی اُن پر نیاز ہوتی ہے۔ سبیلیں بھی بازاروں میں لگائی جاتی ہیں۔ اور حلوا پکا کر بھی نیاز دلواتے ہیں +

عورتوں میں حضرت بی بی فاطمہؓ کے کونڈے۔ صحنک اور بڑیہ کا بہت رواج ہے صحنک شادیوں یا تہواروں میں ہوتی ہے۔ کونڈے کسی مراد کے پورا ہونے سے کیے جاتے ہیں اور بڑیہ کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت بیوی کی نیاز کے وقت کھانے کو یا دودھ شربت کو جس پر نیاز دی جائے ڈھکا رکھتے ہیں کیونکہ ان کی نیاز میں پردہ کا احترام رکھنا ہوتا ہے۔ اس نیاز کو سہاگن عورتیں پاکی کی حالت میں کھا سکتی ہیں مرد۔ بیوہ۔ بچے یا ناپاک عورتیں اس کو نہیں کھا سکتیں۔

ان نیازوں میں جھنگھڑوں کی رسم ہندوؤں سے لی گئی ہے۔ ان کے ہاں اسی کے قریب رسمیں قدیم سے چلی آئی ہیں۔ چوتھی نیاز اولیاء اللہ کی ہے۔ اس میں پیرِ دستگیر کی گیارھویں کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔ گیارھویں اصل میں حضرت رسولِ خداؐ کی نیاز تھی۔ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ حضور سرورِ کائنات صلعم کی گیارھویں کیا کرتے تھے۔ اب خلقت نے حضرت غوثؓ کی گیارھویں مقرر کر لی ہے یہ نیاز ایسی عالمگیر ہے جس میں ہندو مسلمان یکساں حصہ لیتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہندوستان ایک کروڑ روپیہ سالانہ ان نیازوں میں خرچ کر دیتا ہے +

مختلف تاریخوں میں مختلف بزرگوں کی نیازیں ہوتی ہیں۔ علاوہ سالانہ عرسوں کے ماہوار نیازیں بھی ان اولیاء اللہ کی مروج ہیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی سترھویں تمام نظامیہ سلسلہ کے لوگ کرتے ہیں۔ اور حضرت صابر صاحب کی تیرھویں کا صابریوں میں رواج ہے۔ ان نیازوں میں بھی سالانہ پچاس لاکھ کا خرچ ہوتا ہوگا۔

نذروں کی اقسام

یہ تو نیازیں ہوئیں جن کا میں نے بہت مختصر طریقے سے حال بیان کیا ہے۔ اب نذروں کی اقسام سُنیے :۔ نذر اصل میں مَنّت کا نام ہے۔ مگر ہمارے ملک میں جو نقدی کسی مزار پر چڑھائی جائے یا کسی پیر کو دی جائے اُس کو نذر کہتے ہیں۔ درگاہوں کی نذریں نقد ہوتی ہیں۔ کپڑے کی شکل میں ہوتی ہیں یا کھانا پکا کر وہاں تقسیم کیا جاتا ہے پیروں یا پیرزادوں کی نذر کا بھی یہی حال ہے۔ پیر کو مرید ہونے کے وقت نذر دیتے ہیں سالانہ جب وہ گھر آئے یا خود اُس کے گھر پر مرید جائیں تو نذر پیش کی جاتی ہے۔

پیرزادے عموماً وہ لوگ کہلاتے ہیں جو کسی درگاہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کو بھی نسبتِ درگاہ کے سبب معتقد نذریں دیتے ہیں۔

وکیل پیرزادے

پیرزادوں کی نذروں نے اب ایک ضابطہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ہر درگاہ کے پیرزادے نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ درگاہ میں آنے والے زائرین سے ایک وکالت نامہ پر دستخط کرا لیتے ہیں۔ جس کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ ہم یا ہمارے مرید یا عزیز قریب جب اس درگاہ میں آئیں گے تو فلاں یعنی دستخط کرانے والے پیرزادہ کی معرفت زیارت کریں گے اور اُس کو نذر دیں گے۔

ان وکالت ناموں کی بناء پر علاقے تقسیم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ میں میری وکالت میں سارا پنجاب کا صوبہ تھا جو میری بے لیاقتی کے سبب سے دوسروں کے قبضہ میں جا رہا ہے۔ کیونکہ میں نے قانون وکالت پیرزادگی نہ جاننے کے سبب اس کو ترک کر دیا ہے +

وکالت کی نذریں عقیدت کی بناء پر کم دی جاتی ہیں ان کا حصر اب خدمتگاری پر ہو گیا ہے۔ وکیل پیرزادے زائروں کی خدمت کرتے ہیں۔ کھانے کھلاتے ہیں۔ اور جب وہ عرس میں آئیں تو سرائے کے بھٹیاروں سے زیادہ زائروں کو آرام پہنچاتے ہیں۔ تب کچھ نذر پاتے ہیں +

وکیل پیرزادے اپنے علاقوں میں دورے بھی کرتے ہیں اور سالانہ نذریں بجبر وصول کرتے ہیں۔ جبیر میں نے اپنے تجربہ کی بناء پر کہا۔ کیونکہ پنجاب کے خوش عقیدہ لوگ جبر سے خوش ہوتے ہیں۔ گالیاں کھاتے ہیں اور دیتے ہیں۔ بخلاف اور صوبوں کے جہاں وکیل پیرزادوں کو خوشامدیں کرنی پڑتی ہیں اور نہایت ذلت سے نذر وصول

ہوتی ہے۔ یہ وکیل پیرزادے درگاہ کا تبرک لیئے پھرتے ہیں۔ لوگوں کو دیتے ہیں اور انکا کرتے ہیں۔ یہ عاجزی سے زور سے۔ اپنی پیرزادگی کا حق جتا جتا کر نذر مانگتے ہیں۔

مجھ کو ساری عمر میں شاید دو چار موقعے ایسے سفر کے پیش آئے ہیں۔ اور میں کسی اور کو نہیں خود اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ میں نے یہ ذلیل نذر جس کے اب خیال کرنے سے میری روح تحلیل ہوتی ہے حاصل کی ہے +

درگاہوں کی نذر کا سالانہ اوسط پچاس لاکھ سے کم نہ ہوگا اور پیروں کی نذر نیاز بھی ایک کروڑ کے قریب ہوں گی۔ مگر پیرزادوں کی نذریں بہت محدود ہیں۔ سارے ہندوستان میں ان کی اوسط پانچ لاکھ سے زیادہ نہ ہوگی +

فلسفہ اور رائے

اس نذر نیاز کا اُصولی فلسفہ بہت اچھا ہے۔ نیازوں سے بزرگوں کی یاد قایم رہتی ہے۔ اُن سے محبت بڑھتی ہے۔ اُن کی تقلید کا شوق ہوتا ہے۔

نذروں سے درگاہ کے متعلقین پرورش پاتے ہیں۔ پیروں کا گزارہ چلتا ہے جن کو معاش کی ضرورت ہے اور اس زمانہ میں جب کہ حکومت اسلامی نہیں ہے اور بیت المال سے ان کی خدمت نہیں ہوتی لازمی ہے کہ عام پبلک ان کی ضرورتوں کی کفیل ہو۔ مگر نیاز نذر میں بہت احتیاط اور غور کی ضرورت ہے میلاد شریف کی محفلوں میں اندھا دھند خرچ کرنا اور برادری کی ناک کو سامنے رکھنا سخت گناہ ہے۔ سب کام خلوص نیت سے ہونے لازم ہیں۔ نیازوں میں ہمیشہ کفایت شعاری کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

درگاہ حضرت محبوب الہی ؒ میں چھ سو برس سے دستور ہے کہ ڈھائی آنے کی شکر پر نیاز دلوائی جاتی ہے۔ یہ شکر ایسی متبرک خیال کی جاتی ہے کہ امراء کے حلوے۔ اور مٹھائیاں ایسی نہیں سمجھی جاتیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ مفلس نہ تھے۔ کفایت شعار تھے۔ وہ ایسی وضع اختیار کرتے تھے جو نبھ جائے۔ چنانچہ آج تک ڈھائی آنے کی شکر کسی کو دو بھر نہیں ہے اور توشے۔ حلوے پکانے والے چار مہینے کے بعد تھک جاتے ہیں۔ یا تو اُنکو نام کی خاطر قرض لینا پڑتا ہے یا نیاز ترک کرنی پڑتی ہے لہذا پہلے ہی سے ایسا شیوہ اختیار کرنا چاہیئے جو ہمیشہ قایم رہ سکے۔

اہلبیت اور گیارھویں کی نیازوں میں بھی نام و نمود کا بہت دخل ہو گیا ہے اور اسراف تو اتنا ہوتا ہے جس کی حد نہیں۔ جو نیاز ایک روپیہ کے شربت یا آٹھ آنے کی چائے پر ہو سکتی ہے اُس میں سینکڑوں روپیئے کے کھانے پکائے جاتے ہیں۔ مٹھائیاں بنتی ہیں۔ روشنی کی جاتی ہے اور یہ سب دکھاوے کی خاطر ہوتا ہے۔ جن بزرگ کی نیاز ہے وہ ریاکاری سے نفرت کرتے تھے اور اُنہی کی نیاز میں ریاکاری ہو تو وہ نیاز مقبول نہیں مردود ہوگی۔ اس سے فایدہ نہیں۔ نقصان ہوگا۔

سودی قرضے سے نیاز

ایک بڑا اندھیر ہم لوگوں میں یہ ہے کہ سودی قرضہ لیکر بزرگوں کی نیاز کرتے ہیں یہ حرام ہے۔ اس نیاز سے قحط پڑتا ہے۔ طاعون آتا ہے۔ گھر کے بچے مرجاتے ہیں اور نیاز دلوانے والا غیبی بلاؤں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بزرگوں کی ارواح سودی قرضہ کی نیازوں سے نہایت ناراض ہوتی ہیں اور اُن کی ناراضی سے خدا تعالےٰ کا قہر نازل ہوتا ہے۔

لوگوں کو چاہیئے۔ کبھی بھولکر بھی سودی قرضہ سے نیاز نہ کریں۔ میں نے صدہا مثالیں ایسی دیکھی ہیں کہ سودی قرضہ سے نیاز دلوانے والے تباہ و برباد ہو گئے۔ اور مال و اولاد سے خدا نے اُنہیں محروم کر دیا +

درگاہوں کی نذروں میں بھی یہی اُصول پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اجمیر شریف میں دیگیں پکائی جاتی ہیں اور ان کا کھانا میلے کچیلے لوگ لوٹتے ہیں۔ دیگوں کے اندر گرمی کے سبب قے کر دیتے ہیں اور لوٹ کی گڑبڑ میں سوا کھانا فرش پر گرتا ہے اور پیروں میں روندا جاتا ہے۔ نیاز کی اس بے ادبی سے حضرت خواجہ ؒ کی روح از حد ناراض ہوتی ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ دیگ کرنے والوں کو دوبارہ مراد دیر میں ملتی ہے۔

اگر وہ دیگ کی نذر مستحق لوگوں میں جو درگاہ سے تعلق رکھتے ہیں تقسیم کر دیا کریں یا درگاہ کی مفید علمی و لنگری ضرورتوں میں لگائیں تو ثواب بھی اور خواجہ کی خوشنودی دونوں باتیں حاصل ہوں۔

پیروں کی نذر میں بھی یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ مقدم اپنی ضروریات ہیں۔ بال بچوں کے خرچ سے بچے تو پیر کو بھی دو۔ اس کے کیا معنی کہ اہل و عیال تو فاقہ کریں اور پیر صاحب کی تھیلی پُر ہو +

نیاز کی مٹھائی

یہ بھی یاد رہے کہ نیاز کی مٹھائی غیر مسلم سے نہ لی جائے کیونکہ وہ لوگ پاکی کو نہیں جانتے ناپاک مٹھائی پر نیاز دلوانے سے میں نے دیکھا ہے کہ متعدد لوگ خدا کے غضب میں مبتلا ہو گئے۔ نیاز کے لیئے یا تو مسلمان سے مٹھائی لو۔ وہ نہ ملے تو چھواروں پر نیاز دلواؤ۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ ہمارے رسول کی پسندیدہ چیز ہے۔ سستی بھی ہے اور آسانی سے ہر جگہ انکا میسر آنا ممکن ہے۔

میں نے اس مضمون کو لکھنے کے بعد اپنی لڑکی سے کہا کہ وہ آیندہ میلاد شریف کی نیاز چار آنے کے چھواروں پر دلوائے اور باقی کے چار آنے محتاج لڑکیوں کو دیدیا کرے۔ اُس نے اسکو منظور کیا اور میں نے سمجھا کہ ابھی سے اس اصلاحی مضمون کا ضرور اثر ہوگا +

حسن نظامی

قوالی

ایک مقدس بزرگ نگاہ نیچی کیئے بیٹھے ہیں۔ چاروں طرف لوگوں کا مجمع ہے جس میں کمسن لڑکے نوجوان اور بوڑھے۔ مختلف وضع و قطع اور مختلف شکل و شمائل کے نظر آتے ہیں۔ قُل ہوتا ہے۔ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اور نقل کی تقسیم کے بعد ستار و ہارمونیم کی دلکش صدا کانوں میں آنے لگتی ہے ایک نووارد متحیر ہو کر (کہ تلاوت قرآن اور مزامیر کی مواصلت کیسی ؟) نگاہ اُٹھاتا ہے۔ اُس کو گویّوں کا ایک گروہ نظر آتا ہے۔ جن میں دو تین نوجوانوں کے ساتھ دو تین کم سن گبھرو لمبی لمبی زلفیں بڑھائے۔ پُر زر کلاہ سر پر رکھے۔ چُست پائجامہ پہنے۔ بڑی آن بان سے ملے جُلے بیٹھے ہیں۔ اور ایک گیسو دراز بڑی بڑی آنکھوں والا ہارمونیم کے دلآویز سروں میں کوئی گت چھیڑ رہا ہے۔ حضار ایک بے چینی اور فریفتگی کے عالم میں خاموش بیٹھے محو نظر و سمع ہیں۔

تھوڑی دیر میں لب کھلتے ہیں۔ اور ایک شیریں اور دلگداز آواز بلند ہو کر لوگوں کو بے خود بنا دیتی ہے۔

تنہا آواز کے ساتھ چند آوازیں اور ملتی ہیں جس سے حاضرین کی بیخودی میں ترقی ہوتی ہے۔ اور کچھ لوگ "اِلّا اللہ" کا نعرہ مار کر کھڑے ہو جاتے ہیں مجبوراً "گانے" والے بھی کھڑے ہوتے ہیں اور محفل میں ایک نئی روح پیدا ہو جاتی ہے۔

اِلّا اللہ کہتا ہوا سب سے پہلے جو شخص کھڑا ہوا ہے وہ انگریزی اسکول کا ایک کم سن اور کم علم طالب علم ہے۔ جس کی بیخودانہ کیفیت دیکھکر صاحب سجادہ آگے بڑھتے ہیں اور اُس سے سرگرم معانقہ ہوتے ہیں۔ دیر کے معانقہ کے بعد اُس کو چھوڑتے ہیں اور وہ اپنے حال کے ساتھ تمام مجلس کو سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ دوسرا نوجوان بڑھتا ہے اور اُس کے حال کا تمام زور گانے والے پر تصدق اور فدا ہونے میں صرف ہوتا ہے۔

تیسرا جوان بڑھتا ہے اور وہ گانے والے پر روپیوں کی بارش کرتا ہے اور اُسوقت تک دست کشی نہیں کرتا جب تک گانیوالے کو اپنی طرف مائل نہیں کر لیتا۔

غرض اسی نہج اور اسی انداز پر پانچ سات گھنٹے محفل گرم رہتی ہے پھر قوالوں کو اشارہ ہوتا ہے۔ وہ خاموش ہوتے ہیں اور قُل اور فاتحہ کے بعد مجلس برخاست ہوتی ہے۔

نووارد یہ رنگ دیکھکر پوچھتا ہے یہ محفل کیسی تھی ؟ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کا عرس تھا۔ اور اُن کی وفات کی یادگار میں یہ مجلس سماع تھی۔ جو لغرض ایصال ثواب اور استحصال خیر منعقد کی گئی تھی۔ فسبحان اللہ عما یصفون۔

بیشک "نذر قوالی" ایک مذموم اور قابل اصلاح رسم ہے جس کی ہمارے خواجہ حسن نظامی صاحب اصلاح فرمائیں گے۔ لیکن کیا نفس قوالی پر خواجہ صاحب نے نظر نہ فرمائی۔ کہ آیا وہ بھی قابل اصلاح ہے یا نہیں ؟ اور اس سے مسلمانوں کو فی زمانناً منفعت زیادہ پہونچتی ہے یا مضرت ؟ اور آیا یہ مسئلہ اس قابل ہے یا نہیں کہ بغرض اصلاح زیر بحث لایا جائے ؟

چونکہ خواجہ صاحب خود صاحب طریقت اور صاحب حال و قال ہیں اور بڑی درگاہ سے اُن کو توسل ہے اور اس کے ساتھ وہ روشن خیال اور بدعات سیئہ کے بیخکن ہیں۔ اس لیئے میں یہی مناسب خیال کرتا ہوں کہ اس طرف بھی اُنھیں کی توجہ معطوف ہو اور وہی اس مشکل کو بھی حل کریں۔ ورنہ موجودہ "قوالی" کے متعلق میرے خیالات نہایت ناگوار اور میرا تجربہ نہایت تلخ ہے۔ اور موجودہ طریق پر میں اس کو مخرب اخلاق اور مضل روحانیت سمجھتا ہوں۔

اس سے قوم کو جس قدر نقصانات پہونچے اُس کا مجھ کو بخوبی علم ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس کا اجمالی ذکر بھی دردناک اور اس کی مختصر داستان بھی پُر الم ہے۔ جس سے ہمارے خواجہ صاحب بھی لاعلم نہ ہوں گے۔ اس لیئے سر دست میں اس کی وضاحت سے احتراز کرتا ہوں اور خواجہ صاحب کی مردانہ ہمت اور مخلصانہ جسارت کا متوقع ہوں۔

رکن الدین دانا

قطعات اکبر

دیکھئے قوال بیچارہ کا اب کیا حشر ہو — شیخ صاحب کو تو لکچر پر بھی وجد آئیگا
کیوں کریگا پیش ہم پر جلوۂ حور و بہشت — جب تھیٹر کا سمان اعظ کو تڑپانے لگا

مذہب کو جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف — مذہب ہی اگر بھریں تو پھٹکار کا خوف
دونوں ہی اگر بچیں تو احباب کو ہے — بے رونقیِ دُکان و دربار کا خوف

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

سچ کو جھوٹ کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو اور جان بوجھکر حق بات کو نہ چھپاؤ

تنقید و تقریظ

لسان الغیب

اُردو زبان میں حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ کے مشہور و معروف دیوان کی کوئی بسیط و جامع شرح موجود نہ ہونے کی کمی عرصہ سے محسوس ہو رہی تھی۔ خوشی کی بات ہے کہ میر ولی اللہ صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی وکیل ایبٹ آباد نے اپنی قابل قدر تصنیف لسان الغیب سے اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ اسلیئے میر صاحب موصوف تمام قدردانان و شائقین کلام حافظ کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ لسان الغیب کا پہلا حصہ جو تقریباً چارسو صفحات اور اڑتالیس غزلوں کی شرح پر مشتمل ہے شایع ہو چکا ہے اور باقی حصص غالباً زیر طبع ہیں پہلے حصہ کو دیکھکر ہمنے یہ رائے قایم کی ہے کہ لسان الغیب واقعی محنت، قابلیت اور کوشش و کاوش سے لکھی گئی ہے اور مجموعی اعتبار سے مروجہ اُردو اور فارسی شرحوں سے یقیناً بہتر و مرجح ہے۔ ادبی و علمی ترقی کے اس دور نے دیوان حافظ جیسی اہم کتاب کی شرح اور شارح کے لیئے جن شرائط و اوصاف کو ضروری قرار دیا ہے۔ لسان الغیب اور اس کے قابل مصنف میں تقریباً وہ تمام باتیں موجود ہیں اس لیئے دیوان حافظ کی یہ شرح "اپ ٹو ڈیٹ" یعنی آجکل کی ضروریات۔ معلومات اور مذاق کے مطابق کہی جا سکتی ہے اور اس کے مطالعہ سے حافظ و کلام حافظ کے متعلق وہ ضروری معلومات حاصل ہو سکتی ہیں جس کو فی زمانا نظریں زیادہ اشتیاق سے ڈھونڈتی ہیں۔

یورپ کے اُن قابل وسیع النظر اور محقق شارحین کی لکھی ہوئی شرحوں کو چھوڑ کر جنھوں نے اپنی گرانمایہ عمر کے بڑے بڑے حصے دیوان حافظ کے اشعار و معانی کے حل کرنے اور فلسفۂ حافظ کے سمجھنے میں صرف کیئے ہیں۔ فی زمانا اُردو اور فارسی میں دیوان حافظ کی جو شرحیں رائج ہیں ان کے متعلق مبصران ادب اور ذائقہ چشان حکمت و فلسفہ کو یہ عام شکایت تھی کہ ان شروح میں زیادہ تر صوفیانہ مذاق کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر ایک شعر کے حقیقی معنی بھی ضرور بیان کیئے جائیں۔ یہاں تک کہ اکثر اشخاص کے ناموں کی تعبیر بھی حقیقی رنگ میں کی گئی ہے۔ اور تاریخی واقعات کو بھی کھینچ تان کر حقیقت کا لباس پہنایا گیا ہے۔ جس سے شعر کا لطف خاک میں مل جاتا ہے۔ علاوہ ازیں کلام حافظ کے ادبی محاسن اور شاعرانہ لطافت پر بہت ہی کم روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور فلسفیانہ پہلو کو نمایاں کرنے کی تو بالکل ہی کوشش نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ جن شارحین نے ایسی فروگزاشتوں کو جائز رکھا ہے اُنھوں نے حافظؒ اور کلام حافظ کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اور ایک ایسے جامع الصفات شخص کی نسبت جو بلحاظ صوفی ہونے کے علاوہ ایک فصیح و بلیغ شاعر اور زبردست حکیم و فلسفی بھی ہے دُنیا کو ایک بڑی غلط فہمی میں ڈال دیا ہے۔

میر ولی اللہ صاحب نے شارحین پیشیں کی مذکورہ بالا فروگزاشتوں کا تدارک کرنے اور اپنی لکھی ہوئی شرح لسان الغیب میں ادبی۔ صوفیانہ اور فلسفیانہ تینوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ فلسفیانہ پہلو جس قدر توضیح کا مستحق تھا اسقدر اس کو واضح نہیں کیا گیا۔ تاہم سوانح عمری کے صفحہ ۶۹ پر تحت عنوان "**خواجہ حافظ کے کلام کا اثر**" مجملاً اُن شبہات کا جواب دیدیا ہے جو ناواقفوں کی طبیعت میں **مثنوی اسرار خودی**" کے مطالعہ سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہمنے لسان الغیب کے پہلے حصہ میں اس بارہ صفحہ کے مضمون کو جس سے حافظ صاحب کی فلسفیانہ تعلیم پر روشنی پڑتی ہے۔ بہت پسند کیا۔ اگر فلسفۂ حافظ پر ایک مستقل اور بسیط و مفصل مضمون لکھدیا جاتا تو زیادہ اچھا تھا۔

لسان الغیب میں جابجا حسب ضرورت تاریخی واقعات کی توضیح ہو جانے اور دیوان میں جن اشخاص کے نام آئے ہیں اُن کے مختصر حالات درج ہو جانے سے ایک خاص خوبی اور دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ اشعار کے معانی و مطالب سمجھنے میں بھی ان تاریخی تشریحات سے بڑی مدد ملتی ہے۔ مصنف نے قابل تعریف کوشش سے دوسرے شاعروں کے مختلف اشعار

بھی بکثرت جابجا درج کیئے ہیں جو حافظ صاحب کے اشعار کے معانی واضح کرنے میں بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ چونکہ دیوان حافظ کے اکثر اشعار میں قرآن وحدیث کے مضامین کی جانب تلمیحات ہیں اس لیئے لسان الغیب میں مناسب مواقع پر آیات احادیث نقل کرکے ان کی تشریح کر دی گئی ہے۔ اگر حافظ صاحب نے ایک ہی مضمون کو کئی شعروں میں لکھا ہے تو ان سب شعروں کا حوالہ شرح میں موجود ہے۔ لسان الغیب کے شروع میں خواجہ حافظؒ کی مفصل سوانح عمری دی گئی جس میں حافظ صاحب کے نام ونسب۔ تعلیم۔ عادات وخصائل۔ شہرت۔ وفات۔ مشاغل۔ مشرب ومسلک پر مستند ماخذوں سے روشنی ڈالی گئی ہے اور کلام حافظ پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے جو ادبی اور علمی ذوق رکھنے والوں کے لیئے ایک قابل قدر چیز ہے سوانح عمری میں بعض روایات ایسی دور از قیاس بھی درج ہوگئی ہیں جن کی صحت میں خود مصنّف کو شبہ ہے۔ ہمارے خیال میں اس قسم کی روایت اگر درج ہی نہ کی جاتیں تو بہتر تھا۔ امید ہے کہ دوسری اشاعت میں ان کو خارج کر دیا جائیگا

بہر حال لسان الغیب اپنے رنگ کی سب سے اچھی تصنیف ہے جو اس زمانہ میں شایع ہوئی ہے۔ اور میر ولی اللہ صاحب بی۔ اے کی کوشش واقعی قابل تحسین وآفرین ہے کہ آپ نے مسلمان وکیلوں کے لیئے جو قانونی پیشہ میں پڑکر مفید قوم علمی مشاغل کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں عمدہ مثال قایم کی ہے

فجزاہ اللہ خیر الجزا +

ناظرین اسوۂ حسنہ سے خصوصاً اور تمام مسلمانوں سے عموماً ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ دیوان حافظ کی دلچسپ شرح لسان الغیب خرید کر اس کے قابل مصنف کی حوصلہ افزائی کریں۔ اور اپنے اس طرز عمل سے اس قسم کے مصنّفوں کی تعداد بڑھانے کا باعث ہوں۔

لسان الغیب ٢٠×٢٦/٨ کی تقطیع پر خوشخط وخوشنما چھپی ہے۔ کاغذ بھی بہت اچھا ہے۔ ضخامت چار سو صفحات کے قریب ہے۔ قیمت عہ/ ہے۔

ملنے کا پتہ :۔ میر ولی اللہ صاحب۔ بی۔ اے۔ وکیل۔ ایبٹ آباد۔

نکات القرآن

مولوی محمد علی صاحب احمدی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی سابق ایڈیٹر رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان کی مفید تفسیر کا دوسرا حصّہ نکات القران کے نام سے شایع ہوا ہے جس میں دوسرے پارہ کے شروع سے آخر سورۂ بقرہ تک کے تفسیری حواشی درج ہیں۔ مولوی صاحب ممدوح کی عمر کا بڑا حصّہ قرآن حکیم میں غور وتدبّر کرنے اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کی تردید میں صرف ہوا ہے اس لیئے اگر ان کے قلم سے نکلی ہوئی تفسیر کی تعریف میں یہ کہا جائے کہ وہ موجودہ زمانہ کی بہترین مذہبی تصنیفات میں شمار ہونے کے قابل ہے تو جائے تعجب نہیں ہے۔ ہم نے اس تفسیر کے اکثر مقامات کو غور سے پڑھا ہے اور پڑھکر بہت محظوظ ہوئے۔ واقعی امر یہ ہے کہ مولوی صاحب نے ضرورت وقت کو مد نظر رکھکر قرآن حکیم کے حقایق عالیہ پر نہایت خوبی سے روشنی ڈالی ہے اور دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے غیر ضروری تطویل اور مخل مقصود اختصار یہ دو عیب ہماری تفسیروں میں عموماً پائے جاتے ہیں۔ لیکن نکات القرآن ایک حد تک ان سے پاک ہے۔ اس تفسیر میں مناسب مواقع پر ان شکوک وشبہات کے بھی شافی جوابات دیے گئے ہیں جو جدید تعلیم یا صحبت کے اثر سے ناواقف مسلمانوں کی طبیعتوں میں پیدا ہوتے یا غیر اقوام کی جانب سے پیش کیئے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تفسیر ان لوگوں کے لیئے بھی کارآمد ہے جو تبلیغ اسلام میں کچھ دلچسپی لیتے ہیں۔ علیٰ ہذا جو لوگ اس مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ قرآن مجید کی تعلیمات محض روحانی دائرہ تک محدود ہیں اور معاشری۔ تمدنی یا سیاسی اُمور سے اُنہیں کوئی تعلق نہیں اس تفسیر کے مطالعہ سے اُن کی غلط فہمیاں بھی بہت کچھ رفع ہوسکتی ہیں۔ نکات القرآن کی زبان سلیس اور آسان ہے اور اس میں وہ مولویانہ اُلجھن نہیں ہے جس سے تھوڑی قابلیت رکھنے والے کو مطلب سمجھنے میں دقت ہو۔ نکات القرآن کا قابل مصنف ایک پُرجوش احمدی ہے اس لیئے بہت ممکن ہے کہ اُس کے قلم سے عمداً یا اضطراراً اپنے مخصوص عقائد کے متعلق بھی ایسے الفاظ نکلے ہوں جن سے دوسرے مسلمانوں کو اختلاف ہو لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم مصنّف کی شخصیت سے متاثر ہوکر "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اُصول کو چھوڑ دیں اور جو سینکڑوں باتیں اس تفسیر میں ہمارے کام کی ہیں اُن سے فائدہ نہ اُٹھائیں۔ اس لیئے ہم مسلمانوں سے نکات القرآن کی خریداری کی سفارش کرنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اُس کے مطالعہ سے قرآن پاک کی عظمت اور اسلام کی خوبیاں دلنشین ہونگی

نکات القرآن میں کاغذ نہایت عمدہ سفید اور چمکدار لگایا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی بھی بہت عمدہ اور خوشنما ہے۔ ٢٢×٢٩/٤ تقطیع اور دو سو صفحے کی ضخامت ہے۔ اور ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت بہت ہی کم ہے کہ جس کو سنکر تعجب ہوتا ہے یعنی صرف چھ آنے۔ مولوی محمد علی صاحب احمدی۔ احمدیہ بلڈنگ لاہور سے طلب کیجیئے۔

النبوۃ فی الاسلام

اس ضخیم کتاب کے مصنّف بھی مولوی محمد علی صاحب احمدی ہیں جن کی تفسیر نکات القران سے ابھی ہم ناظرین اسوۂ حسنہ کا تعارف کرا چکے ہیں اس کتاب کا موضوع بحث مسئلہ نبوت وختم نبو[illegible] جس کے متعلق آج کل جماعت احمدیہ میں سخت

اختلاف ہو رہا ہے۔ ایک فریق کا یہ خیال ہے کہ جب تک مرزا غلام احمد صاحب کو حقیقی طور پر اور کامل نبی نہ سمجھا جائے اُس وقت تک انہیں مسیح موعود ماننا بھی چنداں مفید نہیں دوسرا فریق کہتا ہو کہ حضرت سرور عالم فخر بنی آدم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حقیقی نبوت کا حامل ہو کر کسی کامل نبی کا آنا خلاف قرآن۔ خلاف حدیث۔ خلاف اجماع اُمت اور خلاف تحریرات مرزا صاحب ہے۔ مولوی محمد علی صاحب اس دوسرے فریق کے رکن رکین بلکہ سید الطائفہ۔ اور امیر القوم ہیں۔ آپ نے النبوۃ فی الاسلام میں معقولی و منقولی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت حقیقیہ و کاملہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیئے مسدود ہو گیا ہے اور جو شخص حضور انور صلعم کے بعد حقیقی نبوت کا مدعی بنتا ہے وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ ہم مولوی صاحب ممدوح کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے بلا دور رعایت اور بلا خوف ملامت اسلام کے ایک بنیادی اُصول کو صراحتاً تسلیم کر لیا۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ممدوح نے اپنے تسلیم کردہ اُصول کی کسوٹی پر مرزا غلام احمد صاحب کے دعاوی کو نظر انصاف سے جانچنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر وہ حسن عقیدت کی عینک کو تھوڑی دیر کے لیئے اُتار کر رکھ دیتے اور اپنی خداداد قابلیت سے مرزا صاحب کی تحریرات اور کارناموں پر تنقیدی نظر ڈالتے تو انہیں ـــہ

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ... اُس سے بہتر غلام احمد ہے

کے مصنف کی نسبت حقیقت الامر کے دریافت کرنے میں کچھ دقت نہ ہوتی۔ مولوی محمد علی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب ایک ظلی مجازی ... نبی تھے یعنی آپ کی حیثیت ایک مبشر و محدث کی تھی اور یہ کہ اسلام میں ہزاروں مبشر و محدث مرزا صاحب سے پہلے بھی ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں تعجب ہو کہ جب اور مبشروں اور محدثوں نے تیرہ سو برس تک مجازی و ظلی نبوت کے حامل ہو کر اپنے آپ کو نبی کہلانے کی جرأت نہیں کی تو مرزا صاحب کو ایک ... لقب اپنے لیئے تجویز کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی جس سے ختم نبوت کے مسلم عقیدہ کے متعلق کم از کم جہلا میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اور جس کے اعلان نے مسلمانوں کے باہمی اختلافات و انشقاق کو اور زیادہ وسیع کر دیا۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ مرزا صاحب چونکہ نہایت سمجھدار اور دوراندیش تھے اور وہ یہ خوب جانتے تھے کہ اس زمانہ میں نہ تو نبوت حقیقیہ و کاملہ کے دعوے سے کامیابی ہوسکتی ہے اور نہ محض اپنے تئیں ایک مبشر و محدث مشتہر کرنے سے اس لیئے اُنہوں نے اپنے دعوے نبوت کو ایسا مجمل و مبہم اور پہیلی کی طرح پیچدار رکھا کہ جس سے مسلم و غیر مسلم دونوں ایک حد تک متاثر ہوسکیں تاکہ اگر غیر مسلم نبی سمجھ کر ان پر ایمان لائیں تو مسلمان اپنا ایک محترم بزرگ سمجھ کر ان کی عزت و توقیر کریں۔ یہی وجہ ہو کہ ایک طرف مولوی محمد علی صاحب مرزا صاحب کی ایسی تحریرات پیش کر رہے ہیں جن سے ان کے حقیقی نبوت کے مدعی ہونیکا بطلان ہوتا ہے۔ دوسری طرف مرزا محمود صاحب ایسے اُمور پر روشنی ڈال رہے ہیں جن سے مرزا صاحب کے حقیقی و کامل نبوت کے مدعی ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ گویا مرزا صاحب نے کمال دوراندیشی سے جس دعوے کو مجمل و مبہم اور پہیلی کی طرح پیچدار رکھنا مناسب سمجھا تھا اب اُن کے متبعین اُسے مفصل اور واضح کرنے اور اُس کی پیچ کو دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کاش یہ حضرات اور زیادہ انصاف پسندی اور وسعت نظر سے کام لیتے۔

چونکہ "النبوۃ فی الاسلام" کے مطالعہ سے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور اُن کے دعاوی کے متعلق ایسی غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جن سے اسلام کو نقصان پہنچ سکتا ہے اس لیئے ہم مسلمانوں کو اس کتاب کے پڑھنے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ امید ہے کہ ناظرین اسوۃ حسنہ اس کتاب کی خریداری سے احتراز کریں گے۔

اگر مولوی محمد علی صاحب اُس روپیہ اور وقت کو بھی جو "النبوۃ فی الاسلام" کی تالیف اور طبع و اشاعت میں صرف ہوا ہے اشاعت اسلام ہی کے کام میں خرچ کرتے تو ہم اُن کے بہت زیادہ شکر گزار ہوتے اور اُن کی اسلامی ہمدردی و روشن خیالی پر اُن کے مخالفین کو طعن کرنے کا موقع نہ ملتا۔

جذبات بھاشا

اخلاقی صفحوں کا دلچسپ رسالہ مولوی نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتحپوری نے تالیف فرمایا ہے اور دائرۃ الادب دہلی کی طرف سے شائع ہوا ہے

افسوس ہو کہ ہم بھاشا زبان اور اُس کی لطائف شاعری ہو نابلد ہیں اسلیئے ہم "جذبات بھاشا" کی نسبت کوئی وقیع اور قابل اعتماد رائے ظاہر نہیں کر سکتے تاہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اس رسالہ میں ادبیت اور شعر و شاعری کا ذوق رکھنے والوں کے لیے جدید معلومات اور دلکش تخیلات کا ایک اچھا ذخیرہ موجود ہے جس سے وہ اپنی زبان کو پُر لطف بنانے میں بہت کچھ مدد لے سکتے ہیں۔ مصنف نے اس رسالہ میں بھاشا زبان کے منتخب دوہے نقل کر کے ان کے مطالب اور شاعرانہ محاسن کو نہایت خوبی سے اُردو میں ادا کیا ہے کہ جو لوگ بھاشا نہیں جانتے وہ بھی نیاز صاحب کی تشریحات سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ بعض دوہے ایسے بھی درج ہو گئے ہیں جنہیں سنجیدہ طبیعتیں ناپسند کریں گی لیکن ہمارے خیال میں شاعری کو زبردستی سنجیدگی کے کوچہ میں لانا اُس پر ظلم کرنا ہے۔ اس لیئے ہم اس بارہ میں نیاز صاحب کو معذور سمجھتے ہیں۔ "جذبات بھاشا" کے شروع میں خلیق صاحب نے ایک تمہید اور مصنف نے ایک دیباچہ لکھا ہے۔ دونوں تحریریں دلچسپ اور مفید ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ رسالہ اہل زبان اردو کے حلقہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ رسالہ کی ضخامت ۸۸ صفحے۔ تقطیع ... اور لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے۔ قیمت ۱۲ / کسی قدر زائد ہے۔ ناظم صاحب دائرۃ الادب دہلی سے طلب کیجئے

وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

اور ان کے ساتھ بحث پسندیدہ طور پر کیا کرو +

مذاکرہ ومناظرہ

ملائکہ یا فرشتے

خطیب کے دو نمبروں میں کسی صاحب نے وجود ملائکہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اس مضمون کو لطائف حدیث کے ماتحت لکھا گیا ہے۔ گو مضمون اپنی نوعیت میں اچھا ہے۔ مگر قوت دلائل کے لحاظ سے تسکین بخش نہیں۔ ارسطو یا شاہ ولی اللہ صاحب کا عالم مثال کو ماننا اور وجود ملائکہ کو عالم مثال میں تسلیم کرنا منکرین و مادئین وجود ملائکہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتا۔ ضرورت ہے کہ عقلی ونقلی طور پر ملائکہ کا مستقل وجود ثابت کر دیا جائے۔ اور یہ کہ وہ قوائے عالم نہیں ہیں بلکہ مستقل بالذات جواہر غیبی ہیں +

وجود ملائکہ پر عقلی حیثیت سے نظر

ملک "الوکہ" سے مشتق ہے جس کے معنے پیغام رسانی کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ملائکہ وہ مقدس گروہ ہے جو انبیاء کو خدا کا پیغام پہونچاتا ہے۔ یا جس کے ذریعہ سے خداوند پاک کا فیض ہستی عالم ماویات اور محسوسات تک پہونچتا ہے۔ بجز حکمائے مادئین کے تمام حکمائے اشراقین والہیین اس مسئلہ میں متفق الصوت ہیں کہ اس عالم حس کے علاوہ ایک اور عالم بھی ہے جسے عالم ملکوت کہتے ہیں اور عالم غیب بھی۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ وہ عالم تجرد الٰہی اور عالم محسوس کی درمیانی حالت ہے تو اُسے عالم مثال بھی کہتے ہیں۔

حکمائے روم وہند وایران ویونان بلکہ یورپ کے تمام خدا پرست فلاسفر اور تمام اہل کتاب وغیر اہل کتاب وجود ملائکہ کے معتقد ہیں۔ اصنام پرست مذاہب کی زبان میں انکا نام دیوتا ہے۔ قرآن کریم ملائکہ کے ذکر سے معمور ہے۔ ملائکہ پر ایمان لانا اہم عقائد دین سے ہے وجود ملائکہ کے منکر بھی وہی محسوس پرست افراد ہیں جو وجود روح ونیز خدا کی ہستی سے منکر ہیں ان کی متابعت میں بعض اشخاص نے درپردہ وجود ملائکہ سے انکار کیا ہے لیکن انکار کی کوئی دلیل پیش نہیں کی جاتی بلکہ کہا جاتا ہے کہ ایسی غیبی ہستیوں کا وجود ممکن ہے مگر چونکہ حسیات اور مشاہدات سے یہ وجود ارفع ہے اس لئے اُن کے تسلیم کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے اس سے مراد قوائے عالم ہیں جو مختلف چیزوں میں پائی جاتی ہیں۔ جبرئیل سے مراد نبی کا ملکۂ نبوت ہے یعنی نبی کی قوت اصلاح جو مختلف صورتوں میں تشکل اور غیبی نداؤں کی صورت میں مسموع ہوتی تھی +

وجود ملائکہ کا امکان اور قرین قیاس ہونا

وجود ملائکہ کے محال ہونے میں جب کوئی عقلی دلیل موجود نہیں تو ان کا امکان خود بخود ثابت ہے۔ رہا ان کا قرین قیاس ہونا تو وہ بطور ایک نظریہ کے بیان کیا جا سکتا ہے۔

اگلے حکماء اس امر کے قائل تھے کہ عالم چار عناصر سے مرکب ہے لیکن موجودہ آلات کیمسٹری نے عناصر کی تعداد پنسٹھ سے بھی کچھ اوپر پہونچا دی۔ پہلے جو عناصر سمجھے جاتے تھے وہ سب مرکب ثابت ہوئے۔ جس قدر تحلیل کیمیاوی کا عمل جاری رہا کثافت سے لطافت کی طرف ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا بھی آگیا کہ تمام عناصر کی اصل ہیڈروجن گیس قرار پائی جو سب سے زیادہ لطیف اور ہلکی ہے اور اس سے بھی ایک قدم ترقی کا آگے بڑھا تو جدید تحقیق سے معلوم ہوا کہ سب چیزوں کی اصل بجلی کے ذرات ہیں جو بے حد لطیف ہیں عقل اس امر کو جائز رکھتی ہے کہ جس طرح کثیف اجسام سے مرکب ہو کر بعض ذی عقل اور صاحب ارادہ انواع پیدا ہو گئی ہیں اسی طرح بعض اثیری مرکبات ہیں جنہیں خداوند تعالیٰ نے ایک علم وارادہ والی روح پیدا کر دی ہے۔ چونکہ ان کے اجسام اجزاء لایتجزیٰ سے بھی زیادہ لطیف ہیں اس لئے خوردبین وغیرہ کسی آلہ سے نہیں دیکھے جا سکتے۔

وجود ملائکہ کی ضرورت عقلی

(۱) خداوند پاک مادہ اور صفات مادہ سے نہایت منزہ اور ارفع تر ہستی ہے ورنہ وہ بھی مادہ کی طرح ذرات اور اجزاء لایتجزیٰ کا محتاج ہوگا اور محتاج ہو کر لائق خدائی نہ رہے گا +

(۲) یہ مسلم ہے کہ عالم مادیات خدا کا معلول ہے مگر خدا اور مادہ میں کوئی مناسبت نہیں

کیونکہ وہ مجرد اور یہ کثیف اس لیئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کثیف اجسام اور خدا کے درمیان میں ایک ایسی لطیف اور نورانی مخلوق ہے جس کے توسط سے خدا کا فیض ہستی عالم ناسوت میں پہنچتا ہے اُس کو ہم عالم ملکوت کہتے ہیں اور اسی عالم کی مخلوق کو ملائکہ کہا جاتا ہے +

(۲) یہ قانون عام ہے کہ معلول و علت سے اُس وقت متاثر ہوتا ہے جبکہ علت و معلول میں کوئی مناسبت ہوتی ہے ۔

مطابق اصول نمبر ۲ عالم اجسام کو براہِ راست خدا کا معلول نہ ہونا چاہیئے ۔ بلکہ کچھ درمیان میں وسائط ہوں جو تجرد الٰہی اور کثافت مادی میں بین بین ہوں اور خدا کا فیض ہستی ان روحانی ذرایع سے عالم اجسام میں منتقل ہو ۔ ان متوسط روحانی ذرائع کو ہم ملائکہ کہتے ہیں +

(۲) خدا چونکہ مجرد المجردات اور قوی تر ہستی ہے اس لیئے اُس کے معلول کو بھی اوصاف کمال کے لحاظ سے بہت قوی ہونا چاہیئے ۔ مگر ہم مادہ اور جسم کو ایسی کمزور ہستی دیکھتے ہیں جن میں فی ذاتہ نہ علم ہے نہ ارادہ نہ دیگر صفات کمالیہ ۔ اس لیئے ہم مادی اجسام کو خدا کا بلا واسطہ معلول نہیں سمجھ سکتے بلکہ خدا کے ابتدائی معلولات جن میں حکمت الٰہیہ کی ایک موضوع ترتیب پائی جاتی ہے روحانیات ہیں ۔ روحانیات کی اقسام مختلف ہیں ۔ ایک صنف ارواح کی وہ ہے جو محض ذریعہ فیض رسانی فیوض الٰہی ہے ۔ ایک صنف ارواح کی ارواح انسانی ہے جو خلافت و نیابت الٰہی کے لیئے اس عالم میں نمایاں ہوتی ہیں ۔ ارواح میں صفات الٰہیہ کا قرب معلولات ہونے کی وجہ سے زیادہ ظہور ہے اور جتنا بُعد ہوتا گیا اُتنی ہی کمالات صفاتی میں کمی آتی گئی ۔ اور لطافت رفتہ رفتہ متبدل بہ کثافت ہوتی گئی یہاں تک کہ عالم امر کے بعد عالم خلق بنا ۔ یہ روحانی وسائط جن کو ملائکہ کہا جاتا ہے دیگر مذاہب میں خاص درجات رکھتے ہیں اور مستقل بالتاثیر ہیں ۔ رومی بُت پرست اُن کو خدائی درجہ دیتے تھے عرب کے بُت پرست اُن کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے ۔ ہندوستان میں جن دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی ہے یعنی اندر ، دا اگنی وغیرہ وہ ہندو دیو مالا کے ملائکہ ہیں ۔ اسلام نے ان تمام غلط فہمیوں کو دور کر دیا اُس کی تعلیم یہ ہے کہ عالم میں کوئی موثر نہیں مگر خدا ۔ وہ سلسلہ علت و معلول سے انکار نہیں کرتا ۔ مگر ان درمیانی علتوں کو محض واسطہ اور سفیر سمجھتا ہے جن کے وجود اور قوت کی محافظ ایک اعلیٰ ہستی ہے ۔ یہ ذرائع اپنی ذاتی طاقت اور اثر سے بلا اذن الٰہی ایک ذرہ کو حرکت نہیں دے سکتے ۔ اور ایک پتہ کو نہیں گرا سکتے بلکہ ہر دم سر چشمہ ہستی سے مستفید ہوتے ہیں اور خداوند تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کا ظہور کرتے ہیں ۔

(۳) ہم عالم میں دیکھتے ہیں کہ ہماری تمام قوتیں بغیر بیرونی مدد کے کوئی کام نہیں کر سکتی ہیں ۔ ہماری آنکھ اُس وقت تک نہیں دیکھ سکتی جب تک آفتاب وغیرہ کا نور نہ ہو ۔ ہمارے کان اُس وقت تک نہیں سُن سکتے جبتک کہ ہوا کا تموج آواز کو ہمارے کانوں تک نہ پہونچا دے ہماری قوت لامسہ اُس وقت تک کام نہیں کر سکتی جب تک کہ گرمی یا سردی نرمی یا سختی کسی جسم میں نہو جس کو ذریعہ سے ملموس چیز ہماری قوت لامسہ پر اثر انداز ہو ۔ ان واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ امر قرین قیاس ہو جاتا ہے کہ ہماری نیکی کی قوت و نیز ہماری بُرائی کی قوت خود اُس وقت تک کام نہیں کر سکتی جب تک بیرونی چیز اُس کے معاون نہ ہو ۔ جو بیرونی چیز ہماری نیکی کو مدد پہونچاتی ہے اُسی کو ہم فرشتے کہتے ہیں ۔ اور جو خارجی چیز ہماری بُرائی میں معاون ہوتی ہے اُسی کو ہم شیطان کہتے ہیں ۔ یہ معاونین جو بیرونی ہیں دو قسم کے ہیں ۔ یا خود ہمارے ہی ابنائے جنس ہیں یا خدا کی وہ غیبی ارواح ہیں جو ہمارے لیئے برکت کی دعائیں کرتی ہیں ۔ ہماری آمرزش چاہتی ہیں ۔ ہم پر رحمت الٰہی کے دونگڑے برساتی ہیں ۔ یا لعنت الٰہی کی بوچھار کرتی ہیں ۔ یا وہ رحمت الٰہی سے نا اُمید ہستیاں ہیں جو اپنی ناریت کی وجہ سے غیر محسوس ہیں اور شرارت و خباثت کا سر چشمہ ہیں جن کو شیطان کہتے ہیں ۔

وجود ملائکہ پر نقلی حیثیت سے نظر

میں یہ بھی مناسب سمجھتا ہوں ۔ کہ وہ آیات و احادیث جن سے ملائکہ کا ایک ذی علم اور صاحب ارادہ ہستی ہونا متبادر ہے اور جن کی تاویل قرائن یہ الفاظ قرآن و حدیث کے خلاف ہے یا بہت دور ہے ۔ بطور نمونہ کے کچھ نقل کروں ملاحظہ ہو :- الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویومنون بہ ویستغفرون للذین اٰمنوا ربنا وسعت کل شیءٍ رحمۃ وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم ربنا وادخلھم جنت عدن التی وعدتھم ومن صلح من اٰبآئھم وازواجھم وذریتھم انک انت العزیز الحکیم وقھم السیاٰت ومن تق السیاٰت یومئذٍ فقد رحمتہ وذلک ھو الفوز العظیم ۰ آیہ مذکورہ بالا سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حاملین عرش الٰہی کچھ ذی علم اور ذی ارادہ ہستیاں ہیں نہ بے علم قوت جو تسبیح الٰہی کیساتھ ساتھ خداوند پاک پر یقین رکھتی ہیں اور اہل ایمان کیلئے آمرزش چاہتی ہیں اگر اس آیت میں قوائے عالم مُراد لیئے جائیں جیسا کہ منکرین وجود ملائکہ کا خیال ہے تو قوائے عالم کا ایمان و استغفار کیا معنی ہونگے یہ مسلم ہے کہ قوتیں بے علم و بے شعور ہوتی ہیں ایمان تصدیق بالقلب کو کہتے ہیں اور تصدیق و یقین علم کی اعلیٰ قسم ہے استغفار کیواسطے ضرورت ہے کہ ہمدردی کا جذبہ بصورت چاہنے والے میں موجود ہو مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ قوائے عالم میں جذبہ ہمدردی بھی پایا جاتا ہے اگر یونہی تاویل کی کھینچ تان کی جائے تو کوئی نص صریح باقی نہیں رہ سکتی جس کے معنی اُلٹ پلٹ ہو سکیں پھر قرآنی استعارات کا انسان چیستان و معمہ ہو جائیگا اور فرقہ باطنیہ کا مسلک اختیار کرنا پڑیگا تاویلات بعیدہ کی اجازت ہی بنیاد پر نہیں ہاں تاویلات قریبہ کی اجازت ہے بشرطیکہ ضرورت تاویل ہو مگر وجود ملائکہ میں تاویل کی ضرورت بھی نہیں ایسی چیز ہے جسکا وجود منکرین ملائکہ نے بھی تسلیم کیا ہے اُن کو محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہیں کہ اور ارواح انسانی و ملائکہ کی ہستی اور قوتوں کو مادہ تک محدود کر دیا ہے ۔ ملائکہ کی مختلف صورتوں میں تشکل کی طاقت جو اہل مذاہب مانتے ہیں وہی طاقت "اسپرٹ ٹوئلزم" نے بھی روح انسانی میں ثابت ہونے کا دعویٰ کیا ہے روح مختلف صورتوں میں نمایاں ہو سکتی ہے ۔ (باقی آیندہ)

محمد قاسم متعلم مدرسۂ الٰہیات کانپور

ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا

جس کو حکمت دی گئی بے شک اُس نے بڑی دولت پائی

حکمت و موعظت

شذرات

مذمت سب و شتم ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گالی گلوچ کی۔ ان کو ماں کی گالی دی۔ کالا کالی کے بچے! اس وقت حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت ابوذر سے فرمایا۔ یا ابا ذر اعیرتہ بامہ انک امرؤ فیک جاھلیۃ۔ اے ابوذر! تو نے اس کو ماں کی گالی دی۔ تو ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت کی خصلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات سن کر حضرت ابوذر ایسے متاثر ہوئے کہ سیدھے حضرت بلال سے معافی کے خواستگار ہوئے اور اپنا گال زمین پر رکھ دیا۔ اور کہنے لگے میں اپنا گال زمین پر سے اُس وقت تک نہیں اُٹھاؤں گا جب تک بلال اپنے پاؤں سے اس کو نہ روندیں۔ حدیث مرقومہ بالا سے مستفاد ہوتا ہے کہ سب و شتم بہت مذموم اور خصلت جاہلیت ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ سباب المسلم فسوق۔ مسلمان کو گالی دینے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے۔ پیروان اسلام کو اس کے تحرز و مجتنب رہنا چاہیئے۔ اور اپنی اولاد و ملازم اور خدام و متعلقین پر احتساب کرنا چاہیئے جو لوگ بات بات میں سب و شتم کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کا تکیہ کلام ہی گالی گلوچ ہے۔ اپنے نفس کا احتساب کریں۔ کفیٰ بنفسک الیوم حسیبا۔

قوت بازو و کسب معاش کی فضیلت حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت داود علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بھیس بدل کر نکلا کرتے تھے اور جو ملتا اُس سے پوچھتے کہ کہیں جی داود کی عادات کیسی ہیں۔ چنانچہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرد کی صورت میں متمثل ہو کر ان کے سامنے آئے۔ حضرت داود نے ان سے بھی یہی سوال کیا۔ حضرت جبرئیل نے جواب دیا کہ اگر داود بیت المال سے نہ کھاتا ہو بلکہ قوت بازو سے کسب معاش کرتا ہو تو بلاشبہ وہ نیک مرد ہے۔ حضرت داود علیہ السلام یہ سن کر محراب میں گئے اور نہایت تضرع سے مناجات کی کہ بار خدایا! مجھے کوئی حرفہ سکھا دے تاکہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاؤں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے انہیں زرہ بنانا سکھایا۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے "والنا لہ الحدید ان اعمل سابغات وقدر فی السرد" (پ ۲۲۔ س السبا۔ ع ۲) اور داود کے لیے ہم نے لوہے کو ملائم کر دیا تھا کہ اس کی اچھی اچھی زرہیں بناؤ۔ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ مناسب کا خیال رکھو۔ غور کرو کہ قوت بازو سے کسب معاش کی کیسی فضیلت ہے۔

اختلاف قول و فعل شیوۂ ناپسندیدہ ہے ابراہیم تیمی ایک مشہور واعظ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے قول و فعل کا مقابلہ کیا تو مجھے بے حد خوف ہوا کہ کہیں میرا شمار شریعت کے جھٹلانے والوں میں نہ ہو۔ یا لوگ مجھے جھوٹا نہ سمجھیں۔ اس بنا پر کہ میرا قول اور ہے فعل اور۔ غور کرو۔ اختلاف قول و فعل شیوۂ ناپسندیدہ ہے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی سخت بیزاری کا باعث۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے:۔ یا ایھا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (پ ۲۸۔ س الصف۔ ع ۱) مسلمانو! ایسی بات کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کر کے نہیں دکھاتے۔ یہ بات اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو سب کچھ اور کرو کچھ بھی نہیں۔ حضرات واعظ و خطبا غور فرمائیں۔

عواقب و نتائج عجب و خود بینی حدیث شریف میں وارد ہے کہ تین چیزیں نہایت مہلک ہیں۔

(۱) حرص۔ جس کی اطاعت کی جائے (۲) خواہش۔ جس کا اتباع کیا جائے۔

(۳) عجب کرنا آدمی کا ساتھ اپنے۔ یعنی خود بینی۔

غور کرو۔ عجب و خود بینی ہی کی وجہ سے شیطان شکار [illegible] میں پڑا۔ اور [illegible] ہوا۔ اسی بنا پر وہ ناقص انسانوں کو اسی راہ سے ضلالت و ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ بالآخر عجب و خود بینی عبادت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے مانع و مزاحم ہوتی ہے۔

نعم ما قیل

مرد معجب زاہل دین نبود [illegible] معجب خدا [illegible]
بے خبر زاں جہاں و مست غرور [illegible] خویشتن بین و خود پرست [illegible]

نورالدین

هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون

کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں

علم و ادب

ہلال عید

اے ہلال عید اے گنج مسرت کی کلید / حال اپنا دل سے پوچھو آرزو و شوق دید
ہچکیاں لینے لگیں دل میں محبت [illegible] / [illegible] تو آیا جو [illegible] پیغام عید

بارک اللہ کیا نوید جانفزا لایا ہے تو
نور جنت بن کے بزم عیش میں آیا ہے تو

روزہ داروں سے کوئی پوچھے مسرت عید کی / [illegible] دولت عید کی
[illegible] ہے نعمت عید کی / دلکشا [illegible] ہے [illegible]

محفل دنیا میں یہ جلوہ فزائی خوب ہے
تیرے دلداروں کو ہر ناز و ادا مرغوب ہے

اے ہلال عید [illegible] / [illegible]
ہے تری موج خوشی اک بحر نا پیدا کنار / سالی [illegible] بزم عام [illegible]

جلوۂ صبح [illegible]
اٹھ گئی [illegible] نشاط انگیز تیری عید کی

ساقیا [illegible] جام [illegible] کیلئے / پاک و اطہر بادۂ عرفاں ہو مستوں کیلئے
تو نے ساغر میں [illegible] / فیض کا دریا بہادے تنگ دستوں کیلئے

آج [illegible] ہے [illegible] ہوئی
جام و ساغر پر گھٹا [illegible] ہوئی

دے توحید کا دے جام بھر کر ساقیا / جس کے پیتے ہی مٹے بغض و حسد مکر و دغا
تشنگان معرفت کو جام پینے آب بقا / مشترک قائم رہے جس کو سرور جانفزا

[illegible] عید نظارہ مسرت [illegible]
[illegible] سے [illegible] جام [illegible]

[illegible] / [illegible] دل [illegible]
[illegible] / [illegible]

اے [illegible] کا [illegible] چاہیئے
وقت [illegible] چاہیئے

حافظ محمد [illegible] اوج گیاوی

غربا کی عید

سارے دل طرف [illegible] ہلال عید / خوش [illegible] کو ہلال عید
باعث [illegible] ہلال عید / لیکن [illegible] ہلال عید
پہنے لباس فاخرہ [illegible] / دل [illegible] ملال عید
[illegible] شاک کے لیے / [illegible] دل میں [illegible] عید
[illegible] / مگر [illegible] کیسا خیال عید
اس سال تو نہیں [illegible] سال کو / تم [illegible] خیال عید
[illegible] / [illegible] ہلال عید
[illegible] / ان کو [illegible] کہاں [illegible] عید

[illegible] / [illegible] مثال عید
[illegible] / [illegible] ہلال عید
[illegible] خوشی [illegible] / [illegible] مثال عید
[illegible] / بہتر نہیں [illegible] عید
[illegible] ان کا بھی ہو خیال / واللہ مومنوں کا یہی ہے کمال عید
[illegible] / ہوگا خدا [illegible] عید
[illegible] / عرفان [illegible] عید

عرفان علی رضوی

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

لوگوں کو قصے سنایا کرو تاکہ وہ فکر و غور کرنے لگیں

القصص

"پیارِی اماں"

مرزا خرم اور صابرہ بیگم دو میاں بیوی اسلام آباد کے رہنے والے تھے۔ انکی زندگی نہایت عسرت میں گزرتی تھی۔ مرزا خرم صرف چار روپیہ ماہوار پر پڑھانیکی نوکری کرتے تھے۔ سوائے اس کے کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا۔ ان بیچاروں کے کوئی اولاد نہ تھی۔ پس نہایت غمگین اور شکستہ خاطر رہتے تھے۔ پنجوقتہ نماز پڑھکر خداوند کریم سے دعا مانگتے۔ سینکڑوں منتیں مانیں۔ ہزاروں وظیفے پڑھے مگر دلی مُراد بر نہ آئی۔ ان کی مایوسی دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ آخر ربّ العزت کو ان کی حالت زار پر رحم آیا۔ اور ان کی دعا کو درجۂ قبولیت عطا فرمایا۔ یعنی خالق عزّ وجل نے ان کو بیٹا دیا جس کا نام اسلم رکھا گیا۔ یہ لڑکا ان بیچاروں کے اندھیرے گھر کا اُجالا تھا۔ ماں باپ اپنے جگر پارے کو ایک لحہ بھی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ ماں بلائیں لیتی۔ لوریاں سُناتی۔ خود جاگتی۔ اُس کو سُلاتی جب کبھی بیمار ہو جاتا رات بھر گود میں لیئے صحن کا چکر لگاتی۔ کھانا۔ پینا۔ سونا۔ آرام کرنا سب ترک کر دیتی۔ دعائیں مانگتے مانگتے بقول شخصے زبان چھل جاتی۔ اپنا پیٹ کاٹتی۔ بھوکی رہتی مگر اُسکی دوا دارو کرتی۔ ان سب تکالیف کو وہ بیچاری بخوشی برداشت کرتی۔ اس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کے آرام کو اپنے لاڈلے کے آرام کے سامنے ہیچ سمجھ رکھا تھا ان دونوں کی دلی آرزو یہ تھی کہ وہ اس نونہال کو پھولتا پھلتا دیکھیں تاکہ آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہو ✦

مرزا خرم کی وفات

اسلم اپنے باپ کا لاڈلا۔ اپنی ماں کا اکلوتا بچہ پورے پانچ سال کا بھی نہ ہوا تھا کہ بے پدر ہو گیا یعنی مرزا خرم کو سفر آخرت پیش آیا۔ تنگدستی کی حالت۔ مرزا خرم کی وفات۔ اسلم کا بچپن میں یتیم ہونا۔ صابرہ بیگم کو جس قدر رُلاتا وہ کم تھا۔ ایسے مصائب میں گرفتار ہو کر صابر و شاکر رہنا بڑے باہمت انسان کا کام ہے صابرہ بیگم اسم بامسمیٰ تھی۔ اس کے دل پر اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کا گہرا اثر تھا۔ کبھی اس کو سرتاج مرزا خرم مرحوم کا ذکر آجاتا تو بے اختیار آنسو نکل پڑتے مگر زبان سے اُف تک نہ کرتی۔ اس کا معمول تھا۔ "رضینا بولی از ہمہ اولیٰ" وہ روزانہ بعد نماز کلمہ شریف و درود شریف پڑھکر اپنے خاوند کو بخشتی اور سر نیاز جُھکا کر درگاہ رب العزت میں یوں عرض کرتی۔ "مجھ دکھیاری مصیبت کی ماری کی بات سننے والے بنی بگڑی بنانے والے میرے خدا تیری رحمت بے پایاں شُکر تیرے دربار میں حاضر ہوئی ہوں۔ تو نے میرا سہاگ لے لیا تو لے لیا مگر میرے لال لخت جگر نور نظر اسلم کی عمر میں برکت دے وہ میرے دل کی ٹھنڈک۔ اپنے مرحوم باپ کی نشانی ہے تو جانتا ہے کہ میں اُس کو دیکھکر جیتی ہوں۔ الٰہی پیارے اسلم کو بطفیل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تمام ارضی و سماوی آفات و آلام سے محفوظ رکھ۔ آمین۔ ثم آمین۔

اسلم کی پرورش تعلیم و تربیت

اسلم کے پرورش کرنے میں جو زحمتیں اُسکی ماں کو اُٹھانی پڑیں اُن کا اندازہ کون کر سکتا ہے تنگدستی۔ فاقہ کشی۔ اور مرزا خرم کی وفات مصیبت پر مصیبت تھی۔ سچ ہے۔

"*Misfortune never comes alone.*"

(مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی) بیچاری دن کو چرخہ کاتتی۔ رات کو چکی پیستی۔ اہل محلہ کے کپڑے سیتی اور اس طرح اپنا اور اپنے بچّے کا پیٹ پالتی۔ پہلے تو اسلم کچھ دن محلہ کی مکتب میں میانجی کے پاس قرآن شریف پڑھتا رہا۔ سات برس کی عمر میں اُسکی ماں نے اُس کو قریب کے ورنیکولر اسکول میں داخل کرا دیا۔ اس نیک بی بی کا معمول تھا کہ علی الصباح اپنے لال کا منہ دھلاتی۔ ناشتہ کھلاتی کپڑے پہناتی۔ قلم دوات بستہ دیکر مدرسہ بھیجتی۔ بعدہ کاتنے میں مشغول ہو جاتی۔ دوپہر کو اُس کے آنے سے قبل کھانا تیار کر رکھتی۔ جوں ہی اسلم دروازہ میں گھستا پروانہ وار دوڑ کر بلائیں لیتی۔ دعائیں دیتی ہوئی گھر میں لاتی۔ منہ ہاتھ دھلا کر پہلے اُس کو کھانا کھلاتی پھر خود بچا کھچا کھاتی شب و روز محنت شقت کرتی مگر اُس کو تکلیف نہ ہونے دیتی۔ اس عسرت کی حالت میں بھی اُسکی ہر ضد و ہٹ کو حتی الامکان پورا کرنیکی کوشش کرتی۔ اسلم ذکی فہیم سنجیدہ ہونے کے علاوہ [illegible] [illegible]

نہایت ہی ذہین بیدا ہوا تھا۔ اس نے چند سال ہی میں ورنیکولر فائنل کا امتحان درجۂ اوّل میں پاس کرلیا۔ اور اعلیٰ پوزیشن حاصل کی۔ اس کا نمبر یو۔ پی میں دوم رہا۔ پانچ روپیہ ماہوار گورنمنٹ کی جانب سے انگریزی تعلیم کے واسطے وظیفہ مقرر ہوگیا۔ اسلم نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر ہائی اسکول میں اپنا نام لکھا لیا۔ فیس تعلیمی معاف ہوگئی۔ اس نے شہر میں دو چار جگہ ٹیوشن بھی کرلی۔ خود پڑھتا۔ فرصت کے وقت روساء کے بچوں کو پڑھاتا۔ اسطرح اپنی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ چار روپیہ ماہوار ماں کو بھیجتا وہ بیچاری اپنے ہونہار سعادتمند بچے کو کروڑوں دعائیں دیتی۔ قصہ کوتاہ اسلم نے پانچ سال میں انٹرنس پاس کرلیا

ملازمت

اسلم نے بوجہ افلاس آیندہ سلسلۂ تعلیم جاری رکھنے کے خیال کو ترک کرکے دفتر ججی میں پندرہ تیس روپیہ ماہوار ملازمت کرلی۔ وہ جس طرح دوران تعلیم میں اساتذہ کا فرمانبردار تھا اُسی طرح دفتر میں حکام کا اطاعت شعار رہا۔ مشکل سے مشکل کام کو بخوبی انجام دیتا۔ محنت سے کبھی جی نہ چُراتا۔ حکام اُس سے نہایت خوش رہتے۔ ہمیشہ فائدہ پہونچانیکی کوشش کرتے۔ اُسکی اطاعت شعاری کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ چند ہی سال کے اندر ترقی پاکر ساٹھ روپیہ ماہوار پانے لگا اس کی عادت تھی کہ ہر ماہ کی تنخواہ لاکر اپنی مادر مشفقہ کے ہاتھ پر رکھتا۔ ایک حبّہ بھی بغیر اجازت صرف نہ کرتا۔ صابرہ بیگم اسلم کی بہبودی و سعادتمندی کے سامنے اپنے خاوند کی وفات اور تمام پچھلی تکالیف کو بھول گئی۔ شب و روز عبادت الٰہی کرتی اور خداوند کریم کی رحمت بے اندازہ کے ترانے گاتی جس نے اُسکی عسرت کو عشرت سے بدل دیا۔

شادی

اسلم اپنے پرائے میں ایسا نیک خصلت مشہور ہوگیا کہ اس کی شادی کے پیغام مختلف جگہ سے آنے لگے۔ اچھے اچھے ذی استطاعت حضرات اپنی لڑکی کیساتھ شادی کرنیکی خواہش کرنے لگے۔ آخر شیخ معظم علی صاحب کے یہاں رسم منگنی ادا کی گئی۔ شیخ صاحب کے صرف ایک یہی لڑکی تھی جو اُن کو جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ تین سو روپیہ ماہوار کی جائداد کے مالک تھے۔ انکی دلی آرزو یہ تھی کہ شادی نہایت دھوم دھام سے ہو۔ اگر خدا نے لڑکا نہیں دیا ہے تو لڑکی ہی کی شادی میں سب ارمان نکالے جائیں۔ پس تاریخ نکاح مقرر ہونے سے قبل اسلم کو لکھ بھیجا کہ ہمارے مکان پر چار رنڈیوں کے طائفے مختلف قسم کے باجے اور بھانڈوں کی ٹولیاں آنی چاہئیں بری کا جوڑا تین سو روپیہ سے کم نہ ہو۔ اسلم ایسا کہاں کا دولتمند تھا جو اس قدر صرف کثیر کو برداشت کرسکتا علاوہ اس کے وہ ابتدائی عمر ہی سے ان فضولیات و مکروہات سے متنفر تھا وہ مُسرف کو بحکم قرآن شریف اخوان الشیاطین سمجھتا۔ اُس نے شیخ معظم علی صاحب کو ایک خط لکھا جسکی تحریر یہ تھی کہ :-

شیخ صاحب تسلیم۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ میں نہایت ہی معمولی حیثیت کا آدمی ہوں مثل مشہور ہے کہ جسقدر چادر دیکھو اُتنے ہی پیر پھیلاؤ۔ میں قرض سے ایسا کانپتا ہوں جیسے قصائی سے گائے۔ القرض مقراض المحبۃ سے کون واقف نہیں قرض لیکر اخراجات غیر ضروری کرنا عاقل کا کام نہیں ہزاروں گھر اس بدعادت کی بدولت تباہ ہوگئے۔ ناچ گانا وغیرہ شرعاً حرام قطعی ہیں ان میں صرف کرنا گویا میرا اپنے ہاتھوں سے جہنم خریدنا ہے۔ تیسرے یہ کہ باوجود اضاعت مال کے انسان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے فضول خرچی کی مذمت قرآن عظیم میں موجود ہے باری عزت فرماتا ہے ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین (ترجمہ) فضول خرچی کر تحقیق فضول خرچی کرنیوالے شیطان کے بھائی ہیں۔ پس ایسی وعید شدید کے ہوتے ہوئے میں کسی طرح ان فضول اخراجات کو برداشت نہیں کرسکتا۔ رہا بری کا جوڑا میرے خیال ناقص میں یہ رسم بھی نہایت ہی بری ہے ایک جوڑے پر اسقدر کثیر رقم کا صرف کرنا بالکل بیکار ہے یہ جوڑے صندوقوں میں رکھے رہتے ہیں اور چند سال بعد جھینگروں کی نذر ہو جاتے ہیں سال دو سال میں مشکل سے دو چار مرتبہ پہننے کی نوبت آتی ہے۔ کاش انکی بجائے دس پندرہ کا ایک جوڑا بنائے جائیں تاکہ اسراف و اضاعت مال سے بچیں۔ والسلام کمترین اسلم

شیخ صاحب خط پڑھتے ہی آگ بگولہ ہوگئے اور شادی کرنے سے انکار کردیا۔ اسلم نے چند ماہ بعد اپنی شادی دوسری جگہ کرلی۔ سیدھی سادی ممنوعات شرع سے پاک برات گئی دلھن گھر میں آئی اسوقت صابرہ بیگم والدہ اسلم کی خوشی کا کون اندازہ کرسکتا ہے بس کپڑوں میں پھولی نہ سماتی تھی۔ مدتوں بعد اللہ آمین کرکے اُس کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اسلم کی بیوی نہایت ہی خوبصورت سچ مچ کی حور تھی۔ اُس نے رفتہ رفتہ ایک ہی سال کے اندر اسلم کو مادر مہربان سے برگشتہ کردیا۔ اب اسلم وہ اسلم نہ رہا جو کل تک ماں کا فرمانبردار اطاعت شعار بیٹا تھا۔ آج بیوی کی حمایت میں ماں کو ڈانٹنے برا بھلا کہنے لگا مگر وہ اُف تک نہ کہتی۔ درحقیقت عورتوں کو سر پر چڑھا لینا ان کی ہر بیجا ضد کا پورا کرنا پرلے سرے کی نادانی ہے +

اسلم کے ہاتھوں ماں کی درگت

اسلم کی بیوی نے اپنے خاوند کو قابو میں پاکر خود بھی ساس کو تکالیف پہونچانا شروع کیں مگر وہ بیچاری محض اس لحاظ سے جسکو چکی پیس پیسکر بڑی مصیبت سے پالا تھا برداشت کرتی۔ ایکدن کسی بات پر ساس بہو میں تو تو میں میں ہوئی اسلم چار بجے دفتر سے واپس آیا۔ کل قصہ سُنا۔ اس کو حُسن کی دیوی نے کچھ ایسا متوالا بنا رکھا تھا کہ بجائے بیوی کو تنبیہ کرنیکے ماں کو برا بھلا کہکر مکان سے نکالدیا صابرہ بدستور چکی پیس پیس کر گذر اوقات کرنیلگی پورے پانچ سال وہ اس مصیبت میں گرفتار رہی آخر چار یوم بیمار رہکر جنت کو سدھاری اہل محلہ نے تجہیز و تکفین کی اسلم دفن تک میں شریک نہ ہوا +

اسلم کی وفات

ماں کی وفات کے بعد اسلم کی پشت میں ایک پھوڑا نکلا۔ ڈاکٹروں حکیموں کا علاج کیا گیا مگر بجائے افاقہ مرض بڑھتا ہی گیا ع۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اسلم درد کی شدت سے گائے بھینس کی طرح چلاتا دن رات میں پلک سے پلک نہ لگتی۔ جگر بھر سوتا اور جاگتا۔ اس کرب و بے چینی میں اسلم کو ایک ماہ ہوگیا ایکدن صبح کے وقت جبکہ نسیم سحری اٹکھیلیاں کرتی ہوئی تمام جہان کا چکر لگا رہی تھی اُس نے سنبھالا لیا کرب و بے چینی میں کمی پاکر سوگیا کیا دیکھتا ہے کہ ایک پُر فضا میدان ہے جسمیں ہزاروں عالیشان مکانات بنے ہوئے ہیں ہزاروں نہریں ... خدا نور کا چادر اوڑھے ہوئے ان میں چل رہے ہیں سبزہ زار کو دیکھکر اسلم کا جی بھی للچایا جونہی دروازہ میں قدم رکھا دربان نے دھکا دیا اور کہا ماں کو تکلیف پہونچانیوالے اس بہار باغ کی ہوا بھی نہیں پاسکتے کیا تو نے نہیں سنا کہ ماں کے پیر تلے جنت ہے۔ اسلم یہ دیکھتے ہی یکایک چونک پڑا اسنے ایک آہ سرد بھری اور بے اختیار پکار اٹھا

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم اُن لوگوں کو اپنی (اقتدار کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھائینگے اور اُن کے اپنے درمیان بھی یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے۔

بصائر و بصیرت

سیر حوادث

توہمات قوم [illegible] برطانوی شرقی افریقہ میں [illegible] قبیلہ کو ہم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] عورت مشابہ [illegible] [illegible] دوں بجزت [illegible] غیرت [illegible] ہرہ [illegible] پاک نہیں سمجھتے [illegible] اللوں [illegible] اور ان کے خط و خال [illegible] بہت [illegible] ہوتے ہیں بڑی طاقت ان کی خاص ہے اکثر مضبوط و تنا ور ہیں مرغ سمیل مچھلی [illegible] علاوہ ازیں کے [illegible] ان کی من بھاتی خوراک ہیں۔ یہ لوگ توہمات باطلہ میں مبتلا ہیں اُن کے زعم میں یہ سمایا ہوا ہے کہ عورتیں شیاطین و جنّہ کے سایہ سے آسیب زدہ ہو جاتی ہیں۔ جب کسی عورت کو اس حالت میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اس کے چہرہ کو مختلف رنگوں سے رنگین کرتے ہیں اور سپہ نقش و نگار بنا دیتے ہیں پھر ڈھول [illegible] بجاتے ہیں [illegible] عورت ناچتی ہے [illegible] [illegible] [illegible] ناچتی [illegible] ڈھول گھومتی ہیں [illegible] زبان میں گیت گاتے ہیں۔ عورت [illegible] پھیر کر اور گھوم گھوم کر اپنے شمال جیسے [illegible] ناچتی ہے۔ آخر [illegible] بکرے ذبح کرتے ہیں اور ان کا گرم گرم خون پیالہ بھر کر آسیب زدہ عورت کو پلاتے ہیں۔ وہ خون کا پیالہ بلا کراہیت و استکراہ ایسے ذوق و شوق سے پیتی ہے جیسے کوئی شربت کا پیالہ پیتا ہے۔ غور کرو کہ اسلام نے تبعین کو ما انزل اللہ کی پیروی کی ہدایت [illegible] عقائد [illegible] توہمات باطلہ کا قلع قمع کر دیا۔ مگر [illegible] [illegible] ہیں کہ [illegible] آباء [illegible] کی کورانہ تقلید میں گرفتار ہیں۔ واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا اولو کان آباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون (پ ۲ ۔ البقرہ [illegible]) اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم خدا نے اتارا ہے اس پر چلو تو [illegible] ہم تو اسی طریقہ پر چلینگے [illegible] [illegible] اس کو [illegible] ہوئے پایا۔ بھلا اگر اُن کے بڑے کچھ بھی نہ سمجھتے اور نہ سیدھی راہ چلتے رہے ہوں تو بھی وہ اُنہی کی پیروی کیے جائیں گے۔

اشاعت اسلام کے متعلق [illegible] کی مزاحمت معرکہ طرابلس کے موقعہ پر [illegible] [illegible] [illegible] ہوا تھا کہ [illegible] قریب [illegible] افریقہ میں اسلام کی بڑی ترقی ہو رہی ہے [illegible] [illegible] کے بچے وہاں سے [illegible] کو لکھا ہے۔ حال ہی میں [illegible] [illegible] جس کا ماحصل یہ ہے کہ جنرل [illegible] لکھتے ہیں کہ [illegible] تمام [illegible] جنرل گورنمنٹ [illegible] ان میں ایک [illegible] [illegible] مشرقی افریقہ [illegible] [illegible] کے متعلق ہو سکی اس پر بیشتر تمام تر شرکت گشت وار [illegible] بھیجا گیا تھا۔ اس میں [illegible] کہ [illegible] اشاعت [illegible] ہونے کی غرض سے خطرناک [illegible] کی مذمت کی جائے۔ [illegible] کو اس سے روکا جائے اور مسیحی باشندوں کو بکثرت [illegible] ترغیب دی جائے۔ غور کرو جب گورنمنٹ اشاعت اسلام کے متعلق کیسی [illegible] [illegible] یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ [illegible] (پ ۲۸ ۔ الصف [illegible]) یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کامل طور پر پھیلا کر رہے گا گو کافر [illegible] برا ہی کیوں نہ منائیں۔ حکومت برطانیہ کی فیاضی و بے تعصبی سزاوار تحسین و آفرین [illegible] [illegible] کہ وہ قوانین قدرت کی اس مقدس دفعہ پر کاربند ہے لا اکراہ فی الدین (پ ۳ ۔ البقرہ [illegible]) دین میں زبردستی کا کچھ کام نہیں۔ [illegible] فیاضی [illegible] ہو کر مبلغین اسلام ہندوستان اور دوکنگ میں اقامت گزین ہیں [illegible] [illegible] میں اشاعت اسلام کی مقدس خدمات انجام دے رہے ہیں فالحمد للہ علیٰ احسانہ۔ ولنعم ما قیل ؎

بقومے کہ نیکی پسند و خدا ئے | دہد خسرو عاقل و نیک رائے

نور الدین

مذہبی علمی اور ادبی کتابیں

دو ترجموں اور دو تفسیروں والا عظیم الشان قرآن مجید

نمونہ دیکھنے سے اس بیش بہا قرآن مجید کی خوبیاں معلوم ہونگی

ہدیہ غیر مجلد ۱۲ مجلد ستے

لطیفہ خیالات ظریف

اس کتاب میں علی گڑھ کالج کے ایک سابق پروفیسر مسٹر
...ایم۔اے (دہریہ) کی کتاب "اسلام اور عقلیت" کا نہایت ہی مدلل اور دلچسپ
...جواب دیا اسلامی عقاید کا عقلی، نقلی اور سائنٹفک دلائل سے زبردست ثبوت دیا گیا ہے
...دیا اور نہایت ہی مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت صرف چھ آنے (۶ر)

شریعت و طریقت

شریعت و طریقت کے متعلق غلط فہمیاں آجکل
پھیلی ہوئی ہیں ان کو اس رسالہ میں نہایت خوش
...اسلوبی سے رفع کیا گیا ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ شریعت و طریقت کے
...درمیان کوئی تناقض نہیں ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مصنوعی صوفیوں کی قلعی کھل جاتی ہے
...قیمت صرف چار آنے (۴ر)

...الاستقام فی الصلوٰۃ علیٰ خیر الانام

یہ لاجواب کتاب چھ ہزار عربی درود شریفوں
کا مجموعہ ہے جسکے فاضل مولف نے تمام مستند
حدیث کی کتابوں کی چھان بین کرکے بڑی
...محنت و جانفشانی سے اس کو ترتیب دیا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تمام
...خصوصیات یعنی اخلاق و عادات خوارق و معجزات۔ سوانح و غزوات وغیرہ کا
...درود شریف ہی کے پیرایہ میں ذکر کر دیا ہے۔ ہر مسلمان کو خریدنی چاہیئے قیمت صرف ۱۲ر

...انتخاب توحید

میرٹھ کے مشہور و معروف اخبار توحید کی ابتدائی دستانی
...یادگاروں کی یادگار میں اس کے منتخب مضامین کا نہایت ہی دلکش و دلفریب مجموعہ جسمیں
...حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب اور دوسرے مستند انشا پردازوں کے قابل دید مضامین
...لکھے گئے ہیں قیمت صرف ۱۲ر

جنگ طرابلس یعنی خون ناحق

جنگ طرابلس کے ہولناک زمانہ میں اردو کے
...اور نامور انشا پردازوں کو جو اعلیٰ مضامین لکھنے کا
...اتفاق ہوا ان میں شایع ہوئے تھے ان کا بیش بہا مجموعہ جسکی ایک ایک سطر نہایت ہی پراثر و عبرت خیز ہے
...عالم اسلامی دنیا کے جذبات کی گویا ترجمان ہے جسکے مطالعہ سے بصیرت حاصل ہوتی ہے ایسی
...یقین ہے کہ ان مطبوعات میں اسکی نظیر مشکل سے ملیگی۔ قیمت صرف ۱۲ر

آئینہ قیامت

سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کے واقعۂ شہادت کو
نہایت دلکش اور جدید انداز میں قلمبند کیا گیا ہے۔ روایتیں
نہایت مستند اور نظمیں بہت ہی موثر ہیں۔ قیمت ۳ر

نور ایمان مع مثنوی جوہر لطیف

یہ حضرت مولانا عبد السمیع صاحب
بیدل خلیفہ خاص حضرت مولانا حاجی
شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا مشہور و معروف نعتیہ دیوان ہے جسکے اشعار نہایت دلپسند اور
مقبول ہیں۔ مولانا مرحوم کی نعتیہ غزلوں سے سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے قیمت ۶ر

شمائم امدادیہ

حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی سوانح و
ملفوظات کا متبرک مجموعہ جسمیں تصوف کے دقیق مسائل کو حل کیا
ہے۔ قابل دید ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

فرائض والدین

یہ اپنی طرز کا اردو میں پہلا رسالہ ہے جسمیں والدین کو اولاد
کی تربیت و تعلیم کے نہایت بیش بہا اور مفید اصول بتائے
گئے ہیں ہر صاحب اولاد کیلئے اس مفید رسالہ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ قیمت صرف ۳ر

تذکرۂ غوثیہ

اس کتاب میں پانی پت کے مشہور بزرگ حضرت
مولانا غوث علی شاہ صاحب قلندری کی قلندرانہ
اور درویشانہ زندگی کے نہایت دلچسپ اور سبق آموز حالات اور صوفیانہ رموز و نکات
سے بھرے ہوئے ملفوظات درج کئے گئے ہیں۔ خدا والوں کی باتوں میں جیسی کچھ کشش
ہوتی ہے سب کو معلوم ہے پھر مولانا غوث علی شاہ صاحب کے عارفانہ چٹکلے اور ظریفانہ
پیرایہ میں حقایق کی تشریح ناممکن ہے کہ پڑھنے والوں پر گریہ و خندہ کی متضاد
کیفیتیں طاری کر دے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد بغیر
ختم کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور پڑھنے والا گویا ایک خدا رسیدہ بزرگ کی صحبت
میں بیٹھکر وہ لذت حاصل کرتا ہے جسکا بیان صحیح طور پر زبان ایسی پاکیزہ و دلچسپ ہے کہ
سبحان اللہ۔ الغرض یہ کتاب ہر حیثیت سے نہایت دلکش اور پرسوز و اثر ہے جس کو ظاہر
پرست کچھ اور طلب گار لطف اور اہل باطن کچھ اور۔ ضخامت ۲۸۴ صفحے تقطیع [illegible]
چھپائی لکھائی اور کاغذ دیدہ زیب مگر قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے۔ عہ

ملنے کا پتہ: مدیر مکتبہ قادریہ سعید منزل شہر میرٹھ

ترجمۂ قرآن مجید بزبان اردو

حضرات! کیا ایک ذی علم مسلمان کے لئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ قرآن کو دین و ایمان جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے ... ترکی۔ ایران۔ ترکستان۔ افغانستان میں ملکی زبان میں ترجمۂ قرآن مجید شائع نہیں ہوا لیکن اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان ممالک میں علم سے علم عربی مراد ہے وہاں کوئی شریف مسلمان ایسا نہ ہوگا جو ذی علم ہے اور قرآن عربی کو سمجھ نہیں سکتا حتیٰ کہ چین کے مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ یہ صرف آج کل کا ہندوستان ہے کہ یہاں کے ذی علم حضرات قرآن عربی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسی ضرورت پر لحاظ کر کے علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی نے جن کی جملہ تصانیف کی فہرست اس صفحہ پر درج ہے۔ پورے قرآن مجید کا ایک بامحاورہ ترجمہ عبارات قرآنی سے علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ اور مضامین کی ایک فہرست ... شائع کر دی ہے۔ اور شروع میں ایک دیباچہ نہایت مبسوط لکھا ہے جس کی سرخیاں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ترجمہ کرنے کا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا۔ (۲) ترجمہ قرآن کی ضرورت زمانہ ماضی اور زمانۂ حاضر میں ... کے خیالات مختلف ...
(۵) مولانا نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ (۶) ترجمہ موجودہ کی اشاعت کے اسباب (۷) ترجمہ کی دقتیں ... سوال مذاہب مختلفہ ...
(۱۱) مذہب اسلام (۱۲) کتب آسمانی اور پیغمبر (۱۳) دیگر ممالک کے پیغمبر (۱۴) حضرت جبرئیل ... (۱۷) قرآن کی سورتیں ...
... (۱۸) تدوین قرآن (۱۹) اعراب قرآن (۲۰) قرآن کے تیس پارے (۲۱) متضاد احکام ... (۲۳) کیا ... قرآن میں۔
(۲۴) قرآن کے مضامین کا سمجھنا۔ (۲۵) قرآن مجید کے ساتھ تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہئے ... کے مذہب ...
(۲۸) برکات اسلام کے لئے تاریخ الاسلام بھی دیکھنا چاہئے (۲۹) معجزات (۳۰) مولف ... مسلمانوں سے۔

اس ترجمہ میں ... مسائل شرعی قرآن سے نکلتے ہیں ان کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے ... مسائل فقہ مختلف فیہ ہوگئے ہیں ان کی توضیح کی گئی ہے۔ ہر مذہب کے موافق جو ترجمہ اختلافی ہیں یا فقہ حنفی مذہب نے باہمی اختلافات کئے ہیں حاشیۂ زیریں میں سب کا بیان ہے تاکہ ترجمہ سب ... کے لئے یکساں مفید ہو ... متن میں وہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے جو سنی حنفی مذہب کے موافق ہے کیونکہ انہیں کی کثرت ہندوستان میں ہے۔

فارسی و اردو کے قدیم ترجمے اور اردو کے بہت سے جدید ترجموں کو مقابلہ کر کے نہایت صحت و اہتمام سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور باعتبار مفہوم اور باعتبار زبان صحیح ترین ترجمہ اسے کہنا بجا ہے۔ یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ علامہ نے پچیس برس کی محنت شاقہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ بعض ناظرین کو یاد ہوگا کہ علامہ نے اول اول ۱۸۹۵ء میں ڈھائی پارہ کا ترجمہ شائع کیا تھا اور اس کے بعد ۱۹۰۰ء میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ شائع ہو گیا تھا پھر اس کے بعد علامہ اسی کام میں مشغول رہے ... ناظرین ... انشاء اللہ تعالیٰ یہی کہیں گے کہ دیر آید درست آید۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ خود یہ ترجمہ بذریعہ ویلیو پی طلب فرمائیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں اور کم سے کم اتنا تو ہو کہ یہ تحریک ... ہر مسلمان کے ہاتھوں میں پہونچ کر اشتہار کا باعث ہو۔ واضح رہے کہ یہ ترجمہ سلیس زبان میں عام فہم طریقہ پر جس کے لئے علامہ کی تحریرات خاص شہرت رکھتی ہیں کیا گیا ہے۔

قیمت فی جلد مذہب تین روپیہ (۳/-) (نوٹ) جہاں سینکڑوں ہزاروں روپیہ اور کاموں میں خرچ ہوتے ہیں اس تین روپیہ قرآن کے سمجھنے میں خرچ ہو جائیگا ...

تالیفات و تصنیفات علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباسی

کیفیت	...	...	صفحہ	موضوع	بیان	نام کتاب	نمبر شمار	کیفیت	...	...	صفحہ	موضوع	بیان	نام کتاب	نمبر شمار	کیفیت	...	...	صفحہ	موضوع	بیان	نام کتاب	نمبر
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

ملنے کا پتہ: ... قاسمی اینڈ کمپنی گورکھپور